

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

# يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا

مِلح مسطور

حضرت علامہ سید سادات علی رازوی

ضمیمہ القرآن مجلی کراچی

لاہور - پاکستان



لَا يَسْتَعِ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ

# يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا

حضرت علامہ سید سعادت علی قادری

ضیاء القرآن پبلی کیشنز  
لاہور-کراچی-پاکستان



# يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا

جلد دوم

مبلغ اسلام

حضرت علامہ سید سعادت علی قادری

ضیاء القرآن پبلی کیشنز  
لاہور • کراچی • پاکستان



جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں

نام کتاب	-----	یا ایہا الذین امنوا (جلد دوم)
مصنف	-----	مبلغ اسلام علامہ سید سعادت علی القادری
اصلاح و نظر ثانی	-----	علامہ افتخار احمد چشتی
اہتمام	-----	صاحبزادہ سید عامر علی القادری
ناشر	-----	ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور
تاریخ اشاعت	-----	اپریل 2005ء
تعداد	-----	ایک ہزار
کمپیوٹر کوڈ	-----	HZ144
قیمت	-----	400/- روپے

ملنے کے پتے

## ضیاء القرآن پبلی کیشنز

داتا دربار روڈ، لاہور۔ 7221953

9۔ المکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔ 7225085-7247350

فیکس:- 042-7238010

14۔ انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی

فون:- 021-2210212-2212011-2630411

e-mail:- zquran@brain.net.pk

Website:- www.ziaulquran.com



## آئینہ

61	۲۶-۲۴	مقالہ، ۴۷	13	پیش کش
62		رسول کی پکار	15	یا ایھا الذین امنوا اور علامہ قادری
64		لما یُخَيِّبْکُمْ		تبھرے
65		نیکی میں دیر نہ کرو	34	علامہ مفتی محمد امین
67		نا کردہ گناہ کے عذاب سے بچو	36	علامہ مفتی احمد میاں برکاتی
68		کمزوری کے باوجود اطاعت	38	علامہ محمد شعیب قادری
71	۲۸-۲۷	مقالہ، ۴۸	39	ڈاکٹر صاحبزادہ فرید الدین قادری
71		خیانت	41	علامہ محمد اسماعیل ضیائی
73		اموال و اولاد فتنہ ہیں	43	علامہ آصف بن مختار انصاری
79	۲۹	مقالہ، ۴۹		سورۃ الانفال
80		فرقان	47	مقالہ، ۴۵
81		فراست	50	۱۹-۱۵
85	۴۷-۴۵	مقالہ، ۵۰	50	متخلف
86		ثبات	51	تخیز
88		ذکر اللہ	55	ایک بمقالہ دو
89		اطاعت	56	مقالہ، ۴۶
90		جھگڑا نہ کرو	57	۳۰-۲۰
92		صبر کرو	58	اطاعت
				مقصد اطاعت
				سننے کے باوجود نہ سننا



جلد دوم	4	يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا
151	93	اخلاص
152	65	رابطہ و تعلق
153	مقالہ، ۵۶	سورة التوبہ
	۱۲۳	
	سورة الحج	مقالہ، ۵۱
	101	۲۷-۲۳
157	102	صلہ رحمی
	مقالہ، ۵۷	
158	103	ایمان پر کفر کو پسند کرنا
	رکوع و سجود	
159	106	سب سے زیادہ محبت
	اللہ کی عبادت	
159	109	غزوہ خنین
	نیک کام کیا کرو	
161	113	مقالہ، ۵۲
	جہاد فی سبیل اللہ	۲۹-۲۸
162	114	مشرکین نجس ہیں
	حرج	
163	116	خطرہ عیل
	ملت ابراہیم	
166	119	مقالہ، ۵۳
	هُوَ مَوْلَاكُمْ	۳۷-۳۴
	سورة النور	پادریوں اور راہبوں کا حال
	120	
169	122	ہمارے علماء و مشائخ کا حال
	مقالہ، ۵۸	
170	123	مسئلہ کنز اور حضرت ابوذر
	ازلی دشمن	
171	125	مہینوں کی تعداد
	بدعقیدہ لوگوں کا تقویٰ	
172	126	قمری مہینے اور وجہ تسمیہ
	بدعقیدہ لوگوں کی آزادی	
173	128	سال کا تعین
	کسی کی امداد بند نہ کرو	
174	131	مقالہ، ۵۴
	سبب نزول آیت	۴۱-۳۸
175	134	غزوہ تبوک
	قابل غور	
177	136	واقعہ ہجرت
	مقالہ، ۵۹	
179	140	غار ثور میں قیام
	معاشرے کی اہمیت	
180	142	ثانی اشہین کا اعزاز
	استیذان	
183	147	مقالہ، ۵۵
	استیذان کی حکمتیں	۱۱۹
185	148	القوا اللہ
	گناہ کا سد باب	
	149	کونوا مع الصادقین



231	بے تکلفی کی اجازت	187	نظر بازی اور عریانیت
233	ساتھ کھانا کھانا	191	ستر پوشی
234	سلام کرنے کا حکم	192	عورتوں کے لئے خصوصی ہدایات
	سورة الاحزاب	193	پردہ
237	مقالہ، ۶۱، ۲۷۳۹	194	تاریخ کی شہادت
240	سلسلہ غزوات	197	ایک سوال کا جواب
241	اعداء اسلام کا متحدہ محاذ	199	زیب وزینت کا اظہار
242	یہودیوں کا خبیث باطن	200	عورتوں کا اظہار زیب وزینت
243	سب سے بڑا شکر	203	حکم نکاح
244	مدینہ میں سازش کی خبر	205	فضیلت نکاح
245	خندق کی کھدائی	208	فوائد نکاح
245	ایک چٹان	213	اختیار نکاح
247	ایک وظیفہ	215	مغربی تہذیب کی بد تہذیبی
247	خندق مکمل ہو گئی	215	ایامی
247	حضرت جابر کی دعوت	217	غلاموں اور باندیوں کا نکاح
248	آغاز جنگ	217	بخوف تنگدستی نکاح نہ کرنا
254	عظیم نعمت	218	جوڑے کا انتخاب
255	اسوۂ حسنہ	221	جہیز کی تلاش
262	اہل ایمان کا حال	222	پہلے دوست پھر شادی
263	ایشیا صحابہ کرام	224	مکاتب کی امداد
265	انجام جنگ	225	عورتوں کی جسم فروشی
266	حضور علیہ السلام کا ایک حکیمانہ اقدام	227	مقالہ، ۶۰، ۵۸-۶۱
267	حضرت سعد کا زخمی ہونا	228	اصلاح معاشرہ
268	ذوالفقار کی چمک	229	بچوں کے لئے اجازت طلب کرنا
269	چار نمازیں قضا ہوئیں	229	تین وقتوں کی پابندی
269	حضور علیہ السلام کی دعاء	230	بوڑھیوں کے لئے رعایت



318	تحفہ آخرت	270	قبولیت دعا کا ظہور
323	مقالہ، ۶۳	270	کارنامہ نعیمی
324	اہم ترین رشتہ	272	حضرت حذیفہ کی خبر گیری
325	خلع اور طلاق	274	مدینہ منورہ واپسی
327	شیطان کی خوشی	275	بنو قریظہ
327	غصہ میں طلاق	276	کعب کی تجاوز
328	طلاق دینا واجب ہے	277	ابولبابہ کی غلطی اور توبہ
329	حق طلاق مرد کو ہے	278	پچیس دن بعد
331	طلاق بر بنائے دینداری	280	یہودی عورتوں پر کرم
332	ایلاء و تنخیر	280	بنو قریظہ کا قتل عام کیوں
335	تین طلاقیں	285	سعد بن معاذ کی وفات
337	طریقہ طلاق	287	مقالہ، ۶۲
338	مسلم گھرانوں میں طلاق	288	لفظ ذکر کی وسعت
339	عدت	289	اہمیت ذکر
340	عدت کی قسمیں	295	ذکر کے چند فوائد
341	دوران عدت شوہر کی ذمہ داریاں	300	ذکر سے غفلت
345	مقالہ، ۶۴	302	اللہ کی تسبیح
346	پہلا حکم	304	ملائکہ کی تسبیح
347	بن بلائے مہمان	306	لا تفقہون
349	دوسرا حکم	306	نماز چاشت
350	تیسرا حکم	308	سرچشمہ عقائد
350	میری مائیں	309	تسبیح ذریعہ نجات ہے
352	پہلی ماں	313	صبح کے وقت تسبیح
354	دوسری ماں	314	دو کلمے
355	تیسری ماں	316	انگلیوں پر تسبیح
360	میری ماں پر بہتان	316	ذکر و تسبیح کا نتیجہ



419	361	علماء فرماتے ہیں	واقعہ اقلک
421	367	تین اہم مسائل	آیات برأت
426	369	درود شریف کی برکتیں	شر نہیں خیر ہے
431	372	عام شہادت	برائی پھیلانے والوں کا انجام
436	373	ایک مجوسی کا واقعہ	حضرت عائشہ کی چند خصوصیات
440	376	درود کی مزید برکتیں	چوتھی ماں
444	380	مومے مبارک	پانچویں ماں
446	380	تنگی قرطاس	چھٹی ماں
449	383	طریقہ درود	ساتویں ماں
452	383	الفاظ درود	زید بن حارثہ
453	384	دلائل الخیرات شریف	غلط رسموں کا خاتمہ
456	385	چند درود شریف	حضرت زید کی شادی
461	386	مقامات درود	حضرت زینب کو طلاق
467	387	مقالہ، ۶۶ ۶۹	تُخَفِّىْ فِيْ نَفْسِكَ
468	388	وجہ	حضرت زینب حرم نبوی میں
470	391	سیدنا ایوب علیہ السلام	حضرت زینب کے دیگر حالات
474	392	اپنوں کی ایذا، رسانی	آٹھویں ماں
476	395	سمندر خشک ہو گیا	نویں ماں
477	398	گوؤ سالہ کی پوجا	دسویں ماں
480	398	جہاد سے انکار	گیارہویں ماں
482	401	ذبح بقرہ	تعداد ازواج پر ایک نظر
486	407	ایذا رسول	اہم پیغام
489	409	مقالہ، ۶۷ ۷۲-۷۱	مقالہ، ۶۵ ۵۸۳۵۶
490	410	سچائی یا صداقت	درود شریف
491	413	اطاعت	درود شریف پڑھنا واجب ہے
492	415	جعفر شاہ حبشہ کے دربار میں	چند احادیث



## سورہ محمد ﷺ

537	نخی اور بنخیل کا فرق	497	مقالہ، ۶۸	۷ تا ۱۷
541	سورۃ الحجرات	499	اللہ کی مدد	
541	مقالہ، ۷۰	500	اللہ کے دین کی مدد	
542	سورۃ الحجرات	502	کفار کا حال	
544	تقدم کی صورتیں	505	جنت کی خوبیاں	
545	ہم مجرم تقدم ہیں	506	پانی کی نہریں	
547	اجتماعی کوشش	506	دودھ کی نہریں	
548	مقالہ، ۷۱	507	شراب کی نہریں	
548	آداب رسول ﷺ	509	شراب کا فور	
549	حضرت ثابت بن قیس کا حال	509	شراب زنجبیل	
550	حضرت ثابت کی شہادت	509	شراب طہور	
551	ایک کرامت	510	شہد کی نہریں	
552	انجام	511	جنت کے پھل	
553	امام مالک اور ہارون رشید	511	جنتیوں کی مغفرت	
557	حقیقت سمت	512	جنت کی چند دوسری نعمتیں	
557	ہمارا عقیدہ	516	جہنم کی ہولناکیاں	
559	سعودی فتویٰ	517	کفار کی تعریف	
560	تین انعام	518	عذاب جہنم	
563	بے وقوف	527	مقالہ، ۶۹	۳۸ تا ۳۳
564	مقالہ، ۷۲	528	اطاعت ذریعہ کامیابی ہے	
566	۱۰ تا ۶	531	کفار کے اعمال	
567	خبر فاسق کی تحقیق	532	کفار سے صلح	
568	باعث نزول	533	دنیا کی زندگی	
569	تعمیل قبل حکم	534	بے ثباتی دنیا کی مثال	
570	صحابہ سے امکان گناہ	536	بنغل	
	رسول کی اتباع کرو			
	اہل ایمان بے قصور ہیں			







## سورة الحشر

690	ایک اہم اجازت	
693	مقالہ، ۸۲	۱۳
695	یہود کی ذلت کے اسباب	653
697	بنی اسرائیل پر کوہ طور	654
698	واقعہ ذبح بقرہ	657
698	حضرت موسیٰ اور قارون	659
699	یہودیوں کی ذلت	659

## سورة الصف

## سورة الممتحنة

703	مقالہ، ۸۳	۲-۳	663	مقالہ، ۸۰	۹۳۱
704	قول و فعل کا تضاد		665	بنیادی ہدایت	
709	مقالہ، ۸۴	۱۰-۱۳	668	حضرت ابراہیم علیہ السلام	
710	تجارت		669	مختصر حالات زندگی	
711	بکریاں چرانا		677	مقالہ، ۸۱	۱۰-۱۱
712	آغاز تجارت		678	صلح حدیبیہ	
714	الصَّدُوقُ الْأَمِينُ		679	حدیبیہ میں قیام	
715	تجارت کے بنیادی اصول		679	مذاکرات کا آغاز	
716	اشیاء ضرورت پر کنٹرول		681	سفیر اسلام کی روانگی	
716	احتکار کا وبال		682	بیعت رضوان	
725	مقالہ، ۸۵	۱۴	683	حضرت عثمان کے لئے اعزاز	
726	اللہ کی مدد		683	صلح حدیبیہ	
728	حواری		685	معاہدے کی پابندی	
790	کیا مذہب باعث انتشار ہے		685	حدیبیہ سے واپسی	
732	عیسیٰ علیہ السلام سے متعلق عقائد		686	مژدہ فتح	
738	خلاصہ		686	نتائج صلح	
			689	کفار و مومنین کے درمیان ازدواج	



سورة الجمعة	سورة التحريم
مقالہ، ۸۶ ۱۱۳۹	مقالہ، ۸۹ ۶
فضیلت جمعہ	741
فضائل جمعہ پر ایک نظر	742
نماز جمعہ کی اہمیت	744
تاریکین جمعہ کا انجام	746
نماز جمعہ کے لئے تاخیر سے آنا	746
خطبہ جمعہ	747
نماز جمعہ کا اہتمام	748
آیت جمعہ	750
سورة المنافقون	751
مقالہ، ۸۷ ۱۱۳۹	محبّت و شفقت
منافقین کا حال	759
اموال و اولاد	760
سورة التغابن	765
مقالہ، ۸۸ ۱۸۴۱۳	توبہ
بیوی بچوں کی دشمنی	771
اموال و اولاد فتنہ ہیں	772
اللہ کو قرض دو	773
	777

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

## ”پیش کش“

”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا“ کی جلد اول کی مقبولیت پر ہم اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں ہمارے جن بھائی بہنوں نے اس کتاب کا مطالعہ کیا اور اس سے استفادہ کیا ان میں اکثریت نوجوان طبقہ کی ہے جنہوں نے کتاب کی اشاعت پر بے حد مسرت و خوشی کا اظہار کیا اور دورِ حاضرہ کی ایک بہترین تصنیف قرار دیا۔ جس کا سبب بلاشبہ مصنف کی علمی کاوش کے ساتھ اس کی اشاعت میں پبلشر کی خصوصی توجہ اور کتاب کی بہترین تزئین و آرائش کے لئے زبردست کوشش بھی ہے جس کے لئے ہم ضیاء القرآن پبلی کیشنز کے بے حد ممنون ہیں خصوصاً ہم ادارے کے منیجر جناب صاحبزادہ محمد حفیظ البرکات شاہ صاحب کا شکر یہ ادا کرتے ہیں جن کی ذاتی دلچسپی کے سبب کتاب کی اشاعت معیاری اور حسین و خوبصورت ہو سکی اور وہ حضرات بھی شکر یہ کے مستحق ہیں جن کے مؤثر تبصروں نے کتاب کو مزید معیاری اور وقیع بنایا۔ اللہ تعالیٰ ان سب حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا“ کی جلد اول سورۃ البقرہ، سورۃ آل عمران، سورۃ النساء اور سورۃ المائدہ کے ۴۵ مقالات پر مشتمل ہے۔ جبکہ یہ دوسری اور آخری جلد سورۃ الانفال، سورۃ التوبہ، سورۃ الحج، سورۃ النور، سورۃ الاحزاب، سورۃ محمد، سورۃ الحجرات، سورۃ الحديد، سورۃ المجادلہ، سورۃ الحشر، سورۃ الممتحنہ، سورۃ الجمعہ، سورۃ المنافقون، سورۃ التغابن، سورۃ التحریم کے ۴۵ مقالات پر مشتمل ہے۔ یہ کل ۹۰ مقالات ہوئے۔

ہمیں یقین ہے کہ اس جلد کے مطالعہ کے بعد آپ ہماری تائید کریں گے کہ ان مقالات پر مصنف نے کچھ زیادہ ہی محنت کی ہے اور انہیں خصوصی توجہ کے ساتھ قلمبند کیا ہے۔ بالخصوص سورۃ الاحزاب کا مقالہ نمبر ۶۵ تو نہایت ہی ایمان افروز اور مفید ہے۔ اس مقالہ کا عنوان ہے ”درو شریف“ آقا ﷺ کے دربار میں درود شریف پڑھنے کی برکتوں اور فوائد کو جس عقیدت و محبت سے قلمبند کیا گیا ہے یہ مصنف ہی کا حق ہے۔ اس کا مطالعہ کرنے کے بعد شاید ہی کوئی ایسا ہو جو ہمہ وقت درود شریف پڑھنے کا عادی نہ ہو جائے۔ انڈیا کے ایک سہ ماہی رسالہ ”الکوثر“ میں یہ مضمون باقسط شائع ہو چکا ہے اور بے حد پسند کیا گیا یہ درحقیقت ایک مستقل رسالہ ہے جسے مستقل کتابی شکل میں شائع ہونا چاہئے۔

اس کے علاوہ اس جلد میں نہایت ہی اہم معاشرتی و معاشی، سیاسی اور تاریخی عنوانات کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ رسول کی پکار، نیکی میں دیر نہ کرو، جھگڑانہ کرو، واقعہ ہجرت، عورت کا اظہار زیب و زینت، فضیلت نکاح، اسوۂ حسنہ، یہودی عورتوں پر کرم، ذکر الہی، خلع اور طلاق، میری مائیں، اپنوں کی ایذا رسانی، جنت کی خوبیاں، جہنم کی ہولناکیاں، کفار سے صلح، اموال و اولاد فتنہ ہیں، صلہ رحمی، غزوہ حنین، ہمارے علماء و مشائخ کا حال، تین انعام، اتحاد کا تحفظ اور بقاء، عیب



جوئی، غیبت، جاسوسی کا جواز، رسول سے امتی کا تعلق، صلح حدیبیہ، تجارت کے بنیادی اصول، کیا مذہب باعث انتشار ہے، والدین پر اولاد کا حق، غرضیکہ اس کتاب کے مطالعہ کے بعد پوری طرح اندازہ ہوگا کہ بحمد اللہ ہمارا دین کس قدر کامل و مکمل اور ادیان عالم میں سب سے افضل و اعلیٰ ہے اور اس پر عمل بھی نہایت آسان ہے۔

دعا کیجئے اللہ تعالیٰ بطفیل نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام، مصنف کو صحت و تندرستی اور عمر دراز عطا فرمائے تاکہ وہ اسی طرح اشاعت دین میں مصروف رہیں اور ہم ان سے استفادہ کرتے رہیں، آمین بجاہ رحمة للعالمین۔

طالب دعا

صاحبزادہ سید عامر علی قادری

مقیم کینیڈا

## ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا“ اور علامہ قادری

از، مفکر اسلام علامہ بدر القادری

مدیر اسلامک اکیڈمی، دی بیگ، بالینڈ

۷۸ء میں بالینڈ کی سرزمین پر قدم رکھنے کے بعد میں نے سب سے پہلے جس عالم سے ملاقات کی وہ ہیں مبلغ اسلام حضرت علامہ سید سعادت علی قادری دامت برکاتہم ان دنوں پورا ملک علماء سے خالی تھا۔ مقتدی تھے، اماموں کی ضرورت تھی، سامعین تھے مقررین و واعظین کی ضرورت تھی، سننے والے اور پڑھنے والے تھے سنانے اور پڑھانے والوں کی ضرورت تھی مگر اب صورت حال بدل چکی ہے علماء آئمہ، مقررین، واعظین اور ناصحین زیادہ ہو گئے، مخاطبین کم ہو گئے۔

فرصت کے لمحات کو با مقصد بناتے ہوئے مبلغ اسلام نے رفتار قلم کو تیز کیا لکھا اور خوب لکھا۔ نہایت اہم عنوانات پر متعدد کتابیں چند ہی سالوں میں دنیا بھر میں پھیل گئیں جن میں سے بعض کے انگلش، ڈچ اور فرانسیسی زبانوں میں بھی تراجم ہوئے۔ آپ کی شب و روز محنت و مشقت کا نتیجہ ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا“ کی صورت میں ہمارے سامنے موجود ہے جو ایک ضخیم، باوقار اور مفید ترین کتاب ہے۔ دو جلدوں پر مشتمل ہے۔ ۷۲۸ صفحات پر مشتمل پہلی جلد نہایت حسین و خوبصورت میرے سامنے موجود ہے جبکہ دوسری جلد طباعت کے لئے تیار ہے انشاء اللہ جلد ہی اس سے بھی استفادہ کا موقع ملے گا۔

حضرت سے میری ۲۲ سالہ رفاقت کا تقاضا تو یہ تھا کہ آپ کے حالات زندگی اور آپ کی حاصل زندگی اس تصنیف پر میرا مفصل مقالہ پہلی جلد ہی میں شامل ہوتا لیکن افسوس کہ میں ایسا نہ کر سکا۔ بہر حال تلافی مافات کے طور پر اب آچھ پیش کر رہا ہوں اگرچہ یہ اس کا عشر عشر بھی نہیں جو لکھا جانا چاہئے تھا کیونکہ میں نے نہایت قریب سے حضرت علامہ کی زندگی کے انشیب و فراز و سر کی آنکھوں سے دیکھا ہے:

مجھ سے زیادہ تری پہچان بھلا کس کو ہو

آئینہ بن کے تیرا عکس لیا میں نے

یہ مختصر تحریر میری نیاز مندی کا تقاضا بھی ہے اور احوال سلف جمع کرنے کے اشتیاق کی تسکین بھی:

غممائے چراغوں کی خوابیدہ لو کہہ رہی ہے صبا سے آواز نور

قصہ شب مرا جا کے پروانوں کو تو جو خود اس سناے تو کیا خوب ہو

تو لیجئے، پہلے ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا“ کی خوبیوں پر چند طور اور پیر متنب کی مختصر سوانح ملاحظہ ہو۔

ذوق تصنیف

اللہ تعالیٰ نے حضرت علامہ کو تقریر کی طرح تحریر و تصنیف کا بھی ذوق عطا فرمایا ہے۔ دور طالب علمی میں آپ متاثر ہو



مضمون نویسی میں ہمیشہ اپنے ساتھیوں پر سبقت حاصل کرتے رہے۔ اسی زمانہ سے آپ نے اخبارات کو مضامین بھیجنا شروع کئے۔ کراچی کے روزنامہ ”انجام“ نے آپ کی بڑی ہمت افزائی کی کہ اپنے کالموں میں اکثر جگہ دی اور ایک مقابلہ مضمون نویسی میں آپ کو پہلے انعام کا حق دار قرار دیا۔ روزنامہ ”جنگ“ کراچی کے خصوصی ایڈیشن میں کئی سال متواتر آپ کے مضامین شائع ہوئے۔ یہ وہ دور تھا جب سنی علماء کی توجہ اس طرف بہت کم تھی شاذ و نادر ہی کسی سنی عالم کا کوئی مضمون اخبار میں نظر آتا تھا۔

مضمون نویسی کے ساتھ ہی آپ نے تصنیف کا آغاز کیا۔ اور پہلی کتاب ”اسلامی عقائد“ علی گڑھ اولڈ بوائز ایسوسی ایشن کے سکول کے لئے لکھی جو سکول کے نصاب میں شامل ہوئی اور بار بار چھپی پھر آپ نے ایک کتابچہ بعنوان ”بشارات انجیل“ لکھا جو بے حد مقبول ہوا۔ کراچی قیام کے دوران آپ نے ماہنامہ ”ترجمان اہلسنت“ نکالا۔ مدیر ہونے کے ناطے آپ اس کا ادارہ بھی لکھتے تھے اور کوئی نہ کوئی مضمون بھی۔ ادارہ چونکہ اس وقت کے حالات سے متعلق ہوتا تھا لہذا بہت اہمیت پاتا تھا۔

۷۰ء کے بعد آپ کے قلم کی رفتار تیز ہوئی۔ سر نیام قیام کے دوران آپ نے ”مرض سے موت تک“، ”اچھا برتاؤ“ جیسی اہم کتابیں لکھیں جو دراصل سر نیام میں آپ کی ریڈیو اور ٹی وی کی تقریروں کا مجموعہ ہے اور اس کے بعد تو آپ کا قلم دوڑتے دوڑتے تصنیف کی اعلیٰ منزل تک پہنچا اور بحمد اللہ ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا“ ہمارے سامنے ہے۔ یہ کتاب مصنف کی زندگی کی اہم ترین کتاب ہے۔ آپ خود اسے اپنی زندگی کا نچوڑ قرار دیتے ہیں اور راقم الحروف گواہ ہے کہ حضرت نے اس تصنیف میں جو محنت و مشقت کی اور جس خلوص سے اس عظیم کام کو انجام دیا یہ انہی کا حصہ ہے، اللہ جزائے خیر دے۔

اوسطاً دس گھنٹہ یومیہ لکھا اس کے لئے اکثر پروگراموں میں جانا چھوڑ دیا، باہر کے دورے مختصر کر دیے، جب بھی کسی سے ملاقات ہوتی آپ یہی کہتے سنے گئے: ”دعا کیجئے اللہ تعالیٰ اتنی زندگی عطا فرما دے کہ ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا“ مکمل کر لوں، اس جذبہ و خلوص کا نتیجہ ہے کہ بحمد اللہ کتاب نہایت حسین اور مفید صورت میں ہمارے ہاتھوں میں ہے۔ عوام نے اس کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ مبصرین نے اس پر خوب تبصرے لکھے، قدردانوں نے خوب اظہارِ قدر دانی کیا لیکن افسوس کہ حضرت کو اس عظیم کارنامہ پر خراج تحسین پیش کرنے کے لئے ہم اب تک کوئی اجتماعی اہتمام نہ کر سکے۔

”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا“ دو جلدوں میں نوے مقالات پر مشتمل علمی خزانہ ہے۔ ہر مقالہ میں عنوان کے مطابق قرآنی آیات، احادیث کے علاوہ اقوال صحابہ و تابعین، آئمہ و اسلاف اور علماء و صالحین کو یکجا کر دیا گیا۔ اس طرح کتاب، احکام شرع اور تاریخی واقعات کا گنجینہ بن گئی۔ ایمانیات، عبادات، معاملات، معاشیات، معاشرت اور سیاست غرضیکہ زندگی سے متعلق تمام شعبوں میں اس سے رہنمائی حاصل کی جاسکتی ہے۔ بالخصوص مصنف نے اپنے وسیع تجربات، مشاہدات اور ذاتی واقعات سے کتاب کو مزید دلچسپ اور مفید بنا دیا ہے۔

کتاب کے مطالعہ سے ہمیں اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت علامہ پر دورانِ تحریر مختلف کیفیات طاری ہوتی رہیں، جب وہ احکام شرع لکھتے تو اسلام کی حقانیت اور اس کے کامل دین ہونے پر وہ اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں اور ایسے دین متین سے امت

مسلمہ کی بغاوت پر سخت پاہوتے ہیں اور نہایت ہی مؤثر مبلغانہ انداز میں قوم کو اطاعت و فرمانبرداری کی دعوت دیتے ہیں۔ جب وہ عقائد بیان کرتے ہیں تو ان کو مستحکم دلائل سے ثابت کرتے ہوئے بد عقیدہ لوگوں کی حالت پر افسوس کرتے اور انہیں عقائد حقہ قبول کر لینے کی ہدایت کرتے ہیں اور جب وہ آقائے رحمت ﷺ کی اطاعت، محبت اور ان کے عقیدت پر گفتگو کرتے ہیں تو ان کا قلم نہایت ہی تیز اور رواں دواں ہو جاتا ہے ان کی آنکھیں پر نرم معلوم ہوتی ہیں، قلم عقیدت و محبت کے موتی بکھیرتا نظر آتا ہے اور وہ اپنے قارئین کو پوری طرح عشق و محبت سے سرشار کر دینے کی کامیاب کوشش کرتے ہیں جب وہ وادی سیاست میں داخل ہوتے ہیں تو ایک نہایت تجربہ کار، کامیاب سیاست دان کا انداز اختیار کرتے ہیں۔ موجودہ بے دین حکام پر زبردست تیر اندازی کرتے ہیں انہیں ہی امت مسلمہ کی تباہی و بربادی کا مجرم قرار دیتے ہیں اور شعبہ سیاست میں اللہ کے احکام، معلم کامل ﷺ کی تعلیمات پر عمل، خلائے راشدین اور اسلاف کے انداز حکومت کو کامیابی و کامرانی کا ذریعہ قرار دیتے ہیں۔

### مشکل مضامین

”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا“ کی ایک اہم ترین خصوصیت یہ بھی ہے کہ مصنف نے بعض مشکل ترین مضامین کو نہایت آسان انداز پر بیان کر کے قارئین کو دشواری اور الجھن سے بچایا۔ دشوار ترین فقہی اور علمی مضامین کو قرآن کریم کی آیات اور ان کا ترجمہ لکھنے کے لئے آسان کر دینا اور سہل زبان میں پیش کرنا کوئی معمولی کام نہیں لیکن حضرت علامہ میں یہ قدرتی ملکہ پایا جاتا ہے۔ جس کا مظاہرہ وہ اپنی تقریر میں بھی کرتے ہیں اور تحریر میں بھی اس کا بخوبی لحاظ رکھتے ہیں۔ کتاب میں کئی مقام پر انہوں نے ایسے مسائل و نہایت ہی آسان اور سہل انداز پر بیان کیا ہے جو مفسرین، فقہاء اور علماء کے نزدیک مسلمہ طور پر دقیق ہیں مثلاً سودے متعلق مسائل، وراثت، شہادت اور وصیت وغیرہ کے مسائل بطور مثال ہم کتاب کی ایک عبارت پیش کر رہے ہیں۔

سورہ مائدہ کی آیت نمبر ۱۰۶ تا ۱۰۸ سے متعلق یہ عبارت ہے جس میں وصیت پر گواہ مقرر کرنے اور شہادت کا طریقہ بیان کیا گیا۔ آیت کا ترجمہ پر حجاب کے قواسم سے مضمون کے دقیق اور دشوار ہونے کا پتہ چلتا ہے لیکن درج ذیل عبارت پڑھئے اور اندازہ کیجئے کہ مصنف نے کیسے ماہرانہ انداز میں ایک مشکل ترین عنوان کو سہل ترین بنا دیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

وصیت پر گواہ مقرر کرنا اور ان سے گواہی لینے کا طریقہ، ان آیات میں بیان کیا جا رہا ہے۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ وصیت کرنے والا اگر اپنے اہل خانہ، اعزاء و اقارب سے کہیں کہ میں نے تو اپنے خاندان کے لوگوں ہی سے گواہوں کو اپنی وصیت پر گواہ بنادے لیکن اگر وہ حالت سفر میں ہے اور اچانک بیمار ہو جائے خط و کتابت کے ذریعہ اس کی موت کا سبب بن سکتا ہے تو جو شخص سے انہیں گواہ بنائے جس کو وہ شرعی معیار کے ہونے کی میں تو اہل اعتبار و خوف کے ہونے کے ساتھ ساتھ ان کے انصاف کرنے والے۔

گواہوں نے مرد کے کے وراثت کی وصیت کی ہے، مضمون کے قواسم سے اس صحت میں تو ای قانون یا طریقہ کی ضرورت ہی نہ رہی لیکن اگر وراثت کی وصیت پر گواہ بنائے تو انہیں شک ہو جائے گا کہ ان کے گواہوں نے اس کی وصیت میں کوئی کمی یا



زیادتی کی ہے تو اس کے لئے یہ طریقہ بتایا جا رہا ہے کہ:

وارث ان گواہوں کی حکام سے شکایت کریں، حکام انہیں طلب کریں انہیں کسی نماز کے وقت تک روکے رکھیں (یہ وقت عصر کا ہو) بعد نماز انہیں نمازیوں کے سامنے کھڑا کیا جائے اور ان سے قسم لی جائے کہ انہوں نے مردے کی وصیت اس کے وارثوں کو بالکل صحیح، مردے کی مرضی کے مطابق پہنچائی ہے۔ گواہ اس طرح قسم کھائیں کہ ”اللہ کی قسم ہم جو گواہی دے رہے ہیں اس میں ہم نے دولت کے لالچ میں کوئی کمی زیادتی نہیں کی اگر ہمارا کوئی قریبی رشتہ دار ہوتا تب بھی ہم یہی گواہی دیتے نہ ہی ہم اللہ کی گواہی کو چھپانے کا جرم کر رہے ہیں۔ گریسا کریں (تو ہم جانتے ہیں کہ) ہم گناہ گار ہوں گے۔“

جب گواہ یہ قسم کھالیں تو انہیں سچا تسلیم کرنا ہوگا، مقدمہ کا فیصلہ ان کے حق میں ہوگا انہیں باعزت بری کیا جائے گا اور ورثاء کو ان کی گواہی پر مطمئن ہونا ہوگا پھر وہ ان پر کوئی الزام لگانے کے مجاز نہ ہوں گے۔

اب اسی مقدمہ کی ایک امکانی صورت یہ ہے کہ کچھ عرصہ بعد کسی طرح وارثوں کو یہ پتہ چلا کہ گواہوں نے سزا سے بچنے کے لئے جھوٹی قسم کھائی تھی۔ پس وہ حاکم سے شکایت کریں حاکم پھر ان دونوں گواہوں کو طلب کرے اور نماز کے بعد ان وارثوں میں سے دو کو کھڑا کرے جنہوں نے گواہوں کی سچائی کا انکار کیا ہے وہ اس طرح قسم کھائیں ”اللہ کی قسم ہم جو گواہی دے رہے ہیں وہ پہلے دو گواہوں سے زیادہ سچی ہے۔ ہم شرعی حد سے تجاوز کرتے ہوئے کسی پر جھوٹا الزام نہیں لگا رہے۔ اگر ہم ایسا کریں گے تو ہم ظالموں میں سے ہوں گے“ اس کے بعد وہ ثابت کریں کہ انہوں نے کس طرح وصیت کے گواہوں کی قسم کا انکار کیا ہے۔ اب فیصلہ وارثوں کے حق میں ہوگا۔

بظاہر یہ خیال ہو سکتا ہے کہ قسم سے مقدمہ ختم ہو جانے کے بعد دوبارہ وہی مقدمہ جاری کرنے اور پھر قسم سے فیصلہ دینے کی اجازت کیوں دی گئی تو اسی حکمت کو آخری آیت میں بیان کیا جا رہا ہے کہ اس طرح وصیت کے گواہوں کو جھوٹی قسم کھانے کی جرأت نہ ہوگی کیونکہ انہیں پتہ ہے کہ بات ہماری قسم پر ختم نہیں ہو جائے گی۔ اگر ہم نے جھوٹی قسم کھالی اور بعد میں کسی وقت بھی میت کے وارثوں کو ہمارے جھوٹ کا پتہ چل گیا تو انہیں بھی قسم کا حق حاصل ہوگا اور پھر ہم عامۃ المسلمین کے سامنے ذلیل و خوار ہوں گے، قانون ہمیں سزا دے گا اور اللہ کے دربار میں بھی ہم نشین اور بحرین کے ساتھ حاضر ہوں گے۔ ملاحظہ فرمایا آپ نے وصیت اور اس کے متعلق گواہی کا طریقہ کار، دقیق مسائل میں سے ایک ہے لیکن مصنف نے اس کو نہایت سادہ زبان میں ہمارے لئے بے حد آسان طریقہ پر بیان کر دیا۔ اس کے بعد آپ نے آیت متعلقہ کے شان نزول سے متعلق واقعہ کو بیان کر کے مسئلہ کو مزید سہل کیا۔ ملاحظہ فرمائیے، لکھتے ہیں:

وہ خاص واقعہ بھی ملاحظہ ہو جو احکام مذکورہ کے نزول کا سبب بنا۔ اس سے آیات کا مفہوم مزید واضح ہو جائے گا۔ تمیم بن اوس دارمی اور عدی بن زید اس وقت عیسائی تھے۔ ہر سال بسلسلہ تجارت شام جایا کرتے تھے حضرت بدیل بن مریم جو حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے غلام تھے۔ ایک مرتبہ مدینہ منورہ سے ان دونوں کے ساتھ تجارت کے لئے گئے۔ شام پہنچ کر بدیل بیمار ہو گئے اور اتنے بیمار ہوئے کہ انہیں اپنی موت

کا یقین ہو گیا۔ انہوں نے اپنے سامان کی فہرست لکھ کر سامان میں رکھ دی اور تمیم وعدی کو وصیت کی کہ میرا یہ سامان تم میرے گھر پہنچا دینا۔ فہرست کا کوئی ذکر نہ کیا۔ بدیل کا انتقال ہو گیا دونوں گواہوں نے ان کا سامان اپنے پاس رکھ لیا۔ ایک دن سامان میں ان کی نظر ایک قیمتی خوبصورت پیالے پر پڑی جو چاندی کا تھا، سونے کے نقش و نگار بنے ہوئے تھے۔ بدیل یہ پیالہ شام کے بادشاہ کو فروخت کرنا چاہتے تھے لیکن پہلے ہی وفات پا گئے۔ دونوں کی نیت خراب ہوئی سو چاکسی کو کیا پتہ چلے گا، چھپی ہوئی فہرست کا تو انہیں وہم و گمان بھی نہ تھا۔ بس پیالہ اڑا لیا۔ باقی سامان مدینہ پہنچ کر ان کے گھر والوں کے سپرد کر دیا۔ جب سامان کھولا گیا تو فہرست بھی نکلی، جس میں چاندی کے ایک پیالہ کا بھی اندراج تھا۔ جو سامان میں موجود نہ تھا، چند ورثاء تمیم وعدی کے پاس آئے اور پوچھا کیا بدیل نے اپنا کچھ سامان فروخت کیا تھا انہوں نے کہا نہیں۔ پوچھا کیا وہ بہت بیمار ہوئے تھے اور انہوں نے علاج کے لئے کوئی چیز فروخت کی تھی۔ جواب ملا نہیں۔ پوچھا کیا تم دونوں نے بدیل سے کوئی چیز خریدی تھی کہا نہیں۔ تب انہوں نے کہا کہ ہم یہ سوالات تم سے اس لئے کر رہے ہیں کہ بدیل کے سامان میں ایک فہرست نکلی ہے جس میں ایک چاندی کے پیالے کا بھی ذکر ہے جو اس میں موجود نہیں۔ آخر وہ کہاں گیا؟ ان دونوں نے بڑی صفائی سے کہا کہ ہم کچھ نہیں جانتے نہ ہمیں کسی فہرست کا علم اور نہ ہمیں یہ معلوم کہ کیا کیا سامان تھا۔ ہم نے تو بدیل کی وصیت کے مطابق اس کا سب سامان تمہارا سپرد کر دیا۔ ان ورثاء نے یہ مقدمہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار میں پیش کیا۔ آپ ﷺ نے تمیم اور وعدی کو طلب فرمایا اور حکم دیا کہ قسم کھاؤ انہوں نے مجمع عام میں قسم کھالی اور بری ہو گئے۔ ورثاء کو فیصلہ قبول کرنا پڑا اور یہ مقدمہ یہاں ختم ہوا۔

اب دوسرا مقدمہ شروع ہوتا ہے کہ بدیل کے ورثاء میں سے کوئی مکہ معظمہ گیا انہوں نے وہاں ایک دولت مند شخص کے پاس بعینہ وہی چاندی کا پیالہ دیکھا جس کا فہرست میں ذکر تھا انہوں نے اس سے پوچھا کہ پیالہ بہت حسین ہے تم نے کہاں سے خریدا؟ اس شخص نے صاف بتا دیا کہ میں نے یہ پیالہ ایک ہزار درہم میں تمیم داری اور وعدی سے خریدا ہے۔ بدیل کے ورثاء نے پھر سرکار ﷺ کے دربار میں مقدمہ دائر کر دیا اور صورت حال بیان کرتے ہوئے گزارش کی کہ یا تو ہمیں پیالہ دلایا جائے یا وہ رقم جو اس سے حاصل کی گئی ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تمیم وعدی کو طلب فرمایا اور بدیل کے ورثاء میں سے دو کو حکم دیا کہ اب تم قسم کھاؤ کہ جو پیالہ تم نے دیکھا وہ بدیل کا ہے اور تمیم وعدی نے جھوٹی قسم کھالی تھی۔ ان لوگوں نے قسم کھالی تمیم وعدی پر جرم ثابت ہوا انہیں پیالہ سے وصول شدہ رقم بدیل کے ورثاء کو دینی پڑی۔

اسے کہتے ہیں کمالِ تفہیم، جسے آپ نے مندرجہ بالا عبارت میں ملاحظہ فرمایا۔ علاوہ ازیں کتاب میں ایسے متعدد مقامات ہیں جہاں مصنف نے اپنے کمالِ تفہیم کا بخوبی ثبوت فراہم کیا ہے اور مشکل ترین امور کو باسانی قارئین کے ذہنوں میں



اتارا ہے اور ہونا بھی ایسا ہی چاہئے کیونکہ ایک عالمی مبلغ کو طرح طرح کے ذہن و دماغ سے واسطہ پڑتا ہے اور اسے ہر ذہن کا لحاظ کرتے ہوئے اپنی بات پیش کرنا ہوتی ہے مولا کریم نے مبلغ اسلام کو یہ خوبی خوب عطا فرمائی ہے، اللہم زدہ فزد۔

مبلغ اسلام نے ایشیا، کے اندر برصغیر ہندوپاک میں جنم لیا۔ امریکہ، افریقہ اور یورپ کی خاک چھانی اور تجربات و مشاہدات کے انمول موتی چنتے رہے۔ تلخیوں، آزمائشوں، امتحانوں اور ناقدریوں کے سیلاب سے گزرتے رہے۔ آج ایمان والوں کو وہ جس دولت سے سرفراز فرما رہے ہیں۔ اس میں آپ کی مہلغانہ حیات کے جوہر بھی نمایاں ہیں۔ مختلف عنوانات پر قلم فرسائی کرتے ہوئے جہاں بھی انہیں موقع ملتا ہے اپنے مشن، اسلام، دین و دانش، عقائد اور صالحیت کی تبلیغ کرتے ہیں۔ ان کا ایک ایک لفظ پیغام ہدایت دیتا ہے جس سے ان میں دعوت دین کی ذمہ داری کے احساس کا پتہ چلتا ہے۔ اچھوں، نیکیوں، پرہیزگاروں کو دیکھتے ہیں تو نیاز مند ہو جاتے ہیں، باغیوں سرکشوں اور متمردوں کی بات آتی ہے تو ان کے خجر قلم سے لہو منکنے لگتا ہے۔ ذرا پڑھئے درج ذیل عبارت کو اور اندازہ لگائیے مصنف کا انداز تبلیغ اور احساس فرض:

(ایمان) اہل ایمان میں ہمت و جرأت کا ایسا جوہر پیدا کر دیتا ہے کہ ان کے لئے دین کی پابندی، دین کی خدمت میں کوئی عار نہیں رہتی۔ ”وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ“ اور نہیں ڈرتے کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے۔ اپنی تہذیب اپنانے اور اپنا تمدن اختیار کرنے میں انہیں نہ تو شرم آتی ہے نہ وہ کسی کے طعنوں کی پرواہ کرتے ہیں کوئی انہیں قد امت پسند کہے یا رجعت پسند پرواہ نہیں۔ وہ جس راہ کو اختیار کئے ہوئے ہیں اس پر ہر طرح مطمئن ہیں اپنی منزل کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ کسی کی ملامت انہیں ان کی راہ سے برگشتہ نہیں کر پاتی۔ یہ کیفیت تو نہایت ہی ضعیف الایمان لوگوں کی ہوتی ہے کہ وہ ماحول اور معاشرے سے متاثر ہو کر اپنی راہ سے بھٹک جاتے ہیں۔ انہیں دین کے شعائر اختیار کرنے، دین کے احکام پر عمل کرنے میں شرم آنے لگتی ہے۔ اس کیفیت کا مطالعہ آپ ان مسلمانوں کی حالت میں کر سکتے ہیں جو غیر مسلم ممالک میں آباد ہیں یا مغربی تہذیب کی زنجیر میں جکڑے ہوئے ہیں۔ جن کی حالت یہ ہو گئی ہے کہ انہیں اپنا لباس پہننے میں شرم آتی ہے، داڑھی مونچھ رکھنے میں شرم آتی ہے، عورتوں کو پردہ کرنے، شرعی لباس پہننے میں شرم آتی ہے، کسی عام مقام پر نماز پڑھنے میں شرم آتی ہے، روزہ رکھنے میں شرم آتی ہے، حج و عمرہ کو جائیں تو احرام باندھنے میں شرم آتی ہے، قرآن کریم کی تلاوت کرنے میں شرم آتی ہے، حلال غذا تلاش کرنے میں شرم آتی ہے اور تو اور بھائیوں کو ٹوپی تک پہننے میں شرم آتی ہے۔ یہاں تک کہ نماز کے لئے بھی ٹوپی پہننا گوارا نہیں۔ ہاں شرم نہیں آتی تو کلیوں میں، انس کرنے، شراب پینے میں شرم نہیں آتی، ساحل پر ننگا ہونے میں شرم نہیں آتی، سچی یہ چہیت تو یہ شرم نہیں ہے شرعی، بے نیاتی سے لے کر اللہ کے احکام سے بغاوت کرنا ہی سب سے بڑی بے نیاتی ہے۔ ان باتوں نے یہ منہ لگا دیا ہے کہ وہ اپنے آپ ہی کو ذلیل و خوار نہیں پہنچا رہے ہیں بلکہ ان کی حالت خواروں سے یہ کم ہے۔ سب مسلمانوں و انہوں نے یہ کام کیا ہے کیا کیا

جائے ایسے لوگوں کا کہ نہ تو انہیں امت سے خارج قرار دیا جاسکتا ہے اور نہ ہی انہیں اپنایا جاسکتا ہے۔ پس ان ظالموں سے دور رہ کر اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کرنا چاہئے، پس اے ایمان والو! تم پورے اطمینان کے ساتھ اپنے دین پر قائم رہو، آپس میں محبت کرتے رہو، اپنے بھائیوں کے ساتھ نرمی کا برتاؤ جاری رکھو، دشمن کے لئے سخت بنے رہو، اللہ کی راہ میں محنت و مشقت جاری رکھو، دین کے معاملہ میں کسی کے لعن و طعن اور ملامت کی پرواہ نہ کرو کہ یہی اہل ایمان کی وہ خوبیاں ہیں جن سے رحیم و کریم، علیم و خبیر رب نے انہیں اپنے فضل و کرم سے نوازا ہے۔ پس تم ان خوبیوں کی ان نعمتوں کی قدر کرو، ان کی حفاظت کرو ان پر قائم رہو کسی حال میں ان سے محروم نہ ہو کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہاری محرومی تمہاری بربادی کا باعث بن جائے۔ اللہ تمہیں نیست و نابود کر کے اپنے دین کی حفاظت کی ذمہ داری تم سے بہتر لوگوں کو سونپ دے۔

خوش نصیبی

مصنف کی یہ بڑی ہی خوش نصیبی ہوتی ہے کہ اس کی کتابوں کو خلوص سے شائع کرنے والا کوئی ادارہ میسر آ جائے۔ مبلغ اسلام اس سلسلہ میں بھی خوش نصیب ہیں کہ انہیں پاکستان کے سب سے بڑے اشاعتی ادارے ”ضیاء القرآن پبلی کیشنز“ کا مکمل تعاون حاصل ہے۔ ادارے کے منتظم اعلیٰ صاحبزادہ محمد حفیظ البرکات شاہ کا تعلق ایک معروف علمی خانوادے سے ہے۔ اس لئے وہ علم اور اہل علم کی اچھی طرح قدر جانتے ہیں۔ دینی کتابوں کی اشاعت صرف تجارتی بنیاد پر نہیں بلکہ تبلیغی بنیاد پر نہایت خلوص سے کرتے ہیں۔ صاحبزادہ صاحب کے والد گرامی ضیاء الامت رحمۃ اللہ علیہ اور پھر خود ان سے مبلغ اسلام کے جو دیرینہ تعلقات چلے آ رہے ہیں ان کے باعث وہ حضرت علامہ کی کتابوں پر خصوصی توجہ دیتے ہیں اور ہر اعتبار سے انہیں قارئین کے لئے پککیشن بنانے کی کامیاب کوشش کرتے ہیں جس کا ثبوت آپ کی نظروں کے سامنے ہے کہ ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا“ ہر اعتبار سے حسن و جمال کا پیکر ہے۔ مضامین بھی خوب اور ان کی طباعت بھی خوب گویا سونے پر سہاگہ۔ پس ہم مصنف اور پبلشر دونوں ہی کو اپنی اور قارئین کی طرف سے اس عظیم و مفید پیش کش پر مبارکباد پیش کرتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ اللہ انہیں خدمت دین کے مزید مواقع فراہم کرے۔ آمین بجاہ رحمة للعلمین ﷺ۔

ولادت

مبلغ اسلام حضرت علامہ سید سعادت علی قادری مدظلہ العالی ضلع علی گڑھ کی ایک ریاست حبیب گنج میں اپنے نانا کے گھر ۱۹۳۵ء میں پیدا ہوئے۔ حبیب گنج، نواب یار جنگ حبیب الرحمن خان شیروانی کی ریاست اور ان کا مسکن ہونے کے سبب اس دور کا معروف قصبہ تھا اور نواب صاحب کے ذوق علم اور ان کے عظیم نایاب کتب خانہ کے سبب اہل علم کا مرکز تھا۔ پیدائش کے چند دن بعد ہی حضرت علامہ اپنی والدہ کے ہمراہ بدایوں منتقل ہو گئے جہاں آپ کے والد ماجد حضرت علامہ مفتی سید مسعود علی قادری رحمۃ اللہ علیہ مدرسہ عالیہ قادریہ میں خدمت تدریس انجام دے رہے تھے چونکہ بدایوں ہی

حضرت کی تعلیم و تربیت کا مرکز ہے لہذا مناسب ہوگا کہ اس شہر کے متعلق مجھی چند باتیں عرض کر دی جائیں۔

### شہر بدایوں

شہر بدایوں، ہندوستان میں مسلمانوں کے دور عروج کا تاریخی شہر ہے جہاں ہمارے عظیم اسلاف کی بے شمار نشانیاں اور آثار موجود ہیں یہ شہر اور خطہ پانچویں صدی میں سلطان محمود غزنوی علیہ الرحمہ سید سالار مسعود غازی علیہ الرحمہ اور سید عبداللہ میر سلیم شہید کی مساعی سے اسلام آباد قرار پایا اور اس دور سے لے کر عہد مغلیہ اور مابعد تک یہاں کثیر علماء، فقہاء، اولیاء اور شہداء کے قدم پہنچے۔ مغلوں کے زوال کے بعد برطانوی دور میں بھی اس سرزمین سے علم و فضل کے کئی اساطین اور روحانیت کے کئی تاجدار پیدا ہوئے۔ جن میں خانوادہ تاج الفحول کو عالمگیر شہرت حاصل ہوئی۔ ہزار ہا قلوب کو اس خانقاہ کے چراغوں نے منور کیا۔ حضرت مولانا سالم میاں صاحب آج بھی اپنے ان روشن جبیں اسلاف کے مسند نشین ہیں، اسی بدایوں کی سرزمین سے حضرت قائد اہلسنت علامہ شاہ محمد عبدالحامد بدایونی کا ظہور ہوا جنہوں نے اپنے انقلابی کارناموں کے سبب عالمی شہرت حاصل کی اور جن کے کارناموں سے اسلامی سیاست کے ایک نئے دور کا باب وا ہوا:

بڑا غیور ہے مدنی قلندروں کا مزاج  
فلک نشیں، کوئی بوریہ نہیں رکھتے

### بدایوں میں قیام

بدایوں کے روحانی تاجداروں حضرت تاج الفحول اور ان کے بزرگوں کا قائم کردہ قدیم ”مدرسہ عالیہ قادریہ“ مدتوں سے تا امروز شہر اور بیرون شہر علم کے انوار و برکات پھیلا رہا ہے۔ اسی مدرسہ کی تدریسی خدمات کے لئے مبلغ اسلام کے والد گرامی حضرت علامہ مفتی سید مسعود علی قادری علیہ الرحمہ کو ۱۹۳۴ء میں مقرر کیا گیا تھا اور آپ کا قیام حضرت مولانا عبدالحامد بدایونی علیہ الرحمہ کے دو منزلہ مکان کی بالائی منزل میں تھا جبکہ خود صاحب مکان نچلی منزل میں قیام فرماتے تھے۔ یہ بات ذہن میں رہے کہ ان دونوں حضرات کے تعلقات نہایت دوستانہ اور رفیقانہ تھے، یہ دونوں علمی اعتبار سے بھی ایک دوسرے کے نہایت قریب تھے۔ لہذا ان کے گھر والے بھی نہایت میل محبت سے رہتے تھے۔ مولانا بدایونی رحمۃ اللہ علیہ اپنے صاحبزادگان عابد قادری اور زابد قادری ہی کی طرح سعادت قادری کو بھی چاہتے اور ان سے بے حد محبت کرتے تھے۔

مولانا بدایونی علیہ الرحمہ کے کراچی منتقل ہو جانے کے بعد بھی تعلقات جاری رہے اور مبلغ اسلام کو مولانا کی خدمت میں حاضر رہنے کا کافی موقع ملا اور آپ نے مولانا کی سیاسی بصیرت اور انداز کار کا خوب مطالعہ کیا اور اس سے استفادہ کرتے رہے۔ حقیقتاً سیاسی امور میں دلچسپی اور تنظیمی کاموں کا جذبہ آپ کو مولانا بدایونی علیہ الرحمہ ہی کی صحبت سے ملے اور خوب ملے۔ مبلغ اسلام نے مجھ سے خود کہا کہ سیاست میں میرے استاد مولانا بدایونی رحمۃ اللہ علیہ تھے اس فن میں جو کچھ مجھے آتا ہے یہ انہی کا فیض ہے۔



## والد گرامی اور خاندان

بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت علامہ کے دادا جان حافظ سید احمد علی بن سید قاسم علی بن سید ہاشم علی (علیہم الرحمہ) علی گڑھ کی ایک ریاست ”بوڑھا گاؤں“ میں رہتے تھے۔ سادات کرام کا یہ خاندان وہاں کب سے آباد ہوا۔ یہ بات تشنہ تحقیق ہے بہر حال بوڑھا گاؤں کے اس بزرگ خاندان کو ان کے وطن اور اطراف علی گڑھ میں دینی سیادت اور مذہبی قیادت حاصل تھی۔ بھیکم پور کی مشہور علم نواز ریاست کے نوابین میں نواب منزل خاں کا نام بہت مشہور ہے۔ حضرت مولانا حافظ سید احمد علی علیہ الرحمہ کا نواب موصوف سے تعلق تھا اور انہوں نے حافظ صاحب کی اپنی مسجد گڑھی کا خطیب و امام مقرر کیا تھا۔ نواب صاحب بھی اسی مسجد میں نماز ادا کرتے تھے اور یہیں نواب صاحب کی قبر بھی ہے جو ایک نہایت خوبصورت مقبرے میں ہے، مسجد بھی نہایت حسین ہے۔ وہ زمانہ آج کی طرح علماء و آئمہ کو غلام سمجھنے کا نہ تھا بلکہ ان کی پوری قدردانی کا تھا چنانچہ مولانا حافظ سید احمد علی مرحوم نہ صرف مسجد کے امام تھے بلکہ نواب صاحب مرحوم کے معزز مصاحبین میں شمار کئے جاتے تھے اور ان کے دینی مشیر بھی تھے۔ نواب صاحب موصوف کے توسط سے مولانا کے روابط، گرد و نواح کے تمام نوابوں اور علماء و امراء سے بھی تھے۔ خصوصاً نواب یار جنگ حبیب الرحمن خان شیروانی مرحوم سے بہت گہرا تعلق تھا۔ نواب یار جنگ چونکہ نہایت فاضل، علم نواز اور دریادل تھے۔ ان کے پاس کتابوں کا ایک نایاب اور بڑا ذخیرہ تھا۔ اس لئے بھی اہل علم ان سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ کتب خانہ نواب صاحب کی وصیت کے مطابق علی گڑھ مسلم یونیورسٹی منتقل ہو گیا جواب تک ”نواب یار جنگ لائبریری“ کے نام سے موجود ہے۔

نواب صاحب مرحوم کے مصاحبین میں سے حضرت علامہ کے خالو جناب محمد صدیق صاحب مرحوم کے والد بھی تھے جن کے توسط سے آپ کے والد کا رشتہ سادات رامپور میں ہوا۔ مبلغ اسلام کے نانا ماسٹر سید جعفر علی مرحوم رامپور کے باسی تھے اور نسلاً افغانی تھے۔ نوابوں کے اتالیق تھے۔ انہوں نے اپنے بچوں کو بھی دینی و دنیوی تعلیم سے خوب آراستہ کیا تھا۔ آپ کی والدہ سیدہ مہر النساء مرحومہ و مغفورہ نہایت متقیہ اور ذی علم تھیں۔ خصوصاً انہیں فارسی پر بہت عبور حاصل تھا۔ مثنوی مولانا روم کے بے شمار اشعار زبانی یاد تھے انہوں نے اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت پر خوب توجہ دی۔ حضرت علامہ کے بقول سب بھائی بہنوں کو والدہ ماجدہ ہی نے قرآن کریم پڑھایا اور ابتدائی دینی تعلیم دی۔ حضرت علامہ نے فرمایا: ”میں وہی نماز پڑھتا ہوں جو مجھے میری والدہ نے سکھائی تھی“ آپ کا وصال ۱۹۹۳ء میں کراچی ہی میں ہوا اور خاندانی قبرستان میں اپنے شوہر کے برابر دفن ہیں۔

مفتی سید مسعود علی قادری رحمۃ اللہ علیہ

حضرت علامہ مفتی سید مسعود علی قادری علیہ الرحمہ کی ابتدائی تعلیم مارہرہ مطہرہ ضلع اینہ میں ہوئی، جو علوم دینیہ کے ساتھ ساتھ صدیوں سے روحانیت کا بھی عظیم مرکز ہے اور جس خاندان نے عالم اسلام کو گزشتہ صدی کا مجدد عطا کیا۔ ۱۹۱۹ء میں آپ نے جامع مسجد علی گڑھ کے مدرسہ لطیفیہ میں مولانا عبدالرحمن مرحوم سے عربی شروع کی۔ ۱۹۲۱ء میں مدرسہ عربیہ

سعید یہ دادوں میں داخل ہوئے۔ جہاں مولانا وجیہ الدین رامپوری، مولانا نعمانی اور قاری محی الدین وغیرہ سے حصول علم کیا۔ ۱۹۲۸ء تا ۱۹۳۱ء کا زمانہ مدرسہ عالیہ رامپور کے علماء سے اکتسابِ علم میں گزارا۔ اسی دوران علامہ فضل حق رامپوری اور علامہ افضال الحق رامپوری سے بھی شرف تلمذ پایا اور فراغت کے بعد تمام علوم متداولہ میں ماہر قرار پائے اور تدریسی عمل کا آغاز کیا۔

آپ نے ابتداءً مدرسہ نعمانیہ دہلی میں اس کے بعد مدرسہ عالیہ قادریہ بدایوں میں تدریس کی خدمت انجام دی۔ یہی وہ زمانہ ہے جس میں مبلغ اسلام کی پیدائش ہوئی۔ ۱۹۴۲ء میں اپنی مادر علمی میں مدرسہ ہو کر آ گئے۔ صدر الشریعہ حضرت مولانا شاہ امجد علی قادری خلیفہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی جگہ آپ کا تقرر ہوا تھا۔ یہاں تدریس کے علاوہ افتاء اور انتظام کی ذمہ داریاں بھی آپ ہی کے سپرد تھیں۔ ۱۹۵۰ء میں آپ منتقل ہو کر پاکستان آئے اور ملتان شریف پہنچے جہاں آپ کی بڑی ہمشیرہ پہلے ہی پہنچ چکی تھیں۔ یہاں آپ نے مدرسہ انوار العلوم کی شہرت منی اور علمی دوران حضرت علامہ سید احمد سعید شاہ کاظمی رحمۃ اللہ علیہ کا چرچا سنا تو ملاقات کے لئے تشریف لے گئے۔ چونکہ علامہ کاظمی علیہ الرحمہ نہایت مردم شناس اور علماء کے قدرداں تھے لہذا آپ نے مفتی صاحب کی صلاحیتوں کو بھانپ لیا اور اسی وقت انوار العلوم میں خدمت تدریس کی پیش کش کر دی جسے مفتی صاحب نے بخوشی قبول کیا۔ یہاں بھی آپ کے سپرد تدریس کے علاوہ افتاء اور انتظام کے شعبے کئے گئے جنہیں مفتی صاحب نے بخوبی نبھایا۔ اس وقت انوار العلوم کے طلباء کے لئے مدرسہ میں مطبخ تک نہ تھا آپ نے سب سے پہلے اس کا انتظام کیا اور طلباء کا کھانا مدرسہ ہی میں پکے لگا۔ مدرسہ کی عمارت، مدرسہ کی آمدنی، مدرسہ کے سالانہ جلسوں اور دیگر شعبوں کو آپ کی مساعی سے چار چاند لگ گئے۔ علامہ کاظمی صاحب نے آپ کو نائب مہتمم کا عہدہ سپرد کر دیا اور آپ اپنے اس مخلص و باصلاحیت، باوقار رفیق پر ہمیشہ اعتماد کلی کرتے رہے صرف مدرسہ ہی کے معاملات نہیں بلکہ اپنے ذاتی امور میں بھی مفتی صاحب کے مشورہ کے بغیر کوئی قدم نہ اٹھاتے تھے۔ ملتان کے صرف دینی حلقوں ہی میں نہیں بلکہ سیاسی حلقوں میں بھی مفتی صاحب کو نہایت اہمیت حاصل تھی۔ شہر کے عوام ہی نہیں بلکہ حکام بھی آپ کا بے حد احترام کرتے تھے اور دفاتر سے متعلق اکثر کام آپ فون پر ہی کرا لیتے تھے۔

۱۹۷۰ء میں مبلغ اسلام سر نیام تشریف لے گئے۔ آپ کے چھوٹے بھائی مفتی سید شجاعت علی قادری کراچی میں اپنے آپ کو تنہا محسوس کرنے لگے۔ مفتی صاحب کی طبیعت بھی ناساز رہنے لگی۔ تمام اعضاء واقارب بھی کراچی ہی میں مقیم تھے۔ لہذا آپ نے مفتی سید شجاعت علی قادری کی تحریک پر کراچی منتقل ہونے کا فیصلہ کیا۔ علامہ کاظمی علیہ الرحمہ اور ملتان کے عوام خصوصاً جامع مسجد بستی نچ سے متعلق لوگوں کو آپ کے ملتان چھوڑنے کا بے حد افسوس رہا۔ جامع مسجد بستی نچ میں آپ نے ملتان قیام کے دوران خطابت و امامت کی اور مسجد ہی کے مکان میں آپ کا قیام رہا۔ یہاں کے لوگ آپ کا بے حد احترام کرتے تھے۔ آپ کی اہلیہ چونکہ عورتوں کو قرآن کریم کی تعلیم دیا کرتی تھیں لہذا عورتوں مردوں سب ہی میں آپ کی روانگی کے وقت ایک کھرام مچا ہوا تھا۔

کراچی تشریف لانے کے بعد آپ جامع مسجد قضاہاں صدر میں خطابت کرتے رہے جہاں مبلغ اسلام ۶۰ تا ۷۰ء خطیب رہے۔ چند ماہ بعد ہی دارالعلوم امجدیہ کی انتظامیہ نے آپ کو خدمت تدریس کی پیش کش کی جسے آپ نے قبول فرمایا اور یہ ادارہ آپ کی خدمات کا آخری ادارہ قرار پایا کہ ۵ محرم ۱۳۹۳ھ، ۹ فروری ۷۳ء کو جمعہ کے دن نماز جمعہ پڑھانے کے بعد نماز عصر کا وضو کرنے اور تیار ہونے کے بعد پانچ بج کر بارہ منٹ پر وصال ہو گیا۔

### مبلغ اسلام کا عہد طفولیت

جیسا کہ آپ کو معلوم ہو چکا کہ حضرت مفتی سید مسعود علی قادری رحمۃ اللہ علیہ کو خدمت تدریس کے لئے متعدد بار انتقال مکانی کرنا پڑا۔ یہ آپ کی خوش نصیبی رہی کہ جہاں بھی لئے اہل و عیال ہمراہ رہے۔ اس طرح مبلغ اسلام کو بچپن ہی سے نئے نئے مقامات، نئے نئے چہروں اور نئی نئی شخصیات سے سابقہ پڑتا رہا۔ گھر میں والد محترم کی تربیت سے تجتے اور سنورتے رہے۔ ماحول کے ماحول میں طلباء و اساتذہ میں مخدوم زادے اور استاد زادے ہونے کی حیثیت سے عزت و توقیر کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ عمر کا ابتدائی حصہ جو بچہ کی ذہن سازی کا نہایت اہم دور ہوتا ہے یعنی ۶، ۷ سال سے ۱۷، ۱۸ برس کی عمر کا زمانہ۔ ہم دیکھتے ہیں کہ مبلغ اسلام کو اس دور میں ہی نہیں بلکہ اس سے بھی پہلے نوابوں، ان کے مصاحبین اور خوش حال علماء و مشائخ کی گودوں میں آہینے اور نواب زادوں کے ساتھ ٹھیلنے اور پڑھنے کا موقع ملا۔ میں بات تکلف عرض کر سکتا ہوں کہ مبلغ اسلام کی زندگی میں نفاست کا عنصر اسی ماحول کی دین ہے۔ لباس میں نفاست، کھانے پینے میں نفاست، برتنے کی اشیاء میں نفاست، حتیٰ کہ لکھنے پڑھنے کے سامان کاغذ، قلم، میز، کرسی، مسودہ، مبیضہ غرضیکہ ہر شے میں نفاست اور خوش سلیقگی کا مزاج بلاوجہ نہیں یہ اچھی تربیت اور اچھے ماحول ہی کی پیداوار ہے۔

جب والد ماجد کے ہمراہ بدایوں سے دادوں منتقل ہوئے اس وقت حضرت علامہ کی عمر پانچ سال کی تھی۔ پاکستان روانگی تک یہیں قیام رہا۔ نواب مزل اللہ خاں کے صاحبزادے نواب محمد حیات خان شہروانی سے آپ کی بہت دوستی رہی۔ گویا تقریباً ۱۴ برس کی عمر تک آپ نوابوں کے ماحول ہی میں رہے لیکن اس کے باوجود محنت و مشقت کے عادی رہے کہ والدین نے کبھی کوئی برا اثر آپ میں نہ آنے دیا۔ ہمیشہ آپ کی تعلیم و تربیت پر گہری نظر رکھی اور حصول علم کے لئے ہر قسم کی مشقت برداشت کرنے کا عادی بنایا۔

### اساتذہ کرام

حضرت علامہ کی رسم بسم اللہ بھی دادوں ہی میں ہوئی۔ والدہ ماجدہ اور والد گرامی اپنے اس شہزادے کو علم و عمل کی دولت لازوال سے مالا مال کرنے کا شروع ہی سے جتن کرتے رہے۔ پرائمری کورس اور ابتدائی دینی تعلیم کے بعد باقاعدہ مدرسہ سعید یہ دادوں میں عربی تعلیم کا آغاز کیا اور مدرسہ کے مدرسین سے اکتساب علم کرنے لگے۔ دادوں کے زمانہ میں آپ نے جن اساتذہ کرام سے اکتساب علم کیا ان میں سے چند کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

والد گرامی حضرت مفتی سید مسعود علی قادری رحمۃ اللہ علیہ، مولانا نور احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ، مولانا یونس صاحب



بدایونی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا حافظ غلام ربانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ، ایک بار آپ کے ممتحن حضرت علامہ سید غلام جیلانی میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ رہے انہوں نے شرح تہذیب کا امتحان لیا تھا۔

۵۱ء سے آپ نے مدرسہ انوار العلوم میں تعلیم حاصل کرنا شروع کی اور تمام کتب متداولہ کی تکمیل یہیں ہوئیں اس زمانہ میں آپ کو متعدد اجلہ علماء سے استفادہ کا موقع ملا ان میں سے چند کے اسماء گرامی یہ ہیں:

والد گرامی حضرت علامہ مفتی سید مسعود علی قادری رحمۃ اللہ علیہ، غزالی دوراں حضرت علامہ شاہ احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مفتی امید علی خاں رحمۃ اللہ علیہ، حضرت علامہ مفتی عبد الحفیظ حقانی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا غلام رسول ملتانی رحمۃ اللہ علیہ۔ مفتی عبد الحفیظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے آپ نے خصوصی طور پر فنِ تقریر میں کمال حاصل کیا۔ حضرت مفتی صاحب اکثر آپ کو اپنے ہمراہ جلسوں میں لے جاتے تھے اور اپنی تقریر سے پہلے حضرت علامہ کو کھڑا کر دیتے اور بعد میں اصلاح کرتے تھے۔ اس طرح آپ انہی کے زمانہ میں خاصے اچھے مقرر بن چکے تھے۔

### فراغت

دادوں میں قیام ہی کے دوران آپ نے الہ آباد بورڈ سے مولوی کا امتحان دیا پھر مدرسہ انوار العلوم ملتان میں قیام کے دوران آپ نے عالم و فاضل کے امتحانات کی تیاری شروع کی لیکن مزید توجہ سے تیاری کرنے کے لئے والد گرامی نے آپ کو گھر سے دور رکھنے کا فیصلہ کیا اور جامعہ نعیمیہ چوک دا لگراں لاہور میں داخل کر دیا۔ یہاں حضرت علامہ نے تقریباً ایک سال قیام فرمایا اس دوران مفتی حسین نعیمی، مفتی اعجاز ولی خاں اور مولانا عبدالنبی کو کب رحمہم اللہ سے اکتساب علم کیا اور پھر کراچی یونیورسٹی سے فاضل عربی کا امتحان دیا اور یہیں سے ایم اے اسلامیات کیا۔

مدرسہ انوار العلوم سے آپ کی فراغت ۱۹۵۳ء میں ہوئی۔ انوار العلوم کا سالانہ جلسہ دستار بندی اس لحاظ سے نہایت مشہور و معروف تھا کہ اس میں ہندو پاک کے مشہور علماء و مشائخ شرکت فرماتے تھے۔ آٹھ نشستوں پر مشتمل یہ جلسہ تین دن جاری رہا کرتا تھا۔ مبلغ اسلام کی دستار بندی، اساتذہ کرام کے علاوہ جن اکابر علماء و مشائخ نے کی ان میں سے چند کے اسماء گرامی یہ ہیں:

حضرت علامہ مفتی احمد یار خاں رحمۃ اللہ علیہ، حضرت علامہ مفتی محمد امین الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت علامہ عبدالغفور ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت علامہ مولانا شاہ محمد عارف اللہ رحمۃ اللہ علیہ، حضرت علامہ مولانا ابوالنور محمد بشیر سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ۔

### شادی خانہ آبادی

مبلغ اسلام کا عقد نکاح ان کے تایا جان کی نواسی سید امتیاز علی قادری کی صاحبزادی سے ہوا جو اپنے وقت کے اچھے کاتبوں میں شمار ہوتے تھے۔ نہایت سیدھے سادھے، پابند صوم و صلوٰۃ بزرگ تھے۔ کراچی سے شائع ہونے والے مشہور اخبار ”روزنامہ انجام“ کے ہیڈ کاتب تھے۔ روزنامہ ”انجام“ بند ہو جانے کے بعد ”روزنامہ جنگ“ کے قدردانوں نے اپنے اخبار

کے لئے چنا اور آپ وہاں روزنامہ ”جنگ“ کی سرخیاں لکھنے پر مامور ہو گئے۔ فن کتابت میں مظاہرہ مہارت اور حصول برکت کے لئے آپ نے مکمل قرآن کریم کی بھی کتابت کی جو آپ کے عہد میں ہی ڈھاکہ سے طبع ہوا۔

آپ صاحب سلسلہ بزرگان دین اور مشائخ سے وابستہ، اوراد و وظائف کے پابند تھے، مرشدین بریلی شریف میں سے حضرت شرافت میاں علیہ الرحمہ کے مرید اور خلیفہ تھے۔ پاکستان میں مریدوں کی ایک بڑی جماعت کے سربراہ تھے۔ آپ نے نہایت سادگی سے بے نمودوریا زندگی گزاری۔ ۸۶ء میں وصال ہوا اور مبلغ اسلام کے خاندانی قبرستان میں حضرت مفتی سید مسعود علی قادری رحمۃ اللہ علیہ کے برابر ہی دفن ہیں۔ آپ ہی کی دوسری صاحبزادی سے مبلغ اسلام کے چھوٹے بھائی حضرت مفتی سید شجاعت علی قادری رحمۃ اللہ علیہ کا نکاح ہوا۔

مبلغ اسلام کی اہلیہ نہایت متقیہ خاتون ہیں۔ بچوں کی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ رکھتی ہیں جس کا واضح ثبوت یہ ہے کہ مبلغ اسلام کے اکثر بابر رہنے کے باوجود بچوں کی تعلیم و تربیت میں کوئی کمی نظر نہیں آتی۔ ماشاء اللہ چاروں بچے اعلیٰ تعلیم یافتہ، صوم و صلوٰۃ کے پابند اور نیک ہیں۔ واقعی محترمہ نے بچوں کی ایسی ہی تربیت کی جیسی ایک مومنہ کو کرنا چاہئے۔ مبلغ اسلام اکثر یہ اعتراف کرتے ہیں کہ میں اپنی بیرونی مصروفیات کے سبب کبھی بچوں کی تعلیم و تربیت پر توجہ نہ دے سکا۔ یہ ان کی ماں ہی کی توجہ کا نتیجہ ہے کہ وہ صحیح مسلمان اور اچھے انسان ہیں محترمہ بہترین میلا دخواں ہیں اور کراچی میں حلقہ خواتین میں متعارف ہیں کئی مرتبہ خواتین سیرت کانفرنس اسلام آباد میں بھی آپ شریک ہو چکی ہیں۔

### بیعت و ارادت

حضرت علامہ کو شرف بیعت حضرت صوفی کفایت علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل ہے جو نہایت متقی، پرہیزگار اور سادہ مزاج بزرگ تھے۔ بلرام ضلع علی گڑھ کے باشندے تھے بعد ہجرت کراچی میں قیام پذیر تھے۔ حضرت کے دادا جان سے ان کے گہرے مراسم تھے۔ مبلغ اسلام اپنے بزرگوں سے حضرت صوفی صاحب کی نیکیوں اور کرامات کا حال سنتے رہتے تھے اسی لئے آپ کو حضرت سے قلبی اگاؤ تھا جبکہ بالمشافہ ملاقات بہت بعد میں ہوئی۔

حضرت علامہ کے فارغ التحصیل ہو جانے کے بعد والد گرامی نے کئی مرتبہ تحریک کی کہ حضرت کسی بزرگ سے بیعت ہو جائیں لیکن حضرت اپنے فطری تنقیدی مزاج کے سبب کسی بزرگ سے مطمئن نہ ہو سکے۔ کراچی قیام کے دوران آپ کی ملاقات حضرت صوفی صاحب سے ہوئی تو آپ ان سے مل کر بے حد متاثر ہوئے اور ذہنی طور پر ان سے بیعت ہونے کا فیصلہ کر لیا ایک عرصہ گزر گیا لیکن عمل نہ کر سکے جبکہ آمدورفت کا سلسلہ چلتا رہا حتیٰ کہ ایک دن حضرت صوفی صاحب نے از خود فرمایا کہ:

”سید صاحب آپ ایک روز پچھتائیں گے“

حضرت سمجھ گئے اور اسی روز اپنے برادر خور مفتی سید شجاعت علی قادری کے مکان پر پہنچے اور اپنا فیصلہ سنایا تو مفتی صاحب نے بھی اپنا ارادہ ظاہر کیا اور الحمد للہ دنوں بھائی صوفی کفایت علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے مرید ہو گئے جبکہ اہلیہ اور خاندان کے بعض

دیگر افراد پہلے ہی مرید ہو چکے تھے۔

حضرت علامہ سرینام روانہ ہونے سے قبل اپنے مرشد سے اجازت حاصل کرنے کی غرض سے حاضر ہوئے تو انہوں نے بخوشی اجازت دیتے ہوئے از خود خلافت بھی عطا فرمائی۔ جس پر حضرت نے حیرت زدہ ہو کر عرض کیا: ”حضور میں تو اس کا اہل نہیں ہوں“ پیر صاحب نے فرمایا: ”آپ اہل بھی ہیں اور آپ کو اس کی ضرورت بھی ہوگی“ کچھ عرصہ بعد ہی سرینام میں مرشد کی یہ بات صحیح ثابت ہوئی جب لوگوں نے مبلغ اسلام کے ہاتھ پر بیعت کے لئے اصرار کیا۔

حضرت صوفی صاحب اپنے اس باصلاحیت مرید پر فخر کیا کرتے اور ان کا بے حد احترام کرتے تھے حتیٰ کہ جب نماز کا وقت ہوتا تو پیر صاحب حضرت ہی سے امامت کراتے اور خود ان کے پیچھے نماز پڑھا کرتے تھے۔ پیر صاحب نے وقفاً فوقاً آپ کی روحانی تربیت بھی کی اور اوراد و وظائف بھی تعلیم فرمائے۔ ایک رات حضرت علامہ کو کچھ دیر تک اپنے مرشد کی خدمت میں حاضری کا موقع ملا۔ بعد نماز عشاء حضرت نے اپنے مرید کو حکم دیا کہ آپ باہر جائیں میں پھر بلاؤں گا۔ مبلغ اسلام باہر چلے گئے۔ اتفاق سے یہ رات سخت سردی کی تھی، ساری رات ایک شیر وانی میں آپ ٹھہرتے اور ٹہلتے رہے۔ علامہ بتاتے ہیں کہ میں امتحان کی اس شب بڑا ہی بے چین رہا۔ اللہ کا کرم ہوا کہ ثابت قدم رہا، تہجد کا وقت ہوا۔ حضرت باہر تشریف لائے وضو فرمایا اور واپس چلے گئے میری طرف دیکھا تک نہیں۔ فجر کی اذان ہوئی تو حضرت کی آواز آئی ”سید صاحب آئیے“ اضطراب کی گھڑیاں ختم ہوئیں۔ میں حاضر ہو گیا۔ آپ نے مجھے گلے لگایا ایک وظیفہ عنایت فرمایا اور نماز فجر پڑھانے کا حکم دیا (اس موقع پر غور فرمائیے کیا آج کا کوئی مرید پیر کے حکم کی اس طرح تعمیل کر سکتا ہے اور چونکہ اب یہ جذبہ اطاعت نہ رہا لہذا بزرگوں سے کچھ نصیب بھی نہیں ہو پاتا۔)

صوفی صاحب علیہ الرحمہ کا وصال ۲۲ جمادی الثانی غالباً ۱۳۱۲ھ، ۱۹۶۹ء میں ہوا۔ آپ کی رہائش کراچی کے ایک علاقہ پیر الہی بخش کالونی میں تھی۔ یہیں آپ جامع مسجد قادری کے قریب دفن ہیں۔ یہ مسجد اور مزار کی جگہ حضرت صوفی صاحب نے اپنی زندگی ہی میں حاصل کر لی تھی اور اپنی نگرانی میں مسجد تعمیر کرائی تھی۔ آپ نے پاکستان بالخصوص کراچی میں مریدوں کی ایک بڑی تعداد چھوڑی ہے۔ حضرت علامہ کے علاوہ آپ نے مفتی سید شجاعت علی قادری علیہ الرحمہ اور اپنے ایک مرید خاص جناب سید زبیر احمد شاہ کو خلاف دی۔

مبلغ اسلام اپنے مرشد کی کرامتوں میں سے ایک کا ذکر بڑی اہمیت کے ساتھ فرماتے ہیں۔ وہ بتاتے ہیں کہ میرے ایک پھوپھی زاد بھائی، سید مظہر حسین وزارت خارجہ میں افسر اعلیٰ تھے۔ حضرت کی دعاؤں سے ان کا تبادلہ جدہ ہو گیا۔ حضرت نے مبارکباد دیتے ہوئے فرمایا: ”ہم بھی تمہارے ساتھ چلیں گے“ یہ عجیب سی بات تھی کیونکہ قانوناً یہ بہت مشکل تھا۔ بہر حال ضروری کاغذات جمع کئے گئے اور ویزا کی درخواست دے دی گئی اور چند ہی دن میں ویزا حاصل بھی ہو گیا۔ صوفی صاحب قبلہ کو خبر دی گئی تو آپ نے شکر ادا کرتے ہوئے فرمایا: ”جب آقا، غلام کو طلب فرمائیں تو کون روک سکتا ہے، بحری جہاز سے سفر کرنا تھا۔ مقررہ تاریخ آگئی، جہاز کی روانگی ساڑھے بارہ بجے صبح تھی۔ میں دیگر اہل خانہ اور مریدوں کی بڑی تعداد حضرت کو



رخصت کرنے کے لئے حاضر تھے لیکن گیارہ بجے تک حضرت تشریف نہ لائے۔ سب لوگ پریشان تھے مجھے منتخب کیا گیا کہ فون کر کے حضرت سے صورت حال معلوم کروں فون کیا تو بڑے ہی اطمینان سے جواب ملا: ”انشاء اللہ میں بروقت پہنچ جاؤں گا۔“ ادھر اعلان ہوا کہ جہاز تین گھنٹے تاخیر سے روانہ ہوگا، حضرت صاحب دو بجے تک تشریف نہ لائے پھر اعلان ہوا کہ جہاز سات بجے روانہ ہوگا اور اب حضرت صاحب پانچ بجے تشریف فرما ہوئے اور مسکراتے ہوئے فرمایا کہ ہم وقت پر پہنچ گئے۔

حضرت صاحب کے ہمراہ دل، چاولوں (کھجڑی) سے بھری بوریوں کا ایک ٹرک تھا جسے روک لیا گیا۔ جب حضرت صاحب کو خبر دی گئی تو بغیر کسی پریشانی کے آپ نے فرمایا: ”وہ تو آقا کے دربار کے لئے غلام کا تحفہ ہے کیسے روکا جاسکتا ہے“ تھوڑی دیر بعد ہی سب نے دیکھا کہ بوریاں جہاز پر لا دھیں جارہی ہیں۔

### میدان عمل میں

مبلغ اسلام طبعاً تدریسی زندگی کو اپنے لئے پسند نہیں کرتے تھے۔ شاہانہ مزاج تھا مگر گھر کا ماحول مولویانہ اور درویشانہ تھا جس میں حسبِ منشاء زندگی گزارنا آسان نہ تھا۔ لہذا آپ کی عملی زندگی کا آغاز تدریس سے ہی ہوا۔ ملتان ہی میں ”علی گڑھ اولڈ بوائز ایسوسی ایشن“ کے زیرِ اہتمام قائم ایک اسکول میں ملازمت اختیار کی اور نہایت کامیاب اسلامیات کے معلم رہے۔ بچوں کے لئے خود ہی اسلامیات کا نصاب تیار کیا اور ”اسلامی عقائد“ نامی ایک کتاب لکھی جو اسکول انتظامیہ نے منظور کی یہ آپ کی پہلی تصنیف تھی۔ اسی دوران آپ کی شادی ہو گئی اور کچھ عرصہ بعد والد صاحب کی اجازت سے بہتر مستقبل کی تلاش میں کراچی منتقل ہو گئے۔ یہاں بھی ایک اہل اسکول ”میری کلاس“ میں آپ کو ملازمت مل گئی۔ اسی زمانہ میں حضرت مفتی عبدالحفیظ حقانی رحمۃ اللہ علیہ سے جناح مسجد میں آپ کی ملاقات ہوئی۔ مفتی صاحب نہایت شفقت اور محبت سے پیش آئے اور چند ہی دن میں آپ ان سے بہت ہی قریب ہو گئے۔ مفتی صاحب کی تحریک پر آپ نے ”دارالعلوم مظہریہ آرام باغ“ میں تدریس کی خدمت انجام دینا شروع کر دی۔ کچھ دن بعد آپ کو ملتان منتقل ہونے کا خیال آیا لیکن مفتی صاحب سے علیحدگی اب آپ کے لئے بہت دشوار تھی، لہذا آپ نے مفتی صاحب سے گزارش کی کہ اگر اجازت ہو تو میں آپ کے لئے مدرسہ انوار العلوم میں تفری کی کوشش کروں۔ مفتی صاحب کی اجازت سے آپ نے والد صاحب کو لکھا اور علامہ کاظمی صاحب اور والد صاحب نے مفتی صاحب علیہ الرحمہ و ملتان کے لئے دعوت دے دی۔ مبلغ اسلام کو اپنی اس کامیابی پر بے حد خوشی ہوئی اور مفتی صاحب کے ہمراہ ملتان منتقل ہو گئے لیکن دو سال بعد ہی مفتی صاحب کا وصال ہو گیا اور مبلغ اسلام دل برداشتہ ہو کر دوبارہ کراچی منتقل ہو گئے۔ قیام ملتان کے دوران آپ مدرسہ انوار العلوم میں تدریس کی خدمت انجام دیتے رہے۔

دوبارہ کراچی آکر آپ نے پھر میری کلاس اور دہلی کالج کی ملازمت اختیار کی، اسی کے ساتھ آپ مدرسہ نابھیونی رحمۃ اللہ علیہ کی سرپرستی میں تنظیمی امور بھی انجام دیتے رہے اور جمعیت علماء پاکستان کے ناظم نشر و اشاعت مقرر ہوئے۔ ۱۹۶۴ء میں آپ نے دیگر علماء کے ہمراہ ”جماعت اہلسنت پاکستان“ قائم کی۔ جس کے ناظم اعلیٰ مقرر ہوئے۔ جماعت کی مصروفیات بڑھتی گئیں اور آپ کو ملازمت سے مستعفی ہونا پڑا۔ مسجد قضاہاں صدر میں خطابت کی خدمت جاری رہی

وہ صرف اس لئے کہ یہی مسجد اس وقت جماعت اہلسنت کا مرکز تھی۔ سر نیام روانگی تک آپ کا قیام اسی مسجد کے مکان میں رہا اور تنظیمی و سیاسی مصروفیات میں گھرے رہے۔

۱۹۷۰ء میں ملکی انتخابات میں جمعیت علماء پاکستان نے ملکی تاریخ میں پہلی بار حصہ لیا۔ اس وقت حضرت جمعیت علماء پاکستان صوبہ سندھ کے ناظم تھے۔ ۶۹ء اور ۷۰ء دو سال آپ کی بھرپور تنظیمی اور سیاسی جدوجہد کے ہیں۔ جماعت کے دفاتر کا انتظام، سنی کانفرنسوں کا اہتمام، انتخابی جلسوں اور جلسوں میں خطاب، دیگر سیاسی جماعتوں سے مذاکرات اور ان کی میٹنگوں میں شرکت اور نہ جانے کیا کیا آپ کی مصروفیات رہیں۔ نتیجتاً جمعیت کو انتخابات میں جو غیر متوقع کامیابی حاصل ہوئی اس نے انہوں، غیروں سب ہی کو حیرت میں ڈال دیا اور سب کو حضرت علامہ کی تنظیمی صلاحیتوں اور محنت و مشقت کا اعتراف کرنا پڑا۔

اواخر ۷۰ء میں حضرت کی ملک سے باہر روانگی کا فیصلہ کیا جا چکا تھا لیکن بات دہی رہی۔ انتخابات کے بعد جب آپ کی روانگی کا اعلان کیا گیا تو جمعیت کے کارکنوں میں ایک کہرام مچ گیا، طرح طرح کی باتیں ہونے لگیں۔ کسی نے اس اقدام کو حضرت کے خلاف سازش قرار دیا تو کسی نے حضرت کی بیرون ملک روانگی کو جمعیت کی بربادی قرار دیا۔ غرضیکہ جتنے منہ اتنی ہی باتیں اخبارات تک میں طرح طرح کی خبریں آنے لگیں۔ سیاسی رہنماؤں کے بیانات شائع ہونے لگے اور ہر طرح حضرت کو روکنے کی کوششیں کی جانے لگیں لیکن حضرت نے اپنے امن پسند مزاج کے مطابق اپنے فیصلہ کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا: اب میں۔ یاسی اور تنظیمی زندگی چھوڑ کر خالص دینی اور مذہبی خدمت کرنا چاہتا ہوں جس کے لئے میرا ملک سے باہر جانا ناگزیر ہے، غرضیکہ لوگ احتجاج کرتے رہے اور حضرت جنوری ۱۹۷۱ء کو سر نیام کے لئے روانہ ہو گئے۔

### سر نیام میں قیام

سر نیام، سمندر پار جنوبی امریکہ کا ایک چھوٹا سا ملک ہے جو ۱۹۷۴ء تک ڈچ کالونی رہا۔ تقریباً سو سال پہلے نیپال، کلکتہ، بہار وغیرہ سے یہاں کھیتی باڑی اور مزدوری کے لئے لوگوں کو لایا گیا۔ ان میں ہندو، مسلمان سب ہی شامل تھے۔ ابتداءً یہ لوگ چند سال کے معاہدے پر آئے تھے ان کی محنت و مشقت دیکھ کر اس وقت کی برطانوی حکومت نے انہیں یہیں مستقل کر دیا۔ یہ تقریباً سب ہی ان پڑھ تھے لیکن ان میں اپنے مذہب کا جذبہ بہر حال موجود تھا، بحمد اللہ مسلمان کی یہ خوبی ہے کہ وہ کہیں بھی ہوا اپنے دین سے اس کا تعلق رہتا ہے۔

مبلغ عشق و محبت حضرت علامہ شاہ عبدالعلیم صاحب پہلے عالم دین تھے جن کے قدموں سے سر نیام مشرف ہوا۔ آپ نے مسلمانوں کے دل میں ایمان کی اس شمع کو بھڑکا دیا جو دم پڑ چکی تھی۔ آپ کی تقریروں سے ان میں دین کی اشاعت اور علم دین کے حصول کا جذبہ بیدار ہوا اور یہ لوگ علماء کو مدعو کرنے لگے۔ حضرت علامہ سید سعادت علی قادری بھی جنوری ۷۱ء میں یہاں پہنچے۔ آپ نے یہاں تین سال متواتر کام کیا۔ سر نیام مسلم ایسوسی ایشن نے آپ کو مدعو کیا تھا۔ جامع مسجد سر نیام بے حد خستہ حال تھی۔ آپ نے کثیر رقم جمع کرائی اور مسجد کی تعمیر و تزئین کرائی۔ سر نیام کے دیگر دیہاتوں کی مساجد کو بھی آراستہ کیا گیا۔ ان دیہاتوں میں تعلیم قرآن کے مدارس قائم کئے، قاعدوں اور قرآنی سیپاروں کی طباعت کا بھی انتظام کیا۔ مدرسین کا

تقرر کیا، سالانہ جلسوں بالخصوص یوم حسین رضی اللہ عنہ اور عید میلاد النبی کا اہتمام کیا۔ عید میلاد النبی کا جلوس بڑے ہی اہتمام کے ساتھ نکالنا شروع کیا۔ اس سے قبل سر نیام کے مسلمان اس جلوس سے ناواقف تھے۔ جلسے اور جلوس میں مسلمانوں کے علاوہ دیگر اقوام کے سیاسی و مذہبی راہنما اور عوام بھی بکثرت شرکت کرتے تھے۔ بحمد اللہ مبلغ السلام کے یہ کام اب تک جاری ہیں۔

آپ کے قیام کا دور سر نیام کے مسلمانوں کے لئے مذہبی بیداری کا دور تھا انہوں نے ہر طرح حضرت کا تعاون کیا اور ان سے خوب استفادہ کیا۔ وہ حضرت کا بے حد احترام کیا کرتے تھے۔ آج تک وہاں کے مسلمانوں کے دلوں میں حضرت کی یاد تازہ ہے اور بڑی عقیدت سے یہ لوگ آپ کا ذکر کرتے ہیں۔ حضرت نے سر نیام کے مسلمانوں میں خدمت دین کا جو جذبہ بیدار کیا اور جس طرح ان کی تنظیمی تربیت کی اسی کا نتیجہ ہے کہ سر نیام ہی کے مسلمان ہالینڈ میں بھی سب سے زیادہ مذہبی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

مبلغ اسلام کا ایک اہم کارنامہ یہ قرار پایا کہ آپ نے سر نیام کے مسلمانوں میں وہی علم جھنڈا متعارف کرایا جو پاکستان میں ”نبی کا جھنڈا“ کہلاتا ہے۔ نبی کا یہ جھنڈا وہاں آج بھی مسلمانوں کے گھروں پر لہرا رہا ہے۔ اس کے اسٹیکر گاڑیوں اور گھروں کے دروازوں پر لگے ہوئے ہیں۔ اسے گلاسوں پر پرنٹ کرایا گیا جو مسلمانوں کے گھروں کی زینت بنے ہوئے ہیں۔ ہالینڈ، جنوبی افریقہ اور جہاں بھی حضرت گئے وہاں یہ جھنڈا متعارف ہوا اور سنی مسلمانوں کا علم اور نشان قرار پایا۔ بالخصوص مکانات اور گاڑیوں پر لگے یہ اسٹیکر بہت مفید ثابت ہوئے ہیں۔ حضرت علامہ کا قیام سر نیام میں ۷۱ء تا ۷۳ء تین سال رہا۔

دین کے ہر خادم کو اس راہ میں دشواریوں اور مشکلات کا بھی سامنا کرنا پڑتا ہے۔ حضرت علامہ کو بھی اسلاف کی اس سنت پر عمل کا موقع میسر آیا کہ آپ کے کام کی رفتار جس تیزی سے بڑھتی گئی اتنی ہی تیزی سے مخالفین کی یلغار بھی زیادہ ہوتی گئی، گاڑی اور گھر پر پتھراؤ، دھمکیاں، حملے، مقدمات غرضیکہ وہ سب کچھ ہوتا رہا جو ہمیشہ سے حاسدین اور مخالفین اہل علم کے ساتھ کرتے آئے ہیں لیکن چونکہ حضرت پہلے ہی سے تجربہ کار تھے۔ سیاسی سوچ بوجھ اور تدبیر و تدبر کی آپ میں کمی نہ تھی، لہذا آپ نے حالات کو خوب قابو میں رکھا اور لڑائی جھگڑوں اور قتل و غارت سے لوگوں کو روکنے میں کامیاب رہے۔ تین سال کی مدت پوری کر لینے کے بعد آپ نے از خود ملک چھوڑنے کا فیصلہ کیا جبکہ عوام سراپا احتجاج بنے رہے اور سر نیام کے مسلم وغیر مسلم سیاسی لیڈر اور حکام مکمل تعاون کا یقین دلاتے رہے۔

### ہالینڈ تشریف آوری

۷۵ء میں سر نیام کو ہالینڈ سے آزادی ملی۔ اس موقع پر سر نیام کے لاکھوں افراد ہالینڈ منتقل ہو گئے جن میں حضرت علامہ کے مریدین، معتقدین اور مخلصین کی بھی بڑی تعداد تھی۔ آپ کے ایک نہایت ہی مخلص مرید نے یہاں پہنچتے ہی آپ کو ہالینڈ آنے کی دعوت دی جو بلاشبہ ان کا بڑا کارنامہ تھا۔ حاجی احمد علی سلھنی کی دعوت پر حضرت ہالینڈ تشریف لائے۔ یہ ۷۶ء کی بات ہے آپ نے چند دن یہاں قیام فرمایا، لوگ آپ کے گرد جمع ہوئے، متعدد جلسے ہوئے۔ آپ نے لوگوں کو دینی کام کرنے

جماعت بنانے پر آمادہ کیا اور واپس چلے گئے۔ دین ہاگ کے احباب نے تنظیم بنانے انجمن عقائد الاسلام قائم کی اور آپ کو مدعو کیا۔ آپ دوبارہ تشریف لائے اور باقاعدہ کام کا آغاز ہو گیا۔ ربیع الاول شریف آیا تو آپ نے عید میلاد النبی کے جلسہ کا اہتمام کیا۔ دین ہاگ کا سب سے بڑا ہال کرایہ پر حاصل کیا گیا اور اس کانگریس ہال میں نہایت ہی تزک و احتشام سے جلسہ منعقد ہوا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ سر نیام کے مسلمانوں کے علاوہ اس میں ترکی اور ڈچ بھی شریک ہوئے۔ ترکی علماء اور انتظامیہ سے متعلق ڈچ حکام کی بھی تقاریر ہوئیں کئی سال تک اسی ہال میں یہ جلسہ ہوتا رہا۔ جس سے مسلمانوں میں خدمت دین کے جذبات بیدار ہوئے۔ انہوں نے تنظیمیں قائم کیں، علماء کو مدعو کرنا شروع کیا ہر ماہ حضرت کا تبلیغی جلسہ ہوتا تھا۔ حضرت کی عدم موجودگی میں اس جلسہ میں راقم الحروف شریک ہوتا رہا۔

چند سال بعد ہی ”انجمن عقائد الاسلام“ کا نام تبدیل کر کے ”جماعت اہلسنت“ رکھا گیا اور اس کا اپنا مکان خرید لیا گیا پھر چند سال بعد غالباً ۸۰ء میں ایک پرانی فیکٹری کی وسیع و عریض جگہ خریدی گئیں جو ”القادری اسلامک سینٹر“ کے نام سے بحمد اللہ موجود ہے۔ اس کا اپنا وسیع ہال ہے، مدرسہ ہے اور خوبصورت مسجد بھی اب عید میلاد النبی اور دیگر جلسے اس سینٹر میں منعقد ہوتے ہیں۔ حضرت کی دیگر مصروفیات کے باعث اب ”القادری اسلامک سینٹر“ کی رونق پہلی جیسی تو نہیں تاہم کام ہو رہا ہے۔ اب اگر حضرت ہالینڈ میں ہوتے ہیں تو جلسوں میں شرکت فرماتے ہیں۔

### جنوبی افریقہ کا دورہ

۱۹۸۲ء میں حضرت پہلی مرتبہ جنوبی افریقہ تشریف لے گئے اور تائیس دم یہ سلسلہ جاری ہے۔ آپ نے اگرچہ وہاں زیادہ مدت کبھی قیام نہیں فرمایا لیکن تقاریر کے علاوہ تنظیمی اور تعمیراتی کام خوب کئے۔ ڈربن کے قریب ہی ایک وسیع و عریض زمین حاصل کر کے ”القادری اسلامک سینٹر“ کی عمارت تعمیر کرائی جو مسجد، مدرسہ، ہسپتال، لائبریری اور ایک وسیع ہال پر مشتمل ہے۔ اچھا برتاؤ، تیس راتیں، مرض سے موت تک، یوم الفرقان، حضرت کی معروف تصانیف ہیں۔ انگلش میں انہیں ساؤتھ افریقہ ہی کے مریدین نے چھاپا اور پوری دنیا میں لاکھوں کی تعداد میں تقسیم کی گئیں۔ حضرت اپنے قیام کے دوران جامع مسجد ڈربن میں مستقل خطابت فرماتے ہیں جو بڑا اعزاز ہے۔ جنوبی افریقہ میں قیام کے دوران آپ نے دیگر افریقی ممالک کا بھی کئی مرتبہ دورہ کیا۔ جہاں آپ کے مریدین کی ایک بڑی تعداد موجود ہے۔

### دیگر ممالک

سر نیام، ہالینڈ، جنوبی افریقہ کے علاوہ یورپ کے دیگر ممالک کینیڈا، امریکا کی متعدد ریاستوں کا بھی مبلغ اسلام کی مرتبہ دورہ کر چکے ہیں اور عمر کے اس حصے میں یہ سلسلہ جاری ہے۔ مولیٰ تعالیٰ آپ کو بصحت و سلامتی عمر دراز عطا فرمائے تاکہ آپ اپنی جو پرسدہ حقیقتوں سے امت مسلمہ کو فیض پہنچاتے رہیں، آمین۔

### ذوق خطابت

مبلغ اسلام نے مجھے خود بتایا کہ میں بچپن میں اپنی والدہ ماجدہ کا دوپٹہ سر پر باندھ لیتا، چھری ہاتھ میں لیتا اور ان



میں کئی مرتبہ تقریر کرتا رہتا۔ گویا آپ کو فطری طور پر تقریر کا شوق تھا جو بڑے ہونے کے بعد ابھرا اور خوب ابھرا۔ بارہ سال کی عمر سے ہی آپ نے جمعہ سے قبل اپنے والد گرامی کی مسجد میں تقریر کا آغاز کیا اور تا اس دم آپ نے جمعہ کی خطابت کبھی نہ چھوڑی۔ نہ جانے کتنی کانفرنسوں میں آپ کو تقریر کرنے اور مقالات پڑھنے کا موقع ملا۔ بالخصوص میلاد النبی کی اسلام آباد میں کانفرنسوں میں آپ نے خوب اپنے جوہر دکھائے اور تقریریں کیں۔ سنی کانفرنسوں میں آپ نے اپنی سیاسی تقریروں میں ایک انقلاب برپا کیا۔ سر نیام، ہالینڈ، جنوبی افریقہ اور دیگر ممالک میں آپ کی تقریروں سے جو مذہبی جذبات بیدار ہوئے وہ مدتوں باقی رہیں گے۔ دنیا نے آپ کو پہلے مقرر اور پھر مصنف کی حیثیت سے پہچانا۔ دنیا کے تمام ممالک میں آپ کی تقریروں کے کیسٹس پھیلے ہوئے ہیں جن سے لوگ استفادہ کرتے رہتے ہیں۔

تقریر میں آپ کا ایک اچھوتا انداز ہے۔ بنیادی طور پر خطابت کا کمال یہ ہے کہ مضمون میں ایک ترتیب ہو اور تسلسل ہو۔ نیز جو بیان کیا جائے اس کو آسان دلائل سے ثابت کیا جائے۔ انتخاب مضامین میں مبلغ اسلام کا طریقہ یہ ہے کہ جس عنوان پر انہیں تقریر کرنا ہوتی ہے سب سے پہلے اس سے متعلق آیات قرآنیہ کا انتخاب کرتے ہیں پھر ان سے متعلق احادیث لیتے ہیں اس کے بعد ماحول اور ضرورت کے لحاظ سے گفتگو کرتے ہیں۔ بالخصوص حالات حاضرہ کی گفتگو آپ کی تقریر کی روح ہوتی ہے۔ جس سے تقریر مزید مفید اور دلچسپ ہو جاتی ہے۔ میں نے انہیں جب سے جانا ہے مجھے معلوم ہے کہ آپ تقریر بڑے ہی اہتمام اور محنت سے تیار کرتے ہیں۔ نئے نئے عنوانات پر گفتگو آپ کی خصوصیت ہے۔ نیز موضوع سے متعلق آیات و احادیث کو یاد کر لینا بھی آپ کا خاص کمال ہے۔ دوران تقریر اصلاح کی نیت سے آپ جو تنقید کرتے ہیں اس کی زد میں آنے والا کوئی بھی ہو آپ اس کی پرواہ نہیں کرتے بلکہ کھلم کھلا احکام بیان کرنا ہی اپنی دیانت اور ذمہ داری سمجھتے ہیں چونکہ آپ کی تقریر کے مخاطب ہر طبقہ کے لوگ ہوتے ہیں لہذا آپ زبان کی سادگی کا خاص خیال رکھتے ہیں مگر اس سادہ بیانی میں بھی علمی نکات اور نادر مضامین خوب بیان کر جاتے ہیں۔

غرضیکہ علامہ سید سعادت علی قادری ایک بہترین مقرر و خطیب اور مصنف ہیں، ایک مؤثر مبلغ ہیں، عمر کے ساٹھ برس سے زیادہ گزار چکے ہیں اور بحمد اللہ اب بھی اپنی ذمہ داریوں کا احساس رکھتے اور انہیں پورا کرنے کے لئے کسی بھی محنت و مشقت سے گریز نہیں کرتے۔ اب بھی نہ زور خطابت میں کمی ہے اور نہ رفتار قلم میں سستی، اللہ انہیں صحت و طمانیت عطا فرمائے کرامت مسلمہ تادیر ان سے استفادہ کرتی رہے، آمین یا رب العلمین بجاہ رحمة العلمین۔

نیاز مند

بدر القادری

اسلامک اکیڈمی، دی بیگ، ہالینڈ

۲۱ شعبان المعظم ۱۴۲۲ھ، ۹ نومبر ۲۰۰۱ء

تبصرہ از قلم

فقیہ عصر حضرت علامہ الحاج مفتی محمد امین صاحب

مصنف ”آب کوثر“، ”البرہان“

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّي عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِیْمِ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ أَجْمَعِیْنَ

اما بعد!

اعمال کے لئے ایمان شرط ہے۔ قرآن مجید میں ہے: عربی (سورہ طہ: ۱۱۲)

”اور جو شخص نیک عمل کرتا ہے اور وہ ایمان دار بھی ہو تو اسے اندیشہ نہ ہوگا کسی ظلم کا یا حق تلفی کا۔“

نیز فرمایا گیا: مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ أَوْ اُنْشَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَیٰوًا طَيِّبَةً (نحل: ۹۷)

”جو بھی نیک کام کرے مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ مؤمن ہو تو ہم اسے عطا کریں گے ایک پاکیزہ زندگی۔“

ان دونوں آیات میں واؤ شرطیہ ہے اسی لئے بعض مترجمین نے اس طرح ترجمہ کیا ہے: ”جو کوئی نیک کام کرے

شرط یہ ہے کہ وہ مؤمن ہو“۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ایمان کے بغیر کسی عمل کی نیکی کا وجود ہی نہیں کہ ”اِذَا فَاتَ الشَّرْطُ فَاتَ

الْمَشْرُوطُ“ جب شرط نہ ہو مشروط نہیں رہتا۔ پس ایمان کے بغیر جنت میں داخلہ ناممکن ہے۔ جیسا کہ آقا ﷺ نے

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیتے ہوئے فرمایا: ”قُمْ يَا بَلَالُ فَادْخُلْ الْجَنَّةَ اِلَّا مُؤْمِنًا“ (بخاری،

مشکوٰۃ ص ۵۳۴)۔ بلال اٹھ اور اعلان کر کہ جنت میں صرف وہی جاسکے گا جس کے پاس ایمان ہوگا۔

اور یہ بھی مسلم ہے کہ ایمان کی جان، ایمان کی روح، ایمان کا رکن رکین، حب مصطفیٰ ﷺ ہی ہے،

روح ایمان مفرز قرآن جان دیں بہت حُب رحمة للعلمین (ﷺ)

مطالع المسرات میں ہے: ”فَمَنْ لَا مُحِبَّةَ لَهُ لَا اِيْمَانَ لَهُ فَحُبُّهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رُكْنُ الْاِيْمَانِ

لَا يَثْبُتُ اِيْمَانُ عَبْدٍ وَلَا يَقْبَلُ اِلَّا بِمُحِبَّةِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ“ جو محبت نہ رکھتا ہو وہ مؤمن نہیں ہو سکتا پس حب

رسول ﷺ ایمان کا رکن ہے، بغیر محبت رسول ﷺ کے نہ تو کسی کا ایمان ثابت ہو سکتا ہے اور نہ یہ قبول کیا جاسکتا

ہے۔ مطالع المسرات میں یہ بھی ہے: ”فَاَصْلُ الْاِيْمَانِ مَشْرُوطٌ بِاَصْلِ الْحُبِّ وَكَمَالُ الْاِيْمَانِ مَشْرُوطٌ

بِكَمَالِ الْحُبِّ“ ایمان کی اصل محبت ہے اور ایمان کا کمال محبت کے کمال سے مشروط ہے۔

کچھ بد نصیب اس زعم باطل میں مبتلا ہیں کہ جب ہمیں اللہ تعالیٰ کی محبت حاصل ہے تو پھر کسی اور کی کیا ضرورت

ہے۔ اس باطل اور بیہودہ خیال کو رد کرنے کے لئے حضرت علامہ فاضل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”فَمُحِبَّةُ اللّٰهِ مَشْرُوطَةٌ

بِمُحَبَّةٍ رَّسُولِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ“ اللہ کی محبت رسول ﷺ کی محبت کے بغیر ممکن نہیں۔  
 اس ساری تمہید کا حاصل یہ ہے کہ محبت مصطفیٰ ﷺ ہی سب کچھ ہے اور اس دولت عظمیٰ کے بغیر سب بربریت اور  
 سراب ہے۔ فقیر راقم الحروف نے سید و سندی فخر سادات مبلغ اسلام حضرت علامہ مولانا سید سعادت علی قادری دامت برکاتہم  
 العالیہ کی تصنیف لطیف ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا“ کا بعض مقامات سے مطالعہ کیا۔ ماشاء اللہ، حب رسول ﷺ کا چھلکتا ہوا  
 جام ہے اور پھر سلاست تحریر اور بلاغت لسان، بلندی کی حدوں کو چھو رہی ہے۔ مطالعہ کنندہ اگر خالی الذہن ہو کر مطالعہ کرے  
 تو کوئی وجہ نہیں کہ اسلام اور محبت مصطفیٰ ﷺ کے رنگ میں نہ رنگا جائے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب مستطاب کو شرف  
 قبولیت عطا کرے اور مصنف ذی احتشام کو مزید دینی و ملی خدمات کی توفیق انیق سے نوازے، آمین۔  
 بِجَاهِ مَنْ اتَّخَذَهُ اللَّهُ حَبِيبًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ۔

محتاج دعاء

فقیر ابو سعید محمد امین غفرلہ

فیصل آباد

## تبصرہ برکاتی

## از محمد العلماء ابو حماد علامہ مفتی احمد میاں برکاتی

شیخ الحدیث و رئیس دارالافتاء دارالعلوم احسن البرکات  
شاہراہ مفتی محمد خلیل خان حیدر آباد (پاکستان)

باسمہ تبارک و تعالیٰ وبالصلوة والسلام علی حبیبہ ورسولہ ونبیہ بلاء الاعلیٰ  
مبلغ اسلام و مسلمین، حضرت علامہ مولانا سید سعادت علی قادری زید مجدہم ایک اچھے و منفرد منتظم ہونے کے ساتھ  
بلندی عزم، جواں ہمت اور مسلک حقہ اہلسنت کے لئے شانِ سخا کے حامل ہیں۔

وہ نہ صرف ایک کامیاب مبلغ ہیں بلکہ جو طبع کے لحاظ سے ایک عمدہ مصنف بھی ہیں۔ علامہ موصوف حامل ”وراثت  
انبیاء“ ہونے کے ساتھ ہر صفت کے لوگوں سے ”اچھا برتاؤ“ کرنے میں اپنا جواب نہیں رکھتے اور مومن کے حلم و وقار کا تقاضا  
بھی ہے کہ وہ نہ صرف اپنی حیات و صحت میں بلکہ ”مرض سے موت تک“ بلکہ بعد الموت بھی اپنوں اور بیگانوں کے لئے ایک  
مثال و نمونہ ہوتا کہ تحفہ الہی ”فَلْنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً“ کا حقدار ہو سکے۔ علامہ سعادت علی قادری کی زندگی کا ہر پہلو  
روشن ”تبلیغی کتاب“ کی طرح ہے جس سے اہل حق روشنی پا رہے ہیں۔

علامہ موصوف اپنی کتابوں، تصانیف اور تقاریر میں قارئین اور سامعین کو یہ جذبہ دیتے نظر آتے ہیں کہ مومن ”یوم  
الفرقان“ کے اصحاب کی طرح اپنے ہر ماہ کی ”تیس راتیں“ صبر، حلم اور اطاعت رسول میں گزارے۔ حضرت مولانا قادری ”نا  
م نہاد اسلامی انقلاب“ کی بجائے مومن کے روح و جسم پر حقیقی اسلام چھا جانے کے شدت سے خواہش مند ہیں۔ ان کے یہ  
جذبات ”مقالات قادری“ سے خوب عیاں اور واضح ہیں اور جب وہ مثال دے کر سمجھانے کے لئے امہات المومنین رضی اللہ  
تعالیٰ عنہن اجمعین کی سیرت ”میری مائیں“ کہہ کر بیان کرتے ہیں تو یہ احساس نہایت شدت سے نکھر جاتا ہے کہ اولاد کو اپنی  
ماں کے حق میں کیا ہونا چاہئے اور ماں کہ جس کے قدموں میں جنت ہے۔ اگر صرف اسی کو راضی کر لیا جائے تو کل جہاں اور  
خالق جہاں راضی ہے۔

پیش نظر کتاب ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا“ ایک کتاب ہی نہیں بلکہ ”عطر مجموعہ تفاسیر“ ہے۔ اور یہ وہ خواب تھا کہ جو  
خلیل العلماء علامہ مفتی محمد خلیل خان برکاتی (راقم کے والد ماجد) نور اللہ نے تقریباً پچاس سال قبل دیکھا اور سترہ پاروں کی تفسیر  
”خلاصۃ التفاسیر“ کے نام سے لکھی جس کے سات پارے طبع ہوئے اور باقی حالات کی نذر ہو گئے پھر عرصہ سولہ سال قبل  
”چادر چار دیواری“ (تفسیر سورہ نور) کی شکل میں اس کی جزوی تعبیر سامنے آئی اور اب علامہ سید سعادت علی قادری نے اسی  
خواب کو شرمندہ تعبیر کیا اور دو ضخیم جلدوں میں ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا“ میں وہ علمی جواہرات جمع فرمادیے جن کی چمک دمک



اہل دانش کی بھرپور ترقی دے گی۔

علامہ قادری کو فقیر اس وقت سے جانتا ہے جب استاذی المکرم علامہ مفتی سید شجاعت علی قادری علیہ الرحمۃ نے فقیر کے آخری تعلیمی سال ۱۹۷۳ء میں حکم فرمایا کہ ”ماہنامہ ترجمان اہلسنت کراچی“ کو سنبھالو اور اس کو چلاؤ کچھ ہی دنوں کے بعد علامہ قادری پورے پاکستان کے اہلسنت کو ایک جگہ جمع کرنے کے بعد جب جماعت اہلسنت کے ناظم اعلیٰ منتخب ہوئے تو انہوں نے ترجمان اہلسنت میں نئی جان ڈالی اور اس کی اشاعت میں تسلسل پیدا کیا۔ علامہ کے دورِ نظامت میں ”ترجمان اہلسنت“ نکالنے پر کوئی دقت پیش نہ آئی اور یوں اس علم دوست ہستی نے قارئین کا ایک نہایت شاندار اور جاندار حلقہ قائم کیا جو آج بھی اس دور کے ترجمان کو یاد کرتا ہے۔ علامہ قادری کی یہ نئی تصنیف ”خوب سے خوب تر“ کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے۔ جس کا ہر عنوان ایک روشن چراغ ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ”مقالات قادری“ کی طرح اس تصنیف سے بھی عوام و خواص کو مستفیض ہونے کی توفیق بخشے۔

فقیر قادری کو یہ سعادت حاصل ہوئی کہ میں نے علامہ قادری کی تصنیف ”مقالات قادری“ کی تین جلدیں بیک وقت برکاتی پبلشرز اور مکتبہ..... حیدرآباد کی طرف سے شائع کی ہیں، خدا کرے زورِ قلم اور زیادہ۔

ذریعہ فقیر قادری احمد میاں برکاتی غفرلہ

خادم الحدیث الشریف، دارالعلوم احسن البرکات حیدرآباد

۱۰ رجب المرجب ۱۴۲۱ھ، ۹ اکتوبر ۲۰۰۰ء

تبصرہ از قلم

حضرت علامہ محمد شعیب قادری صاحب

خطیب جامع کلفشاں، کراچی

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

مصنف کتاب ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا“ مبلغ اسلام علامہ سید سعادت علی قادری مدظلہ العالی کا شمار اس وقت اکابرین اہلسنت و جماعت میں ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے تحریر و تقریر میں آپ کو ملکہ خاص عطا کیا ہے بہت کم لوگ ہیں جو اچھے مقرر بھی ہیں اور اچھے محرر بھی۔

علامہ موصوف کتب کثیرہ کے مصنف ہیں آپ کی ہر تصنیف تحقیقی اور دلچسپ ہے۔ تحریر میں سادگی، مضمون میں تسلسل کا معیار بلند ہے۔

زیر نظر کتاب ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا“ آپ کی تصانیف میں شاہکار تصنیف ہے اور اپنی نوعیت میں قرآن کریم کی منفرد تفسیر ہے۔ رب کریم نے اپنے محبوب ﷺ کی امت اجابت کے لئے قرآن کریم میں خوبصورت اور دل میں اترنے والا خطاب ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا“ استعمال فرمایا ہے۔ اس خطاب کے پس منظر میں بارگاہ نبوت کا ادب، احکام خداوندی پر عمل، منہیات سے اجتناب، ابتلاؤں آزمائش کا بار، قرب الہی کی منازل طے کرنے کا سلیقہ، ایثار و قربانی کا خوگر اور رضاء الہی کا طالب بننے کا درس دیا گیا ہے۔ درحقیقت یہ خطاب حاصل انسانیت ہے، اسی خطاب سے انسانیت کی تکریم ہے۔ رب کریم نے اپنے ولی کی پہچان ہی یہ بتائی ہے۔ ”الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ“ قرآن میں اس پہچان کا آغاز جس آیت مبارکہ سے ہوا تو اس میں خالق کائنات نے اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ کا ادب فرض کیا تو معلوم ہوا کہ اللہ کے ولی کی بڑی نشانی یہی ہے کہ وہ بارگاہ مصطفویٰ کا مکمل ادب کرنے والا ہو۔

ایمان والوں کا طرہ امتیاز نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ عالی کا ادب و احترام کرنا بتایا گیا۔ علامہ صاحب نے انتہائی بعزیز خطاب پر قلم اٹھایا ہے۔ جیسا کہ اس کتاب کے مطالعہ سے آپ پر بھی اچھی طرح آشکارا ہو جائے گا۔

علامہ صاحب نے خود فرمایا: ”یہ کتاب میری زندگی کے تحریری میدان میں سب سے خوبصورت سعی ہے“ دعا ہے رب کریم اس تفسیر کو نافع خلاق بنائے اور مصنف کے لئے صدقہ جاریہ کرے۔

آمین بجاہ سید المرسلین علیہ التحیۃ والسلام۔

(دستخط)

تبصرہ از قلم

جناب ڈاکٹر صاحبزادہ فرید الدین قادری زید مجدہ العالی

لیکچرار گورنمنٹ کالج آف کامرس اینڈ اکنامکس، خطیب و سجادہ نشین قادری مسجد و خانقاہ قادریہ  
سولجر بازار، کراچی

صَلَّى عَلَيْكَ اللَّهُ يَا عَبْدَنَانِ يَا مُصْطَفَى يَا صَفْوَةَ الرَّحْمَنِ

فاضل جلیل مبلغ اسلام حضرت علامہ سید سعادت علی قادری دامت برکاتہم القدسیہ کی شخصیت، پاکستان و بیرون  
ممالک میں بسنے والے خواتین و حضرات کے لئے محتاج تعارف نہیں اور علماء کرام و مشائخ عظام میں تو آپ کی شخصیت ہر  
دل عزیز ہے۔ آپ متعدد تحقیقی کتابوں کے مصنف ہیں۔اگرچہ راقم الحروف کسی علمی مقام کا حامل نہیں لیکن یہ آپ کی شفقت و محبت ہے کہ اپنی تازہ تصنیف ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا“  
کا مسودہ اظہار خیال کے لئے روانہ فرمایا بطور تعمیل حکم چند سطور بدیہ قارئین ہیں۔مذکورہ تصنیف دراصل ”۸۹“ آیات مقدسہ پر مشتمل ایسے مقالات کا مجموعہ ہے جن میں قرآنی آیات کی روشنی میں  
علامہ نے احکام الہیہ کی تشریح فرمائی ہے۔ قرآن مجید کی تلاوت کرنے والے خواتین و حضرات تو بے شمار ہوں گے لیکن قرآنی  
پیغام اور احکام کا علم رکھنے والے کم ہی لوگ ہیں ایسے میں علامہ موصوف کی یہ سعی اوّوں میں قرآن کے فہم و ادراک کے فروغ  
کا باعث ہوگی۔آپ نے قرآن کے علاوہ احادیث کی روشنی میں بھی قرآنی احکام کی بڑی مدلل تشریح فرمائی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ  
جن احکام کی وضاحت کے لئے کئی قرآنی تفاسیر درکار ہوں، حضرت علامہ نے ایک ہی کتاب میں تمام قرآنی تشریحات کو یکجا  
فرمادیا ہے۔”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا“ کا مطالعہ کرنے والا اس کتاب کو پڑھ لے اور سمجھ لے تو پھر اسے دیگر تفاسیر کے مطالعہ کی  
ضرورت نہ ہوگی، قرآن مجید میں نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کے احکام تو ملتے ہیں لیکن ان کے مسائل اور تشریحات قرآن کریم  
بیان نہیں کرتا۔ اس لحاظ سے حضرت علامہ سید سعادت علی قادری دامت برکاتہم کی یہ تصنیف، عقائد اسلام اور فقہ اسلام کے  
مسائل اور ان کی تشریح کے لئے ایک بہترین اور منفرد کتاب ہے۔ جس کے مطالعہ سے اور اس میں غور و فکر کرنے سے انسان  
گھر بیٹھے عالم بن سکتا ہے۔”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا“ اپنے قاری کے ذہن اور علم کو کتنا وسیع کرے گی اس کا اندازہ تو اس سے استفادہ کرنے  
والوں ہی کو ہو سکتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ حضرت علامہ کی یہ تصنیف بھی آپ کی دیگر تصانیف کی طرح علماء و عوام اہلسنت میں

نہایت مقبول ہوگی اور اہل ذوق اس سے خوب خوب مستفیض ہوں گے۔ اللہ حضرت علامہ کی اس کاوش کو قبول فرمائے۔  
میری دعا ہے کہ اللہ رب العزت جل مجدہ حضرت علامہ کو مسلک حق و دین اسلام کی تادیر خدمات کی توفیق عطا فرمائے۔  
”اللهم زد فزد“

محتاج دعا

ڈاکٹر صاحبزادہ فرید الدین قادری

۳ ستمبر ۲۰۰۱ء

کراچی



تبصرہ از قلم

## گرامی قدر حضرت علامہ محمد اسماعیل صاحب ضیائی (میں)

شیخ الحدیث دارالعلوم امجدیہ کراچی

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

نحمدہ ونستعینہ ونصلی علی رسولہ رحمۃ للعلمین وعلی الہ واصحابہ اجمعین

مبلغ اسلام حضرت علامہ مولانا سید سعادت علی صاحب قادری دامت برکاتہم، میرے استاد محترم حضرت علامہ مولانا سید شجاعت علی قادری (ر) حج، علیہ الرحمۃ والرضوان کے برادر بزرگ اور حضرت علامہ مولانا مفتی سید مسعود علی قادری علیہ الرحمۃ والرضوان کے صاحبزادے ہیں۔ اس لحاظ سے بجا طور پر کہا جاسکتا ہے کہ آپ کا تعلق ایک علمی گھرانے سے ہے۔

آپ کے والد ماجد، مدرسہ انوار العلوم ملتان میں بحیثیت مفتی و شیخ الحدیث اور نائب مہتمم کے فرائض انجام دیتے رہے وہ تقریباً دس سال ان مناصب پر بحسن و خوبی اپنی ذمہ داریاں پوری کرتے رہے۔ غالباً اواخر ۱۹۷۱ء میں کراچی تشریف لائے اور دارالعلوم امجدیہ میں مفتی کی حیثیت سے خدمت کرتے رہے۔ افتاء کے علاوہ درس نظامی کی منتہی کتب کی تدریس بھی فرماتے رہے۔ اس کے علاوہ مسجد قصاباں صدر میں امامت و خطابت کے فرائض بھی انجام دیتے رہے مگر اہلیان کراچی زیادہ عرصہ آپ سے مستفیض نہ ہو سکے کہ ۱۹۷۳ء کے اوائل میں آپ اس دنیائے فانی سے دارِ بقاء کی طرف رخصت ہو گئے۔

حضرت علامہ مفتی سید شجاعت کی قادری علیہ الرحمۃ والرضوان کا شمار نہایت فاضل اور قابل ترین اساتذہ میں ہوتا ہے غالباً آپ ۱۹۵۹ء میں مدرسہ انوار العلوم ملتان سے فارغ التحصیل ہو کر کراچی تشریف لائے اور پہلے کچھ عرصہ دارالعلوم مظہریہ آرام باغ میں تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے۔ بعدہ دارالعلوم امجدیہ میں بحیثیت مفتی و مدرس خدمت انجام دیتے رہے پھر دارالعلوم نعیمیہ کی بنیاد رکھی اور اسے اپنے خون سے پہنچ کر پروان چڑھایا اور دوسروں کو سونپ کر چل دیئے۔

آپ نے سینکڑوں فضلاء تیار کئے، افتاء کے علاوہ درس نظامی کی منتہی کتب کی تدریس کرتے رہے السنۂ شرقیہ کے امتحانات، فاضل عربی اور ادیب عربی وغیرہ کی بھی تیاری کراتے رہے۔ آپ ہر فن مولانا شخصیت تھے، نہایت خوش پوش، خوش اخلاق اور انتہائی شریف النفس انسان تھے۔ آپ اسلامی نظریاتی کونسل کے رکن اور وفاقی شرعی عدالت، اسلام آباد کے جج بھی رہے غرضیکہ حضرت مفتی سید شجاعت علی قادری علیہ الرحمۃ میرے استاد ہیں انہی سے میں نے غالباً ۱۹۶۰ء میں حضرت علامہ سید سعادت علی قادری کا اسم گرامی سنا آپ نے نہایت ہی ادب و احترام اور خلوص کے ساتھ مجھ سے آپ کا غائبانہ تعارف کرایا۔ جس سے میں بے حد متاثر ہوا اور شوق بڑھا اور پھر بار بار شرف ملاقات حاصل ہوتا رہا کبھی جلسوں میں تو کبھی جماعت اہلسنت پاکستان کے دفتر میں۔

حضرت علامہ مولانا سید سعادت علی قادری چونکہ میرے استاد کے بڑے بھائی ہیں لہذا آپ سے میرا تعلق نہایت ہی

قریبی ہے۔ آپ کی تعریف اور آپ کی قابلیت کے تعارف کے لئے یہ کتاب ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا“ کافی ہے تاہم آپ نہایت فاضل بلکہ فاضل ابن فاضل ہیں اور ایک اعلیٰ علمی خاندان کے چشم و چراغ ہیں۔ آپ تحریر و تقریر دونوں کے دھنی ہیں۔ کراچی میں ایک عرصہ مسجد قضاہاں صدر میں امامت و خطابت کی ذمہ داریاں نبھاتے رہے۔ آپ خطابت میں اعلیٰ مقام رکھتے ہیں۔ مجمع پر حاوی آنے والے خطیب ہیں۔ میں نے آپ کے بے شمار مواعظ سے استفادہ کیا ہے۔ تبلیغی اعتبار سے آپ کا ثانی نہیں۔

جماعت اہلسنت نے آپ کی زیر سرپرستی جو ترقی کی اس کی مثال نہیں ملتی جو آپ کے بہترین منتظم اور قائد ہونے کا ثبوت ہے آپ بہترین مقرر ہونے کے ساتھ ساتھ ایک اچھے صاحبِ قلم بھی ہیں۔ آپ نے کئی کتابیں تحریر فرمائی ہیں جن میں ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا“ تقریباً اٹھارہ سو صفحات پر مشتمل ہے۔ اس پر تبصرہ لکھنے کے لئے حضرت علامہ نے مجھے حکم دیا۔ مجھ جیسے ادنیٰ طالب علم کا اس کتاب پر تبصرہ لکھنا درحقیقت سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے تاہم تعمیلاً حکم چند سطور لکھنے کی جسارت کر رہا ہوں چونکہ کتاب خاصی ضخیم ہے اس لئے اسے بالاستیعاب پڑھنے کے لئے خاصا وقت درکار ہے۔ میں نے اسے جونہی پڑھنا شروع کیا میرے چند دوست اساتذہ نے دیکھ لیا اور میرے ساتھ پڑھنا شروع کیا اور بے حد پسند کیا۔

میں نے کتاب کے کئی اقتباسات پڑھے تو کتاب کو نہایت مفید اور عصر حاضر کے تقاضوں کے مطابق پایا۔ میرے خیال میں کتاب جدید دور کے لحاظ سے نہایت مفید ہے۔ حضرت موصوف نے تحریر کتاب میں بے حد عرق ریزی کی ہے۔ پورے کلام پاک میں مختلف مقامات پر ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا“ سے اہل ایمان کو ۸۹ بار خصوصی خطاب فرمایا گیا ہے۔ آپ نے انہی آیات کی تشریح و وضاحت کی۔ گویا یہ کتاب ۸۹ آیات کی مفصل و مدلل تفسیر ہے۔ کتاب نہایت سلیس زبان میں ہے اور عام فہم ہے۔ ہر شخص کے لئے یکساں مفید ہے۔ آیات کی تشریح کو احادیث مبارکہ اور دیگر دلائل سے آراستہ و مزین کیا گیا ہے۔ کتاب مسلم معاشرے کی اصلاح کے لئے نہایت مفید ہے اور مرد و عورت کے لئے یکساں کارآمد ہے۔ مصنف ... سو۔ کے مضامین اگر مسلم خواتین پڑھیں گی تو یقیناً سلیم الطبع عورت فرنگی طرز زندگی سے متنفر ہو جائے گی اور جو خواتین مردوں کے برابر حقوق حاصل کرنے پر مصر ہیں وہ اس کتاب کے مطالعہ کے بعد اپنی غلطی پر نادام و شرمندہ ہو کر تائب ہوں گی۔

هَذَا كَلَامُ السَّادَاتِ، وَ سَادَاتُ الْكَلَامِ لَا يَسْتَطِيعُ الْعَبْدُ الضَّعِيفُ عَلَى

احصاءِ حسنہ و المصنّف يعلم حسن تحريره، كما يقال، صاحب البيت

أدرى مما فى بهجته.

میری دعا ہے کہ اس کتاب کو رب ذوالجلال قبول فرمائے اور حضرت علامہ کی کاوش کو مقبول عام کرے کہ یہ برگہ کی زینت بنے اور امت مسلمہ کا بچہ بچہ اس سے استفادہ کرے۔ آمین، بطفیل سید الانام علیہ التحیہ والتسلیم

فقط

محمد اسماعیل ضیائی خادم دارالعلوم امجدیہ کراچی

۲۷ ستمبر ۲۰۰۱ء

تبصرہ از قلم

گرامی قدر حضرت علامہ آصف بن مختار انصاری صاحب زید مجدہ

استاد دارالعلوم امجدیہ، کراچی

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

حامداً ومصلیاً ومسلماً

حضرت قبلہ علامہ مولانا سید سعادت علی قادری مجدہ و علمہ کی گرانقدر اور مایہ ناز تحریر ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا“ زیب نظر ہے۔

حضرت موصوف کثیر الجہات شخصیت اور گونا گوں صفات کے حامل ہیں۔ نیز دین حق کے تقاضے بھی بطریقہ احسن پورے کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حسن باطن سے بھی خوب نوازا ہے۔

حضرت علامہ نسباً سادات سے تعلق رکھتے ہیں اور اپنی شخصیت و عبقری کارناموں کے حوالے سے یہ نسبت ان پر زیب و زینت کا باعث ہے۔ گویا وہ اس نسبت سادات کے تقاضوں کو اپنے علم و عمل سے خوب نبھاتے ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ احسن الخالقین نے مولانا کو صورت و سیرت ہر لحاظ سے قابل رشک بنایا ہے وہ راہوارِ قلم کے شہسوار ہوں تو سبک، سلیمس اور عام نیز معنویت سے لبریز تحریر ان کا تعارف بنتی ہے اور میدانِ خطابت میں ان کی شعلہ بیانی اور جوشِ خطابت، سامعین کے دلوں کو ان کے حسن انداز کا اسیر کر لیتی ہے۔ وہ تمام سامعین کو اپنی طرف متوجہ اور ہمہ تن گوش کر کے اپنی سحر بیانی کا لوہا منوالیتے ہیں ان کا خطاب اس خصوصیت کا ترجمان ہوتا ہے جو سید الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ کے ارشاد سے مطلوب ہے کہ آپ ﷺ فرماتے ہیں: ”كَلِّمُوا النَّاسَ بِقَلَدِ عُقُولِهِمْ“ (لوگوں سے ان کی عقل کے مطابق گفتگو کرو۔)

قدرت نے شکل و صورت اور علم و فضل کے ساتھ موصوف کو خوش اخلاقی کی جہت سے بھی متصف کیا ہے جو ان کے منصب کے لئے ایک لازمی جز ہے کہ انہوں نے اپنی عمر لطیف کا ایک حصہ علم دین کی خدمت کے ساتھ تبلیغ دین میں گزارا۔ یہی وجہ ہے کہ عوامی سطح پر وہ جتنا پاکستان سے باہر جانے جاتے ہیں اتنا شاید پاکستان والے ان سے واقف نہ ہوں۔

پیر طریقت و رہبر شریعت کی اصطلاح بھی موصوف پر خوب بھتی ہے کہ حضرت دین و شریعت اور تصوف و طریقت دونوں مسندوں پر جلوۂ آراء ہیں اور ان دونوں مناصب کی ذمہ داریوں سے بجا طور پر عہدہ برآ ہو رہے ہیں۔

حضرت علامہ کی تصانیف اگرچہ بکثرت ہیں لیکن معنویت اور افادیت سے لبریز ہیں ہر کتاب اپنے موضوع کے لحاظ سے منفرد، علمی لحاظ سے جامع اور وقت کی ضرورت کے لحاظ سے انتہائی اہم نظر آتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عنوانات خود ان کے سامنے دست بستہ منتظر توجہ ہیں۔ رمضان المبارک کی مقدس راتوں کے حوالہ سے عوام کی افادیت کو مد نظر رکھتے ہوئے ”تیس راتیں“ لکھ کر انہوں نے اپنی مسلمہ حیثیت اور معاشرے کی ضروریات پر بھرپور نظر کا ثبوت دیا ہے۔ ”میری

مائیں“ کے مفرد نام سے ”امہات المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہن“ کی سیرت سے لوگوں کو مستفید کیا۔ غرضیکہ ہر کتاب اسی طرح عہد حاضر کی ضروریات کو پورا کرتی ہوئی لوگوں کا مطالعہ وسیع کرنے اور بہترین معلومات فراہم کرنے کا سبب بنتی ہے۔

”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا“ (اے ایمان والو) حضرت والا مرتبت کی وہ گرانقدر تصنیف ہے جس کے بارے میں کئی نامور اہل علم حضرات نے اپنی آراء پیش کی ہیں اور فاضل مصنف کو بجا طور پر خراج تحسین پیش کیا ہے جو ان کا حق ہے۔ احقر، راقم الحروف نے حضرت کی یہ تصنیف لطیف حضرت علامہ مولانا محمد اسماعیل صاحب ضیائی مدظلہ، شیخ الحدیث دارالعلوم امجدیہ کے لطف و کرم سے دیکھنے کی سعادت حاصل کی اور اس جلیل القدر تحریر پر اپنے تاثرات رقم کرنے کی جسارت کر رہا ہوں، مگر قبول افتدز ہے عز و شرف۔

اس کتاب پر اعلامِ علام کے تبصرے، علامہ کی تحریر کے اقتباسات اور ایک وسیع و طویل فہرست کا مطالعہ کیا۔ بلا مبالغہ کہا جاسکتا ہے کہ حضرت موصوف نے دریا کو کوزے میں بند کر دیا ہے کہ بطور عنوان ان ۸۹ آیات کی تشریح کی ہے لیکن درحقیقت قرآن و حدیث اور سیرت مبارکہ کے قابل قدر مطالعہ کا نچوڑ پیش کر دیا ہے۔

علامہ موصوف کی یہ کتاب ہر مسلمان کی انفرادی و اجتماعی زندگی میں تمام دینی و دنیاوی امور کے لئے رہنما ثابت ہو گئی بشرطیکہ وہ اسلامی احکام سے رہنمائی کا طالب ہو۔ معاملات شرعی ہوں یا تصوف سے متعلق ہوں، اصلاح ظاہر مطلوب ہو یا تزکیہ و صفائے باطن یہ کتاب بہر حال فردِ مسلم کی رہنمائی کا بہترین فریضہ انجام دے گی۔

یوں تو بظاہر کتاب ۸۹ آیات کی تفسیر و تشریح ہے لیکن تفسیر، حدیث، تاریخ و سیرت، ادب و انشاء پر دازی کا بہترین مرقع ہے۔ جستجوئے ہدایت میں اس کتاب سے تمسک کیا جائے یا وقت کے بہترین صرف کے لئے اس کتاب کو ہاتھوں میں لیا جائے راہ ہدایت کے متلاشی کو ہدایت اور احسن طور پر وقت گزاری کرنے والے کو علم و حکمت سے سیراب کرے گی۔ سیرت و تاریخ کا مطالعہ کرنا ہو، اسلاف کی حیات کو مشعل راہ بنانے کا مقصد ہو تو قرآن و حدیث کی روشنی میں اس کتاب سے ایسی نورانیت نصیب ہوتی ہے کہ اسلاف کی زندگیاں ہمارے سامنے اس طرح آتی ہیں کہ ان پر رشک آنے لگتا ہے۔ غرضیکہ اس کتاب کا ہر گھر میں ہونا ضروری ہے کہ ہر مسلم فرد اور مسلم گھرانے دونوں ہی کے لئے انتہائی اہم اور ضروری ہے۔

دعا ہے کہ رب کریم جل جلالہ اپنے حبیب کریم علیہ افضل الصلوٰت و اکمل التحیات کے طفیل اسے قبول فرمائے اور مقبول عام بنائے۔ عامۃ المسلمین کے لئے نفع بخش ہو اور مصنف موصوف، ناشرین اور قارئین کو جزائے دارین عطا فرمائے، آمین بجاہ رحمة للعالمین۔

یکے از وابستگان دامن سادات

ابن مختار انصاری

دارالعلوم امجدیہ کراچی

۲۸ جمادی الثانی ۱۴۲۱ھ بمطابق ۲۹ ستمبر ۲۰۰۰ء

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## ”سورة الانفال“

آیات نمبر	مقالہ نمبر
15 تا 19	45
20 تا 23	46
24 تا 26	47
27 تا 28	48
29	49
45 تا 47	50





## مقالہ ۴۵

### الانفال: ۱۵ تا ۱۹

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوهُمْ إِلَّا دُبَارًا ۚ وَمَنْ يُوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرًا إِلَّا مَتَحَرِّرًا يَنْتَقِلَ أَوْ مَتَحَرِّرًا إِلَىٰ فِتْنَةٍ فَقَدْ بَاءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللَّهِ وَمَا لَهُ جَهَنَّمَ ۚ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ۝ فَلَمْ تَقْتُلُوهُمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ قَتَلَهُمْ ۚ وَمَا رَمَيْتُمْ إِذْ رَمَيْتُمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ ۚ وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِينَ مِنْهُ بَلَاءً حَسَنًا ۚ إِنَّ اللَّهَ سَلِيمٌ عَلِيمٌ ۝ ذَلِكُمْ وَأَنَّ اللَّهَ مُوهِنٌ كَيْدِ الْكَافِرِينَ ۝ إِنَّ تَسْتَفْتِحُوا فَقَدْ جَاءَكُمُ الْفَتْحُ ۚ وَإِنْ تَنْتَهُوا فهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَإِنْ تَعُدُّوا نَعْدَ ۚ وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْئًا وَلَوْ كَثُرَتْ ۚ وَأَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ ۝ (انفال: ۱۵ تا ۱۹)

اے ایمان والو! جب تم مقابلہ کرو کافروں کے لشکر جبار سے تو مت پھیرنا ان کی طرف اپنی پیٹھیں اور جو پھیرے گا اس روز اپنی پیٹھ بھرے گا اس صورت کے کہ پینتر ابد لے والا ہو لڑائی کے لئے، یا پلٹ کر آنے

والا ہوا اپنی جماعت کی طرف تو وہ مستحق ہوگا، اللہ کے غضب کا اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ بہت بری لوٹنے کی جگہ ہے، پس تم نے نہیں قتل کیا انہیں بلکہ اللہ نے قتل کیا انہیں اور (اے محبوب ﷺ) نہیں پھینکی آپ نے جب آپ نے پھینکی بلکہ اللہ نے پھینکی تاکہ احسان فرمائے مومنوں پر اپنی جناب سے بہترین احسان بیشک اللہ سب کچھ سننے والا، جاننے والا ہے، یہ تو ہوا، اور بیشک اللہ کمزور کرنے والا ہے کفار کے مکر و فریب کو (اے کفار) اگر تم فیصلہ کے طلب گار تھے تو آگیا تمہارے پاس فیصلہ اور اگر تم اب بھی باز آ جاؤ تو وہ بہتر ہے تمہارے لئے اور اگر تم پھر شرارت کرو گے تو ہم پھر سزا دیں گے اور نہ فائدہ پہنچائے گی تمہیں تمہاری جماعت کچھ بھی، چاہے اس کی تعداد بہت ہو اور یقیناً اللہ تعالیٰ اہل ایمان کے ساتھ ہے۔

مومن اللہ کا سپاہی ہے، جسے قرآن کریم نے مجاہد کا نام دیا اور اس کی عظمت و فضیلت کا اعلان فرمایا، ارشاد ہوتا ہے:

لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ غَيْرُ أُولِي الضَّرَبِ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقَاعِدِينَ دَرَجَةً ۚ وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَىٰ ۚ وَفَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ عَلَى الْقَاعِدِينَ أَجْرًا عَظِيمًا ۖ دَرَجَتٍ مِنْهُ وَمَغْفِرَةً وَرَحْمَةً ۚ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ﴿٩٥﴾

(النساء: ۹۵-۹۶)

نہیں برابر ہو سکتے (گھروں میں) بیٹھنے والے مسلمان سوائے معذوروں کے اور جہاد کرنے والے اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے، بزرگی دی ہے اللہ نے جہاد کرنے والوں کو اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے بیٹھ رہنے والوں پر درجہ میں اور سب (مجاہدین) سے وعدہ فرمایا ہے اللہ نے بھلائی کا، اور فضیلت دی ہے اللہ نے جہاد کرنے والوں کو بیٹھنے والوں پر اجر عظیم سے، (ان کے لئے) بلند درجے ہیں اللہ کی طرف سے اور بخشش ہے اور رحمت ہے اور اللہ سارے گناہ بخشنے والا، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

انہی مجاہدین کو ”حزب اللہ“ اللہ کا لشکر کہا گیا اور ان کے غالب و فاتح ہونے کا مژدہ دیا گیا ”هُمُ الْغَالِبُونَ“ یہ مجاہد ہیں، محارب یعنی جنگ کرنے والے نہیں، جنگ تو وہ کرتے ہیں جن کا مقصد اپنی جان، اپنے مال و دولت کی حفاظت کرنا ہوتا ہے یا جن کے پیش نظر اپنے اقتدار یا حدود مملکت کا تحفظ ہوتا ہے، ایسے لوگ صرف اپنی برتری کے لئے لڑتے ہیں، چاہے انہیں اپنوں سے جنگ کرنا پڑے یا غیروں سے، لیکن مجاہد اللہ کا سپاہی ہے، فی سبیل اللہ، اللہ کی راہ میں جہاد کرتا ہے، اللہ کی طرف سے اسے یہ ذمہ داری سونپی گئی ہے کہ وہ دین کی حفاظت کرے، اللہ کے کلمہ کو بلند رکھے اور جس خطہ ارض پر اللہ کا قانون نافذ ہو اس پر کسی کو بری نظر تک نہ اٹھانے دے، پس اللہ کا یہ سپاہی اپنی ان ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے لئے ہمہ وقت

اپنی جان اپنے مال ہر چیز کو قربان کر دینے کے لئے تیار رہتا ہے اور جب یہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے دشمن سے مقابلہ کے لئے میدان کارزار میں پہنچتا ہے تو اس کی طاقت و قوت، اس کا ایمان ہوتا ہے اس کا توکل، بھروسہ صرف اور صرف اللہ پر ہوتا ہے، اللہ اپنے اس سپاہی کا مددگار بنتا ہے اس کو ندا آتی رہتی ہے، کمزور نہ پڑنا، فکر نہ کرنا، آگے بڑھتے رہنا، فتح دینا ہمارا ذمہ ہے ”أَنْتُمْ الْأَغْلَوْنَ“ تم ہی بلند رہو گے اگر یہ مجاہد جان کی بازی لگا کر اس دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے تو اسے حیات جاودانی کا انعام دیا جاتا ہے، شہادت کے اعزاز سے نوازا جاتا ہے، اس کو مردہ کہنے یا سمجھنے پر پابندی عائد کر دی جاتی ہے اور اگر یہ میدان کارزار سے زندہ سلامت واپس آ جاتا ہے تو غازی کہلاتا ہے، مسلم معاشرے میں اس کو خصوصی عزت بخشی جاتی ہے، حکومت اسلامیہ میں اس کا مقام بلند ہوتا ہے، مال غنیمت سے اس کو مالا مال کر دیا جاتا ہے پوری امت مسلمہ اس پر ناز کرتی ہے، پس

اے ایمان والو! جب تم اعدائے دین کے لشکر جرار کے مقابلہ پر پہنچو تو پھر انہیں اپنی پیٹھ نہ دکھانا یا تو وہ شکست کھا کر بھاگ جائیں اور یا تم سینہ تانے ان کا مقابلہ کرتے رہو، چاہے تمہارے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں، جان چلی جائے کہ تم بڑی ہی عظمت والے آقا کے سپاہی ہو، تمہارے لئے میدان سے بھاگنا، پیٹھ پھیرنا تمہیں ہرگز زیب نہیں دیتا، تمہارا ایمان قرآن پر ہے اور قرآن تمہارے لئے اعلان فرما رہا ہے:

إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ ۝ نَحْنُ أَوْلِيُّكُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْأٰخِرَةِ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهَىٰ أَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدَّعُونَ ۝ نَزَّلْنَا مِنْ غَفُورٍ رَّحِيمٍ ۝ (فصلت: ۳۰-۳۲)

بیشک وہ جنہوں نے کہا ”ہمارا پروردگار اللہ ہے“ پھر وہ اس قول پر پختگی سے قائم رہے، اترتے ہیں ان پر فرشتے (اور کہتے ہیں) کہ نہ ڈرو اور نہ غم کرو، تمہیں بشارت ہو، جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔ ہم تمہارے دوست ہیں، دنیوی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی اور تمہارے لئے اس (جنت) میں ہر وہ چیز ہے جو تمہارا جی چاہے اور تمہارے لئے اس (جنت) میں ہر وہ چیز ہے جو تم مانگو یہ میزبانی ہے بہت بخشش والے، ہمیشہ رحم فرمانے والے کی طرف سے۔

اے ایمان والو! ان عظیم نوازشات کے باوجود بھی اگر تم اعدائے دین سے خوفزدہ ہو گئے اور پیٹھ پھیر کر بھاگ اٹھے تو یہ اس اللہ سے بغاوت ہوگی جس سے تم اپنی جان و مال کا سودا کر کے جنت کا وعدہ لے چکے ہو اور اس نافرمانی کی تمہیں عبرت ناک سزا دی جائے گی کہ تمہارا اعزاز چھین لیا جائے گا، تم اللہ کے غضب کے مستحق قرار پاؤ گے، تمہارا ٹھکانہ جہنم ہوگا، جو نہایت ہی برا ٹھکانہ ہے۔

ہاں صرف دو صورتیں ہیں، جن میں تمہیں پشت پھیرنے کی اجازت ہے، یا تو تم ”متحرف“ ہو اور یا ”متحیز“ ہو۔

## مُتَحَرِّفٌ

یعنی کوئی ایسی جنگی چال اختیار کرنے والا، جس سے دشمن کو اپنی کامیابی کا دھوکا ہو، مثلاً مجاہد، لڑتے لڑتے ایک دم پیٹھ پھیر کر بھاگا اور دشمن نے دور تک اس کا پیچھا کیا، مجاہد نے موقع ملتے ہی پلٹ کر اس پر حملہ کیا اور مار ڈالا، یہ پیٹھ پھیرنا نہ تھا بلکہ دشمن کو دھوکا دینا تھا اور جنگ میں دھوکا دینا جائز ہے، میرے آقا ﷺ کا ارشاد ہے، راوی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں ”الْحَرْبُ خِدْعَةٌ“ جنگ دھوکا ہے۔

## مُتَحَيِّزٌ

یعنی مجاہد دوران جنگ یہ محسوس کرے کہ دشمن کی قوت بڑھ چکی ہے، اب مقابلہ کی صورت میں کسی بڑے نقصان کا امکان ہے، پس وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ جائے اور اعلیٰ قیادت کو صورت حال سے آگاہ کرے، اب یہ حکام بالا کی حکمت عملی پر موقوف ہے کہ وہ مناسب جانیں تو اسی وقت اپنی قوت میں اضافہ کر کے حملہ آور ہوں یا مناسب وقت کا انتظار کریں۔

بہر حال پیٹھ پھیرنے کی یہ دونوں صورتیں جائز ہیں، دشمن سے مرعوب ہو کر، موت سے ڈر کر، اہل خانہ و خاندان کی محبت کے باعث، یا کسی اور دنیاوی وجہ کی بناء پر پیٹھ پھیرنا، بھاگ جانا، گناہ کبیرہ ہے، جس کی سزا اللہ کا غضب اور جہنم کی آگ ہے۔ اے ایمان والو! جب تم جہاد میں فتح، کامیابی و کامرانی حاصل کر لو تو اس غلط فہمی میں مبتلا نہ ہونا کہ تم نے بڑا کمال کیا اپنے مادی و ظاہری وسائل اور اپنی قوت کے باعث دشمن کو شکست دیدی، ایسا ہرگز نہیں ”فَلَمْ تَقْتُلُوهُمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ قَتَلَهُمْ“ تم نے انہیں تھوڑا ہی قتل کیا ہے یہ تو اللہ کی مدد تمہارے ساتھ تھی، حقیقت میں اللہ ہی نے انہیں قتل کیا ہے، غزوہ بدر کے اوراق پلٹو، دیکھو تمہاری تعداد کیا تھی، تمہارے پاس اسلحہ کتنا تھا، سواریاں کتنی تھیں، دشمن ہر اعتبار سے تم پر بھاری تھا پھر بھی تم ہی کامیاب ہوئے، کیسے کیسے بہادروں کو اللہ نے تم سے قتل کر دیا جس کا ثبوت یہ ہے کہ ہمارے محبوب ﷺ نے ہمارے حکم سے ایک منٹھی خاک دشمن کے لشکر کی طرف پھینکی، جس سے کافروں کی آنکھیں بند ہو گئیں اور پھر چند گھنٹوں ہی میں مجاہدین نے ستر کافروں کو ڈھیر کر دیا، ستر کو گرفتار کر لیا، ”وَمَا رَمَيْتْ إِذْ رَمَيْتْ وَلَكِنَّ اللَّهَ رَمَى“ یہ دست قدرت ہی کا کمال تھا، جس کا وسیلہ اس ذات کو بنایا گیا جسے مصائب و آلام کے وقت وسیلہ بنانے ہی کے لئے مبعوث فرمایا گیا ہے۔

بہر حال فتح و کامرانی تو اللہ ہی کی نصرت و مدد سے نصیب ہوتی ہے، اہل ایمان کو تو صرف اس کا ظاہری ذریعہ بنایا جاتا ہے، وہ بھی انہی کے فائدے کے لئے کہ اللہ اس کے عوض ان کے مراتب کو بلند کر دے، جو زندہ ہوں وہ باعزت اور بارع زندگی بسر کریں اور جو دنیا سے چلے جائیں وہ شہید کہلائیں، انہیں حیات جاودانی نصیب ہو، بعد میں آنے والے ان کی شجاعت و بسالت کے واقعات پڑھیں اور ان کے نقش قدم پر چل کر عزت و عظمت حاصل کریں۔

اے ایمان والو! تم دشمن کے مقابلے پر آنے سے نہ گریز کرو اور نہ گھبراؤ کیونکہ اللہ نے دشمن کو کمزور، مغلوب کرنے کا فیصلہ فرمایا ہے، وہ ہمیشہ ذلیل و خوار ہوں گے، ان کے متعلق فیصلہ الہی ہو چکا ہے کہ اگر وہ اسلام کے خلاف سازشوں سے باز آ جائیں تو ان کے لئے بہتر ہوگا کہ وہ اللہ کی مخلوق کی حیثیت سے، اللہ کی نعمتوں سے فائدہ حاصل کرتے

رہیں گے لیکن اگر ان کی سازشیں جاری رہیں تو ہمارے مجاہد انہیں روندتے رہیں گے اور ان کی افرادی قوت یا سامان جنگ کی کثرت سے انہیں کوئی فائدہ نہ ہوگا کیونکہ ”إِنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ“ اللہ کی مدد تو مسلمانوں کے ساتھ ہے، جس کی مدد اللہ قادر مطلق کرے، اس پر کون غالب آسکتا ہے۔

ایک بمقابلہ دو

اہل ایمان کو ہدایت کی گئی کہ وہ ”ڈٹ کر مقابلہ کریں اور ہرگز پیٹھ دکھا کر نہ بھاگیں، اگر انہوں نے ایسا نہ کیا تو وہ اللہ کے غضب کے مستحق قرار پائیں گے اور ان کا ٹھکانہ جہنم ہوگا“ یہ ایک شرعی قانون ہے، جس کی پابندی ہر مومن پر لازم ہے لیکن اس قانون کی تکمیل اس وقت تک نہیں ہوتی جب تک یہ نہ بتایا جائے کہ ایک مسلمان کتنے دشمنوں کا مقابلہ کرتا رہے، کیا اس صورت میں بھی اسی قانون پر عمل کیا جائے گا جبکہ اللہ کے سپاہی دو، چار ہوں اور دشمن سینکڑوں ہوں، بیشک اللہ اس بات پر قادر ہے کہ وہ اپنے دو، چار مجاہدین ہی کو سینکڑوں پر غالب کر دے لیکن یہ صورت ظاہری اور مادی وسائل کے خلاف ہوگی، جن کو اللہ ہی نے نظام عالم کی بقاء کے لئے لازمی قرار دیا ہے، نیز اللہ ہی کا قانون ہے، ”لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا“ کہ وہ رحیم و کریم رب کسی جان پر اس کی وسعت سے زیادہ ذمہ داری نہیں سونپتا اور اسی رب کا قانون ہے کہ ”يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ“ کہ اللہ تمہارے لئے، سیر، آسانی کو پسند فرماتا ہے، تمہیں دشواری میں مبتلا کرنا نہیں چاہتا، پس قانون بالا کی تکمیل کے لئے ضروری ہے کہ یہ قانون بھی بتایا جائے کہ ایک مجاہد پر کتنے ظالموں کا مقابلہ لازمی ہے، پس بواسطہ صاحب شریعت ﷺ اس قانون کا بھی اعلان کرایا گیا۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْقِتَالِ ۖ إِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ عِشْرُونَ صَابِرُونَ  
يَغْلِبُوا مِائَتَيْنِ ۚ وَإِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ مِائَةٌ يَغْلِبُوا أَلْفًا مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِأَنَّهُمْ  
قَوْمٌ لَا يَفْقَهُونَ ۚ ۝۱۵ أَلَنْ خَفَّفَ اللَّهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ أَنَّ فِيكُمْ صَعْفًا ۚ فَإِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ  
مِائَةٌ صَابِرَةٌ يَغْلِبُوا مِائَتَيْنِ ۚ وَإِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ أَلْفٌ يَغْلِبُوا أَلْفَيْنِ بِإِذْنِ اللَّهِ ۚ  
وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ ۝۱۶

(انفال: ۶۵-۶۶)

اے نبی! (ﷺ) براہِ یختہ کیجئے مومنوں کو جہاد پر اگر ہوں تم میں سے بیس آدمی صبر کرنے والے تو وہ غالب آئیں گے دو سو پر اور اگر ہوئے تم میں سے سو آدمی تو غالب آئیں گے ہزار کافروں پر کیونکہ یہ کافروہ قوم ہیں جو کچھ نہیں سمجھتے، (اے مسلمانو!) اب تخفیف کر دی ہے اللہ نے تم پر اور وہ جانتا ہے تم میں کمزوری ہے تو اگر ہوئے تم میں سے سو آدمی، صبر کرنے والے، تو وہ غالب آئیں گے دو سو پر، اور اگر ہوئے تم میں سے ایک ہزار تو غالب آئیں گے دو ہزار پر اللہ کے حکم سے اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

آیت مذکورہ میں دو قانون بیان کئے گئے، پہلا یہ کہ بیس (۲۰) مجاہد دو سو (۲۰۰) پر غالب ہوں گے، سو (۱۰۰)

ہزار پر غالب ہوں گے یعنی ایک مجاہد کے مقابلہ پر دس کافر ہوں تو اُن کے لئے میدان چھوڑ کر بھاگنا حرام ہے لیکن چند دن بعد ہی یہ قانون منسوخ قرار دے دیا گیا، اور دوسرا قدرے ہلکا قانون بیان کیا گیا کہ سو (۱۰۰) مجاہدین، دوسو (۲۰۰) کفار کے مقابلہ پر اور ہزار دو ہزار کے مقابلہ پر غالب رہیں گے، یعنی ایک مجاہد کے مقابلہ پر جب تک دو کافر ہوں تو اُس کے لئے میدان چھوڑ کر بھاگنا حرام ہے، یہ بھی بتایا گیا کہ یہ مجاہد صابر ہوں، میدان جہاد کی اذیت و تکالیف کا احساس کئے بغیر استقلال و استقامت کے ساتھ ڈٹے رہیں، تو وعدہ الہی ہے کہ یہ ضرور کامیاب و کامران ہوں گے کیونکہ نصرت الہی صابرین ہی کو نصیب ہوتی ہے۔

اس تخفیف کی وجہ ”ضَعْفُ“ یعنی کمزوری قرار دی گئی، جس کا آغاز مجاہدین اولین یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور میں ہی ہو چکا تھا کہ جب صحابہ کی تعداد زیادہ ہوئی، مختلف قوموں کے لوگ حلقہ بگوش اسلام ہوئے تو فطرتاً ان کے خیالات، جنگ سے متعلق ان کے اندازوں میں بھی اختلاف پیدا ہوا، کبھی انہیں اپنی کثرت و وسائل کا بھی احساس ہونے لگا، جس کے باعث انہیں گاہے بگاہے وقتی طور پر غیر متوقع نقصان بھی برداشت کرنا پڑا اور انہیں ”ایک بمقابلہ دس“ کا قانون بار معلوم ہونے لگا، پس اللہ نے کرم فرمایا اور اس قانون میں تخفیف فرما کر، ہمیشہ کے لئے ”ایک بمقابلہ دو“ کا قانون عطا فرما دیا، لیکن صحابہ کرام کے ایمان و عقائد، اطاعت رسول ﷺ، محبت رسول ﷺ میں کبھی ذرہ برابر ضعف پیدا نہ ہونے پایا، اسی لئے ان کے نقصان کی تلافی فوراً ہی ہوتی رہی، جوں جوں وقت گزرتا گیا یہ ضعف بڑھتا گیا، اتنا بڑھا کہ کینسر بن گیا، اس نے ایمان کو بھی کمزور کر ڈالا، عقائد کو بھی کمزور کر دیا، اطاعت کی جگہ بغاوت نے لے لی اور عشق و محبت رسول ﷺ کا تو نام و نشان نہ رہا، حتیٰ کہ نصرت الہی پر بھی اعتماد نہ رہا، مادی اور ظاہری وسائل ہوتے ہوئے بھی اتنے کمزور اور ذلیل و خوار ہو گئے کہ ایک دشمن سے بچنے کے لئے دوسرے دشمن کا سہارا لینے لگے، نتیجہً آزاد ہوتے ہوئے بھی غلام بن گئے اور جو نقصان ہوا اس کی تلافی نہ ہو سکی ہے، نہ ہو سکتی ہے، نقصان ہی نقصان ہوتا چلا جا رہا ہے، اب تو ایک بمقابلہ دو کیا، ایک، ایک کا مقابلہ کرنے کی سکت بھی نہیں رکھتا۔

اس کینسر کا علاج نہ کسی حکیم کے پاس ہے، نہ کسی ڈاکٹر کے پاس، یہ قرآنی قوانین سے روگردانی کے سبب پیدا ہوا ہے اور اسی وقت ختم ہو سکتا ہے جب قرآن کی طرف رجوع کیا جائے، قوانین قرآن و سنت کو اپنایا جائے، اطاعت و فرمانبرداری کی راہ اختیار کی جائے، حب رسول ﷺ اور عشق رسول ﷺ کا جذبہ بیدار کیا جائے، اللہ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

بہر حال مسلمان اور کافر کے مقاصد جنگ میں زمین و آسمان کا فرق ہے:

جنگِ کافر فتنہ و غارت گری است

جنگِ مؤمن سنت پیغمبری است

مؤمن کو اعدائے اسلام پر غلبہ حاصل ہوتا رہا ہے، آج بھی ہو سکتا ہے جبکہ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے عطا کردہ اصول جہاد کو اپنا کر، میدان جہاد میں قدم رکھے، ڈٹ کر لڑے، فرار اختیار نہ کرے، تمام وسائل اور افرادی قوت ہونے



کے باوجود یہ یقین رکھے کہ فتح و کامرانی کا ذریعہ صرف اور صرف اللہ کی مدد ہے:۔  
 کافر ہے تو شمشیر پر کرتا ہے بھروسہ  
 مؤمن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی  
 اے دولت ایمان سے نوازنے والے رب کریم، اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وسیلہ جلیلہ سے ہمیں بھی  
 حفاظت ایمان کا جذبہ عطا فرما دے۔

آمین یا رب العالمین بجاہ رحمة العالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ اجمعین

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی خَيْرِ خَلْقِهِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِهِ وَاَصْحَابِهِ اَجْمَعِينَ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ



## مقالہ ۴۶

### الانفال: ۲۰ تا ۲۳

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَوَلَّوْا عَنَّهُ وَ أَنْتُمْ تَسْمَعُونَ ۝ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ قَالُوا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ ۝ إِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِنْدَ اللَّهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِينَ لَا يَعْقِلُونَ ۝ وَلَوْ عَلِمَ اللَّهُ فِيهِمْ خَيْرًا لَأَسْمَعَهُمْ ۖ وَلَوْ أَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَهُمْ مُعْرِضُونَ ۝

(انفال: ۲۰-۲۳)

اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اور اس کے رسول ﷺ کی اور نہ روگردانی کرو اس سے حالانکہ تم سن رہے ہو اور نہ بن جانا ان لوگوں کی طرح جنہوں نے کہا ہم نے سن لیا حالانکہ وہ نہیں سنتے، بیشک سب جانوروں سے بدتر اللہ کے نزدیک وہ بہرے گونگے (انسان) ہیں جو کچھ نہیں سمجھتے اور اگر جانتا اللہ ان میں کوئی خوبی تو انہیں ضرور سنا دیتا اور اگر انہیں سنا دیتا تو وہ پیٹھ پھیر دیتے روگردانی کرتے ہوئے۔

## اطاعت

اطاعت جملہ شرعی احکام کی اصل جز، بنیاد، یا روح ہے اگر اعمال کی ادائیگی ہو، لیکن ان میں اطاعت نہ ہو تو وہ ضائع اور برباد ہیں مثلاً نماز پڑھی جائے لیکن اوقات کی پابندی نہ کی جائے یا بے وضو پڑھی جائے، روزہ رکھا جائے لیکن دن میں نہیں رات میں رکھا جائے، اسی طرح تمام اعمال پر غور کیجئے جب ان میں اطاعت نہ ہوگی وہ عبادت نہیں دیوانگی اور پاگل پن ہوگا۔ نیز اطاعت صرف اللہ کی نہیں ہوتی بلکہ رسول ﷺ کی اطاعت بھی اتنی ہی اہم ہے جتنی اللہ کی کہ رسول ﷺ کی اطاعت کے بغیر، اللہ کی اطاعت ممکن ہی نہیں، قرآن کریم میں آپ کو ایسی آیات ملیں گے، جن میں رسول ﷺ کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے لیکن اللہ کی اطاعت کا ذکر نہیں ہاں ایسی کوئی آیت نہیں جس میں صرف اللہ کی اطاعت کا حکم ہو اور رسول ﷺ کی اطاعت کا حکم موجود نہ ہو، اللہ کی اطاعت کے ساتھ ہر جگہ رسول ﷺ کی اطاعت کا حکم موجود ہے کیونکہ قرآن کریم یہ اصول دیتا ہے کہ ”مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ“ جس نے رسول ﷺ کی اطاعت کی تو یقیناً اس نے اللہ کی اطاعت کر لی، اس بنیادی حکم کی وجہ یہ ہے کہ رسول ﷺ کا مقصد بعثت ہی یہ ہے کہ امت کا ہر فرد اس کی اطاعت و فرمانبرداری کرے، جس نے رسول ﷺ کے احکام کی تعمیل نہ کی اور وہ صرف اللہ کی اطاعت کا دم بھرتا رہا، وہ نہ صرف گمراہ ہے بلکہ اس نے بعثت نبی ﷺ کے مقصد ہی کو نہ سمجھا۔ فرمایا گیا: ”وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ“ اور ہم نے کوئی رسول نہ بھیجا مگر صرف اس لئے کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے، یعنی اطاعت رسول ﷺ، حکم الہی ہے، اگر اس حکم سے روگردانی کی گئی تو دیگر احکام میں اطاعت، چہ معنی دارد، اسی لئے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو اختیار دیا گیا کہ وہ اپنی امت کو اپنی اطاعت کی دعوت دیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ انہوں نے اپنی قوم کو دعوت حق دیتے ہوئے فرمایا:

وَجِئْتُكُمْ بِآيَةٍ مِنْ رَبِّكُمْ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا ⑤ (آل عمران: ۵۰)

اور لایا ہوں میں تمہارے پاس ایک نشانی تمہارے رب کی طرف سے، پس ڈرو اللہ سے اور میری اطاعت کرو۔

حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا:

فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا ⑥ (الشعراء: ۱۱۰)

پس ڈرو، اللہ سے اور میری اطاعت کرو۔

اسی سورہ شعراء میں حضرت ہود، حضرت نوح، حضرت لوط، حضرت شعیب علیہم السلام کی دعوت حق اسی جملہ کے ساتھ بیان کی گئی ہے، ان حضرات نے اللہ کی اجازت اور اس کے عطا کردہ اختیار سے اپنی اطاعت کا حکم دیا کہ بعثت نبی ﷺ کا مقصد ہی یہ ہے کہ اس کی اطاعت و فرمانبرداری کی جائے، پس میرے آقا ﷺ کی اطاعت، اللہ کی اطاعت کیوں قرار نہ پائے جبکہ آپ ﷺ تو سید الانبیاء والمرسلین ہیں، اور آپ ﷺ کا مقام محبوب رب العالمین ہے، لہذا متعدد مقامات

پر صرف آپ ﷺ کی اطاعت کا حکم دیا گیا اور اسے ذریعہ فلاح و بہبود قرار دیا گیا، ارشاد ہوا:

وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَاطِيعُوا الرُّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿۵۶﴾ (النور: ۵۶)

اور صحیح صحیح ادا کیا کرو نماز کو اور دیا کرو زکوٰۃ اور اطاعت کرو رسول ﷺ کی تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

رسول ﷺ کی اطاعت اللہ کے رحم و کرم کے حصول کا ذریعہ ہے، جو رسول ﷺ کی اطاعت کرتے ہیں ان کی دنیا و آخرت سدھر جاتی ہے، دنیا والے ان کی عزت کرتے ہیں، اللہ ان سے محبت فرماتا ہے:

وَإِنْ تُطِيعُوا تَهْتَدُوا ۚ (النور: ۵۴)

اگر تم اطاعت کرو گے (رسول ﷺ) کی تو ہدایت پا جاؤ گے۔

رسول ﷺ ہی کی اطاعت ذریعہ ہدایت ہے جو اپنے زعم باطل میں صرف اللہ کی اطاعت کا باطل دعویٰ کرتے ہیں وہ ہدایت یافتہ نہیں ہو سکتے۔

### مقصد اطاعت

اطاعت کبھی خوف اور ڈر کی وجہ سے بھی کی جاتی ہے کہ مطاع، جس کی اطاعت کی جارہی ہے، وہ اس قدر ظالم و جابر ہے کہ اس کے حکم کی تعمیل کے سوا کوئی چارہ نہیں، ورنہ جان و مال، عزت و آبرو سب ہی کو خطرہ لاحق ہوگا جیسا کہ ہمارے دور کے اکثر حکام ہیں کہ لوگ ان کے مطیع نہیں ہوتے بلکہ ان کے ظلم و ستم اور جبر و اکراہ سے مجبور ہو کر سر تسلیم خم کر دیتے ہیں، یہ صورتِ اطاعت نہایت ناپائیدار ہوتی ہے، اُس وقت تک باقی رہتی ہے، جب تک ظالم کا پھندا عوام کو جکڑے رکھتا ہے جو نہی یہ ظلم کا پھندا ڈھیلا ہوتا ہے، بغاوت ہو جاتی ہے، قتل و غارت کی نوبت آ جاتی ہے اور اکثر ایسے حکام کو ان کے کیفر کردار تک پہنچا دیا جاتا ہے، کبھی یہ اطاعت طمع اور لالچ کی وجہ سے ہوتی ہے کہ مطاع اتنا با وسائل ہوتا ہے کہ لوگ اس کے وسائل سے فائدہ حاصل کرنے کے لئے اس کی ہر بات تسلیم کرتے رہتے ہیں کہ اگر وہ ایسا نہ کریں تو انہیں سخت معاشی بد حالی سے دوچار ہونا پڑتا ہے، یہ صورت بھی اس وقت تک ہی باقی رہتی ہے جب تک طمع باقی رہتی ہے، جو نہی لوگوں کی ضرورت پوری ہوئی، یا مطاع کے وسائل ختم ہوئے اطاعت بھی ختم ہوتی ہے۔

اہل ایمان سے جو اطاعت مطلوب ہے وہ ان دونوں میں سے کوئی نہیں کہ یہ عارضی صورتیں ہیں، جن سے اطاعت کا اصل مقصد پورا نہیں ہوتا، نیز لفظ اطاعت اپنے معنی کے اعتبار سے ان میں سے کسی صورت پر پوری طرح صادق نہیں آتا کہ اطاعت کا مادہ ”طَوْع“ ہے، جس کے معنی خوشی، مرضی یا مسرت کے ہیں، اس کے مقابل ”مَكْرَه“ ہے جس کے معنی مجبوری کے ہیں، قرآن کریم میں ”طَوْعًا وَ مَكْرَهًا“ کا جملہ موجود ہے۔

أَفَغَيْرَ دِينِ اللَّهِ يَبْغُونَ وَلَهُ أَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ طَوْعًا وَكَرْهًا وَإِلَيْهِ

يُرْجَعُونَ ﴿۸۳﴾ (آل عمران: ۸۳)

کیا اللہ کے دین کے سوا (کوئی اور دین) تلاش کرتے ہیں حالانکہ اسی کے حضور سر جھکا دیا ہے ہر چیز نے

جو آسمانوں اور زمین میں ہے خوشی سے یا مجبوری سے، اور اسی کی طرف وہ سب لوٹائے جائیں گے۔

سورہ توبہ کی آیت (۵۳)، سورہ رعد کی آیت (۱۵)، سورہ فصلت کی آیت (۱۱) میں بھی یہ دونوں لفظ موجود ہیں، بہر حال ”طَوَّعَ“ کے معنی خوشی کے ہیں، گویا اطاعت اسی فرمانبرداری کو کہا جائے گا جو دلی مسرت و خوشی کے ساتھ کی جائے، جبر و طمع دونوں صورتوں میں یہ کیفیت پیدا نہیں ہو سکتی، مطیع کو اطاعت میں مسرت و خوشی جب ہی حاصل ہوتی ہے، جب وہ مطاع سے محبت کرتا ہے، گویا اطاعت بالمحبت ہی اطاعت کاملہ ہے، جیسے بچہ اپنے والدین سے یا والدین اپنے بچہ سے محبت کرتے ہیں، یہی وہ فطری اطاعت ہے جو جانوروں تک میں پائی جاتی ہے اور یہی اطاعت بالمحبت مطلوب قرآن ہے۔

اللہ کا خوف، کہ اگر ہم نے اللہ کے احکام کی تعمیل نہ کی تو ہمارا ٹھکانہ جہنم ہوگا، یا اللہ سے طمع، کہ اگر ہم احکام الہی کی پابندی کریں گے تو اللہ ہمیں دنیا و آخرت کی نعمتوں سے نوازے گا، یہ خوف و طمع، وجہ اطاعت بن سکتا ہے اور ان کا فائدہ بھی ہو گا لیکن یہ اطاعت کا نہایت ہی نچلا درجہ ہے جو کمزور ایمان والوں کی منزل ہے اور رسول ﷺ کی اطاعت کی بنیاد صرف ان سے عشق و محبت ہی ہو سکتی ہے، یہاں کوئی خوف ہے تو رسول ﷺ کی ناراضگی کا اور کوئی طمع ہے تو رسول ﷺ کی رضا کی، ہاں جو لوگ مسلمانوں کے ڈر سے یا ان سے فوائد حاصل کرنے کی طمع میں رسول ﷺ کی اطاعت کا دعویٰ کریں کہ اس پر ان کے دل مطمئن نہ ہوں، وہ منافق کہلاتے ہیں، پس

اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرو، بغیر کسی خوف یا طمع کے، صرف ان کی رضا کے لئے، احکام قرآن و سنت اور کلمہ حق سننے کے بعد، کسی حال میں بھی اطاعت سے روگردانی نہ کرنا، کہیں ایسا نہ ہو کہ تم ان لوگوں کی طرح ہو جاؤ جو سننے کا دعویٰ تو کرتے ہیں لیکن حقیقت میں سنتے نہیں ہیں۔

سننے کے باوجود نہ سننا

احکام الہیہ کو حقیقت میں سننے والا وہ کہلاتا ہے جو سنتا بھی اور سمجھتا بھی ہے، پھر اس پر ایمان لاتا اور اس کے حق ہونے، مفید ہونے پر کلیتہً مطمئن ہو کر یقین رکھتا ہے اور عمل بھی کرتا ہے، یہ کامل ایمان والوں کا سننا ہے، سننے کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ سنا، سمجھا بھی اور حق ہونے پر یقین بھی کیا لیکن عمل پر توجہ تک نہ کی، پس سنا تو لیکن پوری طرح نہ سنا، یہ سننا، فاسق و فاجر اور گناہ گار مسلمانوں کا ہے، جیسا کہ آج کل جلے ہوتے ہیں، محافل میلاد ہوتی ہیں، بکثرت مسلمان شریک ہوتے ہیں، علماء کی تقاریر سنتے ہیں، سمجھتے ہیں، اپنے عقائد کو بھی درست کرتے ہیں لیکن بہت کم ایسے ہیں جو اپنے اعمال کی اصلاح پر توجہ دیتے ہیں، وہ سنتے ہیں کہ قصداً نماز چھوڑنا کافروں جیسا عمل ہے، اس پر وہ یقین بھی کرتے ہیں لیکن پھر بھی پابندی سے نماز نہیں پڑھتے، وہ سنتے ہیں کہ سود کھانا، شراب پینا، جوا، کھیلنا، رشوت لینا یا دینا، زنا کرنا، غیبت کرنا، تکبر و غرور کرنا، غصہ کرنا، معاشرے میں بد امنی پھیلانا، قتل و غارت گری کرنا، کسی مسلمان بھائی کو قتل کرنا، یہ تمام اعمال حرام ہیں، وہ ان بد عملیوں کو حرام مانتے اور یقین کرتے ہیں لیکن اس میں بتلا رہے ہیں، سننے اور ماننے کے باوجود بھی اپنے گناہوں سے توبہ نہیں کرتے، ایسے لوگوں کو اگرچہ شرعاً کافر نہیں کہا جاسکتا لیکن یہ صورت نہایت خطرناک ہے، ایسی دلدل ہے جس میں یہ لوگ دھنسے چلے جا

رہے ہیں اور ان کی جان ہر لمحہ خطرے میں ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ اتنے دھنس جائیں کہ کوئی نکالنے والا پھر نہیں نہ نکال سکے، بد عملی پر اصرار اور استمرار سے ایمان خطرے میں پڑ جاتا ہے اور اللہ محفوظ رکھے۔ ایک مقام ایسا آ جاتا ہے، جہاں توبہ کی توفیق بھی نہیں ملتی، ایسا سننے والا ان لوگوں میں شامل ہو جاتا ہے جو دعویٰ کرتے ہیں ”سَمِعْنَا“ ہم نے سنا لیکن اللہ فرماتا ہے، ”وَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ“ وہ نہیں سنتے۔

سننے کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ سنا، سمجھا، لیکن حق کو حق نہ مانا، اس پر یقین نہ کیا، یا صرف سنا لیکن نہ سمجھا، نہ یقین کیا، یہ سننا اہل ایمان کا نہیں، منافقین اور کفار کا ہے، قرآن نے اس سننے کو نہ سننا قرار دیا اور فرمایا ”وَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ“ اور وہ نہیں سنتے، ان کے نہ سننے کا انجام نہایت ہی خطرناک ہوا، کہ ان سے انسانیت کا تاج شرافت چھین لیا گیا، کان ہوتے ہوئے انہیں بہرا اور زبان ہوتے ہوئے انہیں گونگا قرار دیا گیا، دعویٰ عقل کے باوجود انہیں بے عقل کہا گیا، ”إِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِنْدَ اللَّهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِينَ لَا يَعْقِلُونَ“ بیشک اللہ کے نزدیک سب جانوروں سے بدتر وہ بہرے گونگے انسان ہیں جو کچھ نہیں سمجھتے، انہیں دلائل کے ساتھ حق کی دعوت دی جاتی ہے پھر بھی وہ اسے قبول نہیں کرتے اب تو وہ دلدل میں ایسے پھنس چکے ہیں کہ ان کی واپسی کا امکان تک نہیں رہا۔

(اعراف: ۱۰۰)

وَنُظِّمُهُمْ عَلَى قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ ۝

اور مہر لگا دیں گے ہم ان کے دلوں پر تاکہ وہ کچھ سن ہی نہ سکیں۔

ان کے نہ سننے کا انجام کتنا بھیانک ہوا کہ وہ غضب الہی کے مستحق قرار پائے، ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی اور اب وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے سننے سے محروم ہو گئے، انہیں لوگوں کی عبرتناک حالت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا:

لَهُمْ قُلُوبٌ لَا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَا يَسْمَعُونَ

بِهَا أُولَٰئِكَ كَاذِبٌ لَّهُمْ أَصْلٌ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ ۝ (اعراف: ۱۷۹)

ان کے دل تو ہیں لیکن وہ سمجھتے نہیں، ان کی آنکھیں تو ہیں لیکن وہ دیکھتے نہیں، ان کے کان تو ہیں لیکن وہ

سننے نہیں وہ حیوانوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ (بدتر)، یہی لوگ تو غافل (و بے خبر ہیں)۔

یہ دنیا کے عیش و عشرت میں مست ہو کر اپنے مقصدِ حیات سے ایسے غافل و بے خبر ہوئے کہ انہوں نے حصولِ دنیا اور اس میں عیاشی کو ہی اپنی منزل سمجھ لیا پس یہ اپنی نظروں میں کتنے ہی باعزت اور اہل عقل ہوں، کتنے بلند و بانگ دعویٰ کرتے رہیں، ان کے کمالات کی حیثیت شعبہ بازی کے سوا کچھ نہیں، ان کا مقام انسانیت میں کچھ نہیں، یہ تو جانوروں سے بھی بدتر ہو کر رہ گئے، ان میں کوئی خوبی باقی نہ رہی، ورنہ اللہ قادر مطلق ہے، انہیں سننے کی توفیق عطا فرما سکتا تھا۔

اے ایمان والو! تم کسی لمحہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت سے منہ نہ موڑنا کہ تم بڑی عزت والے ہو، ہم نے تمہیں تاج شرافت سے نوازا ہے، اشرف الانبیاء ﷺ کی غلامی کا منصب عطا فرما کر تمہیں خیر الامم، بہترین امت بنایا ہے، نئی نوع انسان کی قیادت تمہارا منصب ہے، انسانیت کی رہبری و رہنمائی تمہاری ذمہ داری ہے، انسانی اقدار کے تم امین،

محافظ اور مبلغ ہو، تمہاری قوتِ ایمان کے سامنے تمام مادی قوتیں اور باطل طاقتیں سرنگوں کر دی گئی ہیں، ہر حال میں ہماری حمایت و نصرت تمہیں حاصل ہے، ہماری زمین کے تم ہی وارث ہو، ہماری جنت کے تم ہی مکین ہو، بس اطاعت کی راہ اختیار کرتے رہو کہ ہمارے تمام انعامات کے حصول کا وسیلہ اطاعت ہے، اطاعت شعاروں ہی پر ہماری رحمتیں برستی ہیں، کامیابی و کامرانی انہی کا مقدر بنتی ہے۔

(احزاب: ۷۱)

وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا ۝

جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرتا ہے، وہی بڑی کامیابی پاتا ہے۔

وَصَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَى خَيْرِ خَلْقِهِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ



## مقالہ ۷۲

### الانفال: ۲۴ تا ۲۶

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ  
اللَّهَ يَحُولُ بَيْنَ الْمَرءِ وَقَلْبِهِ وَأَنَّهُ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ۝  
الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْكُمْ خَاصَّةً ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝  
وَاذْكُرُوا إِذْ أَنْتُمْ  
قَلِيلٌ مُسْتَضْعَفُونَ فِي الْأَرْضِ تَخَافُونَ أَن يَتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَآوَاكُمْ  
وَأَيَّدَكُمْ  
بِنَصْرِهِ وَرَزَقَكُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۝  
(انفال: ۲۴-۲۶)

اے ایمان والو! حاضر ہو جاؤ اللہ اور (اس کے) رسول ﷺ کی پکار پر جب وہ رسول ﷺ تمہیں  
بلاتے، اس امر کی طرف جو تمہیں زندہ کرتا ہے اور خوب جان لو کہ اللہ (کا حکم) حاکم ہو جاتا ہے انسان  
اور اس کے دل (کے ارادوں) کے درمیان، بیشک اسی کی طرف تم اٹھائے جاؤ گے اور ڈرتے رہو اس  
فتنہ سے (جو اگر برپا ہو گیا تو) نہ بچنے کا صرف انہیں کو جنہوں نے ظلم کیا ہے تم میں سے، اور خوب جان لو

کہ بیشک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے اور یاد کرو جب تم تھوڑے تھے کمزور اور بے بس سمجھے جاتے تھے ملک میں، (ہر وقت) ڈرتے رہتے تھے کہ کہیں اچک نہ لے جائیں تمہیں لوگ، پھر اللہ نے پناہ دی تمہیں اور طاقت بخشی تمہیں اپنی نصرت سے اور عطا کیں تمہیں پاکیزہ چیزیں، تاکہ تم شکر گزار ہو جاؤ۔

اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام پر لبیک کہتے رہو، ان کی تعمیل کرتے رہو، اس طرح کہ جب ہمارے رسول ﷺ تمہیں پکاریں تو تم جو کام بھی کر رہے ہو، چاہے وہ خالصتاً دینی ہو یا دنیوی اسے چھوڑ دو اور آقا کے دربار میں حاضر ہو جاؤ کہ رسول ﷺ کی پکار، رسول ﷺ کی دعوت درحقیقت ہماری ہی پکار اور ہماری ہی دعوت ہے، ہم نے تمہیں وہ قوت و صلاحیت نہیں بخشی جس سے تم بلا واسطہ ہماری پکار سن سکو، یہ مقام صرف ہمارے رسولوں کو نصیب ہے کہ ہم جیسے چاہتے ہیں ان سے کلام فرماتے ہیں اور انہیں اپنے بندوں کے لئے احکام عطا فرمادیتے ہیں، پس وہ جب بھی تمہیں پکارتے ہیں، ہماری مرضی سے ہی پکارتے ہیں، اور ایسے کاموں کے لئے پکارتے ہیں جو تمہاری حقیقی زندگی، روحانی تازگی اور جسمانی بالیدگی کا سبب ہوتے ہیں، لہذا تم ان کی دعوت پر فوراً لبیک کہو اور ان کے دربار میں حاضر ہو کر ہماری بات سنو، دیکھو تاخیر نہ ہونے پائے، کیونکہ جو لوگ ٹال مٹول کے عادی ہوتے ہیں وہ اطاعت کے شرف سے محروم ہو جاتے ہیں کہ ہم ان کے اور ان کے دل کے درمیان آڑ واقع کر دیتے ہیں، کبھی اس طرح کہ ان کی موت کا وقت آ جاتا ہے، وہ مرجاتے ہیں اور اطاعت نہیں کر پاتے، کبھی اس طرح کہ اطاعت سے روگردانی اور مسلسل ٹال مٹول کے سبب ان کے دل زنگ آلود ہو جاتے ہیں اور رسول ﷺ کے حکم کی تعمیل کی ان میں صلاحیت ہی نہیں رہتی، لہذا اطاعت میں تاخیر نہ کرو، ہماری اس ہدایت کے باوجود تم اطاعت شعار بنو یا نہ بنو بہر حال ایک دن تمہیں اللہ کے دربار میں حاضر ہونا ہے۔

رسول ﷺ کی پکار

نبی معظم ﷺ کی دعوت اور پکار کی ایک صورت یہ ہے کہ آپ ﷺ اپنے کسی غلام کو اپنی ظاہری حیات مبارکہ میں کسی وقت بھی پکاریں تو غلاموں پر فرض ہے کہ وہ وجہ جانے بغیر دوڑے آئیں اور حکم کی تعمیل کریں، ظاہر ہے یہ صورت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیات مقدسہ سے وابستہ تھی اور اس کا شرف صرف خوش نصیب صحابہ کو حاصل ہوا، آپ ﷺ کے بظاہر دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد یہ صورت اور اس سے متعلق احکام ختم ہو گئے، اس صورت میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پکارنے پر صحابہ کے لئے فوری حاضری لازمی تھی چاہے نماز جیسی عبادت میں مصروف ہوں، یا اپنے کاروبار وغیرہ میں، جیسا کہ بخاری شریف کی حدیث سے واضح ہوتا ہے، جس کو سعید بن معلی نے بیان کیا، یہ ان کا اپنا واقعہ ہے، فرماتے ہیں:

ایک مرتبہ میں مسجد نبوی میں نماز پڑھ رہا تھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھے پکارا، میں نے جواب نہ دیا اور نماز پوری کرنے کے بعد آپ ﷺ کے دربار میں حاضر ہوا، آپ ﷺ نے جواب نہ دینے اور تاخیر سے حاضر ہونے کی وجہ دریافت فرمائی تو میں نے عرض کر دیا کہ میں نماز میں مصروف تھا، آپ

ﷺ نے فرمایا کیا تم نے اللہ کا ارشاد نہیں سنا، "اَسْتَجِیْبُوا لِلّٰہِ وَلِلرَّسُولِ اِذَا دَعَاکُمْ"

اسی قسم کا واقعہ حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ سے متعلق بھی احادیث میں موجود ہے، گویا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے واضح فرمادیا کہ نماز ہمارے واسطہ اور وسیلہ سے تمہیں نصیب ہوئی تو نماز کی حالت میں بھی تمہیں ہم سے غافل نہیں ہونا چاہئے، لہذا جب رسول ﷺ پکاریں تو کعبہ سے منہ پھیر کر کعبہ کے کعبہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف منہ کرو، ان کے دربار میں حاضر ہو جاؤ، ان کے حکم کی تعمیل کرو، یہ شرعی مسئلہ ہے کہ اس صورت میں نماز ٹوٹے گی نہیں، جب تک غلام آقا ﷺ کے دربار میں حاضر ہے، نماز ہی میں ہے، یہاں سے اجازت ملے تو واپس ہو کر بقیہ نماز ادا کر لے، جیسے فقہی مسئلہ ہے کہ اگر بحالت نماز وضو ٹوٹ جائے، تو کسی سے بات کئے بغیر وضو کر کے باقی نماز پوری کر لی جائے، اللہ اکبر، جب وضو کے لئے کعبہ سے منہ پھیرا اور نماز کا ادا شدہ حصہ ضائع نہ ہوا تو کعبہ کی طرف منہ پھیرنے والے آقا ﷺ کی طرف منہ کرنے، ان کی بات سننے، ان سے بات کرنے، ان کے حکم کی تعمیل کرنے سے نماز کا ادا شدہ حصہ کس طرح ضائع ہو سکتا ہے بلکہ حق تو یہ ہے کہ یہ نماز اتنی عظیم ہوگئی جس پر لاکھوں نمازیں قربان، یہ نمازی اتنا بلند مرتبہ ہو گیا جس پر لاکھوں جانیں قربان، ذرا غور تو فرمائیے کہ مسجد نبوی شریف میں حاضر ہو کر نماز ادا کرنے کا ثواب پچاس گنا زیادہ ہو جاتا ہے، تو بحالت نماز نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار میں حاضری پر نماز کا ثواب کتنا زیادہ ہو جائے گا، اس حقیقت کو صرف اہل محبت و عشق ہی سمجھ سکتے ہیں، بہر حال یہ مقدار تھا صحابہ کرام رضوان علیہم اجمعین کا، جو بلاشبہ امت میں سب سے اعلیٰ و افضل اور بلند مرتبہ ہیں، ان سے محبت، ان کا احترام ہمارے لئے ذریعہ نجات ہے۔

دوسری صورت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعوت و پکار کی آج تک موجود ہے اور قیامت تک باقی رہے گی، یعنی آپ ﷺ کی عطا کردہ تعلیمات، آپ ﷺ کی شریعت مطہرہ، جس کے داعی آپ ﷺ کے نابین حضرات علماء کرام ہیں، پس اس آیت مبارکہ میں عام مؤمنین کو اسی صورت پر عمل کی ہدایت کی جا رہی ہے کہ رسول ﷺ دنیا سے بظاہر پردہ فرما جانے کے باوجود بھی تم سے بے خبر نہیں ہیں، نہ ان کی دعوت کا سلسلہ منقطع ہوا ہے، وہ بواسطہ نابین تمہیں پکارتے ہیں، تم ان پکارنے والوں کی بات سنو، ان سے احکام رسول ﷺ سیکھو اور ان پر عمل کرتے رہو، اس ہدایت پر عمل ہی کے لئے، علم دین کے حصول کو ہر مؤمن مرد و عورت کے لئے فرض قرار دیا گیا، امت پر علمائے دین کی فضیلت اور برتری کو بیان کیا گیا، نیز ان لمحات کو بڑا ہی قابل قدر قرار دیا گیا جن میں علم دین سیکھا اور سکھایا جاتا ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

تَدَارِسُ الْعِلْمَ سَاعَةً مِّنَ اللَّيْلِ خَيْرٌ مِّنْ إِحْيَانِهَا

(مشکوٰۃ)

رات کی ایک گھڑی علم سیکھنا، سکھانا رات بھر کی عبادت سے بہتر ہے۔

حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار میں دو آدمیوں کا ذکر کیا گیا، ایک عابد، دوسرا عالم، آپ ﷺ نے فرمایا، ”عالم کی فضیلت ایسی ہے جیسے تم میں سے ادنیٰ پر میری فضیلت“، پھر آپ ﷺ نے فرمایا ”لوگوں کو دعوت حق دینے والوں پر، اللہ اپنی رحمتیں برساتا ہے، اور اس کے فرشتے، نیز زمین و آسمان کی

مخلوق، حتی کہ چوئیاں اپنے سوراخوں میں، اور مچھلیاں پانی میں، ان (علماء) کے لئے دعا خیر کرتے ہیں“ (تفصیلات کے لئے ہماری کتاب ”وراثت انبیاء“ کا مطالعہ کیجئے)

غرضیکہ رسول ﷺ کی پکار کو بلند کرنے اور دعوت رسول ﷺ کی تبلیغ کے لئے ایک ایسا نظام موجود ہے جس میں کسی دور میں نہ کوئی خلل واقع ہوا اور نہ ہو سکتا ہے، امت کو یہ پکار آج تک مسجد کے میناروں، محرابوں، منبروں، مدارس و خانقاہوں کی مسندوں سے سنائی دے رہی ہے اور یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا، اس پر لبیک کہنے والے خوش نصیبوں کی بھی کسی دور میں کمی نہ رہی، ہمارا دور اگرچہ مادہ پرستی کا دور ہے، برائیوں اور بدکاریوں نے ہمارا ماحول مکڈر کر رکھا ہے، سائنس و ٹیکنالوجی نے اگرچہ ہمارے ذہنوں کو بری طرح متاثر کیا ہے، مغربی تہذیب کے بادل ہمارے سروں پر منڈلا رہے ہیں، اس سب کے باوجود بحمد اللہ دعوت رسول ﷺ کی صدائیں، مساجد و مدارس اور خانقاہوں میں گونج رہی ہیں، اللہ کی زمین کا کوئی چپہ، اللہ کے رسول ﷺ کا پیغام پہنچانے والوں سے خالی نہیں اور نہ ہی ہدایت بالا پر عمل کرنے والوں کی کوئی کمی ہے، دین باقی رہنے ہی کے لئے آیا ہے، سو باقی ہے اور ہمیشہ باقی رہے گا۔

لَمَّا يُحْيِيكُمْ

دعوت رسول ﷺ پر لبیک کہنے کی ہدایت تمہیں اس لئے کی جا رہی ہے کہ رسول ﷺ کے احکام، رسول ﷺ کے بتائے ہوئے زندگی کے طریقے ہی حقیقت میں حیات بخش اور جانفزا ہیں، وہ تمہیں اصلاح اعمال کی دعوت دیتے ہیں، جس سے تمہیں معاشی و معاشرتی امن و سکون نصیب ہوتا ہے، وہ تمہیں جہاد کی دعوت دیتے ہیں، جس سے تمہارا قومی وقار بلند ہوتا ہے، وہ تمہیں اللہ کی راہ میں شہید ہونے کے لئے بلاتے ہیں تو تمہیں حیات جاودانی ملتی ہے، وہ تمہارے لئے طببات کو حلال کرتے اور خباثت کو حرام کرتے ہیں تو تمہیں روحانی فرحت اور جسمانی قوت حاصل ہوتی ہے، وہ تمہیں باہمی محبت و شفقت کی دعوت دیتے ہیں، باہمی حقوق کی ادائیگی کی دعوت دیتے ہیں تو تمہیں خانگی، خاندانی اور قومی سکون میسر آتا ہے، وہ تمہیں قرآن پر عمل کی دعوت دیتے ہیں جو تمہارے لئے اتنا ہی جانفزا ہے جتنی جسم کے لئے روح جیسا کہ فرمایا گیا:

(شوری: ۵۲)

وَكَذَلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ رُوحًا مِّنْ أَمْرِنَا

اور اسی طرح ہم نے بذریعہ وحی بھیجا، آپ ﷺ کی طرف ایک جانفزا کلام اپنے حکم سے۔

غرضیکہ رسول ﷺ کی ہر بات، ہر ادا حیات بخش ہے، پس اگر تم حقیقی زندگی کے طلب گار ہو تو ہمارے رسول

ﷺ کی خامی اختیار کئے رہو۔

اس حقیقت کو وہی لوگ جان سکتے ہیں جو حیات و موت کی حقیقت کو جانتے ہوں، جن کے نزدیک چلنے پھرنے، کھانے پینے، دنیا کے عیش و عشرت کا نام حیات ہے، اور مرجانے کے بعد مٹی ہو جانے کو وہ موت سمجھتے ہیں، انہیں کیا پتہ کہ نبی کے دامن سے وابستہ ہو کر کیسی حیات نصیب ہوتی ہے، دوستو! انسان اشرف المخلوقات ہے، اس کی حیات نہ جانوروں جیسی حیات ہے اور اس کی موت نہ جانوروں جیسی موت ہے، اس کے منصب و مقام کے مناسب اسے حیات و موت، نبی ﷺ

ہی کے بتائے ہوئے طریقہ پر چل کر نصیب ہوتی ہے، اطاعت گزاروں اور باغیوں کی زندگی و موت میں بڑا فرق ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ اجْتَرَحُوا السَّيِّئَاتِ أَنْ نَجْعَلَهُمْ كَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ  
سَوَاءً مَحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ ﴿٢١﴾ (جاثیہ: ۲۱)

کیا خیال کر رکھا ہے ان لوگوں نے جو ارتکاب کرتے ہیں برائیوں کا کہ ہم کر دیں گے انہیں ان لوگوں کی مانند جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے کہ ایک جیسا ہو جائے (ان دونوں کا) جینا اور مرنا، بڑا ہی غلط فیصلہ ہے جو وہ کرتے ہیں۔

مومن و کافر، صالح و فاسق، نیکوکار اور بدکار کی زندگی و موت کو ایک جیسا خیال کرنا بڑی ہی غلطی ہے، مومن، صالح اور نیکوکار مر کر بھی زندہ رہتا ہے کہ ربی دنیا تک اس کا نام لیا جاتا اور اچھائی کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے اور جب تک وہ زندہ رہتا ہے، اپنے خالق و مالک کے احکام کے مطابق زندگی کے شب و روز بسر کرتا ہے، جبکہ کافر، فاسق اور بدکار جانوروں جیسی زندگی گزار کر مر جاتا ہے، اولاد تو کوئی اس کا نام لیوا نہیں ہوتا اور اگر اس کا ذکر آ بھی جاتا ہے تو اس کی برائیوں، بدکاریوں اور بغاوت کے ساتھ اس کا تذکرہ ہوتا ہے، زندگی میں بھی لوگ اس سے تنگ رہتے اور اس کے شر سے پناہ مانگتے ہیں اور مرنے کے بعد اس سے نفرت کرتے ہیں، یا اللہ، ”إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ“ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ، آمین بجاہِ رحمتہ العالمین۔ نیکی میں دیر نہ کرو

”وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ“ کا ارشاد اس حقیقت کو واضح کر رہا ہے کہ انسان کے عزم و ارادے پر ہمیشہ قضائے الہی غالب رہتی ہے، لہذا اہل ایمان کو چاہئے کہ وہ ہمارے رسول ﷺ کی دعوت قبول کرنے میں تاخیر نہ کریں، مال مثول نہ کریں، انہیں کیا پتہ کہ کس لمحہ ان کا سانس منقطع ہو جائے، انہیں موت آدبوجے اور وہ اطاعت رسول ﷺ کے شرف سے ہمیشہ ہمیش کے لئے محروم ہو جائیں یا وہ مال مثول کرتے کرتے برائیوں اور بدکاریوں کی ایسی دلدل میں پھنس جائیں جس سے چھٹکارا پانا ممکن نہ رہے، اسی لئے قرآن کریم نیک کام میں تیز روی اور جلدی کرنے کا حکم دیتا ہے، فرمایا گیا:

وَسَارِعُوا إِلَى مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ أُعِدَّتْ  
لِلْمُتَّقِينَ ﴿١٣٣﴾ (آل عمران: ۱۳۳)

اور دوڑ و بختش کی طرف جو تمہارے رب کی طرف سے ہے اور دوڑ و جنت کی طرف جس کی چوڑائی آسمانوں اور زمین جتنی ہے جو تیار کی گئی ہے پر میزگاروں کے لئے۔

اپنے گناہوں سے توبہ کرنے، معاصی کو ترک کرنے میں تاخیر نہ کرو، اعمال صالحہ، اطاعت و فرمانبرداری کو اتنی

جلدی اختیار کرو کہ ایسا محسوس ہو کہ تم ان کی طرف دوڑ رہے ہو، کہیں ایسا نہ ہو کہ قضائے الہی تمہارے عزم پر غالب آ جائے اور تم محرومی کا شکار ہو جاؤ۔

يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ

وَيُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَأُولَٰئِكَ مِنَ الصَّالِحِينَ ﴿١١٣﴾ (آل عمران: ۱۱۳)

ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور آخرت کے دن پر اور حکم دیتے ہیں بھلائی کا اور منع کرتے ہیں برائی سے اور جلدی کرتے ہیں نیکیوں میں اور یہی لوگ نیکو کاروں میں سے ہیں۔

صالحیت یہی ہے کہ ایمان کے ساتھ مقتضائے ایمان کی تکمیل میں جلدی کی جائے، ایک لمحہ تاخیر نہ ہونے پائے۔ نیک کاموں میں جلدی کرنا، ان کی طرف لپکنا، دوڑنا حکم الہی ہے، جس کی تعمیل کمال ایمان، کمال تقویٰ کی علامت و نشانی ہے، سورۃ المؤمنون میں ایسے لوگوں کی پانچ خوبیاں بیان فرمائی گئیں، وہ اپنے رب سے ڈرتے ہیں، اپنے رب کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں، اپنے رب کا کسی کو شریک نہیں بناتے، وہ اللہ کی راہ میں اپنی دولت خرچ کرتے ہیں، پھر بھی ان کے دل اللہ کے دربار میں حاضری کے خوف سے کانپتے رہتے ہیں (کہ نہ جانے ہمارے یہ اعمال قبول ہوں گے بھی یا نہیں) ان خوبیوں کے بیان کے بعد ارشاد ہوتا ہے کہ:

أُولَٰئِكَ يُسْرِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَهُمْ لَهَا سَابِقُونَ ﴿١١٤﴾ (مؤمنون: ۱۱۴)

یہی لوگ جلدی کرتے ہیں نیکیاں کرنے میں اور وہ نیکیوں کی طرف سبقت لے جانے والے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ ارشاد ہم تک پہنچایا کہ آپ ﷺ نے فرمایا، ”بَادِرُوا بِالْأَعْمَالِ الصَّالِحَةِ“ کہ نیک کام کرنے میں جلدی کرو کیونکہ ایک ایسا وقت جلدی آنے والا ہے جب تاریک رات کے حصوں کے مانند فتنے ہوں گے، (اور حالت یہ ہو جائے گی کہ) ایک شخص، صبح مؤمن ہوگا اور شام کو کافر ہو جائے گا اور ایک شخص شام کو مؤمن ہوگا اور صبح کافر ہو جائے گا، دنیا کے مال و منال کے عوض دین کو فروخت کر دے گا۔

یہ مسلم شریف کی حدیث ہے، میرے آقا ﷺ کا منشاء یہی واضح فرمانا ہے کہ نیکی میں تاخیر نہ کرو، جو کرنا ہے جلدی کرو، کہیں فتنہ و فساد اور بد عملی کا ماحول تم پر اثر انداز نہ ہو جائے اور تم ہمیشہ کے لئے نیک کام سے محروم ہو جاؤ، مگر صادق ﷺ کے اس ارشاد پر غور فرمائیے اور پھر اپنے ماحول کا جائزہ لیجئے، کیا یہ حقیقت نہیں کہ آج برائیاں ایک طوفان کی صورت میں ہمارے سامنے ہیں، جس کا مقابلہ کرنے کا واحد ذریعہ آپ کا یہی ارشاد ہے کہ جس نیکی کا موقع نصیب ہو اسے جلد کر ڈالو، اس طرح تم نیکیوں میں مصروف ہو جاؤ گے اور برائیوں اور بروں کے ماحول سے محفوظ رہ سکو گے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ہی یہ بھی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار میں ایک صحابی نے حاضر ہو کر سوال کیا، یا رسول اللہ ﷺ، کونسا صدقہ زیادہ ثواب کا باعث ہے، آپ ﷺ نے فرمایا، وہ صدقہ جو اس حال میں کیا جائے کہ صدقہ کرنے والا تندرست ہو، بخیل نہ ہو، محتاجی سے ڈرتا رہتا ہو، دولت مند کی خواہش میں مبتلا ہو، پھر صدقہ

کرے تو زیادہ ثواب ملے گا، پھر آپ ﷺ نے فرمایا اور صدقہ کرنے میں سستی نہ کرو کہ کہیں تمہارا وہ وقت نہ آجائے کہ سانس حلق میں اڑکا ہو اور تم وصیت کر رہے ہو کہ میری دولت سے اتنا فلاں کو اتنا فلاں کو دیدینا، (اس حال میں صدقہ کا کوئی فائدہ نہیں کہ) مال تو خود بخود فلاں، فلاں، یعنی دوسروں کا ہو چکا ہے۔

یہ بخاری و مسلم کی حدیث ہے، جس میں اگرچہ صدقہ کا ذکر ہے لیکن اسی سے یہ واضح ہوتا ہے کسی بھی عبادت یا نیکی کرنے میں تاخیر نہیں کرنا چاہئے، کیا پتہ کس وقت سانس حلق میں اٹک جائے اور توبہ کا وقت بھی گزر چکا ہو۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ہی بتایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، ”بَادِرُوا بِالْأَعْمَالِ سُبْعًا“ تیزی سے نیک کام کرلو، سات چیزوں کے ظہور سے قبل، ایسی فقر و محتاجی سے پہلے جو اللہ کی یاد سے غافل کر دے، ایسی دولت مندی سے قبل جو سرکش و باغی بنا دے، ایسی بیماری سے پہلے، جس سے مزاج میں فساد پیدا ہو جائے، ایسے بڑھاپے سے قبل جس سے عقل مفلوج ہو جائے، ایسی موت سے پہلے جو اچانک آجائے ظہورِ دجال سے قبل جو ایک پوشیدہ فتنہ ہے، قیامت آنے سے پہلے جو سخت خوفناک اور سخت کڑوی ہے۔

یہ ترمذی شریف کی حدیث ہے، غور فرمائیے، ان ساتوں میں سے کسی کا وقت سوائے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے کوئی نہیں جانتا، پھر کوئی جو ان کیسے کہہ سکتا ہے کہ ابھی تو میں جوان ہوں، ذرا عیش کر لوں، بہت وقت پڑا ہے، آخر عمر میں توبہ بھی کر لوں گا اور نیکیاں بھی خوب کروں گا، واللہ، اس سے زیادہ احمقانہ بات کوئی نہیں ہو سکتی، پس

اے ایمان والو! تمہیں ایک دن ضرور اللہ کے حضور پیش ہونا ہے، جہاں ”فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ“ ذرہ برابر نیکی کرنے والا، اپنی نیکی کی جزاء پاسے گا اور ذرہ برابر برائی کرنے والا اپنی برائی کی سزا پائے گا، یہ دن بڑا ہی سخت ہوگا، پس تم اس دن کے آنے سے پہلے، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے مطیع و فرمانبردار بن جاؤ، دیکھو جب نماز کا وقت آجائے، زکوٰۃ فرض ہو، رمضان کا چاند دیکھ لو، حج فرض ہو جائے تو ان فرائض کی ادائیگی میں ٹال مٹول نہ کرو، جب خلیفۃ المسلمین جہاد کے لئے پکارے تو سستی نہ کرو، جب صدقہ و خیرات کا یاد گیر نیک کاموں کا موقع ملے تو شوق و ذوق اور تیزی کے ساتھ ان کی طرف لپکو، کہیں ایسا نہ ہو کہ موت کی صورت میں، مرض، فتنہ و فساد، بد عملی اور بد کرداری کی صورت میں قضائے الہی آجائے اور تم بد عملوں میں شامل ہو جاؤ، یہ بڑی بد نصیبی ہوگی۔

نا کردہ گناہ کے عذاب سے بچو

اہل ایمان کو ہدایت کی جاتی ہے کہ وہ اپنے آپ کو ان گناہوں سے بالخصوص بچاتے رہیں، جن کا دنیاوی وبال اور عذاب صرف مجرموں ہی کے لئے مخصوص نہیں بلکہ نہ کرنے والوں پر بھی اس کا اثر ہوتا ہے، خوب جان لو کہ اللہ کا عذاب بڑا سخت ہے۔

ہر گناہ کی دنیاوی و اخروی سزا مقرر ہے، جو صرف گناہ ظاہری کو بھگتنا ہوگی کہ اللہ کا قانون ہے، ”لَا تَذَرُوا دُورًا وَذُرًّا آخَرًا“ کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا، ہر ایک کو اس کے جرائم کی سزا دی جائے گی لیکن جب گناہ و جرائم معاشرے میں عام



ہو جاتے ہیں تو ان سے پورے معاشرے کا سکون برباد ہو جاتا ہے، مثلاً جب معاشرے میں زنا عام ہو جاتا ہے، سود کا لین دین تجارتی بنیاد بن جاتا ہے تو اس معاشرے کا ہر فرد معاشی تنگی، مالی بد حالی کی صورت میں ان جرائم کے دنیاوی وبال میں جکڑ جاتا ہے، شراب، جوا، رشوت کا لین دین، جب عام ہوتا ہے تو پورے معاشرے کی عزت و آبرو، جان و مال کو خطرہ لاحق ہو جاتا ہے اور مجرم و غیر مجرم سب ہی کا دم گھٹنے لگتا ہے، سب ایک خوف کا شکار رہتے ہیں کہ نہ جانے کس وقت، کس پر مصیبت آ جائے، بہر حال گناہ و جرائم جب عام ہوتے تو اللہ کی طرف سے دنیاوی عذاب بھی عام ہوتا ہے اور سب ہی اس کی سختی میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور اخروی عذاب مجرموں کے لئے تو ان کے جرائم کے مطابق ہوگا ہی لیکن غیر مجرم بھی سزا سے بچ نہ سکیں گے کیونکہ جرم کو روکنا، اس کے خلاف آواز اٹھانا، یا کم از کم اسے دل سے برا جاننا، ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے، اس ذمہ داری کو اگر بروقت پورا کیا جائے تو ایک کو دیکھ دوسرا اور دوسرے کو دیکھ کر تیسرا گناہ میں مبتلا نہ ہونے پائے، مثلاً پہلی چوری پر ہی اگر چور کا ہاتھ کاٹ دیا جائے تو معاشرے میں چوری بر گز عام نہیں ہو سکتی، پس اللہ کا عذاب چور پر تو ہوگا ہی لیکن وہ بھی نہ بچ سکے گا جسے اللہ نے اپنے احکام نافذ کرنے کی قوت عطا فرمائی تھی، مسلمانوں کا امیر و حاکم بنایا تھا، قانونی ادارے اس کے فرمانروائے قلم تھے لیکن اس نے حکمتوں اور مصلحتوں سے کام لیا اور اپنی ذمہ داری کو پورا نہ کیا، اسی طرح عوام میں معزز لوگ، علماء، قائدین، اگر برائیوں کے دینی و دنیاوی نقصانات سے عوام کو بروقت آگاہ و باخبر کریں تو معاشرہ برائیوں کے طوفان کی زد میں آنے سے محفوظ رہتا ہے، پس یہ لوگ بھی عذاب الہی سے محفوظ نہیں رہ سکتے کہ انہوں نے اپنے ذاتی مقاصد کے لئے تو جب چاہا عوام کو اکٹھا کیا، ان کی حمایت حاصل کی اور انہیں اپنے لئے استعمال کیا لیکن اصل ذمہ داری پوری کرنے میں مصلحتیں اور حکمتیں آڑ بنی رہیں، اسی طرح لوگ اگر برائیوں اور بدکاریوں میں مبتلا چند افراد سے نفرت کریں، ذاتی طور پر ان کا بائیکاٹ کریں، انہیں حقیر جانیں تو بھی برائیوں کا سیلاب روکا جاسکتا ہے لیکن وہ اس کے برعکس ظالموں، شرا بیوں، راشیوں، سود خوروں کی عزت افزائی کرتے رہے، محض ان کے خوف سے یا اپنی ذاتی اغراض کے حصول کے لئے تو یہ لوگ بھی عذاب الہی سے محفوظ نہ رہ سکیں گے، پس

اے ایمان والو! اپنے آپ کو ایسے فتنوں سے بچاؤ، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرتے رہو، یہ فتنے تمہارا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت ایک ایسی قوت ہے جس کا مقابلہ کوئی طوفان نہیں کر سکتا، یا وہ ایک ایسا نور ہے جو ہر قسم کی تاریکی کو چھانٹ دیتا ہے، یہ اطاعت اگرچہ بعض حالات میں بظاہر دشوار معلوم ہوتی ہے لیکن اگر مومن کے دل و دماغ میں یہ حقیقت جگہ کر لے کہ اللہ کا عذاب بہت ہی سخت ہے، تو وہ ہر دشواری پر قابو پالیتا ہے اور اطاعت گزار بن جاتا ہے۔

کمزوری کے باوجود اطاعت

مومن کا کمال یہی ہے کہ وہ ہر حال میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرے، چاہے وہ بظاہر مادی وسائل نہ رکھتا ہو اور لوگوں کی نظروں میں کتنا ہی کمزور کیوں نہ ہو کیونکہ درحقیقت مومن کمزور کبھی نہیں ہوتا، لوگ جسے کمزور

سمجھتے ہیں وہ مؤمن کا امتحان ہوتا ہے اور جب وہ امتحان میں کامیاب ہو جاتا ہے، تو نصرت الہیہ اس کا ہاتھ تھام لیتی ہے اور ہر میدان میں کامیابی و کامرانی اس کا مقدر بن جاتی ہے، ایسا بار بار ہوتا رہا ہے، ہمیشہ ہوتا رہے گا۔

اے ایمان والو! اپنے ماضی کے اوراق پلٹو اور اس وقت کا باب کھولو جب مکہ میں اہل ایمان اس قدر کمزور نظر آتے تھے کہ انہیں ہر وقت یہ خطرہ لاحق رہتا تھا کہ کہیں کوئی ظالم شکاری انہیں اپنا لقمہ نہ بنا لے، انہیں کھلے عام مارا جاتا تھا، پیٹا جاتا تھا، حضرت بلال، حضرت عمار، حضرت یاسر کی تاریخ پڑھو، کتنے ظلم ہوئے ان پر، سال دو سال نہیں، پندرہ سال تک یہ مظالم سہے جاتے رہے اور جب اہل اطاعت امتحان میں کامیاب قرار پائے تو اللہ کی نصرت کا دروازہ کھلا، ان کے لئے مدینہ کی سرزمین کو پناہ گاہ بنا دیا گیا جو آج تک اہل ایمان کا بلحاظ و ماویٰ ہے، انہیں کافروں کے پہلے ہی مقابلہ غزوہ بدر میں شاندار فتح و نصرت عطا فرمائی گئی، جس سے دنیا والوں کے دلوں میں ان کا رعب و دبدبہ بیٹھ گیا، یہاں انہیں امن و سکون کی زندگی کے شب و روز میسر آئے، ان کے لئے رزق کے دروازے کھلے، مال غنیمت دیا گیا، روزگار کے مواقع فراہم کئے گئے، حتیٰ کہ کھجوروں پر گزارہ کرنے والوں کے پاس دولت کے ڈھیر نظر آنے لگے، جس مسجد نبوی کی تعمیر کے لئے کوزی، کوزی جمع کرنا مشکل ہوا تھا، اسی کا صحن قیصر و کسریٰ کے خزانوں سے بھرا نظر آیا، اللہ نے یہ فضل و کرم صرف اس لئے فرمایا کہ تم اللہ کا شکر ادا کرو، اس طرح کہ کسی دور میں بھی اپنی ظاہری کمزوری کو خیال میں نہ لاؤ اور دامن رسول چھوڑنے کی غلطی نہ کرو کہ تمہاری عزت و عظمت، قوت و طاقت رسول ﷺ ہی کی اطاعت سے وابستہ ہے، اگر تم نے اطاعت سے منہ پھیر لیا، مصلحتوں اور حکمتوں پر اعتماد کرنے لگے تو غلام تو بن سکتے ہو بھکاری تو ہو سکتے ہو، لیکن وہ مؤمن نہیں بن سکتے جو اللہ کا سپاہی ہوتا ہے، جس کا سر ہمیشہ سر بلند رہتا ہے، جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے سوا کسی کا بندہ و غلام نہیں ہوتا، اس کا ایمان قرآن پر ہوتا ہے، وہ قرآنی وعدہ پر یقین رکھتا ہے، اعتماد کرتا ہے، پس قرآن تم سے وعدہ فرماتا ہے:

وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنُصْرِهِ مَنِ يَّشَاءُ ۚ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ۝۱۳

(آل عمران: ۱۳)

اور اللہ مدد فرماتا ہے اپنی نصرت سے جس کی چاہتا ہے، یقیناً اس میں بہت بڑا سبق ہے آنکھ والوں کے لئے۔

ماضی میں اطاعت شعار مؤمنین کی کامیابی و کامرانی ہمیں دعوت دیتی ہے کہ ہم بھی اللہ کے رسول ﷺ کی دعوت پر لبیک کہیں اور حالات و ماحول سے متاثر ہوئے بغیر اللہ پر اعتماد کے ساتھ اطاعت کو اپنا شعار بنائیں تو یقیناً ہمیں نصرت الہی کی تائید نصیب ہوگی، اللہ ہمارا حامی و ناصر ہو۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی خَيْرِ خَلْقِهِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ



## مقالہ ۲۸

### الانفال: ۲۷، ۲۸

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَخُونُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ وَتَخُونُوا أَمْثَلَكُمْ وَأَنْتُمْ تَعْتَبُونَ ۝  
اعْتَصِمُوا أَمْثَلًا مَوْلَانَكُمْ وَأُولَٰئِكَ فَتَنَةٌ مِّنَ اللَّهِ عِندَ مَا أَجْرٌ عَظِيمٌ ۝

(انفال: ۲۷-۲۸)

اے ایمان والو! نہ خیانت کرو اللہ اور رسول ﷺ سے اور نہ خیانت کرو اپنی امانتوں میں، اس حال میں کہ تم جانتے ہو اور خوب جان لو کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد آزمائش ہے اور بیشک اللہ اسی کے پاس اجر عظیم ہے۔

خیانت

آیت مبارکہ میں اہل ایمان کو خیانت نہ کرنے کی ہدایت دی جا رہی ہے، چاہے وہ خیانت اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے ہو، یا اللہ کے بندوں سے، یہ ہدایت اس لئے جاری فرمائی گئی کہ خیانت ایک ایسا بدترین عمل ہے جو خائن و اللہ اور

اس کے رسول ﷺ سے دور کر دیتا اور سوسائٹی میں ذلیل و خوار کر دیتا ہے اور اگر یہ عمل پوری قوم میں عام اور مشہور ہو جائے تو ایسی قوم، اقوام عالم کی نظروں میں نہایت کمزور قرار پاتی ہے، جسے بآسانی خریداجا سکتا ہے، غلام بنایا جاسکتا ہے۔

خیانت درحقیقت ان ذمہ داریوں کی ادائیگی میں لاپرواہی، تساہل اور کوتاہی برتنے کا نام ہے جو انسان کو اللہ، اس کے رسول ﷺ یا کسی فرد یا کسی قوم کی طرف سے سوچی گئی ہوں، یہ عمل کس قدر رذیل و معیوب ہے، اس کا اندازہ قرآن کریم کی آیات مقدسہ سے کیجئے۔

(النساء: ۱۰۵)

وَلَا تَكُنْ لِلْخَائِنِينَ خَصِيمًا ۖ

اور نہ بنئے بددیانت لوگوں کی طرف سے جھگڑنے والے۔

بواسطہ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام حکم دیا گیا کہ جن لوگوں کا خائن و بددیانت ہونا ثابت ہو جائے، ان کی حمایت و طرفداری ہرگز نہ کرو، چاہے وہ تمہارے ہوں یا غیر، مسلم ہوں یا غیر مسلم، عزیز ہوں یا دوست، امیر ہوں یا غریب، بااثر ہوں یا عام شہری کہ ان کی حمایت و طرفداری ایک تو عدل و انصاف کے خلاف ہے، دوسرے اس طرح معاشرے میں یہ مرض بڑھے گا اور پوری قوم کا کردار و اقدار ہو جائے گا، اس ارشاد کے فوراً بعد ہی دوبارہ ہدایت کی گئی۔

(النساء: ۱۰۷)

وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِينَ يَخْتَانُونَ أَنْفُسَهُمْ ۚ

اور مت جھگڑا کریں آپ ان کی طرف سے جو خیانت کرتے ہیں اپنے آپ سے۔

اس ہدایت کی سب سے اہم وجہ قرآن کریم یہ بیان فرماتا ہے:

(النساء: ۱۰۷)

إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَانًا أَثِيمًا ۚ

بے شک اللہ نہیں دوست رکھتا اسے جو بڑا بددیانت (اور) بدکار ہے۔

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا:

وَأَمَّا خَوَانُ مَنْ قَوْمٍ مِّنْ خِيَانَةٍ فَاِئْتِ بِدَلِيلٍ ۖ إِلَيْهِمْ عَلَىٰ سَوَاءٍ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْخَائِنِينَ

(انفال: ۵۸)

اگر آپ اندیشہ کریں کسی قوم سے خیانت کا تو پھینک دو ان کی طرف (ان کا معاہدہ) واضح طور پر، بیشک

اللہ دوست نہیں رکھتا خیانت کرنے والوں کو۔

اللہ نہ اپنے خیانت کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے اور نہ باغیوں کی خیانت کو پسند فرماتا ہے، لہذا اگر کسی غیر مسلم قوم سے تمہارا کوئی معاہدہ ہوا ہو اور وہ اس میں خیانت کی مرتکب ہو تو اس کی قوت و طاقت یا دولت کی پروا کئے بغیر اس کا معاہدہ منہ پر مار دیا جائے، اسلام جو سب سے زیادہ ایفائے عہد و معاہدہ کا داعی ہے، صرف خیانت کی وجہ سے معاہدہ ختم کر دینے کا حکم دے رہا ہے۔

جب حضرت یوسف علیہ السلام کو خبر دی گئی کہ آپ کو شاہ مصر نے طلب کیا ہے تاکہ وہ آپ کو حکومت کا اہم عہدہ

سوئے تو آپ نے اس اعزاز کو قبول فرمانے اور جیل سے نکلنے سے پہلے فرمایا کہ پہلے معاملہ کی تحقیق کرائی جائے، عزیز کی بیوی اور مصر کی دیگر عورتوں سے پوچھا جائے کہ کیا واقعی میں نے ان سے برائی کا ارادہ کیا تھا یا انہوں نے مجھے ورنہ لانے کی ناکام کوشش کی تھی اور جب بعد تحقیق معاملہ صاف ہو گیا، آپ کی پاکدامنی ثابت ہو گئی تو آپ نے فرمایا کہ اس حقیقت و سامنے لانا میں نے اس لئے ضروری سمجھا کہ:

ذَلِكَ لِيَعْلَمَ أَنِّي لَمْ أَخُنْهُ بِالْغَيْبِ وَأَنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي كَيْدَ الْخَائِنِينَ ۝

(یوسف: ۵۲)

یہ میں نے اس لئے کیا تا کہ عزیز جان لے کہ میں نے اس کی غیر حاضری میں خیانت نہیں کی اور یقیناً اللہ کامیاب نہیں ہونے دیتا دغا بازوں کی فریب کاری کو۔

اللہ کے نبی نے پسند نہ فرمایا کہ ان کا دامن خیانت سے داغدار رہے اور انہیں قومی خدمت کے لئے اعلیٰ عہدہ سونپا جائے کیونکہ خائن کامیاب نہیں ہو سکتا، لوگوں کی نظروں میں کبھی اس کی عزت نہیں ہو سکتی، عوام کبھی اس کی بات کو سچ تسلیم نہیں کرتے، پس کس طرح ایک خائن کو حاکم بنایا جاسکتا۔

بروایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، نبی مکرم ﷺ نے منافق کی تین نشانیاں بیان فرمائیں، ان میں ایک یہ کہ ”وَإِذَا أُتُمِّنَ خَانَ“ جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے، (بخاری و مسلم)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے اپنے ایک خطبہ کے دوران فرمایا ”لَا إِيمَانَ لِمَنْ لَا أَمَانَةَ لَهُ وَلَا دِينَ لِمَنْ لَا عَهْدَ لَهُ“ اس کا ایمان کامل نہیں جس میں امانت نہیں اور جو شخص عہد کا پابند نہیں اس کا بھی ایمان کامل نہیں۔

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر روٹی اور گوشت کی صورت میں آسمان سے ماندہ نازل فرمایا اور انہیں حکم دیا ”أَنْ لَا يَخُونُوا وَلَا يَذْخَرُوا وَلِلْعَدُوِّ“ کہ وہ خیانت نہ کریں اور آنے والے دن کے لئے جمع نہ کریں، ”فَخَانُوا وَادَّخَرُوا وَرَفَعُوا لِلْعَدُوِّ“ لیکن انہوں نے خیانت کی جمع بھی کیا اور آنے والے دن کے لئے بچا کر رکھا، پس انہیں بڑی ہی عبرتناک سزا دی گئی اور وہ یہ کہ ”فَمَسَحُوا قُرْدَةً وَخَنَازِيرُ“ اللہ نے انہیں بندر اور سور بنا دیا۔

بنی اسرائیل پر اللہ کا یہ عذاب صرف خیانت کے باعث واقع ہوا، اللہ محفوظ رکھے۔

عام طور پر خائن اسے کہا جاتا ہے جو کسی کی رکھوائی ہوئی چیز میں اس کی مرضی اور اجازت کے بغیر تصرف کرے یا اس میں کمی اور زیادتی کرے جبکہ خیانت صرف یہی نہیں اس کا مفہوم بڑا ہی وسیع ہے، اس کو مختصر ایوں سمجھا جائے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے کسی بھی حکم کو نہ ماننا یا اس میں سستی و کوتاہی کرنا خیانت ہے، ان احکام کا تعلق چاہے حقوق اللہ سے ہو یا حقوق العباد سے اللہ تبارک و تعالیٰ نے پوری شریعت اپنے بندوں کو بطور امانت سونپی ہے جیسا کہ قرآن کریم میں ہے:

إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا (احزاب: ۷۲)

ہم نے پیش کی یہ امانت آسمانوں، زمین اور پہاڑوں پر تو انہوں نے انکار کر دیا اس کے اٹھانے سے اور وہ ڈر گئے اس سے اور اٹھایا اس کو انسانوں نے بیشک یہ ظلم بھی ہے (اور) جہول بھی۔

آیت مبارکہ کا مفہوم یہ ہے کہ جب اللہ رب العزت جل مجدہ نے اپنے احکام بطور امانت آسمانوں، زمین اور پہاڑوں پر پیش کئے تو انہوں نے بلا چون و چرا ان کی تعمیل کا عہد کر لیا، جسے وہ آج تک پورا کر رہے ہیں، وہ اس بات سے ڈرتے ہیں کہ کہیں اللہ کی سپرد کردہ امانت میں خیانت نہ ہو جائے اور وہ عذاب الہی میں مبتلا کر دیئے جائیں لیکن انسان بڑا ہی ظالم اور نادان ہے، وہ اس امانت میں خیانت کا مرتکب ہوتا رہتا ہے۔

بہر حال جملہ احکام شرع اللہ کی امانت ہیں پس نماز نہ پڑھنے والے، روزہ نہ رکھنے والے، زکوٰۃ نہ دینے والے، حج نہ کرنے والے خیانت کے مرتکب ہیں، اسی طرح دیگر احکام شرع کو چھوڑنے والے خائن کہلائیں گے نیز والدین کی حق تلفی، شوہر، یا بیوی کی حق تلفی، اعزاء و اقارب، احباب اور پڑوسیوں کی حق تلفی خیانت ہی ہے، اللہ کی عطا کردہ نعمتوں کا غلط استعمال بھی خیانت ہے، دولت کا غلط استعمال، صحت کا غلط استعمال، اعضا کا غلط استعمال سب یہ خیانت میں شامل ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے، ”لَا تَخُونُوا اللَّهَ بِتَرْكِ فَرَائِضِهِ وَالرَّسُولِ بِتَرْكِ سُنَنِهِ“ اللہ کے ساتھ اس کے فرائض ترک کر کے خیانت نہ کرو اور رسول ﷺ کے ساتھ آپ کی سنتیں چھوڑ کر خیانت نہ کرو اور حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ”إِعْلَمُوا أَنَّ دِينَ اللَّهِ أَمَانَةٌ“ خوب جان لو کہ اللہ کا دین امانت ہے، ”فَادْأُوا إِلَى اللَّهِ مَا اتَّسَمَكُم عَلَيْهِ مِنْ فَرَائِضِهِ وَحُدُودِهِ“ اس کے فرائض اور حدود کا تمہیں امین بنایا گیا ہے، پس تم اس کی امانت کو ادا کرتے رہو۔

اسلامی تاریخ کا ایک نہایت ایمان افروز واقعہ بھی پڑھتے چلئے، جسے امام ترمذی اور امام ابو داؤد نے ہم تک پہنچایا، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور رومیوں کے درمیان ایک عارضی صلح کا معاہدہ ہوا، جب اس معاہدے کے اختتام کا وقت قریب آنے لگا تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنا لشکر لے کر روم کی سرحد کی طرف بڑھنے لگے تاکہ جس روز معاہدہ ختم ہو دشمن کو مہلت دیئے بغیر اس پر حملہ کر دیا جائے، ایک سوار نے دیکھا تو وہ صفوں کو چیرتا ہوا آگے بڑھا اور پکارنے لگا ”اللہ اکبر، اللہ اکبر وفاء لا غدر“ اللہ بڑا ہے، اللہ بڑا ہے، معاہدہ پورا کیا جائے، ورنہ تو خیانت نہ کی جائے، ورنہ تو نے پہچانا تو وہ حضرت عمرو بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ تھے، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے انہیں پس ہار پوچھا کہ تم ایسا کیوں کہہ رہے ہو، انہوں نے کہا کہ میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سنا کہ ”جس کا کسی قوم سے کوئی معاہدہ ہو تو اس وقت تک نہ کوئی گرہ کھولی جائے اور نہ باندھی جائے جب تک وقت مقرر نہ آجائے یا کسی وجہ سے معاہدہ منسوخ نہ کر دیا جائے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد سنتے ہی حضرت امیر معاویہ نے ارادہ ملتوی کر دیا اور لشکر واپس خیموں میں چلے جانے کا حکم دیا۔

یہ واقعہ قابل غور ہے حکم رسول ﷺ کی تعمیل میں مصلحتوں اور حکمتوں کو دخل نہیں ہوتا، مؤمن ہر حال میں اپنے آقا

ﷺ کے احکام کا پابند ہوتا ہے، اسی میں اس کی عزت ہے، اسی میں اس کی کامیابی و کامرانی کا راز پوشیدہ ہے، آج کے حکام سوچیں وہ کس طرح حالات کے تقاضوں کا بہانہ کر کے احکام رسول ﷺ میں خیانت کرتے ہیں، جس کا خمیازہ بصورت ذلت و خواری صرف انہیں ہی نہیں بلکہ پوری ملت اسلامیہ کو بھگتنا پڑتا ہے۔

اے ایمان والو! نہ تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام میں خیانت کرو اور نہ ہی باہمی معاملات میں، حالات کتنے ہی ناموافق ہوں، کتنی ہی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑے لیکن اس ہدایت پر عمل ترک نہ ہونے پائے، ورنہ خائن کہلاؤ گے، اور خائن ہونا مؤمن کو زیب نہیں دیتا، اللہ خیانت کرنے والے کو نہ تو پسند فرماتا ہے اور نہ ہی کامیاب و کامران ہونے دیتا ہے، نیز خیانت منافق کی نشانی ہے، جس کا ٹھکانہ ”دَرکِ اسفل“ جہنم کا سب سے نچلا درجہ ہے، اور خوب اچھی طرح جان لو کہ اموال و اولاد، جس کی وجہ سے تم اکثر خیانت کے مرتکب ہوتے ہو، آزمائش ہیں، اگر تم اس آزمائش میں کامیاب ہو گئے، جو اموال و اولاد کی وجہ سے تم پر آتی ہے، تو اللہ کے پاس تمہارے لئے بڑا اجر ہے، تم اس کی اطاعت و فرمانبرداری کے لئے، جتنا ایثار کرتے ہو، اللہ اس سے کہیں زیادہ تمہیں دنیا و آخرت میں عطا فرمائے گا۔

### اموال و اولاد فتنہ ہیں

اس میں کوئی شک نہیں کہ اموال انسان کی ضرورت، اس کی جسمانی راحت اور ظاہری عزت و شہرت کا ذریعہ ہیں، چاہے وہ ساز و سامان کی صورت میں ہوں، یا زمین و جائیداد کی صورت میں ہوں، مویشیوں کی صورت میں ہوں، یا سکہ رائج الوقت کی صورت میں ہوں، بہر حال انفرادی و اجتماعی، ہر اعتبار سے ان کی اہمیت ہے، امیر و دولت مند کو ہر کوئی عزت کی نظر سے دیکھتا ہے، جس قوم کے پاس دولت کی فراوانی اور معاشی خوشحالی ہوتی ہے اسے طاقتور سمجھا جاتا ہے، دینی و دنیوی امور کا جاری رہنا، مال و دولت پر ہی موقوف ہے اسی لئے شریعت مطہرہ نے کسب دولت کو جائز قرار دیا اور اسے اپنی ذات پر، نیز دوسروں کے لئے خرچ کرنا، زکوٰۃ دینا، صدقہ و خیرات کرنا حصول تقویٰ کا ایک ذریعہ بنایا گیا، عبادت قرار دیا گیا، اسی طرح اولاد انسان کی امیدوں کا مرکز، اس کے دل کا سرور اور نظر کا نور ہے، جس کی پرورش، تعلیم و تربیت کو انسان کی ذمہ داری قرار دیا گیا، اس پر اجر و جزاء کا وعدہ کیا گیا لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ اللہ کی یہ نعمتیں ہماری آزمائش و امتحان کا ذریعہ بھی ہیں کہ

اللہ نے انسان کے لئے حصول دولت کے بیشمار ذرائع پیدا فرمائے، جن میں بعض کو حلال اور بعض کو حرام قرار دیا تاکہ وہ اپنے بندوں کا امتحان لے کہ کون حلال و حرام کا امتیاز کئے بغیر صرف دولت کے حصول میں اندھا ہو جاتا ہے اور کون ہے جو صرف حلال کی طرف بڑھتا اور حرام سے منہ موڑ لیتا ہے، کامیاب وہ ہوگا جو حکم الہی کی پابندی کرتے ہوئے صرف حلال پر اکتفاء کرتا ہے، اسی طرح اللہ دولت دے کر اسے خرچ کرنے کا حکم دیتا ہے تاکہ بندوں کی آزمائش کی جائے کہ وہ دولت ملنے کے بعد اللہ کے احکام کی تعمیل کرتے ہیں یا نہیں، پس وہ ناکام قرار پاتے ہیں جو دولت کی محبت میں پھنس کر اسے خرچ نہیں کرتے اور وہ کامیاب ہوتے ہیں جو دولت کی محبت سے بچ کر اسے اللہ کے حکم کے مطابق اپنے لئے، اپنے اہل خانہ، اعزاء اقرباء اور دیگر ضرورت مندوں کے لئے صرف کرتے ہیں، اس سے اپنے اہل و عیال کی ضروریات بھی پوری کرتے ہیں،

زکوٰۃ، صدقہ، خیرات کی صورت میں وہ دوسروں کی مدد کرتے ہیں، دینی اداروں اور تحریکوں کے لئے خرچ کرتے ہیں۔

اللہ انسان کو اولاد کی نعمت سے بھی اسی لئے نوازتا ہے کہ وہ اولاد والوں کا امتحان لے، پس جو اولاد کی محبت میں ایسا گرفتار ہو گیا کہ اس نے اولاد کے عیش و آرام کے لئے حلال و حرام کا امتیاز کئے بغیر دولت کے ڈھیر جمع کر لئے، اولاد کو خوب کھلایا، اچھا پہنایا، امریکہ و یورپ کی یونیورسٹیوں میں تعلیم دلائی لیکن مسلمان نہ بنایا، حرام کھلا کر، ان کی عادات و اطوار کو بگاڑ دیا، دین کے علم اور دینی تربیت سے اسے بے بہرہ رکھا، انہیں نہ اللہ کے حقوق کا علم اور نہ بندوں کے حقوق کا پتہ، وہ دین کے دیگر احکام کی پابندی تو درکنار، اللہ کے دربار میں سر جھکانے تک کے لائق نہ ہو سکے، ماں باپ کے مرنے کے بعد ان کی نماز جنازہ تک میں شریک نہ ہو سکے، غرضیکہ وہ والدین بڑے ہی خسارے میں رہے جنہوں نے اولاد کو انسانیت کے سوا سب کچھ دیا لیکن جن والدین نے اولاد کی نعمت ملنے پر اللہ کا شکر ادا کیا اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے عطا کردہ اصولوں کے مطابق ان کی تربیت کی، حلال کارزق کھلایا، حلال کمانا سکھایا، وہ امتحان میں کامیاب رہے کہ ان کی اولاد دنیا میں بھی ان کے کام آتی ہے، ان کی مطیع و فرمانبردار رہتی ہے، خدمت گزار ہوتی ہے اور ایسی اولاد صدقہ جاریہ ہوتی ہے، جس کا فائدہ ماں باپ کو مرنے کے بعد ہمیشہ ہوتا رہتا ہے۔

اموال و اولاد، اس اعتبار سے بھی فتنہ ہیں کہ بسا اوقات انسان دولت کی ہوس اور اولاد کی محبت میں مبتلا ہو کر ظالم بن جاتا ہے کہ لوگوں کی حق تلفی کرنے لگتا ہے، انہیں ستا کر، پریشان کر کے اپنی ہوس پوری کرتا ہے، راشی اور سود خور بن جاتا ہے، دولت کی یہ ہوس ہی اسے قمار خانوں میں پہنچاتی ہے، جہاں وہ حرام کے حصول میں اپنی حرام کی کمائی پانی کی طرح بہاتا ہے، اور اکثر ذلیل و خوار ہوتا ہے، مار کھاتا ہے اور اپنے اہل خانہ و خاندان کے لئے تنگ عار بن جاتا ہے۔

یہی اموال و اولاد، انسان کو متکبر و مغرور بھی بنا دیتے ہیں، وہ غریبوں کو حقیر سمجھنے لگتا ہے، اس کی نظروں میں اپنے غریب والدین تک کی کوئی عزت نہیں رہتی، غریبوں سے نفرت اس کی شان بن جاتی ہے، اعزاء و اقارب تک کو اس کے در پر آنے کی اجازت نہیں ہوتی، حتیٰ کہ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے بھی دور ہو جاتا ہے، اس کا عقیدہ و ایمان تک متزلزل ہو جاتا ہے کہ وہ یہ خیال کرنے لگتا ہے کہ جو کچھ میرے پاس ہے، میری محنت اور میری تدابیر کا نتیجہ ہے لہذا یہ صرف میرا ہے، میرے لئے ہے، ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ کے لئے ہے اس کی آنکھوں پر پردے پڑ جاتے ہیں وہ اپنے ماضی کو بھول جاتا ہے، گرد و پیش کے حالات سے بھی اسے سبق حاصل نہیں ہوتا، اموال و اولاد کے اس فتنہ میں مبتلا ہو جانے والوں ہی کے لئے قرآن کریم فرماتا ہے:

إِذَا مَسَّ الْإِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَانَا ثُمَّ إِذَا خَوَّلْنَاهُ نِعْمَةً مِّنَّا قَالَ إِنَّمَا أُوتِيتُهُ عَلَىٰ عِلْمٍ

(الزمر: ۴۹)

بَلْ هِيَ فِتْنَةٌ وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۴۹﴾

پس جب پہنچتی ہے انسان کو کوئی تکلیف تو ہمیں پکارتا ہے پھر جب ہم عطا کر دیتے ہیں اسے نعمت اپنی جناب سے تو کہنے لگتا ہے کہ یہ نعمت مجھے دی گئی ہے (میرے) علم (وفضل) کے باعث، بلکہ یہ آزمائش



ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

نعمتوں کے ملنے کے بعد یہ انسان اندھا ہو جاتا اور اپنے ماضی کو فراموش کر بیٹھتا ہے، اسے اتنا تک یاد نہیں رہتا کہ وہ کل تک کس طرح گریہ وزاری کرتا اور روتا تھا، جب اسے اللہ نے نعمتیں عطا فرمادیں تو وہ انہیں اپنے علم و فضل اور تدابیر کا نتیجہ سمجھنے لگتا ہے، ایسا شخص نہایت ہی غافل اور بیوقوف ہے، ہم نے تو اس کو یہ سب کچھ اس لئے دیا ہے کہ ہم اس کا امتحان لینا چاہتے ہیں کہ وہ اب بھی گریہ وزاری کرتا ہے یا نہیں، وہ ہمارا شکر گزار ہوتا ہے یا باغی بن جاتا ہے، تکبر و غرور میں مبتلا ہو کر اپنے ماضی کو بھول جانے والا اور گرد و پیش میں لوگوں کا انجام دیکھتے ہوئے بھی اپنے انجام سے غافل رہنے والا، بڑا ہی خسارے اور نقصان میں رہتا ہے۔

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ ”اگر دو بھوکے بھڑیے، بکریوں کے گلے میں چھوڑ دیئے جائیں، تو وہ اتنا نقصان نہیں پہنچاتے، جتنا نقصان دین کو مال و جاہ کے حریص سے ہوتا ہے۔“

(ترمذی شریف)

حضرت خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ ایک دن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے نواسے (حضرت حسن یا حسین) کو گود میں لئے ہوئے تھے اور فرما رہے تھے، ”اَنْتُمْ لَتُبْخَلُوْنَ وَ تَجْبُنُوْنَ وَ تَجْهَلُوْنَ وَ اَنْتُمْ لَمَنْ رَیْحَانُ اللّٰهِ“ کہ تم (بچے) ہی آدمی کو بخیل بناتے ہو، تم ہی آدمی کو بزدل بناتے ہو، تم ہی آدمی کو جہالت پر آمادہ کرتے ہو، حالانکہ تم باغ الہی کے پھول ہو۔

(ترمذی شریف)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ”حُبُّ الدُّنْيَا رَأْسُ كُلِّ خَطِيئَةٍ“ دنیا کی محبت ہر برائی کی جڑ ہے۔

ان ارشادات نبوی ﷺ پر غور کیجئے اور اندازہ لگائیے کہ اموال و اولاد، اللہ کی نعمت ہونے کے باوجود کس طرح مؤمن کے لئے فتنہ و آزمائش ہیں اس سلسلہ میں ایک صحابی رسول ﷺ، حضرت ابولہبہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ بھی ملاحظہ ہو، جو انصاری تھے، ان کا اصل نام ہارون بن منذر تھا، قبیلہ بنی عوف بن مالک سے تھے، واقعہ سے متعلق یہ بات خاص طور پر ذہن میں رہے کہ ان کے اہل و عیال، یہود مدینہ بنی قریظہ کے محلہ میں رہائش پذیر تھے۔

غزوہ خندق کے بعد نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بنی قریظہ کے محلہ کا محاصرہ کیا جو اکیس دن تک جاری رہا، جب یہودی اس محاصرے سے تنگ آ گئے تو انہوں نے آپ ﷺ سے صلح کی درخواست کی جو آپ ﷺ نے مسترد فرمادی اور فرمایا کہ ہم سعد بن معاذ کو تمہارے پاس بھیج رہے ہیں، یہ ہمارے اور تمہارے درمیان معاملات طے کریں گے، یہودیوں نے گزارش کی کہ سعد کی بجائے ہمارے پاس ابولہبہ کو بھیج دیا جائے، چنانچہ آپ ﷺ نے حضرت ابولہبہ کو ان کے پاس بھیج دیا، یہودیوں نے ان سے پوچھا کہ اگر ہم حضور ﷺ کی اطاعت قبول نہ کریں تو وہ ہمارے متعلق کیا فیصلہ کریں گے چونکہ ابولہبہ کو اپنے اہل و عیال، گھربار وغیرہ کی حفاظت کا خیال تھا لہذا آپ نے یہودیوں کے ساتھ تھوڑی سی ہمدردی کی اور انہیں

اپنی گردن پر ہاتھ پھیر کر اشارۃ بتایا کہ تمہیں قتل کر دیا جائے گا، اس کے بعد آپ کو فوراً ہی خیال آیا کہ مجھ سے بہت بڑی غلطی ہوئی ہے، میں نے اموال و اولاد کی محبت میں گرفتار ہو کر، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ خیانت کی ہے کہ ایک راز فاش کر دیا، جس سے مسلمانوں کو سخت نقصان پہنچ سکتا ہے، احساس غلطی میں ایک دوسری غلطی یہ کر بیٹھے کہ خود ہی اپنے لئے سزا بھی تجویز کر لی، دوڑے ہوئے مسجد نبوی میں آئے اور اپنے آپ کو ایک ستون سے باندھ لیا اور فیصلہ کر لیا کہ میں اس بندش سے اس وقت تک آزاد نہ ہوں گا جب تک مجھے یہ معلوم نہ ہو جائے کہ اللہ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھے معاف کر دیا، یہ واقعہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو معلوم ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا اگر ابولبابہ میرے پاس آ جاتے تو میں ان کے لئے معافی کی دعا کر دیتا، وہ تو براہ راست رب کے پاس حاضر ہو گئے، لہذا اب وہاں کے فیصلے کا انتظار کرنا چاہئے، ابولبابہ نے سرکار کی پناہ میں نہ آنے کی غلطی کر کے بڑی تکلیف اٹھائی، سات دن تک ستون سے بندھے رہے، صرف نماز اور حوائج ضروریہ کے لئے کھولے جاتے تھے، اللہ کے رسول ﷺ کو بھی اس کا بہت صدمہ تھا، بہر حال سات دن بعد اللہ نے ان پر کرم فرمایا اور سورۃ مائدہ کی زیر گفتگو آیات کے ذریعہ ان کی معافی کا اعلان کیا گیا، لوگوں نے انہیں خوشخبری سنائی اور چاہا کہ کھول دیں لیکن انہوں نے منع کر دیا اور کہنے لگے، جب تک میرے آقا ﷺ مجھے اپنے ہاتھ سے نہ کھولیں گے میں اسی طرح بندھا رہوں گا، پس حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خود تشریف لائے، معافی پر ابولبابہ کو مبارکباد دی اور اپنے دست مبارک سے کھولا، جس ستون سے حضرت ابولبابہ نے اپنے آپ کو باندھا تھا وہ آج تک مسجد نبوی شریف میں، استوانہ توبہ یا استوانہ ابولبابہ کے نام سے موجود ہے، جہاں خصوصی طور پر قبولیت توبہ کے لئے نفل ادا کئے جائیں اور توبہ کی جائے تو امید ہے کہ اللہ رب العزت حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کی توبہ کے صدقے میں ہم گناہ گاروں کو بھی بخش دے، اللہ سب کو حاضری نصیب فرمائے آمین۔

اے ایمان والو! تمہارے پاس جو کچھ بھی ہے، اللہ کی امانت ہے، جس کے استعمال میں تم پر اللہ کے احکام کی پابندی لازم ہے، بالخصوص اموال و اولاد کے معاملے میں بے حد محتاط رہو کہ ان میں کوئی خیانت نہ ہونے پائے کہ اللہ کی یہ نعمتیں تمہاری ابتلا و آزمائش کا ذریعہ ہیں اگر تم نے ان کی ہوس اور محبت میں گرفتار ہو کر خیانت کی تو تم دینی و دنیوی خسارے میں مبتلا ہو جاؤ گے اور اگر تم نے انہیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کے مطابق استعمال کیا تو اللہ تمہیں دنیا و آخرت میں اس کا اجر عظیم عطا فرمائے گا، اللہ ہمیں عمل کی توفیق دے، آمین۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی خَيْرِ خَلْقِهِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ



## مقالہ ۲۹

### الانفال: ۲۹

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَتَّقُوا اللَّهَ يَجْعَلْ لَكُمْ فُرْقَانًا وَ يَغْفِرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَ  
يَغْفِرْ لَكُمْ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ①

(انفال: ۲۹)

اے ایمان والو! اگر تم ڈرتے رہو گے اللہ سے تو وہ پیدا کر دے گا تم میں حق و باطل میں امتیاز کی قوت اور  
دُشمنانِ دے کا تم سے تمہارے ساتھ اور بخش دے گا تمہیں، اور اللہ بڑے فضل و کرم والا ہے۔

اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت و فرمانبرداری اور اس کے رسول ﷺ کی اتباع و پیروی کے معاملہ میں اللہ  
سے ڈرتے رہو اور نہایت محتاط ہو کر ان کے احکام کی تعمیل کرو، جس کے صلہ میں اللہ تمہیں تین نعمتوں سے نوازے گا۔  
فرقان عطا فرمائے گا، سینات کو مٹا دے گا، مغفرت فرمائے گا۔

اور اللہ تو بڑے فضل والا ہے، جو اس کی بات مانتا ہے اس کو صاف اجر و ثواب سے ہی نہیں بلکہ بے شمار انعامات سے

نوازتا ہے۔

## فرقان

مفسرین کرام فرقان کے متعدد معنی بیان فرماتے ہیں، نصرت الہی، حفاظت، حق و باطل میں امتیاز کی بصیرت و صلاحیت، ان معنی کے اعتبار سے فرقان اللہ کی عظیم نعمت ہے، جو اہل تقویٰ کا مقدر ہے، جب مومن متقی ہو جاتا ہے تو اس پر اللہ کی خصوصی نظر کرم ہوتی ہے کہ اس کی دنیاوی زندگی پر سکون ہو جاتی ہے اور آخرت سدھر جاتی ہے، اسی انعام کو بیان فرمانے کے لئے ارشاد باری تعالیٰ ہوا ”لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ“ کہ انہیں اللہ کے فضل سے مستقبل کے حوادث کی کوئی فکر نہیں رہتی، ان کا کوئی ڈر نہیں رہتا، اور ماضی کے صدمات کا کوئی غم نہیں ہوتا، نیز فرمایا گیا، ”إِنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ“ بیشک اللہ کی مدد، اس کا خصوصی فضل و کرم، متقین کے لئے ہے، نیز ارشاد ہوا:

فَمَنِ اتَّقَىٰ وَأَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٣٥﴾ (اعراف: ۳۵)

جس نے تقویٰ اختیار کر لیا اور اپنی اصلاح کی تو نہیں ہے کوئی خوف ان پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي نُورِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا ﴿٦٣﴾ (مریم: ۶۳)

یہ وہ جنت ہے، جس کا ہم وارث بنائیں گے اپنے بندوں میں سے صرف اسے جو متقی ہوگا۔

إِنَّ الْأَرْضَ لِلَّهِ يُورِثُهَا مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ ۗ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ ﴿١٢٨﴾

(اعراف: ۱۲۸)

بیشک زمین اللہ ہی کی ہے، وارث بناتا ہے اس کا جس کو چاہتا ہے اور اچھا انجام پر ہیزگاروں کے لئے مخصوص ہے۔

یہ ہیں اہل تقویٰ، جنہیں فرقان نصیب ہوا بایں معنی کہ اللہ انہیں اپنے خصوصی انعامات سے نوازتا ہے، خوف و غم سے آزاد فرماتا ہے، اللہ کی مدد ہر وقت ان کے شامل حال رہتی ہے، یہی خوش نصیب اللہ کی جنت اور اللہ کی زمین کے وارث بنائے جاتے ہیں۔

فرقان بمعنی حق و باطل میں امتیاز کی صلاحیت بھی اللہ کا بڑا انعام ہے کہ جس خوش بخت کو یہ نعمت نصیب ہو جاتی ہے، اس کے لئے اللہ کی اطاعت اور اس کے احکام کی تعمیل نہایت ہی سہل و آسان ہو جاتی ہے کہ وہ بآسانی خدا داد بصیرت سے حلال و حرام میں امتیاز کر لیتا ہے، حق و باطل کو پہچان لینا، نیک و بد میں فرق کر لینا اس کے لئے کوئی مشکل نہیں ہوتا، نیز اس کی نظموں سے حجابات دور کر دیئے جاتے ہیں، اب وہ صرف اشیاء کو نہیں دیکھتا بلکہ حقائق اشیاء پر اس کی نظر ہوتی ہے، قرب و بعد کا فرق اس کے لئے ختم ہو جاتا ہے، جو نہیں وہ توجہ کرتا ہے، ہر چیز اس کے سامنے ہوتی ہے، چاہے وہ قریب ہو، یا کتنی ہی دور ہو، اسی کیفیت کو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ”فراست“ سے تعبیر فرمایا، آپ ﷺ کا ارشاد ہے، ”اتَّقُوا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَإِنَّهُ يَنْظُرُ بِنُورِ اللَّهِ“ ”مومن کی فراست سے ڈرو کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔“

## فراست

فراست یہ ہے کہ انسان اپنی عقل اور قوت فہم سے کسی کے بتائے بغیر وہ جان لے جو عام طور پر لوگ بسیار کوشش کے بعد بھی نہیں جان پاتے، گویا جسے فراست نصیب ہوگئی کوئی چیز اس سے حجاب میں نہیں رہتی، نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد کے مطابق فراست مؤمن کامل کا خاصہ ہے، صاحب فراست مؤمن جس چیز پر نظر ڈالتا ہے، اس پر اس چیز کی حقیقت واضح ہو جاتی ہے کیونکہ اس کی نظر عام لوگوں جیسی نہیں رہتی، بلکہ وہ تو اللہ کے عطا کردہ مخصوص نور سے دیکھنے لگتا ہے، یہ نور اسی متقی کی نظر کا حصہ بنتا ہے، جو ہر حال میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کی تعمیل کرتا ہے۔

اندازہ کیجئے کہ جب اہل ایمان کو ان کے تقویٰ کے سبب اللہ کا نور نصیب ہو جاتا ہے اور ان کی نظر سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں رہتی، حتیٰ کہ وہ ہزاروں برس بعد پیش آنے والے واقعات و حالات سے بھی باخبر ہو جاتے ہیں تو پھر اس آقا ﷺ کی نظر کی کیفیت کیا ہوگی، یا ان کی فراست کی قوت کا کیا حال ہوگا جو خود اللہ کا نور ہیں، اس کائنات کی کوئی چیز ان سے چھپی رہ سکتی ہے، ہمارا یہی عقیدہ ہے، یہی ایمان ہے جو بے شمار واقعات سے ثابت اور واضح ہے اور یہی عقیدہ، تقویٰ کی بنیاد ہے، اس کے منکر کو صاحب فراست ہونا تو درکنار، صاحب ایمان تسلیم کرنا بھی دشوار ہوگا۔

یہ فراست جملہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو اسی نسبت سے حاصل تھی جس نسبت سے انہیں صحابیت کا عظیم مرتبہ و مقام نصیب ہوا، ان کے بعد تابعین اور تبع تابعین اس نعمت کے وارث رہے، پھر یہ ہر اس مؤمن کو حاصل ہوئی جس نے تقویٰ اختیار کیا، جس کا جتنا تقویٰ بڑھتا رہا، اسے اتنی ہی زیادہ فراست ملتی رہی، سید الاولیاء حضور نبوت الائمہ رضی اللہ عنہ اسی فراست یا نور الہی سے ساری کائنات کو اپنی ہتھیلی پر رانی کے دانہ کی طرح ملاحظہ فرماتے تھے، آپ کا ارشاد ہے، ”نظروا الی بلاد اللہ جمعا کخز دلہ علی حکم البصا“ یہ وہ نظر تھی جس میں اللہ کا نور شامل تھا، دیگر اولیاء کرام کے واقعات بھی اس حقیقت پر شاہد ہیں کہ اہل ایمان کو ان کے تقویٰ کا نتیجہ بصورت فراست نصیب ہوتا ہے، بطور تبرک چند واقعات ملاحظہ ہوں۔

حضرت جنید بغدادی رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے، ایک مرتبہ انہیں خواب میں شیطان نکلا نظر آیا، آپ نے فرمایا، اب دیا! تجھے انسانوں سے شرم نہیں آتی، بولا کیا یہ لوگ آپ کے نزدیک انسان ہیں، آپ نے فرمایا بیشک یہ انسان ہی تو ہیں، شیطان العین کہنے لگا اگر یہ لوگ انسان ہوتے تو میں ان سے اس طرح نہ کھیل پاتا، جیسے بچے گیند سے کھیلتے ہیں، انسان تو حقیقتاً وہ لوگ ہیں جو شوزیہ (بغداد شریف کا ایک محلہ) کی مسجد میں معتکف ہیں، جن کی عبادت و ریاضت سے میں حلا جبار ہا ہوں، میں جب بھی انہیں ورنالانے کی کوشش کرتا ہوں تو وہ رب تعالیٰ کو اشارہ کرتے ہیں اور میں جھٹکتا ہوں، خواب سے بیدار ہو کر حضرت جنید رضی اللہ عنہ جامع شوزیہ گئے، وہاں آپ نے تین آدمیوں کو دیکھا جو اپنی گڈری میں چھپے بیٹھے ہیں، آپ کے آنے کی آہٹ سن کر ان میں سے ایک نے گڈری سے اپنا سر نکالا اور بولا ”اے ابوالقاسم شیطان العین کی بات سے دھوکا نہ کھائے“ (یہ اس مؤمن کی فراست تھی کہ اسے معلوم ہو گیا کہ حضرت جنید نے آج شب کیا خواب دیکھا ہے۔) (ریاض الصالحین)

شیخ ابراہیم خواص علیہ الرحمۃ، ایک پہاڑ لکام پر پہنچے جہاں انار کا باغ تھا، درختوں میں سرخ انار لٹک رہے تھے، آپ سے نہ رہا گیا، ایک انار توڑ کر کھانے لگے جو نہایت ترش تھا، چھوڑ کر آگے بڑھ گئے، تھوڑی دور چل کر ایک شخص نظر آیا، جس کے جسم پر بھڑیں لپٹی ہوئی تھیں، آپ نے اسے سلام کیا، جواب ملا، علیکم السلام یا ابراہیم! آپ کو حیرت ہوئی پوچھا تم میرا نام کیسے جانتے ہو، وہ شخص کہنے لگا، جو اللہ کو پہچان لیتا ہے، اس سے کچھ چھپا نہیں رہتا، آپ نے فرمایا معلوم ہوتا ہے آپ کو اللہ کا قرب نصیب ہے، اگر آپ اللہ سے اپنے لئے دعا کرتے تو وہ ضرور آپ کو انار کی خواہش سے بچا لیتا کیونکہ انار کی لذت کی سزا تو آخرت میں بھگتنا ہوگی اور ان بھڑوں کی تکلیف تو عارضی ہے یہیں تک ہے اور یہیں ختم ہو جائے گی، (یہ فراست مؤمن ہے، کہ اس شخص نے شیخ ابراہیم کا نام بھی جان لیا اور اسے یہ بھی پتہ ہو گیا کہ ابھی تھوڑی دیر پہلے آپ کو انار کی خواہش ہوئی اور آپ نے مالک کی اجازت کے بغیر انار تھوڑا اور کھایا)

یہ واقعہ بھی شیخ ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ کا ہے کہ آپ نے ایک خوبصورت ہوشیار نوجوان کو دیکھا، آپ نے حاضرین سے کہا کہ یہ نوجوان تو مجھے یہودی لگتا ہے، لوگوں کو آپ کی بات پسند نہ آئی، جب آپ محفل سے تشریف لے گئے تو نوجوان نے لوگوں سے پوچھا، ان بزرگ نے میرے متعلق کیا کہا، لوگوں نے اس کے اصرار پر بتایا کہ وہ تمہیں یہودی کہہ رہے تھے، نوجوان یہ سنتے ہی دوڑا اور شیخ ابراہیم کی خدمت میں حاضر ہو کر کلمہ پڑھا، مشرف باسلام ہو گیا اور بولا کہ ہماری کتابوں میں لکھا ہے کہ صدیق کی فراست غلط نہیں ہوتی، میں نے چاہا کہ میں مسلمان فقراء میں شامل ہو کر اس بات کا پتہ چلاؤں، مجھے یہ لوگ نظر آئے اور میں ان کے ساتھ ہولیا، اور منتظر تھا کہ ان میں کوئی مجھے پہچانتا ہے یا نہیں، آپ نے مجھے پہچان لیا اور میں نے بھی آپ کو پہچان لیا، (یہ ہے مؤمن کی فراست، جس سے لوگوں کی قلبی کیفیات تک کا پتہ چل جاتا ہے)۔ (ریاض الصالحین)

حضرت جنید بغدادی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے پیر و مرشد حضرت شیخ سری سقطی، مجھ سے فرمایا کرتے تھے کہ تم وعظ کیا کرو لیکن میں لوگوں کے سامنے تقریر کرنے سے ہچکچاتا تھا، ایک جمعہ کی شب مجھے خواب میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت ہوئی، آپ نے فرمایا تم لوگوں کو نصیحت کرو، میں بیدار ہوا اور صبح کا انتظار کئے بغیر شیخ سری سقطی کے دروازے پر پہنچ کر دستک دی، آپ نے مجھے دیکھتے ہی کہا، ”جب تک تم سے خود سرکار نے نہ فرمایا تم نے میری بات نہ مانی“ (یہ فراست مؤمن تھی) حضرت جنید رضی اللہ عنہ نے اسی دن سے وعظ شروع کر دیا، ایک مرتبہ وعظ کے دوران ایک عیسائی جوان بھیس بدل کر آیا اور اس نے سوال کیا، اے شیخ بتائیے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد، ”اتَّقُوا فِرَاسَتَهُ الْمُؤْمِنِ فَإِنَّهُ يَنْظُرُ بِنُورِ اللَّهِ“ کا کیا مطلب ہے، آپ نے تھوڑی دیر کے لئے سر جھکا لیا پھر سر اٹھا کر فرمایا، ”تو نصرانی ہے اور اب تیرے اسلام قبول کرنے کا وقت آ گیا ہے، مسلمان ہو جا، وہ جوان اسی وقت مسلمان ہو گیا“، (حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد کا مطلب آپ نے عملی طور پر بتا دیا کہ مؤمن کو ایسی فراست حاصل ہو جاتی ہے کہ وہ لوگوں کے دلوں کا حال جان لیتا ہے)۔ (ریاض الصالحین)

الحمد للہ، امت مسلمہ میں ایسے افراد کی کمی نہیں جن کو اللہ رب العزت جل مجدہ نے اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام

کے طفیل فراست کی نعمت عطا فرمائی، مزید برآں یہ کہ ان کے واقعات محفوظ ہیں، جن کو پڑھ کر، سن کر اہل ایمان کا ایمان تازہ ہوتا ہے اور ان میں جذبہ تقویٰ بیدار ہوتا ہے، غرضیکہ فراست ایک بڑی نعمت ہے جو فرقان ہے کہ اس سے حق و باطل، اچھے، برے میں بسہولت امتیاز کر لیا جاتا ہے۔ اہل تقویٰ کو تو یہ صلاحیت پورے کمال کے ساتھ نصیب ہوتی ہی ہے، لیکن عام مؤمنین بھی اس سے محروم نہیں رہتے کہ ایمان ایک نور ہے جس سے مؤمن کا قلب اور نظر ضرور روشن و منور ہو جاتے ہیں اور اس سے دوسروں کے مکرو فریب سے بچنے کی ایک صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے، جس کا احساس اسے خود بھی نہیں ہوتا، لیکن بہر حال ایمان کا فائدہ اسے حاصل رہتا ہے، اس وقت تک جب تک کہ وہ اپنی بد عملی اور فسق و فجور سے اپنی تمام صلاحیتوں کو اتنا زنگ آلود اور سیاہ نہ کرے کہ نور ایمان بھی مدھم ہو جائے، اللہ ایسی حالت سے ہر مؤمن کو محفوظ رکھے۔

یوں تو تمام عبادات کی پابندی اور احکام شرع کی تعمیل فراست کے حصول کا ذریعہ ہے، لیکن صوفیاء کرام نے بعض عبادات کو خصوصی طور پر اس نعمت کے حصول کا سبب بتایا ہے، اس طرح کہ مومن اولاً محرمات شرعیہ سے بچے، یعنی کوئی حرام کام نہ کرے، اس کی روزی حلال کی ہو، اس میں سود، شراب، رشوت، جوئے سے حاصل کردہ دولت شامل نہ ہو، پھر منجگانہ نماز کی پابندی کرے، ہو سکے تو روزانہ کچھ نوافل بھی پڑھے، بعد فجر، قرآن کریم کی تلاوت پابندی سے کرے، درود شریف بکثرت پڑھتا رہے، بکثرت استغفار کرتا رہے، رمضان کے علاوہ بکثرت نفل روزہ رکھے، نیز کسی متقی پرہیزگار کے دامن سے وابستہ ہو، یعنی مرید ہو جائے اور اپنے شیخ کے عطا کردہ اوراد و وظائف کی پابندی کرے، تو اللہ کا فضل و کرم اس کے شامل حال ہوگا اور اسے ایسی فراست سے نوازا جائے گا جس سے اس کی دنیاوی الجھنیں ختم ہوں گی اور اخروی مراتب بلند ہوں گے، اسی لئے اہل ایمان کو عام دعوت دی گئی ہے کہ

اے ایمان والو! تقویٰ اختیار کرو تا کہ اللہ تمہیں فرقان عطا فرمائے، تمہارے دلوں سے گناہوں کی سیاہی دھو دے اور تمہارے گناہوں کو معاف کر دے، اے اللہ ہمیں ان مؤمنین کا ملین میں سے کر دے جن کو تو نے فراست کی نعمت سے نوازا، آمین یا رب العالمین۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی خَيْرِ خَلْقِهِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِهِ وَاَصْحَابِهِ اَجْمَعِينَ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ



## مقالہ ۵۰

### الانفال: ۴۵ تا ۴۷

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا الْقِيُومُ فَبُشِّرُوا ۖ وَادْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝  
وَاطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَنَازَعُوا فَعُدَّوْا وَتَذَهَبَ رِيحُكُمْ وَاصْبِرُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ  
مَعَ الصَّابِرِينَ ۝ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ خَرَجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَرِئَاءَ النَّاسِ  
وَيَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ ۚ وَاللَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ ۝ (انفال: ۴۵-۴۷)

اے ایمان والو! جب جنگ آزما ہو کسی لشکر سے تو ثابت قدم رہو اور ذکر کرو اللہ کا کثرت سے تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ، اور اطاعت کرو اللہ کی اور اس کے رسول ﷺ کی اور آپس میں نہ جھگڑو ورنہ تم کم ہمت ہو جاؤ گے اور اکھڑ جائے گی تمہاری ہوا، اور صبر کرو، بیشک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے اور نہ بن جانا ان لوگوں کی طرح جو نکلے تھے اپنے گھروں سے اتراتے ہوئے اور لوگوں کے دکھاوے کے لئے اور روکتے تھے اللہ کی راہ سے اور اللہ جو کچھ وہ کرتے ہیں، اسے گھیرے ہوئے ہے۔



جہاد، مؤمن کے لئے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کی طرح عبادت کا درجہ رکھتا ہے، جو نہ تو سیاسی مقاصد کے لئے کیا جاتا ہے اور نہ ہی اس کا کوئی معاشی مقصد ہوتا ہے بلکہ یہ دین کی حفاظت و بقاء اور اعلائے کلمۃ الحق کا اہم ترین ذریعہ ہے، اسی لئے قرآن کریم نے دیگر عبادات کی طرح اس سے متعلق احکامات بیان فرمائے اور ہدایات دیں، جن میں سے بعض کا ذکر گزشتہ اوراق میں ہو چکا ہے، آیات مذکورہ میں جو ہدایات دی جا رہی ہیں وہ یہ ہیں۔

(۱) ثبات، (۲) ذکر اللہ، (۳) اطاعت، (۴) باہمی نزاع سے بچنا، (۵) صبر، (۶) اخلاص۔

یہ چھ ہدایات ہیں، جن کا تفصیلی بیان ضروری ہے۔

### ثبات

یعنی جمار ہنا، ڈٹا رہنا، تقریباً اسی کا ہم معنی استقلال و استقامت ہے، کسی بھی کام کا ارادہ اور عزم کر لینے کے بعد اس میں کامیابی حاصل کرنا، منزل کو پالینا اس وقت تک ممکن نہیں جب تک قلب اور قدم دونوں کا ثبات حاصل نہ ہو، جو شخص اپنے مقصد کے حصول کے لئے قلب و قدم کے ثبات کی ہمت نہیں رکھتا وہ کبھی کامیاب و کامران نہیں ہو سکتا، نیز جس کا دل مضبوط اور ثابت نہ ہو، اس کے قدم و اعضاء ثابت نہیں رہ سکتے، اسی لئے ہر قوم کے لوگ اپنے اپنے طریقہ یا اپنی پسند کے موافق ثبات قلب و قدم کا اہتمام کرتے ہیں، آپ نے دیکھا ہو گا کہ بعض لوگ سخت کام کرتے وقت گانا اور میوزک سنتے جاتے ہیں، جس سے انہیں تھکن کا احساس کم ہوتا ہے اور وہ بڑے سے بڑا کام کر گزرتے ہیں، جن مسلمانوں کو قرآن کریم، نعت رسول ﷺ یا علماء کی تقاریر سے شغف ہوتا اور دلچسپی ہوتی ہے، وہ کیٹیں بجاتے رہتے اور اپنا کام کرتے رہتے ہیں، بعض لوگ سفر کے دوران گاڑی چلاتے ہوئے ایسا کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس طرح ان کا کام آسان ہو جاتا اور طویل سفر جلد ختم ہو جاتا ہے، یہ سب ثبات قلب و قدم کے ذرائع ہیں جنہیں اختیار کیا جاتا ہے۔

تمام کاموں میں سب سے دشوار کام دین پر عمل اور دین کی اشاعت و حفاظت کا کام ہے، جس میں کامیاب ہونا بغیر ثبات کے ممکن نہیں، اللہ رب العزت جل مجدہ کا ارشاد ہے:

وَلَوْلَا أَنْ ثَبَّتْنَاكَ لَقَدْ كِدْتَ تَرْكُنُ إِلَيْهِمْ شَيْئًا قَلِيلًا ۝ (الاسراء: ۷۴)

اگر ہم نے آپ کو ثابت قدم نہ رکھا ہوتا تو آپ ضرور مائل ہو جاتے ان کی طرف کچھ نہ کچھ۔

بواسطہ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ کا اہل ایمان پر یہ خصوصی فضل و کرم ہے کہ اس نے انہیں راہ راست پر ثبات

قلب و قدم کی دولت سے نوازا ہے، ورنہ اس راہ پر قائم رہنا بہت دشوار تھا، مزید وضاحت سے فرمایا گیا:

يُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ وَيُفْضِلُ اللَّهُ

(ابراہیم: ۲۷)

الظَّالِمِينَ ۚ وَيَفْعَلُ اللَّهُ مَا يَشَاءُ ۝

ثابت قدم رکھتا ہے اللہ اہل ایمان کو اس پختہ قول (کی برکت) سے دنیوی زندگی میں بھی اور آخرت

میں بھی اور بھٹکا دیتا ہے اللہ زیادتی کرنے والوں کو اور کرتا ہے اللہ جو چاہتا ہے۔

یہ کلمہ طیبہ کی برکت ہے کہ اس سے ثبات قدم نصیب ہوتا ہے کہ ہر حال اور ہر مقام پر اپنے مقصد مقدس کی تکمیل کے لئے جم جانا، مؤمن کی شان ہے اور اللہ اپنے فضل و کرم سے بعد موت بھی مؤمن کو یہ نعمت عطا فرماتا ہے جو اس کی اخروی نجات کا ذریعہ بنتی ہے، جیسا کہ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی ایک روایت ہے کہ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بتایا، ”قبر میں ایک مسلمان سے اس کے رب، اس کے رسول ﷺ اور اس کے دین کے متعلق سوال کیا جاتا ہے، تو وہ جواب میں کہتا ہے، ”اشهد ان لا اله الا الله و اشهد ان محمداً رسول الله“ اور یہی اللہ کا ارشاد ہے، ”يُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَ الْآخِرَةِ۔“

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ معمول تھا کہ جب میت کو دفن کر کے فارغ ہو جاتے تو اس کی قبر کے قریب کھڑے ہوتے اور فرماتے ”اِسْتَغْفِرُوا لِاَخِيْكُمْ ثُمَّ سَلُوْهُ التَّثْبِتَ فَاِنَّهٗ اِلَّا يَسْأَلُ“ اپنے بھائی کے لئے مغفرت طلب کرو اور اس کے لئے ثبات کی دعا کرو کیونکہ اب اس سے سوال کیا جائے گا۔

حضرت سہل بن عمار رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے یزید بن ہارون کو ان کی وفات کے بعد ایک رات خواب میں دیکھا تو ان سے پوچھا کہئے، اللہ نے آپ کے ساتھ کیسا معاملہ کیا، انہوں نے بتایا کہ قبر میں میرے پاس دو بڑے خوفناک فرشتے آئے اور مجھ سے سوال کیا، ”مَا دِيْنُكَ وَمَنْ رَبُّكَ وَمَنْ نَبِيُّكَ“، تیرا دین کیا ہے، تیرا رب کون ہے، تیرا نبی کون ہے، میں نے اپنی داڑھی کو پکڑتے ہوئے حیرت کے ساتھ کہا، ”اَمْثَلِيْ يُقَالُ هٰذَا، وَقَدْ عَلِمْتُ النَّاسَ جَوَابَكُمْا ثَمَانِيْنَ سَنَةً“ کیا مجھ جیسے آدمی سے تم یہ سوال کر رہے ہو جبکہ میں انہی سوالات کے جوابات اسی (۸۰) سال تک لوگوں کو سکھاتا اور پڑھاتا رہا ہوں۔

غرضیکہ اللہ مؤمنین کا ملین کو قبر و حشر کے تمام مراحل میں ثبات کی نعمت سے سرفراز فرماتا ہے اور قبر ان کے لئے دنیا سے بہتر آرام گاہ بن جاتی ہے، اللھم اجعلنا منهم۔

بہر حال ثبات قدم و قلب ایک بڑی نعمت ہے اور دنیوی و دینی مقاصد کی تکمیل کے لئے نہایت اہم، جہاد ایک بڑا ہی مقدس عمل ہے۔ جبکہ نہایت خطرناک بھی ہے، مجاہد اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر میدان جہاد میں آتا ہے، جس کا مقصد ہر حال میں کامیابی حاصل کرنا ہوتا ہے، چاہے کامیابی اس صورت میں ہو کہ دشمن مغلوب ہو جائے، اللہ کا کلمہ بلند رہے، مجاہد غازی بن کر فاتح و کامران ہو کر واپس لوٹے یا یہ کامیابی بایں صورت ہو کہ مجاہد اللہ کے دین کے لئے اپنی جان کی بازی لگا کر شہید ہو جائے اور حیات جاودانی حاصل کر لے، یہ عظیم مقصد اس وقت تک پورا نہیں ہو سکتا جب تک اللہ کا سپاہی پہاڑ کی طرح دشمن کے مقابلے پر نہ جمار ہے، دشمن کی تعداد اور مادی وسائل کی کثرت کا اس کو کوئی خوف نہ ہو، پسماندگان کا کوئی غم نہ ہو، وہ ڈٹا رہے، حتیٰ کہ اس کا مقصد حاصل ہو جائے، لہذا ہدایت کی جاتی ہے۔

اے ایمان والو! جب تمہیں دشمن کے مقابلہ کے لئے میدان میں آنا ہی پڑ جائے تو جم جاؤ، ڈٹ جاؤ حتیٰ کہ تلوار کا فیصلہ تمہارے حق میں ہو جائے، یہی تمہاری شان ہے، اسی میں تمہاری دنیوی عزت اور اخروی نجات ہے۔

ذکر اللہ

قرآن کریم متعدد بار ذکر اللہ کا حکم دیتا ہے اور ہر بار ”ذکراً کثیراً“ فرماتا ہے کہ اللہ کا بکثرت ذکر کرو جبکہ نماز جیسی اہم عبادت کا اگرچہ بار بار حکم دیا گیا لیکن کہیں ”صلوۃ کثیرۃ“ نہ فرمایا گیا، روزوں کا حکم دیا گیا لیکن ”صیاماً کثیراً“ کہیں نہیں فرمایا گیا، مقصود یہ ہے کہ جس طرح اللہ نے تمہیں بے شمار نعمتوں سے نوازا ہے، اسی طرح تم اس کا اتنا ذکر کرتے رہو کہ اس کا شمار نہ ہو سکے، اس کی گنتی نہ ہو سکے، اسی لئے ذکر کا کوئی خاص طریقہ متعین نہیں کیا گیا، بندے سے ذکر مطلوب ہے، چاہے وہ کیسے ہی الفاظ سے کرے، کسی حال میں کرے کہ اس کے لئے نہ وقت کا تعین ہے، نہ حالت کا، نہ وضو کی شرط ہے، نہ کسی مخصوص لباس کی، اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے، سوتے جاگتے اللہ کو یاد کرو کہ جب وہ ہر حال میں تمہیں اپنی نعمتوں سے نوازتا ہے تو تمہیں بھی ہر حال اس کو یاد کرتے رہنا چاہئے۔

اگر غور کیا جائے تو یہ سب سے زیادہ آسان اور سہل عمل اور عبادت ہے کہ بندہ صرف زبان سے ہی نہیں بلکہ اپنے ہر عمل سے اپنے رب کو یاد کر سکتا ہے، صرف احساس ہونا چاہئے، یہ احساس ذکر بھی ذکر بن جاتا ہے، مؤمن کے تمام اعضاء، حتیٰ کہ ذہن اور قلب تک ذکر رب میں مشغول رہتا ہے، اس نے کوئی بھی کام کرنے کا ارادہ کیا اور یہ خیال آیا کہ میں جو کچھ کر رہا ہوں اللہ کی توفیق اور اس کے فضل سے کر رہا ہوں، یہ خیال بھی ذکر ہے، پس اگر غور کیا جائے تو جملہ عبادات، اعمال صالحہ، اطاعت اور احساس اطاعت سب ہی ذکر ہے، پس کوئی مؤمن ذکر الہی سے محروم نہیں ہو سکتا، اگر اسے اپنے مؤمن ہونے کا خیال و احساس ہو۔

یہ ہم ابھی عرض کر چکے ہیں کہ کسی کام کو سہل و آسان بنانے کے لئے اپنے ذوق کے مطابق کوئی عمل کرنا، انسان کی فطرت ہے بعض لوگ کام کرتے ہوئے گننا کرتے ہیں، بعض سیٹی بجاتے ہیں، بعض گانا سنتے ہیں، بعض میوزک سنتے ہیں، اس کو دل بہلانے اور تقویت حاصل کرنے کا نام دیا جاتا ہے لیکن جو مؤمن ہے اس کا دل تو صرف ذکر الہی سے ہی بہلتا ہے، اسی سے تقویت حاصل کرتا ہے، اسی سے اسے طمانیت نصیب ہوتی ہے، جب مؤمن کا دل گھبراتا ہے، تو وہ نماز کی طرف دوڑتا ہے، قرآن کریم کی تلاوت کرنے لگتا ہے دل کو سکون میسر آ جاتا ہے، وہ اپنے کاموں کو سہل و آسان کرنے کے لئے قرآن سنتا ہے، نعمتیں سنتا ہے، علماء کی تقاریر سنتا ہے، وہ گننا کرتا ہے تو آیات قرآنی پڑھتا ہے، اشعار نعت و سلام پڑھتا ہے، درود شریف پڑھتا ہے، قوت و جذبات کا اظہار کرتا ہے تو نعرہ تکبیر، نعرہ رسالت، نعرہ حیدری، نعرہ غوثیہ بلند کرتا ہے یوں اللہ، رسول ﷺ اور اللہ کے نیک بندوں کو یاد کرتا ہے، اس ذکر میں گمن ہو کر وہ بڑے بڑے کام کر گزرتا ہے، نہ اسے وقت کا پتہ چلتا ہے، نہ تکان کا احساس ہوتا ہے کہ اسے قلبی سکون، طمانیت اور تقویت ملتی رہتی ہے، یہی مفہوم ہے اللہ کے ارشاد کا:

الَّذِينَ آمَنُوا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوبُهُمْ بِذِكْرِ اللَّهِ أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ ﴿٢٨﴾

(الرعد: ۲۸)

جو لوگ ایمان لائے اور مطمئن ہوتے ہیں جن کے دل اللہ کے ذکر سے دھیان سے سنو، اللہ کی یاد سے

ہی دل مطمئن ہوتے ہیں۔

اس ذکر ہی سے مؤمنین کا لبین کے قلوب کانپ اٹھتے اور وہ مزید اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کی طرف مائل ہو جاتے ہیں، فرمایا گیا:

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ (انفال: ۲)

صرف وہی سچے ایماندار ہیں کہ جب ذکر کیا جاتا ہے اللہ کا تو کانپ اٹھتے ہیں ان کے دل۔

اس ذکر ہی کی برکت سے بندہ مؤمن کو یہ عظیم مقام نصیب ہوتا ہے کہ اس کا مالک و خالق رب اللہ جل مجدہ بھی اس پر نظر کرم فرماتا ہے، اسے یاد کرتا ہے، اس طرح کہ اس پر اپنے فضل و کرم اور رحمتوں کی بارش مزید برساتا ہے، "فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ" پس مجھے یاد کیا کرو، میں تمہیں یاد کیا کروں گا اور یہی لوگ دنیا و آخرت کے ہر مرحلہ میں کامیاب ہوتے ہیں۔ "قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكَّى وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ فَصَلَّى" بیشک وہی کامیاب ہوا، جس نے اپنے آپ کو پاک کر لیا اور اپنے رب کے نام کا ذکر کرتا اور نماز پڑھتا رہا۔

غرضیکہ ذکر الہی سے قلوب مطمئن ہوتے ہیں، اللہ کی اطاعت کی طرف مزید مائل ہوتے ہیں، اسی سے اللہ کا فضل و کرم نصیب ہوتا ہے اور یہی ذکر کامیابی و کامرانی کا ذریعہ ہے اور اسی سے ثبات قلب و قدم نصیب ہوتا ہے جو حالت جہاد کے لئے نہایت اہم اور ضروری ہے، لہذا فرمایا گیا:

اے ایمان والو! ثابت قدم رہو اور تلواروں کے سایہ، تیروں کی بوچھاڑ کی حالت میں بھی رب کو نہ بھولو بلکہ اللہ کا خوب ذکر کرتے رہو، جس سے تمہاری ڈھارس بندھی رہے گی، طمانیت حاصل ہوگی، دل مزید اللہ کی اطاعت کی طرف مائل ہوں گے، جس سے تمہاری تلواروں میں تیزی آجائے گی، ہماری مدد تمہیں حاصل ہوتی رہے گی اور تم کامیابی و کامرانی کا فیہی مشرودہ سنتے رہو گے۔

## اطاعت

یوں تو ہر حال میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت مؤمن کا شیوہ ہونا چاہئے لیکن میدان جہاد میں اس کا خصوصی لحاظ رکھنے کی ہدایت کی جارہی ہے کہ یہ جان کی بازی لگانے کا وقت ہے، یہاں ذرا سی غلطی، تھوڑی سی حکم عدولی بھی ساری محنت اکارت کر دینے کا سبب بن سکتی ہے، جو قدم تمہارا آگے بڑھے، یہ سوچنے کے بعد بڑھے کہ شریعت اس کی اجازت دیتی ہے یا نہیں، ذاتی دشمنی کا جذبہ پیدا نہ ہونے پائے، دشمن سے کسی پرانے انتقام کا خیال نہ آنے پائے، غصہ کا غلبہ نہ ہونے پائے، ظلم و ستم کی کیفیت پیدا نہ ہونے پائے، دشمن کے ساتھ کوئی ایسی حرکت نہ کرو جو انسانیت کے خلاف ہو، اسی لئے نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دشمن کو مثلہ کرنے، یعنی اس کے ناک، کان وغیرہ کاٹنے سے منع فرمایا، اس موقع پر نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چند ارشادات ملاحظہ ہوں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ "نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن قتل

النِّسَاءِ وَالصِّبْيَانِ“ حضور علیہ السلام نے (دشمن کے) بچوں اور عورتوں کو قتل کرنے کی ممانعت فرمائی، (کہ یہ ظلم ہے، شریعت اس کی اجازت نہیں دیتی) (بخاری و مسلم)

قیس بن عبادہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ”كَانَ أَصْحَابُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَكْرَهُونَ الصَّوْتُ عِنْدَ الْقِتَالِ“ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ جنگ کے دوران شور کرنے کو ناپسند فرماتے تھے، (کیونکہ اس سے ذکر الہی میں فرق آتا اور افراتفری پیدا ہوتی ہے) (بخاری و مسلم)

حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں، کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا ”إِن طَلَقُوا بِسْمِ اللَّهِ وَبِاللَّهِ وَعَلَى مِلَّةِ رَسُولِ اللَّهِ“ چلو اللہ کا نام لے کر، اللہ پر بھروسہ کر کے اور رسول ﷺ کے طریقے پر، ”لَا تَقْتُلُوا شَيْخًا قَانِيًا وَطِفْلًا صَغِيرًا وَلَا امْرَأَةً وَتَغْلُوا وَضَمُّوْا غَنَائِمَكُمْ وَأَصْلِحُوا وَأَحْسِنُوا فَإِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ“ بہت بوڑھے کو قتل نہ کرو، نہ چھوٹے بچے کو قتل کرو اور نہ عورت کو اور خیانت نہ کرنا اور اپنا مال غنیمت جمع کرو، اصلاح کرو اور نیکی کرو، بیشک اللہ نیکی کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے، (حالت جنگ میں، اصلحو اور احسنوا کا حکم نہایت قابل غور ہے)۔ (ابوداؤد)

جہاد، عبادت ہے لہذا دیگر عبادات کی طرح اس کے لئے بھی شرعی احکام و اصول بیان کئے گئے، جن کی پابندی ہی کے لئے ”أَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ“ کی ہدایت جاری فرمائی گئی، نیز حالت جنگ میں بھی عام شرعی احکام کی پابندی کرانا مقصود ہے، مثلاً اوقات نماز میں نماز نہ چھوٹے، فرصت کے اوقات میں دل بہلانے کے بہانے غیر شرعی لہو و لعب مثلاً تاش، جوا، بلا ضرورت شکار وغیرہ سے بچا جائے، موسمی اثرات سے محفوظ رہنے اور صحت کی بحالی و تقویت کے لئے، شراب، خنزیر کے گوشت وغیرہ کو حلال نہ سمجھا جائے، گالی گلوچ اور بدگوئی سے باز رہا جائے، وہ چیزیں مثلاً سامان جنگ وغیرہ جو حکومت کی ملکیت ہیں، ان میں بددیانتی نہ کی جائے، غرضیکہ اصلحو اور احسنوا کا ارشاد جملہ شرعی امور کی پابندی کی ہدایت کر رہا ہے، جو جہاد کے تقدس کو برقرار رکھنے کی لئے نہایت ہی اہم ہے۔

اے ایمان والو! حالت جنگ میں بھی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کی پابندی کا خیال رکھو کہ تم ”حزب اللہ“ اللہ کا لشکر ہو، لہذا تمہیں اس کی مرضی کے مطابق ہی ہر عمل اختیار کرنا چاہئے کہ اسی میں تمہاری کامیابی و کامرانی ہے، جیسا کہ تم سے وعدہ فرمایا گیا ہے، ”وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنْتُمْ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ“ اور نہ کمزور ہو اور نہ غم زدہ اور تم ہی غالب رہو گے اگر تم مؤمن کامل ہو۔  
جھگڑا نہ کرو

دینی و دنیوی امور میں اہل ایمان کا آپس میں جھگڑنا اور فتنہ و فساد پھا کرنا عام حالات میں بھی معیوب اور برا ہے، جس کی قرآن کریم اور ارشادات رسول ﷺ میں واضح ممانعت کی گئی ہے، حالت جنگ میں تو عام حالات کی بہ نسبت اتحاد و اتفاق اور نظم و ضبط کی بہت زیادہ ضرورت ہوتی ہے کہ اس سے دشمن پر رعب و دبدبہ رہتا ہے اور جنگی امور کی انجام دہی سہل و آسان ہوتی ہے، لہذا اہل ایمان کو ہدایت کی جارہی ہے کہ خصوصاً حالت جنگ میں کسی بات پر اختلاف رائے اس انداز پر نہ

ہونے پائے کہ جھگڑے کی صورت اختیار کر لے، جب تم آپس میں جھگڑ بیٹھو گے تو دشمن کا مقابلہ کیا کر سکو گے، ”فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ“ دشمن کی نظروں میں تم کمزور پڑ جاؤ گے، تمہارا رعب و دبدبہ ختم ہو جائے گا۔

تاریخ گواہ ہے کہ اس باہمی اختلاف و نزاع سے امت مسلمہ کو ایک مرتبہ شدید نقصان پہنچ چکا ہے، یہ غزوہ احد کی بات ہے جس کو امام بخاری نے بروایت حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کیا ہے، حضرت براء فرماتے ہیں کہ احد کے دن جب مشرکین سے ہمارا مقابلہ ہوا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تیر اندازوں کا ایک دستہ، حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کی امارت میں پہاڑی پر متعین فرمایا اور انہیں حکم دیا کہ چاہے فتح ہو یا شکست تم کسی صورت میں یہ جگہ نہ چھوڑنا، جب لڑائی شروع ہوئی تو مسلمانوں نے کفار کو بھاگنے پر مجبور کر دیا، ہم نے ان کی عورتوں کو دیکھا کہ وہ پہاڑ میں حواس باختہ ہو کر ادھر ادھر بھاگ رہی ہیں، انہوں نے پانچے اوپر چڑھائے ہوئے ہیں، ان کی پنڈلیاں اور پازیبیں نظر آرہی ہیں، جنگ کی یہ حالت دیکھتے ہی مسلمانوں نے غنیمت، غنیمت کا نعرہ لگانا شروع کر دیا، تیر اندازوں کے دستہ نے بھی اپنی جگہ چھوڑ کر مال غنیمت جمع کرنے والوں میں شامل ہونا چاہا، عبداللہ بن جبیر نے ان سے کہا، ٹھہرو، کیا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تمہیں حکم نہ دیا تھا کہ یہاں سے نہ ہٹنا، لیکن وہ آپس میں جھگڑنے لگے اور اکثر اپنی جگہ چھوڑ کر چلے گئے، دشمن کو ایک اچھا موقع ہاتھ آیا اور کفار نے پہاڑی کے پیچھے سے اوپر آکر حملہ کر دیا، مسلمانوں کے ستر (۷۰) آدمی شہید ہو گئے، حضرت براء فرماتے ہیں کہ ابوسفیان نے اونچی جگہ کھڑے ہو کر پوچھا، کیا تم میں محمد (ﷺ) ہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جواب دینے سے منع فرما دیا، اس نے یہ سوال تین بار دہرایا، پھر اس نے تین بار پوچھا، کیا تم میں ابن ابی قحافہ (حضرت ابوبکر) ہیں، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اب بھی جواب دینے سے روک دیا، پھر وہ تین بار چلایا کیا تم میں عمر ہیں اب بھی جواب کی اجازت نہ ملی، اب ابوسفیان خوشی سے کہنے لگا، یہ تینوں تو قتل ہو گئے، پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ضبط نہ ہو سکا، انہوں نے باواز بلند فرمایا، اواللہ کے دشمن! تو جھوٹا ہے تجھے ذلیل و خوار کرنے کے لئے یہ تینوں زندہ سلامت ہیں، پھر ابوسفیان نے نعرہ لگایا، اعل ہبل۔ اعل ہبل کی جے ہو، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، تم جواب میں کہو، اللہ اعلیٰ واجل، اللہ ہی بلند اور بزرگ ہے، پھر ابوسفیان نے ازراہ تکبر و غرور کہا ”لنا عزی ولا عزی لکم“، ہمارے ساتھ عزتی ہے اور تمہارا کوئی عزتی نہیں، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، تم جواب دو، ”اللہ مولانا ولا مولیٰ لکم“، اللہ ہمارا مددگار ہے اور تمہارا کوئی مددگار نہیں۔

غرضیکہ محض اختلاف کے سبب امت مسلمہ کو اتنا بڑا نقصان اٹھانا پڑا کہ ستر (۷۰) صحابہ کرام شہید ہوئے، نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جسم مبارک زخمی اور دندان مبارک شہید ہوا، قرآن کریم نے برائے عبرت و احتیاط، اس واقعہ کو ہم تک پہنچایا ہے، ان آیات مبارکہ کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

اور بیشک سچ کر دکھایا اللہ نے تم سے اپنا وعدہ (فتح و نصرت کا) جب تم قتل کر رہے تھے کافروں کو اس کے حکم سے، یہاں تک کہ جب تم بزدل ہو گئے اور جھگڑنے لگے (رسول ﷺ کے) حکم کے بارے میں اور (رسول ﷺ کی) تم نے نافرمانی کی، اس کے بعد کہ اللہ نے تمہیں دکھا دیا جو تم پسند کرتے تھے

(دشمن پر غلبہ و فتح) بعض تم میں سے طلب گار ہوئے دنیا کے اور بعض تم میں سے طلب گار ہوئے آخرت کے پھر (اس نزاع کے سبب) پیچھے ہٹا دیا تمہیں ان کے تعاقب سے تاکہ اللہ تمہیں آزمائے اور بیشک اس نے معاف فرمادیا تمہیں، (تاکہ کوئی میرے رسول ﷺ کے صحابہ کو اس جرم میں ملوث قرار نہ دے) اور اللہ بہت فضل و کرم فرمانے والا ہے مومنوں پر، یاد کرو (اس افسوسناک وقت کو) جب تم (میدان جنگ سے) دور بھاگے جا رہے تھے اور مڑ کر دیکھتے بھی نہ تھے، کسی کو اور رسول مكرم ﷺ تمہیں پیچھے سے پکار رہے تھے، پس اللہ نے تمہیں (اپنے محبوب کو غمزدہ کرنے کی سزا کے طور پر) ناکامی کا (غم پہنچایا تاکہ (آئندہ تم محتاط رہو اور) غمزدہ نہ ہو، اس چیز پر جو کھو گئی ہے تم سے اور نہ اس مصیبت پر جو تمہیں پہنچی ہے اور اللہ خبردار ہے اس سے جو تم کرتے ہو۔ (آل عمران: ۱۵۲، ۱۵۳)

ملاحظہ فرمایا آپ نے حالت جنگ میں باہمی اختلاف و نزاع کا انجام، جب صحابہ کرام جیسی مقدس ہستیوں کو اس کا خمیازہ بھگتنا پڑا تو بعد والوں کی کیا حیثیت ہے، جبکہ اللہ نے اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طفیل صحابہ کی معافی کا اعلان کر کے، ان کے دامن کو اس غلطی کے داغ سے پاک و صاف فرمادیا، اب اگر کسی سے ایسی غلطی سرزد ہوتی ہے تو وہ شہید ہونے کے باوجود بھی اس جرم کا مرتکب قرار دیا جاتا رہے گا کہ اس کی غلطی کے باعث امت مسلمہ کو نقصان اٹھانا پڑا، شہادت کا خون بھی اس کے دامن سے اس داغ کو نہ مٹا سکے گا، پس

اے ایمان والو! تم ایسی غلطی نہ کرنا کہ کسی بات پر میدان جنگ میں ہی جھگڑنے لگو، اگر تم نے ایسا کیا تو تمہاری قوت و طاقت ملیا میٹ ہو جائے گی، تم کمزور ہو جاؤ گے، دشمن کے دل سے تمہارا رعب و دبدبہ ختم ہو جائے گا اور متوقع کامیابی و کامرانی، ناکامی و ناکامی میں تبدیل ہو جائے گی۔

صبر کرو

صبر، حقیقتاً ایک دفاعی قوت کا نام ہے، جس سے صابر بڑے بڑے مصائب و آلام کا باسانی مقابلہ کرنے کے قابل ہو جاتا ہے، کیونکہ "إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ" صابریں پر اللہ کا خصوصی فضل و کرم ہوتا ہے، صبر کے ذریعہ وہ اللہ کی حمایت و نصرت کے مستحق قرار پاتے ہیں، یہ دفاعی قوت حالت جنگ میں تمام دفاعی وسائل سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے، بالخصوص باہمی نزاع و اختلاف کی صورت میں کہ جب تک جھگڑا کرنے والے دو گروہوں میں سے کوئی ایک صبر سے کام نہ لے لے اور اپنے مخالف کی بات پر خاموشی اختیار نہ کرے، اس وقت تک کوئی جھگڑا، کبھی ختم ہی نہیں ہو سکتا، یہی صورت حال عام حالات میں ہے۔

ہمیں اور آپ کو بہت سے لوگ ایسے نظر آتے ہیں جو مسلمانوں کے باہمی اختلافات اور جھگڑوں سے نہایت ہی بد دل ہیں اور وہ ہر وقت یہی نعرہ لگاتے رہتے ہیں کہ آپس کے جھگڑے ختم ہونا چاہئیں، یہ حقیقت ہے جو ہر شخص کو تسلیم کرنا چاہئے کہ آپس کے جھگڑے ہماری بربادی کا باعث ہیں، ان کو ختم ہونا چاہئے لیکن اسی کے ساتھ ایک اہم سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ جھگڑا کیسے ختم ہو، کون اپنے موقف سے ہٹے یا اسے چھوڑے، جبکہ ہر کسی کے پاس اپنے موقف کی حقانیت کے دلائل

موجود ہیں، جھگڑا ختم کرنے کے لئے صرف اتنا کافی نہیں کہ قرآنی ارشاد ”وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا“ کی رٹ لگائی جائے کہ اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو اور افتراق پیدا نہ کرو، جبکہ ہر موقف والے کا یہ دعویٰ ہے کہ اس کا موقف یا مسلک اللہ کی رسی ہے اور وہ اسے بالکل مضبوطی سے پکڑے ہوئے وہ ہرگز افتراق کا ذمہ دار نہیں تو صرف اس قرآنی ارشاد کے سنانے اور اس کی تبلیغ سے مقصد حاصل نہیں ہو سکتا، اس کا کوئی دوسرا حل تلاش کیجئے، جس سے اتحاد امت کی دولت میسر آئے، پس اگر غور کیا جائے تو حالت جنگ میں نزاع کی ممانعت کے بعد صبر کی ہدایت پر عمل ہی اس کا حل ہے کہ ہر نزاع اُس وقت ہی ختم ہو سکتا ہے جب جانہین کے اندر جذبہ صبر ہو ان میں سے ہر ایک کے پاس یہ قوت و فاع وافر مقدار میں موجود ہو اور دونوں ہی اس کو استعمال کرنے کے لئے مضطرب و بے چین ہوں، اس کا نتیجہ یہ برآمد ہوگا کہ ہر گروہ اپنے مسلک پر قائم رہتے ہوئے نزاع سے نجات پالے گا کہ نزاع اپنے مسلک پر قائم رہنے سے نہیں بلکہ اپنا مسلک دوسروں سے منوانے کی کوشش کے نتیجے میں پیدا ہوتا ہے، اگر صبر سے کام لیا جائے اور ہر گروہ کو اپنا مسلک بیان کرنے، اس کی تبلیغ کرنے کا حق تسخیر کر لیا جائے، جس کا انداز مثبت ہو، منفی نہ ہو، دوسروں کے امور میں مداخلت نہ ہو، صرف اپنے امور کی اشاعت و تبلیغ ہو تو فرقہ بندی تو باقی رہے گی، جو صورت نزاع نہیں ہاں فرقہ داریت کا خاتمہ ہو سکے گا جو افتراق و انتشار اور نزاع کا دوسرا نام ہے۔

ہم توقع کرتے ہیں کہ ملت و قوم کا درد رکھنے والے، اسے افتراق و انتشار کے مہلک مرض سے نجات دلانے کی کوششیں کرنے والے، ہماری اس تحریر پر خصوصی توجہ دیں گے، ہم امید کرتے ہیں کہ وہ اب ”اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو“ کی تبلیغ کرنے کی بجائے خود اپنے اندر صبر کا جذبہ پیدا کریں گے اور دوسروں کو صبر کی تلقین کریں گے، اس طرح وہ ایک اہم مرحلہ بھی طے کر سکیں گے اور ”وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ“ کے قرآنی ارشاد پر عمل پیرا ہو کر ہر قسم کے خسارے اور نقصان سے محفوظ رہیں گے، اللہ عمل کی توفیق دے۔

اے ایمان والو! تم حالت جہاد میں بھی صبر کا دامن باتھ سے نہ چھوڑنا کہ اس سے ایک طرف تو تم دشمن کو دھکیلنے اور شکست دینے کی قوت حاصل کر سکو گے اور دوسری طرف اس سے تمہارے باہمی اختلاف اور نزاع کا خاتمہ ہوگا جو تمہارے اندر اتحاد و اتفاق کی بقاء اور حفاظت کے لئے ضروری ہے۔

اخلاص:- ایمان کی زینت اور اہل ایمان کا زیور ہے، جس کا مطلب بلا خوف و بلا طمع صرف اللہ کی رضا کے لئے اطاعت کرنا اور احکام کی تعمیل کرنا ہے، اس سلسلے کی چند آیات مبارکہ پر غور کیجئے، ارشاد ہوتا ہے:

إِنَّا أَنزَلْنَاهُ إِلَيْكَ بِالْحَقِّ فَاغْبُذْ إِلَهُ مَخْلُصًا لِلدِّينِ ۖ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ  
(الزمر: ۲-۳)

ہم نے اتاری ہے (اے حبیب ﷺ) آپ کی طرف یہ کتاب حق کے ساتھ پس آپ عبادت کریں اللہ کی خالص کرتے ہوئے اسی کے لئے اطاعت کو، خیر دار ہر صوف اللہ ہی کے لئے ہے خالص اطاعت۔

نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وسیلہ جلیلہ سے ہمیں اخلاص عبادت کا حکم دیا گیا اور یہ بھی واضح کر دیا کہ عبادت



و عبادت کا مستحق صرف اللہ رب العزت جل مجدہ ہی ہے۔

ایک روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کسی نے سوال کیا، یا رسول اللہ ﷺ، ہم شہرت اور ناموری حاصل کرنے کے لئے اپنی دولت خرچ کرتے ہیں کیا ہمیں اس کا اجر ملے گا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، نہیں، پھر اس شخص نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! ہم مال خرچ کرتے ہیں اور ہمارے پیش نظر ثواب اور شہرت دونوں کا حصول ہوتا ہے، کیا اس طرح مال خرچ کرنے پر ہمیں اجر ملے گا، تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، ”أَنَّ اللَّهَ لَا يَقْبَلُ إِلَّا مَنْ أَخْلَصَ لَهُ“ اللہ صرف اس کے عمل کو قبول فرماتا ہے جو صرف اس کی رضا کے لئے کرے، پھر نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مندرجہ بالا آیت مبارکہ تلاوت فرمائی۔

قُلْ إِنِّي أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ اللَّهَ مُخْلِصًا لَهُ الدِّينَ ﴿١١﴾ (الزمر: ۱۱)

فرمادیتے مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ کی عبادت کروں، خالص کرتے ہوئے اس کے لئے اطاعت کو۔  
بواسطہ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہر مومن کو یہی اعلان کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے کہ ”میں صرف اور صرف اللہ ہی کی رضا کے لئے عبادت کرتا ہوں“ پھر ارشاد ہوا:

قُلِ اللَّهُ أَعْبُدْ مُخْلِصًا لَهُ دِينِي ﴿١٢﴾ (الزمر: ۱۲)

فرمادیتے اللہ ہی کی میں عبادت کرتا ہوں خالص کرتے ہوئے اس ہی کے لئے اپنی اطاعت کو۔

منافقین کا مقام ”درک اسفل“ دوزخ کا سب سے نچلا طبقہ ہوگا اور ان کا کوئی مددگار نہ ہوگا لیکن

إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَ أَصْلَحُوا وَ اعْتَصَمُوا بِاللَّهِ وَ أَخْلَصُوا دِينَهُمْ لِلَّهِ فَأُولَٰئِكَ مَعَ

الْمُؤْمِنِينَ ۖ وَ سَوْفَ يُؤْتِيهِمُ اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿١٣﴾ (النساء: ۱۳۶)

مگر وہ لوگ جنہوں نے توبہ کی اور اپنی اصلاح کر لی اور مضبوطی سے پکڑ لیا (اللہ کا دامن رحمت) اور خالص کر لیا اپنا دین اللہ کے لئے تو یہ لوگ ایمان والوں کے ساتھ ہیں اور اللہ عطا فرمائے گا مومنین کو اجر عظیم۔

یہ اہل ایمان کی صفات ہیں جو انہیں اجر عظیم ملنے کا ذریعہ ہیں، سب سے آخر میں اخلاص کا ذکر ہے یعنی توبہ، اصلاح اور اعتصام اخلاص کے ساتھ ہو تو یقیناً اجر عظیم کا باعث ہیں ورنہ نفاق ہے اور منافقین کا ٹھکانہ ”درک اسفل“ ہے۔

بروایت حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ، نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ ارشاد نہایت ہی مشہور ہے کہ آپ نے فرمایا ”إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ“ اعمال کا دار و مدار نیت پر ہے۔ پھر آپ نے اس کی وضاحت بھی فرمائی کہ جس شخص کی ہجرت (ترک وطن) اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا کے لئے ہو تو اسے ضرور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی خوشنودی نصیب ہوگی، (اور اگر اس اہم اور دشوار عبادت میں دنیاوی غرض و غایت شامل ہو تو یہ عبادت، عبادت نہ رہے گی بلکہ دنیا کا فائدہ حاصل کرنے کا ایک ذریعہ ہوگی فرمایا گیا) جس کی ہجرت دنیا کے حصول یا کسی عورت سے شادی کی نیت سے ہو تو اس کی

ہجرت اسی کے لئے ہے جس کی نیت سے اس نے ہجرت کی۔

بہر حال اخلاص اعمال پر اثر انداز ہوتا ہے کہ اس سے وہ کام جو بظاہر دنیوی ہوتے ہیں، عبادت بن جاتے ہیں اور اگر یہ نہ ہو تو وہ کام جو بظاہر عبادت ہوتے ہیں، دنیا کے حصول کا ذریعہ بن کر رہ جاتے ہیں، وہ نماز جو صرف اس لئے پڑھی جائے کہ اس کی وجہ سے لوگ متقی اور پرہیزگار سمجھیں اور اس پر اعتبار کریں، وہ زکوٰۃ جو صرف اپنی سخاوت کے اظہار اور دولت مندی کی نمود کے لئے ادا کی جائے، وہ حج جو صرف حاجی کہلانے اور معاشرے میں عزت حاصل کرنے کے لئے کیا جائے، ڈھکوسلا اور فریب تو ہو سکتے ہیں لیکن عبادت نہیں جبکہ خلوص کے ساتھ ایک کتے یا بلی کو پانی پلا دینا بھی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا کا باعث اور نجات کا ذریعہ ہو سکتا ہے۔

جہاد ایک عظیم عبادت ہے، اگر اس کا مقصد انتقام ہو، مال غنیمت کا حصول ہو، حدود سلطنت کی توسیع ہو، قوت و طاقت کا مظاہرہ ہو تو اس سے یہ فوائد تو حاصل ہو سکتے ہیں لیکن میدان جہاد میں کام آجانے والے سپاہی نہ تو شہادت کا بلند مرتبہ پا سکتے ہیں اور نہ زندہ واپس آنے والے غازی اور مجاہد کا بلند مرتبہ حاصل کر سکتے ہیں اور نہ ہی اس سے وہ برکات وہ عظمت و عزت نصیب ہو سکتی ہے جو جہاد خالص کا دینی و دنیوی ثمرہ ہے، لہذا ہدایت کی جاتی ہے کہ

اے ایمان والو! جب تم جہاد کے میدان کی طرف بڑھو تو کفار کی طرح اتراتے، قوت و طاقت کا مظاہرہ کرتے ہوئے نہ بڑھو بلکہ تمہاری حالت یہ ہونا چاہئے کہ تمہارے دل ایمان کی حرارت سے دھڑک رہے ہوں، تمہاری گردنیں جھکی ہوئی، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کا اعلان کر رہی ہوں، تمہاری زبانیں حمد و ثناء میں مصروف ہوں، اس طرح بڑھو گے تو اللہ کے فرشتے بھی تم پر ناز کریں گے اور اللہ کی رحمت، اس کا فضل و کرم تمہارے ارد گرد ہوگا، غیب کا منادی تمہاری فتح و نصرت کا مژدہ سنارہا ہوگا، آج کے بعد تم میں سے جو گردنیں کٹا کر دنیا سے رخصت ہوں گے وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے زندہ ہوں گے، اب انہیں کبھی موت نہ آئے گی، وہ بلا حساب جنت کے اعلیٰ مقام کے مستحق قرار پائیں گے اور جو زندہ لوٹیں گے وہ معاشرے میں با عزت ہوں گے، حکومت اسلامیہ ان کی کفیل ہوگی، فاتحین اور صالحین میں ان کا شمار ہوگا۔

رابط و تعلق

ثبات، ذکر اللہ، اطاعت، باہمی نزاع سے بچنا، صبر، اخلاص یہ ہیں وہ امور جن کے اختیار کرنے کی مجاہدین کو ہدایت کی گئی، آپ نے ان کی تفصیل پڑھی، اگر آپ غور فرمائیں تو بآسانی یہ نکتہ سمجھ میں آسکے گا کہ یہ امور علیحدہ علیحدہ نہیں بلکہ ان میں ایک ربط ہے، تعلق ہے کہ دوسری کے بغیر پہلی خوبی اور تیسری کے بغیر دوسری خوبی حاصل نہیں ہو سکتی کہ ثبات اسی وقت نصیب ہوگا جب مجاہد اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ذکر میں مست ہوگا کہ وہ جس کی رضا اور خوشنودی کے لئے اتنا اہم اقدام کر رہا ہے، اگر وہی اسے یاد نہیں تو اسے کس طرح قلب و قدم کا ثبات نصیب ہو سکتا ہے اور ذکر اللہ، اللہ کی یاد جب ہی ہو گی جب بندے کے ذہن و قلب میں اطاعت کا جذبہ ہو اور وہ یہ یقین کرتا ہو کہ میں جان کی بازی لگانے کے لئے اپنی مرضی سے آگے نہیں بڑھ رہا بلکہ یہ اللہ کا حکم ہے، اس کے رسول ﷺ کا حکم ہے جو مجھے اس طرف لے جا رہا ہے لہذا میں اللہ اور

رسول ﷺ پر ہی بھروسہ کر کے آگے بڑھتا ہوں، اطاعت و فرمانبرداری کا یہ جذبہ اسی وقت پیدا ہو سکتا ہے جب اللہ کے ان سپاہیوں میں باہمی نزاع، انتشار، افتراق اور منافرت نہ ہو کہ جو ان مہلک امراض کا شکار ہوں وہ میدان جہاد کی طرف بڑھنا تو درکنار کسی بھی موقع پر اطاعت و فرمانبرداری نہیں کر سکتے، نہ صرف اتنا کہ وہ بندوں کی حق تلفی کر کے اللہ سے بغاوت کرتے ہیں بلکہ ان کی تو نمازیں، روزے تک ایک تماشہ بن جاتے ہیں اور جیسا کہ ہم عرض کر چکے کہ نزاع سے نجات اس وقت تک ممکن نہیں جب تک اہل ایمان صبر کے عادی نہ ہوں، صبر کرنے والے ہی باسانی اپنے جھگڑوں اور اختلافات کو دور کر سکتے اور اپنی صفوں کو متحد و منظم رکھ سکتے ہیں، یہ صبر انہی کو نصیب ہوگا جو اخلاص کی دولت سے مالا مال ہوں گے کہ جو شخص اپنی ذاتی عزت و شہرت، سیاسی یا معاشی فائدے کے لئے اللہ کے لشکر میں شامل ہوا ہے، اسے تو صرف اپنے مقصد کے حصول کی فکر ہوتی ہے، وہ کیوں مسلمانوں کے لئے ایثار و قربانی کا بکرا بننے لگے گا، اسے کیا پروا کہ امت متحد ہونے سے باعزت و باوقار ہوتی ہے، یا افتراق میں مبتلا ہو کر ذلیل و خوار، وہ تو پوری امت کو بھی قربان کر کے اپنا مقصد پورا کرنے پر آمادہ رہتا ہے۔

بہر حال مذکورہ بالا امور اور صفات اہل ایمان کا شعار ہیں، ان کا زیور ہیں، جن سے ان کی زینت ہے، عزت ہے، عظمت ہے، بالخصوص حالت جہاد اور میدان جہاد میں مجاہد کی یہ خوبیاں ہی اس پر اللہ کی رحمتوں کے نزول کا سبب اور اس کی حمایت و نصرت کے حصول کا ذریعہ ہیں، ایسے ہی مجاہدین کے لئے فتح و کامرانی کا وعدہ کیا گیا۔

جنگ یرموک کے موقع پر حضرت خالد سیف اللہ کا ایک انداز ملاحظہ ہو، ”کسی مجاہد نے رومیوں کے لشکر پر نظر ڈالتے ہوئے صرف اتنا کہا کہ ارے رومی تو بہت ہیں اور مسلمانوں کی تعداد کم ہے، حضرت سیف اللہ بولے نہیں، رومی کم ہیں اور مسلمان بہت زیادہ ہیں، پھر آپ فرماتے ہیں یاد رکھو فوجیں اللہ کی مدد سے زیادہ ہوتی ہیں اور بزدلی کی وجہ سے کم ہوتی ہیں، فتح و شکست کا دار و مدار آدمیوں کی کثرت و قلت پر نہیں، اللہ کی حمایت و نصرت پر ہے، پھر فرمایا کاش آج میرے گھوڑے اشتر کا پاؤں نیچک ہوتا تو تم دیکھتے کہ کون زیادہ اور کون کم ہے۔

ایک اور موقع پر خطبہ دیتے ہوئے آپ فرماتے ہیں، ”آج کا دن اللہ کے اہم ترین دنوں میں سے ہے، آج کسی کے لئے فخر و مہابات اور خود رانی و خود ستائی مناسب نہیں، جہاد خالص اللہ کے لئے کرو اور اپنے ہر عمل کو اللہ کی خوشنودی کا ذریعہ بناؤ۔“ محمد بن قاسم نے راجہ داتر کی فوج سے ایک فیصلہ کن جنگ لڑنے کا ارادہ کیا تو پہلے اپنے لشکر کو خطبہ دیا اور کہا، ”اے اللہ اور رسول ﷺ کے سپاہیو! آج تمہاری شجاعت، تمہارے ایثار اور تمہارے ایمان کے امتحان کا دن ہے، دیکھو دشمن کی تعداد سے نہ ٹھہرا، تاریخ شاید ہے کہ کفر و ایمان کے تمام نژادیں معرکوں میں باطل کے علمبردار، حق پرستوں کے مقابلے زیادہ تھے اور حق پرستوں نے ہمیشہ یہ ثابت کیا کہ فوج کی طاقت کا راز، افراد کی تعداد میں نہیں بلکہ ایمان کی پختگی اور ان کے مقاصد و بندگی میں ہے، ہماری جنگ کسی قوم کے خلاف نہیں، کسی ملک کے خلاف نہیں بلکہ دنیا کے ان تمام سرکش انسانوں کے خلاف ہے جو اللہ کی زمین پر فساد پھیلاتے ہیں، ہم روئے زمین پر اپنی حکومت نہیں بلکہ اللہ کی حکومت چاہتے ہیں، ہم اپنی سلامتی اور اپنے ساتھ دنیا کے تمام انسانوں کی سلامتی کے خواہاں ہیں، اللہ کی زمین پر سلامتی کا ذریعہ صرف اسلام ہے، یہ وہ

دین ہے جو دنیا سے آقا اور غلام، گورے اور کالے، عربی اور عجمی کا فرق مٹاتا ہے، ہمارا مقصد صرف اس دین کی بقاء اور فتح ہے اور اس مقصد کے لئے جینا اور مرنا، دنیا کی سب سے بڑی سعادت ہے، ہمارے آباؤ اجداد اس مقصد کے لئے لڑے، اللہ نے منہی بھر جماعت کے سامنے دنیا کے بڑے بڑے جابر اور ظالم شہنشاہوں کی گردنیں خم کر دیں۔ تمہیں اپنے مقدر پر فخر کرنا چاہئے کہ اللہ نے اپنے دین کی اشاعت و حفاظت کے لئے تمہیں منتخب کر لیا ہے، وہ وقت یاد کرو جب اللہ نے اپنے تین سو تیرہ بے سرو سامان بندوں کو بہترین ہتھیاروں سے لیس لشکر پر فتح دی، قادسیہ، یرموک اور اجنادین کے میدانوں میں حق کی ایک تلوار کے مقابلے میں باطل کی دس اور بعض اوقات اس سے بھی زیادہ تلواریں بے نیام ہوئیں، لیکن اللہ نے ہمیشہ حق پرستوں کو فتح دی، اللہ آج بھی تمہاری مدد کرے گا۔ لیکن یاد رکھو قدرت کے فیصلے اٹل ہیں، قدرت صرف ان کی مدد کرتی ہے جو آپ اپنی مدد کرتے ہیں، ہم اپنے فرائض اور ذمہ داریوں سے عہدہ برآں ہوئے بغیر اللہ کے انعامات کے مستحق نہیں ہو سکتے، قدرت کا دست شفقت صرف ان کی طرف بڑھتا ہے جو تیروں کی بارش میں سینہ سپر ہوتے ہیں، جو خندقوں کو اپنی لاشوں سے پاٹ دیتے ہیں، یاد رکھو بنی اسرائیل بھی اللہ کے لادے لے گئے۔ لیکن جب وہ راہ حق میں جہاد کی ذمہ داری اللہ اور اس کے پیغمبر کو سونپ کر آرام کی نیند سو گئے تو اللہ نے انہیں ذلیل و خوار کر دیا اور آج اس زمین پر کہیں ان کے لئے پناہ نہیں، جس پر کسی زمانہ میں ان کے اقبال کے پرچم لہرایا کرتے تھے۔ اللہ وہ دن نہ لائے کہ تم بھی بنی اسرائیل کی طرح اپنی کتاب زندگی سے جہاد کا باب خارج کر دو، دوستو! تم جانتے ہو کہ اس دنیا میں کسی کو اتنا نہ ستایا گیا جتنا کفار مکہ نے پیغمبر اسلام ﷺ کو ستایا، ظلم کے ترکش میں کوئی ایسا تیر نہ تھا جس سے ان کے جسم مبارک کو مجروح کرنے کی کوشش نہ کی گئی ہو، کیا رحمتہ العالمین ﷺ کی آنکھوں کے سامنے، ان کے جان نثاروں کے سینوں پر پتے ہوئے پتھر نہ رکھے گئے اور جب آپ ﷺ نے ہجرت کی تو بھی ظالموں نے آپ ﷺ کا پیچھا نہ چھوڑا اور مدینہ کے غزوات میں آپ ﷺ کے کتنے ساتھی شہید ہوئے لیکن فتح مکہ کے بعد اپنے دشمنوں کے ساتھ جو سلوک نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کیا اس کی مثال دنیا کی تاریخ میں نہیں ملتی اور یہ اسی نیک سلوک کا نتیجہ تھا کہ آپ ﷺ کے بدترین دشمن آپ ﷺ کے بہترین ساتھی بن گئے۔

اس تقریر کے بعد محمد بن قاسم کے ہاتھ اللہ کے دربار میں دعا کے لئے اٹھتے ہیں اور وہ آواز اری کرتے ہوئے عرض کرتا ہے اے میرا اور جزا کے مالک! ہم تیرے دین کی فتح چاہتے ہیں، ہمیں اسلاف کا جذبہ عطا کر۔ رب العالمین! حشر کے دن ہماری ماؤں کو شرمسار نہ کرنا، ہمیں غازیوں کی زندگی اور شہیدوں کی موت عطا کر۔ (ماخوذ از محمد بن قاسم، نسیم حجازی)

اس تقریر کو بار بار پڑھئے اور غور کیجئے تو آپ ایک مجاہد اسلام میں وہ تمام خوبیاں پائیں گے جن کی اہل ایمان کو ہدایت کی گئی تاریخ گواہ ہے کہ جن مجاہدین اسلام نے ان خوبیوں کو اپنایا کامیابی و کامرانی ان کی قدم بوس ہوئی، دین محفوظ رہا اور ہمیں اس کا وارث و امین ہونے کا شرف حاصل ہوا، یہ انہی مجاہدین کا صدقہ ہے کہ آج تک امت مسلمہ کا سر بلند ہے، اس کے سامنے کفر لرزہ ویرانہ نام ہے لیکن آہ، ماضی کے اس ورثہ کو ہمارے کردار کے باعث دن بدن گھٹن کھائے جا رہا ہے، ہم میں نہ وہ ایمان کی قوت رہی، نہ ثبات قلب و قدم رہا، نہ ہماری زبانوں پر اللہ کا ذکر رہا، نہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کا

جذبہ رہا، نہ ہم باہمی نزاع و انتشار سے محفوظ رہے، نہ صبر کی جرأت رہی اور نہ ہی ہمارے اعمال میں اخلاص کی مہک باقی رہی، نتیجہ ظاہر ہے کہ اب ہم سے کوئی نہیں لرزتا، ہم ہی سب سے ڈرتے ہیں، اب ہماری کوئی عزت نہیں کرتا، ہم ہی سب کو اپنے سر پر بٹھاتے ہیں، اب ہم سے کوئی مرعوب نہیں، ہم ہی سب سے خوف زدہ ہیں، کس سے شکوہ کریں، کس کو حال زار سنائیں، بس، ”إِنَّمَا أَشْكُو بَثِّي وَحُزْنِي إِلَى اللَّهِ“ اپنی مصیبت اور دکھوں کا شکوہ اللہ ہی کی بارگاہ میں کرتے ہیں اور اسی سے دست بدعا ہیں کہ اے اللہ ہمارے حال یرحم فرما، واجعلنا من المؤمنين الكاملين المخلصين۔

وَصَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَى خَيْرِ خَلْقِهِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

## ”سورة التوبة“

آیات نمبر	مقالہ نمبر
27 تا 23	51
29 تا 28	52
37 تا 34	53
41 تا 38	54
119	55
123	56

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ



## مقالہ ۵۱

### التوبہ: ۲۳ تا ۲۷

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا آبَاءَكُمْ وَإِخْوَانَكُمْ أَوْلِيَاءَ إِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى  
 الْإِيمَانِ ۚ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ۝ قُلْ إِن كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ  
 وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ  
 كَسَادَهَا وَمَسْكِنٌ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ  
 فَتَرَبَّصُوا حَتَّى يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرٍ ۚ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ۝ لَقَدْ نَصَرَكُمُ  
 اللَّهُ فِي مَوَاطِنَ كَثِيرَةٍ ۚ وَيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَ  
 ضَاقَتْ عَلَيْكُمْ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُدْبِرِينَ ۝ ثُمَّ أَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ  
 عَلَى رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَأَنْزَلَ جُنُودًا لَمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِينَ كَفَرُوا ۚ وَ  
 ذَٰلِكَ جَزَاءُ الْكَافِرِينَ ۝ ثُمَّ يَتُوبُ اللَّهُ مِنْ بَعْدِ ذَٰلِكَ عَلَى مَنْ يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ

تَرْحِيمُ

(توبہ: ۲۳ تا ۲۷)

اے ایمان والو! نہ بناؤ اپنے باپوں اور اپنے بھائیوں کو ولی دوست، اگر وہ پسند کریں کفر کو ایمان پر اور جو دوست بناتا ہے انہیں تم میں سے تو وہی لوگ ظلم کرنے والے ہیں (اے حبیب ﷺ) آپ فرما دیجئے اگر ہیں تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارا کنبہ اور وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور وہ کاروبار اندیشہ کرتے ہو جس کے مندے کا اور وہ مکانات جن کو تم پسند کرتے ہو زیادہ پیارے ہیں تمہیں اللہ تعالیٰ سے اور اس کے رسول ﷺ سے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے تو انتظار کرو یہاں تک کہ لے آئے اللہ تعالیٰ اپنا حکم اور اللہ ہدایت نہیں دیتا اس قوم کو جو نافرمان ہے، بیشک مدد فرمائی تمہاری اللہ نے بہت سے جنگی میدانوں میں اور حنین کے روز بھی جبکہ گھمنڈ میں ڈال دیا تھا تمہیں تمہاری کثرت نے، پس نہ فائدہ دیا تمہیں (اس کثرت نے) کچھ بھی اور تنگ ہو گئی تم پر زمین باوجود اپنی وسعت کے، پھر تم مڑے پیٹھ پھیرتے ہوئے پھر نازل فرمائی اللہ نے اپنی (خاص) تسکین، اپنے رسول ﷺ پر اور اہل ایمان پر اور اتارے وہ لشکر جنہیں تم نہ دیکھ سکے اور عذاب دیا کافروں کو اور یہی سزا ہے کافروں کی، پھر رحمت سے توجہ فرمائے گا اللہ اس کے بعد جس پر چاہے گا اور اللہ تعالیٰ غفور و رحیم ہے۔

قرآن کریم اور صاحب قرآن ﷺ کی تعلیمات و احکام سے یہ حقیقت واضح ہے کہ اسلام سے زیادہ دنیا کے کسی دین نے والدین اور اعزاء و اقارب سے تعلق رکھنے، ان کی خدمت کرنے، ان کے حقوق ادا کرنے کی تاکید نہیں کی۔ لیکن یہ بات بھی واضح ہے کہ مؤمن کا رشتہ کسی سے صرف خون کی بنیاد پر نہیں ہوتا بلکہ اس کی اصل بنیاد اسلام ہے۔ ماں، باپ، بہن بھائی، دیگر اعزاء و اقارب سب اپنے ہیں اگر وہ رشتہ اسلام سے جڑے ہوئے ہیں اور سب غیر ہیں اگر وہ اسلام سے منقطع اور دور ہیں لہذا ہدایت کی جاتی ہے کہ

اے ایمان والو! تمہارے رشتوں کی بنیاد چونکہ اسلام ہے لہذا تم میں سے کسی کا باپ یا بھائی جو باعتبار رشتہ قریب ترین ہے اگر کافر ہو تو اسے بھی چھوڑ دو، اس کو ولی اور دوست نہ بناؤ۔ اگر تم نے اس حکم کی تعمیل نہ کی اور کافر باپ بھائی کو اپنا ولی بنائے رہے، تو تم ظالم قرار پاؤ گے، جس کا انجام دنیا میں ذلت و خواری ہوگا اور آخرت میں اللہ کا عذاب۔

صلہ رحمی

صلہ رحمی یعنی رشتوں کا قائم رکھنا اس طرح کہ رشتہ داروں سے میل جل رکھا جائے، ان کے حقوق ادا کئے جائیں بالخصوص والدین کے ساتھ اچھا برتاؤ، ان کا احترام ان کی خدمت، یہ وہ امور ہیں جن کی اسلام بے حد تاکید کرتا ہے، اس سلسلے میں قرآنی آیات اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشادات موجود ہیں، تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو، ہماری کتاب ”اچھا برتاؤ“ لیکن شرک و کفر ایسا عظیم ظلم ہے جو سارے رشتوں کو منقطع کر دیتا ہے اور بہت سے باہمی حقوق سے محروم کر دیتا ہے، اسی



لئے کفار والدین، بھائیوں اور دیگر اعزاء سے ”ولایت“ کی قرآن کریم ممانعت کرتا ہے، یعنی ایسی حالت میں ان سے قطع تعلق کر لیا جائے گا، جب وہ اپنے کفر کو مؤمن کے ایمان پر ترجیح دیتے ہوں اور یہ چاہتے ہوں کہ مؤمن ان سے تعلقات کے باعث اپنے ایمانی تقاضوں کو چھوڑ دے، یا ان ذمہ داریوں کو پورا نہ کرے جو بحیثیت مؤمن اس پر عائد ہو چکی ہیں، مثلاً وہ نماز، روزہ، جہاد، ہجرت وغیرہ سے روکنے کی کوشش کریں، ایسی صورت میں تو اہل ایمان پر ان اعزاء سے تعلقات منقطع کر لینا قطعاً واجب ہے۔ ہاں اگر والدین اور دیگر اعزاء نے اپنے کفر کے باوجود مؤمن کی حیثیت کو تسلیم کر لیا ہو، وہ اس کے ایمان لے آنے کے باوجود بھی اس سے رشتہ منقطع نہ کرنا چاہتے ہوں اور نہ اس کے مذہبی معاملات میں مداخلت کرتے ہوں تو اس صورت میں ان سے تعلق باقی رکھنے اور ان کے دنیاوی حقوق ادا کرنے کی اجازت ہے، یعنی ان سے اچھے اخلاق کے ساتھ ملا جائے، بالخصوص والدین کی خدمت اور ان کا احترام کیا جائے لیکن پھر بھی انہیں اپنا نہ سمجھا جائے، بایں معنی کہ ان پر اعتماد کرتے ہوئے انہیں اپنے رازوں سے آگاہ کر دیا جائے، اپنے دنیوی معاملات کا انہیں مختار کل بنا دیا جائے کہ کفر ایک ایسا فریب ہے جو کافر کو مؤمن کے ساتھ کسی وقت بھی فریب پر آمادہ کر دیتا ہے، لہذا کافر چاہے باپ، بھائی ہی کیوں نہ ہو، قابل اعتبار نہیں، پس ان سے ضروری تعلقات رکھے جائیں، ان پر اعتبار و اعتماد نہ کیا جائے، انہیں اپنا مشیر نہ بنایا جائے۔

یہ ایک نہایت ہی احتیاطی حکم ہے جو اللہ اہل ایمان کو کفار کے مکر و فریب سے محفوظ رہنے کے لئے دیتا ہے، یہ مؤمنین پر اس کا کرم ہے کہ اس نے کسی نقصان میں مبتلا ہونے سے محفوظ رکھنے کے لئے انہیں سبب نقصان اور وجہ نقصان سے آگاہ کر دیا اور اس سے بچنے کی ہدایت فرمائی، تاکہ نقصان میں مبتلا ہونے کے بعد پچھتا نا نہ پڑے۔

ایمان پر کفر کو پسند کرنا

ایمان پر کفر کو پسند کرنے کی ایک صورت تو واضح ہے کہ پسند کرنے والا کافر ہو۔ ظاہر ہے کہ کافر بھی نہ مؤمن کو پسند کرے گا اور نہ اس کے ایمان کو۔ لیکن خطرناک ترین صورت یہ ہے کہ دعویٰ ایمان کے ساتھ العیاذ باللہ کوئی شخص کفر کو پسند کرے، چاہے وہ کفر یہ عقائد کو پسند کرے، یا کافروں کے اعمال کو پسند کرے، زبانی طور پر پسند کرے کہ ان کی تعریفیں کرتا رہے یا عملی طور پر پسند کرے کہ وہ مسلمانوں کو چھوڑ کر کفار کے ساتھ اٹھنا، بیٹھنا، رہنا، سہنا، پسند کرتا ہو، حلال و حرام کا امتیاز کئے بغیر کفار کی طرح وہ کھاتا پیتا ہو، انہی کے لباس اور انہی کی تہذیب کو اپنائے ہوئے ہو، یا وہ علی الاعلان اسلامی احکام اور مسلمانوں کی تہذیب و تمدن کا مذاق اڑاتا ہو، اگر ایسا شخص اپنے کسی عقیدہ یا عمل سے کفر کی حد تک پہنچ چکا ہے تب تو وہ مرتد ہو گیا اور اس کے ساتھ وہ سلوک کیا جائے گا جس کا شریعت مطہرہ نے حکم دیا ہے۔ لیکن اگر اسے علماء دین نے مرتد قرار نہیں دیا اور وہ صرف فاسق و فاجر، بد عمل، بد کردار، بد عقیدہ قرار دیا گیا ہے، تب بھی شریعت مطہرہ اس سے علیحدہ رہنے کا حکم دیتی ہے، مسلمانوں کو چاہئے کہ ایسے شخص کی اولاً تو اصلاح کی کوشش کریں اور اگر اس کی اصلاح کی توقع نہ ہو تو اس کا مکمل بائیکاٹ کریں تاکہ اس کے گندے جراثیم مزید نہ پھیلنے پائیں اور دوسرے لوگ اس کے شر سے محفوظ رہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ أَنْ إِذَا سَمِعْتُمْ آيَاتَ اللَّهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَأُ بِهَا فَلَا

تَقْعُدُوا مَعَهُمْ حَتَّىٰ يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ ۚ إِنَّكُمْ إِذَا مِثْلَهُمْ (النساء: ۱۳۰)  
اور تحقیق اتارا ہے اللہ نے تم پر (یہ حکم) کتاب میں کہ جب تم سنو اللہ کی آیتوں کو کہ انکار کیا جا رہا ہے ان  
کا اور مذاق اڑایا جا رہا ہے ان کا تو مت بیٹھو (ایسی مجلس میں) حتیٰ کہ وہ مشغول ہو جائیں کسی دوسری  
بات میں، ورنہ تم بھی انہی کی طرح ہو گے۔

وَإِذَا سَأَلَ الَّذِينَ يَخُوضُونَ فِي آيَاتِنَا فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتَّىٰ يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ  
غَيْرِهِ ۚ وَإِمَّا يُنسِيَنَّكَ الشَّيْطَانُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرِ مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿١٣١﴾  
(انعام: ۶۸)

اور جب دیکھو تم انہیں کہ وہ بیہودہ بحثیں کر رہے ہیں ہماری آیتوں میں تو منہ پھیر لو ان سے، یہاں تک  
کہ وہ کسی اور بات میں مشغول ہو جائیں اور اگر بھلا دے تمہیں شیطان تو مت بیٹھو یاد آنے کے بعد  
ظالم قوم کے پاس۔

وَلَا تَرْكَبُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا فَمَا تَسْكُمُ النَّارُ وَمَالُكُمْ قَبْلَ دُونِ اللَّهِ مِنْ أَوْلِيَاءَ ثُمَّ لَا  
تُنصَرُونَ ﴿١٣٢﴾  
(ہود: ۱۱۳)

اور مت جھکو ان کی طرف جنہوں نے ظلم کیا ورنہ چھوئے گی تمہیں بھی آگ اور (اس وقت) نہیں ہوگا  
تمہارے لئے اللہ کے سوا کوئی مددگار پھر تمہاری مدد بھی نہیں کی جائے گی۔

ان آیات میں واضح ہدایت موجود ہے کہ بد عمل اور بد عقیدہ لوگوں اور ان کی محافل و مجالس سے دور رہو اگر تم اس  
ہدایت پر عمل نہیں کرو گے تو ”إِنَّكُمْ إِذَا مِثْلَهُمْ“ تم بھی انہی کی طرح ہو جاؤ گے۔ یہ جملہ نہایت اہم ہے، دلدل میں پھنسنے  
سے پہلے دلدل کا پتہ بتایا جا رہا ہے، گمراہی سے بچانے کے لئے گمراہی کی طرف جانے سے روکا جا رہا ہے۔ گویا بد عقیدہ  
وگستاخ لوگوں کی محفلوں سے اس لئے روکا جا رہا ہے کہ کہیں تم بد عقیدہ اور گستاخ نہ ہو جاؤ، ماڈرن سوسائٹی سے دور رہنے کی  
اس لئے ہدایت کی جا رہی ہے کہ کہیں تم بھی اپنی اسلامی تہذیب سے نفرت نہ کرنے لگو، ناچ گانوں کی محافل میں شرکت،  
کلبوں، قمار خانوں، شراب خانوں میں جانے سے اس لئے روکا جا رہا ہے کہ کہیں تم بھی ان بد عملیوں کا شکار نہ ہو جاؤ کہ  
بد عقیدگی و بد عملی کی بیماری اڑ کر لگتی ہے، ایسے مریضوں کے قریب جانا اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالتا ہے۔ یہ سب جہنمی ہیں، ان  
کے ساتھ رہو گے تو ”فَتَمْسُكُمُ النَّارُ“ تم بھی جہنمی بن جاؤ گے، مزید وضاحت کے لئے درج ذیل احادیث پر غور فرمائیے۔  
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ آخر زمانہ میں (جو ہمارا زمانہ ہے)  
دجال اور کذاب (بد عقیدہ لوگ) ہوں گے جو تم سے ایسی احادیث بیان کریں گے جو (اس سے پہلے) تم نے نہ سنی ہوں گی،  
نہ تمہارے باپ دادا نے، ”فَاِيَاكُمْ وَاِيَاهُمْ لَا يَصْلُوْنَكُمْ وَلَا يَفْتَنُوْنَكُمْ“ تو تم ان سے دور رہو اور وہ تم سے دور رہیں  
تا کہ وہ تمہیں گمراہ نہ کر سکیں اور تمہیں فتنہ میں نہ ڈال سکیں۔  
(مسلم)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، تقدیر الہی کا انکار کرنے والے اس امت کے مجوس ہیں، ”اِنْ مَرَضُوا فَلَا تُعَوِّذُوهُمْ وَاِنْ مَاتُوا فَلَا تَشْهَدُوهُمْ وَاِنْ لَقِيتُمُوهُمْ فَلَا تَسْلَمُوا عَلَيْهِمْ“ اگر وہ بیمار ہوں تو ان کی عیادت نہ کرو، اگر مر جائیں تو ان کے جنازوں میں شریک نہ ہو، اگر تمہاری ان سے ملاقات ہو تو ان کو سلام نہ کرو۔ (ابن ماجہ)

جو آقا ﷺ سارے جہان کے لئے رحمت ہیں، جن کی تعلیمات و عمل سے دعوت محبت و الفت ملتی ہے، بدعتیہ لوگوں کے لئے ان کے ارشاد کے انداز اور ان کی ہدایت پر غور کیجئے۔ کس قدر سختی ہے، صرف اس لئے کہ آپ ﷺ ہرگز پسند نہیں فرماتے کہ کوئی غلام بدعتیہ کی مہلک مرض میں مبتلا ہو کر عذاب الہی میں گرفتار ہو، یہ کرم ہے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا غلاموں پر کہ آپ ﷺ نے بدعتیہ کی فتنہ سے ہمیں آگاہ فرمایا اور بدعتیہ لوگوں سے دور رہنے کی تاکید کی۔ ان تمام لوگوں کا بھی یہی حکم ہے جو قرآن و سنت کے خلاف عقائد باطلہ رکھتے ہیں اور ہمارے دور کی پیداوار ہیں، ان سے دور رہنے، ان کی محافل کے قریب بھی نہ جائیے، ورنہ خوف ہے ان کے فتنہ میں مبتلا ہو جانے کا۔

ایک اور حدیث ملاحظہ فرمائیے، اس کے راوی بھی حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ ہیں، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں، ”مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَا يَجْلِسُ عَلَى مَائِدَةٍ يُدَارُ عَلَيْهِمُ الْخَمْرُ“ جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے، وہ ایسے دسترخوان پر نہ بیٹھے جس پر شراب کا دور چل رہا ہو۔ (ترمذی)

موجودہ اصطلاح کے مطابق اس ارشاد کو یوں سمجھ لیجئے کہ ان دکانوں، ان کلبوں میں جانے اور ان محافل میں شریک ہونے کی ممانعت کی جا رہی ہے جہاں شراب کے جام چھلکتے ہیں، اس واضح ہدایت کے بعد یہ کہنا کس قدر حماقت ہے کہ ہم کلب میں جاتے ہیں لیکن شراب نہیں چائے پیتے ہیں، ہم محافل میں جاتے ہیں لیکن شراب نہیں دیگر مشروبات پیتے ہیں، بات پینے کی نہیں ہو رہی، بات شرابیوں سے دور رہنے، ان کی صحبت تک سے بچنے کی ہو رہی ہے، پینا تو ہے ہی حرام، یہاں صحبت سے بچنے کی ہدایت کی جا رہی ہے تاکہ اس مؤمن تک حرام کی مہک بھی نہ پہنچ سکے، جس کا دل و دماغ ایمان کی مہک سے معطر ہے، جو ہدایت شراب کے متعلق دی گئی ہے وہی دیگر بد عملیوں کے متعلق ہے، مثلاً ان مقامات اور محافل سے بچو، جہاں بدکاری یا بدکاری کے دوائی ہوں، یعنی ایسی حرکتیں ہوں جو بدکاری پر مائل کریں، مثلاً ناچ گانے وغیرہ کی محافل۔

قرآن کریم کی آیات اور احادیث کی روشنی میں، اسلاف علماء دین کے ارشادات اور عمل ملاحظہ فرمائیے:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر ایک شخص نے کہا کہ فلاں شخص نے آپ کو سلام کہا ہے، آپ نے فرمایا مجھے معلوم ہوا ہے کہ وہ شخص بدعتی (گمراہ) ہو گیا ہے اگر واقعی وہ بدعتی ہو گیا ہے تو تم اسے میرا سلام نہ کہنا۔

حضرت حسن بصری اور ابن سیرین فرماتے ہیں ”لَا تُجَالِسُوا أَهْلَ الْهَوَاءِ وَلَا تُجَادِلُوهُمْ وَلَا تَسْمَعُوا مِنْهُمْ“ بد مذہب لوگوں کے پاس نہ بیٹھو اور نہ ان سے بحث کرو اور نہ ان سے احادیث (یا ان کی باتیں) سنو۔

حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ نے کچھ لوگوں کو شراب پیتے ہوئے پکڑا، ان میں سے ایک شخص کے متعلق

آپ کو بتایا گیا کہ وہ روزے دار ہے (لہذا اس پر شراب پینے کا جرم عائد نہیں کیا جاسکتا، وہ صرف وہاں بیٹھا ہوا تھا) آپ نے یہ آیت پڑھی، ”إِنَّكُمْ إِذَا مَثَلْتُمْ“ اور فرمایا، اللہ کے اس ارشاد کے مطابق گناہ پر راضی ہونا بھی گناہ ہے لہذا مجرم اور جو اس کے جرم پر راضی ہو، دونوں کو سزا دی جائے گی۔

فضیل بن عیاض فرماتے ہیں جو شخص کسی بدعتی (بد عقیدہ) سے محبت کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے اعمال ضائع کر دیتا ہے اس کے دل سے ایمان کا نور نکال دیتا ہے اور جس شخص نے کسی بدعتی سے اپنی لڑکی کی شادی کی، اس نے قطع رحم کیا، یعنی بیٹی سے رشتہ منقطع کر لیا۔

حضرت امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے ”إِنَّكُمْ إِذَا مَثَلْتُمْ“ کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا کہ کفر پر راضی ہونا بھی کفر ہے اور جو شخص کسی برائی کو دیکھ کر راضی ہو اور برائی کرنے والے کے ساتھ مل جل کر رہے تو وہ بھی برائی کرنے والے کے گناہ میں برابر کا شریک ہوگا، چاہے اس نے برائی نہ کی ہو۔

اے ایمان والو! جو لوگ حتیٰ کہ تمہارے آباء و اخوان، ایمان کے مقابلہ میں کفر کو پسند کرتے ہیں، وہ کافر ہوں یا مؤمن ہوتے ہوئے وہ اس مرض میں مبتلا ہوں، یہ پسندیدگی ان کی عقیدہ ہو یا عمل ہو، بہر حال تم انہیں اپنا ولی نہ بناؤ، ان کا قرب اختیار نہ کرو، ان پر اعتماد نہ کرو، صرف دنیوی ضروریات کے مطابق ان سے تعلق رکھو، ان کی بدعتیگی اور بد عملی میں ان کا ساتھ نہ دو، ان کی محافل میں شریک ہو کر ان کی بیہودہ باتیں نہ سنو، ان کی بد عملی اور بد کرداری کا تماشہ نہ دیکھو کہ مرض ایک ہی ہے، اس کے جراثیم مہلک ہیں، چاہے وہ کافروں میں ہوں یا ایمان کا دعویٰ رکھنے والوں میں، لہذا ان سے دور رہ کر اپنے کو ہلاکت سے بچاؤ، اللہ ہمیں محفوظ رکھے۔

سب سے زیادہ محبت

اہل ایمان کی شان یہ ہے، مقتضائے ایمان یہی ہے کہ مؤمن سب سے زیادہ محبت اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے کرے، اے احکام شرع کی تعمیل، حتیٰ کہ جہاد جو تعمیل احکام کی انتہائی صورت اور ثبوت محبت ہے، دنیا و مافیہا سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ ہو، اسی حقیقت کا اعلان بزبان رسالت یوں کر ایا جا رہا ہے کہ محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام آپ اپنے غلاموں کو بتا دیجئے کہ انہیں چاہئے کہ وہ اپنے آباء، اپنی اولاد، اپنے بھائیوں، اپنے جوڑوں، اپنے خاندان، اپنے جمع کردہ اموال، اپنی تجارت، اپنے پسندیدہ مکانات سے زیادہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے محبت کریں۔ اگر وہ ایسا نہیں کریں گے تو پھر انہیں عذاب الہی کا انتظار کرنا ہوگا، جو دنیا و آخرت کی ذلت و خواری کی صورت میں کسی وقت بھی ان پر آسکتا ہے۔ کیونکہ ایسے لوگ اللہ کے نافرمان ہیں اور اللہ نافرمانوں کو ہدایت نہیں دیتا، وہ ہر قسم کی کامیابی و کامرانی سے محروم ہی رہتے ہیں، قرآن کریم شاہد ہے کہ دنیا کی محبت اور اللہ و رسول ﷺ کی نافرمانی ہی کے سبب، قوم نوح، قوم عاد، قوم لوط، قوم بنی اسرائیل اور ماضی کی بہت سی اقوام کو ہلاک و برباد کیا گیا، پس تم نافرمان بن کر اپنی ہلاکت کو دعوت نہ دو کہ جو لوگ دنیا کی زندگی اور اس کے اسباب کو پسند کرنے لگتے ہیں وہ بڑی ہی گمراہی میں مبتلا ہو جاتے ہیں، ارشاد

ہوتا ہے:

الَّذِينَ يَسْتَجِبُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا عَلَى الْآخِرَةِ وَيَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَيَبْغُونَهَا  
عُوجًا ۖ أُولَٰئِكَ فِي ضَلَالٍ بَعِيدٍ ۝

(ابراہیم: ۳)

جو پسند کرتے ہیں دنیوی زندگی کو آخرت پر اور دوسروں کو (بھی) روکتے ہیں اللہ کی راہ سے اور وہ اسے  
ٹیزھا بنانا چاہتے ہیں، یہی لوگ بڑی دور کی گمراہی میں ہیں۔

جو شخص ایمان کے بعد کفر میں مبتلا ہو گیا، اس کے لئے غضب الہی اور دردناک عذاب کا اعلان کرتے ہوئے اس کی  
بد نصیبی کا سبب اس طرح بیان کیا گیا۔

ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ اسْتَحَبُّوا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا عَلَى الْآخِرَةِ ۖ وَأَنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ  
الْكَافِرِينَ ۝

(نحل: ۱۰۷)

اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے پسند کر لیا دنیا کی زندگی کو آخرت کی زندگی پر اور بیشک اللہ تعالیٰ ہدایت  
نہیں دیتا اس قوم کو جو کافر ہے۔

ان کی اس حب دنیا کے سبب، اللہ نے ان کے دلوں، کانوں اور آنکھوں پر مہر لگا دی کہ یہ بد نصیب اب اس قدر  
محروم ہو گئے کہ نہ تو ان کے دل میں کوئی حق بات آتی ہے نہ ان کے کان حق سن سکتے ہیں اور نہ ہی ان کی آنکھیں حق کی واضح  
دلیلوں کو دیکھ سکتی ہیں، اب یہ اپنے انجام سے غافل ہو چکے ہیں جبکہ آخرت میں ان کا بہت ہی برا انجام ہونے والا ہے، پس،  
اللہ رحیم و کریم پسند نہیں فرماتا کہ اس کے محبوب نبی کے محبوب غلام حب دنیا میں مبتلا ہو کر اس انجام کو پہنچیں۔

مشہور حدیث ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهِ وَوَلَدِهِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ

تم میں سے کوئی (کامل) مومن نہیں ہو سکتا جب تک میں اسے سب سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں، اس  
کے ماں، باپ اور سب لوگوں سے۔ (بخاری و مسلم)

نبی مکرم ﷺ اپنی محبت کا ذکر فرماتے ہیں کہ حقیقت میں آپ ﷺ سے محبت اللہ تبارک و تعالیٰ سے ہی محبت  
ہے، جیسے آپ ﷺ کی اطاعت اللہ ہی کی اطاعت ہے، پس جس نے آپ ﷺ سے محبت کی گویا اس نے اللہ ہی سے  
محبت کی، پس کمال ایمان کے لئے دنیا و مافیہا سے زیادہ آپ ﷺ کی محبت لازمی ہے۔

بروایت حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ، نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حب دنیا کو ہر برائی کی جڑ اور سبب بتاتے  
ہوئے ارشاد فرمایا، ”حُبُّ الدُّنْيَا رَأْسُ كُلِّ خَطِيئَةٍ“ اگر اس ارشاد پر غور کیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہوگی کہ جو شخص دنیا کی  
محبت میں گرفتار ہو جاتا ہے، وہ کسی قسم کی برائی سے محفوظ نہیں رہتا، چونکہ اس کا مقصد دنیا کا مال و متاع، عزت و شہرت حاصل  
کرنا ہی بن جاتا ہے، پس وہ اس کے لئے حلال و حرام کا امتیاز کئے بغیر ہمہ وقت دولت سمیٹنے میں لگا رہتا ہے، نہ اسے نمازوں

کی پروا رہتی ہے اور نہ ہی دیگر احکام الہی کی پابندی کا خیال آتا ہے کہ اس کے پاس وقت ہی نہیں ہوتا، نیز وہ ایک اور عذاب میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ نخیل و کنجوس ہو جاتا ہے، اس پر زکوٰۃ فرض ہوتی ہے، حج فرض ہوتا ہے لیکن دولت کی محبت مانع آتی ہے اور وہ ان فرائض کی ادائیگی سے محروم رہتا ہے، مزید برآں یہ کہ یہ بد نصیب اس دولت سے نہ خود فائدہ حاصل کرتا ہے، نہ ہی اپنے اہل و عیال اور دیگر اہل حقوق کو فائدہ پہنچاتا ہے، بس جتنا دولت کا ڈھیر بڑھتا ہے، اتنا ہی اس کا خون بڑھتا رہتا ہے، مکر و فریب، ظلم و ستم، جھوٹ اور بددیانتی غرضیکہ تمام اخلاقی برائیوں کا یہ پلندہ دن رات دولت کی دھن میں مارا مارا پھرتا ہے، دنیا میں اس پر اللہ کی لعنت و پھٹکار ہوتی ہے، بروایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی پھٹکار کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا، ”لَعْنُ عَبْدُ الدِّينَارِ وَلَعْنُ عَبْدُ الدَّرْهَمِ“ کہ درہم و دینار کے غلام پر لعنت کی گئی ہے، دنیا کی یہ محبت انسان کو اس زندگی ہی میں نہیں بلکہ آخرت میں بھی ذلیل و خوار کر دیتی ہے، حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، ”جو شخص اپنی دنیا سے محبت کرتا ہے“ (ایسی محبت جو اللہ اور رسول ﷺ کی محبت سے زیادہ ہو) تو وہ اپنی آخرت کو نقصان پہنچاتا ہے اور جو آخرت سے محبت کرتا ہے تو وہ اپنی دنیا کو نقصان پہنچاتا ہے (کہ اسے صرف حلال روزی پر اکتفاء کرنا پڑتا ہے اور جو اس کے پاس ہے اس کا بھی کچھ حصہ وہ اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہے) پس اے مسلمانو! فنا ہونے والی چیز (یعنی دنیا کے مقابلے پر) تم باقی رہنے والی (یعنی آخرت کی کامیابی کو) اختیار کرو، (کہ بظاہر دنیاوی خسارے کی پروا کئے بغیر آخرت کی منفعت پر نظر رکھو کہ یہی تمہاری منزل ہے۔)

اے ایمان والو! دنیا کے تمام رشتوں اور پسندیدہ ترین چیزوں سے زیادہ تم اللہ، اس کے رسول ﷺ اور اللہ کی راہ میں جہاد کو پسند کرو کہ یہی وہ سبب اور ذریعہ ہے جس سے تمہیں ہر حال میں اللہ کی مدد نصیب ہوتی ہے اور تم دنیا و آخرت میں کامیاب و کامران ہو سکتے ہو، اپنے ماضی کی تاریخ کے اوراق پلٹو اور دیکھو جب بھی تم اللہ اور رسول ﷺ کے سچے غلام بنے، تمہاری غیبی مدد ہوئی اور کامیابی و کامرانی تمہارے حصہ میں آئی۔ لیکن جب تم نے دنیا اور اس کے اسباب و وسائل کو پسند کیا، ان پر اعتماد کیا تو تمہیں اس کی سزا بھگتنی پڑی، آؤ ہم تمہیں ماضی کی ایک جھلک دکھاتے ہیں تاکہ اس سے تم اپنا مستقبل سدھار سکو۔

دیکھو اللہ رب العزت جل مجدہ نے اس وقت متعدد مواقع پر مدد فرمائی جب تم باعتبار تعداد اور ظاہری و مادی وسائل کے کمزور نظر آتے تھے، اسی لئے دشمنان اسلام تمہیں تنگ کرتے رہتے تھے، وہ تمہیں باسانی نکل جانے اور ختم کر دینے کے خواب دیکھا کرتے تھے لیکن تم ہمارے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دامن میں پناہ گزیں تھے، ان کے مطیع و فرمانبردار اور غلام تھے، ہر چیز سے زیادہ تم اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کیا کرتے تھے، جس کے باعث تمہارے نزدیک نہ تو مال و دولت کی کوئی حیثیت تھی، نہ تم ترک وطن کی پروا کرتے تھے، نہ تمہیں میدان جہاد میں دشمن کی تعداد، قوت و طاقت کا کوئی خوف ہوتا تھا، ایمان کا وہ کمال تم میں موجود تھا جو ہمیں مطلوب اور پسند ہے، پس ہم نے اپنے وعدہ کے مطابق تمہاری مدد کی، غزوہ بدر کا حال پڑھو کہ تم کیسے بے سروسامان تھے، تعداد میں صرف ۳۱۳ تھے، دشمن اپنی بڑی تعداد اور پوری قوت کے ساتھ تم

پر غالب آجانے کا یقین رکھتا تھا۔ لیکن ہماری مدد نے تمہیں جو شاندار فتح و کامرانی عطا فرمائی آج تک دنیا اس پر حیرت زدہ ہے، پڑھو غزوہ نبی نصیر کا حال، غزوہ نبی قرظہ کا حال، دیکھو میدان حدیبیہ، خیبر، تبوک اور پھر فتح مکہ میں ہم نے کس طرح تمہاری حفاظت فرمائی اور علم اسلام کو بلند رکھا، انہیں جنگوں میں نہیں بلکہ ان کے علاوہ بھی اکثر جنگوں (تقریباً ۸۰) میں ہماری فتح و نصرت سے ہی تم کامیاب و کامران رہے، بالخصوص غزوہ حنین کا حال پڑھو، جہاں تم تعداد، مادی و ظاہری وسائل کے اعتبار سے خاصے طاقتور تھے اور تھوڑی ہی دیر کے لئے تمہیں اپنی طاقت پر ناز ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں متنبہ کرنے کے لئے ایسا تتر بتر کر دیا، تمہاری صفوں میں ایسی بھگدڑ مچی کہ اللہ کی وسیع زمین تم پر تنگ ہو گئی اور تم پیٹھ پھیر کر بھاگنے لگے اور تمہاری قوت و طاقت، جس نے تمہیں خود فہمی میں مبتلا کر دیا تھا، کچھ کام نہ آئی، جب کام آئی تو اللہ کی مدد ہی کام آئی۔

چونکہ اس موقع پر غزوہ حنین کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے، لہذا مناسبت معلوم ہوتا ہے کہ ہم بھی اسے تفصیل کے ساتھ بیان کریں تاکہ اندازہ ہو سکے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس موقع پر کس طرح اہل ایمان کی مدد فرمائی۔

غزوہ حنین

حنین، مکہ اور طائف کے درمیان ایک مقام کا نام ہے جو مکہ مکرمہ سے دس میل سے کچھ زیادہ فاصلہ پر واقع ہے، رمضان آٹھ ہجری، مکہ مکرمہ فتح ہوا، قریش مکہ نے ہتھیار ڈال دیئے، قرآن کے ارشاد کے مطابق، ”وَرَأَيْتِ النَّاسَ يَبْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا“ کے دور کا آغاز ہوا، اہل مکہ ہی نہیں بلکہ گرد و نواح اور دور دراز کے لوگ مشرف باسلام ہونے لگے اور اللہ کی زمین اللہ کے ذکر سے گونجنے لگی، لیکن کچھ کانٹے ایسے بھی تھے جو اب تک تر و تازہ تھے اور کسی باغبان کے منتظر تھے جو انہیں تراشے، انہی میں سے ایک قبیلہ ہوازن تھا، جس کی شاخیں مکہ سے طائف تک پھیلی ہوئی تھیں، طائف کا مشہور قبیلہ بنو ثقیف بھی انہی کی ایک شاخ تھا، یہ لوگ نہایت بہادر، جنگجو اور دولت مند تھے اور انہیں اپنی ان خوبیوں پر خاصا گھمنڈ بھی تھا، فتح مکہ کی اطلاع ہوتے ہی ان میں تہلکہ مچ گیا، تکبر و غرور کے ان متوالوں نے اپنے انجام سے بے خبر ہو کر مسلمانوں سے ٹکرانے کا فیصلہ کر لیا اور ان کے لیڈر مالک بن عوف (جو بعد میں مسلمان ہوئے) بڑے ہی جوش کے ساتھ جنگ کی تیاریوں میں مصروف ہو گئے، چند دن میں ہی انہوں نے ایک بڑا لشکر جمع کر لیا جو جنگی سامان سے لیس تھا، انہوں نے اپنے خیال کے مطابق یہ دشمنانہ فیصلہ کیا کہ مسلمانوں کے حملہ آور ہونے سے قبل ہی ہم خود ان پر حملہ کریں گے، قبیلہ کی عظیم اکثریت نے اپنے لیڈر کی رائے سے اتفاق کیا، صرف دو چھوٹی شاخیں بنو کعب اور بنو کلاب، اس فیصلہ سے متفق نہ تھے۔ اللہ نے انہیں کچھ بصیرت دی تھی۔ پس انہوں نے برملا کہا کہ اگر مشرق سے مغرب تک ساری دنیا بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جمع ہو جائے تو ان پر غالب نہیں آسکتی، وہ اللہ کی قوت بن کر ابھرے ہیں اور ہم خدائی طاقت سے جنگ نہیں کر سکتے، لیکن ان کی حق بات کسی نے نہ سنی اور اکثریت نے جنگ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

مالک بن عوف نے اپنی قوم کو اس فیصلہ پر قائم رکھنے کی ایک تدبیر یہ کی کہ تمام سپاہیوں کے ہمراہ ان کے اہل و عیال اور مال و اسباب سب کچھ ہو گا تاکہ اگر کوئی فرار کی راہ اختیار کرنا چاہے تو وہ اپنے ساز و سامان کے سبب مجبور ہو جائے، اس

عظیم لشکر کی تعداد چوبیس (۲۴) ہزار سے بھی زیادہ بتائی جاتی ہے، جو ہر قسم کے جنگی ساز و سامان سے لیس تھا، تمام لوازمات زندگی ان کے ساتھ تھے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ابھی مکہ ہی میں قیام پذیر تھے اور نہایت مصروف تھے کہ فتح کے بعد وفود کی آمد، ان سے ملاقات، مکہ کا از سر نو نظم و نسق، سیاسی و معاشی امور وغیرہ درپیش تھے، انہیں حالات میں آپ ﷺ کو اطلاع ملی کہ ہوازن ایک بڑا لشکر لے کر مسلمانوں پر حملہ کی تیاری کر چکا ہے، آپ ﷺ نے بلا پس و پیش مکہ سے باہر نکل کر ان کی سرکوبی کا فیصلہ فرمایا، اعلان جہاد کر دیا گیا، لشکر اسلام جس میں مہاجر بھی تھے اور انصار بھی تھے جو بڑی آرزوؤں کے ساتھ مکہ میں داخل ہوئے تھے، مہاجر اپنے وطن کے گلی کوچوں میں ابھی اچھی طرح گھوم بھی نہ پائے تھے، انصار اللہ کے گھر کے دیدار سے ابھی اپنی نظروں کو بخوبی سیراب بھی نہ کر پائے تھے، اللہ کے سپاہیوں نے ابھی سکون کا سانس بھی نہ لیا تھا کہ جہاد کی ندا سنی، مؤمن کامل تھے، اطاعت شعار تھے، اپنے آقا کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے حرم کعبہ میں جمع ہو گئے، ان میں وہ اہل مکہ بھی شامل ہو گئے جو ابھی مشرف باسلام ہوئے تھے اور وہ اس موقع کو اپنی ماضی کی غلطیوں کے کفارے کے لئے غنیمت جان رہے تھے، جنہیں شرعی اصطلاح میں ”طلقاء“ آزاد شدہ کہا جاتا ہے، ان میں غزوہ بدر کے ہیرو، حضرت ابوسفیان بھی مشرف باسلام ہونے کے بعد شامل تھے، یہ پہلا موقع تھا کہ چودہ ہزار کا عظیم لشکر اللہ کے رسول ﷺ کے گرد جمع تھا، آپ ﷺ نے جنگی ساز و سامان کا جائزہ لیا جو کچھ کم تھا، لہذا آپ ﷺ نے قریش سے کہا کہ وہ کچھ سامان عاریہ دیں جو انہیں واپس کر دیا جائے گا، قریش نے آپ ﷺ کے کہنے پر آپ ﷺ کے سامنے ہتھیاروں کا ڈھیر لگا دیا، صرف صفوان بن امیہ نے سوزرہیں اور تین ہزار نیزے پیش کئے۔

غرضیکہ اہل ایمان کا یہ عظیم لشکر چھ شوال بروز ہفتہ مکہ مکرمہ سے روانہ ہوا، مقام حنین پر پہنچ کر پڑاؤ ڈالا، یہاں حضرت سہیل بن حنظلہ رضی اللہ عنہ، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں یہ خبر لے کر حاضر ہوئے کہ ایک گھوڑ سوار ابھی دشمن کی طرف سے آیا ہے۔ وہ بتاتا ہے کہ قبیلہ ہوازن مع اپنے تمام ساز و سامان کے مقابلہ کے لئے آگیا ہے، یہ سن کر آپ ﷺ مسکرائے اور فرمایا، فکر نہ کرو، یہ سارا ساز و سامان مسلمانوں کے لئے غنیمت بن جائے گا، آپ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن حداد کو حکم دیا کہ جاسوس بن کر دشمن کے پاس جاؤ اور حالات کا پتہ چلاؤ، وہ دو دن نہایت تدبیر اور احتیاط سے قبیلہ ہوازن میں رہے، ان کے حالات دیکھتے اور سنتے رہے، انہوں نے سنا کہ مالک بن عوف اپنے لوگوں سے کہہ رہا ہے کہ محمد (ﷺ) کو اب تک کسی بہادر اور تجربہ کار قوم سے واسطہ نہیں پڑا ہے، مکہ کے بھولے بھالے قریش سے مقابلہ کر کے انہیں اپنی طاقت کا زعم ہو گیا ہے اب انہیں پتہ چلے گا کہ ہم کون ہیں، اس نے کہا کہ صبح ہوتے ہی اس طرح صف بندی کی جائے کہ ہر سپاہی کے پیچھے اس کے اہل و عیال اور سب سامان ہو، اپنی تلواروں کی میانوں کو توڑ دو اور سب مل کر ایک ساتھ مسلمانوں پر بلہ بول دو، اسی کے ساتھ اس نے فوج کے چند دستوں کو گھاٹیوں میں چھپ جانے کا حکم دیا تاکہ بوقت ضرورت وہ ہر طرف سے نکل کر حملہ کر دیں۔

ادھر لشکر اسلام اللہ کی عبادت، اپنے آقا ﷺ کی اطاعت اور ذکر الہی کی کثرت میں مشغول تھا جو اہل ایمان کی



شان اور ان کی فتح و کامرانی کا راز ہے، وہ پیکر انتظار تھے اپنے آقا ﷺ کے حکم کے۔ آغاز جنگ ہوتے ہی ایمان کی عظمت و شوکت کا مظاہرہ ہونے لگا، دشمن پر بارش کی طرح تلواریں اور نیزے برسنے لگے، اسی دوران چند نو مسلم سب سے جواہل ایمان کی کامیابی کے راز سے ابھی طرح واقف نہ تھے اپنی قوت و طاقت پر نازاں ہونے لگے اور آپس میں کہنے لگے آج ہمیں کون شکست دے سکتا ہے کہ ہماری جمعیت بھاری ہے، ہمارے پاس جنگی ساز و سامان کی کمی نہیں، اللہ رب العزت جل مجدہ کو ان کی یہ خود فہمی پسند نہ آئی اور جنگ کا رخ پلٹ گیا، قبیلہ ہوازن کی گھائیوں میں چھپے جتھوں نے ہر طرف سے حملہ کر دیا، گرد و غبار نے دن کو رات میں تبدیل کر دیا، ”فَلَمْ تَغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا“ کثرت تعداد کام نہ آئی، ”وَصَافَتْ عَلَيْكُمُ الْأَرْضُ بِمَآرِحُهَا“ اللہ کی زمین باوجود وسعت کے تنگ نظر آنے لگی کہ کہاں جائیں، کہاں بھاگیں، ”ثُمَّ وَلِيْتُمُ مَّذَبِيقًا“ پس سب ہی پیٹھ پھیرے دوڑے جارہے تھے، صرف اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ ﷺ کے ہمراہ تین سو صحابہ و شہادت حاصل تھا، جو ڈٹے رہے، جمے رہے، آگے بڑھتے رہے، اسی کیفیت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا، ”ثُمَّ أَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَةً عَلَى رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ“ اللہ نے اپنے رسول ﷺ اور ان کے ساتھی مسلمانوں پر، ”سکینہ“ نازل فرمادی تھی کہ وہ اپنے مقام سے نہ ہٹے، ”وَأَنْزَلَ جُنُودًا لَّمْ تَرَوْهَا“ اور ایسا لشکر آیا، جس کو کوئی نہ دیکھ پایا۔

افراق فری کی یہ حالت جب اللہ کے نبی ﷺ نے ملاحظہ فرمائی تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ غلاموں کو پکارو کہ اللہ کی مدد آ پہنچی ہے، نہ گھبراؤ، تم ہی کامیاب و سر بلند ہو گے، حضرت عباس رضی اللہ عنہ نہایت بلند آواز تھے، کہا جاتا ہے ان کی آواز آٹھ میل تک پہنچ جاتی تھی، پس انہوں نے آواز دی، وہ لوگ کہاں ہیں؟ جنہوں نے شجرہ کے نیچے جہاد کی بیعت کی تھی، وہ کہاں ہیں جنہیں سورہ بقرہ دی گئی، وہ انصار کہاں ہیں جنہوں نے جان کی بازی لگانے کا عہد کیا ہوا ہے، سب لوگ واپس آئیں، دیکھو اللہ کے رسول ﷺ یہاں ہیں، حضرت عباس کی یہ آواز میدان کارزار میں جنگل کی آگ کی طرح پھیلی، جو سنتا وہ پلٹ کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف دوڑتا، تھوڑی ہی دیر میں اللہ کے سپاہی یکجا ہو گئے اور دشمن سے مقابلہ کرنے لگے، دیکھتے ہی دیکھتے دشمن کے ستر سردار اور بہت سے سپاہی مارے گئے اور بقیہ کے پاؤں اکھڑ گئے، مالک بن عوف اپنے اہل و عیال اور سب سامان کو چھوڑ کر بھاگا اور طائف کے قلعہ میں جا چھپا، دوسروں کا بھی یہی حال تھا، جسے جدھر راستہ نظر آتا بھاگتا، پوری قوم بھاگ رہی تھی، نہ کسی کو اپنے بیوی بچوں کا خیال تھا، نہ مال و دولت کا ہوش، چھ ہزار جنگی قیدی، چوبیس ہزار اونٹ، چالیس ہزار بکریاں، چار ہزار اوقیہ چاندی اور دیگر بے شمار سامان مسلمانوں کے ہاتھ آیا، فتح و کامرانی قدم بوس ہوئی اور کفار کو وہ ملا جو ان کا مقدر ہے، ”وَعَذَابُ الَّذِينَ كَفَرُوا وَذَلِكَ جَزَاءُ الْكَافِرِينَ“ شکست و ہزیمت اور ذلت و خواری کی صورت میں انہیں عذاب ملا کہ ان کا انجام یہی ہونا تھا اور جن لوگوں سے بھاگنے کی غلطی سرزد ہو گئی تھی وہ محبوب کے غلام ہی تو تھے، ”ثُمَّ يَتُوبُ اللَّهُ مَنْ بَعْدَ ذَلِكَ عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ“ وہ اپنی غلطی پر نادم و شرمندہ ہوئے، اللہ نے اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وسیلہ جلیلہ سے انہیں معاف فرمادیا، فتح و کامرانی کی نہ خرونگی میں وہ بھی حصہ دار بنے، ان غنیمت سے ان کو بھی حصہ ملا، کوئی انہیں محروم نہ جانے، رب غفور و رحیم، نادم و شرمندہ ہونے والوں کو محروم نہیں رہتا۔

اے ایمان والو! دیکھا کس طرح اللہ قادر و قدیر اپنے ان بندوں پر مہربان ہوتا ہے، جو ہمہ وقت اپنا سب کچھ اس پر قربان کرنے کے لئے آمادہ و تیار رہتے اور اپنی ہر چیز سے زیادہ اللہ سے، اس کے رسول ﷺ سے محبت رکھتے ہیں۔ لیکن وہ لوگ بڑے ہی خسارے اور نقصان میں رہتے ہیں جو ایمان پر کفر کو اور اللہ و رسول ﷺ کے احکام پر حکمتوں اور مصلحتوں کو ترجیح دیتے ہیں، جو حسب مال و جاہ میں مبتلا ہو کر، دین کے لئے ترک وطن اور جہاد سے گریز کرتے ہیں، بہانے بناتے اور اس سے بچنے کی کوششیں کرتے ہیں، انہیں اللہ و رسول ﷺ سے اتنی محبت نہیں ہے، جتنی اپنے آباء و اولاد سے، اپنے بھائیوں، اپنے جوڑوں اور اپنے رشتہ داروں سے ہے۔ یہ تو مال و دولت، تجارت اپنے شاندار مکانات پر شیفٹ و فریفتہ ہیں تو پھر ان کا انجام یہی ہے کہ ”فَتَرْبُصُوا حَتَّى يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ“ انہیں عذاب الہی کا انتظار کرنا چاہئے جو کسی وقت بھی ان پر نازل ہو سکتا ہے کیونکہ یہ گناہ کے اس مقام پر پہنچ چکے ہیں جہاں ہدایت و رہنمائی کے دروازے بند ہو جاتے ہیں، ”وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ“

وَصَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَى خَيْرِ خَلْقِهِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ



## مقالہ ۵۲

### التوبہ: ۲۸ تا ۲۹

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هَذَا ۖ وَ إِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيكُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ ۚ إِنْ شَاءَ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝ قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَلَا يَدِينُونَ دِينَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حَتَّى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَدٍ وَهُمْ صَاغِرُونَ ۝

(توبہ: ۲۸-۲۹)

اے ایمان والو! مشرکین تو نرے ناپاک ہیں، سو وہ قریب نہ ہونے پائیں، مسجد حرام کے اس سال کے بعد اور اگر تم اندیشہ کرو تنگدستی کا تو غنی کر دے گا تمہیں اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اگر چاہے گا بیشک، اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا، بڑا دانا ہے۔ جنگ کرو ان لوگوں سے جو نہیں ایمان لاتے اللہ پر اور نہ روز قیامت پر اور نہیں حرام سمجھتے اسے جسے حرام کیا ہے اللہ نے اور اس کے رسول ﷺ نے اور نہ قبول

کرتے ہیں سچے دین کو، ان لوگوں میں سے جنہیں کتاب دی گئی ہے، یہاں تک کہ وہ دیں جز یہ اپنے ہاتھ سے اس حال میں کہ وہ مغلوب ہوں۔

دنیا بھر کے مشرکین کے متعلق ہدایت کی جارہی ہے کہ انہیں اس سال یعنی دس ہجری کے بعد سے ہمیشہ کے لئے مسجد حرام کے قریب بھی نہ جانے دیا جائے کہ اب اسلام غالب ہو چکا ہے۔ لہذا احکام دین کا پوری طرح نفاذ ضروری ہے، کعبہ مقدسہ اور حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی قائم کردہ حدود حرم، نہایت ہی مقدس اور پاکیزہ ہیں، اسلام یہ گوارہ نہیں کر سکتا کہ اس مقدس مقام پر مشرک پوجا پاٹ کریں، مرکز توحید ہی میں وہ مشرکانہ عقائد کا مظاہرہ کریں اور جاہلانہ انداز پر سیٹیاں اور تالیاں بجا کر برہنہ طواف کریں اور اسی قسم کی دوسری رسمیں ادا کریں۔ یہ خود بھی نجس و ناپاک ہیں اور ان کے رسم و رواج، ان کی حرکات بھی احمقانہ، نجس اور ناپاک ہیں لہذا حدود حرم میں ہمیشہ کے لئے ان کا داخلہ ممنوع قرار دیا جاتا ہے اور اہل ایمان کو ہدایت کی جاتی ہے کہ وہ پوری قوت کے ساتھ اس حکم کو نافذ کریں کہ صاحب اقتدار مومن احکام دین کے نفاذ کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔

مشرکین نجس ہیں

”إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ“ فرما کر قرآن کریم اس حقیقت کا انکشاف کرتا ہے کہ انسان باوجودیکہ اشرف المخلوقات ہے اور احسن تقویم ہے لیکن اس کا یہ منصب و مقام، اس کے عقائد و خیالات سے متاثر ہوتا ہے کہ جب اس کے عقائد و خیالات باطل اور گندے ہوتے ہیں تو وہ بھی نجس قرار پاتا ہے اور اپنے ظاہری حسن و جمال کے باوجود اس لائق بھی نہیں رہتا کہ وہ اپنے مالک و خالق اللہ رب العزت کے گھر کے قریب تک آ سکے۔

نجس، بمعنی نجاست ہے یعنی ہر گندگی، جس سے انسان طبعاً نفرت کرتا ہے، کبھی وہ اسے دیکھ کر منہ پھیر لیتا، آنکھیں بند کر لیتا ہے اور کبھی اپنی ناک بند کر کے اپنے آپ کو اس کی بو سے بچاتا ہے، بہر حال اس سے نفرت کرتا ہے، جو انسان رب وحدہ لا شریک کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراتا ہے، اس سے زیادہ گندا، بدبودار اور کون ہو سکتا ہے، وہ اپنی گندگی اور اس کی بو کو چھپانے کے کتنے ہی جتن کر لے، کتنا ہی اچھا لباس پہن لے، کتنی ہی پرفیوم اور خوشبوئیں استعمال کر لے، لیکن نہ اس کی غلاظت چھپتی ہے اور نہ اس کی بو ختم ہوتی ہے کہ شرک کی گندگی چھپائے نہیں چھپتی، پس مومن، جو معطر ہے، پاکیزہ ہے، مجبور ہے کہ مشرک کی طرف سے منہ پھیر لے، اس سے آنکھیں بند کر لے، ناک بند کر لے اور اللہ کے ذکر و عبادت کے مقدس مقام کو جہاں ہر وقت اہل ایمان کے ساتھ نبی مخلوق، ملائکہ و جنات کا بھی ہجوم رہتا ہے، اس نجس قوم سے بچائے، لہذا ”فَلَا يَفْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ“ یہ مسجد حرام کے قریب بھی نہ پھٹکنے پائیں۔

نجاست کی تین قسمیں ہیں، ایک وہ گندی چیزیں جنہیں دیکھا جاسکتا، چھوا جاسکتا، سونگھا جاسکتا ہے، جیسے عام گندی اشیاء، دوسری نجاست و ناپاکی کی حالت جسے علم و عقل کے ذریعہ جانا پہچانا جاسکتا ہے اور اس کے متعلق احکام شرع بتائے جاسکتے ہیں، جیسے وضو یا غسل واجب ہونے کی حالت، اس کی پہچان صرف علم و عقل ہی کے ذریعہ ہوتی ہے اور اس کا ثبوت صرف صاحب

حال ہی کے بیان پر موقوف ہے، تیسری وہ باطنی نجاست جس کا تعلق انسان کے باطن سے اور قلب سے ہے، جیسے عقائد فاسدہ، اخلاق رذیلہ کی گندگی، اس کا پتہ انسان کے عمل، اس کی گفتگو، اس کے عادات و اطوار سے چلتا ہے جیسے کسی کو منافق کہا جاسکتا ہے۔ جب اس میں نفاق کی وہ علامات پائی جائیں۔ جو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بتائیں یا کسی کے مرتد ہونے کا شرعی حکم اسی وقت دیا جاسکے گا جب اس میں ارتداد کی علامتوں کا پتہ چلے، جو اس کے عمل، قول، تحریر وغیرہ سے معلوم ہو سکتا ہے، جیسے اگر کسی کا منکر ختم نبوت ہونا، گستاخ رسول ﷺ ہونا، منکر زکوٰۃ، نماز، روزہ، حج، کسی واضح حکم قرآن، مثلاً وضو، تیمم، وغیرہ ہونا ثابت ہو جائے تو اسے مرتد قرار دیا جائے گا، جس کی سزا حکومت اسلامیہ میں قتل ہے، بصورت دیگر مسلمان اس کا مکمل بایکاٹ کریں گے۔

شرک اس قدر گند اور بد بودار عقیدہ ہے جو شرک کو تینوں اعتبار سے گندا کر دیتا ہے کہ عام طور پر مشرکین پیشاب، شراب وغیرہ جیسی ظاہری گندی چیزوں میں لت پت ہوتے ہیں، اسی طرح ان کے یہاں حالت جنابت، حیض و نفاس وغیرہ سے ناپاک ہونے کا کوئی تصور نہیں، نہ ہی ان حالتوں کے ختم ہونے کے بعد ان سے پاک ہونے کے لئے غسل وغیرہ کے احکام موجود ہیں اور عقائد فاسدہ کی گندگی تو ان میں ان دونوں قسم کی ناپاکیوں سے بھی زیادہ ظاہر ہے کہ اللہ کے سوا ہر ایک کے سامنے ان کا سر جھکا نظر آتا ہے، سانپ، بندر، گائے، ہاتھی، چوہوں کی پوجا کرنے والوں کا شرک کس طرح چھپا رہا سکتا ہے، پس ان تینوں قسم کی گندیوں نے اس ظالم انسان کو ایک گندالو تھڑا بنا ڈالا ہے، جو اب اس قابل نہ رہا کہ اسے اللہ کے گھر کے قریب بھی آنے کی اجازت دی جائے، ”فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ“۔

مسجد حرام سے مراد یہاں حدود حرم ہے یعنی مشرکین کا داخلہ ان حدود حرم میں ممنوع ہے جو حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی قائم کردہ ہیں کیونکہ یہ پورا حرم ہے جو بعض احکام شرع کے اعتبار سے مسجد حرام ہی کی طرح مقدس ہے، اس حکم شرعی میں کسی کا اختلاف نہیں، ہاں صرف اختلاف اس امر میں پایا جاتا ہے کہ کیا مشرکین کا داخلہ دیگر مساجد میں بھی مسجد حرم ہی کی طرح ممنوع ہے پس حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ کا حکم یہ ہے کہ چونکہ مشرکین ہر اعتبار سے نجس ہیں لہذا یہ حکم تمام مشرکین اور تمام مساجد کے لئے عام ہے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے، ”لَا أَجْلُ الْمَسْجِدِ لِحَائِضٍ وَلَا جُنُبٍ“ کسی حائضہ عورت یا جنبی شخص کے لئے مسجد میں داخل ہونا میں حلال نہیں کرتا، جب اہل ایمان کا ایک وقتی اور عارضی نجاست کے باعث مسجد میں داخل ہونا ممنوع ہے تو نجاست شرک میں ملوث لوگوں کو کس طرح اللہ کے گھر میں داخل ہونے کی اجازت دی جاسکتی ہے، حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ حکم مشرکین اور کفار اہل کتاب، سب کے لئے عام ہے لیکن مسجد حرام کے ساتھ خاص ہے جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عمل سے ثابت ہے کہ ثمامہ بن اثال مسلمان ہونے سے پہلے گرفتار ہوئے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں مسجد نبوی شریف کے ایک ستون سے باندھا، نیز قبیلہ بنو ثقیف کا ایک وفد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوا، تو آپ ﷺ نے انہیں مسجد ہی میں ٹھہرایا۔ حالانکہ یہ لوگ ابھی تک کافر تھے۔ جب بعض صحابہ نے عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ، یہ تو نجس قوم کے لوگ ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا ”مسجد کی زمین پر ان لوگوں کی نجاست کا کوئی اثر نہیں ہو سکتا“، لیکن اس مسئلہ میں ہمارے امام، امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا مسلک نہایت

ہی واضح ہے، آپ نے فرمایا مشرکین کے نجس ہونے کا سبب ان کے کفر و شرک کی نجاست ہے۔ یہاں دیگر نجاستوں سے کوئی سروکار نہیں، لہذا ”فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ“ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ انہیں اب مشرکانہ انداز پر حج و طواف کی اجازت نہیں جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد کے مطابق حج کے دنوں میں جو اعلان برأت کیا تھا، اس میں بھی یہی حکم تھا، ”لَا يَحُجُّنَ بَعْدَ الْعَامِ مُشْرِكٌ“ کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کر سکے گا، حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی روایت بھی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کوئی مشرک مسجد کے قریب نہ جائے، سوائے اس کے جو کسی مسلمان کا غلام ہو یا کنیز ہو تو وہ بضرورت مسجد میں داخل ہو سکتا ہے، پس امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بر بنائے ضرورت، حاکم وقت کی اجازت سے مشرک مسجد حرام اور دیگر مساجد میں داخل ہو سکتا ہے لیکن بہر حال عام طور پر انہیں مساجد میں آنے جانے کی اجازت نہیں کہ اس سے مسلمانوں کی عبادت میں بھی خلل واقع ہو سکتا اور مسجد کے تقدس و بے خطره لاحق رہے گا کہ کسی وقت بھی موقع پا کر مشرکین اللہ کے گھر کا تقدس پامال کر سکتے ہیں۔

خطرہ عیال

بھوک کا خطرہ، تنگدستی کا خطرہ، معاشی بد حالی کا خطرہ، کفار سے قطع تعلق اور ان پر حرم کی حدود میں ہمیشہ کے لئے پابندی سے بعض لوگوں کو یہ خیال ہوا کہ اب ہمارا سارا کاروبار بند ہو جائے گا، اشیاء ضرورت نایاب اور اس قدر گراں ہو جائیں گی کہ فاقوں کی نوبت آجائے گی، معاشی حالت تباہ و برباد ہو جائے گی کیونکہ اہل عرب بالخصوص اہل مکہ کی تجارت کا تعلق انہی کفار سے تھا جو حج کے موقع پر یا عمرہ کے لئے مکہ آتے رہتے تھے، مکہ کے قرب و جوار میں بڑی بڑی منڈیاں لگا کرتی تھیں، یہی میلے اہل مکہ کی معاشی ضروریات بھی پوری کرتے تھے اور انہی میں ان کی ثقافتی محفلیں بھی جما کرتی تھیں، ان میں عکاظ، ذوالحجاز اور بحنہ کے میلے نہایت مشہور تھے، تقریباً تین ماہ تک ان کا سلسلہ جاری رہتا تھا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی ابتداء تبلیغ اسلام کے لئے انہی کو استعمال فرمایا۔ ظاہر ہے کفار کے حدود حرم میں داخلہ پر پابندی سے ان پر نہ صرف اثر پڑا بلکہ تقریباً ان کا خاتمہ ہو گیا۔ گویا یہ اہل مکہ کی تجارت کا خاتمہ اور ان کی معاشی حالت کی تباہی تھی، پس قرآن حکیم نے واضح طور پر فرمایا اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے فرمایا کہ اہل ایمان کو یہ یقین کامل رکھنا چاہئے کہ ان کی روزی کا ذریعہ کفار سے تعلقات نہیں بلکہ روزی دینے والا صرف اور صرف اللہ ہے۔

”وَإِنْ خِفْتُمْ غِيلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيكُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ إِنْ شَاءَ“ نہایت ہی اہم ارشاد ہے جو مؤمن کو ایک طرف تو غیر مسلموں کی محتاجی کے تصور سے آزاد کرتا ہے تو دوسری طرف یہ تصور بھی ختم کرتا ہے کہ معاشی خوشحالی، حرام ذرائع معاش اختیار کئے بغیر حاصل نہیں کی جاسکتی، مؤمن کو اس حقیقت پر یقین کامل ہونا چاہئے کہ وہ سوائے اللہ کے کسی کا محتاج نہیں نیز رزق کے دروازے اہل ایمان پر تب ہی وا ہوتے ہیں جب وہ ان تک پہنچنے کے لئے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا بتایا ہوا، دکھایا ہوا راستہ اختیار کریں، پس معاشی ترقی کے لئے نہ تو، غیر مسلموں کے چنگل میں پھنسا رہنا ضروری ہے اور نہ سودی کاروبار، شراب اور دیگر حرام چیزوں کی تجارت میں ملوث ہونا، مؤمن کی شان یہ ہے کہ اگر کفار اپنی تجارت کے ذریعہ اس کے

سیاسی، ملکی اور مذہبی امور پر اثر انداز ہونے اور ان امور میں مداخلت کی کوشش کرنے لگیں تو ان سے مکمل تجارتی بائیکاٹ کر لیا جائے اور اللہ پر بھروسہ کر کے خود اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کی کوشش کی جائے، اللہ کا وعدہ ہے کہ ”فَسَوْفَ يُغْنِيكُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ إِنْ شَاءَ“ اگر تم نے اپنے عمل و کردار کے ذریعہ اللہ کی رحمت کو اپنی طرف متوجہ کر لیا تو رب کے خزانوں میں کوئی کمی نہیں، وہ تمہیں خوب دے گا، غنی فرما دے گا کہ وہی خیر الرازقین ہے۔

اسی طرح مؤمن کو ہرگز یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ دولت کے لالچ میں ایسا مبتلا ہو جائے کہ اسے حلال و حرام تک کا خیال نہ رہے حتیٰ کہ اس کے ذہن و تخیل میں یہ بات سما جائے یا یوں کہے کہ اس کا یہ عقیدہ بن جائے ”کہ سود کے بغیر تجارت میں ترقی ممکن ہی نہیں“ یا ”بالخصوص غیر مسلم ممالک میں شراب اور دیگر حرام چیزوں کے کاروبار کے بغیر تجارت کی ہی نہیں جا سکتی“ یا ”شراب خانوں اور قمار خانوں کی سوسائٹی اختیار کرنا، کاروباری ترقی کے لئے لازمی ہے“ العیاذ باللہ، غور فرمائیے اگر یہ باتیں مؤمن کے اعتقاد میں شامل ہو جائیں اور ہو جاتی ہیں، دوستو! ہو گئی ہیں کہ اس قسم کے تصورات نے انہیں سود میں اتنا جکڑ دیا ہے، شراب اور جوئے میں وہ اتنے پھنس چکے ہیں کہ اب وہ ان کو حرام سمجھنا تو درکنار، ان کے حرام ہونے کا ذکر تک سننا گوارا نہیں کرتے، ان سے علیحدگی کو وہ اپنی تباہی و بربادی یقین کرنے لگے ہیں، پس جو لوگ حرام کو حلال سمجھنے لگیں اور اسی کو اپنی زندگی کا دار و مدار بنالیں کس طرح انہیں مؤمن کہا اور سمجھا جاسکتا ہے، اللہ دولت کی ایسی ہوس سے محفوظ رکھے۔

انسان اگر اپنی یہ غلط فہمی دور کر لے کہ رزق، کسی سے تعلقات کی بنیاد پر ملتا ہے، یا حصولِ رزق کا ذریعہ انسان کی اپنی صلاحیت اور تدابیر ہیں تو یقین جانے، حلال روزی نصیب ہوگی اور بسہولت نصیب ہوگی، اس موضوع پر قرآن کریم کی متعدد آیات میں سے صرف چند پر غور کرتے چلیں۔

أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللَّهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ ۖ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ  
يُؤْمِنُونَ ﴿٣٤﴾

(الروم: ۳۴)

کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ کشادہ کر دیتا ہے رزق کو جس کے لئے چاہتا ہے اور تنگ کر دیتا ہے بلاشبہ اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو ایمان لے آئے ہیں۔

کیسا ایمان افروز ارشاد ہے، اللہ جب چاہتا ہے جسے چاہتا ہے اس پر دولت کی برسات برسا دیتا ہے اور جب چاہتا ہے اسے پیسہ پیسہ کا محتاج کر دیتا ہے، یہ وہ حقیقت ہے جسے ہم باسانی اپنے گرد و پیش میں دیکھ سکتے ہیں، حرام ذریعوں سے کمانے والے بھی سب کامیاب نہیں ہوتے بلکہ اکثر ناکام رہتے ہیں اور حلال روزی حاصل کرنے والے بھی سب ناکام نہیں رہتے بلکہ اکثر کامیاب رہتے ہیں، پس مان لینا چاہئے کہ رزق کی کشادگی یا تنگی اللہ ہی کے دستِ قدرت میں ہے، اس حقیقت کا اعتراف صرف اور صرف اہل ایمان ہی کر سکتے اور جو اس حقیقت کو دعویٰ ایمان کے باوجود تسلیم نہیں کرتے وہ کیا ہیں؟ ظاہر ہے ایمان والے نہیں، اللہ ہمارے ایمان کی حفاظت فرمائے۔

أَمِنْ هَٰذَا الَّذِي يَزُدُّكُمْ إِنْ أَمْسَلَ رِزْقُهُ ۖ بَلْ لَّجُّوا فِي عُتُوٍّ وَنُفُورٍ ﴿٢١﴾ (الملك: ۲۱)

کیا کوئی ہے جو تمہیں رزق پہنچا سکے اگر اللہ تعالیٰ اپنا رزق بند کرے، لیکن یہ لوگ سرکشی اور حق سے نفرت میں بہت دور نکل گئے ہیں۔

غور فرمائیے، رزق کے اگر دروازے بند ہو جائیں تو نہ حرام ذرائع کام آتے ہیں نہ تدبیریں کام آتی ہیں، بڑے بڑے مستحکم کاروبار کرنے والے دولت مندوں کو ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ وہ پیسہ پیسہ کو محتاج ہو گئے، کوئی درایا نہیں ملتا جہاں ان کی پذیرائی ہو سکے، حتیٰ کہ ان کے اپنے بھی ان سے منہ موڑ لیتے ہیں اور وہ کبھی تو جیلوں کی سلاخوں کے پیچھے نظر آتے ہیں اور کبھی گلی، کوچوں، بازاروں میں بھیک مانگتے نظر آتے ہیں۔ اکثر یہ حال انہی لوگوں کا ہوتا ہے جو اپنے معاش کی بنیاد حرام ذرائع کو بنائے ہوتے ہیں اور اس کے بغیر وہ حصول دولت ممکن ہی نہیں سمجھتے۔

اے ایمان والو! تم خطرہ عیلہ میں کیوں کر مبتلا ہوتے ہو، اس خطرے میں تو وہ پڑے جس نے اپنے رزق کی ذمہ داری خود سنبھالی ہے، اللہ کے رزاق ہونے کا اسے خیال ہی نہیں رہا، مؤمن تو رزاق حقیقی اللہ کو مانتا اور جانتا ہے، پس وہ محنت و مشقت کر کے اللہ پر بھروسہ کرتا ہے اور جو کچھ اسے اللہ دیتا ہے، وہ اسی کو بادشاہ حقیقی کی طرف سے اپنی تنخواہ، اپنا حصہ یقین کرتا ہے اور اسی پر قناعت کرتا ہے وہ سود، رشوت، جوئے کے ذریعہ دولت مند بن کر اپنے مالک کا مجرم نہیں بننا چاہتا کہ وہ جانتا ہے جب مالک کی طرف سے پکڑ ہوگی اور ضرور ہوگی دنیا میں نہیں تو آخرت میں ہوگی اور ایسی پکڑ ہوگی کہ اس کی جکڑ سے کوئی نجات نہ دلا پائے گا، ”إِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيدٌ“

اے ایمان والو! تم معاشی ترقی یا بد حالی کی فکر میں مبتلا نہ ہو، ہم تمہیں اپنے فضل و کرم سے غنی کر دیں گے، ”نَزِدْنَاكُمْ رَزَقًا دِينًا هَامِيًّا ذِمَّةً دَارِيًّا هَامِيًّا“ تم ہمارے سپاہی ہو، فوجی ہو، اپنا کام کرو، اس کی اجرت تمہیں ضرور ملے گی اور تمہارا کام ہماری اطاعت و فرمانبرداری، ہمارے احکام کی تعمیل، ہماری رضا کے لئے زندگی کے شب و روز بسر کرنا ہے، حتیٰ کہ ہمارے باغی، جو نہ تو اللہ پر ایمان رکھتے ہیں، نہ آخرت کے دن کو مانتے ہیں اور نہ ہی وہ ان چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں جنہیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے حرام کر دیا ہے، جب ان کے سامنے دعوت حق پیش کی جائے تو وہ فرار اختیار کرتے ہیں، انکار کرتے ہیں، مذاق اڑاتے ہیں، یہ باغی چاہے کفار و مشرکین ہوں یا اہل کتاب، اگر یہ تمہارے دینی و مذہبی امور میں مداخلت کریں، تمہیں اعلاء کلمۃ الحق سے روکنے کے لئے سیاسی و معاشی ذرائع استعمال کریں تو تم حکمت و مصلحت کا خیال کئے بغیر، ان کی قوت و طاقت کو خیال میں لائے بغیر ان سے جہاد کرو اگر وہ جزیہ دے کر تمہارے ساتھ رہنے پر آمادہ ہو جائیں تو تم ان سے جزیہ قبول کر لو اور اس کے بدلے میں تم ان کی جان، عزت و آبرو اور مال و دولت کی قانونی حفاظت کرو، ان کو سیاسی و مذہبی حقوق دو لیکن اگر وہ تمہارے خلاف، تمہارے دین کے خلاف سازشیں کریں، تمہاری صفوں میں انتشار پیدا کریں، تمہیں لڑانے کی کوشش کریں تو تم تلوار سے ان کا مقابلہ کرو اور ہرگز عیلہ کا خطرہ نہ کرنا کہ سب سے بڑی دولت ایمان ہے، دین ہے، اگر تم نے اس کی حفاظت کی تو ہر طرح اللہ تمہارا معاون و مددگار ہوگا۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی خَيْرِ خَلْقِهِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِهِ وَاصْحَابِهِ اَجْمَعِينَ



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ



## مقالہ ۵۳

### التوبہ: ۳۴ تا ۳۷

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْأَحْبَارِ وَ الرُّهْبَانِ لَيَا كُفُونَ أَمْوَالِ النَّاسِ  
 بِالْبَاطِلِ وَ يَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ ۚ وَ الَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَ الْفِضَّةَ وَ لَا  
 يُنفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ۝ يَوْمَ يُحْصَىٰ عَلَيْهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ  
 فُتُكْوَىٰ بِهَا جِبَاهُهُمْ وَ جُنُوبُهُمْ وَ ظُهُورُهُمْ ۚ هَذَا مَا كُنْتُمْ لَا تُفْسِكُمْ فَذُوقُوا مَا  
 كُنْتُمْ تَكْنِزُونَ ۝ إِنَّ عَذَابَ الشُّهُورِ عِنْدَ اللَّهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِي كِتَابِ اللَّهِ يَوْمَ  
 خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَ الْأَرْضِ مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ۚ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ ۚ فَلَا تَظْلِمُوا  
 فِيهِنَّ أَنْفُسَكُمْ وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُونَكُمْ كَآفَّةً ۚ وَ اعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ  
 الْمُتَّقِينَ ۝ إِنَّمَا النَّسِيءُ عُزْيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ يُضَلُّ بِهِ الَّذِينَ كَفَرُوا يُحِلُّونَهُ عَامًا وَ  
 يُحَرِّمُونَهُ عَامًا لِّيُؤْطُوا عَذَابَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ فَيُحِلُُّوا مَا حَرَّمَ اللَّهُ ۚ نُزِيلَ لَهُمْ سُوءَ

(توبہ: ۳۴-۳۷)

أَعْمَالِهِمْ ۚ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ۝

اے ایمان والو! بیشک اکثر پادری اور راہب کھاتے ہیں لوگوں کا مال ناجائز طریقہ سے اور روکتے ہیں (لوگوں کو) اللہ کی راہ سے، اور جو لوگ جوڑ کر رکھتے ہیں سونا اور چاندی اور نہیں خرچ کرتے اسے اللہ کی راہ میں تو انہیں خوشخبری سنا دیجئے دردناک عذاب کی، جس دن تپایا جائے گا (یہ سونا، چاندی) جہنم کی آگ میں، پھر داغی جائیں گی اس سے ان کی پیشانیاں اور ان کے پہلو اور ان کی پشتیں (اور انہیں بتایا جائے گا) کہ یہ ہے جو تم نے جمع کر رکھا تھا اپنے لئے تو (اب) چکھو (سزا اس کی) جو تم جمع کیا کرتے تھے، بیشک مہینوں کی تعداد اللہ کے نزدیک بارہ ماہ ہے، کتاب الہی میں جس روز سے اس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو، ان (مہینوں) میں سے چار عزت والے ہیں، یہی دین قیم ہے، پس نہ ظلم کرو ان مہینوں میں تم اپنے آپ پر اور جنگ کرو تمام مشرکوں سے، جس طرح وہ سب تم سے جنگ کرتے ہیں اور خوب جان لو کہ اللہ تعالیٰ پر ہیزگاروں کے ساتھ ہے۔ (حرمت والے مہینوں کو) ہٹا دینا تو اور اضافہ کرنا ہے کفر میں، گمراہ کئے جاتے ہیں اس سے وہ لوگ جو کافر ہیں۔ حلال کر دیتے ہیں ایک ماہ کو ایک سال اور حرام کر دیتے ہیں اسی کو دوسرے سال۔ تاکہ پوری کریں گنتی ان مہینوں کی جنہیں حرام کیا ہے اللہ نے تاکہ اس حیلہ سے حلال کر لیں جسے حرام کیا ہے اللہ نے، آراستہ کر دیئے گئے ہیں ان کے لئے ان کے برے اعمال اور اللہ ہدایت نہیں دیتا اس قوم کو جو کفر اختیار کرتی ہے۔

اکثر پادری اور راہب لوگوں کا مال ناجائز طریقہ سے کھاتے ہیں اور لوگوں کو اللہ کے راستہ سے روکتے ہیں، عیسائی پادریوں اور راہبوں کے متعلق دو باتیں بتائی گئیں، ان کی تفصیل سے قبل ہم یہ عرض کرتے چلیں کہ ان دونوں باتوں کا تعلق ہم سے اہل ایمان سے نہیں کہ عیسائی کیا کرتے ہیں، ہمیں کیا واسطہ؟ لیکن اہل ایمان کو خصوصی طور پر مخاطب کر کے بتایا جا رہا ہے کہ دیکھو عیسائی پادریوں اور راہبوں کا کیا حال ہے، مقصود یہ ہے کہ تم ایمان کی دولت سے مالا مال ہو، تم سید الانبیاء ﷺ کے غلام ہو، تم خیر الامم ہو، ہم تمہیں عیسائیوں کی اس بد عملی سے آگاہ کر رہے ہیں تاکہ تم محتاط رہو، اس بد عملی میں مبتلا نہ ہونے پاؤ، اگر تم خود علم و فضل کے بلند مقام پر فائز ہو تب بھی بچنا اور اگر تمہارے علماء و مشائخ ایسا کریں تو انہیں بھی روکنا، اس بد عملی میں ان کا ساتھ نہ دینا، ان کی اطاعت و فرمانبرداری نہ کرنا۔

پادریوں اور راہبوں کا حال

قرآن کریم عیسائی پادریوں اور راہبوں کا حال بیان کرتے ہوئے ان کے دو عیب ہمیں بتا رہا ہے ایک یہ کہ وہ اپنی قوم کا مال ناجائز طریقہ سے کھسومتے ہیں اور ہڑپ کر جاتے ہیں، دوسرا یہ کہ وہ لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکتے ہیں، نزول قرآن کے دور میں بھی ان لوگوں کا یہی حال تھا اور آج اس سے بھی بدتر حال ہے، مثلاً یہ لوگ اپنے عوام کو یہ یقین دلاتے رہتے تھے کہ انہیں اللہ اور یسوع مسیح کے دربار میں خصوصی قرب حاصل ہے جس کے نتیجے میں انہیں جنت کا ٹھیکیدار بنا دیا گیا ہے، اب ان کی

اجازت کے بغیر کوئی جنت میں داخل نہیں ہو سکتا۔ لہذا جب ان کا کوئی معتقد مر جاتا تھا تو اس کے ورثاء کو پہلے کسی پادری یا راہب سے پروانہ جنت (جنت کا ٹکٹ) حاصل کرنا ہوتا تھا جو مردے کے کفن میں رکھ دیا جاتا اور یہ یقین کر لیا جاتا کہ اب اسے جنت میں داخل ہونے سے کوئی نہیں روک سکتا۔ اس پروانہ کے لئے ورثاء کو ان کی منہ مانگی فیس ادا کرنا ہوتی تھی، نیز ان لوگوں کا اس دور میں امور حکومت میں عمل دخل تھا، لہذا یہ متعلقہ حکام سے ان کے غلط سلط کام کراتے اور بھاری رقوم بطور رشوت وصول کرتے تھے، اسی طرح جب ان کی شریعت کا کوئی حکم کسی امیر یا شہزادے کو مجرم قرار دیتا تو یہ اس سے منہ مانگی فیس لے کر اس حکم ہی کو بدل ڈالتے اور یوں مجرم سزا سے بچ جاتا تھا، کبھی یہ دولت مندوں سے پیسے وصول کر کے حرام کو ان کے لئے حلال قرار دے دیتے تھے، اس طرح یہ اپنی قوم میں دولت مند ترین طبقہ تھا، ایسی دولت سے وہ عوام کی امداد کا ڈھونگ رچا کر انہیں قرضے دیتے اور ان سے بھاری سود وصول کر کے ان کا خون چوستے تھے، انہوں نے اپنی سادہ لوح اور جاہل قوم کو اتنا دبایا ہوا تھا کہ وہ ان کی ہر بات تسلیم کرنے پر مجبور تھے قرآن کریم نے اسی کیفیت کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

اِتَّخَذُوا اٰحْبَارَهُمْ وُرُهْبَانَهُمْ اَوْلِيَاۤ اَمْرًاۤ اَبَاۤ اَقْسَمُ دُوْنَ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحِ ابْنِ مَرْيَمَ ۖ

(توبہ: ۳۱)

انہوں نے بنالیا اپنے پادریوں اور اپنے راہبوں کو (اپنا) رب اللہ کو چھوڑ کر اور مسیح بن مریم کو بھی۔ یعنی مسیح بن مریم نے بھی انہیں یہ حکم نہ دیا تھا کہ وہ پادریوں اور راہبوں کی پوجا کرنے لگیں اور انہیں راضی کرنے کے لئے ان کی ہر بات کو شریعت جانیں اور اس پر عمل کریں۔

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ پہلے عیسائی تھے، جو مشرف باسلام ہوئے، قرآن کریم کی اس آیت مبارکہ کے متعلق انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سوال کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! ہم تو اپنے پادریوں اور راہبوں کو ہرگز رب نہیں مانتے، پس اللہ کے اس ارشاد کا کیا مطلب ہے، آپ ﷺ نے فرمایا وہ حلال چیز کو حرام اور حرام کو حلال کرتے ہیں تو کیا تم ان کی اس بات کو نہیں مانتے تھے، عدی نے عرض کی، جی، یا رسول اللہ ﷺ، ایسا تو ہم کرتے تھے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ یہی تو ہے ان کو رب ٹھہرانا (کہ حلال کو حرام اور حرام کو حلال ٹھہرانا، قانون سازی اور شریعت سازی ہے، جس کا اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے سوا کسی کو حق نہیں)

ان احبار و رہبان کا دوسرا عیب یہ بتایا گیا، ”يُضِلُّوْنَ عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ“ یہ ظالم قوم کے رہبر و رہنما ہیں ان کی ذمہ داری تو یہ ہے کہ یہ قوم کو ضلالت و گمراہی سے روکیں، اپنے دین کی صحیح تعلیم انہیں دیں۔ لیکن یہ اپنی ذمہ داری کے بالکل برعکس قوم کو مزید اندھیرے میں ڈھکیلتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ لوگ جاہل ہی رہیں تاکہ یہ اپنی من مانی کرتے رہیں ان کے تہرہ فریب پر پردہ پڑا رہے اور یہ لوگوں کو اسی طرح بے وقوف بنا کر ہمیشہ ان کی دولت میٹتے رہیں، ان کا خون چوستے رہیں۔

یہی کیفیت عیسائیوں کی آج بھی ہے، پوری قوم کو ان کے عالموں نے ہی دنیا اور دولت کا ایسا رسیا بنا دیا ہے کہ وہ اپنے عیش و عشرت میں مست رہتے ہیں، دین سے بالکل بے بہرہ ہیں، چرچ اور دنیوی امور بالکل علیحدہ علیحدہ کر دیئے گئے

ہیں پادری اور راہب ان کے ارباب بنے بیٹھے ہیں، چرچ کی شاندار بلڈنگوں پر ان کا قبضہ ہے جو چاہتے ہیں کرتے رہتے ہیں، قوم کو اس سے کوئی سروکار نہیں کہ چرچ میں کیا ہو رہا ہے، بس جب کوئی مرتا ہے، پیدا ہوتا ہے، کسی کی شادی ہوتی ہے، تو وہ چرچ کا رخ کرتا ہے اور پادری کو اس کی منہ مانگی فیس دے کر اپنا کام کرا کے چلا آتا ہے، تحقیق تو نہیں لیکن سنا ہے کہ آج بھی پروانہ جنت کا رواج موجود ہے۔

اے ایمان والو! تم ان احبار و رہبان کا حال دیکھو، ان کی حرکتوں نے ان کے دین کا کیسا حلیہ بگاڑا ہے، تم ایسے نہ ہو جانا، دین کا شعور اپنے اندر پیدا کرو تا کہ کوئی مکار تمہیں فریب میں مبتلا نہ کر سکے، اپنے علماء و مشائخ کا ضرور احترام کرو۔ لیکن انہیں ارباب نہ سمجھ بیٹھو کہ وہ جو چاہیں کرتے رہیں کہ یہ بڑی گمراہی ہے، اللہ اس کو پسند نہیں فرماتا۔

ہمارے علماء و مشائخ کا حال

یہ بھی ایک ثبوت ہے، اس دین متین کی حقانیت کا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین تو سب ہی بحر علم و فضل تھے ہی، جن کے علم کا مقابلہ و موازنہ ممکن ہی نہیں کہ ان خوش نصیب حضرات نے بلا واسطہ معلم کامل ﷺ سے علم وافر پایا، لہذا یہ جدھر گئے علم کے چشمے بہاتے گئے، ان سے دنیا کے گوشہ گوشہ میں علم کی شمع روشن ہوئی اور نتیجتاً اس امت کو اس کثرت سے علماء دین نصیب ہوئے کہ جن کو شمار کرنا ممکن نہیں ہاں دعویٰ کے ساتھ یہ کہا جاسکتا ہے کہ دیگر مذاہب ماننے والی اقوام میں علماء کی اتنی کثرت تو کجا اس کا عشر عشر بھی نہیں، ان علماء میں محدثین بھی ہیں، مفسرین بھی، مجدد بھی ہوئے اور فقہاء بھی، اولیاء بھی ہوئے اور اصفیاء بھی، حکماء بھی ہوئے اور فلاسفہ بھی اور ادباء، شعراء و مؤرخین بھی ہوئے، تاریخ گواہ ہے کہ ان سب نے اپنے اپنے دور میں حفاظت و اشاعت دین کے سوا کچھ نہ کیا۔ کسی کی مجال نہ ہوئی کہ اس نے امراء و حکام سے منصب و مراتب حاصل کرنے یا ان سے خوفزدہ ہو کر یا ان کی دولت کے لالچ میں مبتلا ہو کر شریعت کے کسی حکم میں تبدیلی و تحریف کا ارتکاب کیا ہو، اس کے برعکس وہ ہمیشہ حق گوئی کی سزا پاتے رہے، جیلوں کی صعوبتوں کو برداشت کرتے رہے، اپنے جسم پر کوڑوں تک کی اذیت جھیلے رہے، لیکن دین فروشی کے بدترین جرم میں ملوث نہ ہوئے، وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ارشادات کی روشنی میں قوم کو جنت کی خوشخبری ضرور دیتے رہے، دوزخ سے ضرور ڈراتے رہے، لیکن اللہ شاہد ہے کہ کبھی کسی نے جنت کا ٹھیکیدار ہونے کا دعویٰ نہ کیا، ہاں انہوں لوگوں کو وہ راستہ دکھایا جو جنت کی طرف لے جاتا ہے اور اس راستہ سے ہٹایا جو دوزخ کو جاتا ہے، امت پر بطفیل نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ کا یہ عظیم احسان ہے کہ اس نے رہبری و رہنمائی کے لئے ہر دور میں علماء کو پیدا فرمایا، بحمد اللہ یہ سلسلہ آج تک جاری ہے اور قیامت تک جاری رہے گا، یہ حضرات ہر دور میں نہایت ہی استقلال و استقامت کے ساتھ، دین کے خلاف اٹھنے والے ہر طوفان کا مقابلہ کرتے رہے اور اپنی صلاحیت اور اللہ کی نصرت و حمایت سے حفاظت دین کے مشن میں کامیاب رہے، انہوں نے ہمیشہ یہی درس دیا کہ دین مکمل ہو چکا، لہذا اس میں کسی مصلحت و حکمت یا تقاضائے وقت کی بناء پر ذرہ برابر بھی کمی زیادتی کی گنجائش نہیں اور نہ ہی اس کا کسی کو اختیار ہے، یہی وجہ ہے کہ دین آج تک اپنی اصل حالت میں موجود ہے اور قیامت تک ایسا ہی رہے گا، جبکہ دیگر مذاہب ہر دور میں حکمتوں اور مصلحتوں کا

شکار ہوتے رہتے ہیں، بدلتے رہتے ہیں، اتنے بدلے کہ ان کی اصلیت ختم ہو گئی، شکل و صورت بگڑ گئی، بالفاظ دیگر یوں کہئے کہ ان مذاہب کے لالچی یا بزدل علماء نے خود ہی اپنے دین کو مثلہ کر ڈالا۔

یہ بھی حقیقت ہے کہ قرآن و حدیث کی تفسیر و تشریح اور شرعی احکام و مسائل کی توضیح و تنقیح سے متعلق، لٹریچر کا جو عظیم خزانہ بحمد اللہ، علماء اسلام نے اپنی قوم کو دیا، وہ احبار و رہبان یا کسی مذہب کے علماء اپنے ماننے والوں کو مہیا نہ کر سکے، یہی حال تاریخ کا ہے کہ مؤرخین اسلام نے اس موقع پر جس بسط و کشادگی کے ساتھ کام کیا اور جو عظیم ذخیرہ فراہم کر دیا اس کی نظیر بھی کہیں نہیں ملتی، یورپ کی کسی لائبریری کا تذکرہ آیا، ہمیں بتایا گیا کہ وہاں اسلام سے متعلق نہایت نایاب ذخیرہ موجود ہے، ہمیں اشتیاق ہوا، وہاں پہنچے تو سچ جانے اتنی کتابیں بھی نہ تھیں جو تقریباً ہمارے ہر دینی مدرسہ میں ہوتی ہیں، نہ صرف مدارس میں بلکہ انفرادی طور پر ہمارے علماء کے پاس ہوتی ہیں، بحمد اللہ ہمارا لٹریچر، دنیا کی ہر زبان میں بکثرت موجود ہے اور اس میں دن بدن اضافہ ہی ہو رہا ہے، بالینڈ کی ڈچ زبان میں چند برس پہلے تلاش بسیار کے باوجود بھی ہماری کوئی کتاب میسر نہ آتی تھی، اب بحمد اللہ کافی کتابیں اس زبان میں بھی شائع ہو چکیں اور مزید شائع ہونے والی ہیں، بہر حال یہ ہمارے علماء ہی کی مساعی جلیلہ کا نتیجہ ہے کہ ہم علم کی دولت سے مالا مال ہیں اور ہمارا دین محفوظ ہے اور محفوظ رہے گا، ہم اس سلسلہ میں مطمئن ہیں کہ یہ دین کامل عطا فرمانے والے رب قدیر کا وعدہ ہے کہ ”نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ“ کہ ہم نے تمہیں یہ دین عطا فرمایا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت فرمائیں گے، یہی خدمت انجام دینے کے لئے اللہ ہر دور میں اہل علم کا ایک عظیم لشکر پیدا فرمادیتا ہے جو کما حقہ اپنی ذمہ داری پوری کرتا رہتا ہے۔ اللہ کی رحمتیں نازل ہوں ہمارے علماء و مشائخ پر، خدمت دین کا یہ عظیم منصب انہیں مبارک رہے، اللہ نہ کرے کہ وہ احبار و رہبان کی طرح دین فروش بنیں اور اس کی تباہی و بربادی کا باعث ہو جائیں کہ جس قوم کے علماء و مشائخ بددیانت، نیش پرست، بدکردار اور دین کے باغی ہو جاتے ہیں وہ تباہ و برباد اور نیست و نابود ہو جاتی ہے، اللہ اس عذاب سے محفوظ رکھے۔

اے ایمان والو! ان احبار و رہبان کی طرح دولت کے لالچ میں مبتلا ہو کر، تم دین فروشی کی راہ اختیار نہ کر لینا کہ دولت کا یہ ڈھیر تو حرام ذریعہ سے جمع کردہ ہے جبکہ وہ دولت جو حلال ذرائع سے حاصل کی جائے اس میں سے بھی اگر اللہ کی راہ میں خرچ نہ کیا جائے تو عذاب الہی کا سبب بن جاتی ہے، جس کی قیامت میں ایک صورت یہ ہوگی کہ تمہارا جمع کردہ سونا چاندی تختیوں اور مہروں کی صورت میں ڈھالا جائے گا، پھر اسی سے تمہاری پیشانیوں، پہلوؤں اور پشتوں کو داغا جائے گا اور تمہیں جتانے اور بتانے کے لئے عذاب کا فرشتہ کہتا جائے گا ”هَذَا مَا كُنْتُمْ لِنَفْسِكُمْ“ یہ ہے جو تم نے اپنے لئے جمع کیا تھا ”فَذُوقُوا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُونَ“ پس جو تم جمع کرتے رہے، آج اس کا مزا چکھو۔

مسئلہ کنز اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ

یہ تو کرم ہے نبی رحمت کا کہ آپ ﷺ نے حلال ذرائع سے دولت کمانے کی اجازت مرحمت فرمائی، جس کی کوئی حد مقرر نہیں۔ تاہم زکوٰۃ ادا کرنے، اہل حقوق کا حق ادا کرنے اور انفاق فی سبیل اللہ کا حکم بھی دیا گیا، قرآن کریم جس دولت کو

”کنز“ خزانہ فرماتا ہے، یہ وہ دولت ہے جس سے زکوٰۃ تک ادا نہ کی گئی ہو، یہی دولت عذاب الہی کا باعث ہے، قرآن وحدیث کی روشنی میں صحابہ کرام اور امت کا ہر دور میں اس امر پر اجماع رہا ہے کہ جس دولت سے زکوٰۃ ادا کی گئی ہو وہ کنز اصطلاحی نہیں۔ تاہم ایک حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نظر آتے ہیں جو جلیل القدر صحابی ہیں، ذی علم ہیں، جن کے تقویٰ اور پرہیزگاری میں کسی قسم کا شائبہ نہیں۔ لیکن بہر حال اسے ان کا زہد کہئے یا اجتہاد کہ وہ کھانے پینے اور دیگر نہایت ہی اہم لوازمات زندگی کے علاوہ جمع کردہ ہر دولت کو کنز ہی میں شمار کیا کرتے تھے اور نہ صرف یہ فتویٰ دیتے تھے بلکہ اس کی تبلیغ و اشاعت بھی کرتے تھے، دمشق میں قیام کے دوران امراء کو بڑی ملامت کرتے رہے، حاکم وقت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بہت کوشش کی، بہت سمجھایا کہ وہ ایسا نہ کریں یہاں تک اعلان کر دیا کہ ابوذر کی محفلوں میں کوئی نہ بیٹھے، متقی اتنے تھے کہ اس اعلان پر ناراض نہ ہوئے بلکہ اطاعت امیر کے شرعی مسئلہ پر عمل کرتے ہوئے لوگوں کو خود روکا کرتے تھے کہ میری محفل میں نہ آیا کرو، امیر کے حکم کی تعمیل کرو، جو فرض ہے، بالآخر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے مجبوراً خلیفہ وقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو عرضی روانہ کی کہ ابوذر سے دمشق میں فتنہ و فساد کا خطرہ ہے، بڑی ہی مہربانی ہوگی کہ آپ انہیں اپنے پاس مدینہ منورہ ہی میں رکھیں، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انہیں مدینہ بلا لیا، یہاں بھی انہوں نے اپنا کام شروع کر دیا، مدینہ کے گلی کوچوں میں مسئلہ کنز پر لڑائی جھگڑے، بحث مباحثے ہونے لگے، حضرت کعب الاحبار رضی اللہ عنہ سے تو دوران بحث یہاں تک نوبت آ پہنچی کہ حضرت ابوذر نے جذب کی حالت میں انہیں یہودی کہہ دیا اور اپنا ڈنڈا تان کر انہیں مارنے دوڑ پڑے، پورے شہر نے دیکھا کہ ایک جلیل القدر صحابی، کعب الاحبار بھاگ رہے ہیں اور دوسرے جلیل القدر صحابی، حضرت ابوذر غفاری ڈنڈا لئے ان کا پیچھا کر رہے ہیں حتیٰ کہ یہ دونوں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تک پہنچ گئے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کعب الاحبار کو بچانے کی بہت کوشش کی لیکن پھر بھی ابوذر نے ان کے ایک ڈنڈا رسید کر ہی دیا۔ جس کا اثر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تک پر بھی ہوا، خیر یہ تو ان حضرات کا دین سے شغف تھا جو نہ اس وقت قابل مذمت تھا اور نہ آج اس کی مذمت کی جا سکتی ہے۔

بہر حال یہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا اپنا اجتہاد تھا جس میں وہ تنہا ہی رہے اور ایسے تنہا ہوئے کہ بالآخر انہوں نے مدینہ چھوڑنے اور کسی سنسان جگہ جا کر زندگی کے بقیہ ایام گزارنے کا فیصلہ کر لیا اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے بے حد اصرار پر وہ ربذہ میں قیام کرنے پر راضی ہوئے، وہیں آپ کا وصال ہوا اور وہیں دفن ہوئے، وقت وصال آپ کے پاس صرف آپ کی اہلیہ محترمہ اور صاحبزادی تھیں، اس جلیل القدر صحابی کو نہ کوئی کفن دینے والا تھا، نہ دفن کا انتظام کرنے والا تھا، بمشکل تمام آپ کو غسل دیا گیا، کفن پہنایا گیا اور ربذہ کے چند لوگوں نے آپ کا جنازہ شارع عام پر لا کر رکھ دیا، یہ اتفاق تھا کہ کوفہ سے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ ایک جماعت کے ہمراہ عمرہ کے لئے اس راہ سے گزرے، لوگوں نے قافلہ دیکھ کر کہا، یہ ابوذر صحابی رسول اللہ ﷺ کا جنازہ ہے، ان کی تدفین میں ہماری مدد کرو، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ یہ آواز سنتے ہی کانپ گئے، سواری سے اترے، جنازہ پڑھایا اور حضرت ابوذر کو دفن کیا، اس موقع پر آپ نے فرمایا، ”اے ابوذر! تمہیں مبارک ہو کہ حضور

علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تمہارے متعلق فرمایا تھا کہ ابو ذرا کیلا ہی چلتا ہے، اکیلا ہی مرے گا اور اکیلا ہی اٹھے گا۔“

بہر حال حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ کا مختصر حال درمیان میں آ گیا، دلچسپ ہے، سبق آموز ہے، اس لئے ہم نے لکھ دیا، عرض یہ کر رہے تھے کہ کنز، وہ مال ہے جس کی زکوٰۃ تک ادا نہ کی گئی ہو، یہ عذاب الہی کا سبب ہے، قرآن کریم اہل ایمان کو ایسی دولت جمع نہ کرنے کی ہدایت کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی توفیق عطا فرمائے۔

انفاق فی سبیل اللہ اور زکوٰۃ پر ہم پیچھے کافی تفصیل سے لکھ آئے ہیں، ضرورت ہو تو دوبارہ ان اوراق پر نظر ڈال لیجئے۔

مہینوں کی تعداد

قرآن حکیم، ایک نظام حیات ہے لہذا وہ ہمارے لئے دیگر لوازمات زندگی کی طرح ایام و اوقات اور مہینوں کا بھی بیان فرماتا ہے۔ بتایا گیا کہ قمری مہینوں کی تعداد بارہ ہے جو کسی مؤرخ یا منجم کی مقرر کردہ نہیں بلکہ اللہ خالق ماہ و ایام نے خود اسی دن مقرر فرمادی تھی اور لوح محفوظ میں اس کو برائے حفاظت لکھ دیا تھا۔ جس دن اس نے اپنی قدرت کاملہ سے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا تمام شرعی احکام میں انہیں مہینوں کا اعتبار ہے، جیسے ایام عدت، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ۔ کیونکہ یہ مہینے کسی خاص موسم کے ساتھ منجمد نہیں ہیں، سال کے ہر موسم میں واقع ہوتے رہتے ہیں، ان سے عبادت میں تنوع پیدا ہوتا ہے کہ کبھی گرمی کے طویل ایام کے روزوں کا لطف آتا ہے تو کبھی سردی کی طویل راتوں کی عبادت کا مزاملتا ہے، کبھی موسم گرما میں حج کی مشقت کا ثواب ہوتا ہے تو کبھی موسم سرما و بہار میں حج کی لذت ملتی ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے احکام کی تعمیل کے لئے انہیں مہینوں کو پسند فرمایا ہے، اگرچہ دنیوی امور کے حساب و کتاب کے لئے شمسی مہینوں کا اعتبار بھی جائز ہے، جیسا کہ قرآن کریم میں ہے:

وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ آيَاتٍ لِّمَنْ حَافِظٌ لِّآيَاتِنَا لِيَتَذَكَّرُوا

فَصَلُّوا وَارْكَعُوا وَاسْجُدُوا وَارْكَعُوا وَاسْجُدُوا وَارْكَعُوا وَاسْجُدُوا وَارْكَعُوا وَاسْجُدُوا ۝

(اسراء: ۱۲)

اور ہم نے بنایا ہے رات اور دن کو (اپنی قدرت کی) دو نشانیاں اور ہم نے مدھم کر دیا رات کی نشانی کو اور بنا دیا دن کی نشانی کو روشن تاکہ (دن کے اجالے میں) تم تلاش کرو رزق اپنے رب سے اور تاکہ تم جان لو سالوں کی تعداد اور حساب اور ہر چیز کو ہم نے بڑی وضاحت سے بیان کر دیا۔

تاہم قمری مہینوں کا حساب رکھنے کے لئے پابندی سے ہر ماہ چاند دیکھنا اور اس کی تاریخ یاد رکھنا فرض کفایہ ہے کہ اگر کسی ہستی کے سب مسلمانوں نے قمری تاریخوں کو بھلا دیا تو سب گناہ گار ہوں گے اور اگر سب نے مل کر ایک مخصوص کمیٹی رویت ہلال کمیٹی تشکیل دے دی تو سب اس فریضہ سے سبکدوش ہو جائیں گے، چاند کے سلسلے میں رویت کا اعتبار ہے صرف حساب، یا آلات جدیدہ ریڈیو، ٹیلی ویژن، ٹیلی فون، فیکس وغیرہ کی خبر کا اعتبار نہیں۔

بہر حال سال کے بارہ مہینے، اللہ رب العزت جل مجدہ کے مقرر کردہ ہیں جن میں سے چار نہایت ہی محترم، بڑے برکت والے ہیں، ان کی حرمت کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان مہینوں کے شب و روز میں عبادت و اعمال صالحہ کا ثواب بھی زیادہ ہوتا

ہے اور ان میں ہر قسم کا قتل و قتال، جنگ و جدال، فتنہ و فساد حرام قرار دیا گیا ہے جس کی پابندی تمام سابقہ شریعتوں میں بڑی ہی شدت کے ساتھ کی جاتی تھی، ہماری شریعت میں بھی ان کی حرمت باقی ہے لیکن جہاد نہ کرنے کا حکم اسی آیت کے اگلے جملے سے منسوخ ہو گیا۔ کیونکہ دشمن اسلام نہایت ہی مکار و فریبی ہے، وہ اہل اسلام کو نقصان پہنچانے میں کسی ضابطہ و قانون کا لحاظ نہیں رکھتا، ممکن تھا کہ مسلمان ان چار مہینوں کی حرمت سے مجبور ہو کر دشمن کے مقابلہ سے گریز کرتے اور وہ انہیں نقصان پہنچا کر اپنا مقصد پورا کر لیتا، پس قرآن کریم نے حفاظت دین و ملت کے لئے اہل ایمان کو ان ماہ میں بھی دشمن سے چونکنا رہنے، جہاد کے لئے تیار رہنے اور اگر ضرورت پیش آئے تو دشمن کی سرکوبی کرنے کی اجازت دیدی، حرمت والے یہ چار مہینے جنہیں اشہر حرم کہا جاتا ہے، یہ ہیں، تین مسلسل ہیں یعنی ذیقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور ایک رجب کا مہینہ اور بارہ مہینوں کے نام یہ ہیں، جن حضرات کو یاد نہ ہوں، وہ یاد کر لیں، بچوں کو بھی یاد کرانا چاہئیں کہ ان مہینوں سے ہی ہمارے دینی امور کا حساب ہوتا ہے لہذا انہیں یاد رکھنا چاہئے۔

قمری مہینے اور وجہ تسمیہ

محرم، صفر، ربیع الاول، ربیع الثانی، جمادی الاول، جمادی الثانی، رجب، شعبان، رمضان، شوال، ذیقعدہ، ذی الحجہ۔

صاحب روح البیان نے ان مہینوں کو فارسی کے ایک شعر میں جمع کر دیا ہے، ملاحظہ ہو:

چوں محرم بگذرد آید ہز تو صفر  
پس بیعین و جمادین و رجب آید ہر  
باز شعبانست و ماہ صوم و عید ذی القعد  
بعد ازاں ذی الحجہ نام ماہہا آید ہر

ان کے ناموں کی وجہ (وجہ تسمیہ) بیان کرتے ہوئے بتاتے ہیں، محرم کو محرم اس لئے کہا جاتا ہے کہ اہل عرب اس کا بہت احترام کرتے تھے، اس میں قتل و قتال کو حرام جانتے تھے حتیٰ کہ اگر کسی کے باپ کا قاتل بھی سامنے آ جاتا تو بیٹا اس سے کچھ نہ کہتا، بس منہ پھیر کر چلا جاتا، صفر کے معنی ہیں خالی، چونکہ اس ماہ تک اہل عرب کی سال بھر کی کمائی ختم ہو جاتی تھی، ان کی جیب پیسوں سے اور ان کے گھر ساز و سامان سے خالی ہو جاتے تھے، لہذا انہوں نے اس ماہ کا نام ہی صفر رکھا ہوا تھا، ہمارے یہاں بھی عورتوں کی اصطلاح میں اس مہینے کو خالی کا مہینہ ہی کہا جاتا ہے اور وہم یہ کیا جاتا ہے کہ یہ مہینہ رحمت و برکت سے خالی ہوتا ہے، یہ سب بکو اس ہے، مؤمن کا کوئی لمحہ اللہ کی رحمت اور برکت سے خالی نہیں ہوتا، ربیع کے معنی بہار کے ہیں، عرب میں تقریباً ساٹھ دن موسم بہار کے صفر کے بعد آتے تھے لہذا وہ ان ایام کو ربیع الاول اور ربیع الثانی کہا کرتے، جماد کے معنی ہیں جم جانے کے، موسم بہار کے بعد موسم سرما شروع ہو جاتا ہے اور بعض جگہ اتنا سخت ہوتا تھا کہ پانی تک جم جاتا تھا، لہذا اہل عرب نے ان دنوں کو جمادی الاول اور جمادی الثانی کا نام دیدیا، رجب کے معنی عظمت و احترام کے ہیں، اہل عرب ان دنوں کا بہت احترام کرتے، حتیٰ کہ اس میں بھی قتل و قتال کو حرام جانتے تھے، لہذا ان ایام کو وہ رجب کہتے تھے بالخصوص عرب کے ایک



بڑے مشہور قبیلے میں اس کا بہت ہی احترام ہوتا تھا، صدقہ و خیرات اور خصوصی عبادات اسی مہینہ میں زیادہ کرتے تھے، یہ قبیلہ مضر تھا، اسی لئے اس ماہ کی ان کی طرف نسبت کی جاتی ہے اور اسے رجب مضر کہا جاتا ہے جیسا کہ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی ایک موقع پر فرمایا، ”رَجَبُ مُضَرَ الَّذِي بَيْنَ جَمَادِي وَ شَعْبَانَ“ رجب مضر وہ مہینہ ہے جو جمادی الثانی اور شعبان کے درمیان ہے، شعبان کے معنی، منتشر ہو جانے، پھیل جانے کے ہیں، عام طور پر ان دنوں میں اہل عرب بغرض تجارت سفر کرتے اور مختلف شہروں میں پھیل جاتے تھے، لہذا وہ ان ایام کو شعبان کہا کرتے تھے، رمضان کے معنی جلا دینے والی گرمی کے ہیں، جس وقت اس مہینہ کو یہ نام دیا گیا چونکہ ان دنوں سخت گرمی تھی، لہذا اسے رمضان کہا گیا لیکن جب اللہ تعالیٰ نے اس مہینہ کو نزول قرآن کے لئے منتخب فرمایا تو یہ گناہوں کو جلا دینے والا، رحمت و مغفرت والا مہینہ ہو گیا اور اللہ نے اس کو اپنے عظیم کلام قرآن کریم اور دیگر سابقہ کتابوں اور صحیفوں کے نزول کے لئے اس لئے پسند فرمایا کہ رمضان اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ہے کہ ارشاد ہوا، ”لَا تَقُولُوا جَاءَ رَمَضَانُ وَ ذَهَبَ رَمَضَانُ وَلَكِنْ قُولُوا جَاءَ شَهْرُ رَمَضَانَ فَإِنَّ رَمَضَانَ إِسْمٌ مِنْ أَسْمَاءِ اللَّهِ تَعَالَى“، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں یہ نہ کہو کہ رمضان آیا اور رمضان گیا بلکہ کہا کرو کہ رمضان کا مہینہ آیا کیونکہ رمضان اللہ کے ناموں میں سے ایک نام ہے، شوال کے معنی کسی چیز کے اٹھ جانے کے ہیں، اہل عرب کہا کرتے تھے کہ یہ مہینہ گناہوں کے اٹھ جانے کا ہے، رمضان کے مقدس ایام اور اس کی عبادت نے نفس امارہ کی قوت و شہوت کو ختم کر دیا ہے، ذیقعدہ، یعنی بیٹھنے کے دن۔ اہل عرب عموماً ان دنوں میں اپنے گھروں پر آ جاتے تھے اور حج کا انتظار کیا کرتے تھے، لہذا اس مہینے کو وہ بیٹھنے یا انتظار کرنے کا مہینہ کہتے تھے، ذی الحجہ، اس کے معنی ظاہر ہیں، حج والا مہینہ، واللہ ورسولہ اعلم

یہ کچھ دلچسپ معلومات درمیان میں آگئیں جو ہم نے لکھ دیں، اب اصل موضوع کی طرف رجوع کرتے ہیں کہ مہینے اللہ کے مقرر کردہ ہیں، جن میں چار اشہر حرم ہیں، اہل عرب شریعت ابراہیمی کی اتباع کا دعویٰ کیا کرتے تھے اور چونکہ ابراہیم علیہ السلام کی شریعت میں بھی یہ چار مہینے محترم و معزز تھے لہذا وہ بھی ان مہینوں کا احترام کرتے تھے، وہ جس دین کی بھی اتباع و پیروی کے دعویدار تھے وہ اس کے احکام کو جس طرح چاہتے اپنی سہولت و ضرورت کے مطابق تبدیل کر لینے کے عادی تھے، اشہر حرم کے ساتھ بھی ان کا یہی رویہ تھا، کبھی جنگ و جدل کرتے، کوئی محترم مہینہ آگیا تو فیصلہ کر لیا کہ یہ محرم نہیں صفر ہے، محرم اس کے بعد والا مہینہ ہوگا، کبھی رجب کو شعبان قرار دے لیا تو کبھی ذی الحجہ کو صفر کر دیا، غرضیکہ اپنی ضرورت کے مطابق جو چاہتے کرتے رہتے ہیں، ”يُجَلُّونَهُ عَامًا وَيُخَرِّمُونَهُ عَامًا“ حلال قرار دے لیتے ہیں ایک ماہ کو ایک سال اور حرام بنا لیتے ہیں اسی کو دوسرے سال ”لِيُؤْطُوا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ“ تاکہ بس پوری کر لیں ان مہینوں کی تعداد جنہیں اللہ نے حرام کیا ہے، اسلام ان لغویات کو کیسے برداشت کر سکتا ہے، شریعت کے احکام میں تغیر و تبدل کا حق سوائے اللہ اور رسول ﷺ کے، کسی کو نہیں، اگر اس طرح سب ہی اپنی مرضی کے مطابق تبدیلی کرنے لگیں تو دین کا حلیہ ہی بگڑ جائے گا، پس اللہ جل مجدہ ہدایت فرماتا ہے کہ

اے ایمان والو! تم کفار جیسی حرکتیں نہ کرنا، اللہ کا فیصلہ اٹل جانو، دیگر احکام کی طرح اشہر حرم بھی اٹل ہیں، انہیں ادھر ادھر کرنے کا تمہیں کوئی اختیار نہیں اور نہ ہی تم ان کی بے حرمتی کے مجاز ہو، ”فَلَا تَظْلِمُوا فِيهِنَّ أَنْفُسَكُمْ“ ان کی بے حرمتی کرنا، خود اپنے اوپر ظلم کرنا ہے، لہذا تم اپنی جانوں پر ظلم نہ کرنا، ان مہینوں میں دیگر مہینوں کی بہ نسبت اللہ کو زیادہ یاد کرنا، اس کی عبادت زیادہ کرنا، صدقہ و خیرات اور دیگر اعمالِ صالحہ بکثرت کرنا، ہاں ہم نے سابقہ شریعتوں کی طرح پہلے تمہیں بھی حکم دیا تھا کہ اشہر حرم میں جہاد نہ کرنا لیکن اب ہم اس حکم کو منسوخ کرتے ہیں اور تمہیں اجازت دیتے ہیں کہ اگر کفار تم سے برسرِ پیکار ہوں تو تم بھی پوری قوت کے ساتھ ان سے قتال کرنا کہ دین کی حفاظت دیگر احکام کی پابندی سے زیادہ اہم اور ضروری ہے، اگر اس میں کوتاہی ہوئی تو دین کس طرح باقی رہ سکتا ہے اور دیکھو دشمن کی قوت و طاقت سے ہرگز خوفزدہ نہ ہونا اور نہ ہی کسی مصیبت و حکمت کی بناء پر اس سے دین کا سودا کرنا کیونکہ ہماری حمایت و نصرت تمہیں حاصل ہے، ”إِنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ“ اللہ کی مدد پر ہمیزگاروں کے لئے ہے۔

بہر حال اس ہدایتِ مبارکہ کا منشاء قمری مہینوں کی تعداد کا تعین کرنا اور ان میں کسی رد و بدل سے روکنا ہے، کیونکہ بیشتر عبادات کا دار و مدار ان مہینوں کی تاریخوں پر ہی ہے، اگر ان میں تبدیلی کی جاتی رہی یا ان کا لحاظ ہی نہ کیا گیا تو عبادات بے اثر اور بے وقعت ہو کر رہ جائیں گی، گویا اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو ایک شرعی، آفاقی، تقویم، جنتری عطا فرمادی ہے، جس سے وہ اپنے ماہ و سال کا تعین کر سکتے ہیں، اس نقشہ کی پابندی ان کے لئے لازمی قرار دی گئی ہے، یہ تقویم بھی اللہ کی قدرت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے، ذرا ان آیات مبارکہ پر غور کیجئے اور ایمان تازہ کیجئے، فرمایا گیا:

هُوَ الَّذِي جَعَلَ الشَّمْسُ ضِيَاءً وَالْقَمَرَ نُورًا وَقَدَرًا مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوا عَدَدَ السِّنِينَ وَالْأَنْسَابِ ۚ مَا خَلَقَ اللَّهُ ذَلِكَ إِلَّا بِالْحَقِّ يُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ۝ إِنَّ فِي اخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا خَلَقَ اللَّهُ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَّقُونَ ۝ (یونس: ۵-۶)

(اللہ) وہی ہے جس نے بنایا سورج کو درخشاں اور چاند کو نور اور مقرر کیں اس کے لئے منزلیں تاکہ تم جان لو گنتی برسوں کی اور حساب نہیں پیدا فرمایا اللہ تعالیٰ نے اسے مگر حق کے ساتھ وہ تفصیل سے بیان کرتا ہے (اپنی قدرت کی نشانیاں) ان لوگوں کے لئے جو علم رکھتے ہیں، بیشک گردشِ لیل و نہار میں اور جو کچھ پیدا فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین میں (اس کی) نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو متقی ہیں۔

سال کا تعین

تقویم آفاقی نے سال کے لئے بارہ مہینوں کا تعین کیا، ان مہینوں کے نام اہل عرب نے اپنی سہولت کے مطابق خود رکھے، لیکن ان مہینوں کے مجموعہ یعنی سال کا تعین اہل عرب نہ کر سکے، بس کسی اہم واقعہ کے ساتھ سال کی نسبت کر کے اسے

یاد رکھا جاتا تھا، مثلاً ایک مدت تک کعب بن لوی کی وفات سے سال کا حساب لگایا جاتا رہا، پھر کعبہ پر اصحابِ فیل کے حملے کا واقعہ پیش آ گیا، تو اس سال کو عام الفیل کہا جانے لگا، ابوطالب اور ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات ہوئی تو وہ سال عام الحزن قرار دے دیا گیا غرضیکہ سال کے تعین اور اس کے شمار کا کوئی مخصوص طریقہ نہ تھا، جس سے تاریخوں کی حفاظت میں دشواری پیش آتی تھی اور یہ معلوم نہ ہو سکتا تھا کہ جو واقعہ شعبان میں پیش آیا، وہ کس سال کے شعبان میں پیش آیا۔

خلیفہ دوم حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر اللہ اپنی بے شمار رحمتیں نازل فرمائے، آپ نے اپنی ذہنی صلاحیتوں سے، اپنے دورِ خلافت میں دینی امور کے ساتھ دنیوی معاملات میں بھی نظم و نسق پیدا فرمایا، جوں جوں واقعات پیش آتے آپ ان کے مطابق اپنی مجلس شوریٰ کے مشورہ سے قواعد و ضوابط مرتب فرما دیتے تھے، ایک مرتبہ آپ کو ایک اہم خط وصول ہوا، جس پر تاریخ و دن کے ساتھ، ماہ شعبان، درج تھا بس آپ کو خیال آیا کہ یہ خط اس شعبان کا ہے یا گزشتہ شعبان کا۔ آپ نے مجلس شوریٰ کو اس واقعہ سے آگاہ فرمایا اور سال کے تعین کی ضرورت کو بیان فرمایا، لہذا طے پایا کہ کسی اہم اسلامی واقعہ کی نسبت سے اسلامی سال کا تعین کر لیا جائے، ان تلامذہ کی واقعات میں سب سے اہم واقعہ ہجرت کو قرار دیا گیا جو واقعی اپنے ماضی اور مستقبل دونوں کے اعتبار سے نہایت اہم ہے، جو اسلام اور مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ اور اللہ کی زمین پر پہلی اسلامی ریاست کے قیام کا باعث بنا، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تجویز کے مطابق یہ طے پایا کہ سال کی ابتداء اسی واقعہ سے کی جائے اور اسے سن ہجری کہا جائے لیکن ایک دشواری یہ پیش آئی کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہجرت ربیع الاول میں فرمائی تھی جبکہ اہل عرب کے حساب سے سال کا آغاز محرم سے ہوتا تھا، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی تجویز کے مطابق محرم ہی کو سال کا پہلا مہینہ رکھا گیا اور سن ہجری کا دو ماہ اور آٹھ دن پیچھے سے شمار کیا گیا، اس طرح ۲۰ جمادی الثانی ۱ھ مطابق ۹/۱۲ جولائی ۶۳۸ء سے باقاعدہ ہجری سال کا آغاز ہو گیا، جواب ۱۴۲۱ھ، ۱۵/جمادی الاول، مطابق، ۱۶/اگست ۲۰۰۰ء، بدھ کا دن، بعد نماز فجر ہے، والحمد للہ رب العالمین۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی خَيْرِ خَلْقِهِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِهِ وَاَصْحَابِهِ اَجْمَعِينَ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ



## مقالہ ۵۴

### التوبہ: ۸ تا ۴۱

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَا لَكُمْ إِذَا قِيلَ لَكُمْ أَنْفِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ اثَّاقُلْتُمْ إِلَى الْأَرْضِ ۚ أَرْضَيْتُمْ بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا مِنَ الْآخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا قَلِيلٌ ۝ إِلَّا تَتَنَفَرُوا يُعَذِّبُكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ۖ وَيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّهُ شَيْئًا ۗ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ إِلَّا تَتَضَرَّوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللَّهُ إِذَا أَخْرَجَهُ الَّذِينَ كَفَرُوا ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا ۚ فَأَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَيْهِ وَأَيَّدَهُ بِجُودٍ لَمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِينَ كَفَرُوا السُّفْلَى ۚ وَكَلِمَةُ اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَا ۚ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝ أَنْفِرُوا خِفَافًا وَثِقَالًا وَجَاهِدُوا بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۚ ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝

(توبہ: ۸-۴۱)

اے ایمان والو! کیا ہو گیا ہے تمہیں کہ جب کہا جاتا ہے تم سے کہ نکلو اللہ کی راہ میں تو بوجھل ہو کر زمین کی طرف جھک جاتے ہو، کیا تم نے پسند کر لی ہے دنیا کی زندگی آخرت کے مقابلہ میں، تو نہیں ہے ساز و سامان دنیوی زندگی کا آخرت میں مگر (بہت ہی) قلیل۔ اگر تم نہیں نکلو گے تو اللہ عذاب دے گا تمہیں دردناک عذاب اور بدل کر لے آئے گا کوئی دوسری قوم تمہارے علاوہ اور تم نہ بگاڑ سکو گے اس کا کچھ، اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے اگر تم مدد نہ کرو گے رسول ﷺ کی (تو کیا ہوا) ان کی تومد فرمائی ہے اللہ نے جب نکالا تھا ان کو کفار نے (مکہ سے)، صرف دو جان سے جب وہ دونوں غار (ثور) میں تھے جب وہ فرما رہے تھے اپنے رفیق (ابوبکر) سے کہ مت غمگین ہو، یقیناً اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے پھر نازل کی اللہ نے اپنی تسکین اُن پر اور مدد فرمائی ان کی ایسے لشکروں سے جنہیں تم نے نہ دیکھا اور کر دیا کافروں کی بات کو سرنگوں اور اللہ کی بات ہی ہمیشہ بلند ہے اور اللہ تعالیٰ غالب ہے، حکمت والا ہے (جہاد کے لئے) نکلو (ہر حال میں) ہلکے یا بوجھل اور جہاد کرو اپنے مالوں سے اور اپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں، یہ بہتر ہے تمہارے لئے اگر تم (اپنا نفع نقصان) جانتے ہو۔

جہاد، مسلسل جہاد مؤمن کی ذمہ داری ہے کہ وہ اللہ کا سپاہی، فوجی ہے، دین کی سرحدوں کا محافظ ہے، دنیا کی ساری نعمتیں، اسے اسی صلہ میں دی جاتی ہیں اور آخرت کے لئے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے کئے ہوئے وعدوں کا ایفاء اسی پر موقوف ہے، یہ جہاد چاہے دشمن سے ہو یا نفس سے، بالسیف ہو یا بالعمل ہو بہر حال جہاد ہونا چاہئے، مؤمن کی شان و آن کی بقاء اس کے رعب و دبدبہ کا ذریعہ یہ جہاد ہی ہے، یہی تقویٰ ہے، یہی عبادت ہے، اسی سے ریاضت ہے، اس میں کوتاہی ہوگی تو باز پرس ہوگی کہ

اے ایمان والو! تمہیں کیا ہوا، تمہارے پیر کیوں بھاری پڑ گئے، اللہ کے حکم پر، اس کی راہ میں کیوں نہیں نکلتے، کیا آخرت کے مقابلہ پر، حب دنیا تم پر غالب آ گئی ہے، کیا تم نہیں جانتے کہ متاع دنیا کی کوئی حیثیت نہیں، کیا تمہارے آقا ﷺ نے تمہیں ہمارا یہ پیغام نہیں سنایا کہ ”الْذُّنْيَا رَاسُ كُلِّ خَطِيئَةٍ“ دنیا ہی تمام برائیوں کی جڑ ہے، اس کی محبت ہی جرائم پر مجبور کرتی ہے، اسی کی محبت ذلت و خواری کے گڑھے میں دھکیلتی ہے، اسی سے آزادی غلامی میں بدل جاتی ہے، یہی دین سے محرومی کا سبب بنتی ہے، یہی بزدل اور کمزور بناتی ہے، یہی درد رکھ کا بھکاری بنادیتی ہے، پس بچو اس کے انجام بد سے اور جہاد کے لئے آمادہ ہو جاؤ، اگر تم نے ایسا نہ کیا تو بڑے ذلیل و خوار ہو گے، اولاً اللہ تمہیں دردناک عذاب میں مبتلا کرے گا، دنیا میں بھی اس طرح کہ تمہاری ساری شان و شوکت ملیا میٹ ہو جائے گی، قومی تشخص پا مال ہو جائے گا اور آخرت میں بھی کہ جو جنت تمہاری منتظر ہے، اس کے دروازے تم پر بند ہو جائیں گے، جہنم تمہارا ٹھکانہ بنا دیا جائے گا، ثانیاً اس طرح کہ تمہیں ہمارے نبی سید الانبیاء ﷺ کی نلامی کا جو شرف حاصل ہے، جس کے باعث تم خیر الامم ہونے پر فخر کرتے ہو، یہ شرف بھی تم سے چھین کر کسی اور کو دیدیا جائے گا کہ اللہ قادر مطلق ہے، اس نے اپنے دین کی حفاظت کا فیصلہ کیا ہوا ہے، اگر تم نے یہ ذمہ

داری پوری نہ کی تو وہ تمہیں تباہ کر کے کسی اور قوم کو یہ تاج عظمت پہنا دے گا اور پھر زمانہ میں تمہارا نام و نشان تک نہ ہوگا اور تمہارے محروم کر دینے سے خدا کی خدائی پر کوئی اثر نہ پڑے گا۔

یہاں ضیاء القرآن سے ماخوذ، حضرت ضیاء الامت رحمۃ اللہ علیہ کی چند سطور بھی ملاحظہ فرماتے چلے، آپ لکھتے ہیں:

اے غفلت کی نیند سونے والے مسلمان! اے دعوائے ایمان کے باوجود اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں احکام خداوندی کے خلاف علم بغاوت بلند کرنے والی امت! سن رہے ہو، اس رب ذوالجلال کا ارشاد، اس کی محکم کتاب کا اٹل فیصلہ، اگر اس نے اپنی بارگاہِ رضا و قرب سے نکال دیا، اگر اس نے اسلام کی زرتار قبالتاری، اگر فراق کی منحوس رات نے اپنا دامن پھیلا دیا تو پھر کیا کرو گے۔

ہجر کی رات کاٹنے والو!

کیا کرو گے اگر سحر نہ ہوئی؟

اے اہلسنت و جماعت کے رہنماؤ! ہمارا انتشار کب تک بڑھتا رہے گا شمع توحید و رسالت ﷺ کے پروانے کب تک مختلف جتھوں میں بٹے رہیں گے، اپنے متوسلین اور معتقدین کے اعتماد کی قوت جو تمہیں میسر ہے، وہ کب تک بیکار پڑی رہے گی دلوں کے اداس اور سنسان ویرانوں میں کب آرزوؤں کے چراغ روشن کرو گے، اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے، مصطفیٰ کریم ﷺ کی خوشنودی کے لئے اسلام کی سربلندی کے لئے سب ایک ہو جاؤ اپنی ذات اپنے وقار کو ملت کی صفوں میں انتشار کا سبب نہ بنے دو، اپنوں کو بیگانہ بنانے کے طریقے چھوڑ دو بیگانوں کو اپنا بنانے کا سلیقہ اختیار کرو، جو آپ ﷺ کے خواجگان طریقت علیہم الرضوان کا اسوہ تھا، (کسی تشریح یا تبصرے کی ضرورت نہیں بس جزاء اللہ خیر الجزاء)

اے ایمان والو! اگر تم نے ہمارے رسول ﷺ کی مدد کا شرف حاصل نہ کیا، ان کی اتباع و پیروی نہ کی، ان کے عطا کردہ دین کی حفاظت نہ کی، ان کے ناموس کے محافظ نہ بنے تو کیا ہوگا ہم تو اپنے رسول ﷺ کی حفاظت کا فیصلہ کر چکے ہیں اور متعدد مواقع پر ان کی مدد فرماتے رہے ہیں، ان میں سے ایک موقع تو خطرناک ترین تھا کہ جب دس سال مسلسل اہل مکہ کے مظالم سہنے کے بعد ہمارے رسول ﷺ کو ہماری اجازت سے، اپنا وطن عزیز اور ہمارا مقدس گھر چھوڑنا پڑا، اس سفر کے ابتدائی مرحلہ میں انہوں نے ایک غار میں پناہ لی، بس وہ دو تھے، ایک محبوب اور ایک محبوب کا محبوب، کوئی بظاہر یا رو مددگار نہ تھا، سب خون کے پیاسے تھے، ان کی تلاش میں سرگرداں جب یہ ظالم غار کے منہ پر آ پہنچے تو غلام اپنے آقا کی جان خطرے میں دیکھ کر کانپنے لگا لیکن ہمارے نبی ﷺ نے اسے تسلی دیتے ہوئے فرمایا، ”لَا تَحْزَنُ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا“ مت ڈرو اللہ ہمارے ساتھ ہے، ہم نے اپنے پیارے کو ایسے خطرناک موقع پر سکون و اطمینان کی نعمت سے نوازا تھا، جو بڑی ہی نعمت ہے، پھر دوران سفر ہم ہی اپنے محبوب ﷺ کی ایک ایسے لشکر سے حفاظت اور مدد کرتے رہے جس کو کوئی نہ دیکھ پایا، حتیٰ کہ کافر

نا کام و نامراد رہے، وہ ہمارے رسول ﷺ تک نہ پہنچ سکے اور اللہ کا فیصلہ غالب رہا کہ ہم نے اپنے محبوب ﷺ کو اہل مکہ کے مظالم سے بچا کر سکون و اطمینان کی سرزمین، مدینہ منورہ میں پہنچا دیا، یہاں ہمارے نبی ﷺ کو پناہ مل گئی اور ان کے دامن میں چھپنے والے غلاموں کو پناہ مل گئی اور اس سرزمین کو ہم نے قیامت تک کے لئے پناہ تلاش کرنے والوں کے لئے پناہ گاہ بنا دیا، سکون و اطمینان کے متلاشیوں کے لئے دارالسکون بنا دیا ”وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاؤُكَ“ عام دعوت دی جاتی ہے جو غلام بھی اپنے اوپر ظلم کر کے بے چین و مضطرب ہو، وہ اس دربار عالی میں آ کر پناہ لے، سکون کی دولت سے مالا مال کر دیا جائے گا، پس

اے ایمان والو! اگر تم تھوڑا بہت بھی علم رکھتے ہو، تمہارے پاس تھوڑی سی بھی عقل ہے تو سنو، تمہاری بھلائی اسی میں ہے کہ تم ہر حال میں، ہر وقت، اپنے آقا کے حکم کی تعمیل کرو، چاہے تم تروتازہ ہو یا کتنے ہی تھکے ہوئے ہو، وہ جب بھی تمہیں جہاد کا حکم دیں، تیار ہو جاؤ، چل پڑو، نہ شدید گرمی کی پروا کرو، نہ تیار لہلہاتی فصلوں کے لالچ اور محبت میں مبتلا ہو، اللہ کی راہ میں اپنے اموال بھی قربان کرو، اپنی جانیں بھی پیش کرو، یہی ایمانی جذبہ ہے، یہی ایمان کا تقاضا ہے اور یہی تمہاری ذمہ داری ہے۔

### غزوہ تبوک

آیات مذکورہ کا نزول غزوہ تبوک سے متعلق ہے جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں کہ ان لوگوں کو تنبیہ کی جا رہی ہے جنہوں نے اس غزوے میں شریک ہونے میں سستی اور کوتاہی کی تھی، انہیں ہدایت کی گئی کہ جہاد میں سستی کرنے کا انجام نہایت ہی برا ہوتا ہے، لہذا تم ہر حال میں اپنے جان و مال سے جہاد کرتے رہو، اگرچہ اس کا تعلق خصوصی طور پر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ہے، لیکن یہ ہدایت عام مؤمنین کے لئے ہے۔ یہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ بعض مواقع پر صحابہ سے اجتہادی غلطیاں ہوئیں لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں بروقت ان کی غلطیوں پر متنبہ بھی فرمایا اور ان کی معافی کا بھی اعلان کر دیا تاکہ قیامت تک کوئی ان پر انگشت نہائی نہ کر سکے اور محبوب کے محبوب غلاموں کو کوئی کسی جرم میں ملوث نہ کر پائے، ان آیات مبارکہ کی مناسبت سے ضروری ہے کہ مختصر غزوہ تبوک کا ذکر کر دیا جائے۔

تبوک ایک مقام کا نام ہے، جو مدینہ منورہ سے تین سو میل کے فاصلہ پر واقع ہے، اب یہ سعودی عرب کا ایک حسین و جمیل، سرسبز و شاداب شہر ہے، آٹھ سال سے مسلسل غزوات اور کفار سے مقابلوں اور مکہ و طائف کی فتح کے بعد لشکر اسلام کے ذہنوں میں فطرتاً ہی یہ خیال پیدا ہو گیا تھا کہ جنگوں کا سلسلہ کچھ مدت کے لئے ختم ہو چکا ہے، ہمیں سانس لینے، اپنا دنیاوی کاروبار کرنے کا کچھ موقع ملے گا، لیکن نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو متواتر خبریں ملنے لگیں کہ رومیوں نے تبوک میں اپنی فوج جمع کرنا شروع کر دی ہے، فوجیوں کو خوش کرنے اور ان کی ہمت افزائی کے لئے انہیں ایک سال کی پیشگی تنخواہیں بھی دیدی گئی ہیں، ان کا خیال یہ ہے کہ مسلمان تھکے ہوئے ہیں، انہیں آرام کی ضرورت ہے، اب ان میں کسی بڑے حملہ کا مقابلہ کرنے کی سکت نہیں، لہذا یہی اچھا موقع ہے کہ مدینہ پر حملہ کر کے ہمیشہ کے لئے (العیاذ باللہ) اسلام کی شمع کو گل کر دیا جائے، ان اطلاعات پر نبی

مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نہایت استقلال و استقامت کے ساتھ رومیوں کی سرکوبی کا فیصلہ فرمایا اور طے کیا کہ دشمن کی پیش قدمی کو روکا جائے، قبل اس کے کہ وہ مدینہ منورہ میں داخل ہو کر اپنے عزائم کی تکمیل کر کے سرزمین مدینہ کو اپنے پیروں سے ناپاک کرے، بہتر ہے کہ تبوک پہنچ کر ہی خبر لی جائے (جنگ کے اصولوں میں سے یہ ایک اہم اصول ہے کہ دشمن کا مقابلہ اپنے حدود و سلطنت سے باہر نکل کر کیا جائے، تاکہ املاک و عمارات محفوظ رہیں اور عورتوں، بچوں، معذوروں پر جنگ کے اثرات نہ ہونے پائیں، اسی لئے ہمیشہ حدود مدینہ منورہ کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے میدان جنگ بننے سے محفوظ رکھا، یہ سرزمین ہمیشہ پر امن رہی اور آج تک پر امن ہے، جس کی فضاؤں میں مضطرب و بے چین لوگوں کو امن و سکون نصیب ہوتا ہے) اللہ کے رسول ﷺ نے اعلان کر دیا کہ اللہ کے سپاہی، اللہ کے دین کی حفاظت کے لئے کمر بستہ ہو جائیں، ہمیں تبوک پر حملہ آور ہونا اور دشمن کو اس جگہ ناپاک عزائم سے روکنا ہے، چونکہ سفر طویل ہے، لہذا دیگر ضروری سامان کے علاوہ اچھی سوار یوں کا انتظام بھی کر لیا جائے۔

یہ اعلان بعض صحابہ پر گراں گزرا لیکن فوراً ہی وہ متنبہ ہو گئے اور پورے جوش و خروش کے ساتھ جنگ کی تیاری شروع کر دی گئی، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس غزوہ کے لئے صحابہ سے خصوصی تعاون کی اپیل فرمائی، جس کی تعمیل میں صحابہ نے ہر قسم کے ساز و سامان کا ڈھیر لگا دیا، سواریاں، تلواریں، نیزے، کھانے پینے کا سامان وغیرہ خوب جمع کیا گیا، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سب ہی پر بازی لے گئے کہ آپ نے ایک ہزار دینار، ایک سو گھوڑے اور نو سو اونٹ پیش کئے، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے تو گھر کا صفایا ہی کر ڈالا کہ سب کچھ لا کر آقا ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ اور جب آپ سے پوچھا گیا کہ اہل و عیال کے لئے کیا چھوڑ آئے ہو تو عرض کیا، ”ان کے لئے اللہ اور اس کا رسول ﷺ کافی ہیں“ جبکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنا آدھا مال پیش خدمت کیا، حضرت عبدالرحمن بن عوف، حضرت عباس رضی اللہ عنہ، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ غرضیکہ تمام صحابہ نے دل کھول کر چندہ پیش کیا چونکہ یہ سفر طویل تھا اور مدینہ میں ازواج مطہرات اور دیگر اہل مدینہ کی دیکھ بھال کا مسئلہ نہایت اہم تھا، لہذا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں رہنے کا حکم دیا، آپ نے عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ مجھے بچوں اور عورتوں میں چھوڑ رہے ہیں، آپ ﷺ نے ان کی افسردگی کو دور کرنے کے لئے فرمایا، ”کیا تم اس پر راضی نہیں کہ تمہیں مجھ سے وہ نسبت ہو جائے جو حضرت ہارون کو حضرت موسیٰ (علیہما السلام) سے تھی۔“

ان تیاریوں کے باوجود بھی چند صحابہ مجبور تھے کہ وہ نہ سواری کا انتظام کر سکے اور نہ ہی دیگر سامان مہیا کر سکے، یہ لوگ نبی رحمت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس کرب و اضطراب سے روئے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان پر بیحد رحم آیا اور آپ بھی بہت افسردہ ہوئے، اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے غمزدہ صحابہ کی افسردگی ختم کرنے کے لئے قرآن کریم میں ان کے حال کا ذکر فرمایا، ارشاد ہوا:

وَلَا عَلَى الَّذِينَ إِذَا مَا أَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَا أَجِدُ مَا أَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِمْ تَوَلَّوْا  
أَعْيُنُهُمْ تَفِيضٌ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا أَلَّا يَجِدُوا مَا يُنْفِقُونَ ﴿٩٢﴾

(توبہ: ۹۲)



اور نہ ان پر کوئی الزام ہے جو جب حاضر ہوئے آپ ﷺ کے پاس کہ آپ ﷺ سوار کریں انہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا میں نہیں پاتا جس پر تمہیں سوار کروں وہ لوٹتے ہیں اس حال میں کہ ان کی آنکھیں بہا رہی ہوتی ہیں آنسو اس غم میں کہ افسوس، نہیں ہے ان کے پاس جو وہ خرچ کریں۔

اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ صحابہ میں اس غزوہ کے لئے کتنا جوش و خروش پیدا ہو گیا تھا، بہر حال چونکہ بیٹ المال میں کثیر چندہ آنے کے باوجود، ان حضرات کو مسلح کرنے کی گنجائش نہ تھی لہذا یہ لشکر اسلام میں شامل نہ کئے جاسکے۔

ضروری تیاری کے بعد اللہ کے رسول ﷺ تیس ہزار، سپاہیوں پر مشتمل لشکر اسلام لے کر مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے، جس میں دس ہزار گھوڑے بھی شامل تھے، راستہ میں وہ عبرتناک مقامات بھی آئے جن کا ذکر قرآن کریم میں کیا گیا ہے۔ ان میں قوم شمود کے مکانات بھی تھے جو پہاڑوں کو تراش کر بنائے گئے تھے، اللہ نے اس قوم پر عذاب نازل فرمایا اور یہ نیست و نابود کر دیئے گئے، یہاں سے گزرتے ہوئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحابہ کو ہدایت فرمائی کہ چونکہ یہ عذاب الہی کے نزول کا مقام ہے، لہذا یہاں نہ کوئی ٹھہرے اور نہ ہی یہاں کا پانی استعمال کرے۔

جب لشکر اسلام تبوک کے قریب پہنچا اور پڑاؤ کیا تو پانی کی اشد ضرورت پیش آئی کہ لوگ بھی پیاسے تھے، جانور بھی پیاسے تھے، وضو اور غسل وغیرہ کی ضرورت بھی درپیش تھی، پانی کا دوپردور پتہ نہ تھا، بمشکل ایک کنواں نظر آیا جس میں اتنا کم پانی تھا کہ نکالنا دشوار تھا، نبی حاجت روا ﷺ کو خبر دی گئی، آپ ﷺ کنوئیں کے قریب تشریف لائے اور اس میں کلی فرمائی، کنواں اُبلنے لگا اور پر تک پانی آ گیا۔ ضروریات پوری کی گئیں، پانی ذخیرہ کر لیا گیا۔ یہ تھی اللہ کی نصرت و حمایت جس سے اللہ اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اکثر و بیشتر نوازتا رہا۔

بہر حال لشکر اسلام نے یہاں بیس روز قیام کیا، رومیوں کی ہمت نہ ہو سکی کہ مقابلہ کے لئے سامنے آتے، ان میں سے بعض سردار آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور جزیہ ادا کرنا قبول کیا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے واپسی کا اعلان فرمایا اور جب اہل مدینہ کو آپ ﷺ کی آمد کی اطلاع ہوئی تو مدینہ کے گھر اور اس کے گلی کو چہ مسرت و شادمانی کے نغمہ گانے لگے، ایک مرتبہ پھر وہی منظر دیکھنے میں آیا جو پہلی مرتبہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مدینہ میں تشریف آوری کے وقت دیکھا جا چکا تھا، آج پھر ہر گھر سے اسی نغمہ کی آواز سنی جا رہی تھی جو اس وقت گایا گیا تھا۔

طلع البدر علینا من ثیاب الوداع

وداع گی گھاٹیوں سے ہم پر چاند طلوع ہوا

وجب الشکر علینا مادعا للہ داع

جب تک اللہ کو پکارنے والا دنیا میں کوئی باقی ہے ہم پر اللہ کا شکر فرض ہے۔

واقعہ ہجرت

حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اعلان نبوت ہی کے ساتھ، کفار کی آپ ﷺ سے عداوت اور آپ ﷺ پر ظلم

وتم کا آغاز ہو گیا تھا، ابتداء کئی برس تو لوگوں کو اللہ کا پیغام چھپ چھپ کر پہنچایا جاتا رہا، اللہ کی عبادت، قرآن کریم کی تعلیم و تلاوت بھی بند دروازوں میں ہوتی رہی اور جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام پر چالیس کا عدد مکمل ہوا تو اگرچہ مکہ کے گلی کوچوں میں صدائے اسلام سنی جانے لگی، گھروں سے باہر تلاوت قرآن کی آوازیں آنے لگیں لیکن ساتھ ہی دشمن کا پارہ بھی تیز سے تیز تر ہوتا رہا، اس طرح کئی سال بیت جانے کے باوجود، اسلام کی نشوونما، ترقی و تعلیم کی رفتار اس قدر سست رہی کہ اللہ کے نبی ﷺ کو ہر وقت یہ فکر دامن گیر رہتی تھی کہ ان مظالم کی آندھی اور طوفان میں کب تک وقت ضائع ہوگا اور اسلام کی سر بلندی کا وہ وقت کب دیکھنے میں آئے گا جس کے لئے اللہ جل مجدہ نے مجھے مبعوث فرمایا ہے۔

آپ ﷺ کی اس فکر اور صحابہ کرام کی مظلومیت پر اللہ کریم کو رحم آیا اور نور اسلام کی شعاعیں مکہ سے باہر نکلنا شروع ہوئیں، جس کی پہلی جھلک اہل یثرب پر پڑی، جس نے انہیں چند دن بعد ہی انصار بنادیا، میزبان رسول ﷺ بنادیا، اسلام نے ان کے بخت کو ایسا چمکایا کہ دنیا و آخرت کی ساری عزت و عظمت ان کا مقدر بن گئی۔ یہ اہل یثرب سے اہل مدینہ ہو گئے، مظلوموں کو سہارا دینا ان کا شیوہ بن گیا، مہاجرین کے لئے ایثار و قربانی ان کا ذوق بن گیا، غرضیکہ مدینہ نے اسلام کے لئے اپنی جھولی پھیلائی اور اللہ نے اس کی گود بھری، خوب بھری، ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بھری، ایسی بھری کہ وہاں سے خالی جھولیاں بھری جانے لگیں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے غلاموں کو ہجرت حبشہ کے بعد مدینہ منورہ جانے کی اجازت مرحمت فرمائی اور سلسلہ ہجرت کا آغاز ہوا۔ سب سے پہلے مدینہ کی راہ اختیار کرنے کا شرف حضرت ابوسلمہ مخزومی رضی اللہ عنہ کو حاصل ہوا، ان کی ہجرت کا پتہ جب ان کی اہلیہ ام سلمہ کے خاندان کو ہوا تو انہوں نے اپنی بیٹی کو نہ جانے دیا، ابوسلمہ نے بیوی اور بچے کی پروا کئے بغیر اپنے سفر کا آغاز کیا اور مدینہ منورہ پہنچے اور ان کے بعد یہ مقدس سلسلہ جاری ہو گیا، سوائے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سب نے ہی اہل مکہ، اپنے خاندان، حتیٰ کہ بعض نے اپنے اہل خانہ سے چھپ چھپ کر ہجرت کی اور یوں ایک وقت آ گیا کہ مکہ میں صرف حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے یا چند عورتیں، بچے، بوڑھے اور وہ معذور تھے جو کسی عذر کی بناء پر مکہ نہ چھوڑنے پر مجبور تھے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی کئی مرتبہ ہجرت کا ارادہ کیا لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کو یہ فرما کر روک رکھا کہ میرے متعلق اللہ کے حکم کا انتظار کرو، انہیں اس اشارہ نبوی ﷺ سے یہ یقین ہو گیا تھا کہ مجھے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے رفیق سفر بننے کا شرف حاصل ہوگا جو بلاشبہ ایک بڑا اعزاز تھا، پس آپ نے ہجرت کی تیاری جاری رکھی اور اس سلسلہ میں دو اونٹنیاں خریدیں، ایک اپنے آقا ﷺ کے لئے اور ایک اپنے لئے، آپ نے اپنا کاروبار بھی سیٹنا شروع کر دیا تاکہ زیادہ سے زیادہ دولت اپنے ہمراہ لے جاسکیں۔

دوسری طرف کفار کو بھی یقین تھا کہ اب محمد بن عبد اللہ (ﷺ) اور باقی مسلمان بھی مکہ چھوڑیں گے، وہ اس واقعہ سے خوش نہیں بلکہ خوفزدہ تھے کہ ایک دن یہی مفلوک الحال، بے گھر لوگ، بڑی قوت بن کر ہم پر غالب آ جائیں گے، وہ بہت

چاہتے تھے کہ کسی مسلمان کو مدینہ نہ جانے دیں لیکن جانے والے نکل جاتے تھے اور یہ ہاتھ ملتے، دانت مسساتے رہ جاتے تھے، بالآخر انہوں نے فیصلہ کر لیا کہ کچھ بھی ہو، عبدالمطلب کے پوتے کو مکہ سے نہیں نکلنے دیا جائے گا، اپنے اس ناپاک عزم کی تکمیل کے لئے انہوں نے دارالندوہ میں ایک مشاورتی اجلاس طلب کیا جس میں ایک اجنبی شخص، شیطان بصورت انسان بھی موجود تھا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق مجلس میں جو فیصلہ بھی کیا جاتا یہ لعین اپنی چرب زبانی سے اس کو غیر موثر قرار دے دیتا اور بالآخر اس نے خود تجویز پیش کی کہ محمد (ﷺ) کو (العیاذ باللہ) قتل کر دیا جائے اور سب کو اس نے اس تجویز کے ماننے پر آمادہ کر لیا اور طے پایا کہ رات کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خواب گاہ کا محاصرہ کیا جائے گا اور جب صبح وہ برآمد ہوں گے تو ان پر تلواریں برسیں گی اور ہم اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائیں گے لیکن کفر کی تاریکی میں ٹھوکریں کھانے والے عقل و دل کے ان اندھوں کو اللہ کے ارشاد، ”وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ“ کی حقیقت کا کیا پتہ تھا۔ اگر ان کا بس چلتا تو آج سے نہ جانے کتنے پہلے ہی یہ اپنے ناپاک عزائم کی تکمیل کر چکے ہوتے لیکن اللہ قادر و قدیر جل مجدہ نے ہر موقع پر اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حفاظت فرمائی تاکہ ہمیشہ کے لئے اسلام کی شمع روشن ہو کر رہے۔

وَإِذْ يَبْغِي بَكَ الَّذِينَ كَفَرُوا الْيَهُودُ أَوْ يَحْتُلُونَكَ أَوْ يُخْرِجُونَكَ ۖ وَيَسْأَلُونَكَ

(انفال: ۳۰)

يَسْأَلُونَكَ وَاللَّهُ خَيْرٌ الْمَسْئِلِينَ ۝

اور یاد کرو جب خفیہ تدبیریں کر رہے تھے آپ (ﷺ) کے بارے میں وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا کہ آپ (ﷺ) کو قید کر دیں یا شہید کر دیں یا آپ (ﷺ) کو جلاوطن کر دیں اور وہ بھی خفیہ تدبیریں کر رہے تھے اور اللہ بھی خفیہ تدبیر فرما رہا تھا اور اللہ سب سے بہتر خفیہ تدبیر فرمانے والا ہے۔

آیہ مبارکہ میں کفار کی انہی خفیہ تدبیر کا ذکر فرمایا گیا جو وہ دارالندوہ میں جمع ہو کر، کر رہے تھے اور بالآخر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو شہید کر دینے پر متفق ہوئے تھے۔ ادھر اللہ رب العزت جل مجدہ نے اپنی خفیہ تدبیر فرمائی جس کا آغاز تو بہت پہلے ہو چکا تھا کہ مدینہ میں اسلام پہنچ چکا تھا اور وہاں کا بچہ بچہ، آنکھیں بچھائے اپنے آقائے رحمت (ﷺ) کی تشریف آوری کا منتظر تھا، اب وقت آگیا تھا کہ اس تدبیر کی تکمیل کی جائے، لہذا بالکل اس وقت جب کفار آپ (ﷺ) کا محاصرہ کر چکے تھے، حضرت جبریل علیہ السلام حاضر ہوتے ہیں اور باہر کا حال بتاتے ہوئے پیغام الہی دیتے ہیں کہ آج ہی آپ (ﷺ) کو ہجرت فرمانا ہے نیز کفار کے زعمے سے بخیر و عافیت نکلنے کی الہی تدبیر بھی بتاتے ہیں جس کے مطابق حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سورہ لیس کی ابتدائی آیات تلاوت فرما کر دشمنوں کی طرف پھونکا جس سے ان کی آنکھیں بند ہو گئیں، نیند غالب آگئی اور اللہ کا نبی (ﷺ)، اللہ کی حفظ و امان میں نکل کر اپنے رفیق سفر، ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر پہنچا، چلتے ہوئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ شرف بخشا کہ کفار کی امانتیں واپس کرنے کے لئے انہیں اپنا نائب بنایا اور اپنے مقدس بستر پر سونے کی اجازت دی۔

آپ سوچتے ہوں گے کہ شاید حضرت علی کو باہر کا حال معلوم نہ ہوگا ورنہ خوف و ہراس کی اس حالت میں وہ اتنی بڑی

ذمہ داری قبول نہ کرتے، نہیں ایسا نہیں، حضرت علی یا کسی بھی صحابی کو اپنے جیسا نہ سمجھئے، خطرات سے کھیلنا ان حضرات کا کام تھا، آقا ﷺ کے اشارے پر جان کی بازی لگا دینا، ان حضرات کا شیوہ تھا اور یہی ان کی کامیابی و کامرانی کا راز تھا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت علی کو اپنے بستر پر سونے کا حکم جس انداز سے دیا اس سے انہوں نے بخوبی ان خطرات کو بھانپ لیا تھا جو باہر موجود تھے، آپ ﷺ نے حضرت علی سے فرمایا، ”اتَّشِخْ بِرَدِي هَذَا الْحَضْرَمِي الْأَخْضَرِ فَنَمَ فِيهِ فَإِنَّهُ لَنْ يَخْلَصَ إِلَيْكَ شَيْ تَكْرَهُهُ مِنْهُمْ“، علی! میری یہ سبز حضرمی چادر اوڑھ لو اور آرام سے سو جاؤ، تمہارے قریب کوئی ایسی چیز نہ آسکے گی جو تمہیں پسند نہ ہو، ایمان سے بتائیے کہ اگر آپ کو آقا ﷺ کی مقدس چادر اوڑھنے کا موقع ہاتھ آجائے تو کیا کوئی خطرہ یا خوف باقی رہے گا، یا جان و مال اور کسی دوسری عزیز ترین چیز کی فکر باقی رہے گی، قسم بخدا نہیں ہرگز نہیں۔ لیکن آہ، ہم بد نصیبوں کے ایسے مقدر کہاں، حضرت علی بڑے ہی مقدر والے ہیں، انہیں نور کی چادر نصیب ہوئی، اوڑھ کر جو سوئے تو صبح ہی کی خبر لی، ایسے آرام کی نیند نہ اس سے پہلے نصیب ہوئی نہ کبھی بعد میں، وہ آقائے رحمت ﷺ کی چادر اوڑھے سو رہے تھے اور رحمت باری تعالیٰ ان کو گھیرے ہوئے تھی، گویا باہر دشمن کا محاصرہ تھا اور اندر اللہ کی رحمت کا محاصرہ۔ ظاہر ہے اللہ ہی غالب حکمت والا ہے، کسی کی تدبیر اس کی تدبیر کا مقابلہ نہیں کر سکتی، پس حضرت علی اپنے وقت پر تروتازہ اٹھے، دروازہ کھولا تو کفار انہیں دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئے، پوچھنے لگے، ”أَيْنَ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ“ محمد (ﷺ) کہاں ہیں، حضرت علی نے کوئی جواب دیئے بغیر اپنا کام پورا کیا، سب کی امانتیں ان کے سپرد کیں اور چند دن بعد خود بھی ہجرت فرمائی۔

ادھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر پہنچے، اپنا پروگرام بتایا اور مژدہ رفاقت سنایا۔ یہ ابوبکر کے لئے صرف ایک خوشخبری نہ تھی بلکہ ایک عظیم منصب تھا، ایک بڑی ذمہ داری تھی، ایک اعلیٰ اعزاز تھا جو غلام کو آقا کے آقا کی طرف سے دیا گیا تھا کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہجرت کا حکم سناتے ہوئے ہی یہ بھی بتایا تھا کہ آپ ﷺ کے رب نے آپ ﷺ کا رفیق سفر آپ ﷺ کے محبوب غلام ابوبکر کو مقرر فرمایا ہے، حضرت ابوبکر نے دونوں اونٹنیاں خدمت اقدس میں پیش کرتے ہوئے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! میں نے آج کے لئے ہی ان دونوں کو باندھا ہوا تھا، ایک آپ ﷺ پسند فرمائیں، آپ ﷺ نے فرمایا، میں ایک اونٹنی قیمتاً خریدتا ہوں، ابوبکر کے بے حد اصرار کے باوجود آپ ﷺ نے اونٹنی کی قیمت ادا فرمائی اور اس کا نام قصوی رکھا، اسی پر آپ ﷺ مدینہ تشریف لائے، اسی پر آپ ﷺ اکثر سفر فرماتے تھے اور حجتہ الوداع کے مشہور خطبے کے لئے بھی آپ ﷺ نے اسی کو استعمال فرمایا، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں اس کا وصال ہوا، جس کا آپ کو اور دیگر صحابہ کو بے حد افسوس ہوا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی صاحبزادی حضرت اسماء کو ضروری سامان تیار کرنے کا حکم دیا اور آقا و غلام، حکم الہی کی تعمیل کرتے ہوئے اللہ کی راہ میں نکل پڑے، حدود مکہ سے باہر نکلنے کے بعد راہ مدینہ اختیار کرنے سے پہلے غار ثور میں قیام کا فیصلہ کیا گیا، یہ دشمن سے محفوظ رہنے کی ایک تدبیر تھی کہ لوگ تلاش کر کے تھک جائیں اور اپنے گھروں کو واپس ہو جائیں تو کھلے میدان میں سفر کیا جائے، حدود مکہ سے باہر آ کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک ٹیلہ پر جلوہ افروز ہوئے، ایک بار

آپ ﷺ نے کعبہ پر نظر ڈالی اور نہایت ہی دردناک انداز میں آپ ﷺ نے ان الفاظ سے اللہ کے گھر اور اپنے وطن عزیز کو الوداع کہا:

وَاللّٰهُ اِنَّكَ لَا حَبُّ اَرْضِ اللّٰهِ اِلَيَّ وَاِنَّكَ لَا حَبُّ اَرْضِ اللّٰهِ اِلَيَّ وَلَوْلَا  
اَنْ اَهْلَكَ اَخْرَجُونِيْ، مَا خَرَجْتُ مِنْكَ ❁

بخدا، اے مکہ کی سرزمین، تو مجھے اللہ کی ساری زمین سے محبوب تر ہے اور بے شک تو اللہ کو بھی اللہ کی ساری زمین سے زیادہ پیاری ہے، اگر تیرے باشندوں نے مجھے یہاں سے نہ نکالا ہوتا تو میں کبھی تجھ سے نہ نکلتا۔  
(ترمذی شریف)

### غارِ ثور میں قیام

غارِ ثور، موجودہ راستہ سے، شاہراہ یمن کی طرف مکہ سے پانچ میل دور ہے، اسے غارِ ثور اس لئے کہتے ہیں کہ جس پہاڑ میں یہ غار واقع ہے، اس پر ایک مدت پہلے ایک شخص ثور بن عبدمنات نے قیام کیا تھا، لہذا اس پہاڑ کو جبلِ ثور کہا جانے لگا جبکہ اس کا اصل نام اٹحل تھا اس غار کا منہ اتنا چھوٹا تھا کہ آدمی اس میں لیٹ کر ہی داخل ہو سکتا تھا اور اندر سکر کر ہی بیٹھ سکتا تھا، سفر ہجرت کی یہ پہلی منزل بحمد اللہ آج تک موجود ہے، زائرین اس کی زیارت کے لئے حاضر ہوتے ہیں، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے مقدر پر رشک کرتے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وسیلہ جلیلہ سے اپنی خوش بختی کے لئے دعائیں کرتے ہیں۔  
شب تاریک میں اللہ کا نور، ﷺ اس غار کی طرف روانہ ہوا، صدیق اکبر نہایت مضطربانہ حال میں کبھی آقا ﷺ کے دائیں، کبھی بائیں اور کبھی آگے پیچھے چل رہے ہیں، حضور ﷺ نے فرمایا صدیق! یہ چلنے کا کونسا طریقہ ہے، عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ! ڈر رہا ہوں کہ کسی طرف سے دشمن حملہ آور نہ ہو جائے اور اللہ نہ کرے اگر ایسا ہو تو اس کا پہلا وار مجھ پر ہو اور آپ ﷺ کو کوئی زک نہ پہنچنے پائے، غار کے منہ پر پہنچے، تقاضہ ادب تو یہی تھا کہ اس میں پہلے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام داخل ہوں لیکن تقاضہ خدمت یہ تھا کہ پہلے خادم اندر جائے، پس حضرت ابو بکر آگے بڑھے اور عرض کی یا رسول اللہ! مجھے اجازت دیں کہ پہلے میں اندر جا کر غار کی صفائی کر دوں، پھر سرکارِ رونق افروز ہوں، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ابو بکر کو محبت بھری نگاہوں سے دیکھا اور اجازت دی، حضرت ابو بکر نے ایک درخت کی شاخ سے غار میں جھاڑو دی، اپنی چادر پھاڑ کر دھجیوں سے غار کے سوراخوں کو بند کیا، کپڑا ختم ہو گیا، ایک سوراخ پھر بھی باقی رہ گیا، جس پر آپ نے اپنی ایڑی لگائی اور پیچھے کی دیوار سے ٹیک لگا کر کچھ ایسی شکل اختیار کر لی جیسے قرآن کریم رکھنے کی رحل ہوتی ہے، اب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اندر رونق افروز ہونے کی درخواست کی، آپ ﷺ اندر داخل ہو کر کچھ اس طرح لیٹ سے گئے کہ آپ ﷺ کا مقدس سر ابو بکر کے زانو پر تھا اور پائے مبارک سامنے کی دیوار سے لگے ہوئے تھے، گویا ابو بکر قرآن کے لئے نہیں بلکہ صاحب قرآن کے لئے رحل بنے ہوئے تھے، اللہ کے رسول ﷺ کو آرام ملا، آپ ﷺ نے آنکھیں بند فرمائیں، عاشق کو موقع ملا، اپنی آنکھیں محبوب کے نورانی چہرے میں گڑالیں، دیکھ رہے تھے اور اپنے مقدر پر ناز کر رہے تھے، اس مقام پر ذرا رکے اور غور

کیجئے کہ جس خوش نصیب کو قرب رسول ﷺ کا یہ موقع ملا ہے کیا کوئی امتی اس کی عظمت و رفعت کو چھو سکتا ہے اور کیا کسی کو ..... ایمان و تقویٰ، اس کے کمال ایمان و تقویٰ کا اعتراف کئے بغیر نصیب ہو سکتا ہے۔ عشق و محبت کی اس وارفتگی کے دوران ہی سوراخ سے ایک سانپ نے آپ کی ایڑی پر ڈسنا شروع کیا، وہ اپنا کام کرتا رہا لیکن عاشق اپنی کیفیت میں مست رہا، زہر کا اثر پورے جسم میں سرایت کر گیا، آنکھوں میں آنسو بھر آئے لیکن کیا مجال کہ پائے ثبات میں حرکت آجائی، یہ ثبات کا وہ اعلیٰ مقام ہے جو سوائے ابوبکر کے کسی کو نصیب نہ ہو سکا، ہاں جو رسول ﷺ کے عشق میں متوالے ہوتے ہیں انہیں ابوبکر کے صدقہ اس کا کچھ حصہ نصیب ہو جاتا ہے، آج کی شب ابوبکر کو جو ثبات نصیب ہوا وہ دم آخریں تک ان کے عمل و کردار میں کارفرما رہا کہ دشوار سے دشوار ترین مرحلہ میں بھی وہ پیکر ثبات و استقامت نظر آتے ہیں، یاد کیجئے اس نازک موقع کو جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دنیا سے ظاہری پردہ فرمایا اور یاد کیجئے اس اہم فیصلہ کو جو حضرت ابوبکر نے مانعین زکوٰۃ سے مقابلہ کے لئے کیا۔

حضرت ابوبکر نے جن کے لئے یہ ایثار کیا وہ بھی کوئی معمولی ہم جیسا انسان نہ تھا بلکہ وہ اللہ کے با اختیار نبی ﷺ ہیں، جنہیں اللہ نے اپنی قدرت کا مظہر بنا کر دنیا میں مبعوث فرمایا، جن کے پاس صرف زہر کا ہی تریاق نہیں بلکہ ہر مرض کا علاج موجود ہے، چاہے وہ جسمانی ہو یا روحانی، وہ طب القلوب بھی ہیں، عافیۃ الابدان بھی اور نور الابصار بھی ہیں۔ پس جب آنکھ کھولی یا رِغار کا حال دیکھا تو پوچھا کیا ہوا، عرض کی حضور! کوئی کیڑا ڈس رہا ہے، فرمایا دکھاؤ کہاں، آپ نے اپنی ایڑی دکھائی، سرکار نے اپنا لعاب مبارک نکالا اور لگا دیا، لعاب کا لگنا تھا کہ زہر کا اثر کا فور ہوا، سانپ نے سوراخ سے جھانک کر اپنے آقا ﷺ کی زیارت کی اور دوبارہ سوراخ کے اندر چلا گیا۔ یہ تھا اثر شافی الامراض، آقا ﷺ کے لعاب مبارک کا، اسی لعاب سے حضرت قتادہ کی آنکھ کو شفا ملی، یہی لعاب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پیدائشی آشوب چشم کے لئے ذریعہ شفا بنا، اسی لعاب سے کھاری پانی، میٹھا ہوا، اسی لعاب سے خشک کنوؤں کے سوتے جاری ہوئے، گویا ہزار بیماریوں کا ایک علاج، میرے آقا ﷺ کا مقدس لعاب، پس سچ فرمایا حضرت امام بوسیری رحمۃ اللہ علیہ نے:

يَا أَكْرَمَ الْخَلْقِ مَالِي مَنْ أَلُوذُ بِهِ سِوَاكَ عِنْدَ حُلُولِ الْحَادِثِ الْغَمِّ

یعنی اے بہترین خلایق! میں مصائب و آلام کے وقت آپ ﷺ کے سوا اور کس کی پناہ لوں یعنی مصیبت زدوں کی جائے پناہ، صرف آپ ﷺ ہی کی توذات مبارک ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس غار میں تین دن قیام فرمایا، حضرت صدیق اکبر کے پروگرام کے مطابق روزانہ اسماء بنت ابی بکر کھانا وغیرہ لے کر آتی تھیں، ابوبکر کے غلام مالک بن فہیرہ، روزانہ بکریاں چراتے یہاں آجایا کرتے اور دونوں کو تازہ دودھ پلا کر واپس ہو جاتے، صاحبزادے عبدالرحمن بن ابی بکر اہل مکہ کے حالات بتانے اور ضروری خبریں دینے کے لئے حاضر ہوا کرتے تھے، گویا پورا خاندان آقا ﷺ کی خدمت پر لگا ہوا تھا، قابل توجہ ہے یہ بات کہ ان میں سے مسلمان نہ ہونے کے باوجود کسی نے کفار کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا پتہ نہ دیا، حضرت اسماء کو تو مارا بھی گیا، آپ کا کان پھٹ گیا، کان سے بالی گر پڑی، پھر بھی کوئی ماں کا لال آپ کو مخبری کرنے پر مجبور نہ کر سکا، حتیٰ کہ غلام بھی ایسا وفادار جو کفار کی طرف

سے اعلان کردہ دولت کے لالچ میں بھی مبتلا نہ ہوا اور کسی کو اس نے بھنک تک نہ پڑنے دی کہ حقیقت میں یہ سب وہ لوگ تھے جن کے قلوب پر ایمان کی جھلک پڑ چکی تھی اگرچہ اب تک زبان سے کلمہ نہیں پڑھا تھا، بالآخر ایک دن یہ سب مشرف باسلام ہوئے۔

### ثانی اثنین کا اعزاز

عشق و محبت کے ساتھ خدمت رسول ﷺ کا جو صلہ، ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ملا، اس میں سب سے بڑا اعزاز آپ کے لئے ثانی اثنین کا خطاب ہے، جو آقا ﷺ نے عطا فرمایا اور اللہ نے اس پر مہر تصدیق فرمائی، ”ثَانِيِ اثْنَيْنِ اِذْهُمَا فِي الْغَارِ“ کے قرآنی اعلان کا اب کون انکار کر سکتا ہے، یعنی پہلے رسول ﷺ، پھر دوسرے اور امت میں سب سے پہلے ابو بکر کہ اس کے بعد آپ ہر جگہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد دوسرے نظر آتے ہیں، حتیٰ کہ امامت پہلے حضور کا حق ہے تو آپ ﷺ نے اپنی موجودگی ہی میں یہ حق ابو بکر کو سونپا اور اسی بناء پر حضور ﷺ کے بعد صحابہ نے آپ ہی کو خلیفہ تسلیم کیا، آپ ہی حضور ﷺ کے بعد دوسرے قرار پائے جو حجرۂ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا میں حضور ﷺ کے پہلو میں آرام فرما ہیں، یوم حشر اٹھنے والوں میں آپ ہی دوسرے ہوں گے، حوض کوثر پر آپ ہی دوسرے ہوں گے، دخول جنت میں آپ ہی دوسرے ہوں گے، غرضیکہ ثانی اثنین کا اعزاز آپ کے تمام اعزازات کی بنیاد ہے جو قرآن کریم سے ثابت ہے۔ گویا آپ کی فضیلت و عظمت پر قرآن ناطق و شاہد ہے، جس کا انکار ضلالت و گمراہی ہے، اللہ محفوظ رکھے۔

ثانی اثنین کے اعزاز کی بناء یہ واقعہ بنا کہ کفار مکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تلاش کرتے کرتے، غار کے منہ پر آ پہنچے لیکن خیر الما کرین کی تدبیر دیکھتے کہ پہلے ہی غار کے منہ پر مکڑی کو جالاتان دینے کا حکم دیدیا گیا، ایک خادار جھاڑی اگادی گئی، جس پر کبوتر کے ایک جوڑے نے بحکم الہی اپنا گھونسلہ بنایا، انڈے دیئے اور کبوتری انڈے سہنے بیٹھ گئی، یہ حال دیکھ کر کفار کو وہم و گمان بھی نہ ہو سکتا تھا کہ غار کے اندر کوئی چھپا ہوگا، شیطان نے علقمہ بن کرز کے دل میں بات ڈالی، وہ بولا ہمیں غار کے اندر دیکھنا چاہئے، فوراً ہی خیر الما کرین نے امیہ بن خلف سے کہہ لادیا کہ اے علقمہ تو بھی عجیب بات کہتا ہے، یہ جھاڑی نہیں دیکھتا، کبوتر کا گھونسلہ تجھے نظر نہیں آ رہا اور یہ دیکھ مکڑی کا یہ جال تو محمد ﷺ کی پیدائش سے بھی پہلے کا نظر آتا ہے، اب بھی تو کہہ رہا ہے کہ غار کے اندر دیکھو، کوئی اندر جاتا تو یہ سب کچھ کیسے باقی رہتا، بڑا ہی عقل کا اندھا ہے تو اسی دوران اپنی جان سے زیادہ عزیز جاننے والے عاشق کو بے چینی ہوئی، جس کا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے احساس فرماتے ہوئے پوچھا، کیا ہوا اے ابو بکر! عرض گزار ہوئے، یا رسول اللہ ﷺ! دشمن غار کے منہ پر ایسا کھڑا ہے کہ اگر وہ اپنے پیر پر نظر ڈالے تو ہمیں دیکھ لے گا، پھر تو بڑی ہی پریشانی کا سامنا کرنا پڑے گا، نبی ﷺ کا قلب مبارک نہایت پرسکون تھا، اللہ انہیں پہلے ہی تسکین و طمانیت کی نعمت سے نواز چکا تھا، ”فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِينَتَهٗ عَلَيْهِ“ کا ارشاد اس حقیقت ہی کو بیان فرما رہا ہے، پس اللہ کے نبی ﷺ نے بڑے ہی اطمینان سے جو کچھ فرمایا اس کو قرآنی الفاظ میں ہم تک اس طرح پہنچایا گیا، ”لَا تَحْزَنُ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا“ نم نہ کرو، اللہ ہمارے ساتھ ہے، اس سے پہلے کے الفاظ ہیں، ”اِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ“ یہ بات انہوں نے اپنے صاحب سے

فرمائی، یعنی ابوبکر وہ صاحب رسول ﷺ ہیں جن کی صحابیت کا قرآن اعلان فرما رہا ہے، پس ان کی صحابیت میں کسی شک و شبہ کی گنجائش باقی نہ رہی، اب ان کی صحابیت کا انکار، قرآن کا انکار قرار پائے گا۔

اس ارشاد کے بعد ابوبکر کو بھی بوسیلہ نبی ﷺ سکون حاصل ہو گیا جو ہمیشہ ہر موقع پر ان پر غالب رہا، انہوں نے سفر ہجرت کی منزلوں کو نہایت سکون سے طے کیا، وہ مدینہ منورہ پہنچنے کے بعد بھی ہر موقع پر، پرسکون نظر آتے ہیں، چاہے وہ مدینہ میں قیام کا مسئلہ ہو یا مہاجرین کی رہائش اور ان کے کاروبار کے مسائل ہوں، سیاسی امور ہوں یا تجارتی معاملات، منافقوں کی سازشوں اور کفار کی ریشہ دوانیوں کا مقابلہ ہو، میدان جہاد ہو یا زمانہ امن، غزوہ بدر کی فتح و کامرانی کا وقت ہو یا غزوہ احد میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کفار کی ایذا رسانی کا پر آشوب مرحلہ ہو، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیات مبارکہ میں حالات کا مقابلہ ہو یا آپ ﷺ کے بعد بحیثیت خلیفہ قیادت کی عظیم ذمہ داری پوری کرنے کا دور ہو، بہر حال واقعات شاہد ہیں کہ حضرت ابوبکر ہر مرحلہ پر صحابہ کرام کی نسبت سب سے زیادہ پرسکون رہے اور ہر معاملہ کو نہایت ہی اطمینان سے طے کرتے رہے اور کیوں نہ ہو کہ جب اللہ نے غار ثور میں اپنے نبی ﷺ کو سکینہ کی دولت سے مالا مال کیا تو اس وقت بلا واسطہ اس کا فیض حاصل کرنے والا، وہاں سوائے ابوبکر کے اور کون تھا۔

اس مرحلہ پر ایک نکتہ اور قابل توجہ ہے کہ واقعات ہجرت میں آپ کو متعدد واقعات ملیں گے جو نہایت اہم بھی ہیں اور عجیب بھی مثلاً سراقہ بن مالک کا واقعہ، ام معبد کا واقعہ اور دیگر واقعات لیکن سوائے ایک واقعہ ثور کے قرآن کریم نے کسی واقعہ کی طرف اشارہ تک نہ فرمایا، حتیٰ کہ اس اعزاز کا بھی ذکر نہ کیا گیا جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی حضرمی چادر، اپنا مقدس بستر دیکر عطا فرمایا، سوچئے اس کی کیا وجہ ہے؟ ہم سمجھتے ہیں کہ حقیقت میں یہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ان تمام خدمات اور قربانیوں کا صلہ تھا جو اب تک آپ اسلام کے لئے کر چکے تھے اور جو آئندہ کرنے والے تھے، جن سے ہمیشہ کے لئے دین کی جڑیں مضبوط و مستحکم ہوئیں، پس اللہ رب العزت جل مجدہ نے، ”ثَانِي اثْنَيْنِ“ کے خطاب سے انہیں نواز کر قیامت تک کے لئے ان کے منصب رفیع کو محفوظ فرمادیا، نیز یہ واضح کر دیا کہ صدیق اکبر کی یہ قربانی ایک نہایت ہی نازک وقت پر تھی، جس میں وہ تنہا ہیں، کوئی ان کا شریک نہ بن سکا، اسی لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

کاش میری ساری نیکیاں حضرت ابوبکر کی ایک رات اور ایک دن کی نیکیوں کے برابر ہو جاتیں، رات، ہجرت کی رات اور دن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کا دن، جب آپ نے اسلام کی ڈوبتی کشتی کو بچایا اور مسئلہ خلافت طے فرما کر مسلمانوں کو خانہ جنگی سے محفوظ رکھا۔ (تفسیر خازن)

غرضیکہ تین دن غار ثور میں قیام کے بعد سفر ہجرت کا آغاز ہوا، حضرت ابوبکر کی پروردہ اونٹنیوں پر سوار ہو کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنی منزل کی طرف روانہ ہوئے، پہاڑوں، گھاٹیوں، وادیوں کا پر خطر راستہ ہے، جس کا آج تصور بھی ناممکن ہے، صرف دو مسافر ہیں، کھانے پینے کا سامان بھی پورا ساتھ نہیں، کبھی دور دور پانی نظر نہ آتا تھا، مزید برآں دشمن کے تعاقب کا خطرہ، کفار مکہ اعلان کر چکے تھے کہ جو بھی ان دونوں کو پکڑ کر لائے گا، اسے انعام و اکرام



سے نوازا جائے گا، اسی لالچ میں سراقہ بن مالک پیچھا کر رہا تھا غرضیکہ صعوبتیں ہی صعوبتیں تھیں لیکن جن پر اللہ پہلے ہی اپنی سیکہ نازل فرما چکا تھا، وہ نہایت سکون و اطمینان کے ساتھ اپنی منزل کی طرح رواں دواں تھے، تیز رفتار اونٹنیاں دنوں کا سفر گھنٹوں میں طے کر رہی تھیں، اللہ کی نصرت و حمایت ہر حال میں ان دونوں کے ساتھ تھی، ”وَإِنَّهُ بِجُنُودٍ لَّمْ تَرَوْهَا“ ایک ایسا لشکر ساتھ تھا جسے کسی نے نہ دیکھا، سراقہ قریب ہونے لگا تو اس کا گھوڑا زمین میں دھنسے لگا جو گرفتار کرنے آیا تھا وہ خود گرفتار عذاب تھا، امن کی بھیک مانگنے لگا، پیغمبر امن ﷺ نے معاف کیا اور ہمیشہ کے لئے امان کا وعدہ فرمایا، وہ انعام کا لالچی تھا، پس اسے انعام سے بھی نوازا کہ خوشخبری سنائی، اے سراقہ! ”كَيْفَ بَكَ إِذْ لَبِستَ سَوَادِي كَسْرِي“ تیری خوشی کا اس وقت کیا حال ہو گا جب تجھے کسری کے کنگن پہنائے جائیں گے، آٹھ ہجری میں غزوہ حنین کے بعد سراقہ مشرف باسلام ہوئے اور جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں ایران فتح ہوا اور کسری ہرمز کے سامان سے مسجد نبوی ﷺ شریف کا صحن بھر گیا، اس میں خلیفۃ المؤمنین نے کسری کے قیمتی کنگن دیکھے، آپ نے اٹھائے اور باواز بلند فرمایا، اَيْنَ سَوَادِي، سراقہ دوڑے بھاگتے حاضر ہوئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ خوش ہو کر اللہ کا شکر کرتے ہوئے، مخبر صادق ﷺ کے ارشاد کے مطابق سراقہ کو کسری کے کنگن پہنا دیتے ہیں، اس واقعہ کو نصرت الہی کے سوا اور کیا کہا جاسکتا ہے، اس سخت سفر میں اور متعدد واقعات ایسے پیش آئے جو یہ حقیقت سمجھنے کے لئے کافی ہیں کہ اللہ خیر الما کرین کی تدبیر غالب رہی اور کفار کی تمام تدابیر ملیا میٹ ہو گئیں، وہ ناکام ہوئے، نامراد ہوئے اور ہمیشہ یہی ہوتا رہا اور اگر مومن اللہ پر بھروسہ کر کے اللہ کی راہ میں قدم اٹھائے تو ہمیشہ یہی ہوتا رہے گا، ”وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِينَ كَفَرُوا السُّفْلَى“ کفار کے عزائم و تدابیر کو نیچا کر کے دکھا دیا، ان کی قوت و طاقت کو پامال کر کے دکھا دیا تا کہ قیامت تک ہر دور کے اہل ایمان یہ یقین رکھیں کہ چاہے کچھ ہو جائے ”كَلِمَةُ اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَا“ یہ اہل فیصلہ الہی ہے کہ اللہ کا کلمہ بلند ہے، ہمیشہ بلند رہے گا کہ یہ دین دینے کے لئے نہیں، سر بلند ہونے ہی کے لئے آیا ہے، یہ سر بلند رہے گا، اگر ہم اس کی سر بلندی کی خدمت انجام دیں گے تو ہمارا ہی فائدہ ہے کہ ہم بھی اپنے اسلاف کی طرح سر بلند ہو جائیں گے، ورنہ اللہ قادر مطلق ہے ہمیں نیست و نابود کر کے اپنے دین کی سر بلندی کا ذمہ دار ایسے لوگوں کو بنا دے گا جو ہر اعتبار سے ہم سے بہتر ہوں گے۔ اسلام تو نور الہی ہے، آج تک کوئی چاند، تاروں اور سورج کا نور نہ چھین سکا، تو کس کے بس میں ہے کہ وہ نور الہی سے اللہ کی زمین کو محروم کر دے اور اشرف المخلوقات انسان ضلالت و گمراہی کی تاریکی میں ٹھوکریں کھاتا پھرے۔

يُرِيدُونَ أَن يُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَيَأْبَى اللَّهُ إِلَّا أَن يُتِمَّ نُورَهُ وَلَوْ كَرِهَ

(توبہ: ۳۲)

الْكَافِرُونَ

(کفار) چاہتے ہیں کہ بھجادیں اللہ کے نور کو اپنی پھونکوں سے اور اللہ انکار (فیصلہ) فرماتا ہے مگر یہ کہ

کمال تک پہنچا دے گا اپنے نور کو اگرچہ ناپسند کریں اس کو کافر۔

کس قدر واضح اعلان ہے، اسی قسم کا ارشاد سورہ الصف (۸) میں موجود ہے، نہایت سازگار حالات کے باوجود مجھ

اللہ، نور الہی اپنے کمال کو پہنچا اور اعلان کیا گیا ”الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ“، ہر چیز پر کمال کے بعد زوال ہے، سوائے نور الہی کے نیز اس نور سے مقدر والوں ہی کے قلوب چمکتے ہیں، ”يَهْدِي اللَّهُ لِنُورِهِ مَن يَشَاءُ“ فیصلہ الہی ہے کہ جسے چاہتا ہے، اللہ اپنے نور کی طرف پہنچا دیتا ہے۔ غرضیکہ نور الہی جب طلوع کے ابتدائی مرحلے میں تھا تو اس دور کی کوئی ”سپر پاور“ (قصر و کسریٰ) اس کو نقصان نہ پہنچا سکی تو آج جبکہ یہ نور ساری کائنات میں چمک رہا ہے، نقطہ کمال پر پہنچ چکا جو اس کی ابدی منزل ہے، تو کوئی ”سپر پاور“ ایسی ہے جو اس کی شعاعوں کو مدھم کر سکے، اے اللہ! کرم فرما، ہمارے قلوب کو اپنے نور سے منور فرما دے اور ہمیں ان لوگوں میں شامل فرما جنہیں تو نے اپنے کلمہ حق کی خدمت و بلندی کے کام کے لئے منتخب فرمایا ہے، یہی تیرے نیک بندے ہیں، ”رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مِنْهُمْ وَاخْشَرْنَا مَعَهُمْ“

وَصَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَى خَيْرِ خَلْقِهِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ



## مقالہ ۵۵

### التوبہ: ۱۱۹

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ ﴿١١٩﴾

(التوبہ: ۱۱۹)

اے ایمان والو! ڈرتے رہا کرو اللہ سے اور ہو جاؤ سچے لوگوں کے ساتھ۔

آیت مذکورہ میں اہل ایمان کے لئے دو ہدایات جاری فرمائی گئیں، ”اتَّقُوا اللَّهَ“ اللہ سے ڈرتے رہو، ”وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ“ اور سچوں کے ساتھ رہو، آئیے ان پر غور کریں اور ہدایت دینے والے سے دعا کریں کہ وہ ان پر عمل کی توفیق عطا فرمائے کہ حقیقتاً وہی ہدایت دینے والا ہے۔

يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿١٢٢﴾

(البقرہ: ۱۲۲)

(اللہ ہی) ہدایت دیتا ہے جسے چاہتا ہے سیدھے راستے کی طرف۔

وَاللَّهُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿٢١٣﴾

(البقرہ: ۲۱۳)

اور اللہ ہی ہدایت دیتا ہے جسے چاہتا ہے سیدھے راستے کی طرف۔

لیکن یہ ہدایت بغیر تقویٰ کے نصیب نہیں ہوتی، جو تقویٰ اختیار نہیں کرتے، وہ فاسق ہیں اور اللہ فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

وَاتَّقُوا اللَّهَ ۖ وَاسْمَعُوا ۚ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ﴿١٠٨﴾ (المائدہ: ۱۰۸)

اور اللہ سے ڈرتے رہو اور اس کا حکم سنو اور اللہ ہدایت نہیں دیتا فاسق قوم کو۔

اور جسے اپنے فضل و کرم سے اللہ نے ہدایت دے دی کوئی نہیں جو اسے گمراہ کر سکے۔

وَمَنْ يَهْدِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ مُضِلٍّ ۚ أَلَيْسَ اللَّهُ بِعَزِيزٍ ذِي انْتِقَامٍ ﴿٣﴾ (الزمر: ۳)

اور جسے اللہ ہدایت بخش دے اس کو کوئی گمراہ کرنے والا نہیں، کیا نہیں ہے اللہ زبردست انتقام لینے والا؟

پس اے اللہ! ہادی برحق ﷺ کے وسیلہ جلیلہ ہے:-

إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ۚ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۚ

ہمیں ہدایت عطا فرما سیدھے راستے کی طرف ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام فرمایا۔

اتَّقُوا اللَّهَ

اللہ سے ڈرتے رہو، اس طرح کہ اپنی زندگی کا ہر لمحہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کے مطابق بسر کرو کہ یہی تقویٰ ہے اور تقویٰ ہی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا کا ذریعہ ہے، یہی ایمان کا مقتضا اور مومن کی پہچان ہے، اسی کا نام ایمانی قوت ہے، یہ مومن کا حسن ہے کہ اس سے مومن کا چہرہ پر نور، پرکشش، بارعب ہو جاتا ہے کہ اپنے اس کی عزت کرتے ہیں اور غیر اس سے خوفزدہ ہوتے ہیں، تقویٰ ہی پر (نیکی) ہے، متقی قیامت کے دن اللہ کی رحمت کا سایہ پائیں گے، انہی کے لئے اللہ کے پاس بہترین ٹھکانہ ہے، متقی کو اس کے اعمال پر اجر عظیم دیا جاتا ہے، جو تقویٰ اختیار کر لیتا ہے، وہ ہر قسم کے خوف و غم سے آزاد ہو جاتا، پریشانیوں سے نجات پاتا ہے، اس کے لئے رزق کے غیبی ذرائع مہیا کر دیئے جاتے ہیں، اس کے کاموں کو سہل و آسان کر دیا جاتا ہے، اس کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں، اللہ اس کا کوئی عمل ضائع نہیں فرماتا، تقویٰ ہی آخرت کا بہترین توشہ ہے، ہر میدان میں کامیابی و کامرانی متقین ہی کا مقدر ہے، ”هُمْ الْفَائِزُونَ“ تقویٰ، مومن میں فرقان کی صلاحیت پیدا کرتا ہے یعنی اس کے لئے حق و باطل، اچھائی اور برائی میں امتیاز کرنا آسان ہو جاتا ہے اور یہ صلاحیت اللہ کی ایک بڑی نعمت ہے، متقین ہی کے لئے قرآن بھی ذریعہ ہدایت ہے، متقین ہی سید الاتقیاء ﷺ کے دریائے رحمت سے سیراب ہوتے ہیں، تقویٰ، انبیاء علیہم السلام کا شعار ہے اور اسی کی تعلیم و تربیت کے لئے انہیں مبعوث فرمایا گیا۔

یہ عنوان گزشتہ صفحات پر کئی جگہ آچکا ہے اسی لئے یہاں ہم اس کو مزید تفصیل سے عرض کرنے کی ضرورت نہیں سمجھ رہے، مندرجہ بالا سطور میں ہم نے قرآنی آیات کی روشنی میں، تقویٰ کے کچھ فوائد عرض کئے ہیں جن سے اس کی اہمیت کا بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے، آخر میں اس سے متعلق سید الاتقیاء ﷺ کے چند ارشادات ملاحظہ فرمائیے۔

درج ذیل ارشاد، خطبہ حجتہ الوداع کا ایک حصہ ہے، اس خطبہ میں اہل ایمان کو نہایت اہم ہدایات دی گئیں بلکہ یہ

امت کے لئے ایک نظامِ عمل ہے جو قدامت ﷺ نے قیامت تک پیدا ہونے والے غلاموں کے لئے عطا فرمایا، راوی ہیں، حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ، فرماتے ہیں خطبہ حجۃ الوداع میں میں نے سنا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

اتَّقُوا اللَّهَ وَصَلُّوا خَمْسَكُمْ وَصُومُوا شَهْرَكُمْ وَأَدُّوا زَكَاةَ أَمْوَالِكُمْ وَأَطِيعُوا

أَمْرَاءَكُمْ تَدْخُلُوا جَنَّةَ رَبِّكُمْ ﴿١﴾

(اے لوگو!) اللہ سے ڈرتے رہو، پانچوں نمازوں کی پابندی کرو اور ماہِ رمضان کے روزے رکھتے رہو،

اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کیا کرو اپنے حکام کی فرمانبرداری اختیار کرو، اپنے رب کی جنت میں داخل ہو جاؤ

گے۔ (ترمذی شریف)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پوچھا گیا کہ ”اَكْرَمُ النَّاسِ“، کون ہے آپ ﷺ نے فرمایا، ”اتَّقَاهُمْ“ جو اللہ سے سب سے زیادہ ڈرتا ہو، (جیسا کہ قرآن کریم میں ہے، ”إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ اتَّقَاهُمْ“ اللہ کے نزدیک اکرم الناس وہ ہے جو اتقی سب سے زیادہ اللہ سے ڈرتا ہو)۔ (بخاری شریف)

یہ روایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

جو شخص سب سے زیادہ طاقتور بننے کی آرزو رکھتا ہے، ”فَلْيَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ“ اے اللہ پر توکل کرنا چاہئے اور جو سب سے زیادہ غنی، دولت مند بننا چاہتا ہے، ”فَلْيَكُنْ بِمَا فِي يَدِ اللَّهِ أَوْثَقَ بِمَا فِي يَدِهِ“ اے چاہئے کہ وہ اپنے قبضہ میں موجود دولت سے زیادہ اُس دولت پر یقین رکھے جو اللہ کے قبضہ میں ہے اور جو سب سے زیادہ مکرم و معظم (باعزت و باوقار) بننا چاہتا ہے، فَلْيَتَّقِ اللَّهَ، اے چاہئے کہ اللہ سے ڈرا کرے، (متقی بن جائے) (ابن کثیر)

حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک دعا ملاحظہ ہو، ہو سکے تو یاد کر لیجئے، راوی ہیں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ، فرماتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام دعا کیا کرتے تھے۔

اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ الْهُدَى وَالتَّقَى وَالْعِفَافَ وَالْغِنَى

اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں ہدایت، تقویٰ، پاکدامنی اور غناء کا۔ (مسلم شریف)

كُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ

تقویٰ، بڑی محنت و مشقت سے حاصل ہوتا ہے اور جسے یہ نصیب ہو گیا اسے بڑی ہی عظیم دولت مل گئی، جس کی حفاظت دنیا کی ہر دولت سے زیادہ ضروری ہے کیونکہ اس پر ڈاکہ بہت جلدی پڑتا ہے اور ڈاکو کوئی کمزور انسان نہیں بلکہ وہ مکار و فریبی شیطان ہے جسے اللہ نے انسان کا عدو و مبین بنا کر انسان کو باخبر فرما دیا ہے کہ بس یہی تمہارا بڑا دشمن ہے اس سے بچتے رہنا، اس ظالم نے تو آدم و حوا علیہما السلام کو بھی نہ چھوڑا، وہ بھی اس دنیا میں نہیں بلکہ جنت کے محفوظ حصار میں۔ یہ کبھی انسان کی صورت میں ہمدرد بن کر آتا ہے اور کبھی جنات کے روپ میں۔ جو کام یہ کرانا چاہتا ہے، ان کاموں کو بڑا ہی پرکشش، نفع بخش بنا کر پیش کرتا ہے اور جو اس کا شکار بن جاتا ہے اسے بے یار و مددگار کر کے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ذلت و خواری کے گڑھے

میں ڈھکیل دیتا ہے اور خود اپنی کامیابی پر خوشی سے اچھلتا کودتا ہے، پس جس کا یہ ساتھی بنا، ”فَسَاءَ قَرِينًا“ اسے بہت ہی برا ساتھی ملا، اب خسران، ذلت و خواری اس کا مقدر بن جائے گی۔

وَمَنْ يَتَّخِذِ الشَّيْطَانَ وَلِيًّا مِّنْ دُونِ اللَّهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِينًا ﴿١١٩﴾ (النساء: ۱۱۹)

اور جو اللہ کو چھوڑ کر شیطان کو اپنا دوست بنا لے تو اس نے نقصان اٹھایا، کھلا نقصان۔

غرضیکہ اس مکار ڈاکو سے دولت تقویٰ کو بچانا نہایت اہم ہے، جو تنہا کسی کے بس کی بات نہیں کہ تنہائی تو خود ایک کمزوری ہے۔ اس حالت میں تو عام دولت کی حفاظت عام چور اور ڈاکو سے ممکن نہیں تو دولت تقویٰ کو شیطان جیسے ڈاکو سے کیسے بچایا جاسکتا ہے، اس کے لئے تو محافظین کی ایک بڑی جماعت، ایک بڑا جری اور بہادر لشکر چاہئے، اسی جماعت اور لشکر کا نام ”الْصَّادِقِينَ“ ہے، یہ جماعت ہے ان مقربین بارگاہ الہی کی جو تقویٰ کے ایسے اعلیٰ مرتبہ پر ہیں کہ اب اللہ اپنے خصوصی فضل و کرم سے خود ان کی دولت تقویٰ کا محافظ بن گیا ہے، ان پر ڈاکہ ڈالنا تو درکنار اب تو ڈاکو ان کے سایہ سے بھاگنے لگا ہے، پس جو ان کے حصار میں آگیا، ان سے وابستہ ہو گیا، ان کے دامن میں پناہ گزین ہو گیا اس نے اپنی دولت کو محفوظ کر لیا۔ اب اسے چاہئے کہ جو جمع کر چکا ہے اس کی فکر نہ کرے، مزید آگے بڑھے، مزید لمائے جن کے ساتھ ہے ان کی تعلیم و تربیت پر عمل پیرا ہو کر اس دولت سے مالا مال ہوتا جائے، حتیٰ کہ وہ ایک دن انہی جیسا ہو جائے گا، انہی میں اس کا شمار ہونے لگے گا کہ یہ جن کا غلام بنا ہے ان کا شیوہ کسی کو غلام بنائے رکھنا نہیں بلکہ غلاموں کو آقا بنا دینا ہے، دیکھئے سید الصادقین علیہ السلام نے اپنے غلاموں کو کس مرتبہ و مقام پر پہنچا دیا کہ بکریاں چرانے والے بھی آقا بن گئے، صہیب و بلال (رضی اللہ عنہما) جیسے بھی ہمارے سر کا تاج بن گئے، ان کا احترام، ان سے محبت ہمارے تقویٰ کا ذریعہ ہے، ان کی عظمت کا اعتراف، ہمارے ایمان کی بقاء ہے، ان کے دامن سے وابستگی ہماری نجات کی ضمانت ہو گئی۔

امت مسلمہ پر اللہ کا یہ بڑا ہی کرم ہے کہ اس میں صادقین کا سلسلہ جاری ہے، جو متقین امتیوں کے تقویٰ کے محافظ ہیں اور یہ سلسلہ اسی طرح جاری ہوا کہ ہر صادق اپنے غلام کو صادق بناتا رہا، یہ سلسلہ قادریہ، چشتیہ، صابریہ، نقشبندیہ، سہروردیہ وغیرہ کیا ہیں ان صادقین کے غلاموں کی ایک زنجیر ہے جو اپنے آقاؤں سے وابستہ ہو کر صادق بنے اور جو ان سے وابستہ ہوا اسے صادق بناتے رہے، انہی حضرات کی راہ اختیار کرنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا گیا:

وَأَتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ ﴿١٥﴾ (لقمان: ۱۵)

اس کے راستہ کی پیروی کرو جو میری طرف مائل ہوا۔

اللہ کی طرف تو وہی مائل ہوا ہے جو اپنے میلان طبع اور خواہشات نفس کے مطابق زندگی بسر نہیں کرتا بلکہ اس کے شب و روز، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی تعمیل میں بسر ہوتے ہیں، اس کا ہر عمل رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق اور حکم رب کا مظہر ہوتا ہے، وہ اطاعت و پیروی کا اس قدر عادی ہو جاتا ہے کہ اس کی طبیعت کا میلان شرعی احکام کے علاوہ کسی چیز کی طرف نہیں ہو پاتا، حتیٰ کہ اس کی سوچ اور فکر کا انداز بھی بدل جاتا ہے، یہی مومنین کاملین ہیں، جن کے دامن سے وابستہ

ہونے اور ان کی راہ اختیار کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے، یہی اللہ کے وہ انعام یافتہ بندے ہیں جن کی راہ کو صراطِ مستقیم قرار دیا گیا اور ”إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ“ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ“ جیسی عظیم دعا کرنے کی تعلیم دی گئی۔

صادقین کی چند خوبیاں :- اللہ نے صادقین سے اپنی محبت کا اعلان کرتے ہوئے انہیں ان کے مراتب کے مطابق متعدد ناموں سے یاد فرمایا، وہ متقین ہیں اس اعتبار سے کہ تقویٰ و پرہیزگاری ان کا اوڑھنا بچھونا ہے، وہ محسنین ہیں کیونکہ نیکی اور حسن سلوک ان کا وطیرہ ہے، وہ توابین ہیں کہ اپنے تقویٰ پر انہیں ناز اور گھمنڈ نہیں بلکہ اظہارِ عجز و نیاز کرتے ہوئے وہ اللہ کے حضور روتے اور گڑگڑاتے ہی رہتے ہیں، جس سے ان کے مراتب مزید بلند ہوتے ہیں، وہ متطہرین ہیں کہ روحانی و جسمانی، ظاہری و باطنی نجاستوں سے وہ بچتے رہتے ہیں اور کمال تزکیہ و تطہیر کے لئے کوشاں رہتے ہیں، پس انہیں ایسی ردائے تطہیر نصیب ہوتی ہے کہ ان کے ساتھ جو بھی اس میں پناہ لیتا ہے، نجاستوں اور غلاظتوں سے پاک ہو جاتا ہے، یہ حضرات متوکلین ہیں کہ اللہ کی ذات و صفات پر انہیں ایسا غیر متزلزل اعتماد و بھروسہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے عمل، اپنی محنت و مشقت کے ہر انجام کو خیر اور بھلا ہی سمجھتے اور اس پر راضی برضائے مولا رہتے ہیں، اللہ پر ان کا توکل و اعتماد، وہ ان میں ارادہ و عزم کی تکمیل اور حصول منزل کے لئے اقدام کا ایسا حوصلہ پیدا کرتا ہے کہ انہیں اپنی کامیابی و کامرانی میں کوئی تذبذب یا شک و شبہ نہیں ہوتا، چاہے حالات سازگار ہوں یا نہ ہوں، ظاہری و مادی وسائل اجازت دیتے ہوں یا نہ دیتے ہوں، وہ توکل کرتے ہیں اور یقین رکھتے ہیں کہ ”وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ“ اور اس یقین کامل کے ساتھ جب وہ اپنی منزل کی طرف قدم اٹھاتے ہیں تو کامیابی و کامرانی ان کے قدم بوس ہوتی ہے، یہی حضرات مقسطین کہلاتے ہیں کہ عدل و انصاف ان کا شیوہ ہوتا ہے یہ اپنی ذات کے ہاتھ بھی عدل کرتے ہیں کہ اللہ کی عطا کردہ نعمتوں کو اللہ کی رضا کے مطابق استعمال کرتے ہیں، وہ اپنے نفس کے ساتھ بھی عدل کرتے ہیں کہ وہ اسے صرف اور صرف شرعی خواہشات کا عادی بنا لیتے اور ان ہی کو پورا کرتے ہیں، وہ اپنے معاشرے کے ساتھ بھی انصاف کرتے ہیں کہ ہر کسی کا حق پورا پورا ادا کرتے ہیں، یہی شاکرین ہیں کہ ہر حال میں شکر الہی ان کی عادت ہے، نہ تو مسرت و خوشی کے لمحات انہیں اعراض و روگردانی میں مبتلا کرتے ہیں اور نہ رنج و غم، مصائب و آلام کی آندھیاں انہیں مایوسی و ناامیدی یا شکوہ و سنجی کے خرمن میں ڈھکیل پاتی ہیں بلکہ جب وہ خوش ہوتے ہیں تو اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں اور ”وَلَمَّا شَكَرْتُمْ لَا زِيدَنَّكُمْ“ کے وعدہ الہی پر یقین کرتے ہوئے مزید انعاماتِ الہیہ کے طلب گار ہوتے ہیں اور جب رنجیدہ و غمزدہ ہوتے ہیں تو عرض گزار ہوتے ہیں کہ اے رب کریم! تیرا شکر ہے کہ تو نے ہمیں اس سے زیادہ رنج و غم سے محفوظ رکھا کہ ہم ہی میں بہت سے ہم سے بھی زیادہ مصائب و تکالیف میں مبتلا ہیں، نیز ”وَاللَّهُ الْمُسْتَعَانُ“، پر یقین کرتے ہیں، رب ہی سے التجا کرتے ہیں کہ مولیٰ ہمیں اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وسیلہ جلیلہ سے اس مصیبت سے نجات عطا فرما، یہی لوگ صابرین ہیں کہ ہر حال میں صبر کر کے یہ نصرت و رحمت الہی کے مستحق قرار پاتے ہیں، زندگی کے کسی موڑ پر یہ تنہا نہیں رہتے، اللہ کی مدد ان کے ساتھ ہوتی ہے، زندگی کا ہر سفر ان کے لئے سہل و آسان ہو جاتا ہے، جسم کو چھلنی کر دینے والے کانٹے بھی ان کے لئے مہکتے پھول بن جاتے ہیں، ہر حال میں ”إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ“ کا ورد منزل کی

طرف ان کی رہبری و رہنمائی کرتا ہے، یہی صادقین ہیں جنہیں ولایت کا اعلیٰ منصب نصیب ہوتا ہے، جس کو پانے کے بعد یہ مستقبل کے خوف اور ماضی کے حزن سے آزاد ہو جاتے ہیں، استقلال و استقامت کا پہاڑ بن کر اللہ کے ایسے مقرب و محبوب بن جاتے ہیں کہ دنیا ہی میں فرشتے خوف و حزن سے آزادی کی خبر دیتے اور جنتی ہونے کا مژدہ سناتے ہیں جہاں یہ اللہ کے مہمان ہوں گے اور ان کی ہر خواہش پوری کر کے ان کی میزبانی کی جائے گی۔

اے ایمان والو! ایمان کا تقاضا یہی ہے دین و دنیا کی بھلائی اسی میں ہے کہ تم ہر حال میں اللہ سے ڈرتے رہو، تقویٰ اختیار کرو یہ تقویٰ تمہاری زندگی کو سہل و آسان بنا دے گا، تمہارے ظاہر و باطن کو حسین و جمیل کر دے گا کہ مومن کے لئے اس سے بہتر کوئی دوسرا زیور نہیں ہو سکتا، نیز اپنے تقویٰ کی بقاء کے لئے، اس کے تحفظ کے لئے، اس کی نشوونما کے لئے، اس میں اضافہ کے لئے، صادقین کا ہاتھ پکڑ لو، ان کے مرید بن جاؤ کہ یہ لوگ اللہ کے محبوب بن چکے ہیں، اللہ ان کے تقویٰ کا محافظ ہو گیا ہے، اللہ ہی کے فضل و کرم سے ان کے مراتب دن بدن بلند ہو رہے ہیں۔ ان کے دامن سے وابستگی، ان کی ارادت اور ان سے عقیدت، تمہاری دنیا و آخرت میں ترقی، عزت و عظمت کی ضمانت بنے گی، ان کے غلام بن کر تم آقا بن جاؤ گے، اگر تم انہیں قائد مان لو گے تو دنیا والوں کے قائد بن جاؤ گے۔

### ہماری حالت

مندرجہ بالا سطور کے مطالعہ کے بعد ہم آپ کو غور و فکر کی دعوت دیتے ہیں۔ سوچئے ہم کس حد تک ان ہدایات ربانی پر عمل پیرا ہیں، تقویٰ کی کتنی دولت ہم نے جمع کی ہے، اس کی حفاظت کے لئے ہم نے کسی صادق کا ہاتھ تھاما ہے یا نہیں، دوستو! اگر دیانت سے غور کیا جائے۔ تو ان سوالات کا جواب نفی ہی میں ملے گا ہمارے پاس تقویٰ کتنا ہے، اس کا جواب خود ہمارے اعمال اور ہمارے حالات دے رہے ہیں کہ اگر تم متقی ہوتے تو انفرادی و اجتماعی طور پر غم و اندوہ کی تاریکی میں غرق نہ ہوتے، ذلت و خواری کی دلدل میں پھنسے نہ ہوتے، قتل و غارت اور انتشار و افتراق کا شکار نہ ہوتے، امن و سکون کے لمحات کے لئے نہ ترستے، رہا دوسری ہدایت سے متعلق سوال کا جواب تو وہ بھی ہمارا حال دے رہا ہے۔ یہ گمراہ کن تصور عام ہے کہ پیری مریدی مذہب کے نام پر ایک دھبہ ہے، یہ ڈھونگ ہے، علماء و مشائخ کی صحبت وقت کا ضیاع ہے، ان کی صحبت کا وقت گیا جن کی محفلوں میں اللہ، رسول ﷺ کا ذکر ہوتا ہے، قرآن و حدیث کی تعلیم دی جاتی ہے، اطاعت و فرمانبرداری کی دعوت دی جاتی ہے، احکام شرع پر عمل کی ترغیب دی جاتی ہے، یہ کوئی سوسائٹی نہیں، سوسائٹی تو کلبوں، ہوٹلوں، قمار خانوں میں ملتی ہے، جہاں ناچ ہو، جام ہو، شیطانی حسن ہو، عریانیت ہو، فحاشی ہو، اللہ ان بیہودہ خیالات سے محفوظ رکھے۔

دوستو! ان تصورات اور ان کی عملی صورت نے ہمیں کہاں سے کہاں پہنچا دیا، یہ تو آپ خود فیصلہ کیجئے۔ بس ہم اتنا عرض کر دیں کہ تقویٰ مومن کا زیور ہے، صادقین اس کے محافظ ہیں، ہم محافظین سے دور ہوئے تو ہمارا زیور لٹ گیا، اور بے زیور، نہ حسن رہتا ہے، نہ جمال، نہ کشش اور نہ ہی وقعت۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی خَيْرِ خَلْقِهِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ



## مقالہ ۵۶

### التوبہ: ۱۲۳

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قَاتِلُوا الَّذِينَ يَكُونُكُمْ مِنَ الْكُفَّارِ وَلِيَجِدُوا فِيكُمْ غِلْظَةً ۚ  
اعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ ۝

(التوبہ: ۱۲۳)

اے ایمان والو! جنگ کرو ان کفار سے جو تمہارے آس پاس ہیں اور چاہئے کہ وہ پائیں تم میں سختی اور  
خوب جان لو کہ اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے۔

قرآن کریم اہل ایمان کو کفار سے جہاد کی بار بار ہدایت فرماتا ہے ”وَأَقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً“ آیت مذکورہ  
میں جہاد کی ترتیب بیان کی جا رہی ہے کہ پہلے ان سے جہاد کرو جو تمہارے قریب ہوں۔ چونکہ جہاد ظلم و ستم کو ختم کرنے کا  
دوسرا نام ہے، اس اعتبار سے ظالموں، کافروں کے لئے رحمت اور ان کی اصلاح کا ذریعہ ہے، لہذا جو قریب ہیں وہ اس کے  
زیادہ مستحق ہیں کہ انہیں ظلم و ستم سے باز رکھا جائے، ان کی اصلاح کی جائے نیز ان کے شر سے محفوظ و مطمئن ہو جانے کے بعد  
دور والوں کی طرف رخ کیا جائے تاکہ وہ کوئی فتنہ و فساد پیدا نہ کر سکیں، قریب والوں پر فتح و کامیابی حاصل کر لینے کے بعد

آگے بڑھا جائے تاکہ وہ مرعوب ہو کر باسانی مغلوب ہو سکیں، قرب چاہے رشتہ و تعلق کا ہو یا مکان کا ہو، پیغامِ الہی پہنچانے میں بھی اسی قرب کا لحاظ رکھا گیا، ”جیسا کہ نبی مکرم الصلوٰۃ والسلام کو حکم ہوا“، ”وَإِنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ“ آپ ﷺ نے اس حکم کی تعمیل کرتے ہوئے پہلے اپنے خاندان کو دعوت حق دی، اہل مکہ کو دعوت حق دی، پھر آپ ﷺ نے عام اعلانِ حق فرمایا، جہاد میں بھی آپ ﷺ نے اسی ترتیب کو ملحوظ رکھا کہ پہلے حجاز اور عرب کے کفار سے جہاد کیا گیا پھر آپ ﷺ نے روم و شام کا رخ فرمایا غرضیکہ یہ اسلام کا نظامِ تبلیغ ہے جو فطری اور اصولی ہے۔ جس طرح بلندی پر پہنچنے کی ابتداء پہلی سیڑھی سے کرنا ہی عقلمندی ہے اور کامیابی کا یقینی ذریعہ ہے، اسی طرح تبلیغِ اسلام اور دعوتِ حق کی ابتداء میں قرب کا لحاظ ایک محفوظ اور کامیاب طریقہ ہے جس سے یقیناً منزل تک پہنچا جاسکتا ہے۔

جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے کہ اہل ایمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ کفار کے مقابلہ پر ہمیشہ بارعب اور باوقار رہیں، بالخصوص جہاد کے موقع پر اظہار ”غِلْظَہ“ نہایت ہی اہم ہے کہ کفار مجاہدین اسلام کی چال، ان کے انداز گفتگو سے ان کی قوت و طاقت کا اندازہ کر سکیں اور انہیں اہل ایمان کے مقابلہ کے لئے سامنے آنے پر بار بار غور کرنا پڑے، وہ ایسے مرعوب ہوں کہ جب آمنہ سامنا ہو تو پہلے ہی ان کی ہمت ساتھ چھوڑ چکی ہو، یہ دشمن پر غالب آنے کے لئے ایک نہایت ہی اہم ہتھیار ہے جو تمام ہتھیاروں سے زیادہ مؤثر اور ذریعہ کامیابی ہے۔ لیکن یہ نہ تو کسی فیکٹری میں ڈھلتا ہے اور نہ ہی کسی بازار میں بکتا ہے، یہ صرف مؤمن کو اس کے ایمان کے کمال سے نصیب ہوتا ہے، جس کا اثر مجاہدین کے چہروں پر ایک نور کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے جو کفار کی آنکھیں خیرہ کر دیتا ہے، اور ان میں اہل ایمان سے نظر ملانے کی ہمت باقی نہیں رہتی، اب ان کے ہاتھوں میں ان کی تلواریں بھاری ہو جاتی ہیں، ان کے تیروں کا نشانہ غلط ہو جاتا ہے، ان کے قدم آگے بڑھنے کے بجائے پیچھے کی طرف پڑنے لگتے ہیں، کفر انہیں آگ کی طرف ڈھکیلتا ہے تو آگ کا خوف انہیں پیچھے ہٹنے، جان بچانے اور بھاگنے پر مجبور کرتا ہے، انجام کار وہ بہت جلد ذلیل و خوار ہو کر مغلوب ہو جاتے ہیں۔

حکمِ جہاد اور ہدایت ”غِلْظَہ“ کے ساتھ ہی یہ مژدہ بھی دیا جا رہا ہے کہ متقین کے ساتھ اللہ کی حمایت و نصرت ہے، یعنی ضروری ہے کہ تم بالخصوص جب اللہ کے دشمن کے مقابلہ کا ارادہ کر رہے ہو تو اللہ کا خوف تمہارے اوپر غالب ہو کہ اس مقابلہ کا سبب حدودِ سلطنت کی توسیع نہ ہو، حصولِ دولت مقصود نہ ہو، ذاتی انتقام کا خیال تک نہ ہو، صرف اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کی تعمیل ہو، اشاعتِ دین کے لئے، ظلم و ستم کے خاتمہ کے لئے، کفر کی تاریکی کو اسلام کے نور سے چھانٹنے کے لئے ہو، نیز مجاہد کی زبان پر اللہ کا ذکر ہو، اس کے قلب و دماغ پر صرف اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کا جذبہ طاری ہو، پھر وہ ثباتِ قلب و قدم اور استقامت و استقلال کی صورت میں اللہ کی مدد پاتا ہے نیز اس کی مدد کی جاتی ہے، ”بِجُنُودِ لِّم تَرَوْهَا“ ایسے لشکروں سے جن کو ظاہر میں نگاہیں دیکھ بھی نہیں پاتیں۔

جس طرح یہ ہدایت ان کفار کے ساتھ جہاد کے لئے ہے جو بظاہر تمہارے قریب ہوں اسی طرح اس نفسِ امارہ سے جہاد کے لئے بھی ہے جو بڑا ہی کافر اور ظالم ہے، جس کا شر و فساد سب سے زیادہ ہے کہ وہ ایسی خاردار جھاڑی ہے، جس میں

مؤمن کا دامن تقویٰ پھنس کر تار تار ہو جاتا ہے، جو مؤمن کو آرام پسند اور عیش پرست بنا دیتا ہے، برائیوں پر آمادہ کرتا ہے، صالحیت سے متنفر کر دیتا ہے، مجاہد کو میدان جہاد سے گریز پر مجبور کر دیتا ہے، اسی لئے میرے آقا ﷺ نے اس سے جہاد کو جہاد اکبر قرار دیا، ”رَجَعْنَا مِنَ الْجِهَادِ الْأَصْغَرِ إِلَى الْجِهَادِ الْأَكْبَرِ“ یہی قریب ترین دشمن ہے پہلے اس سے جہاد کر لو، اس میں ایمان کا نور پیدا کرو، اس کا تذکیہ کرو، تب اس پر تمہارے رب کی تجلی ہوگی، کفار سے جہاد کی ہمت پیدا ہوگی، اطاعت و فرمانبرداری کا جذبہ بیدار ہوگا اور تم متقی قرار پاؤ گے اور متقی ہی کو اللہ کی حمایت و نصرت نصیب ہوتی ہے، پس

اے ایمان والو! علم جہاد بلند کرو، اس حال میں کہ تمہارا قلب نور ایمان سے چمک رہا ہو، اس کا اثر تمہارے چہروں پر ظاہر ہو رہا ہو، کفار تم سے مرعوب ہو رہے ہوں، اسلام کے نور سے پہلے ان کے قلوب کو منور کرو جو تمہارے قریب ہوں، پھر اسی شمع کو چار دانگ عالم میں ایسا روشن کر دو کہ اللہ کی زمین کا کوئی گوشہ اللہ کے نور سے محروم نہ رہے، اللہ تمہارا حامی و ناصر ہوگا۔

وَصَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَى خَيْرِ خَلْقِهِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

## ”سورة الحج“

آیات نمبر

78۷77

مقالہ نمبر

57

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ



## مقالہ ۵۷

### الحج ۷۷ تا ۷۸

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ارْكَعُوا وَاسْجُدُوا وَاعْبُدُوا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿۷۷﴾ وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ ۚ هُوَ اجْتَبَاكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ ۚ مِلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ ۚ هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ مِنْ قَبْلُ وَفِي هَذَا لِيَكُونَ الرَّسُولُ شَهِيدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ ۚ فَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَاعْتَصِمُوا بِاللَّهِ هُوَ مَوْلَاكُمْ ۚ فَنِعْمَ الْمَوْلَىٰ وَنِعْمَ النَّصِيرُ ﴿۷۸﴾ (الحج: ۷۷، ۷۸)

اے ایمان والو! رکوع کرو اور سجدہ کرو اور عبادت کرو اپنے رب کی اور (ہمیشہ) مفید کام کیا کرو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ، اور کوشش کرو اللہ کی راہ میں جس طرح کوشش کرنے کا حق ہے، اس نے چن لیا ہے تمہیں اور نہیں کی اس نے دین کے معاملہ میں تم پر کوئی سختی، پیروی کرو اپنے باپ ابراہیم کے دین کی، اسی نے تمہارا نام مسلم رکھا ہے اس سے پہلے اور اس قرآن میں بھی تاکہ ہو جائے رسول ﷺ گواہ تم پر

اور تم گواہ ہو جاؤ لوگوں پر پس (اے دین کے علمبردارو!) صحیح صحیح نماز ادا کیا کرو اور دیا کرو زکوٰۃ اور مضبوط پکڑ لو اللہ (کے دامن رحمت) کو وہی تمہارا کارساز ہے، پس وہ بہترین کارساز ہے اور بہترین مدد فرمانے والا ہے۔

سورہ حج میں یہ ایک ہی مقام ہے جہاں اہل ایمان کو خصوصی خطاب سے نوازا گیا ہے۔ ان آیات میں جو ہدایات جاری کی جا رہی ہیں وہ یہ ہیں رکوع کرو، سجدہ کرو، رب کریم کی عبادت کرتے رہو، ہمیشہ مفید و نیک کام کیا کرو، دین کی سربلندی و سرفرازی کے لئے ہر قسم کا جہاد کرتے رہا کرو، نماز کی پابندی کرو، زکوٰۃ پابندی سے ادا کیا کرو، اللہ کے دین پر مضبوطی سے قائم رہو۔

رکوع و سجود

رکوع و سجود کا حکم دے کر درحقیقت نماز کی ادائیگی کا حکم دیا گیا ہے کیونکہ رکوع و سجود، نماز کے دو ایسے اہم رکن ہیں کہ صرف انہی سے نماز کا نماز میں ہونا معلوم ہوتا ہے، نیز یہ عاجزی و انکساری اور بندگی کے اظہار کی واضح ترین صورتیں ہیں کہ نماز اللہ کی کبریائی کے اعتراف، حمد و ثناء اور تلاوت قرآن کے بعد اللہ کے حضور جھک جاتا ہے، گویا اب وہ اپنی کمزوری و ناتوانی کا اعتراف کرتا ہے، پھر وہ اپنا سر تک زمین پر رکھ کر انتہائی ذلت و خواری کی شکل اختیار کر لیتا ہے اور اللہ مَالِکِ یَوْمِ الدِّینِ کی قدرت، قوت، رفعت و بلندی کا اعتراف کرتے ہوئے اس کے رحم و کرم کی بھیک مانگتا ہے، اسی لئے رکوع و سجود کی حالت میں اللہ کے کلام رفیع کی تلاوت ممنوع قرار دی گئی، جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ”نَهَانِي حَبِيبِي صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ أَقْرَأُ كَعَاً وَسَاجِدًا“ میرے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھے رکوع و سجود کی حالت میں تلاوت کرنے سے منع فرمایا اور بندہ جب رکوع اور سجدہ کر کے اپنی بندگی کا اظہار کرتا ہے تو اس وقت اس پر اللہ کی خصوصی نظر کرم ہوتی ہے، لہذا اسے حکم دیا گیا کہ وہ اپنی زبان سے ”سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ“ اور ”سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَى“ کہے نیز رکوع و سجود پر خصوصی توجہ اور اس میں اعتدال کا حکم دیا گیا۔ حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ”لَا تَجْزِي صَلَوةَ الرَّجُلِ حَتَّى يَقِيمَ ظَهْرَهُ فِي الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ“ اس شخص کی نماز قبول نہیں جو رکوع اور سجدہ میں کمر سیدھی نہ کرے، یہ اعتدال اگرچہ احناف کے یہاں واجب نہیں، تاہم بعض آئمہ کرام نے اسے واجب قرار دیا ہے لیکن بہر حال اعتدال کا خیال نہ کرنا نماز میں کراہت کا باعث ضرور ہے، اسی لئے اسے نماز میں چوری قرار دیا گیا، حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، سب سے بدتر شخص وہ ہے جو نماز میں چوری کرتا ہے، صحابہ نے عرض کی، یا رسول اللہ ﷺ! نماز میں چوری کیسے ممکن ہے، آپ ﷺ نے فرمایا ”لَا يَتَم رُكُوعُهَا وَلَا سُجُودُهَا“ کہ اس کا رکوع اور سجدہ پورا نہ کیا جائے، (یہ چوری ہے)

بالخصوص سجدہ نماز کا اہم ترین حصہ ہے، جس پر قرآنی آیت ”وَأَسْجُدُوا اقْتِرَابَ“ سجدہ کرو اور قرب الہی حاصل کرو، شاہد ہے اور سید الساجدین ﷺ کا ارشاد ہے، ”أَقْرَبُ وَأَنْ يَكُونَ الْعَبْدُ مِنْ رَبِّهِ وَهُوَ سَاجِدٌ فَأَكْثَرُوا

الدُّعَاءُ“، بندہ بحالت سجدہ سب سے زیادہ اپنے رب سے قریب ہوتا ہے، پس اس حالت میں دعا کیا کرو، گویا نماز کے علاوہ دعا کے لئے اللہ کا شکر ادا کرنے کے لئے بھی بکثرت سجدے کرنا چاہئیں کہ جب بندہ عجز و انکساری کی اس انتہائی حالت میں رب کے قریب ہو کر روتا ہے تو رحیم و کریم مولیٰ اس پر نظر رحم و کرم فرماتا ہے، اسی لئے شیطان لعین کو سب سے زیادہ تکلیف ہمارے سجدوں سے ہی ہوتی ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بتایا کہ جب بندہ بارگاہ رب میں سجدہ کرتا ہے تو شیطان روتا ہوا اس سے دور ہو جاتا ہے اور کہتا ہے، ”يُوَيْلَتِي أَمْرَ ابْنِ آدَمَ بِالسُّجُودِ فَسَجَدَ فَلَهُ الْجَنَّةُ وَأَمِرْتُ بِالسُّجُودِ فَأَبَيْتُ فَلِيَ النَّارُ“ ہائے افسوس انسان کو سجدے کا حکم دیا گیا، پس اس نے سجدہ کیا اور جنتی ہو گیا اور مجھے سجدے کا حکم دیا گیا، میں نے انکار کیا تو میں جہنمی ہو گیا، سجدے کے عنوان پر ہم گزشتہ اوراق پر خاصی تفصیل سے لکھ آئے ہیں، لہذا یہاں اسی پر اکتفا کرتے ہیں، اللہم اجعلنا من الساجدين المخلصين۔

### اللہ کی عبادت

نماز کے حکم کے بعد عبادت کا حکم دیا جا رہا ہے تاکہ یہ غلط فہمی ختم کر دی جائے کہ صرف نماز ہی اللہ کی عبادت ہے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، عبادت کے مخصوص اور ظاہری طریقے ہیں، جن سے مؤمن کو اصل عبادت کی تربیت ملتی ہے کہ اصل عبادت ہر جگہ اللہ رب العزت جل مجدہ کے وجود کا احساس اور ہر حال میں اللہ کی اطاعت اور اتباع رسول ﷺ کا خیال ہے، رکوع و سجود میں اظہار بندگی کرنے والا مؤمن اس عظیم ذمہ داری کا حامل ہے کہ وہ اپنے ان تمام کاموں کو دین بنالے جو دنیا والے صرف اپنے فطری تقاضوں اور نفس کی خواہشات کی تکمیل کے لئے انجام دیتے ہیں اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے جب مؤمن کا کوئی عمل اپنی مرضی کے مطابق نہ ہو بلکہ اس میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا کا خیال ہو، یہی تقاضائے بندگی ہے، یہی کمال عبدیت ہے، اسی صورت میں قرآنی ارشاد پر عمل ہو سکتا ہے، ”وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ“ میں نے جن و انس کو صرف عبادت ہی کے لئے پیدا فرمایا ہے، مؤمن کے لئے دنیا، دین کے سوا کچھ نہیں، دین و دنیا کی علیحدگی کا تصور بھی بڑی ضلالت و گمراہی ہے، جو عیش و عشرت پرستوں اور دنیا پسندوں کا پیدا کردہ ہے، اللہ اس سے محفوظ رکھے کہ یہ ایسے مفاسد کی بنیاد ہے جو دولت ایمان سے محرومی تک کا باعث ہو سکتے ہیں۔

### نیک کام کیا کرو

خیر یعنی بھلائی ہر وہ عمل ہے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا کے لئے کیا جائے، ظاہر ہے یہ وہی تمام اعمال ہیں جن کا شریعت مطہرہ نے حکم دیا اور انہیں خیر قرار دیا، اس کے برعکس شر ہے، یعنی ایسے اعمال جن کو شریعت مطہرہ نے ممنوع قرار دیا، یا عمل کرنے والے نے خود ہی اسے شر بنا لیا کہ کام تو درحقیقت بھلا اچھا اور جائز ہے لیکن اس میں ریا و نمود، خود غرضی، لالچ وغیرہ کے جراثیم شامل کر دیئے گئے، ایک شخص بڑا نمازی ہے لیکن صرف اس لئے کہ لوگ اسے متقی جانیں اس پر اعتماد کریں، کوئی حج کرتا ہے کہ لوگ اسے حاجی کہیں، زکوٰۃ و صدقہ دیتا ہے کہ لوگ اسے دولت مند کہیں یا اس کی چالوسی کرتے رہیں، روزہ رکھتا ہے صرف جسمانی صحت اور تندرستی کی غرض سے، غرضیکہ اس شخص نے خیر کو شر، صالحات کو سینات بنا لیا، انسان

جو بھی خیر یا شر کرتا ہے، دنیا و آخرت میں اس کا انجام ضرور پالیتا ہے، ”فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ“ جس نے رتی برابر بھی کوئی بھلائی کی وہ اسے دیکھ لے گا اور جس نے رتی برابر بھی کوئی برائی کی وہ اسے دیکھ لے گا۔

خیر و شر، دونوں کا خالق بلاشبہ اللہ رب العزت جل مجدہ ہی ہے۔ یہ دونوں راہیں یا دونوں قسم کے اعمال انسان کے لئے ذریعہ امتحان و آزمائش ہیں، ”وَنَبْلُوكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً“ اور ہم تمہیں خوب آزماتے ہیں شر و خیر میں بہلا کر کے۔ لیکن اللہ ہی نے انسان پر یہ کرم بھی فرمایا کہ خیر و شر کی دعوت و وضاحت کے لئے اس نے انبیاء و رسل کو مبعوث فرمایا اور اپنی کتابیں نازل کیں تاکہ انسان تاریکی میں نہ بھٹکتا رہے، وہ خیر و شر میں امتیاز کر کے بھلائی اختیار کرے اور برائی سے بچے، پس جن لوگوں نے اللہ کے رسولوں کی دعوت پر توجہ تک نہ کی وہ کفر کے سمندر میں غرق ہیں، ان سے خیر کی توقع کیا کی جاسکتی ہے اور اگر انہوں نے فطری تقاضوں سے مجبور ہو کر کوئی بھلائی کر بھی لی تو وہ ذخیرہ آخرت کیسے ہو سکتی ہے کہ انہوں نے یہ عمل خیر، مَالِكِ يَوْمَ الدِّينِ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے تو نہیں کیا، نہ ہی اس سے ان کا مقصد اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا ہے بلکہ اس سے مقصود صرف دنیاوی فائدہ ہے، اس کی ذمہ داری ہے کہ وہ خیر و شر میں امتیاز کر کے خیر کو اختیار کرے اور شر کی راہ سے دور رہے، اسی لئے ”وَأَفْعَلُوا الْخَيْرَ“ کی ہدایت خاص طور پر اہل ایمان کو کی جا رہی ہے کہ

اے ایمان والو! تم خیر کے ذمہ دار ہو، نیکی اور بھلائی تمہیں ہی زیب دیتی ہے، پس تم ہر حال میں، ہر وقت، نیک کام کرتے رہو، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کی تعمیل اللہ اور رسول ﷺ کی رضا کے لئے کرتے رہو، اعمال میں خلوص لازمی ہے، اگر تمہارے اعمال سے خلوص کی چاشنی نکل گئی تو خیر، خیر نہ رہا۔ تم نے اپنے اوپر بڑا ظلم کیا کہ خود ہی خیر کو شر بنا لیا۔

آدمی عمل خیر بھی اپنے لئے کرتا ہے مثلاً تمام عبادات جن کا مقصد اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا اور آخرت کی نجات ہوتا ہے، مثلاً سچائی اختیار کرنا، جس سے مؤمن کو دنیا میں بھی فائدہ حاصل ہوتا ہے کہ لوگ اس کو عزت کی نظروں سے دیکھتے ہیں، اس پر اعتماد اور بھروسہ کرتے ہیں، مشکل وقت میں اس کے کام آتے ہیں اور کبھی وہ خیر کی راہ دوسروں کے لئے اختیار کرتا ہے کہ ایسی بھلائیاں کرتا ہے جن سے دوسروں کو فائدہ پہنچتا ہے، مثلاً ضرورت مندوں کی ضرورت پوری کر دینا، یتیموں، بیواؤں اور بے سہاروں کو سہارا دینا، ان کی مدد کرنا، اہل علم یا طالبین علم کی خدمت کرنا، اسی قسم کے اور بہت سے کام ہیں، جن سے اگرچہ دوسروں کو فائدہ پہنچتا ہے لیکن ان سے مقصود اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا کے سوا کچھ نہیں ہوتا، ایسے ہی کام کرنے والے مؤمن کے لئے آقا ﷺ کا ارشاد ہے، ”خَيْرُ النَّاسِ مَنْ يَنْفَعُ النَّاسَ“ لوگوں میں بہترین وہ ہے جو لوگوں کو فائدہ پہنچائے، نیز آپ ﷺ نے فرمایا، ”إِنَّ مِنْ خَيْرِكُمْ أَحْسَنُكُمْ أَخْلَاقًا“ تم میں سے بہترین وہ لوگ ہیں جو اخلاق و عادات کے اعتبار سے اچھے ہیں، غرضیکہ خیر کسی بھی نوعیت کی ہو، بہر حال اللہ کو مطلوب ہے، محبوب ہے، اہل خیر دنیا و آخرت میں عزت پاتے ہیں، اعمال خیر دنیا و آخرت میں بے شمار برکتوں اور اجر عظیم کا ذریعہ ہیں، ”لَعَلَّكُمْ



تَفْلَحُونَ“ کا مژدہ، راہِ خیر اختیار کرنے کا جذبہ، بیدار کرنے کے لئے کافی ہے، اللہ توفیق دے۔

جہاد فی سبیل اللہ

جیسا کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ اہل ایمان کو بڑی تاکید کے ساتھ جہاد کا حکم دیا گیا ہے اور دیگر عبادات کی طرح اسے بھی ایک فریضہ قرار دیا گیا ہے جس کا مقصد دین کی حفاظت اور اشاعت ہے، اس مقصد کے حصول کے لئے ”رَبُّنَا اللَّهُ“ کہنے والوں کا بلا خوف لُومَةُ لَا نِمْ، ہر میدان میں ڈٹے رہنا حق جہاد ہے، میدانِ کارزار، گرم ہو تو اعدائے دین کے مقابلہ پر مؤمن سینہ سپر نظر آئے، حصول مقصد کے لئے جان جائے تو جائے لیکن پیٹھ نہ پھیرے، یہ حق جہاد ہے، ظالم و جابر دشمن برسرِ اقتدار ہو، اپنے ظلم و جبر سے دین چھڑانا اور چھیننا چاہے تو چاہے آگ کے انگاروں پر لوٹنا پڑے لیکن احد احد کی صدا دھیمی نہ پڑنے پائے، یہ حق جہاد ہے، جتنا ظلم بڑھتا رہے، اتنی ہی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت زیادہ ہوتی رہے، حتیٰ کہ عاشقِ جان و مال، اہل و عیال کی پروا کئے بغیر وطن عزیز کو بھی قربان کر دے، یہ ہے حق جہاد، باطنی دشمن نفسِ امارہ کی خواہشات پامال کرنے کے لئے تڑپنا پڑے یا پھڑکنا پڑے لیکن اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کی تعمیل میں سر مؤ فرق نہ آنے پائے، یہ حق جہاد ہے، گرمی، سردی، یا سفر کی صعوبتیں برداشت کرنا پڑیں، نیند قربان کرنا پڑے یا آرام میں خلل واقع ہو لیکن فرائض کی ادائیگی میں تساہل نہ ہونے پائے، یہ حق جہاد ہے، سود، رشوت، جوئے یا دیگر حرام ذرائع سے حاصل ہونے والی دولت بآسانی میسر آئے لیکن اس کی طرف نظر بھی نہ اٹھنے پائے، یہ ہے حق جہاد، غربت و تنگدستی کے شب و روز بسر ہوں لیکن حرام کمانے یا کھانے کا خیال تک نہ آئے، یہ ہے حق جہاد، شراب نوشی، اس کے کاروبار، اس کی محفلوں، بروں کی صحبت سے دور رہا جائے، چاہے کوئی کتنی ہی ملامت کرے، یہ ہے حق جہاد، اہل خانہ و خاندان پر دین کی پابندی عائد کی جائے چاہے ان سے علیحدگی اختیار کرنا پڑے لیکن کسی کی محبت دین پر عمل سے نہ روک سکے یہ ہے حق جہاد، حصول علم، خدمتِ علم و علماء کے لئے چاہے کتنی ہی دولت اور کتنا ہی قیمتی وقت صرف کرنا پڑے لیکن اس فریضہ میں کوتاہی نہ کی جائے، یہ ہے حق جہاد، رجعت پسندی، دہشت گردی جیسے گھناؤنے الزامات ہی کیوں نہ لگائے جائیں لیکن مُدَاهَنَتْ فِي الدِّينِ کے جرم کا ارتکاب نہ ہونے پائے، یہ ہے حق جہاد، غرضیکہ حق جہاد یہ ہے کہ دین کی ظاہری و باطنی سرحدوں کی، استقلال و استقامت اور ثباتِ قلب و قدم کے ساتھ حفاظت کی جائے، چاہے کسی قسم کی بھی قربانی دینا پڑے۔

مؤمن کے لئے اس ذمہ داری کو پورا کرنا کوئی دشوار نہیں کیونکہ اس کی نظر رب کریم کے ارشاد: ”هُوَ اجْتَبَاكُمْ“ پر ہے کہ رب نے تو اسے اس عظیم ذمہ داری کے پورا کرنے کے لئے منتخب فرمایا ہے، اس سے بڑا اعزاز کیا ہو سکتا ہے کہ ساری کائنات میں رب کریم کی نظر انتخابِ مؤمن پر پڑی، وہ منتخب قرار پایا اسے مالک نے اپنا سپاہی بنالیا، اپنی فوج میں شامل کر لیا، دین کے محافظین کی فہرست میں اس کا نام آگیا، اب اسے کسی سے کیا لینا اسے مالک حقیقی کی چاکری کرنی ہے، وہ اس کی جملہ ضروریات کا نگہیل بنے گا، مؤمن کو اس مژدہ نے ایسا سرمست و سرشار کر رکھا کہ بس وہ اپنے کام میں لگا رہتا ہے، اسے فرایا جاتا ہے دھمکیا جاتا ہے کہ دنیا کی ساری قومیں حتیٰ کہ ”سپر پاورز“ بھی تمہارے خلاف ہو گئی ہیں، تمہارا معاشی، معاشرتی

اور سیاسی بائیکاٹ کر دیا جائے گا تم اس دنیا میں تنہا رہ جاؤ گے لیکن مومن کا حال اللہ اکبر کیا ہوتا ہے۔ کاش ہم قرآن پڑھیں اور عمل کی نیت سے پڑھیں تو پتہ چلے کہ ہمارا کیا حال ہونا چاہئے، غور کیجئے اس آیت مبارکہ پر۔

الَّذِينَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ إِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ إِيمَانًا وَقَالُوا  
حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ ﴿١٤٣﴾

یہ (مومن) وہ لوگ ہیں کہ جب لوگوں نے انہیں بتایا کہ کفار نے جمع کر رکھا ہے تمہارے لئے (بڑا سامان جنگ اور لشکر) پس تم ان سے ڈرو تو (اس دھمکی نے) بڑھا دیا ان کے جوش ایمان کو اور انہوں نے کہا ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے۔

دیکھا آپ نے مومن کا حال کیا ہوتا ہے، دھمکیاں، سپر پاورز کے سپر لشکروں کے منڈلانے کی خبریں، مومن کو راہ حق سے بھٹکاتی نہیں ہیں، بزدل اور خوف زدہ نہیں کرتی ہیں بلکہ یہ حالات اس کی ایمانی قوت میں اضافہ کر دیتے ہیں اور اس کا روٹکار و ٹکڑا پکارتا ہے، ”حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ“ ہمیں کسی کی پرواہ نہیں، جس نے ہمیں منتخب کر لیا ہے وہ ہماری قوت و طاقت کا اصل سرچشمہ ہے، اللہ ہمیں کافی ہے وہ دشمن کی ظاہری و پوشیدہ کارستانیوں کو خوب جانتا اور ان کا مقابلہ کرنے کے لئے بہترین کارساز ہے۔

تاریخ گواہ ہے کہ جب بھی اہل ایمان کو کامیابی و کامرانی، امن و سکون اور شادمانی کا دور نصیب ہوا ہے، اسی حقیقت کا تصور، تھیار اور ذریعہ بنا ہے اور آج کی طرح جب بھی مومن اس تصور سے محروم ہوا ہے، ذلت و خواری، ناکامی و نامرادی، اس کا مقدر نبی ہے۔ کاش ہم اس حقیقت پر غور کریں اور پھر ”حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ“ کے ارشاد کو اپنی زندگی کا اصول بنالیں، تو یقین جائے، ہمارے دن پلٹ سکتے ہیں، ہمارا حال بدل سکتا ہے، پرسکون و پر امن اور باعزت زندگی کی بہاریں ہمیں نصیب ہو سکتی ہیں، ”حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ“۔

حرج

بعض اوقات فرائض کی ادائیگی، احکام شرع کی پابندی، جہاد فی سبیل اللہ میں تنگی و دشواری کا احساس ہونے لگتا ہے اور اسی لئے تساہل پیدا ہوتا ہے جب بھی یہ کیفیت ہو تو یقین کر لیجئے کہ یہ وسوسہ شیطان ہے کہ جب دنیا کا کوئی منصف و رحم دل حاکم اپنے ملازمین کو کسی دشواری اور تنگی میں مبتلا کرنا پسند نہیں فرماتا تو احکم الحاکمین جو بلاشبہ ارحم الراحمین اور اکرم الاکرمین ہے، کس طرح گوارا فرما سکتا ہے کہ وہ اپنے بندوں کو کسی دشواری یا تنگی میں مبتلا کرے، پس یقین رکھو، کہ ”مَا جَعَلَ فِي الدِّينِ مِنْ حَرْجٍ“ اس نے تمہیں کوئی ایسا قانون نہیں دیا جس سے تم تنگی میں مبتلا ہو، ”يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ“ وہ تو تمہارے لئے سہولت و آسانی کے دروازے دفرماتا ہے، تنگی و عسرت کے نہیں، وہ اپنے فضل و کرم سے بار بار تمہیں یقین دلاتا ہے کہ ہم تمہیں حرج میں مبتلا نہیں کر رہے دیکھو وضو اور غسل فرض کیا گیا لیکن پانی میسر نہ آنے کی صورت میں تمہیں مٹی سے پاکی حاصل کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی گئی، کیوں صرف اس لئے کہ ”مَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ حَرْجٍ“ کہ اللہ

تمہیں کسی تنگی میں مبتلا کرنا نہیں چاہتا ہے، یہی اصول ہر اس مقام پر موجود ہے جہاں واقعی کوئی دشواری اور تنگی پیش آنا ممکن ہو، یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ دنیا کے حکام چاہے کتنے ہی منصف اور اپنی قوم کے ہمدرد ہوں لیکن ان کے احکام میں حرج آ ہی جاتا ہے کیونکہ وہ انسان کی وسعت اور قوت برداشت کو نہیں جانتے جب کہ خالق انسان اللہ بخوبی انسان کی صلاحیتوں، اس کی قوت برداشت کو جانتا ہے، لہذا اس کے حکم میں حرج کا ہونا ممکن ہی نہیں، ”لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا“

اے ایمان والو! احکام شرع میں اگر تمہیں کس حرج، تنگی یا دشواری کا احساس ہو تو سمجھ لو یہ شر شیطان ہے، شر نفس ہے اور اس میں مبتلا ہونا ایسا مہلک مرض ہے جس سے ایمان کمزور ہو جاتا ہے، پس جب بھی تمہیں حرج کا احساس ہو تو تم تساہل و سستی میں مبتلا ہونے کے بجائے مزید چاق و چوبند ہو جاؤ اور مزید محنت و مشقت کے ساتھ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کی پابندی کرو۔

ملت ابراہیم علیہ السلام

اہل ایمان کو جملہ انبیاء سابقین علیہم السلام پر ایمان لانے اور ان کا احترام کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ کسی بھی نبی کی توہین مؤمن کو ایمان سے اسی طرح خارج کر دیتی ہے جس طرح حضور نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی توہین سے ایمان رخصت ہو جاتا ہے، حضرت سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام چونکہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے باپ ہیں کہ حضور علیہ السلام حضرت سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں، نیز حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد تمام انبیاء میں افضل ہیں۔ لہذا قرآن کریم نے خصوصی طور پر ان سے امت مسلمہ کا تعلق ظاہر فرمایا اور اس امت کو ملت ابراہیم قرار دیا، حتیٰ کہ یہ بھی بتایا گیا کہ تمہیں جس نبی آخر الزماں ﷺ کی غلامی کا شرف حاصل ہے، ان کی بعثت دعائے ابراہیمی ہی کا نتیجہ ہے کہ آپ نے خانہ کعبہ کی دیواریں بلند کرتے ہوئے دعا فرمائی تھی۔

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ ۚ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿١٢٩﴾  
(البقرہ: ۱۲۹)

اے ہمارے رب! بھیج ان میں ایک برگزیدہ رسول ﷺ انہی میں سے تاکہ پڑھ کر سنائے انہیں تیری آیتیں اور سکھائے انہیں یہ کتاب اور دانائی کی باتیں اور پاک صاف کر دے انہیں، بیشک تو ہی زبردست حکمت والا ہے۔

پس اللہ نے اپنے خلیل علیہ السلام کی دعا قبول فرمائی اور اہل ایمان پر بڑا ہی احسان فرمایا کہ انہیں بالکل ایسا ہی نبی عطا فرما دیا جیسا حضرت ابراہیم نے مانگا تھا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خود فرماتے ہیں، ”أَنَا دَعْوَةُ أَبِي إِبْرَاهِيمَ“ میں اپنے باپ ابراہیم کی دعا ہوں، پس حضرت ابراہیم علیہ السلام امت مسلمہ کے محسن ہیں جنہیں یاد رکھنا اس امت کی ذمہ داری ہے، اسی لئے اللہ رب العزت نے ان کی اور ان کے ساتھیوں کی زندگی کو ہمارے لئے ”اسوۂ حسنہ“ قرار دیا، فرمایا گیا:

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ وَالَّذِينَ مَعَهُ ۖ

(الممتحنہ: ۴)

بے شک تمہارے لئے خوبصورت نمونہ ہے ابراہیم علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں (کی زندگی) میں۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيهِمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُوا اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَفَضَلَ اللَّهُ عَلَيْهِمُ  
فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ①  
(الممتحنہ: ۶)

بیشک تمہارے لئے ان (حضرت ابراہیم اور ان کے ساتھیوں کی زندگی) میں بہترین نمونہ ہے اس کے لئے جو اللہ اور روز قیامت کا امیدوار ہے اور جو روگردانی کرے اس سے، تو بلاشبہ اللہ ہی بے نیاز ہے، سب خوبیوں والا۔

حضرت سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی اداؤں اور بعض سنتوں پر عمل کرنے کا امت مسلمہ کو حکم دیا گیا تاکہ قیامت تک آپ کی یاد تازہ ہوتی رہے اور نبی آخر الزماں ﷺ کے وسیلہ جلیلہ سے ہمیشہ ہمیشہ آپ کا ذکر جاری رہے، اہل ایمان کعبہ کا طواف کرتے ہوئے، سعی کرتے ہوئے، آب زمزم پیتے ہوئے، منی کے قیام کے دوران، ہر لمحہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یاد کرتے ہیں، پھر دنیا بھر میں دس، گیارہ، بارہ (۱۰، ۱۱، ۱۲) ذی الحجہ کے تین دن تو خصوصی طور پر آپ کی یاد کے دن ہو جاتے ہیں کہ اہل اسلام ان ایام میں قربانی کرتے اور آپ کے ایثار و قربانی کو اپنے لئے نمونہ بناتے ہیں کہ قربانی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنتوں میں سے اہم سنت ہے جیسا کہ میرے آقا ﷺ نے اپنے بعض صحابہ کے سوال کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا، ”سُنْتُ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ“ یہ قربانی تمہارے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے، اس کے علاوہ ناخن تراشنا اور ختنہ کرانا بھی آپ ہی کی سنت ہیں، ان سنتوں پر عمل اور دین ابراہیم کی پیروی کی تاکید کرتے ہوئے ہی فرمایا گیا:

وَمَنْ يَرْغَبْ عَنْ مِلَّةِ إِبْرَاهِيمَ إِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهُ وَلَقَدْ اصْطَفَيْنَاهُ فِي الدُّنْيَا وَإِنَّهُ فِي  
الْآخِرَةِ لَمِنَ الصَّالِحِينَ ②  
(البقرہ: ۱۳۰)

اور کون روگردانی کر سکتا ہے دین ابراہیم سے بجز اس کے جس نے احمق بنا لیا ہو اپنے آپ کو اور بیشک ہم نے جن لیا ابراہیم کو دنیا میں اور بلاشبہ وہ قیامت کے دن نیکوں میں ہوں گے۔

قُلْ بَلَّ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ③  
(البقرہ: ۱۳۵)

(اے حبیب ملیہ الصلوٰۃ والسلام) آپ فرما دیجئے میرا دین تو دین ابراہیم ہے جو باطل سے منہ موڑنے والا حق پسند تھا اور وہ نہیں تھا شرک کرنے والوں میں سے۔

قُلْ صَدَقَ اللَّهُ فَاتَّبِعُوا مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ④

(آل عمران: ۹۵)

(اے حبیب ملیہ الصلوٰۃ والسلام) آپ فرما دیجئے سچ فرمایا ہے اللہ نے پس پیروی کرو تم دین ابراہیم کی جو ہر باطل سے الگ تھلگ تھے اور نہ تھے وہ شرک کرنے والوں میں سے۔

وَمَنْ أَحْسَنُ دِينًا مِّمَّنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَاتَّبَعَ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَ  
اتَّخَذَ اللَّهُ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلًا ۝ (النساء: ۱۲۵)

اور کون ہے بہتر دینی لحاظ سے اس شخص سے جس نے جھکا دیا ہوا اپنا چہرہ اللہ کے لئے اور وہ احسان کرنے والا ہو اور اس نے پیروی کی دین ابراہیم کی اس حال میں کہ وہ ہر باطل سے منہ موڑے ہوئے ہو اور بنا لیا ہے اللہ نے ابراہیم کو خلیل۔

قُلْ إِنِّي هَدَانِي رَبِّي إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۖ دِينًا قَبِيلاً مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝ (انعام: ۱۶۱)

(اے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام) آپ فرمادیجئے بیشک مجھے پہنچا دیا ہے میرے رب نے سیدھی راہ تک (جو) دین ابراہیم ہے، جو باطل سے ہٹ کر صرف حق کی طرف مائل تھے اور نہیں تھے وہ مشرکوں میں سے۔

ثُمَّ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ أَنْ اتَّبِعْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝ (النحل: ۱۲۳)

پھر ہم نے وحی فرمائی (اے حبیب ﷺ) آپ کی طرف کہ پیروی کرو دین ابراہیم کی جو یکسوئی سے حق کی طرف مائل تھا اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھا۔

ملت ابراہیم کی اتباع و پیروی کی بار بار تاکید کی جا رہی ہے ملت، سنت اور طریقہ کو کہا جاتا ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کا طریقہ، ان کے احکام دین، فطری اور طبعی تھے جو ہر سلیم الطبع شخص کے لئے قابل قبول ہیں، بالخصوص ان کی اطاعت شعاری، ”أَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ“ کے عہد بندگی کو نبھانا، ایثار و قربانی، استقلال و استقامت، حلم و بردباری، خوش اخلاقی، خوش طبعی ان کی وہ عظیم خوبیاں تھیں جن کے باعث وہ اور ان کے ساتھی اس امت کے لئے اسوۂ حسنہ قرار پائے۔ ہر دین کے دعویداروں نے انہی کی راہ اختیار کرنے کا دعویٰ کیا لیکن اس دین حنیف و قیم کے صحیح پیروکار نبی آخر الزماں ﷺ اور ان کے قبیلعین ہیں۔ اب جو بھی اپنے آپ کو دین ابراہیمی کا متبع قرار دیتا ہے، اس کے لئے نبی آخر الزماں ﷺ کی غلامی کے سوا کوئی چارہ کار نہیں کہ انہی کی اتباع سے اتباع ابراہیمی کا دعویٰ ثابت ہو سکتا ہے، وہ خود مسلم ہوئے انہوں نے اسلام کو اپنایا، اپنے ماننے والوں کو مسلم قرار دیا، پس جو یہودی ہوا، جو نصرانی ہوا، وہ متبع ابراہیم علیہ السلام کیسے ہو سکتا ہے، قرآن سے پہلی کتابوں نے بھی یہی تعلیم دی اور قرآن بھی یہی اعلان کرتا ہے، پس

اے ایمان والو! اس رسول برحق ﷺ کی زندگی کے اوراق کو پلٹو اور ان کی اداؤں کو اپنا کر تم اپنے آپ کو اس قابل بنا لو کہ تمہارا سراپا، تمہاری حقانیت پر گواہ بن جائے، ”وَتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ“ تمہیں دیکھنے، پڑھنے والوں کے لئے اللہ کی وحدانیت اور رسول ﷺ کی رسالت کے اعتراف کے سوا کوئی چارہ نہ رہے، تمہارا ہر عمل حق کی دعوت ہو،

تمہارا جذبہ ایثار و قربانی، تمہاری بسالت و شجاعت کا انداز، تمہاری خوش اخلاقی اور تمہارا جراتمندانہ انداز گفتگو، تمہاری آنکھوں سے چمکتا نورِ ایمان، تمہاری زبانوں پر جاری پیغام حق، جاہ پسندوں، عیش پرستوں، دولت و طاقتوں کے متوالوں، بڑے بڑے ظالموں، جابروں اور متکبروں کو، تمہارے آقا ﷺ کا غلام بننے پر مجبور کر دے، یہ ہے تمہاری شان، یہ ہے تمہارا مقام لیکن یہ عظمت تمہیں اسی وقت نصیب ہو سکتی ہے جب تم واقعی اپنے آقا ﷺ کے دامن سے وابستہ ہو، ان کی اداؤں کے مطابق، احکام دین و شرع کی پابندی کرتے رہو، بالخصوص نمازوں کے پابند ہو، اپنی دولت اللہ کی راہ میں خرچ کرنا بالخصوص پابندی سے زکوٰۃ ادا کرنا تمہارے لئے بار نہ ہو نیز ایک اللہ کے بندے، ایک رسول ﷺ کے غلام، ایک قرآن کے امتی بن کر اللہ کے دین سے وابستہ ہو اور اپنی ان تمام خوبیوں کے باوجود تمہیں نہ تو اپنی قوت پر ناز ہو، نہ تقویٰ و پرہیزگاری پر بھروسہ ہو، نہ اپنی تدبیروں پر یقین ہو بلکہ تمہارا یقین کامل ہو کہ ”هُوَ مَوْلَاكُمْ فَنِعْمَ الْمَوْلَىٰ وَنِعْمَ النَّصِيرُ“ صرف اور صرف اللہ ہی ہے جو بہترین کارساز ہے، نہ تو بگڑے کاموں کو بنا دینا اس کے لئے دشوار ہے اور نہ ہی کمزور کو قوت بخش دینا اس کے لئے مشکل ہے۔ وہ بڑی ہی قدرت والا ہے، پس وہی سب سے بہترین کارساز اور بہترین مدد فرمانے والا ہو سکتا ہے، اور ہے۔

هُوَ مَوْلَاكُمْ

”هُوَ مَوْلَاكُمْ فَنِعْمَ الْمَوْلَىٰ وَنِعْمَ النَّصِيرُ“ قرآن کریم کا یہ ارشاد اہل ایمان کے لئے ہر حال میں بڑا ہی معاون و مددگار ہے، جس نے اس جملہ کو سمجھ لیا اور اس بات پر یقین کر لیا کہ میں تو اس رب حقیقی کا بندہ ہوں جو بڑی ہی قوت و طاقت والا ہے، ”عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ“ جس کی شان ہے، جو ”أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ“ بھی ہے، اور ”خَيْرُ النَّاصِرِينَ“ بھی، پس ایسے شخص کو قلبی سکون میسر آتا ہے، اسے ایسی قوت نصیب ہوتی ہے جو مادی وسائل سے حاصل نہیں کی جاسکتی ہے، یہی وہ اعتقاد اور یقین ہے جو مومن کو ایسا بارعب اور باوقار بنا دیتا ہے کہ دشمن اپنی بے پناہ قوت کے باوجود اس سے خوفزدہ ہونے لگتے ہیں، وہ ایک طرف تو اہل ایمان پر ظلم و ستم کرتے ہیں اور دوسری طرف ان سے بچنے کے لئے اپنے گرد محافظین کا حصار بناتے ہیں، ماضی کی تاریخ ایسے واقعات سے بھری پڑی ہے اور آج کے حالات بھی شاہد ہیں۔

یہ اتفاق ہے کہ آج (۲۱ اگست ۱۹۹۸ء) اس تحریر کے دوران خبر ملی کہ امریکہ نے افغانستان اور سوڈان پر اچانک حملہ کر دیا ہے جس کا مقصد بقول ان کے دہشت گردوں کہتے ہیں کہ امریکہ کی اس جارحانہ، ظالمانہ، اور نہایت ہی رکیک و ذلیل حرکت نے دنیا بھر کے عام مسلمانوں میں ایک اضطراب پیدا کر دیا، ان میں جذبہ ایمان بیدار کر دیا، ان کے دل کی دھڑکنوں کے ساتھ، ”حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ“، ”نِعْمَ الْمَوْلَىٰ وَنِعْمَ النَّصِيرُ“ کی صدائیں گونجنے لگیں، کسی جلاوطن مجاہد نے جسے سب سے بڑا دہشت گرد کہا جاتا ہے، حملہ کرنے والے کو اسی ایقان و اعتماد کے ساتھ للکار تے ہوئے کہا کہ اب کفر سے جنگ کا آغاز ہوا ہے اور انشاء اللہ وہ وقت آئے گا دنیا دیکھ لے گی کہ میں ہی صدر امریکہ کو قتل کروں گا، وہ شخص جس کے پاس نہ لاؤ لشکر ہے، نہ حکومت و طاقت، اتنی بڑی بات کہتا ہے تو سپر پاور، ہونے کا دعویٰ رکھنے والوں کو اس کی پرواہ نہیں کرنا چاہئے، اسے دیوانہ و پاگل سمجھ لینا چاہئے لیکن ایسا نہ ہوا بلکہ اس کے برعکس صدر امریکہ کو یہ پرفریب اعلان کرنا

پڑا کہ ہماری جنگ اسلام کے خلاف نہیں بلکہ دہشت گردوں سے ہے تاکہ اس اعلان سے اہل ایمان کا جذبہ سرد پڑ جائے، نیز حکومت امریکہ کو اپنے صدر اور دیگر حکام کی حفاظت کے لئے وہ تدابیر اختیار کرنا پڑیں جن کی دنیا کی تاریخ میں کوئی نظیر نہیں ملتی، نہ جانے کتنی دولت یومیہ ان انتظامات پر صرف ہو رہی ہے، واشنگٹن ایئر پورٹ سے وائٹ ہاؤس تک ایک حصار ہے۔ جس میں داخل ہونے والا ہر شخص اپنے آپ کو قیدی محسوس کرتا ہے، اس سخت حفاظتی انتظام کے باوجود بھی نیندیں حرام ہیں، سیٹی غائب ہے، اب سوچ رہے ہیں کہ کس مصیبت میں پڑ گئے، بھڑوں کے کس چھتے میں ہاتھ ڈال دیا، آگے آگے دیکھنے ہوتا ہے کیا۔

سوچئے، یہ سب کیا ہے اس اعتقاد اور یقین کا اثر ہے جو ”حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ“، ”نِعْمَ الْمَوْلَى وَنِعْمَ النَّصِيرُ“ پر ایمان رکھنے والے مومن کو بارعب بنا دیتا ہے اور اسلام کے دشمن اس سے کانپنے لگتے ہیں اور یہ جو کچھ ہوا صرف افغانستان، سوڈان، پاکستان کے عوام کی صدائے احتجاج کے نتیجہ میں ہوا ہے، کاش دیگر ممالک کے مسلمان بھی اسی طرح بیدار ہو جاتے، وہ بے شرم بادشاہ اور حکام جو ان حالات کے باوجود بھی اپنی عیاشی میں مست ہیں یا مصلحتوں اور حکمتوں کا شکار ہیں، کاش ان میں بھی ایمانی غیرت و حمیت پیدا ہو جائے، وہ بھی اپنے دشمن کو دشمن سمجھنے لگیں، ”حَسْبُنَا اللَّهُ“ کا نعرہ بلند کرتے ہوئے وہ بھی اپنے محلوں سے باہر نکل آئیں، پھر سپر پاور ہونے کا دعویٰ کرنے والوں کو گھٹنے ٹیکتے دیر نہیں لگے گی اور دنیا کو اس حقیقت کا اعتراف کرنا پڑے گا کہ سپر پاور صرف اور صرف اللہ ہی ہے، جو ”عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ“ ہے لیکن یقین کیجئے کہ اللہ پر بھروسہ کرنے والوں کو اپنے غداروں کی حمایت و اعانت کی بھی ضرورت نہیں ہوتی کہ ”وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ“ ان کے لئے اللہ کافی ہوتا ہے کہ اس سے بہتر کارساز اور مددگار کوئی نہیں، پس ہم دعا کر رہے ہیں کہ اے رب کریم! ہماری بد عملی سے درگزر فرما اور اپنے دین کی بقاء کے لئے ان مجاہدین کی مدد فرما، جنہوں نے اپنی بے بضاعتی کے باوجود، صرف اور صرف تجھ پر بھروسہ کر کے دشمن کو لاکار ہے کہ تو ہی ”نِعْمَ الْمَوْلَى وَنِعْمَ النَّصِيرُ“ ہے۔

وَصَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَى خَيْرِ خَلْقِهِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

## ”سورة النور“

آیات نمبر	مقالہ نمبر
22ۛ21	58
34ۛ27	59
61ۛ58	60





## مقالہ ۵۸

### النور: ۲۱-۲۲

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ ۚ وَمَنْ يَتَّبِعْ خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ فَإِنَّهُ يَأْمُرُ  
بِالْفَحْشَاءِ وَالنُّكْرِ ۚ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ مَا زَكَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ  
أَبَدًا ۚ وَلَكِنَّ اللَّهَ يُزَكِّي مَن يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝ وَلَا يَأْتِلُ أُولُوا الْفَضْلِ  
مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ يُؤْتُوا أُولَى الْقُرْبَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۚ  
وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا ۚ أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝

(النور: ۲۱، ۲۲)

اے ایمان والو! نہ چلو شیطان کے نقش قدم پر اور جو چلتا ہے شیطان کے نقش قدم پر تو وہ حکم دیتا ہے بے  
حیاتی اور برے کاموں کا، اور اگر نہ ہوتا تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت تو نہ بچ سکتا تم میں سے کوئی بھی  
برگزباں اللہ پاک کرتا ہے جسے چاہتا ہے اور اللہ سب کچھ جاننے والا ہے اور قسم نہ کھائیں جو برگزیدہ

ہیں تم میں سے اور خوش حال ہیں اس بات پر کہ وہ نہ دیں گے رشتہ داروں کو اور مسکینوں کو اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو اور چاہئے کہ معاف کر دیں اور درگزر کریں کیا تم پسند نہیں کرتے کہ بخش دے اللہ تمہیں اور اللہ تعالیٰ بخشے والا، رحم فرمانے والا ہے۔

### ازلی دشمن

بلاشبہ شیطان، انسان کا ازلی دشمن ہے، جس نے اپنی دشمنی کا اعلان انسان کی پیدائش کے روزِ اول، اس زمین پر آنے سے قبل ہی کر دیا تھا، خالق انسان اللہ رب العزت جل مجدہ نے اس کے چیلنج کو قبول فرماتے ہوئے اسے مردودِ بارگاہ کیا اور اسے اپنا کام کرنے کے لئے وقتِ معلوم تک کی مہلت دی، شیطان نے گمراہی کے جال میں انسان کو پھنسانے کا دعویٰ کرتے ہوئے خود ہی اپنی محدود قوت کا اعتراف بھی کیا۔

قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَا غُيُوبَ لَهُمْ أَجْعَلِينَ ۝ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ ۝

(ص: ۸۲، ۸۳)

کہنے لگا تیری عزت کی قسم میں ضرور گمراہ کردوں گا ان سب کو سوائے تیرے ان بندوں کے جنہیں ان میں سے تو نے چن لیا ہے۔

اللہ رب العزت نے شیطان کے داؤں میں مبتلا ہو کر گمراہ ہو جانے والوں کے انجام کا اعلان فرمایا:

قَالَ فَالْحَقُّ وَالْحَقُّ أَقُولُ ۝ لَا مُلْكَ لَّجَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ أَجْعَلِينَ ۝

(ص: ۸۴، ۸۵)

فرمایا میں حق ہوں اور میں سچ ہی کہتا ہوں میں ضرور بھردوں گا جہنم کو تجھ سے اور تیرے سب فرمانبرداروں سے۔

اللہ قادر مطلق ہے اگر چاہتا تو انسان کے اس ازلی دشمن کو روزِ اول ہی کچل دیتا لیکن پھر انسان اس کمال کو کیسے پاتا جو اسے صرف اس لئے حاصل ہوتا ہے کہ وہ شیطان کی پرکشش دعوت بغاوت کو مسترد کر کے اللہ کی اطاعت قبول کرتا ہے اور اس کی رضا کے لئے ہر قسم کی قربانی دینے کے لئے تیار رہتا ہے، اللہ کا اپنی محبوب و اشرف مخلوق پر یہ کیا کم کرم ہے کہ اس نے شیطان کی عداوت سے باخبر کرنے کے لئے اپنی کتابیں نازل فرمائیں، ان کی عملی تشریح و تفسیر اور تعلیم کے لئے سلسلہ انبیاء قائم کیا اور سلسلہ نبوت و رسالت ﷺ ختم فرمانے کے بعد ایسے نفوس قدسیہ کا سلسلہ جاری کیا جو قیامت تک نبی آخر الزماں ﷺ کی تعلیمات کی روشنی میں امت کو اس ازلی دشمن کے مکر و فریب سے باخبر کرتے رہتے ہیں بچنے کی دعوت دیتے رہتے ہیں، اسی لئے میرے آقا ﷺ نے فرمایا: ”فَقِيْهُ وَاحِدٌ اَشَدُّ عَلَى الشَّيْطَانِ مِنْ اَلْفِ عَابِدٍ“ ایک عالم دین شیطان پر ہزار عابدوں سے زیادہ بھاری ہے۔

یہ عدو بہین، کھلا دشمن انسان کو جس کام پر بھی اکساتا ہے وہ اسے ”فَحْشَاءٌ وَمُنْكَرٌ“ ہی میں مبتلا کر دینے کے لئے

ہوتا ہے۔ کفر و شرک میں مبتلا، بدنصیب لوگ تو فحشاء و منکر کا مجسمہ ہیں ہی۔ اسی لئے قرآن کریم نے انہیں مجسمہ نجاست قرار دیا، ”إِنَّمَا الْمُسْرِكُونَ نَجَسٌ“ شیطان کو ان کی فکر نہیں کہ وہ تو اسی کے ہو چکے ہیں، وہ شیطان بن چکے ہیں، ان کے پاس کوئی دولت ہے، جس پہ شیطان ڈاکہ ڈالے، پس وہ اپنے مکر و فریب کا جال اہل ایمان پر پھیلاتا ہے، ان کی دولت ایمان کو لوٹنا چاہتا ہے، بھیس بدل بدل کر ان کو بہکا تا ہے، ”يُوسُوسُ فِي صُدُورِ النَّاسِ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ“ کبھی جن کی صورت میں خفیہ طور پر وار کرتا ہے تو کبھی انسانی شکل میں ظاہر ہو کر اپنی ہمدردی و محبت کا ڈھونگ رچاتا ہے، دولت کی طمع میں مبتلا کرتا ہے، حسن و جمال کی زلفیں بکھیرتا ہے، عیش و عشرت کی چادر بچھاتا ہے، میرے آقا ﷺ کا ارشاد ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ”إِنَّ الشَّيْطَانَ يَجْرِي مِنَ الْإِنْسَانِ مَجْرَى الدَّمِ“ بیشک شیطان انسان کی رگ و پے میں خون کی طرح سرایت کئے رہتا ہے، وسوسہ شیطان سے میرے آقا ﷺ کی احتیاط ملاحظہ ہو، اس واقعہ کو حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی نے ہم تک پہنچایا، بتایا کہ ایک تاریک شب اللہ کے رسول ﷺ اپنی زوجہ محترمہ کے ہمراہ تشریف لے جا رہے تھے کہ کوئی صحابی قریب سے گزرے۔ آپ ﷺ نے انہیں روکا اور فرمایا دیکھو یہ عورت میری فلاں بیوی ہے، اس صحابی نے عرض کی، یا رسول اللہ ﷺ! جب میں کسی اور کے ساتھ بدگمانی نہیں کرتا تو کیا معاذ اللہ میں آپ ﷺ پر بدگمانی کروں گا، آپ ﷺ نے فرمایا، ”إِنَّ الشَّيْطَانَ يَجْرِي مِنَ الْإِنْسَانِ مَجْرَى الدَّمِ“، بیشک شیطان انسان کے رگ و پے میں خون کی طرح سرایت کئے ہوئے ہے، کہ یہ ظالم دشمن کسی کو نہیں چھوڑتا، ہمارا شمار تو کیا، یہ تو غلاموں کو آقا ﷺ سے بھی بدگمانی میں مبتلا کر دیتا اور اس طرح انہیں گمراہ کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے، بعض مسلمانوں کا انبیاء کرام علیہم السلام بالخصوص نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق بد عقیدگی میں مبتلا ہونا، مثلاً حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنا جیسا انسان جاننا، آپ ﷺ کی شان میں گستاخانہ کلمات بولنا، یا آپ ﷺ کے ارشادات و اعمال پر شکوک و شبہات کرنا، کیا ہے؟ شیطانی وسوسہ کا انجام ہی تو ہے جو جہالت و کم علمی کے سبب پیدا ہوا اور گمراہی کا باعث بن گیا۔

### بد عقیدہ لوگوں کا تقویٰ

یاد رکھئے، شیطان اعمال سے زیادہ عقائد پر حملہ کرتا ہے کہ جب عقیدہ ہی برباد ہو گیا تو اعمال خود بخود برباد ہو جاتے ہیں، جو العیاذ باللہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی گستاخی میں مبتلا ہو گیا، اب اس کی عبادتوں کا ٹھکانہ کہاں رہا، جب رسول ﷺ کی عظمت ہی نہ رہی، تو لمبے لمبے سجدے کس کام کے رہے، نیز بد عقیدہ لوگوں کا ظاہری تقویٰ، شیطان کے مکر و فریب کا ایک جال ہوتا ہے، جس میں لوگ باسانی پھنس جاتے ہیں، اسی لئے آپ دیکھتے ہیں کہ اکثر بد عقیدہ لوگ شکل و صورت، لباس، انداز گفتگو سے بڑے ہی متقی نظر آتے ہیں، سر پر پگڑی، جیب میں مسواک، لمبا کرتا، اونچا پاجامہ، ان کا لباس ہوتا ہے، زبان ماشاء اللہ، سجان اللہ کہتے تھکتی نہیں، سنت رسول ﷺ پر عمل کے اظہار کے طور پر ایک عطر کی شیشی ہوتی ہے جس سے سب کو معطر کیا جاتا ہے لیکن وہ کبھی ختم نہیں ہوتی، کوئی بیمار ہو تو ایسے لوگ سب سے پہلے موجود ہوتے ہیں، کوئی مرجائے تو یہ لوگ آگے آگے نظر آتے ہیں، غرضیکہ ان کے تقویٰ و پرہیزگاری پر کسی طرح شک و شبہ نہیں ہو پاتا لیکن اللہ بچائے۔ ان کے قریب

پہنچے تو ان کے پاس، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی گستاخی، صحابہ کرام پر تنقید، اولیاء عظام کی توہین کے علاوہ کچھ نہ ملے گا، واضح احکام شرع کا انکار، ہر جائز و مستحب عمل پر حرمت کا فتویٰ، ان کی تبلیغ اور خدمت دین ہے، وسیلہ ناجائز، عقیدہ شفاعت ضلالت، صلوٰۃ و سلام ناجائز، مزارات پر حاضری، چادر چڑھانا، منت ماننا، عرس کرنا، گیارہویں شریف کرنا، فاتحہ کرنا غرضیکہ یہ تمام مستحبات شرک ہیں، العیاذ باللہ، جبکہ امت کے یہی اعمال حصول تقویٰ، اشاعت دین کا ذریعہ ہیں، اسی لئے ہمارے علماء عوام کو ایسے لوگوں سے دور رہنے، ان کی محفلوں میں شریک نہ ہونے، حتیٰ کہ ان کی کتابوں کا مطالعہ نہ کرنے کی تاکید کرتے ہیں کہ ان کا یہ ظاہری تقویٰ ہی شیطانی جال ہے، جس سے ایک سادہ لوح مسلمان کا بچنا نہایت ہی دشوار ہوتا ہے۔

بدعقیدہ لوگوں کی آزادی

کچھ بدعقیدہ لوگ وہ ہیں جو دین سے دور اور بالکل آزاد ہیں، ان میں بدعملی اور بدکرداری عام ہے، ان کی تہذیب، ان کا تمدن بالکل یہودیوں یا عیسائیوں جیسا ہے، ان کی شکل و صورت، ان کا لباس، انہی جیسا ہے، مرد و عورت کے اختلاط پر ان کے یہاں کوئی پابندی نہیں۔ محفلوں میں عورتوں کی شرکت بلکہ مردوں کی خدمت ان کے یہاں کارواج ہے، مساجد میں مردوں کی طرح عورتوں کی آمد و رفت ان کے یہاں عام ہے، جلوس جنازہ میں ان کے یہاں عورتیں پیش پیش نظر آتی ہیں، مذہبی تہواروں، شادی بیاہ کے مواقع پر رقص، ناچ گانا ہوتا ہے، ایسے لوگ ترقی یافتہ مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور یہی لوگ مسلم دشمن قوموں کا آلہ کار ہیں، یہ گروہ درحقیقت عیش پرست اور عیاش مسلمانوں بالخصوص نوجوانوں کے لئے شیطان کا جال ہے، جس میں پھنسنے کے بعد پتہ چلتا ہے کہ یہ لوگ درحقیقت قرآن و حدیث کی بنیادی احکام کے منکر ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ختم نبوت کا انکار، احادیث کا انکار، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اللہ کی قدرت سے بغیر باپ کے پیدا ہونے کا انکار، ان کو آسمان پر اٹھائے جانے کا انکار، دوبارہ دنیا میں تشریف لانے کا انکار، ان کے بنیادی عقائد ہیں، جن کی اشاعت و تبلیغ کا ذریعہ ان کی آزادی، دین سے دوری، بدعملی اور بدکرداری ہے، جس کو عیاش قسم کے مسلمان پسند کرتے اور ان کے جال میں پھنس کر شیطان کا شکار بن جاتے ہیں، اللہ بدعقیدہ متقیوں سے بھی محفوظ رکھے اور بدعقیدہ، بدعمل و بدکردار لوگوں سے بھی بچائے۔

بہر حال شیطان خون کی طرح انسان کی رگوں میں سرایت کئے ہوئے ہے اور انسانوں ہی کے ذریعہ اس نے مختلف ناموں سے اپنے جال پھیلانے ہوئے ہیں جن سے وہ اہل ایمان کی دولت ایمان کو لوٹتا ہے اور انہیں تباہ و برباد کر دیتا ہے، یہ اللہ کریم کا کرم ہے کہ اس نے اس ازلی دشمن کے مکر و فریب کا پردہ چاک کیا، اسے ”عَدُوٌّ مُّبِينٌ“ کھلا دشمن بتا کر اس کے فریب سے بچنے کی تاکید فرمائی، ملاحظہ ہوں وہ آیات، جن میں شیطان لعین کی اتباع و پیروی سے منع کیا گیا۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِن مَّا فِي الْأَرْضِ حَلَالًا طَيِّبًا وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ۝

(البقرہ: ۶۸)

اے انسانو! کھاؤ اس سے جو زمین میں ہے حلال، پاکیزہ (چیزیں) اور شیطان کے قدموں پر قدم نہ

رکھو بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ  
عَدُوٌّ مُبِينٌ ۝ (البقرہ: ۲۰۸)

اے ایمان والو! داخل ہو جاؤ اسلام میں پورے پورے اور نہ چلو شیطان کے نقش قدم پر بے شک وہ  
تمہارا کھلا دشمن ہے۔

كُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ ۝

(انعام: ۱۴۲)

کھاؤ اس میں سے جو رزق دیا ہے تمہیں اللہ نے اور نہ پیروی کرو شیطان کے قدموں کی بے شک وہ  
تمہارا کھلا دشمن ہے۔

اے ایمان والو! کس قدر وضاحت اور تاکید کے ساتھ تمہیں شیطان کی اتباع و پیروی سے منع کیا جا رہا ہے اور  
تم ہو کہ پھر بھی باز نہیں آتے۔ تم اتنے کمزور کیوں ہو گئے ہو کہ شیطان کے کچے دھاگے میں جکڑے جاتے ہو، دیکھو بد عقیدہ  
لوگوں کی محفلوں میں شریک نہ ہو، ان کے قریب بھی نہ جاؤ، اگر وہ تمہیں عطر بھی دیں تو اس کی مہک تک سے بچو، ماذرن بد عقیدہ  
تنظیموں سے بھی دور رہو، یہ تقویٰ کا فریب اور ماذرن ازم کا سحر، شیطان کا جال ہے، شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے، جس کے  
پاس تمہارے لئے سوائے فحشا، منکر کے کچھ نہیں، یہ تمہیں ذلیل و خوار کر دیتا ہے، درد کا بھکاری بنا دیتا ہے، تمہاری اس حالت  
پر خوش ہوتا ہے، اچھلتا کودتا ہے، ”فَسَاءَ قَرِينًا“ یہ بہت ہی برا ساتھی ہے، اس سے بچو، جب یہ قریب آئے تو پڑھو۔

”أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ“

شیطان لعین کے قریب سے بچنے کے لئے اللہ کی پناہ کے سوا کوئی سہارا نہیں، اگر اس کا فضل نہ ہو، اس کی رحمت شامل  
حال نہ ہو تو ”ہاں کی منکم من احب ابدًا“ کبھی کوئی اس ازلی دشمن کے وار سے نہ بچ سکے، ”وَلَكِنَّ اللَّهَ يُزَكِّي مَنْ  
يَشَاءُ“ یہ اللہ ہی ہے جو تزکیہ قلوب فرماتا ہے، دلوں کو ایمان کے نور سے منور و روشن کرتا اور شیطان کے وسوسوں سے بچاتا ہے،  
اگر اس کا فضل نہ ہو تو نہ تو کسی کا علم کام آسکتا ہے اور نہ کسی کا تقویٰ، پس عجز و انکساری کے ساتھ ”أَعُوذُ بِاللَّهِ“ پڑھ کر اللہ کی پناہ  
مانگو وہ تمہاری درخواست پناہ کو سنتا اور تمہاری قلبی کیفیت کو جانتا ہے پس وہ تم پر فضل فرمائے گا اور تمہیں اپنی پناہ میں لے لے گا۔  
کسی کی امداد بند نہ کرو

بوسیہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، جملہ اہل ایمان کو ہدایت کی جا رہی ہے کہ جب تم کسی ضرورت مند کی  
امداد صرف رضائے الہی کے لئے اپنے ذمہ لے لو، وہ ضرورت مند چاہے تمہارا عزیز ہو یا کوئی بھی غریب یا اللہ کی راہ کا مہاجر  
ہو، بہر حال اپنی ذمہ داری کو نبھاؤ جب تک اللہ نے تمہیں وسعت دی ہے، اس کی امداد بند نہ کرو، محض اس لئے امداد بند  
کر دینے کا کوئی جواز نہیں کہ جس کی تم مدد کر رہے اس نے کوئی کام تمہاری مرضی کے خلاف کیا، یا تمہاری کسی حق بات کی اس

نے حمایت نہ کی، اس بناء پر تمہارا اس سے ناراض ہو جانا اور اس کی مدد نہ کرنا تو یہ ظاہر کرتا ہے کہ تم اس کی مدد اللہ کی رضا کے لئے نہیں بلکہ اپنی خوشی کے لئے اور اس کو اپنا تابعدار بنائے رکھنے کے لئے کرتے تھے۔ ایسا نہ کرو۔ یہ تو تم پر اللہ کا فضل ہے کہ اس نے تمہیں مدد لینے والا نہ بنایا بلکہ اس قابل بنایا کہ تم دوسروں کے کام آؤ، پس اللہ ہی کی رضا کے لئے تمہیں ضرورت مند کی مدد کرتے رہنا چاہئے، چاہے وہ تمہارا احسان مند ہو یا نہ ہو، تمہیں اس پر مزید احسان یہ کرنا چاہئے کہ تم اس کی ایسی غلطیوں کو معاف کرتے رہو اور ایسی باتوں سے درگزر کرتے رہو جو تمہیں پسند نہیں ہیں، اسی صورت میں تم اجر اور اللہ کے فضل کے مستحق ہو گے، جو بخشش و مغفرت کی صورت میں تمہیں ملے گا، دیکھو اللہ کیسا بخشنے والا اور رحم فرمانے والا ہے، وہ تمہیں اپنی بے شمار نعمتوں سے نوازتا رہتا ہے، جبکہ تم صبح سے شام تک نہ جانے کتنے کام اس کی مرضی کے خلاف کرتے ہو، اللہ چاہتا ہے کہ ”تَخْلُقُوا بِاخْلَاقِ اللَّهِ“ اس کے بندے اس کی صفات کا مظہر اور آئینہ بنیں، باہمی امداد، ہمدردی، محبت اور خوش خلقی، ایثار و قربانی کا ایسا پیکر بنیں، اپنے اعمال میں ایسے مخلص ہوں کہ خود غرضی اور ذاتی مفادات کا شائبہ تک نہ ہونے پائے، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا کے سوا کوئی مقصد نہ ہو، جیسا کہ معلم اخلاق ﷺ کا ارشاد ہے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ راوی ہیں، ”لَيْسَ الْوَاصِلُ بِالْمُكَافِي، وَلَكِنَّ الْوَاصِلَ الَّذِي إِذَا قُطِعَتْ رَحْمَةُ وَصَلَهَا“ صلہ رحمی کرنے والا وہ نہیں جو بدلہ میں صلہ رحمی کرے (اصل میں تو) صلہ رحمی کرنے والا وہ ہے جو رشتہ داروں کی طرف سے قطع رحم کے باوجود صلہ رحمی کرے۔

یعنی اخلاق کا کمال یہ نہیں کہ رشتہ داروں یا کسی سے بھی اس وقت تعلق قائم کیا جائے جب وہ تعلق قائم کریں، یہ تو بدلہ کہلائے گا، کمال اخلاق تو یہ ہے کہ لوگ تعلقات نہ رکھیں پھر بھی ان سے تعلق قائم کیا جائے، ان کی مدد کی جائے، ان سے ہمدردی کا اظہار کیا جائے، یہ صورت صرف اور صرف خلوص پر مبنی ہوگی، اس سے مقصود صرف اللہ کی رضا اور نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اتباع و پیروی ہوگا جو دنیا میں حصول برکات کا اور آخرت میں اجر و مغفرت کا یقینی ذریعہ ہے۔

### سبب نزول آیت

یہ آیت مبارکہ اس وقت نازل ہوئی جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک عزیز کی امداد بند کر دینے کا فیصلہ کیا، ہوا یہ کہ چھ ہجری غزوہ بنی المصطلق کے موقع پر، جب ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر ایک جماعت نے الزام لگایا، جسے واقعہ انک کہا جاتا ہے تو اس الزام سے نہ صرف حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بلکہ حضرت ابو بکر صدیق اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو شدید صدمہ پہنچا، لیکن منافقین کے ہاتھ ایک موقع آیا اور انہوں نے اس جھوٹی کہانی کو خوب اچھالا، گھر گھر پہنچایا، گلی کوچوں میں چرچا کیا، حتیٰ کہ بعض جلیل القدر صحابہ بھی اس پروپیگنڈے کا شکار ہو گئے، اور اس الزام کو سچ سمجھ بیٹھے، انہیں میں جلیل القدر صحابی حضرت مسطح بن اثاثہ بھی تھے جو بدری یعنی مجاہدین غزوہ بدر میں سے ایک تھے، یہ حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کی خالہ زاد بہن کے بیٹے تھے، نہایت غریب تھے، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہمیشہ ان کی امداد کیا کرتے تھے، یہ حضرت بھی منافقین کے پروپیگنڈے کا شکار ہو گئے، جب حضرت ابو بکر کو معلوم ہوا تو آپ

بہت صدمہ ہوا، اس وقت تو آپ خاموش رہے لیکن جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ام المؤمنین کی برأت و پاکی کا اعلان فرمایا، قرآن کریم کی سورۃ النور کی دس آیات، اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زوجہ محترمہ اور امت کی ماں رضی اللہ عنہا کی صفائی اور پاکیزگی بیان فرمانے کے لئے نازل فرمائیں اور اس واقعہ کو کھلم کھلا بہتان قرار دیا تو منافقین کے منہ کالے ہوئے اور اہل ایمان کے چہرے کھل اٹھے، شرعی حکم کے مطابق حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جن صحابہ پر حد قذف جاری فرمائی ان میں حضرت مسطح بھی شامل تھے یعنی ان پر پروپیگنڈے میں شامل ہونے کا الزام ثابت ہو چکا تھا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اس بات پر بے حد صدمہ ہوا کہ مسطح میرے دست نگر ہیں، میں ان کی ہمیشہ مدد کرتا ہوں اور وہ بھی اس جرم میں شامل ہوئے۔ یہ ایک فطری تقاضا تھا، لہذا آپ نے قسم کھالی کہ وہ آئندہ مسطح کی مدد نہیں کریں گے، اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وسیلہ سے ان کے محبوب صحابی ابوبکر کو نہایت ہی محبوبانہ انداز سے متنبہ فرمایا کہ تم تو اولوالفضل ہو، صاحب حیثیت ہو، تمہیں زیب نہیں دیتا کہ کسی غریب کی امداد بند کرو، تمہیں تو چاہئے کہ اس غریب پر مزید احسان کرو، اسے معاف کر دو، اس کی غلطی سے درگزر کرو، کیا تمہیں پسند نہیں کہ اللہ تمہاری مغفرت کر دے، جو نبی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے وحی الہی سنی، عرض کرنے لگے، ”بَلَىٰ وَاللّٰهِ يَا رَبَّنَا اِنَّا لَنُحِبُّ اَنْ تُغْفِرَ لَنَا“، اے اللہ! مجھے تیری قسم، ہم تو اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ تو ہمیں معاف کر دے اور آپ نے پہلے سے بھی زیادہ حضرت مسطح کی امداد کرنا اور دلدادگی کرنا شروع کر دی۔

### قابل غور

قابل غور بات یہ ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کوئی گناہ نہ کیا تھا کہ کسی کی مدد کرنا نہ فرض ہے نہ واجب، صرف ایک اخلاقی ذمہ داری ہے اگر اسے ترک کر دیا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں لیکن اللہ کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا یہ عمل گوارا نہ ہوا کیونکہ آپ ایک عام مسلمان نہ تھے، بلکہ امت کے مقتدی اور امت کے لئے اسوۂ رسول ﷺ کا نمونہ تھے، جن کے نقش قدم پر چلنا امت کے لئے فلاح و کامرانی کی ضمانت ہے، نیز آپ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اس قدر قریب تھے کہ آپ نے بخوبی دیکھا کہ آقا ﷺ کس طرح اپنوں اور غیروں سب کے ساتھ ہمدردی کرتے ہیں، ضرورت مندوں کی امداد فرماتے ہیں، ابوبکر کا مقام تو یہ ہے کہ وہ اپنے آقا ﷺ کے اخلاق و کردار کا پیکر بن کر امت کے سامنے آئیں، پس اللہ نے ان کے اس بلند مقام کی حفاظت فرمائی اور انہیں بروقت متنبہ کیا کہ اے ابوبکر! تمہیں یہ عامیانہ حرکت زیب نہیں دیتی، نیز ان کی وساطت سے جملہ اہل ایمان کو بتا دیا گیا کہ تمہارے لئے اخلاق کا ایسا اعلیٰ معیار زیب دیتا ہے کہ دنیا تم سے متاثر ہو اور تمہارے کردار کو اپنی عزت و عظمت کے لئے اپنائے، پس

اے ایمان والو! قرآن کریم کے اس ارشاد کی روشنی میں اپنے کردار کا جائزہ لو اور اس کی اصلاح کرو۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی خَيْرِ خَلْقِهِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِهِ وَاصْحَابِهِ اَجْمَعِينَ



## مقالہ ۵۹

### النور: ۷۲ تا ۷۴

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّى تَسْتَأْذِنُوا وَتُسَلِّمُوا عَلَى أَهْلِهَا ۚ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ۝ فَإِنْ لَمْ تَجِدُوا فِيهَا أَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوهَا حَتَّى يُؤْذَنَ لَكُمْ ۚ وَإِنْ قِيلَ لَكُمْ ارْجِعُوا فَارْجِعُوا هُوَ أَزْكَى لَكُمْ ۚ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ۝ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ مَسْكُونَةٍ فِيهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ ۚ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ وَمَا تَكْتُمُونَ ۝ قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ ۚ ذَٰلِكَ أَزْكَى لَهُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا يَصْنَعُونَ ۝ وَقُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَى جُيُوبِهِنَّ ۚ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ أَوْ آبَائِهِنَّ أَوْ آبَاءَ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ أَبْنَاءٍ أَوْ أَبْنَاءَ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِي إِخْوَانِهِنَّ أَوْ



بَنِي أَخَوَاتِهِنَّ أَوْ نِسَائِهِنَّ أَوْ مَمْلُوكَاتٍ أَوْ الثَّيِّبِينَ غَيْرِ أُولَى الْأَرْبَابَةِ مِنْ  
الرِّجَالِ أَوْ الطِّفْلِ الَّذِينَ لَمْ يَظْهَرُوا عَلَى عَوْرَاتِ النِّسَاءِ وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ  
لِيُعْلَمَ مَا يَخْفَيْنَ مِنْ زِينَتِهِنَّ ۖ وَتُؤْبَوْنَ إِلَى اللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهُ الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ  
تُفْلِحُونَ ۝ وَانْكَحُوا الْأَيَّامَى مِنْكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ ۚ إِنَّ  
يَكُونُوا فُقَرَاءَ يُعْزِمُهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ ۚ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ۝ وَلِيَسْتَعْفِفَ الَّذِينَ لَا  
يَجِدُونَ نِكَاحًا حَتَّى يُعْزِيَهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ ۚ وَالَّذِينَ يَبْتِغُونَ الْكِتَابَ مِنْكُمْ  
أَيَّامَكُمْ فَكَاتِبُوهُمْ إِنْ عَلِمْتُمْ فِيهِمْ خَيْرًا ۚ وَآتُوهُمْ مِّنْ مَّالِ اللَّهِ الَّذِي آتَاكُمْ ۚ وَلَا  
تَكْرِهُوا فَتَيَاتِكُمْ عَلَى الْبِغَاءِ إِنْ أَرَادْنَ تَحْصُنَ لِنَفْسِكُمْ أَعْرَضَ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا وَمَنْ  
يُكْرِهِنَّ فَإِنَّ اللَّهَ مِنْ بَعْدِ إِكْرَاهِهِنَّ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ وَلَقَدْ أَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ آيَاتٍ  
مُّبِينَاتٍ وَمَثَلًا مِّنَ الَّذِينَ خَلَوْا مِن قَبْلِكُمْ وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِينَ ۝

(النور: ۲۷-۳۴)

اے ایمان والو! نہ داخل ہوا کرو (دوسروں کے) گھروں میں اپنے گھروں کے سوا، جب تک تم  
اجازت نہ لے لو اور سلام نہ کر لو اپنے گھروں میں رہنے والوں پر، یہی بہتر ہے تمہارے لئے شاید تم  
(اس میں) غور و فکر کرو، پھر اگر نہ پاؤ ان گھروں میں کسی کو (جو تمہیں اجازت دے) تو نہ داخل ہو ان  
میں یہاں تک کہ اجازت دے دی جائے تمہیں اور اگر کہا جائے تمہیں واپس چلے جاؤ تو واپس چلے  
جاؤ، یہ (طریقہ) بہت ہی پاکیزہ ہے تمہارے لئے اور اللہ جو کچھ تم کرتے ہو خوب جاننے والا ہے کوئی  
حرج نہیں تم پر اگر تم داخل ہو ایسے گھروں میں جن میں کوئی آباد نہیں، جن میں تمہارا سامان رکھا ہے اور  
اللہ جانتا ہے، جو تم ظاہر کرتے اور جو تم چھپاتے ہو، (اے حبیب ﷺ) آپ ﷺ حکم دیجئے اہل  
ایمان کو کہ وہ نیچی رکھیں اپنی نگاہیں اور حفاظت کریں اپنی شرمگاہوں کی، یہ (طریقہ) بہت پاکیزہ ہے  
ان کے لئے، بیشک اللہ خوب آگاہ ہے ان کاموں پر جو وہ کیا کرتے ہیں اور آپ ﷺ حکم دیجئے  
ایمان دار عورتوں کو کہ وہ نیچی رکھا کریں اپنی نگاہیں اور حفاظت کیا کریں اپنی عصمتوں کی اور نہ ظاہر کیا  
کریں اپنی آرائش کو مگر جتنا خود بخود نمایاں ہو اس سے اور ڈالیں رہیں اپنی اوڑھیاں اپنے گریبانوں  
پر، اور نہ ظاہر ہونے دیں، اپنی آرائش کو مگر اپنے شوہروں کے لئے یا اپنے باپوں کے لئے، یا اپنے  
شوہروں کے باپوں کے لئے، یا اپنے بیٹوں کے لئے، یا اپنے خاوندوں کے بیٹوں کے لئے، یا اپنے  
بھائیوں کے لئے، یا اپنے بھتیجیوں کے لئے یا اپنے بھانجیوں کے لئے، یا اپنی ہم مذہب عورتوں کے لئے،  
یا اپنی باندیوں پر یا اپنے ایسے نوکروں پر جو (عورت کے) خواہش مند نہ ہوں یا ان بچوں پر جو (ابھی

تک) آگاہ نہیں، عورتوں کی شرم والی چیزوں پر، اور نہ زور سے ماریں اپنے پاؤں (زمین پر) تاکہ معلوم ہو جائے وہ بناؤ سنگار جو وہ چھپائے ہوئے ہیں اور رجوع کرو اللہ کی طرف سب کے سب اے ایمان والو! تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔ اور نکاح کر دیا کرو، جو بے نکاح ہیں تم میں سے اور جو نیک ہیں تمہارے غلاموں اور کنیزوں میں سے اگر وہ تنگدست ہوں، غنی کر دے گا اللہ انہیں اپنے فضل سے اور اللہ وسعت والا، سب کچھ جاننے والا ہے اور چاہئے پاکدامن بنے رہیں وہ لوگ جو نہیں پاتے، شادی کرنے کی قدرت، یہاں تک کہ غنی کر دے اللہ انہیں اپنے فضل سے اور جو مکاتب بننا چاہتے ہیں تمہارے غلاموں میں سے تو مکاتب بنا لو انہیں اگر تم جانو ان میں کوئی بھلائی اور مدد کرو ان کی اللہ کے مال سے جو اس نے تمہیں عطا فرمایا ہے اور نہ مجبور کرو اپنی باندیوں کو بدکاری پر اگر وہ پاکدامن رہنا چاہئیں تاکہ تم حاصل کرو (ان کی بدکاری سے) کچھ حصہ دنیاوی زندگی کا اور جو (کمینہ خصلت) مجبور کرتا ہے انہیں تو بیشک اللہ ان کے مجبور کئے جانے کے بعد بخشے والا، رحم فرمانے والا ہے اور ہم نے اتاری ہیں تمہاری طرف آیتیں روشن، نیز (ہم نے اتارے ہیں) بعض حالات ان لوگوں کے جو گزر چکے ہیں تم سے پہلے، نیز (اتاری ہے) نصیحت پر ہیزگاروں کے لئے۔

### معاشرت کی اہمیت

معاشرت یعنی رہنے سہنے کے انداز کی اہمیت کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ معاشرت کا اثر انسان کی زندگی کے ہر شعبے پر ہوتا ہے، جن لوگوں کی معاشرت کی بنیاد صالحیت، نیک اعمال پر ہوتی ہے، ان کی زندگی کے ہر شعبہ میں دیانت، امانت، صداقت جیسی خوبیاں نمایاں نظر آتی ہیں، ان کا پورا معاشرہ پرسکون ہوتا ہے، اس میں ہمدردی، محبت، ایثار و قربانی اور باہمی تعاون کے رنگ برنگے پھول کھلے نظر آتے ہیں، ان کی معیشت ان کے لئے سہل و آسان ہوتی ہے، جس کا سبب ان کا باہمی اعتماد ہوتا ہے، وہ لوگ دن بدن خوشحال ہوتے اور جلد ہی معاشی ترقی کی بلندیوں کو پالیتے ہیں، غرضیکہ صرف معاشرت کی صالحیت ان لوگوں کو خوشحالی، سکون و اطمینان کی دولت سے مالا مال کر دیتی ہے اور دنیا میں ان کو نہ صرف عزت و وقار حاصل ہوتا ہے بلکہ ان کے رعب کے سبب ان کے حاسدین کی گردنیں بھی ان کے سامنے جھک جاتی ہیں لیکن اگر معاشرت کی بنیاد بد عملی اور بد کرداری پر ہو تو پوری قوم ہر اعتبار سے ذلیل و خوار ہو جاتی ہے کہ عیش و عشرت اور عیاشی کی زندگی بسر کرنے والے لوگ صرف اپنی ذات کو پیش نظر رکھتے ہیں جس کے لئے انہیں صرف اور صرف اپنے مفاد کی فکر ہوتی ہے، پس ان کا پورا معاشرہ لٹیروں، ڈاکوؤں، غنڈوں اور ظالموں کا معاشرہ ہو جاتا ہے، جس میں نہ کسی کی عزت کو تحفظ حاصل ہوتا ہے، نہ دولت کو نہ عورتوں کی عصمت محفوظ رہتی ہے اور نہ ہی حلال و حرام کا امتیاز باقی رہتا ہے، نفس کی خواہشات کا ایک طوفان ہوتا ہے جو بغیر کسی امتیاز کے ہر کسی کو اپنی لپیٹ میں لئے جاتا ہے، ظاہر ہے ایسے معاشرے میں زندگی بسر کرنے والے لوگوں کی معیشت میں بھی کانٹے ہی کانٹے ہوتے ہیں، بددیانتی، مکر و فریب، جھوٹ جیسے قبائح کے ذریعے یہ لوگ دولت کماتے ہیں، ان کا کوئی

کاروبار، سود، رشوت اور قرضوں کے بغیر نہیں چلتا، نتیجہ سب ایک دوسرے کے دشمن اور خون کے پیاسے ہو جاتے ہیں، ان میں بد امنی اور غارت گری کی ایسی آگ بھڑک اٹھتی ہے جو بجھائے نہیں بجھتی۔ ظاہر ہے جن لوگوں کی اپنے معاشرے میں حالت تباہ ہو جاتی ہے وہ دنیا کی نظروں میں بھی گر جاتے ہیں، دوسری قومیں یا تو انہیں اپنا نوالہ بنا لینا چاہتی ہیں یا الگ تھلگ ہو کر ان کا تماشہ دیکھتی اور ان پر ہنستی ہیں، اگر آپ حالات پر غور کریں تو آج ہماری دنیا میں بہت سے ایسے ممالک نظر آئیں گے جنہیں ان کے انداز زندگی، معاشرت نے تباہ و برباد کر دیا، وہ اپنی تعداد و وسائل کی کثرت کے باوجود بے یار و مددگار ہیں، غارت گری اور بد امنی کا شکار ہیں، خود انہی کے لوگ بھاگ بھاگ کر دوسرے ملکوں میں پناہ لینے اور غلامی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہیں۔

بہر حال معاشرت کی اہمیت کا انکار نہیں کیا جاسکتا، اس سے زندگی کا ہر شعبہ متاثر ہوتا ہے، قرآن کریم جو تعمیر انسانیت کا بلاشبہ داعی اور ضامن ہے معاشرت کے ایسے اصول عطا فرماتا ہے جن کو اپنا لینا کامیاب، باوقار اور پر امن زندگی کی ضمانت ہے، دنیا کی کوئی کتاب ایسے اصول زندگی کی تعلیم نہیں دیتی جو بظاہر نہایت معمولی ہیں لیکن قرآن کریم انہی کی تعلیم کو اہمیت دیتا ہے کہ معمولی اور چھوٹے کاموں پر عمل ہی انسان کو غیر معمولی اور بڑے کاموں کا عادی بناتا ہے، بالکل اسی طرح جیسے جو شخص دس کلو وزن اٹھانے کا عادی نہ ہو وہ پچیس، تیس کلو وزن ہرگز نہیں اٹھا سکتا، یا جو شخص ایک وقت کا کھانا نہ چھوڑ سکے وہ بوقت ضرورت پورے دن کا فاقہ کیسے کر سکتا ہے، شریعت مطہرہ کے احکام میں بھی محنت و مشقت، ایثار و قربانی موجود ہے، صرف اسی لئے کہ ان احکام کی پابندی مؤمن کو اس جہاد کے لئے تیار کر دے جو اصل عبادت اور مؤمن کی زندگی کا مقصد ہے۔

معاشرت کی اہمیت پر یہ چند سطور ہم نے اس لئے قلمبند کیں کہ قرآن کریم کی مذکورہ بالا آیات میں انداز معاشرت ہی کی تعلیم دی جا رہی ہے اور چند ایسے اصول بتائے جا رہے ہیں جن پر مؤمن کی معاشرت کی بنیاد ہونی چاہئے، نیز ان سطور سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ قرآن کریم نے ان چھوٹی اور معمولی باتوں کو نہایت اہمیت کے ساتھ اس لئے بیان فرمایا کہ ان کی پابندی ہی سے معاشرے کی تعمیر ہو سکتی اور ایک پرسکون و باوقار معاشرہ نصیب ہو سکتا ہے، آئیے اب ان ہدایات ربانی پر غور کریں جو مذکورہ بالا آیات کے ذریعہ ہمیں دی جا رہی ہیں اور جن کو ہمارے لئے خیر قرار دیتے ہوئے ان پر ہمیں غور و فکر کی دعوت دی گئی ہے کہ فرمایا گیا، ”ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ“ یہی تمہارے لئے بہتر ہے تاکہ تم اس میں غور و فکر کرو۔

استیذان

استیذان یعنی اجازت مانگنا، اہل ایمان کو نہایت ہی کریمانہ انداز پر ہدایت کی جا رہی ہے کہ وہ کسی کے گھر میں اس وقت تک داخل نہ ہوں جب تک اجازت نہ لے لیں، جس کا طریقہ یہ بتایا گیا کہ آنے والا اپنی آمد کی اطلاع کے لئے سلام کرے (اور اگر سلام کی آواز گھر والوں تک نہ پہنچ سکے تو کوئی بھی مروجہ طریقہ اختیار کرے، دروازہ کھٹکھٹائے یا بیل بجائے، بہر حال اطلاع دے) اور اس وقت تک انتظار کرے جب تک داخل ہونے کی اجازت نہ مل جائے اور اگر گھر والے اجازت نہ دیں بلکہ واپس ہونے کے لئے کہیں تو کسی قسم کی ناراضگی یا بدگمانی کے بغیر ”فَارْجِعُوا“ واپس ہو جاؤ، (یا کوئی جواب نہ

ملے، تب بھی بدگمانی نہ کی جائے، بلکہ یہ سوچ لیا جائے کہ گھر میں کوئی خاتون تنہا ہوگی، جس نے دروازہ کھولنا مناسب نہ سمجھا، یا گھر والا تنہا کسی ایسے کام میں مصروف ہوگا جس کے سبب جواب نہ دے سکا مثلاً غسل کر رہا ہوگا، نماز پڑھ رہا ہوگا، وغیرہ وغیرہ) ”هُوَ أَزْكَى لَكُمْ“ یہی تمہارے لئے ذریعہ پاکیزگی ہے، ہاں جو گھر ایسے ہوں جن میں عام داخلہ کی اجازت ہوتی ہے، جیسے سرائے، ہوٹل وغیرہ تو ان میں اجازت کے بغیر داخل ہو سکتے ہیں لیکن ان کے کمرے جن میں لوگ رہتے ہیں ان کا حکم بھی گھروں جیسا ہی ہے، جو اوپر بیان کیا گیا۔

یہ حکم قرآن ہے، اللہ رب العزت جل مجدہ کی ہدایت ہے جس پر عمل کرنا ہر مومن کے لئے واجب ہے، اس سے لا پرواہی گناہ ہے اور اس کو چھوٹی اور معمولی بات سمجھ کر قصداً ترک کرنا بقول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، انکارِ آیت کے مترادف ہے، جو کفر ہے، اللہ محفوظ رکھے، خود نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا عمل دیکھئے کہ ایک دن آپ ﷺ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے گئے اور دروازے پر کھڑے ہو کر طلبِ اجازت کے لئے فرمایا، السلام علیکم ورحمۃ اللہ، حضرت سعد نے سنا اور آہستہ سے جواباً عرض کیا، وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کی آواز نہ سنی اور دوبارہ سلام فرمایا، حضرت سعد نے پھر آہستہ سے جواب دیا، جو پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نہ سنا، تیسری بار پھر آپ ﷺ نے سلام دھرایا، حضرت سعد نے پھر آہستہ جواب دیا، اس مرتبہ بھی نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نہ سنا، آپ ﷺ تھوڑی دیر انتظار کے بعد واپس ہونے لگے تو حضرت سعد یا رسول اللہ ﷺ! یا رسول اللہ ﷺ! کہتے دوڑے، آپ ﷺ نے فرمایا سعد! ہم نے تین مرتبہ اجازت طلب کی لیکن تم نے ہمارے سلام کا جواب نہ دیا اس لئے ہم واپس جا رہے تھے، سعد مودبانہ عرض کرنے لگے یا رسول اللہ ﷺ! میں نے آپ ﷺ کا سلام سنا اور تینوں بار جواب دیا لیکن آہستہ تا کہ میرے آقا بار بار مجھے سلام فرمائیں اور مجھے اس کی برکت حاصل ہو، (سبحان اللہ، ان عاشقوں کا بھی کیا ایمان تھا کہ آقا ﷺ سے حصولِ برکت کا موقع تلاش کرتے رہتے تھے، اس قسم کے متعدد واقعات احادیث مبارکہ میں پائے جاتے ہیں)

نبی مکرم ﷺ کی تعلیم کے مطابق استیذان کا طریقہ یہ ہے کہ آنے والا پہلے سلام کرے، اپنا نام بتائے اور داخل ہونے کی اجازت چاہے، اس سے قبل گھر والوں کی توجہ کے لئے دروازہ کھٹکھٹایا جائے یا بیل بجائی جائے اور اگر دروازہ کھلا ہو یا اس پر پردہ پڑا ہو تو دروازے کے دائیں، بائیں اس طرح کھڑا ہو کہ اندر نظر نہ پڑنے پائے، اس سلسلہ میں چند احادیث ملاحظہ ہوں۔

حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جب کسی کے دروازے پر تشریف لے جاتے تو ”لَمْ يَسْتَقْبِلِ الْبَابَ مِنْ تَلْقَاءِ وَجْهِهِ“ دروازے کے سامنے نہ کھڑے ہوتے تھے بلکہ ”وَلَكِنْ مِّنْ رُّكْنِهِ الْاَيْمَنِ اَوْ الْاَيْسَرِ“، دائیں یا بائیں دروازے سے ہٹ کر کھڑے ہوتے تھے (کیونکہ اس وقت اکثر دروازوں پر نہ کوڑا ہوتے تھے اور نہ پردہ وغیرہ ہوتا تھا)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ ایک مرتبہ میں نے آستانہ مبارکہ پر حاضر ہو کر دروازہ کھٹکھٹایا تو حضور علیہ

الصلوة والسلام نے فرمایا، ”مَنْ“ کون ہے ”قُلْتُ اَنَا“ میں نے عرض کیا، میں ہوں، یا رسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ نے فرمایا، ”اَنَا، اَنَا“ میں تو میں بھی ہوں (یعنی طلب اجازت کے لئے نام بتانا چاہئے تاکہ پتہ چلے کہ کون آنا چاہتا ہے، میں میں نہیں کرنا چاہئے، اس لفظ سے شخصیت کا پتہ کیسے چل سکتا ہے)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بتاتے ہیں کہ جب میں حضور کے دربار میں حاضر ہوتا تھا تو طلب اجازت کے لئے عرض کرتا تھا، ”السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ اَيْدُ خُلُ عُمْرُ“، اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ ﷺ پر سلام ہو، کیا عمر حاضر ہو سکتا ہے۔

ایک مرتبہ ایک شخص، نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دروازے پر حاضر ہوا اور کہنے لگا، ”اَدْخُلُ“ کیا میں آ جاؤں حضور علیہ السلام نے اپنی باندی روضہ کو حکم دیا، جاؤ اسے اجازت لینے کا طریقہ بتاؤ کہ اسے کہنا چاہئے، ”السَّلَامُ عَلَيْكُمْ اَدْخُلُ“۔

قرآن کریم نے دوسروں کے گھروں میں داخل ہونے کے لئے اجازت طلب کرنے کی ہدایت فرمائی لیکن احتیاط یہ ہے کہ جب کوئی اپنے گھر میں بھی داخل ہو تو سلام وغیرہ سے اپنے آنے کی اطلاع کر دے، جیسا کہ درج ذیل حدیث سے واضح ہوتا ہے۔

حضرت عطاء بن یسار رضی اللہ عنہ بتاتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کسی نے سوال کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! جب میں اپنی ماں کے پاس جاؤں تو کیا اس سے بھی اندر داخل ہونے کی اجازت لوں، آپ ﷺ نے فرمایا ہاں، اس نے عرض کیا میں اس کے ساتھ اسی مکان میں رہتا ہوں (یعنی وہ گھر میرا ہی ہے) آپ ﷺ نے فرمایا، ”اِسْتَاذِنْ عَلَيْهَا“ اس سے اجازت طلب کرو، پھر اس شخص نے عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ، میں تو اپنی ماں کا خادم ہوں، (یعنی بار بار آتا جاتا رہتا ہوں، پھر اجازت کی کیا ضرورت ہے) پس اللہ کے رسول ﷺ نے وضاحت سے فرمایا، ”اِسْتَاذِنْ عَلَيْهَا، اَتُحِبُّ اَنْ تَرَاهَا غُرِيَانَةً، قَالَ لَا قَالَ اِسْتَاذِنْ عَلَيْهَا“ اس سے اجازت مانگو کیا تم پسند کرتے ہو کہ اپنی ماں کو ننگا دیکھو، عرض کیا نہیں، فرمایا پھر اجازت لے کر اندر داخل ہو۔

یعنی ممکن ہے کہ عورت ایسی حالت میں ہو کہ وہ اپنے قریب ترین مرد کے سامنے بھی اس حالت میں آنا گوارا نہ کرتی ہو، لہذا داخل ہونے سے پہلے اجازت لی جائے تاکہ وہ اپنے آپ کو ٹھیک کر لے، یہی حکم بھائیوں اور دیگر رشتے داروں کے لئے بھی ہے، حتیٰ کہ شوہر کو بھی اپنے گھر میں اجازت و اطلاع کے بغیر داخل نہیں ہونا چاہئے کیونکہ اگرچہ بیوی کا تو کوئی حال شوہر سے پوشیدہ نہیں ہوتا لیکن ممکن ہے کہ بیوی اس وقت اپنی کسی حالت کو شوہر پر ظاہر کرنا پسند نہ کرتی ہو، یا اس کے پاس کوئی دوسری عورت، رشتہ دار یا محلہ وغیرہ کی آئی ہوئی ہو، خلاصہ یہ کہ ہر مرد یا ہر عورت کو، دوسرے کے یا اپنے گھر میں داخل ہونے سے پہلے اجازت طلب کرنا چاہئے یا آمد کی اطلاع کر دینا چاہئے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ فرماتی ہیں کہ میرے شوہر جب کبھی باہر سے آتے تھے، تو کھنکارا

کرتے تھے، یعنی اپنی آمد کی اطلاع کرتے تھے۔

حضرت ام ایاس رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم چار عورتیں اکثر ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا کرتی تھیں اور گھر میں داخل ہونے سے پہلے ان سے اجازت طلب کرتی تھیں، جب وہ اجازت دیتیں تو اندر جاتی تھیں، اندازہ لگائیے کہ اُس دور میں عورتوں کو بھی شریعت کی پابندی کا کس قدر خیال رہتا تھا، جبکہ آج کی عورتیں تو نہایت اہم مسائل سے بھی واقف نہیں، شاید وہ خیال کرتی ہیں کہ شریعت ہمارے لئے نہیں صرف مردوں کے لئے ہے، نمازوں تک کے متعلق شاید یہی خیال ہے کہ صرف مردوں ہی کو پابندی کرنا چاہئے، اللہ ہدایت دے۔

جیسا کہ ہم عرض کر چکے ہیں کہ استیذان کی ابتداء سلام سے کرنی چاہئے، پھر نام بتایا جائے، پھر داخل ہونے کی اجازت طلب کی جائے کہ بروایت حضرت جابر رضی اللہ عنہ، نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے، ”لَا تَأْذِنُوا لِمَنْ لَمْ يَبْدَأْ بِالسَّلَامِ“ جو شخص پہلے سلام نہ کرے اسے اندر آنے کی اجازت نہ دو کہ سلام ایک دعا ہے، اس سے پتہ چل جاتا ہے کہ آنے والا دوست ہے، خیر خواہ ہے، ہمارے لئے دعا کرتا ہوا آیا ہے، نیز ہمارا مسلمان بھائی ہے، اس کا اسی طرح استقبال کیا جائے، جس طرح ایک مسلمان بھائی کو دوسرے مسلمان بھائی کا استقبال کرنا چاہئے، سلام کے بعد آنے والا اپنا نام بتائے، جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا طریقہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے، مزید وضاحت کے لئے ملاحظہ ہو کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اس طرح اجازت طلب کی، ”السَّلَامُ عَلَيْكُمْ هَذَا أَبُو مُوسَى، السَّلَامُ عَلَيْكُمْ هَذَا الْأَشْعَرِيُّ“ یعنی اپنا نام بھی بتایا اور ابو موسیٰ کے بعد اشعری کہہ کر اپنی شخصیت کی مزید وضاحت کر دی۔

استیذان قرآنی ہدایت ہے اور اجازت نہ ملنے کی صورت میں بلا نا راضگی، ناگواری اور بدگمانی کے واپس لوٹ جانا بھی قرآنی حکم ہے۔ لہذا اجازت مانگنے پر بھی ثواب ملے گا اور اجازت نہ ملنے کی صورت میں واپس لوٹ جانا بھی ذریعہ ثواب ہوگا ناگواری اور بدگمانی کر کے اس ثواب کو ضائع کر دینا عقلمندی نہیں، یہی وجہ ہے کہ بعض بزرگوں کے متعلق یہ خواہش منقول ہے کہ وہ اجازت طلب کریں اور اندر سے انہیں واپس ہو جانے کے لئے کہا جائے، کیونکہ اس سے نفس کا امتحان ہوتا ہے کہ یہ بات نفس پر اگر گراں گزرتی ہے اور وہ اس کو اپنی توہین و بے عزتی سمجھتا ہے تو اس کی مزید اصلاح کی ضرورت ہے اور اگر وہ اسے اللہ کا حکم سمجھ کر بلا چون و چرا قبول کر لیتا ہے تو اس پر مؤمن کو اللہ کے شکر کا موقع ملتا ہے۔

استیذان کی حکمتیں

مؤمن احکام شرعیہ پر ایمان رکھتا ہے صرف اس لئے کہ یہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام ہیں اور ان پر عمل کرنا ہے، صرف اس لئے کہ ان کی تعمیل اور اس کے رسول ﷺ کی رضا کا ذریعہ ہے اسے ایمان و عمل کے لئے احکام کی حکمتیں اور مصلحتیں جاننے کی ضرورت نہیں ہوتی، ہاں اطمینان قلب کے لئے شریعت اجازت دیتی ہے کہ احکام کی حکمتیں اور مصلحتیں تلاش کی جائیں تو کوئی مضائقہ نہیں۔ اگر وہ حکمتیں اور مصلحتیں عقل میں آجائیں تو اللہ کا شکر ادا کیا جائے اور اگر نہ

آئیں تو اسے اپنی عقل کا قصور سمجھا جائے اور نہ ایمان میں خلل واقع ہو اور نہ ہی عمل میں کوئی کوتاہی ہو، پس استیذان بھی ایک شرعی حکم ہے، جس میں بے شمار حکمتیں ہیں، اگر سمجھ میں آجائیں تو سبحان اللہ ورنہ عمل میں کوئی کمی واقع نہ ہونی چاہئے، چند حکمتیں ملاحظہ ہوں۔

ہر کسی کا گھر، اس کے راحت و سکون کی جگہ ہوتی ہے، جہاں وہ ان تمام پابندیوں سے آزاد ہو کر آرام کرنا چاہتا ہے جن میں وہ لوگوں کی آنکھوں کے سامنے جکڑا ہوتا ہے، ”وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِنْ بُيُوتِكُمْ سَكَنًا“ اور اللہ نے تمہارے گھروں کو آرام و سکون کی جگہ بنا دیا ہے، پس ان گھروں میں کسی کا بلا اجازت اچانک داخل ہونا، گھر والوں کے آرام و سکون میں خلل واقع کرنا اور انہیں ایذا پہنچانا نہیں تو اور کیا ہوگا، نیز انسان اپنے گھر کی چہار دیواری میں بسا اوقات ایسے کام کرتا ہے جن سے وہ دوسروں کو باخبر نہیں کرنا چاہتا، یا ایسی حالت میں ہوتا ہے کہ شرعاً اس حالت میں دوسروں کے سامنے آنا جائز نہیں، مثلاً عورتوں کو گھر میں جس طرح آزادی سے رہنے کی اجازت ہے، اس طرح دوسرے کے سامنے آنے کی اجازت نہیں، آپ غور فرمائیں اگر گھر میں کسی وقت بھی اچانک کسی کے آجانے کا امکان ہو تو نہ کوئی اپنا خفیہ کام کر سکتا ہے اور نہ ہی آزادی سے ایک لمحہ کے لئے بھی بیٹھ سکتا ہے، علاوہ ازیں گھروں میں بلا اجازت آمد و رفت ہی سے بے حیائی، بے شرمی اور ناجائز تعلقات کا دروازہ کھلتا ہے، جس پر آپ خود غور کر سکتے ہیں آج کل کے حادثات و واقعات پر نظر ڈالئے تو بآسانی یہ حقیقت سمجھ میں آسکتی ہے، اسی لئے میرے آقا ﷺ نے فرمایا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ راوی ہیں، ”لَا يَخْلُونِ رَجُلٌ بِامْرَأَةٍ إِلَّا كَانَ ثَالِثُهُمَا الشَّيْطَانُ“ کوئی مرد کسی اجنبی عورت کے ساتھ تنہائی میں ہوتا ہے تو ضرور ان میں تیسرا شیطان ہوتا ہے، یہ شیطان لعین ان دونوں میں برائی کے جذبات ابھارتا ہے، پس بلا اجازت گھروں میں آمد و رفت، بے تکلفی پیدا کرتی ہے، مرد و عورت کی ملاقاتوں کا اس سے بار بار موقع فراہم ہوتا ہے جو گناہ اور برائی کی راہ پر لے جاتا ہے۔

آج ہمارے معاشرے میں برائیوں نے جس کثرت سے جنم لیا ہے اس کا سبب وہ مواقع ہیں جو اجنبی مرد و عورت کو ملاقاتوں کے لئے بآسانی میسر ہیں۔ انہی میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ہم نے شریعت مطہرہ کے اس حکم پر عمل ترک کر دیا اور ہمارے گھروں کے دروازے ہر وقت ہر کسی کے لئے کھلے پڑے ہیں، کوئی بھائی بن کر آ رہا ہے تو کوئی دوست، کوئی پڑوسی ہے تو کوئی کاروباری، غرضیکہ مختلف غیر شرعی رشتے جوڑے ہوئے ہیں جن سے غیر شرعی جوڑنے و جود میں آتے ہیں اور جب ان کا نتیجہ ظاہر ہوتا ہے تو ہم نے بہت سوں کو سر پیٹتے اور روتے دیکھا ہے، یہی بے تکلفانہ آمد و رفت گھروں میں چوریوں اور ڈکیتیوں کا ذریعہ بھی بنتی ہے، ہم نے دیکھا ہے کہ بہت سے محتاط لوگ اپنے ملازمین کو بھی گھروں میں آنے کی اجازت نہیں دیتے بلکہ بہت سے لوگ تو عورتوں کو اپنے گھر میں ملازم بھی نہیں رکھتے اور بہت اچھا کرتے ہیں، صحیح کرتے ہیں، غرضیکہ ہمارے لئے شریعت مطہرہ کا سکون بخش سایہ موجود ہے، جس کی پناہ میں ہم پر سکون اور محفوظ زندگی بسر کر سکتے ہیں، یہاں ہماری جان و مال، عزت و آبرو اور ہر چیز کو تحفظ حاصل ہو سکتا ہے، لیکن کیا علاج ہے اس بے احتیاطی اور بیوقوفی کا کہ ہم خود ہی اپنا سب کچھ ڈاکوؤں اور لٹیروں کے سامنے پیش کر دیتے ہیں اور پھر روتے ہیں اپنی حماقت پر اور اسے نام دیتے ہیں بد نصیبی کا،

خود کردہ راجہ علاج، دوستو یہ بد نصیبی نہیں، حماقت ہے، جسے ہم نے عقل و خرد کے دعویٰ کے باوجود جان بوجھ کر اختیار کیا ہوا ہے، یاد رکھئے صرف وہی مسلمان پچھتا تا اور اپنے کئے ہوئے پر روتا ہے جو شریعتِ مطہرہ سے فرار اختیار کرتا ہے، احکامِ شرع کی پابندی میں پچھتا وانا م کی کوئی چیز نہیں، وہاں تو صرف اور صرف تحفظ ملتا ہے، سکون ملتا ہے، اطمینان حاصل ہوتا ہے، تہذیب صرف وہ ہے جس کا حکم اللہ دیتا ہے اور جس کی تعلیم معلمِ اخلاق ﷺ نے دی ہے، اسی پر عمل کرنے والے مہذب ہیں، اہل خیر و اہل عقل ہیں، پس

اے ایمان والو! ماڈرن نہ بنو، غیر مہذب نہ بنو، غیر محفوظ طرزِ زندگی اختیار نہ کرو، احکامِ شرع پر عمل پیرا ہو جاؤ جن میں سے ایک استیذان ہے کہ کسی کے گھر میں بغیر اجازت داخل نہ ہو اور اگر اجازت طلب کرنے پر کوئی جواب نہ ملے یا واپس ہونے کو کہا جائے تو ناگواری اور بدگمانی کے بغیر واپس ہو جاؤ، دیکھو اللہ رب العزت اسی طریقہ کو خیر، بھلا بہترین، ازکی، پاکیزہ، مہذب قرار دیتا ہے، دیکھو کتنی وضاحت سے تمہیں سمجھایا گیا، کتنے پیارے انداز سے تمہیں ہدایت کی گئی، اب بھی اگر تم اس پر عمل نہیں کرو گے تو جان لو کہ ”وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ“ تمہارے اعمال کو اللہ رب العزت جل مجدہ خوب اچھی طرح جانتا ہے، اس سے تمہارا کوئی حال، کوئی عمل پوشیدہ نہیں، ”وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ وَمَا تَكْتُمُونَ“ جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو، اللہ خوب جانتا ہے۔

### گناہ کا سد باب

گناہ کا سد باب اور گناہ سے بچنا، اس وقت تک ممکن نہیں جب تک اسبابِ گناہ سے بچنے اور مواقعِ گناہ سے دور رہنے کو اتنا ہی برا نہ جانا جائے جتنا گناہ کرنے کو معیوب اور برا جانا جاتا ہے کہ انسان طبعاً گناہ اور بدکاری کی طرف نیکی کی بہ نسبت زیادہ جلد مائل ہو جاتا ہے کیونکہ اس کام میں شیطان اس کا معاون و مددگار ہوتا ہے، ایک بچہ اسی چیز کی طرف جلد لپکتا ہے جو اس کے لئے مہلک یا تکلیف دہ ہوتی ہے مثلاً اس کے سامنے اگر آگ کا انگارہ آجائے تو وہ اپنے سب کھلونے چھوڑ کر اسی کو لے لینا چاہتا ہے، یہی حال انسان کا ہے کہ وہ اسی چیز کو، انہی کاموں کو پسند کرتا ہے جو اس کے لئے ہر اعتبار سے مضر اور مہلک ہوتے ہیں، پس عقلمندی یہی ہے کہ اس کو ان اسباب اور دعائی سے بھی بچایا جائے جو مہلک چیزوں پر اسے مائل اور آمادہ کرتے ہیں، یہ کوئی عقلمندی نہیں کہ کلبوں کے سامنے ہی کھڑے ہو کر گاڑیاں چیک کی جائیں کہ کوئی شراب پی کر تو گاڑی نہیں چلا رہا ہے، جیسا کہ یورپ وغیرہ میں ہوتا ہے ذرا سوچئے کس قدر احمق ہے وہ شخص جو کسی پر پانی ڈال کر پھر اس سے پوچھے کہ تمہارے کپڑے کیوں گیلے ہیں:۔

درمیان قعر دریا تختہ بندم کردہ

بازی گوئی کہ دامن ترکمن ہشیار باش

کسی کو بہتے ہوئے دریا میں ڈھکیل دینا اور پھر اس کو یہ کہنا کہ خبردار اپنے دامن کو پانی کی موجوں سے گیلانہ ہونے دینا، بہت بڑی زیادتی ہے، غرضیکہ ایسے عوامل و محرکات پر پابندی عائد نہ کرنا جو انسان کی طبیعت میں ہیجان پیدا کریں اور پھر



یہ خیال کرنا کہ ہم جرائم کو اپنے قانون کی قوت سے روک دیں گے، بڑی ہی حماقت ہے۔ دنیا کا جو نظام بھی ان عوامل و محرکات کا قلع قمع نہیں کرتا وہ جرائم کا سدباب کرنے اور اپنے عوام کو برائیوں سے بچانے میں نہ تو مخلص ہے اور نہ ہی جرائم کو روکنے میں کامیاب ہو سکتا ہے، یہی وجہ کہ جن ممالک میں قص و سرود، کلبوں اور ایسے دیگر عوامل پر پابندی نہیں وہاں بدکاریاں اور جرائم اتنے عام ہو چکے کہ ہر شخص انہیں اپنا حق سمجھنے لگا ہے، اپنی تہذیب کا حصہ جاننے لگا ہے اور حکومتیں اس بد حالی پر سینہ کوئی کے علاوہ کچھ نہیں کر پاتیں۔

اسلام بلاشبہ ایک مکمل نظام حیات ہے جو انسان کے فطری تقاضوں کا احترام بھی کرتا ہے اور ان کی تکمیل کا اہتمام بھی کرتا ہے لیکن اس طرح کہ انسان کا دامن اس چمن کے کانٹوں سے تار تار نہ ہونے پائے، انسانیت کی تذلیل نہ ہونے پائے، انسان جانوروں جیسی زندگی اختیار نہ کرنے پائے، اسی لئے اسلام نے ان تمام چیزوں کو حرام قرار دیا جو انسان کے لئے مہلک، مضر اور تکلیف دہ ہیں، اسلام عیش و آرام کی زندگی بسر کرنے کو ممنوع قرار نہیں دیتا بلکہ اس عیش و آرام میں جو کانٹے ہیں ان کے قریب جانے سے روکتا ہے شراب، جوا، سود، رشوت، زنا وغیرہ انسان کا عیش و آرام نہیں بلکہ عیش و آرام کے کانٹے ہیں جو انسان کے جسم کو ایسا چھلنی کر دیتے ہیں کہ وہ زخموں کی اذیت سے تڑپ تڑپ کر ذلت و خواری کی موت مر جاتا ہے، ان مہلک امراض سے بچانے کے لئے ضروری ہے کہ ان کے دوائی سے بچایا جائے۔ جس طرح جسمانی امراض سے بچنے کے لئے ضروری ہے کہ صفائی کا اہتمام کیا جائے، صاف ستھری غذائیں استعمال کی جائیں تاکہ بیماری کے جراثیم پیدا نہ ہونے پائیں، اسی طرح برائیوں کے جراثیم کی پیدائش روکنے کے لئے لازمی ہے کہ برائی سے پہلے ہی جرثومہ کا خاتمہ کر دیا جائے، یعنی ایسے عوامل ہی کو ممنوع قرار دے دیا جائے جو انسان سے برائیوں کا تعارف کراتے اور ان کی طرف مائل کرتے ہیں، ان کی دعوت دیتے ہیں، دیکھئے اسلام شراب کو حرام قرار دیتا ہے تو اس کی خرید و فروخت پر بھی پابندی عائد کرتا ہے سود، رشوت، جوا اور دیگر غیر قانونی ذرائع آمدنی حرام قرار دیئے گئے تو فضول خرچی، عیاشی وغیرہ کی راہوں پر جانے کو بھی ممنوع قرار دیا کہ یہی راستے انسان کو حرام کی دولت حاصل کرنے کی طرف لے جاتے ہیں، اسلام زنا کو حرام قرار دیتا ہے تو اس کے دوائی مثلاً عریانیت، غیر محرم مرد و عورت کا اختلاط، ان کا آپس میں بے تکلفی سے ملنا جلنا بھی ممنوع قرار دیتا ہے، غرضیکہ اسلام کے احکام نہایت ہی مکمل اور موثر ہیں، انسان کے خود ساختہ قوانین کی طرح مضحکہ خیز نہیں، مثلاً غور کیجئے کہ کس قدر مضحکہ خیز ہے یہ بات کہ سگریٹ نوشی کو ایک مہلک مرض کینسر کا سبب قرار دیا جاتا ہے، جس سے روکنے کے لئے اشتہارات پر پابندی ہے، ڈیوٹی کے دوران پینے پر پابندی ہے، اب ہوائی جہاز میں بھی سگریٹ نوشی پر پابندی عائد کر دی گئی ہے لیکن کیا خوب کوشش ہے کہ اس کے بنانے پر پابندی نہیں، خرید و فروخت پر پابندی نہیں، ان غیر موثر پابندیوں کا انجام یہ ہے کہ یورپ و امریکہ میں نوے فیصد لوگ سگریٹ پیتے ہیں، جن میں دس سالہ بچوں اور بالخصوص عورتوں کی اکثریت ہوتی ہے، جبکہ کہا جاتا ہے کہ سگریٹ عورت کے لئے زیادہ مضر ہے کہ اسی سے بہت جلد عورت چھاتی میں کینسر کا شکار ہو جاتی ہے، حتیٰ کہ حاملہ ہونے کی صورت میں بچے پر بھی اس بری عادت کا اثر ہوتا ہے، غرضیکہ اسلام کے قوانین نہ تو نامکمل ہیں اور نہ مضحکہ خیز۔

## نظر بازی اور عریانیست

نظر بازی اور عریانیست ان بنیادی عوامل میں سے ہیں جو ایک اچھے خاصے معقول و شریف آدمی تک کو زنا جیسی بدکاری میں مبتلا کر دیتے ہیں، دنیا کی ہر قوم زنا کے مہلک اثرات کو تسلیم کرتی ہے اور جواب تک نہیں مانتے تھے ایڈز کی بیماری عام ہونے کے بعد وہ بھی مانتے ہیں، لیکن کس قدر مضحکہ خیز ہے یہ بات کہ اس سے روکنے کے لئے اس کے دوائی پر پابندی تو درکنار، زنا پر بھی پابندی نہیں بلکہ اسے انسان کے بنیادی حقوق میں سے ایک حق تسلیم کیا جاتا ہے اسے برائی تو سمجھا جاتا ہے لیکن ایڈز جیسی مہلک بیماری پیدا ہونے کے باوجود بھی اس پر پابندی عائد نہیں کی گئی بلکہ یہ تشہیر کی گئی کہ اس بد عملی کے لئے کڈم استعمال کئے جائیں تاکہ یہ بیماری پیدا نہ ہونے پائے، لوگوں کو کڈم کا عادی بنانے کے لئے اس کی تشہیر کی گئی، مفت تقسیم کئے جاتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ زنا کرو لیکن بیماری سے بچنے کی تدبیر کے ساتھ، اسی طرح دنیا کے ان قوانین میں زنا کی کوئی سزا نہیں آپ کو معلوم ہے کہ اسی سال ۱۹۹۸ء اگست میں دنیا کے مشہور ترین شخص، صدر امریکہ نے اپنے زانی ہونے کا اعتراف کیا لیکن اس کے لئے کوئی سزا نہیں، ہمیں تعجب ہے کہ جب کسی عمل کی سزا نہیں تو اسے یہ احمق جرم کیوں قرار دیتے ہیں، برا کیوں جانتے ہیں، اسی لئے صدر امریکہ نے اعتراف زنا کے ساتھ یہ بھی کہا کہ نہ جانے میری گرفت کیوں کی جا رہی ہے جبکہ میرے ملک میں تو یہ عمل عام ہے یعنی ہر مرد و عورت زانی ہے اور شاید اسی لئے اس کی بیوی نے اس کی کوئی گرفت نہ کی۔

بہر حال، اسلام بازیچہ اطفال نہیں، اس میں مضحکہ خیزی نہیں، اس نے اہل ایمان کو زنا کے مہلک اثرات سے محفوظ رکھنے کے لئے اسے حرام قرار دیا، جرم قرار دیا تو اس کی سخت سزا بھی مقرر فرمائی اور اس کے دوائی پر بھی پابندی عائد کی اور اس طرح پابندی عائد کی کہ بواسطہ صاحب قرآن ﷺ، مؤمنین و مؤمنات کو علیحدہ علیحدہ مخاطب کیا گیا تاکہ مرد و عورت دونوں اس سلسلہ میں اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کریں، ہاں عورتوں پر مردوں کی بہ نسبت کچھ زیادہ پابندیاں عائد کی گئی ہیں کیونکہ ہر عقل سلیم بلا پس و پیش اس حقیقت کو تسلیم کرتی ہے کہ عورت اپنے حسن و جمال، اپنے جسم کے خصوصی نشیب و فراز اور اپنی نزاکت کے باعث مرد سے زیادہ بدکاری کا داعیہ ہے، یا یوں کہئے کہ عورت مرد کی کمزوری ہے کہ وہ نہایت آسانی سے قوی سے قوی مرد کو اپنے سامنے جھکنے پر مجبور کر دیتی ہے کہ مرد اپنی ساری ذمہ داریوں اور پابندیوں کو فراموش کر کے باسانی عورت کے فریب میں مبتلا ہو جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اکثر مردوں سے غیر قانونی کام لینے کے لئے عورت کا ہی استعمال کیا جاتا ہے۔

نظر بازی ہی زنا و بدکاری کا پہلا باب ہے، جس طرح انسان کسی ہیبت ناک چیز کو دیکھ کر ڈرتا اور اس سے بھاگتا ہے، اسی طرح وہ کسی اچھی اور خوبصورت چیز کو دیکھ کر اس کی طرف لپکتا ہے، مائل ہوتا ہے اور اس کو جائز و ناجائز طریقہ سے حاصل کر لینا چاہتا ہے، نظر کا اثر انسان کے جسم و قلب دونوں پر ہوتا ہے، کسی چیز کو دیکھ کر وہ خوفزدہ ہوتا ہے اور کانپنے لگتا ہے تو کسی چیز سے اسے سرور و شادمانی کا احساس ہوتا ہے، ”الْبَصَرُ هُوَ الْبَابُ الْأَكْبَرُ إِلَى الْقَلْبِ“، میرے آقا ﷺ کا ارشاد ہے کہ دلوں کی طرف کھلنے والا سب سے بڑا دروازہ نظر ہے، نیز بروایت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، آپ کا ارشاد ہے، ”النَّظَرُ سَهْمٌ مِّنْ سِهَامِ إِبْلِيسَ مَسْمُومٌ“، نظر شیطان کے زہریلے تیروں میں سے ایک تیر ہے، ”مَنْ تَرَكَهَا

مَخَافَتِي أَبَدَلْتُهُ إِيمَانًا يَجِدُ حَلَاوَتَهُ فِي قَلْبِهِ“، جو میرے خوف کے باعث اسے (غیر محرم) سے پھیر لے تو میں اسے ایسا بختہ ایمان دوں گا، جس کی لذت وہ اپنے دل میں محسوس کرے گا، گویا نظر بازی ضعیف ایمان کا سبب بنتی ہے اور غصہ، بصر، نظر کو جھکا لینا غیر محرم پر پڑنے سے بچانا، ایمان کی تقویت کا ذریعہ ہے، ایمان کی علامت اور نشانی ہے۔

حضرت جریر بن عبد اللہ بکلی رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ انہوں نے نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پوچھا کہ اگر بلا ارادہ اچانک کسی غیر محرم پر نظر پڑ جائے تو کیا کیا جائے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اپنی نظر اس طرف سے پھیر لو، حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ پہلی نظر تو معاف ہے، دوسری گناہ ہے، یعنی پہلی نظر اچانک اور بلا ارادہ ہوگی، لہذا معاف ہے لیکن دوسری نظر یقیناً قصداً ہوگی، لہذا گناہ ہے، اس سے بچنا لازمی ہے اور اگر پہلی نظر بھی بالقصد ہو تو وہ بھی گناہ ہے۔

جس طرح مرد کے لئے غیر محرم عورت کو دیکھنا حرام ہے، اسی طرح عورت کے لئے بھی غیر محرم مرد کو دیکھنا حرام ہے کہ مردوں اور عورتوں دونوں کو ہدایت کی جارہی ہے، ”قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّونَ أَبْصَارَهُمْ“ مسلمان مردوں سے فرما دیجئے کہ وہ اپنی نظریں نیچی رکھیں اور ”قُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ أَبْصَارَهُنَّ“ عورتوں سے فرما دیجئے کہ وہ اپنی نظریں نیچی رکھیں کیونکہ مرد و عورت کے جذبات، خواہشات ایک ہی جیسے ہوتے ہیں، جس طرح نظر مرد کے جذبات کو متاثر کرتی ہے، اسی طرح اس کا اثر عورت کے جذبات پر بھی ہوتا ہے، پس دونوں ہی کو ہدایت کی گئی کہ وہ اپنی نظریں نیچی رکھیں، یہ واقعہ ہے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا کہ وہ اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار میں حاضر تھیں کہ حضرت عبد اللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ حاضر دربار ہوئے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دونوں کو حکم دیا کہ ان سے پردہ کرو، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا رسول اللہ ﷺ! یہ تو نابینا ہیں، ہمیں دیکھ نہیں سکتے، ان سے پردے کی کیا ضرورت ہے، سرکار ﷺ نے فرمایا، تم تو نابینا نہیں ہو، انہیں دیکھ رہی ہو۔

غرضیکہ نظر بازی ہی جملہ مفسد کی ابتداء اور جڑ ہے، یہ ہم عرض کر چکے کہ اسلام صرف کانٹوں سے بچنے ہی کا حکم نہیں دیتا بلکہ ان جھاڑیوں ہی کو جڑ سے اکھیڑ پھینکنے کا حکم دیتا ہے جن کے کانٹوں سے مؤمن کا دامن تقویٰ تار تار ہونے کا امکان ہو۔

دوسری ہدایت حفاظت فروج کے متعلق ہے، یہ بھی مرد و عورت کے لئے ہے، ”وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ“ اور وہ (مرد) حفاظت کریں اپنی شرمگاہوں کی، ”وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ“ اور وہ (عورتیں) حفاظت کریں اپنی شرمگاہوں کی، سورۃ المؤمنون کی ابتدائی آیات میں اہل ایمان کی ان خوبیوں کا ذکر کیا گیا ہے جو ان کی فلاح و بہبود کا ذریعہ ہیں، انہی میں ایک خوبی یہ بتائی گئی، ”وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ“ اور وہ جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں، اس ارشاد میں مرد و عورت دونوں شامل ہیں، انہی الفاظ کے ساتھ سورۃ المعارج میں حفاظت فروج اہل ایمان کی خوبی بیان کی گئی ہے۔

حفاظت فروج کا مفہوم آپ اس مثال سے بخوبی سمجھ سکتے ہیں کہ آپ سے اگر کہا جائے کہ اپنی دولت کی حفاظت کرو تو اس کا منشاء کیا ہوگا، یہی ناکہ اپنی دولت کو بے جا خرچ نہ کرو، اس کے صحیح مصارف کو پہچانو اور صحیح مصرف میں خرچ کرو، نیز

سب سے اہم بات یہ کہ دولت کو چھپا کر رکھو کہ ڈاکوؤں اور لیٹروں کی نظر اس پر نہ پڑنے پائے، ورنہ وہ تمہیں اس سے محروم کر دیں گے اور تم پچھتاتے رہ جاؤ گے، بس یہی مفہوم حفاظت فروج کا ہے کہ اپنی شرمگاہ کا غلط استعمال نہ کرو، زنا اور بدکاری نہ کرو، نیز عریانیت اور نگاپن اختیار نہ کرو تا کہ کوئی تمہاری شرمگاہ پر بری نظر نہ ڈال سکے اور تمہاری عزت و عصمت لوٹنے پر آمادہ نہ ہونے پائے، اسی لئے لباس کو انسان کی عزت اور اس کے حسن و جمال کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے، کیا خوب فرمایا حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے، ”النَّاسُ بِاللِّبَاسِ“ لوگوں کی عزت و وقار کا ذریعہ لباس ہے، اچھے لباس میں مرد ہو یا عورت، سب اس کو اچھی اور عزت کی نظروں سے دیکھتے ہیں، نگا مرد ہو یا عورت سوسائٹی میں اس کی کوئی عزت نہیں کرتا، جو دیکھتا ہے بری نظر سے دیکھتا ہے، ہوس کی نظر سے دیکھتا ہے، تماشا بناتا ہے۔

اللہ رب العزت جل مجدہ نے انسان اول حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش ہی کے ساتھ بطور احسان لباس کا بھی ذکر فرمایا کہ یہ اللہ کی عظیم نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے، ”يَبْنِي آدَمَ قَدْ أَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُؤَارِي سَوَاتِكُمْ وَرِيشًا“ اے اولاد آدم! بیشک اتارا ہم نے تم پر لباس جو ڈھانپتا ہے، تمہاری شرمگاہوں کو اور باعث زینت ہے، لباس سے شرمگاہ کی حفاظت بھی ہوتی ہے، اور جسم کے حسن و جمال میں بھی اضافہ ہوتا ہے، ابو مطر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تین درہم میں ایک کپڑا خریدا، اسے زیب تن فرمایا اور کہا ”الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي رَزَقَنِي مِنَ الرِّيشِ مَا أَتَجَمَّلُ بِهِ فِي النَّاسِ وَأُوَارِي بِهِ عَوْرَتِي“، ثُمَّ قَالَ، هَكَذَا سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ، ”يَعْنِي تَمَامَ تَعْرِيفِ اسِ اللَّهِ كَيْ لَيْسَ، جَسَدِي لَمْ يَكُنْ لِي فِي حَيَاتِي“ اور اپنی زندگی میں زینت حاصل کرتا ہوں، پھر فرمایا اسی طرح میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کہتے سنا، نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جس ارشاد کا ذکر حضرت علی رضی اللہ عنہ کر رہے ہیں، وہ بروایت حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے واقعہ میں اس طرح مذکور ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک نیا کپڑا پہنا تو کہا سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے مجھے پہنایا، ”مَا أُوَارِي بِهِ عَوْرَتِي“ وہ جس سے میں اپنا ستر چھپاتا ہوں، ”وَأَتَجَمَّلُ بِهِ فِي حَيَاتِي“ اور اپنی زندگی میں زینت حاصل کرتا ہوں، پھر فرمایا کہ میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو فرماتے سنا، جب آپ نیا کپڑا، زیب تن فرماتے، ”الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي كَسَانِي مَا أُوَارِي بِهِ عَوْرَتِي وَأَتَجَمَّلُ بِهِ فِي حَيَاتِي“ تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے مجھے وہ پہنایا، جس سے میں اپنا ستر چھپاتا ہوں اور اپنی زندگی میں زینت حاصل کرتا ہوں، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جو شخص اپنا پرانا کپڑا اتار کر خیرات کر دے تو وہ زندگی اور موت کے اندر اللہ کی پناہ، اللہ کی حفاظت اور اللہ کے پردے میں رہے گا۔

(ترمذی شریف)

بہر حال لباس ستر چھپانے کا ذریعہ بھی ہے اور اس سے زینت اور حسن و جمال میں بھی اضافہ ہوتا ہے لیکن احکام البیہ سے بغاوت کرنے والا انسان بالکل ہی عقل سے پیدل اور عقل کا اندھا ہوتا ہے وہ کیا جانے کہ حسن و جمال کسے کہتے ہیں اور زیب و زینت کس طرح حاصل کی جاسکتی ہے، اسی لئے اس احمق نے بجائے لباس کے عریانیت، ننگے پن کو اپنایا، اور اسی کو حسن و

جمال سمجھ بیٹھا، مغربی تہذیب نے عریانیت کو عروج بخش کر انسان کی جو توہین و تذلیل کی ہے، بس الامان والحفیظ، نظر پڑ جائے تو دیکھ کر گھن آتی ہے اور ان کی بدنصیبی پر ماتم بھی کرنے کو دل چاہتا ہے کہ سب کچھ ہوتے ہوئے بھی بچارے کپڑوں سے محروم ہیں، موسم گرم ہو تو بالکل ننگے، ٹھنڈا ہو تو بھی چست اور تنگ کپڑے، جن کپڑوں کے لئے، ۶/۵ میٹر کپڑا درکار ہوتا ہے، شاید وہ دو میٹر ہی میں بنائے جاتے ہیں، خیر یہ تو ان لوگوں کا معاملہ ہے جو قرآنی ارشاد کے مطابق جانوروں سے بدتر ہیں، وہ جانوروں ہی کی طرح زندگی بسر کرتے ہیں، ہمیں تو افسوس اپنی قوم پر ہے جنہیں اللہ و رسول ﷺ کی اطاعت کے دعویٰ کے باوجود اپنی حالت کا احساس نہ رہا، عورتوں کا پردہ ہی ختم نہ ہوا، برقعہ ہی نہ گیا، سر سے دوپٹہ بھی اڑ گیا، ہاتھ ننگے، ٹانگیں ننگی نظر آنے لگیں، ساڑھی باندھنے والی بوڑھی جوان سب ہی کا پیٹ لٹکتا نظر آتا ہے، اس پر طرہ یہ کہ اسی حال میں نماز بھی پڑھی جاتی ہے، یہ دین کا مذاق، احکام الہیہ کی توہین نہیں تو اور کیا ہے، یہی حال مردوں کا ہے، پینٹ اتنی تنگ کہ آپ یہ سوچتے ہی رہ جائیں کہ یہ بندہ اس میں گھسا کیسے ہے، ایک اور مسخر اپن ہے کہ مرد و عورت کے لباس کا فرق ختم ہو گیا، جو تا کپڑے سب کے ایک جیسے ہو گئے ہیں، اللہ ہی رحم فرمائے، نہ جانے انسان کو کیا ہو گیا ہے، یہ ذلت و خواری کی کتنی اور گہری کھائی تک جانا چاہتا ہے۔

شریعتِ مطہرہ میں کتنی سہولت ہے کہ لباس کے معاملہ میں کوئی ایسی پابندی عائد نہیں کی گئی، جس میں پسند و ناپسند کا سوال پیدا ہو، نہ کوئی خاص رنگ متعین کیا گیا، نہ کوئی خاص ڈیزائن، نہ ہی کوئی یونیفارم مقرر کیا گیا، بس یہ بتا دیا گیا کہ لباس جسم ڈھکنے کے لئے ہے، لہذا ایسے کپڑے پہنو جس سے واقعی جسم ڈھکے، اگر کھینچ تان کر کپڑے چڑھالئے اور جسم کا نشیب و فراز نظر آتا رہا تو لباس کا کیا فائدہ رہا، اسی طرح لباس زینت اور حسن و جمال کا ذریعہ ہے، پس ایسے کپڑے پہنو، جس سے تمہاری زینت میں اضافہ ہو، ایسے رنگ پہنو جن سے تمہارے حسن میں مزید نکھار پیدا ہو، ایسے ڈیزائن پہنو جن سے تم مزید باوقار اور باعرب معلوم ہو، پھر مرد و عورت کا فرق ملحوظ رکھو کہ مردوں کی زینت اور عورتوں کی زینت میں فرق ہے، مثلاً عورتوں کی زینت چوڑیاں اور دیگر لوازمات ہیں، جو مردوں کی زینت نہیں، جنہیں مرد و عورت کی زینت کے فرق کا احساس نہیں، ان مردوں کو چاہئے کہ عورتوں جیسے لباس کے ساتھ وہ عورتوں کی طرح چوڑیاں بھی پہنا کریں، بہر حال مردوں کو چاہئے کہ وہ ایسے رنگ، ایسے ڈیزائن پہنیں جن سے ان کے وقار، رُعب اور شخصیت میں اضافہ ہو اور عورتوں کو چاہئے کہ وہ ایسے رنگ اور ڈیزائن پہنیں جن سے ان کی نزاکت، حسن و جمال اور کشش میں اضافہ ہو کہ اگر اس فرق کو ملحوظ نہ رکھا گیا تو لباس کا مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے۔

یہ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے اگر تم مجھ سے ان چھ باتوں کا وعدہ کرو تو میں تمہارے لئے جنت کا ضامن ہوں۔

(۱) جب تم میں سے کوئی بات کرے تو جھوٹ نہ بولے۔

(۲) جب اسے امین بنایا جائے تو خیانت نہ کرے۔

(۳) جب وعدہ کرے تو وعدہ خلافی نہ کرے۔

(۴) وَغَضُّواْ أَبْصَارَکُمْ، اور اپنی نگاہوں کو نیچا رکھو۔

(۵) وَكُفُّوا أَيْدِيَكُمْ، اور اپنے ہاتھوں کو روکے رکھو۔

(۶) وَاحْفَظُوا أَمْوَالَكُمْ اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرو۔

معلم اخلاق ﷺ ان اہم بنیادی امور کی تعلیم دے رہے ہیں جن پر معاشرے کا امن و سکون موقوف ہے اور جن کی پابندی اہل ایمان کے لئے ہر قسم کے انتشار و افتراق سے حفاظت کی ضمانت ہے، اگر آپ غور کریں تو اس حقیقت کو تسلیم کرنا دشوار نہ ہوگا کہ آج مسلمانوں میں تعلیمات نبوی ﷺ کے برعکس جھوٹ، بددیانتی، وعدہ خلافی، نظر بازی، ظلم و ستم اور بے حیائی و بے شرمی کے امراض عام ہیں، اسی لئے مسلم معاشرہ، مسلم ممالک امن و سکون کی زندگی سے محروم اور انتشار و افتراق کا شکار ہیں، ایک بدترین معاشرے میں جو مفاسد ہوتے ہیں وہ تمام ہمارے معاشرے میں موجود ہیں۔

ایک اور ارشاد ملاحظہ ہو، آقائے کائنات ﷺ کا، آپ ﷺ فرماتے ہیں، ”مَنْ يَكْفُلُ لِي مَابَيْنَ لَحْيَيْهِ وَبَيْنَ رِجْلَيْهِ أَكْفُلُ لَهُ الْجَنَّةَ“ جو مجھے دو باتوں کی ضمانت دے کہ جو اس کے جبرؤں کے درمیان یعنی زبان اور جو اس کے دونوں ٹانگوں کے درمیان ہے تو میں اسے جنت کی ضمانت دیتا ہوں، یعنی جو مؤمن اپنی زبان کی حفاظت کرے اور جو اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرے، مالک جنت ﷺ اس کے لئے جنت کے ضامن ہیں اور آپ کی ضمانت غیر مشکوک اور یقینی ہے۔

ستر پوشی

مرد کا ستر جس کی حفاظت اور جس کو چھپانے کا حکم دیا گیا ہے، ناف سے گھٹنوں تک ہے، جسم کے اس حصہ کو چھپانا فرض ہے، تنہائی میں بھی یہ حصہ برہنہ نہیں ہونا چاہئے حتیٰ کہ غسل کے وقت بھی اس کو ڈھانپنا افضل ہے، سوائے بوقت صحبت اپنی بیوی کے سامنے برہنہ ہونے کے اگر کسی کا یہ حصہ کھلا ہو تو اسے دیکھنا بھی حرام ہے، اس مسئلہ کو وہ لوگ ذہن نشین کریں جو اپنے گھر میں گھٹنوں سے اونچا نیکر یا انڈر ویئر وغیرہ پہنے رہتے ہیں، نبی مکرم ﷺ نے اپنے ایک صحابی سے فرمایا ”احفظ عَوْرَتَكَ إِلَّا مِنْ زَوْجِكَ أَوْ مَا مَلَكَتْ يَمِينُكَ“، اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرو سوا اپنی بیوی یا باندی کے، صحابی نے عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ! ”أَفَرَأَيْتَ إِذَا كَانَ الرَّجُلُ خَالِيًا“، اگر انسان تنہا ہو تو پھر اس کے متعلق کیا حکم ہے، آپ ﷺ نے فرمایا، ”فَاللَّهُ أَحَقُّ أَنْ يُسْتَحْيَ مِنْهُ“، اللہ زیادہ حقدار ہے کہ اس سے شرم کی جائے، یعنی اگر کوئی دوسرا نہیں دیکھ رہا تو اللہ تو دیکھ رہا ہے اور اللہ سے زیادہ شرم و حیا کرنی چاہئے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ ایک دن مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ران سے کپڑا سرک گیا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نظر پڑی، آپ ﷺ نے فرمایا، ”غَطِّ فَخْذَكَ فَإِنَّهَا مِنَ الْعَوْرَةِ“ اے حذیفہ! اپنی ران ڈھکو، کیونکہ یہ بھی ستر ہے۔ ایک موقع پر نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا، ”لَا تَبْرُزْ فَخْذَكَ وَلَا تَنْظُرْ إِلَى فَخْذِ حَيٍّ وَلَا مَيِّتٍ“ اپنی ران ظاہر نہ کرو اور کسی زندہ یا مردے کی ران کی طرف نہ دیکھو۔

عورت کا ستر، اس کا پورا جسم ہے، اسی لئے اسے عورت یعنی چھپنے والی کہا جاتا ہے، وہ عورت ہی نہیں جو اپنے آپ کو غیروں کی نظروں سے نہ چھپاتی ہو، ہاتھوں سے ٹخنوں تک اسے چھپا ہونا چاہئے، چہرہ بھی ڈھانپا ہونا چاہئے، نہ ف آنکھیں

اتنی کھلی ہوں کہ دیکھ سکے، وہ بھی نیچی نظروں کے ساتھ، اسی لئے عورت کے لئے ایسا لباس پہننے کی اجازت نہیں، جس سے اس کا پوری طرح ستر نہ ہو سکے، تفصیل آگے آتی ہے، انشاء اللہ، بہر حال

اے ایمان والو! تمہیں ہدایت کی جارہی ہے کہ تم اپنی نظریں نیچی رکھو اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرو، یہ ہدایت مردوں کے لئے بھی ہے اور عورتوں کے لئے بھی، اسی میں تمہاری بھلائی ہے، یہی تمہارے لئے ”ازکی“ ہے، اس ہدایت پر عمل ہی سے تمہیں پرسکون، پاکیزہ معاشرہ نصیب ہو سکتا ہے۔

عورتوں کے لئے خصوصی ہدایات

اب عورتوں کے لئے خصوصی ہدایات کا آغاز ہوتا ہے، جو یہ ہیں:

۱۔ عورتیں اپنی زینت کو ظاہر نہ ہونے دیں، سوائے اس کے جس کے ظاہر کئے بغیر چارہ نہیں۔

۲۔ اپنی اوڑھنیوں سے اپنے سینے کو ڈھانپ لیا کریں۔

۳۔ زمین پر پاؤں اس طرح نہ ماریں جس سے ان کی پوشیدہ زینت و آرائش ظاہر ہو۔

ان تینوں امور کی پابندی ہی کا نام پردہ ہے کہ عورت باہر نکلتے وقت ایسا ڈھیلا ڈھالا لباس پہنے جس سے اس کے جسم کا نشیب و فراز چھپ جائے، بالخصوص سینہ جو عورت کے حسن کا مرکز ہے اور جو مرد کی نظر کو اپنی طرف کھینچتا ہے، اسے اس طرح ڈھکنا چاہئے کہ اس کا ابھار ظاہر نہ ہو، نیز اس کی چال ایسی ہو کہ اس کے زیورات کی آواز سنائی نہ دے اور نہ ہی جسم کا نشیب و فراز ظاہر ہونے پائے، ورنہ برقعہ اور پردہ کا کوئی فائدہ ہی نہیں رہتا، اسی لئے شریعت مطہرہ نے کامدار، کڑھے ہوئے خوبصورت برقعے پہننا ممنوع قرار دیئے، نیز صرف ایک چادر اس طرح لپیٹ لینے کی بھی ممانعت کی گئی جس میں جسم کے حصے نظر آئیں اور جسم کی حرکت تک نظر آئے، نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کی ممانعت کرتے ہوئے فرمایا، ”وَأَنْ يُّشْتَمَلَ الصَّمَاءُ“ اور یہ کہ ایک ہی کپڑے میں پوٹ بن جائے، یعنی صرف ایک چست چادر لپیٹ لی جائے، یا نہایت چست اور تنگ لباس پہنا جائے نیز آپ ﷺ نے فرمایا، ”أَوْ يَجْتَبِيْ فِيْ ثَوْبٍ وَاحِدٍ كَاَشْفَاعِنُ فَرْجِهِ“ یا ایک ہی کپڑے کو اس طرح لپیٹ لیا جائے کہ شرمگاہ کھلی رہے، بہر حال برقعہ ہو یا چادر، اتنا ڈھیلا ہونا چاہئے کہ اس میں چلنا آسان ہو اور اس کے جسم کے خفیہ اعضاء نشیب و فراز ظاہر نہ ہوں، اسی طرح تنگ و چست اور باریک لباس مسلم خواتین کے لئے جائز نہیں، ایک مرتبہ حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں بنو تمیم کی چند عورتیں حاضر ہوئیں، جن کا لباس باریک کپڑے کا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا، ”إِنْ كُنْتُنَّ مُؤْمِنَاتٍ فَلَيْسَ هَذَا بِلِبَاسِ الْمُؤْمِنَاتِ وَإِنْ كُنْتُنَّ غَيْرَ مُؤْمِنَاتٍ فَتَمْتَعْنَ“ اگر تم مسلمان عورتیں ہو تو یہ مسلمان عورتوں کا لباس نہیں اور اگر تم غیر مؤمنات ہو تو جو چاہو کرو، میرے آقا ﷺ کا ارشاد ہے ”بِسَاءٍ كَمَا سَايَاتُ غَارِيَاثٍ وَأَبْلَاطُ مُمِيلَاتٍ رُّؤُسُهُنَّ مِثْلُ أَسْمَنِ الْبَحْرِ لَا يَدْخُلْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يَجُذْنَ رِيحُهَا“ کچھ عورتیں لباس پہننے کے باوجود تنگی ہوتی ہیں، وہ ناز و ادا سے جھکتی ہیں اور دوسروں کو اپنی طرف مائل کرتی ہیں، ان کے سراپے معلوم ہوتے ہیں جیسے بخت نسل کے اونٹوں کے کوہان، یہ عورتیں جنت میں نہ جائیں گی، بلکہ انہیں جنت

کی ہوا تک نہ لگے گی۔

بغور بار بار پڑھئے میرے آقا مخر صادق ﷺ کے اس ارشاد کو اور نظر ڈالئے اپنے گرد و پیش پر، کیا آپ کو تنگ و چست اور مہین کپڑوں میں ایسی عورتیں نظر آرہی ہیں جو لباس کے باوجود تنگی ہیں، کیا آپ کو کوئی محترمہ نظر آرہی ہیں جن کا پیٹ کھلا ہوا ہے حالانکہ وہ سات میسر کی لمبی چوڑی، قیمتی ساڑھی لپیٹے ہوئے ہیں، دیکھئے ان حسیناؤں کو جنہوں نے اپنے سروں پر بڑے بڑے جوڑے رکھے ہوئے ہیں، بالکل جیسے اونٹ کا کوہان، سنا دیجئے ان عورتوں کو میرے آقا ﷺ کا ارشاد کہ تمہارے لئے جنت کا دروازہ بند کر دیا گیا ہے، تمہیں جنت کی ہوا تک نہ لگے گی، اے اپنے اوپر ظلم کرنے والی خواتین، کیا فائدہ تمہارے کلمہ پڑھنے کا، کچھ تو شرم کرو، جس کا کلمہ پڑھتی ہو، کچھ تو اس کی لاج رکھو، آؤ ابھی وقت ہے، توبہ کرلو، اللہ توبہ قبول کرنے والا ہے۔

پردہ

ہر مسلمان عورت کے لئے پردہ اسی طرح فرض ہے، جس طرح نماز، روزہ وغیرہ، سورہ احزاب کی یہ واضح آیت مبارکہ ملاحظہ ہو جس میں پردہ کو مسلم خواتین کی پہچان بتایا جا رہا ہے اور اس کا فائدہ بیان کیا گیا ہے، ارشاد ہوتا ہے:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ ۚ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَنْ يُعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ۚ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ⑤

(احزاب: ۵۹)

اے نبی مکرم (علیہ الصلوٰۃ والسلام) آپ ﷺ فرمادیجئے، اپنی ازواج مطہرات اور اپنی صاحبزادیوں اور جملہ اہل ایمان کی عورتوں سے کہ (جب وہ باہر نکلیں) تو ڈال لیا کریں اپنے اوپر اپنی چادروں کے پلو، اس طرح وہ باسانی پہچان لی جائیں گی، پھر انہیں ستایا نہ جائے گا، اور اللہ بہت بخشنے والا، رحم فرمانے والا ہے۔

مؤمنات کے لئے یہ اعزاز قابل غور اور لائق فخر ہے کہ انہیں ازواج نبی ﷺ اور نبات نبی ﷺ کے ساتھ خطاب کرتے ہوئے وہی حکم دیا جا رہا ہے جو مقدس ماؤں کو دیا گیا ہے کہ بیٹیوں کو ماؤں ہی کی طرح ہونا چاہئے، نیز یہ انداز حکم پردہ کی اہمیت جاننے کے لئے کافی ہے کہ وہ مائیں جو بلاشبہ ہر قسم کے برے خیالات اور بدنیتی سے پاک تھیں اور اس زمانہ میں تھیں جو آج سے بدرجہا بہتر تھا، پردہ کی مکلف قرار دی گئیں، تمام عام عورتوں کے لئے اس حکم شرعی کی بامندی کس قدر اہم اور لازمی ہے، کہ ان کا برے خیالات اور بدنیتی میں مبتلا ہونا ایک عام بات ہے، نیز ان کا زمانہ بھی نہایت ہی فتنہ و فساد کا زمانہ ہے، پردہ کا فائدہ بیان کرتے ہوئے بتایا گیا کہ یہ مؤمنات کی علامت اور پہچان بن جاتا ہے، جس کی نظر اٹھتی ہے وہ اپنا ہوا یا غیر، برقعہ پوش کو دیکھ کر نظریں جھکا لیتا ہے، جس کے دل میں برا خیال آتا ہے، وہ علامت ایمان کو دیکھ کر اپنے خیال پر نادم و شرمندہ ہوتا ہے، اینوں کی یہ کیفیت اس لئے ہوتی ہے کہ انہیں برقعہ میں صرف اور صرف اپنی ماں، بہن، یا بیٹی نظر آتی ہے، پس ان کی بری نظریں



پھر جاتی ہیں، برا خیال نکل جاتا ہے، نظریں احترام سے جھک جاتی ہیں اور دل تقدس سے بھر جاتا ہے اور غیروں پر برقعہ کا یہ اثر اس لئے ہوتا ہے کہ وہ اس سے جان لیتے ہیں کہ مسلم خواتین کسی غیر مرد کی طرف کسی طرح مائل نہیں ہو سکتیں کہ اس مذہب میں بدکاری ایک خطرناک قابل سزا جرم ہے، وہ یہ جرم تو درکنار اس کا تصور بھی نہیں کر سکتیں نیز وہ جان لیتے ہیں کہ یہ خاتون اس قوم سے تعلق رکھتی ہے جس کے مذہب میں عورت کو نہایت ہی بلند مقام حاصل ہے، اس معاشرے میں عورت کا بے حد احترام کیا جاتا ہے، وہ لوگ بر غیر عورت کو اپنی ماں، بہن اور بیٹی کی ہی نظر سے دیکھتے ہیں اور کسی بھی طرح وہ عورت کی بے حرمتی برداشت نہیں کر سکتے، وہ عورت کی عزت و عصمت کی حفاظت کے لئے جان کی بازی تک لگانے سے دریغ نہیں کرتے، پس اگر ہم نے اس برقعہ پوش کو بری نظر سے دیکھا تو ہماری آنکھیں نکال لی جائیں گی، گویا صرف برقعہ ہی غیر مسلموں کے دلوں میں مومنات کا خوف پیدا کر دیتا ہے، اور وہ کسی ممکنہ بد عملی کی سزا کے ڈر سے کانپنے لگتے ہیں، گویا اپنوں اور غیروں کے لئے برقعہ، برقعہ پوش عورت کے ایمان کی پہچان بن جاتا ہے، ”أَنْ يُعْرَفْنَ“ اور وہ بآسانی پہچان لی جاتی ہیں اور جب ان کی پہچان ہو جاتی ہے تو وہ اوباش، لفظوں اور عیاش طبع لوگوں کے پتھروں اور تیروں سے محفوظ ہو جاتی ہیں، ”فَلَا يُؤْذَيْنَ“ اب انہیں کوئی نہیں ستاتا، اور نہیں ستا سکتا، بلا خوف و خطر وہ اپنی ضروریات کے لئے اپنے گھروں سے باہر آ سکتی ہیں۔

اے ایمان والو! پردہ تمہارے لئے قید و بند نہیں، یہ تمہاری ترقی میں حائل نہیں، یہ تو تمہارے رب کا تم پر خصوصی کرم ہے کہ اس نے تمہیں پردہ کا حکم دیا جو اپنوں اور غیروں کی نظروں میں تمہیں باعزت بناتا ہے، جو ان کے دلوں میں تمہارا خوف اور رعب پیدا کرتا ہے، یہ تمہارا لباس عزت ہے، یہ تمہاری عصمت کی حفاظت کا ذریعہ ہے، اس سے تمہارے حسن و جمال میں اضافہ ہوتا ہے، دیکھو قیمتی چیز ہمیشہ چھپائی جاتی ہے کہ کوئی لٹیرا اسے نہ لے اڑے، اس پر مٹی، پانی، ہوا کا اثر نہ ہونے پائے، تم رب کے نزدیک بہت قیمتی ہو، بڑی قدر والی ہو، وہ پردہ کے ذریعہ تمہیں چھپانا چاہتا ہے کہ کوئی ڈاکو تمہیں نہ لے سکے، مٹی، پانی اور ہوا کے اثرات سے تمہارا حسن و جمال داغدار نہ ہونے پائے، یہ مردوں کی للچائی ہوئی بری نظریں وہ تیر ہیں، جو تمہارے ایمان تک کو گھائل کر دیتی ہیں، یہ تمہارے چہروں پر پڑتی ہیں تو تمہارے حسن کے نور کو زائل کر دیتی ہیں، ان سے چہرہ پھٹکا رزدہ ہو جاتا ہے، یہ میک اپ کا سارا ساز و سامان ان مردوں ہی کی ایجاد ہے جن کی نظروں کی پھٹکار نے پہلے تمہارے چہروں کو مسخ کر دیا اور اب میک اپ کے ذریعہ مصنوعی حسن دے کر بھی تمہیں اپنا کھلونا بنانا چاہتے ہیں، ایک مومنہ کو ملمع سازی کی کیا ضرورت ہے، اس کے چہرے پر تو پانچ وقت کے وضو کی چمک ہی کافی ہے، اس کے حسن کے لئے ایمان کا نور کیا کم ہے، اسے جتنا چھپایا جاتا ہے، اتنی ہی اس کی شعاعیں تیز ہوتی ہیں اور حسن بڑھتا ہے، پردہ ہی مومنہ کے تقویٰ کا ذریعہ ہے کہ تقویٰ جملہ احکام شرع کی پابندی کا نام ہے، پردہ کے واضح حکم سے بغاوت کر کے کوئی عورت کتنی ہی عبادت کرے، متقیہ نہیں ہو سکتی، اس طرح وہ ہمیشہ اسلام کے عطا کردہ ایک عظیم منصب سے محروم رہتی ہے۔

تاریخ کی شہادت

تاریخ شاہد ہے کہ جن مذاہب، جن اقوام یا جن ادوار میں عورت کی عزت و ناموس کا احساس کیا گیا اور اسے کوئی

وقت، کوئی حیثیت دی گئی اس کے مرتبہ و مقام کو بلند کرنے کی کوشش کی گئی تو اس پر پردہ ہی کی پابندی عائد کی گئی، فریدی و جدی آفندی کی مشہور تصنیف، المرأة المسلمة کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو، وہ لکھتے ہیں، ”رومن حکومت اپنے ابتدائی دور میں ایک چھوٹی سی کمزور حکومت تھی، پھر کئی صدیوں تک رفتہ رفتہ ترقی کرتی ہوئی تمدن و تہذیب کے اعلیٰ درجہ پر پہنچ گئی، اس حکومت میں بھی عورتیں پردہ کیا کرتی تھیں“ مصنف انیسویں صدی کے انسائیکلو پیڈیا سے ایک عبارت نقل کرتے ہیں:

”رومانیہ کی عورتیں بھی اس طرح کام کاج پسند کرتی تھیں، جس طرح مرد پسند کرتے ہیں، وہ اپنے گھروں میں کام کرتی رہتی تھیں، ان کے شوہر اور باپ بھائی صرف میدان جنگ میں سرفروشی کرتے رہتے تھے، خانہ داری کے کاموں سے فراغت پانے کے بعد عورتوں کا اہم کام یہ تھا کہ وہ سوت کاتیں، اسے صاف کریں اور کپڑے بنائیں، رومانی عورتیں نہایت سخت پردہ کیا کرتی تھیں، یہاں تک کہ وہ جو دایہ گیری کا کام کرتی تھیں، وہ بھی اپنے گھروں سے نکلتے وقت بھاری نقاب سے اپنا چہرہ چھپا لیتیں اور اس کے اوپر ایک موٹی لمبی چادر اوڑھ لیتی تھیں، جو ایڑی تک لٹکتی رہتی تھی، پھر اس چادر پر ایک عبا (برقعہ) اور اوڑھا جاتا تھا، جس کے بعد ان کی شکل نظر آتا تو کیا، ان کے جسم کی بناوٹ کا بھی پتہ لگنا مشکل ہوتا تھا۔“

مصنف کہتے ہیں کہ ”اس زمانہ میں جب رومانیوں کی عورتیں پردہ میں رہا کرتی تھیں، اس قوم نے ہر فن اور جملہ کمالات میں بے نظیر ترقیاں کیں، مثلاً بت تراشی، عمارت سازی، فتوحات ملکی، سلطنت و حکومت، عزت و عظمت اور علم و ہنر میں ساری قومیں رومانیوں کے مقابل بیچ ہو گئیں، لیکن ترقی کی اس منزل پر پہنچنے کے بعد رومانیوں میں عیش پرستی اور کھیل و تفریح کا شوق پیدا ہوا، جس کے لئے انہوں نے اپنی عورتوں کو پردہ سے متنفر کیا اور اس کی قید سے آزادی بخشی تاکہ وہ ان کے ساتھ لہو و لعب اور سیر و تفریح کی مجلسوں، دنگلوں اور اکھاڑوں میں شریک ہوں۔ عورتیں پردہ سے نکلیں، اس طرح جیسے پہلو سے دل نکل جاتا ہے، پھر کیا تھا، اس حملہ آور عنصر (مرد) نے موقع پایا کہ محض اپنے حظ نفس کے لئے ان کے اخلاق خراب کر کے ان کے پاکیزہ دامن کو داغدار کر دیا اور ان کی شرم و حیا، کوتاہی والا، یہاں تک کہ پھر وہی عورتیں جو سات پردوں میں رہا کرتی تھیں، تھیںڑوں میں جانے لگیں، بار اور رقص کی محفلوں میں عورتوں کے ناپنے اور گانے کا مشغلہ ایجاد ہوا، آخر عورتوں کی حکومت اس قدر مضبوط ہوئی کہ جو نامور تدبیر ملک اور انتظام سلطنت کے لئے پارلیمنٹ یا سینٹ کی مجلس کے لئے ممبر منتخب ہوا کرتے تھے، وہ بھی عورتوں کے ووٹ حاصل کر کے ہی منتخب ہونے لگے اور انہی کے معمولی اشاروں پر اپنے عہدوں سے معزول کر دیئے جاتے تھے، پس یہ حالت ہوتے ہی رومانی حکومت کی بربادی شروع ہو گئی اور اس پر ایسی تباہی آئی کہ تاریخ کا مطالعہ کرنے والا ہر شخص یہ دیکھ کر یاسن کر مبہوت اور حیرت زدہ ہو جاتا ہے کہ رومانی حکومت کے اس شاندار قصر اور مستحکم عمارت کی انہی عورتوں کے نازک ہاتھوں نے کس طرح ایک ایک اینٹ اکھیڑ کر رکھ دی اور اس کی ساری عظمت و متانت خاک میں ملا دی، کیا یہ بات عورتوں نے اپنی بدنیتی اور بد اخلاقی سے کی؟ نہیں، اس میں ان کا کوئی قصور نہ تھا، مگر ہوا یہ کہ انہیں

بے پردہ بنا دیا گیا تو باقتضائے فطرت مرد، ان پر مائل ہونے لگے اور اس کے لئے انہوں نے آپس میں کٹنا اور مرنا شروع کر دیا، یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کے تسلیم کرنے سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔

آگے چل کر مصنف رقمطراز ہیں، آخر کوئی بتائے کہ رومانی قوم، جس کو عظمت و بزرگی کی محبت نے ترقی و تمدن کے اعلیٰ زینہ پر پہنچا دیا تھا، اپنے بزرگوں کے کارنامے دل سے بھلا کر تنزل اور ادبار کے غار میں کیوں کر گئی؟ اسے اتنی ترقی اور عظمت حاصل کر لینے کے بعد تباہی اور ذلت کا راستہ اختیار کرتے ہوئے کیوں شرم نہ آئی؟ یہ تصور کیونکر کیا جاسکتا ہے کہ ایک ایسی قوم جو اپنے عروج و عظمت کے عہد میں عورتوں کو سخت پردہ کی پابند رکھتی تھی، آخر اسی بات پر راضی ہو گئی کہ اس کی وہی خانہ نشین عورتیں، بادشاہوں اور وزیروں کو جس وقت چاہیں معزول کرادیں، کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ حیرت انگیز انقلاب کیونکر رونما ہوا، یقیناً یہ حال تدریجی رفتار سے ظہور میں آیا، بے شک یہ حالت رفتہ رفتہ نشوونما پاتی رہی اور ناموس طبعی کی بنیاد پر اس کا اٹھان تدریجی رفتار سے بڑھتا گیا، پہلے اس معاملہ کو کچھ وقعت نہیں دی گئی، پھر جب یہ آگ اندر ہی اندر سلگ کر شعلہ زن ہوئی، تو مہلک بیماری کی مانند یکبارگی جسم و جان کو جلا کر سیاہ بنا گئی۔

رومانیوں اور ان کی سلطنت کا یہ حشر تو بہت پرانی بات ہے، آپ ماضی قریب کی تاریخ پر ہی نظر ڈالئے، ترکی ایک مستحکم و مضبوط ملک تھا، عورتیں پردہ کی پابند تھیں، چار دیواری میں رہ کر اپنی ذمہ داریاں پوری کرتی تھیں، گھروں ہی میں رہ کر مردوں کی مالی مدد کرتی تھیں، مرد بے فکر، متحد و منظم ہو کر اپنے ملک کی ترقی و تعمیر کے لئے دن رات محنت و مشقت کرتے تھے اور اس کا پھل پاتے تھے، نہ صرف انہیں دیگر مسلم اقوام پر برتری حاصل تھی بلکہ غیر مسلم قومیں بھی ان کے نام سے لرزتی تھیں۔ اسی دور میں چند عیاش طبع مرد ابھرے، انہوں نے اپنی ہواؤ ہوس کی تکمیل کے لئے عورت کو آزادی کا سبز باغ دکھایا، ان میں عیاشی کے جراثیم چھوڑے، ایک منظم سازش کے ذریعہ وہ عورت کو گھر سے باہر نکالنے کی کوشش کرتے رہے اور بالآخر اپنے مکر و فریب میں کامیاب ہوئے، عورتوں نے سر سے چادر اتار دی، شرم و حیا کا لباس اتار پھینکا، مرد کے دوش بدوش آکھڑی ہوئیں اور گھر کی باعزت مالکہ بار و کلب میں ناچنے لگی، شمع محفل بن بیٹھی، نتیجہ مرد اپنی منزل چھوڑ کر عورتوں کے گرد جمع ہونے لگے، ان کے لئے اپنے قریبی رشتے توڑ بیٹھے، اب ان کا کام صرف عورت کا حصول ہو گیا، جس کے لئے لڑنا جھگڑنا ان کا وطیرہ بن گیا، اور وہ صلاحیتیں جو ملک کی ترقی و تعمیر کے لئے صرف ہوتی تھیں وہ عیاشی کی نظر ہو گئیں، اور ترکی آج کا ترکی بن گیا، بھکاریوں، چوروں اور ڈاکوؤں کا ملک، اب جو بھی وہاں اسلام کا نام لیتا ہے اسے قید و بند کی صعوبتیں جھیلنا پڑتی ہیں، ملک کے محافظ، فوج کے اعلیٰ افسران برملا کہتے ہیں کہ یہ ملک سیکولر (لادینی) ملک ہے، یہاں اسلام کی کوئی گنجائش نہیں۔

مصر، عراق، لیبیا، انڈونیشیا کی تاریخ بھی کچھ ایسی ہی ہے، پاکستان جس کی بنیاد اسلام پر ہی رکھی گئی تھی، بھی بیگمات اور بے پردہ خواتین کی نظر ہو گیا اور آج تک اسلامی نظام کی برکتوں سے محروم ہے، ان تمام ممالک کے لوگ جس کرب و اضطراب کی زندگی بسر کر رہے ہیں، وہی اس کا درد جانتے ہیں، نہ ان کی دولت محفوظ ہے اور نہ عزت و آبرو، نہ اپنوں کی نظروں میں کوئی حیثیت ہے، اور نہ غیر انہیں عزت سے دیکھتے اور کوئی وقعت دیتے ہیں۔

غرضیکہ تاریخ اس حقیقت کو ثابت اور واضح کرتی ہے کہ پردہ نہ صرف عورت کے لئے سکون و طمانیت اور عزت و عصمت کی حفاظت کا ذریعہ ہے بلکہ پوری قوم پر اس کا اثر ہوتا ہے کہ وہ ترقی کرتی ہے، عروج پاتی ہے، عزت پاتی ہے اور جب عورت بے پردہ ہو کر شمع محفل بن جاتی ہے، تو وہ خود بھی ذلیل و خوار ہو جاتی ہے، اتنی کمزور ہو جاتی ہے کہ اپنی عزت و آبرو کی حفاظت بھی نہیں کر پاتی اور پوری قوم اس سے متاثر ہوتی ہے کہ عیش و عشرت میں مبتلا ہو کر وہ اپنے گھروں ہی کے امن و سکون سے محروم نہیں ہوتے، بلکہ اپنے ملک کی سرحدوں کی حفاظت کے قابل بھی نہیں رہتے، جو چاہتا ہے ان کی عزت لوٹ کر چل دیتا ہے اور جو چاہتا ہے ان کا ملک چھین لیتا ہے، وہ بے ہوش، ذلت و خواری کے شب و روز بسر کرتے رہتے ہیں۔

### ایک سوال کا جواب

ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر پردہ میں ایسی کیا تاثیر ہے کہ عورت کا باپردہ یا بے پردہ ہونا پوری قوم پر اثر انداز ہوتا ہے اور اس کے عروج یا زوال کا باعث بن جاتا ہے، اگر سمجھنے کی کوشش کی جائے تو یہ بات بالکل صاف اور واضح ہے کہ اللہ رب العزت جل مجدہ نے عورت پر جو ایک ذمہ داری عائد کی ہے وہ مرد کی تمام ذمہ داریوں سے بڑی اور اہم ہے بلکہ اگر یوں کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ مرد اپنی تمام ذمہ داریوں کو بطریقہ احسن اسی صورت میں نبھاسکتا ہے جب عورت اپنی ذمہ داری پوری کرے، عورت کی اس بڑی ذمہ داری کو آپ مردم سازی کا نام دے سکتے ہیں، یعنی بچے پیدا کرنا اور ان کی صحیح تربیت کرنا کہ وہ معاشرے کا بہترین فرد بنیں، دیانتدار سچے مومن ہوں، اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ان کا کامل یقین و اعتماد ہو، ان کے اخلاق و اطوار اچھے ہوں، شکر، صبر، توکل، استقامت و استقلال اور قناعت جیسی اہم خوبیوں سے آراستہ و مزین ہوں، محنت و مشقت کے عادی ہوں، قوت برداشت میں پیاز جیسے مضبوط ہوں، ایسا مرد ہر میدان کا مجاہد ہوتا ہے اور کامیابی و کامرانی اس کی ہمیشہ قدم بوس رہتی ہے، ان تمام خوبیوں کا خزانہ ماں کی چھاتی ہے، جس سے بچہ غذا کی صورت میں ان خوبیوں کو حاصل کرتا ہے اور ماں کی پرسکون گود میں ان کو پروان چڑھاتا ہے، یہ عورت ہی باپ، بھائی اور شوہر کے کردار کی بھی تعمیر کرتی اور اسے سکون و اطمینان فراہم کرتی ہے کہ باپ کے لئے بیٹی اور بھائی کے لئے بہن کی نظروں میں ایک عجب پرسکون تاثیر ہے اور شوہر کے لئے اپنی بیوی کے حسن و جمال اور اس کی اداؤں میں ایک کشش ہے، بیٹی، باپ کی بہن، بھائی کی بیوی شوہر کی خدمت کرتی ہے، ان کی ضروریات پوری کرتی ہے، ان کے گھر، مال و دولت، عزت و آبرو کی حفاظت کرتی ہے، اولاد کی تربیت کرتی ہے، پس مرد اس قابل ہوتا ہے کہ وہ سکون و اطمینان کے ساتھ بالکل بے فکر ہو کر اپنی ذمہ داریاں پوری کرے، یہ ہے عورت کی بڑی ذمہ داری، جس کو پورا کرنے کے لئے پردہ کا تحفظ اور گھر کی چار دیواری کا پرسکون ماحول ناگزیر ہے کہ بے پردہ، گلی، کوچوں، بازاروں میں پھرنے والی، دوکانوں اور دفاتروں میں سارا دن غیر مردوں کے ساتھ کام کرنے والی عورتیں اس اہم ذمہ داری کو کس طرح پورا کر سکتی جن کا تقویٰ لوگوں کی نظروں کے تیروں سے مجروح اور ردائے تطہیر تار تار ہے، ان میں مردم سازی کی صلاحیت تو کیا خود سازی کی صلاحیت بھی نہیں رہتی، انہیں تو اپنی چھوٹی چھوٹی ذمہ داریوں کا احساس تک نہیں رہتا ہے، وہی ماں، بیٹی، بہن اور بیوی قوم کو ہیرے موتی فراہم کرتی ہے، جو خود تقویٰ و پرہیزگاری کے زیور

سے آراستہ و پیراستہ ہو، اے اللہ ہماری عورتوں کو اپنے احکام کی تعمیل کی توفیق عطا فرما،  
اے ایمان والو! اللہ کے رسول ﷺ کا یہ ارشاد سنو، اسے یاد رکھو، اور اس پر عمل کی کوشش کرو۔ راوی ہیں،  
حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، میرے آقا ﷺ فرماتے ہیں:-

الْمَرْأَةُ عَوْرَةٌ فَإِذَا خَرَجَتْ اسْتَشْرَفَهَا الشَّيْطَانُ۔

عورت چھپانے کی چیز ہے، جب وہ (بے پردہ) باہر نکلتی ہے تو اسے شیطان گھورتا ہے۔

(ترمذی شریف)

نیز فرمایا، میرے آقا ﷺ نے

وَأَقْرَبَ مَا تَكُونُ مِنْ وَجْهِ رَبِّهَا وَهِيَ فِي قَعْرِ بَيْتِهَا۔

اور عورت اپنے رب کے زیادہ قریب اس وقت ہوتی ہے، جب وہ اپنے گھر کے بیچ میں ہو۔

نیز آپ ﷺ کا ارشاد ہے:-

لَيْسَ لِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ فِي الْخُرُوجِ إِلَّا مُضْطَرَّةً۔

عورتوں کو باہر نکلنے کے لئے کوئی حصہ نہیں مگر صرف اشد ضرورت کے وقت۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی روایت ہے کہ ایک دن میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت اقدس میں حاضر تھا، آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے سوال فرمایا، ”أَيُّ شَيْءٍ خَيْرٌ لِلْمَرْأَةِ“ عورت کے لئے سب سے بہتر چیز کیا ہے، صحابہ خاموش رہے (جواب کے منتظر تھے لیکن آپ ﷺ نے کوئی جواب نہ دیا) حضرت علی فرماتے ہیں کہ جب میں گھر آیا تو میں نے یہی سوال حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کیا، انہوں نے بتایا، ”لَا يَبْرِيَنَّ الرَّجَالُ وَلَا يَبْرُوْنَهُنَّ“ کہ عورتیں مردوں کو نہ دیکھیں اور مرد عورتوں کو نہ دیکھیں، میں نے واپس ہو کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حضرت فاطمہ کا جواب سنایا، آپ ﷺ بہت خوش ہوئے اور فرمایا، ”صَدَقَتْ إِنَّهَا بِضْعَةٌ مِنِّي“، فاطمہ نے سچ بتایا، آخر وہ میری جز ہیں۔

واقعہ اقل کا تو سبب ہی یہ ہوا تھا کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ہودج اٹھا کر اونٹ پر رکھ دیا گیا اور پتہ ہی نہ چل سکا کہ آپ اس میں تشریف نہیں رکھتیں کہ آپ طبعی ضرورت کے سبب لوگوں کی نظروں سے دور تشریف لے گئی تھیں، آپ اتنی دہلی پتلی تھیں کہ اٹھانے والوں کو یہ احساس ہی نہ ہو سکا کہ ہودج خالی ہے اور اس میں سخت پردے کے باعث کوئی جھانک نہیں سکتا تھا کہ اس زمانہ میں پردے کے حکم کی تعمیل حالت سفر میں بھی اس قدر سختی سے کی جاتی تھی کہ عورتوں کے لئے اونٹ پر ہودج (چھوٹا سا کمرہ) رکھا جاتا تھا، جو بالکل بند ہوتا تھا، کہ کسی کی نظر تک اندر نہ جاسکتی تھی اور نہ ہی کوئی ایسی کوشش کر سکتا تھا کہ باپردہ خاتون کو قصد ادیکھا، جو بہر حال حرام ہے۔

غرضیکہ قرآنی ہدایت واضح ہے کہ ”يُذْنِبْنَ عَلَيْهِنَّ جَلَاءَ بَيْنَهُنَّ“ اور سورہ نور کی آیات میں آپ نے پڑھا کہ

”وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ“، دونوں کا مفہوم تقریباً ایک ہی ہے کہ جب عورت اپنے گھر سے سخت ضرورت کے سبب باہر نکلے تو اسے اپنے آپ کو لپیٹ لینا چاہئے جس کپڑے سے لپیٹا جائے اسے جلباب، لمبی چادر، شمر، اوڑھنی یا برقعہ کہا جاتا ہے، شرعاً یہ ایسا ہونا چاہئے کہ نہ صرف یہ کہ عورت کے جسم کا کوئی حصہ نظر نہ آئے بلکہ اس قدر ڈھیلا ڈھالا ہو کہ جسم کا نشیب و فراز بھی معلوم نہ ہو سکے، اس پردے کے ساتھ یہ اہتمام بھی کیا جائے کہ خوشبو وغیرہ نہ لگائی جائے، آواز والا زیور نہ پہنا جائے، لوگوں کے ہجوم سے بچتے ہوئے سڑک کے کنارے کنارے نہایت حیا و شرم کے ساتھ چلا جائے، گویا کوئی ایسا سبب پیدا نہ ہونے پائے، کہ مرد کی نظر اٹھے، اسے عورت کی موجودگی کا احساس ہو۔

### زیب وزینت کا اظہار

انسان فطری طور پر زیب وزینت اور آرائش کو پسند کرتا ہے، جبکہ اسلام انسان کے فطری تقاضوں کی تکمیل کے اصول کی تعلیم دیتا اور انہیں پورا کرنے کے طریقے متعین کرتا ہے، زیب وزینت کی اسلام نہ صرف تعلیم دیتا ہے بلکہ تاکید بھی کرتا ہے، غور فرمائیے جسم کی زیبائش ہی کے لئے وضو و غسل کا طریقہ بتایا گیا، جسے فرض قرار دیا گیا اور عمل رسول ﷺ نے اسے سنت بنایا، عبادت بنایا، پھر جسم کی صفائی کا اہتمام تو ملاحظہ ہو کہ بال بنوانے، سنوارنے، دانت صاف رکھنے، آنکھوں میں سرمہ لگانے، ناخن تراشنے، بغلوں اور ناف کے نیچے کے بال صاف کرنے کا حکم زیب وزینت ہی کا حصہ ہے، نیز کپڑے صاف رکھنے کا حکم دیا گیا، میسر ہو تو خوشبو لگانا سنت ہے، غرضیکہ اسلام زیب وزینت کا جو اہتمام کرتا ہے، اس کی نظیر کسی دوسرے مذہب میں نہیں ملتی، ہمارا تو رب بھی ایسے ہی بندوں کو پسند فرماتا ہے، جو صاف ستھرے، مزین و آراستہ رہتے ہیں، ”إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ“، بیشک اللہ پاکیزہ رہنے والوں کو پسند فرماتا ہے نیز وہ خود حسین و جمیل ہے اور حسن و جمال کو پسند فرماتا ہے، ”إِنَّ اللَّهَ جَمِيلٌ يُحِبُّ الْجَمَالَ“، بیشک اللہ جمیل ہے اور جمال کو پسند فرماتا ہے، اس نے تو جانوروں تک کو نعمت جمال سے سرفراز فرمایا، ”وَلَكُمْ فِيهَا جَمَالٌ حِينَ تُرِيحُونَ وَحِينَ تُسْرِحُونَ“، اور تمہارے لئے ان (جانوروں) میں زیب وزینت ہے جب تم شام کو (چرا کر) انہیں گھیر لاتے ہو اور جب تم صبح انہیں چرانے لے جاتے ہو، اور انسان تو خالق کے حسن و جمال کا مظہر ہے کہ اسے حسن صورت عطا فرما کر خود ارشاد فرمایا، ”وَصَوَّرَكُمُ فَاخْسِنُ صُورَكُمْ“ اور اس نے تمہاری صورتیں بنائیں اور تمہاری صورتوں کو خوبصورت بنایا، بہر حال چونکہ اللہ رب العزت جل مجدہ، حسن و جمال اور زیب وزینت کو پسند فرماتا ہے، اسی لئے انسان بھی فطرتاً اس کو پسند کرتا ہے اور اسلام نے اس پسندیدگی کو پسند فرمایا اور اس کو اختیار کرنے کی تعلیم دی اور طریقے سکھائے لیکن اسلام کا یہ مزاج ہے کہ وہ اپنے ماننے والوں کے ہر عمل کے لئے ایک حد کا تعین کرتا ہے اور حلال و حرام کا امتیاز باقی رکھتا ہے، پس اجازت ہے، کہ زیب وزینت حاصل کی جائے لیکن اس کی بھی ایک حد ہے، اس میں بھی حلال و حرام کا امتیاز کرنا ہوگا، اللہ کے عطا کردہ حسن و جمال کو اپنے ذوق کے مطابق ڈھال کر بگاڑ لینا، زیب وزینت نہیں بلکہ خالق حقیقی کی صنعت میں مداخلت کی کوشش ہے، جس کی اجازت نہیں دی جاسکتی، مثلاً کالے یا گورے رنگ کو تبدیل کرنے کی کوشش کرنا (مزے کی بات یہ ہے، سورج کی گرمی یا مصنوعی حرارت یا مختلف قسم کے تیل یا کریموں سے

بھی قدرتی رنگ کو بدل لینا ممکن نہیں بلکہ ڈاکٹروں کی تحقیق کے مطابق اس قسم کی کوشش سے جلد ہی کینسر اور دیگر جلدی امراض پیدا ہو جاتے ہیں اور صحیح بات بھی ہے کہ قدرتی عمل میں مداخلت اور اس کو بدلنا، انسان کے بس کی بات کہاں) اسی طرح پلاسٹک سرجری کے ذریعہ چہرے کا نقشہ تبدیل کرنے کی کوشش یا بوڑھوں کو جوان بننے کی ہوس کرنا، مردوں کے لئے داڑھی مونچھ صاف کر کے چہرہ چکنا کرنا، عورتوں جیسا بنانا، ناک کان چھدوانا، ان میں یا گلے وغیرہ میں کسی بھی دھات کے زیورات پہننا، ایک سے زیادہ چاندی کی انگوٹھی پہننا، عورتوں جیسے کپڑے، ڈیزائن یا رنگ کا لباس پہننا، عورتوں کے انداز پر گفتگو کرنا یا عورتوں کی طرح چلنا، اسی طرح عورتوں کے لئے مردوں جیسے بال کٹوانا، یا اپنے بال لمبے اور زیادہ کرنے کے لئے کوئی دوسرے بال لگانا، یا وگ استعمال کرنا، سر کے اوپر اونٹ کے کوہان جیسا جوڑا باندھنا، مردوں جیسے جوتے پہننا، پینٹ یا دیگر کپڑے مردوں کی طرح استعمال کرنا، اسی قسم کی زیب و زینت کے اور بہت سے طریقے جو آج کل رائج اور عام ہیں، زیب و زینت نہیں بلکہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام اور مرضی کے خلاف اپنی صورتوں کو بگاڑنا ہے، ایسے طریقوں سے چہرے مسخ تو ہو جاتے ہیں، حسن و جمال میں اضافہ نہیں ہوتا، ان طریقوں سے بچئے، اللہ کی دی ہوئی شکل و صورت پر صبر و شکر کیجئے، چہروں پر تقویٰ و پرہیزگاری کا نور پیدا کیجئے، جسے قرآن کریم نے ”صِبْغَةَ اللَّهِ“ فرمایا اور اعلان کیا، ”وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ صِبْغَةً“، اور کس کا رنگ خوبصورت ہے، اللہ کے رنگ سے۔

### عورت کا اظہار زیب و زینت

عورت کو زیب و زینت اور اپنا حسن و جمال چھپانے کے لئے پردے کا حکم دیا گیا اور حالت پردہ میں بھی ایسی چال سے منع کیا گیا، جس سے اس کی زینت ظاہر ہو، جسم کا نشیب و فراز ظاہر ہو، زیورات کی آواز سنائی دے، عطریات و خوشبو کی مہک مردوں تک پہنچے جیسا کہ ہم اوپر تفصیل سے لکھ آئے ہیں۔ لیکن انسان بالخصوص عورت کی فطرت ہے کہ وہ اپنے حسن و جمال، اچھے لباس وغیرہ کو جب تک دوسروں کو نہ دکھالے اسے تسکین قلب میسر نہیں آتی، ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ اسلام انسان کی فطرت کو کچلتا اور پامال نہیں کرتا، بلکہ فطری تقاضوں کی تکمیل کے طریقے متعین کرتا ہے، اصول مقرر کرتا ہے، عورت فطرتاً چاہتی ہے کہ اس کا اچھا لباس، قیمتی زیورات کوئی دیکھے، ان کی تعریف کرے، اگر عورت کو اس نمائش کی عام اجازت دیدی جاتی تو یہ نہ صرف ایک غیر فطری عمل ہوتا بلکہ اس سے بے شمار خرابیوں اور فسادات کا دروازہ کھل جاتا کہ غیر مردوں سے نہ تو حسن و جمال کی تعریف کی توقع کی جاسکتی ہے اور نہ قیمتی زیورات دیکھ کر داد تحسین کی امید ہوسکتی ہے کہ ہر معاشرے میں اچھے برے لوگ ہوتے ہیں، لئیرے، چور، ڈاکو ہوتے ہیں اور اگر نہ بھی ہوں تو سڑکوں اور راستوں پر پھیلی ہوئی دولت اچھے لوگوں کی بھی نیت خراب کر دیتی اور انہیں مجرم بنا دیتی ہے، یہ انسان کی فطرت خبیثہ ہے، جو خباثت کو دیکھ کر ابھرے بغیر اور غالب ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی، سڑکوں، گلی کوچوں، دوکانوں، دفاتر میں عورتوں کے حسن و جمال اور قیمتی زیورات کی نمائش کا انجام سوائے اس کے کیا ہو سکتا ہے، کہ عورتوں کی عزت و آبرو پامال ہو، کبھی ان کی مرضی سے اور اکثر جبر و اکراہ سے ان کے زیورات کو لوٹا جائے، ان کو حاصل کرنے کے لئے گھروں میں ڈاکے ڈالے جائیں، ایسا ہی ہوتا ہے اور ایسا ہی ہو رہا ہے آج

تمام جرائم کی اصل اور بنیاد یہ عام نمائش ہی ہے لیکن عورت کے فطری تقاضہ کی تکمیل بھی ناگزیر ہے کہ اگر اسے اس سے بالکل روکا جاتا تو وہ مجبوراً قید و بند کا تالا توڑتی اور غیر مناسب راہ اختیار کرتی، پس اسلام نے اپنے مزاج کے مطابق اس کا اہتمام کیا اور قرآن کریم نے تفصیل کے ساتھ ان لوگوں کا ذکر کیا، جن کے سامنے عورت آسکتی ہے، اپنے حسن و جمال، زیورات اور اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کو ظاہر کر سکتی ہے کہ یہ لوگ ایسے رشتوں میں منسلک ہیں، جن کے باعث یہ یقیناً امین ہیں، ان سے نہ تو عورت کی عزت و آبرو کو کوئی خطرہ ہو سکتا ہے اور نہ ہی ان کے زیورات اور دولت چھیننے کا ڈر ہو سکتا ہے، یہ وہ لوگ ہیں، جن سے حرمت نکاح عارضی نہیں، کسی رشتے کی بناء پر نہیں، بلکہ دائمی ہے، خونی تعلق کی بناء پر ہے، اسی لئے فطری طور پر، اس رشتہ میں منسلک مرد و عورت کتنے ہی قریب ہوں لیکن ان کے ذہن میں جنسی تصور بھی پیدا نہیں ہوتا، مثلاً ماں، بیٹا، بہن بھائی، خالہ، بھانجا، پھوپھی، بھتیجا کا اس قسم کے خیال میں مبتلا ہونا ممکن ہی نہیں، پس ان قابل اعتماد محارم سے پردہ کرنے کا کوئی مقصد نہ تھا، لہذا شریعت مطہرہ ان کے سامنے عورتوں کو بے پردہ رہنے اور ان سے ضروری آداب کا لحاظ رکھتے ہوئے گفتگو کرنے، ہنسی مذاق کرنے کی اجازت دیتی ہے، قرآن کریم نے ان محارم کا نہایت وضاحت سے ذکر فرمایا، ہم ان کو علیحدہ علیحدہ بعض ضروری مسائل کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔

لَبْعُولَتِهِنَّ، عورتیں اپنے شوہروں کے سامنے اپنی زیب و نیت، حسن و جمال کی پوری آزادی کے ساتھ نمائش کر سکتی ہیں۔ ظاہر ہے شوہر ہی کو اس کا سب سے زیادہ حق ہے کہ وہ اپنی بیوی کے حسن و جمال کو دیکھے، اس کی دل لبھانے والی اداؤں سے سکون حاصل کرے اور اس سے اتنا مطمئن ہو کہ غلطی سے بھی اس کی نظر کسی غیر عورت پر نہ پڑے، اسی لئے عورتوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنے شوہروں سے صرف اچھا برتاؤ ہی نہ کریں صرف ان کی خدمت ہی انجام نہ دیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ شوہر کے پسندیدہ کپڑے، اس کے پسندیدہ زیورات وغیرہ کا استعمال کریں اور ہر طرح اسے مطمئن کرنے کی کوشش کرتی رہیں، بہر حال شوہر سے بیوی کے کسی عضو کا پردہ نہیں، ہاں، شوہر کے لئے بیوی کے مخصوص حصہ جسم پر اور بیوی کے لئے شوہر کے مخصوص حصہ جسم پر بلا ضرورت نظر ڈالنا، موزوں اور مناسب نہیں، کیونکہ یہ شہوانی، جنسی کھیل ہے، جو شیطانی عمل ہے، اس سے بچنے کی کوشش کرنا چاہئے، جس کی زندگی ہمارے لئے اسوۂ حسنہ ہے اور نہایت ہی کامل اسوہ ہے، ان کا عمل ملاحظہ فرمائیے، ہماری ماں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے، ”مَا رَأَيْتُ بَنِيَّ وَلَا رَأَيْتُ مِنْهُ“ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کبھی میرے مخصوص حصہ جسم کو نہ دیکھا اور نہ کبھی میں نے آپ ﷺ کے عضو مخصوص کو دیکھا، یہاں ایک غلط فہمی کا ازالہ ضروری ہے کہ حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے اس قدر خفیہ بات کیسے بیان فرمادی، جس کا اظہار حیا و شرم کے منافی ہے، نہیں ایسا برگز نہیں، بات یہ ہے کہ بحمد اللہ ہمارا دین نہایت مکمل ہے، خفیہ ترین امور کے لئے بھی شریعت مطہرہ کے مسائل موجود ہیں، اگر ان کی تعلیم نہ دی جاتی تو ہم ان شرعی احکام پر عمل سے محروم رہتے، لاعلمی کی وجہ سے ثواب سے محروم رہتے یا گناہ کرتے رہتے، اللہ جزاء دے امہات المؤمنین کو، صحابہ کرام اور پھر فقہاء و علماء و کرام کو جنہوں نے وہ تمام مسائل نہایت وضاحت کے ساتھ بیان فرمادیے، جن کا تعلق ہمارے خفیہ امور سے ہے، یاد رکھئے، حصول علم میں حیا و شرم نہیں، شرعی امور کی



پابندی نہ کرنا، بے حیائی و بے شرمی ہے۔

دیگر محارم، جن کے سامنے عورتیں بلا پردہ آزادی سے، آسکتی اور زب و زینت انہیں دیکھا سکتی ہیں، یہ ”اَبَائِهِنَّ“، باپ، دادا، پردادا، ”اَبَاءُ بُعُولَتِهِنَّ“، شوہر کے باپ، دادا، پردادا، (واضح رہے ان محارم میں صرف شوہر کے آباء شامل ہیں، بھائی وغیرہ نہیں کہ ان سے پردہ فرض ہے) جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے غیر محرم عورتوں کے پاس تنہائی میں جانے سے منع فرمایا، تو کسی نے عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ! دیور کے متعلق کیا حکم ہے، (یعنی کیا دیور اپنی بھالوج کے ساتھ تنہائی میں رہ سکتا ہے) آپ ﷺ نے فرمایا، ”الْحَمُّ الْمَوْتُ“، دیور تو موت ہے، یعنی دیور کا رشتہ نہایت خطرناک ہے، اس کے ساتھ بہک جانے اور گناہ میں ملوث ہونے کا امکان زیادہ ہے، لہذا اس سے پردہ کرنا چاہئے)، ”اَوَابْنَائِهِنَّ“، اپنے بیٹے، بیٹوں کے بیٹے، ”اَبْنَاءُ بُعُولَتِهِنَّ“، شوہر کے بیٹے، جو دوسری بیوی سے ہوں، ”اِخْوَانِهِنَّ“، بھائی، اس میں علاتی، باپ شریک، اخیانی، ماں شریک، بھائی بھی شامل ہیں لیکن ماموں زاد، چچا زاد، خالہ زاد، تایا زاد، پھوپھی زاد اور دیگر رشتے کے بھائیوں کا وہی حکم ہے، جو غیر مردوں کا ہے کہ یہ سب غیر محارم ہی ہیں، ”بَنِي اِخْوَانِهِنَّ“، بھائیوں کے بیٹے، ”بَنِي اِخْوَانِهِنَّ“، بہنوں کے بیٹے، یہ آٹھ محارم ہیں جو حکم پردہ سے مستثنیٰ ہیں، ان کے علاوہ چند دیگر لوگ ہیں، جن کے سامنے عورتیں بے پردہ آسکتی ہیں، جو یہ ہیں، ”نِسَاءُ هُنَّ“، اپنی عورتیں، یعنی مسلمان عورتوں کے لئے، مسلمان عورتوں سے پردہ نہیں، رہا معاملہ، غیر مسلم عورتوں کا، تو مفسرین نے وضاحت کی ہے کہ غیر مسلم عورتوں سے بھی پردہ نہ کرنا جائز ہے تاہم ان سے میل جول اور رازدارانہ دوستی بہر حال جائز نہیں اسی طرح بدکردار، فاحشہ، فیشن ایبل عورتوں کی صحبت سے بھی مسلم خواتین کو بچنے کی ہی کوشش کرنا چاہئے کہ ان کی بری صحبت، برے راستہ پر ڈال سکتی ہے، ”مَا مَلَكَتْ اَيْمَانِهِنَّ“، زر خرید باندیاں اور کنیریں، غلاموں سے پردہ فرض ہے، ”التَّابِعِينَ غَيْرِ اُولَى الْاَرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ“، ایسے معذور خدمتگار، جو ہوش و ہواس سے محروم ہوں، انہیں عورتوں کے حسن و جمال کا کوئی احساس نہ ہو، نہ ہی ان کی طرف میلان طبع ہو، (جیسے بڑے خاندانوں میں ایسے بدحواس مفلوک الحال لوگ رکھ لئے جاتے ہیں، جو خدمت کرتے رہتے ہیں اور ان کی ضروریات پوری ہوتی رہتی ہیں) ”الطِّفْلُ الَّذِي لَمْ يَظْهَرُوا عَلَى عَوْرَاتِ النِّسَاءِ“، ایسے نابالغ بچے، جو ابھی بلوغ کے قریب بھی نہیں پہنچے اور وہ عورتوں کے مخصوص حالات یا جنسی امور سے واقف نہیں، نہ ہی ان میں عورتوں کی طرف کوئی میلان ہے، ان لڑکوں سے پردہ فرض ہے، جو قریب البلوغ ہوں، جنہیں شرعی اصطلاح میں ”مُراهِق“ کہا جاتا ہے کہ ان میں جنسی میلان کا آغاز ہونے لگتا ہے، عام طور پر اس کیفیت کی ابتداء دس سال کی عمر سے ہوتی ہے، جیسا کہ حدیث مبارکہ سے ثابت ہے، راوی حضرت عمرو بن شعیب، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، ”مُرُوا اَوْلَادَكُمْ بِالصَّلَاةِ وَهُمْ اَبْنَاءُ سَبْعِ سِنِينَ“، بچوں کی عمر سات برس کی ہو جائے، تو انہیں نماز کا حکم دو، ”وَاصْرِبُوهُمْ عَلَيْهَا وَهُمْ اَبْنَاءُ عَشْرِ سِنِينَ“، جب وہ دس سال کے ہو جائیں تو انہیں نماز نہ پڑھنے پر مارو، ”وَفَرِّقُوا بَيْنَهُمْ فِي الْمَضَاجِعِ“ اور ان کے بستر علیحدہ کر دو، یعنی بہن، بھائی اگر ایک بستر پر سوتے تھے تو اب ان کے بستر، بلکہ اگر ایک کمرے میں سوتے تھے تو کمرے بھی

علیحدہ کر دیئے جائیں کیونکہ اب ان میں احساس جنس اور میلان جنس پیدا ہو رہا ہے۔

اے ایمان والیو! غور کرو، اللہ انصاف کرو اور بتاؤ کہ کیا پردہ اب بھی تمہیں قید و بند معلوم ہوتا ہے کیا اتنے مردوں کے سامنے آزادی کے ساتھ رہنے کے بعد بھی تمہارے فطری تقاضے کی تکمیل نہیں ہوتی ہے پردہ قید نہیں، تمہاری آزادی کے حق کو سلب کرنے کا ذریعہ نہیں، اس کا مقصد تمہارے فطری تقاضوں کو پامال کرنا نہیں، بلکہ یہ پابندی تم پر، صرف اور صرف تمہاری عزت و آبرو اور مال و دولت کی حفاظت کے لئے ہے، پس تم پردے کی پابندی کر کے باعزت زندگی، پرسکون زندگی بسر کرو، اور اگر اس حکم الہی کی پابندی میں تم سے اب تک کوئی کوتاہی یا لاپرواہی ہوئی ہے تو تمہیں دعوت دی جاتی ہے، ”تَوْبُوا إِلَى اللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَا الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ“، اللہ سے توبہ کرو، احکام شرع کی پابندی اختیار کرو، کہ یہی ذریعہ کامیابی و کامرانی ہے، اللہ توفیق دے۔

### حکم نکاح

استیذان اور عورتوں کے لئے پردے کی ہدایات کے بعد اہل ایمان کو ہدایت دی جا رہی ہے کہ وہ جن بے نکاح مرد و عورت کے ولی ہیں وہ ان کا نکاح کر دیں۔

مرد و عورت کے جنسی احتلاط کا شرعی طریقہ نکاح ہے، جو انسانی فطرت کا تقاضا ہے اور نسل انسانی کی افزائش کے لئے ناگزیر ہے، ہم عرض کر چکے ہیں کہ اسلام فطری تقاضوں کو پامال نہیں کرتا بلکہ ان کو پورا کرنے کا اہتمام کرتا ہے۔ لیکن اصول و ضوابط کی پابندی کے ساتھ، جنسی تقاضوں کی تکمیل اور جنسی خواہش کی تسکین، انسان کی فطرت کا ایسا اہم تقاضا ہے، جس کے بغیر زندگی بسر کرنا، ناممکن ہے، خالق انسان اللہ نے اس اشد ضرورت کی تکمیل کے لئے شرعی ضابطہ نکاح عطا فرمایا، جس کے ذریعہ مرد و عورت ساری زندگی کے لئے ایک دوسرے کے رفیق بن جاتے ہیں اور یہ دونوں ایک دوسرے سے جنسی تسکین حاصل کر کے نہ صرف پرسکون زندگی بسر کرتے ہیں بلکہ نسل انسانی کی افزائش میں حصہ لے کر، قدرتی نظام کا آئینہ کار بننے کا شرف بھی حاصل کرتے ہیں، نیز ایک دوسرے کے کفیل بن کر زندگی کے پرخطر طوفان کا باسانی مقابلہ کرتے ہیں، جو تنہا مرد کے لئے یا تنہا عورت کے لئے ممکن نہیں، یہ جوڑا معاشی و معاشرتی امور میں ایک دوسرے کا معاون و مددگار بن جاتا ہے، معاشرے کو افرادی قوت فراہم کرتا ہے، اسی سے خاندانی نظام کا سلسلہ جاری ہوتا ہے، جو ایک اچھے معاشرے کے لئے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے، کہ جس معاشرے میں خاندانی نظام نہ ہو، اس کے افراد بے چرواہے کی بھیڑ، بکریوں کی طرح منتشر ہوتے ہیں، جو کسی وقت بھی کسی بھڑیے کا باسانی شکار بن جاتے ہیں، اسی لئے قرآن کریم اس جوڑے کو لباس سے تعبیر کرتا ہے، ”هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ“، عورتیں تمہارا لباس ہیں اور تم عورتوں کا لباس ہو، نکاح شدہ مرد و عورت معاشرے میں عزت کی نظروں سے دیکھے جاتے ہیں، تنہا مرد یا تنہا عورت، عیاش و بد معاش مردوں یا عورتوں کی بدنامی کا مرکز بنے رہتے ہیں اور ان کے لئے معاشرے سے سوائے گندی نظروں کے اور کسی چیز کا حصہ نہیں ہوتا۔

غرضیکہ نکاح اہل ایمان کے لئے عطیہ الہی ہے، بالخصوص عورت کے لئے جو شرم و حیا کی پتلی ہے، کہ اس کے لئے

اپنی جنسی تسکین کی کوئی راہ نہ نکلتی، اگر نکاح کے ذریعہ اسے اختلاط کا موقع نہ دیا جاتا، نیز عورت خلقی اور جبلی طور پر صنف نازک ہے، نازک اندام ہے، مزید برآں اس کے خالق نے اس پر پردہ کی پابندی عائد کر کے اس کے دائرہ عمل کو گھر کی چار دیواری میں محدود کر دیا ہے، جس کے بعد وہ نہ تو اپنے معاش کے حصول کے لائق رہی اور نہ ہی زندگی کے پرخطر طوفان سے مقابلہ کرنا اس کے بس میں رہا، یہ اپنی نازک اندامی اور پردے کی پابندی کے باعث محتاج ہو گئی کسی سہارے کی، پس اس کو نازک بنانے والے اور پردے کا حکم دینے والے، رب کریم نے اس پر کرم فرمایا اور ایسا نعم البدل عطا فرمایا جو اس کے لئے ”قَوَامٌ“ قرار دیا گیا، ”الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ“، اے گھر کی چار دیواری میں محدود کر دی جانے والی نازک مخلوق! مرد تیرے لئے مضبوط و مستحکم سہارا ہیں، جو اپنی قوت بازو، اپنی صلاحیت، اپنی آزادی کے باعث تیری عزت و آبرو کے تحفظ کی ذمہ داری پوری کرے گا، جو ”عَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ“، کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے اپنی رفیقہ حیات کی بحسن و خوبی کفالت کرے گا، اس کی ناز برداری کرے گا، اس کا وہ حق ادا کرے گا جو اسے اللہ کی طرف سے دیا گیا ہے، اس کے آغوش میں آجانے کے بعد عورت کو عزت، سکون اور بے خوفی کی زندگی میسر آئے گی، یہ مرد عورت کے سر کا تاج بن کر، اسے اپنی راج دھانی کی ملکہ بنا دیتا ہے، اس کی ردا، تطہیر کا محافظ بن جاتا ہے، ہر قسم کے داغ، دھبوں سے اسے محفوظ رکھتا ہے، پس نکاح بالخصوص عورت کے لئے رحمت و برکت، سکون و طمانیت کا عظیم و اہم ذریعہ ہے۔

انہی فوائد و مقاصد کے باعث، قانون نکاح ہر مذہب اور ہر قوم میں پایا جاتا ہے، ہر دور کے لوگ اپنے اپنے طریقہ سے اس کی پابندی کرتے آئے ہیں، یہ علیحدہ بات ہے کہ انہیں نکاح کے خود ساختہ قوانین کے باعث وہ فوائد و مقاصد حاصل نہیں ہو پاتے، جو اہل ایمان کو حکم الہی کی پابندی اور تعمیل سے حاصل ہوتے ہیں، کیونکہ انسان کے لئے اس کا اپنا وضع کردہ قانون نہ تو مکمل ہوتا ہے اور نہ ہی مفید و موثر ہوتا ہے، بلکہ اکثر یہ قانون مزید الجھنوں اور پریشانیوں کا باعث بن جاتے ہیں کیونکہ ماہرین جو قانون بھی وضع کرتے ہیں، اس میں ان کے اپنے مزاج کا دخل بھی ہوتا ہے اور اپنے فوائد کا تحفظ بھی، جبکہ اللہ خالق انسان، انسان کے مزاج اور اس کی ضروریات کا علم رکھنے والا ہے، پس اسی کے عطا کردہ احکام مکمل بھی ہوتے ہیں اور مفید و موثر بھی، بہر حال لوگوں کو جیسا بھی قانون نکاح ملا وہ اسے اپنائے رہے، اور بغیر نکاح انہوں نے جنسی اختلاط کو ہمیشہ جرم جانا، لیکن آج کی مغربی تہذیب کا دور تاریخ انسانیت کا بدترین دور ہے کہ گناہوں اور جرائم سے بھری اس تہذیب میں نکاح کی کوئی اہمیت نہ رہی کہ نہ تو نکاح مرد و عورت کے ملاپ کا ذریعہ رہا کہ زنا اس قدر عام ہو گیا کہ اس کو معیوب سمجھا جانا تو درکنار، معاشرے کا حصہ، تہذیب کا حصہ سمجھا جانے لگا، کھلم کھلا بدکاری کا عمل جاری ہے، اخبارات و جرائد کے ذریعہ اس کی تشبیہ کی جاتی ہے، نیلی ویٹن پر اس کی نمائش ہوتی ہے، دعوت دی جاتی ہے، تربیت دی جاتی ہے، حتیٰ کہ سربراہ مملکت یہ جرم کرتا ہے، تو بڑی ذہناتی سے اس کا اعتراف کرتے ہوئے یہ بھی کہتا ہے کہ ”اگر میں نے یہ جنسی عمل کیا تو گرفت کیوں کی جا رہی ہے جبکہ یہ تو میری قوم میں عام ہے“ یعنی قابل سزا ہونا تو بڑی بات ہے، قابل گرفت اور قابل اعتراض جرم بھی نہیں، ظاہر ہے اس گھناؤنی صورت حال کے بعد انسانی نسل کی افزائش کا بھی نکاح سے کوئی تعلق نہ رہا، عورت بچہ پیدا کرتی ہے، اس کے

باپ کا کسی کو پتہ تک نہیں ہوتا، نہ گھر والوں کو اس کے اس عمل پر کوئی اعتراض ہوتا ہے، نہ محلہ یا سوسائٹی کا کوئی فرد اعتراض کی مجال رکھتا ہے کہ اعتراض تو تب ہو، جب یہ کوئی انوکھا عمل ہو، جب سب ہی ایک حمام میں ننگے ہوں، تو ایک ننگے کو دوسرے ننگے پر اعتراض کا کیا حق ہے، اعتراض تو درکنار، بچہ کی ماں سے ضرور تا بھی نہیں پوچھا جاسکتا کہ تیرے اس بچہ کا باپ کون ہے، تائید کے لئے ایک لطیفہ ملاحظہ ہو، ہمیں کسی نے بتایا کہ ایک ڈچ عورت نے ہسپتال میں ایک بچہ کو جنم دیا، جس نے نہ ورگی کاغذی کارروائی کرتے ہوئے عورت سے اس کے بچہ کے باپ کا نام دریافت کیا، عورت سنتے ہی آگ بکولا، بولنے لگی کہ میں نے منہ پر تھوکتے ہوئی بولی، کہ کیا تجھے اپنے باپ کا نام معلوم ہے۔ جا پہلے اپنی ماں سے اپنے باپ کا نام پوچھ۔ پتہ مجھ سے میرے بیٹے کے باپ کا نام پوچھنا، نرس نے شرمندہ ہوتے ہوئے کہا، تم نے سچ کہا، مجھے بھی آج تک اپنے باپ کا پتہ نہ چل سکا، اندازہ لگائیے، اب نکاح کی کیا اہمیت باقی رہی، کیا فائدہ رہا، کیا مقصد رہا، بس ایک ہی مقصد ہے جس کے لئے نکاح کا تکلف کیا جاتا اور کاغذی خانہ پری کی جاتی ہے، اور وہ ہے مالی حقوق کا حصول، یعنی اب نکاح صرف اس لئے ہوتا ہے کہ قانون عورت، مرد کے مال دولت کی اور مرد عورت کے مال و دولت کا حقدار ہو سکے، اسی لئے عام لوگوں میں برسوں ایک ساتھ رہنے اور کئی کئی بچے پیدا ہو جانے کے باوجود بھی نکاح کی ضرورت محسوس نہیں کی جاتی، ہاں صاحب جائیداد، دولت مند، جلد سے جلد اس قانونی شق کو پورا کر لیتے ہیں تاکہ مالی حقوق تلف نہ ہونے پائیں، مضحکہ خیز بات یہ ہے کہ دولہا، دولہن کے بچے بھی ان کی شادی میں شریک ہوتے ہیں، اسی لئے یہ شادیاں اب اکثر چرچ میں نہیں بلکہ رجسٹر آفس میں ہوتی ہے، کہ نکاح کی حیثیت مذہبی نہیں رہی، نہ اب معاشی ضرورت پوری کرنے کے لئے قانونی سہارا رہ گیا ہے۔

دشمنوں کے شرے میں بے شمار خرابیوں اور باتری کے باوجود اب تک نکاح کی وہی اہمیت ہے، جو شرعاً ہونی چاہئے۔ اس کا مقصد اب بھی بقاء و افزائش نسل انسانی اور مرد و عورت کا اختلاط ہے کہ ہماری شریعت، ہماری تہذیب میں بغیر نکاح مرد و عورت کا جنسی ملاپ قابل سزا جرم ہے، نیز ایسے جرم کے مبادیات، یعنی کسی مرد کا بغیر نکاح کے کسی عورت کے ساتھ تعلق، گھومنا، پھرنا، ملنا جلنا، تنگ ممنوع اور قابل نفرت ہے۔ معاشرے کا ہر فرد ایسے مرد و عورت پر تھوکتا اور ان کو ذلیل و خوار سمجھتا ہے، یہ اس بات کی اچھی علامت ہے کہ ہمارے معاشرے میں اگرچہ مغربی تہذیب کی بہت سی بیہودا گیاں پائی جاتی ہیں لیکن بہر حال بنیادی مذہبی اقدار اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا لحاظ کیا جاتا ہے، اور اس سے کھلم کھلا بغاوت کی کسی میں جرأت نہیں۔

## فضیلت نکاح

یہ آپ پڑھ چکے ہیں کہ نکاح انسانی فطرت کے ایک اہم تقاضہ کی تکمیل کا شرعی طریقہ ہے، لیکن صرف اتنا ہی نہیں بلکہ اللہ اور نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس قانون پر عمل کو اہل ایمان کے لئے عبادت اور ذریعہ ثواب بنا دیا کہ جو مسلمان مرد و عورت، اللہ کے حکم کی تعمیل اور رسول ﷺ کی سنت پر عمل کی نیت سے نکاح کرتا ہے، اللہ دنیا میں اسے خصوصی انعامات سے نوازتا ہے، مثلاً اس کے رزق میں برکت ہوتی ہے، اسے اولاد صالح نصیب ہوتی ہے، جو بڑھاپے میں سہارا بنتی ہے، اور

والدین کے مرنے کے بعد صدقہ جاریہ ہو جاتی ہے اور آخرت میں بھی اللہ اسے اجر و ثواب عطا فرماتا ہے کہ اہل و عیال پر ایک پیسہ خرچ کرنے، ان کے لئے محنت و مشقت سے کمانے، ان کی اچھی تربیت وغیرہ کا والدین کو اجر ملے گا، اسی لئے قرآن کریم حکم دیتا ہے کہ غیر شادی شدہ لوگوں کا نکاح کر دو، ”وَأَنْكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنْكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ“، نیز نکاح سے روکنے کی ممانعت فرماتا ہے، ”وَلَا تَعْصِلُوهُنَّ إِن يَنْكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ“، اور عورتوں کو اپنے خاوندوں کے ساتھ نکاح کرنے سے نہ روکو، یہ حکم اور ممانعت صرف اسی لئے ہے کہ یہ عمل صرف دیناوی عمل نہیں، جس کا مقصد خواہش نفس کی تکمیل اور نسل انسانی کا جاری رکھنا ہو، بلکہ اس میں اللہ کی بیشمار حکمتیں پوشیدہ ہیں اور اس کے بیشمار معاشی و معاشرتی فوائد ہیں، نیز حکمت باری تعالیٰ یہی ہے کہ اس کی مخلوق رشتہ زوجیت سے منسلک رہے، اسی لئے اس نے ہر چیز کا جوڑا پیدا فرمایا، ”وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ“ اور ہم نے ہر چیز کے جوڑے بنائے، تاکہ تم غور و فکر کرو، انسان جو اشرف المخلوقات ہے، اس کے لئے تو یہ رشتہ زوجیت نہایت ہی اہم قرار دیا گیا، جس کا بار بار قرآن کریم ذکر کرتا ہے۔

وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُطْفَةٍ ثُمَّ جَعَلَكُمْ أَزْوَاجًا (فاطر: ۱۱)

اور اللہ نے پیدا کیا ہے تمہیں مٹی سے، پھر پانی کی بوند سے پھر تمہیں بنا دیا جوڑے جوڑے۔

فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَعَلَ لَكُمْ مِنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَمِنَ الْاَنْعَامِ اَزْوَاجًا

(الشوریٰ: ۱۱)

وہ پیدا کرنے والا ہے آسمانوں اور زمین کا، اسی نے بنائے تمہارے لئے تمہاری جنس سے جوڑے اور مویشیوں سے بھی جوڑے بنائے۔

(النبا: ۸)

وَخَلَقْنٰكُمْ اَزْوَاجًا

اور ہم نے پیدا کیا تمہیں جوڑا جوڑا۔

زوجیت، قدرت الہیہ کا شکار ہے، اس کا خالق پسند نہیں فرماتا، کہ کوئی بے زوج رہے، تنہا رہے، اسی لئے تو اس نے انسان اول حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تنہا نہ رہنے دیا بلکہ ان کے بعد سب سے پہلے حضرت حوا علیہا السلام کو پیدا فرمایا اور جب انسان نے اس زمین پر قدم رکھا تو وہ دو قدم نہیں، چار قدم تھا، تنہا نہیں، زوج تھا، اور جنت سے آنے والا انسان جب جنت میں جائے گا، تو وہاں بھی جوڑا ہی ہوگا۔

إِنَّ أَصْحَابَ الْجَنَّةِ الْيَوْمَ فِي شُغْلٍ فَاكُهُونَ ۖ هُمْ وَأَزْوَاجُهُمْ فِي ظِلِّ عَلَى الْأَشْرَافِ

(یسین: ۵۵، ۵۶)

مُتَكِبُونَ ۖ

بیشک اہل جنت آج اپنے اپنے شغل سے لطف اندوز ہو رہے ہوں گے۔ وہ اور ان کی بیویاں سایہ میں

تختوں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے۔

پس اللہ کی رضا یہی ہے کہ اس کے بندے، اس کے حکم کے مطابق نکاح کریں، جوڑا بن کر زندگی بسر کریں، اسی

لے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب بندوں کی جو خصائل حمیدہ بیان فرمائیں ان میں ایک یہ بھی ہے کہ وہ دعا کرتے ہیں کہ ان کی بیویاں اور ان کی اولاد، صالح اور نیک ہو، (آپ بھی یہ دعا کیا کریں)۔

وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا ﴿٥٤﴾

(فرقان: ۷۴)

اور وہ جو عرض کرتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! عطا فرما ہمیں ہماری بیویوں اور اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک اور بنا ہمیں پرہیزگاروں کے لئے پیشوا۔

وہ جن کی زندگی ہمارے لئے اسوۂ حسنہ ہے، اور جن کی اداؤں کو اختیار کرنا ہی عبادت ہے، فرماتے ہیں، یہی نے بروایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے:

مَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي وَإِنْ مِنْ سُنَّتِي النِّكَاحُ فَمَنْ أَحْبَبِي فَلَيْسَتْ بِسُنَّتِي ﴿٥٥﴾

جو میری سنت سے اعراض کرے، وہ میرے طریقہ پر نہیں اور بیشک نکاح کرنا میری سنت ہے، پس جو مجھ سے محبت کرتا ہے، اسے میری سنت پر عمل کرنا چاہئے۔

میرے آقا ﷺ کا ارشاد ترمذی نے بروایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کیا کہ آپ ﷺ نے فرمایا، تین آدمیوں کی مدد اللہ نے اپنے کرم سے اپنے ذمہ لے لی ہے، مکاتب جو (اپنی قیمت) ادا کرنے کا ارادہ رکھتا ہو، ”وَالنَّكَاحُ الَّذِي يُرِيدُ الْعِفَافَ“، پاکدامنی اور حفاظت عفت کے لئے نکاح کرنے والا، اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا۔

ابوداؤد بروایت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، ”تَزَوُّجُوا الْوَدُودَ الْوَلُودَ فَإِنِّي مُكَاثِرُكُمْ الْأَمَمَ“، محبت کرنے والے پیدا کرنے والی عورت سے نکاح کیا کرو، کیونکہ میں تمہاری کثرت تعداد کے باعث (قیامت کے دن) دوسری امتوں پر فخر کروں گا۔

ترمذی نے بروایت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کیا کہ حضور ﷺ نے فرمایا، ”لَمْ تَرِ الْمُتَحَابِّينَ مِثْلَ النِّكَاحِ“ تم نے نکاح کے ذریعہ دو محبت کرنے والے نہیں دیکھے ہوں گے (یعنی جو محبت اس رشتہ سے پیدا ہوتی ہے، وہ کسی رشتہ میں نہیں پائی جاتی)

ابن ماجہ نے بروایت حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کیا کہ حضور ﷺ نے فرمایا، ”مَنْ ارَادَ أَنْ يُلْقَى اللَّهَ طَاهِرًا مُطَهَّرًا فَلْيَزَوِّجِ الْخَرَائِرَ“، جو اللہ سے (قیامت کے دن) پاک و عاف حال میں ملنا چاہتا ہے، اسے آزاد عورتوں سے نکاح کرنا چاہئے۔

ابن ماجہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ ارشاد بھی بیان کیا کہ حضور ﷺ نے فرمایا، ”إِذَا تَزَوَّجَ الْعَبْدُ فَقَدْ اسْتَكْمَلَ نِصْفَ الدِّينِ فَلْيَتَّقِ اللَّهَ نِصْفَ الْبَاقِي“، جب بندے نے نکاح کر لیا تو اس

نے اپنا آدھا دین تو مکمل کر لیا، اب اسے باقی آدھا دین مکمل کرنے کے لئے تقویٰ اختیار کرنا چاہئے۔

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اس عنوان پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ارشادات بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے، نکاح نہ کرنے کی صرف دو وجہیں ہو سکتی ہیں، یا تو آدمی کسی وجہ سے اس کا اہل نہ ہو، اور یا وہ گناہ میں مبتلا رہنا چاہتا ہو، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا، جب تک انسان شادی نہ کرے، اس کی عبادت مکمل نہیں ہوتی، کیونکہ وہ بغیر نکاح شیطانی وسوسوں سے محفوظ نہیں رہ سکتا اور جب تک شہوانی وساوس سے دل محفوظ نہ ہوگا خشوع و خضوع کے ساتھ عبادت نہیں کی جاسکتی، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا، اگر میری عمر میں دس روز بھی باقی ہوں گے، تب بھی میں نکاح کرنا پسند کروں گا، کیونکہ میں اللہ سے اس حال میں ملنا پسند نہیں کرتا کہ میں مجرد ہوں۔

قرآن و حدیث اور آثار صحابہ کی روشنی میں آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ ہمارا وہ عمل جسے بظاہر ایک دنیاوی کام یا ضرورت سمجھا جاتا ہے، ایک عظیم عبادت ہے، جسے اللہ پسند فرماتا ہے، نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت ہے، جس پر عمل کی آپ ﷺ تاکید فرماتے ہیں، نصف دین کی تکمیل کا ذریعہ ہے، جس سے مؤمن کی ایک بڑی ذمہ داری کا ایک حصہ خود بخود پورا ہو جاتا ہے، پس مسلمانوں کے نزدیک نکاح ایک معاشرتی یا معاشی معاہدہ نہیں بلکہ وہ یہ عمل اجر و ثواب کی امید پر کرتے ہیں، اور اللہ انہیں ضرور اس کا اجر عطا فرمائے گا، صرف اس عمل کا ہی اجر نہیں بلکہ اس کام میں جو وقت صرف ہوتا ہے، جو دولت صرف ہوتی ہے، اس پر بھی یقیناً اجر ملے گا، علاوہ ازیں اس حکم کی تعمیل کے نتیجہ میں شوہر و بیوی پر جو ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں وہ ان کو پورا کرنے کے لئے محنت و مشقت کرتے ہیں، عورت بچہ جننے کی مشقت برداشت کرتی ہے، محنت سے اس کی پرورش کرتی ہے، مرد بیوی، بچوں کو حلال روزی فراہم کرنے، ان کی ضروریات پوری کرنے اور ان کی اچھی تعلیم و تربیت کے لئے دن رات محنت و مشقت کرتا ہے، زندگی بھر کے اس عمل پر یہ جوڑا بے شمار اجر و ثواب حاصل کرتا ہے۔

### فوائد نکاح

شریعت مطہرہ کا کوئی حکم دنیاوی و اخروی فوائد سے خالی نہیں، چاہے اس کا تعلق عبادات سے ہو یا معاملات سے، نکاح کے بھی بے شمار دنیاوی و اخروی فوائد ہیں، یہاں صرف چند فوائد عرض کئے جاتے ہیں۔

رشتہ زوجیت کی افادیت یا نکاح کا فائدہ قرآن کریم نے نہایت ہی پیارے انداز میں بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَعْتَكِرُونَ ۝

(الروم: ۲۱)

اور اس کی (قدرت کی) نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ اس نے پیدا فرمائیں تمہارے لئے تمہاری جنس

سے بیویاں تاکہ تم سکون حاصل کرو ان سے، اور پیدا فرمادے تمہارے درمیان محبت اور رحمت (کے

جذبات) بیشک اس میں بہت سی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو غور و فکر کرتے ہیں۔

آیت مبارکہ ۱۰ بار پڑھتے اور "لَسْكُنُوا إِلَيْهَا" کے جملہ پر خوب غور کیجئے، یہ نکاح کی افادیت کے لئے اہم

ترین جملہ ہے، جتنا آپ غور کریں گے اتنی ہی افادیت واضح ہوتی جائے گی۔

یہ جوڑا بندی، اللہ کی قدرت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے، انسان پر اللہ کا بڑا کرم ہے، یہ اس کی نعمتوں میں سے ایک عظیم نعمت ہے، کہ اس نے مرد کو بیوی اور عورت کو شوہر عطا فرمایا، ”لَتَسْكُنُوا إِلَيْهَا“، تاکہ ایک دوسرے کے لئے سکون و طمانیت مہیا ہو سکے، ”هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ“، یہ دونوں ایک دوسرے کے لئے لباس کی حیثیت رکھتے ہیں کہ جسم کو جو فوائد لباس سے حاصل ہوتے ہیں، وہی فوائد مرد و عورت کو ایک دوسرے سے حاصل ہوتے ہیں، لباس جسم کے لئے راحت و سکون کا ذریعہ ہے، تو یہ مرد و عورت بھی ایک دوسرے کے لئے راحت و سکون کا ذریعہ ہیں، ایسا سکون جو انہیں کسی بھی دوسرے ذریعہ سے میسر نہیں آ سکتا، سارے وسائل کے باوجود اگر جوڑا نہ ہو تو نہ مرد کو چھین نصیب ہوتا ہے نہ عورت کو، نظریں کسی کو تلاش ہی کرتی رہتی ہیں، دل و دماغ میں ایک عجیب انتشار رہتا ہے۔

زندگی اگرچہ چند روزہ ہے، لیکن نشیب و فراز، سچ و تاب والا پہاڑ ہے، جس میں مسافر کو کبھی منزل قریب نظر آتی ہے تو کبھی بہت دور، زندگی کے ان چند دنوں میں کبھی خوشیوں کی برکھا برستی ہے تو کبھی غموں کا اندھیرا چھا جاتا ہے، تنہائی خوشیوں کو ملیا میٹ کر دیتی ہے اور غموں کو پہاڑ بنا دیتی ہے، اس کیفیت کو ان لوگوں سے پوچھئے، جو معاشی مجبوری کے باعث اپنے وطن، اپنے اہل و عیال اور اعزاء سے دور کہیں تنہا زندگی کے طوفان کا مقابلہ کر رہے ہیں، ان سے پوچھئے کہ عید کیسی گزرتی ہے، ان سے پوچھئے کہ ذرا بھی سر میں درد ہوتا ہے تو کیا بیتی ہے لیکن پھر بھی ایک امید کی کرن سہارا دیئے رہتی ہے کہ ایک نہ ایک دن ضرور اس تنہائی سے نجات ملے گی، سوچئے اگر امید کی یہ کرن بھی نہ ہوتی اور ساری زندگی تنہا ہی بسر کرنا پڑتی تو ہماری کیا حالت ہوتی، یہ تو رب حقیقی نے کرم فرمایا کہ ہمارا جوڑا پیدا فرمادیا اور پھر قانون نکاح کے ذریعہ اس جوڑے کو ملا دیا، بنا دیا، مزید کرم یہ کہ ان کے درمیان بیگانگی کو ختم فرمایا، ”وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً“، نکاح ہوتے ہی وہ مرد دعوت ایسے یک جان دو قالب ہو گئے کہ ایک دوسرے کا لباس بن گئے، جبکہ چند لمحہ قبل یہ دونوں ایک دوسرے کے لئے غیر تھے، نہ جان تھی نہ پہچان، میرے آقا ﷺ نے ایسی کیفیت کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا، ”لَمْ تَرَ لِلْمُتَخَابِئِينَ مِثْلَ النِّكَاحِ“، نکاح کے ذریعہ جو محبت پیدا ہوتی ہے وہ تمہیں کسی رشتہ اور تعلق سے نہیں مل سکتی، یہ اللہ کی قدرت کی نشانی نہیں تو اور کیا ہے۔

جب انسان کو جوڑا مل جاتا ہے، تو اس کے لئے زندگی کا سفر سہل و آسان ہو جاتا ہے، اس کی خوشیاں دو بالابو جاتی ہیں اس کے غم معمولی ہو جاتے ہیں، اب زندگی کی گاڑی مکمل ہو جاتی ہے، اس کے دو پہیے ہو جاتے ہیں، اور یہ بامانی اپنی منزل کی طرف بڑھتی چلی جاتی کہ یہ جوڑا بنا ہی اس لئے، ”لَتَسْكُنُوا إِلَيْهَا“، تاکہ سکون میسر آ سکے تو سکون میسر آتا ہے، ذرا سوچئے تو سہی کہ ایک مرد رات کو پر سرت، آرام وہ نیند کے بعد جب صبح گھر سے رخصت ہونے لگتا ہے، تو اسے تیاری کے لئے تنہا بھاگ دوڑ نہیں کرنا پڑتی، اس کی نیک بیوی اس کی مدد کرتی ہے اور پھر وہ اپنے آرزو بھرے دل کی دعاؤں کے ساتھ اپنے سر تاج کو رخصت کرتی ہے، جس سے مرد کو ایک عجب سانسور حاصل ہوتا ہے، جس کا اثر اس پر گھر واپس ہونے تک رہتا ہے، اور جب یہ گھر واپس پہنچتا ہے تو بیوی مسکراہٹ کے ساتھ اس کا استقبال کرتی ہے، جس پر نظر پڑتے ہی اس کی سارے



دن کی کوفت، الجھن اور تکان یکسر دور ہو جاتی ہے۔

لیکن یہ سکون ایسی بیوی سے میسر آ سکتا ہے جو نیک ہو، شریف ہو، امین ہو، جسے اپنی ذمہ داریوں کا احساس ہو اور جو عورت، شوہر سے پہلے گھر سے نکل جائے اور شوہر کے بعد گھر میں داخل ہو، وہ کیا سکون فراہم کرے گی، اسی لئے میرے آقا ﷺ کا ارشاد ہے کہ ”دیندار عورت سے نکاح کرو“ یعنی نکاح کے لئے عورت کا انتخاب، اس کے حسن و جمال، مال و دولت یا اعلیٰ خاندان کی بناء پر نہ کرو، بلکہ وجہ انتخاب دینداری ہونی چاہئے، اس کے ساتھ دیگر خوبیاں بھی میسر آ جائیں تو سبحان اللہ، کہ دیندار عورت ہی سے مقصد نکاح، یعنی سکون میسر آ سکتا ہے، اس لئے نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام دیندار عورت کو دنیا کی بہترین نعمت قرار دیتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا، راوی ہیں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ:

الدُّنْيَا كُلُّهَا مَتَاعٌ وَخَيْرُ مَتَاعِ الدُّنْيَا الْمَرْأَةُ الصَّالِحَةُ

(مسلم شریف)

ساری دنیا ہی دولت ہے اور دنیا کی بہترین دولت، نیک بیوی ہے۔

اس نیک بیوی سے ہی نکاح کا پورا پورا فائدہ حاصل ہو سکتا ہے، یہی ذریعہ سکون بن سکتی ہے، یہی گھر کو جنت بنا سکتی ہے۔

آپ ابھی ایک حدیث پڑھ چکے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، ”لَمْ تَرِ لِلْمُتَحَاتِّينِ مِثْلَ النِّكَاحِ“، رشتہ نکاح میں منسلک ہونے والے جوڑے جیسی محبت تم کہیں نہ پاؤ گے، میرے آقا ﷺ کے اس ارشاد پر اچھی طرح غور کیجئے اور حالات سے اس کی تائید حاصل کیجئے، کیا ایسا نہیں، کہ نو جوان لڑکا اور لڑکی، جو ایک دوسرے کو جانتے تک نہیں، جنہوں نے قبل نکاح ایک دوسرے کو قریب سے نہ دیکھا نہ پہچانا، جب نکاح کے دو بول کے بعد ایک دوسرے سے ملتے ہیں تو وہ شبِ عروسی کی صبح ایک دوسرے کے کس قدر قریب نظر آتے ہیں، لڑکی جو اپنے ماں، باپ، بہن، بھائی کے بغیر ایک لمحہ زندہ نہیں رہ پاتی تھی، اب وہ ایک لمحہ کے لئے شوہر سے جدا نہیں ہونا چاہتی، اب اس کی محبت و الفت، سوچ و فکر کا مرکز صرف اور صرف یہی شخص ہے جو ایک رات قبل اس کے لئے غیر تھا، لڑکا، جو اب تک اپنے تمام وسائل کا مصرف صرف اپنے والدین، اپنے بہن بھائیوں ہی کو سمجھتا تھا، وہ اپنی محبت دولت، سب کچھ انہی پر نثار کرتا تھا لیکن نکاح کے بعد اچانک وہ بدل جاتا ہے، اس کی سوچ بدل جاتی ہے، اس کی محبت کا قبلہ تبدیل ہو جاتا ہے، اب اس کی ساری توجہ کا مرکز وہی عورت ہوتی ہے، جسے اس نے کبھی نہ دیکھا تھا نہ پہچانا تھا، مرد و عورت کی یہ تبدیلی بظاہر بڑی ہی حیرتناک ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اللہ مقلب القلوب جس مقصد کے لئے جو حکم دیتا ہے، اس مقصد کے پورا کرنے کے لئے اس حکم کی تعمیل کرنے والوں کے دلوں کو بھی پھیر دیتا ہے، نکاح کا مقصد نسل انسانی کی افزائش ہے، جس کے لئے جوڑا بنا، یہ جوڑا مقصد نکاح کی تکمیل اس وقت تک ہرگز نہ کر پاتا، جب تک اس کے درمیان محبت و الفت پیدا نہ ہوتی، پس اللہ یہ محبت و الفت پیدا کرتا ہے، تاکہ نکاح کا عظیم مقصد باسانی پورا ہو سکے اور اس جوڑے کی محبت بھری آغوش میں ایسے بچے پروان چڑھیں جو عملی میدان میں آنے کے بعد پورے معاشرے کو محبت و الفت کا پیغام دیں اور اس طرح ایک محبت بھرا، پرسکون، پر امن معاشرہ وجود میں آ سکے۔

نکاح کا فائدہ بیان کرتے ہوئے میرے آقا ﷺ کا ارشاد ہے، راوی ہیں، بخاری بروایت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، آپ ﷺ نے فرمایا، ”يَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ الْبَاءَةَ فَلْيُزَوِّجْ فَإِنَّهُ أَغْضُ لِلْبَصْرِ وَأَحْصَنُ لِلْفَرْجِ وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ فَإِنَّهُ لَهُ وَجَاءٌ“، اے جوانوں تم میں جو عورت رکھنے کی طاقت رکھتا ہو، اسے نکاح کرنا چاہئے کیونکہ یہ نظر کو جھکا تا ہے اور شرم گاہ کو محفوظ رکھتا ہے اور جو اس کی طاقت نہ رکھتا ہو، وہ روزے رکھے کیونکہ اس سے خواہش نفس مرتی ہے۔

مرد و عورت کے لئے ایک دوسرے کی ضرورت فطری اور جبلی ہے، نفس کی بھوک انسان کو ایسا ہی مجبور کر دیتی ہے۔ جیسے پیٹ کی بھوک، ایک فاقہ کش بھوکا جسمانی طور پر مضحمل ہو جاتا ہے، اور اتنا مجبور ہو جاتا ہے کہ اسے کسی اخلاقی و قانونی پابندی کا خیال نہیں رہتا، وہ اپنا پیٹ بھرنے کے لئے ہر کسی کے کھانے پر نظریں ڈالتا ہے، اس کو حاصل کرنے کے لئے چوری کرتا ہے، ذمیت کرتا ہے، کسی کی جان لینے تک سے گریز نہیں کرتا، بے چارہ مجبور ہے، کیا کرے، اے بھوک نے ساری پابندیوں سے آزاد ہونے پر مجبور کر دیا ہے، شہوت اور نفس کی خواہش اس سے بھی زیادہ آدمی کو متاثر کرتی ہے، اسے دماغی اور ذہنی طور پر مفلوج کر دیتی ہے، اس کیفیت سے شیطان بھی پورا پورا فائدہ اٹھاتا ہے ایسے شخص کی رگ و پے میں سرایت کر کے اس کی نفسانی خواہش کو مزید بھڑکاتا ہے، اور ایسا مرد غیر شعوری طور پر عورتوں کو اور ایسی عورت مردوں کو لالچائی ہوئی نظروں سے دیکھنے پر مجبور ہو جاتے ہیں، وہ ایسی ادائیں اختیار کرتے ہیں کہ کسی بھی طرح انہیں زنا، بدکاری کا موقع ہاتھ آ جائے اور ان کے نفس کی ہوس پوری ہو جائے، اس گناہ سے بچنے کا ذریعہ میرے آقا ﷺ نے نکاح کو قرار دیا، کہ اس سے غضب بصر اور تحفظ فرج حاصل ہوتا ہے کہ نکاح کے بعد شہوت کا وہ غلبہ ختم ہو جاتا ہے، جو گناہ کا راستہ اختیار کرنے پر مجبور کرتا ہے، ایک شادی شدہ شریف مرد و عورت کی نظر کسی غیر محرم پر نہیں اٹھتی اور نہ ہی انہیں کبھی بدکاری میں مبتلا ہونے کا خیال آتا ہے، وہ اپنی دنیا میں لگن ہو جاتے ہیں۔

لیکن نکاح کے بعد جو ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں، مثلاً حقوق زوجیت کی ادائیگی کی قوت، مرد کے لئے اہل و عیال کی ضروریات پوری کرنے کی ذمہ داری وغیرہ، اگر کسی میں ان ذمہ داریوں کو پورا کرنے کی صلاحیت و استطاعت نہ ہو تو ایسے شخص کو شہوانی قوت پر قابو پانے کے لئے میرے آقا ﷺ روزہ رکھنے کا علاج بتا رہے ہیں کیونکہ روزہ ذریعہ تقویٰ ہے، روزہ رکھنے والا دیگر عبادات کی پابندی بھی کرتا ہے، وہ نمازیں پڑھتا ہے، تلاوت کرتا ہے، نتیجہ اس پر اللہ کا خوف طاری رہتا ہے، پس روزہ اس کے لئے ”وَجَاءٌ“ ہو جاتا ہے کہ وہ بدکاری اور اس کے مبادیات سے محفوظ رہتا ہے۔

بہر حال نکاح کا ایک فائدہ یہ ہے کہ وہ ”أَغْضُ لِلْبَصْرِ“ اور ”أَحْصَنُ لِلْفَرْجِ“ ہے اور یہ نہایت ہی اہم فائدہ ہے کہ جس معاشرے کے افراد جنسی طور پر دیوانے اور پاگل ہو جاتے ہیں اس معاشرے میں کسی کی عزت و آبرو محفوظ نہیں رہتی، خاندانی رشتے ختم ہو جاتے ہیں، ادب و احترام یا بڑوں کی اطاعت کا کوئی تصور نہیں رہتا، کوئی کسی کے حقوق کو تسلیم نہیں کرتا، حرام کاری عام ہوتی ہے لہذا حرامی بچوں کی کثرت ہوتی ہے، جیسا کہ ہم مغربی تہذیب میں دیکھ رہے ہیں، اللہ اس

تہذیب سے محفوظ رکھے، جو انسان کو جانوروں سے بھی بدتر بنادے اور زندگی اجیڑن ہو جائے۔

نکاح کا ایک فائدہ یہ ہے کہ انسان پر جب بڑھاپے کا ضعف طاری ہو اور اسے سہارے اور کسی کی مدد درکار ہو، تو وہ کسی پر بوجھ نہ بنے، بلکہ اس کا سہارا اس کی وہ اولاد بنے، جو والدین کی خدمت ان پر احسان کے لئے نہیں بلکہ عبادت سمجھ کر کرے، اپنی نجات کے لئے کرے، وہ ماں، باپ کی خدمت کو اپنی دنیاوی زندگی میں رحمت و برکت کا ذریعہ یقین کرے اور آخرت میں اس پر اجر و ثواب کا یقین رکھے، یہی وجہ ہے کہ شریعت مطہرہ جس طرح نکاح کرنے، بچے پیدا کرنے، ان کی اچھی تربیت کرنے کا حکم دیتی ہے، اسی طرح نہایت تاکید کے ساتھ اولاد کو والدین کی خدمت کرنے، ان کا حکم ماننے، اور انہیں ہر طرح خوش رکھنے کی بھی تاکید کرتی ہے، گویا والدین پر ذمہ داری عائد کی گئی ہے کہ وہ نہایت توجہ، محنت و مشقت کے ساتھ معاشرے کو بہترین افراد مہیا کریں اور ان بہترین افراد یعنی اولاد پر ذمہ داری عائد کی گئی ہے کہ وہ اپنے ماں، باپ کی ساری زندگی ممنون رہیں، ان کے عظیم احسان کے بدلہ، ان کی خدمت کریں، ان کی ضروریات پوری کریں اور بعد موت انہیں نہایت اعزاز و احترام کے ساتھ رخصت کریں اور پھر بھی یہ نہ خیال کریں کہ والدین کا حق ادا ہو گیا بلکہ ان کے مرنے کے بعد ان کے ایصال ثواب کے لئے کچھ نہ کچھ کرتے رہیں، ان کے لئے دعائے مغفرت کرتے رہیں کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے بعد انسان پر سب سے زیادہ حق اس کے والدین ہی کا ہے، جو باوجود کوشش کے بھی ادا نہیں ہو پاتا، لہذا جب تک زندہ رہو، اس حق کو ادا کرتے رہو، والدین کے حقوق پر تفصیلی گفتگو، ہماری کتاب ”اچھا برتاؤ“ میں ہے، جس کا مطالعہ نوجوانوں کے لئے نہایت مفید ہے۔

یہ ایک قرآنی حقیقت ہے کہ بڑھاپا انسان کو ضرور کسی سہارے کا محتاج بنا دیتا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے، ”وَمَنْ نُعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ“ اور جسے ہم طویل عمر دیتے ہیں تو اس کی طبعی قوتوں کو کمزور کر دیتے ہیں، عمر کا ایک حصہ ایسا ضرور آتا ہے کہ انسان کا دل، دماغ، اعضاء، سب ہی کمزور ہو جاتے ہیں، اس کے لئے اپنی بات سمجھانا اور دوسروں کی بات سمجھنا، مشکل ہو جاتا ہے، اٹھنے، بیٹھنے، کھانے پینے ہر کام میں اسے دشواری ہوتی ہے، غیر مسلم اقوام میں ایسے بوڑھوں کے لئے، علیحدہ گھر بنادئے جاتے ہیں انہیں وہاں پہنچا دیا جاتا اور وہ لاچار و مجبور نرسوں اور ڈاکٹروں کے رحم و کرم کے بھکاری بن کر اپنی زندگی کے باقی دن گزار لیتے ہیں، لیکن اسلام اس احسان فراموشی کی اجازت نہیں دیتا، اس نے اولاد کے لئے والدین کی خدمت کو عبادت قرار دیا، اور اسے بوڑھے ماں باپ کا سہارا بنایا، اسلام کا یہ قانون بوڑھوں کے لئے رحمت بنا اور ان کی زندگی کے آخری دن ان کی نیک اولاد کے سہارے نہایت سکون و آرام کے ساتھ پورے ہوتے ہیں۔

یہ نکاح ہی کا فائدہ ہے کہ اس کے ذریعہ جو جوڑا وجود میں آیا، اس سے اولاد پیدا ہوئی اور اس جوڑے نے باہمی تعاون کے ساتھ اولاد کی اچھی تعلیم و تربیت کا اہتمام کیا جس کا صلہ انہیں بڑھاپے میں بھی ملا، اور مرنے کے بعد بھی، حضرت امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے، حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا ایک واقعہ بیان فرمایا کہ وہ ایک قبر کے پاس سے گزرے تو دیکھا کہ عذاب کے فرشتے میت کو عذاب دے رہے ہیں، اللہ کی پناہ مانگتے ہوئے آپ اپنی منزل کی طرف چل دیئے، واپسی پر اسی

قبر کے پاس آئے، تو ملاحظہ فرمایا کہ رحمت کے فرشتے اسی میت کے پاس نور کے طبق لئے بیٹھے ہیں، آپ کو حیرت ہوئی کہ جس پر عذاب ہو رہا تھا اب اسی پر کرم ہو رہا ہے آپ نے نماز پڑھی اور دعا کی کہ اے اللہ! مجھے اس راز سے آگاہ فرما دے، پس وحی نازل ہوئی کہ یہ صاحب قبر نہایت ہی گناہ گار، مستحق عذاب تھا، لہذا اس پر عذاب ہو رہا تھا لیکن جب یہ مرا تھا تو اس کی بیوی حاملہ تھی، اس نے ایک لڑکے کو جنم دیا، اس کی اچھی تربیت کی، آج اس کی ماں نے بچہ کو مدرسہ میں داخل کرایا، اور جب اس نے استاد کے سامنے بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھی تو مجھے حیا آئی کہ میں اس شخص کو زمین کے نیچے عذاب دوں، جس کا بچہ زمین کے اوپر میرا نام لے رہا ہے، پس میں نے ہمیشہ کے لئے اس کو عذاب سے نجات دی اور اپنی رحمت کے سایہ میں لے لیا۔

غرضیکہ نکاح اولاد کی صورت میں وہ سہارا مہیا کرتا ہے، جو دنیا میں بھی کام آتا ہے اور مرنے کے بعد بھی، بشرطیکہ اولاد صالح ہو، اسی لئے والدین کی سب سے بڑی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ اپنی اولاد کی اچھی تربیت کریں، اسے دیندار بنائیں، صالح بنائیں، تاکہ انہیں نکاح کا فائدہ حاصل ہو، اور اولاد ان کے بڑھاپے کا سہارا بنے، عذاب الہی سے نجات کا ذریعہ بنے۔

اے ایمان والو! اللہ نے اپنے فضل و کرم سے جن غیر شادی شدہ اور بے نکاح لوگوں کا تمہیں ولی بنایا ہے، تم جس قدر ممکن ہو جلد ان کا نکاح کرادو تاکہ وہ زندگی کی مسرتوں سے اچھی طرح لطف اندوز ہو سکیں، ان کے لئے قدرت کی طرف سے افزائش نسل انسانی میں حصہ لینا جو مقدر ہے وہ اسے حاصل کر سکیں، انسانی محبت و وفاداری ان کے لئے ذریعہ سکون بنے، شہوانی وساوس و تخیلات سے آزاد ہو کر وہ تقویٰ و پرہیزگاری کی زندگی بسر کر سکیں، بڑھاپا آنے سے پہلے ان کے سامنے بڑھاپے کا سہارا موجود ہو اور چین و اطمینان سے ان کی شب و روز گزریں، نیز ان کو ذخیرہ آخرت میسر آ سکے۔

### اختیار نکاح

”وَ اَنْكِحُوا“، اور نکاح کرادو، یہ ان لوگوں سے خطاب ہے، جو بے نکاح لوگوں کے ولی اور کفیل ہیں، گویا نکاح کرادینے کی ذمہ داری اولیاء کو سونپی جا رہی ہے، اس کا مطلب یہ نہیں کہ صرف اولیاء ہی کو نکاح کرادینے کا اختیار ہے کہ وہ جس کا جس سے چاہیں نکاح کرادیں اور نکاح کرنے والے کو کوئی اختیار ہی نہ ہو، بس وہ ولی کے فیصلہ کے پابند ہوں، چاہے اسے بخوشی قبول کریں، یا بکراہت، ایسا نہیں، بلکہ اولیاء کو جوڑا تلاش کرنے، ضروری تحقیق کے بعد منتخب کرنے کا حق دیا گیا ہے، اس انتخاب کو قبول کرنے یا مسترد کر دینے کا مکمل اختیار لڑکے یا لڑکی کو حاصل ہے، اسی لئے شرعاً نکاح اس وقت تک منعقد نہیں ہوتا جب تک لڑکی دو گواہوں کی موجودگی میں اجازت نہ دے اور لڑکا ان گواہوں کے سامنے لڑکی کو اپنی زوجیت میں قبول نہ کرے، اسی کو ایجاب و قبول کہا جاتا ہے، حتیٰ کہ اگر نابالغ لڑکے یا لڑکی کا نکاح ولی نے کر دیا، تو بالغ ہوتے ہی دونوں کو اس نکاح کے قائم رکھنے یا منقطع کر دینے کا حق حاصل ہے، اسی طرح بالغ لڑکے اور لڑکی کو بغیر ولی کی اجازت و مرضی کے نکاح کر لینے کا حق بھی حاصل ہے کہ شرط نکاح ایجاب و قبول، دو گواہ اور مہر ہے۔

بہر حال یہ مرد و عورت کا فطری حق ہے اور ہم بار بار عرض کر رہے ہیں کہ اسلام فطری تقاضوں کو ہرگز پامال نہیں کرتا، صرف ان کی تکمیل کے لئے قانون نافذ کرتا ہے، ولی کو نکاح کا اختیار صرف اس لئے دیا گیا کہ لڑکا اور لڑکی اپنا جوڑا منتخب

کرنے میں غلطی نہ کریں، کہ قبل نکاح مرد و عورت پر غلبہ شہوت ہوتا ہے جو یہ سوچنے کی مہلت نہیں دیتا کہ نکاح کوئی وقتی یا عارضی عمل نہیں، بلکہ یہ تو ساری زندگی کے لئے ایک اٹوٹ بندھن ہے، جس میں بندھنے سے پہلے تمام حالات کا جائزہ لینا اور نہایت غور و فکر کے بعد فیصلہ کرنا ضروری ہے، بالخصوص کنوارے، کم عمر نو جوان لڑکے اور لڑکیاں تو اس قسم کے غور و فکر کی کوئی صلاحیت ہی نہیں رکھتے نہ انہیں لوگوں کی عادات و اطوار پہچاننے کا کوئی تجربہ ہوتا اور نہ ہی وہ خاندانوں کے حالات کا کوئی علم رکھتے ہیں، وہ تو صرف ایک لفظ محبت ہی جانتے ہیں اور اسی کے نشہ میں مست ہو کر ساری زندگی کا سودا کر بیٹھتے ہیں، تجربہ شاید ہے کہ محبت کا یہ نشہ بہت رہتا ہے تو چند سال اس کے بعد نفرت کا دروازہ کھلتا ہے، ہر وقت بات بات پر گھر میں جھگڑے ہوتے ہیں، وہی ماں باپ، ولی، جن کی مرضی کے خلاف، یا جن کو خبر کئے بغیر یہ شادی ہوئی تھی، اب دونوں میں فیصلہ کراتے رہتے ہیں اور بالآخر وہ منحوس دن آ کر ہی رہتا ہے، جب طلاق کے تین لفظ اس جوڑے کی محبت کا انجام بنتے ہیں، دونوں خاندانوں کی رسوائی ہوتی ہے، اگر بچے ہیں تو وہ بے سہارا ہو جاتے ہیں، ماں، باپ کے زندہ ہونے کے باوجود یتیم ہو جاتے ہیں، بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ اس قسم کے بچوں کی تعلیم و تربیت صحیح ہو سکے کہ یہ ایک بیساکھی (ماں باپ) کے سہارے چلتے ہیں لہذا ساری زندگی لنگڑا تے ہی رہتے ہیں، پس ولی کا سہارا، بالخصوص کنوارے نو جوانوں کے لئے بڑا ہی اہم ہے، جو اپنے تجربہ سے، نہایت چھان بین اور پوری تحقیق کے بعد جوڑے کا انتخاب کرتا ہے، اسی لئے بزرگوں کے جوڑے ہوئے رشتے اکثر کامیاب ہوتے ہیں، ایسے جوڑے نہایت ہی پر مسرت اور پروقار، خاندانی زندگی بسر کرتے ہیں۔

ولی کو نکاح کی ذمہ داری سونپنے میں ایک مصلحت یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ اسلام حیاء و شرم کی تعلیم دیتا ہے، اور ہر حال میں مسلمان مرد و عورت پر حیاء کی چادر دوکھنا چاہتا ہے، اسی لئے معلم کامل ﷺ نے نہایت تاکید کے ساتھ مختلف انداز میں اس کی تعلیم دی، آپ ﷺ نے فرمایا، ”إِنَّ لِكُلِّ دِينٍ خُلُقًا وَخُلُقُ الْإِسْلَامِ الْحَيَاءُ“، ہر مذہب کی ایک خاص صفت ہوتی ہے اور اسلام کی صفت حیاء ہے، یعنی مسلمان کی پہچان حیاء ہے، یا یوں کہئے کہ مسلمان بے حیاء و بے شرم ہو ہی نہیں سکتا، جیسا کہ آپ ﷺ نے ایک صحابی کو دیکھا کہ وہ اپنے بھائی کو حیاء و شرم کی تلقین کر رہے تھے، آپ ﷺ نے فرمایا، ”دَعُهُ فَإِنَّ الْحَيَاءَ مِنَ الْإِيمَانِ“، اسے چھوڑ دو، حیاء تو ایمان کا جزو ہے، نیز آپ ﷺ فرماتے ہیں ”إِنَّ الْحَيَاءَ وَالْإِيمَانَ قُرْنَاءُ جَمِيعًا فَإِذَا رُفِعَ أَحَدُهُمَا رُفِعَ الْآخَرُ“، حیاء اور ایمان ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں، جب ان میں سے ایک کو اٹھایا جاتا ہے، تو دوسرے کو بھی اٹھالیا جاتا ہے، یعنی بے حیاء و بے غیرت مومن کا ایمان خطرے میں پڑ جاتا ہے، غرضیکہ اسلام میں حیاء کی بے حد اہمیت ہے، خصوصاً لڑکیوں کے لئے کہ لڑکی اور عورت کا اصل زیور، حیاء ہی ہے اس کا اصل حسن حیاء ہی ہے، نکاح کا حیاء سے تعلق واضح ہے، اس کے لئے کسی لڑکے کا لڑکی سے یا لڑکی کا لڑکے سے از خود بغیر کسی درمیانی واسطہ کے کہنا بڑی ہی بے شرمی ہے، بالخصوص کسی لڑکی کا اپنے آپ کو کسی لڑکے سے بیوی بنالینے کی پیش کش کرنا تو بڑی ہی بے شرمی ہے، غور فرمائیے، کہ حضرت ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے جب دل میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت محسوس کی اور آپ ﷺ سے نکاح کا فیصلہ کرایا، تو حیاء و شرم ہی کے سبب از خود پیش کش نہ کی، حالانکہ آپ عمر رسیدہ تھیں،

دوشوہروں سے بیوہ ہو چکی تھیں، پھر بھی آپ نے اپنی ایک سہیلی نفیسہ سے اپنی خواہش کا ذکر کیا، وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس پیغام لے کر حاضر ہوئیں، یہ حیاء و شرم کی ایک مثال ہے جو ہم غلاموں کے لئے یقیناً قابل تقلید ہے، حالانکہ اس وقت تک نہ خدیجہ ام المؤمنین تھیں اور نہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اعلان نبوت فرمایا تھا، جس سے پتہ چلتا ہے کہ عرب کے اس جہالت کے دور میں بھی شرفاء میں حیاء و شرم موجود تھی۔

نیز ولی کو نکاح کی ذمہ داری سونپنے میں ایک مصلحت یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ اسلام ہر موقع پر والدین اور دیگر بزرگوں کی برتری برقرار رکھنا چاہتا ہے اور ان کے حقوق کا محافظ ہے، والدین اپنی اولاد کی تعلیم و تربیت کے لئے کیا کچھ نہیں کرتے، ان کی خواہش ہوتی ہے اور ان کا یہ حق بھی بنتا ہے کہ اولاد کی زندگی کا ایک اہم باب ان کے ہاتھوں کھلے، پس انہیں یہ حق دیا گیا کہ وہ اپنے لڑکے یا لڑکی کے لئے خود جوڑا تلاش کریں اور ان کی رضا معلوم کر کے ان کی اجازت لے کر نکاح کے بندھن میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے باندھ دیں۔

### مغربی تہذیب کی بد تہذیبی

مغربی تہذیب کے دلدادہ حضرات کے لئے ہم یہ عرض کرتے چلیں کہ دیگر معاملات کی طرح شادی بیاہ کے معاملہ میں اس تہذیب کی بد تہذیبی کا یہ حال ہے کہ والدین یا بزرگوں کے تصور میں بھی یہ بات نہیں رہی ہے کہ ان پر اپنے بچوں کی شادی کرانے اور ان کے لئے جوڑا تلاش کرنے کی بھی ذمہ داری عائد ہوتی ہے، وہ صرف اپنے بچوں سے یہ پوچھ لیتے ہیں کہ تم شادی کب کر رہے ہو، اور انہیں اس سوال کا جواب اس وقت ملتا ہے جب لڑکا یا لڑکی ان کو اپنی شادی کا کارڈ دکھاتا ہے، بالکل اس طرح جیسے وہ اپنے دیگر اغزاء یا احباب کو دعوت دیتا ہے، یہ انتخاب اکثر کالجوں، دفاتروں یا کلبوں میں ہوتا ہے، نہ لڑکے کو لڑکی کے خاندان کا پتہ ہوتا ہے، نہ لڑکی کو لڑکے کے خاندان کا، تنہا دو فرد اپنی دنیا خود بناتے ہیں، اسی لئے یہ دنیا صرف چند دن کی ہوتی ہے، جس کے بعد دونوں ایک دوسرے سے جدا ہو جاتے ہیں اور پھر اپنا اپنا جوڑا تلاش کرنے میں مصروف ہو جاتے ہیں، آپ غور فرمائیے اسلام جو ایک مہذب مذہب ہے، اس بد تہذیبی کو کس طرح گوارا کر سکتا ہے، وہ نکاح کو ایک ایسا مضبوط رشتہ قرار دیتا ہے، جو ہمیشہ کے لئے ہو، کبھی نہ لوٹنے پائے اسی لئے وہ اس معاملہ کا ذمہ دار اولیاء کو قرار دیتا ہے، جو تجربہ کار ہوتے ہیں، جن میں چھان بین اور ضروری تحقیقات کی پوری صلاحیت ہوتی ہے، اسی لئے ان کے قائم کردہ رشتے کامیاب اور مستحکم ہوتے ہیں، نیز شوہر و بیوی کے درمیان جھگڑے کی صورت میں یہی خاندانی بزرگ مداخلت کرتے ہیں اور معاملات کو سلجھا دیتے ہیں، بہر حال شریعت اسلامیہ نے اولیاء کو اختیار نکاح دے کر شادی کرنے والوں پر بڑا احسان فرمایا، ایک بڑی ذمہ داری پوری کرنے کے لئے انہیں معاون و مددگار فراہم کیا، پس عافیت اسی میں ہے کہ مغربی تہذیب کی بد تہذیبی سے بچا جائے اور ہر معاملہ میں اپنے دین رحمت کے عطا کردہ احکام و قوانین کی پابندی کی جائے۔

آیامی

غیر شادی شدہ اور بے نکاح لوگوں کو کہا جاتا ہے، جس کی تین صورتیں ہیں، وہ غیر شادی شدہ نوجوان جن کا اب تک

نکاح ہوا ہی نہیں ہے، یعنی کنوارے لڑکے اور لڑکیاں، وہ بے نکاح مرد و عورت جن کا نکاح ہوا، لیکن طلاق واقع ہو گئی اور وہ پھر بے نکاح ہو گئے، وہ بے نکاح لوگ جنہیں موت نے تنہا کر دیا، شوہر یا بیوی کسی ایک کا انتقال ہو گیا، اسلام ان تمام لوگوں کی جلد شادی کر دینے کا حکم دیتا ہے، کنوارے لڑکے اور لڑکیوں کے لئے اگرچہ شریعت مطہرہ نے عمر کا کوئی تعین نہ کیا، تاہم تاکید کی کہ والدین کی ذمہ داری ہے کہ بچوں کے بالغ ہونے کے بعد جلد از جلد ان کی شادی کا اہتمام کریں تاکہ وہ کسی برائی کے راستے پر قدم اٹھانے سے قبل ہی تقویٰ و پرہیزگاری کی زندگی بسر کرنا شروع کر دیں اور معاشرہ اس آوارہ گردی سے محفوظ رہے، جو اکثر نوجوانوں کی بے راہ روی سے پیدا ہوتی ہے اور شریف لوگ اپنے بچوں بالخصوص لڑکیوں کی عزت و آبرو کی حفاظت کے لئے فکر مند رہتے ہیں، اسی طرح دوسرے بے نکاح مرد و عورت کا نکاح بھی جلد کر دینا چاہئے کیونکہ مرد و عورت کے ایک مرتبہ ملاپ کے بعد خواہش نفس مزید بڑھ جاتی ہے، جو لوگ اس رشتہ کے بعد تنہا ہو گئے ہیں، زیادہ امکان ہے، خطرہ ہے کہ وہ گناہ میں مبتلا ہو جائیں، اس لئے معاشرے میں ایسے لوگوں پر اعتماد کم ہو جاتا ہے، ایسے تنہا مرد و عورت کا اپنے گھر میں آنا جانا کوئی پسند نہیں کرتا، یہ لوگ اکثر لوگوں کی بدگمانیوں اور الزامات کا شکار ہوتے رہتے ہیں، اس صورت حال کا خاتمہ صرف اسی طرح ہو سکتا ہے کہ شریعت مطہرہ کے حکم پر عمل کیا جائے اور ان بے نکاح لوگوں کو جلد از جلد رشتہ ازدواج میں منسلک کر دیا جائے، بعض خاندانوں میں بیوہ یا مطلقہ کا دوسرا نکاح معیوب سمجھا جاتا ہے، اسے شرافت و حیاء کے خلاف سمجھا جاتا ہے، غالباً یہ خیال ہندوؤں کے عمل سے لیا گیا ہے جن کے یہاں عورت کو مرد کے ساتھ ہی سستی کر دیا جاتا تھا اور شاید اب تک ان کے یہاں عورت کو دوسری شادی کی اجازت نہیں، اسلام میں ایسی بیہودگی کی اجازت نہیں، شریعت کا تقاضا یہی ہے، حیاء و شرم یہی ہے کہ مرد کی طرح مطلقہ یا بیوہ کو بھی دوسری شادی کا پورا پورا حق دیا جائے، اس کو برا نہ سمجھا جائے، بلکہ ضروری اور اچھا سمجھ کر جلد از جلد یہ نیک کام انجام دیا جائے کہ یہی ”از سکی“ اور ”اظہر“ ہے، تقویٰ اور پرہیزگاری کا ذریعہ ہے، جیسا کہ قرآن کریم میں ہے:

وَ إِذَا طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَّغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَنْ يَنْدِخُنَّ أَرْوَاجَهُنَّ إِذَا تَرَاضُوا بَيْنَهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۚ ذَٰلِكَ يُوعَظُ بِهِ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ  
الْآخِرِ ۚ ذَٰلِكُمْ أَزْكَ لَكُمْ وَأَظْهَرُ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿۲۳۲﴾ (البقرہ: ۲۳۲)

اور جب تم طلاق دید و عورتوں کو پھر وہ پوری کر چکیں اپنی عدت تو نہ منع کرو انہیں کہ وہ نکاح کر لیں اپنے (تجویز کردہ) خاوندوں سے جبکہ رضامند ہو جائیں آپس میں مناسب طریقہ سے یہ نصیحت کی جاتی ہے، اس (فرمان الہی) کے ذریعہ اس کو جو تم میں سے یقین رکھتا ہے اللہ پر اور قیامت کے دن پر یہ بہت پاکیزہ ہے تمہارے لئے اور بہت صاف، اور اللہ جانتا ہے، اور تم نہیں جانتے۔

واضح ارشاد ہے کہ اہل ایمان کے لئے ”از سکی“ و ”اظہر“ یہی ہے، کہ مطلقہ عورتوں کو دوسرا نکاح کرنے سے نہ روکیں، یہی حکم بیوہ عورتوں کے لئے ہے، اسی سے معاشرہ بھی بہت سی برائیوں اور خرابیوں سے پاک و صاف ہو سکتا ہے۔

غلاموں اور باندیوں کا نکاح:- غلام اور باندی شرعاً مقام اور مرتبہ کے لحاظ سے اگرچہ آزاد مرد و عورت کی نسبت کم ہیں لیکن ان کے پیدائشی اور جبلی خصائل و جذبات بہر حال عام انسانوں جیسے ہی ہیں، ان میں عقل بھی ہے احساس بھی ہے، اچھے اور برے میں امتیاز کی صلاحیت بھی ہے، غمی اور خوشی کے جذبات بھی ہیں، پیٹ کی بھوک بھی ہے، نفس کی خواہش بھی ہے، اسلام ان کے تمام خصائل کا احترام کرتا ہے اور ان کے متعلق احکام دیتا ہے، ان کی عبادات کا ثواب عام انسانوں کی عبادت ہی کی طرح ہے، ان پر ظلم و ستم ایسا ہی جرم ہے جیسا عام انسانوں پر، جنہیں غلاموں اور باندیوں کا مالک بننے کا اعزاز دیا گیا، ان پر غلاموں اور باندیوں کے حقوق ادا کرنے کی ذمہ داری بھی عائد کی گئی، ان کی آزادی کو عبادت اور ذریعہ ثواب قرار دیا گیا تاکہ اس کمزور مخلوق کی تعداد میں اضافہ نہ ہونے پائے، ان کی خواہش نفس کی تکمیل کے لئے ان کے مالکوں کو ان کے نکاح کر دینے کا بھی حکم دیا گیا، ”وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَ إِمَائِكُمْ“ جو غلام اور باندیاں نکاح کی صلاحیت رکھتے ہوں، ان کو ان کا یہ فطری حق دو، اجازت بھی دو اور ان کے لئے مناسب جوڑے کا انتخاب بھی کرو کہ تمہارے مالک نے تمہیں ان کا مالک بنایا ہے، تو بحیثیت مالک تمہاری ذمہ داری ہے کہ اس نیک کام میں تم ان کے مددگار بنو، تاکہ نہ تو ان کی عزت نفس پامال ہو اور نہ ہی وہ غلبہ شہوت سے مجبور ہو کر بدکاری میں مبتلا ہونے پائیں۔

صلاحیت کا مفہوم یہ ہے کہ وہ جسمانی اور معاشی طور پر نکاح کی ذمہ داریاں پوری کرنے کے قابل ہوں، حقوق زوجیت ادا کر سکیں بیوی اور ہونے والے بچوں کی ضروریات کی کفالت کر سکیں، غلام و باندی کے نکاح کے بعد مالکوں پر یہ بھی ذمہ داری عائد ہوگی کہ وہ معاشی طور پر ان کی مدد کریں، اس طرح کہ یا تو وہ انہیں کسب معاش کی اجازت دیں اور یا خود انہیں ملازم کی حیثیت دے کر ان کے اخراجات پورے کریں، بہر حال مالکوں کو یہ اجازت نہیں کہ وہ غلام و باندی میں صلاحیت کے باوجود انہیں ان کے حق سے محروم کریں اور ان کے فطری تقاضا کو پامال کریں، یہ اس رب کا حکم ہے جس نے انہیں اپنے ان بندوں پر قدرت دی اور انہیں ان کی اجازت کا پابند بنایا۔

بخوف تنگدستی نکاح نہ کرنا

”أَنْ يَكُونُوا فُقَرَاءَ يُغْنِيَهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ“، آیت مبارکہ کے اس حصہ پر غور فرمائیے، جس کا مفہوم یہ ہے کہ والدین یا دیگر اولیاء، بے نکاحوں کا نکاح کرنے میں مال منول اور تاخیر اس بناء پر نہ کریں کہ وہ معاشی طور پر کمزور ہیں، شادی بیاہ کے اخراجات اور اس کے بعد اہل و عیال کی کفالت ان کے لئے دشوار ہوگی، یہ خیال نہایت ہی لغو اور بودہ ہے، کہ انسان نہ تو فراخی رزق پر قدرت رکھتا ہے اور نہ ہی غربت و تنگدستی خود پیدا کرتا ہے، قرآن نے بار بار اس حقیقت کو بیان فرمایا کہ، ”اللَّهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ“، اللہ ہی کشادہ روزی دیتا ہے، جسے چاہتا ہے اور تنگ روزی دیتا ہے جسے چاہتا ہے، کسب معاش کے لئے انسان محنت و مشقت کرنے کا ضرور مکلف ہے، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ اپنی صلاحیت اور قوت بازو سے جتنا چاہے کمالے، اگر ایسا ہو سکتا تو اس دنیا میں تلاش کے کوئی غریب نہ ملتا، لیکن ایسا نہیں اور نہ ہی ہو سکتا ہے کیونکہ حکمت باری تعالیٰ یہی ہے کہ کسی کو دولت مند بنا دیا جائے اور کسی کو غریب ”وَاللَّهُ فَضَّلَ بَعْضُكُمْ عَلَى بَعْضٍ فِي



الرَّزَقِ“، اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر دولت کے لحاظ سے برتر کیا ہے، کوئی زیادہ دولت مند ہے، کوئی کم، کوئی بالکل ہی غریب و محتاج، یہ کرمہ قدرت ہے، جس میں حکمت یہ ہے کہ دولت مند غریب کو دیکھ کر دولت کی قدر پہچانے، اللہ کی اس نعمت کے ملنے پر اللہ کا شکر ادا کرے اور غریب پر مہربان ہو، اس کی مدد کرے، نیز امیر و غریب سب اللہ کے دربار میں بھکاری بنے رہیں کہ اللہ کو بندوں کا مانگنا، ہاتھ پھیلانا بہت پسند ہے۔

جب بندہ اللہ پر توکل کر کے اپنی ذمہ داری پوری کرنے کے لئے آگے بڑھتا ہے تو رحیم و کریم رب اس کی ضرورت فرماتا ہے، کہ اس کا وعدہ ہے ”وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ“، جو اللہ پر بھروسہ کرتا ہے، اللہ اس کے لئے کافی ہو جاتا ہے، نکاح حکم الہی ہے، سنت رسول ﷺ ہے، اگر تم غربت و تنگدستی کے باوجود اس حکم کی تعمیل کرو گے، اس سنت پر عمل کرو گے، اس نیت سے کہ تم حکم نکاح کے مقصد کی تکمیل کا ذریعہ بنو، یعنی تمہارے ذریعے نسل انسانی کی افزائش ہو، اور حکم الہی کے مطابق تم اپنی خواہش نفس پوری کر سکو، تاکہ بدکاری کی راہ سے محفوظ رہو، تو اللہ تمہارا مددگار ہوگا، اس کا وعدہ ”يُغْنِيهِمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ“، وہ اپنے فضل و کرم سے رشتہ ازدواج میں منسلک جوڑے کی ضروریات کا غیب سے انتظام کر دے گا، میرے آقا ﷺ کا ارشاد ہے، ”مَنْ تَرَكَ التَّزْوِيجَ مَخَافَةَ الْعَيْلَةِ فَلَيْسَ مِنَّا“، جس نے تنگدستی کے خدشہ کی بناء پر شادی نہ کی وہ ہم میں سے نہیں، یعنی وہ اس طریقہ پر نہیں جو اہل ایمان کا ہونا چاہئے کہ مؤمن تو اللہ کے رزاق ہونے پر یقین کامل رکھتا ہے، اس کا تو یہ عقیدہ ہونا چاہئے کہ جو اللہ اسے کھانے کو دیتا ہے، وہی اس کی ہونے والی بیوی اور کچھ مدت بعد ہونے والے بچوں کو بھی دے گا۔

تنگدستی اور غربت کے بہانے نکاح میں تاخیر کرنے کی وباء ہمارے دور میں عام ہے، جس کی تین صورتیں ہوتی ہیں، ایک یہ کہ لڑکا اور لڑکی دونوں ہی اپنے جوڑے کے انتخاب کی بنیاد دولت کو بناتے ہیں، لڑکی والے دولت مند لڑکا تلاش کرتے رہتے ہیں اور لڑکے والے دولت مند خاندان کی لڑکی تلاش کرتے ہیں، تاکہ زیادہ سے زیادہ جہیز حاصل ہو سکے، دوسری یہ کہ شادی میں تاخیر محض اس لئے کی جاتی ہے کہ شادی کے غیر ضروری اور بے تنگے اخراجات کے لئے دولت نہیں ہوتی، تیسری یہ کہ لڑکا، لڑکی دونوں ہی یہ چاہتے ہیں کہ شادی سے قبل ہی ان کے پاس اتنی دولت ہو جائے کہ وہ یہ یقین کر سکیں کہ ساری زندگی انہیں تنگدستی سے واسطہ نہیں پڑے گا، آئیے مختصر جائزہ لیں، نکاح سے گریز کی ان تین صورتوں میں کتنی معقولیت ہے۔

### جوڑے کا انتخاب

اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ دولت آنے جانے والی چیز ہے، راتوں رات کسی کا دولت مند بن جانا اور آنا فنا کسی دولت مند کا دیوالیہ ہو جانا ایک عام بات ہے، جس کو ثابت کرنے کی ضرورت نہیں، زندگی میں صبح، شام، ہم ایسے واقعات دیکھتے سنتے رہتے ہیں، اس کے باوجود جوڑے کے انتخاب میں دولت کو بنیادی حیثیت دینا کس قدر نامعقولیت ہے، لڑکی والے اچھے، اچھے رشتے صرف اس لئے مسترد کر دیتے ہیں کہ لڑکے کی آمدنی معقول نہیں، جبکہ قرآن کریم کے ارشاد کے

مطابق مومن کو تو یہ یقین رکھنا چاہئے کہ ”اللَّهُ لَطِيفٌ بِعِبَادِهِ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ وَهُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيزُ“ اللہ اپنے بندوں پر بے حد مہربان ہے، جسے چاہتا ہے رزق دیتا ہے اور وہی قوت والا، زبردست ہے کیا عجب آج جو غریب ہے، کل اسے اللہ کے سایہ لطف و کرم میں پناہ مل جائے اور اس پر رزق کے دروازے کھول دیئے جائیں، اسی لئے میرے آقا ﷺ فرماتے ہیں، راوی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں:

إِذَا خَطَبَ إِلَيْكُمْ مَنْ تَرْضَوْنَ دِينَهُ وَخُلُقَهُ فَرَوْحُوهُ إِنْ لَا تَفْعَلُوهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي

الْأَرْضِ وَفَسَادٌ عَرِضٌ ❁

جب کوئی ایسا شخص تمہیں نکاح کا پیغام دے، جس کے دین اور اخلاق سے تم مطمئن ہو تو (اپنی لڑکی کا)

اس سے نکاح کر دو، اگر ایسا نہ کرو گے تو زمین میں فتنہ برپا ہوگا اور لمبا چوڑا فساد ہوگا۔ (ترمذی شریف)

یعنی جب کسی لڑکے کا پیغام نکاح آئے تو اس کی مذہبی اور دینی حیثیت کو دیکھا جائے، اخلاق و عادات کو دیکھا جائے، مال و دولت کو نہیں، اگر لڑکا مسلمان ہے، دیندار ہے، اچھے اخلاق و عادات سے مزین ہے تو یہ بڑی نعمت ہے، اس کے بعد کوئی چیز ایسی نہیں جس کو تلاش کیا جائے، بس فوراً اپنی چیمٹی بیٹی کی شادی طے کر دو، اگر تم نے ایسا نہ کیا اور دولت کے چکر میں پڑے رہے اور یہ وبا عام ہو گئی تو جوان لڑکیاں گھروں میں بیٹھی رہیں گی، زندگی کے شب و روز، ان کے حسن و جمال کے لئے خزاں بن جائیں گے اور ظاہر ہے کہ جب غیر شادی شدہ مردوں اور عورتوں کی کثرت ہوگی تو معاشرے میں طرح طرح کے جرائم جنم لیں گے، برائیاں بدکاریاں بڑھتی ہی چلی جائیں گی۔

اگر آپ موجودہ حالات پر نظر ڈالیں تو میرے آقا ﷺ کے اس ارشاد کے عین مطابق پائیں گے، غیر شادی شدہ عورتوں میں دن بدن اضافہ ہو رہا ہے، صرف اس لئے کہ انہیں اپنے معیار کا جوڑا نہیں ملتا، اور ان کا معیار یہ ہے کہ ہونے والے شوہر کے پاس دولت ہو، گاڑی ہو، بنگلہ ہو، اس معیار کا جوڑا نہیں ملتا، لہذا وہ بیٹھی ہوئی ہیں نہیں بیٹھی نہیں ہیں، مصروف رہنے کے لئے، دل بہلانے کے لئے، یا اپنا پیٹ پالنے کے لئے نوکری کرتی ہیں، کاروبار کرتی ہیں، وہ تمام ذمہ داریاں سنبھالے ہوئے ہیں جو ان کا شوہر پوری کرتا ہے، ظاہر ہے یہ فرشتہ نہیں، نفس کی خواہش اور بھوک سے آزاد نہیں، جس کے لئے جو کچھ کیا جاتا ہے، ہمارے معاشرے کا فساد اس کے ثبوت کے لئے کافی ہے، آج ہمارے معاشرے میں فتنہ و فساد کی آگ بھڑکی ہوئی ہے اور اس کو بھڑکانے والے وہی نوجوان ہیں، جو عائلی زندگی سے آزاد ہیں، جن کی شادی صرف اس وجہ سے نہ ہو سکی کہ وہ غریب ہیں، یا بے روزگار، جب وہ اس ذمہ دارانہ زندگی سے آزاد رہے، جو صرف شادی کے بعد ہی شروع ہوتی ہے، تو انہوں نے آوارگی کی راہ اختیار کر لی اور پورے معاشرے کو ایک طوفان میں مبتلا کر دیا، لہذا اگر آپ کے پاس جوان بیٹی ہے، تو جو نبی اس کا پیغام آئے تو آپ لڑکے کی دینداری، اس کے اخلاق و عادات کی خوب چھان بین کریں اور جب آپ اس میں یہ خوبیاں پائیں تو دوسری کوئی چیز نہ دیکھیں، فوراً رشتہ قبول کر لیں کہ جب لڑکا دیندار ہے اور آپ کی بیٹی بھی نیک و دیندار ہے تو اللہ ضرور ان پر مہربان ہوگا، ”يُغْنِيهِمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ“ اپنے فضل و کرم سے ان کی ضروریات پوری فرمائے گا، شادی

کے بعد آپ اس دیندار جوڑے کو پرسکون زندگی بسر کرتے دیکھیں گے، یہ آپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کا سرور بنے گا کہ ان کے چہروں پر آپ کو نور نظر آئے گا، ان کے گھر میں آپ کو محبت والفت کا سکون ملے گا، صبر و قناعت ان کی دولت ہوگی۔

ذرا غور فرمائیے کہ شہنشاہ کائنات ﷺ کی لاڈلی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے بلند مرتبہ کس کی بیٹی ہو سکتی ہے، سیدۃ نساء اہل الجنة ہیں، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں اپنے جسم مبارک کا ٹکڑا قرار دیا اگر آپ ﷺ چاہتے تو کچھ انتظار کے بعد کسی دولت مند سے ان کا رشتہ کر دیتے، کیا کمی تھی ان کے لئے رشتوں کی لیکن آپ ﷺ نے ان کے لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پسند فرمایا، صرف اس بناء پر کہ ان کی دینداری میں کوئی شک و شبہ نہ تھا، وہ حسن اخلاق کا پیکر تھے، دولت مند نہ تھے، حتیٰ کہ شادی کے بنیادی اخراجات کے لئے بھی ان کے پاس کچھ نہ تھا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے رشتہ طے کرنے کے بعد ان سے پوچھا، کہ کیا تمہارے پاس مہر ادا کرنے کے لئے کچھ ہے؟ آپ نے جواب دیا، یا رسول اللہ ﷺ! میری کل کائنات میرا ایک گھوڑا اور ایک زرہ ہے، جو سامان جہاد ہے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، زرہ فروخت کر دو، گھوڑا رکھ لو، کہ اس کے بغیر جہاد دشوار ہوگا، حضرت علی نے زرہ فروخت کی، جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے غالباً حضرت علی کے تعاون کی نیت سے چار سو اسی درہم میں خرید لی، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ پیسے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں پیش کر دیئے، جن سے آپ ﷺ نے کچھ خوشبو وغیرہ منگائی اور مہر ادا کیا، چند ماہ بعد رخصتی ہوئی تو حضرت علی نے حارثہ بن نعمان رضی اللہ عنہ کا ایک چھوٹا سا مکان کرایہ پر لیا اور کائنات کے آقا ﷺ کی بیٹی، جنتی عورتوں کی سردار، اس گھر میں منتقل ہو گئیں۔

بہر حال لڑکیوں کو یا ان کے والدین یا اولیاء کو چاہئے کہ وہ متقی، پرہیزگار اور بااخلاق مرد کو منتخب کریں اور اس کو اپنی بچی کا سرتاج بنادیں، اسی میں عافیت ہے، اسی میں خیریت ہے اور یہی بے شمار الجھنوں سے محفوظ رہنے کا ذریعہ ہے۔

اسی طرح لڑکوں کے لئے لڑکی تلاش کرنے والوں کو بھی چاہئے کہ وہ صرف دولت مند اور اونچے گھروں کے دروازے نہ کھٹکھٹائیں، بلکہ ان گھروں میں جائیں، جہاں دینداری ہو، تقویٰ و پرہیزگاری کے نور سے چمکتی دکھتی بچی تلاش کریں، جس کا میک اپ دنیا والوں کی آنکھیں خیرہ کر دے اور جس پر حوریں بھی رشک کریں کہ میرے آقا ﷺ بیوی کے انتخاب کی بنیاد دین کو قرار دیتے ہیں، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، آپ نے فرمایا:

تُنْكَحُ الْمَرْأَةُ لِأَرْبَعٍ لِمَا لَهَا وَلِحَسَبِهَا وَلِجَمَالِهَا وَلِدِينِهَا فَاظْفَرْ بِذَاتِ الدِّينِ

تربت یداک \*

عورتوں کے ساتھ نکاح چار وجہ سے کیا جاتا ہے، اس کے مال، اس کے حسب و نسب، اس کے حسن و جمال، اور اس کے دین کی وجہ سے، تیرے ہاتھ خاک آلود ہوں، تو دین والی کو ترجیح دے۔

(بخاری و مسلم)

نگاہ رسالت ﷺ میں مال، حسب و نسب اور حسن و جمال کی کوئی حیثیت نہیں کہ یہ سب عارضی اور وقتی چیزیں

ہیں، ہاں دین ایسی نعمت ہے جو دنیا میں عزت و راحت اور سکون و طمانیت کا ذریعہ اور آخرت کے لئے بہترین توشہ و ذخیرہ ہے، پس عقل مندی یہ ہے کہ بیوی کے انتخاب کی بنیاد دین کو بنایا جائے، ایسی عورت تلاش کی جائے، جو خود دیندار ہو، اپنے بچوں کو دیندار بنا سکے، ایسی عورت جس گھر میں آجائے وہ گھر جنت بن جاتا ہے، یہ ایک ایسی شمع ہوتی ہے جس سے صرف گھر ہی روشن نہیں ہوتا، بلکہ اس کی شعاعیں پورے معاشرے کی چمک میں اضافہ کرتی ہیں، دیندار عورت ہی مرد کو حقیقی سکون فراہم کر سکتی ہے، ایسی ہی صالحہ بیوی کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ”خَيْرُ مَتَاعِ الدُّنْيَا“، دنیا کی بہترین دولت قرار دیا ہے۔

جہیز کی تلاش

ہندوؤں کے جو رسم و رواج، ہمارے شادی بیاہ کا جز بن گئے ہیں، ان میں سب سے بڑی لعنت جہیز کی ہے، جس نے لڑکیوں اور ان کے والدین کی زندگی کو اجیرن بنا رکھا ہے، ایسی لڑکیوں کو کوئی قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتا، جن کے ساتھ بھاری جہیز ملنے کی توقع نہیں ہوتی، لڑکی والے خود بھی اپنی بیٹی کو بغیر جہیز کے رخصت کرنے پر تیار نہیں ہوتے، اس خوف سے کہ ساری زندگی لڑکی کو جہیز نہ لانے کا طعنہ ملتا رہے گا اور وہ اپنی سسرال والوں بالخصوص ساس، نندوں اور دیگر عورتوں کی نظروں میں ہمیشہ حقیر رہے گی، حقیقت یہ ہے کہ یہ لعنت اس قدر عروج پر پہنچ چکی ہے کہ لوگ اپنے لڑکے کے لئے لڑکی تلاش کرنے نہیں بلکہ جہیز تلاش کرنے نکلتے ہیں، وہ پہلے ہی سے آس لگائے بیٹھے ہوتے ہیں کہ بہو اتنا جہیز لائے گی کہ ہمارا گھر بھر جائے گا اور اب تو باقاعدہ جہیز کا مطالبہ ہونے لگا ہے، فرمائشیں ہوتی ہیں، مثلاً اس طرح کہ اپنی بیٹی کو آپ گاڑی ضرور دیں تاکہ اسے آپ کے گھر آنے جانے میں دشواری نہ ہو، اس کے علاوہ ایئر کنڈیشنڈ اور دوسرا ضروری سامان تو آپ دیں گے ہی، کتنا مہذب طریقہ ہے، بھیک مانگنے کا، شرم نہیں آتی۔

ہمارے ایک شناسا نے نہایت خوبصورت بنگہ بنایا، افتتاح یافتہ وغیرہ کے لئے ہمیں لے گئے، ہم نے گھر میں برسوں پرانا فرنیچر دیکھا تو کہہ دیا کہ اب تو آپ فرنیچر بھی اچھا خرید لیں، جو اس گھر جیسا خوبصورت ہو، فرمانے لگے، اصل میں فرنیچر اور دوسرا کچھ سامان میں نے اس لئے نہیں خریدا ہے کہ میرے دو بیٹے ہیں جن کی اب میں جلد شادی کروں گا، جہیز اتنا آئے گا کہ یہ گھر بھر جائے گا اور میں لڑکی والوں کو بتا دوں گا کہ میرے گھر کی حیثیت کے مطابق سامان دیں۔

غور فرمایا یہ ہیں وہ لالچی لوگ جن کی وجہ سے ہماری بیٹیوں کے لئے رشتہ ملنا دشوار ہو گیا ہے، ایسے ہی لوگوں کی وجہ سے لڑکی والے ساری زندگی کے لئے قرضہ میں جکڑ جاتے ہیں اور کسی نہ کسی طرح اپنی لڑکی کی ذمہ داری سے تو سبکدوش ہو جاتے ہیں، لیکن ان کی اپنی زندگی تباہ ہو جاتی ہے، بس ساری عمر قرضہ ادا کرنے میں گزر جاتی ہے۔

دوستو! اگر نکاح کے شرعی طریقہ پر آپ غور کریں تو اس سے زیادہ کم خرچ اور سستا کوئی کام نہیں، صرف مہر ادا کرنے کے لئے حسب استطاعت رقم درکار ہے، وہ بھی اگر معجل ہے تو بیوی کے مطالبہ پر ادا کرنا ہوگا اور اگر مؤجل ہے تو طلاق یا بیوی کی موت کی صورت میں ادا کرنا ہوگا، فوری ادائیگی لازمی نہیں، پھر عورت کو اپنا مہر معاف کر دینے کا بھی اختیار ہے، لہذا اگر وہ اپنے شوہر سے مطمئن ہے تو معاف کر سکتی ہے، وہ بھی ادا نہ کرنا ہوگا، رہائز کے کاؤلیم تو وہ بھی سنت ہے، اگر استطاعت ہو تو کر

دیا جائے ورنہ لازمی نہیں، نیز ولیمہ پر تکلف اور اقسام، اقسام کے کھانوں سے ہی کرنا ضروری نہیں، شہنشاہ کائنات ﷺ نے خود اپنا ولیمہ کئی مرتبہ صرف ستوا اور کھجوروں سے کر کے ہمارے لئے اسے بھی سستا کر دیا کہ یہ صرف اظہار مسرت اور اللہ کے شکر کا ذریعہ ہے، جو حسب استطاعت، سادہ سے سادہ کھانے یا شربت وغیرہ سے بھی کیا جاسکتا ہے، علاوہ ازیں دولہا، دولہن تحائف کا تبادلہ بھی کر سکتے ہیں کہ یہ اظہار محبت کا ایک ذریعہ ہے، نیز اس سے محبت میں اضافہ ہوتا ہے، جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے، ”تَهَادُّوْا تَحَابُّوْا“، ایک دوسرے کو تحفہ دیا کرو کہ اس سے محبت پیدا ہوتی ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ تحفہ قیمتی ہو، ہار یا پھولوں کا بھی تبادلہ کر لیا جائے تو مقصد حاصل ہو جاتا ہے، رہا مسئلہ جہیز کا تو یہ شرعاً ہرگز ممنوع نہیں بلکہ سنت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو جہیز دیا، جس کا مقصد صرف یہ ہے کہ لڑکی کو آسانی ہو، گھر کا نہایت ضروری اور بنیادی سامان نئے گھر میں منتقل ہوتے ہی خریدنا نہ پڑے، اس میں عیش و عشرت کا سامان شامل نہیں، نیز جو کچھ دیا جائے وہ حسب استطاعت ہو، قرض لے کر نہیں، زیر بار ہو کر نہیں، سرکار کائنات ﷺ اگر چاہتے تو کیا کچھ اپنی بیٹی کو نہیں دے سکتے تھے لیکن جو دیا وہ یہ تھا، ایک لحاف، چمڑے کا تکیہ، جس میں کھجور کے درخت کی چھال بھری ہوئی تھی، دو چکیاں، مشک، دو گھوڑے، جو موجود تھا وہ دیدیا حالانکہ ذرا اشارہ فرماتے تو ابوبکر و عثمان رضی اللہ عنہما، جیسے جاں نثار موجود تھے، آقا کی بیٹی کا گھر بھر دیتے، لیکن آپ ﷺ نے ایسا نہ کیا صرف اس لئے کہ قیامت تک کوئی امتی مانگ مانگ کر قرض لے کر ایسا نہ کرے۔

بہر حال لڑکی والے جو کچھ چاہیں اپنی بیٹی کو دیں لیکن استطاعت کے مطابق، قرض نہ لیں، زیر بار نہ ہوں، اور لڑکے والے اللہ کا خوف کریں، دولت کے لالچ میں مبتلا نہ ہوں، نیک اور دیندار لڑکی تلاش کریں، جہیز کی تلاش میں مارے مارے نہ پھریں، نکاح کے شرعی و مقدس عمل کو حصول دولت کا ذریعہ نہ بنائیں۔

### پہلے دولت پھر شادی

یہ تصور بھی نہایت احمقانہ اور غیر شرعی ہے کہ جب تک دولت کا ڈھیر جمع نہ ہو جائے، شادی نہ کی جائے، اچھی ملازمت ہو جائے، معقول کاروبار ہو جائے، گاڑی مکان سب کچھ ہو جائے، حتیٰ کہ اتنا بینک بیلنس بھی ہو جائے کہ ہونے والے بچوں کی اعلیٰ تعلیم کا بآسانی انتظام ہو سکے، کیوں نہیں سوچتے کہ اگر یہ سب کچھ مل بھی گیا اور شادی کے بعد سب کچھ برباد ہو گیا تو کیا ہوگا کہ دینے والا رب جیسے دینے پر قادر ہے اسی طرح آنا فانا سب کچھ لے لینے پر بھی قادر ہے، ہاں یہ اسباب کی دنیا ہے، اس کا تقاضا یہ ہے کہ کچھ نہ کچھ مستقبل کے تحفظ کا انتظام کیا جائے، تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں کہ شادی سے قبل اتنا انتظام کر لیا جائے کہ نکاح کے بنیادی اور مستقبل میں گھر کے ضروری اخراجات برداشت کرنا مشکل نہ ہوں، لیکن اس دوران نفس پر قابو رکھنا اور برائی سے بچے رہنا، مؤمن کی نہایت اہم ذمہ داری ہے، جیسا کہ ارشاد فرمایا گیا:

وَلَيْسْتَغْفِرَ الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ نِكَاحًا حَتَّىٰ يُغْنِيَهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ ۗ

اور چاہئے پاکدامن بنے رہیں وہ لوگ جو نہیں پاتے شادی کرنے کی (مالی) قدرت یہاں تک کہ غنی کر

دے اللہ انہیں اپنے فضل سے۔

اللہ بڑا ہی فضل والا ہے، ”يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ“، جسے چاہتا ہے بغیر حساب رزق دیتا ہے، پس دولت کا ڈھیر جمع کرنے کی فکر میں اپنے نفس پر ظلم کرنا گناہ کے دلدل میں پھسنے کا خطرہ مول لینا اور نکاح جیسے سکون بخش عمل سے گریز کرنا، کہاں کی عقلمندی ہے، ذرا غور کرو، سوچو۔

وَكَايْنٍ مِّنْ دَآبِّهِ لَا تَحْمِلُ رِزْقَهَا ۗ اللَّهُ يَرْزُقُهَا وَإِيَّاكُمْ ۖ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ①

(عنکبوت: ۶۰)

کتنے ہی زمین پر چلنے والے ہیں جو اٹھائے نہیں پھرتے اپنا رزق اللہ رزق دیتا ہے انہیں بھی اور تمہیں بھی اور وہ سب باتیں سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔

وہ جانور جنہیں ہم پالتے اور ان سے فائدہ حاصل کرتے ہیں، ان کے رزق کا تو بظاہر ہم وسیلہ ہیں، لیکن اس زمین پر کتنے ہی جانور ایسے بھی تو ہیں، جن کا کوئی وارث نہیں، کوئی انہیں روٹی کا ٹکڑا تک نہیں ڈالتا، کیونکہ وہ بظاہر ہمارے فائدے کے نہیں، یا وہ ہماری رسائی سے دور، وادیوں، گھاٹیوں، پہاڑیوں اور غاروں میں رہتے ہیں، بظاہر ان کے رزق کا کوئی اہتمام نہیں، لیکن ان میں سے کوئی بھوکا نہیں مرتا کہ رزاق حقیقی ان تک ضرور رزق پہنچاتا ہے، پس جو ایسے جانوروں کو اپنے فضل سے رزق مہیا کرتا ہے، وہ انسان کو جو اشرف المخلوقات ہے، نیز اس کائنات میں اللہ کی محبوب ترین مخلوق ہے، جس کے لئے اللہ نے یہ ساری کائنات پیدا فرمائی، کیسے بھوکا مرنے دے گا، جبکہ اے انسان! تجھ پر تو تیرے رب کا بڑا ہی فضل ہے، ”صَوَّرَكُمْ فَأَحْسَنَ صُوَرَكُمْ وَرَزَقَكُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ“، تیرے خالق نے تجھے بنایا اور خوب حسین و جمیل بنایا اور پاکیزہ رزق عطا فرمایا۔

میرے آقا ﷺ کا ارشاد ہے، ”مَنْ تَرَكَ التَّزْوِيجَ مَخَافَةَ الْعَيْلَةِ فَلَيْسَ مِنَّا“، جس نے تنگی و محتاجی کے خوف سے شادی نہ کی وہ ہم میں سے نہیں ہے، یہ خوف کہ شادی ہوگئی، تو اخراجات کیسے پورے ہوں گے کس قدر بھیاں تک انجام کا ذریعہ بن سکتا ہے، کہ جس کے دامن رحمت میں ہم پناہ گزین تھے وہی آقا ﷺ ہمیں اپنے قافلہ سے خارج قرار دے رہے ہیں، اگر ہم اپنی بد عملی سے اس قافلہ کے نشانات سے محروم ہو گئے تو پھر ہمیں کہاں پناہ نصیب ہوگی، پس ذریعہ نجات و راحت یہی ہے کہ ہم اپنے قائد و آقا ﷺ کے اس ارشاد پر عمل کریں کہ ”مَنْ كَانَ ذَا طَوْلٍ فَلْيَتَزَوَّجْ“، جو صاحب استطاعت ہو وہ شادی کرے، یعنی جب بنیادی ضروریات پوری کرنے کی استطاعت ہو جائے، پس نکاح کر ڈالو، جوں جوں اخراجات بڑھتے جائیں گے، رزاق حقیقی اپنے فضل و کرم سے رزق کی فراخی بھی کرتا رہے گا کہ ہر کسی کا رزق اسی سے وابستہ ہے، جو شخص تنہا ہے، اسے اس کا رزق ملتا ہے، جب بیوی آتی ہے تو وہ اپنا رزق اپنے ساتھ لاتی ہے، ہر بچہ اپنا رزق اپنے ساتھ لاتا ہے، یہ نظام قدرت ہے کہ چند افراد کا رزق ایک فرد کے سپرد کر دیا جاتا ہے، کوئی اپنے حصہ سے کسی کو کچھ نہیں دیتا ہے، وہی دیتا ہے، جو اس کے پاس کسی کی امانت ہوتی ہے، یہ اس کی غلط فہمی ہے، کہ وہ اسے اپنا سمجھ لیتا ہے، اور کسی کو دے کر

اس پر احسان جتاتا ہے، جبکہ اہل تقویٰ کا طریقہ یہ ہے کہ وہ دے کر اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ ان کے پاس جو امانت تھی وہ حقدار تک پہنچ گئی نیز اللہ نے انہیں یہ اعزاز بخشا کہ کسی کو ان کے ہاتھ سے دلوایا۔

میرے آقا ﷺ کا ارشاد ہے کہ تین قسم کے لوگوں کی مدد اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ کرم پر لے لی ہے، ایک وہ نکاح کرنے والا جس کی غرض پاکدامن ہونا ہو، یعنی اس لئے نکاح کرے کہ بدکاری اور اس کے مبادیات سے محفوظ رہے، دوسرا وہ مکاتب، جو زرمکاتب تبت ادا کرنے کا ارادہ رکھتا ہو، اس کی تفصیل ہم آگے پیش کرتے ہیں، تیسرا وہ جو اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا ہو، کہ اگر مجاہد کے پاس پورا سامان جنگ بھی نہ ہو تب بھی اللہ اس کی مدد فرماتا ہے۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے، ”أَطِيعُوا اللَّهَ فِيمَا أَمَرَكُمْ بِهِ مِنَ النِّكَاحِ يَنْجُزْ لَكُمْ مَا وَعَدَكُمْ مِنَ الْغِنَى“، اللہ کے حکم نکاح کی تعمیل کرو، وہ تمہیں غنی کرنے کا وعدہ پورا فرمائے گا، یعنی اللہ تعالیٰ تم پر رزق فراخ کر دے گا۔

بہر حال مومن کو زیب نہیں دیتا کہ وہ اللہ کے کسی حکم کی تعمیل بالخصوص نکاح جیسے عمل خیر میں تاخیر کرے یا اس سے فرار اختیار کرے، صرف تنگدستی اور محتاجی کے خوف سے، جبکہ تنگدستی اور محتاجی اللہ و رسول ﷺ کے احکام کی تعمیل سے نہیں ہوتی، بلکہ ان سے گریز اختیار کرنے سے ہوتی ہے، اللہ سمجھنے کی صلاحیت عطا فرمائے۔

### مکاتب کی امداد

مکاتب اس غلام کو اور مکاتبہ اس لونڈی کو کہا جاتا ہے، جنہیں مالک ایک معینہ رقم ادا کر دینے کے بعد آزاد ہو جانے کی اجازت دیدے، چاہے وہ اجازت غلام و باندی کی درخواست پر دی جائے یا مالک از خود اس کی پیشکش کرے۔

اللہ رب العزت جل مجدہ اہل ایمان کو ہدایت فرماتا ہے کہ جب تمہارا کوئی غلام یا لونڈی تم سے معاہدہ مکاتبہ کرنا چاہے، یعنی کچھ رقم دے کر آزاد ہونے کی درخواست پیش کرے، تو تم اس کی درخواست قبول کر لو، اس سے معاہدہ کر لو اور اسے مکاتب بنالو، ہاں یہ اطمینان ضرور کر لو کہ وہ اپنا معاہدہ پورا کر سکیں گے یا نہیں نیز، آزاد ہو جانے کے بعد یہ مسلمانوں کو کسی پریشانی میں مبتلا کر دینے کا ذریعہ تو نہیں بنیں گے، اس اطمینان کے بعد انہیں موقع دو کہ محنت و مشقت کر کے پیسہ کمائیں اور معینہ رقم مقررہ مدت میں ادا کر دیں۔

اس کے بعد مالکوں اور عام مسلمانوں کو ہدایت کی جا رہی ہے کہ آزادی کے لئے کوشاں غلام یا باندی کی تم سب مل کر مدد کرو، مالک تو اس طرح مدد کریں، کہ اپنی خدمت لینا کم کر دیں تاکہ وہ زیادہ وقت پیسہ کمائے پر صرف کر سکیں، نیز جس رقم کا معاہدہ ہوا، بہتر ہے کہ اس کا کچھ حصہ بھی معاف کر دیں اور عام مسلمان اس طرح مدد کریں کہ مکاتب یا مکاتبہ کو جو رقم ادا کرنا ہے، وہ سب یا اس کا کچھ حصہ آپس میں جمع کریں اور ان کو غلامی سے نجات دلادیں، جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیات ظاہرہ میں ہوا کرتا تھا۔

حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا نے حاضر ہو کر بتایا کہ

میرے مالکوں نے مجھے اس شرط پر مکاتبہ کر دیا ہے کہ میں نو سال میں انہیں نو اوقیہ (ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے) ادا کر دوں، آپ میری کچھ مدد فرمادیں تاکہ میں آزاد ہو سکوں حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے حضرت بریرہ کے مالکوں سے ضروری گفتگو کے بعد سب رقم یکمشت ادا کر کے انہیں آزاد کرایا۔ (مسلم شریف)

حضرت سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کا واقعہ تو نہایت مشہور ہے کہ مشرف باسلام ہونے کے بعد آپ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مرضی کے مطابق اپنے یہودی مالک سے معاہدہ مکاتبہ کیا چونکہ یہودی فطرتاً نہایت لالچی اور خبیث الطبع ہوتے ہیں، لہذا اس یہودی نے اس سخت شرط پر آپ کو مکاتبہ کیا کہ آپ اس کی زمین پر تین سو کھجور کے پودے لگائیں گے اور چالیس اوقیہ سونا ادا کریں گے، آپ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ! تین سو کھجور کے درخت لگانے، اور چالیس اوقیہ سونا جمع کرنے کے لئے تو مدت درکار ہے، جبکہ میں بوڑھا ہو چکا ہوں (آپ کی عمر شریف تقریباً دو سو برس کی تھی) نبی رحمت ﷺ نے آپ کو مطمئن کیا، صحابہ کرام سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا، اپنے بھائی کی مدد کرو، کھجور کے تین سو پودے جمع کرو، آقا ﷺ کے حکم کی تعمیل ہوئی، پودے جمع ہو گئے، تو آپ ﷺ نے حکم دیا، انہیں لگانے کے لئے، سلمان کے مالک کی زمین میں گڑھے کھودو اور مجھے آکر بتاؤ، چند ہی دن میں گڑھوں کی کھدائی مکمل ہوئی اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اطلاع دی گئی، آپ ﷺ خود تشریف لائے گئے، ایک پودا اپنے دست اقدس سے لگا کر آپ ﷺ نے اس کام کا آغاز کیا، شجرکاری کا یہ بڑا کام شام ہونے سے قبل ختم ہو گیا، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ خود راوی ہیں، کہ ان پودوں میں سے کوئی پودہ نہ جلا نہ مرجھایا، اور دوسری ہی صبح، جب میں نے جا کر دیکھا تو پودے جوان ہو چکے تھے، درختوں پر کھجوریں لٹک رہی تھیں، پورا باغ سرسبز و شاداب تھا، (یہ معجزہ تھا میرے آقا ﷺ کا) اب مسئلہ چالیس اوقیہ سونے کا باقی تھا کہ ایک شخص حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار میں حاضر ہوا اور اس نے آپ ﷺ کی خدمت میں مرغی کے انڈے کے برابر سونا پیش کیا، آپ ﷺ نے مجھے طلب فرما کر سونا دیا، اور فرمایا جاؤ، اپنے مالک کو دیدو، تمہارا کام پورا ہوا، میں عرض گزار ہوا یا رسول اللہ ﷺ! یہ تو بہت کم ہے، آپ ﷺ نے مسکراتے ہوئے فرمایا، اللہ تمہاری ضرورت پوری کرے گا، تم جاؤ، میں مالک کے پاس پہنچا، اس نے سونا کا وزن کیا، تو پورا چالیس اوقیہ تھا، نہ کم نہ زیادہ اور میں آزاد ہو گیا۔

ہم عرض کر چکے ہیں کہ اسلام نے اگرچہ غلامی کو باقی رکھا ہے، جس میں بے شمار حکمتیں اور مصلحتیں ہیں، لیکن غلاموں کے حقوق کا تحفظ فرمایا نیز ان کی آزادی کے لئے کئی دروازے کھول دیے ہیں، تاکہ ایک غلام ساری زندگی غلام نہ بنا رہے اور غلاموں کا طبقہ دن بدن کم ہوتا چلا جائے، مکاتبہ کی صورت بھی غلاموں کی آزادی کا ایک دروازہ ہے، جس سے ہزاروں غلام اور باندیاں آزاد ہوتے رہے ہیں۔

عورتوں کی جسم فروشی

ہر دور میں عیاش مردوں نے عورتوں کو کھلونا بنایا، حتیٰ کہ ان کے جسم فروشی کے کاروبار کو فروغ دے کر ان سے دولت



کمانے کا بھی ایک گھناؤنا طریقہ نکالا، عرب میں یہ طریقہ عام تھا کہ جوان و حسین عورتوں کے جسم کی نمائش کی جاتی، اور ایک وقت مقررہ کے لئے عیاش لوگوں سے ان کا سودا کر لیا جاتا تھا، جو اپنی شہوانی ہوس پوری کرنے کے بعد طے شدہ رقم ادا کرتے، یہ ظلم بالخصوص باندیوں پر زیادہ ہوتا تھا، باقاعدہ فحشہ خانے قائم تھے، جن میں یہ باندیاں عیاشوں کو شراب پلاتیں اور پیسے لے کر اپنے مالکوں کے حکم کے مطابق اپنا جسم عیاشوں کو پیش کر دیتی تھیں، لونڈیوں پر جبر کیا جاتا تھا، کہ وہ جسم فروشی کریں اور دولت کما کر مالکوں کو دیں۔

اسلام دین رحمت ہے، اس میں ایسے گھناؤنے عمل کی گنجائش کیسے ہو سکتی ہے، وہ تو انسان کو باعزت اور پاکیزہ زندگی فراہم کرنا چاہتا ہے، جب شراب، جوئے وغیرہ سے نجات دلا دی گئی تو اس کھلم کھلا زنا کاری کے بازار کو کس طرح کھلا رکھا جاسکتا تھا۔ پس اہل ایمان کو ہدایت دی گئی، ”وَلَا تُكْرِهُوا أَفْعِيَّتَكُمْ عَلَى الْبَغَاءِ“، اپنی باندیوں کو بدکاری پر مجبور نہ کرو تا کہ وہ تمہیں دولت کما کر دیں، اس حکم نے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے عورتوں کی جسم فروشی کا سلسلہ ختم کر دیا، اور بحمد اللہ آج بھی اگرچہ مسلمان دین سے دور ہیں، لیکن کسی مسلم معاشرے یا کسی مسلم ملک میں یہ کاروبار باقاعدہ موجود نہیں، جبکہ یورپ و امریکہ میں آج بھی اس کاروبار کو قانونی حیثیت حاصل ہے اور باقاعدہ اس کے بازار موجود ہیں، دوکانیں کھلی ہوئی ہیں، جن میں سچی عورتیں اپنے کردہ بھٹکنے والے بد معاشوں کو دعوت گناہ دیتی رہتی ہیں یہی نہیں بلکہ ٹیلی ویژن کے ذریعہ یہ خود ہر گھر میں اپنا پیغام دیتی ہیں، فون نمبر بتا کر کہتی ہیں کہ ”آپ ہمیں ابھی بلا سکتے ہیں“ العیاذ باللہ۔

اے ایمان والو! ان احکام الہی کو پڑھو، ان پر عمل کرو اور شکر ادا کرو کہ رب کریم نے تمہارے لئے اپنے احکام نازل فرمائے، تمہاری عبت کے لئے پچھلے لوگوں کے حالات بیان کئے، طرح طرح کی تمہیں نصیحت فرمائی تاکہ تم پاکیزہ زندگی اختیار کرو، اقوام عالم میں تم باعزت اور باوقار بن سکو، تمہارے گھروں میں، تمہارے معاشرے میں، سکون ہو، اطمینان ہو، ہر ایک کی عزت و آبرو اور جان و مال کو تحفظ حاصل ہو، حصول معاش میں سہولت اور برکت ہو۔

”اے اللہ! ہمیں اس دین رحمت و اپنانے اور اس کے احکام پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرما، آمین“

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی خَيْرِ خَلْقِهِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِهِ وَاصْحَابِهِ الْجَمْعِيْنَ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ



## مقالہ ۲۰

### النور: ۵۸ تا ۶۱

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِيَسْتَأْذِنُكُمُ الَّذِينَ مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ وَالَّذِينَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ مِنْ قَبْلِ صَلَاةِ الْفَجْرِ وَحِينَ تَضَعُونَ ثِيَابَكُمْ مِنَ الظَّهِيرَةِ وَمِنْ بَعْدِ صَلَاةِ الْعِشَاءِ ثَلَاثُ عَوَّلَاتٍ لَكُمْ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌ بَعْدَ هُنَّ طَوْفُونَ عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلَى بَعْضٍ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝ وَإِذَا بَدَأْتُمُ الْأَطْفَالَ مِنْكُمْ الْحُلَةَ فَلْيَسْتَأْذِنُوا كَمَا اسْتَأْذَنَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝ وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَاءِ الَّتِي لَا يَرْجُونَ نِكَاحًا فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ أَنْ يَضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ غَيْرَ مُتَبَرِّجَاتٍ بِزِينَةٍ وَأَنْ يَسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَهُنَّ ۝ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝ لَيْسَ عَلَى الْأَعْمَى حَرَجٌ وَلَا عَلَى الْمَرِيضِ حَرَجٌ وَلَا عَلَى الْأَنْفُسِ أَنْ تَأْكُلُوا مِنْ بُيُوتِكُمْ أَوْ

بُيُوتِ آبَائِكُمْ أَوْ بُيُوتِ أُمَّهَاتِكُمْ أَوْ بُيُوتِ إِخْوَانِكُمْ أَوْ بُيُوتِ أَخَوَاتِكُمْ أَوْ بُيُوتِ  
 أَعْمَامِكُمْ أَوْ بُيُوتِ عَمَّاتِكُمْ أَوْ بُيُوتِ أَخَوَالِكُمْ أَوْ بُيُوتِ خَالَاتِكُمْ أَوْ مَا مَلَكَتْكُمْ  
 مَفَاتِحُهُ أَوْ صَدِيقِكُمْ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَأْكُلُوا جَمِيعًا أَوْ أَشْتَاتًا فَإِذَا  
 دَخَلْتُمْ بُيُوتًا فَسَلِّمُوا عَلَى أَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةٌ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ مُبَارَكَةٌ طَيِّبَةٌ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ  
 اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿٥٨-٦١﴾

اے ایمان والو! اجازت طلب کیا کریں تم سے (گھروں میں داخل ہوتے وقت) تمہارے غلام اور وہ  
 (لڑکے) جو ابھی جوانی کی عمر کو نہیں پہنچے، تم میں سے تین مرتبہ نماز فجر سے پہلے، اور جب تم اپنے  
 کپڑے اتارتے ہو، دوپہر کو اور نماز عشاء کے بعد یہ تین پردے کے وقت ہیں تمہارے لئے، نہ تم پر  
 اور نہ ان پر کوئی حرج ہے ان اوقات کے بعد بکثرت آنا جانا رہتا ہے تمہارا، ایک دوسرے کے پاس  
 یوں، صاف صاف بیان کرتا ہے اللہ تمہارے لئے (اپنے) احکام اور اللہ علیم و حکیم ہے، اور جب پہنچ  
 جائیں تمہارے بچے، حد بلوغ کو تو وہ بھی اذن طلب کیا کریں، جس طرح اذن طلب کرتے ہیں وہ  
 (جن کا ذکر) پہلے ہوا، یوں صاف صاف بیان فرماتا ہے، اللہ تمہارے لئے احکام اور اللہ علیم و حکیم ہے،  
 اور بوڑھی خانہ نشیں عورتیں، جنہیں آرزو نہ ہو نکاح کی تو ان پر کوئی گناہ نہیں، اگر وہ رکھ دیں اپنے بالائی  
 کپڑے بشرطیکہ وہ اپنی آرائش کو ظاہر کرنے والی نہ ہوں، اور ان کا اس سے بھی اجتناب کرنا ان کے  
 لئے بہتر ہے، اور اللہ سب کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے نہ اندھے پر کوئی حرج ہے، اور نہ  
 لنگڑے پر کوئی حرج ہے، اور نہ بیمار پر کوئی حرج ہے اور نہ تم پر، اس بات میں کہ تم کھاؤ اپنے گھروں  
 سے یا اپنے باپ دادا کے گھروں سے، یا اپنی ماؤں کے گھروں سے، یا اپنے بھائیوں کے گھروں سے، یا  
 اپنی بہنوں کے گھروں سے، یا اپنے چچاؤں کے گھروں سے، یا اپنی پھوپھیوں کے گھروں سے، یا اپنے  
 ماموؤں کے گھروں سے، یا اپنی خالاؤں کے گھروں سے، یا ان گھروں سے جن کی کنجیوں کے تم مالک  
 ہو، یا اپنے دوست کے گھر سے، نہیں ہے تم پر کوئی حرج اگر تم کھاؤ سب مل کر، یا الگ الگ، پھر جب تم  
 داخل ہو گھروں میں، تو سلامتی کی دعا دو، اپنوں کو وہ دعا جو اللہ کی طرف سے مقرر ہے، جو بڑی بابرکت  
 اور پاکیزہ ہے یونہی کھول کر بیان کرتا ہے، اللہ تمہارے لئے اپنے احکام کو تاکہ تم سمجھ لو۔

### اصلاح معاشرہ

شرعی احکام کے بنیادی مقاصد میں سے ایک اہم مقصد اصلاح معاشرہ ہے جس کے بغیر نہ معاش و معاشرت میں  
 اعتدال پیدا ہو سکتا ہے اور نہ ہی انسان کو بے خوف و خطر اور پرسکون شب و روز میسر آ سکتے ہیں، اسی لئے اسلام نے ان تمام  
 مبادیات پر پابندی لگائی ہے، جو معاشرے کے فساد اور خرابی کا پیش خیمہ اور سبب بنتے ہیں، استیذان، عورتوں کے لئے پردہ

اور ان کی زیب و زینت کی نمائش پر پابندی کا مقصد یہی ہے، جیسا کہ آپ گزشتہ صفحات پر تفصیل سے پڑھ آئے ہیں، اس مقصد کی اہمیت اور اس کی تاکید کا اندازہ، اب آپ ان ہدایات سے کیجئے، جو مندرجہ بالا آیات میں دی جا رہی ہیں۔

بچوں کے لئے اجازت طلب کرنا:- آپ پڑھ چکے ہیں کہ گھر میں داخل ہونے کے لئے، ہر مرد و عورت کو اجازت طلب کرنے کا پابند کیا گیا ہے، چاہے وہ اپنا ہو یا غیر ہو، محرم ہوں یا نا محرم ہوں، بعض پر یہ پابندی واجب ہے اور بعض کے لئے اس پر عمل مستحب و افضل ہے، لیکن اب تک ہمیں یہ معلوم نہ ہو سکا تھا کہ اس سلسلے میں بچوں کے متعلق کیا حکم ہے، آیا ان پر بھی یہ پابندی ہے، یا وہ بلا اجازت گھروں میں داخل ہو سکتے ہیں۔

بچے چونکہ مکلف نہیں، اسی لئے قرآن کریم ان کو خطاب نہیں فرماتا، تاہم والدین کے لئے بچوں کی تربیت کے احکام دیئے گئے ہیں تاکہ بچے مکلف ہونے کی عمر سے پہلے ہی احکام شرع کو جان لیں اور ان کے پابند ہو جائیں، یہاں بھی یہی انداز اختیار کرتے ہوئے، اہل ایمان کو ہدایت کی جا رہی ہے کہ تم اپنے بچوں کو بھی یہ تربیت دو کہ وہ اپنے گھروں میں یا کسی دوسرے کے گھر میں داخل ہونے سے قبل اجازت مانگا کریں، تاکہ وہ ابھی سے استیذان کے شرعی حکم کے عادی ہو جائیں، اور مکلف ہو جانے کے بعد انہیں یہ بتانے کی ضرورت پیش نہ آئے، کہ ”گھر میں داخل ہونے کے لئے اجازت لینا ضروری ہے“ کیونکہ اسلام یہ چاہتا ہے کہ مسلم معاشرے میں پروان چڑھنے والے بچے، قبل از وقت ہی نماز، روزہ اور دیگر شرعی احکام ضرورت کے مطابق جان لیں تاکہ بالغ ہونے کے بعد، ان کا کوئی لمحہ، لاعلمی کی بناء پر، شریعت کے خلاف نہ گزرے، مثلاً بچوں کو سات سال کی عمر سے ہی نماز کا عادی بنایا جائے تاکہ بلوغ کے بعد ان کی کوئی نماز قضا نہ ہونے پائے، اسی طرح دیگر احکام کی پابندی کے لئے پہلے ہی سے انہیں تربیت دے دینا چاہئے اور احکام شروع کی پابندی کو ان کی فطرت اور عادت بنا دینا چاہئے، بالکل اسی طرح جس طرح وہ کھانے، پینے اور دیگر دنیاوی امور کے عادی ہوتے ہیں، پس اہل ایمان کو ہدایت دی جاتی ہے کہ وہ اپنے بچوں کو یہ تربیت بھی دیں کہ وہ جب باہر سے گھر میں آئیں یا گھر میں ہوتے ہوئے اپنے ماں، باپ، یا بہن، بھائی کے کمرے میں داخل ہونا چاہئیں تو پہلے اجازت طلب کیا کریں لیکن بچوں پر یہ پابندی محدود اوقات کے لئے عائد کی جائے، بڑوں کی طرح ہر وقت کے لئے نہیں، بس صرف تین وقتوں کے لئے، نماز فجر سے قبل دوپہر اور بعد عشاء، یہ تین وقت نہایت ہی خلوت طلب ہوتے ہیں، بس ان اوقات میں بچوں کو اجازت طلب کرنے کا پابند بنایا جائے۔

### تین وقتوں کی پابندی

اللہ اکبر، اگر آپ قرآن کریم کے انداز بیان پر غور کریں، اس کے عطا کردہ اصول زندگی میں سہولتوں اور حکمتوں کو جاننے کی کوشش کریں تو یقین جانئے کہ آپ کو اپنے دین کی جامعیت اور کمال پر ناز ہونے لگے گا اور اپنے مؤمن ہونے پر آپ خود بخود فخر کرنے لگیں گے، دنیاوی تہذیب اسلام کی عطا کردہ تہذیب کے سامنے آپ کو بد تہذیبی نظر آنے لگی گی، دوستو! جو لوگ غیروں کی تہذیب کے دلدادہ ہیں، وہ درحقیقت اسلامی تہذیب سے واقف ہی نہیں، ورنہ ہرگز وہ کسی کے نقال نہ بنتے، کسی سے زندگی بسر کرنے کے اصولوں کی بھیک نہ مانگتے کہ الحمد للہ میری تہذیب، مجھے ایک پرسکون، باوقار اور اعلیٰ

زندگی فراہم کرتی ہے اور وہ سب کچھ سکھاتی ہے، جس کی انسان کو، انسان بننے کے لئے ضرورت ہو سکتی ہے۔

غور فرمائیے، بچوں کو اجازت طلب کرنے کی تربیت دینے کی ہدایت کی جارہی، لیکن صرف تین وقتوں کے لئے، کیونکہ انہیں کسی دشواری میں مبتلا کرنا مقصود نہیں، بلکہ صرف اس حکم شرع سے متعارف کرانا مقصود ہے، جس کی انہیں بالغ ہونے کے بعد پابندی کرنا ہے، اس مقصد کے لئے صرف تین اوقات ہی کافی ہیں، یہ اوقات کوئی بھی ہو سکتے تھے، لیکن ایسے اوقات کا تعین کیا گیا، جن میں عموماً بڑوں کو خلوت کی ضرورت ہوتی ہے، ان اوقات میں بچوں کو استیذان کا پابند بنائیے، تاکہ آپ کی خلوت میں خلل واقع نہ ہو، اور بچوں کی تربیت کا مقصد بھی پورا ہو جائے، اس کے علاوہ بچے آتے جاتے رہیں، کوئی مضائقہ نہیں کہ ”طَوَّافُونَ عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلَى بَعْضٍ“، کہ تم ہر وقت ایک دوسرے کے پاس آتے جاتے رہتے ہو، اس سے زیادہ پابندی تو بہت دشوار ہو جائے گی، اور تمہارا دین تمہارے لئے کوئی دشواری پیدا نہیں کرنا چاہتا۔

بچوں کے لئے اجازت کی تربیت کا ایک فائدہ تو وہی ہے جو ہم عرض کر چکے ہیں، کہ وہ اس استیذان کے عادی ہو جائیں، جس کی پابندی انہیں بالغ ہونے کے بعد کرنا ہے، دوسرا فائدہ یہ ہے کہ اس سے ان میں ادب و احترام اور ایک نظم پیدا ہوتا ہے، تیسرے یہ کہ انہیں اس سے حیاء و شرم کی تربیت حاصل ہوتی ہے، جو اصلاح معاشرہ کے لئے نہایت ہی اہم ہے اسی لئے شریعت مطہرہ نے اس کو ہر موقع پر ملحوظ رکھا ہے، ذرا آپ غور تو فرمائیے کہ خلوت کے ان اوقات میں شریعت مطہرہ، آپ کے بچوں کے لئے یہ گوارہ نہیں کرتی کہ وہ آپ کو کم لباس میں دیکھیں یا اس حالت میں دیکھیں جو صرف تنہائی کے ساتھ مخصوص ہے تو پھر کس طرح اس بات کی اجازت دی جاسکتی ہے کہ بڑے چھوٹے سب گھروں میں ننگے رہیں، گلیوں میں ننگے ناچیں، یا سونمگ پولز میں ننگے نہائیں کہ اسی سے تو بے حیائی اور بے شرمی کا آغاز ہوتا ہے اور ادب و احترام کی حدیں پامال ہوتی ہیں، یاد رکھیے جب ستر پوشی ختم ہوتی ہے، تو ادب و احترام خود بخود رخصت ہو جاتا ہے اور جس گھریا معاشرے میں شرم و حیاء اور ادب و احترام نہ رہا، اس تہذیب کا جنازہ نکل چکا ہے اور کسی بھی غیر مہذب معاشرے میں کسی کی بھی عزت و آبرو محفوظ نہیں رہتی، پس اسلام بچوں کو مکلف ہونے سے پہلے ہی ان کو نظم کا عادی بنانا چاہتا ہے، مہذب بنانا چاہتا ہے، تاکہ معاشرے کی تہذیب محفوظ رہے۔

بوڑھیوں کے لئے رعایت

گزشتہ صفحات پر پردے کے احکام، ان کی اہمیت اور فوائد تفصیل سے بیان کئے جا چکے ہیں، آیت زیر گفتگو میں پردے سے متعلق ہی، بوڑھی عورتوں کے لئے ایک خصوصی رعایت کا ذکر کیا جا رہا ہے، ایسی عورتوں کے لئے قواعد کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، یعنی وہ عورتیں جو ”وَمَنْ نُعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ“ کا مظہر بن چکی ہوں، اتنی عمر رسیدہ ہو چکی ہوں کہ ان کے ایام حیض ختم ہو گئے ہوں، ان کے اعضاء کمزور ہو چکے ہوں، ان کے چہرے پر بڑھاپے کے آثار نمایاں ہوں، مردوں کے لئے ان میں کوئی کشش نہ رہی ہو، نہ ہی ان میں جذبہ شہوت باقی رہا ہو، ایسی عورتوں کے لئے رعایت ہے کہ وہ اپنا برقعہ، اپنی چادر اتار سکتی ہیں، یعنی پردے کی ان کے لئے وہ سختی نہیں جو جوان عمر عورتوں کے لئے ہے، جس کی تفصیل گزر چکی ہے لیکن

شرط یہ ہے کہ یہ بوڑھیاں، جوان عورتوں کی طرح نہ رہتی ہوں، انہیں اپنی زیب و زینت کے مظاہرے کا اشتیاق نہ ہو، ان کے لئے مناسب یہی ہے کہ وہ سادگی اور پاکیزگی اختیار کریں تاکہ ہر کوئی انہیں ماں کی نظر سے دیکھے، ان کا احترام کرے، کسی کے دل میں ان کے لئے کوئی برا خیال تک نہ آنے پائے، یہ رعایت صرف پردے سے متعلق ہے، دیگر احکام مثلاً سفر، استیذان وغیرہ سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

### بے تکلفی کی اجازت

انسان کا آپس میں بے تکلف ہونا، ایک فطری تقاضا ہے، بہن بھائیوں، احباب اور پڑوسیوں کے درمیان عام طور پر بے تکلفی ہو جاتی ہے، اسلام بھی اس کی اجازت دیتا ہے لیکن جیسا کہ ہم عرض کر چکے ہیں کہ اسلام ہر فطری تقاضے کی تکمیل کے لئے طریقہ کار کا تعین کرتا ہے، اصول اور ضابطے مقرر کرتا ہے، اگر بے تکلفی کی حد کا کوئی تعین نہ کیا جائے، تو یہ بے تکلفی بیہودگی کی صورت اختیار کر لیتی ہے، جیسا کہ شرعی احکام کی پرواہ نہ کرنے والے لوگوں میں ہوتا رہتا ہے، مثلاً پڑوسی آپس میں اس قدر بے تکلف ہو جاتے ہیں کہ مرد و عورت تنہائی میں ملنے جلنے لگتے ہیں، اور اس بے تکلفی کو مصنوعی رشتوں کا نام دے لیتے ہیں، کوئی کسی کو بہن بنا لیتا ہے، کوئی کسی کو بھائی بنا لیتی ہے، جبکہ شریعت میں ایسے رشتوں کی کوئی حقیقت نہیں، اس بے ضابطہ اور غیر محدود، بے تکلفی کا انجام، محبت کے نفرت میں تبدیل ہو جانے، دوستی کے دشمنی میں تبدیل ہو جانے کی صورت میں سامنے آتا ہے۔

بے تکلفی کی ابتداء کھانے، پینے سے ہوتی ہے، لہذا قرآن کریم اسی کو بیان فرماتا ہے، کہ جب اس کا تعین ہوگا تو دیگر امور کے لئے بھی ایک حد مقرر ہو جائے گی، لہذا دو باتیں بیان کی گئیں، ایک یہ کہ کون لوگ آپس میں مل کر کھا، پی سکتے ہیں، دوسرے یہ کہ اس بے تکلفی کی اجازت کن گھروں میں ہے، پہلی بات یہ کہ اندھا، لنگڑا، بیمار، یعنی معذور اور غیر معذور، سب مل جل کر کھا پی سکتے ہیں، یہ وضاحت اس لئے ضروری ہوئی کہ نزول قرآن کے دور میں یہ تطف بڑھتا جاتا تھا، کہ معذور لوگ صحت مند لوگوں کے ساتھ کھانے، پینے سے کتراتے تھے، بالخصوص وہ معذور جن کا ذکر آیت مبارکہ میں کیا گیا کہ اندھے کو خیال ہوتا تھا کہ مجھے اپنے عذر کی وجہ سے یہ پتہ نہیں چل سکتا کہ میرے ساتھی نے کتنا کھایا اور میں نے کتنا کھالیا، کہیں ایسا نہ ہو کہ مجھ سے حق تلفی ہو جائے اور میں اپنے ساتھی کا کھانا بھی کھا جاؤں، لنگڑے کو خیال ہوتا تھا کہ وہ اپنے عذر کی وجہ سے اس طرح نہیں بیٹھ سکتا، جس طرح میرا ساتھی بیٹھ سکتا ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ اسے میری وجہ سے تکلیف ہو اور وہ آرام سے کھانا نہ کھا سکے، ان سب کا احساس اگرچہ نیک نیتی پر مبنی تھا، اس میں خیر خواہی کا جذبہ تھا لیکن اس طرح بھائی، بھائی سے، دوست دوست سے دور رہتا تھا، اسلام نے ان لوگوں میں قرب پیدا کرنے کی غرض سے ان کے خیالات کو ختم کیا اور ظلم دیا کہ آپس میں مل جل کر کھاؤ، اس سے محبت پیدا ہوتی ہے، معذور کو غیر معذور کے ساتھ کھانے میں تکلف نہیں ہونا چاہئے اور غیر معذور کو معذور کے ساتھ کھانے سے اکتانا نہیں چاہئے، بالخصوص کسی بیمار کے ساتھ کھانے سے محض اس کی بیماری کی وجہ سے گریز کرنا، نہایت ہی نامعقول حرکت ہے۔

جن لوگوں کے گھروں میں، اللہ رب العزت جل مجدہ، بے تکلفی سے کھانے، پینے کی اجازت دیتا ہے، ان کی

تفصیل ملاحظہ ہو، فرمایا گیا ”أَنْ تَأْكُلُوا مِنْ بُيُوتِكُمْ“، تم کھاؤ اپنے گھروں سے، اپنے گھروں میں تو تکلف کا کوئی تصور ہی نہیں کیا جاسکتا، لیکن بعض لوگ یہاں بھی تکلف پیدا کر دیتے ہیں اور باوجود بھوک کے انتظار کرتے رہتے ہیں کہ کب کھانا لگے، تو ہم شروع ہوں، اس کی کیا ضرورت ہے، اگر بھوک لگی ہے تو اٹھئے، خود کھا لیجئے یا مانگ لیجئے، ”أَوْ بُيُوتِ آبَائِكُمْ أَوْ بُيُوتِ أُمَّهَاتِكُمْ“، یا اپنے باپ دادا، یا اپنی ماؤں کے گھروں سے کھاؤ کہ باپ، دادا، ماؤں کے گھر بھی تو اپنے ہی ہیں، یہاں تم مہمان جیسا تکلف نہ برتو، جب ضرورت ہو، جو موجودہ ہے، کھاؤ، ”أَوْ بُيُوتِ أَخَوَانِكُمْ“، یا اپنے بھائیوں کے گھروں سے کھاؤ کہ بھائی کا رشتہ تو خونی رشتہ ہے، بھائی کو بھائی سے تکلف برتنے کی ضرورت نہیں، یہ تکلف اپنائیت کے خلاف ہوگا، اپنائیت کا تقاضا تو یہ ہے کہ بھائی، بھائی کی چیز کو اپنا جانے، اور ایک دوسرے کے گھر میں وہی کریں جو اپنے گھروں میں کرتے ہیں، ”أَوْ بُيُوتِ أَخَوَاتِكُمْ“، یا کھاؤ اپنی بہنوں کے گھروں سے، عام طور پر بھائی بہنوں کے گھر جاتے ہیں تو بہت ہی تکلف کرتے ہیں، بلکہ ہندو تہذیب کی طرح خیال کرتے ہیں کہ بہن کے گھر کا پانی پینا بھی حرام ہے، اسلام اس تصور کی نفی کرتا ہے اور بھائیوں کو اجازت دیتا ہے کہ وہ بہنوں کے گھروں کو اپنا ہی گھر جانیں، جو چاہیں کھائیں، پیئیں، ”أَوْ بُيُوتِ أَعْمَامِكُمْ“، یا کھاؤ اپنے چچاؤں کے گھروں سے کہ چچا سے رشتہ تو باپ جیسا ہوتا ہے، یہاں بھی تکلف کی کوئی وجہ نہیں، ”أَوْ بُيُوتِ عَمَّتِكُمْ“، یا کھاؤ اپنی پھوپھیوں کے گھروں سے کہ پھوپھی ماں کی طرح ہوتی ہے، شریعت مطہرہ نے، ماں کے بعد پھوپھی ہی کا ادب و احترام کرنے اور خدمت کرنے کا حکم دیا ہے، لہذا یہاں بھی تکلف کی ضرورت نہیں، ”أَوْ بُيُوتِ أَخَوَالِكُمْ“ یا اپنے ماموؤں کے گھروں سے کھاؤ، کہ ماموں سے رشتہ بھی باپ جیسا ہی ہے، ”أَوْ بُيُوتِ خَالَاتِكُمْ“ یا اپنی خالاؤں کے گھر سے کھاؤ کہ خالہ بھی ماں کے برابر ہوتی ہے، ”أَوْ مِمَّا مَلَكَتْكُمْ مَفَاتِحُهُ“ یا ان گھروں سے کھاؤ، جن کی چابیاں تمہارے پاس ہیں، عرب میں یہ عام دستور تھا کہ لوگ کہیں جاتے تو اپنے گھروں کی چابیاں گھر کی حفاظت و صفائی وغیرہ کی غرض سے، اپنے پڑوسی کو دے جاتے تھے اور یہاں تک کہہ دیتے تھے کہ یہ گھر آپ کا ہے، یہاں جو کچھ ہے آپ کھا، پی سکتے ہیں اور جو چیز چاہیں، آپ استعمال کر سکتے ہیں، یہ رواج صحابہ کرام میں بھی تھا لیکن صحابہ اپنے بھائیوں کے گھروں کی چابی لے کر گھر کی حفاظت وغیرہ کی تو ذمہ داری پوری کرتے تھے، لیکن نہ کچھ کھاتے، پیتے اور نہ ہی کوئی اور چیز استعمال کرتے تھے، وہ اس کو خلاف تقویٰ جانتے تھے کہ کسی کی کوئی چیز استعمال کی جائے، مثلاً حارث بن عمرو رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے، کہ وہ کسی جہاد میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہمراہ جانے لگے تو گھر اور گھر والوں کی نگرانی کا ذمہ دار اپنے دوست مالک بن زید کو بنا گئے، جب حارث واپس آئے تو انہوں نے دوست کو بہت ہی کمزور دیکھا پریشان ہوئے اور وجہ پوچھی کہ یہ حالت کیوں ہوگئی، مالک نے کہا، میں نے آپ کی عدم موجودگی میں آپ کے گھر سے کچھ کھانا، پینا، مناسب نہ سمجھا کئی دن سے کچھ نہیں کھایا ہے، اس لئے کچھ کمزوری ہوگئی، حضرت حارث کو بہت افسوس ہوا، انہوں نے یہ معاملہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے پیش کیا اور شکایت کی کہ مالک نے مجھے غیر سمجھا، جس کا مجھے بہت دکھ ہوا ہے، اس واقعہ اور اسی قسم کے دیگر واقعات کے بعد، اللہ رب العزت جل مجدہ نے یہ آیت مبارکہ نازل فرمائی اور وضاحت کر دی کہ کون، کس کے

گھر سے بلا تکلف کھا سکتا ہے، نیز فرمایا گیا، ”أَوْ يَبُوتَ صَدِيقُكُمْ“، یا اپنے مخلص دوستوں کے گھروں سے کھاؤ، کہ اگر دوستی میں خلوص ہو تو وہ اکثر معاملات میں رشتہ داری میں تبدیل ہو جاتی ہے اور دوست، دوست سے اتنا قریب ہوتا ہے کہ اسے شرعی حدود کی پابندی کرتے ہوئے، ایک دوسرے کے گھر سے بلا تکلف کھانے، پینے کی اجازت ہے۔

جن لوگوں کو ایک دوسرے کے گھروں سے کھانے کی اجازت دی گئی ہے، انہیں یہ بھی اختیار دیا گیا ہے کہ، ”أَنْ تَأْكُلُوا جَمِيعًا أَوْ أَشْتَاتًا“ کہ سب مل کر کھائیں یا علیحدہ علیحدہ کھائیں، مل کر کھانے کی صورت میں، محرم و غیر محرم کی پابندی اپنی جگہ رہے گی، کہ جن مرد و عورت کا ایک دوسرے سے پردہ کرنا لازمی ہے وہ بہر حال علیحدہ علیحدہ کھائیں گے، مثلاً دوستوں کو ایک ساتھ کھانے کی اجازت ہے، لیکن ان کی بیویاں ان کے ساتھ کھانے میں شریک نہیں ہو سکتیں کہ شوہر کا دوست چاہے بھائی ہی کی طرح ہو، محرم نہیں ہو سکتا، اسی طرح آج کل دعوتوں وغیرہ میں، مرد و عورت کے ایک جگہ پر کھانے کا جو رواج ہے، وہ بھی جائز نہیں کہ اس صورت میں غیر محرم مرد و عورت کا اختلاط ہوتا، بے پردگی ہوتی ہے، زیب و زینت کی نمائش ہوتی ہے، نظر بازی ہوتی ہے اور یہ سب چیزیں حرام ہیں، جیسا کہ آپ گزشتہ اوراق پر پڑھ آئے ہیں۔

ساتھ کھانا کھانا

کھانا دعوتوں کا ہو یا روزمرہ گھر کا اگرچہ اس کے لئے اختیار ہے کہ مل کر، ایک ساتھ کھایا جائے، یا علیحدہ علیحدہ اپنے اوقات کے مطابق کھایا جائے لیکن افضل یہ ہے کہ سب لوگ مل کر ساتھ کھائیں کہ اس سے محبت پیدا ہوتی ہے، برکت کا ذریعہ ہے، جیسا کہ وحش بن حرب رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بعض صحابہ نے شکایت کی کہ ہم کھاتے ہیں، لیکن سیر نہیں ہوتے، آپ ﷺ نے فرمایا، شاید تم لوگ الگ الگ کھانا کھاتے ہو، عرض کرنے لگے، جی، آپ ﷺ نے فرمایا، ”فاجتمعوا على طعامكم واذكروا اسم الله يبارك لكم“، جمع ہو کر اور بسم اللہ کہہ کر کھایا کرو، تمہیں برکت دی جائے گی، یعنی سیر بھی ہو جاؤ گے اور کھانے میں برکت بھی ہوگی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، ”كُلُوا جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا فَإِنَّ الْبُرْكَهَ مَعَ الْجَمَاعَةِ“، مل کر کھایا کرو، الگ الگ نہ کھاؤ، کیونکہ برکت جماعت کے ساتھ ہے پس مل کر کھانا کھانا سنت ہے، ذریعہ برکت ہے، عام طور پر گھروں میں روزمرہ کے کھانے کے لئے کوئی اہتمام نہیں کیا جاتا، جس کا جب دل چاہتا ہے کھاتا رہتا ہے، جبکہ ہونا یہ چاہئے کہ اگر مصروفیات اجازت نہ دیں تو کم از کم ایک وقت کا کھانا سب مل کر کھائیں، مثلاً رات کے کھانے کے لئے یہ اہتمام کیا جائے کہ گھر والے ایک دوسرے کا انتظار کریں اور جب گھر کے سب لوگ جمع ہو جائیں، تو ایک جگہ کھانا لگایا جائے سب مل کر کھائیں، حتیٰ کہ ایک پلیٹ میں کئی مل کر کھائیں، کھانے سے فارغ ہو کر سب مل کر اللہ کا شکر ادا کریں، فراخی رزق کی دعا کریں، اللہ کو محبت و الفت کا یہ مظاہرہ بے حد پسند آتا ہے لہذا وہ کرم فرماتا اور برکت عطا کرتا ہے، رزق میں فراخی فرماتا ہے، کھانا زیادہ کھایا جاتا ہے، خوب سیر ہو کر کھایا جاتا ہے، طبیعت پر فرحت کا احساس ہوتا ہے نیز یہ کھانے کے شرعی آداب کی تربیت کا ذریعہ بھی ہے، بالخصوص بچوں کے لئے کہ بڑے کھانے سے پہلے بچوں کو ہاتھ دھونا یاد دلاتے ہیں، آہستہ اور چھوٹے نوالے کھانے کی تلقین



کرتے ہیں، کھانے کے بعد دعا کی تعلیم دیتے، پھر ہاتھ دھونا یا دلاتے ہیں غرضیکہ اجتماعی کھانے میں بہت سے فائدے ہیں، جن کو حاصل کرنے کے لئے اہل خانہ کو مل کر کھانے کا اہتمام کرنا چاہئے۔

سلام کرنے کا حکم

اہل ایمان کو ہدایت کی جاتی ہے کہ (بالخصوص) وہ جب گھروں میں داخل ہوں تو سلام کیا کریں، سلام بوقت ملاقات، اظہار مسرت و محبت کا ایک طریقہ ہے، جو اللہ رب العزت جل مجدہ کی طرف سے مقرر ہے، ہر قوم اور ہر مذہب میں اس موقع کے لئے کوئی نہ کوئی طریقہ پایا جاتا ہے جس کے الفاظ دعائیہ ہوتے ہیں لیکن یہ دعا ایک مخصوص اور محدود وقت کے لئے ہوتی ہے، مثلاً اچھی صبح، اچھی شب، اچھی شام لیکن اسلام نے جو دعائیہ الفاظ مقرر فرمائے، ان میں وقت کا تعین نہیں، وہ ایک عام دعا ہے، ساری زندگی کے لئے، امن کی دعا، سلامتی کی دعا، جس سے محبت و الفت پیدا ہوتی ہے، برکت حاصل ہوتی ہے، اللہ کی رحمت کا نزول ہوتا ہے، اس دعا کی عظمت و فضیلت کے لئے بس یہی کافی ہے کہ اس کا حکم دینے والے رب کریم نے اسے ”تَحِيَّةٌ مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ“ اپنی طرف سے مقرر کردہ فرمایا، ”مُبْرَكَةٌ طَيِّبَةٌ“ بابرکت اور پاکیزہ قرار دیا، پس جو سلام کرتا ہے اس پر برکتوں کا نزول ہوتا ہے اور جسے سلام کیا جاتا ہے، وہ بھی اللہ کی رحمتوں سے بہرہ ور ہوتا ہے، جس کی وضاحت معلم کامل صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات میں موجود ہے، جس کو ہم نے اپنی تصنیف ”تبلیغی کتاب“ میں تفصیل سے لکھا ہے، لہذا یہاں اتنے ہی پر اکتفا کرتے ہیں۔

ایمان والو! تمہارے رب نے تمہیں ہمیں اسلام کے دامن سے وابستہ کر کے بڑی ہی عزت بخشی ہے، بڑی ہی عظمت عطا فرمائی ہے، اس کے سبب ہم ایک مہذب، پر امن اور پرسکون معاشرے کا فرد بنے ہیں، اللہ! اس کو نہ چھوڑو، اس سے منہ نہ موڑو، اس کی عظمتوں سے مالا مال ہونے کے بعد ایسوں کے سامنے ہاتھ نہ پھیلاؤ، جو خود بھکاری اور محتاج ہیں، جن کے پاس تہذیب ہے نہ تمدن، دیکھ لو جن اہل ایمان کی بد نصیبی نے انہیں غیر مہذب اقوام کے در پر اکھڑا کیا ہے، انہیں کیا نصیب ہوا ہے، سوائے ذلت کے، سوائے خواری کے، نہ وہ انہی کے بنے اور نہ انہوں کے رہے، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام سے منہ موڑ کر انہوں نے نہ صرف اپنی دنیا برباد کر لی بلکہ عقبی کی نجات سے بھی محروم ہو گئے، اپنی پیاس بجھانے کے لئے جسے انہوں نے پانی سمجھا تھا وہ سراب نکلا، پس یہ پیاس، پیاس ہی تڑپ رہے ہیں، آؤ، اسلام کے بتے دریا کی طرف آؤ، یہ دریا ہے، رحمت تمہاری پیاس بھی بجھائے گا تمہاری خالی جھولیوں کو بھی عظمتوں اور برکتوں سے لبریز کر دے گا، تمہاری زندگی کے شب و روز سہل و آسان ہو جائیں گے کہ تمہارے رب کا وعدہ ہے، ”وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مِنْ أَمْرِهِ يُسْرًا“ جو احکام الہی کی پابندی کرتا ہے، اللہ اس کے کام میں آسانی اور سہولت پیدا فرما دیتا ہے، یا رب! ہمیں عظمت دین کے اعتراف اور اس پر عمل کی توفیق عطا فرما۔

لَكَ الْحَمْدُ يَا اللَّهُ

وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

## ”سورة الاحزاب“

آیات نمبر	مقالہ نمبر
27 تا 9	61
44 تا 41	62
49	63
55 تا 53	64
58 تا 56	65
69	66
72 تا 71	67



## مقالہ ۶۱

### الاحزاب: ۹ تا ۲۷

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَاءَ عَثُوكُمْ جُنُودٌ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا وَجُنُودًا لَمْ تَرَوْهَا ۚ وَكَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرًا ۝ إِذْ جَاءَ عُرُوكُمْ مِنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ أَسْفَلَ مِنْكُمْ وَإِذْ زَاغَتِ الْأَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّونَ بِاللَّهِ الظُّنُونًا ۝ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُونَ وَزُلْزِلُوا زِلْزَالًا شَدِيدًا ۝ وَإِذْ يَقُولُ الْمُنَافِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ مَا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ إِلَّا غُرُورًا ۝ وَإِذْ قَالَتْ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ يَا أَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوا ۚ وَيَسْتَأْذِنُ فَرِيقٌ مِنْهُمْ النَّبِيَّ يَقُولُونَ إِنَّ بُيُوتَنَا عَوْرَةٌ ۚ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ ۚ إِنَّ يُرِيدُونَ إِلَّا فِرَارًا ۝ وَلَوْ دُخِلَتْ عَلَيْهِمْ مِنْ أَقْطَارِهَا ثُمَّ سُئِلُوا الْفِتْنَةَ لَاتَوَّاهَا وَمَاتَلَبَثُوا بِهَا إِلَّا يَسِيرًا ۝ وَلَقَدْ كَانُوا عَاهِدُوا اللَّهَ مِنْ قَبْلُ لَا يُؤَلُّونَ إِلَّا دُبَارًا ۚ وَكَانَ عَهْدُ اللَّهِ مَسْئُولًا ۝ قُلْ

لَنْ يَنْفَعَكُمْ الْفِرَارُ إِنْ فَرَرْتُمْ مِنَ الْمَوْتِ أَوِ الْقَتْلِ وَإِذْ لَا تُسْتَعُونَ إِلَّا قَلِيلًا ۝ قُلْ  
 مَنْ ذَا الَّذِي يَعْصِيكُمْ مِنْ اللَّهِ إِنْ أَرَادَ بِكُمْ سُوءًا أَوْ أَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً وَلَا يَجِدُونَ  
 لَهُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ۝ قَدْ يَعْلَمُ اللَّهُ الْمُعَوِّقِينَ مِنْكُمْ وَالْقَائِلِينَ  
 لِإِخْوَانِهِمْ هَلُمَّ إِلَيْنَا وَلَا يَأْتُونَ الْبَاسَ إِلَّا قَلِيلًا ۝ أَشِحَّةً عَلَيْكُمْ ۚ فَإِذَا جَاءَ  
 الْخَوْفُ رَأَيْتَهُمْ يُنْظَرُونَ إِلَيْكَ تَدُورُ أَعْيُنُهُمْ كَالَّذِي يُغْشَى عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۚ فَإِذَا  
 ذَهَبَ الْخَوْفُ سَلَقُوكُمْ بِالنِّسَةِ حِدَادٍ أَشِحَّةً عَلَى الْخَيْرِ ۚ أُولَئِكَ لَمْ يُؤْمِنُوا  
 فَأَحْبَطَ اللَّهُ أَعْمَالَهُمْ ۚ وَكَانَ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا ۝ يَحْسِبُونَ الْأَحْزَابَ لَمْ  
 يَذْهَبُوا ۚ وَ إِنْ يَأْتِ الْأَحْزَابُ يَوَدُّوْنَ أَنْ هُمْ بِأَدُونِ فِي الْأَعْرَابِ يَسْأَلُونَ عَنْ  
 أَنْبَاءِكُمْ وَلَوْ كَانُوا فِيكُمْ مَا قَاتَلُوا إِلَّا قَلِيلًا ۝ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسُودٌ  
 حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا ۝ وَلَمَّا رَأَى الْمُؤْمِنُونَ  
 الْأَحْزَابَ قَالُوا هَذَا مَا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَصَدَقَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ ۚ وَمَا زَادَهُمْ  
 إِلَّا إِيمَانًا وَتَسْلِيمًا ۝ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ  
 مَنْ قَضَىٰ نَحْبَهُ وَمِنْهُمْ مَنْ يَنْتَظِرُ ۚ وَمَا بَدَّلُوا تَبْدِيلًا ۝ لِيَجْزِيَ اللَّهُ الصَّادِقِينَ  
 بِصِدْقِهِمْ وَيُعَذِّبَ الْمُنَافِقِينَ إِنْ شَاءَ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا  
 رَحِيمًا ۝ وَرَادَّ اللَّهُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِعِظِهِمْ لَمْ يَأْلُوا خَيْرًا ۚ وَلَفَى اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ  
 الْقِتَالَ ۚ وَكَانَ اللَّهُ قَوِيًّا عَزِيزًا ۝ وَأَنْزَلَ الَّذِينَ ظَاهَرُوهُمْ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مِنْ  
 صَيَاصِيهِمْ وَقَذَفَ فِي قُلُوبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِيقًا تَقْتُلُونَ وَتَأْسِرُونَ فَرِيقًا ۝ وَأَوْرَثَكُمْ  
 أَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ وَأَرْضًا لَمْ تَطَّوْهَا ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرًا ۝

(الاحزاب: ۲۷-۳۹)

اے ایمان والو! یاد کرو اللہ کے احسان کو جو اس نے تم پر کیا جب آگے تھے تم پر (کفار کے) لشکر پس ہم  
 نے بھیج دی ان پر آندھی اور ایسی فوجیں جنہیں تم دیکھ نہ سکتے تھے اور اللہ جو کچھ تم کر رہے تھے خوب دیکھ  
 رہا تھا جب انہوں نے بلہ بول دیا تھا تم پر اوپر کی طرف سے بھی اور تمہارے نیچے کی طرف سے بھی جب  
 مارے دہشت کے آنکھیں پھرا گئیں اور کلیجے منہ کو آگئے اور تم اللہ کے بارے میں طرح طرح کے گمان  
 کرنے لگے اس موقع پر خوب آزمایا گیا ایمان والوں کو اور خوب سختی سے جھنجھوڑے گئے اور اس وقت  
 کہنے لگے منافق اور جن کے دلوں میں روگ تھا کہ نہیں وعدہ کیا تھا ہم سے (فتح کا) اللہ اور اس کے  
 رسول نے مگر صرف دھوکہ دینے کے لئے اور یاد کرو جب کہتی پھرتی تھی ان میں سے ایک جماعت کہ

اسے یثرب والو! تمہارے لئے اب یہاں ٹھہرنا ممکن نہیں لوٹ چلو اور اجازت مانگنے لگا ان میں سے ایک گروہ (نبی کریم علیہ السلام) سے یہ کہہ کر کہ ہمارے گھربا لکل غیر محفوظ ہیں حالانکہ وہ غیر محفوظ نہ تھے ان کا ارادہ محض فرار تھا اور اگر گھس آتے ان پر مدینہ کے اطراف سے پھر ان سے درخواست کی جاتی فتنہ انگیزی میں شرکت کی تو فوراً اسے قبول کر لیتے اور توقف نہ کرتے اس میں مگر بہت کم حالانکہ یہی لوگ پہلے اللہ سے وعدہ کر چکے تھے کہ وہ پیٹھ نہ پھیریں گے اور اللہ سے جو وعدہ کیا جاتا ہے اس کے متعلق ضرور باز پرس کی جاتی ہے فرما دیجئے تمہیں نفع نہیں دے گا بھاگنا اگر تم بھاگنا چاہتے ہو موت سے یا قتل سے، اور تم اطف اندوز نہ ہو سکو گے مگر تھوڑی مدت فرمائیے، مان بچا سکتا ہے تمہیں اللہ سے، اگر وہ ارادہ کر لے تمہیں عذاب دینے کا یا اگر وہ تم پر رحمت فرماتا چاہے اور نہیں پائیں گے وہ لوگ اپنے لئے اللہ کے سوا کوئی دوست اور نہ کوئی مددگار، اللہ خوب جانتا ہے جہاد سے روکنے والوں کو تم میں سے اور انہیں جو اپنے بھائیوں سے کہتے ہیں ہماری طرف آ جاؤ اور خود بھی جنگ میں شرکت نہیں کرتے مگر برائے نام پر لے درجے کے کنبوں میں پھر جب خوف چھٹا جائے تو آپ انہیں ملاحظہ فرمائیں گے وہ دیکھنے لگتے ہیں آپ کی طرف یوں کہ ان کی آنکھیں چدراری ہوتی ہیں، اس شخص کی طرح جس پر موت کی غشی طاری ہو چکے جب خوف دور ہو جاتا ہے تو ہمیں سخت اذیت پہنچاتے ہیں اپنی تیز زبانوں سے، بڑے حریص ہیں، مال غنیمت کے حصول میں یہ لوگ ایمان ہی نہیں لائے پس اللہ نے ضائع کر دیئے ان کے اعمال اور ایسا کرنا اللہ پر آسان ہے یہی خیال کر رہے ہیں کہ ابھی جتھے نہیں گئے اور اگر جتھے آ جائیں تو یہ پسند کریں گے کہ کاش! وہ صحرا میں بدوؤں کے ہاں ہوتے پوچھتے ہیں تمہاری خبریں اور اگر یہ تم میں موجود بھی ہوتے تو یہ جنگ نہیں کرتے مگر برائے نام بیشک تمہاری رہنمائی کے لئے اللہ کے رسول (کی زندگی) میں بہترین نمونہ ہے اس کے لئے جو اللہ سے ملنے اور قیامت کے آنے کی امید رکھتا ہے اور کثرت سے اللہ کو یاد کرتا ہے اور جب ایمان والوں نے (کفار کے) لشکروں کو دیکھا تو پکار اٹھے یہ ہے وہ لشکر جس کا وعدہ ہم سے اللہ اور اس کے رسول نے فرمایا اور سچ فرمایا تھا اللہ اور اس کے رسول نے اور دشمن کے لشکر نے ان کے ایمان اور جذبہ اطاعت کو بڑھا دیا، اہل ایمان میں سے ایسے جو انمرد ہیں جنہوں نے سچا کر دکھایا جو وعدہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے کیا تھا ان جو انمردوں میں سے کچھ تو اپنی نذر پور کر چکے اور کچھ انتظار کر رہے تھے ان کے رویہ میں ذرا تبدیلی نہ ہوئی تاکہ اللہ جزائے خیر دے اپنا وعدہ سچا کرنے والوں کو ان کے سچ کے باعث اور عذاب دے منافقوں کو اگر اس کی مرضی ہو یا ان کی توبہ قبول فرمائے بیشک اللہ بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے اور (ناکام) لوٹا دیا تھا اللہ نے کفار کو درآئیں یہ وہ اپنے غصہ میں تھے (اس لشکر کشی سے) انہیں کوئی فائدہ نہ ہوا اور بچا لیا اللہ نے مومنوں کو

جنگ سے اور اللہ بڑا طاقت ور ہر چیز پر غالب ہے اور اتار لیا اللہ نے ان اہل کتاب کو جنہوں نے مدد کی تھی کفار کی ان کے قلعوں سے اور رعب ڈال دیا ان کے دلوں میں ایک گروہ کو تم قتل کر رہے ہو اور دوسرے کو قیدی بنا رہے ہو اور اس نے وارث بنا دیا تمہیں ان کی زمینوں ان کے مکانات اور ان کے مالوں کا اور دے دیئے تمہیں وہ ملک جہاں اب تک تمہارے قدم نہ پہنچے تھے اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

یہ سورہ احزاب کی انیس آیات ہیں جن میں خصوصی خطاب صحابہ کرام رضوان اللہ عنہم اجمعین سے اور عمومی جملہ اہل ایمان سے ہے آیات کا موضوع غزوہ احزاب ہے جسے غزوہ خندق بھی کہا جاتا ہے۔ احزاب جمع ہے حزب گروہ، جماعت، قبیلہ، کیونکہ اسلام دشمن تمام گروہ اور قبائل متحد و منظم ہو کر مدینہ منورہ پر حملہ آور ہوئے تھے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے جانشینوں کے ساتھ ان کے مقابلہ کے لئے مدینہ منورہ سے باہر تشریف لائے اس لئے اس جنگ کو غزوہ احزاب کہا جاتا ہے اور اس جنگ کی متوقع تباہی سے مدینہ طیبہ کو بچانے کے لئے شہر کے حدود پر خندق کھودی گئی، اس لئے اس جنگ کا نام تاریخ میں غزوہ خندق قرار پایا۔ آئیے اب قرآن کریم کی ان آیات اور احادیث کی روشنی میں غزوہ احزاب کا مفصل حال پڑھئے اور یہ بھی غور کرتے چلئے کہ اس میں عام اہل ایمان کے لئے کیا تعلیم اور کیا عبرتیں ہیں جن کے لئے اہل ایمان کو خطاب کرتے ہوئے اس غزوے کا مفصل حال قرآن کریم میں قیامت تک کے لئے محفوظ کیا گیا کیونکہ قرآن کریم تاریخ کی کتاب نہیں کہ واقعات کو محض محفوظ کرنے کے لئے اس میں بیان کر دیا گیا ہو قرآن کریم تو احکام الہیہ کا مجموعہ ہے جس کا مقصد انسان کو زندگی کے اصول و ضوابط دینا ہے لہذا اس کے بیان کردہ تاریخی واقعات بھی ذریعہ تعلیم ہیں ذریعہ عبرت ہیں جن سے زندگی کے لئے اصول و ضوابط حاصل ہوتے ہیں پس غزوہ احزاب کا واقعہ بھی زندگی کے کچھ اصول اور ضابطے دیتا ہے جن کو انشا المولیٰ ہم بیان کریں گے، توفیق اللہ العزیز الکریم۔

### سلسلہ غزوات

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے صحابہ کو اگرچہ ہجرت کے بعد اہل مکہ کی ظالمانہ ایذیتوں سے نجات حاصل ہو گئی تھی لیکن اسلام اور مسلمانوں کے خلاف دشمن نے سازشوں کا ایسا جال پھیلا دیا تھا جس سے بچنے کے لئے میرے آقا ﷺ کو آخر دم تک برسر پیکار رہنا پڑا۔ ایک جنگ ختم نہیں ہوتی تھی کہ دشمن کی طرف سے دوسری مسلط کر دی جاتی تھی صرف پہلا سال ہجرت نظر آتا ہے جس میں کوئی غزوہ یا سریہ نہیں ہے وہ بھی شاید اس لئے کہ دشمن خفیہ سازشوں اور جنگی تیاریوں میں مصروف رہے اس کے بعد جو سلسلہ شروع ہوا ہے تو کوئی سال غزوے یا سریہ سے خالی نہیں ملتا، ۲ھ غزوہ بدر، ۳ھ غزوہ احد، ۴ھ سرایا کا سال رہا، ۵ھ میں غزوہ احزاب اور اس کے فوراً بعد ہی غزوہ بنو قریظہ یہ سلسلہ جاری رہا حتیٰ کہ ۱۱ھ اپنی علالت کے دوران آپ ﷺ نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو تین ہزار مجاہدین کے ہمراہ روم کی طرف جانے کا حکم دیا۔ ۱۰ ربیع الاول کو یہ لشکر مدینہ منورہ سے روانہ ہوتا ہے ابھی مدینہ سے باہر مقام جُوف میں فوجیوں کا آخری معائنہ ہو

رہا تھا کہ ۱۲ ربیع الاول کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پردہ فرمانے کی اطلاع پا کر حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ نے واپسی کا فیصلہ کیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مسندِ خلافت پر رونق افروز ہوتے ہی سب سے پہلا حکم، اس لشکر کی روانگی کا دیا اور یکم ربیع الثانی کو زید بن اُسامہ اپنے لشکر کے ہمراہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حکم کی تعمیل کرنے کے لئے روانہ ہو گئے ان تمام غزوات میں سخت ترین غزوہ، غزوہ احزاب ہے۔ جس کا اندازہ آپ کو تفصیلات پڑھتے ہوئے ہوگا۔

### اعداء اسلام کا متحدہ محاذ

اعداء کی اسلام دشمنی، سب مسلمانوں سے صرف مذہبی اختلاف نہیں بلکہ اس کی دوسری بڑی وجہ مسلمانوں سے انہیں سیاسی خوف اور خطرے کا لاحق ہونا ہے۔ ان کا یہ خوف و خطر ابتداء اسلام سے آج تک جاری ہے، کفار مکہ، یہود اور منافقین مذہبی عناد میں تو جتنا تھے ہی لیکن انہیں مسلمانوں کے غلبہ کے بعد اپنی حکومت اور سرداری کے ختم ہو جانے کا خطرہ زیادہ لاحق رہتا تھا حالانکہ اسلام نہ تو بلا وجہ نیا کے دیگر مذاہب کو ختم کر دینا چاہتا ہے اور نہ ہی کسی کے سیاسی امور میں مداخلت کو پسند کرتا ہے۔ اسلام صرف اپنا تحفظ، اپنی حدود و مملکت کا تحفظ چاہتا ہے، دنیا سے ظلم و ستم کا خاتمہ کر دینا چاہتا ہے، اسلام کے حکم جہاد کا مقصد اس کے سوا اور کچھ نہیں جبکہ تاریخ گواہ ہے کہ اسلام کے دشمنوں نے ہمیشہ اپنے ظلم و ستم کی بقا و تحفظ کے لئے مسلمانوں کو غلام بنانے اور انہیں کمزور کرنے کی کوشش کی، جس کے لئے وہ ہمیشہ مسلمانوں پر حملہ آور ہوتے رہے یا انہوں نے چھیڑ چھاڑ کر کے انہیں جہاد کرنے پر مجبور کیا۔ غزوہ بدر میں بھی آپ کو یہی حقیقت نظر آئے گی۔ غزوہ احد اور دیگر غزوات میں بھی یہی صورت نظر آئے گی اس وقت آپ غزوہ احزاب کا مطالعہ کرتے ہوئے اس حقیقت پر غور کرتے چلیے۔

غزوہ بدر کی ذلت و خواری اور غزوہ احد میں ناکامی کے باوجود کفار مکہ کی اسلام سے آتش نفرت ابھی نہ تھی بلکہ وہ مزید برا فروختہ تھے اور کسی نہ کسی طرح سے وہ مسلمانوں کو تہس نہس کر دینا چاہتے تھے، جس کے لئے وہ اپنی چھوٹی چھوٹی ٹولیاں، مدینہ منورہ میں بد امنی پیدا کرنے کے لئے بھیجتے رہتے تھے یا کوئی نہ کوئی ایسی حرکت کرتے رہتے تھے جس سے مسلمانوں میں اضطراب و بے چینی پیدا ہوتی رہے اور وہ اپنا بنیادی کام نہ کر پائیں لیکن نبی مکرم ﷺ صحابہ کی چھوٹی چھوٹی ٹولیاں (سرایا) مدینہ منورہ سے باہر بھیج کر دشمن کی سازش کو ناکام فرماتے رہتے اور اپنے اصل کام میں مصروف رہتے تھے اسی لئے غزوہ احد کے بعد ۴ھ آپ کو سرایا کا سال نظر آئے گا۔

اندرونی حکمت عملی کے طور پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہجرت کے پہلے سال ہی مہاجر و انصار کے درمیان رشتہ موافقت قائم کرنے کے بعد ایک ایسے وسیع البنیاد منشور کی دستاویز تیار کر دی تھی جس کی بنیاد پر مدینہ اور اس کے قرب و جوار میں آباد یہودیوں کو پوری آزادی حاصل ہو گئی تھی اور انہیں مسلمانوں سے کوئی سیاسی یا مذہبی خوف نہ رہا تھا لیکن یہ بد باطن اپنی سازشوں سے باز نہ رہے۔ کفار مکہ اور منافقین مدینہ کے آلہ کار بن کر کوئی نہ کوئی ایسی حرکت کرتے رہتے تھے جس سے مسلمانوں کو نقصان پہنچے، بالخصوص یہودیوں کا ایک بڑا قبیلہ بنو نضیر اپنی سازشوں میں بہت آگے بڑھتا جا رہا تھا حتیٰ کہ اس نے ایک موقع پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایک بھاری پتھر پھینک کر آپ ﷺ کو قتل کرنے کی بھی کوشش کی لیکن ناکام رہے اور

بالآخر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس قبیلہ کو مدینہ سے نکل جانے پر مجبور کر دیا۔ یہ یہاں سے نکل کر خیبر میں آباد ہوئے اور انہوں نے ہی اپنی ناکامی کا انتقام لینے کی غرض سے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف متحدہ محاذ بنانے کی تحریک کا آغاز کیا۔ قبیلہ بنو نضیر اور قبیلہ ابو وائل کے تقریباً بیس آدمی مکہ پہنچے اور قریش کے سرداروں کے سامنے انہوں نے متحدہ محاذ کی تجویز رکھی اور کہا کہ ہم سب مل کر ہی مسلمانوں کو تہس نہس کر سکتے ہیں لیکن چونکہ مسلمانوں سے قریش کی دشمنی کا اصل سبب مذہبی اختلاف تھا لہذا انہوں نے یہ اطمینان کرنا چاہا کہ یہودیوں کا ہمارے بتوں کے متعلق کیا خیال ہے اگر وہ بھی مسلمانوں کی طرح ہمارے بتوں کو باطل اور برا کہتے ہیں تو ان سے اتحاد کا کوئی فائدہ نہیں لہذا انہوں نے یہودیوں سے سوال کیا کہ ہمارے اور محمد ﷺ کے درمیان اصل اختلاف دین اور مذہب کا ہے۔ آپ اہل کتاب اور اہل علم ہیں۔ پہلے ہمیں یہ بتائیے کہ آپ کا ہمارے دین کے متعلق کیا خیال ہے۔ آپ کے نزدیک ہمارا دین بہتر اور حق ہے یا مسلمانوں کا نیا مذہب بہتر اور حق ہے۔

یہودیوں کا خبث باطنی

یہودیوں کا خبث باطنی کوئی نیا نہیں مگر دُفریب، خود غرضی اور اپنے ذاتی مفادات کے لئے دین فروشی تک سے گریز نہ کرنا ان کی فطرت میں شامل ہے لہذا انہوں نے کفار کو وہی جواب دیا جس سے انہیں فائدہ ہو سکتا تھا کہ ”ہم آپ کے بتوں کو برا نہیں کہتے ہمارے نزدیک آپ کا دین، دین اسلام سے بہتر ہے“ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ ان کا یہ جواب ان کے علم اور ضمیر دونوں کے خلاف تھا کہ ان کے نزدیک اسلام ایسا ہی عفاقی مذہب ہے، جیسا ان کا مذہب ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور مسلمانوں سے ان کا اختلاف مذہبی نہیں، سیاسی تھا۔

یہودیوں کا یہ خبث باطنی عارضی اور وقتی نہیں ہمیشہ سے ہے ماضی میں تھا کہ اسی کے سبب وہ اللہ کے نبیوں سے بغاوت کرتے رہے، انہیں ستاتے، پریشان کرتے رہے حتیٰ کہ انہوں نے بعض انبیاء کو شہید بھی کر ڈالا۔ حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو انہوں نے قتل کرنے کی سازش کی جس میں وہ ناکام رہے ان کا یہ خبث آج تک جاری ہے کہ آج بھی وہ مسلمانوں کے سب سے بڑے دشمن ہیں اور مسلم ممالک انہی کی ریشہ دوانیوں کے باعث انتشار و افتراق کا شکار ہیں۔ اسی مقصد کے حصول کے لئے انہوں نے نہایت مکاری کے ساتھ اپنے ازلی دشمن عیسائیوں تک سے اتحاد کر رکھا ہے۔ کیا عیسائی نہیں جانتے کہ ان کے بقول حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی پر چھڑانے کے مجرم یہی ظالم یہود ہیں جبکہ اسی بنیاد پر ہمیشہ صلیبی جنگوں کا شکار یہود رہے اور اسی بنیاد پر دوسری عالمی جنگ میں عیسائیوں نے یہودیوں کا قتل عام کیا۔ جس کا درد آج تک یہودیوں کو تڑپا رہا ہے لیکن پھر بھی وہ عیسائیوں کے حامی اور عیسائی ان کے مددگار ہیں، دونوں جانتے ہیں کہ یہ اتحاد غیر فطری اور غیر شرعی ہے لیکن مسلمانوں کو پریشان کرنے کے لئے ضروری ہے۔ بہر حال ہمیں تو دکھ اس بات کا ہے کہ موجودہ مسلم حکام اس حقیقت سے غافل ہیں اور وہ عیسائیوں کے در کے بھکاری بنے کھڑے ہیں جبکہ ان کے دونوں ہاتھ صرف یہودیوں کے لئے کھلے ہوئے ہیں۔ مسلمان ان سے بھیک مانگتے ہیں اور کچھ نہیں پاتے جبکہ وہ اپنے دشمن یہودیوں کی خوشامد بھی کرتے ہیں اور ہر طرح ان کی مدد بھی کرتے ہیں۔



غرضیکہ یہودیوں کے اس مکر و فریب کا کفار شکار ہو گئے اور طے پایا کہ یہ بیس آدمی اور قریش کے سردار کعبہ کی دیواروں سے سینہ لگا کر عہد کریں کہ ہم مسلمانوں کو تہس نہس کرنے تک بہر صورت متحد رہیں گے۔ معاہدہ ہو گیا اور دونوں اتحادیوں نے اپنے اپنے ہم خیال قبائل کو اس اتحاد میں شامل کرنے کا کام شروع کر دیا حتیٰ کہ اس اتحاد میں قبیلہ اسلم، اشجع، بنو کرہ، بنو کنانہ، فزارہ اور غطفان کے سب قبائل شامل ہو گئے اور مسلمانوں کے خلاف ایک بڑی فوج وجود میں آگئی جو باختلاف روایات دس، بارہ، پندرہ ہزار افراد پر مشتمل تھی جن کے پاس نہ سامان جنگ کی کمی تھی نہ کھانے پینے کی اشیاء اور دیگر لوازمات کی کوئی کمی تھی ہر چیز وافر مقدار میں موجود تھی۔

سب سے بڑا لشکر

سرزمین عرب پر آج تک اس سے بڑا لشکر نہیں دیکھا گیا۔ بالخصوص یہ ان سب لشکروں سے بڑا تھا جو اس سے پہلے مدینہ منورہ پر حملہ آور ہو کر مسلمانوں سے پسپا ہو چکے تھے کہ غزوہ بدر میں لشکر کفار کی تعداد ایک ہزار تھی جبکہ غزوہ احد میں ان کا لشکر تین ہزار افراد پر مشتمل تھا۔ اس لشکر کی تعداد بھی سب سے زیادہ تھی۔ ضروری سامان بھی اس کے پاس وافر مقدار میں تھا اور سب سے اہم بات یہ کہ یہ تمام قبائل کفار و یہودی کی منظم و متحد قوت تھی جبکہ اللہ کے سپاہی، حسب سابق تعداد میں صرف تین ہزار تھے۔ جن کے پاس سواری کے لئے کل چھتیس گھوڑے تھے دیگر جنگی سامان بھی کم تھا۔ اشیاء خورد و نوش کا کوئی ذخیرہ نہ تھا اسی لئے اکثر فاقے ہوتے رہتے تھے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ مجاہدین اسلام اپنے مقابلہ پر اتنا بڑا لشکر دیکھ کر قدرے گھبرائے اور پریشان ہوئے۔ اس کیفیت کو قرآن کریم نے بھی بیان کیا ”إِذْ جَاءَ وَكُم مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ أَسْفَلَ مِنْكُمْ“ اور اس وقت کو یاد کرو جب دشمن تم پر اوپر (بیرون مدینہ) نیچے (اندرون مدینہ) سے حملہ آور ہوا، اندرون مدینہ حملہ کرنے والا، یہودیوں کا قبیلہ بنو قریظہ تھا۔ جس سے پہلے ہی معاہدہ ہو چکا تھا کہ یہ مسلمانوں کے خلاف یا ان کی حمایت میں کسی جنگ میں شریک نہ ہوں گے جس کے بدلے میں انہیں مدینہ سے نہ نکالا جائے گا لیکن انہوں نے بنو نضیر کے سردار خبی بن الخطب کے لالچ دینے پر عہد شکنی کی اور احزاب میں شامل ہو گئے۔ بعد میں انہیں مدینہ منورہ سے نکالا گیا جس کا ذکر آگے آتا ہے۔

اس بیرونی اور خارجی حملے کو دیکھ کر مسلمانوں کی وقتی اور عارضی طور پر جو کیفیت ہوئی اس کو بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”وَإِذْ زَاغَتِ الْأَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوبُ الْحَنَاجِرَ“ دہشت کے مارے آنکھیں پتھرا گئیں، کلیجے منہ کو آگئے ”وَتَظُنُّونَ بِاللّٰهِ الظُّنُونَا“ اور تم اللہ کے بارے میں طرح طرح کے گمان کرنے لگے کہ نہ جانے اللہ ہماری مدد کرے گا یا نہیں کہیں یہ لشکر ہمیں تہس نہس کرنے میں کامیاب تو نہیں ہو جائے گا، کہیں دنیا سے اسلام ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم تو نہ ہو جائے گا، یہ دوسو سے تھے جو فطری تقاضے کے عین مطابق تھے جبکہ حقیقت یہ تھی کہ یہ اللہ کی طرف سے اپنے چاہنے والوں کی، ان کے مراتب قرب بلند کرنے کے لئے صرف تھوڑی دیر کے لئے ایک آزمائش تھی لیکن بڑی سخت آزمائش تھی جس نے سپاہیوں کو جھنجھوڑ ڈالا تھا۔ ارشاد ہوا ”هٰذَا لِكِ ابْتِلٰى الْمُؤْمِنُوْنَ وَذُلُّوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا“ اس موقع پر ایمان والوں کو خوب آزمایا گیا اور انہیں خوب سختی سے جھنجھوڑا گیا اور جب ان کی طرف سے استقلال و استقامت کا مظاہرہ ہوا تو رب کریم

نے ان کی خوب مدد فرمائی، جس کا ذکر آگے آتا ہے۔

اے ایمان والو! ابتلاء و آزمائش سنت الہیہ ہے۔ اللہ، انبیاء و اولیاء، علماء و صلحاء اور عام مؤمنین سب کو ان کے مقام و حیثیت کے مطابق آزماتا ہے۔ اس کو عذاب الہی نہ سمجھو۔ یہ تو بلندی مراتب کا ذریعہ ہے، باب رحم و اہونے کا پیش خیمہ ہے۔ اخروی نجات کا مژدہ ہے۔ یاد رکھو، اللہ اہل ایمان پر عذاب نازل نہیں فرماتا یہ صدقہ ہے اس نسبت عظیمہ کا جو ہمیں اللہ کے محبوب رحمت عالم ﷺ سے حاصل ہے ہاں امتحان لیتا ہے اور جب ہماری طرف سے استقلال و استقامت کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ ثبوت فراہم ہو جاتا ہے تو ہم پر اس کی رحمت برسنے لگتی ہے قبل اس کے کہ بندہ کسی نقصان کا شکار ہو دیکھو حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو بیٹے کے ذبح کرنے کا حکم دیا گیا اور اس امتحان میں ان کی کامیابی کا اعلان کر دیا گیا۔ اس سے پہلے کہ صاحبزادے کی گردن پر چھری کا نشان آئے، پس ہمارا کام استقلال و استقامت کے ساتھ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے رہنا ہے اور اس کا فضل و کرم ہماری ہر حال میں مدد کرنا ہے جس کا مؤمن کو ہر وقت یقین رکھنا چاہئے۔

مدینہ میں سازش کی خبر

جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس متحدہ محاذ کے مدینہ منورہ پر حملہ کی تیاریوں کی خبر ملی تو آپ کی زبان مبارک پر سب سے پہلا کلمہ جو آیا وہ یہ تھا ”حُسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ“ ہمیں اللہ کافی ہے اور وہی ہمارا کارساز ہے۔ قرآن کریم کا عطا کردہ یہ وہ جملہ ہے جس سے مؤمن کو ابتلاء و آزمائش کے وقت ثبات قدم اور استقلال و استقامت کی ہمت ملتی ہے اور اللہ پر مکمل اعتماد کا اعلان کرنے والا بندہ، اللہ کے فضل و کرم کا مستحق قرار پاتا ہے اور اس کا جوش ایمان بڑھتا ہے لہذا وہ پیکر صبر و استقلال بن جاتا ہے اور ڈٹ کر ہر مصیبت کا باسانی مقابلہ کر لیتا ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ کے اعلان جنگ کے مطابق پروانے شمع کے گرد جمع ہونے لگے اللہ کے سپاہی اللہ کا کلمہ بلند کرنے کے لئے بیتاب و بے چین نظر آ رہے تھے ان مضطرب مجاہدین میں صرف نو جوان ہی نہ تھے بلکہ بوڑھے اور بچے بھی شامل تھے۔ دو سو سالہ بوڑھے، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ پندرہ سال سے کم کے بچوں کو آقائے رحمت ﷺ نے مشفقانہ انداز میں سمجھایا اور گھروالوں کو واپس کیا اپنے مشیر صحابہ کو قریب بلایا اور ان سے جنگی تدابیر کے متعلق مشورہ کیا سب سے اہم مسئلہ مدینہ منورہ کی حفاظت کا تھا۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے اہل فارس کی ایک جنگی تدبیر بیان کی کہ ایسے موقع پر ہم شہر کے گرد خندق کھود کر اس میں آگ جلا دیتے ہیں تاکہ دشمن شہر میں داخل نہ ہو سکے پس اگر اب بھی ایسا ہی کیا جائے تو بہت موزوں رہے گا۔

تجویز بوڑھے کی ہو یا جوان کی، آزاد کی ہو یا غلام کی، عربی کی ہو یا فارسی کی اگر مفید ہو تو قابل قبول ہوتی ہے۔ پس حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کی تجویز قبول فرمائی اور مدینہ منورہ کے ان راستوں پر خندق کھودنے کا فیصلہ ہوا جن سے دشمن کا شہر میں داخل ہونا ممکن تھا۔

## خندق کی کھدائی

خندق کی کھدائی کا فیصلہ ہوا، مدینہ منورہ کی پتھر ملی زمین کا کھودنا کوئی آسان کام نہ تھا وہ بھی ساڑھے تین میل لمبی، پانچ گز گہری اور اتنی ہی چوڑی خندق کی کھدائی لیکن جن کے پاس ایمان کی قوت ہو ان کے لئے یہ کام بڑا نہیں۔ بوڑھے سلمان ہی روزانہ پانچ گز لمبی، اتنی ہی گہری اور چوڑی خندق کھود لیا کرتے تھے ان کے علاوہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دس صحابہ کی ٹولیاں بنادی تھیں اور ہر ٹولی کے ذمہ چالیس گز خندق کھودنے کا کام کر دیا تھا جو اپنی ذمہ داری پوری کر رہے تھے خود آقائے دو جہاں ﷺ اس کام میں برابر کے شریک تھے۔ آپ ﷺ غلاموں کی مدد بھی فرما رہے تھے اور خندق کی مٹی اٹھا اٹھا کر پشتہ بھی بنا رہے تھے۔ بروایت صحابہ کرام کہ آپ ﷺ کے شکم مبارک کے بال مٹی سے اٹے ہوئے تھے اور آپ ﷺ کی جلد مبارک نظر نہ آتی تھی۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نہ مہاجروں میں شمار ہوتے تھے نہ انصار میں وہ علیحدہ اپنے کام میں مصروف تھے لیکن مہاجر و انصار سب ہی ان کو اپنے ساتھ شامل کرنا چاہتے تھے حتیٰ کہ ان میں اس بات پر جھگڑے کی نوبت آ پہنچی، نبی مکرم ﷺ کو خبر ملی آپ نے فیصلہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا ”سَلَمَانُ مِنْ أَهْلِ بَيْتِي“ سلمان تو ہمارے اہل بیت میں سے ہیں۔ یہ جملہ مبارک فیصلہ بھی تھا اور قیامت تک کے لئے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کی فضیلت و عظمت کا اعلان بھی۔ اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے غلاموں کو محنت و مشقت کرتے ہوئے، جانبازی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ملاحظہ فرمایا تو اس طرح دعا کی:

إِنَّ الْعَيْشَ عَيْشَ الْآخِرَةِ فَاعْفِرِ الْأَنْصَارَ وَالْمُهَاجِرَةَ

بیشک زندگی تو آخرت ہی کی زندگی ہے اے اللہ انصار و مہاجرین کو بخش دے

آقا کی اس دعا نے غلاموں میں مزید جذبہ ایمان بیدار کر دیا ان کے کام میں مزید تیزی آگئی اور کیف و سرور سے بے خود ہو کر گاتے جاتے اور کام کرتے جاتے۔

نَحْنُ الَّذِي بَايَعُوا مُحَمَّدًا عَلَى الْجِهَادِ مَا بَقِينَا أَبَدًا

ہم وہ غلام ہیں جنہوں نے محمد کے ہاتھ پر بیعت کی ہے کہ ہم زندگی بھر اللہ کی راہ میں جہاد کرتے رہیں گے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کبھی کبھی، حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے یہ اشعار بھی پڑھتے تھے:

اللَّهُمَّ لَوْلَا أَنْتَ مَا اهْتَدَيْنَا وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّيْنَا

اے اللہ اگر تو ہمیں ہدایت نہ دیتا تو ہمیں نہ زکوٰۃ دینے کی توفیق ملتی اور نہ ہی نماز پڑھنے کی

وَلَبَّتِ الْأَقْدَامُ أَنْ لَا قَيْنَا

پس اے اللہ ہم پر سکون نازل فرما اور جب ہم دشمن کے مقابلہ پر آئیں تو ہمیں ثبات قدم عطا فرما

ایک چٹان

حضرت عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ میں سلمان، حذیفہ اور ہمارے دیگر ساتھی اپنے حصہ کی چالیس گز

چٹان کھود رہے تھے ہم بہت خوش تھے کہ کام تیزی سے ہو رہا تھا کہ اچانک ہماری کدال کے نیچے ایک بھاری چٹان آگئی ہم نے بہت ضربیں لگائیں لیکن اس پر نشان تک نہ پڑ سکا یہ پتھر نہیں لوہے کی دیوار معلوم ہوتی تھی باہمی مشورے سے ہم نے طے کیا کہ اس کو چھوڑ کر اپنا کام جاری رکھیں جس سے خندق کچھ ٹیڑھی ہو جائے گی تو کوئی حرج نہیں لیکن کسی کی ہمت نہ ہوئی کہ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کشیدہ خط سے ہٹے، بالآخر ہم اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے (جو شہنشاہوں اور موجودہ دور کے حاکموں کی طرح آرام سے نہ بیٹھے ہوئے تھے بلکہ عام مجاہدین کے ہمراہ) اپنے حصہ کی خندق کھودنے میں مصروف تھے سراقہ پر مٹی اٹھا رہے تھے، جسم مبارک خاک سے اٹا ہوا تھا ہماری گزارش سنی تو آپ ہمارے ساتھ ہو لئے خود خندق میں تشریف فرما ہوئے ہم بھی آپ ﷺ کے ہمراہ اترے، آپ نے کدال ہاتھ میں لی اور آیہ مبارکہ ”تَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ صِدْقًا وَعَدْلًا“، ”پوری ہوگئی نعمت آپ کے رب کی سچائی اور انصاف کے ساتھ“ تلاوت فرمائی ضرب لگائی چٹان سے ایک روشنی پھیلی اور ایک حصہ علیحدہ ہو گیا آپ ﷺ نے فرمایا ”أُعْطِيتُ مَفَاتِيحَ الشَّامِ“، ”مجھے شام کی کنجیاں دے دی گئیں“ پھر یہی آیہ مبارکہ تلاوت کرتے ہوئے آپ ﷺ نے دوسری ضرب لگائی پھر روشنی پھیلی اور چٹان کا ایک حصہ ٹوٹ گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا ”أُعْطِيتُ مَفَاتِيحَ فَارِسَ“، ”مجھے ملک ایران کی چابیاں بخش دی گئیں“ پھر آپ ﷺ نے یہی آیہ مبارکہ کی تلاوت فرمائی تیسری ضرب لگائی چٹان سے پھر روشنی نکلی اور چٹان ریزہ ریزہ ہوگئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا ”أُعْطِيتُ مَفَاتِيحَ الْيَمَنِ“، ”مجھے یمن کی کنجیاں عطا فرمادی گئیں۔“

میرے آقا ﷺ نے نہ صرف چٹان کو پارہ پارہ کر دیا بلکہ دو بڑے ملکوں کی فتح کا مژدہ بھی سنا دیا جبکہ حالات کی نزاکت اور ماحول کی ناسازگاری کا یہ عالم ہے کہ دشمن کا گہرا بادل چھایا ہوا ہے ایک طوفان ہے جو اُمنڈ رہا ہے جس کے مقابلے کے لئے مادی وسائل نہ ہونے کے برابر ہیں نہ فوج کے لئے ساز و سامان ہے نہ خوراک کا معقول انتظام ہے، یہودی اور منافقین اندرونی سازشوں میں مصروف ہیں۔ ان حالات میں قیصر و کسریٰ، روم و یمن کی فتح کی خبر، مخبر صادق ﷺ کے سوا کون دے سکتا ہے اور اس پر یقین ان اہل ایمان کے سوا کون کر سکتا ہے جو اپنے نبی کی ہر بات پر غیر متزلزل یقین رکھتے ہوں۔

حق تو یہ ہے کہ یہ خبر نہ تھی بلکہ زبان رسالت سے فیصلہ الہی کا اعلان تھا تاریخ گواہ ہے دنیا نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور مانا کہ خلیفہ ثانی حضرت امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ کا دور آیا اور یہ سلطنتیں اللہ کے سپاہیوں نے اپنے پیروں سے روندیں، ان کے محلات پر علم اسلام لہرا تا نظر آیا۔ خلیفہ ثانی رضی اللہ عنہ کی وساطت سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیش گوئی کی تکمیل ان کے خلیفہ برحق ہونے کا واضح ثبوت ہے۔

اے ایمان والو! یہ واقعات صرف پڑھنے اور سننے کے نہیں کتابوں کی زینت نہیں بلکہ تمہارے ایمان کی تازگی کا ذریعہ ہیں یقین کامل اور اعتماد میں اضافہ کا ذریعہ ہیں ہر مؤمن کو یہ یقین کرنا چاہئے کہ اہل ایمان کے لئے مادی وسائل اتنے اہم نہیں جتنے مادہ پرستوں کے لئے ہیں اہل ایمان تو اپنے مقدس مقاصد کے حصول کے لئے صرف اللہ اور اس کے رسول پر توکل کرتے ہوئے آگے بڑھتے ہیں تو راستہ کی ساری چٹانیں خود بخود پاش پاش ہوتی چلی جاتی ہیں اور روشن مستقبل کے

منارے قریب نظر آنے لگتے ہیں جبکہ تذبذب اور تزلزل، ناکامی و نامرادی کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔

ایک وظیفہ

آیہ مبارکہ ”وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَعَدْلًا ۚ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِهِ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ“ اور مکمل ہو گئی آپ کے رب کی نعمت سچائی اور عدل سے نہیں کوئی بدلنے والا اس کی باتوں کو اور وہی سب کچھ سننے والا اور جاننے والا ہے (الانعام: ۱۱۵) حل مشکلات اور دفع مصائب و آلام کے لئے ایک نہایت مؤثر وظیفہ ہے ہر نماز کے بعد کم از کم سات مرتبہ اس آیہ مبارکہ کو پڑھ لینا چاہئے کہ میرے آقا ﷺ نے یہی آیہ مبارکہ چٹان پر ضرب لگاتے ہوئے تلاوت فرمائی جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں۔

خندق مکمل ہوگئی

بہر حال خندق کی کھدائی کا کام جاری رہا جو صحابہ اپنے حصہ کی کھدائی سے فارغ ہو جاتے وہ آرام سے نہ بیٹھ جاتے تھے بلکہ فوراً اپنے بھائیوں کی مدد کرنے لگتے تھے کہ وہ جانتے تھے کہ تقسیم کار تو کام میں ایک نظم پیدا کرنے کے لئے ہوتی ہے جب مقصد ایک ہو تو کام بھی مشترک ہوتا ہے ان جانبازوں کے اشتراک عمل کا نتیجہ یہ ہوا کہ مہینوں کا کام صرف چھ روز میں مکمل ہو گیا اور ساڑھے تین میل لمبی، پانچ گز چوڑی، پانچ گز گہری خندق مکمل ہو گئی جس سے فارغ ہو کر مناسب مقامات پر خیمہ لگائے گئے اور غلام اپنے آقا کے ساتھ تھوڑا آرام کرنے کا ارادہ کر رہے تھے کہ دشمن کے حملہ آور ہونے کا ایک ہنگامہ برپا ہو گیا۔

حضرت جابر کی دعوت

خندق کی کھدائی کے دوران حضرت سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کی دعوت کا مشہور واقعہ پیش آیا۔ جس کی تفصیل کچھ یوں ہے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین شب و روز نہایت محنت و مشقت سے خندق کی کھدائی میں مصروف تھے اس دوران انہیں کوئی مقوی یا مفروح خوراک ملنا تو درکنار ایک وقت کا پیٹ بھر کھانا بھی میسر نہ تھا کئی کئی دن کے فاقہ ہوتے تھے، پیٹوں پر پتھر باندھ لئے جاتے تھے۔ ایک دن صحابہ نے اپنے آقا ﷺ کو اپنا حال بتاتے ہوئے اپنے پیٹ پر بندھے پتھر دکھائے تو آقائے رحمت ﷺ نے اپنا مبارک کرتا اٹھا کر دکھایا تو یہ دیکھ کر غلاموں کی آنکھیں پر نم ہو گئیں کہ آپ ﷺ کے مقدس پیٹ پر دو پتھر بندھے ہوئے تھے۔ یہی وہ قائدانہ انداز تھا جو قائد کو قوم کے دلوں کا حاکم بنا دیتا ہے جس کی تعلیم میرے آقا ﷺ نے اکثر مواقع پر دی اور جس نے باہمی جنگ و جدل کے عادی لوگوں کو منظم و متحد کر دیا جبکہ آج کے ناکام حکام اپنے دفاتر میں عیش و عشرت میں مصروف رہتے ہیں، سپاہی میدان جنگ میں دشمن کا شکار بنتے رہتے ہیں حکام تک گولیوں اور گولوں کی آواز تو درکنار میدان جنگ کا گرد و غبار تک نہیں پہنچ پاتا نتیجتاً قوم یا تو بغاوت پر مجبور ہو جاتی ہے یا ناکامی و نامرادی اس کا مقدر بن جاتی ہے اور غلامی ان کے گلے کا ہار بن جاتی ہے جب تک امت مسلمہ کو ایسے بزدل و ذلیل حکام سے نجات نصیب نہیں ہوتی ذلت و خواری کا غبار ہی ان کے چہروں کا غارہ بنا رہے گا۔

بخاری و مسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کی انہوں نے کہا کہ ہم خندق کھود رہے تھے کہ ایک بہت

سخت چٹان آگئی لوگ حاضر بارگاہ ہوئے اور خبر دی کہ خندق میں ایک بڑا پتھر آگیا ہے آپ ﷺ نے فرمایا خندق میں میں اترتا ہوں پس آپ ﷺ کھڑے ہوئے (ہم نے دیکھا کہ) آپ کے شکم مبارک پر دو پتھر بندھے ہوئے تھے اور ہمیں تین روز ہو گئے تھے کہ کوئی چیز نہ چکھی تھی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کدال لے کر ضرب لگائی تو پتھر ریت جیسا ہو گیا۔ میں اپنی بیوی کے پاس گیا اور کہا کیا تمہارے پاس کھانے کے لئے کچھ ہے کہ میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سخت بھوک کی حالت میں دیکھا ہے (میں چاہتا ہوں کہ آپ کے لئے کھانے کا انتظام کیا جائے، جس قوم کا آقا خود بھوکا رہتا ہو اس کے گھروں میں کھانے پینے کے لئے کیا ہو سکتا ہے پس حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی اہلیہ نے) ایک تھیلی نکالی جس میں تین چار کلو جو تھے (اور کہا میں یہ جو بیستی ہوں) حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ہمارے پاس ایک بکری کا بچہ تھا (جو میرے بچوں نے بڑے ہی شوق سے پالا تھا، بیوی نے کہا آپ اس بکری کے بچے کو ذبح کر لیجئے) پس میں نے بکری کا بچہ ذبح کیا، گوشت بنایا پھر میں سرکار کی خدمت میں حاضر ہوا اور چپکے سے عرض گزرا ہوا یا رسول اللہ ﷺ! میں نے ایک بکری کا بچہ ذبح کیا ہے اور تین چار کلو جو پیسے ہیں (یعنی کھانا کم ہے لہذا صرف) چند بھائیوں کے ہمراہ کھانے کے لئے میرے غریب خانہ پر تشریف لے چلے یہ سنتے ہی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے باواز بلند فرمایا ”يَا هَلْ الْخَنْدَقِ إِنَّ جَابِرًا صَنَعَ سُورًا فَحَيَّ هَلَابَكُمْ“ اے اہل خندق جابر نے تمہارے لئے کھانا تیار کیا ہے پس آؤ جلدی کرو (کیونکہ یہ کب ممکن تھا کہ آقا ﷺ سیر و سیراب ہو جائیں اور غلام خالی پیٹ کام میں لگے رہیں یہ سن کر جابر پر کیا بتی ہوگی یہ تو انہی کو پتہ ہوگا لیکن شاید انہیں کچھ سکون آیا ہوگا جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا) اے جابر! گھر جلدی جاؤ، اہلیہ سے کہو چولہے سے ہانڈی نہ اترے اور روٹیاں نہ پکیں جب تک میں گھر نہ پہنچ جاؤں آپ ﷺ تشریف فرما ہوئے تو میں نے آٹا آپ کے سامنے پیش کر دیا۔ آپ ﷺ نے اس میں لعاب دہن ڈالا اور دعائے برکت فرمائی پھر آپ ہانڈی کے قریب تشریف لائے اس میں لعاب دہن ڈالا اور دعائے برکت فرمائی پھر فرمایا کسی روٹیاں پکانے والی کو بلاؤ کہ تمہارے ساتھ روٹیاں پکائے، ہانڈی سے گوشت نکالتے رہنا اور اسے چولہے سے نیچے نہ اتارنا وہ ایک ہزار تھے (ممکن ہے سب صحابہ نہ آئے ہوں ورنہ لشکر کی تعداد تین ہزار مروی ہے) اللہ کی قسم سب نے خوب کھایا اور باقی چھوڑ کر چلے گئے ”وَإِنْ بَرُمْتَنَا لَتَنَظُّنَّ كَمَا هِيَ وَإِنْ عَجِئْنَا لَيَخْبِرُنَّ كَمَا هُوَ“ جبکہ ہمارے ہانڈی اسی طرح جوش مار رہی تھی اور روٹیاں پکانے کے باوجود ہمارا آٹا اتنا ہی تھا (یہ ایک معمولی برکت تھی اس کے لعاب مبارک کی جسے اللہ نے اپنے خزانوں کی کنجیوں کا امین بنایا تھا وہ بھوکا پیاسا تھا صرف اس لئے کہ مستقبل کے بھوکوں پیاسوں کی ہمت افزائی کا وسیلہ بنے) ﷺ۔

آغاز جنگ

غزوہ خندق کی کھدائی کا کام ختم ہوا، کوہ سلع کے قرب و جوار میں خیمے لگادیے گئے ابھی آرام کی نوبت نہ آئی تھی کہ دشمن کے حملہ آور ہونے کی اطلاع ملی حملہ کیا تھا ایک طوفان تھا جو امنڈا چلا آ رہا تھا۔ دو، چار ہزار نہیں، بارہ یا پندرہ ہزار کا زبردست لشکر تھا اتنا بڑا لشکر اب تک اہل عرب کی آنکھوں نے نہ دیکھا تھا دشمن پوری تیز رفتاری سے آگے بڑھ رہے تھے کہ

اچانک انہوں نے خندق کو دیکھا تو حیران و ششدر رہ گئے کہ اہل عرب کو اس جنگی تدبیر کا سان و گمان بھی نہ تھا ممکن ہے کہ انہوں نے اس کے متعلق سنا ہو لیکن خندق کبھی دیکھی نہ تھی مجبوراً خندق کے دوسرے طرف انہوں نے پڑاؤ ڈال دیا۔ دوسری طرف اللہ کے رسول ﷺ نے کوہِ سلع کو اپنی پشت کی طرف رکھتے ہوئے اپنے غلاموں کی صف بندی فرمائی لیکن اہل ایمان کی حیرت کی اس وقت انتہا نہ رہی جب تا حد نظر انہیں خیمے ہی خیمے نظر آ رہے تھے انسانوں، گھوڑوں اور اونٹوں کے جھنڈ کے جھنڈ نظر آ رہے تھے۔ اونٹ ذبح کئے جا رہے تھے، چولہے جل رہے تھے، کھانے پک رہے تھے اور ادھر تعداد بھی کم تھی کسی چولہے میں آگ نہ تھی، فاقہ مست ایمان کے نشہ میں جھوم رہے تھے لیکن تھوڑی دیر کے لئے ان کا جو حال ہوا اسے قرآن کریم نے بیان فرمایا:

إِذْ جَاءُوكُم مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ أَسْفَلَ مِنكُمْ وَإِذْ زَاغَتِ الْأَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّونَ بِاللَّهِ الظُّنُونًا ۚ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُونَ وَزُلْزِلُوا زِلْزَالًا شَدِيدًا ۝ (الاحزاب: ۱۰-۱۱)

جب دشمن نے حملہ کیا تم پر اوپر کی طرف سے اور نیچے کی طرف سے اور جب بوجہ دہشت تمہاری آنکھیں پتھرا گئیں اور کلیجے منہ کو آنے لگے اور تم اللہ کے متعلق مختلف خیالات کرنے لگے اس موقع پر اہل ایمان کو آزمایا گیا اور انہیں خوب جھنجھوڑا گیا۔

دشمن کا ایک طوفان سامنے آیا تو فطری دہشت پیدا ہوئی اور ایسے موقع پر انسان کی جو کیفیت ہوتی ہے وہی ان ایمان والوں کی ہوئی کہ آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں، دل ایسے دھڑکنے لگے کہ محسوس ہوتا تھا کہ حلق میں آئے جاتے ہیں جس اللہ پر اعتماد تھا اسی کے متعلق طرح طرح کے خیالات پیدا ہونے لگے شاید یہ کہ نہ جانے اب اللہ ہماری مدد کرے گا یا نہیں کہیں ہمارا رب ہم سے ناراض تو نہیں ہو گیا کہ ہم پر اس صورت میں اس کا عذاب نازل ہو رہا ہے کہیں ایسا تو نہیں کہ ہم سب تہس نہس کئے جانے والے ہیں اور اسلام کا نام ختم ہونے والا ہے وغیرہ وغیرہ۔ اس صورت حال میں اس وقت مزید اضافہ ہوا جب اندرونی صدمہ پہنچا کہ اسی موقع پر منافقین نے اپنی سرشت کے مطابق دھوکا دیا انہوں نے مسلمانوں میں انتشار پیدا کرنے کے لئے انہیں طرح طرح سے ورغلانا شروع کیا ایسی باتیں پھیلاتے گئے جن سے ان کی ہمت شکنی ہو۔

وَإِذْ يَقُولُ الْمُنَافِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ قَدْ وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ إِلَّا غُرُورًا ۝ (الاحزاب: ۱۲)

اس موقع پر منافق اور وہ جن کے دلوں میں روک تھا کہہ رہے تھے کہ اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے (فتح کا) وعدہ صرف دھوکا دینے کے لئے کیا۔

یہ ظالم اللہ اور اس کے رسول کے سچے وعدے کو دھوکا تک قرار دینے لگے، اہل ایمان کے پائے ثبات کو متزلزل کرنے کے لئے انہیں یہ مشورہ دینے لگے۔

وَإِذْ قَالَتْ طَائِفَةٌ مِّنْهُمْ يَا أَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَانْجِعُوا

اور جب ان (منافقین) کی ایک جماعت کہتی پھر رہی تھی کہ اے یثرب والو! تمہارے لئے اب یہاں ٹھہرنا ممکن نہیں، لہذا اب لوٹ چلو۔ (الاحزاب: ۱۳)

دیکھو کتنا بڑا لشکر تمہارے سامنے ہے ان کے پاس کس قدر وافر سامان جنگ اور سامان خوراک وغیرہ ہے، ان کے سامنے تم ہر اعتبار سے کمتر اور کمزور ہو۔ ان کا مقابلہ اپنی موت کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔ پس بہتر یہی ہے کہ اب یہاں سے بھاگ چلو یہاں ٹھہرنا اور مقابلے کا ارادہ کرنا بے سود ہے اور اگر ہم نے ایسا کیا تو سب کے سب مارے جائیں گے ”فَارْجِعُوا“ پس لوٹ چلو اسی میں عافیت ہے۔

وَيَسْتَأْذِنُ فَرِيقٌ مِّنْهُمُ النَّبِيَّ يَقُولُونَ إِنَّ بُيُوتَنَا عَوْرَةٌ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ إِنَّ يُرِيدُونَ إِلَّا فِرَارًا ۝۱۴

(الاحزاب: ۱۳)

اور اجازت مانگنے لگا ان میں سے ایک گروہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے یہ کہتے ہوئے کہ ہمارے گھر بالکل غیر محفوظ ہیں حالانکہ وہ غیر محفوظ نہ تھے ان کا یہ بہانہ صرف بھاگنے کے لئے تھا۔

یہ ظالم صرف پروپیگنڈا ہی نہیں کر رہے تھے بلکہ انہوں نے اہل ایمان کی مزید ہمت شکنی کے لئے خود میدان سے بھاگنے کی تدبیریں شروع کر دیں ان میں کچھ لوگوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ بہانا کرتے ہوئے واپس جانے کی اجازت چاہی کہ ہمارے اہل وعیال غیر محفوظ ہیں ان کی دیکھ بھال کرنے والا کوئی نہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ دشمن حملہ کرے اور ہمارے گھروں تک پہنچ جائے۔ ہمارے بیوی بچوں کو تہ و تیغ کر دے اور ہمارا گھربار لوٹ لے پس ہم چاہتے ہیں کہ شہر کے اندر رہ کر ہم دشمن کا مقابلہ کریں تاکہ ہم اپنے اہل وعیال اور مال و منال کو دشمنوں سے بچا سکیں۔ اللہ فرماتا ہے یہ جھوٹے مکار تھے صرف بھاگنے کا بہانہ تلاش کر رہے تھے تاکہ ان کو دیکھ کر اہل ایمان بھی بھاگنے لگیں اور لشکر اسلام، انتشار و افتراق کا شکار ہو جائے ان کے گھربالکل غیر محفوظ نہ تھے۔ ساڑھے تین میل لمبی خندق نے شہر کو بالکل محفوظ کر دیا تھا۔ علاوہ ازیں جو اہل ایمان سینہ سپر دشمن کے مقابلہ کے لئے تیار کھڑے تھے ان کا بھی تو سب کچھ اسی شہر میں تھا جس میں ان کے بیوی بچے تھے۔ یہ بہانہ نہ تھا تو اور کیا تھا ان کے مکر و فریب کا پردہ تو اس قوت چاک ہوتا جب دشمن مدینہ کے اندر داخل ہو جاتا تب دنیا دیکھ لیتی کہ یہ کس طرح دشمن کا استقبال کرتے اور دشمن کی دعوت پر کس طرح ہتھیاروں سے سج دھج کر مسلمانوں کے خلاف سینہ سپر ہو جاتے کہ یہ مار آستین ہیں، ہمیشہ سے مسلمانوں کے دشمن ہیں۔

وَلَوْ دَخَلَتْ عَلَيْهِمْ مِّنْ أَقْطَارِهَا ثُمَّ سَبَلُوا الْفِتْنَةَ لَأَتَوْهَا وَمَا تَكْبَثُوا بِهَا إِلَّا

(الاحزاب: ۱۴)

يَسِيرًا ۝۱۵

اور اگر (دشمن) گھس آتے ان پر مدینہ کے اطراف سے پھر انہیں فتنہ و فساد میں شریک ہونے کے لئے کہا جاتا تو فوراً وہ اس میں شریک ہو جاتے اور توقف نہ کرتے مگر تھوڑا۔



بلا توقف جنگ کی آگ میں کود پڑتے اب دشمن کو دیکھ کر یہ بہانے بازی کر رہے ہیں راہ فرار نکالنے کی کوششیں کر رہے ہیں حالانکہ یہ ظالم تو مسلمانوں کے سامنے بڑے لمبے چوڑے دعوے کیا کرتے تھے کہ انہوں نے اہل ایمان کی طرح اللہ سے عہد کر رکھا ہے کہ یہ اسلام کی حفاظت کے لئے خون تک بہانے سے دریغ نہ کریں گے سرکنا دیں گے مگر پیچھے ہٹنے کا نام تک نہ لیں گے۔

وَلَقَدْ كَانُوا عَاهِدُوا اللَّهَ مِنْ قَبْلُ لَا يُؤَلُّونَ الْأَدْبَارَ ط (الاحزاب: ۱۵)

حالانکہ یہی لوگ اللہ سے وعدے کر چکے تھے کہ وہ پیٹھ نہ پھیریں گے۔

کہاں گئے ان کے وعدے، کیا ہوئے ان کے دعوے، آج یہ جو بد عہدی اور بے وفائی ہمارے سپاہیوں کے ساتھ کر رہے ہیں اس کا انجام کل ان کے سامنے آ جائے گا ”وَكَانَ عَهْدُ اللَّهِ مَسْئُولًا“ کہ اللہ کے دربار میں ہر عہد کے متعلق سوال کیا جائے گا۔ اے پیارے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام آپ ان دھوکے بازوں کی قطعاً پروا نہ کیجئے، پس انہیں اتنا بتاد دیجئے:

قُلْ لَنْ يَنْفَعَكُمْ الْفَرَارُ إِنْ قَرَرْتُمْ مِّنَ الْمَوْتِ أَوِ الْقَتْلِ وَإِذًا لَّا تَسْتَعِينُونَ إِلَّا قَلِيلًا ۝

(الاحزاب: ۱۶)

فرماد دیجئے (اے بھگوڑو) تمہیں نفع نہیں دے گا بھاگنا اگر تم بھاگنا چاہتے ہو موت سے یا قتل سے (اگر تم نے اس وقت جان بچا بھی لی) تو تم لطف اندوز نہ ہو سکو گے مگر تھوڑے سے۔

موت سے فرار نہ صرف حماقت ہے بلکہ خلاف حقیقت ہے کہ میدان جنگ سے بھاگ بھی گئے تب بھی موت اپنے وقت پر ضرور آدبوج لے گی ”أَيْنَمَا تَكُونُوا يُدْرِكُكُمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِي بُرُوجٍ مُّشِيدَةٍ“ تم جہاں کہیں ہو گے موت تمہیں آدبوج لے گی چاہے تم مضبوط قلعوں میں پناہ گزین ہو جاؤ پھر چند روز مہلت کے لئے اپنے دامن کو بزدلی اور بھگوڑے ہونے کا داغ لگانا کونسی عقلمندی ہے جبکہ آج نہیں تو کل بہر حال موت آئی ہے اور ہر ایک کو جوابدہی کے لئے رَبِّ الْعَالَمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ کے دربار میں حاضر ہونا ہے۔

قُلْ إِنَّ الْمَوْتَ الَّذِي تَفِرُّونَ مِنْهُ فَإِنَّهُ مُلَاقِيكُمْ ثُمَّ تُرَدُّونَ إِلَىٰ عِلِّمِ الْغَيْبِ وَ

(الجمعة: ۸)

الشَّهَادَةِ قِيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۝

(حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام) آپ بتا دیجئے یقیناً وہ موت جس سے تم بھاگے وہ تمہیں ضرور مل کر رہے گی پھر لوٹا دیا جائے گا تمہیں اس کی طرف جو جاننے والا ہے ہر چھپے اور ظاہر کو پھر وہ تمہیں آگاہ کرے گا ان اعمال سے جو تم کرتے تھے۔

غرضیکہ مکار منافقوں نے مسلمانوں کی ہمت شکنی اور ان میں انتشار پیدا کرنے کی کوششوں میں کوئی کسر باقی نہ رکھی تھی کہ جب انہوں نے اہل ایمان کو قدرے پریشان اور متفکّر دیکھا تو انہیں مزید طعنہ زنی کا موقع ہاتھ آیا وہ کہنے لگے کہ تم نے سنا تھا کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام چٹان کا ٹرہے تھے تو خبریں دے رہے تھے کہ تم روم، فارس اور یمن فتح کرو گے

موجودہ حالات میں کیا یہ مذاق نہیں کیا تم توقع کر سکتے ہو کہ تم کبھی ان ممالک کو فتح کر سکو گے دیکھو اس وقت جو دشمن تمہارے سامنے ہے اس کا مقابلہ ہی ممکن نہیں آگے کیا امید رکھی جاسکتی ہے۔ یہ عذاب الہی ہے جو ہمارے سامنے ہے (العیاذ باللہ) اگر ہم نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بات مان لی اور دشمن کے مقابلہ کے لئے یہاں ٹھہرے رہے تو نہ جانے ہمارا کیا حشر ہوگا ”فَارْجِعُوا“ تو لوٹ چلو اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حکم دیا کہ ہمارے سپاہیوں کی ہمت افزائی اور ان کے اطمینان کے لئے منافقین کو بتا دیجئے۔

قُلْ مَنْ ذَا الَّذِي يَعْصِيكُمْ مِنَ اللَّهِ إِنْ أَرَادَ بِكُمْ سُوءًا أَوْ أَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً ۖ وَلَا يَجِدُونَ لَهُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ۝ (الاحزاب: ۱۷)

(اے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام) فرما دیجئے کون بچا سکتا ہے تمہیں اللہ سے اگر وہ تمہیں عذاب دینے کا ارادہ فرمالے یا اگر وہ تم پر رحمت فرمانا چاہتا ہے اور نہیں پائیں گے وہ لوگ اپنے لئے اللہ کے سوا کوئی دوست اور نہ کوئی مددگار۔

فیصلہ الہی سے کوئی کسی کو نہیں بچا سکتا یہ موت یا قتل سے بھاگ کر کسی اور کی پناہ تلاش کرتے ہیں تو انہیں بتا دیجئے کہ انہیں کوئی پناہ گاہ نہیں مل سکتی گھروں میں بیٹھے ہوں اور اللہ انہیں عذاب میں مبتلا کرنا چاہے تو کون ہے جو انہیں عذاب الہی سے بچالے اور اگر یہ میدانِ کارزار میں ہوں اور اللہ اپنے فضل و کرم سے انہیں اپنی رحمت کے سایہ میں پناہ دینے کا فیصلہ کرے تو کوئی قوت و طاقت انہیں ضرورتِ تکلیف نہیں پہنچا سکتی غرضیکہ اللہ کے سوا کوئی ان کا ساتھی اور مددگار نہیں ہو سکتا۔

قَدْ يَعْلَمُ اللَّهُ الْمَعْوِقِينَ مِنْكُمْ وَ الْقَائِلِينَ لِإِخْوَانِهِمْ هَلُمَّ إِلَيْنَا وَلَا يَأْتُونَ الْبَاسَ إِلَّا قَلِيلًا ۝ (الاحزاب: ۱۸)

اللہ خوب جانتا ہے جہاد سے روکنے والوں کو تم میں سے اور انہیں جو اپنے بھائیوں سے کہتے ہیں (اسلامی لشکر چھوڑ کر) ہماری طرف آ جاؤ اور وہ خود بھی جنگ میں شرکت نہیں کرتے مگر برائے نام۔

اللہ، ان منافقین کے حال کو خوب جانتا ہے جو اللہ کے سپاہیوں کی ہمت شکنی کرتے ہیں انہیں جہاد سے روکنے کی کوششیں کرتے ہیں انہیں اپنے ساتھ مل جانے کی دعوت دیتے ہیں اور بظاہر برائے نام جنگ میں شریک رہتے ہیں کہ پس دن میں ایک آدھ مرتبہ میدانِ جنگ کا چکر لگا لیتے ہیں تاکہ مسلمان ان کو اپنا جانیں اور ان کے مکر و فریب کا بآسانی شکار ہو سکیں حالانکہ یہ لوگ:

أَشِحَّةٌ عَلَيْكُمْ ۚ فَإِذَا جَاءَ الْخَوْفُ رَأَيْتَهُمْ يَنْظُرُونَ إِلَيْكَ تَدُورُ أَعْيُنُهُمْ كَالَّذِي يُغْشَىٰ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۚ فَإِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ سَلَقُوكُمْ بِالنِّسَةِ جَدَادٍ أَشِحَّةً عَلَى الْخَيْرِ ۚ أُولَٰئِكَ لَمْ يُؤْمِنُوا فَأَحْبَطَ اللَّهُ أَعْمَالَهُمْ ۖ وَكَانَ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا ۝ (الاحزاب: ۱۹)

پر لے درجے کے کنجوس ہیں تمہارے معاملہ میں پھر جب خوف چھا جائے تو آپ انہیں ملاحظہ فرمائیں گے کہ وہ آپ کی طرف یوں دیکھنے لگتے ہیں کہ ان کی آنکھیں چکرار ہی ہوتی ہیں اس شخص کی طرح جس پر موت کی غشی طاری ہو پھر جب خوف دور ہو جائے تو تمہیں سخت اذیت پہنچاتے ہیں اپنی تیز زبانوں سے بڑے حریص ہیں مالی غنیمت کے حصول میں یہ لوگ (درحقیقت) ایمان نہیں لائے پس اللہ نے ضائع کر دیئے ان کے اعمال اور ایسا کرنا اللہ کے لئے بالکل آسان ہے۔

نہایت ہی خسیس و کنجوس ہیں جہاد کے لئے کوئی مالی تعاون تو درکنار یہ تو اہل ایمان سے کوئی اچھی اور بھلی بات تک نہیں کہہ سکتے ہاں ان میں انتشار و افتراق پیدا کرنے اور افواہیں اڑانے کا کام بڑی فراخ دلی سے انجام دیتے ہیں بزدل اتنے ہیں کہ خوف و دہشت کے وقت ان کی حالت ایسی ہو جاتی ہے جیسے کسی کی موت کا پتہ چل جانے پر ہو جاتی ہے اور جب دشمن کا خوف ختم ہو جاتا ہے تو یہ لمبی لمبی ڈیگیں مارتے ہیں اپنی بہادری کے جھوٹے قصہ بیان کرتے ہیں صرف اس لئے کہ مال غنیمت سے انہیں سب سے زیادہ حصہ حاصل ہو سکے یہ حرکتیں وہی لوگ کر سکتے ہیں جن کے سینے میں نور ایمان نہیں ہوتا پس انہوں نے اگر کچھ نیکیاں کی بھی ہیں تو ذاتی مفاد کے حصول اور لوگوں کو دکھانے کے لئے اور ایسے اعمال قابل قبول نہیں ہوتے ان لوگوں کی بزدلی کا مزید حال یہ ہے۔

يَحْسَبُونَ الْأَحْزَابَ لَمْ يَذْهَبُوا

یہ ہی خیال کرتے رہتے ہیں کہ دشمن کے جتھے اب تک نہیں گئے

دشمن کے چلے جانے کے بعد بھی یہ کانپتے ہی رہتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ دشمن اب تک ان پر مسلط ہے ان بزدلوں میں پیچھے مڑ کر دیکھنے کی ہمت تک نہیں ہوتی۔

وَإِنْ يَأْتِ الْأَحْزَابُ يَوَدُّ الَّذِينَ الْوَأْتَتْهُمْ بَادُونَ فِي الْأَعْرَابِ يَسْأَلُونَ عَنْ أَنْبَاءِكُمْ وَلَوْ

(الاحزاب: ۲۰)

كَانُوا فِيكُمْ مَا قَاتِلُوا إِلَّا قَلِيلًا

اگر دشمن کے جتھے دوبارہ پلٹ کر آجائیں تو یہ پسند کریں گے کہ کاش وہ صحرا میں بدوؤں کے ساتھ ہوتے تمہاری خبریں معلوم کرتے رہتے اور اگر یہ تم میں موجود بھی ہوتے تو جنگ کرتے مگر برائے نام۔

ان کی بزدلی کی یہ حالت ہے کہ اگر کہیں ایسا ہوتا کہ دشمن دوبارہ پلٹ کر آ جاتا تو خوف کے مارے ان کی بری حالت ہو جاتی اور یہ آروز کرنے لگتے کہ کاش! ہم قریبی جنگوں میں آباد بدوؤں کی پناہ لے لیتے اور وہاں آنے جانے والوں سے مسلمانوں کی خبریں معلوم کرتے رہتے پس اچھا ہوا کہ یہ بھگوڑے اسلامی لشکر سے بھاگنے کی تدبیریں کر رہے ہیں اگر یہ لشکر میں شامل بھی ہوتے تو کیا کمال دکھاتے سوائے اس کے اپنے آپ کو بچا بچا کر برائے نام دکھا دے کے لئے جنگ میں شریک رہتے ایسے خبیثوں کا اسلامی لشکر سے نکل جانا ہی بہتر ہے۔

اے ایمان والو! منافقین و کفار کا حال نہایت وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا گیا۔ صرف غزوہ احزاب میں

شریک کفار و منافقین ہی کی یہ کیفیت نہ تھی بلکہ ہر دور کے منافقوں اور کافروں کا یہی حال ہوتا ہے کہ مکر و فریب ان کی فطرت ہے بزدلی ان کی سرشت میں ہے جس کا تعلق کسی دور سے نہیں حالات یا ماحول سے نہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ کفر و نفاق انسان کو بزدل ہی بناتا ہے مکار و عیار ہی بناتا ہے پس قیامت تک کے کفار و منافقین کا حال ایک جیسا ہی ہونا یقینی ہے جبکہ مومن کا چاہے کسی دور کا ہو اگر اس کا قلب نور ایمان سے منور ہو بد عملی اور بد کرداری سے وہ محفوظ ہو تو وہ یقیناً بہادر ہوتا ہے، نڈر ہوتا ہے اس کا ظاہر و باطن ایک جیسا ہی ہوتا ہے کیونکہ ایمان ایک ایسی عظیم قوت ہے جو مسلمان کو پیکر صبر بنا دیتی ہے۔ استقلال و استقامت کا پہاڑ بنا دیتی ہے جس سے ٹکرا کر بڑے بڑے طوفان گزرتے رہتے ہیں لیکن اس میں تذبذب، تزلزل پیدا نہیں ہو پاتا خوف اور ڈر اس کے قریب نہیں پھٹک پاتا پس اہل ایمان کو چاہئے کہ وہ ہر دور کے منافقین و کفار کو غزوۂ احزاب کے کفار و منافقین کی طرح عیار، مکار اور بزدل جانیں ان پر کبھی اعتماد نہ کریں ان کے در کے کبھی بھکاری نہ بنیں ان کو اپنا حمایتی، مددگار اور دوست نہ جانیں کہ وہ ہمیشہ اہل ایمان کو دھوکا ہی دیتے رہے ہیں اور ہمیشہ یہی کرتے رہیں گے۔

### عظیم نعمت

اہل ایمان کو تو ہم نے ایک نہایت ہی عظیم اور بڑی نعمت سے نوازا ہے کہ انہیں ایک کامل رہبر اور رہنما عطا فرمایا ہے جو بہترین قائد ہے، بہترین معلم ہے جس نے اپنے غلاموں کو انسانی اقدار کی تعلیم دی، بہترین عادات و اطوار کی دولت سے مالا مال کیا۔ خزانہ تہذیب و تمدن کے دروازے ان کے لئے کھول دیئے، دریائے علم و عمل کا رخ ان کی طرف کر دیا انہیں قیادت و حکومت کے طریقوں سے روشناس کیا۔ دیانت و امانت کے اہم اصول زندگی انہیں عطا فرمائے استقلال و استقامت کا انہیں مستحکم و مضبوط پہاڑ بنایا۔ صبر و قناعت کا انہیں پیکر بنایا۔ انسانوں کو انسانوں سے ملنا جلنا سکھایا، چھوٹوں کو بڑوں کے احترام کی تعلیم دی، بڑوں کو چھوٹوں پر شفقت کرنے اور ان سے محبت کرنے کا حکم دیا، انسانوں کے باہمی حقوق کا تعین کیا، حلال و حرام میں امتیاز کی تاکید فرمائی۔ معاشرے میں بد امنی، انتشار و افتراق پیدا کرنے والے اسباب و اعمال کی بیخ کنی فرمائی، محبت و الفت کے پھول بکھیرنے کا درس دیا، جس کے سایہ رحمت میں دوستوں ہی کو نہیں دشمنوں کو بھی پناہ ملی، انسان ہی نہیں جانور بھی فیض یاب ہوئے۔ جس نے انسان کو حکومت، سیاست، تجارت، قیادت کے کامیاب اصول عطا فرمائے اس معلم کامل ﷺ کی لائی ہوئی کتاب کو کتابِ مبین اس کے لائے ہوئے دین کو دین کامل قرار دیا گیا اور اس کے اقوال و اعمال، اس کی ایک ایک ادا کو اہل ایمان کے لئے ”اُسوۂ حسنہ“ قرار دیا گیا۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُوا اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَ

(الاحزاب: ۲۱)

ذَكَرَ اللَّهُ كَثِيرًا ۝

بیشک تمہاری رہنمائی کے لئے اللہ کے رسول میں بہترین نمونہ ہے اس کے لئے جو اللہ سے ملنے اور قیامت کے آنے کی امید رکھتا ہے اور کثرت سے اللہ کو یاد کرتا ہے۔

أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

اُسوہ، کی لفظی تحقیق کرتے ہوئے علامہ ابن منظور رحمۃ اللہ علیہ فرماتے اَلْأُسْوَةُ وَالْأُسْوَةُ الْقَدْرَةُ یعنی پیشوا، رہنما، امام نیز فرماتے ہیں: اَلْأُسْوَةُ وَالْأُسْوَةُ، لُغَتَانِ وَهُوَ مَا يَتَأَسَّى بِهِ الْحَزِينُ أَيْ يَتَغَزَى بِهِ وَهِيَ جَسَدٌ كَوْنِي غَزَدَهُ اور شکتہ دل تسلی حاصل کرے یعنی نمگسار بہر حال اس کے لفظی معنی پیشوا، رہنما، امام یا نمگسار ہوں ہر معنی کا مصداق نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات بابرکات ہے کہ وہ ایسے کامل پیشوا امام اور رہنما ہیں کہ زندگی کے ہر شعبہ میں رہبری و رہنمائی فرماتے ہیں نمگسار ایسے ہیں کہ ہر امتی کا غم ان کا اپنا غم ہے جس پر قرآن کریم گواہ ہے:

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ

(توبہ: ۱۲۸)

رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ۝

بیشک تشریف لایا ہے تمہارے پاس ایک رسول تم میں سے گراں گزرتا ہے اس پر تمہارا مشقت میں پڑنا بہت

ہی خواہشمند ہے تمہاری بھلائی کا مومنوں کے ساتھ بڑی مہربانی فرمانے والا بہت رحم فرمانے والا ہے۔

میرے آقا ﷺ جیسا نمگسار، غمخوار، پیشوا نہ ہوا نہ ہو سکتا ہے آپ نے ہماری رہبری و راہنمائی کرتے ہوئے ہماری قوت و استطاعت کو ملحوظ رکھا ہر قسم کی محنت و مشقت سے بچانے کے لئے ہمیں دین یسوعطا فرمایا وہ شریعت مطہرہ عطا فرمائی جس پر ہمارے لئے عمل نہایت ہی سہل و آسان ہو حتیٰ کہ ہمیں مشقت سے بچانے کے لئے اپنی بعض پسندیدہ چیزوں کو بھی ہمارے لئے فرض یا واجب قرار نہ دیا مثلاً میرے رحیم آقا ﷺ کو نماز تراویح بے حد پسند تھی دورات آپ نے اسے جماعت سے ادا کیا چونکہ صحابہ کرام کو اس نماز میں بے حد لطف آیا اس لئے وہ تیسری رات بھی جمع ہوئے لیکن نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام باہر تشریف نہ لائے تو انہیں خیال ہوا کہ شاید آپ آرام فرمانے لگے، لہذا ان میں سے بعض نے کھانا شروع کیا تاکہ حضور علیہ السلام کو ان کے جمع ہونے کی خبر ہو جائے لیکن پھر بھی اللہ کے رسول ﷺ رونق افروز نہ ہوئے صبح آپ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا ”مَا زَالَ بِكُمْ الَّذِي رَأَيْتُمْ مِنْ ضَيْعِكُمْ“ تم لوگ جو کچھ کر رہے تھے میں دیکھ رہا تھا لیکن ”خَشِيتُ أَنْ يُكْتَبَ عَلَيْكُمْ“ مجھے یہ خیال ہوا کہ کہیں تم پر یہ نماز فرض نہ کر دی جائے کیونکہ ”وَلَوْ كُتِبَ عَلَيْكُمْ مَا قُضِيَ بِهِ“ اگر فرض کر دی جاتی تو اس کی پابندی تم پر دشوار ہو جاتی پس اب تم اپنے گھروں میں اس نماز کو پڑھا کرو۔ دوسری مثال ملاحظہ ہو میرے آقا ﷺ فرماتے ہیں راوی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں ”لَوْلَا أَشَقُّ عَلَى أُمَّتِي لَا مَرْتُهُمْ بِتَأْخِيرِ الْعِشَاءِ وَالسَّوَاكِ عِنْدَ كُلِّ صَلَاةٍ“ اگر مجھے اپنی امت کی دشواری کا خوف نہ ہوتا تو میں انہیں نماز عشاء رات کو دیر سے پڑھنے اور ہر نماز سے قبل مسواک کرنے کا حکم دیتا یعنی واجب کر دیتا گو یا سرکار کو یہ پسند ہے کہ عشاء کی نماز رات کو کچھ دیر سے (نصف شب سے قبل) پڑھی جائے (ہماری طرح نہیں کہ وقت شروع ہوا اور کھڑے ہو گئے) نیز آپ ﷺ کو مسواک بے حد مرغوب و پسند ہے۔ آپ ﷺ اپنی پسندیدگی کا اظہار تو فرما رہے ہیں تاکہ ہم بھی پسند کریں اور عمل کریں لیکن آپ ان دونوں کاموں کے کرنے کا حکم نہیں دے رہے لازمی قرار نہیں دے رہے کہ اگر ہم نہ کریں تو گناہگار ہوں صرف

ہمیں دشواری سے بچانے کے لئے صرف ہمیں گناہ سے بچانے کے لئے۔ یہ ہیں غمگسار آقا ﷺ۔

ذرا ایسی چند تعلیمات بھی بطور نمونہ ملاحظہ کیجئے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ غمخوار آقا ﷺ ہمیں اس طرح چھوٹی چھوٹی چیزیں بتا رہے ہیں جس طرح ایک باپ اپنے بچے کو بتاتا اور سکھاتا ہے تاکہ ہم ممکنہ تکلیف اور حادثہ سے محفوظ رہیں، ملاحظہ فرمائیے:

راوی ہیں حضرت عبداللہ بن شریح رضی اللہ عنہ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

لَا يَبُولَنَّ أَحَدُكُمْ فِي حُجُورٍ۔

کوئی سوراخ میں پیشاب نہ کرے۔

اس لئے کہ ممکن ہے اس میں کوئی زہریلا کیڑا ہو وہ نکل کر ایک دم کاٹ لے یا ممکن ہے کہ کوئی بے ضرر کیڑا ہو اور وہ مر جائے جیسے چیونٹی وغیرہ۔

راوی ہیں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے منع فرمایا:

أَنْ يُتَنَفَّسَ فِي الْأَنَاءِ أَوْ يُنْفَخَ فِيهِ۔

کہ (کچھ پیتے ہوئے) برتن میں سانس لی جائے یا پھونکا جائے۔

کہ اس سے جراثیم پیدا ہوتے ہیں جن سے بیماری پیدا ہونے کا خطرہ ہے اپنے کھانے پینے کی اشیاء کو جراثیم سے پاک و صاف رکھو۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روای ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے منع فرمایا:

أَنْ يَنَامَ الرَّجُلُ عَلَى سَطْحٍ لَيْسَ بِمَحْجُورٍ۔

کوئی ایسی چھت پر نہ سوئے جس کی چہار دیواری نہ ہو۔

کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی غلام نیند کے نشہ میں چلتا ہوا گر جائے، لہذا احتیاط ضروری ہے۔

میرے آقا ﷺ نے ”رات کو پانی ڈھک کر رکھنے کا حکم دیا“ کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی زہریلا کیڑا امنہ ڈال دے اور تم

اسے استعمال کر کے کسی بیماری یا تکلیف میں مبتلا ہو جاؤ فرمایا کہ رکھے ہوئے ”برتنوں کو دھو کر استعمال کرو“ تاکہ کسی کیڑے

وغیرہ کا زہر اگر ہو تو صاف ہو جائے غرضیکہ غمخوار و غمگسار آقا ﷺ نے غلاموں کو ممکنہ تکالیف سے بچانے کے لئے چھوٹی

چھوٹی باتیں تک بیان فرمادیں اسی طرح آپ نے عبادات و معاملات، معاشرتی و معاشی سیاسی و تنظیمی امور سے متعلق جو

احکامات عنایات فرمائے اگر آپ ان پر غور کریں تو آپ کو اندازہ ہوگا کہ ان تمام احکام میں حقوق، امن، سکون، عزت و وقار،

باہمی میل و محبت غرضیکہ ہر اعتبار سے ہمارے آرام و آسانی کو ملحوظ رکھا گیا ہے کیونکہ جس آقا ﷺ کی غلامی کا ہمیں شرف بخشا

کیا ہے وہ بلاشبہ ہمارے لئے ”اُسوۂ حسنہ“ غمخوار، رہنما اور بہر نہایت کامل قائد ہیں۔

اُسوہ، کے ایک معنی عام اور معروف ہیں نمونہ ”اُسوۂ حسنہ“ ایسا نمونہ جو ہر اعتبار سے کامل و مکمل بھی ہو اور حسن و

جمال کا پیکر بھی جس میں کوئی نقص و عیب، اہل علم، اہل حکمت، اہل خیر و عقل کو ہی نہیں، جاہلوں اور بے عقلوں کو بھی ڈھونڈے نہ مل سکے جس کے کمالات کا اعتراف اپنوں ہی کو نہیں بلکہ دشمنوں کو بھی کرنا پڑے جس کے سانچے میں ڈھل جانا اشرف المخلوقات ہونے کی سند ہو عزت و عظمت کی ضمانت اور فلاح و بہبود کا مژدہ ہو اس وسیع معنی کے اعتبار سے صرف بے عیب خالق کی پیدا کرہ بے عیب ذات، محبوب رب العالمین، رحمۃ اللعالمین، سید المرسلین ﷺ کی ہے جو اسوۂ حسنہ کہلانے کے مستحق قرار پاتے ہیں اور بلاشبہ قرآن کریم نے آپ ہی کو ”اسوۂ حسنہ“ فرمایا ہے۔

رب کریم نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ”اسوۂ حسنہ“ قرار دے کر آپ ﷺ کی عزت و عظمت، آپ کی رفعت اور کامیاب قیادت کو بھی واضح کر دیا، آپ ﷺ کے بیمثال حسن و جمال کا اعلان بھی فرما دیا اور یہ بھی بتا دیا کہ خالق کو وہی بندے پسند ہیں، وہی خالق کے انعامات کے مستحق قرار پائیں گے وہی کامیاب و کامران ہوں گے وہی باعزت و باوقار ہوں گے انہی کی زندگی پر سکون و پرامن ہوگی جو اس نمونہ کے مطابق اپنی زندگی کو استوار کریں گے اور ڈھالیں گے کہ یہ نمونہ ہیں ان بندوں کے لئے جو اللہ کو مطلوب اور پسند ہیں پس جو اللہ کا محبوب و پسندیدہ بننا چاہتا ہے اسے ان کی تعلیمات کی پابندی کرنا اور ان کی اداؤں کو اپنانا لازمی ہے لیکن یہ کام وہی کرے گا جسے اللہ کے دربار میں حاضری اور قیامت کے دن اپنے اعمال کی پوچھ گچھ کا یقین ہوگا اور جو ہر حال میں اللہ کو یاد کرتا رہتا ہوگا گویا اس نمونہ کو اپنانا علامت ہے یا ثبوت ہے مؤمن باللہ ہونے کا مؤمن بالآخرت ہونے اور ذاکر باللہ ہونے کا۔

لَئِنْ كَانَ يَرْجُوا اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا ۝ (الاحزاب: ۲۱)

(یہ بہترین نمونہ ہے) اس کے لئے جو اللہ سے ملنے اور قیامت کے آنے کی امید رکھتا ہے اور کثرت سے اللہ کو یاد کرتا ہے۔

حضور نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اسوۂ حسنہ ہونے کا اعلان جس موقع اور جن حالات میں کیا گیا وہی آپ کی اس عظیم خوبی کے ثبوت اور وضاحت کے لئے کافی ہیں کہ غزوۂ خندق کا موقع ہے، خندق کھودی جا رہی ہے۔ آقا و غلام، دونوں ایک حال میں نظر آتے ہیں۔ غلاموں کے ہاتھوں میں کدال ہے تو آقا کے دست مبارک میں بھی غلام مٹی کا ڈھیر سروں پر اٹھا اٹھا کر پھینک رہے ہیں تو آقا بھی اسی عمل میں مصروف نظر آتے ہیں۔ غلاموں کے جسم خاک سے اٹے ہوئے ہیں تو آقا کا جسم مقدس معطر، مطہر، منور بھی خاک سے اٹا، مٹی کے ڈھیر میں موتی کی طرح چمکتا نظر آ رہا ہے۔ غلام بھوکے پیاسے محنت و مشقت سے کام کر رہے ہیں تو آقا ان سے زیادہ بھوکے پیاسے ہیں کہ غلاموں کے پیٹ پر ایک ایک پتھر ہے تو آقا کے مبارک پیٹ پر دو پتھر بندھے ہوئے ہیں۔ جس سرد و خنک ہوا کے تھپڑے غلاموں کو لگ رہے ہیں وہی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں آقا کے مبارک جسم کو بھی بوسہ دے رہی ہیں یقیناً یہی ہوائیں جنت کی ہوائیں بنی ہوں گی یہی وہ روح و روحان ہوگی جو اہل جنت کی غذا بنے گی، ﷺ۔

غزوۂ احزاب میں میرے آقا ﷺ کی یہ کیفیت اسوۂ حسنہ ہے مسلم افواج کے ان سالار و قائدین کے لئے جو فوجی

ہونے کے باوجود بڑے نازک اندام نظر آتے ہیں۔ سپاہی ان کے حکم پر جان کی بازی لگاتے ہوتے ہیں اور یہ اپنے صاف و شفاف اور محفوظ دفاتر میں جنگی حالات کا جائزہ لیتے نظر آتے ہیں ہر ایک موت پر صرف آگ بگولہ ہوتے اور زندہ سپاہیوں کو اپنی آتش غضب کا شکار بناتے ہیں ان پر برستے ہیں بزدل کہتے ہیں، نمک حرام کہتے ہیں جبکہ ان کے یونیفارم پر خون تو درکنار خاک بھی نظر نہیں آتی سپاہی خون کی ندیاں بہاتے ہوتے ہیں اور ان کے جسم سے پسینہ کا ایک قطرہ تک نہیں ٹپکتا، پھر بھی میڈل کے حق دار یہی قرار پاتے ہیں جو ان کے سینہ پر جڑے ہوتے ہیں۔ سپاہی بھوکے پیاسے اپنی گردنیں کٹاتے ہوتے ہیں اور سالار اعظم کی ٹیبل پر کھانے اور مشروبات کے ڈھیر لگے ہوتے ہیں جنہیں غذا کی ضرورت ہوتی ہے وہ بھوکے لڑتے ہوتے ہیں اور قائدین کرام گلے گلے کھا کر خراٹے لیتے ہوتے ہیں۔ کاش یہ اس کی تقلید کرتے جس کو خالق حقیقی نے ان کے لئے اُسوۂ حسنہ بنا کر مبعوث فرمایا تو یہ یقیناً اللہ کے محبوب و پسندیدہ ہوتے اور نصرت الہی سے فتح و کامرانی ان کی قدم بوس ہوتی اور آج امت مسلمہ حقیر و خوار نہ نظر آتی۔

اللہ رب العزت جل مجدہ نے اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اُسوۂ حسنہ قرار دیا لہذا آپ ﷺ کی زندگی کو اس قدر کامل و مکمل کیا کہ زندگی کے ہر شعبہ میں آپ ﷺ سے رہبری اور راہنمائی حاصل کی جاسکے پس جو بہترین باپ بننا چاہتا ہے وہ باپ کی حیثیت میں آپ ﷺ کی زندگی سے نمونہ حاصل کرے جو اچھا شوہر بننا چاہتا ہے وہ بحیثیت شوہر آپ کی زندگی کو نمونہ بنائے اسی طرح ایک تاجر، ایک کسان، ایک صنعتکار، ایک قائد، ایک حاکم، ایک سالار، ایک دوست، ایک بھائی، ایک بیٹا غرضیکہ سب ہی اس اُسوۂ حسنہ ﷺ کو اپنے لئے نمونہ بنا کر کامیابی و کامرانی عزت و عظمت کی ضمانت حاصل کر سکتے ہیں، ﷺ۔

جب تک انسان کو یہ اُسوۂ حسنہ نصیب نہ ہوا تھا انسان، انسان نہ تھا جانور سے بدتر تھا، درندہ تھا، وہ خود کھانا جانتا تھا کسی کو کھلانا نہ جانتا تھا وہ اپنی نفسانی خواہشات کا غلام تھا اپنی ہوس پوری کرنے کے لئے وہ دوسروں کی عزت آبرو، جان و مال تک کی پروا نہ کرتا تھا جو ملتا اور جس کا ملتا اس سے اپنے پیٹ کا جہنم بھر لیتا تھا۔ ماں، بیٹی، بہن کا امتیاز کئے بغیر اپنے نفس کی خواہش پوری کر لینا اس کے لئے ایک معمولی کام تھا۔ فتنہ و فساد اس کی عادت تھی۔ بد امنی و انتشار، لوٹ، مار، قتل و غارت گری نے اس کو درندہ بنا دیا تھا۔ شراب، جو اور بدکاری اس کی تہذیب، اس کا تمدن تھا۔ معاشرتی و معاشی افراتفری اور بد حالی کے گھٹے ہوئے ماحول میں یہ دم توڑ رہا تھا۔ مذہبی اعتبار سے یہ اس قدر ذلیل و خوار تھا کہ اپنے ہی ہاتھ سے تراشی مورتیوں، کیڑوں، مکوڑوں، جانوروں، درخت، آگ، پانی کے من گھڑت دیوتاؤں کے سامنے اس کا سر جھکا ہوا تھا۔ سوچئے کیا یہی انسان ہے جسے اللہ نے اشرف المخلوقات ہونے کا اعزاز بخشا، کیا یہی انسان اللہ کا محبوب و پسندیدہ ہے نہیں ہرگز نہیں خالق حقیقی کو جو انسان مطلوب اور پسند ہے وہ وہی ہے جس کے لئے اس نے اپنے فضل و کرم سے ایک اُسوۂ حسنہ مبعوث فرمایا کہ جو ہمارا محبوب و پسندیدہ بننا چاہتا ہے وہ اس نمونہ کو اپنائے اس کے عطا کردہ اصول زندگی اپنائے اس کے احکام کی تعمیل کرے پس وہ مطلوب و پسندیدہ ہو جائے گا۔



جب یہ اسوۂ حسنہ دنیا میں تشریف لایا تو وہ جن کی فطرت میں انسانیت کی قدرے رمت بقا تھی جو لاشعوری طور پر انسانی اقدار و اطوار کی تلاش میں تھے۔ وہ آگے بڑھے انہوں نے اسوۂ حسنہ کا بغور جائزہ لیا پس انہیں پتہ چلا کہ کس کے سامنے ان کا سر جھکنا چاہئے ان کی آنکھیں کھلیں معبودان باطلہ کی حقیقت سے پردہ چاک ہوا اور وہ ایک اللہ کی عبادت کرنے لگے۔ انہیں پتہ چلا کہ انسان کو انسانوں کے ساتھ کس طرح رہنا چاہئے پس انہوں نے اپنے ماں باپ، بہن بھائی، اعزاء و احباب کو پہچانا ہر ایک کا حق جانا اب وہ آپس میں ایک دوسرے کا احترام کرنے لگے، محبت کرنے لگے، امن و سکون کی زندگی انہیں میسر آ گئی۔ اب انہیں زندگی کی مسرتوں اور خوشیوں کا احساس ہونے لگا انہوں نے اس اسوۂ حسنہ کی ہر ادا کو اپنایا اس کے احکام کی تعمیل کی پس وہ ایک دوسرے کی عزت و آبرو کے محافظ بن گئے باعزت و باوقار ہو گئے۔ دنیا ان کی عزت کرنے لگی، اپنے ان سے محبت کرنے لگے، غیر ان سے خوف کھانے لگے:۔

دنیا و دیں میں کیا ہے تعلق بتا دیا

امت کو انتہا کا تمدن سکھا دیا

اس اسوۂ حسنہ کے حسن و جمال نے تاریک دنیا کو روشن کر دیا اس کی کرنوں نے سیاہ دلوں کو چمکا دیا۔ علم و حکمت، تہذیب و تمدن کی دولت سے انسان مالا مال ہو گیا اب جو محتاج تھے وہ دوسروں کی حاجت روائی کرنے لگے۔ جو بھکاری تھے ان کے در پر بھکاریوں کی بھیڑ لگنے لگی اسی اسوۂ حسنہ کو اپنانے والوں میں سے کوئی صدیق بنا کوئی فاروق تو کوئی غنی اور کوئی حیدر کرار یہ سب کرنیں ہیں اسوۂ حسنہ کے حسن و جمال کی جن کے واسطے و وسیلہ سے آج سارا عالم فیض یاب ہو رہا ہے اور قیامت تک یہ فیض جاری رہے گا اس اسوۂ حسنہ کو اپنانے والے ہر دور میں باعزت رہے ہیں اور یہ ہر دور میں اہل ایمان کے لئے پرسکون اور باوقار زندگی کا ضامن ہے لیکن پانی کی قدر پیاسا ہی کرتا ہے۔ اس اسوۂ حسنہ کی قدر اسی نے کی اور یہ وہی کرے گا جو متلاشی حق ہو جو منزل کی تلاش میں بھٹک رہا ہو اس کے دل میں ایمان کا چراغ ٹمٹما رہا ہو اسے رب حقیقی کے دربار میں حاضر ہونے اور اپنے اعمال کی جوابدہی کا یقین بھی ہو وہ خوفزدگی کی اس کیفیت میں رب کو یاد بھی کرتا ہو لیکن اسے کوئی منزل تک پہنچانے والا نہ ہو اس اندھے کا کوئی ہاتھ پکڑنے والا نہ ہو کہ اچانک اسے اسوۂ حسنہ کے حسن کی جھلک نظر آتی ہے پس وہ لپکتا ہے بالکل پیاسے کی طرح جو پانی کو دیکھ کر اس کی طرف لپکتا ہے پس پیاسا اپنی پیاس بجھا کر سکون کی سانس لیتا ہے اور یہ متلاشی منزل اسوۂ حسنہ کو پا کر اپنی منزل پالیتا ہے، ﷺ۔

لَمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا ۖ (الاحزاب: ۲۱)

(یہ اسوۂ حسنہ) اس کے لئے ہے جو اللہ سے ملنے اور قیامت کے آنے کا یقین رکھتا ہے اور کثرت سے اللہ کو یاد رکھتا ہے۔

یہی اسوۂ حسنہ ہے جس کی عظمت کا اعلان کرتے ہوئے قرآن کریم فرماتا ہے ”وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ“ بیشک آپ اخلاق کے عظیم مرتبہ پر فائز ہیں اور اسی کی وضاحت کرتے ہوئے آپ کی رفیقہ حیات، مزاج دان و محرم راز، روح

قرآن کی شناسا، ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ”خُلِقَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَمَا كَانَ الْقُرْآنُ“ بیشک حضور علیہ السلام کا خلق عظیم قرآن کے عین مطابق تھا یعنی اس اسوۂ حسنہ کی ہر ادا، مرضی رب کے عین مطابق تھی پس جس نے بھی اور جب بھی اس اسوۂ حسنہ کو اپنایا اس کی ساری زندگی رب کی رضا کے مطابق ہو گئی اسے رضائے رب نصیب ہو گئی اور یہی منزل تو ہے جس کی تلاش میں انسان مارا مارا پھر رہا تھا اور یہی منزل تو ہے جس کو پالینے والا ”حیوۃ طیبہ“ پالیتا ہے، پرسکون و باعزت زندگی پالیتا ہے انہی خوش نصیبوں کے لئے مژدہ قرآنی ہے: ”لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ“ وہ ہر قسم کے خوف و غم سے آزاد ہیں: ۔

ہم فقیروں پر جو لطف مصطفیٰ ہو جائے گا  
سرد ہو جائے گی یکسر حشر میں نارِ سقر  
مسند شاہی ہمارا بوریا ہو جائے گا  
رونق افزا تو جو ابر عطا ہو جائے گا  
کشتی امت کا جو تو ناخدا ہو جائے گا  
ہے یقین طوفانِ محشر سے نہ پہنچے گا ضرر

یہی اسوۂ حسنہ ہے قیامت تک آنے والے انسانوں کے لئے ہر دور کے اور ہر جگہ کے انسانوں کے لئے حاکم مطلق اور مطاع مطلق قرار دیا جاسکتا ہے ”مَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا“ جو رسول دے وہ لے لو اور جس سے رسول روکے رک جاؤ اور جس نے ایسا کیا اس نے اللہ کو راضی کر لیا۔ ”وَمَنْ يَطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ“ کہ رسول کی اطاعت درحقیقت اللہ کی اطاعت ہے۔ کسی کا مطاع مطلق ہونا ایک عظیم و اہم ترین منصب ہے کہ جو وہ کہے بلا تامل تسلیم کر لو اس کے ہر حکم پر سر تسلیم خم کر دینا اور اس کی اداؤں کو اپنانا، دنیاوی عزت اور آخروی نجات کی ضمانت ہو یہ منصب کسی عام انسان کو نہیں مل سکتا جس کی زندگی عام انسانوں جیسی ہو جس کا علم عام انسانوں جیسا ہو جس کی خواہشات و ضروریات عام انسانوں جیسی ہوں تو اسے اتنا اختیار کیسے دیا جاسکتا ہے کہ اس کے وضع کردہ اصول زندگی تو ظنی ہوں گے کیونکہ ہر انسان کا علم ظنی ہی ہوتا ہے اسے اتنا خود مختار کیسے بنایا جاسکتا ہے کہ وہ تو فطرتاً اپنے ذاتی مفادات، اپنی خواہشات کے حصول اور اپنی ضروریات کی تکمیل کو پیش نظر رکھے گا وہ عام انسانوں جیسا ہوگا تو اس کا کردار بھی یقیناً عام انسانوں جیسا ہی ہوگا۔ وہ غلطیاں بھی کرے گا، سچ بولے گا تو جھوٹ بھی بولے گا، عدل و انصاف کرے گا تو ظلم و ستم بھی کرے گا ایسا قائد اپنی قوم کو فلاح و بہبود کی منزل تک کیسے پہنچا سکتا ہے انسانوں کا رہبر و راہنما تو صرف اور صرف وہ انسان بن سکتا ہے جو انسان ہونے کے باوجود ان جیسا نہ ہو انسان ہونا تو ضروری ہے تاکہ انسان اس کے گرد جمع ہوں اس کی آواز پر لبیک کہیں اس کی اطاعت و فرمانبرداری پر آمادہ ہوں اس سے محبت کریں لیکن ایسا انسان ہونا چاہئے جس کا علم یقینی ہو لا محدود اور غیر متناہی ہو کہ اس کے دیئے ہوئے قوانین و اصول زندگی قوانین الہیہ کہلائے جاسکیں اور ان میں تبدیلی کا نہ کسی کو حق ہو اور نہ ہی ضرورت ہو ”لَا تَبْدِيلَ لِكَلِمَاتِ اللَّهِ“ کا مصداق ہوں اس سے کسی قسم کی غلطی کا امکان نہ ہوتا کہ اس سے اطاعت کا رشتہ جوڑنے والوں کو اپنی کامیابی و کامرانی کا مکمل یقین ہو اور وہ بلا تامل، بلا تذبذب مکمل اطمینان اور مکمل اعتماد کے ساتھ اس کی اطاعت و فرمانبرداری کر سکیں۔ وہ اپنے اقوال و اعمال کا نمونہ ہوتا کہ اطاعت شعار باسانی اس کی اطاعت و فرمانبرداری کر سکیں وہ علم و عمل، تہذیب و تمدن کا منبع

وسرچشمہ ہوتا کہ قوم اس سے سیراب ہو سکے یہ تمام خوبیاں تو صرف اور صرف ایک ہی انسان میں پائی جاسکتیں ہیں وہ بھی اس کی حاصل کردہ ذاتی اور کبھی نہیں ہوتیں بلکہ وہی ہوتی ہیں، عطائی ہوتی ہیں، اللہ کی طرف سے دی جاتی ہیں، اسی انسان کامل کو رسول کہا جاتا ہے جو تمام کمالات اور خوبیوں سے مزین و آراستہ کر کے دنیا میں اسی لئے بھیجا جاتا ہے کہ لوگ علی الاطلاق اس کے احکام کی پابندی کریں ”وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ“ اور ہم نے کسی رسول کو مبعوث نہیں فرمایا مگر صرف اس لئے کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت و فرمانبرداری کی جائے۔

رسول خالق حقیقی اللہ وحدہ لا شریک کا فرستادہ ہوتا ہے کہ یہ تو خالق ہی بہتر جانتا ہے کہ اس کے بندوں کے حاکم و مطاع میں کیا خوبیاں ہونی چاہئیں، پس وہ خود ہی اپنے فضل و کرم سے حاکم کا تعین فرماتا ہے اور اس کو مطلوبہ خوبیوں اور کمالات سے نوازتا ہے لہذا یہ حاکم نہ صرف انسان کی عظمت و شرافت کا ضامن ہوتا ہے بلکہ انسان کی عظمت و شرافت کا دار و مدار اسی مطاع مطلق کی اطاعت و فرمانبرداری پر ہوتا ہے کہ جو اس کا غلام بن گیا وہ یقیناً کامیاب و کامران ہو گیا، بامراد ہو گیا، منزل کو پا گیا اور جو اس کا باغی ہو وہ انسان ہو کر بھی جانوروں سے بدتر ہو گیا کہ وہ اس وسیلہ جلیلہ سے محروم ہے جس سے وہ احکام الہی جان سکتا تھا وہ اس معلم کامل سے محروم ہے جس سے وہ انسانی اقدار اور اخلاق کی تعلیم حاصل کر سکتا تھا وہ اس مربی سے محروم ہے جو اسے کھانے پینے، سونے جاگنے اور زندگی بسر کرنے کے ڈھنگ سکھاتا اور بتاتا کہ جس کے عمل کا مقصد سوائے فطری تقاضوں کی تکمیل کے اور کچھ نہیں اس کی زندگی صرف خواہشاتِ نفس کی تکمیل کے لئے ہے پس وہ جانوروں سے بھی بدتر زندگی بسر کر رہا ہے۔

اے ایمان والو! تم بڑے خوش نصیب ہو کہ اللہ نے تمہیں اپنے ایسے رسول کے دامن سے وابستہ کر دیا ہے جو خاتم الانبیاء ہے جس کی تعلیمات ہر دور اور ہر جگہ کے لوگوں کے لئے کافی ہیں جس نے تمہیں ایک ابدی نظامِ حیات عطا فرمایا ہے جو ہر اعتبار سے مکمل اور تمہاری عزت و عظمت کا ضامن ہے پس تم اسی کو اپنا حاکم، قائد اور رہبر تسلیم کرو اسی کی اطاعت و فرمانبرداری کرو اور اس کے ظاہری پردہ فرما جانے کے بعد اُسے اپنا حاکم و قائد بناؤ جو اتقی ہونبی کے عطا کردہ قوانین و اصول زندگی کا سب سے زیادہ پابند ہو کہ اس کی اطاعت درحقیقت رسول ہی کی اطاعت ہوگی تم اطاعت شعار بنو تو ہر حال اللہ کی مدد تمہارے ساتھ ہوگی تم کامیاب و کامران ہو گے۔ دیکھو کفار و منافقین کی ہرگز نہ سنو یہ اپنے مکر و فریب کا جال پھیلا رہے ہیں، بزدل ہیں، بہکاتے ہیں، بزدلی کی باتیں کرتے ہیں، باغی ہیں بغاوت پر آمادہ کرتے ہیں تم اپنا مرکز نگاہ صرف اور صرف ہمارے رسول کو بناؤ جو تمہارا قائد ہے، معلم ہے، مربی ہے جسے ہم نے تمہارے لئے بہترین نمونہ بنا کر مبعوث فرمایا ہے جس کی نورانیت تمہارے قلوب کو منور و روشن کر دے گی جس کی اطاعت تمہیں باوقار و بارعب بنا دے گی جس کی محبت تمہارے بازوؤں کو فولادی بنا دے گی جس کی استقامت تمہیں پہاڑوں سے زیادہ مستحکم و مضبوط کر دے گی جس کی اتباع و پیروی تمہارے لئے اللہ کی حمایت و نصرت کا ذریعہ بنے گی جس کے دامن سے وابستگی تمہاری فلاح و بہبود کی ضمانت ہوگی اور دیکھو! ایسا ہی ہوا کہ جب کفار و منافقین اپنی چالیں چل رہے تھے خوف و ہراس پیدا کرنا چاہتے تھے افواہیں پھیلا رہے تھے تو

رب قدیر نے تمہاری مدد کی دشمن کے مقابلہ کے لئے ایک ایسا لشکر نازل فرمایا جو تمہیں نظر نہ آتا تھا اور ایسی تند و تیز ہوائیں چلائیں جن سے دشمن کی ہوا اڑ گئی، ہمتیں پست ہو گئیں تم نے دیکھا کیسے کروفر سے وہ آئے تھے اور کیسے ذلیل و خوار ہو کر بھاگے کہ اپنا ساز و سامان تک چھوڑ گئے۔

### اہل ایمان کا حال

جب اہل ایمان نے اسوۂ حسنہ کو اپنایا تو ان میں جو قوت و طاقت پیدا ہوئی جو جوش و جذبہ بیدار ہوا اس کی کیفیت بیان کرتے ہوئے قرآن کریم بتاتا ہے:

وَلَمَّا رَأَى الْمُؤْمِنُونَ الْأَحْزَابَ قَالُوا هَذَا مَا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَصَدَقَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَمَا زَادَهُمْ إِلَّا إِيمَانًا وَتَسْلِيمًا ۚ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضَىٰ نَحْبَهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَنْتَظِرُ ۚ وَمَا بَدَّلُوا تَبْدِيلًا ۝ لِّيَجْزِيَ اللَّهُ الصَّادِقِينَ بِصِدْقِهِمْ وَيُعَذِّبَ الْمُنَافِقِينَ إِن شَاءَ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا ۝ (الاحزاب: ۲۲-۲۴)

اور جب اہل ایمان نے لشکروں کو دیکھا تو پکار اٹھے یہ ہے وہ لشکر جس کا ہم سے اللہ اور اس کے رسول نے وعدہ فرمایا تھا اور سچ فرمایا تھا اللہ اور اس کے رسول نے اور دشمن کے لشکر جرار نے ان کے ایمان اور جذبہ تسلیم میں مزید اضافہ کر دیا اہل ایمان میں ایسے جوان مرد ہیں جنہوں نے سچا کر دکھایا جو وعدہ انہوں نے اللہ سے کیا تھا پس ان جوان مردوں میں سے کچھ تو اپنی نذر پوری کر چکے اور کچھ انتظار کر رہے ہیں اور (خوف سے) ان کی حالت میں ذرا تبدیلی نہیں ہوئی تاکہ اللہ جزائے خیر دے اپنا وعدہ سچا کرنے والوں کو ان کے سچ کے باعث اور عذاب دے منافقوں کو اگر اس کی مرضی ہو یا ان کی توبہ قبول فرمالے بیشک اللہ تعالیٰ بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔

یہ تھی میدانِ جہاد میں اہل ایمان کی کیفیت کفار و منافقین تو خوفزدہ تھے بھاگنے کے بہانے تلاش کر رہے تھے انو اہیں پھیلا رہے تھے لیکن اہل ایمان کی نظریں اپنے آقا کے اسوۂ حسنہ ﷺ پر جمی ہوئی تھیں وہ دیکھ رہے تھے کہ ہمارے پیٹ پر ایک پتھر بندھا ہوا ہے تو ہمارے آقا ﷺ کے پیٹ پر دو پتھر بندھے ہوئے ہیں ہم محنت و مشقت کر رہے ہیں تو آقا ہم سے زیادہ کام کر رہے ہیں ہمارے جسم خاک میں اٹے ہوئے ہیں تو آقا کا نورانی جسم بھی خاک کی لباس سے چھپا ہوا ہے ہمیں رات کی سرد لہریں اور دن کی خاک آلود ہوائیں مقصد سے نہیں ہٹا پار ہیں تو آقا بھی پیکر استقلال و استقامت بنے ہوئے ہیں جب اہل ایمان نے اسوۂ حسنہ کو اس حال میں دیکھا تو ان کے حوصلے بلند ہو گئے انہوں نے لشکر دیکھا تو خوشی سے نعرۂ تکبیر بلند کیا اور پکارے یہی تو وعدہ ہم سے اللہ اور اس کے رسول نے کیا تھا ”إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا“ آج ہمیں فتح مبین کا دن نظر آ رہا ہے کہ آج اللہ اور اس کے رسول کا وعدہ سچ ہو کر رہے گا آج سے پہلے ہمارا مقابلہ کفار کے ایک ایک گروہ سے علیحدہ علیحدہ ہوتا

رہا آج کافروں کے سب گروہ متحد و منظم ہو کر ہمارے سامنے موجود ہیں یقیناً اللہ کی نصرت و حمایت حاصل ہوگی اور ان پر ہم ایسے غالب ہوں گے کہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے علم اسلام بلند ہو جائے گا یہ اہل ایمان اپنے سامنے اتنا بڑا لشکر دیکھ کر قطعاً خوف زدہ نہ ہوئے بلکہ ”وَمَا زَادَهُمْ إِلَّا إِيمَانًا وَتَسْلِيمًا“ ان کی قوت ایمان میں اضافہ ہوا جذبہ تسلیم و رضا جوش مارنے لگا عشق و محبت سے بھری آواز سے وہ پھر گانے لگے:

نَحْنُ الَّذِي بَايَعُوا مُحَمَّدًا عَلَى الْجِهَادِ مَا بَقِينَا أَبَدًا

ہم ہی وہ غلام ہیں جنہوں نے محمد ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی ہے کہ ہم زندگی بھر اللہ کی راہ میں جہاد کرتے رہیں گے۔ یہ مضطرب و بے چین منتظر تھے کہ کب ہمیں آقا ﷺ کا اشارہ ملے اور کب ہم اپنی تلواریں میانوں سے نکالیں اور فاتح بن کر غازی کہلائیں یا شہادت کی عظمت حاصل کر کے حیات جاودانی پائیں یہ جذبہ ایثار و قربانی ان کے لئے کوئی نیا نہ تھا ان میں بہت سے تھے جو پہلے ہی تمغہ شجاعت و بسالت حاصل کر چکے تھے بہت سے تھے جنہیں یہ شرف حاصل تھا کہ ان کے باپ، بیٹے، اعزا و اقرباء جام شہادت نوش کر چکے تھے۔ غزوہ احد جیسے معرکہ وہ سر کر چکے تھے ”فَمِنْهُمْ مَنْ قَضَىٰ نَحْبَهُ“ ان میں سے بہت سے اللہ کی راہ میں جانبازی و جانثاری کا وعدہ سچ کر کے دکھا چکے تھے ”وَمِنْهُمْ مَنْ يَنْتَظِرُ“ اور بہت سے ایفائے عہد کے موقع کا انتظار کر رہے تھے ان کے عزم و ہمت میں مردرد زمانہ کے باعث کوئی تبدیلی نہ آئی تھی ان کے یہ جذبات صرف اور صرف رضائے الہی اور رضائے رسول کے لئے تھے انہیں کفار و منافقین کے انجام کی پروا نہ تھی ان کا حال انہوں نے اللہ کے سپرد کیا ہوا تھا کہ اللہ چاہے تو انہیں عذاب میں مبتلا کر دے اور اگر وہ تائب ہو جائیں تو اللہ چاہے تو انہیں معاف فرمادے۔

ایثار صحابہ کرام

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پیکر ایثار و قربانی تھے جانثاری و جانبازی ان کا وطیرہ تھی، اللہ اور اس کے رسول کی رضا ہی ان کا مقصد حیات تھی۔ تاریخ اسلام ان مجاہدین کے کارناموں سے بھری ہوئی ہے جن کا مطالعہ امت مسلمہ کے ایمان میں تازگی پیدا کرتا ہے، جذبہ حفاظت اسلام بیدار کرتا ہے جس سے اہل ایمان کو اپنی ذمہ داریوں کا احساس ہوتا ہے اپنے اسلاف کی شجاعت و بسالت کے کارنامے پڑھ کر ان کے سرفخر سے بلند ہو جاتے اور ایمان و روحانی قوت سے وہ مالا مال ہو جاتے ہیں کون نہیں جانتا ابو بکر و عمر اور عثمان و علی کے ایثار و قربانی کے واقعات کسے نہیں معلوم آل یاسر، ابو ہریرہ و بلال اور ابوذر غفاری رضوان اللہ علیہم اجمعین کی دردناک داستانیں یہی حضرات ہیں جنہوں نے اسلام کی جڑوں کو مضبوط کرنے کے لئے اپنا سب کچھ قربان کر دیا اور آہ نہ بھری۔ ان حضرات کے ایثار و قربانی کے واقعات تاریخ اسلام میں ہمیشہ کے لئے ثبت ہیں اور اہل ایمان کو دعوت عمل دے رہے ہیں اس پر عمل پیرا ہونے والے ہر دور میں پیدا ہوتے رہے یہ سلسلہ جاری ہے اور ہمیشہ جاری رہے گا۔ بحمد اللہ اہل ایمان میں ایثار و قربانی کا جو جذبہ موجود ہے کسی دوسری قوم میں اس کی نظیر نہیں ملتی یہی جذبہ جب سرد ہو جاتا ہے تو اسلام دشمن قوتیں ابھرنے لگتی ہیں اور مسلمانوں کا شکار کرنے لگتی ہیں اور جو نبی اس جذبہ میں حرارت پیدا ہوتی ہے

تو ایک لاوا پھٹتا ہے جو اسلام کے دشمنوں کا صفایا کر کے امت مسلمہ کو باوقار و باعزت زندگی فراہم کرتا ہے۔

بد قسمتی سے ہمارا دور اسی جذبہ ایثار کی سرد مہری کا دور ہے ذاتی اغراض، ذاتی مفادات کی ہم پر ایسی برفباری ہوئی کہ اس نے ہمیں منجمد کر کے ایک تودہ بنا دیا ہے بے حرکت تودہ، بے حس تودہ جسے نہ کسی کے لعن طعن سے غیرت آتی ہے اور جو نہ کسی کی دھکامکی سے حرکت کرتا ہے۔ محافظین اسلام کی یہ حالت ہو جانے کے باعث ظاہر ہے جس کا جو دل چاہتا ہے ہرزہ سرائی کرتا ہے جو چاہتا ہے بکتا ہے لیکن اسلام کی جڑیں اسلاف کے ایثار و قربانی سے اتنی مضبوط ہو چکی ہیں کہ وہ موسم خزاں کے طوفان باد و باران سے قطعاً متاثر نہیں ہر خزاں کے بعد بہار آتا یقینی ہے بیسویں صدی اسلام کے لئے موسم خزاں ثابت ہوئی۔ اکیسویں صدی کا آغاز ہوا چاہتا ہے حالات کا رخ بتا رہا ہے کہ انشاء اللہ مستقبل اسلام کے لئے موسم بہار ہوگا۔

ایثار صحابہ کے واقعات تاریخ اسلام کا ایک سنہرے باب ہیں جو قابل فخر بھی ہے اور قابل تقلید بھی ہے جو اہل ایمان کو ان کی ذمہ داری کا احساس دلاتا اور خدمت اسلام کی دعوت دیتا ہے یہاں صرف دو واقعہ پیش خدمت ہیں کیا عجب یہ ہمارے کسی ایسے اقدام کا سبب بن جائیں جو ہمارے لئے دنیا کی عزت اور آخرت کی نجات کا باعث ہو۔

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے جن کا تعلق ایک امیر گھرانے سے تھا۔ باپ کے بڑے لاڈلے تھے، بڑے ناز و نعم سے پلے تھے۔ نہایت خوش پوش تھے ہر وقت زرق برق قیمتی لباس میں نظر آتے تھے۔ اللہ نے کرم فرمایا اور خدمت اسلام کے لئے منتخب فرمایا مشرف باسلام ہو گئے سب کچھ چھوڑ چھاڑ آقائے کائنات ﷺ کے در کی چاکری اختیار کر لی نہ وہ تکلفات رہے نہ کروفر، چند ہی دن میں اتنی تعلیم و تربیت حاصل کر لی کہ اسلام کے پہلے مبلغ ہونے کا اعزاز نصیب ہوا کہ آپ ہی کو سب سے پہلے تبلیغ اسلام کے لئے مدینہ منورہ روانہ کیا گیا۔ ان کی تبلیغی مساعی بار آور ہوئیں اور چند ہی دن میں مدینہ منورہ نور اسلام سے منور ہو گیا۔ اوس و خزر ج کے کئی سردار آپ کی ہی تبلیغ سے مشرف باسلام ہوئے۔ غزوہ احد کے متوالے سپاہیوں میں یہ بھی شریک تھے اپنے تن بدن کا ہوش نہ تھا، شوق شہادت میں مست ہر اس مقام پر نظر آ رہے تھے جہاں سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے کوئی خطرہ محسوس ہوتا تھا بالآخر داذ شجاعت دیتے ہوئے جام شہادت نوش کیا۔ جنگ ختم ہوئی تو آقائے رحمت ﷺ اسلام کے اس سپاہی کی نعش کے قریب کھڑے ہوئے اور دعا کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ”میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے حضور یہ لوگ قیامت تک شہید ہیں۔“ فَاتُّوهُمْ فَرُورُوا وَهُمْ بِسِائِلِ لَوْ كُتِمَ ان کے پاس آؤ اور ان کے مزارات کی زیارت کرو۔ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَا يُسَلِّمُ عَلَيْهِمْ أَحَدٌ إِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ إِلَّا رَدُّوا عَلَيْهِ قَسَمَ اس ذات کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے قیامت تک جو بھی انہیں سلام کرے گا وہ جواب دیں گے۔

افسوس کہ جن کے دربار میں حاضری کا حکم اللہ کے رسول ﷺ نے دیا آج ان کے مزارات امت کی نظروں سے اوجھل کر دیئے گئے ہیں ان کے قریب پہنچنا ناممکن بنا دیا گیا ہے لیکن اہل ایمان جتنا بھی قریب ہو سکتے ہیں قریب ہوتے ہیں اور سرکار کے ارشاد کے مطابق ان محافظین اسلام کو سلام پیش کرتے ہیں اور یقین کرتے ہیں کہ یہ شہداء کرام سلام کا جواب دیتے ہیں اور جن پر اللہ کا خصوصی کرم ہے وہ اس جواب سلام کو سنتے بھی ہیں۔

حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ غزوہ بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے جس کا انہیں بے حد ملال تھا اور بے چینی سے منتظر تھے کفار کے ساتھ کسی معرکہ کے جس میں انہیں اپنی شجاعت و بسالت کے کرتب دکھانے اور مقام شہادت حاصل کرنے کا موقع ہاتھ آئے چنانچہ غزوہ احد میں شریک ہوئے بڑی تنہی اور بہادری سے دشمن کا مقابلہ کرتے رہے۔ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے شہید ہو جانے کی افواہ نے بڑے بڑے بہادر سپاہیوں کے حوصلہ پست کر دیئے تھے اس وقت بھی یہ پورے جذبہ کے ساتھ تلوار چلاتے نظر آ رہے تھے۔ ایک مقام سے گزرے تو چند سپاہیوں کو افسردہ بیٹھے دیکھا پوچھا اس طرح بیٹھے کیا کر رہے ہو جواب ملا اب حضور شہید ہو چکے سب کچھ بیکار ہے۔ آپ نے فرمایا نہیں، نہیں اگر حضور شہید ہی ہو گئے ہیں تو اب ہم تم زندہ رہ کر کیا کریں گے اٹھو، اٹھو آؤ اسی مقصد کے لئے جان دے دو جس مقصد کے لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جان دے دی یہ کہا اور تلوار چلاتے دشمن پر ٹوٹ پڑے۔ غزوہ ساتھیوں کا جذبہ بھی بیدار ہوا اور وہ بھی میدان میں آ گئے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ تلوار چلاتے ہوئے بار بار کہتے کہ ”مجھے اُحد کے پیچھے سے جنت کی خوشبو آ رہی ہے“ بالآخر مراد برآئی اور اس حُسن امت نے بھی جام شہادت نوش کیا۔ حال یہ تھا کہ کوئی عضو اس حال میں نہ تھا جس سے ان کی لغش کو پہچانا جاسکتا ان کی ہمشیرہ نے انگلیوں کے پورے دیکھ کر انہیں پہچانا جب ان کے جسم پر زخم گئے گئے تو اسی سے زیادہ تھے۔

یہ ہیں وہ نفوس قدسیہ جن کی صداقت اور ایفائے عہد کی گواہی قرآن دے رہا ہے ”مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ“ اہل ایمان میں ایسے جو انہیں جنہوں نے سچا کر دکھایا جو وعدہ انہوں نے اللہ سے کیا تھا۔

انجام جنگ

کفار و منافقین کی افواہوں، بزدلی اور خوف و ہراس کی باتوں کے باوجود اہل ایمان کے قدم نہ ڈگر گئے وہ نہایت استقلال و استقامت کے ساتھ ڈٹے رہے اور انتظار کرتے رہے کہ کب انہیں اللہ کا رسول، جرأت و بہادری کے کرتب دکھانے اور دشمن پر حملہ کرنے کا حکم دیتے ہیں تاکہ انہیں اس میدان سے یا تو عزت و وقار کے ساتھ فاتح و غازی بن کر واپس ہونے کا موقع ملے اور یا وہ شہید ہو کر حیات جاودانی کے حق دار بنیں لیکن اللہ رب العزت نے اپنے مخلص بندوں پر کرم فرمایا اور انہیں اس فتح و نصرت سے نوازا جو بصورت جنگ حاصل نہ ہو سکتی تھی۔ ارشاد فرمایا گیا:

وَمَا دَّ اللَّهُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوا خَيْرًا ۚ وَكَفَى اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ الْقِتَالَ ۚ وَكَانَ اللَّهُ قَوِيًّا عَزِيزًا ۝

(الاحزاب: ۲۵)

اور اللہ نے (ناکام) لوٹا دیا کفار کو اس حال میں کہ وہ تیغ و تائب کھا رہے تھے اپنے غصہ میں (کہ اس لشکر کشی سے) انہیں کوئی فائدہ نہ ہوا اور بچا لیا اللہ نے مومنوں کو جنگ سے اور اللہ بڑا طاقتور ہر چیز پر غالب ہے۔

اللہ کے بندے اللہ پر توکل و بھروسہ کرتے ہیں تو اللہ اپنے فضل و کرم سے ضرور ان کا حامی و ناصر ہوتا ہے انہیں ہر قسم کی تکلیف و مضرت سے محفوظ رکھتا ہے یہ اللہ کا وعدہ ہے ”وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ“ جو اللہ پر بھروسہ کرتا ہے اللہ

اسے کافی ہوتا ہے اور جسے اللہ کافی ہو گیا اسے کس کا خوف، کس کا ڈر اہل احزاب کے پاس نہ تو ظاہر اور مادی وسائل تھے جس پر انہوں نے بھروسہ کیا ہونہ ہی قوت و طاقت تھی وہ توفیقہ مست عشاق رسول تھے جو آقا کے حکم کی تعمیل میں ایک ماہ سے زیادہ کھلے میدان میں پڑے ہوئے تھے نہ طوفانی موسم کا ان پر کوئی اثر تھا نہ بھوک و پیاس سے انہیں کوئی پریشانی طاقتور دشمن سامنے پڑاؤ ڈالے تھے لیکن انہیں نہ ان کا خوف تھا نہ ڈر، منافقین کی ہرزہ سرائی سے ان کے کان بندے تھے۔ اللہ پر بھروسہ کرنے والے اللہ کے یہ بندے نہایت سکون و اطمینان کے ساتھ اللہ کی عبادت، تسبیح و تہلیل اور اپنے آقا کی اطاعت و فرمانبرداری میں مصروف تھے اگرچہ نہ تو کاروباری مصروفیت تھی اور نہ ہی اہل و عیال کی ذمہ داری پھر بھی ان حضرات کا ایک ایک لمحہ بڑا قیمتی تھا کہ جنگ جیسے واقع ہی معلم کامل ﷺ سے علم حاصل کرنے اور مربی کامل ﷺ سے تربیت حاصل کرنے کے لئے نہایت موزوں ہوتے تھے کہ ان دنوں میں جتنی فرصت ہوتی تھی دیگر ایام میں اتنی نہیں ملتی تھی بس بغیر کسی پابندی کے ہمہ وقت غلام اپنے آقا کے گرد جمع رہتے اور استفادہ کرتے رہتے تھے کہ یہ وقت کا مفید ترین مصرف بھی ہوتا تھا اور دلوں کے سکون و اطمینان کا بہترین ذریعہ بھی کہ ”الْأَبَدِ ذَكَرَ اللَّهُ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ“ اللہ کے ذکر سے دلوں کو اطمینان حاصل ہوتا ہے تاہم اللہ کے یہ سپاہی دشمن کی طرف سے غافل نہ ہوتے تھے دشمن کی حرکات سے اس کے ارادوں کو بھانپتے رہتے تھے یا جنگی اصول کے مطابق اپنے خفیہ مخبروں کے ذریعہ دشمن کے پروگرام سے باخبر رہتے تھے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک حکیمانہ اقدام

اس ایک ماہ کے دوران تقریباً ہر روز ہی دشمن کی طرف سے تیر اندازی وغیرہ کی صورت میں چھیڑ چھاڑ ہوتی رہتی تھی جس کا مجاہدین اسلام کے طرف سے مؤثر جواب دیا جاتا رہتا تھا اس دوران نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک نہایت پراز حکمت اقدام فرمایا کہ آپ نے قبیلہ غطفان کے سردار عینیہ ابن حصین اور ابو الحارث بن عمرو کے پاس اپنے قاصد کی معرفت پیغام بھیجا کہ ہم تمہیں مدینہ طیبہ کا ایک تہائی پھل دیں گے اگر تم اپنے ساتھیوں کو لے کر میدان سے واپس چلے جاؤ، کیوں؟ (آگے چلے، بتاتے ہیں) ابھی گفتگو جاری ہی تھی کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حسب عادت، قبیلہ اوس و خزرج کے دو بزرگ صحابہ سعد بن سعد یعنی سعد بن عبادہ اور سعد بن معاذ کو مشورے کے لئے طلب فرمایا۔ واقعہ بتا کر ان کا مشورہ طلب فرمایا ان حضرات نے پوچھا:

سوال:- یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا یہ حکم الہی ہے کہ اگر اللہ کا حکم ہے تو ہماری کیا مجال کہ حکم عدولی کریں۔

جواب:- نہیں۔

سوال:- تو اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تو کیا یہ آپ کا فیصلہ ہے کہ اگر آپ کا فیصلہ ہے تو غلام یقیناً پابندی

کریں گے۔

جواب:- نہیں۔

سوال:- تو کیا یہ صرف ہمیں جنگ کی مشقت و محنت سے بچانے کے لئے ہے۔



جواب :- ہاں، یہی سمجھ لو کہ تم دونوں طرف سے گھرے ہوئے ہو میں چاہتا ہوں کہ دشمن کی قوت ٹوٹ جائے۔  
 سرکار ﷺ کا یہ ارشاد سن کر دونوں جان نثار رگویا ہوئے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ پر ہماری جانیں فدا ہوں ہم جب نہ اللہ کو پہچانتے تھے نہ آپ کو ہم بت پرست تھے۔ اس وقت بھی ہم نے کسی کو اپنے شہر کے پھلوں کا ایک دانہ بھی نہ دیا اب تو الحمد للہ ہم مؤمن ہیں، اللہ نے ہمیں آپ کا غلام بنایا ہے، عزت بخشی ہے، ایمانی قوت و طاقت سے مالا مال کیا ہے۔ اب تو کسی کافر کے لئے ہمارے پاس سوائے تلوار کے کچھ نہیں اللہ کے رسول ﷺ نے سعد کی اولوالعزمی اور غیرت ایمانی پر اظہار مسرت فرمایا۔ قبیلہ غطفان کے نمائندے عینیہ اور حارث بھی اس وقت یہاں موجود تھے جو ان مجاہدین کی گفتگو سن کر کانپ اٹھے اور انہیں اچھی طرح اندازہ ہو گیا کہ اللہ کے ان شیروں سے مقابلہ آسان نہیں اور یہی حکمت تھی میرے آقا ﷺ کے اس اقدام میں۔

یہ ایک مہینہ خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے غلاموں کے لئے نہایت محنت و مشقت کا تھا کہ جنگ کا خطرہ تھا جھڑپیں ہوتی رہتی تھیں، جانبین کی طرف سے تیر اندازی کا بے ہنگم وقت بے وقت سلسلہ جاری تھا لیکن کوئی فیصلہ کن صورت سامنے نہیں آرہی تھی۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اس موقع پر نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہمراہ تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہا بتاتی ہیں کہ ایک رات میں کئی مرتبہ ایسا ہوتا تھا کہ آپ ﷺ تھوڑی ہی دیر آرام کر پاتے تھے کہ میدان سے شور و شغب کی آواز آتی اور آپ باہر تشریف لے جاتے تھے۔ حضرت ام المؤمنین فرماتی ہیں کہ میں غزوہٴ مرہ، حدیبیہ، فتح مکہ اور غزوہٴ حنین میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہمراہ رہی لیکن آپ کو کسی غزوے میں اتنی محنت اور مشقت نہ کرنی پڑی جتنی غزوہٴ خندق میں پیش آئی اور مجاہدین کو بھی شدید تکالیف برداشت کرنا پڑیں۔ کفار کی تیر اندازی سے کافی مسلمان زخمی ہوئے۔ کئی کئی رات سونے کا موقع میسر نہ آسکا، سردی کی شدت اور بھوک پیاس کا مقابلہ بھی کرنا پڑا لیکن کسی کے پائے ثبات میں کسی وقت تزلزل نہ آنے پایا۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا زخمی ہونا

مدینہ منورہ کی اکثر عورتوں کو بنو حارثہ کے قلعہ میں پہنچا دیا گیا تھا تا کہ انہیں کوئی خطرہ لاحق نہ ہو ان میں ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی رونق افروز تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ ایک رات حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اپنی والدہ سے ملنے آئے میں نے دیکھا کہ وہ ایک چھوٹی زرہ پہنے ہوئے تھے۔ جس سے ان کے ہاتھ پیر محفوظ نہ تھے۔ میں نے سعد کی والدہ سے کہا انہیں پوری زرہ پہننا چاہئے تھی یا یہاں آنا نہیں چاہئے تھا۔ ان کی والدہ نے بیٹے سے کہا کہ میری فکر بالکل نہ کرو میں یہاں خیریت سے ہوں تم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں جلدی حاضر ہو جاؤ کہیں ایسا نہ ہو کہ سرکار کو تمہاری ضرورت پیش آجائے تم غیر حاضر ہو۔ سعد، ماں کے کہنے پر فوراً ہی واپس ہو گئے ابھی وہ راستہ میں تھے کہ دشمن کا ایک تیر آ کر ایسا لگا کہ ان کی رگ اکھل کٹ گئی بہت خون بہا۔ اس وقت وہ دعا کرنے لگے: ”یا اللہ! اگر آئندہ قریش کا کوئی حملہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ہونا مقدر ہے تو مجھے زندگی عطا فرما کہ میری تمنا ہے کہ میں اس قوم سے جنگ کروں جس نے

تیرے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ایذا پہنچائی ان کی تکذیب کی اور انہیں وطن سے نکالا اور اگر اب کوئی جنگ ہونے والی نہیں تو اے اللہ! مجھے شہادت نصیب فرما لیکن میں اس وقت تک زندہ رہنا چاہتا ہوں جب تک بنی قریضہ سے ان کی غداری کا انتقام لے کر مجھے سکون نہ مل جائے۔“

اللہ تعالیٰ نے اپنے زخم خوردہ سپاہی کی دعا قبول فرمائی یہ واقعہ احزاب تو کفار کا آخری حملہ ثابت ہوا اور بنو قریضہ (جن کا واقعہ آگے آتا ہے) مغلوب ہوئے، گرفتار کئے گئے اور ان کا فیصلہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا گیا (تفصیل آگے ملاحظہ ہو)۔

### ذوالفقار کی چمک

جھڑپوں کا سلسلہ جاری تھا کفار اب تک اپنی جھوٹی قوت کے نشے میں مست جنگ کے لئے مضطرب تھے۔ ادھر اہل ایمان شہادت کا تصور لئے رب کریم سے حق کی فتح کے لئے دعائیں کر رہے تھے کہ اچانک ”هَلْ مِنْ مُبَادِرٍ“ کیا کوئی ہے مقابلہ کرنے والا کی صدا آئی۔ جب دیکھا گیا تو یہ عمرو بن عبدود چلا رہا تھا، نوے سال کا خزانہ بڑھا جنگ بدر میں زخم کھا کر بچ نکلا تھا۔ اسی وقت اس نے قسم کھائی تھی کہ جب تک مسلمانوں سے بدلہ نہ لے لوں گا سر میں تیل نہ ڈالوں گا۔ عرب میں ایک ہزار سواروں کے برابر طاقتور، بہادر مشہور تھا۔ انتقام کی آگ آج اسے موت کے منہ میں لے آئی تھی، خندق سے گھوڑا کد کر اللہ کے شیروں میں آپھنسا تھا۔ اسد اللہ، اللہ کے شیر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسے دیکھا تو تڑپ کر کھڑے ہوئے کہ انہوں نے تو ہر غزوے میں کوئی نہ کوئی نمایاں کارنامہ انجام دیا تھا۔ اس غزوے میں اب تک کوئی ایسا موقع نہیں مل رہا تھا لہذا ایسے لپکے تھے جیسے واقعی پہلے سے ہی اس سنہری موقع کے منتظر تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اے علی! رکو! تم جانتے ہو کس سے مقابلہ کے لئے بڑھ رہے ہو۔ عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! اجازت دیں۔ میں ہی اس سے مقابلہ کرنا چاہتا ہوں یہ کفر کی پوری طاقت ہے جو اس وقت میرا شکار ہے نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ کے شیر کا بھرناد دیکھا تو اپنی ذوالفقار (دو دھارا تلوار) آپ کے ہاتھ میں دی اپنے دست مبارک سے ان کے سر پر عمامہ زیب کیا اور دعا کر کے رخصت فرمایا۔

اسد اللہ اپنی تلوار چمکاتے عمرو کے مقابل آئے تو تلوار کی چمک سے اس کی آنکھیں خیرہ ہونے لگیں اور بوڑھا آپ کو نہ پہچان سکا پوچھنے لگا تم کون ہو۔ آپ نے فرمایا میں ہوں علی بن ابی طالب! میں نے سنا ہے کہ تو نے وعدہ کر رکھا ہے کہ اگر کوئی قریش تجھ سے دو چیزیں مانگے گا تو تو ان میں سے ایک ضرور دے گا پس میں تجھ سے دو چیزیں مانگتا ہوں۔ اول، تو مسلمان ہو جا۔ عمرو بولا نہیں ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ آپ نے فرمایا تو پھر آگے آ اور مجھ سے جنگ کر۔ بوڑھا بولا اے بھتیجے ایک تم مجھ سے بہت کم عمر ہو۔ دوسرے تمہارے باپ اور میرے باپ آپس میں بہت دوست تھے۔ اس لئے میں تمہارا خون بہانا پسند نہیں کرتا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا لیکن اے اللہ اور اس کے رسول کے دشمن! میں تیرا خون بہانے کے لئے بے چین ہوں اور آج تو میرے ہاتھ سے ہی ہلاک ہو گا۔ آپ کی یہ باتیں سن کر عمرو بلبلا تا گھوڑے سے اتر جبکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پہلے ہی پیادہ تھے۔ تلوار کا تبادلہ شروع ہو گیا عمرو کا ایک دار اتنا سخت تھا کہ اس کی تلوار حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ڈھال اور عمامہ

کو کاٹی ہوئی پیشانی پر لگی اگرچہ زخم خاص گہرا نہ تھا لیکن اس کا نشان آپ کی مبارک پیشانی پر ہمیشہ کے لئے یادگار بن گیا۔ جس سے آپ مزید خوبرونظر آنے لگے۔ اس حملہ کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عمرو کو لاکارائے عمرو! سنبھل جا، اب تیری موت آتی ہے یہ کہہ کر اتنا زبردست وار کیا کہ آپ کی ذوالفقار بجلی کی طرح کوندی اور دیکھتے ہی دیکھتے کافروں کا سورما ڈھیر ہو گیا۔ اللہ کے شیر نے فوراً اس کا سر کاٹ پھینکا۔ یہ منظر دیکھ کر عمرو کے ساتھی عکرمہ، ہبیرہ، ضرار وغیرہ بھاگنے لگے۔ حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ نے تعاقب کیا اور ان میں سے نوفل کو ایک وار میں ہی مکڑے کر ڈالا باقی فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے۔ کفار نے اپنے سورما عبد بن وڈ کی لاش دس ہزار درہم کے عوض لینا چاہی اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ”تم لاش لے جاؤ ہمیں معاوضہ نہیں چاہئے۔“

غور فرمائیے، آتی دولت کو اور وہ بھی دشمن کی طرف سے کون چھوڑتا ہے جبکہ اس وقت تو مسلمان ضرورت مند بھی زیادہ تھے پھر بھی نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھاری رقم کی پیشکش مسترد کر دی تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ اسلام نہ تو دولت کے لئے جہاد کا حکم دیتا ہے اور نہ ہی انسان کی بے حرمتی اور اس پر ظلم و ستم کا، جہاد صرف دین کی حفاظت یا دنیا سے ظلم و ستم کو مٹانے کے لئے کیا جاتا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے تبعین نے ہر موقع پر اس اصول کی پابندی کی اس عنوان پر گزشتہ اوراق پر ہم تفصیل سے گفتگو کر چکے ہیں۔

چار نمازیں قضا ہوئیں

جس دن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عبد وڈ کو جہنم رسید کیا۔ یہ دن اس غزوے کا سخت ترین اور مصروف ترین دن تھا، کفار کی طرف سے تیروں کی بارش اس کثرت سے ہو رہی تھی کہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ کسی نتیجہ پر پہنچنے کا فیصلہ کر چکے ہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ کسی بڑے خطرے کا مقابلہ کرنے کے لئے اپنے سپاہیوں کی جنگی تنظیم اور صف بندی فرما رہے تھے۔ ہر سپاہی مدافعتی اور حفاظتی جنگ میں مصروف تھا۔ اس دوران نمازوں کے اوقات گزرتے رہے اور مجاہدین کو ایک عبادت سے دوسری عبادت کی طرف آنے اور معبود کے دربار میں سر بسجود ہونے کا موقع نہ مل سکا حتیٰ کہ چار نمازیں قضا ہو گئیں۔ رات گئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے غلاموں کے ہمراہ نماز عشاء ادا فرمائی اور اسی کے ساتھ فجر، ظہر، عصر، مغرب پڑھی گئیں۔ یہ دن نبی رحمت ﷺ کے لئے نہایت تکلیف کا دن تھا ایک تو آپ کو غلاموں پر جنگ کی شدت اور ان کے مشقت میں پڑنے کی تکلیف تھی دوسرے نمازیں قضا ہونے کا بے حد صدمہ تھا پس رسول مستجاب الدعوات نے اللہ مجیب الدعوات کے سامنے ہاتھ پھیلا دیئے۔

حضور علیہ السلام کی دعا

آقائے رحمت ﷺ جبل سلع پر رونق افروز ہوئے اور تین دن پیر، منگل، بدھ طویل دعا فرمائی۔ دعا میں آپ ﷺ کے عجز و انکساری اور انہماک کا یہ حال تھا کہ آپ کی چادر بار بار کندھے سے گر جاتی تھی بالآخر اللہ نے اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اپنا وعدہ پورا فرمایا۔ بدھ کو عصر و مغرب کے درمیان آقا اپنے غلاموں کی طرف متوجہ ہوئے جو

نہایت بے چینی سے کسی اچھی خبر کا انتظار کر رہے تھے۔ انہوں نے آقا کا نورانی، کھلتا چہرہ دیکھا تو نعرہ تکبیر بلند کیا جس سے دشمنوں کے دہل ہل گئے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ کی حمد و ثناء کرتے ہوئے اللہ کے سپاہیوں کو فتح و کامرانی کی بشارت دی۔

آج مسجد فتح اس بشارت فتح کے مقام پر موجود ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ مجھے جب کوئی اہم ضرورت پیش آتی ہے تو میں اسی دن اور اسی وقت یہاں حاضر ہو کر دعا کرتا ہوں اور اللہ میری دعا قبول فرماتا ہے یعنی فیصلہ الہی یہ ہے کہ محبوب کی دعا قبول ہونے کا صدقہ قیامت تک بٹتا رہے گا اور جو غلام بھی میرے محبوب کے وسیلہ جلیلہ سے یہاں حاضر ہو کر بھیک مانگے اسے خالی جھولی واپس نہیں کیا جائے گا گویا آقا ﷺ کے صدقہ میں یہ مقام دیگر ابواب رحمت کی طرح تقسیم رحمت کا ایک دروازہ قرار دے دیا گیا ہے۔ جہاں بھکاریوں کا ہمیشہ ہجوم رہتا ہے اور ان کی مرادیں پوری ہوتی ہیں یہاں حاضری کا موقع نصیب ہو تو عجلت میں صرف دو نفل پڑھ کر بھاگنا اللہ کی برستی رحمت سے منہ موڑنا ہے۔ یہ تو مقام ہے سکون و اطمینان کے ساتھ اللہ کے حضور رونے اور بھیک مانگنے کا یہاں آقا کا صدقہ بٹتا ہے جو غلاموں ہی کے لئے ہے پس غلام بن کر مانگئے، خوب مانگئے ضرور ملے گا۔ اس فقیر، محتاج دعا کو بھی اس موقع پر یاد کر لیجئے اللہ آپ کی دعاؤں کو قبول فرمائے اور مجھے یاد رکھنے کی جزاء دے، آمین۔

### قبولیت دعا کا ظہور

آقا ﷺ کی زبان حق ترجمان سے بشارت سن کر غلاموں کے چہرے کھل گئے، سکون و اطمینان کے سانس آنے لگے۔ جب یہ خبر کفار کی صفوں میں پھیلی تو ان کے ہوش اڑ گئے۔ وہ ایسے حواس باختہ ہوئے کہ کوئی فیصلہ تک کرنے کی صلاحیت نہ رہی۔ ایک اضطراب تھا، بے چینی تھی، افراتفری کی حالت تھی کہ اسی حال میں ان پر اللہ کا عذاب نازل ہوا۔ ایسی تیز اور ٹھنڈی ہوا چلی کہ ان کے خیمے اڑ گئے، دیگیں پلٹ گئیں، سردی کی شدت سے وہ کانپنے لگے۔ اللہ کے فرشتوں کا غیبی لشکر نازل ہوا جنہوں نے ان کے دلوں میں ایسا رعب پیدا کیا کہ انہیں صرف اپنی موت نظر آتی تھی۔ جس سے وہ بھاگنے کی لئے بے چین تھے اسی غیبی امداد کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا: ”فَارْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا وَجُنُودًا لَّهُمْ تَرَوُهَا“ ہم نے ان پر آندھی بھیجی اور ایسا لشکر نازل کیا جسے تم نے نہیں دیکھا اس لشکر کو عام طور پر نہ دیکھا گیا لیکن دیکھنے والوں نے دیکھا بھی مثلاً حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ جب جاسوسی کے لئے کفار کے لشکر میں گئے (تفصیلی واقعہ آگے آتا ہے) تو آپ نے کچھ نورانی چہرے بھی دیکھے اور بھاگو بھاگو کی آوازیں بھی سنیں بہر حال اُفقِ مدینہ سے کفر کے سیاہ بادل ہمیشہ کے لئے چھٹ جانے کا وقت اب قریب آچکا تھا۔

### کارنامہ نعیمی

جسے ہم نے نعیمی کارنامہ کا عنوان دیا ہے یہ نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ کا عظیم کارنامہ ہے جس نے دشمن کے اتحاد کو پارہ پارہ کر کے ان کی بدحواسی کو انتہا تک پہنچایا۔ ہوا یہ کہ باطل کے اس باطل اتحاد کا ایک بڑا عنصر قبیلہ غطفان تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ سے اپنے بندوں کی حمایت و نصرت کے طور پر اس قبیلہ کے ایک شخص نعیم بن مسعود کے دل میں ایمان کا چراغ

روشن کیا وہ مسلمان ہو گئے اور اپنے قبیلہ سے چھپ کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اپنے اسلام قبول کرنے کی خبر دی اور بتایا کہ میرے مشرف باسلام ہونے کو اب تک اللہ اور اس کے رسول کے سوا کوئی نہیں جانتا، آپ مجھے حکم دیں کہ میں اس وقت اسلام کی کیا خدمت کر سکتا ہوں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا تم اسی طرح واپس ہو جاؤ اور اپنے ہی لوگوں میں رہ کر اسلام کی مدافعت اور حفاظت کرو یہ بے حد ذہین آدمی تھے انہوں نے فوراً ہی ایک منصوبہ سوچ لیا اور عرض کرنے لگے: یا رسول اللہ ﷺ! کیا مجھے اجازت ہے کہ میں ان لوگوں سے وہ بات کروں جو مصلحت وقت کے مناسب ہو۔ آپ ﷺ نے اجازت مرحمت فرمائی۔

نعیم بن مسعود نے اپنا کام شروع کیا پہلے یہودیوں کے قبیلہ بنو قریظہ کے پاس پہنچے جن سے ان کے دیرینہ تعلقات تھے اور یہ قبیلہ مسلمانوں کے خلاف معاہدہ غداری کر کے اتحادیوں میں شامل ہو گیا تھا اور ان کا ایک مؤثر حصہ تھا۔ حضرت نعیم رضی اللہ عنہ نے پہلے ان کے سرداروں سے اپنی قدیم دوستی کا اعتراف کرایا اور پھر کہا کہ کیا تم لوگوں نے مسلمانوں کو اپنا دشمن بناتے ہوئے یہ سوچا ہے کہ اگر اس جنگ میں کفار کو شکست ہوئی تو تمہارا انجام کیا ہوگا جبکہ آثار شکست نظر آرہے ہیں کفار ملہ میرا قبیلہ اور یہود کے دیگر قبائل تو بار کر فرار ہو جائیں گے لیکن تم مدنی ہو تمہیں مسلمانوں ہی کے ساتھ رہنا ہے کیا اس صورت میں وہ تمہاری زندگی اجیرن نہ بنادیں گے بات اہم تھی سمجھ آئی۔ سردار بے چین ہو کر کہنے لگے بھائی! تم نے تو ہماری آنکھیں کھول دیں اب تم ہی بتاؤ ہمیں کیا کرنا چاہئے اب تو ہم اس لشکر میں شامل ہو چکے ہیں۔ حضرت نعیم رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں تمہیں ایک ایسا طریقہ بتاتا ہوں جس سے تمہیں ان اتحادیوں کے خلوص کا اندازہ بھی ہو جائے گا اور تم ان کے جال سے بچ بھی سکو گے اور وہ یہ ہے کہ تم ان سے ضمانت لو کہ وہ شکست کی صورت میں تمہیں مسلمانوں کے رحم و کرم پر چھوڑ کر فرار نہ ہوں گے اور ان سے کہو کہ بطور ضمانت وہ اپنے چند سرداروں کو تمہارے پاس رہن رکھ دیں۔

نعیم بن مسعود نے بنو قریظہ کو اچھی طرح اپنی بات ذہن نشین کرائی اور جب وہ ان سے مطمئن ہو گئے تو قریشی سرداروں کے پاس پہنچے اور ان سے کہا کہ آپ لوگ مجھے جانتے ہیں میں آپ کے اتحادی قبیلہ بنو غطفان کا آدمی ہوں۔ مجھے ایک خبر ملی ہے میں ضروری سمجھتا ہوں کہ آپ کو بتا دوں تاکہ آپ لوگ محتاط رہیں بشرطیکہ آپ میرا نام میرے قبیلہ تک کونہ بتائیں۔ جب سرداروں نے نام راز میں رکھنے کی ضمانت دی اور حضرت نعیم رضی اللہ عنہ کو اندازہ ہو گیا کہ یہ لوگ خبر جاننے کے لئے مضطرب ہو رہے ہیں تو گویا ہوئے کہ خبر یہ ہے کہ یہود بنو قریظہ، مسلمانوں سے بد عہدی کر کے اپنے فیصلہ پر نام ہیں وہ دوبارہ ان سے ملنا چاہتے ہیں اور اپنی غلطی کا کفارہ ادا کرنا چاہتے ہیں تاکہ وہ اپنے شہر مدینہ میں حسب سابق سکون سے رہ سکیں۔ ان کے اہل و عیال اور اموال، مسلمانوں کی انتقامی کارروائیوں سے محفوظ ہیں انہوں نے محمد (ﷺ) کو پیغام بھیج دیا ہے کہ ہم معافی مانگنے کو تیار ہیں اور اپنی غلطی کے عوض سبب غطفان اور قریش کے کچھ سرداروں کو آپ کے حوالے کریں گے آپ انہیں قتل کر دیں پھر ہم متحد ہو کر ان سب سے جنگ کریں گے۔ محمد (ﷺ) نے بنو قریظہ کی یہ تجویز قبول کر لی ہے۔ اب وہ آپ سے اور ہم سے بطور ضمانت چند سردار رہن رکھنے کا مطالبہ کر رہے ہیں اور بہانہ کریں گے کہ یہ سردار اس بات کی

ضمانت ہوں گے کہ بصورت شکست آپ لوگ ہمیں بے یار و مددگار چھوڑ کر بھاگ نہ جائیں گے۔ حضرت نعیم رضی اللہ عنہ نے بڑے ہی خیر خواہانہ انداز میں یہ بات سرداران قریش کو سمجھائی اور ان سے مطمئن ہو کر اپنے قبیلہ میں پہنچے اور یہی خبر اپنے سرداروں کو بھی دی اب کیا تھا ایک تیر سے تین شکار ہو چکے تھے یا ایک تیلی سے تین قبیلوں میں نفرت و عداوت کی آگ سلگ چکی تھی صرف شعلہ بھڑکنا باقی تھا۔

قریش اور غطفان اس خبر کی تصدیق کی تدابیر پر غور کرنے لگے۔ طے شدہ تجویز کے مطابق سالار لشکر ابوسفیان (جو اب تک مسلمان نہیں ہوئے تھے فتح مکہ کے بعد مشرف باسلام ہوئے) نے قریش کی طرف سے عکرمہ بن ابوجہل کو غطفان کی طرف سے ورقہ ابن غطفان کو بھیجا اور پیغام دیا کہ اب وقت آ گیا ہے کہ تم لوگ معاہدے کے مطابق جنگ میں ہمارا عملی تعاون کرو اب ہمارے آدمی تھک چکے ہیں، سامان خور و نوش ختم ہو رہا ہے لہذا اپنے آدمیوں کو جنگ میں شریک کرو نیز سامان خور و نوش سے ہماری مدد کرو۔

بنو قریظہ نے پیغام سنا تو وہی جواب دیا جو نعیم ابن مسعود انہیں سمجھا چکے تھے کہ ہمیں شکست کا خوف ہے جس کے بعد تم لوگ تو اپنے اپنے ملکوں میں چلے جاؤ گے لیکن ہمیں مدینہ میں رہنا ہے مسلمانوں ہی کے ساتھ رہنا ہے، اس صورت میں بے یار و مددگار رہنا ہمارے لئے بہت دشوار ہوگا لہذا ہم اس شرط پر تمہارے ساتھ شریک جنگ ہو سکتے ہیں کہ تم ہمیں ضمانت دو کہ بصورت شکست تم ہماری امداد کے ذمہ دار ہو گے اور یہ ضمانت ہمیں اس طرح چاہئے کہ تم اپنے چند سرداروں کو ہمارے پاس رہن رکھ دو۔ حضرت نعیم رضی اللہ عنہ کامیاب ہو گئے۔ اتحاد کی دھجیاں اڑ گئیں اور جو مسلمانوں سے لڑنے آئے تھے وہ خود ایک دوسرے کے مقابلے پر آ گئے اس صورت حال نے ابوسفیان اور قریش کے دیگر سرداروں نیز قبیلہ غطفان کو مجبور کر دیا کہ وہ جنگ سے دستبردار ہونے پر غور کریں۔

### حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی خبر گیری

حضرت نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ کے حسن تدبیر سے احزاب میں پھوٹ پڑنے کی خبر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ملی تو آپ نے ان کے صحیح حالات معلوم کرنے کے لئے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو کفار کی جانب بھیجنے کا فیصلہ فرمایا۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ خود روایت کرتے ہیں کہ ”حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھے بلایا اور کفار کے لشکر میں جانے کا حکم دیا۔ میں دیگر صحابہ کی طرح بے حد تھکا ہوا تھا۔ رات بھی بہت ٹھنڈی تھی لیکن غلام کے لئے آقا کے سامنے سر تسلیم خم کر دینے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا پس میں کھڑا ہوا سردی سے میرا بدن کانپ رہا تھا آپ ﷺ نے مجھے اپنے قریب بلایا میرے سر اور چہرے پر اپنا دست مبارک پھیرا اور فرمایا دشمن کے لشکر میں جاؤ اور ان کا حال دیکھ کر آؤ ان کا پروگرام معلوم کر کے آؤ اور خبردار میرے پاس واپس آنے سے پہلے کوئی کام نہ کرنا صرف خبر لے کر آنا ہے پھر آپ ﷺ نے میری حفاظت کے لئے دعا فرمائی میں نے اپنی تیرکمان اٹھائی اپنے کپڑے اپنے اوپر باندھ لئے اور لشکر کفار کی طرف چل پڑا۔“

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں خیمے سے نکلا تو سخت سردی محسوس ہونے کے باوجود مجھے ایسا لگنے لگا کہ

میں گرم حمام میں چلا جا رہا ہوں۔ جب میں کفار کے لشکر میں پہنچا تو میں نے دیکھا ہوا کے طوفان نے ان کے خیمے اکھاڑ دیئے تھے اور ہانڈیاں الٹ دی تھیں۔ ابوسفیان تنہا، پریشان آگ کے پاس بیٹھے کچھ سوچ رہے تھے موقع بڑا ہی اچھا تھا۔ ابوسفیان پوری طرح میری زد میں تھے میں نے ان پر تیر پھینکنے کا پورا ارادہ کر لیا (حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ شاید اسی طرح بے چین ہو گئے ہوں گے جیسے شکاری، شکار کو دیکھ کر ہو جاتا ہے) لیکن فوراً ہی مجھے یاد آیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صرف خبر گیری کا حکم دیا ہے کوئی دوسرا کام کرنے کو سختی سے منع فرمایا تھا۔ میں مجبور ہو گیا اور حملہ نہ کر سکا رات سخت تاریک اور ٹھنڈی تھی کسی کو پتہ نہ چل سکا اور میں ان لوگوں میں مل کر بیٹھ گیا کچھ ہی دیر بعد ابوسفیان لشکر کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا میں ایک ضروری اور اہم بات کہنا چاہتا ہوں لیکن پہلے ہر شخص اپنے برابر والے آدمی کو پہچان لے تاکہ ہمیں اطمینان ہو جائے کہ یہاں کوئی جاسوس موجود نہیں۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اب مجھے پریشانی ہوئی کہ اگر برابر والے نے میرا نام پوچھ لیا تو سارا بھانڈا بھوٹ جائے گا لیکن مجھے خیال آیا اور میں نے ہی اپنے برابر والے کے شانہ پر ہاتھ مار کر اس کا نام پوچھ لیا۔ وہ بولا ارے تم مجھے نہیں پہچانے میں فلاں ابن فلاں ہوں یہ قبیلہ ہوازن کا ایک شخص تھا ادھر ابوسفیان نے اپنی گفتگو شروع کر دی۔ انہوں نے بنو قریظہ کی بد عہدی، سامان جنگ ختم ہو جانے اور دیگر ناسازگار حالات کا ذکر کیا جو درحقیقت اعتراف شکست تھا پھر کہا میری رائے ہے کہ ”اب ہمیں واپس ہو جانا چاہئے اسی میں عافیت ہے“ یہ سنتے ہی لشکر میں ایسی بھگدڑ مچ گئی کہ معلوم ہوتا تھا یہ سب لوگ تو پہلے ہی سے بھاگنے کے لئے تیار بیٹھے تھے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں یہاں سے واپس چلا تو پھر مجھے یہی محسوس ہوا کہ میں کسی گرم حمام میں چل رہا ہوں میں اپنے لشکر میں پہنچا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نماز پڑھ رہے تھے آپ ﷺ نے سلام پھیرا تو میں نے تمام حالات بتائے۔ میرے آقا ﷺ کفار کے فرار کی خبر سن کر بے حد خوش ہوئے۔ تاریک رات میں آپ ﷺ کا نورانی چہرہ چودھویں کے چاند کی طرح چمک رہا تھا، آپ کے دندان مبارک موتیوں کی طرح کھلے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے خوش ہو کر مجھے اپنے قدموں میں جگہ دی اپنی مقدس چادر کا ایک حصہ مجھے اوڑھایا مجھے ایسا سکون ملا کہ میں فوراً سو گیا یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔ میرے آقا ﷺ نے مجھے ”فم یانوہان“ اسے بہت سونے والے اٹھ جاؤ ماکر بیدار کیا۔

صبح کو جب یہ خبر پھیلی ہوئی تو مسرت و خوشی کا کیسا منظر ہو کا یہ تو انہی حضرات کو پتہ ہو گا جو اللہ کے سپاہی تھے اس موقع پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک ارشاد بروایت سلیمان بن ضرر رضی اللہ عنہ ہمیں پہنچا کہ خبر صادق ﷺ نے فرمایا ”الان نغزوہم ولا یغزوہنا نحن نسیر الیہم“ ”اب کفار ہم پر کبھی حملہ آور نہ ہوں گے ہم ان پر حملہ کریں گے اور ان کی طرف چلے جائیں گے۔“ یہ فتح خیبر، فتح مکہ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں آپ کے بعد جتنی فتوحات ہوئیں ان کے متعلق خبر تھی جس کو سمجھنے والوں نے سمجھا اور اطمینان کا سانس لیا جس کی ابتدا غزوہ بنو قریظہ سے ہوئی۔ جس کا حال آئے آنا ہے۔

بہر حال صبح ہوتے ہوتے آسمان مدینہ کفر کے غبار سے صاف و شفاف ہو چکا تھا اور آج اسلام کا طلوع ہونے والا

چند اسورج پھر کبھی غبار آلود نہ ہونے پایا قرآن کریم نے کفار کے فرار ہونے کی کیفیت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِعِیْثِهِمْ لَمْ یَنَالُوْا خِیْرًا ۚ وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِیْنَ الْقِتَالَ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ قَوِّیًّا عَزِیْزًا ۝۲۵

(الاحزاب: ۲۵)

اور اللہ نے (ناکام) لوٹا دیا کفار کو اس حال میں کہ بیچ و تاب کھا رہے تھے اپنے غصہ میں (کہ اس لشکر کشی سے) انہیں کوئی فائدہ نہ ہوا اور اللہ نے بچا لیا مؤمنوں کو جنگ سے اور اللہ بڑا طاقتور ہے۔

اے ایمان والو! تم نے احزاب اور غزوہ احزاب کا حال پڑھا اور سنا کیسے عبرت ناک اور درس آموز واقعات ہیں کیسی اللہ نے اپنے رسول پر اور ان کے غلاموں پر رحمت کی بارش برسائی تم بھی تو اسی رسول کے نام لیوا ہو تم کفر کی ظاہری قوت و طاقت سے خوفزدہ کیوں ہوتے ہو اپنے آپ کو کفار کی غلامی کے شکنجے میں کیوں جکڑتے چلے جا رہے ہو، اٹھو کمر ہمت باندھو، رسول سے اپنا تعلق مضبوط و مستحکم کر لو، اللہ پر پورا پورا توکل کرو کہ یہی مؤمن کا سامان جنگ ہے آج بھی اللہ کی حمایت و نصرت تمہیں ایسے ہی حاصل ہوگی جیسے تمہارے اسلاف کو حاصل ہوتی رہی۔

مدینہ منورہ واپسی

ایک ماہ کے سفر کے بعد آقا ﷺ غلاموں کے جھرمٹ میں مدینہ منورہ واپس تشریف لائے۔ یہ سفر عام سفر نہ تھا جنگ کا سفر تھا جس کا ہر لمحہ محنت و مشقت اور جانفشانی سے بھرا ہوا تھا۔ موسم کی خرابی، دشمن کا خوف و ہراس، نہ آرام کا وقت، نہ کھانے پینے کا انتظام، ذہنی کوفت، جسمانی تھکاوٹ غرضیکہ صرف پریشانی ہی پریشانی تھی لیکن جب مقصد میں کامیابی ہوتی ہے تو ساری الجھنیں یکانت کا فور ہو جاتی ہیں پس آقا بھی خوش تھے کہ ان کے غلاموں نے وفاداری و وفا شعاری کا حق ادا کر دکھایا غلام خوش تھے کہ ان سے اللہ و رسول راضی ہو گئے۔ اللہ نے ان پر فضل فرمایا ان کی جان بخشی دشمن کو ذلیل و خوار کیا اور سب کامیابی و کامرانی کا سہرا پہنے اپنے گھروں کو واپس آئے۔

ابھی اللہ کے رسول ﷺ نے ہتھیار کھولے ہی تھے، غسل کا ارادہ فرما رہے تھے کہ جبرائیل امین حاضر دربار ہوئے۔ عرض کرنے لگے یا رسول اللہ ﷺ! ہم نے تو ابھی ہتھیار اتارے نہیں اور آپ نے اتار بھی دیئے میں گروہ ملائکہ کے ساتھ کفار کا تعاقب کر رہا تھا اور انہیں روکا تک بھگا کر آیا ہوں اور اب اللہ کا حکم لئے حاضر ہوں کہ:

”جب تک بنی قریظہ کا خاتمہ نہ کر لیا جائے اس وقت تک آپ ﷺ کو اور آپ کے غلاموں کو ہتھیار کھولنے کی اجازت نہیں۔“

ابھی غلام اپنے اہل و عیال کی خیر و عافیت کا روبرو کا حال بھی معلوم نہ کر پائے تھے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی طرف آواز سن کر پوچھنے پر چارہ تھے ”مَنْ كَانَ سَامِعًا مَّطِيعًا فَلَا يَصْلِيَنَّ الْعَصْرَ إِلَّا بِنِي قُرَيْظَةَ“ براہِ امت نماز عشاء نماز میں بنی قریظہ کے خاتمہ تک نہ پڑھے۔ ”یا خیل اللہ از کبھی“ اے شتر سوار اپنے کھوٹوں پر



کوئی دوسرے فوجی ہوتے تو ان آوازوں پر کان نہ دہرتے اپنے کاموں میں مسرور رہتے سوچتے کوئی چلا جائے گا ہم تو نہیں جاتے لیکن یہ اللہ کے سپاہی تھے رسول کے عشاق تھے ان کے ذہنوں میں تو حکم عدولی کا تصور بھی نہ آ سکتا تھا ان کا تو ایمان تھا کہ مسلمان ہر وقت حالت جنگ میں رہتا ہے ان کے نزدیک تو نجات کا ذریعہ ہر کام سے پہلے اللہ و رسول کے حکم کی تعمیل میں تھا پس اعلان سنا اور جو جس حال میں تھا کھڑا ہو گیا عورتوں نے جلدی جلدی ضروری سامان تیار کیا کیا مجال کسی عورت نے کہا ہو کہ دوسروں کو جانے دو تم میرے پاس ٹھہرو آنا فنا تمام مجاہدین گھوڑوں پر سوار آقا کی طرف دوڑتے نظر آنے لگے جن کے پاس سواریاں نہ تھیں وہ پیادہ دوڑ رہے تھے۔ ایک دوسرے سے جہاد جہاد کہتے جا رہے تھے تاکہ کوئی بھائی اطاعت کی عظمت سے محروم نہ رہ جائے۔ دیکھتے ہی دیکھتے پروانے شمع کے گرد جمع ہو گئے۔ آج حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ اعزاز حاصل ہوا کہ انہیں پرچم اسلام بخشا گیا۔ نماز عصر سے قبل اللہ کے سپاہی اللہ کے رسول کی قیادت میں بنو قریظہ کے قلعہ کے سامنے موجود تھے۔

### بنو قریظہ

مدینہ منورہ میں جو یہود آباد تھے انہی کا ایک قبیلہ بنو قریظہ بھی تھا جو معاہدے کی رو سے مسلمانوں کا حلیف تھا لیکن جب مسلمانوں کے خلاف محاذ بنا تو بنو نضیر کے سردار حنی بن اخطب نے بنو قریظہ کو درغلا یا اور بالآخر وہ معاہدے کی خلاف ورزی کرتے ہوئے محاذ میں شامل ہو گئے۔ جیسا کہ آپ گزشتہ اوراق میں پڑھ آئے ہیں اس قبیلہ کی غداری کی وجہ سے لشکر اسلام کو سخت ذہنی اذیت پہنچی کیونکہ خندق کھود کر مسلمان بیرونی دشمن کی طرف سے تو خاصے مطمئن ہو گئے تھے لیکن بنو قریظہ تو مدینہ منورہ کے اندر تھے اور اب یہ اندرونی دشمن بن چکے تھے جن سے بہت ہی زیادہ خطرہ تھا وہ تو اللہ نے کرم فرمایا کہ یہ حملہ کی ہمت نہ کر سکے نیز نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جنگی تدابیر نے انہیں نہ صرف کسی پیش رفت سے روکا بلکہ یہ اپنے کئے ہوئے پر پشیمان بھی ہونے لگے۔

غرضیکہ لشکر اسلام نے حضور علیہ السلام کے حکم کے مطابق نماز عصر محلہ بنو قریظہ میں ادا کی جب یہودیوں کو مسلمانوں کی آمد کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے اپنے قلعے کے دروازے بند کر لئے۔ مرد و عورت اور بچے سب چھتوں پر چڑھ گئے اور انہوں نے مسلمانوں کو گالیاں دینا شروع کر دیں۔ ان پر دھوکے بازی اور دغا بازی کے الزام لگانے لگے جبکہ ابھی مسلمانوں کی طرف سے کسی قسم کی پیش قدمی نہ ہوئی تھی لیکن انہیں اپنی غداری کا انجام بصورت موت خود ہی نظر آنے لگا تھا۔

اللہ کے رسول ﷺ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ یہودیوں کی بیہودہ کوئی پروا نہ دے۔ رات کو آپ ﷺ نے آرام فرمایا اور صبح ہوتے ہی مجاہدین کو حکم دیا کہ قلعہ کا محاصرہ کر لیا جائے اور من سب مقامات پر تیر انداز متعین کر دیئے جائیں۔ یہودیوں نے صورت حال دیکھی تو حواس باختہ ہو گئے مسلمانوں پر پتھر برسانے لگے، تیر برسانے لگے جس کا لشکر اسلام کی طرف سے مؤثر جواب دیا جاتا رہا بالآخر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حکم دیا کہ مسلمانوں نے یہودیوں کو باقاعدہ اپنی زد میں لے لیا۔ اب یہودیوں کو پوری طرح یقین ہوا کہ انہیں صورت حال سے قدامت مزید نہ ملے گی۔ ان کے ہاتھ کا ہتھیار

ان کے سرداروں کی طرف سے پیشکش کی گئی کہ معاملات کو بات چیت کے ذریعہ طے کر لیا جائے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس پیشکش کو قبول فرمایا۔

یہود نے نباش بن قیس کو اپنا نمائندہ بنا کر نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں بھیجا اس نے کہا کہ جن شرائط پر آپ نے بنو نضیر کو مدینہ سے جانے کی اجازت دی تھی یعنی یہ کہ ہم اپنے اہل و عیال اور فی کس ایک اونٹ سامان لے کر چلے جائیں انہی شرائط پر ہمیں بھی چلے جانے کی اجازت دے دی جائے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس شرط کو قبول فرمانے سے انکار کر دیا پھر اس نے درخواست کی کہ ہم اپنا سب مال و متاع، چھوڑے دیتے ہیں صرف ہماری اور ہمارے اہل و عیال کی جان بخشی جائے اور ہمیں مدینہ سے نکل جانے کی اجازت دی جائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ بھی نہیں ہو سکتا تم اپنے متعلق اگر میرا فیصلہ ماننے کے لئے تیار ہو تو تمہارے ساتھ مفاہمت کی کچھ بات چیت ہو سکتی ہے۔ نباش نے کہا کہ اس کا جواب میں اپنی قوم سے مشورے کے بعد ہی دے سکتا ہوں لہذا مجھے جانے کی اجازت دی جائے آپ نے اجازت دی اور وہ اپنے قلعہ میں واپس چلا گیا۔

کعب کی تجاویز

نباش سے جو کچھ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا وہ اس نے اپنی قوم کو بتایا نیز اس نے ان خطرات کا اظہار کیا جن کا اس نے مسلمانوں کے پرہیزگاروں سے اندازہ کیا تھا سب حال سن کر یہودیوں کے سردار کعب ابن اسد نے تین تجاویز پیش کیں۔ یہ کعب وہی شخص تھا جس نے بنو نضیر کے سردار حیی بن اخطب کے ورغلانے پر مسلمانوں پر عہد شکنی کی اور اپنی پوری قوم کو مصیبت میں مبتلا کیا بہر حال کعب بولا کہ میں نے صورت حال سے اندازہ لگایا ہے کہ ہمیں تین باتوں میں سے ایک قبول کر لینا چاہئے۔ سب سے بہتر بات یہ ہے کہ ہم سب اسلام قبول کر لیں کیونکہ اب یہ واضح ہو چکا ہے کہ محمد (ﷺ) ہی آخری نبی ہیں جن کا ہماری کتابوں میں ذکر موجود ہے۔ آج تک ہم حسد کے باعث اس حقیقت پر پردہ ڈالتے رہے اس صورت کو قبول کر لینے سے ہمیں نعمت ہدایت بھی نصیب ہو جائے گی عزت بھی ملے گی اور ہمارے اہل و عیال مال و منال سب محفوظ ہو جائیں گے قوم نے کہا یہ ہرگز نہیں ہو سکتا ہم کسی صورت میں بھی ایمان قبول نہیں کریں گے۔ کعب نے کہا تو دوسری صورت یہ ہے کہ ہم اپنی عورتوں اور بچوں کو اپنی ہی تلواروں سے قتل کر دیں اور پھر مسلمانوں پر ٹوٹ پڑیں نتیجہ جو بھی ہو گا دیکھا جائے گا۔ لوگوں نے کہا ان معصوم عورتوں اور بچوں کو اپنے ہی ہاتھوں قتل کر دینا کہاں کی انسانیت ہے ہم یہ بھی نہیں کر سکتے۔ کعب نے تیسری تجویز پیش کرتے ہوئے کہا تو پھر آخری صورت یہ ہے کہ آج یوم السبت (سنیچر کا دن) ہے مسلمان جانتے ہیں کہ ہم اس دن کا احترام کرتے ہیں اور اس دن قتل و غارت کو حرام جانتے ہیں وہ ہماری طرف سے آج بے خبر اور مطمئن ہوں گے پس ہم آج ہی ان پر حملہ کر کے ان کا خاتمہ کر ڈالیں۔ لوگ برا فروخت ہو کر کہنے لگے ظالم تو ہمیں اس مقدس دن کی بے حرمتی کا مشورہ دیتا ہے جبکہ تو اچھی طرح جانتا ہے کہ ہم سے پہلے لوگ سنیچر کی بے حرمتی کے سبب سخت عذاب میں مبتلا ہو چکے ہیں ہم ایسا کر کے عذاب الہی کو برا عزت نہیں دے سکتے فرسیدہ عباد کوئی تجویز قبول نہ کی تھی۔

## ابولبابہ کی غلطی اور توبہ

حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابہ میں شمار ہوتے ہیں۔ بنو قریظہ اور دیگر یہودیوں سے ان کے دیرینہ تعلقات تھے۔ جب مسلمانوں نے قلعہ کا محاصرہ سخت کیا اور بنو قریظہ کو اپنی ہلاکت کے آثار نظر آنے لگے تو انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے گزارش کی کہ ابولبابہ بن منذر کو ہمارے پاس بھیجا جائے ہم ان سے کچھ مشورہ کرنا چاہتے ہیں۔ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کی درخواست قبول فرماتے ہوئے حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو ان کے پاس جانے کی اجازت مرحمت فرمائی جب ابولبابہ ان کے پاس پہنچے تو انہوں نے ان کا بے حد احترام کیا اور کہا کہ آپ ہمیں مشورہ دیجئے کہ کیا ہم اپنے معاملہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فیصلہ قبول کر لیں اور اگر ہم نے ایسا کیا تو آپ کے خیال میں ہمارا کیا انجام ہوگا زبان سے تو آپ نے یہی فرمایا کہ ہاں تم اپنا معاملہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سپرد کر دو لیکن ہونے والی بات ہوگئی کہ غیر اختیاری طور پر آپ کا ہاتھ آپ کے حلق کی طرف گیا جس سے یہ اشارہ ملا کہ اگر تم نے ایسا کیا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سب کو قتل کر دینے کا حکم صادر فرمائیں گے۔ ایسا ہونا تھا کہ آپ میں ایک اضطراب پیدا ہوا اور احساس ہوا کہ میں نے بہت بڑی غلطی کی ہے۔ اللہ اور اس کے رسول سے خیانت کی ہے بس قلعہ سے نکلے تو سیدھے مسجد نبوی شریف کی راہ لی اتنی جرات بھی نہ ہو سکی کہ اللہ کے رسول ﷺ کو اپنا حال بتاتے اور آقائے رحمت ﷺ سے رحم کی بھیک مانگتے مسجد پہنچے اور اپنے آپ کو مسجد کے ایک ستون سے باندھ دیا اور عزم کیا کہ میں یہاں سے اس وقت تک نہ جاؤں گا جب تک اللہ میرا گناہ معاف نہ فرمادے۔

لوگوں نے حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کا حال حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بتایا تو آپ نے اظہار افسوس کرتے ہوئے فرمایا کاش وہ میرے پاس حاضر ہو کر معافی طلب کرتا تو میں اسے معاف کر دیتا لیکن اس نے خود کو اللہ کے سپرد کر دیا اب میں اسے اس وقت تک نہ کھولوں گا جب تک اللہ کی طرف سے اس کی توبہ قبول ہونے کا حکم نہ آجائے۔

حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ چھ دن، چھ رات اس ستون سے بندھے رہے۔ یہ ستون آج تک اُستوانہ توبہ کے نام سے مسجد نبوی شریف میں ریاض الجنۃ میں موجود ہے اور یہاں ہم گناہگاروں کی توبہ قبول ہوتی ہے۔ حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ نے یہ شب و روز کس اذیت و تکلیف سے گزارے ہوں گے یہ اللہ ہی جانتا ہے۔ حال یہ تھا کہ ان کی اہلیہ صرف ضروریات پوری کرنے کے لئے کھولتی تھیں اور پھر باندھ دیتی تھیں۔ گھر والے، باہر والے، دوست و احباب سامنے سے منہ پھیر کر گزر جاتے سب سے زیادہ اذیت ناک بات یہ تھی کہ اللہ کے رسول ﷺ بھی اپنے غلام کی طرف توجہ نہ فرماتے تھے۔ ایک دن کسی نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ابولبابہ کے لئے معافی کی درخواست کی تو آپ نے فرمایا ابولبابہ غلطی کے بعد سیدھے میرے پاس حاضر ہو جاتے تو میں اسے اللہ سے مغفرت کی دعا کرتا لیکن جب اس نے خود ہی یہ راستہ اختیار کیا ہے تو میں اسے ستون سے اس وقت تک نہ کھولوں گا جب تک اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول نہ فرمائے۔ بہر حال ابولبابہ توبہ واسطہ رسول، اللہ سے طلب مغفرت کی چھ دن اور چھ رات سزا بھگتتا پڑی، بالآخر اللہ نے ان پر رحم فرمایا اور ایک رات جبکہ اللہ کے رسول ﷺ اپنی زوجہ مکرمہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ مبارک میں رونق افروز تھے تو ام سلمہ نے دیکھا کہ اللہ کے

حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام مسکرا رہے ہیں۔ عرض کرنے لگیں ”مِمَّا تَضَحَّكَ بِرَسُولِ اللَّهِ أَضْحَكَ اللَّهُ سِنَكَ“ اے اللہ کے رسول آپ کیوں مسکرا رہے ہیں، اللہ آپ کو ہمیشہ خوش رکھے فرمایا ”ابولبابہ کی توبہ قبول ہوگئی“ عرض کی اجازت ہو تو انہیں یہ خوشخبری سنا دوں فرمایا جیسا چاہو کرو۔ اُم المؤمنین رضی اللہ عنہا حجرہ مبارک کے دروازے پر آ کر کھڑی ہوئیں اور باواز بلند فرمایا اے ابولبابہ مبارک ہو تمہاری توبہ کو اللہ نے قبول فرمالیا ہے۔ کچھ صحابہ نے بھی یہ آواز سن لی وہ دوڑے تاکہ ابولبابہ کو کھول دیں آپ نے انہیں روکا اور کہا ”لَا وَاللَّهِ حَتَّى يَكُونَ رَسُولُ هُوَ الَّذِي يُطْلِقُنِي بِيَدِهِ“ اللہ مجھے کوئی نہ کھولے یہاں تک کہ خود حضور تشریف لائیں اور مجھے اپنے دست مبارک سے کھولیں کہ آزادی وہی ہے جو حضور کے ہاتھوں سے ملے اور معافی وہی ہے جس پر حضور کی مہر تصدیق ثبت ہو۔ پس حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نماز فجر کے لئے تشریف لائے تو ابولبابہ کو مبارکباد دی اور اپنے دست مبارک سے رسی کھولی۔

پچیس دن بعد

پچیس دن تک محاصرہ جاری رہا جس سے یہودی تنگ آ گئے اور بالآخر وہ اپنے متعلق حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فیصلہ ماننے پر مجبور ہو گئے انہوں نے قلعہ کا دروازہ کھول دیا۔ اللہ کے رسول ﷺ اپنے غلاموں کے ہمراہ نعرہ ہائے تکبیر بلند کرتے اندر داخل ہوئے۔ یہودیوں کے جوانوں کو رسیوں سے جکڑ دیا گیا۔ عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کو محفوظ مقام پر پہنچا دیا گیا۔ قلعہ کی تلاشی لی گئی تو اسلحہ کا ایک انبار ملا، جس میں پندرہ سو تلواریں، پانچ سو ڈھالیں، دو ہزار نیزے اور دیگر سامان جنگ تھا جو ان لوگوں نے مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لئے جمع کر رکھا تھا لیکن خوفزدہ تھے حملہ کرنے کی ہمت نہ کر سکے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عدل و انصاف کا تقاضا پورا کرتے ہوئے اب انہیں موقع دیتے ہوئے فرمایا کہ اگر تم چاہو تو کسی شخص کا نام تجویز کر سکتے ہو جو تمہارے متعلق فیصلہ کرے انہوں نے سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا نام پیش کیا جسے حضور ﷺ نے قبول فرمایا۔ یہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ وہی ہیں جو خندق کے میدان میں زخمی ہو چکے تھے اور انہوں نے بنو قریظہ کا انجام اپنی آنکھوں سے دیکھنے کے لئے اپنی زندگی کی دعا کی تھی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہودیوں کو حکم دیا کہ جاؤ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو ان کے خیمہ سے لے کر آؤ، حضرت سعد رضی اللہ عنہ ایک گدھے پر سوار بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کے لئے کھڑے ہو گئے اور تمام حاضرین سے فرمایا ”قُوفُوا لِالسَّيِّدِ كُمْ“ اپنے سردار کے لئے کھڑے ہو جاؤ (کہ تعظیماً کسی کے لئے کھڑا ہونا حرام یا شرک نہیں بلکہ سنت نبوی اور حکم رسول ہے، سنت صحابہ ہے) لوگ کھڑے ہو گئے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو سواری سے اتارا گیا اور معزز مقام پر بٹھایا گیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کی خیریت دریافت فرمائی اور پھر فرمایا ”أَحْكُمْ فِيهِمْ يَا سَعْدُ“ اے سعد ان یہودیوں کے متعلق اپنا فیصلہ سناؤ۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ عرض گزار ہوئے ”اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَحَقُّ بِالْحُكْمِ“ اللہ اور اس کے رسول ہی کو فیصلہ فرمانے کا حق ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا نہیں، سعد آج ”أَمَرَكَ اللَّهُ أَنْ تَحْكُمَ فِيهِمْ“ اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم ان کا فیصلہ کرو۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے پہلے لوگوں کی طرف مخاطب ہوتے ہوئے پوچھا کیا آپ سب کو بنو قریظہ کے متعلق میرا فیصلہ قبول

ہے۔ لوگوں نے بیک آواز ہو کر اپنی رضا مندی کا اظہار کیا تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا پس میرا فیصلہ ہے کہ ”بنو قریظہ کے جوانوں کو قتل کر دیا جائے، عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کو غلام بنالیا جائے۔“ فیصلہ سنتے ہی بنو قریظہ تو مبہوط و پریشان ہو گئے اور مسلمان خوشیاں منانے اور ایک دوسرے کو مبارکباد دینے لگے۔ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ”اے سعد تم نے وہی فیصلہ فرمایا جو اللہ سات آسمانوں کے اوپر فیصلہ کر چکا ہے۔“

بہر حال بہ طابق فیصلہ نو جوانوں کو گرفتار کر لیا گیا جن کی تعداد تقریباً سات سو تھی۔ مختلف مقامات پر گڑھے کھودے گئے، ان کو قتل کیا گیا اور ان گڑھوں میں پھینک دیا گیا۔ ان مقتولین میں بنو قریظہ کا سردار کعب ابن اسد اور اس فتنہ کی اصل اور جزئی بن اخطب بھی تھے جب تک قتل کے لئے لایا گیا تو اس کے ہاتھ اس کی گردن سے جکڑے ہوئے تھے۔ دوسرے لہاس پہنے تھا جس نے اسے جگہ جگہ سے پھاڑ دیا تھا تا کہ اس کے کپڑے کوئی دوسرا نہ پہن سکے۔ اب بھی یہ تکبر و غرور میں مبتلا تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے پیش ہوا تو کہنے لگا: میں نے ہمیشہ آپ سے دشمنی اور عداوت رکھی اور کبھی میں اس پر پشیمان نہیں ہوا لیکن اللہ جس کو ذلیل و خوار کرے وہ ذلیل و خوار ہوتا ہے۔“

بنو قریظہ سرداروں میں سے ایک شخص زید بن باطا تھا جو اندھا اور بہت بوڑھا تھا اس کی بد بختی کا واقعہ نہایت عبرتناک ہے۔ ہوا یہ کہ اس شخص نے ایک عرصہ پہلے حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ پر کوئی احسان کیا تھا۔ عرب احسان شناس ہوتے تھے اور وہ کسی نہ کسی طرح احسان کا بدلہ چکا دیا کرتے تھے۔ حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے اس بوڑھے کو دیکھا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ: زید کا مجھ پر احسان ہے اگر اجازت ہو تو میں اس کا بدلہ چکا دوں۔ آپ ﷺ نے اجازت مرحمت فرمائی تو ثابت، زبیر کے پاس آئے اور کہا کہ میں تیرے احسان کا آج بدلہ دینا چاہتا ہوں کیا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے تیری جان بخشی کی درخواست کروں۔ اس نے کہا تم کریم النفس ہو مجھے تم سے یہی امید ہے۔ حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے درخواست کی آپ نے قبول فرمائی۔ انہوں نے زید کو خوشخبری دی تو وہ بولا: ”جس بوڑھے کے اہل و عیال نہ ہوں وہ زندہ رہ کر کیا کرے گا۔“ ثابت نے حضور ﷺ کی خدمت میں آکر یہ بات بتائی، آپ نے حکم دیا کہ ”زبیر کے اہل و عیال کو بھی آزاد کر دیا جائے۔“ ثابت نے آکر زید کو بتایا کہ تمہارے بیوی بچے بھی آزاد کر دیئے گئے ہیں، ابھی تمہارے پاس آتے ہیں۔ وہ بولا وہ خاندان کس طرح زندہ رہ سکتا ہے جس کے پاس کھانے کمانے کو کچھ نہ ہو۔ حضرت ثابت رضی اللہ عنہ پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار میں حاضر ہوئے اور یہ بات بھی بتادی اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا زبیر کا مال و متاع اور جائیداد بھی واپس کر دی جائے۔ حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے زبیر کو یہ خبر بھی دی۔ اب یہ بد نصیب خوش ہونے کے بجائے اپنے ساتھیوں اور قبیلہ کا حال معلوم کرنے لگا۔ جب اسے بتایا گیا کہ سب کو قتل کر دیا گیا ہے تو بولا اس اس زندگی میں کوئی لطف نہیں اے ثابت میں تمہارا شکریہ ادا کرتا ہوں اور تمہیں تمہارے احسان کا واسطہ دیتا ہوں کہ تم میرے ساتھ وہی کچھ کرو جو میرے قبیلہ والوں کے ساتھ ہو چکا ہے۔ پس اس کا بھی سر قلم کر دیا گیا۔

## یہودی عورتوں پر کرم

تاریخ میں ایسے متعدد واقعات موجود ہیں جن سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اسلام دشمنی میں یہودی عورتیں اپنے مردوں سے کسی طرح کلم نہ تھیں لیکن شریعت مطہرہ نے عورتوں کے ساتھ جس نرم برتاؤ کی تعلیم دی ہے۔ اس کے مطابق اللہ کے رسول ﷺ نے اس موقع پر بھی بنو قریظہ کی عورتوں کو قتل کرنے کی اجازت نہ دی انہیں اور ان کے بچوں کو باندی و غلام کی حیثیت سے مسلمانوں میں تقسیم کر دیا گیا تا کہ وہ باعزت زندگی بسر کر سکیں، صرف ایک عورت کو قتل کیا گیا جس نے حضرت خلد بن سید رضی اللہ عنہ پر بھاری پتھر پھینکا تھا جس سے وہ شہید ہو گئے تھے۔ یہ قتل بطور قصاص تھا حضرت خلد رضی اللہ عنہ کے متعلق حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا انہیں دو شہیدوں کا اجر دیا جائے گا۔

## بنو قریظہ کا قتل عام کیوں؟

اسلام دین رحمت ہے، دین رافت ہے، اس کے لانے والے نبی آخر الزماں ﷺ رحمۃ اللعالمین ہیں جن کا سایہ رحمت اللہ کی مخلوق کو اپنی پناہ میں لئے ہوئے ہے جن کی تعلیمات کا بنیادی مقصد انسانوں پر رحم کرنا اور انہیں ظلم و ستم سے نجات دلانا ہے۔ واقعی تعجب ہوتا ہے کہ ایسے دین کی تاریخ میں اور ایسے نبی کے احکام میں بنو قریظہ کے سات سوانسوں کے قتل عام کا سنسنی خیز واقعہ موجود ہے لیکن اگر ذرا غور و فکر سے کام لیا جائے تو معایہ تعجب ختم ہو جاتا ہے۔ اس لئے کہ:

رحم و کرم کے ساتھ عدل و انصاف کا لحاظ بھی ضروری ہوتا ہے وہ رحم جس میں عدل نہ ہو ظلم بن جاتا ہے، ظالم کو ظلم سے روکنا رحم بھی ہے اور عدل بھی لیکن مظلوم کے ہاتھ میں تلوار دے دینا بظاہر تو اس کو طاقتور بنا کر اس پر رحم کرنا ہے لیکن حقیقت میں اس کو بھی ظالم بنا دینا ہے جو اس پر ظلم ہے والدین سے زیادہ اولاد پر رحم کرنے والا کون ہو سکتا ہے لیکن بوقت ضرورت بچوں کو سزا دینا ہی ان پر رحم کرنا ہے جو بظاہر ظلم ہے لیکن یہی عدل ہے، انصاف ہے کہ اگر انہیں سزا نہ دی گئی تو وہ پورے معاشرے کی تباہی کا ذریعہ بن سکتے ہیں۔ وہ والدین ظالم کہلائیں گے جو اولاد سے اندھی محبت کریں حتیٰ کہ ان کی تعلیم و تربیت کے لئے بھی ان پر سختی نہ کریں ایک جج کو آپ ظالم نہیں کہہ سکتے جب وہ قاتل کو پھانسی دینے کا حکم سناتا ہے یہ اس نے ظلم نہیں کیا بلکہ عدل کیا ہے، انصاف کیا ہے، مقتول کے غمزدہ وارثوں کے لئے بھی اس کا یہ حکم عدل ہے اور پورے معاشرے کے لئے بھی، کہ قاتل کو قتل کر دیا جائے گا تو لوگ پر امن اور بے خوف زندگی بسر کر سکیں گے نیز کوئی قاتل بننے کی جرأت نہ کر سکے گا۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام کی سخت سزائیں جرائم کے خاتمہ کا یقینی ذریعہ ہیں جبکہ انسانی ہمدردی کے نام نہاد قوانین سے معاشرے میں جرائم عام ہوتے ہیں۔ ان حقائق کو ذہن نشین کر لینے کے بعد غور فرمائیے کہ بنو قریظہ کے مردوں کو کیوں قتل کیا گیا۔ اس لئے کہ:

آپ کو علم ہے کہ جب نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام مدینہ منورہ تشریف لائے تو یہاں یہودیوں کے تین قبیلے آباد تھے۔ بنو قینقاع، بنو نضیر اور بنو قریظہ۔ انہیں یہ اسوۃ و اسلام نے رحم و کرم کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے نہ ان قبیلوں پر کوئی پابندی عائد فرمائی اور نہ ہی انہیں مدینہ سے نکل جانے کا حکم سنا دیا بلکہ مدینہ کو پر سکون اور پر امن شہر بنانے کے لئے ان

قبائل سے معاہدہ کیا گیا جس میں طے پایا کہ یہ قبائل نہ خود مسلمانوں کے خلاف کوئی سازش کریں گے اور نہ ہی اسلام کے دشمنوں کے ساتھ مل کر مسلمانوں کو ستائیں گے اور خوفزدہ کریں گے جبکہ مسلمان ان کے جان و مال کی حفاظت کے ضامن ہوں گے۔ یہ لوگ اپنی معاشی و معاشرتی معاملات میں ہمیشہ کی طرح آزاد ہوں گے مسلمانوں کے ساتھ مل جل کر رہنے، کاروبار وغیرہ کرنے پر کوئی پابندی نہ ہوگی، لیکن:

یہ یہودیوں کی بد نصیبی ہے کہ سازش، فتنہ پردازی، مکر و فریب، غداری اور بد عہدی ان کی سرشت میں ہے جس کا مظاہرہ ان کی طرف سے عام معاملات میں ہر وقت ہوتا رہتا ہے یہی وجہ ہے کہ کوئی قوم، کسی مذہب کے لوگ ان پر اعتماد نہیں کرتے ماضی میں بھی ان کا حال یہی رہا اور آج بھی یہی ہے اسی لئے انہوں نے ہر دور میں مار کھائی ہے ہمیشہ انہیں مہلک جراثیم کی طرح مارا گیا ہے اور آج بھی مار کھا رہے ہیں ”ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ“ فرمان الہی ہے جس کا مظاہرہ ہر دور میں ہوتا رہتا ہے آج بظاہر وہ حاکم ہیں، آزاد ہیں لیکن پچاس برس میں کوئی دن یا کوئی رات انہیں سکون کی میسر نہ آ سکی۔ پڑوسیوں کے ساتھ آئے دن ان کے معاہدے ہوتے رہتے ہیں اور یہ ان کی پرواہ کئے بغیر اپنے مفاد کے لئے جو چاہتے ہیں کرتے رہتے ہیں پھر وقت آ رہا ہے کہ ان جراثیم کو نہایت بیدردی کے ساتھ ہلاک کیا جائے گا سب ایک جگہ جمع ہو رہے ہیں جو میرے آقا ﷺ کے ارشاد کے مطابق ان کی تباہی کا پیش خیمہ ہے۔

بہر حال معاہدے کے مطابق یہودیوں کو مدینہ منورہ میں پوری آزادی حاصل تھی لیکن یہ خبیث اسلام کے خلاف سازشیں کرنے اور مسلمانوں میں فتنہ و فساد کی آگ بھڑکانے سے باز نہ آتے تھے۔ منافقین کو بھی انہی سے تقویت حاصل ہوتی تھی۔ آپ کو معلوم ہے کہ ایک مرتبہ تو بنو نضیر نے میرے آقا ﷺ کو شہید کر دینے میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی اگر اللہ رب العزت جل مجدہ اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خود حفاظت نہ فرماتا تو یہ ظالم اپنے مقصد میں کامیاب ہو ہی گئے تھے۔ بطور مثال ایک واقعہ ملاحظہ ہو جس سے آپ کو اندازہ ہوگا کہ یہ خبیث کس طرح مسلمانوں میں فتنہ و فساد کی آگ بھڑکاتے تھے۔

مدینہ کے دو قبیلے اوس و خزرج ایک طویل مدت سے برسرِ پیکار تھے۔ نبی رحمت ﷺ کے حلقہٴ گوش ہونے کے بعد وہی ایک دوسرے پر جان نچھاور کرنے لگے۔ اسلامی اخوت و محبت نے انہیں ایک دوسرے کا بھائی بنا دیا۔ یہودیوں کو اوس و خزرج کی یہ الفت ایک لمحہ نہ بھائی تھی وہ ان میں اختلاف پیدا کرنے اور انہیں دوبارہ لڑانے کی گھات میں رہتے تھے تاکہ مسلمان میں انتشار پیدا ہو بالآخر ایک دن موقع ہاتھ آ ہی گیا۔

شاس بن قیس بڑا ہی خبیث الفطرت یہودی تھا۔ اس کا مشن ہی مسلمانوں کو لڑانا اور ان میں انتشار پیدا کرنا تھا اس نے ایک دن اوس و خزرج کے لوگوں کو ایک جگہ بیٹھے دیکھا تو آگ بگولہ ہو گیا اپنے ایک ساتھی کو بلایا اور کہا کہ ان لوگوں کے پاس جا کر بیٹھو پہلے محبت کی باتیں کرو اور پھر موقع پا کر ”جنگِ بعاث“ کے واقعات کا ذکر کرو اور اس پر افسوس کا اظہار کرو (جنگِ بعاث، اوس و خزرج کی مشہور جنگ کا نام ہے) یہ خبیث گیا اور اپنے مقصد میں کامیاب ہوا اس نے جنگِ بعاث کا ذکر چھیڑ دیا جو بڑھتے بڑھتے اتنا بڑھا کہ دونوں قبیلے کے لوگوں نے تلواریں نکال لیں، قریب تھا کہ دونوں لڑ پڑتے کہ کسی نے دوزخِ حضور

علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خبر دی۔ آپ ﷺ حجاب کے ہمراہ یہاں پہنچے تو دیکھا کہ طرفین آتھم تھا ہو چکے ہیں آپ نے سچ بچاؤ کیا اور فرمایا ”کیا ہوا، کیا تم پھر جاہلیت میں مبتلا ہو رہے ہو اللہ نے تمہیں ہدایت بخشی ہے اور تم پھر گمراہی کے گڑھے میں گر رہے ہو اللہ نے تمہیں عزت بخشی، جاہلیت کی کشمکش سے نجات عطا فرمائی، تمہیں کفر سے بچایا تمہارے دلوں میں محبت و الفت پیدا کی اتقوا اللہ اللہ سے ڈرو کیا تم پھر غر کی طرف لوٹ جانا چاہتے ہو۔“

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشادات سنتے ہی انہیں ہوش آیا کہ ہم شیطان کے فریب میں مبتلا ہو کر کیا کرنے جا رہے تھے پس آپس میں معافی تلافی ہونے لگی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے معافی مانگنے لگے۔ اسی موقع پر قرآن کریم کی پانچ آیات نازل ہوئیں (سورہ آل عمران ۱۰۰ تا ۱۰۵) جن میں اہل ایمان کو اہل کتاب کی سازشوں سے باخبر کیا گیا اور باہمی اتحاد و اتفاق کی تاکید فرمائی گئی۔

غرضیکہ یہودی، مسلمانوں کے لئے اس وقت بھی خطرہ تھے اور آج بھی خطرہ ہیں نہ انہوں نے پہلے کبھی ایٹائے عہد کیا نہ ان سے اس کی توقع کی جاسکتی ہے۔ بجا ہے کہ اسلام دین رحمت ہے، دین رافت ہے لیکن اس کا قانون عدل و انصاف بھی درحقیقت اس کی رحمت و رافت کا ایک حصہ ہے جس کا تقاضا ہے کہ وہ اپنے مخالفین اور دشمنوں کو عبرتناک سزا دے تاکہ اس کے ماننے والے، امت مسلمہ ہر قسم کی سازش سے بے خوف و خطر ہو کر پرسکون زندگی بسر کر سکے۔ ایک پر امن معاشرہ قائم ہو سکے جس میں اپنے غیر سب ہی چین کا سانس لے سکیں اور زندگی کے ہر شعبہ میں انہیں آزادی میسر ہو اسلام کی تحریک جہاد کا بھی یہی مقصد ہے۔

اگر یہود و نصاریٰ کے ساتھ تعلقات کے حوالہ سے آپ شریعت مطہرہ کے احکام پر غور کریں تو آپ تسلیم کریں گے کہ اسلام نے انہیں اپنانے اور ان پر رحم و کرم کرنے میں کوئی سہارا نہیں دیا۔ قرآن کریم میں متعدد مقامات پر اہل کتاب کا ذکر ہے ان کے ذبیحہ کو حلال قرار دیا، ان کی عورتوں سے نکاح کی اجازت دی گئی، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود ان سے ہر موقع پر نرمی کا برتاؤ کیا لیکن یہ ظالم خود ہی اپنے اوپر ظلم کرتے رہے انہوں نے کبھی بھی مسلمانوں کی رواداری اور حسن سلوک کا جواب مثبت انداز میں نہ دیا۔ یہ جانتے ہوئے کہ حضرت محمد ﷺ ہی اللہ کے وہ آخری نبی ہیں جن کا ذکر ان کی کتابوں میں موجود ہے انہوں نے دشمنی، مخالفت اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ سازشوں میں کوئی کسر نہ رکھی تو بتائیے کہ ایسے لوگوں کے ساتھ کیا سلوک کیا جاسکتا تھا یہی ناکہ قانون عدل و انصاف کے مطابق ان سے برتاؤ کیا جاتا اور انہیں مناسب سزائیں دی جاتیں تاکہ امت مسلمہ ان کی سازشوں سے محفوظ رہے پس اللہ کے رسول ﷺ نے اس کے سوا کچھ نہ کیا بلکہ غور کیا جائے تو ان کے جرائم کی بہ نسبت انہیں سزائیں بہت کم اور نرم دی گئیں تاکہ کوئی اسلام پر مخالفین کے ساتھ زیادتی کرنے کا الزام نہ نہ کر سکے۔

اگر آپ بنو نضیر کی حرکتیں پڑھیں تو آپ قانون عدل و انصاف کے مطابق ان کی موت ہی کا فیصلہ دیں گے لیکن آقائے رحمت ﷺ نے ان پر کرم کیا کہ انہیں صرف جلا وطنی کی سزا دی وہ بھی اس طرح کہ انہیں اپنا مال و متاع ساتھ لے



جانے کی اجازت دی گئی لیکن اس نرمی کا انجام یہ ہوا کہ انہوں نے خیبر میں آباد ہونے کے بعد سب سے پہلا کام اسلام کے خلاف سازشوں ہی کا انجام دیا۔ آپ پڑھ چکے ہیں کہ انہی کے سرداروں کی تحریک پر اسلام کے خلاف متحدہ محاذ قائم ہوا اور دس، بارہ ہزار کالشکر پوری قوت اور ساز و سامان کے ساتھ مدینہ منورہ پر حملہ آور ہوا کیا کسرباقی رہ گئی تھی مسلمانوں کے تباہ ہو جانے اور اسلام کے ختم ہو جانے میں اگر اسلام کی حفاظت اللہ کی طرف سے نہ ہوتی اور مسلمانوں کی غیبی امداد نہ کی جاتی تو بظاہر یہ دشمن کامیاب ہو چکا تھا۔

بنو نضیر کے ساتھ نرمی کا جو انجام سامنے آیا اس کے بعد بنو قریظہ کے ساتھ نرمی کا کیا جواز رہ جاتا ہے جبکہ ان کا جرم بھی بنو نضیر سے بہت زیادہ خطرناک تھا کہ ظالموں نے عین حالت جنگ میں غداری کی اگر یہ اپنی سازش میں کامیاب ہو جاتے تو مدینہ منورہ کی حفاظت کے لئے خندق کھودنے کی تدبیر بے کار ہو جاتی اور جب مسلمان بیرونی دشمن سے مقابلہ میں مصروف ہوتے تو عین اسی وقت ان پر اندرون مدینہ سے حملہ کر دیا جاتا۔ غور فرمائیے کیسا بھیانک انجام ہوتا قرآن کریم نے اسی بھیانک صورت حال کا ذکر فرمایا:

إِذْ جَاءُوكُم مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ أَسْفَلَ مِنكُمْ وَإِذْ زَاغَتِ الْأَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوبُ  
الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّونَ بِاللّهِ الظُّنُونًا ۚ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُونَ وَزُلْزِلُوا زِلْزَالًا  
شَدِيدًا ۝ (الحزاب: ۱۰-۱۱)

جب انہوں نے ہلہ بول دیا تھا تمہارے اوپر کی طرف سے اور تمہارے نیچے کی طرف سے اور جب آنکھیں پتھرائ گئیں اور کلیجے منہ کو آگئے اور تم اللہ کے بارے میں طرح طرح کے گمان کرنے لگے اس موقع پر خوب آزمایا گیا ایمان والوں کو اور خوب سختی سے جھنجھوڑے گئے۔ ان آیات کی تفصیل آپ گزشتہ اوراق پر ملاحظہ فرما چکے ہیں، دوبارہ نظر ڈال لیجئے۔

بہر حال بنو قریظہ کا جرم اتنا خطرناک تھا کہ اس کی سزا انہیں جو دی گئی وہ عدل و انصاف کے عین مطابق تھی اگر کہیں انہیں معافی مل جاتی تو یہ اسلام اور مسلمانوں کے لئے ایک مستقل خطرہ بن جاتے، جس کا خوف ایک مہلک مرض کی طرح مسلمانوں کو لاغر و کمزور کئے بغیر نہ چھوڑتا، جب بھی لشکر اسلام کو مدینہ منورہ سے باہر جانا پڑتا انہیں یہی فکر لاحق رہتی کہ نہ جانے بنو قریظہ مدینہ میں کیا کر گزریں یا مدینہ کی حفاظت کے لئے ایک طاقتور لشکر مخصوص کرنا پڑتا جو اس وقت ممکن نہ تھا پس اس دشمن کو ہمیشہ کے لئے تہس نہس کر کے مسلمانوں کو سکون و اطمینان کی زندگی مہیا کر دی گئی۔

آج بھی مسلمانوں کے لئے سب سے بڑا خطرہ یہودی، بنام اسرائیل ہیں جو سازشیں کرتے رہتے ہیں اور ان کی سازشوں سے محفوظ رہنے کے لئے مسلمانوں کے وسائل صرف ہوتے رہتے ہیں کاش ایک مرتبہ امت مسلمہ متحد ہو کر یہودیوں کا وہی حشر کر دے جو بنو قریظہ کا کیا گیا تھا تو ہمیشہ کے لئے خوف و خطر کے مہلک مرض سے نجات نصیب ہو سکتی ہے اس کے سوا نہ کوئی چارہ ہے نہ کوئی کامیاب سیاسی تدبیر ہے اللہ توفیق و ہمت دے۔

ایک بات یہ بھی قابل غور ہے کہ درحقیقت بنو قریظہ نے خود ہی اپنی موت کو دعوت دی تھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور مسلمانوں نے تو صرف ان کے فیصلے کو قبول کیا اور عملی جامہ پہنایا۔ آپ پڑھ چکے ہیں کہ جب بنو قریظہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے گفتگو کی خواہش ظاہر کی تو آپ ﷺ نے فوراً اجازت مرحمت فرمائی اور جب ان کا نمائندہ نباش بن قیس حضور کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے اس سے فرمایا کہ اپنے متعلق فیصلہ کا اختیار تم مجھے دے دو لیکن اس نے انکار کر دیا اور بالآخر وہ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو حکم تسلیم کرنے پر راضی ہوئے۔ واضح رہے کہ سعد بن معاذ یہودیوں کی تجویز پر ہی حکم بنائے گئے تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور مسلمانوں نے صرف اس تجویز کو قبول کیا تھا اور جب حضرت سعد رضی اللہ عنہ حکم بن کر آئے تو انہوں نے فریقین سے تسلیم کرایا کہ ان کا فیصلہ جانہین قبول کریں گے پس سعد نے بنو قریظہ کو قتل کر دینے کا فیصلہ کیا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انصاف و دیانت کے تقاضے کے مطابق اس فیصلہ کو قبول فرمایا اور اس پر عمل کیا تو یہ فیصلہ حقیقت میں خود بنو قریظہ ہی نے کیا تھا۔

بہر حال، محمد اللہ مسلمانوں کو ہمیشہ کے لئے ایک مکار، طاقتور دشمن سے نجات ملی اللہ نے اپنے اس کرم کا ذکر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

وَأَنْزَلَ الَّذِينَ ظَاهَرُوهُمْ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مِنْ صَيَاصِيهِمْ وَقَذَفَ فِي قُلُوبِهِمُ  
الرُّعْبَ فَرِيقًا تَقْتُلُونَ وَتَأْسِرُونَ فَرِيقًا ۚ وَأَوْشَكُمُ أَنَّهُمْ فِي غَیْبِهِمْ  
أُمُورًا ۚ وَأَرْصَأْلَهُمْ تَطْوُّهَا ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرًا ۝ (الاحزاب: ۲۶-۲۷)

اور اہل کتاب سے جن لوگوں نے کفار کی مدد کی تھی اللہ نے انہیں ان کے قلعوں سے اتار لیا اور ان کے دلوں میں (تمہارا) رعب ڈال دیا ایک گروہ کو تم قتل کر رہے ہو اور دوسرے گروہ کو قیدی بنا رہے ہو اور اس نے وارث بنا دیا تمہیں ان کی زمینوں ان کے مکانوں اور ان کے مال و متاع کا اور ان ملکوں کا جہاں اب تک تمہارے قدم نہ پہنچے تھے اور اللہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔

اے ایمان والو! تم نے دیکھا، پڑھا کہ کس طرح اللہ اپنے بندوں پر کرم فرماتا ہے۔ اس نے نہ صرف اپنے بندوں کو دشمن کی سازشوں اور خطرات سے بچایا بلکہ انہیں مغلوب کیا حتیٰ کہ تم نے اللہ ہی کی عطا کردہ قوت سے، طاقتور دشمن پر قبضہ کیا، ان کا قتل عام کیا، ان کی عورتوں اور بچوں کو باندی و غلام بنالیا، اللہ ہی نے ان کی زمینیں، ان کے گھر اور ان کا دیگر ساز و سامان تمہیں عطا فرما دیا اور ان سرسبز و شاداب ممالک کے تم حاکم بن گئے جن پر تم نے کبھی قدم تک نہ رکھا تھا یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ تم نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت و فرمانبرداری اختیار کی صرف اللہ پر توکل کیا کہ یہ اطاعت شعار بندوں کا مقدر ہے تم بھی اطاعت شعار بن جاؤ اللہ تمہارے لئے بھی رحمت کے دروازے کھول دے گا۔ دیکھو آج بھی وہی دشمن، وہی یہودی تمہارے درپے آزار میں تمہارے خلاف سازشوں میں مصروف ہیں تمہیں صفحہ ہستی سے مٹا دینے کے منصوبے بناتے رہتے ہیں کیوں نہیں تم متحد و منظم ہو کر اللہ کے مطیع ہو جاتے کیوں نہیں تم اپنی سیاسی تدابیر چھوڑ کر اللہ پر توکل کر لیتے پھر

دیکھو تم پر انعامات البیہ کی بارش کیسی ہوتی ہے۔ دیکھو یہودیوں کا مال و متاع تمہارا ہے، ان کی زمینوں، گھروں کے وارث تم ہی ہو۔ اسرائیل کے سرسبز و شاداب باغات تمہارے ہیں قبلہ اول کے متولی تم ہی ہو یہ تمہاری کمزوری اور ہم سے دوری کا انجام ہے کہ تمام نعمتوں پر تمہارا دشمن قابض ہے۔ اٹھو اللہ کے رسول کو اپنا وسیلہ بناؤ مادی سہاروں کی پروا کئے بغیر آگے بڑھو آج جو بھی تمہاری زمین پر قابض ہیں اللہ نے انہی کی کتاب میں ارشاد فرما دیا ہے:

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ ○

(الانبیاء: ۱۰۵)

اور بیشک ہم نے لکھ دیا زبور میں پسند و مواعظت کے بعد کہ بلاشبہ زمین کے وارث میرے نیک بندے ہی ہوں گے۔

یہ زمین اللہ رب العزت کی عطا سے مصطفیٰ کے غلاموں کی ہے لیکن وہ غافل ہو گئے اپنی زمین کی حفاظت نہ کر سکے پس چوروں نے اس پر قبضہ جمالیا۔ لہ! خواب غفلت سے بیدار ہو جاؤ اور اپنی زمین کی طرف بڑھو جو تمہارے قدم بوسی کے لئے بے چین ہے۔

دیکھو یہ یہودی جس نبی کا امتی ہونے کا جھوٹا دعویٰ کرتے ہیں اس نے بھی یہی اعلان کیا تھا کہ اللہ کی زمین کے وارث اللہ کے نیک بندے ہی ہو سکتے ہیں۔

قَالَ مُوسَى لِقَوْمِهِ اسْتَعِينُوا بِاللَّهِ وَاصْبِرُوا إِنَّ الْأَرْضَ لِلَّهِ يُورِثُهَا مَنْ يَشَاءُ

(الاعراف: ۱۲۸)

مِنْ عِبَادِهِ ۖ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ ○

فرمایا موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم سے مدد طلب کرو اللہ سے اور صبر کرو بیشک زمین اللہ ہی کی ہے وارث بناتا ہے اس کا جسے چاہتا ہے اپنے بندوں میں سے اور اچھا انجام پر ہیروزگاروں کے ہی لئے ہے۔

یہ یہودی جو آج اسرائیل پر قابض ہیں نہ اللہ کے محبوب بندے ہیں نہ متقی ہیں یہ تو انبیاء علیہم السلام کی قاتل قوم ہے، سودخور، بدکردار ہیں صرف اپنی دولت کے بل بوتے پر متقین کی لاپرواہی کے سبب ایک مقدس قطعہ ارض پر قابض ہیں جسے چھڑالینا اہل ایمان کے لئے کوئی دشواری نہیں۔

سعد بن معاذ کی وفات

میدان جنگ میں حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی شہ رگ پر تیر لگا تھا اور انہوں نے اللہ سے بنو قریظہ کا انجام ہونے تک کے لئے زندہ رہنے کی دعا کی تھی، دعا قبول ہوئی۔ بنو قریظہ کا انجام دیکھ کر انہوں نے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کیں اور اس دار فانی سے رخصت ہو گئے۔

مدینہ منورہ واپسی پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سعد کے لئے مسجد نبوی شریف میں ہی خیمہ لگوا دیا تھا تاکہ آپ کو ان کی مزاج پرسی کرنے میں آسانی رہے نیز رفیدہ بنت سعد الاسلامیہ ان کی مرہم پٹی کر سکیں۔ رفیدہ ایک نہایت ماہر جراحہ تھیں

جو مجاہدین کی مرہم پٹی پر مامور تھیں۔ بنو قریظہ کے متعلق فیصلہ سنانے کے لئے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو اسی خیمہ سے لے جایا گیا تھا اور پھر یہیں آپ کو واپس لایا گیا۔ ہٹنے جلنے کی وجہ سے آپ کا زخم بگڑ گیا جو پہلے ہی نہایت خطرناک تھا، خون بہنے لگا جو کسی صورت بند نہ ہوا بالآخر آپ رخصت ہو گئے۔

وصال کے بعد آپ کو، آپ کے گھر لایا گیا۔ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی موجودگی میں صحابہ نے غسل دیا۔ جب ان کا جنازہ اٹھایا گیا تو اللہ کے رسول ﷺ بھی اپنے محبوب غلام کو کاندھا دے رہے تھے جب حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو قبر میں رکھا گیا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام قریب ہی کھڑے، ان کے چہرے پر نظر جمائے ہوئے تھے۔ اچانک آپ ﷺ نے دیکھا کہ سعد کے چہرے کا رنگ تبدیل ہو گیا۔ آپ ﷺ نے تین بار سبحان اللہ اور تین بار اللہ اکبر فرمایا۔ صحابہ نے بھی بڑے جوش کے ساتھ تین مرتبہ نعرہ تکبیر بلند کیا کہ جنت البقیع گونج اٹھی۔ صحابہ کرام کے سوال کا جواب دیتے ہوئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بتایا سعد کو قبر نے بھینچا تھا اگر اس سے کوئی بچ سکتا تو سعد بچتے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر رحم فرمایا اور فوراً ہی ان کی تنگی و سختی دور ہو گئی۔

اپنے شیر دل بیٹے کی تدفین کا منظر دیکھنے ان کی والدہ بھی آئیں اور فرمانے لگیں ”اَحْتَسِبُكَ عِنْدَ اللَّهِ“ اے لخت جگر! تیری جدائی پر صبر کر کے میں اللہ سے ثواب اور اجر کی امید کرتی ہوں۔

اس موقع پر علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت ایمان افروز دو روایتیں بیان فرمائی ہیں وہ آپ بھی ملاحظہ کر لیجئے۔ لکھتے ہیں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی وفات پر ستر ہزار ایسے فرشتے زمین پر اترے جو اس سے پہلے کبھی نہ آئے تھے۔ نیز لکھتے ہیں کہ جس رات حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا وصال ہوا حضرت جبریل علیہ السلام پھولدار ریشمی عمامہ باندھے بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور پوچھنے لگے آج کس کی وفات ہوئی ہے، جس کے لئے آسمان کے دروازے کھول دیئے گئے ہیں اور اللہ کا عرش عظیم جھوم رہا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ”میرا محبوب غلام حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ مجھ سے رخصت ہوا ہے۔“

عرش اعظم کے جھومنے کی توجیہ کرتے ہوئے علماء کرام نے فرمایا ”اِهْتَرَّ عَرْشُ الرَّحْمَنِ فَرُحًا بِوُجْهِهِ“ (ضیاء النبی) حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی روح کی آمد کی مسرت و خوشی سے عرش الہی جھومنے لگا۔

اللہ تعالیٰ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو جزائے جزیل عطا فرمائے کہ انہوں نے اپنے محبوب آقا ﷺ کے احکام کی تعمیل کرتے ہوئے اسلام کی حفاظت و اشاعت کا حق ادا کر دیا یہ انہیں کے ایثار و قربانی کا نتیجہ ہے کہ آج ہم مسلمان ہونے پر فخر کرنے کے قابل ہوئے اللہ ہمیں بھی ان کی اتباع و پیروی کی توفیق و ہمت عطا فرمائے تاکہ ہم بھی اسلام کی حفاظت و اشاعت کی ذمہ داری پوری کر سکیں اور اپنی نسل کو یہ امانت سونپ سکیں۔

آمین یا رب العلمین بجاہ رحمة للعلمین۔

وَصَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَى خَيْرِ خَلْقِهِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ



## مقالہ ۶۲

### الاحزاب: ۴۱ تا ۴۴

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا ۖ وَسَبِّحُوا بُكْرَةً وَأَصِيلًا ۝ هُوَ الَّذِي يُصَوِّرُ عَنَّا سِيْرَكُمْ وَيُخْرِجُكُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ ۖ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِينَ رَاحِيًا ۝ تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَنْقُذُهُمْ سَلَامٌ ۖ وَأَعَدَّ لَهُمْ أَجْرًا كَرِيمًا ۝

(احزاب: ۴۱-۴۴)

اے ایمان والو! یاد کیا کرو اللہ کو کثرت سے اور اس کی پاکی بیان کیا کرو صبح و شام اللہ وہ ہے جو رحمت نازل کرتا ہے اور اس کے فرشتے بھی تم پر (نزول رحمت کی دعا کرتے ہیں) تاکہ وہ نکال کر لے جائے تمہیں اندھیروں سے نور کی طرف اور وہ مؤمنوں پر ہمیشہ رحم فرمائے والا ہے انہیں یہ دعا دی جائے گی جس روز وہ اپنے رب سے ملیں گے ہمیشہ سلامت رہو اور اس نے تیار کر رکھا ہے ان کے لئے عزت والا اجر۔

اللہ رب العزت جل مجدہ کی طرف سے اہل ایمان و بدوہ راست خطاب سے جو انوازی میسر آتی ہے اس کے علاوہ

ان آیات میں ان کے لئے کئی سرمتیں اور شادمانیاں موجود ہیں کہ ان کا رب کریم نہایت کریمانہ انداز میں انہیں اپنے ذکر و تسبیح کی دعوت دے رہا ہے ان پر اپنے خصوصی کرم اور ملائکہ کی ان سے محبت کا اظہار فرما رہا ہے انہیں سلامتی اور اجر عظیم کا مژدہ دے رہا ہے ان کی میزبانی کی پرست خبر سن رہا ہے ایسا عجیب دلربا اور دلنواز انداز ہے کہ اس پر جتنا غور کیا جاتا ہے اتنا ہی سرور حاصل ہوتا ہے اتنی ہی طبیعت بمائل اطاعت ہوتی ہے۔ آئیے ان آیات مبارکہ پر غور کر کے اپنا ایمان تازہ کریں اور اطاعت و فرمانبرداری کا عزم کریں۔ اے اللہ تو ہی ہمیں عمل کی توفیق سے بھی بہرہ ور فرما دے۔

آیہ مبارکہ میں اہل ایمان کو خصوصی طور پر بکثرت ذکر کرنے اور صبح و شام تسبیح کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ ارشاد

ہوتا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا ۝ وَسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ۝

(احزاب: 41)

اے ایمان والو! یاد کیا کرو اللہ کو کثرت سے اور اس کی پاکی بیان کیا کرو صبح و شام۔

لفظ ذکر کی وسعت

ذکر کے معنی ہیں یاد کرنا نہایت ہی مختصر چھوٹا سا لفظ ہے لیکن کوزے میں سمندر کے مترادف اپنے اندر تمام عبادات و معاملات کو سموئے ہوئے ہے جس کو ہم یوں بیان کر سکتے ہیں کہ ہر وہ عمل جو اللہ اور اس کے رسول کی تعمیل میں ان کی رضا کے لئے کیا جائے، ذکر ہے، چاہے اس کا تعلق عبادات سے ہو جیسے نماز، روزہ وغیرہ یا وہ معاملات سے متعلق ہو جیسے والدین کی اطاعت و خدمت، اولاد کی تعلیم و تربیت، شوہر یا بیوی کے حقوق کی ادائیگی، حصول معاش کے لئے حلال و حرام کا امتیاز کرتے ہوئے محنت و مشقت کرنا وغیرہ یہ سب ذکر ہے۔ گویا ذکر ایسی بڑی عبادت ہے جو تمام عبادات پر حاوی ہے اسی لئے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ عبادات کے لئے اوقات متعین ہیں، طریقے متعین ہیں، کچھ پابندیاں ہیں، کچھ شرائط ہیں، مخصوص احکام ہیں لیکن ذکر کے لئے کوئی مخصوص احکام نہیں بس ایک ہی حکم ہے کہ بکثرت ذکر کرو نہ کوئی طریقہ متعین ہے نہ وقت متعین ہے نہ کوئی پابندی ہے نہ کوئی شرط ہے بس ذکر کرو چاہے کھڑے ہو کر کرو چاہے بیٹھ کر کرو چاہے لیٹ کر کرو اور کچھ نہیں تو آسمان و زمین کو دیکھتے رہو اور خالق وحدہ لا شریک کی قدرت کا اعتراف کرتے رہو یہی عقلمندی ہے اور قرآن کریم نے اولوالالباب کی یہی خوبی بیان فرمائی ہے:

الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ

الْأَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحَانَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝

(آل عمران: ۱۹۱)

وہ لوگ جو یاد کرتے ہیں اللہ کو کھڑے ہوئے اور بیٹھے ہوئے اور اپنے پہلوؤں پر لیٹے ہوئے اور غور

کرتے ہیں آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں (اور تسلیم کرتے ہیں کہ) اے ہمارے رب نہیں پیدا

فرمایا تو نے یہ (سب) بیکار پاک ہے تو ہر عیب سے بچالے ہمیں آگ کے عذاب سے۔

اس کائنات کی ہر چیز پر غور و فکر کرنا خالق کائنات کی قدرتِ کاملہ کا اعتراف کرنا بھی ذکر ہے۔ اولی الالباب، اہل خرد کو کائنات کی ہر چیز میں اللہ ہی کی قدرت نظر آتی ہے ان کے نزدیک انسانی کمالات درحقیقت کمالات الہیہ ہوتے ہیں انسان تو صرف ان کمالات کا مظہر ہے، آلہ ہے۔ جس طرح دیگر آلات جن سے انسان کام لیتا ہے۔ آلہ کوئی کام نہیں کرتا کام تو انسان ہی کرتا ہے اسی طرح انسان تو آلہ ہے یہ کوئی کام نہیں کرتا کام تو درحقیقت اللہ ہی کے حکم سے ہوتا ہے ”فَعَالُ لِمَا يُرِيدُ“ تو وہی ہے جو وہ چاہتا ہے کرتا ہے۔

اہمیتِ ذکر

اپنا ذکر سننا اللہ کو نہایت ہی پسند ہے، محبوب ہے۔ اسی لئے اس نے صرف ہمیں ذکر کرنے کا حکم نہ دیا بلکہ جو پیدائشی طور پر اس کے محبوب و مقرب ہیں یعنی حضراتِ انبیاء کرام علیہم السلام انہیں بھی یہی حکم ملتا رہا۔

جب اللہ رب العزت جل مجدہ نے سیدنا موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو وادی طویٰ پر نبوت سے سرفراز فرما کر اور معجزات سے لیس فرما کر فرعون کے پاس جانے کا حکم دیا تو آپ نے اس مشکل کام کی سہولت کے لئے رب سے دعا کی۔ سورہ طہ کی آیت نمبر ۲۵ تا ۳۲ یہ دعا موجود ہے۔ اے میرے رب میرا سینہ کشادہ فرما دے میرا کام آسان کر دے میری زبان کی گرہ کھول دے میرے بھائی ہارون کو میرا وزیر بنادے اس سے میری کمر مضبوط کر دے اسے میرا شریک کار بنادے مولا میں نے یہ سب کچھ تجھ سے اس لئے مانگا۔

کُنْ نُسَبِّحُكَ كَثِيرًا ۖ وَنُذَكِّرُكَ كَثِيرًا ۝ (طہ: ۳۳-۳۴)

تا کہ ہم دونوں کثرت سے تیری پاکی بیان کریں اور کثرت سے تیرا ذکر کرتے رہیں۔

مولا ہم جانتے ہیں کہ تجھے اپنا ذکر بہت پسند ہے اور ہم سے مطلوب ہے پس اے اللہ! تو نے مجھے جو دشوار ذمہ داری سونپی ہے اس کو پورا کرنے کے لئے میں تجھ سے سہولت و آسانی کی مدد اسی لئے مانگ رہا ہوں کہ میں تیرے ذکر سے کسی لمحہ غافل نہیں ہونا چاہتا۔

اسی سورہ طہ میں مذکور ہے کہ جب اللہ رب العزت نے حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو فرعون کے دربار میں اعلان حق کرنے کے لئے جانے کا حکم دیا تو جو ضروری ہدایات دی گئیں ان میں پہلی ہدایت یہ تھی۔

إِذْهَبْ أَنْتَ وَأَخُوكَ بِآيَاتِي وَلَا تَنِيَانِي فِي ذِكْرِي ۝ (طہ: ۴۲)

اب جائیے آپ اور آپ کا بھائی میری نشانیاں (معجزات) لے کر اور نہ سستی کرنا میری یاد میں۔

کسی لمحہ میرے ذکر سے غافل نہ ہونا کہ اسی سے ساری مشکلات آسان ہوتی ہیں یہی کلید کامیابی و کامرانی ہے۔

حضرت زکریا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعا قبول فرمائی انہیں ولد صالح یحییٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولادت کا مژدہ دیا اور اس احسان پر بطور شکران سے بکثرت ذکر کرنے اور پاکی بیان کرنے کا مطالبہ فرمایا۔

(آل عمران: ۴۱)

وَادْكُرْ رَبَّكَ كَثِيرًا وَسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْإِبْكَارِ ۝

اور اپنے رب کو بکثرت یاد کرو اور پاکی بیان کرو صبح اور شام۔

اپنے پیارے محبوب نبی آخر الزماں ﷺ کو بار بار بکثرت ذکر کا حکم دیا گیا کہ جو ساری کائنات میں سب سے زیادہ محبوب ہے اس کی ہر ادا محبوب ہے۔ اس کا ذکر نہ صرف محبوب و پسندیدہ ہے بلکہ تمام ذکر کرنے والوں کے ذکر کی قبولیت کا وسیلہ و واسطہ ہے پس پیارے! تم ذکر کرتے رہو تا کہ سب کا ذکر قبول ہوتا رہے اور تا کہ تمہارے ذکر کے طفیل اس کائنات پر ہماری رحمتوں کی بارش جاری رہے۔ نیز ”وَدَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ“ پیارے ہم نے تمہارا ذکر بلند کر دیا ہے۔ اس نعمت کے بدلہ بطور شکر تم ہمارا ذکر کرتے رہو۔ چند آیات ملاحظہ ہوں:

وَادْكُرْ رَبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَخِيفَةً وَدُنَّ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ وَلَا تَكُنْ مِنَ الْغَافِلِينَ ۝

(اعراف: ۲۰۵)

اور یاد کرو اپنے رب کو اپنے دل میں عاجزی کرتے ہوئے اور ڈرتے ڈرتے اور زبان سے بھی چلائے بغیر صبح کے وقت بھی اور شام کے وقت بھی اور نہ ہو جاؤ غافلوں میں سے۔

وَلَا تَقُولَنَّ لِشَيْءٍ إِنِّي فَاعِلٌ ذَلِكَ غَدًا ۝ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ ۚ وَادْكُرْ رَبَّكَ إِذَا

نَسِيتَ وَقُلْ عَسَى أَنْ يَهْدِيَنِّي رَبِّي لِأَقْدَبَ مِنْ هَذَا امْرَأَتُكَ ۝ (کہف: ۲۳، ۲۴)

اور ہرگز نہ کہنا کسی چیز کے متعلق کہ میں کل ایسا کرنے والا ہوں مگر یہ (ساتھ یہ بھی کہو کہ) اگر چاہا اللہ تعالیٰ نے اور یاد کرو اپنے رب کو جب تو بھول جائے اور کہو (یہ بھی) کہ مجھے امید ہے کہ دکھا دے گا مجھے میرا رب اس سے بھی قریب تر ہدایت کی راہ۔

(مزل: ۸)

وَادْكُرْ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبْتَئِلْ إِلَيْهِ تَتَّبِعِلَّا ۝

اور ذکر کر کیا کرو اپنے رب کے نام کا اور سب سے کٹ کر اسی کے ہو رہو۔

(الدھر: ۲۵)

وَادْكُرْ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ۝

اور یاد کرتے رہو اپنے رب کے نام کو صبح بھی اور شام بھی۔

محبوب نے محبت کے حکم کی تعمیل میں اس کا ذکر کیا ایسا ذکر کیا کہ ساری کائنات جھوم اٹھی زمین کے چپے چپے پر ”أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کی صدائیں گونجنے لگیں۔ بِاللَّهِ الْعَظِيمِ ان کی ہر ادا ذکر الہی تھی ان کی جلوت میں اللہ کے ذکر کی گونج ہوتی ان کی خلوت میں اللہ کے ذکر کی رفاقت ہوتی ان کی زبان مبارک ذکر تھی۔ ان کا قلب منور ذکر سے لبریز تھا ان کا رونگٹا ان کے رب کا ذکر کرتا تھا وہ کسی لمحہ اپنے رب کریم کے ذکر سے غافل نہ ہوئے حتیٰ کہ سوتے تب بھی قلب سلیم ذکر میں مصروف رہتا اسی کیفیت کو بیان کرتے ہوئے میری ماں ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو بتایا ”إِنَّ عَيْنِي تَنَامُ وَلَا يَنَامُ قَلْبِي“ آنکھیں تو سوتی ہیں لیکن میرا دل نہیں سوتا۔ بروایت حضرت علی رضی اللہ عنہ میرے آقا ﷺ نے



فرمایا ”ذِكْرُ اللَّهِ أَيْسَى“ اللہ کا ذکر میری دلجوئی کرنے والا ہے۔ اسی حدیث میں ہے ”ثَمَرَةُ فَوَادِي فِي ذِكْرِهِ“ میرے دل کا پھل اللہ کا ذکر ہے۔

یہ میرے آقا ﷺ کے ذکر ہی کا صدقہ ہے کہ آج تک زمین کے چپہ چپہ پر اللہ کا ذکر ہو رہا ہے اور قیامت تک ہوتا رہے گا اور میدان قیامت میں صرف سیدالذکرین ﷺ ہوں گے جو سب سے زیادہ اپنے رب کا ذکر کریں گے۔ میرے آقا ﷺ کو اللہ کا ذکر بے حد محبوب و پسند تھا پس آپ نے ہمیں بھی ذکر الہی کی دعوت دی تلقین فرمائی چند ارشادات ملاحظہ ہوں اللہ عمل کی توفیق دے۔

راوی ہیں حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کو نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

مَثَلُ الَّذِي يَذْكُرُ رَبَّهُ وَالَّذِي لَا يَذْكُرُ مَثَلُ الْحَيِّ وَالْمَيِّتِ۔

اس کی مثال جو رب کا ذکر کرے اور ذکر نہ کرے زندہ اور مردہ کی سی ہے۔ (بخاری)

یہ روایت بھی حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ ہی کی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

مَثَلُ الْبَيْتِ الَّذِي يُذَكَّرُ اللَّهُ فِيهِ وَالْبَيْتِ الَّذِي لَا يُذَكَّرُ اللَّهُ فِيهِ مَثَلُ الْحَيِّ

(مسلم)

وَالْمَيِّتِ۔

اس گھر کی مثال جس میں اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے اور وہ گھر جس میں اللہ کا ذکر نہیں کیا جاتا زندہ اور مردہ

جیسی ہے۔

آقا ﷺ کا ارشاد واضح ہے کہ جو اللہ کا ذکر کرتا رہتا ہے وہی حقیقت میں زندہ ہے لطف زندگی اسی کو حاصل ہے کہ ذکر کا دل زندہ رہتا ہے وہ شیطان کے وسوسوں اور مکر و فریب سے محفوظ رہتا ہے نتیجتاً وہ اللہ اور رسول کے احکام پر عمل کر کے پرسکون زندگی بسر کرتا ہے اور جو اللہ کے ذکر سے غافل رہا وہ مردہ ہے کہ اس کا قلب مرجاتا ہے اور مردہ قلب و ساوس شیطانی کا مرکز بن جاتا ہے پس یہ شخص بدکاریوں اور برائیوں کے دلدل میں پھنس کر ساری زندگی تڑپ، تڑپ کر ہی گزارتا ہے۔

اسی طرح وہی گھر آباد ہے جس میں بسنے والے اللہ کا ذکر کرتے رہتے ہو، ایسے گھر میں ذکر الہی کا ایک نور نظر آتا ہے، برکت نظر آتی ہے، اس گھر والوں میں باہمی الفت و محبت ہوتی ہے ان کے دن بارونق اور راتیں پرسکون ہو جاتے ہیں لیکن وہ گھر قبرستان ہے جس میں لوگ تو ہوں لیکن وہ کبھی اللہ کا ذکر نہ کرتے ہوں قبرستان کی طرح اس گھر میں بلیات کا ٹھکانہ ہوتا ہے۔ اس میں رہنے والے طرح طرح کی آفات میں، امراض میں، پریشانیوں اور الجھنوں میں مبتلا رہتے ہیں یہاں ہر وقت لڑائی جھگڑوں کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ ایک چہار دیواری میں بسنے والے آپس میں ایک دوسرے کے دشمن ہوتے ہیں ایسے گھروں پر ایک پھٹکار ہوتی ہے جس کے سبب اس میں رہنے والوں کو نہ دن میں چین ہوتا ہے اور نہ رات میں سکون، اللہ محفوظ رکھے۔

اسی لئے میرے آقا ﷺ نے فرمایا، راوی ہیں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ”اجْعَلُوا فِي بُيُوتِكُمْ مِنْ

صَلُّوْكُمْ وَلَا تَتَّخِذُوْهَا قُبُوْرًا“ اپنے گھروں میں بھی نماز پڑھا کرو انہیں قبرستان نہ بناؤ۔ گھروں میں مردنوافل وغیرہ پڑھتے رہا کریں گھر سے سنتیں پڑھ کر مسجد جایا کریں۔ عورتیں گھروں میں نمازیں پڑھیں۔ صبح و شام تلاوت قرآن کی جائے آنے جانے والے ایک دوسرے کو السلام علیکم کہیں غرضیکہ کسی نہ کسی نوعیت کا ذکر گھروں میں ہوتا رہے ورنہ تو اس گھر اور قبرستان میں کوئی فرق نہ رہے گا۔

بروایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ایک طویل حدیث ہے۔ جس کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے یقیناً آپ اس کو پڑھ کر جھوم اٹھیں گے۔ غور کیجئے اللہ کے فضل و کرم پر نماز کیجئے اپنے مقدر پر اور ہو جائیے ذاکرین میں سے فرمایا میرے آقا ﷺ نے: اللہ کے کچھ فرشتے راستوں میں ذکر کرنے والوں کی تلاش میں گھومتے رہتے ہیں جب وہ ذاکرین کی کسی جماعت کو پاتے ہیں تو ایک دوسرے کو پکارتے ہیں کہ آؤ اپنے مقصد کی طرف (یعنی مل گئے وہ جنہیں ہم تلاش کر رہے تھے) پس وہ فرشتے ان ذاکرین کو اپنے پروں میں ڈھانپ لیتے ہیں (محبت و الفت کے طور پر) پھر وہ اپنے رب کے دربار میں حاضر ہوتے ہیں تو اللہ ان سے پوچھتا ہے حالانکہ اللہ تو اپنے بندوں کا حال جانتا ہے (لیکن فرشتوں سے اپنے ذاکر بندوں کی تعریف سننا پسند فرماتا ہے) اے فرشتوں تم نے میرے بندوں کو کس حال میں پایا۔

فرشتے عرض کرتے ہیں يُسَبِّحُونَكَ، وَيُكَبِّرُونَكَ، وَيُحَمِّدُونَكَ، وَيُمَجِّدُونَكَ اے رب تیرے بندے تیری تسبیح کر رہے تھے، تیری بڑائی بیان کر رہے تھے تیری تعریفیں کر رہے تھے اور تیری بزرگی بیان کر رہے تھے۔

اللہ فرماتا ہے ”هَلْ رَأَوْنِي“ کیا انہوں نے مجھے دیکھا ہے۔

فرشتے عرض کرتے ہیں ”مَا رَأَوْكَ“ نہیں مولا انہوں نے تجھے دیکھا تو نہیں۔

اللہ فرماتا ہے ”كَيْفَ لَوْ رَأَوْنِي“ اگر وہ مجھے دیکھ لیتے تو ان کا کیا حال ہوتا۔

فرشتے عرض کرتے ہیں اگر وہ تجھے دیکھ لیتے تو وہ اور زیادہ تیری عبادت کرتے اور زیادہ بزرگی بیان کرتے اور زیادہ تسبیح کرتے۔

اللہ فرماتا ہے ”فَمَا يَسْأَلُونَ“ وہ مجھ سے کیا مانگ رہے تھے۔

فرشتے عرض کرتے ہیں ”يَسْأَلُونَكَ الْجَنَّةَ“ مولا وہ تجھ سے جنت مانگ رہے تھے۔

اللہ فرماتا ہے ”هَلْ رَأَوْهَا“ کیا انہوں نے جنت دیکھی ہے۔

فرشتے عرض کرتے ہیں ”لَا وَاللَّهِ يَا رَبِّ مَا رَأَوْهَا“ نہیں بقسم اے رب انہوں نے جنت نہیں دیکھی۔

اللہ فرماتا ہے ”فَكَيْفَ لَوْ رَأَوْهَا“ اگر وہ اے دیکھ لیتے تو ان کا کیا حال ہوتا۔

فرشتے کہتے ہیں اگر وہ اسے دیکھ لیتے تو وہ اس کی بہت حرص کرتے اس کے بہت ہی طلب گار ہو جاتے اور اس کی طرف ان کی رغبت اور زیادہ ہو جاتی۔

اللہ فرماتا ہے ”فَمِمَّا يَتَعَوَّذُونَ“ وہ کس چیز سے پناہ مانگ رہے تھے۔

فرشتے کہتے ہیں ”مِنَ النَّارِ“ جہنم کی آگ سے۔

اللہ فرماتا ہے ”فَهَلْ رَأَوْهَا“ کیا انہوں نے جہنم کو دیکھا ہے۔

فرشتے عرض کرتے ہیں ”لَا وَاللَّهِ يَا رَبِّ مَا رَأَوْهَا“ نہیں، بقسم اے رب انہوں نے اسے نہیں دیکھا۔

اللہ فرماتا ہے ”فَكَيْفَ لَوْ رَأَوْهَا“ اگر وہ اسے دیکھ لیتے تو ان کا کیا حال ہوتا ہے۔

فرشتے کہتے ہیں اگر وہ اسے دیکھ لیتے تو وہ اس سے مزید بھاگتے اور مزید ڈرتے۔

پھر اللہ فرماتا ہے ”فَأَشْهَدُكُمْ أَنِّي غَفَرْتُ لَكُمْ“ (اے فرشتو!) میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ میں نے ان سب کو بخش دیا۔

فرشتے عرض کرتے ہیں اے اللہ ان میں ایک شخص تھا جو ذکر نہیں کر رہا تھا بلکہ اپنی کسی ضرورت کے لئے ان کے پاس آیا تھا۔

اللہ فرماتا ہے ”لَا يَشْقَىٰ جَلِيسُهُمْ“ ان کے پاس بیٹھنے والا بھی محروم نہیں رہتا۔ (بخاری شریف)

”اللَّهُمَّ اجْعَلْنَا مِنْ عِبَادِكَ الذَّاكِرِينَ وَاغْفِرْ لَنَا بِجَاهِ رَحْمَةِ لِّلْعَالَمِينَ“

حضرت عبداللہ بسر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں ایک اعرابی (دیہاتی) حاضر ہوا اور سوال کیا ”لوگوں میں بہترین شخص کون ہے؟“ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ”طُوبَى لِمَنْ طَالَ عُمْرُهُ وَحَسُنَ عَمَلُهُ“ خوش نصیب ہے وہ جس کی عمر لمبی ہوئی اور عمل اچھے ہوئے۔ اعرابی نے پھر عرض کیا ”کونسا عمل افضل ہے؟“ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ”إِنْ تَفَارَقَ الدُّنْيَا وَلِسَانُكَ رَطْبٌ مِّنْ ذِكْرِ اللَّهِ“ کہ تو دنیا سے اس طرح جدا ہو کہ تیری زبان اللہ کے ذکر سے تر ہو (یعنی اللہ کا ذکر کرتے کرتے موت آئے)۔ (ترمذی شریف)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

إِذَا مَرَرْتُمْ بِرِيَاضِ الْجَنَّةِ فَارْتَعُوا قَالُوا وَمَا رِيَاضُ الْجَنَّةِ قَالَ حَلَقُ الذِّكْرِ۔

جب تم جنت کی کیاری سے گزرو تو کچھ چر لیا کرو صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! جنت کی کیاری،

کیا ہے فرمایا ذکر کے حلقے (ذکر کی مجلسیں) (ترمذی شریف)

محفل میلاد، محافل ذکر شہادت، محافل عرس، محافل سوئم و چہلم، محافل نعت وغیرہ جنت کی کیاریاں ہیں ان کا اہتمام کرنے والے ان کیاریوں کے مالی ہیں، ان میں شریک ہونے والے جنت کے حقدار ہو جاتے ہیں ان سے نہ روکو اور نہ روکو

بلکہ اپنے آقا ﷺ کے ارشاد کے مطابق ان میں شرکت کرو ان کے قریب سے بھی گزرو تو کچھ نہ کچھ دیر کے لئے ٹھہر جاؤ کچھ چرو یعنی کچھ نہ کچھ سیکھ لو، سن لو، تبرک ہی لے لو، ذکر کے یہ حلقے، بڑے بابرکت ہوتے ہیں یہاں سے کوئی محروم نہیں جاتا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

مَا مِنْ قَوْمٍ يَقُومُونَ مِنْ مَجْلِسٍ لَا يَذْكُرُونَ اللَّهَ إِلَّا قَامُوا عَنْ مِثْلِ حَيْفَةِ حِمَارٍ  
وَكَانَ عَلَيْهِمْ حَسْرَةٌ.

(ابوداؤد)

جو لوگ کسی مجلس سے اللہ کا ذکر کئے بغیر اٹھ جاتے ہیں وہ مردار گدھے کی طرح اٹھتے ہیں اور افسردہ ہوتے ہیں۔

اہل ایمان کی جو بھی مجلس ہونشت ہو اس کی ابتداء بھی اللہ کے ذکر سے ہونا چاہئے اور انتہا بھی اللہ کے ذکر پر ہی ہونا چاہئے چاہے یہ سیاسی مجلس ہو یا تجارتی، خانگی امور سے متعلق ہو یا معاشی و معاشرتی امور کے لئے ہو یا اتفاقاً، بلا عنوان چند مسلمانوں کی باہمی گفتگو ہو۔ بہر حال اس میں کہیں نہ کہیں یا کم از کم اس کے اختتام پر اللہ کا ذکر ضرور ہونا چاہئے کہ اس سے طے شدہ مسائل میں برکت ہوتی ہے۔ محفل میں قصداً یا سہواً اگر کوئی خلاف شرع بات ہو جاتی ہے تو اللہ اپنے ذکر کی برکت سے اسے معاف فرما دیتا ہے لیکن اگر محفل میں بالکل ہی اللہ کا ذکر نہ ہو ابس لوگ جمع ہوئے اپنی باتیں کیں اور چل دیئے تو برکت محفل نہایت ہی بدترین محفل ہے۔ اس کے لئے آقائے رحمت ﷺ نے ایک نہایت ہی گھناؤنی مثال دی ہے تاکہ ہم غلام اپنی اصلاح کر لیں آپ نے ان لوگوں کی محفل کو جو اللہ کا ذکر کئے بغیر اٹھے اور چل دیئے، مردار گدھا، کھانے کی محفل قرار دے کر یہ لوگ مردار گدھا کھانے جمع ہوئے کھایا اور چل دیئے۔ نیز آپ نے بتایا کہ اس طرح اپنی نشست برخاست کرنے والے کبھی خوش نہیں ہو سکتے وہ حسرت و یاس میں ہی مبتلا رہیں گے پس ہمیں اپنے آقا ﷺ کے ارشاد کے مطابق اپنی محفلوں کو ذکر الہی سے بابرکت اور بارونق بنانا چاہئے جس کا ایک آسان طریقہ یہ ہے کہ ہم اپنے ارادوں کے ساتھ انشاء اللہ اچھی باتوں پر ماشاء اللہ، الحمد للہ، افسوسناک باتوں پر اِنَّا لِلّٰہ وغیرہ جیسے چھوٹے، چھوٹے جملے بولنے کی عادت ڈالیں اس طرح جب چند مسلمانوں کی محفل ہوگی تو وہ اپنی عادت کے مطابق موقع کی مناسبت سے یہ جملے بولتے رہیں گے۔ لیجئے گفتگو بھی ہوتی رہے گی اور اللہ کے ذکر کی برکت بھی برستی رہے گی کس قدر آسان ہے دین پر عمل کرنا۔

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سوال کیا گیا کہ کون سے بندے اللہ کے نزدیک افضل ہیں اور قیامت کے دن بلند مرتبہ ہوں گے آپ ﷺ نے فرمایا ”الَّذَا يَكُرُّونَ اللَّهَ وَالَّذَا يَكُرُّونَ اللَّهَ“ اللہ کے ذکر کرنے والے مرد اور ذکر کرنے والی عورتیں۔ عرض کیا گیا اور یا رسول اللہ ﷺ اللہ کی راہ کا غازی یعنی اس کا مقام کیا ہے فرمایا: اگر غازی کفار و مشرکین پر اتنی تلوار چلائے کہ تلوار ٹوٹ جائے اور دشمن کے خون سے رنگ جائے تب بھی اللہ کا ذکر کرنے والا اس سے افضل ہوگا۔

(ترمذی شریف)

ذکر کے چند فوائد

آئیے اب ہم قرآن و حدیث کی روشنی میں ذکر الہی کے چند فائدوں پر غور کریں کیونکہ ہماری فطرت ہے کہ کوئی کام ہم اس کا فائدہ جانے بغیر نہیں کرتے جبکہ اللہ و رسول کے احکام پر عمل ہمیں صرف اطاعت و فرمانبرداری کے جذبہ سے کرنا چاہئے اور اگر محبت کا جذبہ پیدا ہو جائے تب تو نہایت ہی اعلیٰ مقام ہے تاہم چونکہ ہر حکم شرع کا کوئی نہ کوئی فائدہ موجود ہے تو اس کے جان لینے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں ذکر الہی ایک ایسا عمل ہے جس کے بے شمار فوائد بتائے گئے ہیں جن میں سے چند یہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

(البقرہ: ۱۵۲)

فَاذْكُرُونِي اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونِ ۝

پس تم مجھے یاد کیا کرو میں تمہیں یاد کیا کروں گا اور شکر ادا کیا کرو میرا اور میری ناشکری نہ کیا کرو۔

ذاکرین کے لئے کتاب بڑا اعزاز ہے کہ اللہ احکم الحاکمین ان کا ذکر فرماتا ہے بایں صورت کے جو بندے ہر حال میں اور ہر لمحہ اپنے رب کریم کو یاد کرتے ہیں وہ اپنے فضل و کرم سے ان کے ہر حال کو درست رکھتا ہے اور ہر لمحہ اپنے انعامات سے نوازتا رہتا ہے نیز اس طرح کہ ہم تو صرف زمین پر اس کا ذکر کرتے ہیں اور وہ مالک عرش و کرسی اپنی نورانی مخلوق ملائکہ میں ہمارا ذکر فرماتا ہے اور انہیں گواہ بنا کر ہماری بخشش و مغفرت کا اعلان فرماتا ہے۔ جیسا کہ آپ بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ایک حدیث شریف پڑھ چکے ہیں ایک حدیث اور ملاحظہ ہو جس کے راوی حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہما ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

لَا يَقْعُدُ قَوْمٌ يَذْكُرُونَ اللَّهَ إِلَّا حَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ وَغَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ وَنَزَلَتْ

عَلَيْهِمُ السَّكِينَةُ وَذَكَرَهُمُ اللَّهُ فِيمَنْ عِنْدَهُ۔ (مسلم شریف)

جو لوگ اللہ کے ذکر کے لئے جمع ہوتے ہیں انہیں فرشتے گھیر لیتے ہیں اور انہیں اللہ کی رحمت ڈھانپ لیتی ہے اور ان پر سکینہ اترتی ہے اور اپنے پاس والوں میں اللہ ان کا ذکر کرتا ہے۔

آقا ﷺ کے اس ارشاد پر غور فرمائیے اور ناز کیجئے اس اعزاز پر جس سے اللہ کریم نے ہمیں نوازنا بشرطیکہ ہم اسے ہر حال میں یاد رکھتے ہوں زبان سے دل سے اور اپنے اعمال سے ذاکرین کو یہ شرف حاصل ہوتا ہے کہ فرشتے ان کو اپنے گھیرے میں لے لیتے ہیں تاکہ جن و انس کے ہر خطرے سے وہ محفوظ رہیں رحمت الہی ان پر سایہ فگن ہوتی ہے جس سے وہ دنیا و مافیہا کی ساری الجھنوں سے آزاد ہو جاتے ہیں۔ ان پر سکینہ کا نزول ہوتا ہے کہ ان کے دلوں کو چین نصیب ہو جاتا ہے، بے فکری کی پرسکون اور پراطمینان زندگی انہیں میسر آ جاتی ہے۔ نیز ”فَاذْكُرُونِي اَذْكُرْكُمْ“ کے وعدے کے مطابق اللہ بھی ان کا ذکر فرماتا ہے ”فِيْمَنْ عِنْدَهُ“ اس مخلوق میں جو اس کے پاس ہوتی ہے یہی نورانی مخلوق ملائکہ ہیں۔

ایک حدیث اور ملاحظہ ہو راوی ہیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد

فرمایا کہ اللہ فرماتا ہے:

أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِي وَأَنَا مَعَهُ إِذَا ذَكَرَنِي فَإِنْ ذَكَرَنِي فِي نَفْسِهِ ذَكَرْتُهُ فِي نَفْسِي وَإِنْ ذَكَرَنِي فِي مَلَأٍ خَيْرٌ مِنْهُمْ.

میں (اللہ) اپنے بندے کے گمان کے نزدیک ہوتا ہوں اور میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں جب وہ مجھے یاد کرے پس اگر وہ مجھے تنہائی میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اسے اکیلے ہی یاد کرتا ہوں اور اگر وہ مجھے مجمع میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اسے اس سے بہتر مجمع میں یاد کرتا ہوں۔ (مسلم و بخاری)

جب بندہ عمل صالح کرتا اور اس کی قبولیت کا یقین رکھتا ہے تو اللہ ضرور قبول فرماتا ہے لیکن اگر اسے قبول کا یقین نہ ہو تو اللہ بھی اس کا عمل قبول نہیں فرماتا اسی طرح اگر کوئی کام کرنے سے پہلے اللہ پر پوری طرح توکل ہو اور کامیابی کا یقین ہو تو اللہ ضرور کامیابی عطا فرماتا ہے لیکن اگر کامیابی کا یقین نہ ہو تو اللہ کی طرف سے بھی اس کے لئے ناکامی مقدر ہو جاتی ہے۔ یہ مفہوم ہے ”أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِي“ کا لیکن اگر بد عمل، جنت کا دعویٰ کرتا پھرے اور کسی چیز کو حاصل کرنے کے لئے اس کی طرف نہ بڑھنے والا کامیابی کا یقین کئے بیٹھا رہے تو یہ اللہ سے امید کرنا نہیں بلکہ اپنے آپ کو دھوکا دینا ہے جس کا انجام محرومی کے سوا کچھ نہیں۔

مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس مژدے پر جھومے اور ذاکرین میں شامل ہو جائیے کہ ذاکرین کو ہر حال میں اللہ کا فضل و کرم حاصل رہتا ہے اور انہیں یہ شرف نصیب ہوتا ہے کہ اگر وہ تنہا ذکر کرتے ہیں تو اللہ بھی تنہا ان کا ذکر کرتا ہے اور اگر وہ ذکر کے حلقوں میں شامل ہو کر ذکر کرتے ہیں تو اللہ ان کا ذکر اس مخلوق میں کرتا ہے جو ان سے بہتر ہوتی ہے۔ یہ ارواح انبیاء و اولیاء اور ملائکہ مقررین کا اجتماع ہوتا ہے اس میں اس ذاکر بندے کا ذکر کیا جاتا ہے۔

حضرت ابو عثمان نہدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں اس وقت کو جانتا ہوں جب اللہ ہمیں یاد فرماتا ہے لوگوں نے حیرت سے کہا کہ آپ اس وقت کو کیسے جان سکتے ہیں۔ آپ نے فرمایا اللہ کا ارشاد ہے ”فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ“ پس جب ہم اللہ کا ذکر کرتے ہیں تو ہمیں یقین کر لینا چاہئے کہ اللہ بھی ہمیں یاد فرما رہا ہے۔ ”اللهم اجعلنا من الذاکرین“

وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللَّهَ فَاسْتَغْفَرُوا لِذُنُوبِهِمْ وَمَنْ يَغْفِرِ اللَّهُ فَعَسَىٰ أَنْ يَكُونَ مِنَ الْفَائِزِينَ ۚ وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا مَعْصِيَةً لِلَّهِ ذَكَرُوا رَبَّهُمْ فَاسْتَغْفَرُوا لِذُنُوبِهِمْ ۚ أُولَٰئِكَ أَجْرُ اللَّهِ يُعْطَىٰ بِالْإِسْرَافِ ۚ وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا مَعْصِيَةً لِلَّهِ ذَكَرُوا رَبَّهُمْ فَاسْتَغْفَرُوا لِذُنُوبِهِمْ ۚ أُولَٰئِكَ أَجْرُ اللَّهِ يُعْطَىٰ بِالْإِسْرَافِ ۚ وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا مَعْصِيَةً لِلَّهِ ذَكَرُوا رَبَّهُمْ فَاسْتَغْفَرُوا لِذُنُوبِهِمْ ۚ أُولَٰئِكَ أَجْرُ اللَّهِ يُعْطَىٰ بِالْإِسْرَافِ ۚ

(آل عمران: ۱۳۵، ۱۳۶)

اور یہ وہ لوگ ہیں کہ جب کوئی برا کام کر بیٹھیں یا ظلم کریں اپنے آپ پر تو ذکر کرنے لگتے ہیں اللہ کا اور معافی مانگنے لگتے ہیں اپنے گناہوں کی اور کون بخشتا ہے گناہوں کو سوائے اللہ کے اور وہ نہیں اصرار کرتے اس پر جو ان سے سرزد ہوا حالانکہ وہ جانتے ہیں یہی ہیں جن کا بدلہ بخشش ہے اپنے رب کی طرف سے اور جنت جاری ہیں جن کے نیچے ندیاں ہمیشہ رہیں گے ان میں کیا ہی اچھا بدلہ ہے کام

کرنے والوں کا۔

ان آیات مبارکہ پر غور کیجئے ان لوگوں کا حال بیان کیا جا رہا ہے جنہوں نے اپنے آپ کو بدکاریوں اور برائیوں کے جال میں پھنسا کر اپنے اوپر خود ہی ظلم کیا جب اس جال نے انہیں بری طرح جکڑا تو انہیں احساس ہوا اور انہوں نے اس لا چاری و مجبوری کی حالت میں اللہ کو پکار پکار کر اس سے اپنے گناہوں کی معافی مانگی بس ذکرِ الہی کی دھار دار تلوار نے اس جال کو کاٹ ڈالا یہ اس سے آزاد ہو گئے۔ جس رب قدیر کو انہوں نے پکارا وہ بڑا ہی غفور الرحیم ہے۔ اس نے نہ صرف ان کو معاف کیا بلکہ ان کے ذکر کی جزاء کے طور پر انہیں مغفرت، جنت اور بہترین اجر کا مژدہ بھی سنایا لیکن ان انعامات سے انہی کو نوازا جاتا ہے جو اپنے گناہوں پر اصرار نہیں کرتے بلکہ احساسِ گناہ ہوتے ہی اللہ کا ذکر کرنے لگتے اور توبہ کر لیتے ہیں۔

کیونکہ مؤمن گناہوں کے جال میں اسی وقت پھنستا ہے جب وہ اللہ کے ذکر سے غافل ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ بروایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہمیں بتاتا ہے۔ آپ نے فرمایا:

الشَّيْطَانُ جَائِعٌ عَلَى قَلْبِ ابْنِ آدَمَ فَإِذَا ذَكَرَ اللَّهُ خَنَسَ وَإِذَا غَفَلَ وَسُوسَ.

شیطان انسان کے دل سے چمٹا رہتا ہے جب انسان اللہ کا ذکر کرتا ہے تو وہ ہٹ جاتا ہے اور جب انسان (ذکرِ الہی سے) غافل ہو جاتا ہے تو وہ وسوسے ڈالتا ہے۔ (بخاری شریف)

حدیث میں ابْنِ آدَمَ سے مراد عام انسان نہیں بلکہ مؤمن ہے کیونکہ شیطان مؤمن کے دل سے چمٹتا ہے کافر کے دل سے اسے چمٹنے کی ضرورت نہیں کہ کافر کا دل تو شیطان کا گھر ہی ہے جو مؤمن اللہ کا ذکر کرتا رہتا ہے۔ اس کے قلب پر شیطان کے چمٹے رہنے کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ اللہ و رسول کے احکام کی تعمیل میں کوئی خلل واقع نہیں ہوتا لیکن جو نبی مؤمن ذکرِ الہی سے غافل ہوتا ہے شیطان کو موقع ہاتھ آ جاتا ہے وہ وسوسے ڈالنا شروع کر دیتا ہے حتیٰ کہ اسے گناہوں میں مبتلا کر کے اس کے دل پر ناچنے لگتا ہے اور جو نبی مؤمن کو ہوش آتا ہے اور وہ اللہ کا ذکر کرنے لگتا ہے تو شیطان مردہ ہو جاتا ہے اور اللہ کے بندے کے اعمال ذکر کے سبب درست ہونے لگتے ہیں، دل سے گناہوں کی سیاہی چھٹنے لگتی ہے حتیٰ کہ اس کا قلب نور ایمان سے منور ہو جاتا ہے اور اس کا شمار ذاکرین میں ہونے لگتا ہے اسے دنیا میں خوف و حزن سے آزادی مل جاتی ہے۔ اللہ کی طرف سے اسے حَيَوٰة طَيِّبَةً کا تحفہ بخشا جاتا ہے اور جنتی ہونے کا مژدہ سنایا جاتا ہے۔ بروایت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے:

لِكُلِّ شَيْءٍ صِقَالَةٌ وَصِقَالَةُ الْقُلُوبِ ذِكْرُ اللَّهِ وَمَا مِنْ شَيْءٍ أَنْجَى مِنْ عَذَابِ اللَّهِ مِنْ ذِكْرِ اللَّهِ.

ہر چیز کے لئے صقالہ (چمکانے والا) ہوتا ہے اور دلوں کو چمکانے والا اللہ کا ذکر ہے اور اللہ کے ذکر سے زیادہ اللہ کے عذاب سے نجات دلانے والا کوئی عمل نہیں۔

صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! کیا اللہ کی راہ میں جہاد بھی دلوں کو چمکانے والا اور عذابِ الہی سے نجات

دلانے والا عمل نہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں چاہے مجاہد اپنی تلوار سے کفار کو اتنا قتل کرے کہ تلوار ٹوٹ جائے۔ (بیہقی)

غرضیکہ اللہ کا ذکر گناہوں کی سیاہی کو قلب سے چھانٹ دیتا اور دل کو نورِ ایمان سے منور کر دیتا ہے اور اللہ کے عذاب سے نجات کا ذریعہ بنتا ہے لہذا اگر کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو فوراً اللہ کا ذکر کرنا گناہ سے توبہ کر لینا اور معافی طلب کرنا چاہئے جو کسی بھی طرح ہو کسی الفاظ میں کسی زبان میں ہو بہتر ہے یہ پڑھا جائے:

لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ  
 أَسْتَغْفِرُ اللَّهَ الْعَظِيمَ الْكَرِيمَ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ وَأَتُوبُ إِلَيْهِ  
 سُبْحَانَهُ

یہ جملے ذکرِ الہی بھی ہیں اور استغفار بھی ان کو ہر وقت کثرت سے پڑھنے سے مؤمن گناہوں اور شیطان کے وسوسوں سے محفوظ رہتا ہے۔ آپ بھی یاد کر لیجئے اپنے اہل خانہ اور بچوں کو بھی یاد کر دیجئے ہر نماز کے بعد کم از کم گیارہ مرتبہ ضرور پڑھ لیا کیجئے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُوا اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَ  
 ذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا ۝ (الاحزاب: ۲۱)

بیشک تمہاری رہنمائی کے لئے اللہ کے رسول (کی زندگی) میں بہترین نمونہ ہے (یہ نمونہ) اس کے لئے ہے جو اللہ سے ملنے اور قیامت کے آنے کی امید رکھتا ہے اور اللہ کو بکثرت یاد کرتا ہے۔

اسوۂ حسنہ، مؤمن کے کمال ایمان کا ذریعہ ہے رضائے الہی کی منزل تک رسائی کا نقشہ ہے۔ حلاوت ایمان کے حصول کا واسطہ ہے اور فوائد ایمان حاصل کرنے کا وسیلہ ہے جس کے بغیر مسلمان منزل سے بھٹکے مسافر کی طرح در ماندہ و پریشان حال ہو جاتا ہے لیکن اسوۂ حسنہ کے حقیقی فیوض و برکات صرف مؤمن ہی کا حصہ ہیں کہ بغیر ایمان کے رسول کے طرز زندگی کو اپنانے والا شاید دنیاوی طور پر تو عزت و راحت حاصل کر لے لیکن اس کے لئے آخرت میں کوئی اجر و ثواب نہ ہوگا اور جسے ایمان کی دولت تو نصیب ہو لیکن اللہ کے ذکر کی نعمت سے وہ محروم ہو وہ اسوۂ حسنہ سے فیض یاب نہیں ہو سکتا کہ وہ مؤمن ہونے کے باوجود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عطا کردہ اصول زندگی کو اپنا نہیں پاتا پس وہ منزل سے دور اور زیادہ دور ہوتا چلتا جاتا ہے حتیٰ کہ اس کی زندگی ایک کھلونا بن کر رہ جاتی ہے جس سے سب کھیلتے ہیں جسے سب استعمال کرتے ہیں لیکن کوئی عزت نہیں کرتا لیکن جو نبی مؤمن کو ہوش آتا ہے اور وہ اللہ کو یاد کرتا ہے تو اسے وہ نقشہ نظر آنے لگتا ہے، جس کی مدد سے وہ اپنی منزل کو پاسکتا ہے اور جوں جوں اس کی طرف سے ذکر الہی بڑھتا جاتا ہے اتنا ہی یہ نقشہ اس کے لئے نمایاں ہوتا چلا جاتا ہے پس وہ ان نقوش کو اپناتا ہے اور ایک مطمئن و پرسکون مسافر کی طرف اپنی منزل کی طرف بڑھتا رہتا ہے پس ذکر الہی ذریعہ ہے اسوۂ حسنہ کی معرفت کا اور اس سے فیض یاب ہونے کا اسی لئے میرے آقا ﷺ نے ذکر الہی کو خیر الاعمال بہترین عمل قرار دیا کہ بروایت حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک مرتبہ صحابہ کرام سے پوچھا:



کیا میں تمہیں ایسا بہترین عمل بتاؤں جو بہتر ہے تمہارے اچھے اعمال سے جو پاکیزہ ہیں تمہارے رب کو پسند ہیں اور درجات کے لحاظ سے بہت بلند ہیں اور وہ عمل بہتر ہے تمہارے لئے تمہارے سونا چاندی خرچ کرنے سے اور بہتر ہے اس سے کہ تم دشمن کے مقابلہ پر آؤ اور تم دشمن کی گردنیں کاٹو اور دشمن تمہاری گردنیں کاٹیں۔ صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! بتائے (ایسا کونسا عمل ہے جو ان تمام اعمال سے افضل ہے) ”قَالَ ذَكَرُ اللَّهِ“ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اللہ کا ذکر۔ میرے آقا ﷺ کے اس ارشاد کے مطابق تمام اعمال سے افضل ذکر اللہ ہے کیونکہ اسی سے مؤمن اعمال حسنہ کی طرف مائل ہوتا ہے۔ قرآن کریم کا بھی ارشاد ہے:

(عنکبوت: ۲۵)

وَلَذِكْرُ اللَّهِ أَكْبَرُ

اور اللہ کا ذکر بہت بڑا ہے۔

اسی لئے میرے آقا ﷺ نے فرمایا کہ ”ذکر الہی میں کوتاہی نہ کرو“ روایت ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی کہ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

لَا تَقْصُرُوا فِي ذِكْرِ اللَّهِ فَإِنَّ ذِكْرَكُمْ إِيَّاهُ يَقْضِي إِلَى ذِكْرِهِ إِيَّاكُمْ وَلَذِكْرُهُ إِيَّاكُمْ أَفْضَلُ مِنْ ذِكْرِكُمْ إِيَّاهُ۔

اللہ کے ذکر میں کوتاہی نہ کرو کیونکہ تمہارے ذکر ہی کے سبب وہ تمہارا ذکر فرماتا ہے اور اس کا تمہیں یاد کر لینا تمہارے یاد کرنے سے افضل ہے۔

ذکر الہی سے ہی قلب مؤمن کو اطمینان و سکون نصیب ہوتا ہے۔ فرماتا گیا:

الَّذِينَ آمَنُوا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوبُهُمْ بِذِكْرِ اللَّهِ أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ ۝

(الرعد: ۲۸)

جو لوگ ایمان لائے اور مطمئن ہوتے ہیں جن کے دل ذکر الہی سے بغور سنو کہ اللہ کے ذکر ہی سے دل مطمئن ہوتے ہیں۔

ذاکرین و ذاکرات کو دنیا ہی میں مغفرت اور اجر عظیم کا مژدہ سنایا گیا۔ ارشاد ہوا:

وَالذَّكِّرِينَ اللَّهُ كَثِيرًا وَالذَّكْرَاتِ لَا عَدَّ اللَّهُ لَهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا ۝

(احزاب: ۳۵)

اور کثرت سے اللہ کو یاد کرنے اور یاد کرنے والیاں تیار کر رکھا ہے اللہ نے ان سب کے لئے مغفرت اور اجر عظیم۔

غرضیکہ ذکر الہی ہی دنیا و آخرت کی کامیابی و کامرانی کا ذریعہ ہے۔ جس پر قرآن کریم شاہد ہے:

(الاعلیٰ: ۱۴، ۱۵)

قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكَّى ۝ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ فَصَلَّى ۝

بے شک اس نے فلاح پائی جس نے اپنے آپ کو پاک کیا اور اپنے رب کے نام کا ذکر کرتا رہا اور نماز پڑھتا رہا۔

ذکر سے غفلت

ذکر الہی کی اہمیت اور اس کے چند فوائد کے بعد اب مختصراً اس سے غفلت کا انجام اور ان لوگوں کی سزا بھی ملاحظہ فرمائیے جو رب کریم کے ذکر سے منہ موڑ کر، دنیا کے عیش و عشرت میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو شریعت کی پابندی تو درکنار ان کی زبان پر مدتوں اللہ اور اس کے رسول کا نام تک نہیں آتا کاش وہ اللہ اور رسول کے ان ارشادات کو پڑھ کر توبہ کر لیں اور اپنے دل سے گناہوں کی سیاہی صاف کرنے کے لئے اللہ کے ذکر میں مصروف ہو جائیں چند ہی دن میں ان کا قلب روشن و منور ہو جائے گا اور وہ اپنے آپ کو احکام شرع کی پابندی کی طرف مائل پانے لگیں گے۔

منافقین کا حال بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ بتا رہا ہے کہ ان میں دیگر عیوب کے ساتھ ایک عیب یہ ہے کہ وہ اللہ کا ذکر بہت کم کرتے ہیں۔

إِنَّ الْمُنَافِقِينَ يُخَادِعُونَ اللَّهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ وَإِذَا قَامُوا إِلَى الصَّلَاةِ قَامُوا كَسَالَىٰ  
يُرَآءُونَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُونَ اللَّهَ إِلَّا قَلِيلًا ۝ (النساء: ۱۴۲)

بیشک منافق (اپنے گمان میں) دھوکہ دے رہے ہیں اللہ کو اور اللہ سزا دینے والا ہے انہیں (اس دھوکہ بازی کی) اور جب کھڑے ہوتے ہیں نماز کی طرف تو کھڑے ہوتے ہیں کاہل بن کر (صرف) لوگوں کو دکھانے کے لئے اور اللہ کا ذکر نہیں کرتے مگر تھوڑا۔

وہ لوگ تو بالکل ہی گمراہ ہیں جنہیں اللہ کا ذکر سنایا جاتا ہے لیکن پھر بھی ان کے دل ذکر الہی کی طرف مائل نہیں ہوتے ایسے لوگوں کے لئے ”وَيْلٌ“ ہلاکت، ذلت و خواری ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ ”وَيْلٌ“ جہنم کا ایک نچلا گڑھا بھی ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ یہ لوگ اللہ کے ذکر سے غافل ہو کر دنیا کی عیاشی میں خوب مست ہیں انہیں اللہ کو یاد کرنے کی فرصت ہی نہیں اگر کوئی مبلغ انہیں محفل ذکر میں شرکت کی دعوت دیتا ہے یا توبہ و ذکر کی نصیحت کرتا ہے تو یہ نہایت ہی متکبرانہ انداز میں اسے گھورتے ہیں اور اس کی دعوت کو ٹھکرا دیتے ہیں جبکہ حقیقت یہ ہے کہ ذکر سے غفلت کے باعث ان کے دل مردہ ہو چکے ہیں۔ ان کے گھر قبرستان بن چکے ہیں ان کی محفلوں پر اللہ کی پھٹکار اور لعنت برسی ہے یہ خود طرح طرح کی آفات و بلیات میں مبتلا رہتے ہیں بے چین ہیں، مضطرب ہیں لیکن ہٹ دھرم ہیں، ضدی ہیں کسی ناصح کی نصیحت پر غور تک کرنے کے لئے آمادہ نہیں ہوتے۔ درج ذیل قرآنی آیات پر غور کیجئے اور پناہ مانگئے ذکر الہی میں کمی یا غفلت سے:

قَوْلٌ لِلنَّفْسِ يَتَذَكَّرُ مِنْكُمْ ذِكْرُ اللَّهِ ۖ أُولَٰئِكَ فِي صُلَىٰ مُبِينٍ ۝ (زمر: ۲۲)

پس ہلاکت ہے ان سخت دلوں کے لئے جو اللہ کے ذکر سے متاثر نہیں ہوتے یہی لوگ کھلی گمراہی میں ہیں۔

وَمَنْ يَعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمَنِ نُقْضِ لَهُ شَيْطَانًا فَهُوَ لَهُ قَرِينٌ ۝ (زخرف: ۶۷)

اور جو منہ پھیر لیتا ہے رحمان کے ذکر سے تو ہم مقرر کر دیتے ہیں اس کے لئے ایک شیطان پس وہ ہر وقت اس کے ساتھ رہتا ہے۔

اسْتَعِذْ عَلَيْهِمُ الشَّيْطَانُ فَأَنسَهُمْ ذِكْرَ اللَّهِ ۚ وَلِلَّهِ جُزْبُ الشَّيْطَانِ ۚ أَلَا إِنَّ جُزْبَ الشَّيْطَانِ هُمُ الْخَسِرُونَ ﴿١٩﴾

(مجادلہ: ۱۹)

تسلط جمالیہ ہے ان پر شیطان نے اس نے اللہ کا ذکر انہیں بھلا دیا یہی لوگ شیطان کا ٹولہ ہیں بغور سنو شیطان کا ٹولہ ہی یقیناً نقصان اٹھانے والا ہے۔

وَمَنْ يُعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِ يَسْلُكْهُ عَذَابًا صَعَدًا ﴿٢٠﴾

(الحج: ۱۷)

اور جو منہ موڑے گا اپنے رب کے ذکر سے تو وہ اسے داخل کرے گا سخت عذاب میں۔

ان آیات کی روشنی میں نبی مکرم کی ایک حدیث مبارکہ ملاحظہ فرمائیے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

مَنْ قَعَدَ مَقْعَدًا لَمْ يَذْكُرِ اللَّهَ فِيهِ كَانَتْ عَلَيْهِ مِنَ اللَّهِ بَرَةٌ وَمَنْ اضْطَجَعَ مَضْجَعًا لَا يَذْكُرِ اللَّهَ فِيهِ كَانَتْ عَلَيْهِ مِنَ اللَّهِ بَرَةٌ.

جو شخص کسی مجلس میں بیٹھ کر اللہ کا ذکر نہ کرے یہ مجلس اس کے لئے اللہ کی طرف سے خسارے کا سبب ہو گی اور جو شخص بستر پر لیٹ کر اللہ کا ذکر نہ کرے تو بھی اسے اللہ کی طرف سے خسارہ ہوگا۔ (ابوداؤد)

اس مجلس کے فیصلوں میں کبھی برکت اور کامیابی نصیب نہیں ہو سکتی جس میں کسی بھی نوعیت سے اللہ کو یاد نہ کیا جائے چاہے مواقع کی مناسبت سے صرف سبحان اللہ، ماشاء اللہ، انشاء اللہ ہی کہہ لیا جائے تب بھی اللہ کی رحمت سے امید ہے کہ وہ خسارے اور نقصان سے محفوظ رکھے گا اسی طرح اس آرام سے کبھی سکون میسر نہیں آ سکتا جس سے پہلے کچھ اللہ کا ذکر نہ کیا جائے لہذا سونے سے پہلے کم از کم آیۃ الکرسی، قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ، قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ یا صرف قُلْ هُوَ اللّٰهُ تَمِیْن مرتبہ پڑھ لینا چاہئے۔ اس کے بعد بہتر ہے کہ درود شریف پڑھتے پڑھتے سویا جائے۔ اس سے نیند بھی خوب آتی ہے برے اور ڈراؤنے خوابوں سے بھی نجات رہتی ہے۔ بہر حال اس ارشاد کے مطابق ذکر الہی سے غفلت بے برکتی اور خسارے کا سبب ہے، پس

اے ایمان والو! "اَذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا" اللہ کا ذکر بکثرت کرو، ہر وقت کرو، آہستہ کرو یا باواز کرو، چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے، کھاتے پیتے غرضیکہ کوئی لمحہ ایسا نہ ہو کہ تمہاری زبان پر اللہ کا نام نہ ہو جب تم سو رہے ہو تب بھی تمہارا دل ذکر میں مصروف ہو جس کا پتہ تمہیں اس طرح چل سکتا ہے کہ جب بھی تمہاری آنکھ کھلے تمہاری زبان پر کوئی کلمہ ذکر ہو مثلاً کلمہ طیب، یا اللہ، اللہ اکبر، سُبْحَانَ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ یا درود شریف اگر تمہاری یہ کیفیت ہو جائے تو خوش ہو اللہ کا شکر ادا کرو کہ تمہیں اس نے ذکر کی نعمت سے نوازا دیا۔ یاد رکھو کہ:-

ذکر الہی، تمہارے مؤمن کامل ہونے کی علامت ہے۔

ذکرِ الہی، کی کثرت انبیاء و اولیاء اور صالحین کا وطیرہ ہے۔  
 ذکرِ الہی، تمہارے اولوالالباب اہل خرد اور عقلمند ہونے کی علامت ہے۔  
 ذکرِ الہی، سے دلوں کو سکون نصیب ہوتا ہے دل زندہ ہوتے ہیں۔  
 ذکرِ الہی، سے دلوں سے گناہوں کی سیاہی چھٹتی ہے دل نور ایمان سے چمک جاتا ہے۔  
 ذکرِ الہی، سے دل اللہ کے انوار و تجلیات کا مرکز بن جاتا ہے۔  
 ذکرِ الہی، سے گھروں میں نور پیدا ہوتا ہے رونق ہوتی ہے۔  
 ذکرِ الہی، سے آفات و بلیات دور ہوتی ہیں امراض سے شفا ملتی ہے۔  
 ذکرِ الہی، سے رزق میں برکت ہوتی ہے، تنگی و تنگدستی سے نجات ملتی ہے۔  
 ذکرِ الہی، سے چہرے منور و روشن ہوتے ہیں۔  
 ذکرِ الہی، سے اعمال صالحہ کی توفیق نصیب ہوتی ہے برائیوں اور بدکاریوں سے نجات ملتی ہے۔  
 ذکرِ الہی، خیر الاعمال تمام نیکیوں سے بہتر اور بڑی نیکی ہے۔  
 ذکرِ الہی، قرب الہی کا وسیلہ ہے۔  
 ذکرِ الہی، کرنے والوں سے اللہ نے مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ فرمایا ہے۔  
 ذکرِ الہی، مؤمن کے لئے دنیا و آخرت میں کامیابی و کامرانی کی ضمانت ہے۔  
 ”اے اللہ اپنے ذکر سے ہماری زبانوں کو ترا اور ہمارے دلوں کو پر فرما، آمین“

اللہ کی تسبیح

آیت زیر گفتگو میں دوسرا حکم تسبیح کا ہے۔ ارشاد ہوا:

وَسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا

اور اس کی پاکی بیان کرو صبح و شام۔

بیشک اللہ وحدہ لا شریک لہ اس لائق ہے کہ ہر لمحہ و ہر آن اس کی پاکی بیان کی جائے اسی لئے کائنات کا ذرہ ذرہ اس کی تسبیح سے گونج رہا ہے۔ قرآن کریم کی چند آیات کا بغور مطالعہ کیجئے:

تُسَبِّحُ لَهُ السَّمَوَاتُ السَّبْعُ وَالْأَرْضُ وَمَنْ فِيهِنَّ ۖ وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ

وَلَكِنْ لَا تَفْقَهُونَ تَسْبِيحَهُمْ ۚ إِنَّهُ كَانَ حَلِيمًا غَفُورًا ۝۱۶

(الاسراء: ۴۴)

پاکی بیان کرتے ہیں اسی کی ساتوں آسمان اور زمین اور جو چیز بھی ان میں موجود ہے اور نہیں ہے کوئی چیز مگر وہ اس کی پاکی بیان کرتی ہے اس کی حمد کرتے ہوئے لیکن تم ان کی تسبیح کو سمجھ نہیں سکتے بیشک وہ بردبار بہت بخشنے والا ہے۔

آیہ مبارکہ میں بڑی ہی پر لطف بات فرمائی گئی ”لَا تَفْقَهُونَ تَسْبِيحَهُمْ“ تم ان کی تسبیح کو سمجھ نہیں سکتے۔ اس کی وضاحت ہم ابھی پیش کرتے ہیں۔ پہلے ان آیات کا مطالعہ ہو جائے:

(الرعد: ۱۳)

وَيُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهِ وَالْمَلَائِكَةُ مِنْ خِيفَتِهِ

اور کڑک اس کی پاکی بیان کرتی ہے اس کی حمد کے ساتھ اور فرشتے بھی اس کے خوف سے (اس کی تسبیح کرتے ہیں)۔

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يُسَبِّحُ لَهُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالطَّيْرُ صَافَّاتٌ ۖ كُلُّ قَدْ عَلِمَ

(النور: ۲۱)

صَلَاتُهُ وَتُسَبِّحُهُ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِمَا يَفْعَلُونَ ۝

کیا تم غور نہیں کرتے کہ بلاشبہ اللہ ہی ہے جس کی تسبیح بیان کرتے ہیں سارے آسمانوں والے اور زمین والے اور پرندے پر پھیلے ہوئے ہر ایک جانتا ہے اپنی دعا اور اپنی تسبیح کو اور اللہ خوب جانتا ہے جو وہ کرتے رہتے ہیں۔

(الحديد: ۱)

سَبَّحَ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝

اللہ کی پاکی بیان کر رہی ہے ہر چیز جو آسمانوں اور زمین میں ہے اور وہی سب پر غالب بڑا دانا ہے۔

سورۃ الحديد کی یہ پہلی آیت ہے۔ بعینہ اسی آیت مبارکہ سے سورۃ الحشر اور سورۃ القف کا آغاز ہوا ہے جبکہ یہی مضمون سورۃ الحشر کی چوبیسویں آیت میں صرف اتنے فرق کے ساتھ بیان ہوا ہے کہ ماضی ”سَبَّحَ“ کی جگہ مضارع ”يُسَبِّحُ“ کا صیغہ آیا ہے۔ سورۃ جمعہ اور سورۃ تغابن کی ابتداء بھی ”يُسَبِّحُ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ“ کے جملہ مبارکہ سے ہوئی ہے۔ بخوف طوالت ہم نے ان آیات کے حوالہ پر اکتفا کیا ہے۔ بتانا صرف اتنا ہے کہ قرآن کریم نے متعدد مقامات پر اس حقیقت کو واضح الفاظ میں بیان فرمایا ہے کہ کائنات کا ذرہ ذرہ اللہ کی تسبیح اور پاکی میں مصروف ہے۔ اس کا تعلق چاہے جمادات سے ہو، نباتات، معدنیات یا حیوانات سے ہو کیسی ہی مخلوق کیوں نہ ہو بہر حال وہ اللہ کی تسبیح کرتی ہے۔

انسان، اشرف المخلوقات ہے۔ اللہ نے اسے دیگر اختیارات کی طرح اپنی تسبیح اور پاکی بیان کرنے کا اختیار بھی دیا ہے۔ وہ انسان جو اللہ پر ایمان لائے دیگر احکام کی تعمیل کی طرح حکم تسبیح پر بھی عمل کرتے ہیں اور وہ اللہ سے محبت اور اس کی رضا کے سبب ہر حال میں مختلف طریقوں اور مختلف انداز سے رب کی پاکی بیان کرتے رہتے ہیں اور جنہوں نے کفر کیا ان کی زبانیں تو اللہ کی تسبیح سے گونگ ہو گئیں لیکن ان کے جسم کا روٹکنا روٹکنا اپنے خالق کی پاکی بیان کرتا ہے اگرچہ انہیں آخرت میں اس کا کوئی فائدہ نہ ہو گا کہ آخرت کا اجر تو اللہ کے عطا کردہ اختیار کو اللہ کی مرضی سے استعمال کرنے پر موقوف ہے۔ اسی لئے ایمان کو اصل قرار دیا گیا کہ مؤمن جو بھی نیک کام کرتا ہے وہ اللہ کی رضا کے لئے کرتا ہے جبکہ کافر اگر کوئی نیک کام کرتا بھی ہے تو اس میں اس کی مرضی یا غرض شامل ہوتی ہے۔ اسی لئے وہ اپنی نیکیوں کی وجہ انسانی ہمدردی یا خود اطمینانی بتاتا ہے مثلاً ایک مؤمن نے کسی بھوکے کو کھانا کھلایا تو اس کی وجہ یہ بتائے گا کہ میں نے یہ کام اللہ کو راضی کرنے کے لئے کیا ہے یا ثواب کے

لئے کیا ہے لیکن اگر کافر نے یہ کام کیا تو وہ اس کی وجہ یہی بیان کرے گا کہ وہ بھی انسان ہے، میں نے انسانیت کے ناطے اسے کھانا کھلایا ہے پس جو کام انسانیت کے ناطے کیا گیا اس کا بدلہ بھی انسان ہی دیں گے دیں یا نہ دیں یہ ان کا عمل ہوگا لیکن مومن ہر کام اللہ کی رضا کے لئے کرتا ہے تو اللہ ہی اس کا بدلہ دیتا ہے اور اپنے فضل و کرم سے ضرور دیتا ہے ”إِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ“ اللہ کسی نیکی کرنے والے کا بدلہ ضائع نہیں فرماتا۔

بہر حال انسان اللہ کی تسبیح کرتا رہتا ہے۔ مومن اختیار خوشی سے اللہ کی رضا کے لئے اور کافر مجبوراً اللہ کا انکار کرنے کے باوجود طوعاً و کرہاً یہی حال جنات کا بھی ہے۔

ملائکہ کی تسبیح

رہے ملائکہ تو وہ تو پیدا ہی تسبیح و تحمید ہی کے لئے کئے گئے ہیں۔ درج ذیل قرآنی آیات سے اندازہ کیجئے:

يُسَبِّحُونَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُونَ ﴿٢٠﴾ (انبیاء: ۲۰)

وہ (فرشتے) اس کی پاکی بیان کرتے رہتے ہیں دن رات اور وہ اکتاتے نہیں۔

وَمَا مِمَّا إِلَّا لَهُ مَقَامٌ مَّعْلُومٌ ﴿١٦٣﴾ وَإِنَّا لَنَحْنُ الصَّافُّونَ ﴿١٦٤﴾ وَإِنَّا لَنَحْنُ السُّبِّحُونَ ﴿١٦٥﴾

(صفت: ۱۶۳-۱۶۵)

اور (فرشتے کہتے ہیں) ہم میں کوئی ایسا نہیں مگر اس کے لئے مقام متعین ہے اور ہم پر باندھے کھڑے ہیں اور بیشک ہم اس کی پاکی بیان کرنے والے ہیں۔

وَتَرَى الْمَلَائِكَةَ حَافِّينَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ ﴿٤٥﴾ (الزمر: ۴۵)

اور تم پاؤ گے فرشتوں کو حلقہ باندھے کھڑے ہوں گے ارد گرد عرش کے پاکی بیان کر رہے ہوں گے اپنے رب کی حمد کے ساتھ۔

سورۃ المؤمن میں فرشتوں کی تسبیح کے ساتھ ہمارے لئے ان کے استغفار اور دعا کا ذکر بھی کیا گیا۔ جس کا انداز اس قدر ایمان افروز اور دلنواز ہے کہ یہ آیات اگرچہ ہمارے موضوع سے متعلق نہیں لیکن ہم انہیں نقل کرنے پر مجبور ہیں۔ ان کو بار بار بار پڑھئے اور غور کیجئے:

الَّذِينَ يَخِشُونَ الْعَرْشَ وَ مِنْ حَوْلَهُ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَ يُؤْمِنُونَ بِهِمْ وَ  
يَسْتَغْفِرُونَ لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَحْمَةً وَ عِلْمًا فَاعْفِرْ لِلَّذِينَ  
تَابُوا وَ اتَّبِعُوا سَبِيلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيمِ ﴿٩٣﴾ رَبَّنَا وَ آذِخْلَهُمْ جَنَّاتٍ الَّتِي  
وَعْدْتُهُمْ وَ مَنْ صَدَحَ مِنْ آبَائِهِمْ وَ أَرْوَاحِهِمْ وَ ذُرِّيَّتِهِمْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ  
الْحَكِيمُ ﴿٩٤﴾ وَقِهِمُ السَّيِّئَاتِ وَ مَنْ تَقِ السَّيِّئَاتِ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمْتَهُ وَ ذَلِكَ هُوَ  
الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿٩٥﴾ (المؤمن: ۹۳-۹۵)

جو فرشتے اٹھائے ہوئے ہیں عرش کو اور وہ جو عرش کے ارد گرد ہیں وہ تسبیح کرتے ہیں حمد کے ساتھ اپنے رب کی اور ایمان رکھتے ہیں اس پر اور استغفار کرتے ہیں ایمان والوں کے لئے (کہتے ہیں) اے ہمارے رب تو گھیرے ہوئے برشی کو (اپنی) رحمت اور علم سے پس بخش دے انہیں جنہوں نے (کفر سے) توبہ کی اور پیروی کی تیرے راستہ کی اور بچالے انہیں جہنم کے عذاب سے۔ اے ہمارے رب داخل فرما انہیں سدابہار باغوں میں جن کا تو نے ان سے وعدہ فرمایا ہے اور جو قابل بخشش ہیں ان کے والدین ان کی بیویوں اور ان کی اولاد سے بیشک تو ہی سب سے زبردست حکمت والا ہے اور بچالے انہیں سزاؤں سے اور جسے تو بچالے سزاؤں سے اس دن تو گویا تو نے بڑی رحمت فرمائی اس پر اور یہی ہے بہت بڑی کامیابی۔

ملاحظہ فرمایا آپ نے اللہ کی نورانی مخلوق فرشتوں کی تسبیح کا حال اس تسبیح پر ہی تو انہیں ناز تھا جو انہوں نے انسان کا مقام لینے کے لئے بطور حق استعمال کیا تھا کہ جب اللہ تعالیٰ نے انہیں بتایا ”إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً“ میں زمین میں اپنا خلیفہ بنانے والا ہوں تو انہوں نے مستقبل کے خلیفہ کو مفسد و متفنی سمجھا اور اس منصب پر اپنا حق جتاتے ہوئے اپنی خوبی یہی بیان کی کہ ”نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ“ ہم تو پاکی بیان کرتے ہیں تیری حمد کے ساتھ اور تیری بزرگی بیان کرتے رہتے ہیں اور جب انہیں رب نے فیصلہ سنا دیا کہ ایسا ہی ہوگا کیونکہ ”إِنِّي أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ“ جو تم نہیں جانتے میں جانتا ہوں تو انہوں نے فیصلہ رب کو قبول کیا اور اسی انسان کو حکم رب کی تعمیل میں سجدہ بھی کیا اور آج تک وہ ان تمام امور کو انجام دے رہے ہیں جو اللہ نے انسانی خدمات سے متعلق ان کے سپرد کئے ہیں اور وہ اہل ایمان کے ایسے خیر خواہ ہیں کہ ان کی مغفرت و بخشش کی دعائیں کرتے رہتے ہیں اللہ کے دربار میں ان کی تعریفیں کرتے اور سفارشیں کرتے ہیں۔

جن و انسان اور ملائکہ کے علاوہ زمین و آسمان کی ہر مخلوق اللہ کی پاکی بیان کرتی ہے۔ ہمارا یہی ایمان و عقیدہ ہے اور ہونا چاہئے کہ قرآن کریم نے اور اللہ کے رسول ﷺ نے یہی بیان فرمایا اور واقعات سے ایسا ہی ثابت ہے وہ جو اپنے آپ کو عقلمند کہتے ہیں ان کی کوئی بات جو اللہ اور اس کے رسول کے ارشادات کے خلاف ہو وہ ہم ہرگز نہیں مان سکتے۔ اس لئے کہ پہلی عقلمندی تو یہی ہے کہ بندہ اللہ پر اور اس کی قدرت پر ایمان لائے اور جو کچھ اللہ کے رسول نے بتایا اور پہنچایا اس کو بلا چوں و چرا تسلیم کر لے اور جس نے ایسا نہ کیا تو اسے عقلمند تسلیم کرنا ہی بڑی بے وقوفی اور حماقت ہے۔ انہی عقلمندوں کے چکر میں آ کر اچھے خاصے عقلمند دین و ایمان سے محروم ہو جاتے ہیں پس بلا تا مل اس حقیقت کو تسلیم کر لیجئے کہ چرند، پرند، شجر، حجر، متحرک اشیاء، منجمد اشیاء، غرضیکہ ہر چیز اللہ کی تسبیح و تحمید بیان کرنے میں مصروف ہے۔ اب رہی یہ بات کہ وہ کیسے پاکی بیان کرتے اور کیا کہتے ہیں تو یہ سوچ کر پریشان ہونے کی ضرورت نہیں قرآن پر غور کیجئے آپ کی پریشانی دور ہو جائے گی۔ جس رب کے ارشاد کے مطابق ہم اس حقیقت پر ایمان لائے کہ ہر چیز اللہ کی پاکی بیان کرتی ہے۔ اسی رب نے یہ حقیقت بھی بتائی کہ تم بہت سی چیزوں کی طرح ان کی تسبیح کو بھی نہیں سمجھ پاتے۔

## لَا تَفْقَهُونَ

غرضیکہ ہر مخلوق اپنے خالق کی تسبیح و پاکی بیان کرتی ہے اور وہ اپنی دعا و تسبیح کا طریقہ بخوبی جانتی ہے لیکن ”لَا تَفْقَهُونَ“ تم نہیں سمجھتے اور جس چیز کو تم نہ سمجھ سکو یا نہ دیکھ سکو یا نہ محسوس کر سکو ضروری نہیں کہ اس کا وجود ہی نہ ہو تم اس کو تسلیم ہی نہ کرو پس تمہارا کام اللہ اور اس کے رسول کی بیان کردہ ہر چیز پر ایمان لانا اور یقین کرنا ہے اسی میں تمہاری نجات ہے اور جس چیز کو تم سمجھ نہ سکو، محسوس نہ کر سکو تو ضروری نہیں کہ تم یہ سمجھ لو کہ سب تمہاری طرح ہیں۔ جو میں نہ سمجھ سکا وہ کوئی دوسرا بھی نہیں سمجھ سکتا، جو میں نہ دیکھ سکا وہ کوئی دوسرا بھی نہیں دیکھ سکتا جو میں محسوس نہ کر سکا وہ کوئی دوسرا بھی محسوس نہیں کر سکتا جو میں جانتا وہ کوئی دوسرا بھی نہیں جانتا۔ یہ عقیدہ تو اندھوں، بہروں اور گونگوں جیسا ہوگا کہ یہ لوگ سب کو اپنی طرح اندھا، گونگا اور بہرہ ہی سمجھتے ہیں۔ آپ نے اکثر دیکھا ہوگا کہ بہرہ آپ سے زور سے ہی بات کرتا ہے کہ وہ آپ کو بہرہ سمجھتا ہے اور جب وہ آپ کی بات سن لیتا ہے تو فوراً کہتا ہے میاں اتنے زور سے کیوں بولتے ہو کیا میں بہرہ ہوں یہ تو اللہ کی قدرت ہے جسے چاہے جو قوت عطا فرمادے اور جتنی چاہے عطا فرمائے۔ ہمیں اس کی دین پر اعتراض کا کیا حق ہے کوئی زیادہ دیکھتا ہے کوئی کم کوئی زیادہ سنتا ہے کوئی کم کسی میں طاقت زیادہ ہوتی ہے کسی میں کم یہ تو قدرت کی کرشمہ سازی ہے ”وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ“ اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

پس ہر چیز اللہ کی تسبیح کرتی ہے تم نہیں سمجھتے ہاں وہ سمجھ لیتے ہیں وہ سن لیتے ہیں جو ہمارے مقرب ہوتے ہیں اور جنہیں ہم اپنی قدرت کا نمونہ بناتے ہیں جنہیں اپنی مخلوق کی قیادت و سیادت اور رہبری کے لئے ہم منتخب کر لیتے ہیں۔ ان کی ضرورت کے مطابق انہیں ہم علم و قدرت سے نوازتے ہیں۔ یہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام، اولیاء کرام ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ اللہ نے حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کیسی قوت عطا فرمائی کہ انہوں نے چیونٹی جیسے چھوٹے جانور کی آواز سن لی، سمجھ لی بد بد سے گفتگو فرمائی۔ سورہ نمل کا مطالعہ کیجئے ایمان تازہ ہو جائے گا۔ حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق ارشاد ہوا:

(انبیاء: ۷۹)

وَسَخَّرْنَا مَعَ دَاوُدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ ۚ

اور ہم نے فرمانبردار بنادیا داؤد کا پہاڑوں اور پرندوں کو وہ سب مل کر ان کے ساتھ تسبیح کہا کرتے تھے۔

إِنَّا سَخَّرْنَا مَعَ الْجِبَالَ مَعَهُ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْإِشْرَاقِ ۚ وَالطَّيْرَ مَحْشُورًا ۚ كُلُّ لَّهُ

(ص: ۱۸، ۱۹)

أَوَابٌ ۝

ہم نے (داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کا) فرمانبردار بنادیا تھا پہاڑوں کو وہ ان کے ساتھ تسبیح پڑھتے تھے عشاء اور اشراق کے وقت اور پرندوں کو وہ تسبیح کے وقت جمع ہو جاتے تھے سب ان کے فرمانبردار تھے۔

نماز چاشت

آیہ مبارکہ میں عشاء و اشراق کا ذکر ہے۔ عشاء کا وقت تو واضح ہے۔ اشراق، صبح کا وہ وقت جب سورج کافی اونچا ہو جائے جسے ہم چاشت کا وقت کہتے ہیں۔ اس وقت جو نوافل پڑھے جاتے ہیں اسے صلوٰۃ الضحیٰ کہتے ہیں۔ یہ کم از کم



دو اور زیادہ سے زیادہ بارہ نفل ہوتے ہیں۔ صَلَوةُ الصُّحَى، چاشت کی نماز بڑی ہی فضیلت والی نماز ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جو شخص پابندی سے صُحی کے وقت دو نفل پڑھے گا، اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے اگرچہ وہ سمندر کے جھاگ کی طرح ہوں۔ نیز حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی نے بتایا کہ میرے خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھے تین باتوں کی وصیت فرمائی:

۱۔ ہر ماہ تین روزے رکھنا، ۲۔ پابندی سے نماز صُحی پڑھنا، ۳۔ سونے سے پہلے وتر پڑھ لینا۔

غرضیکہ اللہ قادر مطلق ہے جسے جتنی چاہتا ہے قوت و قدرت عطا فرما دیتا ہے۔ ہمیں اعتراض کا حق نہیں بطور مثال حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تذکرہ آپ نے پڑھا رہا معاملہ ہمارے آقا ﷺ کا تو اس میں کیا شک کہ آپ ﷺ تو سید الانبیاء ہیں ”آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری“ کا مصداق ہیں۔ آپ کے تمام انبیاء سے افضل و اعلیٰ ہونے کا تقاضا یہی ہے کہ آپ کو وہ سب کچھ دیا گیا ہو جو آپ سے پہلوں کو دیا گیا اور وہ دیا گیا ہو جو آپ سے پہلے کسی کو نہ دیا گیا۔ پس آپ کے علوم و کمالات کی کوئی انتہا ہے نہ حد کیا خوب فرمایا امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ نے:

فَاقِ النَّبِينَ فِي خُلُقٍ وَفِي خُلُقٍ وَلَمْ يُدَانُوهُ فِي عِلْمٍ وَلَا كَرَمٍ  
سید الانبیاء ﷺ کو تمام انبیاء پر فوقیت حاصل ہے ظاہری صورت اور باطنی سیرت میں اور کوئی نبی آپ کے مرتبہ علم و کرم کو نہ پاسکا۔

فَإِنَّ مِنْ جُودِكَ الدُّنْيَا وَصَرَّتْهَا وَمِنْ عُلُومِكَ عِلْمُ اللُّوحِ وَالْقَلَمِ  
آپ ہی کے جود و کرم سے دنیا و آخرت ہے اور لوح و قلم کا علم آپ کے علوم کا ایک حصہ ہے۔  
سب نبی نور ہیں لیکن ہے تفاوت اتنا  
سیرت طیبہ کے سنہری ابواب گواہ ہیں کہ میرے آقا ﷺ نے اللہ کے عطا کردہ کمال فہم و علم سے وہ سمجھا، وہ جانا، وہ سنا، وہ دیکھا، وہ بتایا جس تک عام انسانوں کی رسائی تو درکنار انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی رسائی بھی نہ وہ سکی نہ صرف اتنا بلکہ آپ نے جسے جو چاہا سنوایا اور دکھوایا۔ آپ ﷺ کے دست مبارک میں کنکریوں کے کلمہ پڑھنے کی آواز کو سب نے ہی سنا تھا۔ چودھویں کے چاند کو دو ٹکڑوں میں سب نے ہی دیکھا تھا۔ ”حَنِينُ الْجَذَعِ“ (اُسٹوانہ حنانہ) کی آواز مسجد میں موجود تمام صحابہ نے سنی۔ درختوں کو آپ ﷺ کی طرف آتا اور واپس جاتا سب نے دیکھا۔ پتھروں کے سلام کرنے کی آواز میرے آقا ﷺ اکثر سماعت فرماتے اور ان کے سلام کا جواب دیتے تھے، جانور تو آپ ﷺ دربار میں حاضر ہو کر سجدے کرتے اور اپنی معروضات پیش کیا کرتے تھے۔ پہاڑوں نے آپ ﷺ کے احکام کی تعمیل فرمائی۔ چاند، سورج، بادل آپ ﷺ کے اشارہ انگشت پر رواں دواں ہوتے نظر آئے۔ ان سب واقعات کو آپ معجزات کہہ لیجئے یا کمالات بات ایک ہی ہے اور نتیجہ یہی برآمد ہوتا ہے کہ لَا تَفْقَهُونَ کا ارشاد باری تعالیٰ ہمارے لئے ہے، آپ کے لئے ہے، عام انسانوں کے لئے ہے، انبیاء و رسل کے لئے نہیں۔ میرے آقا ﷺ کے لئے نہیں، مقربین، اولیاء، صالحین کے لئے نہیں کہ ان سب کو اللہ

نے اپنی قدرت کا مظہر بنایا ہے اور ان کاموں پر قادر کیا ہے جن سے عام انسان عاجز ہیں۔ یہی عقیدہ حق ہے قرآن و حدیث اور واقعات صحیحہ سے ثابت ہے۔

### سرچشمہ عقائد

درحقیقت سرچشمہ عقائد، قرآن و حدیث ہے۔ جن کا علم حاصل کرنے کے بعد ان میں غور و فکر کرنے سے عقیدہ حق بنتا اور حاصل ہوتا ہے جبکہ عام لوگوں کے لئے عقائد کا سرچشمہ علماء دین ہیں جن کی صحبت سے ہدایت اور رہنمائی نصیب ہوتی ہے جو لوگ جاہل ہونے کے باوجود قرآن و حدیث اور شریعت جاننے کے دعویدار بلکہ ٹھیکیدار بنتے ہیں انہیں گمراہی کے علاوہ کچھ نصیب نہیں ہوتا۔ ان کے باطل عقائد درحقیقت ماحول سے متاثر ہو کر ان کی اپنی ناقص عقل کے وضع کردہ ہوتے ہیں جو انہیں ضلالت و گمراہی میں مبتلا کر دیتے ہیں یہی لوگ ہیں جو امت میں فرقہ بندی، انتشار و افتراق کا سبب بنتے ہیں اور اس کا الزام ان علماء حق پر عائد کرتے ہیں جن کی ہر بات کا سرچشمہ صرف اور صرف قرآن و حدیث ہوتا ہے مثلاً یہ عقیدہ کہ اسباب معاش ہی حصول معاش کا اصل سبب اور ذریعہ ہیں کہ جو جتنی محنت کرے گا جتنی صلاحیتیں استعمال کرے گا اتنی ہی دولت کمائے گا یہ عقیدہ کس قدر گمراہ کن ہے۔ اس کا اندازہ اس بات سے کیجئے کہ یورپ وغیرہ میں مسلمان تاجروں کا بھی یہ نظریہ ہو گیا ہے کہ اگر تجارت میں حلال و حرام کا خیال کیا گیا تو پیسے کمانا ممکن نہیں لہذا اکثر مسلم دکانداروں کی دکانوں پر آپ شراب بھی پائیں گے اور خنزیر بھی اور سود کو تو اب تجارت و معاش کا ایک اہم جز ہی سمجھا جانے لگا ہے۔ یہ عقیدہ قرآن و حدیث سے لاعلمی کے باعث، حالات سے متاثرہ عقل نے وضع کیا جبکہ قرآن و حدیث کا عطا کردہ عقیدہ یہ ہے کہ رزق دینے والا صرف اللہ ہی ہے انسان کا کام صرف حصول معاش کے لئے تگ و دو کرنا ہے وہ بھی اللہ اور اس کے رسول کے احکام کے مطابق حلال و حرام میں امتیاز کے ساتھ۔

اللَّهُ الَّذِي خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ يُعِيْبُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ (الروم: ۴۰)

اللہ ہی نے تمہیں پیدا کیا پھر تمہیں رزق دیا پھر (وقت مقررہ) پر تمہیں مارے گا پھر تمہیں (دوبارہ) زندہ کرے گا۔

عقیدہ یہ ملا کہ خالق اللہ ہی ہے اگر اس سائنسی دور میں کوئی بچہ یوب کے ذریعہ پیدا ہوا تو بھی خالق اللہ ہی ہے۔ یوب صرف ایک سبب ہے جس کی طرف اللہ ہی نے عقل انسان کی رہنمائی فرمائی ورنہ اس کی ایجاد ہرگز نہ ہو پاتی۔ علاوہ ازیں یوب تو صرف مرد کا جرثومہ عورت کے رحم میں منتقل کرنے کا ذریعہ بنی نو ماہ تک ماں کے پیٹ میں بچہ کو غذا فراہم کرنے والا تو اللہ ہی ہے جو خالق حقیقی ہے اگر اللہ اپنے فضل سے غذا فراہم نہ کرتا تو اس جرثومہ کا پتہ بھی نہ چلتا کہ کہاں گیا جیسے زمین میں بوئے جانے والے تیتوں میں سے بہت سوں کا پتہ نہیں چل پاتا۔

رازق اللہ ہی ہے اگر اسباب کو اصلی قرار دے دیا جائے تو پھر سب ہی دولت مند نظر آئیں کوئی کسی کا محتاج نہ رہے گا، کوئی ملازم نہ ہوگا، کوئی مالک نہ ہوگا، کوئی حاکم نہ ہوگا، کوئی محکوم نہ ہوگا، حلال و حرام کے امتیاز کے بغیر سب ہی محنت کر کے

دولت مند بن جائیں گے جبکہ ہوتا یہ ہے کہ ایک شخص کم محنت کرتا ہے، حرام کی دولت سے بھی بچتا ہے اور وہ خوب کماتا ہے جبکہ دوسرا شخص دن رات لگا رہتا ہے نہ حرام کا خیال کرتا ہے نہ حلال کا لیکن پھر بھی کچھ نہیں کماتا یہ فرق معاش اس عقیدہ حقہ کا ثبوت ہے کہ حقیقی رزاق اللہ ہے اور تفریق معاش بھی اسی کی حکمت ہے جو نظام عالم کی بقاء کے لئے ضروری ہے۔ انسان نے بار بار اس تفریق معاش کو ختم کرنے کی کوشش کی جس کے نتیجہ میں کمیونزم، سوشلزم جیسے ناکام نظریات نے جنم لیا لیکن قدرت کے کاموں میں مداخلت نہ کبھی کامیاب رہی ہے اور نہ کامیاب ہو سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ معاشی تفریق کے خاتمہ کی لایعنی کوشش نے مزید معاشی مسائل پیدا کئے اور صیاد خود ہی اپنے جال میں آپھنسا۔

اللہ ہی موت دینے والا ہے جو خالق ہے وہی جب چاہتا ہے، جسے چاہتا ہے موت دے دیتا ہے۔ اسباب موت چاہے کچھ بھی ہوں اصل ہرگز نہیں اسی لئے بعض اوقات اسباب یقیناً مہلک ہوتے ہیں لیکن موت نہیں آتی اور کبھی سبب بالکل معمولی ہوتا ہے اور موت آ جاتی ہے اور کبھی کوئی سبب ہوتا ہی نہیں لیکن انسان مر جاتا ہے اور اسباب کا سہارا لینے والا کچھ اور نہیں تو یہی کہنے لگتا ہے کہ حرکت قلب بند ہو گئی۔ یہ جملہ کس قدر لغو ہے ذرا غور کیجئے کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ حرکت قلب بند ہوئے بغیر موت آ جائے حرکت قلب بند ہونے ہی کا نام موت ہے چاہے کوئی مرض ہو یا نہ ہو کتنے مریض ہیں جو ڈاکٹروں کو حیرت زدہ کئے ہوئے ہیں کہ ڈاکٹر کے علم ناقص کے مطابق انہیں مر جانا چاہئے تھا اور وہ زندہ ہیں اور کتنے صحت مند ہیں جو چل دیتے ہیں اور ہمیں حیرت زدہ کر جاتے ہیں اور ہم یہی کہتے رہتے ہیں کہ یہ شخص کیسے مر گیا جب کہ حقیقت یہ ہے کہ جو پیدا کرنے والا ہے وہی مارنے والا ہے جب تک اس کا حکم نہ ہو کوئی کسی کو نہ تو مار سکتا ہے اور نہ ہی ایک لمحہ کا بھی کسی کی عمر میں اضافہ کر سکتا ہے۔

بہر حال عقائد دینی امور سے متعلق ہوں یا دنیوی امور سے سب کا سرچشمہ قرآن و حدیث میں ہے۔ جس کے لئے ضروری ہے کہ یا تو اتنی صلاحیت و استعداد پیدا کی جائے کہ آپ خود قرآن و حدیث اور ان سے متعلق کتابوں سے استفادہ کر سکیں ورنہ آسان طریقہ وہی ہے جو قرآن کریم نے ہمیں بتایا کہ ”فَاسْئَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ“ علماء سے سیکھو اگر تم نہیں جانتے علماء کی صحبت اختیار کیجئے، ان سے سوالات کیجئے ان کی تقاریر سنئے آپ خود ساختہ عقائد سے محفوظ ہو جائیں گے صراطِ مستقیم نصیب ہو جائے گی اور بہت سے فتنوں سے نجات مل جائے گی، اللہ توفیق دے۔

یہ گفتگو اگرچہ موضوع سے ہٹ کر تھی لیکن نہایت اہم تھی۔ اب ہم تسبیح سے متعلق بقیہ گفتگو کرتے ہیں۔

### تسبیح ذریعہ نجات ہے

رب کریم کی تسبیح اور پاکی بیان کرنا، آفات و بلیات، رنج و غم اور حزن و ملال سے نجات کا ذریعہ ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم سے واضح ہے۔ اللہ رب العزت جل مجدہ نے اپنے نبی حضرت یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک عجیب و غریب واقعہ بیان فرمایا ہے جو سورہ یونس، سورہ انبیاء، سورہ صافات اور سورہ نون میں موجود ہے۔ ہمارے موضوع سے متعلق اس واقعہ کا اتنا حصہ ہے کہ جب حضرت یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مچھلی کے پیٹ کے اندھیرے میں اپنے رب کریم کو اس طرح پکارا کہ:

لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ ﴿٨٧﴾ (انبیاء: ۸۷)

(اے اللہ) کوئی معبود نہیں تیرے سوا پاک ہے تو بیشک میں ہی تصور واروں میں سے ہوں۔

ان کے اس طرح دعا کرنے اور پکارنے پر اللہ نے ان کو نجات عطا فرمائی۔ ارشاد ہوتا ہے:

فَأَسْتَجِبْنَا لَهُ وَنَجَّيْنَاهُ مِنَ الْغَمِّ ﴿٨٨﴾ (انبیاء: ۸۸)

پس ہم نے ان کی فریاد سن لی اور ان کو غم سے نجات عطا فرمادی۔

اللہ نے اپنے نبی کا غم دور کر دیا، مچھلی اللہ کے حکم سے پانی سے باہر آئی اور انہیں پیٹ سے اُگل کر چلی گئی۔ حضرت یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نجات کی وجہ صرف ان کی دعا نہ تھی بلکہ دعا کا خاص انداز تھا جسے قرآن کریم نے بیان فرمایا:

فَلَوْلَا أَنَّهُ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِينَ ﴿٨٩﴾ لَكُنْتَ فِي بَطْنِهِ إِلَى يَوْمِ يُبْعَثُونَ ﴿٩٠﴾

(صُفَّت: ۱۲۳، ۱۲۴)

پس اگر وہ اللہ کی پاکی بیان کرنے والوں میں سے نہ ہوتے تو پڑے رہتے مچھلی کے پیٹ میں قیامت کے دن تک۔

ان کی نجات کا سبب ان کی تسبیح ہوئی کہ انہوں نے سبحانک کہہ کر اللہ کی پاکی بیان کی اگر وہ یہ انداز دعا اختیار نہ فرماتے تو قیامت تک مچھلی کا پیٹ ان کے لئے قید خانہ بنا رہتا اور وہ اسی میں رہتے۔

سورۃ انبیاء میں اس واقعہ کے اختتام پر یہ اعلان بھی کر دیا گیا کہ:

وَكَذَلِكَ نُنْجِي الْمُؤْمِنِينَ

اور اسی طرح ہم ایمان والوں کو نجات عطا فرماتے ہیں۔

یعنی وعدۃ الہی ہے کہ جب بھی کوئی مؤمن بندہ، مصائب و آلام کے بھنور میں پھنس کر خلوص اور پورے یقین و اعتماد کے ساتھ حضرت یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرح ہماری تسبیح و پاکی بیان کرنے لگے گا ہم اس سے نجات کا وعدہ فرماتے ہیں۔ حزن و ملال سے آزادی کا وعدہ فرماتے ہیں میرے آقا ﷺ نے اسی وعدۃ الہی کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا۔ راوی ہیں حضرت سعد رضی اللہ عنہ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ حضرت یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بطن حوت، مچھلی کے پیٹ میں دعا مانگی تھی ”لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ“ آپ ﷺ نے فرمایا:

لَمْ يَدْعُ بِهَا رَجُلٌ مُسْلِمٌ فِي شَيْءٍ إِلَّا اسْتَجَابَ لَهُ.

جو مسلمان کسی مقصد کے لئے یہ دعا پڑھے اللہ اس کا مقصد پورا کرتا ہے۔

قرآن و حدیث سے معلوم ہوا کہ آیہ کریمہ ”لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ“ تسبیح کے لئے ایک مؤثر آیت ہے جس کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مچھلی کے پیٹ سے آزاد کیا اور اس آیہ مبارکہ کو قرآن کریم میں ہمیشہ کے لئے محفوظ فرما کر اعلان کر دیا کہ جو مؤمن بھی اس طرح تسبیح کرے گا ہم اسے رنج و

الم سے نجات عطا فرمائیں گے اور میرے آقا ﷺ نے اس کی وضاحت فرمادی۔ اسی لئے آئیہ کریمہ کا ختم معروف ہے کہ جب بھی کوئی انفرادی یا اجتماعی مصیبت آتی ہے تو گھروں میں یا مسجدوں میں مسلمان جمع ہو کر سوالا کھ مرتبہ اس مبارکہ آیت کو پڑھتے ہیں اور تجربہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کے مطابق اپنے فضل و کرم سے اس مصیبت کو دور فرما دیتا ہے۔

بہر حال اس واقعہ سے یہ ثابت ہو گیا کہ اللہ کی تسبیح، رنج و الم اور آفات و بلیات سے نجات کا یقینی ذریعہ ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی رنج و غم کے مواقع پر متعدد بار تسبیح کرنے کا حکم دیا۔ چند آیات ملاحظہ ہوں:

وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّكَ يَضِيقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُولُونَ ۖ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِنَ السَّاجِدِينَ ۝

(حجر: ۹۷، ۹۸)

اور ہم خوب جانتے ہیں کہ آپ کا دل تنگ ہوتا ہے ان باتوں سے جو وہ کیا کرتے ہیں پس آپ پاکی بیان کیجئے اپنے رب کی تعریف کے ساتھ اور ہو جائیے سجدہ کرنے والوں میں سے۔

فَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا يَقُولُونَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوبِ ۚ وَمِنَ اللَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَأَدْبَارَ السُّجُودِ ۝

(حق: ۳۹، ۴۰)

آپ صبر فرمائیے ان کی (دل دکھانے والی) باتوں پر اور پاکی بیان کیجئے اپنے رب کی حمد کے ساتھ طلوع آفتاب سے پہلے اور غروب آفتاب سے پہلے اور رات کے وقت بھی اس کی پاکی بیان کیجئے اور نمازوں کے بعد بھی۔

میرے آقا ﷺ کبھی کسی دنیاوی پریشانی یا تکلیف سے نہ تو غمزدہ ہوتے تھے اور نہ ہی متفکر ہمیشہ آپ کے تفکر، تنگی اور حزن و ملال کا باعث کفار و مشرکین اور منکرین کی وہ باتیں ہوا کرتی تھیں جو وہ اسلام کے خلاف کیا کرتے تھے یا وہ گستاخیاں ہوتی تھیں جو وہ اللہ رب العزۃ کی شان میں کرتے تھے۔ اللہ کو اپنے محبوب کا یہ حزن و ملال گوارا نہ ہوتا تھا لہذا جب بھی ایسا ہوتا اور نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر غم کی کیفیت زیادہ ہوتی تو آپ کی دلجوئی کے لئے وحی نازل ہوتی اور آپ کا رب آپ کو مختلف انداز سے مطمئن کرتا کہ آپ کی مسرت و طمانیت ہی رب رحیم و کریم کو پسند ہے۔ آیات بالا ایسے ہی مواقع پر نازل ہوئیں اور آپ کو اطمینان دلاتے ہوئے فرمایا گیا۔ پیارے! آپ پریشان نہ ہوں، فکر نہ کریں، اٹھئے اپنے رب کی پاکی بیان کیجئے۔ آپ کی ساری کلفت و الجھن دور ہو جائے گی۔

نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہمیشہ اسی نسخہ الہیہ کو اپنا حدیث شریف میں ہے کہ جب بھی آپ ﷺ کو کوئی دشواری پیش آتی ”فزع الی الصلوٰۃ“ تو آپ نماز میں مصروف ہو جائے۔ سیرت مبارکہ کے واقعات شاہد ہیں مشکل اوقات میں ہمیشہ دعا و تسبیح کرتے اور سجدہ ریز ہو جایا کرتے تھے۔ غزوہ بدر کا وقت کتنا خوفناک تھا لیکن آپ اپنے عریش میں مصروف تسبیح و عبادت تھے۔ غزوہ احد، غزوہ خندق، غزوہ خیبر دیگر غزوات اور دیگر ہولناک مواقع پر آپ کی تسبیح و دعا اور

عبادات کے واقعات سیرت مقدسہ کی کتابوں میں محفوظ ہیں۔ یہی حال صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اولیاء و صالحین کا رہا کہ انہوں نے ہر آڑے وقت اللہ کی تسبیح و تحمید کا سہارا لیا جو ایک مستحکم و کامیاب ترین سہارا ہے لیکن ہمارا حال بالکل اس کے برعکس یہ ہے کہ اگر ہمیں کوئی جسمانی تکلیف، قانونی یا غیر قانونی الجھن یا معاشی و معاشرتی پریشانی لاحق ہوتی ہے یا کوئی بھی افتاد آ پڑتی ہے تو اس سے نجات کے لئے ہم لاکھوں جتن کر ڈالتے ہیں۔ دنیا بھر کے وسائل و اسباب کا سہارا تلاش کرتے ہیں لیکن اللہ کو یاد کرنے اس کے دربار میں سجدہ کرنے اس سے بھیک مانگنے کا خیال تک نہیں آتا کیونکہ ہماری عبادات اور دیگر مذہبی اعمال کی حیثیت رسمی ہو کر رہ گئی ہے۔ ان کے اثرات پر ہمارا یقین و اعتماد نہ رہا العیاذ باللہ جبکہ شرعی حقیقت بھی یہی ہے اور عقل کا فیصلہ بھی یہی ہے کہ آرام و راحت اور مصیبت و آفت سب اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ پس ہونا یہ چاہئے کہ آرام و سکون کے ایام میں اللہ کو یاد کر کے ہم اس کی نعمتوں کا شکر ادا کریں تو وہ ہم سے خوش ہو کر ہم پر اپنے انعامات کی مزید بارش برسائے اور مصائب و آلام کے وقت بھی اسی سے بھیک مانگیں اور سوچیں کہ جس کی طرف سے یہ مصیبت آئی ہے وہی دور بھی کرے گا کوئی دوسرا آخر کیوں ہماری مدد کرے گا جبکہ وہ خود بھی لاچار و مجبور ہے۔ پس وہ ہمارا دل تو بہلا سکتا ہے لیکن مدد نہیں کر سکتا مدد تو وہی کرے گا جس کے قبضہ قدرت میں ہر چیز ہے اور جس کی شان ہے ”يَفْعَلُ اللَّهُ مَا يَشَاءُ“ اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے یہ تو رب کا کرم ہے کہ اس نے انسانی فطرت کی تسلی کے لئے مادی و ظاہری اسباب و وسائل کا سہارا لینے کی اجازت عطا فرمائی صرف اس لئے کہ نظام عالم کا عمل جاری ہو سکے کہ اگر ایسا نہ ہوتا تو باہمی احتیاج و ضروریات ختم ہو جائیں اور نظام عالم منجمد ہو کر رہ جاتا۔ پس تقاضائے فطرت یہ ہے کہ مادی وسائل کا سہارا لیا جائے تو شریعتِ مطہرہ نے اس کی اجازت دی اور تقاضائے ایمان یہ ہے مؤثر حقیقی صرف اور صرف اللہ وحدہ لا شریک کو یقین کیا جائے لہذا قرآن کریم ہر حال میں بالخصوص مصائب و آلام، رنج و غم کے حالات میں رب کی طرف رجوع کرنے اور اس کی پاکی بیان کرنے کا مطالبہ کرتا ہے۔

(واقعہ: ۷۴)

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ ۝

پس تسبیح کرو اپنے رب عظیم کے نام کی۔

حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ نے مژدہ سنایا کہ جلد ہی تمہیں ہماری تائید و نصرت حاصل ہوگی اور ہمارے فضل و کرم سے فتح و کامرانی تمہاری قدم بوس ہوگی تم اپنی آنکھوں سے وہ وقت سعید دیکھو گے جب آج کے دشمن اسلام پر پروانوں کی طرح ٹار ہوں گے اور چار داغ عالم سے گروہ کے گروہ حلقہ بگوش اسلام ہوں گے بلاشبہ یہ وقت تمہارے لئے بڑی مسرت و خوشی کا ہوگا یہ وقت آنے سے قبل ہی ہم تمہیں بتائے دیتے ہیں کہ اس وقت ہم کیا پسند کریں گے ہمارے ان انعامات پر آپ کو کس طرح ہمارا شکر گزار ہونا ہوگا۔ فرمایا گیا:

(نصر: ۳)

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ۚ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا ۝

پس آپ اپنے رب کی حمد کرتے ہوئے اس کی پاکی بیان کیجئے اور (امت کے لئے) اس سے مغفرت طلب کیجئے بیشک وہ بہت توبہ قبول کرنے والا ہے۔

اپنے پیارے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ نے بطور شکر، تسبیح و استغفار کا حکم دے کر قیامت تک کے لئے اہل ایمان کو یہ بتا دیا کہ تمہاری طرف سے ہمارے لئے یہی ہدیہ ہے جو ہم پسند فرماتے ہیں تم اس کو ہمارے شکر کا وسیلہ بناؤ تو ہم تمہیں اپنی نعمتوں سے مزید نوازتے رہیں گے۔

غرضیکہ تسبیح، ذکر الہی کا اعلیٰ ترین طریقہ ہے جو اللہ کو محبوب و پسند ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نماز جیسی عظیم عبادت میں ہمیں بار بار تسبیح کا حکم دیا گیا ہے کہ ”سُبْحَنَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ“ سے نماز کا آغاز ہوتا ہے پھر رکوع میں ”سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ“ کہا جاتا ہے اور غور فرمائے کہ نماز کا افضل ترین رکن سجدہ ہے جو تقرب الہی کا یقینی ذریعہ ہے اس میں بھی بندے کو عجز و انکساری کے اظہار اور بندگی کے اعتراف کے لئے تسبیح ہی کا حکم دیا گیا ”سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَى“۔

صبح کے وقت تسبیح

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد نہایت ہی قابل غور ہے۔ راوی ہیں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بتایا کہ:

مَا مِنْ صَبَاحٍ يُصْبِحُ الْعِبَادُ فِيهِ إِلَّا مُنَادِيًا يُنَادِي فِيهِ سَبِّحُوا الْمَلِكَ الْقُدُّوسَ۔

ہر صبح (اللہ کی طرف سے) ایک پکارنے والا پکارتا ہے (اے بندو) پاک بادشاہ کی تسبیح پڑھو۔ (ترمذی)

اللہ کی تسبیح و پاکی کے لئے صبح کا وقت نہایت ہی خاص وقت ہے کہ اللہ کی ساری مخلوق خصوصی طور پر اسی وقت تسبیح کرتی ہے وہ تسبیح کرتے ہیں جن کی آوازیں ہم نہیں سن پاتے اور وہ بھی جن کی آوازیں ہم سنتے تو ہیں لیکن سمجھ نہیں پاتے یہ علی الصبح سورج طلوع ہونے سے قبل ہم چیزوں کا چھہانا اور دوسرے جانوروں کی جو بولیاں سنتے ہیں کیا ہے اللہ کی تسبیح ہی تو ہے کوئی جانور ایسا نہیں جو صبح کو نہ بولتا ہو کچھ جانور ایسے ہیں جو سارا دن نہیں بولتے لیکن وہ بھی صبح کے وقت ضرور بولتے ہیں۔

انسان اشرف المخلوقات ہے اللہ چاہتا ہے کہ وہ اس کی پاکی بیان کرنے سے کسی لمحہ غافل نہ ہو خاص طور پر اس وقت جبکہ ساری مخلوق پاکی بیان کر رہی ہو لیکن یہ انسان بڑا ہی غافل ہے پڑا سوتا رہتا ہے اللہ نے اس پر خصوصی کرم فرمایا کہ مقرر صادق ﷺ کے ارشاد کے مطابق ایک فرشتہ مقرر کر دیا گیا ہے جو پکار پکار کر کہتا ہے کہ اے اللہ کے بندو! اٹھو، صبح ہو گئی رب کی تسبیح کا وقت ہو گیا اس کی تسبیح کردہ وہ جو ایمان ہی نہیں رکھتے اس پکار کو نہیں سنتے ان کا حال تو قرآن کریم نے نہایت وضاحت سے بتا ہی دیا ہے کہ:

وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ ۖ لَهُمْ قُلُوبٌ لَا يَفْقَهُونَ بِهَا ۚ وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَا يُبْصِرُونَ بِهَا ۚ وَلَهُمْ أُذُنٌ لَا يَسْمَعُونَ بِهَا ۚ أُولَٰئِكَ كَآلَٰ نُجَاعٍ ۖ بُلْهُمْ أَصْلٌ ۖ أُولَٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ ﴿١٧٩﴾

(اعراف: ۱۷۹)

اور بے شک ہم نے پیدا کئے جہنم کے لئے بہت سے جن اور انسان ان کے دل (تو) ہیں لیکن وہ سمجھتے نہیں ان سے ان کی آنکھیں (تو) ہیں لیکن وہ دیکھتے نہیں ان سے اور ان کے کان (تو) ہیں لیکن وہ سنتے

نہیں ان سے وہ جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ یہی لوگ تو غافل (و بے خبر) ہیں۔

پیغام حق سمجھنے اور سننے کے لئے جن کی قوتیں ہی ختم ہو گئی ہوں وہ اس فرشتہ کی آواز کیا سنیں گے وہ تو جانوروں کی طرح بلکہ ان سے بھی بدتر ہو گئے ہیں کہ جانور تو اپنے رب کو یاد کر لیتا ہے اور یہ ظالم تو رب کو پہچانتے تک نہیں ہیں۔ ظاہر ہے ایسے ہی لوگ تو غفلت کی نیند پڑے سو سکتے ہیں۔ اہل ایمان کا حال ایسا نہیں ہونا چاہئے اور نہیں ہو سکتا ان پر تو ہر لمحہ اللہ کا خوف طاری رہتا ہے وہ تو دن رات اللہ اور رسول کی رضا کے لئے قربانیاں دیتے رہتے ہیں۔ اپنا کاروبار چھوڑ چھوڑ کر اللہ کے دربار میں حاضری دیتے ہیں ہر کام کرنے سے پہلے اس کے جائز و ناجائز ہونے کا خیال کرتے ہیں۔ حلال و حرام میں امتیاز کرتے رہتے ہیں یہ اس وقت کیسے غافل پڑے سو سکتے ہیں جب ساری کائنات کی تسبیح کا وقت ہوتا ہے۔ گہری نیند کے باوجود یہ بے چین ہو کر اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور اپنے رب کی تسبیح و عبادت میں مصروف ہو جاتے ہیں یہ اپنے آقا ﷺ کے ارشاد پر اتنا یقین کامل رکھتے ہیں کہ بظاہر فرشتے کی آواز نہ سننے کے باوجود بھی ان کا حال ایسا ہوتا ہے جیسے انہیں کوئی پکار رہا ہے اور یہ اس کی پکار کے مطابق عمل کر رہے ہیں۔ اللہ کا کتنا کرم ہے ہم پر کہ اس نے ہمیں بیدار کرنے کے لئے اس عجیبی آواز کا انتظام فرمایا۔

صبح صادق سے طلوع آفتاب سے تک فجر کا وقت ہوتا ہے لیکن اس پورے وقت میں فجر کی ۲ سنتیں اور ۲ فرض پڑھے جاسکتے ہیں۔ ان کے علاوہ نوافل پڑھنا ممنوع ہیں اس لئے نہیں کہ ہم نزول رحمت کے اس وقت میں پڑے سوتے رہیں بلکہ اس لئے کہ ہم دوسرے طریقے سے اللہ کی تسبیح و تحمید کریں قرآن کریم کی تلاوت کریں دیگر اوراد و وظائف پڑھیں بالخصوص درج ذیل کلمات کا ورد اس وقت نہایت باعث برکت اور ذریعہ ثواب ہے۔

”سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوسِ يَا سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ سُبْحَانَ اللَّهِ الْعَظِيمِ“

یا ”سُبُّوحٌ قَدُّوسٌ رَبُّنَا وَرَبُّ الْمَلَائِكَةِ وَالرُّوحِ“

نیز جس قدر ممکن ہو درود شریف پڑھا جائے کہ سب سے اعلیٰ و افضل ذکر و تسبیح یہی ہے۔ نماز فجر کے بعد خصوصی طور پر سورہ یسین شریف کی تلاوت نہایت ہی باعث برکت ہے۔ اس سے سارا دن سرور حاصل رہتا ہے۔ کاموں میں سہولت و برکت ہوتی ہے، آفات و حادثات سے حفاظت کا ذریعہ ہے۔

دو کلمے

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ”سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ، سُبْحَانَ اللَّهِ الْعَظِيمِ“ کے متعلق خصوصی طور پر ارشاد

فرمایا۔ راوی ہیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

كَلِمَتَانِ خَفِيفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ ثَقِيلَتَانِ فِي الْمِيزَانِ حَبِيبَتَانِ إِلَى الرَّحْمَنِ

سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ سُبْحَانَ اللَّهِ الْعَظِيمِ۔

دو کلمے زبان پر ہلکے ہیں (بہت آسان ہیں) (قیامت کے دن) ترازو میں بھاری ہیں رحمن کے

(بخاری شریف)

پسندیدہ ہیں سبحان اللہ وبحمدہ، سبحان اللہ العظیم۔



حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پوچھا گیا کہ کونسا کلام افضل ہے۔

آپ ﷺ نے بتایا:

مَا اصْطَفَى اللَّهُ لِمَلَائِكَتِهِ سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ.

(مسلم)

جو اللہ نے اپنے فرشتوں کے لئے پسند فرمایا یعنی سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ.

فرشتے اللہ کے حکم سے یہی تسبیح کرتے ہیں پس اللہ کے رسول ﷺ نے ہمارے لئے بھی اسی کو پسند فرمایا اور

دوسرے کلمہ کے لئے بروایت حضرت جابر رضی اللہ عنہ آپ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ قَالَ سُبْحَانَ اللَّهِ الْعَظِيمِ وَبِحَمْدِهِ غُرِسَتْ لَهُ نَخْلَةٌ فِي الْجَنَّةِ.

جس نے سبحان اللہ العظیم و بحمدہ پڑھا اس کے لئے جنت میں کھجور کا درخت لگایا جائے گا۔

(ترمذی)

حدیث شریف میں تعداد کا تعین نہیں لہذا یہ یقین رکھنا چاہئے کہ اگر ہم ایک مرتبہ بھی یہ جملہ کہیں گے تو اللہ کے فضل و کرم سے جنت میں ہم ایک درخت کے مستحق ہوں گے وہ درخت بھی کھجور کا ہوگا کیونکہ نخلہ کھجور کے درخت کو ہی کہا جاتا ہے۔ کھجور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پسندیدہ غذا ہے لہذا جو غلام اپنے آقا ﷺ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے رب کی تسبیح کریں گے ان کے لئے محبوب کے پسندیدہ پھل کے درخت جنت میں لگائے جائیں گے۔

آقائے رحمت ﷺ نے ہمیں ایک آسان اور مختصر تسبیح عطا فرمائی اور بتایا کہ یہ مغفرت و بخشش کا ذریعہ ہے۔ راوی ہیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بتایا کہ جس نے ہر فرض نماز کے بعد تینتیس ۳۳ مرتبہ سُبْحَانَ اللَّهِ کہا، تینتیس ۳۳ مرتبہ الْحَمْدُ لِلَّهِ اور تینتیس ۳۳ مرتبہ اللَّهُ أَكْبَرُ کہا یہ ننانوے ہوئے اور ایک مرتبہ ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ“ کہہ کر سو پورے کر لئے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف کر دے گا۔ ”إِنْ كَانَتْ مِثْلَ زَبَدِ الْبَحْرِ“ چاہے سمندر کے جھاگ کے برابر کیوں نہ ہوں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی لاڈلی صاحبزادی، جنتی عورتوں کی سردار حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا نے اپنے شفیق ابا جان کے دربار میں حاضر ہو کر درخواست پیش کی کہ مجھے گھر کے کاموں میں تعاون کے لئے ایک باندی عطا فرمادی جائے کیونکہ میں بہت تھک جاتی ہوں۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا غلام و باندی تو جن کا حق تھا ان میں تقسیم کر دیئے گئے ہم تمہیں ایک ایسا عمل بتائے دیتے ہیں جس کو تم ہر فرض نماز کے بعد پڑھ لیا کرو اللہ تمہارے وقت میں برکت دے گا اور تکان دور ہوتی رہے گی۔ پس حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی لخت جگر کو یہی مندرجہ بالا تسبیح بتادی۔ آپ ہمیشہ اس کو پڑھا کرتی تھیں اسی لئے اسے تسبیح فاطمی بھی کہا جاتا ہے۔

بہر حال یہ ایک آسان ترین اور بہت مفید و مؤثر تسبیح ہے۔ بس اس کے لئے پابندی سے پنجگانہ نماز پڑھنا ضروری ہے۔ اللہ توفیق دے پابندی سے نماز پڑھئے، یہ تسبیح پڑھئے پھر دیکھئے کیسا سکون نصیب ہوتا ہے۔ کیسا اطمینان ملتا ہے اور کتنی

برکت حاصل ہوتی ہے۔

انگلیوں پر تسبیح

موقع کی مناسبت سے تسبیح شمار کرنے سے متعلق بھی ایک بات عرض کرتے چلیں اور وہ یہ کہ اگر کلمات تسبیح کی تعداد کم ہو مثلاً آپ کو کوئی کلمہ گیارہ مرتبہ اکیس یا اکتیس مرتبہ پڑھنا ہے تو اسے دانوں کی تسبیح پر نہیں بلکہ انگلیوں کے پوروں پر شمار کرنا چاہئے۔ اس سلسلہ میں میرے آقا ﷺ کی ایک حدیث ملاحظہ ہو۔ راویہ ہیں حضرت یسیرہ رضی اللہ عنہا جو ایک مہاجر خاتون تھیں۔ فرماتی ہیں کہ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عورتوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

عَلَيْكُنَّ بِالتَّسْبِيحِ وَالتَّهْلِيلِ وَالتَّقْدِيسِ وَاعْقَدْنَ بِالْأَنَامِلِ فَإِنَّهُنَّ مَسْنُوَلَاتٌ مُسْتَطَقَاتٌ وَلَا تَغْفَلْنَ فَتُنْسِينَ الرَّحْمَةَ.

(اے عورتوں) اللہ کی تسبیح و تہلیل اور پاکی لازم کر لو اور انگلیوں کے پوروں پر گنا کرو کیونکہ انگلیوں سے (قیامت کے دن) سوال کیا جائے گا انہیں بولنے کی قوت بخشی جائے گی اور (ذکر و تسبیح سے) کبھی غافل نہ ہونا کہ رحمت الہی سے بھلا دی جاؤ گی۔ (ابوداؤد)

کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ انگلیوں کو بھی قوت گویائی عطا فرمائے گا تو وہ ہماری تسبیح اور پاکی بیان کرنے کی گواہی دیں گی جیسے اور بہت سی چیزیں قیامت کے دن ہمارے اعمال کی گواہ بنیں گی مثلاً قرآن کریم، حجر اسود، زمین کا وہ حصہ جس پر ہم نے نماز پڑھی وغیرہ وغیرہ پس:

اے ایمان والو! یہ ساری کائنات اپنے خالق حقیقی وحدہ لا شریک کی تسبیح و پاکی بیان کرتی ہے۔ اللہ پسند فرماتا ہے کہ اس کے محبوب کے غلام بھی اس کی تسبیح کریں لہذا اس نے خصوصی طور پر تمہیں مخاطب کر کے صبح و شام تسبیح کا حکم دیا یا درکھو کہ تسبیح رنج و الم سے نجات کا ذریعہ ہے۔ تسبیح انعامات الہیہ پر شکر کا بہترین طریقہ ہے۔ تسبیح قرب الہی کا وسیلہ ہے اے اللہ تو ہی ہمیں توفیق عطا فرما کہ ہم تیری تسبیح و پاکی بیان کریں۔ ”وَلَا تَجْعَلْنَا مِنَ الْغَافِلِينَ“ اور ہمیں غافلوں میں سے نہ کرنا۔

سُبْحَنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ ﴿۱۸۰﴾

پاک ہے آپ کا رب جو مالک عزت ہے ان (بیہودہ باتوں سے) جو وہ کرتے ہیں۔

ذکر و تسبیح کا نتیجہ

اہل ایمان کو ذکر و تسبیح کا حکم دے کر بتایا گیا کہ اس حکم کی تعمیل کرنے والوں کا مرتبہ و مقام ہمارے دربار میں نہایت بلند ہو جاتا ہے وہ ہمارے محبوب و مقرب ہو جاتے انہیں دنیا و آخرت میں خصوصی نعمتوں سے نوازا جاتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

هُوَ الَّذِي يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَ مَلَائِكَتُهُ يُخْرِجُكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ إِلَى النُّوْرِ ۗ وَ كَانَ بِالْمُؤْمِنِينَ رَاحِمًا ﴿۲۲﴾ تَجِيئُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهُ سَلَامٌ ۚ وَ أَعَدَّ لَهُمْ أَجْرًا كَرِيمًا ﴿۲۳﴾

(الاحزاب: ۲۲-۲۳)

اللہ وہ ہے جو رحمت نازل فرماتا ہے تم پر اور اس کے فرشتے بھی تاکہ وہ نکال کر لے جائے تمہیں اندھیروں سے نور کی طرف اور وہ مؤمنوں پر ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے انہیں یہ دعا دی جائے گی جس روز وہ اپنے رب سے ملیں گے ہمیشہ سلامت رہو اور اس نے تیار کر رکھا ان کے لئے عزت والا اجر۔

حکم الہی کے مطابق جو بندے ذکر و تسبیح میں مصروف رہتے ہیں ان کا رب کریم ”يُصَلِّي“ ان پر صلوٰۃ بھیجتا ہے۔ لفظ ”صَلُوٰۃ“ کی نسبت جب اللہ کی طرف ہوتی ہے تو اس کے معنی تعریف کرنا اور رحمت نازل فرمانا ہوتے ہیں۔ پس اس ارشاد کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ اپنا ذکر کرنے والوں اور پاکی بیان کرنے والوں پر یہ خصوصی کرم فرماتا ہے کہ وہ بھی اپنے ملائکہ مقربین میں ان کا ذکر کرتا اور ان کی تعریف کرتا ہے۔ جیسا کہ آپ گزشتہ اوراق پر تفصیل سے پڑھ چکے ہیں۔ نیز اللہ ان کو اپنے سایہ رحمت میں لے لیتا ہے۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی کہ انہیں حَيٰوۃ طَيِّبَہ کی نعمت سے نوازا جاتا ہے انہیں ہر قسم کے خوف و حزن سے آزاد کر دیا جاتا ہے۔ اب وہ دنیا میں بھی اللہ کے مہمان ہوتے ہیں کہ جو مانگتے ہیں ملتا ہے اور جسے جو دلوانا چاہتے ہیں دیا جاتا ہے۔ ان کے اشاروں سے تقدیریں بدل جاتی ہیں۔

اور اللہ کی نورانی مخلوق فرشتوں کے نزدیک بھی وہ معزز اور مخصوص ہو جاتے ہیں لہذا وہ بھی ان پر ”صَلُوٰۃ“ بھیجتے رہتے ہیں جب اس لفظ ”صَلُوٰۃ“ کی نسبت ملائکہ کی طرف ہو تو اس کے معنی دعا و استغفار کے ہوتے ہیں یعنی ان ذاکرین و مستجبین کے لئے فرشتہ بھی اللہ کے دربار میں مغفرت کی دعا اور بلندی مراتب کی سفارش کرتے رہتے ہیں۔ سورۃ المؤمن کی وہ آیات ہم نقل کر چکے ہیں جن میں اہل ایمان کے لئے فرشتوں کے استغفار اور دعا کا ذکر ہے۔ اس موقع پر اس آیہ مبارکہ کو دوبارہ پڑھ لیجئے۔

نیز ذکر و تسبیح کا اہل ایمان کو اس لئے حکم دیا گیا کہ اللہ کریم اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے غلاموں کو ہر قسم کی تاریکی سے نجات عطا فرما کر ایسا نور بخشنا چاہتا ہے جس سے ان کا قلب چمک اٹھے اور ان کی نظروں اور کائنات کی کسی چیز کے درمیان کوئی حجاب حائل نہیں رہتا۔ اسی خصوصی کرم کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا:

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ (بقرہ: ۲۵۷)

اللہ ایمان والوں کا مددگار ہے نکال لیتا ہے انہیں اندھیروں سے نور کی طرف۔

اللہ ایمان والوں کا ولی یعنی ناصر و مددگار ہو جاتا ہے یہ وہی ایمان والے ہیں جو ہر حال میں اللہ کو یاد کرتے ہیں اور اس کی پاکی بیان کرتے رہتے ہیں پس اللہ ہر حال میں ان کا مددگار ہو جاتا ہے حتیٰ کہ انہیں تاریکیوں سے نور کی طرف نکال لیتا ہے۔ ”ظَلَمْتُ“ جمع ہے یعنی اللہ اپنے ان بندوں کو کسی ایک تاریکی سے نہیں بلکہ ہر قسم کی تاریکیوں سے نجات عطا فرما دیتا ہے خواہ یہ ظاہر کی تاریکی ہو یا باطن کی۔ بد عملی ایک تاریکی ہے۔ اللہ انہیں اس سے نجات عطا فرما دیتا کہ وہ ہر قسم کی برائی اور بدکاری سے محفوظ ہو جاتے ہیں۔ جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں کہ مؤمن جب اللہ کو یاد کرتا ہے تو اس کے قلب پر چمنا شیطان بھاگ جاتا ہے اور قلب شیطانی و موسوس سے محفوظ ہو جاتا ہے اب اگر نفس امارہ اسے کسی گناہ کی طرف مائل کرتا بھی ہے تو نفس

لوامہ اسے بچا لیتا ہے غرضیکہ اللہ کا یہ محبوب بندہ گناہوں سے ہمیشہ کے لئے محفوظ رہتا ہے۔ اسی طرح بد عقیدگی ایک تاریکی ہے جب مؤمن اللہ کو یاد کرتا ہے تو وہ ہر قسم کی بد عقیدگی سے بھی محفوظ ہو جاتا ہے کہ اس میں اللہ کے عطا کردہ نور سے یہ صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ خود قرآن و حدیث پر غور کر کے یا اہل علم کے تعاون سے باطل عقیدوں کو مسترد کر دیتا ہے اور عقائد حقہ اختیار کر لیتا ہے اسی لئے نہ تو کوئی بد عمل و بد کردار شخص اللہ کا ولی ہو سکتا ہے اور نہ ہی کوئی بد عقیدہ۔

تاریکیوں سے نور کی طرف اللہ اپنے بندوں کو نکالتا ہے جو بلاشبہ اللہ کا بندوں پر بڑا انعام ہے لیکن جس طرح دیگر انعامات سے اس نے اپنے بندوں کو بوسیلہ نبی نواز اہل ایمان کو نصیب ہوتی ہے جو نور الہی یعنی نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دامن سے وابستہ ہو کر ساری زندگی ان کے غلام رہتے ہیں اسی لئے آپ کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہوا:

رَسُولًا يَتْلُو عَلَيْكُمْ آيَاتِ اللَّهِ مُبَيِّنَاتٍ لِّيُخْرِجَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ  
(الطلاق: ۱۱)

(اللہ نے بھیجا) ایک ایسا رسول جو تمہیں اللہ کی روشن آیتیں پڑھ کر سناتا ہے تاکہ وہ نکال لے انہیں جو ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے اندھیروں سے نور کی طرف۔

انہی اہل ایمان کو نور نصیب ہوتا ہے جو نبی کا کلمہ پڑھ کر نبی کے غلام بنے رہیں جو نبی کے دامن سے وابستہ ہو کر نبی کی اتباع و پیروی کرتے رہیں اور ان سے برابری کا نہیں بلکہ غلامی کا رشتہ جوڑے رہیں۔ دیکھ لیجئے صحابہ کرام کو کیسا نور نصیب ہوا کہ تمام کائنات ان پر روشن ہو گئی۔ علم و عمل کے دروازے ان کے لئے وا ہوئے، فتح و کامرانی ان کی قدم بوس ہوئی، رزق کی فراخی و کشادگی نصیب ہوئی، قیامت تک آنے والے اہل ایمان کے مرکز عقیدت و محبت ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ انہیں ”رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوا عَنْهُ“ کا مژدہ سنایا گیا۔ کوئی بتائے انہیں کیا نہ ملا؟ اور وہ جنہیں عرف عام میں اولیاء، صالحین کہا جاتا ہے بتائیے ان کے پاس کیا نہ تھا وہ دنیا سے چلے گئے لیکن آج تک امت مسلمہ کی عقیدت و محبت کا مرکز ہیں۔ ان کی زندگی کے حالات سے ہم آج رہبری اور راہنمائی حاصل کرتے ہیں ان کے علمی خزانوں سے آج تک استفادہ کیا جاتا ہے ان کے روحانی، فیوض و برکات سے آج ہم اپنی جھولیاں بھر رہے ہیں ان سے نسبت و تعلق ہمارے لئے ایک بڑا اعزاز ہے وہ ضرورت مندوں کے حاجت روا اور غرباء مساکین کی آماجگاہ ہیں۔ یہی نور ہے جو بوسیلہ ”نُورٌ مِّنْ نُورِ اللَّهِ“ نصیب ہوتا ہے اور یہی ”لِيُخْرِجَكُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ“ کی تفسیر و تشریح ہے۔ بلاشبہ جس رب کریم نے اہل ایمان کو اتنے عظیم انعام سے نوازا اس کی شان ”وَ كَانَ بِالْمُؤْمِنِينَ رَحيماً“ ہی ہے۔

تحفہ آخرت

نَحْيِيْتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهُ سَلَامٌ ۚ وَاعْدَلْتُهُمْ أَجْرًا كَرِيْمًا ۝ یہ ہے تحفہ آخرت ان خوش نصیبوں کے لئے جو ساری زندگی اللہ کا ذکر کرتے رہے۔ اس کی پاکی بیان کرتے رہے جن کی زندگی سے ہر قسم کی تاریکیاں دور ہو گئیں۔ یہ لوگ جب رب

سے ملیں گے تو رحیم و کریم رب خود ان سے فرمائے گا ”السلام علیکم“ تم پر سلامتی ہو۔ تمہیں یہ مقام و اعزاز مبارک ہو۔  
یہ تحفہ کب دیا جائے گا یا تو دنیا ہی میں جب ملک الموت روح قبض کر رہے ہوں گے تو پہلے انہیں یہ مشورہ دیں گے کہ تمہارا رب تمہیں سلام کہتا ہے۔ اب اس کے فراق کے دن ختم ہوئے اور وصل کا وقت آ گیا ہے۔ اللہ کا نیک بندہ اپنے رب کا سلام سن کر مست ہو جاتا ہے اور ملک الموت اس کی روح قبض کر لیتا ہے اسی لئے صالحین کے یوم وصال کو عرس یعنی خوشی کا دن کہا جاتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ملک الموت جب کسی مؤمن کی روح قبض کرنے آتا ہے تو پہلے اسے پیام پہنچاتا ہے کہ تیرے رب نے تجھے سلام کہا ہے اور یہ تحفہ قیامت ہی کے دن دیا جائے گا اس وقت جب اہل ایمان کو دیدار الہی نصیب ہوگا مسرت و خوشی کے اس منظر ہی کو بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا:

دَعُوهُمْ فِيهَا سُبْحَنَكَ اللَّهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمْ فِيهَا سَلَامٌ ۖ وَآخِرُ دَعْوَاهُمْ أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝

(یونس: ۱۰)

(جنت میں داخل ہوتے ہوئے) ان کی صدا ہوگی پاک ہے تو اے اللہ اور ان کی دعا یہ ہوگی کہ سلامتی ہو اور ان کی آخری پکار یہ ہوگی کہ تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو مرتبہ کمال تک پہنچانے والا ہے۔  
جب اہل ایمان انشاء اللہ ہم سب جنت میں داخل ہوں گے تو اس کا حسن و جمال اور اس کی لازوال نعمتیں دیکھتے ہی زبان پر سبحان اللہ آئے گا کیونکہ دنیا میں اس تسبیح کی عادت ہو چکی تھی یہاں کی فانی و عارضی چیزوں کو دیکھ کر ہم سبحان اللہ کہتے رہے تو وہاں کیوں نہ کہیں گے۔ دخول جنت کے بعد ”پہلا تحفہ“ رب کریم کی طرف سے ”سلام“ کا ملے گا۔ ان تمام نعمتوں اور تحفہ الہیہ پر شکر ادا کرتے ہوئے ہماری زبانوں پر وہی الفاظ شکر جاری ہوں گے جن سے ہم یہاں اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں، ”الحمد لله رب العالمين“ اور اب ہر طرف سے اللہ کے فرشتے جنتیوں پر سلام کے پھول نچھاور کرتے آئیں گے قرآن کریم بتایا ہے:

جَنَّتْ عَدْنٌ يَدْخُلُونَهَا وَمَنْ صَلَحَ مِنْ آبَائِهِمْ وَأَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيَّاتِهِمْ وَالْمَلَائِكَةُ

يَدْخُلُونَ عَلَيْهِمْ مِنْ كُلِّ بَابٍ ۖ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ۝

(الرعد: ۲۳، ۲۴)

سدا بہار باغات جن میں وہ داخل ہوں گے اور جو نیک ہوں گے ان کے باپ دادوں اور ان کی بیویوں اور ان کی اولاد میں سے اور فرشتے داخل ہوں گے ان پر (جنت کے) ہر دروازے سے (کہتے ہوئے) سلامتی ہو تم پر جو تم نے صبر کیا پس کیا عمدہ ہے یہ آخرت کا گھر۔

جنت کا دخول اہل ایمان کی اعلیٰ ترین کامیابی ہے جس کے بعد کسی منزل کا حصول باقی نہ رہا اب کوئی مرحلہ یا کوئی منزل نہیں جس تک پہنچنے کے لئے محنت و مشقت کرنا ہو پس اس کامیابی پر مالک حقیقی بھی خوش ہو کر اپنے بندوں کو بطور مبارکباد، سلام کرتا ہے اور اس کی نورانی مخلوق، ملائکہ بھی ہر طرف سے سلام کے تحفے پیش کرتے ہیں۔

بہر حال ذکر و تسبیح میں جو مشغول رہتے ہیں انہیں ایک مژدہ تو یہ ہے کہ قیامت کے دن تم پر تمہارا رب اور ملائکہ سلام بھیجیں گے اور دوسرا مژدہ یہ ہے کہ ”وَأَعَدَّ لَهُمْ أَجْرًا كَرِيمًا“ اللہ نے ان کے لئے بڑے ہی اعزاز والا اجر تیار کر رکھا ہے یہی اجر کریم ہے جسے کبھی اجر کبیرا، عظیم تو کبھی اجر غیر ممنون فرمایا گیا اور اسی اجر کے متعلق ارشاد ہوا:

وَلَا جُزْءُ الْآخِرَةِ أَكْبَرُ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴿۴۱﴾

(نحل: ۴۱)

اور آخرت کا اجر تو بہت بڑا ہے کاش وہ جان لیتے۔

یہ اجر کسی اندازے اور حساب سے نہیں بلکہ بے حساب و بے انتہا دیا جائے گا۔ فرمایا گیا:

إِنَّمَا يُوفَى الصَّابِرُونَ أَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۴۲﴾

(الزمر: ۴۰)

بیشک صبر کرنے والوں کو ان کا اجر بے حساب دیا جائے گا۔

اسی آیہ مبارکہ کی تفصیل بیان کرتے ہوئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اس حدیث مبارکہ کو حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ نے بیان کیا۔ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے جد کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو فرماتے سنا اے حسین!

إِنَّ الْفَرَائِضَ تَكُنْ أَعْبَدَ النَّاسِ وَعَلَيْكَ بِالْقُنُوعِ تَكُنْ مِنْ أَغْنَى النَّاسِ يَا بُنَيَّ

إِنَّ فِي الْجَنَّةِ شَجَرَةً يُقَالُ لَهَا شَجَرَةُ الْبَلْوَى يُؤْتَى بِأَهْلِ الْبَلَاءِ فَلَا يُنْصَبُ

لَهُمْ مِيزَانٌ وَلَا يُنْشَرُ لَهُمْ دِيْوَانٌ يُصَبُّ عَلَيْهِمُ الْآجُرُ صَبًّا.

فرائض ادا کیا کرو سب سے زیادہ عبادت کرنے والوں میں ہو جاؤ گے قناعت اختیار کرو تم سب سے

زیادہ غنی ہو جاؤ گے اے بیٹے! جنت میں ایک درخت ہے جسے شجرۃ البلوی (تکلیف کا درخت)

کہتے ہیں مصیبت زدہ لوگوں کو یہاں لایا جائے گا ان کے لئے نہ ترازو رکھی جائے گی اور نہ ہی ان کا

دفتر عمل کھولا جائے گا (بغیر حساب و کتاب) موسلا دھار بارش کی طرح ان کا اجر ان پر برے گا۔

پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آیہ مبارکہ ”إِنَّمَا يُوفَى الصَّابِرُونَ أَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ وَأَعَدَّ لَهُمْ أَجْرًا

كَرِيمًا“ تلاوت فرمائی۔ میرے آقا ﷺ بلاشبہ مالک جنت ہیں جب چاہا آپ نے اس کو دیکھا بالخصوص سفر معراج کے

دوران آپ نے اپنے غلاموں کے ابدی ٹھکانہ کا تفصیلی دورہ فرمایا۔ وقفہ وقفہ آپ نے اس کی نعمتوں کی تفصیل فرمائی اور اجمالی

طور پر آپ نے ایک حدیث قدسی بیان فرمائی۔ جس کے راوی ہیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ

والسلام نے فرمایا:

قَالَ اللَّهُ تَعَالَى اَعْدَدْتُ لِعِبَادِيَ الصَّالِحِينَ مَا لَا عَيْنٌ رَأَتْ وَلَا أُذُنٌ سَمِعَتْ

وَلَا خَطَرَ عَلَى قَلْبِ بَشَرٍ.

اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے ایسی نعمتیں تیار کر رکھی ہیں جنہیں نہ کسی آنکھ نے

دیکھا اور نہ کسی کان نے سنا اور نہ ہی کسی انسان کے دل میں ان کا خیال آیا۔

پھر آپ نے فرمایا اگر تم چاہو تو یہ آیہ مبارکہ تلاوت کرلو ”فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُم مِّن قُرَّةِ أَعْيُنٍ ۚ جَزَاءُ مِّمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ“ (سجدہ: ۱۷) پس کوئی شخص نہیں جانتا جو (نعمتیں) چھپا کر رکھی گئی ہیں ان کے لئے (آخرت میں) جن سے آنکھیں ٹھنڈی ہوگی یہ بدلہ ہے ان (اعمالِ حسنہ) کا جو وہ کیا کرتے تھے۔ (مسلم و بخاری)

اے ایمان والو! اللہ کا خوب ذکر کرو ہر حال میں اس کی تسبیح بیان کرتے رہو کہ یہی اعمالِ حسنہ کا ذریعہ ہے جنتی بن جاؤ اور انتظار کرو اس دن کا جب تمہارا رب کریم تم سے خوش ہو کر تمہیں مبارکباد دے السلام علیکم کہے اور اس کے فرشتے تم پر سلام کے پھول برسائیں اور پھر اس اجرِ کریم پر سے پردہ اٹھا دیا جائے جسے نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا اور نہ ہی کسی دل میں اس کا خیال گزرا۔ اللہم اجعلنا من عبادک الصالحین، آمین، بجا رحمة للعلمین۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِهِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِهِ وَاَصْحَابِهِ اَجْمَعِیْنَ۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ



## مقالہ ۶۳

### الاحزاب: ۴۹

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ طَلَقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَكُونُوا فِيمَا  
لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عَدَّةٍ تَعْدُوْنَهَا فَمَسِعُوهُنَّ وَسَرَّحُوهُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا ۝

(الاحزاب: ۴۹)

اے ایمان والو! جب تم نکاح کرو مؤمن عورتوں سے پھر تم انہیں طلاق دے دو اس سے پہلے کہ تم انہیں  
ہاتھ لگاؤ پس تمہارے لئے ان پر عدت گزارنا ضروری نہیں جسے تم شمار کرو لہذا انہیں آئینہ مال دے دو اور  
انہیں رخصت کرو خوبصورتی (بھلائی سے)

آیہ مذکورہ میں خلوت صحیحہ سے قبل طلاق دینے سے متعلق شرعی حکم دیا جا رہا ہے اس موقع پر ہم طلاق اور اس سے  
متعلق ضروری شرعی احکام قدرے تفصیل سے بیان کر دینا چاہتے ہیں تاکہ بوقت ضرورت اس اہم عنوان پر بھی اس کتاب  
سے استفادہ کیا جاسکے۔



## اہم ترین رشتہ

اس میں کوئی شک نہیں کیا جاسکتا کہ نکاح کے دو بول، ایجاب و قبول سے ایسا مستحکم اور مضبوط رشتہ قائم ہو جاتا ہے کہ اس سے زیادہ اہم کوئی رشتہ نہیں۔ ماں، باپ، بہن، بھائی، چچا، چچی، خالہ، خالو اور دیگر تمام رشتے اسی ایک رشتہ کی شاخیں ہیں اور تمام رشتوں کا دار و مدار اسی ایک رشتہ پر ہے۔ اللہ رب العزت نے مرد اول حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور خاتون اول حضرت حوا علیہا السلام کی تخلیق کے بعد سب سے پہلے قیام جنت ہی کے دوران ان دونوں کو اسی رشتہ میں منسلک کیا تاکہ دوسرے رشتے قائم ہو سکیں، نسل انسانی جاری ہو سکے اور نظام دنیا چل سکے۔ قرآن کریم نے اس رشتہ کو لباس سے تعبیر فرمایا: ”هٰنَ لِبَاسٍ لَّكُمْ وَانْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ“ عورتیں تمہارا لباس ہیں اور تم ان کا لباس ہو کہ جس طرح لباس و جسم سے زیادہ قرب کسی اور چیز کا نہیں ہوتا اسی طرح شوہر و بیوی سے زیادہ قرب کسی اور رشتے کے درمیان نہیں ہو سکتا۔ میرے آقا ﷺ نے فرمایا راوی ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ”لَمْ تَرَ لِلْمُتَحَابِّينِ مِثْلَ النِّكَاحِ“ دو محبت کرنے والوں کے درمیان نکاح سے زیادہ محبت کا ذریعہ کوئی اور نہیں کہ نکاح ہوتے ہی غیر مرد، غیر عورت دونوں ایسے جڑ جاتے ہیں کہ اب ان کے لئے اس سے زیادہ اہم کوئی دوسرا رشتہ نہیں رہتا۔

اسلام یہ چاہتا ہے کہ یہ اہم رشتہ اب ساری زندگی قائم رہے کبھی منقطع نہ ہونے پائے۔ اسی لئے فرمایا گیا:

وَعَشْرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَى أَنْ تَكُونُوا شِيعًا وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا ①

(النساء: ۱۹)

اور اپنی بیویوں کے ساتھ عہدگی سے زندگی بسر کرو پس اگر تم انہیں ناپسند کرو تو (صبر کرو) شاید تم ناپسند کرو کسی چیز کو اور اللہ نے اسی میں تمہارے لئے بھلائی مقدر کر دی ہو۔

کیسے حکیمانہ انداز میں رشتہ ازدواج کو قائم و باقی رکھنے کا حکم دیا گیا۔ اولاً تو تاکید کی گئی کہ بیویوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو، محبت و خلوص کا برتاؤ کرو، ان کی خواہشات کو پامال نہ کرو، ان کی عزت نفس کو مجروح نہ کرو انہیں خادمہ اور باندی نہ سمجھو۔ اپنے گھر کی مالک، رونق اور اپنے بچوں کی ماں جانو جب تم اپنی بیوی کے ساتھ یہ برتاؤ کرو گے تو وہ تم سے والہانہ محبت کرے گی تمہارے لئے ہر قسم کی قربانی دینے پر آمادہ رہے گی اور اس کی بہت سی وہ عادتیں جو تمہیں ناگوار ہیں خود بخود ختم ہو جائیں گی وہ تمہاری رضا اور خوشنودی کا احساس کرنے لگے گی اور تم خود بھی تحمل اور درگزر کے عادی ہو جاؤ گے۔

پھر دعوتِ فکر دی گئی کہ سوچو اگر تم اس رشتہ کو صرف اس بنا پر ختم کر دینا چاہتے کہ تمہیں بیوی کی شکل و صورت پسند نہیں یا اس کی عادات پسند نہیں تو کیا تم اس حقیقت پر یقین نہیں رکھتے کہ اللہ اپنے کاموں اور فیصلوں کی حکمت کو خوب جانتا ہے۔ پس ہوتا ہے کہ تم جس عورت سے رشتہ منقطع کرنا چاہتے ہو اللہ نے اسی میں تمہارے لئے کوئی ایسی بھلائی رکھی ہو جسے تم نہیں جانتے مثلاً اسی ذریعہ اللہ تمہیں صالح اولاد عطا فرمانے والا ہو یا اسی کی وجہ سے تمہارے رزق میں برکت ہو نہ جانے اور کیا حکمتیں پوشیدہ ہوں جو اللہ نے اس عورت کو تم سے منسلک کیا ہے کہ جوڑا بنانے والا تو وہی ہے اس کا بنایا جوڑا نہ تو زور، پچھتاہٹا

پڑے گا۔ ایک حدیث بھی ملاحظہ فرمائیے۔ راوی ہیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

لَا يَفْرُكُ مُؤْمِنٌ مُؤْمِنَةً إِنْ كَرِهَ مِنْهَا خُلُقًا رَضِيَ مِنْهَا آخَرَ۔

کوئی مؤمن شوہر مؤمنہ بیوی سے نفرت نہ کرے اگر اس میں کوئی ناپسندیدہ عادت ہے تو کوئی پسندیدہ عادت بھی ہوگی۔

کتنا پیارا ارشاد ہے میرے پیارے آقا ﷺ کا سوچئے نہ تو کوئی مرد و عورت ایسا ہے جس میں کوئی عیب نہ ہو اور نہ ہی کوئی مرد و عورت ایسا ہے جس میں کوئی اچھائی نہ ہو۔ پس جس بیوی کو تم چھوڑنا چاہتے ہو اس میں اگر کوئی عیب ہے تو کوئی خوبی بھی ضروری ہوگی تمہیں چاہئے کہ اس کی خوبی کی قدر کرو، عیب سے درگزر کرو اور بطریقہ احسن اصلاح کی کوشش کرتے رہو۔ نیز کیا کوئی یقین کر سکتا ہے کہ وہ جس دوسری عورت سے نکاح کرے گا اس میں کوئی عیب نہ ہوگا ضرور ہوگا کہ بے عیب اللہ اور اس کے رسول کے سوا کوئی نہیں۔

اسی لئے شریعت مطہرہ نے مرد کو چار نکاح کرنے کی اجازت دی ہے کہ اگر موجودہ بیوی میں واقعی کوئی عیب ہے مثلاً اس کی صحت ٹھیک نہیں رہتی جس کی وجہ سے وہ حقوق زوجیت ادا کرنے کے لائق نہیں، اس کے اولاد نہیں ہوتی تو اسے چھوڑو نہیں۔ دوسرا نکاح کر لو بشرطیکہ معاشی طور پر تم کفیل بن سکو اور عدل و انصاف بھی کر سکو۔

بہر حال رشتہ ازدواجیت ایک اہم رشتہ ہے جس کا منقطع کر دینا ہرگز اللہ اور اس کے رسول کو پسند نہیں تاہم انسان کی فطرت مجموعہ ضدین ہے کہ وہ کبھی ایک چیز کو پسند کرتا ہے تو کبھی اسی چیز سے نفرت کرنے لگتا ہے اور شریعت مطہرہ نہ تو طبیعت پر جبر کرتی ہے اور نہ فطرت کو پامال کرتی ہے بلکہ فطری تقاضوں کی تکمیل اور طبعی میلان کی تسکین کے لئے اصولوں کا تعین کرتی ہے اور ان کی پابندی کا حکم دیتی ہے۔ جیسا کہ ہم گزشتہ اوراق میں بھی اسی عنوان پر جگہ جگہ گفتگو کر چکے ہیں پس اللہ نے صرف انسان کے فطری تقاضے کی تکمیل کے لئے جس طرح اس رشتہ کو جوڑنے کے لئے نکاح کا اصول عطا فرمایا اسی طرح بوقت اہم ضرورت اس کو توڑنے کے لئے بھی خلع اور طلاق کا اصول دیا۔

### خلع اور طلاق

خلع کے معنی ہیں کپڑے یا جوتے اتارنا۔ شریعت میں خلع یہ ہے کہ عورت کو مال کے عوض طلاق دی جائے چاہے شوہر کی طرف سے اس مال کا مطالبہ کیا جائے یعنی شوہر بیوی سے کہے کہ میں تمہیں طلاق دینے پر تیار ہوں لیکن تم مہر معاف کر دو یا اتنا مال مجھے دو یا بیوی پیشکش کرے کہ میں تمہیں اتنا مال دوں گی یا مہر معاف کرتی ہوں مجھے طلاق دے دو۔ دونوں صورتوں میں مرد کو لفظ خلع کے ساتھ طلاق دینا ہوگی یعنی معاملہ طے ہو جانے کے بعد شوہر بیوی سے کہے گا کہ میں نے اتنے مال کے عوض تجھ سے خلع کیا، بیوی کہے گی میں نے قبول کیا اس طرح طلاق بائن ہو جاتی ہے۔

طلاق کے معنی ہیں کھل جانا جبکہ نکاح کو عقد کہا جاتا ہے یعنی گرہ باندھنا، ایجاب و قبول کے ذریعہ جو گرہ بندھی تھی وہ طلاق سے کھل گئی اور مرد و عورت کا رشتہ ازدواج ختم ہو گیا اس لئے اسے عمل کو طلاق کہا جاتا ہے۔

خلع و طلاق دونوں ہی ایسی دھاردار تلوار ہیں جس سے وہ رشتہ جسے قرآن کریم نے لباس قرار دیا۔ آنا فنا منقطع ہو جاتا ہے اور وہ لباس جس کے ذریعہ مرد و عورت دونوں ہی کو سکون حاصل تھا دونوں کی عزت و آبرو محفوظ تھی۔ دونوں کے عیوب و نقائص ڈھکے ہوئے تھے۔ وہ لباس جس میں اس جوڑے سے پیدا ہونے والے بچوں کو پناہ حاصل تھی ذرا سی دیر میں تار تار ہو جاتا ہے اور دونوں ہی ایسے ننگے ہو جاتے ہیں کہ دونوں کی طرف ہر ایرے غیرے کی نظریں اٹھنے لگتی ہیں۔ اہل خانہ کی نظر میں اہل خاندان کی نظر میں معاشرے اور سوسائٹی کی نظر میں ان کی کوئی عزت نہیں رہتی یہ دونوں اپنا اپنا دوسرا گھر بسا بھی لیں تب بھی وہ سکون میسر نہیں آتا اور نہ وہ عزت نصیب ہو پاتی جو پہلے گھر میں تھی اسی لئے میرے آقا ﷺ کا ارشاد ہے۔ راوی ہیں حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

اَيُّمَا امْرَاةٍ سَالَتْ زَوْجَهَا طَلًا فِيْ غَيْرِ مَا بَاسٍ فَخَرَامٌ عَلَيْهَا رَاحَةُ الْجَنَّةِ.

جو عورت شدید ضرورت کے بغیر شوہر سے طلاق مانگے اس پر جنت کی خوشبو حرام ہے۔ (ابن ماجہ)

نیز راوی ہیں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کہ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

اَبْغَضُ الْحَلَالِ اِلَى اللّٰهِ الطَّلَاقُ.

(ابوداؤد)

نا پسندیدہ ترین حلال اللہ کے نزدیک طلاق ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

الْمُنْتَزِعَاتُ وَالْمُخْتَلِعَاتُ هُنَّ الْمُنَافِقَاتُ.

(نسائی)

نکاح سے آزاد ہونے والیاں اور خلع کرنے والیاں منافقہ ہیں۔

یعنی جو عورتیں اپنے شوہروں کو صرف اس لئے پریشان کرتی ہیں کہ وہ مجبور ہو کر انہیں آزاد کر دیں یا جو عورتیں خلع کرتی ہیں وہ درحقیقت منافقہ ہیں کہ بظاہر تو شوہر سے محبت کرتی ہیں لیکن دل میں ان سے نفرت کرتی ہیں اور کسی نہ کسی طرح آزاد ہو جانا چاہتی ہیں۔

ان احادیث مبارکہ سے واضح ہے کہ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نزدیک خلع و طلاق کس قدر مبغوض ہے اور آپ اس سے اپنی نفرت کا اظہار صرف اسی لئے فرما رہے ہیں کہ غلام حتی الامکان اس سے بچنے کی کوشش کریں۔

غرضیکہ طلاق دینا جائز ہے لیکن اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نظروں میں نہایت نا پسند اور مبغوض ہے لہذا مرد و عورت دونوں کو کوشش کرنا چاہئے کہ وہ اس تلوار کی زد سے بچے رہیں اور ایک دوسرے کا لباس بن کر زندگی کو پر لطف بنانے کی کوشش کرتے رہیں بالخصوص اس صورت میں جبکہ اللہ نے ان کو اولاد کا عطیہ بھی بخشا ہو کہ اولاد ہو جانے کے بعد والدین کی زندگی اپنے لئے نہیں بلکہ اولاد کے مستقبل کو سدھارنے اور سنوارنے کے لئے رہ جاتی ہے پس جب بھی مرد و عورت میں کسی کو علیحدگی کا خیال آئے تو وہ اپنے پیارے پیارے بچوں پر نظر ڈالے اور سوچے کہ اگر ہم ایک دوسرے سے جدا ہو گئے تو ان بچوں کو ہمارا مشترکہ پیار کیسے نصیب ہوگا جبکہ بچوں کی راحت اور ان کی بہترین تربیت کا دار و مدار ماں باپ کے مشترکہ پیار ہی پر

ہے اگر بچے اس سے محروم ہو گئے تو اس کی کوکھ و سائل کے باوجود نہ تو تنہا باپ پورا کر سکتا ہے اور نہ ہی تنہا ماں پورا کر سکتی ہے اگر اسی طرح سوچا جائے تو طلاق کا تصور خود بخود ختم ہو سکتا ہے، گھر بگڑنے اور بچے تباہ ہونے سے بچ سکتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے مخبر صادق ﷺ میں کیا بتا رہے ہیں:

### شیطان کی خوشی

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور ﷺ نے بتایا کہ شیطان پانی پر اپنا تخت بچھاتا ہے (روزانہ صبح پانی پر تخت بچھا کر اپنا دفتر کھولتا ہے اور سارے دن کے لئے فتنہ و فساد کے کام اپنے چیلوں کے سپرد کرتا ہے) پھر اپنی ٹولیوں کو لوگوں میں فتنے ڈالنے کے لئے بھیجتا ہے (شام کو یہ سب واپس آ کر اپنی اپنی کارستانیاں بیان کرتے ہیں جن کو یہ ملعون سنتا رہتا ہے) حتیٰ کہ ان میں سے ایک آتا ہے اور اپنا کارنامہ بیان کرتے ہوئے کہتا ہے: ”مَا تَرَكْتُهٖ حَتَّىٰ فَرَّقْتُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ اِمْرَاَتِهِ“ میں نے فلاں شخص کو اس وقت تک نہ چھوڑا جب تک اس کے اور اس کی بیوی کے درمیان تفریق نہ کرادی بس اب شیطان اچھل پڑتا ہے اس خبیث چیلے کو چمٹا جاتا ہے اور کہتا جاتا ہے ”نَعَمْ اَنْتَ“ ہاں تو نے کچھ کیا۔ (مسلم شریف)

یہ تفریق اگر بصورت طلاق ہوئی تو بری ہے لیکن اگر بغیر طلاق شوہر، بیوی ایک دوسرے سے علیحدہ ہو گئے تو اور بھی زیادہ بری ہے کہ اس صورت میں فتنہ و فساد اور گناہ میں مبتلا ہونے کا زیادہ امکان ہے بہر حال شیطان اپنے اس چیلے سے خوش ہوتا ہے جو شوہر و بیوی کے درمیان تفریق کر دیتا ہے۔ غور فرمائیے آخر ایسا کیوں اس لئے کہ اس طرح اس نے ایک تیر سے سینکڑوں شکار کر لئے، شرعی قانون کے مطابق جو رشتہ قائم ہوا تھا اسے توڑ دیا، مرد و عورت دونوں کو اب گناہ میں مبتلا کر دینا زیادہ آسان ہو گیا۔ شوہر و بیوی کے خاندانوں میں جو رشتہ تھا وہ بھی ختم ہو گیا اب دونوں دشمن بن گئے بچوں کا نہ صرف مستقبل تباہ ہو گیا بلکہ ان کے آوارہ اور جاہل ہونے کا امکان زیادہ ہو گیا اسی طرح سوچئے جتنا آپ غور کریں گے شیطان کی خوشی کے اسباب معلوم ہوتے جائیں گے۔

شوہر و بیوی کے درمیان اگر کسی وقت جھگڑا ہو چاہے روزانہ ہو تو کوئی خاص بات نہیں یہ ایک فطری عمل ہے ایسا ہوتا ہی ہے لیکن جو نہی اس جھگڑے کے دوران طلاق کا خیال آئے بس فوراً سمجھ لیجئے کہ اب شیطان کی مداخلت ہو رہی ہے قبل اس کے کہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو لا حول پڑھے جھگڑا فوراً ختم کر دیجئے اور اپنے اور اپنی اولاد کے مستقبل کو تباہ ہونے سے بچا لیجئے۔

### غصہ میں طلاق

یاد رکھئے کہ شیطان تفریق کرانے کے لئے غصہ کا سہارا لیتا ہے غصہ کی آگ سلگاتا ہے پس جھگڑا شروع ہوتا ہے جوں جوں آگ کی تیزی بڑھتی جاتی ہے جھگڑا بڑھتا جاتا ہے حتیٰ کہ عورت کی زبان پر طلاق کا مطالبہ آتا ہے یا نہیں آتا تو از خود مرد طلاق کے لفظ بول دیتا ہے اور جو نہی غصہ ٹھنڈا ہوتا ہے میاں بیوی دونوں سر پکڑ کر رہ جاتے ہیں اور اب مسئلہ معلوم کرنے کے لئے مفتی کے پاس دوڑتے ہیں اور خیال یہ کرتے ہیں کہ طلاق کے الفاظ غصہ کی حالت میں بولے گئے ہیں لہذا طلاق نہیں

ہوئی حالانکہ ذرا بھی عقل سے کام لیا جائے تو بات صاف ہے کہ کوئی کسی پر تلوار کا وار محبت میں نہیں کرتا یا کوئی گولی محبت میں نہیں مارتا جب غصہ آتا ہے اور نفرت اپنی انتہا پر پہنچتی ہے تب ہی گولی چلتی ہے اور گولی محبت میں چلے مذاق میں چلے یا غصہ میں چلے کام ایک ہی کرتی ہے۔ طلاق، رشتہ ازدواج کے لئے گولی ہے جو محبت میں چلے یا مذاق میں اور یا بحالت غصہ بہر حال اس رشتے کی جان لے لیتی ہے پس غصہ آیا گولی چلی طلاق ہو گئی اور کاش ایک یا دو گولیاں چلتیں تو کچھ گنجائش باقی رہتی مرہم پٹی ہوتی، میاں بیوی صحت مند ہو جاتے لیکن یہ شیطان تو بڑا ہی ظالم دشمن ہے ایسی حالت میں ہمیشہ تینوں گولیاں ایک ساتھ چلوا دیتا ہے اور میاں بیوی دونوں کی جان لے لیتا ہے۔ اب مفتی صاحب کے پاس کوئی دوا نہیں ہوتی جو جان ڈال سکیں اور اگر دوا ہے بھی تو وہ اتنی کڑوی کہ اس کا استعمال کرنا کسی باغیرت کے لئے ممکن ہی نہیں۔ اسی لئے شریعتِ مطہرہ نے غصہ کو حرام قرار دیا اور آقائے رحمت ﷺ نے ہمیں اس کی مضر توں سے بچانے کے لئے اس کی ممانعت اور مذمت فرمائی۔ بروایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ایک موقع پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بار بار فرمایا ”لَا تَغْضَبْ، لَا تَغْضَبْ“ غصہ مت کرو، غصہ مت کرو۔ نیز آپ ﷺ نے فرمایا پہلوان وہ نہیں جو کسی کو پچھاڑ دے، پہلوان تو وہ ہے جو ”يَمْلِكُ نَفْسَهُ عِنْدَ الْغَضَبِ“ جو غصہ کے وقت اپنے آپ کو قابو میں رکھے۔ وہ شخص کتنا کمزور ہے جس کے غصہ کی آگ نے اس کے گھر ہی کو بھسم کر ڈالا اور وہ اسے بجھانہ سکا بہر حال غصہ کی حالت میں طلاق ہو جاتی ہے۔

نکاح نے مرد کو بے شمار تحفوں کے ساتھ ایک مہلک ہتھیار بھی دیا ہے عقلمند وہ ہے جو ان تحفوں کی لذت سے اپنی زندگی کو پر لطف، پر بہار اور پرسکون بنائے اور اس مہلک ہتھیار کو کسی کونہ میں ڈال کر ہمیشہ کے لئے بھول جائے۔

### طلاق دینا واجب ہے

ہاں کبھی ایسا بھی ہوتا ہے جب اس ہتھیار کا استعمال یعنی طلاق دے دینا واجب و لازم ہو جاتا ہے مثلاً شوہر پیدائشی نامرد ہے یا جادو یا کسی اور بیماری کی وجہ سے وہ حقوق زوجیت ادا کرنے کے لائق نہیں اور اس کے صحت مند ہونے کا بظاہر کوئی امکان بھی نہیں تو ایسی صورت میں مرد کو چاہئے کہ وہ از خود اپنی بیوی کو طلاق دے کر آزاد کر دے کیونکہ اس صورت میں عورت سے گناہ سرزد ہونے کا قوی امکان موجود ہے اور اگر کوئی بہت ہی متقیہ عورت ہے تب بھی اس کی زندگی پرسکون نہیں ہو سکتی اور ایک گھر کا ماحول جیسا ہونا چاہئے وہ ہرگز نہیں ہو سکتا اگر اس صورت کے باوجود شوہر، بیوی کو آزاد نہیں کرتا تو وہ مجرم ہے ایک عورت کی زندگی اجیرن کر دینے کا یا وہ مجرم ہے اسے گناہ کے گڑھے میں ڈھکیل دینے کا جو نہایت ہی گناہ ہے پس اس گناہ سے بچنے کے لئے بیوی کو طلاق دے دینا واجب ہے۔

اور بعض صورتیں ایسی بھی ہیں جن میں طلاق دینا افضل و بہتر اور مستحب قرار دیا گیا ہے مثلاً یہ کہ عورت بے نمازی ہے اپنے ساس، سر اور دیگر اہل خانہ کو ستاتی اور پریشان کرتی ہے یا ان سے نفرت کرتی اور ملنا جلنا تک پسند نہیں کرتی یا وہ مجبوراً اس مرد کی زوجیت میں ہے جبکہ اس کا دل کسی اور مرد کی طرف مائل ہے یا وہ اس کے مال و اسباب میں خیانت کرتی ہے۔ ان تمام صورتوں اور ان جیسی صورتوں میں مستحب ہے کہ ایسی عورت کو طلاق دے کر اس کی ایذا رسانی سے نجات حاصل

کر لی جائے لیکن اس وقت جب اس کی اصلاح اور تربیت کے تمام شرعی اور معاشرتی طریقے ناکام ہو چکے ہیں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار میں بھی ایک مرتبہ ایسی نوعیت کا ایک واقعہ پیش آیا کہ ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی اہلیہ حبیبہ بنت سہل نے سرکار کے دربار میں حاضر ہو کر شوہر سے علیحدگی کی درخواست پیش کی یعنی خلع چاہا کیونکہ حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کچھ شکل و صورت کے اچھے نہ تھے، قد پستہ تھا، رنگ سیاہ تھا اور حضرت حبیبہ جو عبداللہ بن ابی کی بہن تھیں دراز قد اور نہایت ہی حسینہ و جمیلہ تھیں لہذا وہ حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کو پسند نہیں کرتی تھیں پس حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار میں عرض گزار ہوئیں کہ یا رسول اللہ ﷺ! ”مَا أَغْتَبُ عَلَيْهِ فِي خُلُقٍ وَلَا دِينٍ“ کہ ثابت کے حسن خلق اور دیندار ہونے پر مجھے کوئی اعتراض نہیں یعنی وہ عادات و اطوار کے بہت اچھے ہیں بہت دیندار ہیں ”وَلَكِنِّي أَكْرَهُ الْكُفْرَ فِي الْإِسْلَامِ“ لیکن میں اسلام میں کفر کو پسند نہیں کرتی یعنی میں ہرگز یہ برداشت نہیں کر سکتی کہ میں زبان سے انہیں اچھا کہوں اور دل سے پسند نہ کروں یہ تو تقیہ ہوگا جو شرعاً ممنوع ہے۔ لہذا آپ ﷺ مجھے ان سے طلاق دلا دیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کی اس درخواست پر برافروختگی یا ناراضگی کا اظہار نہ فرمایا بلکہ پوچھا کیا تم ثابت کو وہ باغ واپس کر دو گی جو انہوں نے تمہیں بطور مہر دیا تھا۔ وہ راضی ہو گئیں پس آپ ﷺ نے حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کو طلب کیا اور فرمایا ”أَقْبِلِ الْحَدِيثَةَ“ ثابت یہ اپنا باغ قبول کرلو۔ ”وَطَلِّقْهَا تَطْلِيقَةً“ اور انہیں ایک طلاق دے دو۔ حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے حکم کی تعمیل کی اور طلاق دے دی۔

اس واقعہ سے واضح ہو گیا کہ اگر شوہر و بیوی کے درمیان کسی بھی وجہ محبت و الفت پیدا نہ ہو سکے اور وہ ایک دوسرے کو دل سے نہ چاہتے ہوں تو جبر و اکراہ کی زندگی بسر کرنے سے بہتر علیحدگی ہے اور اس صورت میں مستحب یہی ہے کہ طلاق کا عمل اختیار کیا جائے۔

### حق طلاق مرد کو ہے

حق طلاق، مطلقاً مرد ہی کو حاصل ہے چاہے وہ بیوی کی مرضی کے بغیر از خود طلاق دے یا بیوی کی مرضی اور طلب پر بصورت خلع طلاق دے۔ بہر صورت جب تک مرد لفظ طلاق نہیں بولے گا۔ عورت کو اس سے چھٹکارا نہیں ہو سکتا۔ مرد کے اس حق کو عورتیں اپنی حق تلفی، مجبوری اور بے بسی کا نام دیتی ہیں اور العیاذ باللہ خیال کرتی ہیں کہ شریعت مطہرہ نے یہ ان کے ساتھ بڑی زیادتی کی ہے۔ انصاف تو یہ تھا کہ جس طرح نکاح کا حق مرد و عورت دونوں کو حاصل ہے اور دونوں کی مرضی کے بغیر یہ معاہدہ زندگی منقطع نہ ہونا چاہئے تھا۔ عورتوں کا یہ تصور نہایت ہی لغو اور خلاف شرع ہے۔ کسی مؤمنہ کو تو یہ خیال تک نہ آنے دینا چاہئے کہ اللہ و رسول کی طرف سے اس پر کوئی ظلم ہو سکتا ہے یا اس کی حق تلفی کی جاسکتی ہے العیاذ باللہ ایسا ہرگز نہیں۔ اسلام مرد و عورت دونوں کے لئے یکساں دین رحمت ہے دونوں ہی کو وہ اپنے سایہ رحمت میں پناہ دیتا ہے اور اگر بغور دیانت سے دیکھا جائے تو حق یہ ہے کہ مرد و عورت کے حقوق کے باب میں شریعت مطہرہ نے عورتوں کو خصوصی مراعات اور نرمی سے نوازا ہے۔ ذرا غور تو

کیجئے جو دین مردوں کو عورتوں کی ناز برداری کا حکم دیتا ہے ”وَغَاشِرُوهُنَّ بِالْمَغْرُوفِ“ وہ کس طرح اپنے کسی حکم سے ان پر سختی یا ان کی حق تلفی کر سکتا ہے۔ بہر حال عورتوں کی غلط فہمی کے دو حصے ہیں ایک یہ کہ انہیں مردوں کی طرح طلاق کا حق کیوں نہیں دیا گیا۔ دوسرے یہ کہ طلاق کے لئے عورت کا راضی ہونا کیوں لازمی نہیں۔ جیسا کہ نکاح کے لئے اس کی مرضی ضروری قرار دی گئی ہے۔ ان دونوں باتوں پر ہم قدرے تفصیل سے گفتگو کر کے اس غلط فہمی کو دور کرنا چاہتے ہیں اللہ کرے ہم کامیاب ہو سکیں اور اپنی بہنوں کو ایک بڑے گناہ سے بچا سکیں۔

بالاشبہ حق طلاق مرد ہی کو کلیتہً حاصل ہے۔ یہ عورتوں کے ساتھ نہ تو زیادتی ہے اور نہ ہی ان پر کوئی جبر واکراہ ہے۔ اگرچہ اللہ و رسول کے اس حکم کو دیگر شرعی احکام کی طرح تسلیم کر لینا اور حق جاننا ہی ایمان کا تقاضا ہے۔ اگر عقل میں نہ آئے تو عقل کو شریعت کا پابند کر دینا، مؤمن و مؤمنات کی ذمہ داری ہے جبکہ زیر گفتگو مسئلہ نہ تو پیچیدہ ہے اور نہ ہی بعید از عقل ہے۔ اولاً اس لئے کہ عورتوں کی آزادی، مساوات اور حقوق بخشنے والے آقا ﷺ کا ارشاد ہے: ”هُنَّ نَاقِصَاتُ الْعَقْلِ وَالذِّهْنِ“ عورتیں عقل و دین کے اعتبار سے ناقص واقع ہوئی ہیں۔ عیوب و نقائص پر پردہ پوشی فرمانے والے آقا ﷺ اپنی باندیوں کا کوئی عیب بیان نہیں فرما رہے بلکہ اس فطری اور جبلی کمزوری کو بیان فرما رہے ہیں جس کی بناء پر یہ صنف نازک بعض شرعی امور میں خصوصی مراعات اور نرمی کی مستحق قرار دی گئی ہے۔ اسی میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس کے ہاتھ میں طلاق کی تلوار نہ دے کر اسے اس رشتہ کی حفاظت کی ذمہ داری سے سبکدوش رکھا گیا ہے ورنہ مرد ہمیشہ بیوی کو ستاتا، پریشان کرتا اور غصہ دلا کر اسے طلاق دینے پر مجبور کر دیتا اور پھر بدنام کرتا پھرتا کہ بیوی نے مجھے طلاق دی ہے میں اس کو ہرگز چھوڑنا نہ چاہتا تھا کیونکہ بہر حال طلاق کو ایک معاشرتی جرم سمجھا جاتا ہے۔ اس جرم کے مرتکب شخص کو کوئی اچھی نظر سے نہیں دیکھتا اسی لئے ایسے مجرموں کو کسی اچھے خاندان کی لڑکی سے نکاح کرنا بہت دشوار ہو جاتا ہے۔ اکثر انہیں کوئی مطلقہ یا بیوہ ہی مل پاتی ہے وہ بھی بہت دشواری کے بعد گویا عورتوں کا یہ خیال بھی غلط ہے کہ طلاق کا اثر مرد پر بالکل نہیں ہوتا صرف عورت کی زندگی برباد ہوتی ہے نہیں ایسا ہرگز نہیں۔ اگر آپ غور کریں تو ہماری یہ بات قابل تسلیم ہے کہ مطلقہ کے ساتھ سب اظہار ہمدردی کرتے ہیں اور کرنا چاہئے جبکہ مرد کو سب مجرم اور ایک ناکام شوہر قرار دیتے ہیں اور حقیقت میں ایسا ہی ہے۔

ثانیاً عورت فطرتاً غصہ کی تیز واقع ہوئی ہے نیز اس میں قوت مدافعت مرد کی بہ نسبت کم ہوتی ہے اسے بات بات پر بہت جلد غصہ آ جاتا ہے خصوصاً ایام حیض میں یا دوران حمل وہ جلد پریشان ہو جاتی ہے۔ مسائل اور الجھنوں کا مقابلہ کرنے کی بجائے وہ کسی نہ کسی طرح ان سے چھٹکارا حاصل کر لینا چاہتی ہے۔ یہ فطرت ہے جس سے شاید ہزار میں کوئی ایک عورت مستثنیٰ ہو۔ غور فرمائیے اگر اس صورت میں طلاق کی تلوار اس کے ہاتھ میں دے دی جاتی تو وہ کس بے دردی سے اسے چلاتی اور پھر ہمارے گھروں کا کیا حال ہوتا کہ کوئی گھر ایسا نہیں جس میں شوہر و بیوی کے درمیان اختلاف، لڑائی جھگڑا نہ ہوتا ہو پھر تو یہ مستحکم رشتہ مکڑی کے جالے سے بھی زیادہ کمزور و ناپائیدار ہو کر رہ جاتا اور بمشکل ہی کوئی گھر بربادی سے محفوظ رہ پاتا اور مرد جو آج مجرم کہلانے کے خوف سے بصورت خلع بھی طلاق دینا نہیں چاہتا بڑی ہی آسانی سے اپنی عیاشی کے لئے عورت کو استعمال کرتا رہتا

اس کے لئے عورتیں بدلتے رہنا نہایت ہی آسان ہو جاتا۔

رہی دوسری بات کہ نکاح کی طرح طلاق میں عورت کی مرضی کیوں ضروری نہیں اس کی وجہ بالکل واضح ہے کہ نکاح تو ایک معاہدہ ہے اور کسی بھی معاہدے کے لئے جانہین کی رضا مندی ہوتی ہے جبکہ طلاق اس معاہدے کو ختم کرنے کا نام ہے اور ہر معاہدہ میں ایک ہی جانب سے توڑا اور منقطع کیا جاتا ہے۔ مثلاً آپ ایک مکان خریدنا چاہتے ہیں، خریداری کا معاہدہ اس وقت تک عمل میں نہیں آسکتا۔ جب تک مالک مکان اور خریدار دونوں راضی نہ ہو جائیں دونوں میں کسی رضا کے بعد معاہدہ طے پائے گا اور دونوں میں سے کوئی ایک بھی معاہدے کی کسی شق کا انکار کر دے تو یہ طے شدہ معاہدہ ختم ہو جائے گا جس کے خاتمہ کے لئے دونوں کی رضا ضروری نہیں غرضیکہ انعقاد معاہدہ کے لئے جانہین کی رضا لازمی ہے جبکہ اس کے نقص و انقطاع کے لئے جانب واحد کا انکار کافی ہے دوسرا راضی ہو یا نہ ہو بعینہ یہی صورت نکاح و طلاق کی ہے کہ نکاح کے لئے ایجاب و قبول لازمی ہے جبکہ طلاق کے وقت صرف شوہر کا فیصلہ کافی ہے۔

علاوہ ازیں اگرچہ عورت کو اختیار طلاق تو حاصل نہیں لیکن وہ اپنی مرضی کے برعکس کسی ایسے مرد کے ساتھ رہنے پر مجبور بھی نہیں جسے وہ پسند نہ کرتی ہو کیونکہ شریعت مطہرہ مرد کو یہ تلقین کرتی ہے کہ اگر بیوی اسی کے ساتھ کسی وجہ سے بھی رہنا نہیں چاہتی تو مرد کو اخلاقاً ایسی عورت کو آزاد کر دینا چاہئے جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں کہ حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کی اہلیہ نے ان سے خلع چاہا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ثابت کو حکم دیا کہ تم اپنی بیوی کو طلاق دے دو اور انہوں نے فوراً اس حکم کی تعمیل کی اور یہ حکم قیامت تک کے امتیوں کے لئے ہے کہ اگر بیوی خلع چاہتی ہے تو شوہر کو اخلاقاً طلاق دے دینا ہی بہتر ہے یہی دینداری کا تقاضا ہے اور عقل کا تقاضا بھی یہی ہے کہ جو عورت مرد سے محبت نہیں کرتی اس کے ساتھ رہنا نہیں چاہتی اسے پسند نہیں کرتی اس عورت سے وہ کیا لطف زندگی حاصل کر سکتا ہے جبکہ اس صورت میں یقیناً عورت وظیفہ زوجیت میں بھی مرد کا ساتھ آمادگی سے نہ دیتی ہوگی یہ بھی ممکن ہے کہ یہ عورت کسی دوسرے مرد کی طرف مائل ہو اور گناہ کی مرتکب ہو جائے تو یہ مرد بھی بلا وجہ اس کے گناہ کا سبب بنے گا۔ پس تقاضہ عقل یہی ہے کہ ایسی عورت کو فوراً اس کی مرضی کے مطابق آزاد کر دینا چاہئے اور اگر کوئی مرد اس قدر ضدی ہے کہ نہ تو وہ دینداری کا تقاضا پورا کرتا ہے اور نہ ہی عقل کا تو عورت کے لئے دارالقضا (عدالت عالیہ) کا دروازہ کھلا ہے۔ وہ قاضی کے سامنے پیش ہو کر مقدمہ دائر کر سکتی ہے اور قاضی اس کے خلع کے مطابق مرد کو مجبور کر کے شرعاً طلاق دلانے کا پابند ہے وہ عورت سے مطالبہ خلع کی وجہ بھی معلوم نہیں کرے گا۔

طلاق بر بنائے دینداری

یہ ہم عرض کر چکے ہیں کہ اگر بیوی، شوہر کے ساتھ رہنا پسند نہ کرتی ہو تو دینداری کا تقاضا یہی ہے کہ اسے آزاد کر دیا جائے جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک واقعہ سے واضح ہوتا ہے۔ میرے آقا ﷺ کی حیات مبارکہ اہل ایمان کے لئے ”اسوۂ حسنہ“ ہے۔ اگر آپ کی زندگی میں یہ واقعہ نہ پایا جاتا تو یہ ”اسوۂ حسنہ“ کامل نہ ہوتا۔ واقعہ نہایت اہم ہے۔ ملاحظہ فرمائیے، قرآن کریم کی سورۂ احزاب ہی میں ہے۔ فرمایا گیا:



يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّأَزْوَاجِكَ إِن كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا فَتَعَالَيْنَ  
أُمْتِعْنَكُمْ وَأَسْرِحْنَكُمْ سَرَاحًا جَمِيلًا ۝ وَإِن كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالدَّارَ  
الْآخِرَةَ فَإِنَّ اللَّهَ أَعَدَّ لِلْمُحْسِنَاتِ مِنكُنَّ أَجْرًا عَظِيمًا ۝ (احزاب: ۲۸، ۲۹)

اے نبی مکرم! آپ فرما دیجئے اپنی بیویوں سے اگر تم چاہتی ہو دنیا کی زندگی اور اس کی آرائش و آسائش تو  
آؤ تمہیں مال و متاع دے دوں اور پھر تمہیں رخصت کر دوں بڑی خوبصورتی کے ساتھ اور اگر تم چاہتی  
ہو اللہ کو اور اس کے رسول کو اور دار آخرت کو تو بیشک اللہ نے تیار کر رکھا ہے تم میں سے نیکو کار کے لئے  
اجر عظیم۔

ایلاء تحنیر

یہ واقعہ ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیویوں اور ہماری ماؤں کا کہ جن کی زندگی کے شب و روز نہایت ہی عسرت  
اور تنگی میں بسر ہوتے تھے نہ پہننے کے لئے اچھا لباس میسر تھا نہ آرائش و آسائش کا دیگر سامان کئی کئی وقت کھانے کو کچھ نہ ملتا تھا  
چولہا تک نہ جلتا تھا میری مائیں پھر بھی صابر و شاکر تھیں ان کے لئے یہ کیا کم اعزاز تھا کہ وہ سید الانبیاء ﷺ کی ازواج اور  
امت کی مائیں کہلاتی تھیں لیکن گاہے بگاہے انسان کی فطرت اسے نہ چاہتے ہوئے بھی مادی و ظاہری ساز و سامان کی طرف  
مائل کر ہی دیتی ہے۔ پس ہوا یہ کہ مسلمانوں کی مسلسل فتوحات کے نتیجہ میں مال و زر، زمین و زن، سب کچھ ہی وافر مقدار میں  
مسلمانوں کو بصورت غنیمت میسر آیا اور ان کے گھروں کی حالت بدل گئی لوازمات زندگی بھی ان کو حاصل ہونے لگے۔ کھانے  
پینے کی بھی ارزانی ہو گئی، خوش لباس بھی ہو گئے لیکن اللہ کے خزانے تقسیم کرنے والے آقا ﷺ کے گھروں میں کوئی تبدیلی نہ  
آئی، وہی کھجوروں یا جو کی روٹی پر گزارا ہوتا رہا، وہی پھٹا پرانا لباس زیب تن رہا وہی ٹاٹ و چٹائی کا بستر آرامگاہ رہا۔ امہات  
المؤمنین اس صورت حال پر باہم گفتگو کرنے لگیں اور ایک دن آقائے نعمت ﷺ کے دربار میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوئیں یا  
رسول اللہ ﷺ! دیکھئے اب تو ہمارے غلام بھی خوشحال زندگی بسر کر رہے ہیں اور ہم حسب سابق فاقہ مست ہی ہیں نہ اچھا  
کھانا میسر ہے نہ اچھا لباس تن پر ہے کیا ہی اچھا ہو کہ آپ ہم پر بھی اپنے خزانہ رحمت کا دروازہ وافر مادیں کہ ہمیں بھی کچھ  
آسائش میسر آ جائے کہ ہم تو اس شہنشاہ کی حرم ہیں جو اللہ کے خزانوں کا مالک ہے۔

واضح رہے کہ ہماری اکثر ماؤں کا تعلق دولت مند گھرانوں سے تھا جہاں انہوں نے نہایت ناز و نعم سے پرورش پائی  
تھی مثلاً حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا رئیس مکہ حضرت ابوسفیان کی صاحبزادی تھیں، حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا قبیلہ بنی  
المصطلق کے سردار اعظم حارث بن ضرار کی بیٹی تھیں، حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا بنو نضیر اور خیبر کے رئیس اعظم حم بن اخطب کی  
نور نظر تھیں، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیٹی تھیں جن کا شمار مکہ کے بڑے تاجروں میں ہوتا  
تھا، حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا حضرت عمر فاروق اعظم کی صاحبزادی تھیں جو مکہ کے رئیسوں میں سے ایک تھے، حضرت زینب  
بنت جحش اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بھی خاندان قریش کے متمول گھرانوں سے تعلق رکھتی تھیں لیکن کاشانہ نبوت میں آ کر

ان سب نے نہایت سادگی اور صبر و قناعت کی زندگی بسر کی اب جب انہوں نے دیکھا کہ ہر طرف دولت کی فراوانی ہے، خوشحالی ہے تو انہیں بھی اچھے دن گزارنے کی خواہش ہوئی۔ انہوں نے بھی چاہا کہ ان کے جسموں پر اچھا لباس ہو، ان کے گھروں میں پابندی سے دو وقت کھانا پکے لہذا وہ آقائے رحمت ﷺ کے دربار میں قدرے وسعت و فراخی کا مطالبہ کر بیٹھیں۔ غور کیا جائے تو یہ مطالبہ بے جا نہ تھا لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زہد و تقویٰ سے پر اور قناعت پسندانہ مزاج کے خلاف تھا کہ آپ تو قیامت تک آنے والے قائدین اور حکام کے لئے زہد و قناعت کا نمونہ پیش کرنا چاہتے تھے اور اپنی عملی زندگی سے انہیں یہ پیغام دینا چاہتے تھے کہ امت مسلمہ کے حاکموں اور قائدین کی گھریلو زندگی نہایت سادہ اور پر قناعت ہونا چاہئے کہ ان کے گھروں میں کھانا ہو یا نہ ہو لیکن امت کا کوئی فرد بھوکا نہ رہے وہ خود عسرت و تنگی کی زندگی بسر کریں لیکن امت خوشحال نظر آنا چاہئے۔

بہر حال حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قلب مبارک پر اپنی چینی ازواج کا مطالبہ بارگزار اور آپ نے اس پر اظہار ناراضگی کے طور پر ایک مہینہ کا "ایلاء" فرمایا یعنی یہ قسم کھالی کہ میں ایک ماہ تک اپنی ازواج میں سے کسی کے قریب نہیں آؤں گا۔ ایک ماہ تک آپ ﷺ گوشہ نشین رہے اور آپ ﷺ کا حال یہ تھا کہ نماز کے لئے تشریف لاتے اور کسی سے بات کئے بغیر واپس تشریف لے جاتے۔ اس کیفیت نے صحابہ کرام میں ایک اضطراب اور بے چینی پیدا کر دی کہ جن غلاموں کی زندگی کا سہارا ہی آقا کی مسکراہٹ ہو ان کا بیتاب ہونا ایک فطری امر تھا۔ صحابہ کو خیال ہوا کہ شاید حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی تمام ازواج کو طلاق دے دی ہے، لہذا ماؤں کے دروازوں پر پروانوں کا ہجوم ہونے لگا۔ یہ جاننے کے لئے کہ اصل ماجرا کیا ہے؟ اور ماؤں کی طرف سے بھی کوئی تسلی بخش جواب نہ ملنے پر مزید بے چینی پیدا ہوتی گئی۔ صحابہ میں سے کسی کی حتیٰ کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بھی یہ ہمت نہ تھی کہ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار میں حاضر ہو کر حقیقت حال معلوم کر سکیں۔

حزن و ملال کی اس کیفیت نے صحابہ کرام کے چہروں کو زرد کر دیا تھا، ان کے گھروں میں کھانا پکنا بند ہو گیا، بازاروں کی چہل پہل ختم ہو گئی۔ مرد، عورت، بچے سب آبدیدہ نظر آتے تھے۔ پورے مدینہ پر رنج و غم کے بادل چھائے ہوئے تھے بالآخر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے نہ رہا گیا انہوں نے سرکار کے دربار میں حاضری کا فیصلہ کر لیا۔ پس ایک نماز سے فارغ ہو کر وہ سرکار کے پیچھے ہوئے لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حجرہ مبارک میں تشریف لے گئے اور عمر کی طرف آپ ﷺ نے توجہ تک نہ فرمائی۔ آقا کی اس بے رخی نے عمر کے دل کو کیسا گھائل کیا ہو گا یہ تو وہی جانیں لیکن امت کا غم دور کرنے کے لئے انہوں نے ہمت نہ ہاری اور دربار رسول کے دربان حضرت رباح رضی اللہ عنہ سے کہا کہ سرکار سے گزارش کرو کہ عمر حاضر خدمت ہونا چاہتا ہے۔ وہ اندر گئے اور واپس آ کر بتایا کہ میں نے حضور ﷺ کو آپ کا پیغام دیا لیکن آپ ﷺ نے کوئی جواب نہ دیا۔ تھوڑی دیر بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پھر دربان سے کہا کہ اب جا کر اطلاع دو رباح پھر گئے اور واپس آ کر وہی خبر دی کہ کوئی جواب نہیں ملا اب عمر کی بیتابی قابو میں نہ رہی اور انہوں نے قدرے بلند آواز سے کہا کہ میرے لئے اجازت طلب کرو۔ قسم خدا کی میں اپنی بیٹی حفصہ کی سفارش کے لئے نہیں آیا اگر حضور ﷺ اس سے ناراض ہیں تو میں اس کا ہر قسم کر

سکتا ہوں اس آہ وزاری پر دریائے رحمت جوش میں آیا اور عمر کو باریابی کی اجازت دے دی گئی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ جب میں سرکار کے دربار میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ کا حال دیکھ کر میرا دل بھرا آیا میری آنکھیں آبدیدہ ہو گئیں۔ میں نے دیکھا کہ آپ ایک کھری چارپائی پر رونق افروز ہیں جس کے باندوں کے نشانات سے آپ ﷺ کا جسم نازک سرخ ہو گیا ہے۔ کھانے کے لئے ایک طرف تھوڑے سے جور کھے ہوئے تھے، پینے کے لئے ایک مشکیزے میں تھوڑا سا پانی تھا۔ سرکار نے میری طرف نظر اٹھائی اور پوچھا عمر روتے کیوں ہو؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! اس سے بڑھ کر رونے کا اور کونسا موقع ہوگا کہ قیصر و کسریٰ جو اللہ کے دشمن ہیں نعمتوں میں مست، آسائش و آرام کی زندگی بسر کر رہے ہیں اور آپ جو اللہ کے محبوب ہیں اس کے خزانوں کے مالک ہیں، جن کے صدقہ میں غلاموں کو بے شمار نعمتیں میسر ہیں اس حال میں ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیا تم اس پر راضی نہیں کہ قیصر و کسریٰ کو دنیا اور ہمیں آخرت ملے پس میں خاموش ہو گیا پھر میں نے آپ کا دل بہلانے کے لئے کچھ اور باتیں کیں یہاں تک کہ میں نے آپ ﷺ کے لبوں پر مسکراہٹ دیکھی تو ہمت بندھی اور پوچھا یا رسول اللہ ﷺ! کیا آپ نے ازواج مطہرات کو طلاق دیدی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں۔ عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے جوش مسرت سے نعرہ تکبیر بلند کیا اور گزارش کی کہ یا رسول اللہ ﷺ! آپ کے غلام باہر غمزہ جمع ہیں اگر اجازت ہو تو یہ خوشخبری میں انہیں بھی سنا دوں۔ آپ ﷺ نے اجازت مرحمت فرمائی اور میں دوڑا آیا اور خبر دی کہ طلاق کی خبر غلط ہے۔ میرے آقا ﷺ نے کسی کو طلاق نہیں دی ہے۔ صحابہ مسرت سے آپس میں گلے ملنے لگے اور حزن و ملال کے بادل چھٹ گئے۔ غلاموں کے پڑ مردہ چہرے چمک اٹھے۔

بہر حال ایک مہینہ کے باقی ایام کسی نہ کسی طرح گزارے اور قسم پوری ہونے پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے حجرہ مبارکہ سے باہر تشریف لائے تو آیت تخییر (آیت مذکورہ) نازل ہوئی جس کے بعد آپ ﷺ سب سے پہلے اپنی چیت بیوی ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے اور یہ آیت سنائی اور فرمایا عائشہ! اس کے جواب میں جلدی نہ کرنا اپنے والدین سے مشورے کے بعد جواب دینا (کیونکہ آپ نہیں چاہتے تھے کہ عائشہ عورتوں کی فطرت کے مطابق جلدی کریں اور کوئی غلط جواب دے بیٹھیں جس کے نتیجہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان سے ہمیشہ کے لئے علیحدہ ہونا پڑے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جلدی تو کی لیکن سمجھدار تھیں لہذا نہایت ایمان افروز جواب دیا) بولیں فَقَبِيْ اَيِّ هٰذَا اَسْتَاْمُرُ اَبُوِيْ، فَانِيْ اُرِيْدُ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ وَالْذَّارَ الْاٰخِرَةَ“ کیا اس معاملہ میں اپنے والدین سے مشورہ کروں تو میں اللہ اس کے رسول اور آخرت کے گھر کو پسند کرتی ہوں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام آپ کا یہ جواب سن کر خوش اور مطمئن ہوئے۔

پھر سند رضیہ الصلوٰۃ والسلام علیہ علیحدہ سب ازواج مطہرات کے پاس تشریف لے گئے اور آپ ﷺ نے سب کو آیت تخییر سنا کر اختیار دیا اور سب نے ہی بلاتامل وہی جواب دیا جو حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا تھا۔ بہر حال میرے آقا ﷺ کی حیات مبارکہ کا یہ ایک اہم واقعہ ہے جو یہ سمجھ لینے کے لئے کافی ہے کہ میری ماؤں کے نزدیک اللہ اس کے رسول اور دار آخرت سے زیادہ کوئی چیز نہ تھی۔ ان کے مقابلے پر دنیا کے عیش و آرام کی کوئی حیثیت نہ تھی۔

ہم یہ بتا رہے تھے کہ اگر بیوی، شوہر کے ساتھ رہنا پسند نہ کرے تو دینداری کا تقاضا یہی ہے کہ اس کی مرضی کے مطابق اسے آزاد کر دیا جائے اس واقعہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہمارے لئے یہی نمونہ پیش فرمایا جبکہ حقیقت یہ ہے کہ ازواج مطہرات کے وہم و گمان میں بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے علیحدگی کا تصور نہ تھا لیکن بظاہر انہوں نے اپنے مطالبہ سے آپ ﷺ کی عطا کردہ پر قناعت زندگی سے بیزاری اور ناپسندیدگی کا اظہار کیا تھا جسے آپ نے گوارا نہ فرمایا اور پہلے ”ایلاء“ اور پھر اللہ کے ارشاد کے مطابق آپ نے انہیں طلاق کا اختیار دیا تا کہ غلام غور کریں اور اگر ان میں سے کسی کو واقعی ایسی صورت پیش آجائے کہ بیوی اس کے ساتھ رہنا پسند نہ کرے تو وہ اپنے آقا کے عطا کردہ طریقہ کے مطابق پہلے ”ایلاء“ کرے تا کہ بیوی کو ان تمام پریشانیوں کا احساس ہو سکے جو طلاق کی صورت میں اسے پیش آسکتی ہیں اور پھر وہ بیوی کو طلاق کا اختیار دے اور اگر عورت اب بھی طلاق ہی کو پسند کرے تو اس پر جبر و اکراہ کے بغیر اسے اس کی مرضی کے مطابق آزاد کر دے کہ یہی بہتر طریقہ ہے اور اگر بغیر ”ایلاء“ کے بھی ایسا کیا گیا تو جائز ہے لیکن بہتر ہوگا کہ ایک طلاق دی جائے تا کہ اگر عورت کو اپنے فیصلہ پر پشیمانی ہو تو رجوع کیا جاسکے ورنہ دوسری طلاق دے کر اسے آزاد کر دیا جائے۔

تین طلاقیں

تین طلاقیں حلقہ نکاح پر ایسے تین وار ہیں جن سے یہ مضبوط حلقہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا ہے اور پھر مرد و عورت کے لئے ساری زندگی اس بندھن میں واپس آنے کا کوئی موقع نہیں رہتا سوائے حلالہ کے جو کسی بھی باعزت و باحیا، مرد و عورت کے لئے ایک نہایت ہی دشوار اور مکروہ صورت ہے جسے نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی نہایت ہی قابل نفرت قرار دیتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ”لَعَنَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُحْلِلَ وَالْمُحْلِلَ لَهُ“ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حلالہ کرنے والے پر اور اس پر لعنت فرمائی جس کے لئے (سابقہ شوہر) حلالہ کیا گیا۔

بہر حال تین طلاقیں کا وار نہایت ہی خطرناک، مہلک اور جان لیوا ہوتا ہے اور جہالت و بے خبری کے سبب اکثر لوگ ایک دم یہی وار کرتے ہیں اور پھر پچھتاتے اور مسئلہ پوچھتے پھرتے ہیں لہذا ہم چاہتے ہیں کہ یہاں اس کی کچھ وضاحت کر دی جائے تا کہ اگر خدا نخواستہ ایسا موقع آن پڑے تو جاہلانہ فیصلہ سے بچا جاسکے۔ پس پہلے ان آیات کا مطالعہ کریں جن میں مسئلہ طلاق کی وضاحت کی گئی ہے۔ فرمایا گیا:

الطَّلَاقُ مَرَّتَيْنِ ۖ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيَةٌ بِإِحْسَانٍ ۚ وَلَا يَجِلُّ لَكُمْ أَنْ تَأْخُذُوا  
بِمَا آتَيْتُمُوهُنَّ شَيْئًا إِلَّا أَنْ يَخَافَا أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ ۚ لَا يَجْنَاءُ عَلَيْهِمَا فِتْنَةٌ بِهِ ۚ تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَعْتَدُوهَا ۚ وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ۚ فَإِنْ صَلَّيْتُمَا فَلَا تَحِلُّ لَكُمَا بَعْدَ ذَلِكَ  
تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ ۚ فَإِنْ طَلَّقْتُمَا فَلَا جُنَاءَ عَلَيْهِمَا أَنْ يُتَرَاجَعَا إِنْ ضَلَّ أَنْ يُقِيمَا

حُدُودَ اللَّهِ ۚ وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿٢٢٩﴾ (البقرہ: ۲۲۹، ۲۳۰)

طلاق دوبار ہے پھر یا تو روک لینا ہے بھلائی کے ساتھ یا چھوڑ دینا ہے احسان کے ساتھ اور جائز نہیں تمہارے لئے کہ لو تم اس سے جو تم نے انہیں دیا ہے مگر یہ کہ دونوں کو اندیشہ ہو کہ وہ اللہ کے حقوق کو قائم نہ رکھ سکیں گے پھر اگر تمہیں خوف ہو کہ وہ قائم نہ رکھ سکیں گے اللہ کے حدود کو تو کوئی حرج نہیں ان پر کہ عورت کچھ فدیہ دے کر جان چھڑا لے یہ حدیں ہیں اللہ کی پس ان سے آگے نہ بڑھو اور جو کوئی آگے بڑھتا ہے اللہ کی حدوں سے تو وہی لوگ ظالم ہیں پھر اگر وہ طلاق دے اپنی بیوی کو (تیسری بار) تو وہ حلال نہ ہوگی اس پر اس کے بعد یہاں تک کہ وہ نکاح کرے کسی اور خاوند کے ساتھ پھر اگر وہ (دوسرا) اسے طلاق دے دے تو کوئی حرج نہیں ان دونوں پر کہ رجوع کر لیں بشرطیکہ انہیں خیال ہو کہ وہ قائم رکھ سکیں گے اللہ کی حدوں کو اور یہ حدیں ہیں اللہ کی وہ بیان فرماتا ہے انہیں ان لوگوں کے لئے جو علم رکھتے ہیں۔

دورِ جاہلیت میں عورتوں پر ظلم و ستم کی داستانیں پڑھ کر مومنات کو اللہ کا شکر کرنا چاہئے کہ اس نے اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طفیل اس صنفِ نازک کو ضیق و تنگی اور مظلومیت کی زندگی سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نجات عطا فرمادی۔ حق یہ ہے کہ اسلام نے عورت کو جو کچھ دیا ہے وہ نہ تو اس سے پہلے کسی دین اور کسی معاشرے نے اس کو دیا اور نہ ہی آج عورت کی آزادی، ترقی اور مساوات کا ڈھونگ رچانے والوں کی طرف سے مل سکا۔ اسلام وہ سب کچھ دے چکا جس کی عورت کو ضرورت ہو سکتی تھی اور وہ اس کی متحمل ہو سکتی تھی اب کوئی اور کیا دے سکتا ہے اور عورت کے پاس مانگنے کو اب کیا باقی رہا، پس ہماری بہنوں کو اسلام پر ناز کرنا چاہئے اور شکر ادا کرنا چاہئے کہ وہ نبی آخر الزماں ﷺ کی امت میں ہونے کا شرف رکھتی ہیں۔

دورِ جاہلیت کے مظالم میں سے ایک بدترین ظلم یہ بھی تھا کہ مرد کو طلاق کا حق تو حاصل ہی تھا اس پر مزید یہ کہ طلاق کی کوئی تعداد متعین نہ تھی لہذا مرد جتنی بار چاہتا بیوی کو طلاق دیتا رہتا اور رجوع کر کے اس کو جب تک چاہتا مقید رکھتا تھا، نہ اپناتا تھا اور نہ آزاد کرتا تھا۔ ایک مرتبہ ایک انصاری نے اسی طریقہ کے مطابق اپنی بیوی کو دھمکی دی کہ ”نہ تو میں تمہارے قریب آؤں گا اور نہ ہی تو مجھ سے آزاد ہو سکے گی“ بیوی نے پوچھا یہ کیسے؟ وہ بولا بس میں تجھے طلاق دیتا رہوں گا اور عدت گزرنے سے پہلے رجوع کرتا رہوں گا۔ یہ سن کر یہ مجبور عورت اپنے بھیا تک مستقبل سے لرزنے لگی اور دوڑی دوڑی آقائے رحمت ﷺ کی پناہ میں حاضر ہوئی اس نے اپنے شوہر کے مظالم اور اس کا ارادہ بتایا نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سب حال سن کر بے حد تکلیف ہوئی۔ پس اللہ رب العزت جل مجدہ نے آیاتِ بالانازل فرمائیں۔ جس میں طلاق کی تعداد اور اصول متعین فرما کر ہمیشہ کے لئے عورتوں پر مردوں کے اس طریقہ ظلم کا خاتمہ فرمادیا۔

فرمایا گیا ”الطَّلَاقُ مَرَّتَيْنِ“ طلاقیں تو صرف دو ہی ہیں یعنی دو طلاقوں سے ہی آزادی کا مقصد حاصل ہو جاتا ہے کہ عدت پوری ہو جانے کے بعد تعلق نکاح ختم ہو جاتا ہے اور عورت کو دوسرا نکاح کرنے کا اختیار حاصل ہو جاتا ہے۔ ہاں اس میں

ایک فائدہ یہ ہے کہ اگر دوران عدت، مرد و عورت کا اختلاف ختم ہو جائے اور وہ حسب سابق تعلق نکاح برقرار رکھنا چاہیں تو مرد کو رجوع کا حق حاصل ہوتا ہے وہ چاہے تو بیوی کو اپنے پاس رکھے اور ماضی کے اختلافات کو بھلا کر دونوں اچھی زندگی بسر کریں اور اگر ایسا نہ ہو سکے تو مرد کے لئے ضروری ہے کہ دوران عدت وہ عورت کی ضروریات پوری کرتا رہے اور بعد عدت اس کو احسان کے ساتھ یعنی کچھ تحائف وغیرہ دے کر رخصت کر دے کہ شریعت مطہرہ ہر حال میں حسن سلوک کی تعلیم دیتی ہے ان دو طلاقوں کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ مرد و عورت کے ایک دوسرے سے مکمل آزاد ہو جانے کے باوجود بھی یہ گنجائش ہر وقت موجود رہتی ہے کہ وہ جب چاہیں دوبارہ نکاح کر کے ایک دوسرے سے وابستہ ہو سکتے ہیں کہ میلان طبع کی تبدیلی اور ضروریات کی مجبوری سے انسان کے حالات اور فیصلے بدلنا عام بات ہے پس ممکن ہے کہ جو شوہر و بیوی، باہمی منافرت یا حالات کے سبب علیحدہ ہوئے تھے کچھ عرصہ بعد ان کے میلان طبع میں تبدیلی آجائے اور وہ ایک دوسرے کے قریب ہونے لگیں یا ان کی ضروریات ایک دوسرے سے وابستہ ہونے لگیں تو انہیں شریعت مطہرہ نے موقع دیا ہے کہ وہ نکاح کریں اور دوبارہ ایک دوسرے کا لباس بن جائیں۔ اسی لئے تو یہ حکم دیا گیا کہ عورت کو طلاق دے کر احسان کے ساتھ رخصت کیا جائے تاکہ دونوں کو ایک دوسرے کے قریب ہونے کا موقع حاصل رہے اور ظلم و زیادتی یا بداخلاقی کا پردہ درمیان میں حائل نہ ہو کہ اسلام دین رحمت ہے، دین محبت ہے، وہ ملاپ کے، محبت کے مواقع فراہم کرتا ہے۔ باہمی نفرت، عداوت کی راہوں کو بند کرتا ہے۔

رہا معاملہ تیسری طلاق کا تو شریعت مرد کو اس کا اختیار دیتی ہے لیکن اس اختیار کا استعمال بے مقصد اور بیکار ہے کہ طلاق کا مقصد تو شوہر و بیوی کی علیحدگی ہے۔ جو پہلی دو طلاقوں سے حاصل ہو چکا اب تیسری طلاق تو درحقیقت اس پر تیسرا وار ہے جو پہلے ہی جائنی کے عالم میں ہے اور کسی بھی لمحہ (بعد عدت) سانس کا یہ سلسلہ منقطع ہونے والا ہے پس اب اس ظلم کی کیا ضرورت ہے مرتے کو مارنے کی کیا ضرورت ہے نیز مرد یہ ظلم تو اپنے ہی اوپر کر رہا ہے ”فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ“ پھر اگر وہ (تیسری) طلاق دے تو وہ اس پر حلال نہ ہوگی اس کے بعد یہاں تک کہ نکاح کرے وہ کسی دوسرے مرد سے خود ہی اپنے پیر پر کلہاڑی مار لی کہ اب ہمیشہ ہمیشہ کے لئے یہ رشتہ جوڑنے کا دروازہ بند ہو گیا اب چاہے جوان ہو کر بچے، ماں باپ کو دوبارہ ایک کرنا چاہیں یا خاندانی ضروریات پیش آئیں یا جائیداد وغیرہ کا مسئلہ درپیش ہو اب کچھ نہیں ہو سکتا سوائے حلال کی صورت کے جو کسی باحیاء و باغیرت، مرد و عورت کے لئے قابل برداشت نہیں اور یہ یقین بھی نہیں کیا جاسکتا کہ دوسرا نکاح کر کے عورت آزاد ہو سکتی ہے کیونکہ اب حق طلاق اسی طرح دوسرے شوہر کو حاصل ہے جس طرح پہلے شوہر کو حاصل تھا۔ ممکن ہے وہ اب طلاق نہ دینا چاہئے اور دونوں ایک دوسرے کو اتنا چاہئے لگیں کہ ساری زندگی ایک ساتھ رہنے کا عہد کر لیں اور یہ پہلے شوہر صاحب منہ ہی دیکھتے رہ جائیں پس اگر طلاق دینا ہی ہو تو قرآنی حکم کے مطابق دو طلاقوں پر اکتفاء کرنا چاہئے تیسرا وار نہیں کرنا چاہئے۔

طریقہ طلاق

طلاق دینے کا شرعی طریقہ یہ ہے کہ عورت جب ایام حیض سے فارغ ہو تو صحبت سے پہلے ایک طلاق ہی جائے اور

پھر جب وہ دوسرے حیض سے فارغ ہو تو دوسری طلاق دی جائے اور اگر تیسری طلاق بھی دینا ہو تو تیسرے حیض کے بعد دی جائے۔ اس طریقہ کے تعین میں حکمت یہ ہے کہ پہلی اور دوسری طلاق کے درمیان اور پھر تیسری طلاق تک تقریباً تین مہینے کی مہلت ہے جس سے مرد و عورت پوری طرح فائدہ حاصل کر سکتے ہیں کہ ان کا غصہ ختم ہو جائے نفرت جاتی رہے انہیں اپنے بچوں کے مستقبل اور خاندان کی عزت کا احساس ہونے لگے تو وہ رجوع کر سکتے ہیں لیکن عدت پوری ہو جانے کے بعد یہ موقع حاصل نہیں رہتا کہ اب بغیر نکاح دوبارہ ساتھ نہیں ہو سکتے اور تیسری طلاق کے بعد تو بالکل ہی معاملہ ختم ہو گیا۔ جیسا کہ آپ اوپر پڑھ چکے ہیں۔

### مسلم گھرانوں میں طلاق

بحمد اللہ مسلم ممالک میں طلاق کے حادثات بہت ہی کم، بمشکل تین چار فیصد ہیں جس کا سبب اسلام میں طلاق کے اصول و ضوابط اور اسے ”ابغض الحلال“ قرار دینا ہے۔ نیز انہی اسباب میں عورتوں کے لئے شریعت مطہرہ کا پردے کا حکم، حیا، و شرم کی تاکید، شوہر کی تعظیم و تکریم اور اس سے محبت کی تلقین بھی شامل ہے۔ علاوہ ازیں عورتوں کو معاشی آزادی نہ ہونا بھی اس کا ایک سبب ہے غرضیکہ شریعت مطہرہ کے احکام کو جاننے اور ان پر عمل کرنے کا ثمر امت مسلمہ کو حاصل ہے کہ ان کے گھروں میں میل و محبت اور شوہر و بیوی کے درمیان الفت ہے جس سے وہ زندگی کا لطف حاصل کرتے ہیں بچوں کی صحیح تربیت و پرورش کی ذمہ داری سکون سے پوری کرتے ہیں۔ اس کے برعکس غیر مسلم ممالک کے غیر مہذب مغربی معاشرے میں جو حال نظر آتا ہے الامان والحفیظ کہ اول تو چالیس فیصد مرد و عورت بغیر نکاح کے شوہر و بیوی کی طرح رہتے ہیں حتیٰ کہ بچے بھی پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ ایک مدت وہ یہ زندگی اپنے خیال میں ایک دوسرے کو سمجھنے میں بسر کر دیتے ہیں پھر نکاح کی نوبت آتی ہے اور لطف کی بات یہ ہے کہ پھر بھی ان میں بمشکل دس فیصد کی شادی پروان چڑھتی ہے اور باقی میں علیحدگی یا طلاق ہو جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کا سبب ان کی وہ بے اصولی اور بے ضابطگی ہے جو ان کی اپنی تہذیب سے انہیں ملتی ہے اور جو اسلام کی تعلیمات کے بالکل برعکس ہے مثلاً مرد و عورت دونوں کو طلاق کا مساوی حق حاصل ہونا، حیا، و شرم سے واقف نہ ہونا، عورت کا مرد کی برتری اور اس کی ضرورت کو تسلیم نہ کرنا، طلاق کے بعد بچوں پر عورت کا حق ہونا، معاشی طور پر عورت کا کلیتاً آزاد ہونا، آپ غور فرمائیے ان حالات کا تقاضا سوائے اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ معمولی جھگڑا ہوا اور عورت نے شوہر کو گھر سے نکالاجی ہاں یہی ہوتا ہے مرد و عورت کو گھر سے نہیں نکال سکتا۔ یہ عورت ہی کو حق حاصل ہے کہ وہ جب چاہے بلاوجہ بتائے مرد کو گھر سے نکال دے اسے پوری طرح قانونی اختیار حاصل ہے۔ ہمیں اس سے کوئی تعلق نہیں کہ غیر مسلموں میں کیا ہوتا ہے ہمیں تو افسوس اپنے مسلمان بھائی بہنوں کے حال پر ہے کہ وہ بھی غیر مسلم ممالک میں رہ کر انہی کی بود و باش اختیار کئے ہوئے ہیں۔ یقیناً جاننے ہم ایسی کئی مسلمان عورتوں کو جانتے ہیں جو آٹھ، آٹھ مرتبہ مختلف مردوں سے نکاح کر چکی ہیں اور اب تک تنہائی ہی کی زندگی بسر کر رہی ہیں لیکن ان کے چہروں پر ذرا بھی ملال کے آثار نہیں اور نہ ہی وہ اپنا یہ کارنامہ بتاتے ہوئے شرماتی ہیں کیونکہ حیا، و شرم نام کی چیز سے تو یہ واقف ہی نہیں، افسوس صد افسوس۔

ظاہر ہے جس معاشرے میں طلاق عام ہوا کثر مرد و عورت تنہا رہتے ہوں وہ معاشرہ زنا اور بدکاری کی غلاظت سے کیسے محفوظ رہ سکتا ہے اور پھر ایسے لوگوں پر ایڈز کی صورت میں اللہ کا عذاب نازل ہو تو کیا تعجب ہے۔ اللہ محفوظ رکھے، آمین۔

اے ایمان والو! یہ طلاق کے احکام بیان کئے گئے ان پر غور کرو اور یاد رکھو کہ طلاق اللہ اور اس کے رسول کا پسندیدہ عمل نہیں اس کی اجازت صرف اہم ضرورت کے موقع پر دی گئی ہے ورنہ یہ ”اَبْغَضُ الْحَلَالِ“ تمام حلال چیزوں میں ناپسندیدہ ہے۔ پس اپنی ازدواجی زندگی میں ایسا موقع نہ آنے دو کہ اس ناپسندیدہ راہ کو اختیار کرنا پڑے اور اگر ایسا موقع آ ہی پڑے تو طلاق کے شرعی احکام کو پڑھو، سیکھو اور اچھی طرح اس کا طریقہ اس کے عواقب و نتائج کو سمجھ لو اور خوب سوچ کر اس کا نٹوں بھرے راستے کی طرف قدم اٹھاؤ کہ وہ عمل کبھی باعث خیر و برکت نہیں ہو سکتا جسے اللہ اور اس کے رسول نے پسند نہ فرمایا ہو۔ دوستو! طلاق صرف شوہر و بیوی ہی کے درمیان نفرت پیدا نہیں کرتی بلکہ یہ دو خاندانوں کے درمیان عداوت و دشمنی کا ذریعہ ہے۔ طلاق صرف شوہر و بیوی ہی کو دور نہیں کرتی بلکہ اس سے جگر کے ٹکڑے بچے بھی جدا ہو جاتے ہیں۔ طلاق ماں سے بچوں کو چھین لیتی ہے اور باپ کو بچوں کی نظروں میں بے وقعت کر دیتی ہے۔ طلاق نہ صرف مطلقہ عورت کو بلکہ مرد کو بھی معاشرے میں ذلیل و خوار کر دیتی ہے، دونوں ہی کو دوبارہ رشتہ بڑی ہی مشکل سے ملتا ہے۔ نکاح ایک حسن ہے اور طلاق اس حسن کو چھین کر مرد و عورت دونوں کو بد صورت بنا دیتی ہے۔ نکاح ایک لباس ہے اور طلاق اس لباس کو اتار کر مرد و عورت دونوں کو عریاں کر دیتی ہے۔ پس زندگی میں کبھی اس بدترین عمل کا موقع نہ آنے دو اور باعزت و باوقار پرسکون زندگی بسر کرو۔

طلاق سے متعلق اس ضروری گفتگو کے بعد اب ہم عدت کے متعلق کچھ باتیں عرض کرنا چاہتے ہیں۔ یہ گفتگو بھی نہایت اہم اور حالات حاضرہ کے عین مطابق ہے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ غیر مسلم ممالک میں آباد مسلم گھرانوں میں عدت کا رواج تقریباً ختم ہی ہو گیا ہے کہ عورتوں نے اس کو بھی ایک غیر ضروری پابندی سمجھا اور خود بخود ہی اس سے چھٹکارا حاصل کر لیا یہ بالکل نہ سوچا کہ یہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کی کھلی بغاوت ہے جو کسی طرح بھی اہل ایمان کے لئے موزوں نہیں۔ پس ہماری بہنیں ان باتوں پر غور کریں اور سوچیں کہ ان سے یہ کتنا بڑا گناہ سرزد ہو رہا ہے، اللہ معاف کرے۔

### عدت

عدت کے معنی شمار کرنا اور گننا ہیں۔ شریعت مطہرہ میں عدت اس انتظار کے دنوں کو گننے اور شمار کرنے کو کہتے ہیں جو ایک نکاح ختم ہو جانے کے بعد دوسرے نکاح کے لئے کیا جاتا ہے۔ زمانہ عدت میں نکاح کرنا ممنوع ہے بلکہ نکاح کی تیاری یا باتیں کرنا بھی مناسب نہیں۔ عدت صرف عورت کے لئے ہے مرد کے لئے نہیں کیونکہ اس کا مقصد استبراء رحم یعنی بچہ دانی کی صفائی اور اس بات کا پوری طرح یقین حاصل کر لینا ہے کہ حمل نہیں ہے جبکہ حاملہ عورت کی عدت وضع حمل یعنی بچہ کو جنم دینا ہے۔ ظاہر ہے اس کا تعلق مرد سے نہیں عورت ہی سے ہے، ہاں مرد اگر کسی ایسی عورت کے ساتھ نکاح کرنا چاہتا ہے جس کو بیوی کے ساتھ جمع کرنا حرام ہو تو اسے بھی اپنی پہلی بیوی کی عدت پوری ہونے کا انتظار کرنا پڑے گا مثلاً وہ بیوی کی بہن بھانجی یا خالہ سے نکاح کرنا چاہے کہ بیوی کے ساتھ اس کی بہن، بھانجی یا خالہ کو نکاح میں رکھنا جائز نہیں تو عدت کے دنوں میں بھی ان کا



نکاح کرنا حقیقت میں انہیں ساتھ ہی رکھنا ہوگا لہذا جائز نہیں کیونکہ جب تک عورت کی عدت کے دن پورے نہ ہو جائیں مرد اس سے رجوع کر سکتا اور دوبارہ اسے اپنی زوجیت میں لے سکتا ہے۔

### عدت کی قسمیں

عدت کی تین قسمیں ہیں وفات کی عدت یعنی اس عورت کی عدت جس کا شوہر مر گیا اور وہ بیوہ ہو گئی اس کی مدت چار مہینے اور دس دن ہے۔ طلاق کی عدت اس کی مدت تین حیض ہے چاہے یہ مطلقہ بالغہ ہو یا بالغہ ہو یا ایاس کی عمر کو پہنچ چکی ہو یعنی اتنی بوزھی ہو چکی ہو کہ حمل کی امید باقی نہ رہی ہو جس کے لئے تقریباً پچپن برس کی عمر ہوتی ہے اور حاملہ عورت کی عدت وضع حمل یعنی بچہ کو جنم دینا ہے چاہے نکاح ختم ہونے کے فوراً بعد ہی بچہ ہو جائے یا کچھ دن اور کچھ مہینے بعد ہو اور جس عورت کو خلوت صحیحہ سے قبل ہی طلاق دے دی گئی ہو اس کی کوئی عدت نہیں۔ خلوت صحیحہ مرد و عورت کی ایسی تنہائی کو کہا جاتا ہے جس میں دونوں کا ایک دوسرے سے فائدہ حاصل کر لینا یقینی ہو جائے۔

آیت زیر گفتگو کا ایک حصہ ہے ”ثُمَّ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمْسُوهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُونَهَا“ ”پھر تم انہیں ہاتھ لگانے سے پہلے ہی طلاق دے دو تو ان پر عدت گزارنا ضروری نہیں جسے تم شمار کرو“ یہ اس عورت کے متعلق حکم ہے جسے بعد نکاح خلوت صحیحہ سے پہلے ہی طلاق دے دی گئی کہ اس کے لئے عدت نہیں ہے۔

بواسطہ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہمیں حکم دیا گیا کہ طلاق سے پہلے ہی عورت کی مدت عدت کا خیال رکھا جائے یعنی حیض کے بعد پاکی کے ایسے دنوں میں طلاق دی جائے جن میں اب تک اس سے صحبت نہیں کی گئی ہے تاکہ اس کے ایام عدت دراز نہ ہوں اور اسے دوسرا نکاح کرنے کے لئے طویل انتظار نہ کرنا پڑے۔ فرمایا گیا:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِحَدَّتِهِنَّ وَأَحْصُوا الْعِدَّةَ (الطلاق: ۱)

اے نبی (آپ غلاموں کو بتا دیجئے) کہ جب تم (اپنی) عورتوں کو طلاق دینے کا ارادہ کرو تو انہیں طلاق دو ان کی عدت کا لحاظ کرتے ہوئے اور عدت کے دن شمار کرو۔

شریعت مطہرہ کا عورتوں پر یہ کیسا کرم ہو رہا ہے کہ ان کو دشواری سے بچانے کے لئے مردوں کو خصوصی حکم دیا جا رہا ہے کہ ارادہ طلاق کے ساتھ ہی ایام عدت کا حساب لگا لو اور ایسے وقت طلاق دو کہ عورت کو غیر ضروری طور پر طویل انتظار نہ کرنا پڑے۔ جیسا کہ ہم عرض کر چکے کہ یہ وقت حیض کے بعد پاکی کے ان دنوں میں ہے جن میں اب تک عورت سے صحبت نہیں کی گئی ہے۔ ان ایام میں اگر عورت کو طلاق دی گئی تو اسے صرف تین حیض کی مدت عدت پوری کرنی ہوگی۔ شریعت مطہرہ میں چونکہ عدت نہایت ہی اہم ہے لہذا خصوصی حکم دیا گیا ”أَحْصُوا الْعِدَّةَ“ ایام عدت کا خیال رکھو انہیں شمار کرتے رہو کوئی غلطی نہ ہونے پائے اور وہ عورتیں جو ایاس کی عمر کو پہنچ چکی ہوں کہ اب حیض آنے کی قطعاً امید نہ رہی ہو جس کے لئے عموماً پچپن برس کی عمر ہوتی ہے اور وہ عورتیں جو نابالغہ ہوں یا عمر کے اعتبار سے تو بالغ ہو چکی ہوں لیکن اب تک انہیں حیض نہ آیا ہو ان کی مدت عدت بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا:

وَالَّذِي يَمْسُكُ مِنَ الْمَحِيضِ مِنْ نِسَائِكُمْ إِنْ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلَاثَةُ أَشْهُرٍ وَالَّذِي لَمْ يَحْضَنْ<sup>ط</sup>

(الطلاق: ۴)

اور تمہاری (مطلقہ) عورتوں میں سے جو حیض سے ناامید ہو چکی ہوں اگر تمہیں شبہ ہو تو ان کی عدت تین مہینے ہے اور انکی بھی جنہیں ابھی تک حیض آیا ہی نہیں۔

اور جو عورتیں حاملہ ہوں چاہیں بیوہ ہوں یا مطلقہ ہوں ان کی عدت کے متعلق فرمایا گیا:

(الطلاق: ۴)

وَأُولَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ<sup>ط</sup>

اور حاملہ عورتوں کی مدت عدت ان کے بچہ جننے تک ہے۔

اور سورۃ البقرہ میں اس عورت کی مدت عدت بیان کی گئی جو بیوہ ہو گئی ہو۔ فرمایا گیا:

وَالَّذِينَ يَتَوَقَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا<sup>ع</sup>

(البقرہ: ۲۳۴)

اور جو لوگ فوت ہو جائیں اور چھوڑ جائیں بیویاں تو وہ بیویاں انتظار کریں چار مہینے اور دس دن۔

دورانِ عدت شوہر کی ذمہ داریاں

مدت عدت پوری ہونے سے قبل مرد کو اختیار نہیں کہ وہ مطلقہ کو گھر سے نکال دے وہ اسی گھر میں اپنی عدت کے ایام پورے کرے گی تاکہ اگر رجوع کرنے کا فیصلہ ہو تو کوئی دشواری پیش نہ آئے۔ نیز ایک گھر میں رہنے سے رجوع کی طرف مائل ہونے کا بھی قوی امکان ہے کہ اس طرح دونوں کو ایک دوسرے کو دیکھنے گفتگو کرنے وغیرہ کا موقع حاصل رہے گا اور وہ اسباب خود بخود ختم ہوتے جائیں گے جو وجہ طلاق بنے تھے اور پھر یہ مل کر اچھی زندگی بسر کرنے کا فیصلہ کر سکتے ہیں یہی حکمت ہے عورت کو اسی گھر میں رہنے کا حکم دینے میں کیونکہ اسلام بہر حال یہ چاہتا ہے کہ رشتہ ازدواج کسی نہ کسی طرح قائم اور باقی رہے۔ پس فرمایا گیا:

لَا تَخْرُجُوهُنَّ مِنْ بُيُوتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَنَّ بِفَاحِشَةٍ مُبَيَّنَةٍ<sup>ط</sup> (الطلاق: ۱)

نہ نکالو انہیں اپنے گھروں سے اور نہ وہ خود نکلیں سوائے اس (صورت) کے کہ وہ کھلی بے حیائی کی باتیں کریں۔

ہاں اگر مطلقہ طلاق کی جھنجھلاہٹ میں گھر والوں کو ستاتی ہو، شوہر کے ماں باپ، بہن بھائی وغیرہ کو برا بھلا کہتی رہتی ہو خاندان میں شوہر کو ذلیل و خوار کرتی ہو گالی گلوچ کرتی ہو حتیٰ کہ اس نے گھر کا سکون تباہ کر دیا ہو گھر کا نظام اس کی وجہ سے درہم برہم ہو گیا ہو تو ان سب صورتوں میں اسے گھر سے نکال دینے کی اجازت ہے اور یہی بہتر ہے پھر ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے:

أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِنْ دُجْدِكُمْ وَلَا تُضَارِرُوهُنَّ لِيُضَيِّقُوا عَلَيْهِنَّ وَإِنْ كُنَّ أُولَاتٍ حَمِلٍ فَلْيَضْحَكُوا عَلَيْهِنَّ<sup>ع</sup> فَإِنْ أَرْضَعْنَ لَكُمْ

فَاتَّوْهُنَّ أَجُورَهُنَّ ۚ وَاتَّبِعُوا بَيْنَكُمْ بِالْمَعْرُوفِ ۚ وَإِنْ تَعَاذَرْتُمْ فَسَرِّضُوا لَهُ  
 أُخْرَى ۚ لِيُنْفِقَ ذُو سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهِ ۖ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ فَلْيُنْفِقْ مِمَّا آتَاهُ اللَّهُ  
 لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا مَّا آتَاهَا ۚ سَيَجْعَلُ اللَّهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُسْرًا ۝ (الطلاق: ۷، ۶)

انہیں ٹھہراؤ جہاں تم خود سکونت پذیر ہو اپنی حیثیت کے مطابق اور انہیں ضرر نہ پہنچاؤ تاکہ تم انہیں تنگ  
 کرو اور اگر وہ حاملہ ہوں تو تم ان پر خرچ کرتے رہو یہاں تک کہ وہ بچہ جنمیں پھرا کر وہ بچہ کو تمہاری خاطر  
 دودھ پلائیں تو تم ادا کرو انہیں ان کی اجرت اور (اجرت طے کرنے کے لئے) آپس میں مشورہ کرتے  
 رہو بھلائی کے ساتھ اور اگر تم آپس میں طے نہ کر سکو تو اسے دودھ پلائے کوئی دوسری عورت خرچ کرے  
 وسعت والا اپنی وسعت کے مطابق اور (خرچ کرے) وہ جس پر اس کا رزق تنگ کر دیا گیا ہے تو وہ  
 خرچ کرے اس سے جو اللہ نے اسے دیا ہے اور اللہ کسی کو تکلیف نہیں دیتا مگر اس قدر جتنا اسے دیا ہے  
 عنقریب اللہ تنگی کے بعد فراخی دے دے گا۔

ان آیات مبارکہ میں احکام عدت تفصیل کے ساتھ بیان کر دیئے گئے تاکہ عدت جیسے اہم عمل کے دوران مرد و  
 عورت میں سے کسی سے کوئی غلطی نہ ہو یا کسی کی حق تلفی نہ ہو کہ اگرچہ طلاق نے رشتہ نکاح منقطع کر دیا ہے لیکن عدت ختم ہونے  
 تک ابھی ایک دوسرے کے حقوق باقی ہیں جنہیں ادا کرنا ضروری ہے۔ یہاں جو احکام دیئے گئے ہیں وہ یہ ہیں:

(۱) عورت طلاق کے بعد فوراً گھر سے نکال دینے کی اجازت نہیں بلکہ اس کے لئے مرد اپنی وسعت کے مطابق رہائش کا  
 انتظام کرے، بایں صورت کہ اگر رجعی طلاق دی ہے تو اسے اسی کمرے میں رکھے جس میں وہ اب تک رہتی تھی کہ اس صورت  
 میں عورت مرد سے پردہ بھی نہیں کرے گی اور اگر طلاق بائنہ دی ہے تو عورت مرد سے پردہ کرے اور مرد اس کے لئے ایسی  
 رہائش گاہ کا انتظام کرے جہاں وہ پردے کے باوجود آزادانہ رہ سکے۔

(۲) مرد کو اجازت نہیں کہ وہ اس مجبور و بے سہارا مطلقہ کو رہائش کے معاملہ میں یا کسی اور معاملہ میں تنگ کرے اور اتنا پریشان  
 کرے کہ وہ گھر چھوڑ کر نکل جانے پر مجبور ہو جائے بالخصوص ”لَا تُضَارُّوهُنَّ“ کی ممانعت کا خیال رکھا جائے کہ عورت کو اٹھتے  
 بیٹھتے طعنہ نہ دو کہ یہ اس کے زخموں پر نمک چھڑکنے کے مترادف ہوگا جس سے اسے طلاق کی تکلیف کے بعد مزید تکلیف ہوگی،  
 یہ ایذا رسانی تمہارے لئے جائز نہیں۔

(۳) جو مطلقہ حاملہ ہو اس کی رہائش اور اس کے دیگر لوازمات زندگی کی ذمہ داری مرد پر اس وقت تک ہے جب تک وہ بچہ کو جنم  
 دے دے یہاں خصوصیت کے ساتھ حاملہ عورت کے اخراجات کا ذکر ہے کہ اس کی مجبوری زیادہ ہے جبکہ ہر قسم کی مطلقہ عورت  
 کے اخراجات کی ذمہ داری مرد ہی پر عائد کی گئی ہے۔ جیسا کہ سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۲۴۱ میں فرمایا گیا: وَلِلْمُطَلَّقاتِ مَتْنَعٌ  
 بِالْمَعْرُوفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ اور جن کو طلاق دی گئی ہے انہیں خرچ دینا چاہئے مناسب طور پر یہ واجب ہے پرہیزگاروں  
 پر یعنی جو بھی اللہ سے ڈرتا ہے جبکہ ہر مومن اللہ سے ڈرتا ہے اور ڈرنا چاہئے پس ہر مومن پر واجب ہے کہ وہ اپنی مطلقہ کے

اخراجات عدت ختم ہونے تک پورے کرتا رہے۔ بِالْمَعْرُوفِ مناسب طریقے سے یعنی جیسے طلاق سے پہلے تمام ضروریات پوری کرتا تھا اسی طرح طلاق کے بعد کرتا رہے۔

(۴) حاملہ مطلقہ کی عدت بچہ کی پیدائش کے ساتھ ہی ختم ہو چکی لہذا اب اس پر بچہ کو دودھ پلانے کی ذمہ داری بھی نہ رہی لہذا اب اگر مرد اپنے بچہ کو اس سے دودھ پلوانا چاہتا ہے تو اس کی اجرت ادا کرے اور اجرت وہ ہوگی جس پر مرد و عورت باہمی مشورے سے رضامند ہو جائیں اور اگر مرد و عورت کی مطلوبہ اجرت ادا نہیں کر سکتا یا عورت دودھ پلانے پر اپنی کسی ذاتی مجبوری کی وجہ سے راضی ہی نہیں مثلاً وہ جلد ہی دوسرا نکاح کرنا چاہتی ہے اور وہ جانتی ہے کہ اس کا ہونے والا شوہر اس ذمہ داری کو پسند نہیں کرے گا تو ان دونوں صورتوں میں اسے مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ مرد کو چاہئے کہ وہ کسی دوسری دودھ پلانے والی کا انتظام کر لے (آج کل تو یہ مسئلہ بہت ہی آسان ہو گیا ہے کہ اچھے حالات میں بھی مائیں اپنے بچوں کو دودھ نہیں پلاتیں تو یہ صورت تو مجبوری کی ہے بچہ کی پرورش باسانی دوسرے دودھ سے ہو سکتی ہے)۔

(۵) مطلقہ کے اخراجات میں اعتبار مرد کی حیثیت کا ہوگا کہ اگر مرد دولت مند ہے تو وہ عورت کو خرچہ بھی دولت مندوں جیسا ہی دے گا اور اگر غریب ہے تو وہ غریبوں جیسے ہی اخراجات کرے گا یعنی جس طرح وہ پہلے اپنی بیوی کو رکھتا تھا اسی طرح اب بھی رکھے اس میں جتنی بہتری کر سکتا ہے کرے کی نہ ہونے پائے اسی لئے اس حکم کے ساتھ ”بِالْمَعْرُوفِ“ فرمایا گیا ہے۔ یہی احکام بیوہ عورت کے لئے بھی ہیں کہ اس کی تمام ذمہ داری یا تو شہر کے متروکہ مال سے پوری کی جائے گی اور اگر شوہر نے کچھ نہیں چھوڑا تو یہ ذمہ اس کے وارثین پورا کریں گے۔

بہر حال مطلقہ ہو یا بیوہ ہو شریعت مطہرہ ہرگز اجازت نہیں دیتی کہ اسے بے سہارا چھوڑ دیا جائے۔ نکاح نے جس مرد کو عورت کا قوام، ذمہ دار اور سہارا بنایا وہی مرد مدت عدت ختم ہونے تک اپنی ذمہ داریاں پور کرنے کا پابند ہے جبکہ یہ مدت اس بے سہارا عورت کے لئے کوئی دوسرا انتظام کر لینے کے لئے کافی ہے کہ اس عرصہ میں اس کے دوسرے نکاح کا انتظام ہو سکتا ہے یا اس کے اعزاء و اقارب اس کی ذمہ داری قبول کرنے کے لئے آمادہ ہو سکتے۔

بہر حال قرآن و حدیث کی روشنی میں یہ حکم واضح ہے کہ مطلقہ اپنی کسی بھی ضرورت کے لئے گھر سے باہر نہیں نکل سکتی کہ یہ بالکل حرام ہے اسے چاہئے کہ وہ اپنے ہر کام کے لئے مرد سے کہے جو اس کی ضروریات پوری کرنے کا ذمہ دار قرار دیا گیا ہے اور اگر وہ اپنی ذمہ داری پوری نہیں کرتا تو سخت گناہ گار ہوگا۔ ہاں بیوہ عورت سخت ضرورت کے لئے باہر جاسکتی ہے کہ اس کا شوہر مر چکا اب وہ مجبور ہے۔ اپنے ضروری کام اسے خود ہی کرنا ہوں گے لیکن بلا ضرورت بازاروں میں گھومنا، سیر و تفریح کرنا، تقریبات میں شریک ہونا شامل نہیں ہاں ڈاکٹر کے پاس جان یا کھانے پینے کا سامان وغیرہ خریدنا ضرورت میں شامل ہے۔

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو عدت جیسے اہم حکم کی تعمیل میں لا پرواہی نہ کرو اگر عورت اس حکم کی پابندی نہیں کرتی تو مرد کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس سے پابندی کرائے اور عورت کے اعزاء و اقرباء کی ذمہ داری بھی ہے کہ وہ نگرانی کریں کہ

عدت کی پابندی کی جارہی ہے یا نہیں ورنہ سب ہی گناہ گار ہوں گے نیز عورتیں احکام عدت پر غور کریں تو انہیں اس کی اہمیت کا اندازہ ہوگا اور پتہ چلے گا کہ وہ اس حکم کی خلاف ورزی کر کے کتنے بڑے گناہ میں مبتلا ہیں اور یہ بھی معلوم ہوگا کہ اگرچہ شریعت مطہرہ نے عورت کو طلاق کا اختیار نہیں دیا بلکہ طلاق وعدت کے احکام میں ہر طرح عورت کی ضرورت اور مجبوری کا خیال رکھا گیا ہے کہ مرد کو اس کی تمام ذمہ داریاں سونپ دی گئیں حتیٰ کہ اگر وہ اپنے ہی بچہ کو دودھ پلانے کی اجرت لینا چاہے تو اسے اس کا حق حاصل ہے یا اگر وہ دودھ پلانے کی ذمہ داری قبول نہ کرنا چاہے تو کوئی اسے پابند نہیں کر سکتا۔

ان تمام مراعات کے باوجود عورت کا یہ خیال کرنا کہ شریعت کے احکام اس کے لئے سخت ہیں اپنے اوپر سختی کرنے کے سوا کچھ نہیں۔ آج عورتیں ماری ماری پھر رہی ہیں، ذلیل و خوار ہو رہی ہیں، عیاش مردوں کی ہوس کا شکار ہیں، صرف اس لئے کہ وہ احکام شرع سے جاہل ہیں نہ تو انہیں جاننے کی کوشش کرتی ہیں اور نہ ہی ان پر عمل کے لئے آمادہ ہیں بلکہ العیاذ باللہ انہیں اپنے اوپر زیادتی اور ظلم سمجھتی ہیں۔ میری بہنوں سوچو! اگر تمہارا یہی خیال ہے تو تمہارے ایمان کا کیا حشر ہوا تم کس طرح مسلمان ہونے کا دعویٰ کر سکتی ہو پس جو ایسا سوچتی ہیں تو بہ کریں، اللہ کے احکام کی تعمیل کریں، اللہ بے حد مہربان اور بخشنے والا ہے اس کا ارشاد ہے: ”يَعْبَادِي الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ، إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا، إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ۔“ اے اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے میرے بندوں اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو بیشک اللہ سب گناہ بخش دیتا ہے بیشک وہ بڑا ہی بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔ اے اللہ ہمیں اپنے احکام کی تعمیل کی توفیق عطا فرما اور ہمارے گناہوں کو معاف فرما، آمین۔

وَصَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَى خَيْرِ خَلْقِهِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلَىٰ آلِهِ وَأَصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ



## مقالہ ۶۴

### الاحزاب: ۵۳ تا ۵۵

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ إِلَّا أَنْ يُؤْذَنَ لَكُمْ إِلَى طَعَامٍ غَيْرٍ  
 نَظَرٍ فِيهِ إِلَهُهُ ۚ وَلَكِنْ إِذَا دُعِيتُمْ فَادْخُلُوا فَإِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوا وَلَا مُسْتَأْنِسِينَ  
 لِحَدِيثٍ ۚ إِنَّ ذَلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيِي مِنْكُمْ ۚ وَاللَّهُ لَا يَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ ۚ  
 إِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَسْأَلُوهُنَّ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ ۚ ذَلِكُمْ أَطْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ  
 وَقُلُوبِهِنَّ ۚ وَمَا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُؤْذُوا رَسُولَ اللَّهِ وَلَا أَنْ تُنْكِرُوا أَرْوَاحَهُ مِنْ بَعْدِ  
 أَبَدٍ ۚ إِنَّ ذَلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللَّهِ عَظِيمًا ۝ إِن تَبَدُّوا شَيْئًا أَوْ تَخَفُوهُ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُلِّ  
 شَيْءٍ عَلِيمًا ۝ لَا جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ فِي آبَائِهِنَّ وَلَا أَبْنَائِهِنَّ وَلَا إِخْوَانِهِنَّ وَلَا أَبْنَاءَ  
 إِخْوَانِهِنَّ وَلَا أَبْنَاءَ أَخَوَاتِهِنَّ وَلَا نِسَاءِ يَهُنَّ وَلَا مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُنَّ ۚ وَالثَّقَيْنَ اللَّهُ  
 إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدًا ۝

(احزاب: ۵۳-۵۵)

إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدًا ۝

اے ایمان والو! نہ داخل ہوا کرو نبی کے گھروں میں بجز اس کے کہ تمہیں کھانے کے لئے آنے کی اجازت دی جائے (اور) نہ کھانا پکنے کا انتظار کیا کرو لیکن جب تمہیں بلایا جائے تو اندر چلے آؤ پس جب کھانا کھا چکو تو فوراً منتشر ہو جاؤ اور نہ وہاں بیٹھ کر دل بہلانے کی باتیں کیا کرو بیشک تمہاری ان حرکتوں سے نبی کو تکلیف ہوتی ہے پس وہ تم سے حیا کرتے ہیں اور اللہ حق بیان کرنے میں حیا نہیں کرتا اور جب تم مانگو ان سے کوئی چیز تو مانگو پردے کے پیچھے سے یہ طریقہ پاکیزہ تر ہے تمہارے دلوں کے لئے نیز ان کے دلوں کے لئے اور تمہیں زیب نہیں دیتا کہ تم تکلیف پہنچاؤ اللہ کے رسول کو اور نہ نکاح کرو ان کی بیویوں سے ان کے بعد کبھی بے شک ایسا کرنا اللہ کے نزدیک بڑا گناہ ہے اگر تم کسی بات کو ظاہر کر دیا اسے چھپاؤ یقیناً اللہ ہر چیز سے خوب آگاہ ہے کوئی حرج نہیں ان پر اگر ان کے یہاں آئیں ان کے باپ اور ان کے بیٹے اور ان کے بھائی اور ان کے بھتیجے اور ان کے بھانجے اور اسی طرح مسلمان عورتیں اور نہ کوئی پابندی ہے باندیوں کے آنے پر (اے عورتو) اللہ سے ڈرا کرو بیشک اللہ ہر چیز کا مشاہدہ فرما رہا ہے۔

آیات مذکورہ میں اہل ایمان کو خطاب کرتے ہوئے جو احکام دیئے جا رہے ہیں وہ اگرچہ اپنے مواقع کے اعتبار سے مخصوص ہیں اور ان کے مخاطب بھی خصوصی طور پر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں لیکن تعمیل کے اعتبار سے یہ قیامت تک آنے والے تمام غلاموں کے لئے ہیں سوائے ایک حکم کے کہ جس کے ذریعہ صحابہ کرام پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد نکاح کرنے کی ممانعت کی گئی ہے تاہم اعتقاداً ہم بھی اس حکم میں شامل ہیں کہ ہمارا یہی عقیدہ ہونا چاہئے کہ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ازواج مطہرات یعنی ہماری مائیں امت کے لئے اس قدر قابل احترام و تکریم ہیں کہ کسی امتی کے لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد ان سے نکاح کا تصور بھی حرام ہے۔ اب مذکورہ احکام کی تفصیل ملاحظہ ہو۔

پہلا حکم

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ إِلَّا أَنْ يُؤْذَنَ لَكُمْ إِلَى طَعَامٍ غَيْرٍ  
لِنَظَرٍ إِنَّهُ لَكُنْ إِذَا دُعِيتُمْ فَادْخُلُوا فَإِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوا وَلَا مُسْتَأْنِسِينَ  
لِحَدِيثٍ إِنَّ ذَلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيِي مِنْكُمْ وَاللَّهُ لَا يَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ  
(احزاب: ۵۳)

نہ داخل ہوا کرو نبی کے گھروں میں بجز اس کے کہ اجازت دی جائے تمہیں کھانے کے لئے آنے کی (اور) نہ کھانا پکنے کا انتظار کیا کرو لیکن جب تمہیں بلایا جائے تو اندر چلے جاؤ پس جب کھانا کھا چکو تو فوراً منتشر ہو جاؤ اور نہ وہاں بیٹھ کر دل بہلانے کی باتیں کیا کرو بیشک تمہاری ان حرکتوں سے نبی کو تکلیف ہوتی ہے تو وہ تم سے حیا کرتے ہیں اور اللہ حق بیان کرنے میں حیا نہیں کرتا۔

## بن بلائے مہمان

حکم پردہ نازل ہونے سے پہلے کی بات ہے کہ لوگوں کا ایک دوسرے کے گھروں میں آنا جانا عام تھا۔ ان کا یہی طریقہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ بھی تھا کہ جو چاہتا، جب چاہتا، بلا اجازت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے گھروں میں آتا جاتا تھا بالخصوص کھانے کے اوقات میں ان کا یہ معمول تھا کہ آکر بیٹھ جاتے تھے کھانا پکنے کا انتظار کرتے رہتے تھے کہ وہ دن غربت و افلاس کے تھے اکثر غلام بھوکے ہوا کرتے تھے۔ آقا کے گھر پر کھانا کھانے کے لئے آنا کوئی شرم کی بات نہ تھی کہ غلاموں کو اگر آقا کے در سے روٹی نہ ملے تو کہاں جائیں پس جونہی انہیں خبر ہوتی کہ آج ہمارے آقا کے گھر میں چولہا جلا ہے، کچھ پک رہا ہے تو وہ پہلے ہی سے جمع ہو جاتے تھے، کھانے کا انتظار کرتے رہتے اور کھانے سے فارغ ہو کر بیٹھے رہتے۔ اپنے آقا کی پیاری پیاری باتیں سنتے رہتے تھے جس سے بعض اوقات حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تکلیف ہوا کرتی تھی کہ آپ کوئی دوسرا کام نہ کر پاتے یا اپنے اہل خانہ کے ساتھ بلا تکلف نہ بیٹھ پاتے تھے۔ شریعت مطہرہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تو درکنار کسی کی زندگی میں بھی ایسی مداخلت کی متحمل نہیں ہو سکتی لہذا بوسیلہ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام پوری امت کے لئے یہ حکم جاری کر دیا گیا اگر تمہیں کھانے کے لئے بلایا جائے تو آؤ بلا بلائے مہمان نہ بنو نیز وقت پر آؤ اور جب کھا چکو تو صاحب خانہ کی دیگر ضروریات کا احساس کرو اور فارغ ہو کر اپنے گھروں کو چلے جاؤ سوائے اس کے کہ کبھی کھانے کے بعد میزبان کی طرف سے ملاقات یا گفتگو کی خواہش کا اظہار ہو۔ جیسا کہ آج کل عام طور پر ہماری محافل میں طریقہ ہے کہ کھانے کے بعد لوگ کچھ دیر جمع رہتے ہیں اور اس موقع کو باہمی بات چیت اور مسائل و معاملات پر تبادلہ خیال کا موقع بنا لیتے ہیں۔ اس میں کوئی مضائقہ نہیں بشرطیکہ میزبان اور اس کے اہل خانہ کو تکلیف نہ ہو۔ جیسا کہ اس زمانہ میں ہوتا تھا کہ دعوتیں چھوٹے گھروں میں ہوتی تھیں اور اہل خانہ کی طرف سے انتظار ہوتا تھا کہ مہمانوں کی ایک جماعت کھانا کھا کر جائے تو دوسری جماعت کو کھانا پیش کیا جائے یا جلدی لوگ چلے جائیں تو گھر والے اپنے دوسرے کام کریں لیکن آج کل عام طور پر ایسا نہیں ہماری دعوتوں کا انتظام ہالوں یا ہوٹلوں وغیرہ میں ہوتا ہے پس اگر مہمان کچھ دیر کے رہیں تو کوئی تکلیف نہیں ہوتی پھر بھی بہتر یہی ہے کہ جلدی چلے جانے کے حکم پر عمل کیا جائے۔

یہ بات خصوصی طور پر قابل غور ہے کہ اس حکم کے نزول کی وجہ یہ بیان کی جا رہی ہے کہ تمہارے دیر تک بیٹھے رہنے کی وجہ سے ہمارے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تکلیف ہوتی ہے چاہے اس لئے کہ ان کے دوسرے اہم کاموں میں غیر ضروری تاخیر ہوتی ہے یا اس لئے کہ ان کے آرام میں خلل واقع ہوتا ہے اور ہمیں یہ پسند نہیں کہ ہمارے پیارے کو کسی بھی طرح تکلیف پہنچے پس اگر تم اپنے ایمان کی سلامتی چاہتے ہو تو میرے محبوب کی تکلیف کا احساس کرو اور کوئی عمل قصداً یا سہواً ایسا نہ کرو جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایذا کا باعث ہو۔ یہ حکم ہمیشہ کے لئے ہے کہ ہر امتی پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خوشنودی کا لحاظ کرنا لازم و ضروری ہے۔ اس طرح کہ وہ نہ تو اپنی بد عملی سے آپ کو تکلیف پہنچائیں اور نہ ان کے محبوبین، اولیاء کرام اور وارثین علماء کرام کو دکھ دے کر بالواسطہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دکھ نہ دیں۔



اور یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام باوجود تکلیف کے اپنے گھر آئے مہمانوں کو جانے کے لئے نہیں کہتے تھے کہ آپ کو شرم آتی تھی کہ آپ مہمانوں سے کہیں کہ اب آپ لوگ کھانا کھا چکے اب چلے جائیں جبکہ یہ مہمان کوئی غیر نہ ہوتے تھے بلکہ اپنے تھے غلام تھے لیکن پھر بھی آپ نے مہمانوں کا احترام کیا اور ان کی دلجوئی کا خیال رکھا اور ہمیں بھی اسی کی تعلیم دی۔

راوی ہیں حضرت ابو شریح کعمی رضی اللہ عنہ کہ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ”جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ اے اپنے مہمان کی عزت کرنا چاہئے اور مہمان کو حق میزبانی تین دن اور تین رات حاصل ہے اس کے بعد میزبانی صدقہ اور خیرات ہے۔“ وَلَا يَحِلُّ لَهُ أَنْ يَثْوَى عِنْدَهُ حَتَّى يُحَرِّجَهُ“ اور مہمان کے لئے جائز نہیں کہ وہ کسی کے پاس اتنا زیادہ ٹھہرے کہ اس کو تنگی میں مبتلا کر دے۔“ (بخاری شریف)

یہ اللہ کا کرم ہے کہ اس نے دین کی ہر بات کو واضح فرما دیا کہ وہ حق بیان کرنے سے شرم نہیں فرماتا ورنہ دین کے بہت سے احکام ظاہر نہ ہو پاتے دین نامکمل رہ جاتا اور ہم محروم ہو جاتے، فالحمد لله العظيم۔

بخاری شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ایک روایت ہے کہ اس حکم کے نزول کے وقت میں خود وہاں حاضر تھا اور اس واقعہ کو میں بخوبی جانتا ہوں جو اس حکم کے نزول کا سبب بنا یہ اس رات کی بات ہے جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا اور آپ رخصت ہو کر حرم نبوی ﷺ میں تشریف لائیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہم غلاموں کو ولیمہ کی دعوت دی۔ صحابہ آپ ﷺ کے یہاں جمع ہوئے اور کھانے سے فارغ ہو کر وہیں بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی وہیں رونق افروز تھے اور آپ کے برابر ہی حضرت زینب بیٹھی تھیں۔ جن کا شرم و حیا سے یہ حال تھا کہ انہوں نے دیوار کی طرف اپنا رخ کیا ہوا تھا اور سکڑ کر دیوار سے چپٹی جا رہی تھیں لیکن کسی کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تکلیف کا احساس نہ تھا۔ سب باتوں میں مصروف تھے بالآخر نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام باہر تشریف لے گئے اور اپنی دیگر ازواج کے گھروں میں ہو کر واپس تشریف لائے تو ملاحظہ فرمایا کہ اب تک لوگ اسی طرح بیٹھے ہیں اب بھی آپ ﷺ خاموش رہے۔ یہاں تک کہ لوگوں کو احساس ہوا اور وہ اٹھ کر چلے گئے ابھی تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ اللہ کے رسول ﷺ باہر تشریف لائے اور یہ آئے مبارکہ سنائی جو اس وقت نازل ہوئی تھی اور جس کے ذریعہ بواسطہ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام اہل ایمان کو بن بلائے مہمان بننے یا کھانے سے فارغ ہو کر اتنی دیر بیٹھے رہنے کی جس سے اہل خانہ کو تکلیف ہو ہمیشہ کے لئے ممانعت کر دی گئی، پس

اے ایمان والو! بن بلائے کسی کے مہمان نہ بنو اور اگر دعوت دی جائے تو قبول کر لو کھانے سے فارغ ہو کر جے نہ بیٹھے رہو مناسب وقفہ کے بعد منتشر ہو جاؤ۔ یہ واقعہ چونکہ خصوصی طور پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے گھر پر دعوت کا ہے لہذا اسی موقع پر تمہیں یہ ہدایت بھی کر دی گئی کہ کوئی کام ایسا نہ کرو جس سے تمہارے آقا ﷺ کو تکلیف پہنچے۔ ظاہر ہے یہ بات حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی موجودگی کے وقت صحابہ کرام سے کہی گئی لیکن یہ حکم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تشریف لے جانے کے بعد

بھی قیامت تک آنے والے غلاموں کے لئے ہے۔ اس طرح کہ جب بھی غلاموں کو آقا ﷺ کے روضہ مبارکہ پر سلام کے لئے حاضری کا موقع نصیب ہو تو اس الہی ہدایت کا خیال رکھیں اور دربار میں سلام عرض کر کے آگے بڑھ جاؤ۔ عقیدت و محبت میں اتنے دیوانہ نہ بنو کہ آداب کا لحاظ نہ رہے۔ اللہ کے حکم کا خیال نہ رہے اور یہ بھی احساس نہ رہے کہ تمہارے دوسرے بھائی بھی پیشی کے منتظر ہیں۔ ان کو طویل انتظار کی زحمت میں مبتلا نہ کرو کہ آقا کے غلاموں کو تکلیف پہنچانا درحقیقت آقا ہی کو تکلیف پہنچانا ہے کیا تم ایسی حاضری کے قبول ہونے کی امید کر سکتے ہو جس سے سرکار کو تکلیف پہنچ رہی ہو، اللہ محفوظ رکھے۔

دوسرا حکم

صحابہ کرام کو حکم دیا گیا ”وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَسْأَلُوهُنَّ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ“ جب تم ان سے کچھ مانگو تو پردے کے پیچھے سے مانگو یہ امہات المؤمنین اور صحابہ کرام کی وساطت سے امت مسلمہ کو حکم دیا جا رہا ہے کہ سب مسلمان مرد اور عورتوں پر یہ پابندی عائد کی جاتی ہے کہ وہ غیر محارم سے پردہ کیا کریں حتیٰ کہ اہم ضرورت کے وقت اگر کسی مرد یا کسی عورت کو کسی سے کچھ مانگنا یا پوچھنا ہو تب بھی درمیان میں پردہ حائل ہونا چاہئے گویا بوقت ضرورت ایک دوسرے کی آواز سننا تو جائز ہے لیکن کسی بھی وقت ایک دوسرے کا چہرہ دیکھنا جائز نہیں۔ پردہ کا حکم قرآن کریم میں دیگر مقامات پر بھی تفصیل سے موجود ہے۔ جسے ہم سورۃ النور کی آیات پردہ کے ذیل میں بیان کر چکے ہیں۔ اگر ذہن میں نہ ہو تو دوبارہ ایک نظر ڈال لیجئے یہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ ملاحظہ ہو جو بخاری و مسلم میں مذکور ہے آپ نے فرمایا ”وَأَفْقُتُ رَبِّي فِي ثَلَاثٍ“ کہ میں نے تین چیزوں میں اپنے رب کے ساتھ موافقت کی یعنی شریعت کے تین احکام ایسے ہیں جن کے نزول سے قبل میں نے ان کی خواہش ظاہر کی۔ ایک یہ کہ میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! کتنا اچھا ہو کہ آپ مقام ابراہیم کو اپنا مصلیٰ بنالیں۔ پس اللہ نے میری آرزو پوری فرمائی اور حکم دیا کہ ”وَاتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى“ مقام ابراہیم کو مصلیٰ بنالو۔ دوسری گزارش میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے یہ کی کہ آپ کی ازواج مطہرات کے سامنے اچھے برے ہر قسم کے لوگ آتے جاتے رہتے ہیں کیا ہی اچھا ہو کہ آپ ﷺ انہیں پردہ کا حکم صادر فرمادیں۔ ”فَانْزِلَ اللَّهُ آيَةَ الْحِجَابِ“ تو اللہ تعالیٰ نے پردے کی آیت مبارکہ نازل فرمادی۔ تیسرے میں نے ازواج مطہرات کے درمیان جب باہمی رشک اور غیرت بڑھتے دیکھا تو ایک دن میں نے ان سے کہا: ”عَسَى رَبُّهُ أَنْ يُلَاقِيَكُمْ مِنْهُنَّ عَذَابٌ مُنْكَرٌ“ ممکن ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تمہیں طلاق دے دیں اور اللہ تعالیٰ انہیں تم سے بدتر عورتیں بنا دے۔ پس بعینہ انہی الفاظ کے ساتھ وحی الہی نازل ہو گئی۔

امہات المؤمنین سے حکم پردہ کی جو وجہ بیان کی جا رہی ہے وہ نہایت ہی قابل غور ہے ارشاد ہے ”لَقُلْ لَكُمْ وَفُتُّوا بِهِنَّ“ یہ طریقہ تمہارے اور ان کے دلوں کے لئے پاکیزہ ہے یعنی پردے سے کسی کے دل میں کسی سے متعلق غلط خیال پیدا نہیں ہو سکتا۔ اللہ اکبر! حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اہل خانہ کی طہارت کا ضامن خود اللہ رب العزت ہے۔ ”يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا“ اے اہل بیت اللہ تم سے ہر قسم کی ناپاکی و دور کردینے

اور تمہیں خوب پاک کر دینے کا فیصلہ کر چکا ہے۔ نیز صحابہ کرام کے قلوب کو بھی اللہ نے ہر قسم کے شیطانی وسوسوں سے محفوظ کر دیا ہے جس کے بعد ان دونوں کے دلوں میں خلاف شرع کوئی خیال پیدا ہونے کا امکان ہی نہیں رہا لیکن پھر بھی انہیں پردے کا حکم دیا گیا تاکہ کوئی شیطانی وسوسہ پیدا نہ ہو۔ جب ان نفوس قدسیہ کے لئے احتیاط کا یہ حال ہے تو ہمارا کیا یہ دعویٰ کس طرح بجا ہو سکتا ہے کہ اگر نیت اچھی ہو تو مرد و عورت کے اختلاط سے کوئی خطرہ نہیں لہذا العیاذ باللہ پردے کی کیا ضرورت ہے جبکہ پردہ قرآنی نص سے ثابت ہے اور اس کا انکار کفر ہے۔

علاوہ ازیں کس طرح یہ دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ نیت صاف ہے اور کب تک صاف رہے گی جبکہ اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ آج کے تمام فتنوں، بدکاریوں اور برائیوں کا سبب مرد و عورت کا آزادانہ اختلاط کے سوا کچھ نہیں اسی لئے نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس پر سخت پابندی عائد کرتے ہوئے فرمایا۔ راوی ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ ”لَا يَخْلُونَ رَجُلٌ بِامْرَأَةٍ إِلَّا كَانَ ثَالِثُهَا الشَّيْطَانُ“ ”کوئی مرد و عورت تنہائی میں جمع نہیں ہوتے مگر وہاں تیسرا شیطان موجود ہوتا ہے“ جو انہیں اگر برائی میں مبتلا کرنے میں کامیاب نہیں بھی ہو پاتا تو دلوں میں وسوسہ ضرور پیدا کر دیتا ہے اور یہی وسوسہ انسان کو برائی پر آمادہ کرتا ہے۔

غرضیکہ پردہ بے شمار فتنوں کا سد باب کرتا ہے جو عورت کے لئے نہ تو قید و بند ہے اور نہ ہی اس کی ترقی و آزادی میں حائل ہے بلکہ اس کی عزت و آبرو کی حفاظت اور اسے پرسکون باعزت زندگی فراہم کرنے کا واحد ذریعہ ہے۔

تیسرا حکم

آیت مذکورہ میں تیسرا حکم یہ دیا جا رہا ہے ”وَلَا تَنْكِحُوا أَزْوَاجَهُ مِنْ بَعْدِهِ أَبَدًا“ کہ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیویوں سے ان کے بعد کبھی نکاح نہ کرو کیونکہ ”إِنَّ ذَلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللَّهِ عَظِيمًا“ یہ اللہ کے نزدیک بڑا ہی گناہ ہے۔ نبی امت کا روحانی باپ ہوتا ہے جس کا احترام کرنا تمہارے لئے لازم قرار دیا گیا ہے جس کا تقاضا ہے کہ اس کی مقدس و پاکیزہ ازواج کو تمہاری ماں قرار دیا جائے ”النَّبِيُّ أَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ“ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام مؤمنوں کی جانوں سے بھی زیادہ ان کے قریب ہیں اور آپ کی بیویاں ان کی مائیں ہیں۔

میری مائیں

از روئے قرآن نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ازواج، جملہ امت مسلمہ کے لئے ماؤں کا مرتبہ رکھتی ہیں۔ ظاہر ہے انہیں یہ اعلیٰ مقام صرف حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے نسبت اور تعلق ہی کے باعث نصیب ہوا اور چونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اہل ایمان کے لئے ان کی جانوں سے بھی زیادہ قریب ہیں۔ جس کا مفاد یہ ہے کہ وہ اپنے غلاموں پر ان کے باپوں سے بھی زیادہ شفیق و مہربان ہیں۔ پس آپ ﷺ کی ازواج مطہرات بلحاظ شفقت و محبت امت کی ماؤں کی طرح قرار پائیں اور امت کے مردوں پر ان کا ماؤں جیسا اعزاز و اکرام واجب کر دیا گیا کہ کسی کے لئے یہ جائز نہ رہا کہ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ظاہری پردہ فرما جانے کے بعد اپنی ان روحانی ماؤں میں سے کسی کے ساتھ نکاح کر سکے جو کہ آپس میں مرد و عورت کے

لئے جائز ہے کیونکہ یہ مائیں ہیں کوئی عام عورت نہیں ان کا کسی عام عورت سے کسی اعتبار سے بھی موازنہ نہیں کیا جاسکتا۔ خود قرآن کریم ان کے متعلق اعلان فرماتا ہے ”لَسْتُنَّ كَأَحَدٍ مِنَ النِّسَاءِ“ تم دوسری عورتوں میں سے نہیں ہو سکتی۔ تمہاری نظیر و مثال پیش نہیں کی جاسکتی۔ کوئی عورت تم جیسی ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتی کہ تم ان نبی کی ازواج ہو جو بتے بہتے ہیں اس جیسا کوئی اور اس سے جس کی نسبت ہو جائے اس جیسا کوئی نہیں ہو سکتا، اس کی ازواج بھی کوئی عورت نہیں، اس کے سوا جیسا کوئی نہیں، اس کی امت خیر الامم اس جیسا کوئی نہیں، نہ ہی کوئی امتی آپس میں ایک دوسرے جیسا ہے۔ غور کرو کہ اللہ کے بھیجے سب نبی ایک جیسے نہیں ”أَنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ“ غور تو کرو ہم نے بعض کو بعض پر کس طرح فضیلت بخشی ہے۔ جب انبیاء ہی میں مساوات و مشابہت اور مماثلت نہیں تو پھر کسی دوسرے میں کیسے ہوگی پس اسے نبی کی ازواج تمہارا مرتبہ و مقام عام عورتوں سے بہت بلند ہے تم مائیں ہو لہذا اولاد پر تمہارا احترام فرض قرار دیا گیا ہے۔ ایک تو اس طرح کہ ان میں سے کوئی تمہیں اپنا جیسا نہ سمجھے دوسرے اس طرح کہ کسی مرد کے لئے جائز نہیں کہ وہ ہمارے محبوب کے بعد تمہیں اپنے نکاح میں لے اور جو لوگ ان ازواج مطہرات کے زمانہ میں نہیں ہیں ان پر لازم ہے کہ وہ یہ عقیدہ رکھیں ”کہ ان مقدس ماؤں سے اللہ نے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نکاح حرام کر دیا ہے۔“

نکاح کی حرمت اگرچہ باعتبار روحانی ہے لیکن اس پر عمل ظاہری اور جسمانی طور پر ہوگا لیکن دیگر معاملات میں یہ مائیں غیر محارم ہی کی طرح ہوں گی جیسے ان سے پردہ کرنا یا کوئی سوال پردے کے پیچھے سے کرنا لازمی ہوگا نیز ان کے ساتھ سفر کرنے کے بھی وہی احکام ہوں گے جو غیر محرم عورتوں کے ساتھ ہیں اسی لئے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا مردوں کو درس حدیث، درس فقہ وغیرہ پردے ہی کے پیچھے سے دیا کرتی تھیں اور صحابہ کرام پردے ہی کے پیچھے سے ان سے مسائل معلوم کرتے تھے۔ یہی حال دیگر ازواج مطہرات کا تھا اسی لئے اللہ نے ہماری ان ماؤں کو حکم دیا ”فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ“ (غیر مردوں سے) نرمی سے بات نہ کرو کہ ان کے دل میں کسی قسم کا وسوسہ پیدا ہو۔ ”وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ“ اور اپنے گھروں میں رہا کرو۔ ”وَلَا تَبْرَجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَى“ اور سابقہ دور جاہلیت کی طرح اپنی آرائش کی نمائش نہ کرو ”وَأَقِمْنَ الصَّلَاةَ“ اور نماز کی پابندی کرو، ”وَاتِينَ الزَّكَاةَ“ اور زکوٰۃ ادا کیا کرو، ”وَأَطِعْنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ“ اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کیا کرو، ”إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا“ کیونکہ اے نبی کی گھر والیوں اللہ تم سے ہر قسم کی نجاست کو دور کر دینا اور تمہیں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خوب پاک کر دینا چاہتا ہے۔ ”وَإِذْ كُنَّ فِي بُيُوتِكُنَّ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ وَالْحِكْمَةِ“ اور یاد رکھو اللہ کی ان آیات اور حکمت کی ان باتوں کو جو تمہارے گھروں میں پڑھی جاتی ہیں۔

اے نبی کی بیویوں تمہیں خصوصی طور پر یہ ہدایات اس لئے دی جا رہی ہیں کہ تم امت کی مائیں ہو تمہارے گھروں میں اللہ کی وحی نازل ہوتی ہے پس تم زیادہ ذمہ دار ہو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت و فرمانبرداری کی اور تم اس کی ازواج ہو جو امت کے لئے اسوۂ حسنہ ہے۔ پس تمہیں بھی امت کے لئے بہترین نمونہ بننا ہے تم مائیں ہو اور اولاد اپنی ماں کی پیروکار

ہوتی ہے۔ پس تم وہ طرز زندگی اختیار کرو جس کی اتباع و پیروی تمہاری اولاد کے لئے فلاح و کامرانی اور نجات کا ذریعہ ہو۔

اب ہم چاہتے ہیں کہ اس موقع پر اپنی ماؤں کے حالات زندگی بھی مختصر بیان کر دیں کہ بحمد اللہ ہمیں یہ شرف و اعزاز حاصل ہے کہ نہ صرف حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی کے حالات بلکہ آپ سے جس کو بھی شرف تعلق حاصل ہو گیا اس کے حالات زندگی بھی ہمارے پاس محفوظ ہیں حتیٰ کہ نسبت رسول سے جو چیز مشرف و متبرک ہو گئی وہ بھی ہم نے محفوظ کر لی۔ پس آئیے ہم اپنی ماؤں کی زندگی کے حالات کا مطالعہ کر کے اپنا ایمان تازہ کریں اور ناز کریں کہ اللہ نے ہمیں ایسی مائیں عطا فرمائیں جنہوں نے اللہ و رسول کے احکام کی تعمیل کا حق ادا کر دیا اور جو کچھ انہوں نے اپنے گھروں میں وحی و حکمت کی باتیں، سیکھیں اور جانیں انہیں خوب خوب یاد رکھا اور ہم تک بخوبی پہنچایا اللہ ان پر شب و روز اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔

پہلی ماں

حضرت ام المؤمنین خدیجہ رضی اللہ عنہا ہماری پہلی ماں ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ

والسلام نے فرمایا:

خَيْرُ نِسَاءٍ هَا مَرْيَمُ بِنْتُ عِمْرَانَ وَخَيْرُ نِسَاءٍ هَا خَدِيجَةُ بِنْتُ خُوَيْلِدٍ۔

(اپنے زمانہ کی عورتوں میں) بہترین عورت مریم بنت عمران تھیں اور (تمام عورتوں میں) بہترین

(مسلم)

عورت خدیجہ بنت خویلد ہیں۔

حضرت اسماعیل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے حضرت عبداللہ بن اوفی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا حضور علیہ

الصلوٰۃ والسلام نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو جنت میں گھر کی بشارت دی تھی۔ آپ نے فرمایا، ہاں۔

بَشَّرَهَا بِبَيْتٍ فِي الْجَنَّةِ مِنْ قَصَبٍ لَا صَنْعَ فِيهِ وَلَا نَصَبٍ۔

آپ نے انہیں جنت میں ایسے گھر کی بشارت دی تھی جو خولدار موتیوں سے بنا ہوا ہوگا جس میں

(مسلم)

شور و شغب نہ ہوگا۔

امت مسلمہ کی پہلی ماں ہیں جنہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے چالیس برس کی عمر میں شرف زوجیت حاصل ہوا۔

اس وقت آپ کی عمر مبارک پچیس برس کی تھی۔ اس سے پہلے آپ دو مردوں عتیق بن عاذ اور ابوالہاء ہند بن زرارہ سے نکاح کر

چکی تھیں۔ مکہ کی امیر ترین تاجرہ تھیں نیکی اور صالحیت کے سبب طاہرہ کے نام سے مشہور تھیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سب

اولاد حضرت زینب، حضرت ام کلثوم، حضرت رقیہ، حضرت فاطمہ، حضرت قاسم، حضرت طیب اور حضرت طاہر رضی اللہ عنہما آپ

ہی نے بطن سے پیدا ہوئی۔ جبکہ صاحبزادوں کا انتقال بچپن ہی میں ہو گیا تھا۔ آپ نے چوبیس سال کی طویل مدت میرے

آقا ﷺ کے ساتھ بسر کی۔ ہر حال میں آپ کا تعاون کرتی رہیں۔ اعلان نبوت کے بعد مکی زندگی کے ایام حضور علیہ الصلوٰۃ

والسلام کی زندگی کے سخت ترین ایام تھے۔ جن میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے اہل مکہ سے وسیع تعلقات ان پر آپ کے

احسانات قدرے سکون کا سبب بنتے تھے۔ جب بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کوئی الجھن یا پریشانی لاحق ہوتی اور آپ ﷺ

گھر تشریف لاتے تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی مدد پرانہ مسکراہٹ اور ان کے مشورے ہی آپ کا مداوا بنتے۔ انہوں نے اپنی ساری دولت خدمت اسلام کے لئے آپ ﷺ کو سوئپ دی جو ان آڑے دنوں میں خوب کام آئی۔ غار حراء میں پہلی وحی کے نزول کے بعد بمقتضائے بشریت آپ کو جو گھبراہٹ لاحق ہوئی اس کا تذکرہ کتب احادیث میں محفوظ ہے۔ اسی میں یہ بھی ہے کہ جب آپ ﷺ پریشان حال گھر واپس ہوئے اور اپنی تجربہ کار رفیقہ حیات کو سارا حال بتایا تو انہوں نے کہا:

أَبَشِّرْ كُلًّا وَاللَّهِ مَا يُخْزِيكَ اللَّهُ أَبَدًا إِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحْمَ وَتَصْدُقُ الْحَدِيثَ وَتَحْمِلُ الْكُلَّ وَتَكْسِبُ الْمَعْدُومَ وَتُقْرِى الصَّيْفَ وَتُعِينُ عَلَى نَوَائِبِ الْحَقِّ۔

آپ کو مبارک ہو قسم اللہ کبھی آپ کو بے آبرو نہ کرے گا آپ صلہ رحمی کرتے ہیں حق گوئی کے عادی ہیں کمزوروں اور ناتوانوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں مفلس و ناداروں کو اپنی کمائی سے حصہ دیتے ہیں مہمان کی میزبانی کرتے ہیں اور حق کی وجہ سے کسی پر کوئی سمیبت آجائے تو اس کی ہر طرح مدد فرماتے ہیں۔

یعنی ان خوبیوں والے کو اللہ کبھی بے آبرو نہیں کرتا، بے سہارا نہیں چھوڑتا بلکہ اس کی دشمنوں سے حفاظت فرماتا اور ہر حال میں ایسے شخص کا معاون و مددگار ہوتا ہے۔ پس آپ نہ گھبرائیے اس وقت ایسی ہی ڈھارس کی ضرورت تھی جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے ملی اور آپ کو تسلی ہوئی۔ یہاں یہ بھی غور کرتے چلئے کہ بیوی عام طور پر شوہر کے کمالات کا اعتراف نہیں کرتی لیکن یہ پیکر اخلاق ﷺ کے کمال اخلاق کا واضح ثبوت ہے جس کا اعلان حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی حق گو زبان کر رہی ہے۔ بہر حال میری ماں ایسے وقت میں گھبرائی نہیں پریشان نہ ہوئیں بلکہ آپ کو تسلی دے رہی ہیں اور پھر مزید اطمینان کے لئے وہی آپ کو کتب سابقہ کے ایک معمر، تجربہ کار عالم، ورقہ بن نوفل کے پاس لے کر گئیں جن کے بتانے ہی کے بعد انہیں اس اعزاز کا پتہ چلا کہ اب وہ صرف محمد بن عبد اللہ (ﷺ) کی ہی اہلیہ نہیں بلکہ اللہ کے نبی کی زوجہ مطہرہ ہیں۔ پس انہوں نے اپنے اس شرف پر ناز کرتے ہوئے فوراً آپ کی نبوت کو تسلیم کیا اور اولہ مؤمنہ ہونے کا بلند شرف بھی حاصل کیا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنی ان محبوب زوجہ اور مؤمنہ اولہ سے جس درجہ محبت تھی۔ اس کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ آپ نے ان کی زندگی میں دوسرا نکاح نہ کیا ان کے وصال پر آپ کو اتنا صدمہ ہوا کہ اس سال کو عام الحزن رنج والم کا سال قرار دیا گیا جبکہ اتفاق سے اسی سال آپ کے دوسرے معاون و شفیق چچا ابوطالب کا بھی انتقال ہوا۔ آپ نے ساری زندگی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو یاد کیا ان کی سہیلیوں سے ملتے تو بڑی ہی افسردگی کے ساتھ آپ کا ذکر کرتے تھے انہیں تحائف دیتے تھے تاکہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی روح خوش ہو جاتی کہ آپ ﷺ کی اس کیفیت پر ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو رشک آتا تھا۔ جس کا اظہار انہوں نے ایک مرتبہ اس طرح کیا کہ اللہ نے آپ کو کئی جوان اور حسین بیویاں عطا فرمادیں پھر بھی آپ ﷺ بوزہی خدیجہ ہی کو یاد کرتے ہیں۔ پس آپ ﷺ نے فرمایا:

لَا وَاللَّهِ مَا أَبْدَلْنِي اللَّهُ خَيْرًا مِنْهَا لَقَدْ آمَنْتُ بِئِذَا كَفَرِ النَّاسُ وَصَدَّقْتَنِي إِذَا

كَذَّبَنِي النَّاسُ وَاسْتَنَى بِمَا لَهَا إِذْ حَرَمَنِي النَّاسُ وَرَزَقَنِي اللَّهُ مِنْهَا الْوَلَدَ  
ذُونَ غَيْرَهَا۔

نہیں بقسم اللہ تعالیٰ نے مجھے ان کا نعم البدل عطا نہ فرمایا وہ اس وقت ایمان لائیں جب دوسرے لوگوں  
نے کفر کیا انہوں نے اس وقت میری تصدیق کی جب دوسرے لوگ میری تکذیب کر رہے تھے انہوں  
نے اس وقت اپنے مال سے میری مدد کی جب دوسرے لوگ میری مدد نہیں کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے  
دیگر عورتوں کے برعکس ان سے مجھے اولاد عطا فرمائی۔

اللہ میری اس پہلی ماں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پہلی زوجہ مومنہ اولہ کی قبر اطہر پر نور کی بارش برسائے۔ افسوس کہ  
ان کی قبر انور کو آج ایسا چھپا دیا گیا ہے کہ ان کی اولاد وہاں حاضری سے بھی محروم ہے۔

دوسری ماں

میری دوسری ماں حضرت سوداء بنت زمعہ رضی اللہ عنہا ہیں ان کا تعلق قریش کے قبیلہ بنو عبد شمس سے تھا جو اسلام  
دشمنی میں دیگر اہل مکہ سے بہت آگے تھے۔ حضرت سوداء کو اللہ نے ہدایت دی اور انہوں نے ابتداء اسلام ہی کے دور میں  
اسلام قبول کیا۔ ان کے شوہر سکران بن عمر بھی ان کی دعوت پر مشرف باسلام ہوئے۔ ان کے ایک بیٹے عبدالرحمن تھے وہ بھی  
مشرف باسلام ہوئے اور جنگ جلولاء میں شہادت پائی۔ اس مختصر خاندان نے بھی دیگر مہاجرین کے ہمراہ حبشہ ہجرت کی۔  
حبشہ سے واپسی پر حضرت سوداء کے شوہر انتقال کر گئے اور وہ بالکل مجبور و بے سہارا ہو گئیں، پورا خاندان ان کا سخت دشمن تھا  
ادھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے وصال کے بعد نہایت افسردہ رہتے اور چاروں بیٹیوں کی نگرانی کا  
بوجھ آپ پر ہی تھا۔ ایک دن خولہ بنت حکیم نے آپ سے گزارش کی کہ یا رسول اللہ ﷺ! مناسب ہو تو آپ دوسرا نکاح کر  
لیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں میں بھی چاہتا ہوں کہ گھر کی نگرانی اور بچیوں کی دیکھ بھال کا کچھ انتظام ہو۔ پس خولہ نے  
حضرت سوداء رضی اللہ عنہا کا نام پیش کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اگر وہ پسند کریں تو میری طرف سے اجازت ہے۔ خولہ نے  
حضرت سوداء رضی اللہ عنہا کو جا کر بتایا وہ بہت خوش ہوئیں اور بولیں کہ اللہ کے رسول کی بیوی بننے سے بڑا اعزاز اور کیا ہو سکتا  
ہے پھر خولہ ان کے والد کے پاس گئیں اور کہا کہ سوداء کا نکاح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کر دیجئے۔ والد نے کہا اگر سوداء کو یہ  
رشتہ پسند ہے تو مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے غرضیکہ اس ضروری گفتگو کے بعد نکاح ہوا چار سو درہم مہر مقرر ہوا ان کے والد نے ہی  
نکاح پڑھایا۔ جب حضرت سوداء رضی اللہ عنہا کے بھائی عبداللہ بن زمعہ کو اس رشتہ کی اطلاع ہوئی تو بہت غیظ و غضب کا اظہار  
کیا جب وہ مشرف باسلام ہوئے تو ہمیشہ وہ اپنی اس غلطی پر اظہار ندامت کیا کرتے تھے۔ بہر حال میری اس ماں کو یہ شرف  
حاصل ہوا کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دوسری بیوی بنیں بوقت نکاح حضرت سوداء  
رضی اللہ عنہا کی عمر پچپن برس کی تھی جبکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عمر مبارک تقریباً پچاس برس کی تھی۔

چونکہ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام حسن اخلاق کے پیکر ہیں لہذا جو آپ سے جتنا قریب ہوا آپ ﷺ کی اس خوبی کا

آئینہ بنا۔ ازواج مطہرات سے زیادہ قرب کا شرف اور کسے نصیب ہو سکتا ہے لہذا آپ کی جملہ ازواج مطہرات اس خوبی سے خوب مزین و آراستہ نظر آتی ہیں۔ میری ماں حضرت سوداء رضی اللہ عنہا کو بھی اس کا وافر حصہ ملا۔ غناء اور قناعت آپ کے خصوصی اوصاف تھے۔ جیسا کہ آپ کے متعدد واقعات سے ثابت ہوتا ہے مثلاً ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کو ایک تھیلی میں درہم بھیجے۔ آپ ﷺ نے دیکھ کر فرمایا بہت خوب درہم کھجوروں کی طرح تھیلی میں بھیجے جاتے ہیں انہیں ہاتھ لگائے بغیر ہی آپ نے تقسیم کر دیا اسی طرح آپ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت و فرمانبرداری میں بھی ممتاز نظر آتی ہیں۔ آپ کی یہ خوبی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بے حد پسند تھی۔

میری ماں حضرت سوداء رضی اللہ عنہا نے نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پانچ حدیثیں روایت کیں۔ جن میں سے صرف ایک اپنے معیار کے مطابق امام بخاری نے لی باقی احادیث کی دیگر کتب میں موجود ہیں۔ اس طرح آپ کو محدثہ ہونے کا شرف بھی حاصل ہوا۔

آپ کی وفات حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کے آخری زمانہ تقریباً ۲۲ھ میں ہوئی۔ جنت البقیع میں آپ کو دفن کیا گیا۔ دیگر مزارات مقدسہ کی طرح آپ کا مزار مبارک بھی نامعلوم ہے۔

تیسری ماں

اپنے رب کریم کی محبوبہ بندی، محبوب رب کی چہیتی بیوی، افضل الخلق بعد الانبیاء، رفیق دنیا و آخرت، صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی نور نظر میری اور امت مسلمہ کی ماں ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو نبوت کے دسویں سال حضرت سوداء رضی اللہ عنہا کی موجودگی ہی میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زوجیت میں آنے کا شرف حاصل ہوا۔ بوقت نکاح آپ کی عمر صرف چھ برس کی تھی جبکہ آپ کی رخصتی ہجرت کے سات ماہ بعد شوال میں ہوئی۔ اس وقت ان کی عمر نو سال کی تھی بوقت نکاح آپ کا مہر بھی چار سو درہم مقرر ہوا لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ہی ایک روایت مسلم شریف میں ہے آپ نے فرمایا کہ ازواج مطہرات کا مہر پانچ سو درہم ہوا کرتا تھا۔ اس رشتہ کی محرک بھی حضرت خولہ رضی اللہ عنہا ہی تھیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا نکاح جبیر بن مطعم سے طے پا چکا تھا لیکن انہوں نے خود ہی اس بناء پر انکار کر دیا تھا کہ اگر عائشہ میرے گھر میں آئیں تو ان کے ساتھ اسلام بھی میرے گھر میں داخل ہو جائے گا۔ جبیر بن مطعم اسلام اور مسلمانوں کے سخت دشمن تھے لیکن وقت آیا کہ اللہ نے انہیں ہدایت دی مشرف باسلام ہوئے اور اجلہ صحابہ میں شمار ہوئے۔

ایک خاص بات یہ کہ شوال ہی میں آپ کا نکاح ہوا تھا اور شوال ہی میں آپ کی رخصتی ہوئی۔ جس کی وجہ یہ کہ ماضی میں کبھی اس مہینہ میں طاعون کی وبا پھیلی تھی۔ اس وجہ سے اہل عرب اس مہینہ کو خوشیوں، شادی بیاہ وغیرہ کے لئے منحوس خیال کرتے تھے۔ میرے آقا ﷺ کے مشن کا ایک حصہ اوہام باطلہ کو مٹانا تھا لہذا آپ نے اسی ماہ میں خوشی و مسرت کا یہ کام انجام دیا اور ہمیشہ کے لئے شوال اور دیگر تمام ایام کو نحوست کے داغ سے پاک و صاف کر دیا کہ اسلام میں کوئی دن رات یا مہینہ نہیں۔



میری اس تیسری ماں کو اللہ تعالیٰ نے علم و حکم کے خزانہ سے جو دافر حصہ عطا فرمایا تھا دیگر ازواج مطہرات ہی کو نہیں بلکہ دنیا بھر کی عورتوں کو اس کا عشر عشیر بھی نصیب نہ ہو سکا۔ آپ کے علم و فضل کی اسی شان کو دیکھ کر ایک مرتبہ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے صحابہ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ؎

خُذُوا نِصْفَ دِينِكُمْ عَنْ هَذِهِ الْحُمَيْرَاءِ۔

اپنے دین کا نصف علم اس حمیراء یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حاصل کرو۔

اور اسی لئے جب تک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حیات رہیں اکابر صحابہ کرام اور تابعین تک آپ سے علمی استفادہ کرتے رہے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ:

مَا أَشْكَلَ عَلَيْنَا أَصْحَابَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدِيثًا قَطُّ فَسَأَلْنَا عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا إِلَّا وَجَدْنَا عِنْدَهَا عِلْمًا۔

جب بھی اصحاب رسول ﷺ کو کسی دینی بات میں دشواری پیش آئی تو ہم نے اس کے متعلق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا تو ان کے پاس اسے کے متعلق علم پایا (تسلی بخش جواب پایا)۔

حضرت امام زہری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ماں کا علمی مقام بیان کرتے ہوئے فرمایا:

لَوْ جُمِعَ عِلْمُ عَائِشَةَ إِلَى جَمِيعِ أُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِينَ وَعِلْمُ جَمِيعِ النِّسَاءِ لَكَانَ عِلْمُ عَائِشَةَ أَفْضَلَ۔

اگر، ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کے علم کا موازنہ دیگر ازواج مطہرات کے اور دوسری تمام عورتوں کے علم سے کیا جائے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے علم کا پلہ بھاری رہے گا۔

حضرت عطاء بن ابی رباح رضی اللہ عنہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کے علم و فضل کا اعلان ان الفاظ میں کرتے ہیں:

كَانَتْ عَائِشَةُ أَفْقَهُ النَّاسِ وَأَحْسَنَ النَّاسِ رَأْيًا فِي الْعَامَّةِ۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا تمام لوگوں سے زیادہ دین کو سمجھنے والی تھیں اور آپ کی رائے سب سے عمدہ ہوتی تھی۔

حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے خصوصی طور پر آپ کے عم طب، فقہ اور شعر گوئی کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

مَا رَأَيْتُ امْرَأَةً أَعْلَمَ بِطَبٍّ وَلَا فِقْهِ وَلَا شِعْرٍ مِنْ عَائِشَةَ۔

میں نے کسی عورت کو علم طب، فقہ اور شعر گوئی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ باکمال نہ پایا۔

جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پردہ فرمایا تو اس وقت ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی عمر شریف صرف اٹھارہ برس کی تھی اور نو برس کی عمر میں آپ حرم نبوی ﷺ میں داخل ہوئیں گویا صرف نو سال کا قلیل عرصہ آپ کو شرف رفاقت حاصل رہا لیکن اس قلیل عرصہ میں آپ نے دین کا جو خزانہ معلم کامل ﷺ سے حاصل کیا۔ وہ ازواج مطہرات ہی کیا

کسی کو نصیب نہ ہو سکا۔ اس میں دو ہزار دو سو بارہ احادیث کا مجموعہ ہے جو آپ نے اپنی اولاد کو منتقل کیا۔ ان میں چون احادیث صحیح بخاری میں اڑسٹھ مسلم شریف میں اور باقی دیگر کتب احادیث میں موجود ہیں۔ بعض صحابہ نے کہا کہ احکام شریعہ کا ایک چوتھائی حصہ ہماری ماں کا بیان کردہ ہے جبکہ بالخصوص عورتوں سے متعلق مسائل کا اکثر حصہ آپ ہی سے حاصل ہوا ہے۔ آپ کی عمر چھیاٹھ برس کی ہوئی گویا آپ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد اڑتالیس برس تک علم کا دریا بہاتی اور تشنگان علم کو سیراب کرتی رہی۔ آپ کا اکثر وقت درس و تدریس، تقریر اور افتاء میں ہی صرف ہوتا تھا اور پروانے اس شمع علم و عرفان کے گرد جمع رہتے تھے۔ آپ کے تلامذہ کا بیان ہے کہ ہم نے مرد و عورت کسی میں حضرت عائشہ جیسا خوش تقریر اور تفسیر، حدیث، اسرار شریعت، خطابت، شعر گوئی، علم ادب، علم انساب میں باکمال نہ پایا۔ آپ کو شعراء عرب کے بڑے بڑے قصیدے زبانی یاد تھے جنہیں دوران تقریر آپ پڑھا کرتیں تو حاضرین و سامعین کے جذبات بے قابو ہو جاتے تھے۔ غرضیکہ تشنگان علم کو آپ خوب سیراب کیا کرتی تھیں۔

اللہ کے رسول ﷺ اگرچہ اپنی تمام ازواج کے ساتھ عدل و انصاف کرتے تھے لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خداداد صلاحیتوں کے سبب آپ کو ان سے جو قلبی لگاؤ تھا وہ دیگر ازواج میں سے کسی سے نہ تھا اور آپ ﷺ بارگاہ الہی میں عرض کیا کرتے تھے:

اَللّٰهُمَّ هٰذَا قَسْمِيْ فِیْمَا اَمْلِکَ فَلَا تُؤْخِذْنِیْ فِیْمَا لَا اَمْلِکَ۔

اے اللہ یہ میری تقسیم ہے ان چیزوں میں جن کا میں مالک ہوں اور جو میرے بس میں نہیں اس میں میرا مواخذہ نہ فرمانا۔

یعنی اے اللہ تو جانتا ہے کہ مکان، نان و نفقہ، کپڑے اپنے اوقات جن چیزوں پر بھی میرا قابو ہے ان کو میں اپنی ازواج پر پورے عدل و انصاف کے ساتھ تقسیم کرتا ہوں لیکن قلبی میلان صرف عائشہ ہی کی طرف ہے جس پر مجھے قابو نہیں پس اے اللہ تو مجھ سے اس کا مواخذہ نہ فرمانا۔ اسی لئے اللہ کے محبوب ﷺ کا اپنی محبوبہ پر خصوصی کرم رہتا تھا۔ جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا خود بتاتی ہیں کہ:

میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی موجودگی میں گزریوں سے کھیلتی تھی میری سہیلیاں بھی میرے ساتھ کھیلنے آتی تھیں لیکن جونہی آپ ﷺ تشریف لاتے تو وہ شرم سے اٹھ کر چلی جاتی تھیں تو اللہ کے رسول ﷺ خود باہر تشریف لے جاتے اور میری سہیلیوں کو میرے پاس بھیج دیتے تھے (تاکہ وہ میرے ساتھ کھیلیں)۔

اللہ کے رسول ﷺ اپنی اس چہیتی بیوی کی اداؤں اور مزاج کو اچھی طرح پہچانتے تھے۔ ایک موقع پر آپ ﷺ نے اس کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

اے عائشہ میں یہ جان لیتا ہوں کہ تم کس وقت مجھ سے خوش ہوتی ہو اور کس وقت ناراض ہوتی ہو انہوں

نے پوچھا وہ کیسے یا رسول اللہ ﷺ! آپ نے فرمایا جب تم خوش ہوتی ہو تو کہتی ہو ”لَا وَرَبِّ مُحَمَّدٍ“ رب محمد کی قسم اور جب ناراض ہوتی ہو تو کہتی ہو ”لَا وَرَبِّ إِبْرَاهِيمَ“ رب ابراہیم کی قسم پس حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بولیں: ”يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا أَهْجُرُ إِلَّا إِسْمَكَ“ یا رسول اللہ ﷺ! میں صرف آپ کا نام ہی چھوڑتی ہوں (یعنی آپ سے محبت و تعلق میں کوئی کمی نہیں کرتی)۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے میری ان ماں سے اظہار محبت و الفت کرتے ہوئے بتایا راویہ ہیں خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بتایا:

اے عائشہ (قبل نکاح) تم متواتر تین رات مجھے خواب میں دکھائی گئیں اس طرح کہ ایک فرشتہ تمہیں ریشم کے کپڑے میں لے کر آتا (یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی شبیہ دکھائی جاتی تھی) اور کہتا یہ آپ کی زوجہ ہیں ان کا چہرہ کھولنے پس میں نے دیکھا تو وہ تم تھیں میں نے کہا اگر یہ خواب اللہ کی طرف سے ہے تو وہ اسے پورا کر دے گا۔

پس حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خواب پورا ہوا کیونکہ نبی کا ہر خواب اللہ ہی کی طرف سے ہوتا ہے یا حکم دینے کے لئے کہ یہ بھی ایک وحی الہی کی صورت ہے اور یا مژدہ و خبر دینے کے لئے کہ یہ بھی ایک اخبار بالغیب کا طریقہ ہے۔ گویا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے اللہ کی طرف سے عطیہ اور تحفہ تھیں۔

چونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بے پناہ محبت تھی اور اس حقیقت کا علم تمام صحابہ کرام کو تھا لہذا آقا کی خوشی کے لئے غلام بھی ان سے بے حد محبت کرتے اور ان کی خوشنودی کے خواہاں رہتے تھے۔ جیسا کہ خود آپ نے بتایا کہ ”جس دن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قیام کی باری میرے گھر ہوتی تھی اسی دن لوگ تحائف بھیجا کرتے تھے۔“ ”يَتَغَوْنَ بِذَلِكَ مَرْضَاةَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ“ کہ وہ اللہ کے رسول ﷺ کی خوشنودی کے طلب گار ہوتے تھے (یعنی صحابہ کرام کو یقین تھا کہ ہمارے ان تحائف سے ہماری ماں کو خوشی ہوگی اور ان کی خوشی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خوشنودی کا ذریعہ ہے)۔

یہ بات ان بد عقیدہ لوگوں کے لئے قابل غور ہے جو امت کی ماں پر بے تکی الزامات عائد کرنے اور طعن و تشنیع کے جرم میں مبتلا ہیں العیاذ باللہ مزید غور فرمائیے۔ اسی حدیث میں ہے کہ ام المؤمنین نے فرمایا (کہ ازواج مطہرات کے دو گروہ تھے ایک گروہ حضرت عائشہ، حفصہ، صفیہ اور سودہ رضی اللہ عنہن کا تھا جبکہ دوسرا گروہ حضرت ام سلمہ اور دیگر ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کا تھا) یہ گروہ بندی مخالفت کے لئے نہ تھی بلکہ ہم مزاجی کی بناء پر تھی کہ جس کا جس سے زیادہ مزاج ملتا تھا وہ اس کے ساتھ زیادہ ملتا جلتا تھا ورنہ میری سب مائیں میل و محبت سے رہتی تھیں اور ایک دوسرے کی خوبیاں تسلیم کرتی تھیں، ہاں کبھی آپس میں رقابت بھی ہو جاتی تھیں جو فطری تقاضا ہے، بہر حال (حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گروہ نے باہمی گفتگو کے بعد طے کیا اور ان سے کہا کہ آپ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے گزارش کریں کہ وہ صحابہ میں اعلان کر دیں کہ جو کوئی حضور علیہ

الصلوة والسلام کو ہدیہ بھیجنا چاہئے وہ بھیج دیا کرے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جس گھر میں بھی ہوا کریں (یعنی ضروری نہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی باری کا ہی انتظار کیا جائے۔ غور فرمائیے میرے آقا ﷺ اس درخواست کا کیا جواب دیتے ہیں آپ نے فرمایا) ”لَا تُؤْذِنِي فِي عَائِشَةَ“ عائشہ کے بارے میں مجھے تکلیف نہ دیا کرو (تم لوگ جب عائشہ کے خلاف کوئی بات کرتی ہو تو مجھے تکلیف ہوتی ہے ایسا نہ کیا کرو کیونکہ) ”فَإِنَّ الْوَحْيَ لَمْ يَأْتِنِي وَأَنَا فِي ثَوْبِ امْرَأَةٍ إِلَّا عَائِشَةَ“ کیونکہ عائشہ کے سوا کوئی بیوی نہیں جس کے بستر میں میں ہوں اور وحی نازل ہو۔ (حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے یہ جواب سنا تو فوراً) عرض کرنے لگیں ”أَتُوبُ إِلَى اللَّهِ مِنْ أَذَاكَ“ میں آپ کو ایذا رسانی سے اللہ کی بارگاہ میں توبہ کرتی ہوں۔ (لیکن ان کے گروہ کی دیگر ازواج نے ایک کوشش اور کی) انہوں نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بلایا اور سارا معاملہ بیان کر کے کہا کہ آپ حضور کے دربار میں حاضر ہو کر ہماری درخواست پیش کریں (کہ آپ چہیتی ہیں سرکار آپ کی بات ہرگز نہ ٹالیں گے) پس حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے بارگاہ نبوی میں حاضر ہو کر حسب سابق گزارش پیش کی اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا ”أَلَا تَحِبِّينَ مَا أَحَبُّ“ کیا تم اس سے محبت نہیں کرتیں جس سے میں محبت کرتا ہوں۔ لاڈلی بیٹی نے کہا ”بلی“ کیوں نہیں ”قَالَ فَاجِبِي“ فرمایا پس تم عائشہ سے محبت کرو۔

بہر حال اس واقعہ سے واضح ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وہ محبوبہ ہیں کہ ان کی تکلیف سے آپ ﷺ کو تکلیف ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ آپ کی ایذا رسانی درحقیقت عذاب الہی کو دعوت دینا ہے اور جس نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے محبت کی گویا اس نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے محبت کی جو اللہ کی رضا اور خوشنودی کا یقینی ذریعہ ہے۔ پس:

اے ایمان والو نیک اور اچھی اولاد کی طرح اپنی ماں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے محبت کر کے اللہ اور اس کے رسول کی رضا و خوشنودی حاصل کرو۔

میری ماں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عظمت کا اندازہ کرنے کے لئے ایک اور حدیث ملاحظہ ہو جس کے راوی حضرت ابوسلمہ بن عبد الرحمن (تابعی) ہیں۔ فرماتے ہیں کہ ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ ایک دن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ”عائش“ (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو آپ ﷺ نے بطور محبت عائش فرمایا اسے ترخیم کہا جاتا ہے) ”هَذَا جِبْرِيلُ يُقَرِّئُكَ السَّلَامَ“ یہ جبریل ہیں تمہیں سلام کہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا وعليه الصلوٰۃ والسلام ورحمة الله نیز فرمایا ”وَهُوَ يَرَى مَا لَا أَرَى“ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام وہ دیکھتے تھے جو میں نہ دیکھتی تھی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے محبت والفت کا اہم ترین ثبوت میرے آقا ﷺ کے ایام مرض الموت کا عمل ہے جس کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کرتے ہوئے بتایا کہ ”حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے ایام مرض میں روزانہ پوچھا کرتے تھے کہ آج میں کہاں رہوں گا کل میں کہاں رہوں گا حتیٰ کہ ازواج مطہرات کو احساس ہونے لگا کہ ہمارے آقا ﷺ کی درحقیقت یہ خواہش ہے کہ ایام مرض، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس بسر ہوں پس سب ازواج جمع

ہوئیں اور عرض کی کہ یا رسول اللہ ﷺ! ہماری طرف سے بخوشی اجازت ہے کہ آپ جب تک چاہیں ہماری باری کے دن عائشہ (رضی اللہ عنہا) کے گھر قیام فرمائیں پس حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خوش ہوئے اور آپ ﷺ نے اپنی زندگی کے آخری ایام میری ماں عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ بسر کئے حتیٰ کہ یہی حجرہ مبارکہ سید الانبیاء ﷺ کی آخری آرامگاہ بنا۔ جس کا ایک حصہ عرش الہی سے بھی افضل قرار پایا جو بقعہ نور ہے کہ یہاں حاضر ہونے والوں کے دل ہی نہیں بلکہ چہرے بھی نور ایمان سے چمکنے لگتے ہیں، یہاں بے چین دلوں کو سکون میسر آتا ہے، یہاں سے گناہ گاروں کو مغفرت و عافیت کا پیام ملتا ہے، بھکاریوں کی خالی جھولیاں مرادوں سے بھری جاتی ہیں، زائرین کو شفاعت کا مژدہ سنایا جاتا ہے، یہی حجرہ عائشہ ہے جس پر ہر صبح اور ہر شام ستر ہزار فرشتوں کا نزول ہوتا ہے اور جسے بیشمار غلام درود و سلام کے گجرے لئے گھیرے رہتے ہیں جہاں اولیاء و اصفیاء، علماء و مشائخ، عوام و خواص سب ہی کی جبین نیاز جھکی نظر آتی ہے۔

### میر کی ماں پر بہتان

الزام تراشی اور بہتان بازی دین کے دشمنوں کا ایک اوجھا، نہایت کمزور ہتھیار ہے جسے وہ ہر دور میں انبیاء و رسل، اولیاء و اصفیاء، علماء اور صالحین کی آبروریزی اور بدنامی کے لئے استعمال کرتے آئے ہیں اور ہمیشہ ہی ناکام اور ذلیل و خوار ہوتے رہے ہیں کہ ارشاد باری تعالیٰ ”وَلِلَّهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَلَكِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَا يَعْلَمُونَ“ عزت تو صرف اللہ کے لئے ہے اس کے رسول کے لئے اور ایمان والوں کے لئے ہے مگر منافقین (اس حقیقت کو) نہیں جانتے۔ پس الزام تراشی اور بہتان بازی کرنے والے نہ تو اللہ سے عزت چھین سکتے ہیں اور نہ ہی اس کے رسول اور اہل ایمان کی عزت و آبرو پر ڈاکہ ڈالنے میں کامیاب ہو سکتے ہیں کہ عزت والا رب اپنے عزت والے بندوں کی عزت کی خود ہی حفاظت فرماتا ہے اللہ کے رسول ﷺ کی عزت و ناموس پر ہر دور میں ڈاکہ زنی کی کوشش کی جاتی رہی لیکن نہ تو آج تک کوئی کامیاب ہو سکا ہے اور نہ ہی ہو سکتا ہے اسی طرح آپ ﷺ کے غلاموں اور دین کے خدام کو رسوا و ذلیل کرنے کی کوششیں ہوتی رہی ہیں لیکن ہمیشہ دشمنوں کو منہ کی کھانی پڑی اور ذلیل و خوار ہوئے کہ جسے عزت والے رسول کی نسبت اور تعلق سے عزت ملتی ہے عزت والا اللہ اپنے رسول کی لاج رکھتا ہے اور اس کے خدام کی عزت کی حفاظت فرماتا ہے۔

بہر حال مکی زندگی میں تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عزت و ناموس کے دشمن کفار مکہ تھے اور مدنی زندگی میں منافقین آپ پر الزام لگانے اور بہتان باندھنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے۔ ایسا ہی ایک موقع ان کے ہاتھ آیا اور انہوں نے میری ماں اور ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر ایک الزام لگا دیا۔ اس بہتان سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام، صحابہ کرام اور بالخصوص میری ماں کو کتنی تکلیف ہوئی اس کا اندازہ آپ کو واقعہ کا مطالعہ کرنے کے بعد ہی ہو سکتا ہے۔ اس واقعہ کو قرآن کریم نے لفظ ”افک“ یعنی بہتان سے بیان کیا ہے۔ اس لئے اسے واقعہ ”افک“ ہی کہا جاتا ہے۔ تمام ہی مفسرین، محدثین، مؤرخین نے اس واقعہ کو نہایت تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے یقیناً اس لئے کہ انہوں نے اپنی ماں کی عظمت و طہارت کو اجاگر کرنا اپنی ذمہ داری سمجھا۔ اللہ نے ہمیں موقع دیا ہے تو کیوں نہ ہم اس ذمہ داری کو پورا کر کے اپنی مقدس ماں

کی عظمت کو سلام اور نذرانہ عقیدت و محبت پیش کرنے کی سعادت حاصل کریں۔ پس لیجئے اس واقعہ کا مطالعہ کیجئے جسے ہم مطالعہ بسیار کے بعد اپنے الفاظ میں پیش کرتے ہیں اس کی راویہ خود ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہیں۔

### واقعہ اُفک

یہ واقعہ غزوہ بنی مصطلق سے واپسی کے دوران پیش آیا۔ یہ غزوہ باختلاف روایات ماہ شعبان ۵ یا ۶ھ میں وقوع پذیر ہوا۔ جس کی خصوصیت یہ تھی کہ اس غزوے کے لئے لشکر اسلام میں منافقین کا ایک گروہ اپنے سردار عبداللہ بن ابی بن سلول کی قیادت میں شامل تھا نیز لشکر اسلام کے صرف چھ سو چند مجاہدین نے مخالف کے ایک بڑے لشکر سے مقابلہ کیا جو چند گھنٹے جاری رہا اور بالآخر دشمن نے بارمان لی ہتھیار ڈال دیئے۔ مزید برآں یہ کہ مسلمانوں میں سے صرف ایک سپاہی شہید ہوئے جبکہ دشمن کے دس آدمی مارے گئے۔ غرضیکہ اتنی آسانی سے مسلمانوں کی شاندار فتح و کامیابی کو دیکھ کر منافقین کے دلوں میں حسد کی آگ مزید بھڑک اٹھی اور وہ کوئی ایسا موقع تلاش کرنے لگے جس سے مسلمانوں کی خوشی و مسرت میں وہ زبر گھول سکیں۔ اتفاق سے ایک موقع ہاتھ آیا اور وہ وقتی طور پر اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے۔

نبی مکرم ﷺ کا یہ طریقہ مبارک تھا کہ آپ سفر میں اپنی ازواج میں سے کسی ایک کو اپنے ہمراہ لے جایا کرتے تھے۔ جس کا انتخاب آپ اپنی مرضی سے نہ کرتے تھے بلکہ قرعہ اندازی کا منصفانہ طریقہ اختیار فرماتے تھے تاکہ میری ماؤں میں سے کسی کی دل شکنی نہ ہو اس سفر کے لئے بھی یہی طریقہ اختیار کیا گیا اور قرعہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے نام نکلا پس آپ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہمراہ ہو گئیں۔

جب جنگ کامیابی کی مسرت و خوشی کے ساتھ ختم ہوئی اور بارینہ منورہ واپسی کے لئے اونٹ تیار کئے جانے لگے تو میری ماں قضائے حاجت کے لئے قافلہ سے کچھ دور تشریف لے گئیں۔ جیسا کہ عام طور پر عورتوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ سفر وغیرہ کے لئے روانگی سے قبل اپنی ضروریات پوری کر لیتی ہیں تاکہ درمیان میں کہیں رکنا نہ پڑے۔ انہیں کسی نے جاتے نہ دیکھا کیونکہ پردے کا لحاظ رکھتے ہوئے حضور کی زوجہ مقدسہ کو قافلہ سے قدرے دور ایک طرف کوٹھرایا جاتا تھا۔ ام المؤمنین فرماتی ہیں کہ میں قضائے حاجت کے بعد واپس ہو رہی تھی کہ میرا ہاتھ سینہ پر لگا تو میرا ہار گلے میں نہ تھا جو یمنی سپیوں کا بنا ہوا تھا مجھے بہت پسند تھا میں وہ تلاش کرنے لگی کچھ دیر ہو گئی واپس آ کر دیکھا تو قافلہ روانہ ہو چکا تھا کیونکہ آپ کا ہودج اٹھانے والوں نے خوشی اور جلدی میں اٹھا کر اونٹ پر رکھ دیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس وقت ہلکی پھلکی نہایت نحیف تھیں۔ ہودج اٹھانے والوں کو ان کی عدم موجودگی کا احساس تک نہ ہوا۔ آپ یہ صورت حال دیکھ کر بہت پریشان ہوئیں اب قافلہ کا تعاقب کرنے کے بجائے آپ نے وہیں بیٹھ کر انتظار کرنے کا فیصلہ کیا تاکہ قافلہ واپس آئے تو آپ اپنی جگہ مل سکیں کہ تعاقب کی صورت میں مزید پریشانی پیش آ سکتی تھی کہ قافلہ یہاں واپس آتا اور آپ کسی دوسری طرف اسے تلاش کرتی ہوتیں۔

انتظار کرتے ہوئے رات کافی ہو گئی آپ پر نیند کا غلبہ ہوا اور آپ اپنی چادر میں وہیں لیٹ کر سو گئیں یہاں تک کہ آخر شب میں صفوان بن معطل سلمیٰ ذکوانی آپہنچے ان کو یہی کام سونپا جاتا تھا کہ یہ قافلہ کے پیچھے رہیں اور اگر قافلہ کا کوئی سامان

چھوٹا ہوا ملے تو وہ اٹھالیا کریں۔ سپیدہ سحر نمودار ہوا اور آپ نے اپنا کام شروع کیا تو آپ اپنی ماں کو چادر میں لپیٹا دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئے اور بس آپ نے ”انا لله وانا اليه راجعون“ پڑھا اور اتنی بلند آواز سے پڑھا کہ ماں بیدار ہو گئیں۔ آپ نے بغیر کوئی بات کئے اپنی اونٹنی اپنی ماں کے قریب لا کر بٹھائی۔ وہ اس پر سوار ہوئیں اور صفوان آگے آگے اونٹنی کی ٹکیل پکڑے چل دیے۔ حضرت ام المؤمنین فرماتی ہیں ”وَاللّٰهُ مَا يُكَلِّمُنِيْ كَلِمَةً وَلَا سَمِعْتُ مِنْهُ كَلِمَةً غَيْرَ اسْتِرْجَاعِهِ“ بقسم (صفوان نے) مجھ سے کوئی بات نہ کی اور نہ ہی میں نے دوران سفر ان کے انا للہ پڑھنے کے علاوہ ان کی زبان سے کوئی اور بات سنی بہر حال صفوان قافلہ میں آکر شامل ہو گئے اور قافلہ مدینہ منورہ پہنچ گیا۔

بات صرف اتنی سی تھی لیکن منافقین جن کا کام ہی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور مسلمانوں کو بدنام کرنا تھا اور آج کے منافقین بھی اپنے اسلاف کی اتباع میں ایسا ہی کرتے ہیں انہوں نے اس معمولی بات کا بنگلڑ بنادیا اور عبد اللہ بن ابی خبیث نے میری ماں کی پاکدامنی کو مجروح کرنے کی باقاعدہ تحریک شروع کر دی وہ اور اس کے چیلے شہر کے گلی کو چوں اور ایک ایک گھر میں پروپیگنڈا کرتے پھرتے تھے حتیٰ کہ بعض بھولے بھالے صحابہ بھی منافقین کی اس مذموم حرکت کا شکار ہو گئے جن میں حضرت حسان، حضرت مسطح رضی اللہ عنہم اور عورتوں میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہا کے نام بیان کئے گئے ہیں۔

نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جب منافقین کی اس خباثت کا علم ہوا تو آپ کو بے حد صدمہ پہنچا اس لئے نہیں کہ آپ کو اس بات کے بیہودہ اور قطعاً غلط ہونے میں شک تھا آپ کو یقیناً اپنی ازواج پر مکمل اعتماد تھا اور ان کی پاکدامنی کا علم تھا۔ جیسا کہ آپ نے خود فرمایا: ”فَوَاللّٰهِ مَا عَلِمْتُ عَلَىٰ أَهْلِيْ إِلَّا خَيْرًا“ بقسم میں اپنی اہلیہ کی پاکیزگی کے سوا اور کچھ نہیں جانتا۔ ”وَقَدْ ذَكَرُوا رَجُلًا مَا عَلِمْتُ عَلَيْهِ إِلَّا خَيْرًا“ اور انہوں نے جس شخص کے ساتھ تہمت لگائی ہے مجھے اس کے متعلق بھی صرف پاکیزگی کا ہی علم ہے۔ پس آپ کے افسوس اور صدمہ کی اصل وجہ یہ تھی کہ منافقین نے آپ کی بیوی کے پاک دامن کو داغدار کرنے کی کوشش کی آپ نے از خود اپنے کسی فیصلہ کا اعلان نہ فرمایا۔

اس لئے کہ آپ اس ذاتی معاملہ میں فیصلہ الہی کے خواہاں اور منتظر تھے تاکہ الزام لگانے والوں کو مزید موشگافی کا کوئی موقع نہ مل سکے۔ ان کے منہ بند ہو جائیں اور اہل ایمان کا ایمان تازہ ہو جائے۔ ان کے دل مطمئن اور مسرور ہو جائیں نیز میری ماں کی پاکدامنی، پاکیزگی اور طہارت کا وہ ثبوت فراہم ہو جو اس سے پہلے کسی صاحبہ فضیلت و عظمت کو میسر نہ آ سکا۔ یہ صرف میری ماں عائشہ رضی اللہ عنہا ہی کا نصیب ہے کہ ان کی برأت کے لئے ایک دو نہیں دس قرآنی آیات نازل ہوئیں۔ جن کی تلاوت قیامت تک ہوتی رہے گی، اہل ایمان جب بھی ان آیات کو پڑھتے ہیں تو ان کا ایمان تازہ ہوتا ہے اور اپنی ماں کے انتہائی تقدس کے اس قطعی ثبوت پر ان کے سر فخر سے بلند ہو جاتے ہیں اور منافقین حسد کی آگ میں مزید بھننے لگتے ہیں وہ ان آیات کی بے سرو پا تاویلیں گڑھتے رہتے اور ذلیل و خوار ہوتے رہتے ہیں، فالحمد لله رب العلمین۔

ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سفر سے واپس آتے ہی بیمار ہو گئی تھیں اور ایک ماہ تک بیمار رہیں انہیں کچھ خبر نہ تھی کہ باہران کے خلاف کیا باتیں ہو رہی ہیں ہاں وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے رویہ میں تبدیلی محسوس کر رہی تھیں کہ

آپ تشریف لاتے، سلام کرتے اور بس ”كَيْفَ تَكُونُ“ تم کیسی ہو فرماتے اور واپس تشریف لے جاتے تھے۔ ظاہر ہے سرکار کی یہ بے رخی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر بے حد شاق تھی جس کے سبب آپ کے مرض میں اضافہ ہوا اور آپ اس قدر کمزور ہو گئیں کہ بے سہارا اٹھنا، بیٹھنا تک مشکل ہونے لگا۔

اس زمانہ کے لوگ بیت الخلاء گھروں میں بنانا پسند نہ کرتے تھے۔ قضاء حاجت کے لئے آبادی سے باہر جایا کرتے تھے۔ عورتوں کے لئے مزید دشواری یہ تھی کہ وہ شرم و حیا نیز پردے کی پابندی کے سبب رات کو جایا کرتی تھیں۔ پس ایک رات ام المؤمنین ام مسطح کے ہمراہ قضاء حاجت کے لئے تشریف لے گئیں۔ واپسی میں اتفاق سے ام مسطح کا پیر چادر میں پھنسا اور وہ گر پڑیں اس حال میں ان کے منہ سے نکلا ”نَعَسَ مِسْطَحٌ“ مسطح ہلاک ہو جائے یعنی انہوں نے اپنے بیٹے کو بد عادی۔ ام المؤمنین کو یہ بات پسند نہ آئی۔ آپ نے فرمایا کہ تمہیں اپنے بیٹے کو اس طرح بد عا نہیں دینا چاہئے وہ تو ایک نیک نوجوان ہیں۔ جو بدری ہیں یعنی غزوہ بدر میں شامل ہوئے اور بدری کی فضیلت تم جانتی ہو۔ ام مسطح بولیں میں اس سے نفرت کرتی ہوں کیونکہ وہ تم پر تہمت لگانے والوں کا ساتھ دے رہا ہے۔ اب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا چونکیں اور پوچھا یہ تہمت والی بات کیا ہے۔ کیا معاملہ ہے میں تو کچھ بھی نہیں جانتی۔ پس ام مسطح نے تفصیل سے سب بات بتائی جس سے ام المؤمنین کو بے حد صدمہ پہنچا مرض میں مزید اضافہ ہو گیا۔ نقاہت و کمزوری اور بڑھ گئی جیسے تیسے گھر پہنچیں۔ کچھ ہی دیر بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لے آئے اور آپ نے سلام کے بعد پوچھا ”كَيْفَ تَكُونُ“ تم کیسی ہو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی: ”أَتَأْذَنُ لِي أَنْ أَتِيَ أَبَوَيَّ“ کیا آپ مجھے اجازت دیتے ہیں کہ میں اپنے والدین کے گھر چلی جاؤں کیونکہ وہ اپنے والدین سے اس معاملہ کی مزید تفصیلات معلوم کرنا چاہتی تھیں۔ پس حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آپ کو اجازت دے دی۔ آپ اپنے گھر پہنچیں اور ماں سے حالات معلوم کئے ماں نے آپ کو تسلی دیتے ہوئے کہا تم اتنی پریشان نہ ہو۔ ایسا تو ہوتا ہی رہتا ہے۔ بالخصوص اس عورت کے ساتھ جو اپنے شوہر کی پسندیدہ ہو اور اس کی سونکھیں بھی ہوں لیکن میری ماں اتنی غمزدہ تھیں کہ ماں کی تسلی کا ان پر کوئی اثر نہ ہوا وہ ساری رات اور سارا دن روتی رہیں۔ ایک لمحہ کے لئے بھی آنسوؤں کا سلسلہ منقطع نہ ہوا نہ سونکھیں نہ کچھ کھایا یا والدین بھی یہ کیفیت دیکھ کر بے حد متفکر رہے۔ صبح ایک انصاری عورت آپ سے ملنے آئیں وہ بھی یہ کیفیت دیکھ کر رونے لگیں۔ اسی دوران نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف فرما ہوئے اور ایک ماہ کے دوران یہ پہلا موقع تھا کہ آپ میری ماں کے قریب ہی بیٹھ گئے۔ آپ نے اولاً کلمہ شہادت پڑھا اور نہایت ہی محبت بھرے لہجہ میں آپ نے اپنی لاڈلی بیوی کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: ”اے عائشہ مجھے تمہارے متعلق ایسی ایسی خبر پہنچی ہے اگر تم اس تہمت سے بری ہو تو غم قریب اللہ تعالیٰ تمہاری برأت ظاہر فرمادے گا اور اگر تم اس گناہ میں ملوث ہو گئی ہو تو اللہ سے توبہ و استغفار کرو۔“ ”فَإِنَّ الْعَبْدَ إِذَا اعْتَرَفَ بِذَنْبٍ ثُمَّ تَابَ تَابَ اللَّهُ عَلَيْهِ“ کیونکہ بندہ جب اعتراف گناہ کے بعد توبہ کرتا ہے تو اللہ اس کی توبہ کو قبول فرماتا ہے۔“ حضرت ام المؤمنین فرماتی ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی گفتگوں کر میرے آنسو خشک ہو گئے اور میں نے اپنے والد سے کہا کہ آپ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی باتوں کا جواب دے دیجئے لیکن وہ بولے ”مَا أَذِرِي مَا أَقُولُ لِرَسُولِ



اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم میں نہیں جانتا کہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کیا جواب دوں پھر میں نے اپنی ماں سے کہا کہ آپ جواب دے دیجئے تو انہوں نے بھی یہی کہہ دیا بالآخر میں نے ہی ہمت کی اور جواب دیا۔ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے شدید حزن و ملال کے دباؤ کی حالت میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جو جواب دیا۔ اس کا ایک ایک لفظ ان کے علم و فضل اور عقل و فہم کا ثبوت فراہم کرتا ہے لہذا ہم حدیث مسلم کی وہ عبارت من وعن نقل کرتے ہیں پڑھئے اور ایمان تازہ کیجئے آپ نے فرمایا ”أَنَا جَارِيَّةُ حَدِيثَةِ السِّنِّ لَا أَقْرَأُ كَثِيرًا مِّنَ الْقُرْآنِ“ میں ایک کم عمر لڑکی ہوں میں بہت زیادہ قرآن کریم بھی نہیں پڑھی ہوئی ہوں۔ ”إِنِّي وَاللَّهِ لَقَدْ عَرَفْتُ أَنَّكُمْ قَدْ سَمِعْتُمْ بِهَذَا حَتَّى اسْتَقَرَّ فِي نَفْسِكُمْ وَصَدَقْتُمْ بِهِ“ بخدا مجھے یہ معلوم ہے کہ تم لوگوں نے اس خبر تہمت کو سن لیا ہے اور یہ تم لوگوں کے دلوں میں جم گئی ہے اور تم نے اس کی تصدیق کر دی ہے۔ ”فَإِنْ قُلْتُ لَكُمْ أَنِّي بَرِيئَةٌ وَاللَّهُ يَعْلَمُ إِنِّي بَرِيئَةٌ لَا تُصَدِّقُونِي بِذَلِكَ“ پس اگر میں تم سے کہوں کہ میں اس گناہ سے بری ہوں اور اللہ خوب جانتا ہے کہ میں بری ہوں تو تم میری تصدیق نہ کرو گے۔ ”وَلَئِنْ اعْتَرَفْتُ لَكُمْ بِأَمْرِ وَاللَّهُ يَعْلَمُ أَنِّي بَرِيئَةٌ لِّتُصَدِّقُونَنِي“ اور اگر میں اس گناہ کا اعتراف کر لوں جب کہ اللہ خوب جانتا ہے کہ میں اس گناہ سے بری ہوں تو تم میری بات مان لو گے ”وَإِنِّي وَاللَّهُ مَا أَجْدَلِي وَلَكُمْ مَثَلًا إِلَّا كَمَا قَالَ أَبُو يُوسُفَ“ اور میں اپنے اور تمہارے درمیان صرف ابو یوسف (حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی مثال پاتی ہوں (کہ وہی کہوں جو انہوں نے کہا تھا)۔ ”فَصَبْرٌ جَمِيلٌ وَاللَّهُ الْمُسْتَعَانُ عَلَى مَا تَصِفُونَ“ صبر جمیل کرتا ہوں اور تم جو کر رہے ہو اس پر میں اللہ ہی سے مدد طلب کرتا ہوں۔

ام المؤمنین اس گفتگو کے بعد انھیں اور ایک طرف جا کر لیٹ گئیں اب وہ قدرے مطمئن تھیں کہ آج بات صاف ہو گئی اور یقیناً اللہ تعالیٰ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ میری برأت ظاہر فرما دے گا۔ فرماتی ہیں لیکن مجھے یہ وہم و گمان بھی نہ تھا کہ رب کریم میری برأت کے لئے قرآنی آیات نازل فرمائے گا جس کی قیامت تک تلاوت کی جائے گی کہ میں اپنے آپ کو اس لائق نہیں سمجھتی تھی۔ ہاں یہ خیال تھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بذریعہ خواب حقیقت حال سے واقف کر دیا جائے گا (کہ نبی کا خواب بھی وحی الہی کی ایک قسم ہے جس کا یقین کرنا امت پر واجب ہے)۔

ام المؤمنین اگرچہ اپنے آپ کو اتنا بلند مرتبہ نہ سمجھتی تھیں کہ ان کی پاکدامنی کا اعلان بذریعہ آیات قرآنی کیا جائے لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے تحفۃ الہی تھیں۔ جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں پس اللہ نے اپنے تحفہ کے تقدس اور اس کے ظاہری و باطنی حسن و جمال کی حفاظت فرمائی چاہی۔ نیز یہ معاملہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی کا نہ تھا بلکہ یہ تہمت لگا کر منافقین نے اللہ کے رسول ﷺ کی عصمت کو داغدار کرنے اور اسلام کو بدنام کرنے کی ناکام سازش کی تھی۔ جس پر قیامت تک آنے والے مسلمانوں کو ندامت و شرمندگی برداشت کرنا پڑتی۔ پس اللہ نے بڑا ہی کرم فرمایا کہ قرآن کریم کے ذریعہ میری ماں کی برأت کا اعلان فرمایا۔ جس سے امت کی ماں کی عظمت و فضیلت بھی نمایاں ہوئی۔ عصمت نبوت کی چادر بھی صاف و شفاف ہو گئی۔ اسلام کی حفاظت مزید اجاگر ہو گئی اور قیامت تک ان آیات کو تلاوت کرنے والوں کا سر فخر

سے بلند ہو گیا۔

بہر حال اس گنگنگو کے بعد حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کو قدرے اطمینان ہوا اور انہیں یقین سا ہو گیا کہ اب اللہ کی طرف سے ضرور برأت کا اظہار ہوگا ابھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام یہیں تشریف فرما تھے کہ آپ کے چہرہ انور پر نزول وحی کے آثار نمایاں ہونے لگے کہ سخت سردی کے باوجود بھی آپ ﷺ کا چہرہ مبارک سرخ ہو جاتا تھا اور موتیوں کی طرح پسینہ کے قطرات ٹپکنے لگتے تھے۔ آپ ﷺ کی یہی کیفیت ہوئی اور جبریل امین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حاضر ہو کر آپ کو آیات برأت سنائیں جب یہ کیفیت ختم ہوئی تو آپ ﷺ کے چہرہ انور پر خوشی جھلکنے لگی اور آپ نے پہلے اپنی زوجہ محبوبہ کو مبارک باد دیتے ہوئے فرمایا: ”أَبَشِّرِي يَا عَائِشَةُ أَمَّا اللَّهُ فَقَدْ بَرَّأكَ“ اے عائشہ مبارک ہو اللہ نے تمہاری برأت کا اعلان فرما دیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی والدہ نے کہا اے عائشہ کھڑی ہو اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا شکریہ ادا کرو میں نے بطور ناز کہا میں کسی کے لئے کھڑی نہ ہوں گی اور نہ ہی کسی کا شکریہ ادا کروں گی میں صرف اللہ کا شکر ادا کرتی ہوں جس نے میری برأت ظاہر فرمائی ہے۔

آپ کے مطالعہ کے لئے قرآن کریم کی آیات برأت پیش کرنے سے قبل ہم یہ عرض کرتے چلیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی زوجہ محترمہ کی پاکدامنی کا یقینی علم ہونے کے باوجود معاملہ کی تحقیقات کا پوری طرح وہ طریقہ اختیار فرمایا جو کسی عام مقدمہ کا فیصلہ کرنے سے پہلے ایک منصف قاضی کو شرعاً اختیار کرنا چاہئے تاکہ کسی دشمن اسلام کو میرے آقا ﷺ کے عدل و انصاف پر اعتراض کی گنجائش باقی نہ رہے اور یہ نہ کہا جاسکے کہ جو دوسروں کے معاملات میں عدل و انصاف کا دعویٰ کرتے ہیں انہوں نے اپنے معاملہ میں اس کا لحاظ نہ کیا اور بلا تحقیق و تفتیش اپنی اہلیہ کو پاکدامن قرار دے دیا۔ پس آپ ﷺ نے جس، جس سے مناسب سمجھا اس معاملہ کی تحقیق فرمائی مثلاً آپ نے اپنی زوجہ مکرمہ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کو شامل تفتیش کیا کیونکہ وہ بحیثیت سوکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کچھ زیادہ ہی رقابت رکھتی تھیں۔ پس آپ ﷺ نے ان کو بلایا اور پوچھا کہ عائشہ کے معاملہ میں تمہارا کیا خیال ہے۔ انہوں نے جواب دیا ”يَا رَسُولَ اللَّهِ أَحْمِي سَمْعِي وَبَصْرِي وَاللَّهِ مَا عَلِمْتُ إِلَّا خَيْرًا“ میں اپنے کانوں اور آنکھوں کو محفوظ رکھتی ہوں (یعنی غیر ضروری اور لایعنی باتوں پر توجہ نہیں کرتی) عائشہ کے متعلق میں پاکیزگی کے سوا کچھ نہیں جانتی۔ آپ ﷺ نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو بلایا کیونکہ اسامہ آپ کے اہل خانہ جیسے تھے۔ پس ان سے سوال فرمایا کہ اپنی ماں کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے انہوں نے کہا ”هُمْ أَهْلُكَ وَلَا نَعْلَمُ إِلَّا خَيْرًا“ وہ آپ کی اہلیہ ہیں اور ہم ان کے متعلق پارسائی کے سوا کچھ نہیں جانتے۔ آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلایا اور ان حالات میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے علیحدگی کے متعلق مشورہ کیا انہوں نے سوال کی مناسبت سے جواب دیتے ہوئے کہا ”لَمْ يُضَيِّقِ اللَّهُ عَلَيْكَ وَالنِّسَاءُ سِوَاهَا كَثِيرٌ وَإِنْ تَسْأَلِ الْجَارِيَةَ نَضُوقُكَ“ اللہ نے آپ پر کوئی تنگی نہیں کی ہے (آپ جتنی عورتوں سے چاہیں نکاح کر لیں) اور ان کے علاوہ بہت عورتیں ہیں (آپ کے لئے عورتوں کی کیا کمی) (لیکن بہتر ہوگا کہ اس معاملہ میں) آپ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی لونڈی سے

تفتیش کریں کہ وہ آپ کو صحیح صورت حال بتائیں گی (کیونکہ وہ عائشہ کے بہت قریب ہیں اور ان کی عادات و اطوار سے بخوبی واقف ہیں۔ پس حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مشورے کے مطابق ام المؤمنین کی باندی، حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کو طلب فرمایا اور آپ نے ان سے پوچھا ”هَلْ رَأَيْتِ مِنْ شَيْءٍ يُرِيكَ مِنْ عَائِشَةَ“ کیا تم نے عائشہ میں کوئی ایسی چیز دیکھی جس سے تمہیں ان کے متعلق کوئی شک و شبہ ہو انہوں نے جواب کو طویل کرتے ہوئے کہا اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق دے کر مبعوث فرمایا ہے۔ میرے علم کے مطابق اگر عائشہ میں کوئی عیب ہے تو صرف یہ ہے کہ وہ ایک کم عمر لڑکی ہیں۔ (ان کا حال یہ ہے کہ) وہ اپنے گھر کا آٹا گوندھتے گوندھتے سو جاتی ہیں اور بکری آکر وہ آٹا کھا جاتی ہے (یعنی ایسی کم عمر لڑکی پر تہمت کی حقیقت کیا ہو سکتی ہے۔ یا رسول اللہ ﷺ! آپ خود اس پر غور فرمائیے) ”وَاللّٰهُ مَا عَلِمْتُ عَلَيْهَا اِلَّا مَا يَعْلَمُ الصَّائِغُ عَلَى تَبْرِ الذَّهَبِ الْاَحْمَرِ“ بخدا میں تو انہیں اس طرح جانتی ہوں جس طرح سنار خالص سونے کی سرخ ڈلی کو جانتا ہے۔ سبحان اللہ باندی نے اپنی مالکہ کی پاکدامنی کو کیسے پیارے انداز سے بیان کیا خالص سونے کو سنار سے زیادہ کون پہچان سکتا ہے اسی طرح میں ان کے اتنے قریب ہوں کہ میں نے انہیں خوب پہچانا اور خالص سونے کی طرح ہر قسم کے میل کچیل سے پاک صاف و شفاف پایا۔ اللہ کی قسم ہم بھی اپنی ماں کو ایسا ہی پاک و صاف یقین کرتے ہیں۔ اے اللہ واسطہ ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی پاکدامنی کا تو ہماری مادی ماؤں کو بھی مقدس و پاک دامن کر دے آمین۔

مزید ملاحظہ فرمائیے کہ صحابہ کرام کو اپنی ماں کی پاکدامنی کا کس درجہ یقین تھا جس کا اظہار انہوں نے کیسی عقیدت و محبت کے ساتھ کیا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی چونکہ بیٹی کا معاملہ تھا اس لئے وہ ان کی پاکدامنی پر یقین کے باوجود خاموش اور غمزہ رہے لیکن..... حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض کیا مجھے منافقین کے جھوٹ کا یقین ہے کیونکہ جب اللہ اتنا پسند نہیں فرماتا کہ آپ ﷺ کے جسم پر مبارک پرکھی بیٹھے صرف اس لئے کہ وہ نجاست پر بیٹھتی ہے تو میرا رب یہ کیسے گوارا فرما سکتا ہے کہ آپ ﷺ کا جسم اطہر کسی فاحشہ عورت کے جسم سے مس ہو کر نجاست میں ملوث ہوتا رہے (پس یہ ممکن ہی نہیں کہ آپ کی کوئی بیوی بھی کسی برائی میں مبتلا ہو)۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ ﷺ! آپ کے نورانی جسم کا سایہ نہیں اس لئے کہ آپ کے مبارک سایہ پر کسی کا قدم نہ پڑنے پائے اور اس کی بے حرمتی نہ ہو تو کیسے ممکن ہے کہ آپ کی زوجہ کی کوئی عزت پامال کرے اور ان کی بے حرمتی کا مرتکب ہو۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! ایک موقع پر بحالت نماز جنازہ اللہ نے آپ کی بارگاہ میں جبریل کو صرف اتنی سی بات کی خبر دینے کے لئے بھیجا کہ آپ کی نعل مبارک میں نجاست لگی ہوئی ہے۔ آپ اے اتار دیں تو اگر بالفرض آپ کی زوجہ کسی برائی میں مبتلا ہوئی ہو تیس تو اللہ آپ کو ان کے حال کی ضرور خبر کر دیتا اور ان سے علیحدگی کا حکم دیتا کہ یہ تو بہت ہی اہم معاملہ ہے۔

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی سے کہا (کہ تمام صحابہ اس واقعہ کی وجہ سے پریشان، متفکر اور مغموم تھے اور ہر گھر میں یہی واقعہ موضوع گفتگو بنا ہوا تھا) پس انہوں نے اپنی بیوی سے پوچھا کہ ام المؤمنین کے متعلق جو افواہ پھیلی ہے کیا تمہیں اس کا علم ہے اور اس کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے۔ انہوں نے کہا آپ یہ بتائیے کہ اگر آپ صفوان بن معطل کی جگہ ہوتے تو کیا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیوی کے ساتھ برائی کا ارادہ کر سکتے تھے۔ وہ بولے معاذ اللہ ہرگز نہیں، ہرگز نہیں۔ میں تو ایسا تصور بھی نہیں کر سکتا پھر بیوی نے کہا اگر میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی جگہ ہوتی تو کبھی بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ خیانت کا خیال تک دل میں نہیں لاسکتی تھی اور ظاہر ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مجھ سے بدرجہا افضل و اعلیٰ ہیں اور صفوان تم سے افضل ہیں تو ان کے متعلق اس برائی میں مبتلا ہونے کا تصور کیسے کیا جاسکتا ہے۔ بخدا یہ جھوٹ ہے۔ منافقین کی سازش ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے علم و یقین اور ام المؤمنین کی پاکدامنی پر صحابہ کرام کی واضح شہادتوں کے باوجود از خود فیصلہ صادر نہ فرمایا بلکہ وحی الہی کے منتظر رہے تاکہ قیامت تک کسی دشمن رسول کو کسی قسم کے اعتراض کا موقع نہ مل سکے۔ نیز اللہ کے دربار میں آپ کے اور ام المؤمنین کے بلند منصب و مرتبہ کا اندازہ ہو سکے لیکن وحی الہی ایک ماہ تک خاموش رہی۔ یہ طویل عرصہ انتظار کیسے گزرا ہوگا اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ منافقین کا پروپیگنڈا پھیلتا رہا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، ان کے گھر والے، صحابہ کرام، سب ہی حزن و ملال اور سخت پریشان حالی میں مبتلا رہے۔ مدینہ کے ہر گھر پر غم و اندوہ کے بادل چھائے رہے۔ اہم امور کی انجام دہی تک میں ہی خلل واقع ہوتا رہا۔ بالآخر نور کی پو پھٹی، رنج و ملال کے بادلوں کی تاریکی چھٹی اور سورہ نور کی آیات نازل ہوئیں جن سے سب کے دل منور و روشن ہو گئے۔ غمزدہ چہرے چمک اٹھے۔ آئیے ان آیات کا مطالعہ کر کے ہم بھی اپنے قلوب کو منور کریں، ایمان کو تازہ کریں۔

### آیات برأت

ان نورانی آیات کو آیات برأت کہا جاتا ہے یعنی ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی تہمت سے پاکیزگی کی آیات اس عظیم ابتلاء و آزمائش سے اعلان نجات کی آیات اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

إِنَّ الَّذِينَ جَاءُوا بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ لَا تَحْسَبُوهُ شَرًّا لَّكُم بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ مَا اكْتَسَبَ مِنَ الْإِثْمِ ۚ وَالَّذِي تَوَلَّى كِبْرَهُ مِنْهُمْ لَهُ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝ لَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بِأَنفُسِهِمْ خَيْرًا وَقَالُوا هَذَا إِفْكٌ مُّبِينٌ ۝ لَوْلَا جَاءُوا عَلَيْهِ بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ ۚ فَإِذْ لَمْ يَأْتُوا بِالشُّهَدَاءِ فَأُولَٰئِكَ عِندَ اللَّهِ هُمُ الْكَذِبُونَ ۝ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِي مَا أَفَضْتُمْ فِيهِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝ إِذْ تَلَقَّوْنَهُ بِأَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُولُونَ بِأَفْوَاهِكُمْ مَا لَيْسَ لَكُم بِهِ عِلْمٌ وَتَحْسَبُونَهُ هَيِّئًا ۚ وَهُوَ عِندَ اللَّهِ عَظِيمٌ ۝ وَلَوْلَا إِذْ

سَبِّحْتُمْ لَنَا أَنْ تَتَكَلَّمُ بِهَذَا سُبْحَنَ هَذَا بَهْتَانٍ عَظِيمٍ ①  
 يَعِظُكُمُ اللَّهُ أَنْ تَعُودُوا لِلْإِثْمِ أَبَدًا إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ② وَيُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْآيَاتِ  
 وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ③ إِنَّ الَّذِينَ يُجِبُونَ أَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ  
 عَذَابٌ أَلِيمٌ ④ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ⑤ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ⑥ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ  
 عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ وَأَنَّ اللَّهَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ ⑦  
 (النور: ۲۰ تا ۲۱)

بیشک جنہوں نے جھوٹی تہمت لگائی ہے وہ ایک گروہ ہے تم میں سے تم اسے اپنے لئے برا خیال نہ کرو بلکہ یہ بہتر ہے تمہارے لئے ہر شخص کے لئے اس گروہ میں سے اتنا گناہ ہے جتنا اس نے کمایا اور جس نے سب سے زیادہ حصہ لیا ان میں سے اس کے لئے عذاب عظیم ہے ایسا کیوں نہ ہوا کہ جب تم نے یہ (افواہ) سنی تو گمان کیا ہوتا مؤمن مردوں اور مؤمن عورتوں نے اپنوں کے متعلق پاک گمان اور کہہ دیا ہوتا کہ یہ تو کھلا بہتان ہے وہ اس پر چار گواہ کیوں پیش نہ کر سکے (اگر وہ سچے تھے) پس جب وہ گواہ پیش نہ کر سکے وہی ہیں جو اللہ کے نزدیک جھوٹے ہیں اور اگر نہ ہوتا اللہ کا فضل تم پر اور اس کی رحمت دنیا میں اور آخرت میں تو پہنچتا تمہیں ان باتوں کی وجہ سے بڑا عذاب (جب تم ایک دوسرے سے) نقل کرتے تھے اس (بہتان) کو اپنی زبانوں سے اور کہا کرتے تھے اپنے مومنوں سے ایسی بات جس کا تمہیں کوئی علم ہی نہ تھا نیز تم خیال کرتے تھے کہ یہ معمولی بات ہے حالانکہ یہ بات اللہ کے نزدیک بہت بڑی تھی اور ایسا کیوں نہ ہوا کہ جب تم نے یہ افواہ سنی تو تم نے کہہ دیا ہوتا کہ ہمیں حق نہیں پہنچتا کہ گفتگو کریں اس کے متعلق اے اللہ تو پاک ہے یہ بہت بڑا بہتان ہے نصیحت کرتا ہے تمہیں اللہ کہ دوبارہ اس قسم کی بات برگز نہ کرنا اگر تم ایماندار ہو اور کھول کر بیان کرتا ہے اللہ تمہارے لئے اپنی آیتیں اور اللہ سب کچھ جاننے والا بڑا دانہ ہے بیشک جو لوگ یہ پسند کرتے ہیں کہ پھیلے بے حیائی ان لوگوں میں جو ایمان لائے ہیں ان کے لئے دردناک عذاب ہے دنیا میں اور آخرت میں اور اللہ (حقیقت کو) جانتا ہے اور تم نہیں جانتے اور اگر نہ ہوتا تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت اور یہ کہ اللہ بہت مہربان اور رحیم ہے (تو تم بھی نہ بچ سکتے تھے)

غور فرمائیے، کس قدر واضح انداز میں اللہ رب العزت جل مجدہ اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طہارت و پاکدامنی کا اعلان فرما رہا ہے۔ ابتداء ہی اس واقعہ کو ”افک“ قرار دیا گیا یعنی یہ ایسا بہتان ہے جس کی کوئی انتہا نہیں یہ ایک لفظ ہی تردید اور منافقین کی سازش کا پردہ چاک کر دینے کے لئے کافی تھا لیکن اس پر اکتفا نہ کیا گیا بلکہ واقعہ کی سنگینی اور بدترین نتائج کا باعث ہونے کے سبب، دس آیات کے ذریعہ اس کا تفصیلی رد کیا گیا جن میں پہلے اسے ”افک“ انتہائی بہتان قرار دیا گیا پھر ”افک مُبِیْنٌ“ کھلا بہتان فرمایا گیا اور پھر بہتان عظیم بڑا بہتان کہا گیا گویا ایک رتی ایسی گنجائش نہ چھوڑی گئی جس سے کوئی دشمن اسلام اس واقعہ کی صداقت ثابت کرنے کا سہارا لے سکے۔

شر نہیں خیر ہے

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا، ان کے اہل خانہ بالخصوص حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، جملہ صحابہ کرام اور قیامت تک آنے والے اہل ایمان کو مطمئن کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ اس بہتانِ عظیم کو تم اپنے لئے شر خیال نہ کرو یہ نہ سمجھو کہ اس سے تمہاری یا اسلام کی بدنامی ہوئی ہے اور یہ تمہارے لئے ندامت و شرمندگی کا باعث بنا ہے ”بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ“ یہ تو تمہارے لئے خیر و بھلائی کا ذریعہ بنا ہے کہ کبھی برائی بھی ذریعہ بھلائی اور خیر بن جاتی ہے۔ دیکھئے حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو ان کی ایک معمولی غلطی نے ہی ان کے معصروں سے ممتاز کر دیا کہ مسجد نبوی شریف میں موجود ایک ستون ان کی پاکدامنی کا منہ بولتا ثبوت ہے جو امت کے گناہ گاروں کی پناہ گاہ بنا ہوا ہے جس کے قرب سے قبولیت توبہ کی ضمانت ملتی ہے اور گناہ گاروں کو احساس ہو جاتا ہے کہ اللہ نے ان کی توبہ کو قبول فرمالیا۔ یہ بہتانِ عظیم تمہارے لئے شر نہیں یہ تو ذریعہ خیر بنا ہے کہ ہمیشہ کے لئے منافقین اور دشمنانِ اسلام اپنے بڑوں کی ناکامی و ناکامی پر ماتم کرتے رہیں گے اور نادم و شرمندہ ہوتے رہیں گے جبکہ اہل ایمان اپنی ماں کی عظمت کو ہمیشہ سلام کرتے رہیں گے اور اس پر فخر کریں گے اگر ان پر یہ بہتانِ عظیم نہ لگتا تو شاید وہ اپنوں اور غیروں کی نظروں میں اتنی بلند مرتبہ اور باعظمت نہ ہوتیں جتنی آج ہیں۔ کیا ان کے لئے یہ اعزاز کم ہے کہ ہر گھر اور ہر منبر و محراب میں ان آیات کی تلاوت کے ذریعہ ہر لمحہ ان کا ذکر اور چرچا ہوتا رہتا ہے۔ پس اے ابو بکر رضی اللہ عنہ آپ کو ایسی بیٹی کا باپ ہونا اور اے مسلمانوں تمہیں ایسی عظیم ماں کا نصیب ہونا مبارک ہو جس کی عزت و ناموس کی حفاظت رب العالمین جل مجدہ نے کی۔

اور اس اعتبار سے بھی یہ بہتانِ عظیم خیر ثابت ہوا کہ اس کی وجہ سے غلاموں کے دلوں میں اپنے آقا ﷺ کی عظمت مزید اجاگر ہوئی اور آپ سے محبت و عقیدت میں اضافہ ہوا کہ رب کریم نے اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زوجہ مکرمہ کی برأت کا اعلان کر کے درحقیقت میرے آقا ﷺ کی ہر اس عیب و نقص سے برأت کا اعلان فرمایا ہے جو دشمنانِ رسول ان کی طرف منسوب کرنے کی ناکام کوشش کریں کہ جو اللہ اپنے رسول کی بیوی کی رداءِ تطہیر پر کوئی داغ گوارا نہ فرما سکے وہ اپنے رسول کی رداءِ عصمت پر کوئی دھبہ کیسے برداشت فرما سکتا ہے پس یہ ممکن نہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اوصاف کمالات کو مجروح کرنے والے ان سے کسی ایسی بات کو منسوب کرنے والے جو ان کے شایانِ شان نہ ہو کسی بھی طرح کامیاب ہو سکیں۔ چاہے وہ اپنے ہوں یا غیر ہوں، کھلے دشمن ہوں یا چھپے دشمن ہوں۔ نیز اس سے آپ کا وصفِ عدل و انصاف مزید نمایاں ہوگا کہ اپنی بیوی کی پاکدامنی کا علم ہونے اور اس کی تائید میں واضح شہادتیں حاصل ہو جانے کے باوجود بھی آپ نے خود ان کی برأت کا اظہار نہ فرمایا بلکہ وحی الہی کا انتظار فرماتے رہے جبکہ ان آیات کے نزول سے قبل آپ اپنے ایک خطبہ میں یہ اظہار فرما چکے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ”فَوَاللّٰهِ مَا عَلِمْتُ عَلَىٰ أَهْلِي إِلَّا خَيْرًا وَمَا عَلِمْتُ عَلَىٰ أَهْلِي مِنْ سُوءٍ“ بخدا میں اپنے اہل کے لئے خیر کے سوا کچھ نہیں جانتا اور مجھے ان سے کسی غلطی کا کوئی علم نہیں۔ یہ فیصلہ نہ تھا بلکہ اپنے علم کا اظہار تھا تا کہ کوئی آپ کو حقیقت حال سے بے خبر سمجھ کر آپ پر بے علمی کا داغ لگانے کی کوشش نہ کرے لیکن کیا کہا

جائے ان بد نصیبوں کو جو یہ سب جانتے ہوئے بھی اس واقعہ اور اس جیسے دیگر واقعات سے معلم کامل مخبر صادق ﷺ کے کمال علم کو مجروح کرنے کی ناکام کوششیں کرتے رہتے ہیں اور امت میں انتشار و افتراق پیدا کرنے کے مرتکب ہوتے ہیں جبکہ اسی انتشار و افتراق سے بچانے کے لئے قرآن کریم نے واضح اعلان فرمایا ”وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ“ پیارے محبوب ہم نے آپ کو وہ سب کچھ بتا دیا جو آپ نہ جانتے تھے۔ نیز فرمایا ”وَيُعَلِّمُكُم مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ“ وہ ایسے معلم کامل ہیں کہ جو بات بھی تم نہیں جانتے وہ تمہیں بتا دیتے ہیں غرضیکہ اس واقعہ کے سبب میرے آقا ﷺ کے اوصاف و کمالات مزید اُجاگر ہوئے۔ جو امت کے لئے ایک عظیم خیر ہے اللہ اس خیر سے استفادہ اور استفادہ کی توفیق عطا فرمائے اور ان لوگوں کے شر سے محفوظ رکھے جو اس خیر کو آج تک شربنا رہے اور اس شر کی تبلیغ و اشاعت کر رہے ہیں۔

اور یہ بہتان عظیم خیر ہے اس اعتبار سے کہ ایک ماہ کی طویل مدت تک منافقین اس کا پروپیگنڈا کرتے رہے نہ جانے کیا کیا باتیں بنائی جاتی اور افواہیں پھیلانی جاتی رہیں۔ ام المؤمنین، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور سب نے ہی بڑے صبر و استقلال کے ساتھ اس مصیبت کا مقابلہ کیا امتحان و آزمائش کے یہ شب و روز عام صحابہ کے لئے تو نہایت ہی کٹھن ثابت ہو رہے تھے کہ بعض اوقات ان کا ایمان لرز اٹھتا اور پیاناہ صبر لبریز ہو جاتا تھا لیکن یہ اللہ کا کرم ہے کہ وہ اہل ایمان کو صبر کی قوت عطا فرماتا ہے۔ اس کا ارشاد ہے ”إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ“ پس سب ہی پہاڑ سے زیادہ مضبوط و مستحکم ہو کر ڈٹے رہے اور اس مصیبت کا مقابلہ کرتے رہے بالآخر اس آزمائش میں کامیاب قرار پائے۔ برأت کا اعلان ہوا انہیں ظاہری اور دنیاوی طور پر سرخروئی نصیب ہوئی، باطنی طور پر طمانیت و سکون میسر آیا اور آخرت میں سید الصابرین ﷺ کے وسیلہ جلیلہ سے صبر کے اجر و ثواب کے مستحق قرار پائے۔ پس اس مصیبت کو شر نہ سمجھو یہ تو خیر ہی خیر ہے اے اللہ واسطہ اس خیر کا تو ہمارے تمام مصائب کو بھی خیر بنا دے۔

کسی عام پاکباز عورت یا مرد پر بدکاری کی تہمت لگانا اتنا ہی گھناؤنا گناہ ہے جتنا گھناؤنا خود یہ فعل بد ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے زنا کے بعد سب سے بڑی اور سخت سزا بہتان لگانے والے کے لئے مقرر فرمائی:

وَالَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ ثُمَّ لَا يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَاجْلِدُوهُمْ ثَمَانِينَ  
جَلْدَةً وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَدًا وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ﴿٢٤﴾ (النور: ٢٤)

اور جو لوگ تہمت لگاتے ہیں پاکدامن عورتوں پر پھر وہ نہ پیش کر سکیں چار گواہ پس انہیں اتنی درے لگاؤ اور ان کی گواہی کبھی قبول نہ کرو اور وہی لوگ فاسق ہیں۔

یہ سزا تو ان لوگوں کی ہے جو کسی عام پاکدامن مؤمنہ پر تہمت لگانے کا ارتکاب کرتے ہیں تو اس ظالم کی سزا کیا ہونا چاہئے جس نے معصوم نبی کی پایزہ و پاکدامن بیوی کی رداء تطہیر کو داغدار کرنے کی سازش کر کے اسلام کو بدنام اور مسلمانوں کو ندامت و شرمندگی کے دریا میں غرق کر دینے کی کوشش کی تھی اس بدترین جرم کے مرتکب دو قسم کے لوگ تھے۔ ایک وہ جو اصل مجرم تھے عبد اللہ بن ابی اور دیگر منافقین اور دوسرے وہ سادہ لوح مسلمان جو ان ظالموں کے پروپیگنڈے کا شکار ہو بیٹھے۔

سب کی سزا کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ جس نے اس معاملہ میں جتنا حصہ لیا ہے اسے اتنا ہی گناہ ہوگا جبکہ اصل مجرم کو عذاب عظیم میں مبتلا کیا جائے گا۔ یہ عذاب عظیم کیا ہوگا اللہ ہی بہتر جاننے والا ہے ہم تو صرف اتنا جانتے ہیں کہ ایک عام مسلمان کو بدنام کرنا اور ایذا دینا بڑا گناہ ہے تو جس شخص نے پوری امت بالخصوص اللہ کے رسول ﷺ اور ان کے اہل خانہ کو ایذا پہنچائی اس نے کتنا بڑا گناہ کیا۔ پس اس کی سزا بھی اتنی ہی بڑی ہوگی جتنا بڑا اس کا گناہ ہے۔ اس لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان آیات کے نزول کے بعد حضرت حسان، مسطح اور حمزہ بنت جحش پر حد قذف جاری کرنے کا حکم دیا لیکن اکثریتی روایات کے مطابق عبد اللہ بن ابی کو عذاب عظیم میں مبتلا ہونے کے لئے چھوڑ دیا کہ اس کے لئے دنیا کی کوئی حد اور سزا کافی نہ تھی۔ اس ملعون کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے انتقام کی آگ میں جلنے کے لئے چھوڑ دیا گیا اور جو اہل ایمان اس جرم میں شامل ہو گئے تھے حد قذف سے ان کے گناہ کی غلاظت صاف کر دی گئی اللہ نے ان کی توبہ کو قبول کر لیا پس اب وہ قابل ملامت نہ رہے۔ یہی وجہ ہے کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ناپسند فرماتی تھیں کہ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو برا کہا جائے وہ فرماتی تھیں کیا تم نے حضرت حسان رضی اللہ عنہ کا یہ شعر نہ سنا:

لِعَرَضٍ مُّحَمَّدٍ مِّنْكُمْ وَقَاءُ

فَإِنَّ أَبِي وَ وَالِدَهُ وَعَرَضِي

محمد ﷺ کی عزت کے تحفظ کے لئے ہیں

بیشک میرے ماں باپ اور میری آبرو

یہ تو حقیقت ہے کہ یہ حضرات حد جاری ہونے اور توبہ کر لینے کے بعد پاک و صاف ہو گئے لیکن یہ صاحب خلق عظیم ﷺ کی زوجہ مقدسہ کا عظیم اخلاق ہے کہ وہ ان لوگوں کی برائی برداشت نہ کر پاتی تھیں جو ان پر تہمت لگانے والوں کے ساتھ خطاؤں اور سہواً شریک ہو گئے تھے۔

جو اہل ایمان اس بے بنیاد الزام پر کان دھرتے تھے یا تردد میں مبتلا ہونے کے سبب آپس میں اس مسئلہ پر گفتگو کرتے اور شکوک و شبہات کا اظہار کرتے تھے ان کی طرف رخ التفات کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ تمہارے ایمان کا مقتضی یہ تھا کہ ایسی بیہودہ بات سنتے ہی تمہیں اس کے جھوٹ کا پلندہ ہونے کا یقین کر لینا چاہئے تھا اور اسی وقت بلا اختیار تمہاری زبانوں سے ”هَذَا افْكٌ مُّبِينٌ“ کا واضح اعلان ہونا چاہئے تھا اور سمجھ لینا چاہئے تھا کہ اگر اس بات میں ذرا برابر بھی صداقت ہوتی تو بہتان لگانے والے ضرور چار گواہ پیش کر دیتے لیکن وہ ایسا نہ کر سکے تو اللہ کے نزدیک ان کا جھوٹا ہونا واضح اور ثابت ہے (نیز اس بات کے جھوٹ ہونے کے لئے تو یہی کافی تھا کہ جس مؤمنہ محسنہ کے پاکیزہ دامن کو داغدار کرنے کی کوشش کی گئی وہ معصوم نبی کی بیوی ہے اور کسی نبی کا بدکار عورت سے تعلق ممکن ہی نہیں) یہ تو اپنے نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طفیل اللہ نے تم پر کرم کیا کہ دنیا و آخرت میں تمہیں اس نے اپنے سایہ رحمت میں پناہ دے دی ورنہ تم تو اس لائق تھے کہ تم پر عذاب عظیم نازل ہو جاتا کہ جو افواہ پھیلانے میں تم شریک تھے۔ وہ تمہارے خیال و گمان میں معمولی بات ہو سکتی تھی لیکن اللہ کے نزدیک بہت ہی بڑی بات تھی کہ اس کا تعلق اس کے رسول اور ان کے اہل خانہ کی عزت و ناموس سے تھا جو اللہ کے نزدیک نہایت ہی اہم اور قیمتی ہے تاکید کرتے ہوئے اعادہ کیا گیا کہ جو نبی تم نے یہ بات سنی تھی تمہیں اللہ کی پاکی بیان کر کے ”هَذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ“



کہتے ہوئے اس سے قطعاً تعلق اور برأت کا اظہار کر دینا چاہئے تھا اور یاد رکھو آئندہ کبھی بھی ایسا نہ کرنا اگر واقعی تم مؤمن ہو کیونکہ اللہ کے رسول اور رسول کے غلاموں پر الزامات کا سلسلہ تو جاری رہے گا تا کہ اہل ایمان کی آزمائش ہوتی رہے۔ پس اہل ایمان کی نجات کا ذریعہ یہی ہے کہ وہ ان الزامات سے بری رہیں رسول کی توہین کرنے والوں ان کے متبعین پر الزام تراشی کرنے والوں سے جو دور رہیں گے، وہی اس آزمائش میں کامیاب و کامران ہو کر اللہ اور اس کے رسول کی رضا پاسکیں گے یہ تمہیں نصیحت کر دی گئی ہے لہذا "فَلَا تَقْعُدُوا بَعْدَ الذِّكْرِ مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ" نصیحت مل جانے کے بعد ظالموں کے قریب بھی نہ جانا۔

برائی پھیلانے والوں کا انجام

چونکہ ایک نہایت ہی بڑی برائی پھیلانے والوں اور اس میں شریک ہونے والوں کے انجام کا ذکر کیا گیا لہذا موقع کی مناسبت سے ان لوگوں کے انجام کا بھی ذکر کیا جا رہا ہے جو معاشرے میں لوگوں کو دین سے دور کرنے اپنی روزی کمانے یا امت مسلمہ میں انتشار و افتراق پیدا کرنے اور انہیں کمزور کر دینے یا کسی بھی غرض سے فاحشہ برائی پھیلاتے ہیں مثلاً ایسے کلب اور دوکانیں کھول دیتے ہیں جن میں لوگوں کو شراب، جوا، وغیرہ کی سہولتیں حاصل ہوتی ہیں یا ایسی فلموں وغیرہ کی اشاعت کرتے ہیں جن سے لوگوں میں زنا اور بدکاری کے جذبات بیدار ہوتے ہیں یا ایسا لباس مہیا کرتے ہیں جس سے عریانیت عام ہوتی ہے یا لوگوں کے کاموں میں سہولت مہیا کر کے ان سے دولت حاصل کرتے اور پورے معاشرے میں رشوت کی لعنت پھیلا دیتے ہیں یہ اور ان جیسی تمام برائیاں فاحشہ کے ضمن میں آتی ہیں جو معاشرے کو برباد کر دیتی ہیں اور معاشرتی نظام کو تہس نہس کر ڈالتی ہیں اسی لئے اسلام ان کو مٹانے اور روکنے کا بے حد اہتمام کرتا ہے اور ان کو پھیلانے والوں کے لئے دنیا و آخرت میں عذاب الیم کا اعلان کرتا ہے آخرت کا عذاب تو اللہ ہی بہتر جانے کہ اس کی کیا صورت ہوگی لیکن وہ دنیا میں جس عذاب الیم میں مبتلا ہوتے ہیں وہ سب کو نظر آتا ہے کہ ایسے لوگوں کو اگر دولت حاصل بھی ہو جاتی ہے تب بھی انہیں سکون و چین میسر نہیں آتا کہ خانگی طور پر وہ اپنے اہل و عیال کی طرف سے دردناک اذیت میں مبتلا رہتے اور بیرون خانہ ان پر یہ عذاب الیم طرح طرح کے مقدمات لوگوں کی دشمنی اور ان سے جان کو خطرہ وغیرہ کی صورت میں ہوتا ہے نیز اللہ محفوظ رکھے بدکاریوں کا ڈھنڈورا پیٹنے والے یہ لوگ جیسے دردناک اور گھناؤنے امراض میں مبتلا ہوتے ہیں کوئی مانے یا نہ مانے ہمیں یقین ہے کہ یہ بھی ان پر عذاب الیم ہی کی ایک صورت ہے۔ پس ایمان والوں کو ایسی حرکتوں سے بچنا اور دور رہنا چاہئے تاکہ اللہ رؤف رحیم کا ان پر فضل و کرم جاری رہے اور ان پر اس کی رحمت برسی رہے کہ اللہ کا خصوصی کرم اہل ایمان پر ہی ہوتا ہے۔

فاجعلنا من عبادک الصالحین، یا اللہ یا ارحم الراحمین۔

آیات برأت کی اس مختصر تشریح پر اکتفاء کرتے ہوئے آخر میں حضرت پیر کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ کی تفسیر ضیاء

القرآن سے امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک عبارت نقل کرتے ہیں۔ امام رازی فرماتے ہیں کہ:

وحی کے نزول سے قبل بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی پاکدامنی

کا یقین تھا کیونکہ نبی کا ایسے عیوب سے پاک ہونا جو لوگوں کو اس سے متنفر کر دیں ضروریات عقلیہ میں سے ہے جیسے اس کا جھوٹا ہونا کمینہ خاندان کا فرد ہونا اس کے والدین کا تہمت زنا سے متہم ہونا اسی طرح اس کی اہلیہ کی عصمت کا مشکوک ہونا اگر نبی میں ان عیوب میں سے کوئی ایک عیب بھی پایا جائے گا تو لوگ اس سے متنفر ہو جائیں گے اور اس کی بعثت کا مقصد ہی فوت ہو جائے گا۔

امام موصوف اپنی اس گفتگو پر دو شبے پیش فرماتے ہیں اور خود ہی ان کا جواب دیتے ہیں پہلا شبہ یہ ہے کہ نبی کی بیوی کا کافر ہونا قرآن سے ثابت ہے اور کفر زنا سے زیادہ سنگین جرم ہے اگر نبی کی اہلیہ سے کفر جیسے سنگین جرم کا ارتکاب ہو سکتا ہے تو اس سے کم درجہ گناہ کا صدور بھی ممکن ہے جو ابا فرماتے ہیں کہ بیوی کا کفر لوگوں کو متنفر نہیں کرتا البتہ اس کے دامن عصمت کا داغدار ہونا بلاشبہ نفرت کا سبب ہے۔

دوسرا شبہ یہ ہے کہ اگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو علم ہوتا تو آپ اس قدر پریشان کیوں ہوتے اس کے رد میں فرماتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا پریشان ہونا عدم علم کی دلیل نہیں کفار کی ایسی باتیں جن کا بطلان اظہر من الشمس تھا وہ سن کر بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پریشان ہوتے تھے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ہے ”وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّكَ يَضِيقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُولُونَ“ اور ہم جانتے ہیں کہ کفار کی بیہودہ گوئی سے آپ کے قلب مبارک پر بار ہوتا۔ نیز حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کی پاکدامنی ایک مسلمہ حقیقت تھی جس کے متعلق کسی کو ادنیٰ سا شبہ بھی نہ تھا الزام لگانے والے سارے منافق تھے اور ان کے پاس اس الزام کو ثابت کرنے کے لئے کوئی ثبوت نہ تھا ان قرآن کے ہوتے ہوئے ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ نزول وحی سے پہلے بھی اس الزام کا جھوٹا ہونا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بخوبی معلوم تھا۔

الحمد للہ میرے رب کریم نے بڑا ہی کرم فرمایا۔ میرے آقا ﷺ کی ناموس کی حفاظت فرمائی۔ میری ماں کی عزت و آبرو کو تحفظ بخشا اور قیامت تک کے لئے اہل ایمان کے دلوں کو ہر قسم کے شکوک و شبہات سے پاک و صاف کر کے انہیں عقیدہ حق کی نعمت سے سرفراز فرمایا اور اللہ کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں ہماری استعداد سے زیادہ آپ تک حق پہنچانے کا شرف بخشا، والحمد للہ رب العلمین۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی چند خصوصیات

آیات برأت پر آپ نے غور کیا اور اندازہ کیا کہ اللہ رب العزت جل مجدہ نے کتنی وضاحت کے ساتھ میری ماں کی پاکدامنی کا اعلان فرمایا۔ اس جرم کے مرتکبین پر کتنی سخت وعید نازل فرمائی کہ پورے قرآن کریم میں کسی جرم پر اس قدر سخت انداز وعید نہیں ملتا نیز نہایت تاکید کے ساتھ اہل ایمان کو ان پر کسی قسم کا شک و شبہ کرنے کی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ممانعت فرمادی۔ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ جب حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام پر تہمت لگائی گئی تو اللہ نے اپنی قدرت کاملہ سے ایک بچہ کو قوت گویائی عطا فرمائی اور اس کی شہادت سے ان کی برأت کو ظاہر فرمایا اور جب حضرت مریم علیہا السلام پر تہمت لگائی گئی تو اللہ تعالیٰ

انہی کے بچے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اعلان برأت کرایا لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طفیل یہ خصوصی اعزاز صرف حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہی کو بخشا گیا کہ ان کی برأت کے لئے قرآن کریم کی دس آیات نازل فرمائی گئیں۔

ام المؤمنین حضرت زینب رضی اللہ عنہا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے درمیان اکثر قیبانہ گفتگو ہوتی رہتی تھی۔ ایک موقع پر حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے اپنی برتری کا اظہار کرتے ہوئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا میں وہ ہوں جس کا نکاح اللہ تعالیٰ نے کیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا میں وہ ہوں جس کی اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی قرآنی برأت ظاہر فرمائی جب کہ مجھے ابن معطل نے اپنی اونٹنی پر سوار کیا تھا۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے پوچھا آپ نے سوار ہوتے وقت کیا کیا تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا اس وقت میں نے ”حَسْبِيَ اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ“ پڑھا تھا۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا بولیں یہی مومنوں کی شان ہے (یعنی کسی ایسے اہم کام کے آغاز پر جس کے انجام کا اندازہ نہ ہو یہ آیت پڑھ لینا چاہئے اللہ انجام اچھا کرے گا)۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ روایت متعدد کتابوں میں موجود ہے ہم اسے تفسیر روح المعانی سے نقل کر رہے ہیں آپ نے فرمایا مجھے کچھ ایسے خصوصی فضائل حاصل ہیں جو دیگر ازواج النبی یا اور کسی عورت کو نصیب نہیں ہو سکے۔ ہاں وہ چند خصوصیات مستثنیٰ ہیں جو اللہ تعالیٰ نے مریم بنت عمران کو عطا فرمائیں۔ آپ نے فرمایا میں اپنی ان فضیلتوں کے سبب دیگر ازواج پر فخر نہیں کرتی۔ آپ سے پوچھا گیا وہ خصوصیات کیا ہیں۔ آپ نے فرمایا: (۱) قبل نکاح، جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک ریشمی کپڑے یا اپنی ہتھیلی میں میری تصویر لے کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور فرمایا یہ تمہاری ہونے والی بیوی ہیں، (۲) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب مجھ سے نکاح کیا تو اس وقت میری عمر چھ سال کی تھی اور رخصتی نو برس کی عمر میں ہوئی، (۳) میرے علاوہ کسی کنواری عورت سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نکاح نہیں کیا، (۴) یہ صرف میں ہی ہوں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک چادر میں میرے ساتھ ہوتے اور وحی الہی نازل ہو جاتی تھی، (۵) میرے سوا ازواج مطہرات میں سے کسی نے جبرئیل علیہ السلام کو نہ دیکھا، (۶) وصال کے وقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا سر مبارک میری گود میں تھا میرے اور فرشتے کے علاوہ کوئی آپ کے قریب نہ تھا۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے فضائل و مناقب اور خصوصیات، احادیث اور سیرت کی کتابوں میں بے شمار موجود ہیں، جن سب کو ایک جگہ جمع کر کے پیش کر دینا اور یہ دعویٰ کرنا کہ یہی سب کچھ ہے ناممکن ہے ان کا کافی حصہ آپ گزشتہ اوراق پر پڑھ چکے ہیں۔ چند مزید باتیں اور عرض کر کے ہم اس عنوان کو ختم کرنا چاہتے ہیں۔

آپ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقرب ترین صحابی، رفیق غار و قبر اور رفیق دنیا و آخرت، مسلم اول خلیفہ اول، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی لخت جگر ہیں چونکہ آپ کی پیدائش سے قبل ہی آپ کے والدین مشرف باسلام ہو چکے تھے، لہذا آپ کو پہلی پیدائشی مومنہ ہونے کا شرف حاصل ہے۔ یہ شرف بھی آپ ہی کو حاصل ہے کہ آپ کے والدین، دادا، دادی، بہن، بھائی اور تقریباً دیگر تمام خونی رشتہ دار مشرف باسلام ہوئے۔ بروایت ابن زبیر رضی اللہ عنہ آپ کو دوزخ کی آگ

سے آزادی کا مژدہ دنیا ہی میں سنایا گیا آپ طیبہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ”وَالطَّيِّبُ لِلطَّيِّبِينَ وَالطَّيِّبُونَ لِلطَّيِّبَاتِ“ پس سید الطیبین ﷺ کے حرم محترم میں شامل ہونا، آپ کے طیبہ ہونے کا واضح ثبوت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نکاح کسی غیر طیبہ سے ہونا ممکن ہی نہ تھا۔ تیمم کی اجازت اس امت کی خصوصیات میں سے ہے جو بوسیلہ ام المؤمنین ہی نصیب ہوئی کہ اگر آپ کا ہر ایک سفر کے دوران گم نہ ہوتا تو شاید ہمیں یہ نعمت بھی نہ ملتی۔ آیت تیمم کے نزول کے بعد حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے اپنی ماں کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا:

جَزَاكَ اللَّهُ خَيْرًا مَّا نَزَلَ بِكَ أَمْرًا إِلَّا جَعَلَ اللَّهُ لَكَ مِنْهُ فَرْجًا وَمَخْرَجًا  
وَجَعَلَ لِلْمُسْلِمِينَ بَرَكَةً.

(اے میری ماں) اللہ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے جب بھی آپ کو کوئی دشواری پیش آئی اللہ نے خود ہی آپ کے لئے اس سے نکلنے کا راستہ پیدا فرمادیا اور اس مشکل کو عام مسلمانوں کے لئے (ناقیامت) باعث برکت بنادیا۔

یہ بھی آپ ہی کی خصوصیت ہے کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی ازواج سے ایلاء (تفصیل گزشتہ اوراق میں گزر چکی ہے) کیا اور آیت تخیر نازل ہوئی۔ تو سب سے پہلے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ آیت مبارکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو سنائی اور ان سے فرمایا کہ جواب دینے میں جلدی نہ کرنا اپنے والدین سے مشورہ کر لینا لیکن آپ نے فوراً جواب دیا ”أَوْفَىٰ هَذَا أَسْتَأْمِرُ أَبَوَيَّ فَإِنِّي أُرِيدُ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالذَّارَ الْآخِرَةَ“ کیا میں ایسے معاملہ میں اپنے والدین سے مشورہ کروں گی میں تو اللہ اس کے رسول اور آخرت کے گھر کو منتخب کرتی ہوں۔

اور جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دیگر ازواج مطہرات کو یہ آیت سنائی تو ساتھ ہی انہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا جواب بھی بتایا اور اسی جواب کو بنیاد بنا کر تمام ازواج نے بھی وہی جواب دیا جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا جواب تھا گویا میری ماں کی حکیمانہ و عاشقانہ فیصلے نے ان تمام فتنوں کا خاتمہ کر دیا جو کسی بھی زوجہ محترمہ کی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے علیحدگی کی صورت میں پٹا ہو سکتے تھے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے علم حاصل کرنے اور دین سیکھنے میں بے حد حریص تھیں ہر وقت اس قسم کے سوالات کرتی رہتی تھیں جن کے جوابات شریعت مطہرہ کا ایک عظیم سرمایہ بن گئے اور بے شمار احکام شرع ہمیں انہی سے حاصل ہوئے بالخصوص عورتوں کے مسائل کا ماخذ تو آپ کے سوالات اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جوابات ہی ہیں۔

تقویٰ و پرہیزگاری میں بھی آپ کی خصوصیت اور فضیلت نمایاں تھی کہ شب و روز آپ نوافل، تلاوت قرآن اور دیگر اوار و وظائف میں مصروف رہتی تھیں۔ بے حد فیاض اور بخشنے والی تھیں دربار خلافت سے آپ کی پینشن مقرر تھی جس دن یہ رقم آتی تھی اسی دن غرباء و مساکین میں تقسیم ہو جاتی تھی۔ آپ کی ایک خادمہ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ امیر المؤمنین حضرت عمر رضی

اللہ عنہ نے آپ کو وظیفہ کی رقم ارسال فرمائی۔ رقم آتے ہی آپ نے مجھے حکم دیا کہ فلاں فلاں کو دے دو میں حکم کے مطابق تقسیم کرتی رہتی تھی کہ سب پیسے ختم ہو گئے۔ حسب معمول آپ کا روزہ تھا گھر میں افطار تک کے لئے کچھ نہ تھا۔ میں نے عرض کیا سیدہ! اچھا ہوتا کہ آپ کچھ پیسے بچا لیتیں تاکہ میں افطار کا انتظام کر لیتی۔ آپ نے فرمایا تم نے مجھے پہلے کیوں یاد نہ دلایا خیر اللہ سب سے بڑا ہے۔

الحمد للہ ہم نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو خراج عقیدت و محبت پیش کرتے ہوئے ان کے کافی فضائل و مناقب آپ تک پہنچانے کی کوشش کی ہے۔ جن کی اس اعلیٰ منصب و مقام کے اعتبار سے کوئی حیثیت نہیں جو ہماری ماں کو حاصل ہے لیکن بہر حال ہم نے انہیں مطالعہ کرنے اور انہیں قلمبند کرنے میں خاصی محنت کی اور کافی وقت صرف کیا۔ بحمد اللہ کئی دن رات ہماری سوچ خیالات اور تصور کا مرکز ہماری ماں بنی رہیں۔ یہ سب کچھ ہم نے اپنی ماں کے دربار میں محض اپنی سعادت مندی کا ثبوت فراہم کرنے کے لئے کیا کاش وہ قبول فرمائیں اور ہمیں دنیا و آخرت میں بطور اجر و صلہ سعادت مندی نصیب ہو جائے۔ آمین۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی عمر رخصتی کے وقت نو سال کی تھی۔ نو ہی برس آپ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ رہیں اس مختصر عرصہ میں آپ نے جو کچھ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سیکھا اور ہم تک پہنچایا۔ اس سے کتب احادیث و سیرت بھری ہوئی ہیں جو آپ کی عقل و فہم، ذہانت، فطانت اور ذکاوت کا واضح ثبوت ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال کے وقت آپ کی عمر شریف صرف اٹھارہ برس کی تھی۔ کل عمر چھیا سٹھ سال ہوئی گویا اڑتالیس برس کا طویل عرصہ آپ نے بحالت بیوگی بسر کیا اور اس کا ہر لمحہ درس و تدریس اور دین کی اشاعت و تبلیغ میں صرف کیا۔ سترہ رمضان المبارک ۵۷ھ یا ۵۸ھ آپ کا تاریخ وصال ہے۔ یہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا دور تھا، مدینہ منورہ ہی میں وصال ہوا۔ حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ پردے کی پابندی کا اس قدر اہتمام تھا کہ آپ نے وصیت فرمائی تھی کہ مجھے رات کی تاریکی میں دفن کیا جائے لہذا ایسا ہی کیا گیا۔ جنت البقیع میں ہی قبر ہے کس جگہ ہے اس کا کیا جواب دیا جاسکتا ہے۔ بس اسی جگہ یقین کر کے فاتحہ پڑھ لیتے ہیں جہاں کسی سعودی کا بھکاری بچہ اشارہ کر دیتا ہے اس سے زیادہ قابل اعتبار کوئی ثبوت نہ رہا کہ ظالموں نے میری ایسی عظیم ماں تک کی قبر مبارک کا نشان نہ چھوڑا لیکن نشان قبر مٹانے سے دلوں سے ان کی عقیدت و محبت کے نقوش تو نہیں مٹائے جاسکتے نہ ہی ان کی عظمت و فضیلت کو کم کیا جاسکتا ہے کہ اس کی حفاظت تو اللہ نے قرآن کریم کے ذریعہ کر دی ہے۔ اللہ بے شمار رحمتیں نازل کرے میری ماں کی قبر انور پر اور ان کے فیوض و برکات ہم پر جاری رکھے۔ سترہ رمضان المبارک ان کا یوم وصال یاد رکھنا چاہئے اور حسب استطاعت فاتحہ وغیرہ کا اہتمام کرنا چاہئے کہ یہ بہت ہی باعث برکت ہے۔

چوتھی ماں

میری اور امت کی چوتھی ماں حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا ہیں جو امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہا کی

خواہش رکھتے ہیں۔ پس میں تمہاری بات پر خاموش رہا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارادے کے متعلق تمہیں اس لئے کچھ نہ بتایا کہ میں قبل از وقت آپ کا راز فاش کرنا مناسب نہ سمجھتا تھا۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ملال دور ہو گیا اور دل صاف ہو گیا یہ صحابہ کے درمیان خلوص و محبت کی ایک مثال ہے۔ جو ہمارے لئے قابل تقلید اور قابل عمل ہے کہ معاملات کی صفائی سے کدورتیں ختم ہوتی اور دل قریب ہوتے ہیں، رضی اللہ عنہم۔

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا بڑی ہی عبادت گزار تھیں نوافل پڑھنے، قرآن کریم کی تلاوت کرنے میں ان کا اکثر وقت گزرا کرتا تھا۔ اکثر روزے رکھا کرتی تھیں ساتھ ہی فقہ و حدیث میں بھی ایک ممتاز درجہ رکھتی تھیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ساٹھ احادیث کی راویہ ہیں جن میں پانچ حدیثیں بخاری شریف میں اور باقی دیگر کتب احادیث میں محفوظ ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سخت مزاجی مشہور ہے جس کی وجہ سے انسان ہی نہیں جن بھی ان سے خوفزدہ رہتے تھے اور شیطان تو ان کے سایہ سے بھاگتا تھا۔ ظاہر ہے بیٹی پر بھی اس کا کچھ نہ کچھ اثر ضرور آیا ہوگا۔ جیسا کہ احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ آپ بھی سخت مزاج اور بہت حاضر جواب تھیں۔ اسی لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ہر وقت یہ ڈر رہی رہتا تھا کہ بیٹی سے کہیں کوئی گستاخی نہ ہو جائے جس سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دل آزاری ہو۔ لہذا آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ بیٹی تم بہت خیال رکھا کرو اگر کسی چیز کی ضرورت ہو تو مجھے بتا دیا کرو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کبھی کسی چیز کا مطالبہ نہ کرنا اور نہ ہی آپ سے کوئی سخت کلامی کرنا۔ یاد رکھو اگر اللہ کے رسول ﷺ کی تمہاری کسی بات سے دل آزاری ہوگئی تو تم اللہ کے غضب کا شکار ہوئے بغیر نہیں رہ سکتیں تمہاری دنیا و آخرت برباد ہو جائے گی۔

احادیث میں میری ماں حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی سخت مزاجی اور حاضر کلامی کے کئی دلچسپ واقعات موجود ہیں سب تو نہیں چند ملاحظہ ہوں:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی نے بیان کیا کہ ہم عرب لوگ اپنے کسی معاملہ میں عورتوں کو کوئی اہمیت دینے اور ان کا مشورہ قبول کرنے کے عادی نہ تھے۔ ایک مرتبہ میری بیوی میرے کسی معاملہ میں بول پڑی اور مجھے مشورہ دینے لگی کہ تمہیں ایسا کرنا چاہئے مجھے بہت برا معلوم ہوا میں نے اسے ڈانٹا اور کہا کہ تمہیں میرے معاملہ میں مداخلت کی جرأت کیسے ہوئی اس نے کہا تمہاری بیٹی حفصہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے خوب سخت کلامی کرتی ہے حتیٰ کہ آپ کئی کئی دن اس کی باتوں پر رنجیدہ رہتے ہیں لیکن کبھی اسے آپ اس طرح نہیں ڈانٹتے جیسے تم مجھے ڈانٹتے ہو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں گھبرا گیا اور دوڑا ہوا حفصہ کے پاس پہنچا اور ان سے پوچھا کیا یہ سچ ہے کہ تم میرے آقا ﷺ سے اتنی سخت گفتگو کرتی ہو کہ آپ کو کئی دن تک اس کا ملال رہتا ہے۔ انہوں نے کہا جی ایسا ہوتا ہے میں نے کہا خبردار تم ایسا ہرگز نہ کیا کرو اللہ کے عذاب سے ڈرتی رہو تمہارے شوہر عام انسان نہیں وہ اللہ کے رسول ہیں اللہ ان کے دربار میں کسی کی بھی گستاخی گوارا نہیں فرماتا تم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حرص ہرگز نہ کرنا وہ تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی لاڈلی چیمٹی ہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ ان کی ناز برداری فرماتے ہیں۔

صاحبزادی ہیں۔ یہ میرے آقا ﷺ کی بصیرت، حکمت اور شفقت ہے کہ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے آپ کا رشتہ مصاہرت قائم ہوا تو آپ نے ان کے بعد سب سے افضل صحابی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھی رشتہ داری کا شرف بخشا جبکہ اپنی دو صاحبزادیوں کا نکاح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کر کے انہیں بھی یہ اعزاز بخشا گیا تاکہ خلفاء اربعہ پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مکمل اعتماد اور ان کے انتہائی قرب پر کسی شک و شبہ کی گنجائش باقی نہ رہے۔

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی والدہ کا نام زینب بنت مظعون تھا۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا پہلا نکاح حضرت خنیس بن حذافہ ہی رضی اللہ عنہ سے ہوا تھا جو نہایت ہی بہادر، جنگجو اور جان نثار مجاہد تھے۔ اسلام اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں ہمیشہ پیش پیش رہتے تھے۔ دین کی خاطر ہر مشکل کے مقابلہ کے لئے آمادہ رہتے تھے۔ غزوہ بدر میں شریک ہوئے۔ لڑائی کے دوران سخت زخمی ہوئے اور مدینہ منورہ پہنچتے ہی شہادت سے مشرف ہوئے۔

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا بھی غزوہ بدر میں شریک تھیں اور زخموں کی دیکھ بھال اور مرہم پٹی میں اتنی مصروف تھیں کہ شوہر پر کوئی خصوصی توجہ نہ دے سکیں۔ ان کی شہادت کے بعد آپ پر رنج و الم کا جو پہاڑ ٹوٹا اس کا اندازہ صرف وہی عورت کر سکتی ہے جس کا سہاگ ان کی طرح اجڑ گیا ہو۔ اکیس سال کی عمر تھی گویا بھرپور جوانی کا زمانہ تھا۔ فطری طور پر والدین کو دوبارہ ان کا نکاح کرنے کی سخت فکر تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہر وقت اسی غم میں مبتلا رہتے تھے اور کسی نہ کسی طرح دوبارہ اپنی بیٹی کو سہاگن دیکھ لینا چاہتے تھے۔ فتح بدر ہی کے دن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صاحبزادی اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی زوجہ، حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کا وصال ہو چکا تھا کہ ایک دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو افسردہ بیٹھے دیکھا تو موقع مناسب جانا اور کہا اے عثمان میری بیٹی حفصہ سے نکاح کر لو۔ آپ نے جواب دیا مجھے سوچ لینے دو پھر چند دن بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جواب دیا کہ مجھے یہ رشتہ منظور نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس جواب پر بہت افسوس ہوا۔ آپ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ واقعہ بیان کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اے عمر تم پریشان نہ ہو، ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ تمہاری بیٹی کو عثمان سے بہتر شوہر اور عثمان کو حفصہ سے بہتر بیوی عطا فرمادے۔“ چند دن بعد حضرت عمر نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو پیشکش کی وہ حفصہ سے نکاح کر لیں۔ لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خاموش ہو گئے کوئی جواب ہی نہ دیا۔ جس کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بے حد ملال ہوا کچھ عرصہ بعد نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کا پیغام دیا جو بلاشبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہا کے لئے بڑا اعزاز تھا لہذا آپ نہایت ہی مسرت و خوشی سے راضی ہو گئے اور ۳ھ کو حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا ہماری ماں بن گئیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اب تک اس بات کا ملال تھا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کی پیشکش کا کوئی جواب تک نہ دیا تھا لہذا ایک دن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کا ملال رفع کرنے کی غرض سے بتایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھ سے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا اس انداز سے ذکر کیا تھا کہ مجھے معلوم ہو گیا تھا کہ آپ ان سے نکاح کی

ایک مرتبہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ام المؤمنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لائے۔ آپ ﷺ نے دیکھا کہ وہ رو رہی ہیں آپ نے رونے کی وجہ پوچھی تو وہ بولیں حفصہ نے مجھے یہودی کی بیٹی کہا ہے۔ آپ نے ان کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا یہ غلط ہے تم تو نبی کی بیٹی ہو تمہارا چچا پیغمبر ہے اور رسول کے نکاح میں ہو پس حفصہ تم پر کیسے فخر کر سکتی ہیں (حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی ازواج کی رقیبانہ گفتگو سے لطف اندوز ہوا کرتے تھے اور ان کے درمیان آپ کو صلح صفائی کرانا اچھا معلوم ہوتا تھا یہ آپ کی عائلی زندگی کا ایک قابل عمل حصہ ہے)۔

ایک مرتبہ حضرت عائشہ اور حفصہ نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ ہم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نزدیک تم سے زیادہ معزز ہیں کیونکہ ہم آپ کی بیوی بھی ہیں اور چچا زاد بہن بھی۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو یہ طعنہ بہت ہی ناگوار معلوم ہوا۔ آپ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے شکایت کی۔ آپ نے فرمایا نہیں ایسا نہیں تم نے ان دونوں کو کیوں نہیں بتایا کہ وہ تم سے زیادہ معزز کیسے ہو سکتی ہیں جبکہ تمہارے شوہر سید الانبیاء محمد (ﷺ) ہیں اور تمہارا باپ اللہ کے نبی حضرت ہارون اور چچا حضرت موسیٰ علیہما السلام ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی اور حفصہ رضی اللہ عنہا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی تھیں اور چونکہ یہ دونوں ہی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے قرب رکھتے اور آپس میں محبت کرتے تھے لہذا عائشہ و حفصہ رضی اللہ عنہما بھی ایک دوسرے سے قریب تھیں اور اکثر ملتی جلتی اور باتیں کرتی رہتی تھیں ہم مزاج اور ہم مذاق تھیں لیکن پھر بھی کبھی کبھی رقیبانہ نوک جھونک ہوتی رہی رہتی تھی۔

ایک مرتبہ حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما دونوں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہمراہ سفر میں تھیں۔ اللہ کے رسول ﷺ رات کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہمراہ سفر کرتے اور باتیں کرتے جاتے تھے۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو اس پر بہت رشک ہوتا تھا۔ ایک دن انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا میرا دل چاہتا ہے کہ ایک رات میں بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ سفر کروں انہوں نے کہا تو تم حضور سے گزارش کرو اگر وہ پسند فرمائیں گے تو ضرور ایسا ہو سکتا ہے۔ حفصہ نے کہا نہیں ایک تدبیر اور بھی ہے ہم ایسا کرتے ہیں کہ آج رات تم میرے ہودج میں آ جاؤ اور میں تمہارے ہودج میں بیٹھ جاؤں گی اب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام یہی خیال فرمائیں گے کہ اندر تم ہی ہو۔ وہ گفتگو فرماتے رہیں گے اور میں تمہاری آواز بنا کر بس ہوں، ہاں کرتی رہوں گی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا راضی ہو گئیں کہ وہ تو جانتی تھیں کہ جسے اللہ دلوں کا حال بتا دیتا ہے یہ بات اس سے کیسے پوشیدہ رہ سکتی ہے اور یہی ہوا کہ رات کو اللہ کے رسول ﷺ اس اونٹ کے پاس ہی تشریف لائے جو حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا تھا اور اس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تشریف فرما تھیں۔ اب تو حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا غصہ کے مارے برا حال ہو گیا انہوں نے جھاڑیوں پر اپنے پاؤں مارنا شروع کئے اور کہنے لگیں اے اللہ کسی سانپ یا بچھو کو حکم دے کہ وہ مجھے ڈس لے۔

ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا وصال ۴۵ھ میں ہوا اس وقت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا دور تھا



اور ان کی طرف سے مروان بن حکم مدینہ منورہ کے حاکم مقرر تھے لہذا انہوں نے نماز جنازہ پڑھائی کافی دور تک جلوس جنازہ میں شریک رہے، جنازے کو کاندھا دیتے رہے پھر قبر انور تک جنازے کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ لے کر گئے۔ جنت البقیع ہی میں آپ کو دفن کیا گیا۔ قبر کا پتہ نہیں اللہ ان پر اپنی بے شمار رحمتیں نازل فرمائے، آمین۔

### پانچویں ماں

میری پانچویں ماں حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا ہیں جن کا تعلق نجد کے ایک بڑے قبیلہ عامر ابن صعصعہ سے تھا ان کے پہلے شوہر عبید اللہ بن حارث بن عبد المطلب تھے۔ مشرف باسلام ہوئے، ہجرت کر کے مدینہ منورہ آئے۔ غزوہ احد میں شدید زخمی ہوئے اور چند دن بعد مدینہ منورہ میں وفات پائی۔ ان کے بعد حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے مدینہ منورہ ہی میں قیام کا فیصلہ کیا وہ نجد اپنے قبیلہ میں واپس نہ گئیں کیونکہ ان کے قبیلہ اور مسلمانوں کے درمیان سخت عداوت تھی۔ اسی قبیلہ نے بر معونہ کے مقام پر مسلمان مبلغین کی ایک جماعت کو دھوکہ سے شہید کر دیا تھا۔ یہ جماعت چالیس یا ستر افراد پر مشتمل تھی۔ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس حادثہ فاجعہ کا ہمیشہ سخت رنج و ملال رہا غرضیکہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے مدینہ منورہ ہی میں مستقل قیام کا فیصلہ کیا۔ وہ غرباء و مساکین سے ہمدردی ان کی امداد اور ان کی دیکھ بھال میں مشہور تھیں اور ام المساکین غریبوں کی ماں کہلاتی تھیں۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی عدت کے ایام پورے ہوئے تو پہلے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اور پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے نکاح کرنا چاہا لیکن انہوں نے انکار کر دیا پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کو پیغام نکاح دیا تو انہوں نے اس کو اپنے لئے ایک بڑا اعزاز سمجھا اور بخوشی قبول کر لیا۔ اس نکاح سے نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اصل مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں اور ان کے قبیلہ کے درمیان عداوت میں کچھ کمی ہو سکے۔ ۳ھ میں نکاح ہوا۔ آپ اکثر علیل رہتی تھیں بالآخر تین ماہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حرم میں رہیں اور انتقال فرما گئیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود نماز جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع ہی میں دفن ہوئیں، مزار مبارک نامعلوم ہے۔

ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد صرف ام المؤمنین حضرت زینب رضی اللہ عنہا ہیں جن کا وصال حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی موجودگی میں ہوا ان کے بعد نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حرم پاک میں صرف تین بیویاں رہ گئیں تھیں۔ حضرت سودہ بنت زمعہ، حضرت عائشہ بنت ابو بکر اور حضرت حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہن۔

### چھٹی ماں

ام سلمہ ہند بنت ابوامیہ میری چھٹی ماں ہیں۔ ان کی پہلی شادی ابوسلمہ سے ہوئی تھی۔ ابتدائے اسلام ہی میں دونوں مشرف باسلام ہو گئے تھے اور جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحابہ کرام کو ہجرت حبشہ کی اجازت مرحمت فرمائی تو یہ دونوں بھی مکہ مکرمہ سے حبشہ ہجرت کر گئے تھے جب انہیں اطلاع ملی کہ مکہ کے حالات اب کچھ بہتر ہیں تو یہ واپس آ گئے لیکن یہاں آ کر دیکھا کہ مکہ خالی ہو چکا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور دیگر صحابہ بھی ہجرت کر کے جا چکے ہیں لہذا انہوں نے بھی مدینہ

منورہ جانے کا ارادہ کیا جب ام سلمہ کے خاندان والوں کو اس کا پتہ چلا تو انہوں نے مزاحمت کی اور انہیں روک لیا ابو سلمہ ہجرت کر گئے لیکن جب ابو سلمہ کے خاندان والوں کو معلوم ہوا کہ ام سلمہ کو ان کے خاندان نے روک لیا ہے تو انہوں نے ان کا شیرخوار بچہ ان کی گود سے چھین لیا اور کہا کہ ہم اپنے بچہ کو ام سلمیٰ اور اس کے خاندان کے پاس نہیں چھوڑیں گے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے لئے بیک وقت شوہر اور بچہ سے جدائی ناقابل برداشت تھی ایک سال تک ان کا یہ معمول رہا کہ وہ مکہ سے باہر اس مقام پر آتی تھیں جہاں یہ واقعہ پیش آیا تھا اور صبح سے دوپہر تک یہاں بیٹھی روتی رہتی تھیں پھر کعبہ میں آتیں اور باواز بلند دعا کیا کرتی تھیں یا اللہ! تو آسمان سے ایسے گدھوں کو نازل فرما دے جو ان لوگوں کو کھا جائیں جنہوں نے مجھ سے میرے بچہ اور شوہر کو جدا کیا ہے ان کے خاندان کے لوگوں نے ہر چند چاہا کہ وہ بددعا نہ کیا کریں اور اپنے غم کو کسی طرح فراموش کر دیں لیکن ایسا نہ ہو سکا بالآخر ان کے شوہر کے رشتہ داروں نے ان کا بچہ ان کے سپرد کیا اور ان کے خاندان والوں نے دونوں کو اونٹنی پر سوار کر کے مکہ سے باہر کر دیا۔

یہ تنہا غمزدہ خاتون اپنے ننھے سے بچہ کو لئے سفر کی صعوبتیں برداشت کرتی جیسے تیسے مدینہ منورہ پہنچیں اور اپنے شوہر سے جا ملیں انہوں نے اسلام کے لئے بے پناہ قربانیاں پیش کیں۔ مدینہ منورہ میں چند ہی دن سکون کے میسر آئے تھے کہ غزوہ احد کا معرکہ پیش آیا اور ان کے شوہر ابو سلمہ رضی اللہ عنہ جہاد میں شرکت کے لئے چلے گئے۔ دوران جنگ شدید زخمی ہوئے ایک زخم زیادہ سطرناک تھا۔ جو چند دن میں مندل تو ہو گیا لیکن ایک اور معرکہ میں یہ پھر کھل گیا اور اسی کی تکلیف سے مدینہ منورہ ہی میں ان کا وصال ہوا۔ یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پھوپھی زاد اور رضاعی بھائی تھے۔ موت کے وقت خود اللہ کے رسول ﷺ ان کے پاس موجود تھے۔ روح پرواز کر جانے کے بعد آپ ہی نے اپنے دست مبارک سے ان کی آنکھیں بند کیں چونکہ یہ نہایت جاں نثار اور بہادر سپاہی تھے اس لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان کی موت کا شدید صدمہ ہوا۔

حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوہ کے ساتھ چار یتیم بچے بھی چھوڑے تھے۔ جن کی کفالت ان کے لئے اس دور میں آسان نہ تھی۔ زندگی کے شب و روز نہایت تنگی اور پریشانی میں بسر ہو رہے تھے۔ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس کا احساس تھا۔ آپ ﷺ نے ان کی سرپرستی اور ذمہ داری قبول کرنے کی غرض سے انہیں نکاح کا پیغام دیا لیکن انہوں نے معذرت کی اور اس کے تین سبب بیان فرمائے اور کہا کہ میں ایک عمر رسیدہ خاتون ہوں۔ دوسرے یہ کہ میں یتیم بچوں کی ماں ہوں ان کی کفالت میرے ذمہ ہے۔ تیسرے یہ کہ میں بہت غیور ہوں اپنی سونکوں سے میں تعلقات استوار نہ رکھ سکوں گی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ عمر کی زیادتی نکاح نہ کرنے کا کوئی سبب نہیں تمہارے یتیم بچوں ہی کی کفالت کے لئے میں تم سے نکاح کرنا چاہتا ہوں۔ رہا معاملہ رقابت کا تو میں اللہ سے دعا کروں گا تمہارے جذبات رقابت کی شدت کم ہو جائے گی اور تم میری دیگر ازواج کے ساتھ اچھی طرح رہ سکو گی ان باتوں کے بعد وہ راضی ہو گئیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ان کا نکاح انجام پایا۔ اس طرح آقائے رحمت ﷺ نے اپنے رضاعی بھائی کے بچوں کی کفالت اپنے ذمہ لے لی اور ان کی بیوہ کے رنج و ملال کو ختم کیا جو انہیں اپنے نہایت شفیق شوہر کی جدائی سے ہوا تھا۔

میری ماں، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو ایک مرتبہ ان کے شوہر ابو سلمہ نے ایک حدیث سنائی تھی کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ جب کسی مسلمان پر کوئی مصیبت آتی ہے اور وہ ”اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ“ پڑھ کر صبر کرتا ہے اور اس طرح دعا کرتا ہے کہ ”اللّٰہُمَّ اَجِرْنِیْ فِیْ مُصِیْبَتِیْ وَ اَخْلِفْنِیْ خَیْرًا مِنْہَا“ اے اللہ اس مصیبت پر مجھے اجر عطا فرما اور مجھے اس کا نعم البدل عطا فرما۔ ”اَخْلَفَ اللّٰہُ خَیْرًا مِنْہَا“ تو اللہ اسے نعم البدل عطا فرما دیتا ہے۔ جب ان کے شوہر ابو سلمہ کا وصال ہوا تو انہوں نے اس ارشاد رسول پر عمل کیا۔ ”اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ“ پڑھا۔ پھر حدیث میں مذکور پہلی دعا کی اے اللہ مجھے اس مصیبت پر اجر دے ابھی دوسری دعا کرنا ہی چاہتی تھیں کہ خیال آیا کہ ابو سلمہ سے بہتر کون ہو سکتا ہے تھوڑی دیر خاموش رہیں پھر سوچا میرے آقا ﷺ کا ارشاد غلط نہیں ہو سکتا پس دعا کی اے اللہ مجھے اس کا نعم البدل عطا فرما کیونکہ دعا اعتماد کامل کے ساتھ کی تھی اور جب دعا میں یہ کیفیت ہو تو اللہ اسے ضرور قبول فرماتا ہے لہذا اللہ رب العزت جل مجدہ نے ام سلمہ پر کرم فرمایا اور وہ حرم نبوی میں داخل ہو گئیں۔

ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا دیگر ازواج کی طرح نہایت ذہین اور ذکیہ تھیں۔ ان میں بروقت فیصلہ کرنے کی بے حد صلاحیت تھی اسی لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اکثر معاملات میں ان سے مشورہ کرتے تھے اور ان کی رائے درست ثابت ہوتی تھی۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر ایک نہایت ہی دشوار مرحلہ پیش آیا کہ صلح نامہ مکمل ہو جانے کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بغیر ادائیگی عمرہ حدیبیہ سے واپسی کا ارادہ فرمایا اور تمام صحابہ کو حکم دیا کہ حلق کرا کے احرام کھول دیں لیکن چونکہ صلح کی شرائط صحابہ پر شاق تھیں اور وہ انہیں اپنی شکست خیال کر رہے تھے لہذا انہیں احرام کھولنے اور واپس مدینہ منورہ جانے میں تردد ہوا۔ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو صحابہ کا یہ عمل پسند نہ آیا۔ اس وقت حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا ہمراہ تھیں انہوں نے سرکار کا نورانی چہرہ افسردہ دیکھا تو وجہ معلوم کی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحابہ کا حال بیان کیا۔ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! مناسب ہوگا آپ کسی سے کچھ نہ کہیں، بس اپنا احرام کھول دیجئے پھر دیکھئے کیا ہوتا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایسا ہی کیا جب آپ احرام کھول کر باہر تشریف لائے تو سب صحابہ اٹھے انہوں نے حلق کرایا اور احرام کھول دیا اور میرے آقا ﷺ کی ایک بڑی الجھن دور ہو گئی۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو عمر دراز عطا فرمائی۔ تمام ازواج کے بعد ان کا وصال ہوا۔ عمر شریف چوراسی برس ہوئی۔ ان کے سال وفات میں مختلف روایات ہیں لیکن واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ واقعہ حرہ کے وقت آپ موجود تھیں۔ یہ واقعہ ۶۳ھ میں پیش آیا تھا جبکہ یزید نے مسلم بن عقبہ کی سربراہی میں اپنا ایک بڑا لشکر مدینہ منورہ بھیجا۔ ان خالموں نے اہل مدینہ کو خوفزدہ کیا۔ مسجد نبوی شریف میں گھوڑے باندھے، تین دن تک نہ اذان ہوئی اور نہ نماز اس وقت چند صحابہ آپ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پوچھا کیا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسی لشکر کے متعلق فرمایا ہے کہ زمین میں دھنس جائے گا۔ آپ نے فرمایا ہاں یہ ضرور تباہ و برباد ہوگا۔ تین سو ستر احادیث کی روایت کا آپ کو شرف حاصل ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ جنت البقیع شریف مدفن، قبر انور خالموں کے ظلم کا شکار ہو گئی ”اِنَّا

للہ وانا الیہ راجعون“ اللہ میری ماں کی قبر انور پر ہر لمحہ رحمت کی بارش برسائے، آمین۔

### ساتویں ماں

میری ساتویں ماں حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا ہیں جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پھوپھی عیمہ کی بیٹی اور عبدالمطلب کی نواسی تھیں ان کا پہلا نکاح حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے ہوا تھا۔ جو شام کے رہنے والے تھے یہ وہی زید بن حارثہ ہیں جنہیں بچپن ہی میں تہامہ کے چند سوار شام سے پکڑ لائے تھے اور انہیں غلام بنا کر مکہ میں فروخت کر دیا تھا۔ ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہ کے بھتیجے حکیم بن حزام بن خویلد نے ان کو خرید اور بطور تحفہ اپنی پھوپھی کو پیش کر دیا تھا اور انہوں نے اس غلام کو بطور ہدیہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں پیش کر دیا۔

### زید بن حارثہ

اپنے بچے کی گمشدگی پر زید کے والد اور دیگر اہل خاندان نہایت پریشان تھے اور جگہ جگہ، شہر شہر، میلوں اور بازاروں میں جا کر ان کو تلاش کرتے تھے بالآخر کسی طرح انہیں پتہ چل گیا کہ ان کا بچہ محمد بن عبد اللہ (ﷺ) کے سایہ عاطفت میں پروان چڑھ رہا ہے لہذا ان کے والد، چچا اور ایک بھائی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہو گئے اور عرض گزار ہوئے: ”اے محمد بن عبد اللہ تم لوگ بیت اللہ کے پڑوسی ہو، مصیبت زدوں کے معاون و مددگار ہو، غریبوں اور بھوکوں پر احسان تمہاری عادت ہے ہمیں پتہ چلا ہے کہ ہمارا بچہ تمہاری غلامی کر رہا ہے جبکہ وہ غلام نہیں ہم تمہیں منہ مانگی رقم پیش کرتے ہیں، للہ ہمارے بچے کو ہمارے سپرد کر دو۔“

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا میں تمہارے سامنے ایک تجویز پیش کرتا ہوں جو تمہارے مطالبہ سے کہیں زیادہ بہتر ہے۔ انہوں نے پوچھا وہ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا میں زید کو بلاتا ہوں اس سے پوچھ لو اگر وہ تمہارے ساتھ جانا پسند کرے تو تم لے جاؤ کسی فدیہ اور رقم کی ادائیگی کی ضرورت نہیں اور اگر وہ میرے ساتھ رہنا چاہے تو تم اسے میرے پاس چھوڑ دو یہ لوگ راضی ہو گئے خوش ہو کر بولے آپ نے نہایت انصاف کی بہت اچھی بات کہی ہے لہذا زید کو بلایا گیا۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان سے پوچھا کیا تم ان لوگوں کو جانتے ہو انہوں نے کہا جی یہ میرے باپ حارثہ ہیں اور یہ میرے چچا اور بھائی ہیں۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ ان سے ملے بغلگیر ہوئے۔ انہوں کو دیکھ کر اتنے ہی خوش ہوئے جتنا ایک عرصہ بعد مل کر ہونا چاہئے تھا اپنے گھر والوں کا حال احوال پوچھتے رہے۔ اسی دوران حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے زید کو بتایا کہ یہ لوگ تمہیں لینے آئے ہیں اور میں بخوشی تمہیں اختیار دیتا ہوں کہ اگر چاہو تو ان کے ہمراہ اپنے گھر چلے جاؤ اور اگر چاہو تو میرے پاس رہو۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے یہ سنتے ہی بلا تردد، باتا مل اپنے مستقبل کا فیصلہ کیا وہ بولے نہیں نہیں میں کسی کو آپ ﷺ پر ترجیح نہیں دے سکتا۔ آپ ہی میرے باپ ہیں، چچا ہیں، سب کچھ ہیں۔ آپ ﷺ کی پناہ میں جو سکون و اطمینان ہے وہ کہاں نصیب ہو سکتا ہے میں کسی حال میں کسی قیمت پر آپ سے جدا نہیں ہو سکتا۔ یہ حال دیکھ کر زید کے باپ، چچا، بھائی سب دیکھتے دیکھتے ہی رہ گئے۔ جس نے سنا حیرت زدہ ہوا جبکہ حیرت

کی کوئی بات نہیں تھی جن کا مقدر اچھا ہوتا ہے اللہ انہیں اچھائی فیصلہ کرنے کی صلاحیت عطا فرمادیتا ہے۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ کو آقائے دو جہاں کی غلامی اختیار کر کے ہارا آقا بننا تھا ہمارے سروں کا تاج بننا تھا تو انہیں یہ اعزاز نصیب ہو گیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے زید کے فیصلے کے بعد ان لوگوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ”أَشْهَدُوا أَنَّهُ حُرٌّ وَأَنَّهُ ابْنِي يَرْثُنِي وَإِرْثُهُ“ تم گواہ رہو کہ یہ آج سے آزاد ہے اور میرا بیٹا ہے، میرا وارث ہوگا اور میں اس کا وارث بنوں گا۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ کا مقدر جاگ گیا اس سے بڑا قابل رشک اعزاز ان کے لئے کیا ہو سکتا تھا کسی کو یہ شرف نصیب نہ ہو سکا۔ ان کو لینے کے لئے آنے والوں کو بھی مسرت ہوئی، وہ خوشی سے جھوم اٹھے ان کے سر فخر سے بلند ہو گئے کہ ہمارا بیٹا صرف آزاد ہی نہیں ہے بلکہ شریف النسب شخص کا بیٹا ہے انہیں اور کیا چاہئے تھا مطمئن ہوئے اور چلے گئے۔

اب زید آپ ﷺ کی زیر تربیت تھے۔ انہیں زید بن محمد کہا جاتا تھا۔ بعثت کے بعد بھی آپ کو یہی نسبت حاصل رہی جس پر زید کو جتنا بھی فخر ہوگا وہی جانیں کہ حبیب خدا ﷺ کی نسبت سے بڑی نسبت اور کون سی ہو سکتی ہے یہ اہل عرب کا دستور تھا کہ متبنی منہ بولا بیٹا حقیقت میں بیٹا تصور کیا جاتا تھا۔ اس کو وہی تمام حقوق حاصل ہوتے تھے جو حقیقی بیٹے کے ہوتے تھے۔ عربوں کے یہاں یہ ایک رسم تھی اور اس رسم کا پورا پورا فائدہ حضرت زید رضی اللہ عنہ کو حاصل تھا انہوں نے بھی بیٹا ہونے کا پورا پورا حق ادا کیا حتیٰ کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نبوت کا اعلان کیا تو وہ سب سے پہلے مشرف باسلام ہونے والوں میں سے ایک تھے۔

### غلط رسموں کا خاتمہ

متبنی کو حقیقی بیٹا قرار دینا عرب میں ایک رسم تھی لیکن غلط رسم تھی اس سے وراثت اور مصاہرت وغیرہ کے قوانین متاثر ہوتے تھے۔ اسلام نے زمانہ جاہلیت کی بے شمار غلط رسموں کو مٹایا ان کے لئے قوانین و اصول مقرر کر کے ان کی اصلاح کردی۔ اس رسم کے متعلق بھی قرآن کریم گویا ہوا۔ فرمایا گیا:

مَا جَعَلَ اللَّهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهِ ۖ وَمَا جَعَلَ اَرْوَاجَكُمْ اِلٰى تَظْهَرُوْنَ مِنْهُنَّ اُمَّهَاتِكُمْ ۚ وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَاءَكُمْ اَبْنَاءَكُمْ ۚ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ ۚ وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ ۚ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيْلَ ۝ اَدْعُوْهُمْ لَاۤ اَبَاءُ لَهُمْ ۚ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْا اَبَاءَهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فِى الدِّيْنِ وَمَوَالِيكُمْ ۚ وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِىْمَا اَخْطَاْتُمْ بِهٖ ۚ وَلٰكِنْ مَّا تَعَدَّتْ قُلُوْبُكُمْ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ (احزاب: ۵)

اللہ نے ایک آدمی کے پیٹ میں دو دل نہیں بنائے اور اس نے نہیں بنایا تمہاری بیویوں کو جن سے تم ظہار کرتے ہو تمہاری مائیں اور نہیں بنایا تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارے حقیقی بیٹے یہ صرف تمہارے منہ کی باتیں ہیں اور اللہ سچی بات کہتا ہے اور وہی ہدایت دیتا ہے سیدھی راہ پر چلنے کی ہدایت کرتا ہے انہیں اس کے باپوں کی نسبت سے اور یہی زیادہ بہتر ہے اللہ کے نزدیک پس اگر تم نہ جانو ان کے باپوں کو تو وہ

تمہارے بھائی ہیں دین میں اور تمہارے دوست ہیں اور نہیں ہے تم پر کوئی گرفت جو تم نادانستہ کر بیٹھو اور لیکن وہ کام جو تمہارے دل قصدا کرتے ہیں (قابل گرفت ہیں) اور اللہ بڑا ہی بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔

یہ واضح حقیقت ہے کہ اللہ احسن الخالقین جل مجدہ نے انسان کو، دوکان، دو آنکھیں، دو ہاتھ اور دو پیر تو عطا فرمائے لیکن دو دل نہیں پیدا کئے دل ایک ہی دیا لہذا ایک دل میں دو متضاد حقیقتیں جمع ہونا ممکن نہیں ایک دل میں اسلام اور کفر جمع نہیں ہو سکتا۔ ایک دل میں کسی ایک سے محبت و عداوت جمع نہیں ہو سکتی۔ ایک دل میں نور اور تاریکی کا جمع ہونا ممکن نہیں اور جب مجموعہ ضدین ہوگا تو دل نہ رہے گا بلکہ نفاق کا دھینہ بن جائے گا پس یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک دل میں ایک عورت بحیثیت بیوی بھی ہو اور بحیثیت ماں بھی جیسا کہ اہل عرب کا دستور تھا کہ اپنی بیوی سے صرف اتنا کہہ دیتے تھے کہ ”اَنْتِ عَلٰی كَظْهَرِ اُمِّي“ تو مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے اور بس سمجھ لیتے تھے کہ یہ عورت ہم پر ماں کی طرح حرام ہو گئی۔ اسلام نے اس لغو تصور کا خاتمہ کیا اور ظہار وغیرہ مؤثر قرار دیا۔ ہاں صرف بطور سزا ایسا کہنے پر کفارے کا حکم دیا۔ انشاء اللہ ظہار کی تفصیل کسی مناسب موقع پر بیان کی جائے گی۔

دوسری رسم جسے اغوا قرار دیا گیا ہے، وہی ہے جس کا اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ متبنی کو حقیقی بیٹا تصور کرنا بتایا گیا کہ یہ بھی غلط ہے جو تمہارا حقیقی بیٹا نہیں ہے وہ حقیقی ایسے ہو سکتا ہے اسے اس کے باپ کی نسبت سے پکارا کرو اور اگر اس کے باپ کا تمہیں پتہ نہ ہو تو اپنا بھائی اور دوست جانو بیٹا ہرگز نہیں ہو سکتا لہذا تمہاری مطلقہ اس کی ماں نہ ہوگی وہ چاہے تو اس سے نکاح کر سکتا ہے اور اس کی مطلقہ تم پر حرام نہ ہوگی تم چاہو تو اس سے نکاح کر سکتے ہو یہی حال تمام دوسرے رشتوں اور معاملات کا ہوگا حتیٰ کہ جس طرح غیروں سے پردے کا حکم ہے۔ اس کے لئے بھی وہی حکم ہوگا اور یہ حکم متبنی لڑکے اور لڑکی دونوں کے لئے ہے کہ جس لڑکے کو تم نے بیٹا بنایا ہے تم اس سے اپنی بیٹی کا نکاح کر سکتے ہو اور جس لڑکی کو تم نے بیٹی بنایا ہے اس سے تم اپنے بیٹے کا نکاح کر سکتے ہو اور خود بھی اس سے نکاح کر سکتے ہو۔

قرآن کریم کے اس حکم کے بعد سب سے پہلے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اعلان فرمایا کہ زید و زید بن محمد نہیں بلکہ زید بن حارثہ کہہ کر پکارا جائے اور ایسا ہی ہونے لگا لیکن حضرت زید رضی اللہ عنہ کی شرعی حیثیت تبدیل ہو جانے کے باوجود بھی ان کے مقام میں کوئی فرق نہ آیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان سے پہلے ہی کی طرح محبت فرمایا کرتے تھے۔

### حضرت زید کی شادی

چونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے مربی اور کفیل تھے لہذا آپ ہی کو ان کی شادی کا اہتمام بھی کرنا تھا لہذا آپ ﷺ نے بہت تامل کے بعد اس نسبت کے لئے اپنی پھوپھی زاد بہن زینب بنت جحش کا انتخاب کیا اور انہیں حضرت زید رضی اللہ عنہ کا پیغام نکاح بھیجا جسے وہ سن کر نہایت برا فروخت ہوئیں کیونکہ وہ قریش جیسے معزز خاندان کی بیٹی تھیں اور حضرت زید رضی اللہ عنہ پر غلامی کا داغ لگ چکا تھا۔ زینب کے بھائی حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے سخت

ناراض ہو کر اس پیغام کو مسترد کر دیا اور اسے اپنی توہین سمجھا لیکن یہ فیصلہ الہی تھا جو ٹل نہیں سکتا تھا لہذا اس موقع پر وحی الہی نازل ہوئی اور فرمایا گیا:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ

أَمْرِهِمْ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُبِينًا ۝ (احزاب: ۳۶)

نہ کسی مؤمن مرد کو یہ حق ہے اور نہ کسی مؤمنہ عورت کو جب فیصلہ فرمادے اللہ اور اس کا رسول کسی معاملہ کا تو پھر کوئی اختیار ہوا نہیں اپنے معاملہ میں اور جو نافرمانی کرتا ہے اللہ اور اس کے رسول کی تو وہ کھلی گمراہی میں مبتلا ہو گیا۔

یہ حکم اگرچہ مذکورہ بالا خاص موقع پر نازل ہوا لیکن قیامت تک کے غلاموں کے لئے عام ہے کہ انہیں اپنے ہر معاملہ کا حل شریعت مطہرہ سے طلب کرنا چاہئے اور جو شریعت کا حکم ہو چاہے بظاہر پسند نہ آئے لیکن اسی کی تعمیل ایمان کی علامت ہے۔ دیکھئے جو نبی حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا نے یہ حکم سنا اپنے بھائی عبداللہ کو بلایا اور کہا جلدی کیجئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار میں حاضر ہو کر بتا دیجئے کہ میں زید سے نکاح کرنے پر راضی ہوں۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بھی بلا تامل دوڑے دوڑے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض گزار ہوئے کہ یا رسول اللہ ﷺ! آپ کے حکم کی تعمیل ہوگی۔ آپ ﷺ زینب کا نکاح حضرت زید رضی اللہ عنہ سے کر دیں۔ یہ ہے کمال ایمان، حکم رسول پر عزت و ناموس قربان کر دینا ہی اہل ایمان کی شان ہے کہ دراصل یہی تو ان کی عزت و ناموس ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے اس فیصلے سے خوش ہوئے بارات لے کر ان کے گھر پہنچے خود نکاح پڑھایا اور خود ہی دس دینار مہر ادا فرمایا یہ نکاح درحقیقت اللہ کی ایک عظیم حکمت پوری ہونے کے لئے کرایا گیا تھا جیسا کہ آگے آتا ہے۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو طلاق

چند دن بعد ہی حضرت زینب رضی اللہ عنہا اور حضرت زید رضی اللہ عنہ کے درمیان سخت اختلاف ہونے لگا کیونکہ بہر حال دونوں کی فطرت اور طبیعت ایک دوسرے سے مختلف تھی لہذا حضرت زید رضی اللہ عنہ ایک دن تنگ آ کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور طلاق کی خواہش کر دی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں سمجھایا لیکن وہ راضی نہ ہوئے اسی بات کو قرآن کریم نے بیان کرتے ہوئے فرمایا:

وَإِذْ تَقُولُ لِلَّذِي أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَأَنْعَمْتَ عَلَيْهِ أَمْسَيْتُ رُؤُوسَكَ وَاتَّقِ اللَّهَ

اللَّهُ وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللَّهُ مُبْدِيهِ وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللَّهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَاهُ ۚ

(احزاب: ۳۷)

اور یاد کیجئے جب آپ نے فرمایا اس شخص کو جس پر اللہ نے احسان فرمایا اور آپ نے بھی احسان فرمایا اپنی بیوی کو اپنی زوجیت میں رہنے دے اور اللہ سے ڈر اور آپ پوشیدہ رکھے ہوئے تھے اپنے دل

میں وہ بات جو اللہ ظاہر فرمانے والا تھا اور آپ کو اندیشہ تھا لوگوں (کے طعن و تشنیع) کا حالانکہ اللہ زیادہ  
 حقدار ہے کہ آپ اس سے ڈریں۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس آئے تو آپ نے انہیں بہت سمجھایا کہ دیکھو اللہ نے تم  
 پر بڑا احسان کیا ہے کہ اعلیٰ خاندان اور اعلیٰ نسب کی عورت کو تمہاری بیوی بنایا جبکہ اس احسان میں، میں بھی شریک ہوں لہذا تم  
 کسی نہ کسی طرح زینب سے مصالحت کر لو اور طلاق نہ دو لیکن زید نہ مانے اور انہوں نے بہر حال طلاق دے ہی دی۔

### تُخْفِي فِي نَفْسِكَ

یہ وضاحت ضروری ہے کہ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت زید رضی اللہ عنہ کو سمجھاتے وقت اپنے دل میں کیا  
 چھپائے ہوئے تھے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے ”تُخْفِي فِي نَفْسِكَ“ کے جملہ سے کیا۔ اس سلسلہ میں گزارش ہے کہ جو بات  
 دل میں چھپی ہو اس کے متعلق کوئی کیسے کہہ سکتا ہے کہ فلاں کے دل میں یہ بات ہے۔ یہ ایک الزام ہوگا، بہتان ہوگا لیکن  
 افسوس ان بد نصیبوں پر جنہیں نہ الزام کی پروا اور نہ ہی بہتان کے وبال کی فکر بس وہ لوگوں کے دلوں کا حال جاننے کے دعویدار  
 بن بیٹھے ہیں اور جب انہی سے کہا جائے کہ اللہ کی عطا اور دین سے اللہ کا رسول ہر دل کا حال جانتا ہے تو وہ کفر اور شرک کا فتویٰ  
 لگانے لگتے ہیں انہی لوگوں نے ”تُخْفِي فِي نَفْسِكَ“ پڑھا اور بول اٹھے کہ (العیاذ باللہ) حضور ﷺ کے دل میں  
 زینب کی محبت چھپی ہوئی تھی یعنی ایک طرف تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت زید رضی اللہ عنہ کو منع کر رہے تھے کہ اپنی بیوی کو  
 طلاق نہ دو، اپنا گھر نہ بگاڑو اور دوسری طرف بقول ان کے آپ کی خواہش تھی کہ اچھا ہو زید زینب کو طلاق دے دے تو میں  
 ان سے نکاح کر لوں۔ اللہ اکبر کیسے جری ہیں یہ لوگ کیسے ظالم ہیں انہیں رسول کی عظمت کا ایک رتی احساس نہیں انہیں پتہ نہیں  
 کہ وہ رسول کی طرف اس قسم کی لغویات منسوب کر کے کتنے بڑے جرم کے مرتکب ہو رہے اور اسلام کو کتنا نقصان پہنچانے کی  
 کوشش کر رہے ہیں۔ آئیے ہم اس حقیقت کو واضح کرتے ہیں۔

غور فرمائیے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ”تُخْفِي فِي نَفْسِكَ“ اے رسول حضرت زید رضی اللہ عنہ سے گفتگو کرتے  
 وقت تمہارے دل میں کچھ چھپا ہوا ہے جسے تم لوگوں کے خوف سے ظاہر نہیں کر رہے۔ لوگوں کا خوف بایں معنی ہے کہ لوگ یعنی  
 منافقین اور دیگر دشمنان اسلام یہ سن کر باتیں بنائیں گے، ایک فتنہ اٹھائیں گے، فساد پھیلے گا حتیٰ کہ بعض مسلمان بھی بدگمانی کا  
 شکار ہو سکتے ہیں جو ان کے ایمان کے لئے بڑا خطرہ ہوگا۔ ”وَمَا اللَّهُ فَتَنِيهِ“ لیکن اے رسول ہم تمہارے دل میں پوشیدہ راز  
 ظاہر کرنے والے ہیں۔ اب غور فرمائیے راز کیا تھا ہمیں یہ معلوم لیکن دلوں کا حال جاننے والا اس راز کو ظاہر کرنے والا ہے  
 پس ہمیں وہی راز ماننا ہوتا جو اللہ نے فرمایا اپنی طرف سے باتیں بنانے اور بکواس کرنے کی نہ ضرورت ہے اور نہ ہی اس کا  
 نتیجہ ہے۔ اب سنئے راز کیا تھا اس راز کا امدان اس آیت کے اسکے حصہ میں ہو رہا ہے۔ فرمایا ”یَا زَوْجُكِهَا“ ہم نے  
 زینب کا نکاح تم سے راز کیا تھا ہمیں معلوم تھا کہ ایسا ہونے والا ہے لیکن تم نے قبل از وقت فتنہ و فساد کے خوف سے راز کو ظاہر نہ  
 فرمایا اب پیارے تم پیکر عجب و استغلاال ہو تم میں بڑا ہی قتل ہے تمہارا سیدہ راز باکے الہی کا خزانہ ہے پس تم نے اس راز کو راز رکھا



اور وقت آنے پر ہم نے اسے ظاہر کر دیا۔ اب لوگوں کی کوئی پروا نہ کرو ہم سب کی زبانیں بند کر دیں گے، سب فتنوں کو دبا دیں گے صرف اللہ ہی سے ڈرتے رہو اور اللہ کے حکم پر پوری ہمت سے عمل کرو یعنی زینب کو اپنے حرم پاک میں لے لو۔

لیجئے میرے خیال سے بات واضح ہو گئی راز ظاہر ہو گیا جو راز اہل ایمان اور منافقین و گستاخان رسول کے درمیان ذریعہ امتحان و آزمائش تھا اور بحمد اللہ اس امتحان میں ہمارے اسلاف اور ان کے طفیل ہم کامیاب ہوئے اسی راز کے متعلق حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت امام زید العابدین رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

أَوْحَى اللَّهُ تَعَالَى مَا أَوْحَى اللَّهُ تَعَالَى بِهِ أَنَّ زَيْنَبَ سَيُطَلِّقُهَا زَيْدٌ وَتَتَزَوَّجُهَا

بَعْدَهُ (عليه الصلوة والسلام)

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پر یہ وحی نازل فرمادی تھی کہ زید زینب کو طلاق دے دیں گے اور آپ ان سے نکاح کریں گے۔

اور ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اس موقع پر وضاحت کرتے ہوئے فرمایا ”کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو پہلے ہی بتا دیا تھا کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا بھی ازواج میں شامل ہو جائیں گی پھر جب حضرت زید رضی اللہ عنہ ان کی شکایت لے کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا اللہ سے ڈرو اور اپنی بیوی کو طلاق نہ دو۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے تو آپ کو بتا دیا تھا کہ میں ان سے آپ کا نکاح کرادوں گا اور آپ اپنے دل میں اس کو چھپائے ہوئے تھے جس کو اللہ تعالیٰ ظاہر کرنے والا ہے۔“ پھر امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”اس کے خلاف جن روایات میں ”مَا فِي نَفْسِكَ“ کی تعبیر ”حُبِّ“ زینب سے کی گئی ہے انہیں بیان کرنا ہم نے پسند نہیں کیا کیونکہ ان روایات میں کوئی صداقت نہیں۔“ یعنی یہ لغو باتیں ہیں جو قابل ذکر بھی نہیں کہ لغو بات کی اشاعت اور انہیں آگے بڑھانا لغو اور بے سود ہی ہے۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا حرم نبوی میں

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو طلاق ہو گئی اور وہ حکمت باری تعالیٰ کے مطابق حرم نبوی میں آگئیں اور انہیں امت مسلمہ کی ماں ہونے کا عظیم اعزاز نصیب ہو گیا۔ قرآن کریم نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ان کے نکاح کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

فَلَمَّا قَضَىٰ زَيْدٌ مِنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنَاهَا لِيَكُنْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ حَرَجٌ فِي أَزْوَاجِ

أَدْعِيَاءِهِمْ إِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ مَفْعُولًا ﴿۳۷﴾ (احزاب: ۳۷)

پھر جب زید نے اسے طلاق دینے کی خواہش پوری کر لی تو ہم نے اس سے آپ کا نکاح کر دیا تاکہ

ایمان والوں کو اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں سے نکاح کرنے میں کوئی دشواری نہ رہے جب وہ

انہیں طلاق دینے کا ارادہ پورا کر لیں اور اللہ کا حکم ہر حال میں (پورا) ہو کر ہی رہتا ہے۔

آیہ مبارکہ وضاحت کر رہی ہے کہ یہ نکاح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مرضی ہی سے نہ ہوا تھا بلکہ یہ فیصلہ الہی تھا جو

پورا ہو کر رہا اس فیصلہ پر عمل کے لئے ضروری تھا کہ زینب کو ان کے پہلے شوہر سے طلاق دلائی جائے تو ایسا ہی ہوا کہ مقلب القلوب اللہ جل مجدہ نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کا دل زینب کی طرف سے پھیر دیا اور انہوں نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی لہذا اس اعلان الہی کے بعد نہ تو کسی مؤمن کے دل میں کوئی بدگمانی پیدا ہو سکتی ہے اور نہ ہی کسی کے لئے کوئی اعتراض کی گنجائش باقی رہی اب بھی کوئی بکواس کرے تو کرتا رہے۔ اے ہمارے پیارے محبوب! آپ لوگوں کی باتوں کی ہرگز پروا نہ کریں ”وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَهُ“ صرف اللہ ہی سے ڈرتے رہئے۔

سورہ احزاب کی اس آیت اور اس سے اوپر کے حصہ پر دوبارہ غور کیجئے تو آپ کو اندازہ ہوگا کہ اللہ رب العزت جل مجدہ نے آیہ مبارکہ میں اس واقعہ کے سب اہم حصوں کو بیان فرما کر یہ واضح کر دیا ہے کہ یہ پورا واقعہ اللہ کی مرضی اور اس کی ایک عظیم حکمت کی تکمیل کے لئے وجود میں آیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے زینب کا رشتہ زید سے کیا یہ صرف حضور ہی کا فیصلہ نہ تھا بلکہ اللہ اور اس کے رسول دونوں کا فیصلہ تھا جو پورا ہونا یقینی تھا۔ یہ بھی بتا دیا گیا کہ زید کا طلاق پر آمادہ ہونا ان کا اپنا فیصلہ تھا ورنہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تو انہیں ایسا کرنے سے روکا تھا اس وقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قلب مبارک میں جو بات چھپی ہوئی تھی اس کو ظاہر بھی کر دیا گیا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو محبوبانہ تنبیہ کر دی گئی کہ جس امر کو اللہ ظاہر کرنے ہی والا ہے اسے آپ لوگوں کے خوف سے کیوں چھپائے ہوئے ہیں۔ یہ بھی معلوم ہو گیا کہ وہ راز یہ تھا کہ اللہ نے اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نکاح کا حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے فیصلہ کر دیا تھا۔ اس فیصلہ میں جو حکمت تھی اسے بھی بیان کیا گیا کہ اسی طرح ہم نے ہمیشہ کے لئے اہل ایمان کی اس دشواری کا خاتمہ کر دیا جو انہیں اپنے منہ بولے بیٹوں کی مطلقات سے نکاح کرنے میں پیش آ سکتی تھی۔ اس حکمت کی تفصیل یہ ہے کہ:

اہل عرب متبنی منہ بولے بیٹے کو حقیقی بیٹا جانتے تھے اس سے وہی تمام رشتے اور تعلقات قائم ہوتے تھے جو حقیقی اولاد سے ہوتے ہیں۔ شادی، بیاہ، وراثت وغیرہ کے تمام احکام اس کے لئے وہی تھے جو حقیقی اولاد کے لئے تھے۔ جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں اسلام نے اس رسم کو ختم کیا اس کے لئے واضح حکم نازل فرمایا جو گزر چکا ہے لیکن یہ رسم اہل عرب میں اتنی مضبوط ہو چکی تھی کہ اس کو ختم کرنے کے لئے صرف حکم کافی نہ تھا۔ ضروری تھا کہ عملی طور پر اس کا خاتمہ کر دیا جائے۔ ایسی صورت میں قائد ورہبر اور حاکم کا عمل جس قدر مؤثر اور قابل تقلید ہوتا ہے وہ کسی اور کا نہیں ہو سکتا اور جبکہ قائد ورہنما، اللہ کا رسول ہو جس کا ہر عمل اللہ کے حکم کے عین مطابق ہوتا ہے اور امت کا ہر فرد اس حقیقت کو تسلیم کرتا ہے جبکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے تو خصوصی طور پر ارشاد موجود ہے ”وَمَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ“ جس نے رسول کی پیروی کی اس نے اللہ ہی کی فرمانبرداری کی۔ نیز فرمایا گیا ”وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ“ وہ اپنی طرف سے کچھ نہیں فرماتے ان کی ہر بات اللہ کی وحی کے مطابق ہوتی ہے۔ ظاہر ہے جس کا کلام وحی الہی کے سوا کچھ نہیں ہوتا اس کا کوئی عمل حکم الہی کے بغیر کیسے ہو سکتا ہے۔ اللہ کے رسول کی تو ہر ادا حتیٰ کہ حرکت زبان، حرکت عقل و دل سب اللہ ہی کے حکم کے مطابق ہے لہذا ان کی اداؤں پر عمل کرنا اور ان کی باتوں کو تسلیم کرنا درحقیقت اللہ ہی کے احکام پر عمل ہے اسی کی رضا کا ذریعہ ہے پس

ایک مضبوط رسم کی بیخ کنی کا مؤثر طریقہ صرف یہی تھا کہ حکم الہی پر اولاً رسول سے عمل کرایا جائے۔ رسول بھی وہ جو امت کے لئے ”اسوۂ حسنہ“ قرار دیا گیا۔ اب اگر یہ عمل رسول از خود کرتے تو واقعی فتنہ و فساد ہوتا، لوگ رسول کی عظمت کو داغدار کرتے، اپنے ایمان کو برباد کر لیتے پس اللہ نے بڑا ہی کرم فرمایا کہ اس عمل کی نسبت اپنی طرف فرمائی ”ذَوِّجْنٰكَهَا“ ہم نے اسے محبوب آپ کا نکاح زینب سے کیا ہے۔ اب اعتراضات کے تیر جسے چلانے ہیں وہ ہم پر چلائے اور اپنے آپ کو چھلنی کر لے اے رسول آپ کا دامن عصمت پاک و صاف رہے گا اور آپ کا عمل اہل ایمان کے لئے سہولت کا وسیلہ اور قابل تقلید ہوگا۔

اللہ کا یہ فیصلہ قیامت تک آنے والے امت کے قائدین، علماء و مشائخ اور حکام پر یہ ذمہ داری عائد کرتا ہے کہ جب بھی مسلم معاشرے میں خلاف شرع رسومات اور بدعات کی جڑیں پھیلیں فوراً ان کے خاتمہ کے لئے قانون نافذ کئے جائیں اور سب سے پہلے خود ذمہ دار حضرات اس پر عمل کریں تاکہ امت کے لئے عمل آسان ہو سکے مثلاً ایک سے زیادہ نکاح کرنے کی اللہ نے واضح اجازت دی ہے۔ یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام، صحابہ اور اسلاف کی سنت ہے اور بے شمار معاشرتی و معاشی مسائل کا حل ہے لیکن آج ہمارا معاشرہ اس نیک عمل کو اس قدر معیوب قرار دیتا ہے کہ ضرورت و وسعت کے باوجود اس پر عمل دشوار ہو گیا ہے حتیٰ کہ مطلقات اور بیوہ عورتوں کے نکاح کرنے کو بھی معیوب قرار دیا جا رہا ہے جبکہ ایسی عورتیں معاشی و معاشرتی اعتبار سے سخت الجھنوں میں مبتلا ہیں۔ یہ ایک ہندوانہ رسم ہے جو ہمارے معاشرے کو بے شمار مفاسد اور جرائم میں مبتلا کر رہی ہے اور ہم اللہ و رسول کے احکام کو مردہ قرار دینے اور ختم کر دینے کے جرم میں مبتلا ہیں جو بلاشبہ ایک بڑا گناہ ہے۔ یہ ہمارے قائدین کی ذمہ داری ہے کہ وہ شریعت مطہرہ کے حکم کی تعمیل کریں تاکہ ان کی اتباع میں قوم کے لئے یہ عمل آسان ہو سکے۔ اسی طرح دوسری مثال جہیز کی ہے۔ اس غیر شرعی رسم کی جڑیں ہمارے معاشرے میں اتنی پھیل چکی ہیں کہ بیشمار نوجوان بچیاں، جہیز میسر نہ آنے کے سبب ازدواجی زندگی کی مسرتوں سے محروم ہیں اور ان کے والدین محض اس لعنت کی وجہ سے پریشانیوں اور الجھنوں کا شکار ہیں یا جہنمیں موقع ہاتھ آتا ہے وہ غیر شرعی اور غیر قانونی طریقوں سے یہ رسم پوری کرنے کے لئے دولت حاصل کرتے ہیں یا اپنے سر پر قرضہ کا بوجھ لادتے ہیں جس کے برے نتائج ان کی زندگی کو اجیرن بنا دیتے ہیں۔ اگر ہمارے رہنما اور حکام اس لعنت کو ختم کرنے کے لئے پیش قدمی کریں اور اپنی بچیوں کی شادی واقعی نہایت سادگی اور معمولی لوازمات زندگی کے ساتھ کریں تو یہ مسئلہ بھی نہایت آسانی سے حل ہو سکتا ہے۔ جہیز کی لعنت کا خاتمہ ہو سکتا ہے میری بچیوں کے رشتے باسانی ہو سکتے ہیں اور اس رسم کی بیخ کنی کر کے بہت سے جرائم کو ختم کیا جاسکتا اور بے شمار گھروں کو سکون کی زندگی فراہم کی جاسکتی ہے کیونکہ نکاح تو ایک نہایت ہی سادہ اور سستا عمل ہے جسے جہیز اور دیگر غیر ضروری و غیر شرعی رسومات نے سب سے زیادہ مہنگا بنا رکھا ہے۔ اسی طرح ہر معاملہ میں قائدین کی ذمہ داری ہے کہ وہ خود شریعت مطہرہ پر عمل کی ابتدا کریں تاکہ قوم کے لئے اس پر عمل کرنا آسان ہو سکے۔

بہر حال ام المؤمنین حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے نکاح سے متعلق اس قدر قرآنی وضاحت کے باوجود منافقین نے اپنا کام کیا اور میرے آقا ﷺ کے خلاف پروپیگنڈے سے باز نہ آئے یہی بکتے رہے کہ انہوں نے اپنے بیٹے کی بہو

سے نکاح کر لیا، العیاذ باللہ زید کو بیٹا بھی کہا اور اس کی مطلقہ کو اپنی بیوی بھی بنا لیا۔ ان خبیثاء نے آسمان سر پر اٹھا لیا معلوم ہوتا تھا کسی جنگل میں آگ لگ گئی۔ جس میں منافقین جل رہے اور تڑپ رہے تھے اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کی مزید طمانیت کے لئے ایک واضح اعلان فرمایا:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمُ النَّبِيِّينَ ۚ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ۝

(احزاب: ۴۰)

محمد ﷺ تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں بلکہ وہ اللہ کے رسول ہیں اور آخری نبی ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔

محمد ﷺ نہ تو زید کے باپ ہیں اور نہ تم میں سے کسی اور مرد کے باپ ہیں لیکن تم سے ان کا رشتہ کمزور نہیں اور نہ ہی تم پر ان کی شفقت کسی سے کم ہے کہ باپ تو صرف ظاہری و مادی طور پر تمہارا مربی ہوتا ہے اپنی وسعت و استطاعت کے محدود دائرے میں رہتے ہوئے وہ تمہاری ضروریات پوری کرتا ہے۔ محمد ﷺ باپ تو نہیں لیکن اللہ کے رسول ہیں جو تمہارے ظاہری و مادی مربی بھی ہیں اور جو تمہیں باطنی و روحانی تقویت بھی بخشتے ہیں ”عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ“ تمہاری تکالیف ان پر بار ہوتی ہیں۔ ”رَوْفٌ رَّحِيمٌ“ وہ تم پر بڑے ہی مہربان رحم فرمانے والے ہیں ان کی عنایات کا سلسلہ صرف اس ظاہری دنیا تک ہی نہیں بلکہ اخروی زندگی میں بھی وہی تمہارے لئے وسیلہ و سہارا بنیں گے جس دن نہ کوئی دوست کام آئے گا نہ کسی کی سفارش چلے گی بس یہی سہارا ہوں گے ﷺ لہذا اعتراض کرنے والوں کا یہ اعتراض لغو ہے کہ رسول نے اپنے بیٹے کی مطلقہ سے نکاح کر لیا۔ زید ان کے بیٹے نہیں آزاد کردہ غلام ہیں ایسے ہی جیسے دوسرے لوگ ہیں۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے دیگر حالات

ام المؤمنین حضرت زینب رضی اللہ عنہا ازواج مطہرات میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی ہمسری اور برابری کا دعویٰ کرتی تھیں۔ خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ”كَانَتْ تُسَامِينِي“ زینب اکثر امور میں میرا مقابلہ کیا کرتی تھیں۔ اسی لئے ان دونوں میں کچھ زیادہ ہی رقابت چلتی تھی اور نوک جھونک ہوتی رہتی تھی لیکن اس کے باوجود دل کی نہایت صاف، حقیقت پسند اور حق گو تھیں۔ اسی لئے جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے واقعہ افک کے موقع پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق ان کی رائے طلب فرمائی تو انہوں نے نہایت دیانت سے فرمایا ”مَا عَلِمْتُ إِلَّا خَيْرًا“ مجھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بھلائی کے سوا کسی بات کا علم نہیں۔ یہ جواب تھا اس سوکن کا جو شدید رقابت میں ہتھارتی تھیں لیکن نہایت دیانت دار تھیں لہذا اپنے مفاد کا خیال کئے بغیر حق بات کہی اور ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے خود ان کی صداقت اور دیانت کا اعتراف کیا۔

ام المؤمنین حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو سخاوت اور فیاضی میں خصوصیت حاصل تھی جس کی بناء پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کے متعلق فرمایا ”أَسْرَعُنَّ لِحُوقِ ابْنِي أَطُولُ لَكُنَّ يَدًا“ تم میں سے مجھ سے جلدی ملنے والی وہ ہے جس کے

ہاتھ تم سب سے لمبے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال کے بعد جب سب ازواج ایک جگہ جمع ہوتی تھیں تو دیوار پر اپنے ہاتھ رکھ کر ناپا کرتی تھیں تاکہ معلوم ہو سکے کہ کس کے ہاتھ سب سے زیادہ لمبے ہیں اور وہ کون ہے جو سب سے پہلے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ملنے والی ہیں لیکن جب سب سے پہلے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا وصال ہوا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہماری سمجھ میں آیا کہ آپ نے یہ بات ان کی فیاضی اور سخاوت کی وجہ سے فرمائی تھی۔

وہ خود دستکاری کر کے اپنی روزی کماتی تھیں جس سے اپنی نہایت اہم ضروریات پوری کرتی تھیں اور بقیہ رقم غریبوں و مساکین میں تقسیم فرمادیتی تھیں۔ بیت المال سے بھی قنون کے مطابق ان کا وظیفہ جاری تھا جو بارہ ہزار درہم کی بڑی رقم تھی لیکن آپ نے صرف ایک سال اسے قبول فرمایا جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ رقم آپ کو بھیجی تو آپ نے اسے دیکھے بغیر اپنی خادمہ کو حکم دیا کہ یہ میرے عزیزوں اور دیگر ضرورت مندوں میں تقسیم کر دو پھر آپ نے دعا کی یا اللہ آئندہ سال یہ وظیفہ مجھے نہ ملے آئندہ سال وظیفہ کا وقت آنے سے پہلے ہی آپ اس دار فانی سے رخصت ہو گئیں۔

آپ نے وصیت فرمائی تھی کہ میں نے اپنا کفن تیار کر رکھا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی ایک کفن بھیجیں گے دونوں میں سے ایک خیرات کر دیا جائے لہذا ایسا ہی کیا گیا۔ حرم نبوی میں جب آپ داخل ہوئیں اس وقت آپ کی عمر پینتیس سال کی تھی۔ ۲۰ھ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں آپ کا وصال ہوا تو آپ کی عمر شریف تریپن برس کی تھی۔ امیر المؤمنین نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔ آپ کی آرزو تھی کہ اپنی ماں کو قبر میں بھی خود اتاریں۔ آپ نے دیگر ازواج سے معلوم کرایا کہ انہیں قبر میں کون اتارے گا۔ حرم مبارک سے جواب آیا کہ جو ان کے گھر آتے جاتے تھے وہی انہیں قبر میں بھی اتاریں گے یعنی جو ان کے محرم ہیں چونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد یہ پہلی ماں تھیں جو اس دار فانی سے رخصت ہوئیں لہذا ان کے جنازے میں غیر معمولی اژدہام تھا اور ہر آنکھ پر نم نظر آتی اور ہر دل غمزدہ تھا۔ لوگوں کو احساس ہو رہا تھا کہ اب ہماری ماؤں کے جانے کا بھی آغاز ہو گیا ہے اور ہم اس عظیم نعمت سے بھی محروم ہو رہے ہیں جو ہمارے لئے بڑا سہارا تھی کہ اب تک ہماری ماؤں کے وسیلہ سے ہماری دعائیں قبول ہوتی ہیں ان کے بعد نہ جانے ہماری نسلوں کا کیا حال ہوگا بہر حال میری یہ ساتویں ماں بھی رخصت ہوئیں، ”انا لله وانا اليه راجعون“۔

حضرت ام المؤمنین زینب رضی اللہ عنہا نے بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خزانہ علم و عرفان سے وافر حصہ پایا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد وہ بھی تبلیغ و اشاعت دین کی ذمہ داری پوری کرتی رہیں گیارہ احادیث نبویہ کی راویہ ہیں دو پر بخاری و مسلم نے اتفاق کیا ہے بقیہ نو دیگر کتب احادیث میں محفوظ ہیں۔

آپ کو جنت البقیع ہی میں دفن کیا گیا دیگر ازواج کی طرح آپ کی قبر انور کا بھی کوئی نام و نشان نہیں۔

آٹھویں ماں

میری آٹھویں ماں، حضرت ام حبیبہ بنت ابوسفیان رضی اللہ عنہا ہیں۔ اصل نام رملہ تھا۔ ابوسفیان اور اس کی بیوی

ہندہ کی اسلام دشمنی سے کون واقف نہیں اگر غور کیا جائے تو یہ حقیقت ہے کہ ان دونوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بے حد تکلیف پہنچائی، اسلام اور مسلمانوں کو شدید نقصان پہنچایا لیکن آقائے رحمت ﷺ کی نظر کرم نے انہیں جہنم کی آگ سے بچایا اور یہ مشرف باسلام ہوئے۔ چاہے قدرے تاخیر سے ان کی بیٹی رملہ ان سے کچھ زیادہ خوش نصیب نکلیں کہ انہوں نے ابتدائی ایام میں ہی اسلام کے نور سے اپنے قلب کو روشن و منور کر لیا۔ ”ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء“ اپنے اپنے مقدر کی بات ہے صرف اسلام میں سبقت ہی کے اعتبار سے نہیں بلکہ ہر اعتبار سے وہ مقدر کی کھری نکلیں حتیٰ کہ ام المؤمنین بننے کا عظیم اعزاز پایا۔

ان کا پہلا نکاح مکہ ہی میں عبید اللہ بن جحش سے ہوا تھا وہ بھی ایمان لے آئے تھے لیکن شیطان نے ان کا پیچھا نہ چھوڑا اور مرتد ہو گئے۔ جیسا کہ آگے آتا ہے جب مکہ میں مسلمانوں پر کفار کے مظالم زیادہ ہوئے اور نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے غلاموں کو ہجرت کر کے حبشہ چلے جانے کی اجازت مرحمت فرمائی تو حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے بھی اپنے شوہر کے ہمراہ ہجرت کی۔ عبید اللہ بن جحش کچھ زیادہ ہی شرابی تھا حبشہ جا کر وہ مزید شراب میں غرق رہنے لگا۔ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا اس کی اس عادت سے بیزار تھیں لیکن مجبور تھیں کیا کرتیں ویسے بھی اس وقت تک شراب حرام نہیں ہوئی تھی۔ سوائے چند کے سب ہی اہل عرب میں شراب نوشی کی دہاء عام تھی بہر حال اللہ محفوظ رکھے جب کوئی حد سے زیادہ بغاوت و نافرمانی میں مبتلا ہوتا ہے تو اس پر اللہ کا غضب بایں صورت نازل ہوتا ہے کہ اسے مزید جہنم کی طرف ڈھکیل دیا جاتا ہے اور ناکارہ سوکھے درخت کی طرح اسے جہنم کا ایندھن بنا دیا جاتا ہے۔ عبید اللہ بن جحش پر بھی اللہ کا غضب نازل ہوا اور وہ بد نصیب عیسائیت کو قبول کر کے مرتد ہو گیا۔ ظاہر ہے کہ کسی مؤمنہ کا ایک مرتد کے ساتھ ایک لمحہ بھی رہنا اپنے آپ کو جہنم کی آگ پر پیش کرنا ہی تو ہے پھر ام حبیبہ رضی اللہ عنہا جیسی مؤمنہ کاملہ جو پہلے ہی اسلام کے لئے اپنا سب کچھ قربان کر چکی تھیں۔ اسلام ہی انہیں سب سے زیادہ محبوب تھا جس کے مقابلہ ایک مرتد شوہر کی کیا حیثیت ہو سکتی تھی لہذا آپ نے عبید اللہ بن جحش سے علیحدگی اختیار کر کے دین کے لئے ایک اور قربانی پیش کر دی جو مستقبل میں خوب رنگ لائی۔

اب آپ اپنی بیٹی حبیبہ کے ہمراہ تنہا رہنے لگیں جو حبشہ ہی میں پیدا ہوئی تھیں ایک تنہا عورت کو جن مشکلات اور تکالیف کا سامنا ہوتا ہے آپ ہمت و جرأت کے ساتھ ان سے نبرد آزما تھیں کسی طرح یہ بات نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو معلوم ہوئی کہ اسلام کے لئے ایثار و قربانی کرنے والی ایک مؤمنہ پردیس میں تنہائی کے شب و روز بسر کر رہی ہے اور سخت پریشان ہے۔

”عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ“ کی شان رکھنے والے آقائے رحمت ﷺ اپنی خادمہ کا یہ حال سن کر مضطرب ہو گئے۔ ام حبیبہ کی پریشانیوں اور الجھنوں کو ختم کرنے اور ان کے ایثار و قربانی کا صلہ دینے کا آپ کے پاس اس سے بہتر طریقہ کوئی نہ تھا کہ آپ انہیں اپنی پناہ میں لے لیں اور حرم مقدس میں شامل کر لیں لہذا ۵ھ میں آپ ﷺ نے نجاشی شاہ حبشہ کو پیغام بھیجا کہ ہماری خادمہ ام حبیبہ کو ہماری پناہ میں لے لیا جائے اور ان سے ہمارا

نکاح کر دیا جائے۔ اپنے آقا ﷺ کے اس کریمانہ فیصلے کو ام حبیبہ نے سنا تو ان کا کیا حال ہوا یہ آپ انہی کی زبانی سنیں، فرماتی ہیں کہ:

ایک دن میں اپنے مکان میں بیٹھی تھی کہ نجاشی کی لونڈی جس کا نام ابرہہ تھا میرے پاس اس کا پیغام لے کر حاضر ہوئی۔ یہ خادمہ نجاشی کے بہت قریب تھی۔ اس کا لباس تبدیل کراتی اور اس کے بالوں میں تیل ڈالتی اور کنگھی کیا کرتی تھی۔ اس نے دروازہ کھٹکھٹایا اندر آنے کی اجازت طلب کی میں نے اسے اجازت دی۔ وہ آئی، خوش تھی، بولی کہ بادشاہ نے مجھے آپ کے لئے ایک پیغام دے کر بھیجا ہے۔ میں بے چین ہو گئی کہا جلد بتاؤ کیا پیغام ہے۔ وہ بولی آپ کے نبی حضرت محمد ﷺ نے ہمارے بادشاہ کو لکھا ہے کہ ان سے آپ کا نکاح کر دیا جائے اور آپ کو مدینہ منورہ بھیج دیا جائے اب آپ کسی کو اپنا وکیل مقرر کریں جو آپ کی طرف سے اس نکاح کو قبول کرے۔

یہ پیغام سن کر میری تو خوشی کی انتہا ہی نہ رہی کہ میرے لئے اس سے بڑا اور کیا اعزاز ہو سکتا تھا۔ میں نے ابرہہ کو نہ جانے کیا کیا دعائیں دیں اس کو خوب گلے لگایا اور بطور انعام اپنے دو کڑے، انگوٹھیاں اور پازیبیں اتار کر اسے دے دیں اور فوراً خالد بن سعید بن عاص کو بلا کر یہ خوشخبری سنائی اور اپنا وکیل مقرر کیا۔

اسی دن تقریب نکاح کا شاہی محل میں اہتمام کیا گیا مکی مہاجرین کو جن میں جعفر بن ابی طالب بھی تھے دعوت دی گئی۔ نجاشی نے خود خطبہ نکاح پڑھا چار سو دینار مہر مقرر ہوا اور کتنے ہی دینار حاضرین مجلس پر برسائے گئے۔ مہر کی رقم خالد بن سعید کی معرفت مجھے موصول ہوئی اور میں اب حرم نبوی کی ایک معزز خاتون قرار پائی لہذا مجھے وہی مقام و منصب دیا گیا جو میرا حق بن چکا تھا۔ رسم نکاح ختم ہوئی تو لوگ اٹھ کر جانے لگے لیکن نجاشی نے اعلان کیا کہ سنت انبیاء کے مطابق کھانا پیش کیا جائے گا تمام حضرات کھانے سے فارغ ہو کر جائیں۔ شاہی دسترخوان پر پر تکلف کھانے چنے گئے شراب کے جام پیش کئے گئے اور لوگ خوب خوب لطف اندوز ہو کر اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔

باختلاف روایت ۶ھ یا ۷ھ میں آپ کا نکاح ہوا اور فوراً ہی آپ کو شاہی اعزاز کے ساتھ شرجیل بن حسنہ کے ہمراہ مدینہ منورہ روانہ کر دیا گیا جو حبشہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سفیر مقرر تھے۔ اس نکاح میں بے شمار حکمتیں اور مصلحتیں تھیں ان میں سے ایک ابوسفیان سے رشتہ قائم کرنا بھی تھا تا کہ اس نازک رشتے کی وجہ سے ابوسفیان کی اسلام دشمنی کچھ کم ہو سکے اور ایسا ہی ہوا کہ ۷ھ کے بعد ابوسفیان کی طرف سے مسلمانوں کے خلاف کسی سازش کا واقعہ نظر نہیں آتا۔ اس کے برعکس اندازہ ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے خلاف ان کے جوش میں خاصی کمی ہوئی تھی کہ اپنی بیٹی کے اس نکاح کی خبر پا کر اس نے اس پر اظہار فخر کیا اور خوش ہوا نیز اس کے چند ماہ بعد ۸ھ میں واقعہ حدیبیہ پیش آیا جس میں مسلمانوں اور اہل مکہ کے درمیان ایک

معاہدہ طے پایا تھا لیکن اہل مکہ اس معاہدہ کی زیادہ عرصہ پابندی نہ کر سکے اور ان کی طرف سے خلاف ورزی کے ایک واقعے سبب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کے ختم ہو جانے کا اعلان فرمادیا تھا۔ ابوسفیان اس وقت مکہ میں موجود نہ تھا واپسی پر جب انہیں پتہ چلا تو بہت اظہار افسوس کیا اور خود اس معاہدے کی پابندی کی درخواست لے کر مدینہ منورہ پہنچے۔

مدینہ منورہ پہنچ کر وہ پہلے اپنی بیٹی ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے گھر پہنچے اور ان کی توقعات کے برعکس بیٹی نے ان کا کوئی خاص جذباتی اور والہانہ استقبال نہ کیا بلکہ جب وہ بیٹھنے لگے تو انہوں نے جلدی سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ود شہانہ و پاکیزہ بستر لپیٹ دیا جو پہلے سے بچھا ہوا تھا۔ ابوسفیان بیٹی کی اس حرکت پر حیرت زدہ ہو کر بوسے بیٹی کیا یہ بستر میرے شایان شان نہیں یا میں اس بستر کے لائق نہیں جو تم نے اس پر میرا بیٹھنا گوارا نہ کیا اور اسے لپیٹ دیا۔ میری جرات مند اور مقدس ماں بولیں: ”آپ کفر و شرک کی نجاست میں ملوث میرے آقا ﷺ کے پاکیزہ بستر پر بیٹھنے کے لائق نہیں جس پر وحی الہی نازل ہوتی ہے۔“ باپ نے بیٹی کے اس تیر جیسے جملہ کا زخم کیسے برداشت کیا ہو گا یہ اسی کا دل جانے بس اس نے خون کا سا گھونٹ پیا اور مدینہ منورہ آنے کا مقصد بیان کیا لیکن وہ خاموش رہیں اور ابوسفیان اٹھ کر مسجد نبوی شریف کی طرف چل دیے۔

عشاء کی نماز سے فارغ ہو کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ چند صحابہ کے ہمراہ مسجد سے باہر آرہے تھے ان کی نظر ابوسفیان پر پڑی بس فوراً تلوار تانی اور اس کا تعاقب کیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو معلوم ہوا تو آپ ﷺ نے ابوسفیان کو پناہ دی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو واپس بلا دیا۔ ابوسفیان نے دربار نبوی میں حاضر ہو کر مدینہ منورہ آنے کا مقصد بیان کیا آپ خاموش رہے بالآخر ابوسفیان کو یہ جانے بغیر ہی واپس لوٹا پڑا کہ اب مسلمان معاہدے کی پابندی کریں گے یا اہل مکہ پر حملہ آور ہوں گے اور ایک سال بعد ہی مکہ پر حملہ آور ہو کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہمیشہ کے لئے مکہ کو اہل ایمان کے لئے جائے امن و سکون بنادیا ”وَمَنْ دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا“۔

ام المؤمنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نہایت متقیہ اور پرہیزگار تھیں انہوں نے بھی علم نبوی کے خزانہ سے وافر حصہ حاصل کیا اور نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پینسٹھ احادیث ہم تک پہنچائیں جو بخاری و مسلم اور دیگر کتب احادیث میں محفوظ ہیں۔ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت سے سترہ سال قبل پیدا ہوئیں گویا تقریباً آپ سے تیس برس چھوٹی تھیں۔ بوقت نکاح ان کی عمر چھالیس برس کی ہوگی۔ ۴۴ھ میں اور ایک روایت کے مطابق ۵۹ھ میں آپ کا وصال ہوا۔ جنت البقیع میں اور ایک روایت کے مطابق دمشق کے قبرستان میں آپ کو دفن کیا گیا لیکن دمشق کے وسیع و عریض قبرستان میں باوجود تلاش کے ہمیں اپنی محترم ماں کی قبر کا پتہ نہ چل سکا جبکہ جنت البقیع میں تو کسی کی قبر کا بھی پتہ نہیں، واللہ اعلم۔

نویں ماں

میری نویں ماں حضرت جویریہ بنت حارث رضی اللہ عنہا ہیں۔ قبیلہ بنو مصطلق کے سردار حارث بن ابی ضرار کی بیٹی اور عرب کی ایک معزز ترین خاتون تھیں۔ ان کا پہلا نکاح مسافع بن صفوان مصطلقی سے ہوا جو غزوہ مریسہ میں بحالت کفر قتل ہوا۔ یہ غزوہ شعبان ۵ھ میں ہوا۔ دو شعبان سوموار کے دن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس غزوے کے لئے تشریف لے گئے



تقریباً ایک ماہ بعد یکم رمضان المبارک کو آپ کی واپسی ہوئی۔ اس موقع پر آپ نے اپنی غیر موجودگی میں حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں اپنا نائب مقرر فرمایا تھا۔ حضور ﷺ کے ساتھ اس غزوے میں شرکت کے لئے چھ ہزار مجاہدین کا لشکر تھا یہ وہی غزوہ ہے جس سے واپسی کے موقع پر واقعہ افسک کا حادثہ پیش آیا۔ جس کو ہم گزشتہ اوراق پر تفصیل سے بیان کر آئے ہیں۔ اس غزوے میں کفار کے بہت سے مرد و عورت گرفتار ہو کر مجاہدین اسلام کے قبضہ میں آئے جنہیں جنگی قواعد کے مطابق غلام و لونڈی بنالیا گیا۔ انہی میں حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔ جو ثابت بن قیس بن شماس انصاری کے حصہ میں آئیں تھی چونکہ وہ ایک سردار کی معزز بیٹی تھیں لہذا انہوں نے اپنے آپ کو غلامی کی ذلت سے بچانے کے لئے ثابت بن قیس سے گزارش کی کہ آپ مجھے کچھ رقم لے کر آزاد کر دیں۔ معاملہ نو اوقیہ سونے پر طے ہوا لیکن ان کے پاس اتنا سونا نہ تھا لہذا وہ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے در پر حاضر ہوئیں جن کی سخاوت و فیاضی کے چرچے وہ پہلے ہی سن چکی تھیں۔ سارا معاملہ بتایا اور عرض کی کہ میرے پاس اتنی بڑی رقم نہیں جسے ادا کر کے میں آزاد ہو سکوں اگر آپ میری امداد کریں تو میں آپ کی احسان مند بھی ہوں گی اور آپ کی رقم سے زیادہ ادا کر دوں گی۔

یہ درخواست اس آقائے جہاں پناہ ﷺ کے دربار میں پیش ہوئی تھی جنہیں ایک قبیلہ کے سردار کی معزز بیٹی کا غلامی کی پستی میں جانا تو درکنار دشمن کے دیگر قیدیوں کا بھی غلامی کی زنجیروں میں جکڑا جانا گوارا نہ تھا وہ تو سب ہی کو آزاد کر دینا چاہتے تھے کہ ان کی تشریف آوری کا مقصد ہی انسان کو پستی سے نکال کر بام عروج پر پہنچانا تھا چاہے وہ اپنے ہوں یا غیر ہوں دوست ہوں یا جانی دشمن ہوں ان کی رحمت کا تو مقتضا یہی تھا کہ سب غلاموں کو آزاد کر دیا جائے کسی کی گردن میں غلامی کا طوق نہ ڈالا جائے۔ وہ اللہ کے بندوں کے لئے صرف اللہ کی بندگی کے خواہاں تھے۔ پس آپ ﷺ نے حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کی درخواست پر غور فرمایا اور معاً آپ کی حکیمانہ نظر نے فیصلہ دیا اور آپ نے ان سے فرمایا کیا تم راضی ہو کہ میں تمہارا زر کتابت ادا کر دوں اور ایک آزاد عورت کی حیثیت سے تمہیں اپنے نکاح میں لے لوں۔ اللہ اکبر! جویریہ ایک سمجھدار خاتون تھیں آخر اپنے قبیلہ کے سردار کی بیٹی تھیں انہیں تو ایک دم ایسا محسوس ہوا جیسے کسی نے انہیں زمین سے اٹھا کر آسمان پر بٹھادیا ہو انہیں پتہ تھا کہ اس دامن کی پناہ میں آنے بعد میرا کیا مقام ہوگا۔ فیصلہ میں تردد یا تامل کی گنجائش ہی نہ تھی لہذا بخوشی راضی ہو گئیں اور میرے آقا ﷺ نے ایک سردار کی بیٹی کو اپنی پوری امت کی ماں بنا دیا (ﷺ)۔

جونہی صحابہ کرام کو پتہ چلا کہ جویریہ ہماری ماں ہو گئی ہیں سب نے اپنی ماں کے لئے قربانی دی اور ان کے قبیلے کے مرد و عورت کو آزاد کر دیا۔ ایک عجیب سماں تھا اللہ کے رسول ﷺ آج نہایت ہی مسرور اور خوش تھے آپ کی رحمت و رافت کی یہ دنیا والوں کے لئے ایک بے مثال نظیر تھی۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم نے کوئی ایسی عورت نہیں دیکھی جو اپنی قوم کے لئے جویریہ سے بڑھ کر باعث رحمت و برکت بنی ہو کہ ان کی وجہ سے ان کے قبیلہ بنو مطلق کے سینکڑوں گھرانوں کو آزادی کی عزت نصیب ہوئی۔

غرضیکہ میرے آقا ﷺ کی ایک خواہش پوری ہوئی کہ اس نکاح کے سبب آزادوں کو غلامی سے نجات مل گئی جب

یہ لوگ اپنے قبیلہ میں پہنچے اور انہوں نے اس واقعہ کے ساتھ ہی مسلمانوں کی خوش اخلاقی، قیدیوں کے ساتھ اچھے برتاؤ اور ان کی شفقت و محبت کے واقعات بیان کئے تو کٹر دشمنوں کا ہر فرد سر تسلیم خم کئے میرے آقا ﷺ کے دربار میں حاضر تھا اور اپنی آزادی پر آپ کی غلامی کو ترجیح دیتا اور اس پر فخر کرتا نظر آتا تھا۔

خود حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس عمل میں آپ کی جوشان رحمت و رأفت نظر آئی اس کا اندازہ اس سے کیجئے کہ ان کے باپ حارث بن ضرار نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں آکر کہا کہ میں ایک بڑے قبیلہ کا سردار ہوں اور جویریہ میری بیٹی ہے جسے آپ نے اپنی لونڈی بنا لیا ہے کسی سردار کی بیٹی کو لونڈی بنا لینا آپ جیسی شخصیت کے لئے موزوں نہیں معلوم ہوتا آپ اسے آزاد کر دیجئے اس کا جو فدیہ آپ مقرر کریں گے ادا کر دیا جائے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا ایسا ہرگز نہیں ہم نے تمہاری بیٹی کو ہرگز لونڈی نہیں بنایا تمہاری سرداری کا خیال کرتے ہوئے ہم نے اسے وہ مقام دیا ہے جو تمہارے یہاں اسے حاصل ہونا ممکن ہی نہیں پھر بھی تم جویریہ سے معلوم کر لو اگر وہ تمہارے ساتھ جانا پسند کریں تو انہیں پورا پورا اختیار ہے وہ بالکل آزاد ہیں۔ ہم تم سے ان کا کوئی فدیہ بھی نہیں مانگیں گے۔ جب حارث نے بیٹی سے چلنے کو کہا تو بیٹی نے مسکراتے ہوئے جواب دیا جس دامن میں مجھے پناہ ملی ہے اس سے زیادہ عزت و طمانیت مجھے کہیں میسر نہیں آسکتی۔ آپ مطمئن رہیں میں یہاں بہت باعزت اور خوش ہوں۔ یہی حارث کچھ دن بعد خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی غلامی میں آکر اپنی بیٹی کی طرح باعزت ہو گئے کہ وہ اس امت کی ماں بنیں اور یہ سر کا تاج۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے نکاح کے وقت ان کی عمر بیس سال کی تھی ان کا نام برہ تھا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بعد نکاح جویریہ نام رکھا۔ مخزن علم و حکمت ﷺ سے انہوں نے بھی حتی الوسع فیض حاصل کیا۔ سات حدیثوں کی راویہ بھی ہیں دو بخاری میں اور دو مسلم میں باقی تین دیگر کتب احادیث میں موجود ہیں۔ ان کی وجہ سے چند مسائل بھی ہم تک پہنچے مثلاً ایک مرتبہ صبح کے وقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کے حجرے میں تشریف لائے تو دیکھا کہ وہ مصلیٰ پر بیٹھی مصروف عبادت ہیں آپ ﷺ واپس تشریف لے گئے اور دو بارہ پھر چاشت کے وقت (تقریباً دو گھنٹے بعد) تشریف لائے آپ اسی طرح مصلیٰ پر بیٹھی مصروف عبادت ملیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پوچھا کیا تم اسی طرح صبح سے مصروف ہو عرض کی جی۔ آپ ﷺ نے فرمایا میں تمہیں ایسے کلمات بتاتا ہوں جن کا ایک مرتبہ پڑھنا تمہارے اتنی دیر کے اور ادو طائف سے افضل اور اللہ کے نزدیک بھاری ہے۔ وہ کلمات یہ ہیں:

”سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ عَدَدَ خَلْقِهِ وَرِضَىٰ نَفْسِهِ وَزَنَةَ عَرْشِهِ وَمِزَانَهُ“

یاد رہے کہ اور ادو طائف کے لئے وہی کلمات زیادہ مؤثر ہیں اور وہی طریقہ زیادہ افضل و بہتر ہے جو نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تعلیم فرمایا۔

ام المؤمنین حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کا وصال ربیع الاول ۵۰ یا ۵۱ھ میں ہوا آپ کی کل عمر پینسٹھ برس ہوئی۔

جنت البقیع میں آرام فرمائیں۔ قبر انور کا وہی حشر ہوا جو میری دیگر ماؤں کی قبروں کا ہوا۔

دسویں ماں

میر کی دسویں ماں حضرت میمونہ بنت حارث الہدالیہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ ان کا پہلا نکاح مسعود بن عمرو بن عمیر ثقفی سے ہوا تھا انہوں نے طلاق دے دی تو دوسرا نکاح ابوہم بن عبد العزیٰ سے ہوا۔ ۷۷ھ میں جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام عمرہ قضا دارنے کے لئے مکہ تشریف لے گئے تو چونکہ یہ عمر رسیدہ تھیں اور وہاں تنہا بھی تھیں لہذا ان کے بہنوئی حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے واپسی پر انہیں اپنے ہمراہ لے لیا اور دوران سفر ہی انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے گزارش کی کہ ان کو اپنے حرم میں لے لیں۔ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے شرف قبولیت بخشا اور مقام سرف میں قیام کے دوران نکاح ہو گیا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ہی نکاح پڑھایا ان کا خاندان بہت بڑا تھا نو بہنیں تھیں جو سب ہی سرداروں، امیروں اور معززین عرب سے بیاہی گئی تھیں انہی کی ایک سوتیلی بہن ام المؤمنین حضرت زینب بنت خزیمہ الہدالیہ تھیں جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حرم میں صرف دو یا تین ماہ رہ کر ہی انتقال کر چکی تھیں۔ ایک بہن لبابہ کبریٰ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی زوجہ تھیں جبکہ ایک بہن خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی والدہ تھیں۔ اسی طرح دیگر تمام بہنیں عرب کے با اثر اور معزز لوگوں کے گھروں میں تھیں۔ اس نکاح سے ان تمام لوگوں سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا رشتہ مصاہرت قائم ہوا جس کا اہل عرب بہت خیال کرتے تھے لہذا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنے مشن کے سلسلے میں اس رشتہ سے بے حد فائدہ ہوا اور بہت سے تبلیغی معاملات آسان ہو گئے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ان کے وسیع اور معزز خاندان اور ان کی پارسائی و پاکیزگی ہی کی بناء پر یہ چاہا تھا کہ انہیں ہماری ماں بننے کا شرف حاصل ہو اور وہ اپنے مقصد میں کامیاب رہے۔

ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا غزوہ تبوک میں شریک تھیں اور اپنے بڑھاپے اور ضعف کے باوجود نہایت ہی تندہی سے زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی نظر آ رہی تھیں۔ پہلی خاتون ہیں جنہوں نے زخمیوں کی دیکھ بھال اور مرہم پٹی لے لئے خواتین کی باقاعدہ تنظیم قائم کی جس کا سلسلہ ہر ملک، ہر قوم اور ہر ملک کے لوگوں میں جاری ہے۔

انہوں نے بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دریائے علم سے خوب سیرابی حاصل کی۔ چھبتر احادیث کی راویہ ہیں۔ سات بخاری و مسلم میں اور باقی دیگر کتب احادیث میں محفوظ ہیں۔ طویل عمر پائی ۵۱ھ میں وفات ہوئی۔ حسن اتفاق یہ کہ مقام رفہ میں ۱۰ سال ہوا جہاں شب زفاف ہوئی تھی۔ وہیں دفن ہیں لیکن قبر کا نشان تک نہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اپنی ماں اور خالہ کی نماز جنازہ پڑھائی جب لوگ ان کا جنازہ لے کر چلے تو آپ نے نہایت غمزہ ہو کر فرمایا جنازہ ادب سے اتمام سے آہستہ اٹھا کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زوجہ کا جنازہ ہے یہ ہماری ماں کا جنازہ ہے با ادب آہستہ آہستہ چلو انہیں تکلیف نہ ہونے پائے۔ قبر میں بھی آپ نے ہی اتارا۔

گیارہویں ماں

میر کی گیارہویں ماں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا ہیں جن کا باپ حمی ابن الخطب، یہودی قبیلہ بنو نضیر کا سردار تھا اور

ماں ضرر یہودی قبیلہ بنو قریظہ کے سردار سہول کی بیٹی تھیں۔ گویا حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو ماں باپ دونوں طرف سے سیادت حاصل تھی۔ جو ان کا ایک بڑا اعزاز تھا ان کا پہلا نکاح سلام بن مشکم القرظی سے ہوا تھا اس کے بعد دوسرا نکاح کنانہ بن ابی الحقیق سے ہوا یہ دونوں بھی اپنے اپنے قبائل میں بڑے معزز تھے۔ جب ۷ھ میں غزوہ خیبر ہوا اور مسلمانوں نے یہودیوں کے مضبوط ترین قلعہ کو فتح کر لیا بیس دن تک اس قلعہ کا محاصرہ جاری رہا اور بالآخر شیر خدا حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی ہمت و شجاعت کے باعث یہ قلعہ فتح ہوا اور بہت سے یہودی مرد و عورت گرفتار کر لئے گئے انہی میں صفیہ بھی تھیں۔ گرفتار شدگان کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار میں پیش کیا گیا ابھی سرکار پوری طرح سب کا جائزہ بھی نہ لے پائے تھے کہ حضرت وحیہ کبھی رضی اللہ عنہ، آپ ﷺ کی خدمت میں عرض گزار ہوئے کہ یا رسول اللہ ﷺ! مجھے ایک باندی عنایت فرمائی جائے۔ یہ وہی صحابی ہیں جن کی شکل میں اکثر حضرت جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت وحیہ رضی اللہ عنہ کی درخواست قبول فرمائی اور آپ کو اختیار دیا کہ گرفتار شدگان میں سے وہ کسی کو بھی اپنے لئے پسند کر لیں ان کی نظر انتخاب حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا پر پڑی جب وہ انہیں اپنے ہمراہ لے جانے لگے اور صحابہ نے دیکھا تو چند صحابہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے یا رسول اللہ ﷺ! ہمارے بھائی وحیہ نے جس لونڈی کو پسند کیا ہے وہ آپ کے سوا کسی اور کے لائق نہیں کیونکہ وہ یہودیوں کی شہزادی ہے۔ اس کے باپ، نانا، شوہر، بھائی سب اپنے اپنے قبیلہ کے سردار تھے اسے اس خاندانی عزت و سیادت کے تعلق سے یہ حق ملنا چاہئے کہ وہ ہمارے یہاں اس سے بھی زیادہ بلند مرتبہ پائے کیونکہ ان حضرات کی درخواست حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعییمات اور سابقہ عمل کے میں مطابق تھی لہذا آپ ﷺ نے حضرت وحیہ رضی اللہ عنہ کو طلب فرمایا اور فرمایا: وحیہ! تم صفیہ کے بجائے کوئی دوسری کنیز لے لو اور ان سے دستبردار ہو جاؤ۔ حضرت وحیہ رضی اللہ عنہ نے بخوشی حکم کی تعمیل کی اور کنانہ کی بہن کو پسند کر لیا۔

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ میرے آقا ﷺ نے ان کی شاہی حیثیت کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان سے گفتگو فرمائی ان کے باپ، شوہر اور دیگر اعضاء کی موت پر اظہار افسوس کیا اور اختیار دیا کہ اگر وہ چاہیں تو اپنے دین یہودیت پر قائم رہیں اور اپنے باقی ماندہ اعضاء کے پاس واپس چلی جائیں اور اگر چاہیں تو اسلام قبول کر لیں اس صورت میں انہیں آقا کے کائنات ﷺ کی زوجیت نہ بلند اعزاز بخشا جائے گا۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ وہ حضرت سیدنا ہارون علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نانا ان سے تھیں لہذا انہوں نے دامن نبوت سے وابستگی کے شرف کو اختیار کیا اور عرض کرنے لگیں کہ اب میں واپس ہونا نہیں چاہتی بلکہ ”اِخْتَارَ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ“ میں ہمارے اس کے رسول کو پسند کرتی ہوں۔ آقا کے رحمت ﷺ نے اس پر مزید رحم یہ فرمایا کہ انہیں آزاد کر دیا اور پھر ان کی مرضی سے اپنی زوجیت کا شرف بخشا۔ علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح مواہب میں تحریر فرمایا: ”چونکہ یہ اپنی قوم کے بادشاہ کی بیٹی تھیں اس لئے ان کی دل جوئی اور عزت افزائی کی صرف یہی صورت تھی کہ شہنشاہ کو نبین ﷺ انہیں اپنی زوجیت کی عزت سے سرفراز فرمائیں“ کہ امت کی ماں بنادینے سے بڑا تاج اور کیا ہو سکتا تھا۔

جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے جاں نثاروں کی معیت میں خیبر سے روانہ ہوئے اور مقام صہباء میں آپ ﷺ نے قیام فرمایا تو یہیں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے آپ کا نکاح ہوا اور آپ ہمیشہ کے لئے حرم نبوی میں شامل ہو کر ہماری ماں بن گئیں۔ صحابہ کے پاس کھانے کا جو کچھ سامان بچا تھا وہ پکایا گیا اور دعوت ولیمہ دی گئی۔ اس وقت ان کی عمر سترہ سال تھی۔

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی آنکھ پر ایک نشان تھا جب شب زفاف میں یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار میں حاضر ہوئیں تو آپ ﷺ نے یہ نشان ملاحظہ فرمایا اور صفیہ سے پوچھا کہ یہ کیا ہوا تھا آپ نے اپنا ایک واقعہ بیان کیا کہ ایک دن میں اپنے شوہر کنانہ کے پاس بیٹھی تھی میں نے اسے اپنا خواب سنایا کہ آسمان کا چاند میری گود میں آگرا ہے۔ وہ غصہ سے بے قابو ہو گیا اور کہنے لگا ”مَا هَذَا إِلَّا أَنْكَ تَمَنِّيَنَّ مَلِكَ الْحِجَازِ مُحَمَّدًا“ اس سے پتہ چلتا ہے کہ تو حجاز کے بادشاہ محمد (ﷺ) کی ملکہ بننے کی آرزو رکھتی ہے۔ یہ کہتے ہوئے اس نے میرے منہ پر ایک زوردار تھپڑ مارا جس کا یہ داغ آج تک ہے۔

اس واقعہ میں ایک بات نہایت ہی اہم ہے قابل غور ہے کہ جب حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے اپنے یہودی شوہر کنانہ سے یہ کہا کہ میں نے خواب دیکھا ہے کہ آسمان کا چاند میری گود میں آگرا ہے تو وہ فوراً بولا کہ تو شاہ حجاز کی ماہ بننے کی آرزو رکھتی ہے یعنی باوجود دشمنی کے یہودی یہ تسلیم کرتے تھے کہ میرے آقا ﷺ ہی ہیں جو اس زمین پر آسمان کے چاند کی طرح چمک رہے ہیں۔ یہ وہ حق تھا جو اللہ کے حکم سے دشمنوں کی زبانوں پر بھی جاری ہو جاتا تھا۔ وہ یہ بھی یقین کرتے تھے کہ محمد بن عبد اللہ ﷺ ایک دن ضرور پورے حجاز کے بادشاہ بنیں گے۔

پہلی رات جب حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر تھیں تو ساری رات حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ خیمہ کے باہر پہرہ دیتے رہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خیمہ سے باہر کسی کے چلنے کی آہٹ محسوس کی تو فرمایا کون ہے؟ جواب آیا۔ ابو ایوب حاضر ہے۔ آپ ﷺ نے انہیں بلا کر پوچھا تمہیں کیا ہوا کہ تم خیمہ کے ارد گرد گھوم رہے ہو۔ عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! میں آرام کرنا چاہتا تھا لیکن خیال آیا کہ آپ کے حرم میں ایک نو مسلم خاتون ہیں جو زخم خوردہ ہیں ان کے باپ، بھائی، شوہر اور دیگر اہل خاندان جنگ کے دوران مارے گئے ہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کے دل میں انتقام کی آگ بھڑک اٹھے اور وہ آپ کے ساتھ کوئی ناقابل تلافی حرکت کر بیٹھیں۔ یہ خیال آتے ہیں میں بے چین ہو گیا اور خیمہ کے گرد میں نے پہرہ دینے کا فیصلہ کیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ابو ایوب کی یہ احتیاط اور عاشقانہ ادب بے حد پسند آئی اور آپ نے ان کے لئے دعا کی ”اللَّهُمَّ احْفَظْ أَبَا أَيُّوبَ كَمَا بَاتَ يَحْفَظُنِي“ اے اللہ تو ہمیشہ ابو ایوب کی حفاظت فرما جیسے انہوں نے میری حفاظت کے لئے ساری رات جاگتے گزار دی۔

ام المؤمنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا اصل نام زینب تھا لیکن حرم نبوی میں شمولیت کے بعد آپ کو صفیہ کہا جانے لگا کہ مفیہ عربی اصطلاح میں مال غنیمت کے اس بہترین حصہ کو کہا جاتا ہے جو صرف امام یا بادشاہ ہی کے لائق ہوتا ہے اور اسے

پیش کر دیا جاتا ہے۔ آپ اسی طرح ہماری ماں بنیں۔ غلاموں نے آپ کو صفیہ کہا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی آپ کے لئے یہی نام پسند فرمایا جبکہ حقیقتاً آپ نسل و نسب شکل و صورت، ظاہر و باطن ہر اعتبار سے صفیہ ہی تھیں۔ ۵۰ھ میں وصال ہوا جنت البقیع میں دفن ہیں۔ آقا ﷺ کے لئے شاہی عیش و آرام چھوڑنے والی اور بے انتہا ایثار و قربانی کرنے والی اس مقدس خاتون کی قبر انور پر ظالم غلاموں نے بلڈوزر چلا دیا اور قبر کا نام و نشان مٹا ڈالا۔ ان کی بیان کردہ دس احادیث کتب احادیث میں محفوظ ہیں۔

ہم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی گیارہ ازواج مطہرات کے تذکرے پر اکتفاء کر رہے ہیں جن پر مفسرین، محدثین اور علماء سیر کا ہر دور میں اتفاق رہا ہے جبکہ باختلاف روایات بیس سے زیادہ آپ کی بیویاں بیان کی گئی ہیں۔ عام طور پر آپ کی نو بیویاں مشہور ہیں اس لئے کہ آپ ﷺ کے حرم میں کبھی نو سے زائد ازواج نہ ہو پائی گئیں۔ نیز وصال کے وقت نو ہی ازواج تھیں کہ ام المؤمنین حضرت خدیجہ اور ام المؤمنین حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہما کا وصال آپ ﷺ کی موجودگی میں ہی ہو گیا تھا۔

ہم اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اس نے ہمیں ہماری ماؤں کے دربار میں نذرانہ عقیدت و محبت پیش کرنے کی صلاحیت بخشی ہم نے جو کچھ لکھا وہ ہمارے ناقص علم کے مطابق ہے۔ میری ماؤں کا مقام تو اس سے بہت ہی ارفع و اعلیٰ ہے کہ جو عورتیں خونی رشتہ کی بناء پر ہماری ماں بنیں اور اولاد کے لئے ان کے قدموں تلے جنت رکھ دی گئی تو ان عورتوں کا مقام کتنا بلند ہوگا جو نبی معظم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نسبت سے ہماری ماں بنیں اور اللہ نے ”أَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ“ فرما کر ہمیں ان سے محبت کرنے ان کا احترام کرنے کا حکم دیا۔

اے اللہ تو دلوں کا حال جاننے والا ہے ہم نے یہ چند سطور محض اپنی ان ماؤں سے عقیدت و محبت کی بناء پر قلمبند کی ہیں پس تو ہماری طرف ان کی نظر شفقت مائل فرما دے کہ ہم دنیا و آخرت میں باعزت ہو جائیں اور اے اللہ ان ماؤں کے صدقہ میں راقم الحروف کی ماں اور قارئین کی ماؤں کی مغفرت کاملہ فرما اور جن کی مائیں زندہ ہیں ان کے سروں پر ان کا سایہ دراز فرما آمین بجاہ رحمۃ اللعالمین۔

تعداد ازواج پر ایک نظر

ہم اپنی ماؤں کے حالات بحمد اللہ خاصی تفصیل ہے پیش کر چکے ہیں اگر آپ نے گہری نظر سے ان کا مطالعہ کیا ہے تو میرے آقا ﷺ کی تعداد ازواج کے سلسلہ میں جہالت و لاعلمی کی بناء پر جو ابھن بعض لوگوں کے ذہنوں کو منتشر کرتی ہے اس کا ازالہ ہمارے انداز تحریر اور اس کے جملوں پر غور کرنے ہی سے ہو جاتا ہے تاہم مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس اہم عنوان کو ختم کرنے سے پہلے ہم آپ کے اس اہم شعبہ حیات پر ایک خصوصی نظر ڈالیں اور اختصار کے ساتھ ان حکمتوں اور فوائد کا تذکرہ کر دیں جن کے لئے اللہ کے مدبر اور حکیم رسول میرے آقا ﷺ نے متعدد ازواج مطہرات کو اپنے مقدس حرم میں شامل فرمایا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مختلف مواقع پر مختلف قبیلوں کی عورتوں سے نکاح کے متعلق دشمنان اسلام کتنی ہی

بیہودہ گوئی کریں، کتنی ہی بکو اس کریں، ہماری خوش عقیدگی پر کوئی اثر نہیں پڑتا کیونکہ ہم اس حقیقت کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ اللہ کی مرضی کے مطابق ہمارے آقا ﷺ کا یہ ایک بڑا ایثار تھا جو آپ صرف بے سہاروں کو سہارا دینے، غیروں کو اپنا بنانے، دشمنوں سے عداوت کے جراثیم ختم کرنے، اسلام کے تحفظ و استحکام امت مسلمہ کی عزت و آبرو میں اضافہ اور تبلیغ و اشاعت دین کے اہتمام کے لئے کرتے رہے۔ متعدد ازواج کی ذمہ داریاں پوری کرنا کوئی مذاق نہ تھا۔ بالخصوص اس صورت میں کہ میرے آقا ﷺ دنیا کی مصروف ترین شخصیت تھے اور مالی اعتبار سے بھی نہایت ہی تنگ دستی میں گزر اوقات ہوتی تھی کہ کئی کئی دن گھروں میں کچھ نہ پکتا تھا، میری ماؤں کو نہ تو بادشاہوں اور حکام جیسے فراخ محل میسر تھے نہ ہی ان کے حجروں میں آسائش و زیبائش کا ساز و سامان پایا جاتا تھا حتیٰ کہ ان کے نازک و مقدس جسم بھی نہایت موٹے اور بوسیدہ لباس میں چھپے ہوئے تھے اور قربان جاؤں میں اپنی مقدس ماؤں کے کہ وہ اس عسرت و تنگی کی حالت میں خوش تھیں۔ واقعہ ایلا، آپ پڑھ چکے ہیں جس میں میرے آقا ﷺ نے تمام ازواج کو اختیار دیا تھا کہ وہ چاہیں تو مال و دولت لے لیں اور چاہیں تو اللہ، اس کے رسول اور آخرت کے گھر کو پسند کر لیں یہ ایک نہایت اچھا موقع تھا ان بیویوں کے لئے عسرت و تنگی سے آزادی حاصل کرنے کا آج کا کوئی عیاش و عیش پرست اپنی داشتاؤں کو ایسی پیشکش کرتا تو سب کی سب دولت کے ڈھیر سمیٹ کر اس سے منہ پھیر لیتیں اور عیاشی کے کسی دوسرے اڈے پر جا بیٹھتیں لیکن یہ میری مائیں تھیں یہ معصوم نبی کی پاکیزہ ترین بیویاں تھیں جو جانتی تھیں کہ ہم کسی عشرت کدے میں نہیں ہیں بلکہ اللہ کے نبی کے دامن رحمت میں پناہ گزین ہیں جس کا ہر لمحہ دنیا اور اس کی ہر نعمت سے زیادہ قیمتی ہے لہذا کوئی ثابت نہیں کر سکتا کہ میری کسی ماں نے بھی حرم نبوی چھوڑنے کا ارادہ تک کیا ہو۔ سب کا جواب ایک ہی تھا کہ ”اِنِّیْ اُرِیْدُ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہُ وَالدَّارَ الْاٰخِرَۃَ“ میں اللہ اور اس کے رسول اور آخرت کے دن کو پسند کرتی ہوں۔ دوستو! عیاشی کے حلقوں میں بند عورت کو دنیا کی کتنی ہی نعمتیں کیوں میسر نہ ہوں وہ کبھی قناعت نہیں کر سکتی وہ تو ”ہل من مزید“ کی ہوس میں ہی مبتلا رہتی ہے۔ تنگی اور عسرت کو برداشت کر لینا تو بڑی بات ہے وہ تو ایک کاٹا برداشت کرنے کی سکت نہیں رکھتی وہ تو صرف پھول چننا جانتی ہے کانٹوں کا اسے پتہ نہیں ہوتا۔

اس کے باوجود بھی میرے آقا ﷺ کے خلاف دشمنان اسلام کی ہرزہ سرائی اور آپ پر ہوس پرستی اور عیش پسندی جیسے رکیک الزامات لگانا اور آپ کی ردائے عصمت کو داغدار کرنے کی کوشش کرنا حقائق سے آنکھیں بند کر لینا نہیں تو اور کیا ہے لیکن چمکتے سورج کی روشنی کے سامنے آنکھیں بند کر کے اس کی روشنی کا کوئی کتنا ہی انکار کرے اس کی بکو اس کو کون تسلیم کر سکتا ہے۔ اسی لئے آج تک اس بیہودہ گوئی سے ایک مسلمان بھی نہ متاثر ہوا ہے اور نہ ہو سکتا ہے اس کے برعکس جتنے آپ پر اعتراض ہوتے ہیں اتنی ہی آپ کی کتاب زندگی کے حروف چمکتے اور اہل ایمان کے دلوں کو روشن و منور کرتے ہیں اگر ایسا نہ ہوتا تو چودہ سو برس کی طویل مدت میں جو آپ پر اعتراضات کئے گئے اور آپ کے خلاف جتنی بیہودہ گوئی ہوئی اس کے زنگ نے آپ کی حیات مبارکہ کے حروف کو کب کا مدہم کر ڈالا ہوتا، اتنا مدہم کہ کسی بھی حرف کا نظر آنا مشکل ہو گیا ہوتا۔ الحمد للہ میرے آقا ﷺ کی شخصیت ہر قسم کے عیوب و نقائص سے پاک ہے اور اہل ایمان کو آپ پر فخر ہے وہ جانتے ہیں کہ ہمارے

آقا ﷺ کی حوائج و ضروریات خواہش اور خیالات عام انسانوں جیسے نہ تھے ان کا تو ہر عمل اپنے رب کے حکم کی تعمیل میں تھا۔ وہ حکم چاہے وحی جلی کی صورت میں ملتا یا وحی خفی کی صورت میں بہر حال ان کا ہر کام وحی کے مطابق ہی ہوتا تھا۔ متعدد عورتوں سے آپ کا نکاح کرنا بھی حکم الہی کے عین مطابق تھا کہ اللہ رب العزت نے اپنے پیغام کی تبلیغ و اشاعت اور تعلیم کے لئے جب جس عورت کو چاہا بحیثیت بیوی آپ کا معاون و مددگار بنا دیا تا کہ آپ کو وہ مخلصانہ تعاون حاصل ہو سکے جو کسی غیر محرم عورت سے حاصل ہونا ممکن نہ تھا اور جب اللہ کی حکمت پوری ہو گئی کہ آپ کو کسی محرم کے مزید تعاون کی ضرورت نہ رہی تو اللہ نے آپ کو مزید نکاح کرنے سے روک دیا۔ ارشاد ہوا:

لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَاءُ مِنْ بَعْدُ وَلَا أَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ أَزْوَاجٍ وَلَوْ أَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ إِلَّا مَا مَلَكَتْ يَمِينُكَ ۖ وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ رَقِيبًا ۝ (احزاب: ۵۲)

آپ کے لئے دوسری عورتیں اس کے بعد حلال نہیں اور نہ ہی یہ جائز ہے کہ آپ ان ازواج سے دوسری بیویاں تبدیل کر لیں چاہے آپ کو ان کا حسن پسند آئے سوائے کنیزوں کے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر نگران ہے۔

یہ حکم واقعہ ایلاء کے بعد نازل ہوا جو ۹ھ میں پیش آیا جبکہ تکمیل دین کے مژدہ جانفزا کا وقت قریب آ رہا تھا۔ اب وہ ساری حکمتیں پوری ہو چکی تھیں جن کی بناء پر آپ کو متعدد عورتوں کی ذمہ داری سونپی جاتی رہی لہذا آپ کے لئے آئندہ کسی اور عورت سے نکاح ممنوع قرار دیا گیا اور موجودہ ازواج مطہرات کے اعلیٰ اعزاز کی تابعدار برقراری کے لئے یہ بھی ممنوع قرار دیا گیا کہ ان عورتوں میں سے کسی کو طلاق دے کر اس کی جگہ دوسری عورت کو حرم میں شامل کر لیا جائے کیونکہ ان ازواج نے آپ کے لئے جو ایثار کیا اور جو قربانیاں دیں ان کے صلہ میں یہ خصوصی انعام الہی ہوا کہ ان کے اعلیٰ منصب کو باقاعدہ ایک حکم کے ذریعہ تحفظ دیا گیا نیز ان ازواج کے بعد یا ان کے بدلے کسی اور عورت سے نکاح کی ضرورت باقی نہ رہی کہ یہ اللہ ہی کی طرف سے حرم نبوی کے لئے منتخب ہوئی تھیں ان میں وہ تمام صلاحیتیں و دیعت رکھی گئی تھیں جو اللہ کی حکمتوں کو پورا کرنے کے لئے نبی کی بیوی میں ہونا ضروری تھیں۔ پس حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حکمت باری تعالیٰ کی تکمیل کے لئے اللہ ہی کے حکم سے نکاح کرتے رہے اور نکاح کی ممانعت کے اس حکم کے بعد نہ کسی اور عورت کو اپنے حرم میں شامل فرمایا اور نہ ہی ان میں سے کسی کو تبدیل کیا۔

یہ بات بھی قابل غور ہے کہ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عمر کے جن حصوں میں جس عمر کی عورتوں سے نکاح فرمایا اس کی نوعیت عام انسانوں کے طریقہ اور ان کی خواہشات کے برخلاف بالکل ممتاز نظر آتی ہے۔ جس کی سب سے اہم بات تو یہ ہے کہ سوائے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے آپ کی تمام ازواج بیوہ یا مطلقہ تھیں جو آپ کے حرم میں آنے سے پہلے ایک یا دو نکاح کر چکی تھیں ان میں سے بعض بچوں والیاں بھی تھیں پھر عمر کا تفاوت بھی یہ تسلیم کرنے کے لئے کافی ہے کہ ان نکاحوں کا مقصد قطعاً خواہش نفس کی تکمیل یا جنس پرستی نہ تھا، غور فرمائیے۔



عنفوان شباب یعنی پچیس سال کی عمر میں آپ کا نکاح ایک چالیس سالہ خاتون حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے ہوتا ہے جو بیوہ تھیں، بچوں والی تھیں۔ ان ہی سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد بھی ہوئی یہ رفاقت چند سال نہیں بلکہ نہایت ہی محبت و الفت اور خلوص کے ساتھ چوبیس سال تک جاری رہی۔ گویا جوانی کا سارا دور ایک بوڑھی خاتون کے ساتھ بسر ہو گیا اس دوران آپ نے کوئی دوسرا نکاح نہ کیا پھر آپ کا دوسرا نکاح ایک پچپن سالہ بیوہ، بچوں والی عورت حضرت سوداء بنت زمعہ سے ہوا اس وقت خود آپ کی عمر پچاس سے تجاوز کر رہی تھی۔ پہلا اور آخری نکاح ایک کنواری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہوا جن کی عمر بوقت رخصت نو برس کی تھی جبکہ میرے آقا ﷺ چون برس کے ہو رہے تھے جبکہ پچاس برس کے بعد دور کہولت (بڑھاپے) کا آغاز ہو جاتا ہے۔ غور فرماتے چلئے کہ چون برس کی عمر تک میرے آقا ﷺ کے حرم میں صرف دو عورتیں ہیں۔ پچپن برس کی عمر مبارک میں آپ ﷺ کا نکاح حضرت حفصہ بنت عمر سے ہوتا ہے جو بیوہ تھیں عمر تقریباً انیس برس تھی۔ پھر اسی سال یعنی ۳ھ میں آپ ﷺ کا نکاح تیس سالہ بیوہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے ہوا جو تین ماہ بعد ہی وفات پا گئیں۔ ۴ھ میں آپ ﷺ کا نکاح تقریباً پینتیس سالہ بیوہ چار بچوں کی ماں حضرت ام سلمہ ہند بنت ابوامیہ سے ہوا پھر ۵ھ میں آپ ﷺ کا نکاح پینتیس سالہ بیوہ حضرت زینب بنت جحش سے ہوتا ہے۔ اب ٹھہریئے حساب کر لیجئے کہ اٹھاون برس کی عمر شریف تک آپ کے حرم میں صرف پانچ عورتیں جمع ہوئیں جو سب ہی سوائے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے عمر رسیدہ تقریباً بوڑھی بیوہ اور بچوں والیاں ہیں۔ اب آگے بڑھئے ۷ھ میں چھیالیس سالہ بیوہ ایک بچی کی ماں حضرت ام حبیبہ بنت ابوسفیان رضی اللہ عنہا اور اسی سال بیس سالہ بیوہ حضرت جویریہ بنت حارث رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کے نکاح میں آئیں اور ۸ھ میں حضرت میمونہ بنت حارث اور صفیہ بنت حنی بن اخطب حرم نبوی میں شامل ہوئیں۔

اللہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان ازواج مطہرات کی عمروں کے تفاوت پر خوب غور کیجئے اور پھر بتائیے گستاخان رسول کو کہ یہ صورت حال ایک صاف ستھرا آئینہ ہے جس پر ہوا و ہوس کا کوئی داغ دھبہ نظر نہیں آتا صرف گیارہ بیویوں کی تعداد پر اعتراض نہ کرو بلکہ اس آئینہ کو دیکھو اور پھر بتاؤ کہ عیش پرستی کی گنجائش تمہیں کہاں نظر آ رہی ہے لیکن مشکل یہ ہے کہ وہ تو اب بھی یہی کہیں گے کہ یہ عیش پرستی ہی ہے کیونکہ آئینہ میں تو انہیں اپنی ہی صورت نظر آئے گی۔

آئیے اب نہایت اختصار کے ساتھ ان مصلحتوں اور حکمتوں پر بھی نظر ڈالتے چلیں جن کی بناء پر میرے آقا ﷺ نے ان عورتوں کو اپنے دامن رحمت سے وابستہ کیا اور ان کی ذمہ داریوں کو پورا کرتے رہے، غور فرمائیے:

(۱) ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا دولت مند تاجرہ تھیں۔ اہل مکہ پر ان کے احسانات تھے طاہرہ و پاکیزہ اور باکردار تھیں۔ اہل مکہ کے دلوں میں ان کا احترام تھا نہایت تجربہ کار سنجیدہ اور متحمل مزاج تھیں۔ بعثت سے پندرہ سال قبل ہی انہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دامن سے وابستہ کر دیا گیا تاکہ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خوب پہچان لیں اور اعلان نبوت کے روز اول ہی سے ان کی خوبیوں سے اسلام کو بھرپور تقویت حاصل ہو سکے اور ایسا ہی ہوا جیسا کہ واقعات سے واضح اور ثابت ہے۔

(۲) ام المؤمنین حضرت سودة رضی اللہ عنہا معمر، حلیم الطبع، قناعت پسند اور مستقل مزاج عورت تھیں۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کارہائے نبوت میں اضافہ ہو رہا تھا۔ اہل مکہ کے مظالم دن بدن بڑھ رہے تھے۔ حرم نبوی خالی تھا۔ بیٹیوں کے معاملات بالخصوص سب سے چھوٹی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی دیکھ بھال کی ذمہ داری جو جوان تھیں ابھی شادی نہیں ہوئی تھی ان حالات میں حضرت سودة رضی اللہ عنہا کا حرم میں آ جانا آپ کے لئے کس قدر باعث سکون و طمانیت بنا اس کا اندازہ اس وقت کے حالات سے ہی کیا جاسکتا ہے۔

(۳) ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اکبر ان کی خوبیوں صلاحیتوں اور کمالات کا احصاء ہمارے اسلاف اور عظیم علماء نہ کر سکے مجھ جیسے کم علم کی کیا مجال کہ انہیں شمار کر سکوں یہ تو صرف نظر نبوت ہی کا کمال تھا۔ جس نے ایسی عظیم خاتون کو منتخب کر کے امت مسلمہ پر ایک عظیم احسان فرمایا۔ ہم نے گزشتہ اوراق میں ان پر جو کچھ لکھا ہے وہ اگرچہ بہت ہی کم ہے لیکن یہ اندازہ کرنے کے لئے کافی ہے کہ میری اس ماں سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کیا توقعات وابستہ فرمائیں تھیں اور وہ کس طرح پوری ہوئیں انہوں نے عالم ماکان و یوں کے خزانہ علمی سے کیا کچھ حاصل کیا اور پھر اسے کیسی محنت و مشقت تدبر و تامل اور خوش اسلوبی سے امت تک پہنچانے کی ذمہ داری پوری کی آپ تسلیم کریں گے کہ اگر عائشہ حرم نبوی میں نہ ہوتیں تو امت کے لئے کتنا بڑا خلا رہ جاتا۔ پس مطالعہ کیجئے گزشتہ اوراق کا اور ان حکمتوں اور مصلحتوں کو جان لیجئے جن کی بناء پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے چون برس کی عمر میں ایک نو سالہ بچی کو اپنے حرم میں شامل کر کے محض اپنے غلاموں کے مفاد کے لئے ان کی تعلیم و تربیت کی ذمہ داری کو قبول فرمایا اور وہ کچھ دیا جو کسی غیر محرم عورت کو دینا ممکن ہی نہ تھا۔

(۴) ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی طہارت و پاکیزگی اور عظمت کا اندازہ بس اس سے کر لیجئے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے متعلق حضرت جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام کہتے ہیں ”فَإِنَّهَا قَوَّامَةٌ صَوَّامَةٌ وَإِنَّهَا زَوْجَتُكَ فِي الْجَنَّةِ“ وہ عبادت میں مشغول رہنے والی بہت روزے رکھنے والی ہیں اور جنت میں بھی انہیں آپ کی زوجیت کا شرف حاصل رہے گا۔ ان کے حرم نبوی میں آنے سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ایک بڑی پریشانی ختم ہوئی وہ کم از کم ایک خوبی، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے رشتہ مصاہرت میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ہم پلہ ہو گئے اور حضرت عثمان و علی رضی اللہ عنہما کے مقابلہ میں اسی رشتہ مصاہرت کی کمی کا خاتمہ ہو گیا۔ نیز اسلام کی ایک مخلص مجاہدہ کی دلجوئی اور عزت افزائی ہوئی جس نے غزوہ بدر میں شریک ہو کر مجاہدین اسلام کی بھرپور مدد کی تھی اور اپنے شوہر کی شہادت کا شکوہ تک زبان پر نہ لائی تھی بلاشبہ وہ ایسی سکون و اطمینان کی مستحق تھی جو اسے صرف اور صرف حرم نبوی میں میسر آیا۔ ان کی سماجی خدمات بھی مسلمانوں کے لئے باعث تقویت ہوئیں۔

(۵) ام المؤمنین حضرت زینب خزیمہ رضی اللہ عنہا کا نجد کے ایک بڑے قبیلہ عامر بن صعصعہ سے تعلق تھا جو مسلمانوں اور اسلام کا سخت دشمن تھا تو قیام تھا کہ ان کے حرم نبوی میں آنے کے باعث اس قبیلہ کی اسلام دشمنی میں کچھ کمی ہوگی لیکن نجد کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فتنہ و فساد کی آماجگاہ قرار دیا ہے لہذا اس تاریک سرزمین پر میری ماں کا نور پہنچنے سے قبل

ہی ان کی وفات ہوگئی تاہم تاریخ میں اس نکاح کے بھی فوائد اور اہم نتائج محفوظ ہیں۔

(۶) ام المؤمنین ام سلمہ ہند بنت ابوامیہ اور ان کے شوہر نے صرف اسلام کے تعلق سے جن مظالم اور مصائب و آلام کا مقابلہ کیا اس کا اندازہ آپ گزشتہ اوراق کے مطالعہ سے کر چکے ہیں۔ ان کی دلجوئی اور عزت افزائی اسلام کے شعبہ اخلاق اور مصیبت زدگان کے لئے اس کی پناہ، دین کی تبلیغ و اشاعت کا سبب بنی نیز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کے چار بچوں کی پرورش کر کے سوتیلی اولاد کے ساتھ محبت و شفقت کی جو عملی تعلیم دی جس سے آپ کے اسوۂ کاملہ میں ایک اہم بات کا اضافہ ہوا یہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی ہی برکت تھی۔ تین سو ستر احادیث کا بیش بہا خزانہ بھی آپ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے امت کو منتقل کیا۔

(۷) ام المؤمنین حضرت زینب بنت جحش جن کو یہ شرف حاصل ہوا کہ جوڑے بنانے والے رب نے آسمانوں پر ان کا جوڑا بنایا۔ پس اپنے اس فیصلہ کی حکمتیں وہی بخوبی جان سکتا ہے ہمیں تو ان کے حالات پڑھنے کے بعد صرف اتنا معلوم ہو سکا کہ اللہ رب العزت نے اس مقدس نکاح کو اہل عرب کی ایک غلط رسم کے خاتمہ کی حکمت کا ذریعہ بنایا۔ جس کی تفصیل آپ نے پڑھ لی ہے۔

(۸) ام المؤمنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا جن کے نکاح سے سرزمین حبشہ پر بھی آقائے رحمت ﷺ کے رحم و کرم کا چرچا ہونے لگا اور جن کے حرم نبوی میں آجانے کے بعد ابوسفیان کا جذبہ اسلام دشمنی سرد پڑ گیا انہیں اور تمام اہل مکہ کو غلبہ اسلام کا یقین ہو گیا۔

(۹) ام المؤمنین حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا حرم نبوی میں شامل ہوئیں تو انہی کی قوم کے سینکڑوں مرد و عورت کو غلامی کی ذلت سے نجات نصیب ہوئی۔ ان کے قبیلہ کو شرف اسلام نصیب ہوا۔ اسلام اور مسلمانوں کو تقویت حاصل ہوئی۔

(۱۰) ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا امیروں، سرداروں پر مشتمل ایک بڑے خاندان سے تعلق رکھتی تھیں۔ حرم نبوی میں ان کی شمولیت نے سب کو اسلام سے متاثر کیا اور ان تمام گھروں اور قبائل میں اسلام پہنچا جو ان کے رشتہ کی کڑیاں تھیں۔

(۱۱) ام المؤمنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا یہودی قبائل کی شہزادی مشرف باسلام ہو کر میرے آقا ﷺ کی باندی بنیں تو یہودیوں میں تہلکہ مچ گیا۔ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ہمیشہ کے لئے ان کے عزائم خاک میں مل گئے اور ان کے لئے سوائے اس کے کوئی چارہ نہ رہا کہ وہ بھی اس دامن میں پناہ گزین ہو جائیں جس میں ان کی شہزادی کو راحت و سکون کی دولت میسر آئی ہے۔

ان حقائق پر غور کرنے کے بعد یقیناً ہماری طرح آپ کا بھی ایمان تازہ ہوا ہوگا اور اب آپ اپنے اندر یہ قوت محسوس کرتے ہوں گے کہ دشمنان رسول کے منہ پر دلائل کا ایسا طمانچہ رسید کیجئے کہ ہمیشہ کے لئے وہ ہمارے معصوم و پاکیزہ آقا ﷺ کے خلاف ہرزہ سرائی سے باز آجائیں اور ان کے منہ بند ہو جائیں۔ دوستو! آقا کی عزت و ناموس کی حفاظت

غلاموں کی ذمہ داری ہے اور اصل تبلیغ یہ ہے کہ عظمت رسول کا لوگوں سے اقرار کرایا جائے۔

اہم پیغام

امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن کی زندگی کے حالات سے ہمیں مسلمان مردوں اور عورتوں کے لئے ایک نہایت ہی اہم پیغام حاصل ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ:

اے ایمان والو! اپنی عائلی زندگی کو پرسکون اور پر لطف بنانے کے لئے اللہ کے ارشاد ”وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ“ پر عمل کرو اور اس کی تفصیلات جاننے کے لئے صاحب قرآن ﷺ کی عائلی زندگی کے حالات پر غور کرو۔ دیکھو وہ اپنی بیویوں کے ساتھ کس طرح اچھا برتاؤ کرتے تھے۔ گیارہ بیویوں کے شوہر ہونے کے باوجود ان سے کبھی کسی بیوی کو شکوہ نہ ہوا کیونکہ وہ ہر معاملہ میں ان کے ساتھ انصاف کیا کرتے تھے۔ اللہ اور اس کے رسول نے تمہیں بھی ایک سے زیادہ چار تک نکاح کرنے کی اجازت دی ہے تمہیں بلاشبہ حق ہے کہ اس اجازت سے فائدہ حاصل کرو لیکن اس وقت جبکہ تم اپنے آقا ﷺ کی پیروی کرتے ہوئے اپنی ہر بیوی کے ساتھ عدل و انصاف کا برتاؤ کر سکو اور سب کے معاشی و سماجی حقوق ادا کر سکو اور یاد رکھو کہ بیوی قرآنی ارشاد کے مطابق تمہارا لباس ہے اور وہ بھی نہایت نازک لباس ہے لیکن نہایت آرام دہ اور پرسکون لباس ہے تم اس لباس سے خوب لطف اندوز ہو لیکن خیال رکھنا اسے بڑے احتیاط سے استعمال کرنا کہ تمہاری بے احتیاطی، لاپرواہی یا سختی اسے تارتا کر سکتی ہے۔ اس لباس کی چمک دمک کی بقاء کے لئے تمہیں اپنی ذمہ داریوں کا بہت خیال کرنا ہوگا اپنے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عائلی زندگی کے حالات پر غور کرو اور دیکھو انہوں نے تمہاری ماؤں کے ساتھ کیسا برتاؤ کیا اور اپنے اس لباس کا کتنا خیال رکھا وہ جب گھر میں داخل ہوتے مسکراتے ہوئے ہی داخل ہوتے۔ اپنی مصروفیات کے باوجود بھی گھر کے کاموں میں وہ اکثر تمہاری ماؤں کی مدد کر دیا کرتے تھے۔ میری ماؤں کو کبھی کوئی شکوہ نہ ہوا تو کوشش کرو کہ تمہاری بیوی بھی خوش رہے اور اسے تم سے کوئی شکوہ نہ ہو۔

اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کے مطابق ہر بیوی پر اپنے شوہر کا احترام کرنا اس کی اطاعت و فرمانبرداری کرنا اسے اپنا قوام یعنی نگران تسلیم کرنا لازم اور فرض ہے تم اپنے شوہر کی عزت و آبرو اور ہر چیز کی امین ہو۔ دیکھو اس امانت میں خیانت نہ ہونے پائے۔ تم اس کے بچوں کی ماں ہو لہذا تم پر فرض ہے کہ اولاد پر پوری طرح توجہ دو ان کی اچھی صحت، اچھی تعلیم و تربیت کا خیال رکھو۔ تم اپنے گھر کی رونق ہو لہذا میل، محبت اور پیار کے پھولوں سے اپنے گھر کو سجایا کرو تمہارا حسن اور تمہاری زیب و زینت تمہارے شوہر کے لئے ہے۔ دوکانوں، بازاروں اور گلی کو چوں میں بے پردہ بلا ضرورت گھوم پھر کر اسے میلا اور خراب نہ کرو۔ دیکھو تمہاری زندگی میں ایک وقت ایسا بھی آ سکتا ہے کہ تمہارا شوہر تمہارے علاوہ مزید تین عورتوں کو اپنے حرم میں شامل کر لے کہ اللہ نے، اس کے رسول نے اسے یہ حق دیا ہے۔ یہ وقت تمہارے لئے امتحان کا وقت ہوگا بے حد صبر آزمائیت ہوگا اگر تم نے اس پر اعتراض کیا تو یہ اللہ اور رسول کی اجازت پر اعتراض ہوگا جس کا حق کسی بھی صاحب ایمان کو نہیں اس سے تو ایمان تک ضائع ہو جانے کا امکان ہے۔ پس اللہ کے دیگر احکام کی طرح تم اس

ارشاد کو بھی تسلیم کرو اور ہماری طرح اپنی ہر سوکن کا استقبال کرو نہایت صبر و تحمل سے کام لو اور اسے گلے لگاؤ تمہارا یہ عمل اللہ بھی پسند کرے گا اور اللہ کے رسول ﷺ کی خوشنودی بھی تمہیں حاصل ہوگی اس سے تمہارے شوہر کے دل میں مزید تمہاری محبت پیدا ہوگی تمہاری ماؤں کا طریقہ ہمیشہ یہی رہا۔ اس عمل سے بڑا سکون ملا بڑی راحت میسر آئی سب اپنے اپنے گھروں میں خوش رہا کرتی تھیں اور جب موقع ملتا تو ملتی جلتی اور خوب مزے مزے کی باتیں کیا کرتی تھیں۔ ہمارے آقا ﷺ ہمیں اس حال میں دیکھ کر بہت خوش ہوتے تھے اللہ کی ہم پر خوب رحمت برستی تھی اور ہاں ہر حال میں اپنے شوہر کا ساتھ دو۔ فراخی اور وسعت کے دن ہوں اچھا کھانا اور اچھا لباس میسر آئے تو خوش رہو اور اللہ کا شکر ادا کرتی رہو اور اگر حسرت و تنگدستی کے ایام آئیں کہ نہ اچھا کھانے کو میسر ہو اور نہ ہی اچھا پہننے کو تو صبر کرنا زبان پر حرف شکایت نہ لانا۔ شوہر سے شکوہ نہ کرنا کہ اسے تو خود اپنی ذمہ داری کا احساس ہوگا تمہارے شکوے سے صرف اس کی پریشانی میں ہی اضافہ ہوگا۔ تم نے پڑھا ہے کہ تمہاری ماؤں نے تو ساری زندگی عسرت و تنگدستی ہی میں بسر کی لیکن کبھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے شکوہ نہ کیا ایک مرتبہ کچھ مانگا بھی تو آپ سخت ناراض ہوئے اور اللہ کے حکم کے مطابق ہمیں مال و دولت دے کر ہمیشہ کے لئے چھوڑ دینے پر آمادہ ہو گئے لیکن ہم نے توبہ کی اور اللہ اس کے رسول کی خوشنودی اور جنت ملنے پر راضی اور خوش رہنے کا وعدہ کیا۔

اے ہمارے بیٹوں اور بیٹیوں! اللہ تمہیں خوش رکھے ہمارے اس پیغام کو اگر تم نے قبول کر لیا اور اس پر عمل کیا تو ضرور ہماری طرح تمہاری زندگی پر لطف اور پرسکون ہو جائے گی نہ شوہر کی طرف سے اور نہ بیوی کی طرف سے تمہیں کوئی تکلیف ہوگی اور نہ ہی اولاد کا غم تمہیں کھائے گا۔ اللہ خوش ہوگا اس کے رسول ﷺ کی رحمت تم پر سایہ نکلے گی اور تمہاری ماؤں کو تم پر ناز ہوگا جس طرح ہر ماں اپنی اچھی اولاد پر ناز کرتی ہے اور فخر کرتی ہے ہماری دعا ہے کہ اللہ شوہر و بیوی کے درمیان وہی محبت و الفت پیدا فرمائے جو ہمیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے نصیب ہوئی اور اللہ اولاد صالح سے تمہارے دلوں کو سکون بخشے اور اللہ زندگی کے ہر مرحلہ میں تمہارا حامی و ناصر ہو۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی خَيْرِ خَلْقِهِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِهِ وَاَصْحَابِهِ اَجْمَعِينَ۔



## مقالہ ۶۵

### الاحزاب: ۵۶ تا ۵۸

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ⑤ إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ  
لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُهِينًا ⑥ وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ  
الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بَغْيًا ظَالِمًا كَتَبْنَا لَهُمْ مَا كَتَبْنَا لَهُمُ الْفِتْنَةَ ⑦  
(احزاب ۵۶ تا ۵۸)

اے ایمان والو! تم بھی ان (نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام) پر درود بھیجا کرو اور سلام عرض کیا کرو بیشک جو لوگ  
ایذا پہنچاتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کو اللہ انہیں اپنی رحمت سے محروم کر دیتا ہے دنیا میں بھی اور  
آخرت میں بھی اور اس نے تیار کر رکھا ہے ان کے لئے رسوا کن عذاب اور جو لوگ دل دکھاتے ہیں  
مؤمن مردوں اور مؤمن عورتوں کا بغیر اس کے کہ انہوں نے کوئی (معیوب) کام کیا ہو تو انہوں نے اٹھا  
لیا اپنے سروں پر بہتان باندھنے اور کھلے گناہ کا بوجھ۔

بھم اللہ، ہماری یہ خوش نصیبی ہے کہ اللہ کے فضل و کرم سے ہم ان آیات تک پہنچے جن پر کچھ لکھنے کے موقع کا ہمیں مدت سے انتظار تھا اللہ ہمیں انشراح قلب سے نوازے اور علماء اسلام کے طفیل ان آیات کا حق ادا کرنے کی استطاعت اور سعادت بخشے کہ کم علمی کے باعث ان پر قلم اٹھانا ہمیں بہت ہی دشوار نظر آ رہا ہے اللہ اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صدقہ ہماری مشکل کو آسان کرے ”اللھم رب زدنی علما“ ہم شروع کرتے ہیں قارئین استفادہ کریں اور فیصلہ کریں کہ ہم اپنی تمنا میں کامیاب ہو سکے یا نہیں۔ اس مضمون کے مطالعہ سے قبل درود شریف ضرور پڑھئے کہ یہی حکم الہی ہے جس کی تفصیل و تفسیر ہم پیش کرنے کی جرأت کر رہے ہیں اور آپ پڑھ رہے ہیں وباللہ التوفیق۔

اللھم صل وسلم وبارک علی سید و مولانا محمد مغلین الجود و الکرم و علی الہ و اصحابہ اجمعین۔  
**درود شریف**

بیشہ مدحت خیر الانام میں گزرے دعا ہے عمر درود و سلام میں گزرے

### الصلوة والسلام علیک یا رسول اللہ

ذات والا پہ بار بار درود	بار بار اور بے شمار درود
روئے انور پہ نور بار درود	زلفِ اطہر پہ مشکبار درود
ان کے ہر جلوے پر ہزار بار درود	ان کے ہر لمحہ پر ہزار درود
سر سے پا تک کروڑ بار درود	اور سراپا پہ بے شمار درود

آیت درود پر غور

محبوب مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود بھیجنے کا حکم جس نرالے انداز سے دیا جا رہا ہے پورے قرآن کریم میں اس کی نظیر نہیں پائی جاتی۔ ظاہر ہے کہ رسول نرالا اور بے نظیر تو اس کے دربار میں گلہائے عقیدت پیش کرنے کا حکم بھی نرالے اور بے نظیر انداز پر ہی ہونا چاہئے۔ ارشاد ہوتا ہے:

إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ⑤٦

(احزاب: ۵۶)

بیشک اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں نبی مکرم پر اے ایمان والو! تم بھی ان پر درود بھیجا کرو اور سلام عرض کیا کرو (بڑے ادب و محبت سے)۔

مولاہی صلی وسلم دائماً ابداً علی حبیبک خیر الخلق کلہم

غور فرمائیے کونسا عمل ایسا ہے جو ایک کے لئے ہو اور کرنے والے تین ہوں اللہ اس کے فرشتے اور جملہ اہل ایمان کتنی پیاری ہے محبوب کی ذات کہ اس کا خالق بذات خود یاد فرماتا رہتا ہے اور اس کی نورانی مخلوق بھی اسی بابرکت عمل میں مصروف رہتی ہے لہذا ان کے دامن سے وابستہ ان کے غلاموں کو بھی اس عمل کی پابندی کرنا چاہئے لفظ ”يُصَلُّونَ“ عربی قواعد

کے مطابق استمرار و دوام کا اظہار کرتا ہے مفہوم یہ ہے کہ اللہ اور اس کے فرشتے ہر لمحہ محبوب کا ذکر کرتے رہتے ہیں حتیٰ کہ بشمول ملائکہ تمام ذکر کرنے والے فنا ہو جائیں گے لیکن ازلی وابدی ذات اللہ وحدہ لاشریک کے ذریعہ یہ ذکر باقی رہے گا۔

کس قدر اعلیٰ و ارفع ہے وہ ذات جس کی رفعت ذکر کو ”وَدَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ“ کے جملے سے بیان فرمایا اور اس کی انتہائے رفعت کا اعلان کرتے ہوئے بتایا گیا کہ ہم خود اس کا ذکر کرتے ہیں لہذا اس کے ذکر کی رفعتوں میں کمی کا وہم و گمان بھی نہ کیا جائے۔ یہ اعلان ایک ایسے موقع پر کیا گیا جب منافقین اور دیگر دشمنان اسلام کو تھوڑی دیر کے لئے یہ خوش فہمی ہوئی تھی کہ ہماری سازشیں کامیاب ہوتی نظر آرہی ہیں ہمارے جبر و تشدد اور مظالم کا اثر ظاہر ہوتا معلوم ہو رہا ہے وہ وقت قریب نظر آتا ہے جب العیاذ باللہ۔ اسلام مغلوب ہوگا اور محمد عربی کا نام لینے والا کوئی نہ ملے گا یہ خام خیالی شیطان لعین نے اپنے چیلوں میں پیدا کی اور پھیلائی جبکہ فیصلہ الہی یہ ہوا کہ ”إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا“ اے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام دشمنان اسلام کی طرف سے پیدا کردہ ساری مشکلات وقتی اور عارضی ہیں بہت جلد یسر، آسانی کا دائمی دور آنے والا ہے اور بتایا گیا کہ اب مزید فتح و نصرت کے دروازے وا ہونے والے ہیں اور آپ کی ناکامی و نامرادی کے خواب دیکھنے والے فوج در فوج آپ کے دربار میں سر تسلیم خم کئے کھڑے ہوں گے جب اللہ قادر مطلق کا فیصلہ یہ ہے تو کس کی مجال کہ اس فیصلہ کے برعکس نبی کا بال بھی بیکا کر سکے کس کی مجال کہ نبی کی عظمت و رفعت کو گھٹا سکے کس کی مجال کہ شمع اسلام کو حرکت بھی دے سکے کس کی مجال کہ اہل ایمان کو ناکام و نامراد کر سکے۔ پس اے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام آپ دشمن کی ہرزہ سرائی پر توجہ دے کر اپنا وقت ضائع نہ فرمائیں اور اے میرے محبوب کے غلاموں تم دشمن کی افواہوں سے فکر مند نہ ہو ذرا بھی خوفزدہ نہ ہو۔ پس محبوب کے دامن کو مضبوطی سے تھامے رہو ان کی اتباع و پیروی کرتے رہو اور عشق و محبت کی مستی میں جھوم کر ان پر درود بھیجتے رہو۔

مَوْلَايَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلَى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمْ

اس اعلان باری تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قلب کو مزید طمانیت بخشی اہل ایمان سے ہر قسم کے خوف و خطر کا خاتمہ کر دیا اور دشمنان اسلام پر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے واضح کر دیا کہ تم اسی طرح اپنی غلط فہمیوں میں مبتلا رہو گے۔ اسلام کے خلاف کتنی ہی سازشیں کرتے رہو کتنے ہی جال پھیلاتے رہو، کتنی ہی طاقت و قوت جمع کر لو لیکن یاد رکھو کہ اسلام دنیا میں مٹنے کے لئے نہیں پھیلنے کے لئے آیا ہے مغلوب ہونے کے لئے نہیں غالب ہونے کے لئے آیا ہے اور گستاخان رسول پر بھی واضح کر دیا کہ محبوب کی ذات والا صفات کا تمہارے طعن و تشنیع اور گستاخیوں سے متاثر ہونا ناممکن ہے تم ان کے کردار ان کے اعمال یا تعلیمات پر کتنے ہی اعتراضات کرو ان کی عزت و ناموس پر آنچ نہیں آسکتی۔ ان کے دربار میں درود و سلام کا تحفہ پیش کرنے والوں پر بدعت کا فتویٰ چسپاں کیا جائے یا انہیں مشرک کہا جائے اس سے نہ ان کی عشق میں کمی آسکتی ہے اور نہ ان کے آقا ﷺ کی شان گھٹ سکتی ہے۔

ایک عاشق کھڑے ہوئے مستی کے عالم میں جھوم جھوم کر صلوٰۃ و سلام پڑھ رہے تھے کسی نے انہیں ٹوکتے ہوئے کہا کہ میاں یہ شرک ہے انہوں نے صرف اتنا کہا کہ پھر تو یہی جنت کی چابی ہے اور مزید مست ہو کر اپنا کام کرنے لگے اور حق بھی



یہی ہے کہ اللہ جس عمل کے کرنے کا اس پیارے انداز سے حکم دے کہ یہ کام کرو کیونکہ نورانی مخلوق بھی یہی کرتی ہے اور ہم خالق کائنات بھی یہی کر رہے ہیں۔ ایسا مقدس عمل العیاذ باللہ شرک یا بدعت کیسے ہو سکتا ہے اور اگر شرک ہے تو بقول اس عاشق کے واقعی یہی جنت کی چابی ہے، ﷺ۔

آیت مبارکہ میں فعل (کام) ایک ہے صلوٰۃ (درود) اور اس کے فاعل (کرنے والے) تین ہیں اللہ، فرشتے اور اہل ایمان۔ اس ایک فعل کی تینوں کی طرف نسبت کا مفہوم علیحدہ علیحدہ ہے لیکن مقصود اور اس کا نتیجہ ایک ہے اللہ کی طرف سے صلوٰۃ یہ ہے کہ اللہ رب العزت جل مجدہ لا تعداد فرشتوں کی محفل میں اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مدح و ثنا کرتا اور ان میں اپنی پیدا کردہ بے عیب شخصیت پر ناز فرماتا ہے۔ جیسا کہ بخاری شریف میں حضرت ابو العالیہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ ”فَهِی مِنْهُ عَزَّوَجَلَّ ثَنَاءٌ عِنْدَ الْمَلَائِكَةِ وَتَعْظِيمٌ“ اللہ کی طرف سے بنی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صلوٰۃ، فرشتوں کی محفل میں آپ کی تعریف و تعظیم کا ذکر کرنا ہے اور جب صلوٰۃ کی نسبت ملائکہ کی طرف ہو تو مفہوم یہ ہے کہ اللہ کی نورانی مخلوق فرشتے اللہ کے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے درجات کی مزید بلندی اور ان کے مقامات کی مزید رفعت کے لئے ہر وقت دعا کرتے رہتے ہیں اور جب صلوٰۃ کی نسبت اہل ایمان کی طرف ہو تو معنی ہوں گے کہ غلام اپنے محبوب آقا ﷺ کے لئے ادب و احترام کے ساتھ پیارے پیارے جملوں اور الفاظ میں اللہ رب العزت جل مجدہ سے دعا کرتے ہیں۔

آیت مبارکہ کا مفہوم واضح ہے کہ اللہ خالق محمد (ﷺ) محفل ملائکہ میں اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ثناء و تعریف کرتا ہے اور ملائکہ سن کر خوش ہو کر اپنے رب کی رضا و خوشنودی کے لئے محبوب رب کے حق میں مزید رفعت و بلندی کی دعائیں کرتے ہیں۔ پس یہی محبوب عمل سنت الہیہ اور سنت ملائکہ کے مطابق غلامانِ مصطفیٰ سے بھی مطلوب و مرغوب ہے کہ انہیں بھی محبوب کے لئے خیر و برکت اور ان کے بلندی مراتب کی بھیک مانگتے رہنا چاہئے جب وہ بھکاری بنیں گے تو ان پر بھی رحمت باری ہوگی اور اپنے لئے کچھ مانگے بغیر انہیں سب کچھ دے دیا جائے گا۔ پس عمل ایک اس کے فاعل تین لیکن اس کا اثر اور نتیجہ ایک ہی ہے یعنی اللہ فرشتوں اور اہل ایمان کے محبوب ﷺ کی شان عظمت و رفعت کا اظہار، ان کے ذکر مقدس کے بقا و دوام کا اعلان اب اس کائنات میں کون ہے جو مصطفیٰ ﷺ کی ہمسری کا دعویٰ کر سکے نہ جانے کتنے بڑے کہلانے والے آئے اور چلے گئے ان کا نام و نشان تک نہ رہا لیکن ذکر مصطفیٰ ﷺ روز اول کی طرح آج تک ہے اور اسی طرح تا ابد رہے گا۔

مَوْلَايَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلَى خَبِيْكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمْ

حضرت علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ صلوٰۃ منجانب اللہ ہونے کی وضاحت کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اللہ کے درود بھیجنے کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ رب العزت جل مجدہ نے اس دنیا میں اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان کو اس طرح بلند فرمایا کہ ان کا ذکر بلند رکھا ان کے دین کو غلبہ عطا فرمایا اور ان کی تعلیمات پر عمل کرنے والوں کا سلسلہ تا ابد جاری رکھا ہے اور آخرت میں ان کی عزت و عظمت کا اس طرح مظاہرہ ہوگا کہ گناہ گاروں کے حق میں ان کی شفاعت مقبول ہوگی انہیں

بہترین اجر و ثواب عطا فرما کر بلند مقام پر فائز کیا جائے گا جو مقام محمود کہلائے گا اور اس طرح اولین و آخرین میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عظمت و فضیلت نمایاں ہوگی اور تمام مقررین پر آپ کی عزت آشکارا ہو جائے گی۔

علامہ ابن منظور رحمۃ اللہ علیہ صلوٰۃ کا مفہوم اس طرح بیان فرماتے ہیں:

کہ جب بندہ مؤمن بارگاہ الہی میں عرض کرتا ہے ”اللہم صل علی سیدنا محمد“ تو اس کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ اے اللہ اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذکر کو بلند فرما ان کے دین کو غلبہ عطا فرما۔ ان کی شریعت مطہرہ کو دوام عطا فرما ان کا مرتبہ بلند فرما اور روز محشر گناہ گاروں کے حق میں ان کی شفاعت قبول فرما کر ان کا اجر و ثواب گونا گوں کر دے۔

اور بعض اسلاف نے بڑی ہی اچھی وضاحت کی کہ ”اللہ رب العزت جل مجدہ نے اہل ایمان کو محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود و سلام بھیجنے کا حکم دیا ہے لیکن ہم نہ تو ان کے بلند مراتب سے کما حقہ واقف ہیں اور نہ ہی ان کے دربار عالی کے آداب بجالانا ہمارے بس میں ہے نہ ہی ہم یہ جانتے ہیں کہ اس حکم عالی کی تعمیل کا طریقہ احسن کیا ہے جو مقبول ہو پس ہم ”اللہم صل علی سیدنا محمد“ کا ایک معروضہ دربار الہی ہی میں پیش کرتے ہیں کہ مولا تو نے ہمیں حکم دیا ہے ایسا حکم جس کی تعمیل کما حقہ ہمارے بس میں نہیں پس ہم تجھ ہی سے التجا کرتے ہیں کہ ہماری جانب سے اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود و سلام نازل فرمادے جیسا کہ حق ہے جو ان کو پسند ہو اور جو ان کے دربار عالی میں مقبول ہو۔ اگر بندہ عاجز کا یہ معروضہ قبول ہو گیا تو یقیناً جاننے مقدّر چمک اٹھ دنیا و آخرت کی بھلائیاں نصیب ہو گئیں، فصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد و علی الہ وصحبہ اجمعین۔

درود پڑھنا واجب ہے

جمہور علماء کے نزدیک زندگی میں کم از کم ایک مرتبہ درود شریف پڑھنا واجب ہے لیکن جن احادیث مبارکہ میں درود شریف نہ پڑھنے والے کو نخیل، ظالم، بد بخت قرار دیا گیا ہے ان کے پیش نظر اکثر علماء کرام نے واجب قرار دیا ہے کہ جب بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اسم گرامی لیا جائے۔ سنا جائے یا لکھا جائے تو ہر مرتبہ درود پڑھنا واجب ہے جبکہ مختصر درود ﷺ ہے یعنی اتنا ہی کہہ دینا یا لکھ دینا کافی ہے اور بکثرت درود پڑھتے رہنا افضل مستحب ہے اور بے شمار ثواب رحمتوں اور برکتوں کا باعث ہے جیسا کہ احادیث مبارکہ سے واضح ہوتا چند احادیث درج ذیل ہیں ان پر غور کیجئے اور اللہ توفیق دے تو عمل کی کوشش کیجئے۔

راوی ہیں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

أُولَى النَّاسِ بِيَوْمِ الْقِيَامَةِ أَكْثَرُهُمْ عَلَى صَلَوةٍ.

قیامت کے دن سب سے زیادہ قریب وہ ہوگا جس نے مجھ پر سب سے زیادہ درود شریف پڑھا۔

ظاہر ہے قیامت میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قرب اخروی نجات کی ضمانت ہے آپ کی شفاعت نصیب ہونے

کی بشارت ہے ایک عظیم ترین سعادت ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

مَنْ صَلَّى عَلَيَّ وَاحِدَةً صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ عَشْرَ صَلَوَاتٍ وَحُطَّتْ عَنْهُ عَشْرُ خَطِيئَاتٍ وَرُفِعَتْ لَهُ عَشْرُ دَرَجَاتٍ۔

جس نے مجھ پر ایک بار درود شریف پڑھا اللہ اس پر دس رحمتیں بھیجتا ہے اور اس کے دس گناہ مٹا دیے جاتے ہیں اور اس کے دس درجے بلند کر دیے جاتے ہیں، ﷺ

حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ ایک دن میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے آپ کو اتنا خوش اور بشاش بشاش دیکھا کہ اس سے پہلے کبھی ایسا نہ دیکھا تھا پس میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! آج آپ مجھے اتنے خوش نظر آ رہے ہیں کہ اس سے پہلے کبھی میں نے آپ کو اتنا خوش نہ پایا۔ آپ نے فرمایا میں کیوں نہ خوش ہوں کہ ابھی مجھے جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام یہ پیغام سنا کر گئے ہیں کہ اللہ رب العزت فرماتا ہے:

مَنْ صَلَّى عَلَيْكَ صَلَوةً صَلَّيْتُ عَلَيْهِ بِهَا عَشْرًا وَمَحَوْتُ عَنْهُ عَشْرَ سَيِّئَاتٍ وَكُتِبَتْ لَهُ عَشْرَ حَسَنَاتٍ۔

کہ جس نے آپ پر ایک بار درود شریف پڑھا میں اس پر دس رحمتیں نازل کروں گا اور دس گناہ مٹا دوں گا اور اس کے لئے دس نیکیاں لکھ دوں گا۔

اس ارشاد میں اگرچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی انتہائی عظمت و بزرگی کا اظہار ہے لیکن آپ کو خوشی اس بشارت پر تھی کہ یہ عمل امت کی مغفرت و بخشش اور بلندی مراتب کا ذریعہ ہیں، صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ اجمعین۔ حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ کے فرزند حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

الْبَحِيلُ مَنْ ذَكَرْتُ عَنْدهُ ثُمَّ لَمْ يُصَلِّ عَلَيَّ۔

بخیل وہ ہے جو میرا نام سنے اور مجھ پر درود شریف نہ پڑھے۔ ﷺ

یہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت طفیل رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ جب دو حصہ رات گزر جاتی تھی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کھڑے ہوتے اور فرماتے تھے ”يَا أَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوا اللَّهَ“ اے لوگو! اللہ کا ذکر کرو اللہ کو یاد کرو تھرا دینے والی آگنی اس کے پیچھے اور آنے والی ہے موت اپنی تلخیوں کے ساتھ آ پہنچی۔ میرے باپ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! میں کثرت سے درود شریف پڑھتا ہوں۔ ارشاد فرمائیے میں کس قدر پڑھا کروں فرمایا جتنا تیرا دل چاہے۔ میں نے عرض کیا کیا وقت کا چوتھائی حصہ، فرمایا جتنا تیرا جی چاہے اور اگر اس سے زیادہ پڑھے تو تیرے لئے بہتر ہے۔ میں نے عرض کی دو تہائی فرمایا جتنا تیرا جی چاہے اور اگر زیادہ کرے تو بہتر ہے۔ پس میں نے کہا:

أَجْعَلْ صَلَاتِي كُلَّهَا قَالَ إِذَا تَكْفَى هَمَّكَ وَيُغْفِرُ لَكَ ذَنْبَكَ۔

میں سارا وقت درود ہی پڑھتا رہوں گا آپ نے فرمایا تو تیرے سارے رنج و الم دور کرنے کے لئے کافی ہے اور تیرے سارے گناہ بخش دیئے جائیں گے، ﷺ

حضرت طفیل رضی اللہ عنہ نے اپنے والد سے یہ حدیث بھی روایت کی کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار میں حاضر ہو کر ایک شخص نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ!

أَرَأَيْتَ إِنْ جَعَلْتُ صَلَاتِي كُلَّهَا عَلَيْكَ قَالَ إِذَا يَكْفِيكَ اللَّهُ مَا أَهَمَّكَ مِنْ دُنْيَاكَ وَآخِرَتِكَ۔

کیسا ہوگا اگر میں اپنا سارا وقت آپ پر درود پڑھنے میں صرف کر دوں۔ آپ نے فرمایا تو اللہ تیری دنیا و آخرت کی مشکلیں دور کر دے گا، ﷺ

غرضیکہ کثرت سے درود شریف پڑھتے رہنا فرائض کے بعد ہر قسم کے اوراد و وظائف سے افضل ہے۔ اس سے حزن و ملال اور رنج و الم دور ہوتا ہے مشکلات آسان ہوتی ہیں دنیا و آخرت کی بھلائیاں نصیب ہوتی ہیں۔ بعض احادیث کے مطابق قلبی سکون، مسرت و خوشی میسر آتی ہے، رزق میں برکت ہوتی ہے، رحمت باری کا نزول ہوتا ہے، گناہ مٹتے ہیں، نیکیاں بڑھتی ہیں درود پڑھنے والوں کو بلندی مراتب کا مشردہ دیا گیا ہے اور یہ آخرت کی نجات کا یقینی ذریعہ ہے۔

مَوْلَايَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمْ

چند احادیث

فضائل درود شریف کے سلسلے میں نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشادات کا ایک ذخیرہ بحمد اللہ ہمارے پاس محفوظ ہے ان تمام احادیث کو تو یہاں نقل کرنا ممکن نہیں۔ چند احادیث مبارکہ ملاحظہ فرمائیے۔ راوی ہیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ارشاد ہے میرے آقا ﷺ کا:

جب لوگ کسی مجلس میں بیٹھتے ہیں اور اس میں نہ تو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں اور نہ ہی اپنے نبی پر درود شریف پڑھتے ہیں ”إِلَّا كَانَ عَلَيْهِمْ تَرَةٌ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَإِنْ شَاءَ عَذَّبَهُمْ وَإِنْ شَاءَ غُفِرَ لَهُمْ“ تو قیامت کے دن یہ مجلس ان کے لئے وبال جان ہو جائے گی اور اگر اللہ چاہے گا تو انہیں عذاب میں مبتلا کر دے گا اور اگر چاہے گا تو اپنے فضل و کرم سے ان کی بخشش فرما دے گا۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

”إِذَا سَمِعْتُمُ الْمُؤَذِّنَ فَقُولُوا مِثْلَ مَا يَقُولُ“ جب تم مؤذن کو اذان دیتے ہوئے سنو تو وہی جملے

دہراؤ جو وہ کہہ رہا ہے ”ثُمَّ صَلُّوا عَلَيَّ“ پھر مجھ پر درود شریف پڑھو ”فَإِنَّهُ مَنْ صَلَّى عَلَيَّ صَلَّى

اللَّهُ عَلَيْهِ بِهَا عَشْرًا“ کیونکہ جو مجھ پر درود پڑھتا ہے اللہ اس پر دس مرتبہ درود پڑھتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن حسن رضی اللہ عنہا اپنی والدہ ماجدہ فاطمہ بنت حسین سے اور وہ اپنی والدہ سید فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ:

جب کوئی شخص مسجد میں داخل ہو تو مجھ پر درود بھیجے پھر دعا کرے ”اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ ذُنُوْبِيْ وَافْتَحْ لِيْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ“ اور جب مسجد سے نکلے تو درود شریف پڑھے اور دعا کرے ”اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ وَافْتَحْ اَبْوَابَ فَضْلِكَ۔“

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نماز پڑھ رہا تھا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام، حضرت ابوبکر، حضرت عمر رضی اللہ عنہما تشریف فرما تھے۔ جب میں نماز سے فارغ ہو کر بیٹھا تو میں نے پہلے اللہ کی ثناء پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود شریف پڑھا پھر اپنے لئے دعا کی تو اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا ”سَلْ تُعْطَى“ اب جو چاہو مانگو ملے گا۔

حضرت امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نقل فرماتے ہیں کہ ایک روز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف فرما تھے کہ ایک شخص آیا اس نے نماز پڑھی اور دعا مانگنے لگا: ”اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ وَارْحَمْنِيْ“ اے اللہ مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم فرما دے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اے نمازی تو نے بہت جلدی کی جب نماز پڑھ چکو تو بیٹھو اللہ کی حمد و ثناء کرو پھر مجھ پر درود پڑھو ”ثُمَّ ادْعُهُ“ پھر اللہ سے دعا کرو پھر دوسرا آدمی آیا اس نے نماز پڑھی اور اللہ کی حمد و ثناء کی پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود شریف پڑھا۔ آپ نے فرمایا ”اَيُّهَا الْمُصَلِّيْ اُدْعُ تُجَبَّ“ اے نمازی اب مانگ تیری دعا قبول کی جائے گی۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ”الدُّعَاءُ وَالصَّلٰوةُ مُعْلَقٌ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ فَلَا يَصْعَدُ اِلَى اللّٰهِ مِنْهُ شَيْءٌ حَتّٰى يُصَلِّيَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ“ کہ دعا اور نماز آسمان و زمین کے درمیان لٹکی رہتی ہے اور وہ اس وقت تک اللہ کی بارگاہ میں پیش نہیں ہوتی جب تک حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود شریف نہ پڑھا جائے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ارشاد ہے: ”اِنَّ الدُّعَاءَ فَحْجُوبٌ حَتّٰى يُصَلِّيَ الدَّاعِي عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ“ کہ دعا بارگاہ الہی میں پیش نہ کی جائے گی جب تک کہ دعا کرنے والا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود شریف نہ پڑھے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی جب ارادہ کرے کہ وہ اللہ کے دربار میں التجا کرے ”فَلْيَبْدَأْ بِمَدْحِهِ وَثَنَاءِ هٖ عَلَيْهِ“ تو پہلے اپنے رب کی اس کی شان کے مطابق مدح و ثناء کرے ”ثُمَّ يُصَلِّيْ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ“ پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود پڑھے ”ثُمَّ لِيَسْئَلْ وَاِنَّهُ اجْدَرُ اَنْ يَنْجَحَ“ پھر اپنے رب سے التجا کرے تو امید کی جاسکتی ہے کہ

اس کی دعا ضرور قبول ہوگی۔

حضرت ابن عطاء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں دعا کے کچھ ارکان ہوتے ہیں کچھ اسباب ہوتے ہیں اور قبولیت کے اوقات ہوتے ہیں اگر دعا اس کے ارکان کے مطابق ہو تو طاقتور ہوتی ہے اگر اس کے پر ہوں تو آسمان پر پرواز کر جاتی ہے اور قبولیت کی گھڑیوں میں دعا کی جائے تو کامیاب ہوتی ہے اگر اس کے اسباب مہیا ہوں تو قبول ہوتی ہے ”فَارْكَانُهُ حُضُورُ الْقَلْبِ وَالرَّقَّةُ وَالْإِسْتِكَانَةُ وَالْخُشُوعُ وَتَعَلُّقُ الْقَلْبِ بِاللَّهِ وَقَطْعُهُ الْأَسْبَابِ“ دعا کے ارکان دل کا حاضر ہونا عاجزی و انکساری، خشوع و خضوع کا ہونا اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ دل کا تعلق اور تمام مادی و ظاہری سببوں اور اسباب سے منقطع ہونا اور دعا کی قبولیت کے اوقات سحری کے اوقات ہیں اس کے اسباب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود و سلام بھیجنا ہیں۔

ان احادیث و آثار سے دعا کی قبولیت اور دعا مانگنے کا طریقہ واضح اور ثابت ہو گیا۔ اسی لئے ہم دعا سے پہلے اللہ جل مجدہ کی حمد و ثناء کرتے ہیں پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار عالی میں ہدیہ درود پیش کرتے ہیں اور پھر اپنے اور دیگر اہل ایمان کے لئے مانگتے ہیں جو کچھ بھی مانگتے ہیں اور دعا ختم بھی حمد و ثناء اور درود شریف پر ہی کرتے ہی اور کوشش کرتے ہیں کہ بوقت دعا الفاظ دعا میں عجز و انکساری ہو آنکھوں سے آنسو جاری ہو یا کم از کم چہرے پر رونے کے آثار ہوں رہا معاملہ حضور قلب اور خلوص نیت کا تو دلوں کا مالک اللہ ہی ہے وہی دلوں کا حال جاننے والا بھی ہے ہمیں یہی کوشش کرنا چاہئے کہ بوقت دعا دل اللہ ہی کی طرف لگا ہو اور سارے ظاہری و مادی اسباب کو بھول کر اس ہی سے بھیک مانگ رہے ہوں تو نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد کے مطابق ہمیں اپنی دعاؤں کی قبولیت کا یقین ہو گا اور اگر دعا مجمع میں کی جائے تو باوازا بلند کی جائے تاکہ دوسرے اہل ایمان کی آئین ہماری دعاؤں کی قبولیت کا ذریعہ ہو۔ اللہ ہماری دعاؤں کو قبول فرمائے۔

مَوْلَايَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلَى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمْ

مزید ارشادات ملاحظہ ہوں میرے آقا ﷺ فرماتے ہیں اس کی ناک خاک آلود ہو ”ذُكِرْتُ عِنْدَهُ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيَّ“ جس نے میرا اسم گرامی سنا اور مجھ پر درود شریف نہ پڑھا۔

نیز آپ ﷺ نے فرمایا: ”مَنْ صَلَّى عَلَيَّ فِي الْكِتَابِ لَمْ تَزَلِ الْمَلَائِكَةُ تَسْتَغْفِرُ لَهُ مَا دَامَ اِسْمِي فِي ذَلِكَ الْكِتَابِ“ جس شخص نے کسی کتاب میں میرے نام کے ساتھ درود شریف لکھا تو

جب تک یہ کتاب رہے گی فرشتے اس کے لئے دعاء مغفرت کرتے رہیں گے، ﷺ

یعنی نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام چاہتے ہیں کہ ان کے غلام جب بھی ان کا نام پاک لیں سنیں یا لکھیں تو ان کے دربار میں ہدیہ درود پیش کریں۔ حضرت سفیان بن عیینہ رضی اللہ عنہ نے ہمیں اس کا فائدہ بتاتے ہوئے بیان کیا کہ کسی عالم کا ایک ہم سبق حدیث شریف کا طالب علم تھا اس کے انتقال کے بعد انہوں نے اسے خواب میں دیکھا کہ وہ سبز لباس میں

نہایت ہی خوش و خرم ٹہل رہا ہے انہوں نے اس سے پوچھا تمہارا کیا حال ہے یہ اللہ کا انعام اور یہ خوشی و مسرت تمہیں سب کیسے نصیب ہوا۔ اس نے بتایا کہ میری یہ عادت تھی کہ میں ہمیشہ حضور ﷺ کے نام مبارک کے ساتھ درود شریف ضرور لکھا کرتا تھا پس اللہ نے اپنے فضل و کرم سے یہ مجھے اس کا صلہ عطا فرمایا ہے (اے اللہ تو جانتا ہے کہ ہم نے بھی ہمیشہ تیرے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نام مسعود کے ساتھ درود شریف لکھا جب آپ کا نام لیا یا سنا تو درود شریف پڑھا اور تعظیماً اپنے انگوٹھے چوم کر اپنی آنکھوں سے لگائے پس اے اللہ تو اپنے نیکوں کے طفیل ہمارے اس عمل کو قبول فرمائے اور درود شریف سے ہماری آنکھوں کو ٹھنڈا کر دے اور اس کی برکت سے ہمارے گناہوں کو معاف فرمادے) ”فصلی اللہ علی النبی الامی والہ وصحبہ اجمعین۔“

ایک ایمان افروز بات اور ملاحظہ ہو حضرت عبداللہ بن حکم رحمۃ اللہ علیہ بتاتے ہیں کہ میں نے حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں دیکھا تو ان سے پوچھا کہ فرمائیے اللہ رحیم و کریم نے بعد موت آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا پس آپ نے فرمایا ”رَحِمْنِي وَغَفِرْ لِي وَزَفِّنِي إِلَى الْجَنَّةِ كَمَا تُزَفُّ الْعُرُوسُ وَنَثِّرْ عَلَيَّ كَمَا يُنْثَرُ عَلَى الْعُرُوسِ“ میرے رب کریم نے مجھ پر بڑا ہی رحم فرمایا اور میری بخشش کر دی۔ مجھے دہن کی طرح آراستہ و پیراستہ کر کے جنت میں بھیجا گیا اور مجھ پر جنت کے پھول نچھاور کئے گئے جس طرح دہن پر نچھاور کئے جاتے ہیں۔ حضرت عبداللہ کہتے ہیں میں نے حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ آپ پر رب کریم کی ان عنایات کا سبب کیا ہے پس آپ نے بتایا یہ صلہ ہیں اس درود عظیم کا جو میں نے اپنی کتاب ”الرسالہ“ میں لکھا ہے اور وہ درود شریف یہ ہے:

”وَصَلَّى اللّٰهُ عَلَى مُحَمَّدٍ عَدَدَ مَا ذَكَرَهُ الذَّاكِرُونَ وَعَدَدَ مَا غَفَلَهُ الْغَافِلُونَ“

حضرت عبداللہ بن حکیم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں بیدار ہوا تو میں نے الرسالہ میں اس درود شریف کو تلاش کیا اور بعینہ اسی طرح لکھا ہوا پایا (اے کریم مولا صدقہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا ہمارے گناہوں کو بھی درود شریف کی برکت سے معاف فرمادے آمین)۔

مَوْلَايَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلَى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمْ

حضرت علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے بتایا کہ قیامت کے دن دربار الہی میں محدثین حاضر ہوں گے اور ان کے ہاتھوں میں دو اتمیں ہوں گی جن سے وہ احادیث رسول اللہ ﷺ لکھا کرتے تھے اللہ تعالیٰ حضرت جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام سے فرمائے گا ان سے پوچھو یہ کون ہیں اور کیا چاہتے ہیں؟ وہ عرض کریں گے ہم حدیث لکھنے اور پڑھنے والے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہو گا کہ جاؤ جنت میں داخل ہو جاؤ کیونکہ تم (احادیث لکھتے اور پڑھتے وقت) میرے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام پر بکثرت درود پڑھا کرتے تھے۔ (اللہم اجعلنا منهم ومعهم)

حضرت شیخ ابن حجر کی رحمۃ اللہ علیہ نے بتایا کہ ایک شخص حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اسم گرامی کے ساتھ صرف صلی اللہ علیہ لکھا کرتا تھا و سلم نہیں لکھتا تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خواب میں اس سے فرمایا کہ تم کیوں اپنے آپ کو چالیس

نیکوں سے محروم رکھتے ہو یعنی وسلم میں چار حروف ہیں ہر حرف کے بدلے دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔

مواہب الدنیہ میں ہے کہ قیامت کے دن جب کسی مؤمن کی نیکیوں کا وزن کم ہوگا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام انگلی کے برابر ایک کاغذ کا کٹڑا میزان میں رکھ دیں گے جس سے اس کی نیکیوں کا پلہ وزنی ہو جائے گا یہ دیکھ کر وہ مؤمن کہے گا میرے ماں باپ آپ پر قربان آپ کون ہیں؟ آپ کی صورت و سیرت بہت ہی اچھی ہے۔ آپ فرمائیں گے میں تیرا نبی ہوں (علیہ الصلوٰۃ والسلام) اور یہ درود شریف ہے جو تو مجھ پر پڑھا کرتا تھا اور آج تیری ضرورت کے وقت میں نے تجھے اس کا بدلہ دے دیا ہے۔

واضح رہے کہ حضور ﷺ قیامت کے دن تین مقامات پر ہم غلاموں کی نگرانی فرما رہے ہوں گے حوض کوثر پر کہ کوئی پیاسا تو نہ رہا۔ میزان پر کہ کسی کے اعمال حسنہ کا پلہ ہلکا تو نہ رہا صراط پر کہ سب غلام بعافیت اس سے گزر رہے ہیں، ﷺ علماء فرماتے ہیں

جمہور علماء کرام کے نزدیک حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود پڑھنا اور آپ کے اسم گرامی کے ساتھ درود لکھنا واجب ہے چند علماء کرام کے ارشادات ملاحظہ ہوں:

امام یوسف بن عمر بن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ علمائے اندلس کے شیخ اور اپنے زمانہ کے بہت بڑے محدث تھے ۸۰ھ میں وصال ہوا ان کی کتاب ”استدکار“ نہایت مشہور ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ علماء کا اس مسئلہ پر اتفاق ہے کہ ارشاد باری تعالیٰ کے مطابق مؤمن کے لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود شریف پڑھنا فرض ہے۔

عطاء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

”اَكْثِرُوا مِنَ الصَّلَاةِ عَلَيَّ يَوْمَ الْجُمُعَةِ“ جمعہ کے دن مجھ پر بکثرت درود پڑھا کرو کیونکہ اس دن فرشتے حاضر ہوتے ہیں اور جو مجھ پر درود پڑھتا ہے اس کا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! کیا حضور کی وفات کے بعد بھی آپ نے فرمایا میری وفات کے بعد بھی اس کا درود مجھ پر پیش کیا جاتا رہے گا کیونکہ ”اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلٰی الْاَرْضِ اَنْ تَاْكُلَ جَسَادَ الْاَنْبِيَاءِ فَسَبَّ اللّٰهُ حَتّٰی يُرْزَقَ“ بیشک اللہ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاء (علیہم السلام) کے جسموں کو کھائے پس اللہ کا نبی بعد وفات بھی زندہ رہتا ہے اور اسے رزق دیا جاتا ہے۔

یہ ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث ہے اور علماء نے بعد تحقیق اس کے متعلق مراحت کی ہے کہ اس کے تمام راوی ثقہ قابل اعتماد ہیں لہذا اس میں کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔

سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ”صَلُّوْا فِیْ بُیُوتِکُمْ وَلَا تَتَّخِذُوْهَا قُبُوْرًا“ اپنے گھروں میں (بھی) نمازیں پڑھا کرو انہیں قبرستان نہ بنا دو۔” وَلَا



تَتَّخِذُوا بَيْتِي عَيْدًا“ نیز میرے گھر کو عید نہ بناؤ (کہ عید کی طرح سال میں صرف دو مرتبہ حاضری دو) ”وَصَلُّوا عَلَيَّ وَسَلِّمُوا فَإِنَّ صَلَوَاتِكُمْ وَسَلَامَكُمْ يَبْلُغْنِي أَيْنَمَا كُنْتُ“ اور مجھ پر صلوٰۃ و سلام پیش کرتے رہا کرو کیونکہ تمہارا صلوٰۃ و سلام مجھے پہنچتا رہتا ہے میں کہیں بھی ہوں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے ”خَبِثَ مَا كُنْتُ فَصَلُّوا عَلَيَّ فَإِنَّ صَلَوَاتِكُمْ تَبْلُغْنِي“ میں کہیں بھی ہوں تم مجھ پر درود پڑھتے رہا کرو کیونکہ تمہارا درود مجھے پہنچتا رہتا ہے۔

نعیم بن ضمیم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ عمران بن حمیری رضی اللہ عنہ نے مجھ سے کہا کیا میں تمہیں ایک حدیث شریف نہ سناؤں۔ میں نے عرض کیا ضرور سنائیے تو انہوں نے بتایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اللہ کا ایک فرشتہ ہے جسے اللہ نے تمام مخلوق کی آواز سننے کی قوت عطا فرمائی ہے وہ میری وفات کے بعد سے میری قبر انور پر مقرر ہے ”فَلَيْسَ أَحَدٌ يُصَلِّي عَلَيَّ صَلَوةً“ تو جو بھی مجھ پر درود پڑھتا ہے یہ فرشتہ کہتا ہے ”يَا مُحَمَّدُ صَلِّ عَلَيْكَ فَلَانُ ابْنُ فَلَانٍ“ اے محمد (صلی اللہ علیک وسلم) فلاں ابن فلاں نے آپ کے دربار میں ہدیہ درود پیش کیا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا پس اللہ اس شخص پر ایک مرتبہ درود کے بدلہ دس مرتبہ اپنی رحمت نازل فرماتا ہے۔

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بتایا کہ اللہ کا ایک فرشتہ ہے جو تمام بندوں کی باتیں سننے کی قوت رکھتا ہے ”فَلَيْسَ مِنْ أَحَدٍ يُصَلِّي عَلَيَّ صَلَوةً“ تو جب بھی میرا کوئی غلام مجھ پر درود شریف پڑھتا ہے تو وہ مجھے بتاتا ہے اور میں نے اپنے رب سے گزارش کی ہے کہ مولا تیرا جو بندہ بھی مجھ پر ایک مرتبہ درود شریف پڑھے تو اس پر دس مرتبہ اپنی رحمت نازل فرما۔

امام ابو العباس احمد بن عمر بن ابراہیم قرطبی رحمۃ اللہ علیہ اندلس کے مشہور علماء میں شمار ہوتے ہیں فرماتے ہیں کہ اس سے کسی کو اختلاف نہیں کہ زندگی میں ایک مرتبہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود شریف پڑھنا سنن موکدہ کی طرح واجب ہے حتیٰ کہ ابن عطیہ نے (جو دمشق کے مشہور عالم تھے ۲۸۲ھ میں وصال ہوا۔ ان کی تفسیر ”ابن عطیہ“ مشہور ہے) بھی فرمایا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود پڑھنا سنن موکدہ کی طرح واجب ہے جس کا ترک کرنا قطعاً اچھا نہیں اس کا رخصت سے وہی غافل ہو سکتا ہے جس میں خیر کا عنصر بالکل ہی نہ ہو۔

امام ابو عبد اللہ محمد بن ادریس شافعی رضی اللہ عنہ مشہور محدث اور مجتہد تھے ساری دنیا میں ان کے مقلدین موجود ہیں انہوں نے امام مالک اور امام محمد بن حسن شیبانی رضی اللہ عنہما سے استفادہ کیا۔ عبادت و ریاضت اور زہد و تقویٰ میں بلند مقام رکھتے تھے ۲۰۳ھ میں وصال ہوا مزار مبارک مصر کے شہر فراقہ میں ہے۔ فرماتے ہیں نماز کے آخری قعدے میں درود شریف پڑھنا واجب ہے اور حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ کے بعض شاگردوں کا بھی یہی مسلک ہے لیکن بعض علماء نے بلا تعین تعداد

بکثرت درود شریف پڑھنا ضروری قرار دیا ہے (امام مالک بن انس رضی اللہ عنہ حدیث کے امام اور عظیم مجتہد تھے عشق رسول ﷺ میں دیوانے تھے ساری زندگی مدینہ منورہ ہی میں گزار دی کسی دوسرے شہر نہ گئے کہ کہیں موت نہ آجائے اور مدینہ منورہ کی مقدس زمین سے محرومی ہو جائے۔ بالآخر ۷۹ھ میں مدینہ منورہ ہی میں وصال کی سعادت نصیب ہوئی اور جنت البقیع شریف میں دفن ہوئے لیکن افسوس کہ اس عاشق رسول کے مزار پر انوار کا نام و نشان تک نہیں)۔

حضرت امام حافظ ابو جعفر بن محمد بن سلامہ المصری الطحاوی الحنفی رحمۃ اللہ علیہ عظیم محدث اور فقیہ تھے بہت کتابوں کے مصنف ہیں ۳۲۱ھ میں مصر میں وصال ہوا۔ فرماتے ہیں ہر مؤمن پر واجب ہے کہ وہ جب بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر سنے یا خود کرے تو درود شریف پڑھے۔

امام عبدالرحمن جلال الدین السیوطی الشافعی رحمۃ اللہ علیہ عظیم محدث اور عارف باللہ تھے ان کا وصال انیس جمادی الاولیٰ ۹۱۱ھ مصر میں ہوا۔ فرماتے ہیں جب آیت درود نازل ہوئی تو صحابہ کرام جوق در جوق بارگاہِ رحمت عالم ﷺ میں حاضر ہو کر آپ کو ہدیہ تبریک پیش کرنے لگے۔

غرضیکہ آقائے کائنات ﷺ کے دربار عالی میں درود شریف پیش کرنا واجب ہے حکم الہی ہے اس کی کثرت خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا پسندیدہ عمل ہے جس سے علم و عرفان میں زیادتی ہوتی ہے انشراح ذہن و قلب میسر آتا ہے۔ یہ قرب الہی کا زینہ ہے اس سے گناہوں کی تاریکی دور ہوتی ہے اور دل نور ایمان سے روشن ہو جاتا ہے۔ حجابات دور ہو جاتے ہیں اور کائنات ہتھیلی پر رائی کے دانہ کی طرح نظر آنے لگتی ہے۔ جو چاہتا ہے کہ عالم ماکان و یوں کے خزانہ علمی سے وافر حصہ حاصل کرے وہ اس خزانہ کے مالک پر درود شریف پڑھا کرے۔ درود شریف سنۃ الہیہ ہے، ملائکہ کا معمول ہے صحابہ کرام کا ذوق ہے۔ اولیاء اصفیاء کا وطیرہ ہے۔ علماء کرام کا معمول ہے اس سے موت کی شدت آسان ہوتی ہے۔ نکرین کا خوف زائل ہوتا ہے، عذاب قبر دور ہوتا ہے، قبر کی تاریکی سے نجات ملتی ہے، وسعت قبر میسر آتی ہے، درود شریف پڑھنے والوں کے چہروں پر نور کی بارش ہوتی ہے، ان کے چہرے پر کشش ہو جاتے ہیں، فصلی اللہ علی سیدنا محمد وعلی آلہ وصحبہ اجمعین۔

مَوْلَايَ صَلَّى وَسَلَّم دَائِمًا أَبَدًا  
عَلَى حَبِيبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمْ  
تین اہم مسائل

اس موقع پر تین اہم مسائل کی وضاحت کر دینا ضروری ہے کیونکہ اکثر لوگ ان سے متعلق غلط فہمیوں کا شکار رہتے اور کچھ لوگ یہ غلط فہمیاں پیدا کرنے اور ان میں اضافہ کرنے کی خدمت انجام دیتے ہیں۔  
پہلا مسئلہ یہ ہے کہ ہمارا درود شریف حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پہنچتا ہے یا نہیں۔  
دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تسلیم ہمارا درود پڑھنا سنتے ہیں یا نہیں۔  
تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تسلیم درود پڑھنے والے غلام کو پہنچاتے ہیں یا نہیں نیز کیا آپ اسے جواب

دیتے ہیں یا نہیں۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا میری زندگی بھی تمہارے لئے بہتر ہے اور میری وفات بھی تمہارے لئے بہتر ہے تمہارے اعمال میری خدمت میں پیش کئے جاتے ہیں اگر میں تمہارے اچھے اعمال کو دیکھتا ہوں تو اللہ کی حمد کرتا ہوں (شکر ادا کرتا ہوں اور خوش ہوتا ہوں) اور تمہارے گناہ دیکھتا ہوں تو تمہارے لئے استغفار کرتا ہوں۔

کیسے پیارے رؤف رحیم آقا ہیں ہمارے ﷺ کہ ہمارے اچھے اعمال دیکھ کر خوش ہوتے اور اپنے رب کا شکر ادا کرتے ہیں اور ہمارے گناہوں سے انہیں تکلیف ہوتی ہے پھر بھی کرم فرماتے ہیں کہ ہماری درخواست سے پہلے ہی ہمارے لئے دعائے مغفرت کرواتے ہیں کہ ہم خطاوار ہیں تو کیا ہوا، ہیں تو انہی کے ان کے سوا ہمارا سہارا اور وسیلہ کون ہے۔ رب کریم کا ارشاد ہے: ”لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَؤُوفٌ رَحِيمٌ“ بیشک تمہارے پاس تم ہی میں سے ایسا رسول آیا جسے تمہارا براہوں میں مبتلا ہونا دشوار معلوم ہوتا ہے وہ تمہارے لئے نیکیوں کا خواہاں رہتا ہے مسلمانوں پر بڑا ہی مہربان رحم فرمانے والا ہے، ﷺ

حضرت ایوب سختیانی رحمۃ اللہ علیہ بتاتے ہیں کہ درود شریف پڑھنے والے کے لئے ایک فرشتہ مقرر کیا جاتا ہے جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ عالی میں اس کا ہدیہ درود پہنچاتا رہتا ہے۔

قاضی اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا کہ حضرت سلیمان حکیم رضی اللہ عنہ نے خواب میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت کی تو پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! جو لوگ آپ کی بارگاہ میں دو دروازے سے درود شریف پیش کرتے ہیں اور سلام عرض کرتے ہیں کیا وہ آپ کے دربار میں پہنچتا ہے پس حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہم ان کے درود و سلام کو سنتے بھی ہیں اور جواب بھی دیتے ہیں۔

حضرت ابراہیم بن شیبان رحمۃ اللہ علیہ اپنے اوپر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کرم بیان کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں حج سے فارغ ہو کر مدینہ منورہ حاضر ہوا میں نے سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کے روضہ انور پر حاضر ہو کر سلام عرض کیا تو حجرہ انور کے اندر سے آواز آئی وعلیک السلام۔

حضرت ابو الخیر قطع رحمۃ اللہ علیہ اپنا حال بیان کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں مدینہ منورہ حاضر ہوا اور فاقہ کشی سے میری حالت بری ہو چکی تھی۔ پانچ دن گزر گئے تھے اور ایک دانہ بھی کھانے کے لئے میسر نہ آیا تھا۔ پس میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار میں حاضر ہوا۔ آپ کے اور حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے دربار میں صلوٰۃ و سلام پیش کرنے کے بعد میں نے عرض کیا ”يَا رَسُولَ اللَّهِ اَنَا ضَيْفُكَ اللَّيْلَةَ“ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیک وسلم آج رات میں آپ کا مہمان ہوں۔ پھر میں منبر شریف کے پیچھے سو گیا۔ خواب میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت سے مشرف ہوا۔ حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما آپ کے دائیں بائیں تھے جبکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ کے

سامنے موجود تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مجھے جگایا فرمایا ابو الخیر اٹھو۔ سرکار تشریف فرما ہیں میں اٹھا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ ”وَقُلْتُ بَيْنَ عَيْنَيْهِ“ اور میں نے آپ کی دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھے ایک روٹی عنایت فرمائی میں نے آدھی روٹی کھائی تھی کہ میری آنکھ کھل گئی میں نے دیکھا تو آدھی روٹی میرے سامنے رکھی ہوئی تھی، صلی اللہ علی النبی الامی وعلی الہ وصحبہ اجمعین۔

یہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ کوئی مسلمان جب مجھ پر سلام عرض کرتا ہے تو چاہے وہ مشرق میں ہو یا مغرب میں ہو میرے رب کے فرشتے اس کو سلام کا جواب دیتے ہیں کسی نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ! جب کوئی مدینہ منورہ ہی میں سلام عرض کرتا ہے تو اس کے بارے میں آپ کیا کرتے ہیں فرمایا کریم کا جو برتاؤ اپنے پڑوسی سے ہوتا ہے۔

یعنی ایک کریم النفس شخص کو جو برتاؤ اپنے پڑوسی کے ساتھ کرنا چاہئے وہی میں اہل مدینہ کے ساتھ کرتا ہوں کہ پڑوسی کا حق دوسرے سے زیادہ ہوتا ہے۔ میرے آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام تو وہ ہستی ہیں جنہوں نے اپنے غلاموں کو پڑوسیوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کی تعلیم دی تو وہ خود ان کے ساتھ کیا برتاؤ کرتے ہوں گے جو ان کے پڑوسی ہیں اور ان کے دربار عالی پر حاضر ہو کر درود و سلام پیش کرتے ہیں اندازہ لگائیے ان پر آپ کا ابر رحمت کتنا برستا ہوگا، صلی اللہ علیہ والہ وصحبہ اجمعین۔

حضرت امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جب مزار پر انوار پر حاضر ہونے والوں کا جواب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام عطا فرماتے ہیں تو اس سے ثابت ہوتا ہے ”رَدُّهُ عَلَى مَنْ يُسَلِّمُ مِنْ جَمِيعِ الْأَفَاقِ“ کہ آفاق عالم میں جو غلام بھی آپ پر درود و سلام پیش کرتا ہے آپ اس کا جواب عنایت فرماتے ہیں۔

عبداللہ بن مکی فرماتے ہیں کہ میں نے ابو الفضل القرمسانی کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ایک آدمی خراسان سے میرے پاس آیا اس نے بتایا کہ میں مسجد نبوی شریف میں سویا ہوا تھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت سے مشرف ہوا آپ نے فرمایا جب تم بہمان جاؤ تو ابو الفضل بن زریک کو ہمارا سلام پہنچانا میں نے آپ سے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ! اپنے ایک غلام پر آپ کا اس قدر کرم کی کیا وجہ ہے؟ آپ نے فرمایا وہ مجھ پر ہر روز سومرتبہ درود شریف پڑھتا ہے وہ شخص حاضر ہوا اور اس نے ابو الفضل کو سرکار ﷺ کا سلام پہنچایا اور کہا برائے کرم مجھے بھی وہ درود مبارک بتا دیجئے جو سرکار کے دربار میں اس قدر مقبول ہے پس انہوں نے فرمایا میں ہر روز یہ درود شریف پڑھتا ہوں:

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ الْأَمِيِّ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ جَزَى اللَّهُ  
مُحَمَّدًا عَنَّا مَا هُوَ أَهْلُهُ.

محمد بن مالک نے بیان کیا کہ میں بغداد شریف ابو بکر بن مجاہد المقری سے قرأت سیکھنے کے لئے حاضر ہوا ایک روز ہم سب ان کی خدمت میں حاضر تھے کہ ان کے پاس ایک بزرگ آئے جو پرانا عمامہ باندھے ہوئے اور بوسیدہ کرتا پہنے

ہوئے تھے اور انہوں نے ایک نہایت پرانی سی چادر اوڑھ ہوئی تھی ہمارے استاد انہیں دیکھ کر تعظیماً کھڑے ہو گئے اور اپنی مسند پر بٹھایا ان سے، ان کا، ان کے اہل و عیال کا حال پوچھا خیر و عافیت سے فارغ ہو کر ان بزرگ نے بتایا آج رات میرے گھر بچہ پیدا ہوا ہے۔ اہل خانہ نے مجھ سے کہا کہ گھی اور شہد لاؤ لیکن میرے پاس تو پھوٹی کوزی بھی نہیں ان کی فرمائش کیسے پوری کروں۔ تھوڑی دیر بعد وہ صاحب چلے گئے۔ شیخ ابو بکر فرماتے ہیں رات کو میں سو گیا لیکن میرا دل ان بزرگ کی حالت سن کر بہت مغموم تھا۔ خواب میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت ہوئی آپ نے پوچھا اے ابو بکر کیا بات ہے تم اس قدر غمزہ کیوں ہو میں نے سرکار کو ان کے ایک غلام کی پریشانی بتائی۔ آپ نے فرمایا اٹھو اور علی بن الوزیر کے پاس جاؤ اسے میرا سلام پہنچاؤ اور اپنا تعارف کراؤ نیز بطور نشانی اسے بتاؤ کہ وہ ہر جمعہ کی شب ایک ہزار درود شریف پڑھتا ہے لیکن ایک رات سات سو مرتبہ ہی درود پڑھ پایا تھا کہ اسے خلیفہ کے دربار میں حاضر ہونا پڑا وہاں سے فارغ ہو کر اس نے بقیہ تین سو مرتبہ درود پڑھا اس سے کہو کہ اگر یہ نشانی صحیح ہے تو تم ان بزرگ کو سودینا پیش کرو تا کہ وہ اپنے اہل خانہ کی فرمائش پوری کر سکیں۔

راوی کہتا ہے کہ حضرت ابو بکر رحمۃ اللہ علیہ ان بزرگ کو لے کر وزیر کے گھر پہنچے اور جو کچھ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بتایا تھا وزیر سے کہا وزیر سن کر بے حد خوش ہوا اس نے فوراً دیناروں کی ایک تھیلی منگائی اور سودینا ان بزرگ کو پیش کئے اور سودینا حضرت ابو بکر رحمۃ اللہ علیہ کو دینا چاہے لیکن آپ نے اس کے اصرار کے باوجود قبول نہیں فرمائے۔

شیخ ابو عمر سمرقندی بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ حرم شریف، عرفات و منیٰ ہر جگہ صرف درود شریف پڑھ رہا ہے۔ میں نے اس سے کہا اللہ کے بندے ہر مقام کے لئے مختلف دعائیں موجود ہیں تم وہ کیوں نہیں پڑھتے اس شخص نے مجھے اپنا واقعہ سنایا کہ:

میں حج کے لئے خراسان سے روانہ ہوا راستہ میں میرا باپ بیمار ہوا اور اس کا انتقال ہو گیا۔ میں نے اسے چادر اوڑھادی تھوڑی دیر بعد جب میں نے چادر ہٹائی تو یہ دیکھ کر میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ اچانک اس کا چہرہ بالکل سیاہ ہو گیا تھا۔ مجھے بہت صدمہ ہوا اور اسی حال میں بیٹھے بیٹھے میں سو گیا۔ خواب میں میں نے دیکھا کوئی شخص میرے والد کے پاس آیا اس نے چادر ہٹائی چہرہ دیکھ کر چادر پھر اوڑھادی اس شخص نے مجھ سے پوچھا بھائی تم اس قدر غمزہ اور افسردہ کیوں ہو میں نے اسے سارا حال بتایا اس نے کہا ذرا اب اپنے باپ کا چہرہ تو دیکھو میں نے اس کی چادر ہٹائی تو دیکھا کہ چہرہ چودھویں کے چاند کی مانند چمک رہا ہے میں نے اس مہربان سے پوچھا اللہ مجھے بتائیے آپ کون ہیں اور یہ کیا ماجرا ہے؟ انہوں نے فرمایا ”انا المصطفیٰ“ میں محمد مصطفیٰ ﷺ ہوں میں ان کے احترام میں کھڑا ہو گیا اور ان کی چادر پکڑ کر عرض گزار ہوا ”بِحَقِّ اللَّهِ يَا سَيِّدِي يَا رَسُولَ اللَّهِ إِلَّا تَبْنِي بِالْقِصَّةِ“ اے میرے آقا صلی اللہ علیک وسلم اللہ کے واسطے مجھے یہ قصہ بتائیے، پس آپ نے فرمایا:

”یہ تیرا باپ سود کھایا کرتا تھا اور اللہ تعالیٰ سود خور کے چہرے کو موت کے بعد دنیا ہی میں یا آخرت میں گدھے کی مانند کر دیتا ہے لیکن تیرے باپ کا ایک عمل آج اس کے کام آگیا اور وہ یہ کہ وہ ہر رات مجھ پر سو مرتبہ درود شریف پڑھا کرتا تھا۔

جب تیرے باپ کا یہ حال ہونے لگا تو وہ فرشتہ جو امتیوں کے اعمال میرے دربار میں پیش کرتا ہے حاضر ہوا اور اس نے مجھے اس کا حال بتایا۔ پس میں نے اس کے لئے اللہ سے دعا کی اللہ نے اس کے حق میں میری سفارش قبول فرمائی اور اس کے گناہ کو معاف کر دیا۔“

راوی کہتا ہے کہ میری آنکھ کھل گئی میں نے اپنے باپ کا چہرہ دیکھا تو وہ ایسا ہی چمک رہا تھا جیسا میں نے خواب میں دیکھا تھا میں نے اللہ کا شکر ادا کیا اور باپ کی تجہیز و تکفین اور تدفین کے بعد میں کچھ دیر کے لئے اس کی قبر ہی کے پاس بیٹھا رہا کہ مجھے نیند آگئی تو میں نے کسی کہنے والے کی آواز سنی جو کہہ رہا تھا کہ تیرے باپ پر اللہ کا یہ کرم صرف درود شریف کی برکت سے ہوا ہے۔ اس وقت سے میں نے قسم کھائی ہے کہ میں درود شریف کے سوا کوئی وظیفہ نہ پڑھوں گا چاہے میں کسی بھی مقام پر ہوں۔

محمد بن حسین حرانی کہتے ہیں کہ میرا ایک بڑوسی تھا جس کا نام الفضل تھا وہ بکثرت روزہ رکھتا اور نماز پڑھتا تھا۔ وہ احادیث بھی لکھا کرتا تھا لیکن کبھی حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم پر درود نہ پڑھتا تھا۔ اس نے خود ہی بتایا کہ ایک دن میں نے آقا ﷺ کی بحالت خواب زیارت کی۔ آپ نے فرمایا اے فضل تو کیوں نہیں میرے ذکر کے وقت درود شریف پڑھتا اور کیوں نہیں میرے نام کے ساتھ درود شریف لکھتا پس اس دن سے میں نے بکثرت درود شریف لکھنا اور پڑھنا شروع کر دیا۔

پھر ایک مرتبہ مجھے شرف زیارت نصیب ہوا تو سرکار ﷺ نے مجھ سے فرمایا ”بَلِّغْتَنِي صَلَوَتِكَ عَلَيَّ“ تمہارا درود شریف مجھے پہنچتا ہے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا میرے نام کے ساتھ اس طرح درود شریف لکھا کرو ”صَلَّى اللہ علیہ وسلم“ کہ سَلَّمَ میں چار حرف ہیں ہر حرف کے بدلے دس نیکیاں ملتی ہیں، سَلَّمَ نہ کہنے نہ لکھنے سے تو چالیس نیکیوں سے محروم ہو جاتا ہے۔

ایک شخص پانچ سو درہم کا مقروض تھا اور قرض کی وجہ سے نہایت متفکر و پریشان رہتا تھا۔ ایک رات بحالت خواب نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی زیارت سے مشرف ہوا۔ غلام نے آقا سے اپنی پریشانی اور ضرورت بیان کی۔ سرکار ﷺ نے اسے حکم دیا کہ تم ابوالحسن کیسائی کے پاس جاؤ اور میرا پیغام دو کہ وہ تمہیں پانچ سو درہم دے دے کیونکہ ابوالحسن بہت ہی نخی ہے وہ ہر سال دس ہزار غریبوں کو کپڑا دیتا ہے اگر وہ تم سے کوئی نشانی طلب کرے تو بتا دینا کہ تم ہر روز دربار رسالت میں سو مرتبہ درود شریف پڑھتے ہو لیکن کل رات تم نے تحفہ درود پیش نہیں کیا۔

وہ شخص بیدار ہوا اور سیدھا ابوالحسن کیسائی کے پاس پہنچا اور اپنی حاضری کا سبب بیان کیا لیکن انہوں نے اس کی طرف کوئی توجہ نہ کی تو اس نے کہا کہ مجھے حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے بھیجا ہے اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ کل آپ نے حسب معمول سرکار کے دربار میں تحفہ درود پیش نہیں کیا۔ یہ سنتے ہی ابوالحسن اپنے تخت سے نیچے آئے اور اللہ کے دربار میں سجدہ شکر ادا کیا اور کہنے لگے میرے بھائی یہ تو میرے اور اللہ کے درمیان راز تھا کوئی یہ بات نہیں جانتا تھا واقعی کل میں درود شریف کی سعادت سے محروم رہا۔

پھر ابوالحسن نے اپنے خزانچی کو حکم دیا کہ انہیں دو ہزار پانچ سو درہم پیش کر دو اور کہا کہ بھائی پانچ سو درہم آپ کی

ضرورت کے لئے ہیں ہزار بطور شکرانہ قبول فرمائیے کہ آپ نے مجھے میرے آقا ﷺ کا پیغام پہنچایا اور ہزار درہم میں آپ کو پیش کرتا ہوں کہ آپ یہاں تشریف لائے اور آئندہ جب بھی کوئی ضرورت ہو بلا تکلف آپ تشریف لایا کریں۔

ان احادیث مبارکہ آثار اور واقعات کا آپ نے مطالعہ کیا جو تحقیق معتبر اور صحیح ہیں ان میں کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش نہیں ان سے وہ تینوں مسئلے حل ہو گئے جو ہم نے اوپر بیان کئے اسی لئے ہمارا یہ عقیدہ ہے اور ہر مسلمان کا یہی عقیدہ و یقین ہونا چاہئے کہ:

نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہم گناہگاروں کا درود و سلام یقیناً پہنچتا ہے جو عقیدت و محبت کے ساتھ خلوص نیت سے درود پڑھتے ہیں ان کا درود حسین و خوبصورت اور مسکتے پھولوں کی صورت میں آپ کے دربار میں پیش ہوتا ہے اور ہمارا درود بھی پیش ہوتا ہے ضرور پیش ہوتا ہے چاہے اس کی صورت کیسی ہی ہو۔

اور اللہ کے رسول ﷺ جو بلاشبہ زندہ ہیں بنفس نفیس ہمارے درود تشریف کی آوازیں سنتے ہیں اور کوئی شک نہیں کہ وہ ان آوازوں کو سماعت فرما کر خوش بھی ہوتے ہیں۔

نیز آقا ﷺ اپنے ایک ایک غلام کو اس کے حسب و نسب کے ساتھ خوب پہچانتے ہیں بالخصوص ان غلاموں کو جو آپ کے دربار عالی میں درود کا تحفہ پیش کرتے رہتے ہیں۔

اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ آقا ﷺ کا یہ کرم بھی ہوتا ہے کہ آپ غلاموں کے سلام کا جواب بھی عنایت فرماتے ہیں چاہے کوئی قریب سے سلام پیش کرے یا دور سے کہ ہم تو آقا سے دور ہیں لیکن وہ یقیناً اللہ کے ارشاد ”النبی اولی بالمؤمنین“ کے مطابق اپنے غلاموں سے دور نہیں یہ ان پر ان کے رب کا خاص فضل و کرم ہے کہ فاصلے ہمیں ان سے دور نہیں کرتے ہم سب ان کی ایک نظر میں سمائے ہوئے ہیں بس شرط یہ ہے کہ ہمارا ان سے تعلق کیسا ہے کہ ان سے محبت و عقیدت اور ان کی اتباع و اطاعت ہمیں ان سے قریب تر کر دیتی ہے اور ان کا وسیلہ ہمیں ان کے رب سے قریب تر کر دیتا ہے۔ پس سلام کا جواب ضرور ملتا ہے اگر ہم ان کے قریب ہیں تو جواب کو ہم سنتے بھی ہیں اور ان سے مصافحہ و معانقہ کا شرف بھی حاصل کرتے ہیں اور اگر بد نصیبی سے ہم ان سے دور ہو گئے ہیں تب بھی وہ ضرور جواب دیتے ہیں ہم نہ سنیں تو اس کا سبب ہماری دوری ہے۔

غور کیجئے جس پر ہم دن رات درود پڑھتے ہیں اگر اس تک ہمارا درود پہنچتا ہی نہیں وہ ہمیں پہچانتا ہی نہیں وہ ہمارے درود کی آواز سنتا ہی نہیں تو اس عمل کا فائدہ ہی کیا رہا پس گمراہوں اور گمراہی سے اپنے آپ کو بچائیے خود درود شریف پڑھئے۔

محبت و عقیدت اور اس یقین کے ساتھ پڑھئے کہ وہ ہماری آوازیں سن رہے ہیں ہمیں دیکھ رہے ہیں ہمارے درود و سلام کا جواب دے رہے ہیں، اللہ قبول کرے آمین۔

عَلَى حَبِيبِكَ خَيْرُ الْخَلْقِ كُلِّهِمْ

مَوْلَايَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا

درود شریف کی برکتیں

چند روایات ملاحظہ ہوں جن سے درود شریف کی برکتیں واضح ہوتی ہیں:

مقاصد السالکین کی ایک روایت ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف وحی بھیجی اور فرمایا اے موسیٰ! اگر دنیا میں میری حمد کرنے والے نہ ہوتے تو میں بارش کا ایک قطرہ بھی آسمان سے نازل نہ کرتا اور نہ ہی زمین سے کوئی دانہ پیدا ہوتا اور بہت سی چیزوں کا ذکر فرمایا پھر ارشاد ہوا اے موسیٰ! کیا تم چاہتے ہو کہ تمہیں میرا قرب حاصل ہو جیسے تمہارے کلام کو تمہاری زبان سے قرب ہے جیسے خطرات قلب کو دل کے ساتھ قرب ہے جیسے آپ کی روح کو آپ کے جسم کے ساتھ قرب ہے اور جیسے آپ کی نظر کو آپ کی آنکھوں سے قرب ہے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عرض کی ہاں، یا اللہ! میں تجھ سے ایسا ہی قرب چاہتا ہوں پس اللہ رب العزت جل مجدہ نے فرمایا تو تم میرے حبیب ﷺ پر درود شریف پڑھا کرو۔

مسالک الخفاء میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے فرمایا اگر آپ قیامت کے دن پیاس کی سختی سے محفوظ رہنا چاہتے ہیں تو میرے محبوب سید الانبیاء ﷺ پر بکثرت درود شریف پڑھا کریں۔

سعادت الدارین میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام میں روح ڈالی اور انہوں نے آنکھ کھولی تو سب سے پہلے عرش الہی پر لکھا دیکھا ”لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ“ پس آپ نے پوچھا اے اللہ یہ کون ہے؟ جس کا نام آپ کے مبارک نام کے ساتھ لکھا ہوا ہے اللہ نے فرمایا یہ میرا محبوب ہے جو تیری اولاد میں ہوگا اور میرے نزدیک یہ تجھ سے بھی زیادہ مکرم و معظم ہے اے آدم اگر میرا یہ محبوب نہ ہوتا تو نہ میں آسمان پیدا کرتا نہ زمین نہ جنت اور نہ دوزخ پھر جب اللہ تعالیٰ نے حضرت حوا علیہا السلام کو پیدا فرمایا اور آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں دیکھا تو پوچھا یہ کون ہے؟ اللہ نے فرمایا یہ حوا ہیں۔ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان سے نکاح کی خواہش ظاہر کی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان میں شہوت پیدا فرما دی تھی۔ اللہ نے فرمایا نکاح سے پہلے تمہیں ان کا مہر ادا کرنا ہوگا جو میرے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام پر دس مرتبہ درود پڑھنا ہے۔ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مہر ادا کیا اور آپ کا نکاح انسانوں کی ماں حضرت حوا علیہا السلام سے ہو گیا۔

درج ذیل عبارتیں بھی سعادت الدارین ہی میں ہیں:

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود شریف پڑھنا گناہوں کو ایسا صاف کر دیتا ہے جیسے پانی آگ کو بجھا دیتا ہے اور آپ پر سلام بھیجنا اللہ کی رضا کے لئے غلام آزاد کرنے سے افضل ہے اور آپ سے محبت کرنا اللہ کی راہ میں تلوار چلانے اور جانیں قربان کرنے سے افضل ہے۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں مجلسوں کی زینت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود پڑھنا ہے لہذا اپنی مجلسوں کو درود شریف سے مزین کیا کرو۔

سیدنا ابو بریرہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود پڑھنا جنت کا راستہ ہے۔

سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد گرامی ہے کہ جب جمعہ کا دن آئے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ہزار

مرتبہ درود شریف پڑھنا نہ بھولو۔



سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ درود پڑھنا، درود شریف پڑھنے والے کو اس کی اولاد کو اور اولاد کی اولاد کو رنگ دیتا ہے۔

سیدنا عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جمعہ کے دن علم کی اشاعت کرو اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود شریف کی کثرت کرو۔

سیدنا وہب بن منبہ رضی اللہ عنہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود شریف پڑھنے کو اللہ کی عبادت قرار دیا۔  
سیدنا امام زین العابدین رضی اللہ عنہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود شریف پڑھنے کو اہلسنت و جماعت کی علامت قرار دیا۔

سیدنا امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ جمعرات کو بوقت عصر اللہ تعالیٰ آسمان سے فرشتے بھیجتا ہے جن کے پاس چاندی کے ورق اور سونے کے قلم ہوتے ہیں وہ جمعرات کی عصر سے جمعہ کو غروب آفتاب تک زمین پر رہتے ہیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود شریف پڑھنے والوں کا درود لکھتے رہتے ہیں۔

سیدنا امام شافعی رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ مجھے یہ بات پسند ہے کہ انسان ہر حال میں درود پڑھتا رہے۔  
سیدنا ابن نعمان رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ اہل علم کا اس پر اتفاق ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود شریف پڑھنا تمام اوراد و وظائف سے افضل ہے اور دنیا و آخرت میں کامیابی و کامرانی کا یقینی ذریعہ ہے۔

فتح الربانی میں حضور سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی الغوث الاعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ”عَلَيْكُمْ بِلُزُومِ الْمَسَاجِدِ وَكَثْرَةِ الصَّلَاةِ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ“ اے ایمان والو تم مسجدوں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر کثرت درود کو لازم کرلو۔

حضرت عارف صاوی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ درود شریف کے ذریعہ بغیر مرشد کے قرب الہی نصیب ہو جاتا ہے کیونکہ دیگر اوراد و وظائف میں شیطان مداخلت کر لیتا ہے لیکن درود شریف میں خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مرشد ہیں لہذا شیطان کی مداخلت کا امکان نہیں۔

علامہ حافظ شمس الدین سخاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ایمان کے راستوں میں سب سے بڑا راستہ درود شریف ہے جبکہ محبت کے ساتھ، ادائے حق کی خاطر، تعظیم و توقیر کے لئے پڑھا جائے۔ درود شریف پر ہمیشگی کرنا ادائے شکر ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا شکر ادا کرنا ہر مؤمن پر واجب ہے کہ ہم پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بے شمار احسانات ہیں۔ آپ دوزخ سے ہماری نجات کا وسیلہ ہیں، جنت میں ہمارے جانے کا ذریعہ ہیں انہی کے واسطے سے ہمارے اعمال مقبول ہوتے ہیں۔ انہی کے وسیلہ سے ہمیں بلند ترین مراتب نصیب ہوتے ہیں۔

علامہ اقلیشی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں وہ کونسا وسیلہ شفاعت ہے اور کونسا عمل ہے جو زیادہ نفع دینے والا ہو اس ذات والا صفات پر درود پڑھنے سے جس ذات بابرکات پر اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں یقیناً اس ہستی گرامی پر درود پڑھنا

نورِ اعظم ہے اور یہ وہ تجارت ہے جس میں خسارہ و نقصان نہیں صبح و شام درود پڑھنا اولیائے کرام کی عادت ہے اے میرے عزیز تو درود پاک کو مضبوط پکڑ لے اس کی برکت سے تیرا عیب پاک ہوگا تیرے اعمال پاکیزہ ہوں گے اور تو انتہائی امیدوں کو حاصل کر لے گا اور قیامت کے خوف اور ہولناکی سے امن میں رہے گا۔

حضرت علامہ عراقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اے میرے عزیز تو اس ذات پاک پر درود کی کثرت کر جو سید السادات ہے جو سعادتوں کی کان ہیں کیونکہ ان پر درود پڑھنا خوشیوں کو حاصل کرنے کا ذریعہ ہے اور نفیس ترین رحمتوں کو حاصل کرنے اور ہر نقصان پہنچانے والی چیز سے بچنے کا ذریعہ ہے اور تیرے لئے ہر درود پاک کے بدلے زمین و آسمان کے مالک کی طرف سے دس رحمتوں کا نزول دس گنا ہوں کا مٹانا اور دس درجوں کو بلند کرنے کا انعام ہے اور ساتھ ہی تیرے لئے فرشتوں کی رحمت و بخشش کی دعائیں شامل ہیں۔

عارف باللہ سیدنا امام شعرانی رضی اللہ عنہ کا ارشاد گرامی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہم سے عہد لیا ہے کہ ہم درود شریف بکثرت پڑھیں اور یہ کہ ہم مسلمان بھائی بہنوں کو درود پڑھنے کا اجر و ثواب بتائیں اور ہم سید دو عالم نور مجسم ﷺ کی محبت و عظمت کے اظہار کے لئے درود پڑھنے کی انہیں رغبت دلائیں اور اگر مسلمان روزانہ صبح و شام ہزار سے دس ہزار تک درود پڑھنے کا ورد بنالیں تو یہ سارے اعمال سے افضل ہوگا اور درود شریف پڑھنے والے کو چاہئے کہ وہ با وضو ہو۔ حضور قلب کے ساتھ درود پڑھے کیونکہ یہ بھی نماز ہی کی طرح مناجات ہے اگرچہ اس میں وضو شرط نہیں نیز فرمایا کہ درود شریف حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار میں قرب حاصل کرنے کا ذریعہ ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جیسا کائنات میں کوئی نہیں جسے اللہ رب العزت نے صاحب حل و عقد اور صاحب بست و کشاد بنایا ہو لہذا جو شخص اس آقا کی اتباع و پیروی کرے اور محبت سے اس پر درود پڑھے اس کے لئے بڑوں بڑوں کی گردنیں جھک جاتی ہیں اور سب مسلمان اس کی عزت کرتے ہیں پھر بتایا کہ شیخ نور الدین شونی رحمۃ اللہ علیہ روزانہ دس ہزار مرتبہ درود پڑھا کرتے تھے اور شیخ احمد زواوی رحمۃ اللہ علیہ روزانہ چالیس ہزار مرتبہ درود شریف پڑھا کرتے تھے۔

سیدنا ابوالعباس تیمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود پڑھنا ہر خیر کی چابی ہے غیوب و معارف کی چابی ہے انوار و اسرار حاصل کرنے کی چابی ہے تو جس شخص نے درود چھوڑ دیا، وہ چھوٹ گیا، کٹ گیا، دھتکارہ گیا اس کا اللہ کے قرب سے کچھ حصہ نہیں۔

آپ نے کسی مرید کو خط لکھا اور فرمایا اللہ کے ذکر میں سے وہ ذکر جس کا فائدہ بہت بڑا ہے اور جس کا پھل بہت میٹھا ہے جس کا انجام نہایت ہی شاندار ہے وہ اللہ کے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار عالی میں درود کا تحفہ پیش کرنا ہے کیونکہ درود ہی دنیا و آخرت میں بھلائی کا ذریعہ ہے۔ جس نے یہ نسخہ استعمال کر لیا وہ اللہ کے بڑے بڑے دوستوں میں سے ہوگا۔

حضرت خرام عطاء اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جو شخص نقلی عبادت نہیں کر پاتا اسے چاہئے کہ وہ بکثرت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود پڑھا کرے کیونکہ آپ نے فرمایا جو مجھ پر ایک بار درود پڑھتا ہے اللہ اس پر دس بار درود بھیجتا ہے تو اگر

انسان عمر بھر تمام نیک کام کرے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایک بار درود شریف بھیجے تو یہ عمر بھر کی نیکیوں سے وزنی ہوگا کیونکہ اسے عزیز تو ان پر درود بھیجے گا اپنی وسعت کے مطابق اور اللہ تجھ پر رحمت نازل فرمائے گا اپنی شان ربوبیت کے مطابق۔  
امام محدث علامہ قسطلانی شارح بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ رسول عظیم ﷺ کا سب سے اعلیٰ واولیٰ، افضل واکمل، ازہر و انور، ذکر پاک آپ پر درود شریف پڑھنا ہے۔

حضرت شاہ عبدالرحیم والد شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہما کا فرمان ہے ”بِهَا وَجَدْنَا مَا وَجَدْنَا“ یعنی ہم نے جو کچھ بھی پایا ہے خواہ وہ دنیاوی انعامات ہوں یا اخروی سب کا سب درود پاک ہی کی برکت سے پایا ہے۔  
حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”از آں جملہ آنست کہ خواندہ درود از رسوائی دنیا محفوظ رہے ماند و خللے در آبرو“ یعنی درود شریف کے فضائل میں سے یہ ہے کہ اس کا ورد کرنے والا دنیا کی رسوائی سے محفوظ رہتا ہے اور اس کی عزت و آبرو میں کوئی کمی واقع نہیں ہو سکتی۔

حضرت علی خواص رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد گرامی ہے کہ جس کسی کی کوئی حاجت درپیش ہو وہ ہزار مرتبہ پوری توجہ کے ساتھ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود شریف پڑھ کر دعا کرے انشاء اللہ اس کی ضرورت پوری ہو جائے گی۔  
علامہ یوسف بن نبہانی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک خاص درود شریف کی تعلیم دیتے ہوئے فرمایا جو کوئی اس درود شریف کو روزانہ دن رات میں تین سو مرتبہ پڑھے اور مصیبت پریشانی سے نجات کے لئے یا کسی خاص ضرورت پوری ہونے کے لئے ایک ہزار مرتبہ پڑھے تو یہ حل مشکلات کے لئے تریاق مجرب ہے اللہ اپنے فضل و کرم سے ضرور اس کی مصیبت و پریشانی کو دور فرمائے گا اور ضرور اس کی حاجت پوری فرمائے گا۔ وہ خاص درود شریف یہ ہے:

”الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا سَيِّدِي يَا رَسُولَ اللَّهِ قُلْتُ حِيلَتْنِي أَدْرِكْنِي“

مطلب یہ ہے کہ اے میرے سردار، اے اللہ کے رسول آپ پر صلوٰۃ و سلام ہو میری ساری تدبیریں ناکام ہو چکی ہیں۔ اب آپ ہی مجھے سہارا دیجئے (آپ بھی اس درود پاک کو یاد کر لیجئے بڑا ہی ستانسخہ ہے)۔

حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصنیف اخبار الاخیار شریف کے اختتام پر دعا کرتے ہوئے دربار الہی میں عرض کرتے ہیں یا اللہ! میرے پاس کوئی ایسا عمل نہیں جو تیری بارگاہ بے کس پناہ کے شایان شان ہو میرے سارے عمل کوتاہیوں اور فساد نیت سے ملوث ہیں سو ایک عمل کے اور وہ ہے تیرے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ میں نہایت انکساری، عاجزی اور محتاجی کے ساتھ درود و سلام کا تحفہ حاضر کرنا اے میرے رب کریم اس درود پاک سے زیادہ خیر و برکت اور رحمت کے نزول کا اور کیا ذریعہ ہو سکتا ہے۔ اے میرے پروردگار! مجھے یقین کامل ہے کہ یہ عمل تیرے دربار عالی میں قبول ہوگا اس کے عمل کے رد ہو جانے یا رایگاں جانے کا ہرگز ہرگز کوئی امکان نہیں کیونکہ جو اس دروازے سے آئے اسے اس کے رد ہو جانے کا کوئی خوف نہیں۔

حضرت توکل شاہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں بندہ جب عبادت اور اللہ کی یاد میں مشغول ہوتا ہے تو اس پر فتنے اور

آزمائش بکثرت وارد ہوتی ہیں اور درود شریف کا بڑا ہی عمدہ خاصہ یہ ہے کہ اس کا ورد کرنے والے پر کوئی فتنہ اور ابتلا نہیں آتا اور حفاظت الہی شامل ہو جاتی ہے نیز آپ نے فرمایا کہ ہم نے دیکھا ہے کہ بلیات جب اترتی ہیں تو گھروں کا رخ کرتی ہیں مگر جب درود شریف پڑھنے والے کے گھر کی طرف آتی ہیں تو وہ فرشتے انہیں روک دیتے ہیں جو درود پاک لکھنے کے لئے یہاں موجود ہوتے ہیں وہ اس گھر میں بلاؤں کو داخل نہیں ہونے دیتے بلکہ انہیں پڑوس کے گھروں سے بھی دور پھینک دیتے ہیں۔

سیدنا عبدالعزیز دباغ رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد کے مطابق جنت صرف درود شریف سے ہی کیوں وسیع ہوتی ہے آپ نے فرمایا کہ جنت نور مصطفیٰ ﷺ سے پیدا کی گئی ہے لہذا ان ہی کے ذکر پاک سے وسیع ہوتی ہے۔

حضرت علامہ فاسی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کے لئے درود شریف کو اپنی رضا اور اپنا قرب حاصل کرنے کا ذریعہ بنایا ہے لہذا جو شخص جتنا درود پاک زیادہ پڑھے گا اتنا ہی وہ رضا اور قرب کا حقدار قرار پائے گا اور اس بات کا مستحق ہوگا کہ اس کے سارے کام آسان ہوں اور پورے ہوں اور اس کے گناہ بخش دیئے جائیں اس کی سیرت پاکیزہ ہو اور اس کا دل روشن ہو۔

مفسر قرآن حضرت امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ درود شریف پڑھنے کا حکم اس لئے دیا گیا کہ انسان کی روح جبلی طور پر ضعیف ہے پس درود پڑھنے سے اس میں انوار الہی کی تجلیات قبول کر لینے کی استعداد پیدا ہو جاتی ہے جس طرح آفتاب کی کرنیں مکان کے روشن دانوں سے اندر جھانکتی ہیں تو اس مکان کے درود یوار روشن نہیں ہوتے لیکن اگر اس مکان کے اندر پانی کا طشت یا آئینہ رکھ دیا جائے تو آفتاب کے عکس سے مکان کی چھت اور درود یوار چمک اٹھتے ہیں۔ اسی طرح امت کی رو میں اپنی فطری کمزوری کی وجہ سے ظلمت کدہ میں پڑی ہوئی ہیں وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی روح انور سے جو کہ سورج سے بھی روشن تر ہے اس کی نورانی کرنوں سے روشنی حاصل کر کے اپنے باطن کو چمکالیتی ہیں اور یہ استفادہ صرف درود پاک سے ہوتا ہے جو پانی کے طشت یا آئینہ کی طرح ہے۔ اسی لئے نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا "إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَكْثَرُهُمْ عَلَى صَلَوةٍ" قیامت کے دن مجھ سے قریب ترین مجھ پر درود پڑھنے والا ہوگا۔

فضائل درود وغیرہ کی کتابوں میں اسی طرح کے بے شمار اسلاف علماء کرام کے ارشادات موجود ہیں جو ان کے تجربات کا نتیجہ ہیں۔ حضرت علامہ مفتی امین الدین صاحب نے اپنی کتاب "آب کوثر" میں ان میں سے اکثر کو جمع کر لیا ہے اللہ تعالیٰ انہیں اس کار خیر کی جزاء دے ہم نے اسی کتاب سے استفادہ کرتے ہوئے چند عظیم ہستیوں کے ارشادات پیش کئے ہیں جو درود شریف کی فضیلت اور اس کے فوائد عظیمہ کو جان لینے کے لئے کافی ہیں۔ اللہ عمل کی توفیق دے۔

عام شہادت

اب ہم ایک ایسے شخص کی تحریر پیش کرنا چاہتے ہیں جو بظاہر نہ کوئی عالم ہے اور نہ کوئی بزرگ ہستی لیکن جس انداز سے انہوں نے درود شریف کی فضیلت و عظمت کو بیان کیا ہے اس سے ان کی عقیدت و محبت کا ضرور اظہار ہوتا ہے۔ ہمیں یقین ہے

کہ ان کی یہی عقیدت ان کے لئے ذریعہ نجات ہوگی۔ یہ ہیں ”قدرت اللہ شہاب صاحب“ یہ ایک بیوروکریٹ، شاہی افسر تھے ہندو پاک میں اچھے عہدوں پر فائز رہے اور اپنی ذمہ داریاں نبھاتے رہے۔ ان کی ایک کتاب ہے ”شہاب نامہ“ اتنی ضخیم ہے کہ دوران سفر ہم نے اسے ایک صاحب کے ہاتھ میں دیکھا کیونکہ وہ ان کے بریف کیس میں نہ آسکی تھی اتفاق سے کسی ضرورت کے تحت انہوں نے ہمیں تھمادی ہم نے اس کے اوراق پلٹے تو کچھ دلچسپ معلوم ہوئی۔ بس ان صاحب سے ہم نے گزارش کی کہ اگر آپ اسے پڑھ چکے ہوں تو ذرا ہمیں دے دیں ہم بھی دیکھ لیں۔ انہوں نے کہا میں نے ابھی پڑھی تو نہیں ہے لیکن آپ زیادہ شوقین معلوم ہوتے ہیں ضرور پڑھئے۔ بس ہم نے دوران سفر جو اس کو پڑھنا شروع کیا تو ایسے مشغول ہوئے کہ ہم یہ تک محسوس نہ کر سکے کہ ہمارے پلہین کی پرواز کب شروع ہوئی اور کب ختم ہوئی۔ سفر ختم ہونے کا پتہ اس وقت چلا جب جہاز نے جوہانس برگ کے ایئر پورٹ پر لینڈنگ کی۔ کتاب کیا ہے سیاسی خرافات اور افسران کے واقعات کا پلندہ ہے لیکن درج ذیل عبارت نے اس کتاب کی اہمیت تسلیم کرنے پر ہمیں مجبور کر دیا اور ہم نے چاہا کہ ہم اس پر قبضہ کر لیں لیکن یہ بہت بری بات معلوم ہوئی۔ مجبور ہو کر ہم نے ان صاحب کو یہ کہتے ہوئے کتاب واپس کی کہ یہ تو بہت اچھی کتاب ہے اس کی ایک عبارت تو ہمیں بہت ہی پسند آئی ہے ہم بھی کچھ لکھتے لکھاتے رہتے ہیں اگر یہ کتاب ہمارے پاس ہوتی تو کہیں نہ کہیں ہم یہ عبارت ضرور نقل کر دیتے ان صاحب نے ہماری نیت بھانپ لی۔ قدر داں معلوم ہوتے تھے بس بولے کہ پھر تو اس کتاب کے مستحق آپ ہی ہیں رکھ لیجئے اور مجھے دعاؤں میں یاد رکھئے ہم نے ان کا شکریہ ادا کیا اور کتاب پر قبضہ کر لیا۔ اب مصیبت یہ کہ بریف کیس میں سامانہ سکتی تھی اور ہاتھ میں لینا معیوب معلوم ہوتا تھا کہ عقیدت مند ایئر پورٹ پر موجود ہیں وہ کیا سوچیں گے کیونکہ کتاب کے ایک طرف نہیں بلکہ تینوں طرف مصنف صاحب کا فوٹو موجود ہے بہر حال ہم نے اس کو ایک رومال میں لپیٹا اور ہاتھ میں لے کر اتر گئے شاید ان صاحب کا شکریہ بھی ادا نہ کیا لیکن ان کے لئے ہم دعا ضرور کرتے ہیں۔ دورے سے واپسی پر ہالینڈ پہنچے تو کتاب کو اپنی لائبریری میں یہ سوچ کر سجا دیا کہ شاید کوئی موقع ملے گا تو اس کو حاصل کرنے کا مقصد پورا ہو گا اور آج بحمد اللہ موقع آ ہی گیا کہ اسی کتاب کی پسندیدہ عبارت ہم اپنے قارئین کے لئے پیش کر رہے ہیں، ملاحظہ ہو:

مصنف اپنے بچپن کا ایک واقعہ لکھتے ہوئے بتاتے ہیں کہ میری نانی کہا کرتی تھیں کہ بیٹا درود شریف پڑھا کرو اس سے ہر مشکل آسان ہو جاتی ہے اور جب میں اسکول جاتے ہوئے ایک دن بندروں کے زرخے میں پھنسا تو مجھے نانی کا بتایا ہوا نسخہ یاد آیا۔ اب مزید پڑھئے لکھتے ہیں:

ایک ساٹھ ستر برس کے دبلے پتلے منحنی سے برہمن کی یہ شان مردانگی دیکھ کر میرے اسلام کی رگ حمیت بھی کسی قدر پھڑکی میں چھاتی نکال کر لاٹھی گھماتا بڑے آرام سے بندروں کے پاس سے نکل آیا جن کی توجہ بہر حال پوریوں پر مرکوز تھی اور مسکودن پادھا (برہمن کا نام تھا) سے کچھ دور رک کر اس کی رام رام کے جواب میں زور زور سے درود شریف پڑھنے لگا مسکودن پادھانے پہلے تو ایڑیاں اٹھا اٹھا کر آواز کی سمت کا کھوج لگایا اور پھر درود شریف کے الفاظ کی آواز سکر اس نے یک لخت دونوں کانوں میں انگلیاں

ٹھونس لیں۔ میں درود شریف بند کرتا تھا تو وہ کان کھول لیتا تھا اور جب دوبارہ پڑھنے لگتا تو پھر انگلیاں ٹھونس لیتا جی تو بہت چاہا کہ ہری اوم ہری اوم اور درود شریف کی آنکھ مچولی کا یہ کھیل جاری رکھوں لیکن میری منزل کھوئی ہوئی تھی اس لئے میں باواز بلند درود شریف کا ورد کرتا آگے بڑھ گیا۔ درود شریف پڑھتے پڑھتے آہستہ آہستہ میری رگوں میں جمی ہوئی برف پگھلنے لگی پھر جسم پر ہلکی ہلکی حرارت کی ٹکڑ ہونے لگی اور اس کے بعد ایسا محسوس ہوا جیسے میں نے الیکٹرک بلیکنٹ اوڑھا ہوا ہے۔ تین سو اتمین گھنٹے کے بعد جب میں امتحان کے ہال میں پہنچا تو خاصا پسینہ آیا ہوا تھا میں نے آرام سے پرچہ کیا اور پھر ہال سے اٹھ کر درود شریف پڑھتا ہوا خراماں خراماں شام تک گھر پہنچ گیا امتحان کے باقی آٹھ دن بھی اسی لائحہ عمل پر بڑی پابندی سے کار بند رہا۔

جب نتیجہ نکلا تو ورنیکلر فائنل کا وظیفہ تو مجھے صرف دو برس کے لئے ملا لیکن درود شریف کا وظیفہ میرے نام تاحیات لگ گیا۔

یہ ایک ایسی نعمت (بعد تجربہ) مجھے نصیب ہوئی جس کے سامنے کرم بخش (نوکر) کے سارے ”اچھے“ گرد تھے اس کے لئے نہ پرانی باؤلی کے پانی میں رات کو دو، دو پہر ایک ٹانگ پر کھڑا ہونا پڑتا تھا نہ کنوئیں میں الٹا ٹنگ کر چلہ معکوس کھینچنے کی ضرورت تھی نہ گگامڑی میں ڈھول کی تال پر کئی کئی گھنٹے ”حال“ کھیلنے کی حاجت تھی نہ مراقبہ کی شدت تھی، نہ مجاہدے کی حدت تھی، نہ ترک حیوانات، نہ ترک لذات، نہ تغلیل طعام، نہ تغلیل منام، نہ تغلیل کلام، نہ تغلیل اختلاط مع الانام، نہ رجعت کا ڈر، نہ وساوس کی فکر، نہ خطرات کا خوف یہ تو بس ایک تخت طاؤس تھا جو ان دیکھی لہروں کے دوش پر سوار آگے ہی آگے، اوپر ہی اوپر رواں دواں رہتا تھا۔ درود شریف نے میرے وجود کے سارے کے سارے اُنقوں کو قوس و قزح کی رداؤں میں لپیٹ لیا گھپ اندھیروں میں مہین مہین سی شعاعیں رچ گئیں جنہیں نہ خوف و ہراس کی آندھیاں بجھا سکتی تھیں، نہ افکار و حوادث کے جھونکے ڈگمگا سکتے تھے۔ تنہائی میں انجمن آرائی ہونے لگی بھری محفل میں حجروں کی خلوت سا گئی، دل شاد، روح آباد، جسم یوں گویا کشش ثقل سے بھی آزاد سب سے بڑی بات یہ تھی کہ درود شریف کی برکت سے پردہ خیال پر ایک ایسی بابرکت ذات کے ساتھ قربت کا احساس جاری و ساری رہتا تھا جس کے پاؤں کی خاک اغواث، اقطاب اور اوتار و ابدال کی آنکھ کا سرمہ جس کے قدموں میں دنیا کا مران اور غنمی بامراد جس کے ذکر کے نور سے عرش بھی سر بلند اور فرش بھی سرفراز جس کا ثانی نہ پہلے پیدا ہوا نہ آگے کبھی ہوگا اور جس کی آفرینش پر رب البدیع الخالق الباری المصور نے اپنی صنای کی پوری شان تمام کر دی۔

كشَفَ الدُّجَى بِجَمَالِهِ

بَلَغَ الْعُلَى بِكَمَالِهِ

حَسَنَتْ جَمِيعُ خِصَالِهِ ر صَلُّوْا عَلَيْهِ وَآلِهِ

ملاحظہ فرمائی آپ نے یہ عبارت واقعی قابل غور ہے ایک ایک لفظ موتیوں کی طرح پرو دیا گیا ہے۔ بالخصوص درود شریف کے لئے تخت طاؤس کا استعارہ نہایت ہی جاذب ہے۔ بس عبارت کیا ہے عشق و محبت سے لبریز عقیدت کا ایک جام ہے جو پی لے وہ مست و دیوانہ ہو جائے۔ لیجئے اسی صاحب قلب و نظر کی ایک اور عبارت پڑھئے لکھتے ہیں:

ساری کائنات میں ایک اور صرف ایک ایسا عمل ہے جو اللہ تعالیٰ فرشتوں اور انسان کے درمیان یکساں طور پر مشترک ہے۔ قرآن کریم پارہ ۲۲ آیت نمبر ۵۶ کے الفاظ میں وہ عمل یہ ہے:

”بے شک اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر درود بھیجتے ہیں اے ایمان والو تم بھی ان پر خوب

درود و سلام بھیجا کرو“ یوں تو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بہت سے احکام نازل فرمائے ہیں جن کا بجا لانا ہر اہل ایمان کا فرض ہے بہت سے انبیاء کی توصیفیں بھی کی ہیں اور ان کے بہت سے اعزاز و اکرام بھی بیان فرمائے ہیں لیکن کسی حکم یا کسی اعزاز و اکرام میں یہ نہیں فرمایا کہ میں بھی یہ کام کرتا ہوں تم بھی یہ کرو یہ اعزاز صرف ہمارے رسول مقبول ﷺ کے لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے درود کی نسبت اولاً اپنی طرف اور پھر اپنے فرشتوں کی طرف کر کے مسلمانوں کو خطاب کیا کہ اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں اے مومنو تم بھی درود بھیجو یہی واحد امر ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے صرف حکم دے کر اس کی تعمیل کا مطالبہ نہیں کیا بلکہ خود اپنے ایک عمل کی مثال دے کر اس کی تقلید کی فرمائش کی ہے ایک عبد کی فضیلت کا اس سے بڑھ کر کوئی اور درجہ تصور میں بھی لانا محال ہے۔

درود شریف میں صاحب درود کا اعزاز تو ہے ہی لیکن اس میں درود پڑھنے والے کی سعادت اور اکرام بھی ہے سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ درود شریف پڑھ کر ہم ان احسانات عظیم کا تھوڑا سا حق ادا کرنے کی کوشش کرتے ہیں جو اس محسن اعظم کے ہر فرد و بشر پر ہیں دوسرے یہ کہ درود شریف پڑھنے والے کو اپنی استعداد اور خلوص کے مطابق صاحب درود کی توجہ کا شرف ضرور حاصل ہوتا ہے خاص طور پر ان اوصاف کی توجہ کا جنہیں قرآن شریف میں ”رؤف الرحیم“ اور ”رحمة للعالمین“ کے خطاب سے نوازا گیا ہے اگرچہ ہزاروں افراد مختلف مقامات پر ایک ہی درود شریف پڑھ رہے ہیں ان سب پر فردا فردا بیک آن صاحب درود ﷺ کی توجہ کا منعکس ہونا نہ کوئی عجب بات ہے اور نہ کوئی مشکل امر ہے۔ چراغ اگر چھوٹا ہو تو اس کی روشنی پھیلانے کے لئے اسے ایک کمرے سے اٹھا کر دوسرے کمرے میں پہنچانے کی ضرورت ہوتی ہے لیکن سورج کی شعاعیں ہر جگہ بیک وقت یکساں طور پر باسانی پہنچتی رہتی ہیں شرط صرف اتنی ہے کہ رخ سورج کی جانب ہو ماڈرن اصطلاح میں یہ ساری بات FREQUENCY یعنی برقی لہروں کے ارتعاش کا معاملہ ہے اگر انسان WAVE

LNGTH (لاٹکی کی شعاعوں کے طول) کے ساتھ TUNE-IN (ہم آہنگ) ہو جائے تو کسی کا دل تار گھر میں استعمال ہونے والے MORSE-KEY بن جاتا ہے کسی کا دل بڑی طاقت والا شارٹ ویوریڈ یوسیٹ بن جاتا ہے کسی کا دل ٹیلی ویژن اور کسی کا دل رنگین ٹیلی ویژن بن جاتا ہے۔

ایک مولانا نے اپنے ایک معتقد کو دن رات درود پاک پڑھنے کی ہدایت کی اور درود شریف کے کچھ فوائد بھی اسے بتا دیئے اس شخص نے بڑے شوق و ذوق سے مولانا صاحب کی ہدایت پر عمل شروع کر دیا اور اس قدر محو ہو گیا کہ دوسری ذمہ داریاں چھوٹی چلی گئیں اس کی بیوی دین سے کوئی خاص تعلق نہ رکھتی تھی جب اس نے اپنے شوہر کی محویت کا یہ عالم دیکھا تو بہت سیخ پا ہونے لگی۔ ایک دن بولی یہ تم ہر وقت صلی علی محمد (ﷺ) کی رٹ لگائے رہتے ہو اس سے کچھ نہیں ہوگا (العیاذ باللہ) مرد بنو، گھر سے نکلو، محنت مزدور کر کے کچھ کما کر لاؤ ورنہ اب فاقوں کی نوبت آنے والی ہے مگر اس مرد صالح پر بیوی کی ان باتوں کا کوئی اثر نہ ہوا۔ اتفاق سے یہ کسی کا قرض دار بھی تھا اس نے اپنے پیسوں کا مطالبہ کیا یہ نہ ادا کر سکا اور نوبت بایں جا رسید کہ قرض خواہ نے عدالت میں دعویٰ دائر کر دیا۔ اب بیوی کو مزید موقع مل گیا اور اس نے مزید بیہودہ گوئی شروع کر دی وہ اللہ کا بندہ ایک رات سحری کے وقت اٹھا اور اللہ کے دربار میں خوب رویا اور گڑ گڑایا عرض کرنے لگا مولیٰ! میں تو تیرے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یاد کرتا ہوں کیا تو نے اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے غلام کو بھولا دیا ہے جو میں دن بدن مصیبتوں میں پھنستا ہی چلا جا رہا ہوں دعا کرتے کرتے مصلیٰ پر ہی سو گیا۔ بس مقدر جاگ گیا خواب میں آقا ﷺ کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔ آپ نے فرمایا میرے پیارے غلام کیوں پریشان ہوتا ہے کیوں گھبراتا ہے میں خود تیری مدد کروں گا۔ عرض کرنے لگا لیکن آپ کون ہیں؟ ارشاد ہوا میں ہی وہ آقا ہوں جسے تم ہر لمحہ یاد کرتے رہتے اور اس پر درود شریف پڑھتے رہتے ہو۔

یہ سن کر اس کی خوشی کی انتہا نہ رہی اب وہ مطمئن و پرسکون تھا۔ سرکار ﷺ نے فرمایا صبح تم اپنے وزیراعظم کے پاس جاؤ اور اسے بطور نشانی خوشخبری سناؤ کہ اس کا درود شریف ہمارے دربار میں مقبول ہے۔ یہ خستہ حال اپنے بوسیدہ لباس میں جب وزیراعظم کی قیام گاہ پر پہنچا تو دربانوں نے اس کا مذاق اڑایا اور ڈرا دھمکا کر بھگا دیا لیکن اچانک ایک دربان کے دل میں نہ جانے کیا خیال آیا کہ اس نے اسے بلایا اور کہا ٹھہرو میں وزیراعظم کو خبر کرتا ہوں اگر اجازت مل گئی تو ملاقات ہو جائے گی۔ دربان نے وزیراعظم کو اس شخص کا حال بتایا اور کہا کہ اگر اجازت ہو تو حاضری کا شرف بخشا جائے۔ وزیراعظم نے اجازت دی اور یہ صاحب دربار میں حاضر ہو گئے انہوں نے اپنا حال بیان کیا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار میں وزیراعظم کا درود قبول ہونے کی خوشخبری سنائی وزیراعظم بے حد خوش ہوا اور اس کی تمام ضروریات پوری کیں اور ہمیشہ کے لئے اس کا کچھ وظیفہ بھی مقرر کر دیا۔

اس نے واپس آکر سارا ماجرا اپنی بیوی کو بتایا اس نے اپنی گزشتہ بیہودہ گوئی پر اظہارِ ندامت کیا اور توبہ کی اور اب دونوں کا ورد ہو گیا ”صلوٰۃ وسلاما علیک یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم“ جب مقدمہ کی تاریخ پر پیشی ہوئی تو اس نے حاضر ہو کر قرض خواہ کی رقم جمع کرائی لیکن اس نے الزام لگایا کہ یہ یقیناً کہیں سے رقم چوری کر کے لایا ہے اب اس سے



پوچھ گچھ شروع ہو گئی اس نے کہا تم اپنے وزیر اعظم سے معلوم کر لو کہ یہ رقم میرے پاس کہاں سے آئی ہے لہذا وزیر اعظم کو خط لکھا گیا۔ وزیر اعظم نے حج کو جواب دیتے ہوئے تنبیہ کی کہ اس شخص کے ساتھ کوئی زیادتی یا اس کی بے ادبی نہیں ہونا چاہئے ورنہ تمہاری ملازمت ختم ہو جائے گی اگلی پیشی پر جب یہ مرد صالح پہنچا تو منظر کچھ اور ہی تھا حج صاحب تعظیماً اس کے لئے کھڑے ہو گئے اس کو اپنی کرسی دی جمع کردہ رقم واپس کی اور اپنے پاس سے ان کا قرضہ ادا کیا۔ جب قرض خواہ نے یہ حال دیکھا تو اس نے اپنا قرضہ معاف کرنے کا اعلان کیا۔ بلاشبہ:

ہر کہ سازد وردِ جاں صل علی حاجت دارین او گردو روا

جس نے صل علی کو ورد جاں بنالیا اس کی دونوں جہاں کی حاجتیں پوری ہو جاتی ہیں۔

حضرت ابو عبد اللہ رصاع نے اپنی کتاب تحفہ میں ایک نہایت ہی ایمان افروز واقعہ لکھا ہے۔ آپ بھی ملاحظہ فرمائیے اور ایمان تازہ کر لیجئے وہ رقم طراز ہیں کہ:

ایک مجوسی کا واقعہ

بغداد شریف میں ایک شخص رہتا تھا جو نہایت حاجت مند اور غریب تھا لیکن بے حد صابر اور عبادت گزار بھی تھا۔ ایک مرتبہ کئی دن اسے اور اس کے اہل و عیال کو کچھ کھانے کے لئے نصیب نہ ہوا۔ پس اس نے ایک دن نماز سے فارغ ہو کر اپنے بیوی بچوں کو بٹھایا اور کہا سب میرے ساتھ مل کر اللہ کے حبیب ﷺ پر درود پڑھو سب نے خوب درود شریف کا ورد کیا حتیٰ کہ بھوک کی حالت میں نیند آ گئی اور سب سو گئے لیکن مقدر جاگ گیا اس اللہ کے نیک بندے کو خواب میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت کا شرف حاصل ہوا آپ نے فرمایا صبح ہوتے ہی تم فلاں شخص کے پاس جاؤ جو مجوسی ہے اس سے ہمارا سلام کہو اور بتاؤ کہ اس کی دعا قبول ہو چکی ہے اور تمہیں حکم دیا گیا ہے کہ تم میری ضرورت پوری کرو۔ یہ شخص صبح اٹھا تو نہایت خوش تھا۔ سکون و طمانیت کے آثار اس کے چہرے پر ظاہر تھے۔ بیوی نے یہ حال دیکھ کر پوچھا کیا ماجرا ہے؟ بھوکے ہو پھر بھی بہت خوش نظر آتے ہو اسے سب ماجرا بتاتے ہوئے کہا خوش بخت جب ہم سو رہے تھے اس وقت ہمارا مقدر جاگ رہا تھا یہ گھر سے نکلا لیکن اسے بات کھٹک رہی تھی کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے ایک غلام کو ایک مشرک آتش پرست کے در پر کیسے بھیج سکتے ہیں اور یہ بھی یقینی امر ہے کہ شیطان حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شکل میں آنہیں سکتا بہر حال یہ مجوسی کا گھر تلاش کرتا کرتا اس کے پاس پہنچ گیا۔ مجوسی سے ملا اس نے دیکھا کہ یہ شخص واقعی بہت مالدار معلوم ہوتا ہے اس کا دربار سجا ہوا تھا۔ مجوسی کچھ دیر بعد ان کی طرف متوجہ ہوا پوچھا آپ کون ہیں؟ کیوں آئے ہیں میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں اس مرد صالح نے کہا کہ میں ایک راز لے کر آیا ہوں تنہائی کی ضرورت ہے۔ مجوسی کے اشارے پر دربار خالی ہو گیا۔ اب ان صاحب نے مجوسی کو بتایا کہ میرے آقا ﷺ نے تمہیں سلام کہا ہے مجوسی بولا کہ تمہارے نبی کون ہیں؟ انہوں نے بتایا حضرت محمد ﷺ۔ اس نے کہا لیکن میں تو مجوسی ہوں وہ مجھے کیسے سلام بھیج سکتے ہیں میں تو ان کے لائے ہوئے دین کو ماننا ہی نہیں ہوں۔ انہوں نے کہا جو کچھ مجھ سے کہا گیا وہ میں نے تمہیں بتا دیا تم یقین کرو یا نہ کرو۔ مجوسی نے اللہ کی قسم دے کر ان سے پوچھا کیا واقعی تمہارے نبی

نے تمہیں میرے پاس بھیجا ہے انہوں نے قسم کھا کر کہا ہاں میرے نبی ﷺ نے ہی مجھے تمہارے پاس بھیجا ہے اور تمہیں سلام بھی کہا ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ تیری دعا قبول کر لی گئی ہے نیز تیرے لئے یہ حکم ہے کہ تو میری ضرورت پوری کرے۔ مجوسی نے کہا کیا تم یہ بھی جانتے ہو کہ وہ دعا کیا ہے جو قبول ہوئی ہے۔ انہوں نے کہا مجھے یہ تفصیل معلوم نہیں۔ مجوسی بولا اٹھو، اندر چلو میں تمہیں بتاتا ہوں وہ دعا کونسی ہے؟ وہ دونوں اندر گئے مجوسی نے اپنے مہمان سے کہا ذرا ہاتھ لاؤ ان صاحب نے اپنا ہاتھ بڑھایا اس نے ہاتھ پکڑ کر ”اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمدًا عبدہ ورسولہ“ پڑھا اور مشرف باسلام ہو گیا۔

ہم دونوں باہر واپس آئے تو مجوسی نے دوبارہ سب حاضرین کو بلایا اور بتایا کہ میں مشرف باسلام ہو چکا ہوں پس جو تم میں سے اسلام قبول کرے گا وہ میرا شریک تجارت رہے گا اور جو یہ دین حق قبول نہیں کرنا چاہتا وہ میرا مال واپس کر دے اور ہمیشہ کے لئے چلا جائے اکثر نے اسلام قبول کرنے کا اعلان کیا اور کچھ اس کا مال واپس کر کے چلے گئے۔

پھر اس نے اپنے بیٹے اور بیٹی کو بلا کر کہا کہ میں مسلمان ہو چکا ہوں اگر تم بھی یہ دین قبول کرو گے تو میرا تم سے رشتہ برقرار رہے گا ورنہ تمہارا میرا کوئی تعلق نہ رہے گا، لہذا دونوں نے اسلام قبول کر لیا۔ بیٹی کی شادی اپنے بھائی سے ہی ہوئی تھی جو مجوسی دین میں جائز ہے لیکن بیٹی نے بتایا کہ میں آج تک اپنے شوہر کے قریب نہیں گئی اور بالکل پاک صاف ہوں۔ مجوسی یہ سن کر بہت خوش ہوا اور اب بولا کیا میں آپ کو بتاؤں وہ کونسی دعا ہے جو قبول ہوئی اس مرد صالح نے کہا جی میں جاننا چاہتا ہوں۔ مجوسی نے کہا جس دن میں نے اپنے بیٹے کی شادی اپنی ہی بیٹی سے کی اس دن میں نے ایک بڑی دعوت کا اہتمام کیا تھا جس میں شہر کے امیر و غریب سب ہی کو بلایا تھا لیکن میری دیوار سے بالکل ملا ہوا ایک گھر ہے جس میں سیدوں کا ایک خاندان رہتا ہے چونکہ مجھے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عداوت تھی لہذا میں نے ان کے خاندان والوں کو دعوت نہیں دی۔

جب میں تقریب سے فارغ ہو کر اپنی چھت پر آرام کرنے کے لئے گیا تو میں نے ان گھر والوں کی باتیں سنیں بچیاں اپنی ماں سے کہہ رہی تھیں امی جان آپ نے دیکھا ہمارے پڑوسی نے سارے شہر کو دعوت دی لیکن ہمیں نہیں بلایا۔ ماں نے کہا بیٹی وہ تو ہمارے نانا جان ﷺ کا دشمن مجوسی ہے ہمیں کیوں دعوت دیتا یہ باتیں ہوتی رہیں اور مجھے نیند آگئی صبح مجھے احساس ہوا کہ میں نے یہ اچھا نہیں کیا۔ لہذا میں نے کھانے کا اہتمام کیا اور تینوں بچیوں اور ان کی ماں کے لئے بہترین جوڑے منگائے اور ان کو بھیج دیئے اب میں خاص طور پر ان کی باتیں سننے اوپر گیا۔ ماں اور بچیاں میرے تحائف دیکھ کر بہت خوش ہوئیں لیکن بچیاں ماں سے کہنے لگیں ہم یہ کھانا تو نہیں کھا سکتے کہ اس کا بھیجنے والا تو مجوسی ہمارے نانا جان کا دشمن ہے۔ ماں نے کہا کھانا کھا لو یہ تو اللہ کا رزق ہے جو ہمارے مقدر کا ہے اسی لئے اللہ نے ہمیں بھیجا ہے۔ بچیوں نے کہا تو پہلے ہم اپنے نانا جان سے اس کی شفاعت کی سفارش کریں اور دعا کریں کہ وہ مسلمان ہو جائے۔

یہی وہ دعا تھی جس کی قبولیت کا مژدہ لے کر آپ آئے ہیں اور آج مجھے مشرف باسلام ہونے کا اعزاز نصیب ہوا ہے۔ میں اپنی ساری دولت کا نصف حصہ آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں جو میں نے شادی کے موقع پر اپنے بیٹے اور بیٹی کے نام کیا تھا۔

حضرت قاضی شرف الدین بازاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت شیخ محمد بن موسیٰ بن نعمان کا ایک واقعہ تحریر فرمایا ہے کہ شیخ ابن نعمان نے فرمایا کہ ۶۳۷ھ کی بات ہے کہ میں حج سے واپس آ رہا تھا۔ دوران سفر مجھے حاجت محسوس ہوئی تو میں اپنی سواری سے اتر اور ادھر ادھر دیکھنے لگا کہ کہاں حاجت پوری کروں کہ اچانک مجھے نیند آگئی اور میں بیٹھ کر وہیں سو گیا۔ بالکل غروب آفتاب کے قریب میری آنکھ کھلی تو دیکھا کہ میں ایک بیابان جنگل میں ہوں۔ بہت ڈر معلوم ہوا اور ایک طرف کوچل دیا لیکن مجھے معلوم نہ تھا کہ میں کہاں جا رہا ہوں۔ رات تاریک ہوتی گئی اور مجھے زیادہ ڈر لگنے لگا مزید یہ کہ مجھے شدید پیاس لگ رہی تھی اور دور دور کہیں پانی نظر نہ آتا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ بس اب موت آیا ہی چاہتی ہے۔ اب کوئی چارہ نہ رہا پس میں نے زور زور سے اپنے آقائے رحمت ﷺ کو اس طرح پکارنا شروع کیا:

”یا محمد، یا محمد، انا مُسْتَعِیْثٌ بِكَ“

اے محمد، اے محمد صلی اللہ علیک وسلم میں آپ سے فریاد کرتا ہوں میری مدد کیجئے۔

فوراً ہی میں نے آواز سنی ادھر آؤ۔ میں نے دیکھا کہ ایک بزرگ آئے اور انہوں نے میرا ہاتھ تھام لیا۔ ان کا ہاتھ تھامنا تھا کہ نہ کوئی خوف رہا نہ ڈر اور نہ ہی پیاس۔ پھر وہ مجھے لے کر چلے چند قدم کے بعد میں نے اپنا قافلہ دیکھا جس میں آگ روشن ہو رہی تھی۔ اچانک میں نے دیکھا کہ میری سواری میرے سامنے ہے۔ اس بزرگ نے فرمایا یہ تیری سواری ہے واپس جاتے ہوئے انہوں نے فرمایا جو ہمیں پکارے اور ہم سے فریاد چاہے ہم اسے مایوس و ناامید نہیں کرتے ﷺ۔ اس وقت مجھے پتہ چلا کہ یہ تو حبیب خدا ﷺ ہیں۔ یہی تو امت کے والی اور امت کے غم خوار ہیں ﷺ اور جب آپ تشریف لے جا رہے تھے اس وقت میں دیکھ رہا تھا کہ تاریک رات آپ کے نور سے منور اور روشن تھی۔ پھر مجھے سخت کوفت ہوئی کہ ہائے نصیبی میں نے سرکار کی قدم بوسی کیوں نہ کی میں آپ ﷺ کے قدموں سے کیوں نہ لپٹ گیا۔

ایک مرتبہ چند کافر ایک جگہ جمع تھے۔ ایک سائل آیا اور اس نے ان سے کچھ سوال کیا کافروں نے اس کا مذاق اڑایا اور کہا دیکھو سامنے علی کھڑے ہیں ان کے پاس جاؤ تم مسلمان ہو وہی تمہاری ضرورت پوری کریں گے سائل حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنا سوال بیان کیا آپ کے پاس اسے دینے کو کچھ نہ تھا۔ آپ نے دس مرتبہ درود شریف پڑھا اور سائل کی ہتھیلی پر پھونک کر اسے بند کر دیا اور کہا جاؤ ان کافروں کے سامنے مٹھی کھولنا سائل واپس ان کے پاس گیا تو پھر انہوں نے تمسخر کیا اور پوچھا کہو کیا ملا؟ سائل نے اپنی مٹھی کھولی تو سونے کے دیناروں سے بھری ہوئی تھی پس کچھ کافروں نے اسے جادو کہہ کر مذاق اڑایا اور اکثر مشرف باسلام ہو گئے، صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

حضرت ابو محمد جزری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میرے گھر کے دروازے پر ایک شاہی باز آیا تھا لیکن ہائے میری قسمت کہ میں اسے پکڑ نہ سکا چالیس سال گزرنے کو ہیں بہت جال پھینکتا ہوں مگر ایسا باز پھر ہاتھ نہ آیا کسی نے پوچھا وہ کونسا باز تھا۔ آپ نے فرمایا ایک دن جب میں سرائے میں سو رہا تھا۔ نماز عصر کے بعد ایک درویش سرائے میں داخل ہوا وہ نوجوان تھا رنگ زرد بال بکھرے ہوئے ننگے پاؤں تھا۔ اس نے آکر تازہ وضو کیا اور دو رکعت پڑھ کر سر گریبان میں ڈال کر بیٹھ گیا اور درود

شریف پڑھنا شروع کیا۔ مغرب تک یونہی مشغول رہا۔ نماز مغرب کے بعد پھر درود شریف کا ورد کرنے لگا۔ اچانک شاہی پیغام آیا کہ آج بادشاہ کے یہاں سرائے والوں کی دعوت ہے۔ میں اس درویش کے پاس گیا اور اس سے کہا کہ ہم سب کو بادشاہ نے دعوت دی ہے تم بھی ہمارے ساتھ چلو۔ اس نے کہا مجھے جانے کی کوئی ضرورت نہیں لیکن تو میرے لئے گرم گرم حلوا لیتا آنا۔ میں نے اس کی بات کی پروانہ کی اور خیال کیا کہ اگر یہ بھوکا ہے تو ہمارے ساتھ خود کیوں نہیں چلتا۔

بہر حال ہم اسے چھوڑ کر چلے گئے مہمان خانہ میں محفل جمی، نعت خوانی ہوئی اور نہایت پر تکلف کھانا پیش کیا گیا۔ جب فارغ ہو کر ہم سرائے پہنچے تو دیکھا وہ اللہ کا بندہ اسی طرح بیٹھا درود شریف پڑھنے میں مصروف ہے میں بھی مصلیٰ بچھا کر بیٹھ گیا لیکن میں جلدی سو گیا۔ خواب میں دیکھا کہ ایک نہایت ہی بارونق محفل جمی ہوئی ہے اور کوئی بتا رہا ہے کہ یہ سید الانبیاء ﷺ کا دربارِ عالی ہے اور یہ ارد گرد، جملہ انبیاء کرام علیہم السلام تشریف فرما ہیں۔ میں آگے بڑھا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قریب ہو کر سلام عرض کیا آپ نے میری طرف سے اپنا چہرہ انور پھیر لیا میں نے دوسری طرف حاضر ہو کر سلام عرض کیا پھر آپ نے اپنا رخ مبارک پھیر لیا۔ کئی مرتبہ ایسا ہوا تو میں خوف سے کانپنے لگا کہ نہ جانے مجھ سے کیا خطا ہوئی ہے جو سرکار ناراضگی کا اظہار فرما رہے ہیں۔ تھوڑی دیر بعد آپ نے خود ہی ارشاد فرمایا میرے ایک عاشق نے تجھ سے ذرا سی خواہش ظاہر کی تھی کہ حلوہ منگایا تھا لیکن تو نے اس کی بات کی پرواہ نہ کی۔ بس میں گھبرا کر بیدار ہوا اور اس درویش کی طرف دوڑا جسے میں نے نظر انداز کر دیا تھا میں نے اسے معمولی آدمی جانا لیکن وہ تو سچا موتی تھا۔ سرکار ﷺ پر اس کی خاص نظر کرم ہے میں اسے اچھے سے اچھا کھانا پیش کرنا چاہتا تھا جب میں اس کی جگہ پر پہنچا تو وہ موجود نہ تھا۔

ہائے قسمت شکار ہاتھ سے نکل گیا۔ اچانک مجھے سرائے کا گیٹ بند ہونے کی آواز آئی۔ میں نے باہر جھانک کر دیکھا تو وہی جا رہا تھا میں نے اسے بہت آوازیں دیں۔ اللہ و رسول کا واسطہ دے کر اسے بلایا لیکن اس نے ایک نہ سنی۔ بس اس نے اتنا جواب دیا کہ میری ایک روٹی کے لئے سید الانبیاء ﷺ اور ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کرام علیہم السلام تجھ سے سفارش کریں تو تو مجھے ایک روٹی دے گا۔ مجھے ایسی روٹی کی ضرورت نہیں۔ ہائے قسمت وہ مجھے چھوڑ کر چلا گیا۔

کچھ عرصہ ہی پہلے ۱۹۶۵ء کا واقعہ ہے پاک بھارت جنگ ہوئی بھارت نے سیالکوٹ محاذ پر ایک بڑا حملہ کیا جس میں شرمین نینک، نینک شکن توپیں، بکتر بند گاڑیاں اور دیگر خود کار ہتھیار استعمال ہو رہے تھے۔ پاکستانی فوج کے جرنل ایس اے زبیری نے بتایا کہ مجھے حکم ملا کہ اللہ کا نام لے کر دشمن پر حملہ کر دو۔ پس میں اور میرے ساتھی صرف چار نینک لے کر دشمن پر چڑھ پڑے اور ہم سب بیک آواز ”الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ اغشنا یا حبیب اللہ“ کا ورد کر رہے تھے۔ ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ کوئی دشمن کو پیچھے ڈھکیل رہا ہے دیکھتے ہی دیکھتے دشمن کے ہتھیار بے کار ہو گئے اور اس کا غرور خاک میں مل گیا اللہ نے اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طفیل ہمیں کامیاب و کامران کیا۔

یہ واقعہ کوئی ڈھکا چھپا نہیں اس وقت اخبارات و رسائل میں شائع ہوا اور اہل قلم علماء و مورخین نے اس کو ہمیشہ کے لئے محفوظ کر لیا۔ حکیم الامت مفتی احمد یار خاں رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے غالباً تفسیر نعیمی میں کسی مقام پر بیان فرمایا ہے اور لکھا

ہے کہ میں نے خود بعض فوجیوں سے اس واقعہ کی تصدیق کی ہے۔ اسی نوعیت کا ایک واقعہ اور ملاحظہ ہو جس کو انور قدوائی صاحب نے اپنی کتاب خزانہ کرم میں بیان کیا ہے وہ لکھتے ہیں۔

میرے والد امیر الدین قدوائی کے علامہ راغب احسن سے نہایت قریبی برادرانہ تعلقات تھے۔ پاکستان معرض وجود میں آیا تو اس وقت علامہ صاحب اپنے کلکتہ والے مکان کی چوتھی منزل پر قیام پذیر تھے کیونکہ بچے مسلم لیگی تھی اور پاکستان کی تحریک میں پیش پیش تھے لہذا بھارتی حکومت کے معتبیین میں شمار کئے جاتے تھے۔ حکومت نے ان کی گرفتاری کے وارنٹ جاری کر دیئے۔ پرنسڈنٹ پولیس اور دیگر علاقائی افسران نے مکان گھرے میں لے لیا۔ علامہ صاحب کو خبر ہوئی آپ اطمینان سے اٹھے اور ضروری کاغذات جمع کئے اور کمرہ سے باہر آ کر درود شریف کا ورد شروع کیا اور درود شریف پڑھتے پڑھتے آپ سیڑھیاں اتر رہے تھے جبکہ آپ کو تلاش کرنے والے افسران سیڑھیاں چڑھ رہے تھے۔ سب آپ کو خوب اچھی طرح جانتے پہچانتے تھے وہ اوپر آ گئے علامہ صاحب نیچے تشریف لے گئے۔ سیدھے ایئر پورٹ پہنچے ٹکٹ خریدا اور ڈھاکہ (مشرقی پاکستان) پہنچ گئے کوئی آپ کو پہچان نہ سکا۔

اور کیسے پہچانتا کہ اس آقا کا غلام اپنے آقا پر درود و سلام پیش کر رہا تھا جس نے ایک منٹھی خاک دشمنوں پر پھینکی اور سب دشمن اندھے ہو گئے کسی کو پتہ نہ چل سکا کہ کب سرکار ان کی صفیں چیرتے باہر تشریف لے گئے۔ ان دونوں واقعات سے یہ بھی واضح ہے کہ درود شریف کی برکتیں صرف مقربین بارگاہی کے لئے مخصوص نہیں بلکہ ہم جیسے گناہگاروں کو بھی اس کا فیض نصیب ہوتا ہے کس قدر ہمت افزا بات ہے یہ ہمارے لئے شرط صرف اتنی ہی کہ عقیدت ہونی چاہئے خلوص نیت ہونا چاہئے جس پر درود پیش کیا جائے اس کو سننے والا، جاننے والا اور پہچاننے والا یقین کرنا چاہئے پھر دیکھئے کیسی برکت حاصل ہوتی ہے کس طرح دامن رحمت میں پناہ نصیب ہوتی ہے، صلی اللہ علیہ وآلہ صحبہ وسلم۔

مشکل جو سر پر آ پڑی تیرے ہی نام سے ملی  
مشکل کشا تیرا نام تجھ پر درود و سلام  
دامن مصطفیٰ سے جو لپٹا یگانہ ہو گیا  
جس کے حضور ہو گئے اس کا زمانہ ہو گیا  
مولا ی صلی وسلم ذانما ابدا  
علیٰ حبیبک خیر الخلق کلہم  
درود کی مزید برکتیں

درود شریف کی برکتوں میں سے ابھی ہم چند ہی لکھ پائے ہیں کہ کتابیں بھری پڑی ہیں۔ بس دل چاہتا ہے لکھتے ہی رہیں اور استفادہ کرتے رہیں قلم رکنا ہی نہیں چاہتا۔ بس سرکار قبول فرمائیں تو کچھ بات بنے، ”صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ اجمعین“ تو لیجئے چند برکتیں اور ملاحظہ فرمائیے:

بنی اسرائیل کے ایک شخص کا واقعہ ہے جو نہایت ہی گناہ گار اور مجرم تھا جب وہ مر گیا تو لوگوں نے اسے گھیٹ کر کوڑے کرکٹ پر ڈال دیا۔ اللہ نے حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر وحی نازل فرمائی۔ ہمارا ایک بندہ فوت ہو گیا ہے آپ کی قوم نے اسے گندگی میں پھینک دیا ہے آپ انہیں حکم دیں کہ اسے وہاں سے اٹھائیں، تجھیز و تکفین کریں اور آپ خود اس کا

جنازہ پڑھائیں۔ جب حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام وہاں پہنچے تو آپ نے اس کو دیکھ کر پہچان لیا اور تعمیل حکم کے بعد آپ نے بارگاہِ الہی میں عرض کی یا اللہ! یہ شخص تو نہایت ہی مجرم تھا تو پھر سزا کی بجائے اس پر عنایت و کرم کیوں ہوا۔ جواب آیا کہ یہ شخص واقعی گناہوں اور برائیوں کا پلندہ تھا لیکن اس نے ایک دن توارۃ شریف کھولی اس میں میرے محبوب علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا نام مبارک لکھا ہوا تھا بس اس نے نہایت ہی ادب و احترام کے ساتھ اسے بوسہ دیا اور آپ پر درود شریف پڑھا، پس اس نام پاک کی عظمت کے سبب میں نے اس کے سارے گناہ بخش دیئے اور یہ میرے فضل و کرم کا حقدار قرار پایا۔

تعمیم جس نے کی ہے محمد کے نام کی خدا نے اس پر آتش دوزخ حرام کی

خلاد بن کثیر رحمۃ اللہ علیہ پر جب جان کنی کی حالت طاری ہوئی تو کسی نے دیکھا کہ ان کے سر نیچے ایک کاغذ کا پرزہ رکھا ہوا تھا جس پر لکھا تھا ”هَذِهِ بَرَاءَةٌ مِنَ النَّارِ لِخَلَادِ بْنِ كَثِيرٍ“ یہ خلاد بن کثیر کے لئے جہنم کی آزادی سے برآۃ کی سند ہے لوگوں نے ان کے گھر والوں سے پوچھا کہ ان کا کیا عمل تھا۔ جواب ملا یہ ہر جمعہ کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایک ہزار مرتبہ درود شریف پڑھا کرتے تھے، اللھم صل وسلم علی النبی الامی والہ وصحبہ اجمعین۔

حضرت احمد بن ثابت مغربی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے درود پاک کی جو برکتیں دیکھی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ میں ایک رات تہجد کے لئے اٹھا نماز سے فارغ ہو کر درود شریف پڑھنے بیٹھ گیا اور اسی حالت میں مجھے نیند آگئی۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ کچھ لوگ ایک شخص کو گھسیٹتے لے جا رہے ہیں جس کے گلے میں طوق پڑا ہوا ہے اور گندھک کا لباس جو نخنوں تک تھا پہنے ہوئے ہے وہ بڑے جسم والا اور بڑے سر والا آدمی تھا۔ اس کا چہرہ سیاہ ناک بڑی اور منہ پر چچک کے داغ تھے میں نے پوچھا تمہیں اللہ اور اس کے رسول کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں بتاؤ یہ کون ہے؟ انہوں نے جواب دیا یہ ابو جہل ملعون ہے تو میں نے اس سے کہا اے اللہ اور اس کے رسول کے دشمن بلاشبہ تیری یہی سزا ہے پھر میں نے دعا کی یا اللہ! اب مجھے اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی زیارت سے مشرف فرما دے مجھ پر یہ انعام فرما تو ارحم الراحمین ہے پھر میں نے دیکھا کہ میں ایک ایسی جگہ ہوں جس کو میں پہچانتا نہیں اچانک ایک جاننے والا دوست ملا جو نہایت بزرگ شخص تھا۔ میں نے اسے سلام کیا اس نے جواب دیا میں نے پوچھا آپ کہاں جا رہے ہیں فرمایا میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مسجد شریف جا رہا ہوں۔ میں بھی اس کے ساتھ چل پڑا تھوڑی ہی دیر بعد ہم مسجد نبوی شریف میں پہنچ گئے تو ساتھی نے بتایا یہ ہمارے آقا ﷺ کی مسجد مبارک ہے۔ میں نے کہا یہ تو مسجد ہے لیکن مسجد والے آقا ﷺ کہاں ہیں؟ اس نے کہا ذرا صبر کرو وہ ابھی رونق افروز ہوتے ہیں۔ پس شاہ کونین علیہ الصلوٰۃ والسلام جلوہ افروز ہوئے ان کے ساتھ ایک اور کامل بزرگ تھے۔ جن کا چہرہ مبارک منور و روشن تھا۔ میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سلام پیش کیا آپ نے جواب دیا اور فرمایا کہ اللہ کے پیارے ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی سلام کرو تو میں نے ان کی خدمت عالیہ میں بھی سلام عرض کیا۔ دونوں سے میں نے دعا کی درخواست کی اور ان حضرات نے میرے لئے دعا فرمائی پھر میں نے دونوں سے گزارش کی کہ آپ میرے لئے ضامن ہو جائیں تو حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا میں تیرا ضامن ہوتا ہوں کہ تیرا خاتمہ ایمان پر ہوگا۔ میں نے عرض کی کہ مجھے کوئی نصیحت فرمائیں

جس سے اللہ مجھے نفع عطا فرمائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ”ذُفِي الصَّلَاةُ عَلَيَّ“ مجھ پر بکثرت درود شریف پڑھا کرو۔ میں نے سوال کیا یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم جب میں درود شریف پڑھتا ہوں تو کیا آپ سماعت فرماتے ہیں؟ فرمایا ہاں میں سنتا ہوں اور تیری مجلس میں ملائکہ مقربین بھی حاضر ہوتے ہیں۔ پھر میں نے عرض کی یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم آپ میرے ضامن ہو جائیں۔ جواب ملا ”تو میری ضمانت میں ہے۔“ میں نے التجا کی کہ سرکار صلی اللہ علیک وسلم میرے متوسلین کے بھی ضامن ہو جائیں۔ فرمایا میں ان کا بھی ضامن ہوں۔ میں نے مزید گزارش کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم! میرے متوسلین میں فلاں شخص بھی ہے آپ نے فرمایا ہاں وہ صالحین میں سے ہے پھر میں نے اپنے شیخ کے متعلق سوال کیا فرمایا وہ اولیاء اللہ میں سے ہے۔ میں نے گزارش کی یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم آپ ان سب کے ضامن ہو جائیں جو میری اس کتاب کو پڑھیں جو میں نے درود پاک کے عنوان پر لکھی ہے فرمایا میں اس کتاب کا مطالعہ کرنے والوں کا اور ان سب کا ضامن ہوں جو اس کتاب میں لکھے ہوئے درود پڑھیں اور تم اس درود پاک کو بکثرت پڑھا کرو اور تجھے ہر وہ نعمت بخشی گئی جو تو نے مانگی۔

میں بیدار ہو گیا اللہ تعالیٰ سے امید رکھتا ہوں کہ وہ مجھے بکثرت درود شریف پڑھنے کی توفیق بخشے گا اور یہ کہ وہ ہمیں اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت سے محروم نہ رکھے گا، (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم)

اور یہ فقیر راقم الحروف بوسیۃ حضرت احمد بن ثابت رحمۃ اللہ علیہ یہ امید رکھتا ہے کہ اس نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود پڑھنے کے جو بھی فضائل اپنی استعداد کے مطابق لکھے ہیں آپ انہیں قبول فرمائیں اور اس کتاب کو مقبول بنائیں گے نیز بوسیۃ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام امیدوار ہے کہ اللہ رب کریم ورحیم اس فقیر کو بکثرت درود شریف پڑھنے کی توفیق عطا فرمائے گا۔

امیر المؤمنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کی بات ہے کہ ایک متمول شخص کو درود شریف پڑھنے کا بہت شوق تھا جبکہ اس کا کردار اچھا نہ تھا بس وہ ہر وقت درود شریف پڑھتا رہتا تھا جب اس کا آخری وقت آیا اور جان کنی کی حالت طاری ہوئی تو اس کا چہرہ سیاہ اور بھدا ہو گیا اور اس پر سکرات موت کی سخت طاری ہو گئی جو کوئی اسے دیکھتا وہ ڈر جاتا تھا اس نے اسی حالت میں ندائی یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم میں آپ سے محبت کرتا ہوں اور ہر وقت آپ پر درود شریف پیش کرتا ہوں فوراً ہی آسمان سے ایک پرندہ نازل ہوا اور اس نے اس شخص کے چہرے پر پر پھیر دیا جس سے اس کا چہرہ منور ہو گیا اور زعفران کی خوشبو مہکنے لگی۔ سکرات موت کی شدت بھی کم ہو گئی اور اللہ کا یہ بندہ کلمہ پڑھتا باسانی دنیا سے رخصت ہو گیا اور جب اسے تجہیز و تکفین کے بعد قبر میں رکھا جانے لگا تو ایک آواز آئی جو تمام حاضرین نے سنی۔ ہم نے اپنے اس بندے کو بخش دیا اور درود شریف کی برکت سے قبر سے اٹھا کر جنت میں پہنچا دیا ہے۔ یہ سن کر لوگ بہت متعجب ہوئے۔ رات کو کسی نے اسے خواب میں دیکھا کہ وہ زمین و آسمان کے درمیان ٹہل رہا ہے اور آیت درود کے ساتھ درود شریف پڑھ رہا ہے:

اللهم صل وسلم وبارک علی سیدنا و مولانا محمد معدن الجود والکرم وعلی آلہ وصحبہ اجمعین

آپ کا نام نامی اے صَلِّ عَلَی

ہر جگہ ہر مصیبت میں کام آ گیا ہے

حضرت ابوالکھض کا غدی رحمۃ اللہ علیہ کو ان کے وصال کے بعد کسی نے خواب میں دیکھا تو پوچھا حضور کیا حال ہے فرمایا اللہ غفور و رحیم نے مجھے بخش دیا ہے، مجھ پر رحم فرمایا ہے اور مجھے جنت میں بھیج دیا ہے۔ پوچھا گیا آپ کے کس عمل کے سبب آپ کو ان انعامات سے نوازا گیا۔ فرمایا جب میں بارگاہ رب العزت میں حاضر ہوا تو فرشتوں کو میرے گناہ شمار کرنے کا حکم ملا لہذا فرشتوں نے میرے نامہ اعمال سے میرے صغیرہ و کبیرہ سب گناہ اور سب غلطیاں گن کر اللہ کے دربار میں پیش کر دیں پھر حکم دیا گیا کہ یہ جو درود شریف پڑھا کرتا تھا اسے شمار کیا جائے جب حسب الحکم درود شریف کی گنتی کی گئی تو وہ میرے گناہ سے زیادہ ہوا پس اللہ نے فرشتوں کو بتایا کہ میں نے اس کا حساب کتاب معاف کر دیا ہے لہذا اسے جنت میں پہنچا دو اور بحمد اللہ میں جنت کی سیر کر رہا ہوں۔

حضرت شیخ شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے بتایا کہ میرا ایک ہمسایہ فوت ہو گیا۔ میں نے اسے خواب میں دیکھا اور اس کا حال پوچھا اس نے بیان کیا کہ میرے سامنے بڑے ہی خوفناک مناظر آئے۔ نکرین کے سوال و جواب کا وقت تو مجھ پر نہایت ہی دشوار اور خوفناک تھا حتیٰ کہ مجھے خیال ہونے لگا کہ میرا خاتمہ ایمان پر ہوا ہے یا نہیں اچانک کسی نے مجھ سے کہا کہ تیری زبان بیکار رہی اس لئے آج تو اس خوف میں مبتلا ہے۔ اب عذاب کے فرشتوں نے مجھے سزا دینے کا ارادہ ہی کیا تھا کہ میرے اور ان فرشتوں کے درمیان ایک نوری انسان حائل ہو گیا جو کہ نہایت ہی حسین و جمیل تھا اس کے جسم مقدس سے خوشبو مہک رہی تھی۔

وہ مقدس انسان نکرین کے سوالوں کے جوابات مجھے بتاتا رہا تھا اور میں انہیں دہراتا رہا اور امتحان کے اس مرحلہ میں، میں کامیاب ہو گیا پھر میں نے اس نوری انسان سے پوچھا آپ کون ہیں؟ اس نے جواب دیا میں تیرا درود شریف ہوں جو تو اپنے آقا ﷺ پر پیش کیا کرتا تھا۔ اب تو فکر نہ کر میں قبر میں حشر میں میزان و پل صراط پر ہر جگہ تیرے ساتھ رہوں گا۔

بلخ میں ایک دولت مند تاجر رہتا تھا اس کے دولڑکے تھے۔ یہ بڑا ہی خوش نصیب تھا کہ مال و دولت کے علاوہ اس کے پاس ایک عظیم نعمت یہ تھی کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تین مبارک بالوں کا خادم و مالک تھا جب اس شخص کا انتقال ہو گیا تو اس کے دونوں لڑکوں نے اس کا مال و دولت اور سب ساز و سامان آپس میں تقسیم کیا جب مقدس بالوں کی باری آئی تو دو بال تو دونوں نے لے لئے اور تیسرے پر جھگڑا ہو گیا بڑے بھائی نے کہا اس بال کے دو حصے کئے جائیں اور آدھا آدھا لے لیا جائے۔ چھوٹے بھائی نے کہا قسم خدا کی میں ایسا کبھی نہیں ہونے دوں گا کون ظالم ہے کہ سرکار ﷺ کے موئے مبارک کو توڑے۔ بڑے نے جب چھوٹے کی عقیدت و محبت دیکھی تو کہا کہ اچھا تم یہ تینوں بال لے لو اور اپنی جائیداد کا ایک حصہ مجھے دے دو۔ چھوٹا عاشق رسول تھا اپنے بڑے بھائی کے اس فیصلہ پر اس کی خوشی کی کوئی حد نہ رہی اور فوراً راضی ہو گیا۔ دولت قربان کی اور تینوں موئے مبارک لے لئے (مؤمن کامل کے لئے یہ سب سے بڑی دولت ہے) اس نے ان مقدس بالوں کو نہایت احترام سے رکھا جب عشق غالب ہوتا تو ان کی زیارت کرتا اور خوب جھوم جھوم کر درود شریف پڑھتا۔ بڑا بھائی اپنی دولت کو بھی نہ سنبھال سکا چند دن بعد ہی کنگال ہو گیا اور اسے اللہ نے بڑی برکت دی اس کی دولت بڑھتی رہی اور یہ اپنے باپ سے بھی زیادہ دولت مند ہو گیا لوگوں میں اسے عزت بھی حاصل ہوئی کیونکہ وہ عاشق رسول ﷺ تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ



والسلام کے دربار عالی میں تحفہ درود پیش کرتا تھا۔

موئے مبارک

اس واقعہ میں میرے آقا ﷺ کے موئے مبارک اور اس کی برکت کا ذکر آیا ہے تو ہم بے چین ہیں کہ چند سطور سرکار ﷺ کے مقدس بالوں سے متعلق لکھنے کا شرف حاصل کر لیں کیونکہ شاید اب تک ہم اس عنوان پر کچھ نہ لکھ سکے ہیں اور شاید آئندہ اوراق میں بھی کوئی ایسا موقع نہ ہوگا کہ ہمیں یہ شرف حاصل ہو سکے۔

حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر اللہ کی بے شمار رحمتیں نازل ہوں کہ انہوں نے صرف حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا علمی خزانہ ہی ہمیں منتقل نہ کیا بلکہ آپ ﷺ کی حیات مبارکہ کے ہر لمحہ کے حالات ہم تک پہنچائے۔ مزید برآں یہ کہ انہوں نے ایک صحیح وارث کی حیثیت سے نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے متروکات آپ کے تبرکات کی حفاظت فرمائی اور ہم غلاموں کو ان کا بھی وارث بنایا۔ یہ میرے آقا ﷺ کی خصوصیات میں سے ایک ہے کہ آپ کے تبرکات مقدسہ دنیا میں اب تک موجود ہیں اور ہمیشہ رہیں گے کیونکہ جس طرح یہ غلام اپنے آقا ﷺ کے تبرکات شریفہ کی حفاظت کرتے ہیں کہ ان پر اپنی جان اپنا مال سب کچھ قربان کر دینے کے لئے آمادہ رہتے ہیں اس کی نظیر دنیا کی کسی قوم میں نہیں مل سکتی اگرچہ یہ افسوس ہے کہ بعض مسلمان ہی ان مقدس تبرکات کے دشمن بھی ہیں حتیٰ کہ وہ جن آثار مبارکہ کے امین تھے انہیں مٹا کر ہی انہوں نے دم لیا لیکن پھر بھی اس کا ایک بڑا انمول حصہ اہل ایمان کے پاس محفوظ رہا۔ انہی میں سے آپ ﷺ کے مبارک بال بھی ہیں جو دنیا کے گوشہ گوشہ میں اہل ایمان کے پاس محفوظ ہیں، الحمد للہ رب العلمین۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ حجام حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے سر سے مقدس بال اتار رہا تھا اور ”أَطَافَ بِهِ أَصْحَابُهُ“ صحابہ کرام آپ کے گرد گھوم رہے تھے۔ ”فَمَا يُرِيدُونَ أَنْ تَقَعَ شَعْرَةٌ إِلَّا فِي يَدِ رَجُلٍ“ وہ جانتے تھے کہ آقا ﷺ کا کوئی بال بھی زمین پر گرنے سے پہلے ان کے ہاتھ میں ہو۔

حدیث مبارکہ سے واضح ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی یہ عاشقانہ ادائیگی کہ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے بابرکت بالوں کو عام انسانوں کے بالوں کی طرح ضائع نہ ہونے دیتے تھے انہیں نہایت ادب و احترام کے ساتھ جمع کر لیتے اور اپنے پاس محفوظ کر لیتے تھے اور آقا ﷺ نے اپنے غلاموں کو اس جذبہ عشق و محبت کی تکمیل سے کبھی نہ روکا بلکہ اسے پسند فرمایا۔ جیسا کہ حدیث میں ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع پر جب حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے حلق کرایا تو آپ نے خود اپنے متبرک بال صحابہ کرام میں تقسیم کرنے کا حکم دیا۔ صحابہ نے ان کو محفوظ کر لیا اور وہ اس کو اپنی جانوں سے زیادہ عزیز رکھتے اور ان کا نہایت ہی احترام کرتے تھے۔ ملاحظہ ہو ان مقدس بالوں کے احترام کی کیفیت۔

محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے عبیدہ السلمانی کو بتایا کہ ہمارے پاس حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے چند مبارک بال ہیں جو ہمیں بواسطہ حضرت انس رضی اللہ عنہ ملے ہیں اس پر حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر ہمارے پاس حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا ایک بھی موئے مبارک ہو تو وہ ہمیں دنیا کی تمام نعمتوں سے زیادہ عزیز اور پیارا ہو۔

ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چند موئے مبارک ایک شیشی میں محفوظ کئے ہوئے تھے جس کی کو نظر لگتی یا اور کوئی بیماری ہوتی تو ام المؤمنین رضی اللہ عنہا صرف وہ شیشی پانی میں گھما کر پانی اسے دے دیا کرتی تھیں جس کے پینے سے مریض شفا یاب ہو جاتا تھا۔

اسی قسم کی روایت ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق ہے کہ انہوں نے موئے مبارک ایک چاندی کی ڈبیہ میں رکھے ہوئے تھے اور جب ان کے پاس کوئی بیمار آتا وہ ڈبیہ پانی میں ڈالتیں اور پانی اسے دے دیتی تھیں جسے پینے سے اللہ اسے شفا بخشا تھا۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اپنے آقا ﷺ کا مقدس بال اپنی ٹوپی میں رکھا کرتے تھے اور جب جنگ میں جاتے تو وہی ٹوپی پہنا کرتے اور سرکار ﷺ کے اس موئے مبارک کی برکت سے دعائے فتح و نصرت کیا کرتے تھے اور اللہ ہمیشہ انہیں دشمنان اسلام پر غلبہ اور فتح عطا فرماتا تھا۔ اتفاق سے جنگ یمامہ کے دوران آپ کی یہ مقدس ٹوپی کسی طرح گر گئی۔ آپ شدید جنگ کے دوران ہی اپنی سواری سے اترے اور ٹوپی اٹھائی۔ دیکھنے والوں کو حیرت ہوئی کہ اتنے تجربہ کار جرنیل نے یہ غلطی کیسی کی کہ اگر ایسی حالت میں دشمن ان پر حملہ کر دیتا تو مسلمانوں کو نہایت ہی عظیم نقصان پہنچ سکتا تھا۔ لوگوں نے آپ سے اس غلطی کی وجہ پوچھی تو آپ نے فرمایا میں نے کوئی غلطی نہ کی نہ ہی میری یہ ٹوپی اتنی قیمتی تھی جس کی وجہ سے میں نے ایسا کیا بلکہ میری فتح و نصرت کا بڑا ہتھیار اسی ٹوپی میں ہے اور وہ ہے میرے آقا ﷺ کا موئے مبارک جس سے میں کسی بھی قیمت پر محروم نہیں ہونا چاہتا تھا چاہے میری جان ہی چلی جاتی اور نہ ہی میں یہ برداشت کر سکتا تھا کہ یہ بابرکت بال دشمن کے ہاتھ لگے اور وہ اس کی بے حرمتی کرے۔ پس میں نے خطرہ مول لیا اور اس کی حفاظت کا حق ادا کیا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کے پاس اپنے آقا ﷺ کا موئے مبارک تھا جسے وہ بڑی حفاظت اور بڑے ہی احترام سے رکھتے تھے انہوں نے وصیت کی کہ میرے مرنے کے بعد یہ مقدس بال میرے منہ میں رکھ دیا جائے تاکہ اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے میری مغفرت فرمادے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا موئے مبارک اور تراشے ہوئے ناخن تھے۔ آپ بھی ان کا بے حد احترام اور ادب کرتے تھے۔ آپ نے وصیت فرمائی کہ میرے مرنے کے بعد یہ میری زبان کے نیچے رکھ دیئے جائیں کہ قیامت کے دن یہ میرے لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شفاعت کا وسیلہ بنیں گے۔

ذرا ان حضرات کے عقیدے پر غور کیجئے کہ کوئی انہیں امر اس سے نجات کا ذریعہ یقین کرتا ہے تو کوئی ان مقدس بالوں کو ذریعہ کامیابی و کامرانی سمجھتا ہے تو کوئی ان کو وسیلہ نجات و وسیلہ شفاعت و مغفرت جانتا ہے اور احترام کا یہ حال ہے کہ مرنے کے بعد بھی انہیں جسم کے اس محفوظ حصہ میں رکھنے کی وصیت کی جا رہی ہے جس تک منی کا اثر سب سے بعد میں بہت دیر سے ہوتا ہے۔ سبحان اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم وبارک۔

غرضیکہ ہمیں ممنون ہونا چاہئے ان اصحاب کرام کا کہ انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صرف خزانہ علمی اور عملی

ہی کو ہم تک نہ پہنچایا بلکہ آپ کے مقدس تبرکات کو بھی ہماری طرف منتقل فرمایا اور ان کا ادب و احترام کرنے اور ان کی حفاظت کرنے کا ڈھنگ بھی سکھایا۔ اللہ انہیں جزائے خیر دے۔

### تنگی قرطاس

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر بدیہ درود و سلام پیش کرنے سے متعلق ہم کافی واقعات قلمبند کر چکے ہیں کتابیں ہمارے گرد پھیلی ہوئی ہیں اور یوں محسوس ہوتا ہے جیسے ہم کسی چمنستان میں ہیں جس میں پھولوں سے لدی ٹہنیاں ہمیں دعوت دے رہی ہیں کہ ہم ان سے پھول چنتے ہی رہیں اس نظارے سے ہمارا بھی دل نہیں بھر رہا لیکن کیا کیجئے تنگی وقت اور تنگی قرطاس جس کے سبب اب ہم اس باغیچے سے باہر نکلنے پر مجبور ہو رہے ہیں خیر ہم باہر جاتے ہیں لیکن ہمیں یقین ہے کہ نہ تو یہ پھول کبھی مرجھائیں گے اور نہ ہی ان کی بھینی بھینی خوشبو کبھی ہمارے دل و دماغ سے ختم ہوگی تو چلتے چلتے چند پھول اور جن لیتے کیا عجب کہ انہی کی مہک ہمارے اندر کسی کے وصل کی کشش پیدا کر دے۔ ﷺ

کسی عورت نے خواجہ حسن بھری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہو کر گزارش کی کہ میری بیٹی کا انتقال ہو گیا ہے میں اسے خواب میں دیکھنا چاہتی ہوں۔ آپ نے بتایا کہ بعد عشاء چار رکعت نفل پڑھو اس طرح کہ ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد سورہ تکوین پڑھی جائے اور پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود شریف پڑھتے پڑھتے سو جاؤ۔

اس عورت نے یہی عمل کیا پس اس نے خواب میں اپنی بیٹی کو نہایت ہی برے حال میں دیکھا کہ گندھک کا لباس پہنے ہے۔ ہاتھ اور پاؤں بیڑیوں سے جکڑے ہوئے ہیں وہ گھبرا کر اٹھی اور خواجہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی بیٹی کا حال بیان کیا۔ آپ نے فرمایا کچھ صدقہ و خیرات کرو شاید اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائے اور معاف کر دے کہ صدقہ و خیرات دنیا و آخرت کی مصیبتوں سے نجات کا ذریعہ ہے۔ رات کو خود حضرت خواجہ صاحب نے دیکھا کہ ایک لڑکی نہایت حسین و جمیل جنت میں ایک تخت پر بیٹھی ہے اس نے خواجہ صاحب سے پوچھا حضرت کیا آپ مجھے پہچانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا نہیں اس نے بتایا میں وہی ہوں جس کی ماں آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی تھی۔ خواجہ صاحب نے فرمایا بیٹی! تیری ماں نے تو تیری بہت ہی بری حالت بیان کی تھی لیکن میں تو تجھے نہایت اچھی حالت میں دیکھ رہا ہوں۔ لڑکی بولی کہ حضور میری ماں نے تو صرف مجھے ہی برے حال میں دیکھا تھا جبکہ جس قبرستان میں مجھے دفن کیا گیا تھا اس کے ستر ہزار مرد و عورت میری ہی طرح عذاب الہی میں مبتلا تھے لیکن خوش قسمتی سے اس قبرستان میں ایک عاشق رسول پہنچ گیا جس نے چند مرتبہ درود شریف پڑھ کر ہمیں اس کا ثواب بخش دیا۔ پس اللہ نے رحم فرمایا اور اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود شریف کی برکت سے ہمیں معاف کر دیا، ﷺ

حضرت احمد بن ثابت مغربی رحمۃ اللہ علیہ نے بتایا کہ میں درود شریف کے عنوان پر اپنی کتاب لکھ رہا تھا دیوار سے پشت اٹکائے قبلہ رو بیٹھا تھا۔ قلم اور کاغذ ہاتھ میں لئے ہوئے تھا کہ ایسی حالت میں غیند آگئی خواب میں دیکھا کہ میں ایک خالی زمین میں ہوں جہاں کوئی مزارت وغیرہ نہیں صرف ایک مسجد نظر آئی جس کے باہر تک لوگ جمع تھے جیسے تیسے میں مسجد کے اندر پہنچا لیکن کہیں بیٹھنے کی گنجائش نہ تھی کہ ایک آدمی نے مجھے اشارہ کیا اور میں اس کے پاس تھوڑی سی جگہ پر بمشکل بیٹھ گیا۔ میرے

دائیں طرف ایک نورانی چہرے والا نہایت ہی حسین و جمیل نوجوان تھا جسے دیکھ کر میرے دل میں اس کی محبت پیدا ہوئی اور میں نے چاہا کہ میں اس کا نام و نسب پوچھوں تھوڑی دیر سوچا اور پھر میں نے اس سے کہا اے نوجوان تجھے اللہ اور اس رسول ﷺ کا واسطہ مجھے بتا کہ تو کون ہے؟ اس نے جواب دیا تم میرا نام و نسب پوچھ کر کیا کرو گے لیکن میرے بے حد اصرار اور شوق کو دیکھ کر وہ بولا کہ میرا نام رومان ہے اور میں ایک فرشتہ ہوں اب تو میرا شوق اور بھی بڑھا۔ میں نے پھر اس سے کہا تجھے ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کرام کا واسطہ مجھے اپنا نام و نسب صحیح صحیح بتادے وہ بولا میں صحیح بتا رہوں کہ میرا نام رومان اور نسب یہ ہے کہ میں ملائکہ میں سے ہوں۔ میں نے تیسری مرتبہ پھر پوچھا اس نے پھر یہی جواب دیا اب تو میری خوشی کی انتہا نہ رہی میں نے پوچھا لیکن آپ ان انسانوں میں کیا کر رہے ہیں انہوں نے کہا یہ جو آپ کو انسان نظر آ رہے ہیں سب ہی فرشتے ہیں۔ میں نے کہا کہ میں آپ کے ساتھ رہنا چاہتا ہوں وہ بولا کیا ہمیشہ کے لئے میں نے اثبات میں جواب دیا اس نے کہا ایسا نہیں ہو سکتا تم ہمارے ساتھ بس اتنی ہی دیر رہ سکتے ہوں جتنی دیر یہ محفل ہے۔ ہاں میں تمہیں ایک جن اور جنیہ کے ساتھ کئے دیتا ہوں جب تک چاہو اس کے ساتھ رہنا۔ میں راضی ہو گیا اور سوچا کہ چلو جن کے ساتھ جب تک رہوں گا وہ میری حفاظت کرے گا اور خدمت کرے گا پس اس فرشتے نے دو جنوں کو آواز دی وہ جن اور جنیہ فوراً حاضر ہو گئے اس نے حکم دیا کہ ہمیشہ اللہ کے اس بندے کے ساتھ رہو۔ انہوں نے کہا لیکن اس کی نیت اچھی نہیں یہ ہمارے سہارے اپنے دشمنوں پر غلبہ حاصل کرنا اور ان پر ظلم کرنا چاہتا ہے اور ہم اس کی استطاعت نہیں رکھتے نیز یہ قضائے الہی کے خلاف ہے مجھے یہ سن کر ان سے نفرت سی ہوئی اور میں نے کہا ٹھیک ہے میں آپ کے ساتھ رہنا نہیں چاہتا۔ میں نے اس فرشتے سے پوچھا کہ اس مجلس میں کون کون سے فرشتے موجود ہیں؟ اس نے بتایا کہ مقربین بارگاہ ملائکہ میں سے حضرت جبرئیل، حضرت میکائیل، حضرت عزرائیل اور حضرت اسرافیل علیہم السلام بھی یہاں تشریف فرما ہیں۔ میں نے اللہ اور رسول کا واسطہ دے کر گزارش کی کہ آپ مجھے حضرت جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت کرا دیں جو میرے آقا ﷺ کے خادم اور عاشق ہیں اچانک محراب کی طرف سے آواز آئی اے اللہ کے بندے میں جبرئیل ہوں میں نے دیکھا کہ وہ نہایت حسین و جمیل ہیں پس میں نے سلام عرض کیا انہوں نے جواب دیا۔ میں نے دعا کی درخواست کی انہوں نے میرے لئے دعائے خیر کی میں نے قسم دے کر درخواست کی کہ مجھے آپ نصیحت فرمائیں انہوں نے فرمایا تیرے سامنے ایک بیہودہ امر آئے گا تو اس سے بچنا اور اللہ کی امانت ادا کرنا۔

پھر میں نے رومان فرشتے سے خواہش ظاہر کی کہ میں حضرت میکائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت سے مشرف ہونا چاہتا ہوں فوراً ہی محراب کی طرف سے آواز آئی میں ہوں میکائیل۔ میں ان کے قریب ہوا اور سلام عرض کر کے درخواست کی کہ میرے لئے دعا فرمائیں اور مجھے کچھ نصیحت کریں ارشاد ہوا عدل کرو اور عہد پورا کیا کرو مجھے اچانک خیال آیا کہ یہ حضرت اسرافیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کیسے ہو سکتے ہیں جبکہ میرے آقا ﷺ کا ارشاد ہے کہ اسرافیل کا سر آسمانوں سے اوپر اور پاؤں ساتویں زمین کے اندر ہیں میں نے جو نظر اٹھائی تو وہ اپنی اصلی صورت میں موجود تھے اور واقعی ان کا سر آسمانوں پر اور پاؤں زمین کے اندر دھنسے ہوئے تھے۔ میں نے کہا میں آپ کو انبیاء علیہم السلام کا واسطہ دیتا ہوں آپ اپنی پہلی صورت پر آ

جائیں میں مانتا ہوں کہ آپ ہی اسرافیل ہیں وہ پہلی صورت میں آگئے میں نے گزارش کی کہ مجھے کوئی نصیحت فرمائیں ارشاد ہوا دنیا کو چھوڑ دو اللہ کی رضا حاصل ہوگی۔

پھر میں نے حضرت عزرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت کرنا چاہی تو وہیں سے آواز آئی میں عزرائیل ہوں اور وہ نہایت ہی حسین و جمیل نظر آ رہے تھے میں نے دعا کی درخواست کی انہوں نے میرے لئے دعا فرمائی۔ میں عرض گزار ہوا اے اللہ کے مقرب فرشتے! جان آپ ہی نکالیں گے پس میں گزارش کرتا ہوں اور آپ کو اللہ اور اس کے رسول کا واسطہ دیتا ہوں کہ مجھ پر کچھ نرمی فرمائیں۔ فرمایا ہاں میں نرمی کروں گا لیکن شرط یہ ہے کہ آپ آقائے کائنات ﷺ پر بکثرت درود شریف پیش کیا کریں۔ میں نے گزارش کی حضور آپ مجھے کچھ نصیحت فرمائیں انہوں نے نصیحت کی فرمایا لذتوں کو توڑنے والی، بچوں کو یتیم کرنے والی بھائی، بہنوں کو جدا کرنے والی (موت) کو یاد رکھا کرو پھر میں بیدار ہو گیا اور میں سب نصیحتوں پر عمل کرتا ہوں بالخصوص حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ہر لمحہ درود پیش کرتا رہتا ہوں کہ اسی سے سکرات موت آسان ہوں گے۔

حضرت شیخ احمد بن ثابت مغربی رحمۃ اللہ علیہ نے بتایا کہ میں نے درود شریف کی جو برکات دیکھی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ میں نے ایک خواب دیکھا کہ میں دوزخ میں ہوں لیکن دوزخ کی آگ کا مجھ پر بالکل اثر نہیں ہو رہا کیونکہ میں درود شریف پڑھ رہا تھا میں نے وہاں ایک عورت دیکھی جس کا شوہر میرا دوست تھا وہ کہنے لگی اے شیخ! کیا تمہیں خبر نہیں کہ میں اور میرا خاوند دوزخ کی آگ میں تڑپ رہے ہیں مجھے بہت صدمہ ہوا میں اس عورت کے ساتھ اس مقام پر پہنچا جہاں ان دونوں پر عذاب ہو رہا تھا اور دیکھا کہ ایک ہنڈیا ہے جس میں گندھک کا پانی کھول رہا ہے۔ عورت نے بتایا یہ وہ پانی ہے جو آپ کے دوست کو پلایا جائے گا میں نے کہا آخر میرے دوست کو یہ سزا کیوں ملی حالانکہ وہ تو نیک آدمی تھا اس نے بتایا کہ وہ نیک تھا لیکن حلال و حرام کا امتیاز کئے بغیر دولت جمع کرتا تھا۔

اس کے علاوہ میں نے دوزخ میں سخت آگ کی خندقیں اور وادیاں دیکھیں پس میں نے آسمان کی طرف پرواز کی اور میں آسمانوں کے قریب پہنچ گیا میں نے فرشتوں کی آواز سنی کہ وہ اللہ کی توحید، تقدیس اور تسبیح بیان کر رہے ہیں کسی نے مجھ سے کہا کہ اے شیخ مبارک ہو تم اہل خیر میں ہو میں نیچے ایسی جگہ اتر ا جہاں وہ عورت کھڑی تھی دیکھا کہ اس کے ساتھ میرا دوست بھی ہے وہ بہت خوش تھا بولا اے شیخ! اللہ نے تمہاری وجہ سے ہماری بخشش کر دی اور درود شریف کی برکت سے نجات عطا فرمادی پھر میں وہاں سے چلا تو ایسی جگہ پہنچ گیا جس سے اچھی جگہ شاید ہی کسی نے دیکھی ہو۔ اس میں ایک بالا خانہ تھا جو نہایت عالی شان بلند اور خوبصورت تھا اس میں ایک حسین و جمیل عورت بیٹھی آنا گوندھ رہی تھی۔ میں نے اس آٹے میں بال دیکھا تو کہا اللہ تجھ پر رحم فرمائے اس بال کو آٹے میں سے نکال دے۔ اس نے کہا میں یہ بال نہیں نکال سکتی یہ اللہ ہی نکال سکتا ہے کہ یہ بال تیرے دل میں دنیا کی محبت کا بال ہے تو چاہے تو اسے نکال دے اور چاہے تو رہنے دے اور پھر میں بیدار ہو گیا، بہر حال:

درود شریف بکثرت پڑھنا دنیا و آخرت کی تمام پریشانیوں کو ختم کر دیتا ہے۔

..... درود شریف گناہوں کو مٹا دیتا ہے اور بخشش و مغفرت کا ذریعہ ہے۔

..... درود شریف کی برکت سے قیامت کی ہولناکیوں سے نجات حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے ایمان کی گواہی نصیب ہوگی۔

..... درود شریف کی برکت سے میدانِ حشر میں رضائے الہی نصیب ہوگی اور عرش الہی کے سایہ تلے پناہ ملے گی۔

..... درود شریف کی برکت سے میزان پر اعمالِ صالحہ کا پلہ بھاری ہوگا حوض کوثر پر حاضری نصیب ہوگی۔

..... درود شریف کی برکت سے جنت میں بلند مقام حاصل ہوگا۔

..... درود شریف کی برکت سے مال و دولت میں اضافہ ہوتا ہے۔

..... درود شریف کے صلہ میں سو سے زیادہ حاجات پوری کی جاتی ہیں۔

..... درود شریف پڑھنے والا ہی قیامت میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے قریب تر ہوگا۔

..... درود شریف قبر، حشر اور پل صراط پر نور بن کر پیش ہوگا۔

..... درود شریف کی کثرت کرنے والے سے اہل ایمان محبت کرتے ہیں اور منافق اس سے دور ہو جاتے ہیں۔

..... درود شریف کی برکت سے خواب میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت ہونا یقینی ہے اور اگر مزید کثرت

اور خلوص سے اس کا ورد کیا جائے تو حالت بیداری میں بھی آپ کی زیارت ممکن ہے۔

..... درود شریف پڑھنے والے کو تفکرات، الجھنوں اور پریشانیوں سے نجات میسر آتی ہے زندگی پر سکون اور اطمینان

بخش ہو جاتی ہے۔

..... درود شریف بیشتر امراض کے لئے تریاق کا اثر رکھتا ہے۔

..... درود شریف کی برکت سے رزقِ حلال کی کثرت اور وسعت ہوتی ہے۔

..... درود شریف تمام اعمال میں سب سے زیادہ قابل قبول اور ذریعہ نجات ہے۔

..... درود شریف قبولیت دعا کا یقینی وسیلہ ہے۔

..... درود شریف تمام نفلی عبادات اور جملہ اوراد و وظائف سے افضل ترین عبادت و وظیفہ ہے۔

مولای صلی وسلم دائما ابدا علیٰ حبیبک خیر الخلق کلہم

طریقہ درود

قرآن کریم نے انوکھے بے نظیر و بے مثال اور نہایت واضح الفاظ میں درود شریف پڑھنے کا اہل ایمان کو حکم دیا ہے

نیز ہم کافی احادیث صحیحہ اور واقعات معتبرہ پیش کر چکے ہیں جو درود شریف کے فضائل اور ان کی برکتیں جاننے کے لئے کافی

ہیں نیز احکام میں صرف یہی واحد حکم ہے جس کی تعمیل کا کوئی مخصوص طریقہ نہ اللہ نے متعین فرمایا اور نہ ہی شارعِ عالیہ الصلوٰۃ

والتسلیم نے جب نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ تمام عبادات و معاملات کے طریقے مقرر اور متعین ہیں جس کی تفصیل قرآن و

حدیث میں موجود ہے اور جن سے متعلق تفصیلی مسائل جاننے کے لئے ہم فقہ کے محتاج ہیں لیکن درود شریف پڑھنے کا حکم تو واضح ہے لیکن نہ اس کا کوئی طریقہ متعین ہے اور نہ ہی اس کے متعلق کوئی مسائل ہیں جبکہ یہ بھی حقیقت ہے کہ مفسرین اور محدثین کا قلم سب سے زیادہ آیت درود ہی کی تفسیر کے موقع پر رواں دواں معلوم ہوتا ہے۔ اس عنوان پر ضخیم کتابوں کا ذخیرہ موجود ہے لیکن کسی میں اس سے متعلق کوئی مسئلہ نہیں مسئلہ ہو کیسے جب اس پر عمل کا کوئی مخصوص طریقہ ہی نہیں ان ضخیم کتابوں کے اوراق صرف درود شریف کے فضائل اور اس کی برکتوں سے مزین و آراستہ ہیں اور ہر مصنف سے یہی پیغام ملتا ہے کہ ”درود شریف کی کثرت دنیا و آخرت کی بھلائی اور ہر قسم کی کامرانی و کامیابی کا ذریعہ ہے نجات اور شفاعت کا وسیلہ ہے۔“

اور کسی طریقہ کا تعین کیا بھی کیونکر جاتا کہ درود تو وہی پڑھتا ہے یا درود کا فیض اسی کو حاصل ہوتا ہے یا درود اسی کا قبول ہوتا ہے جو عاشق ہو اور عشق کسی طریقہ کا پابند نہیں ہو سکتا کہ مظاہرہ عشق طریقوں کی پابندی کے ساتھ ہو ہی نہیں پاتا۔ بس محبوب کا حکم ہوتا ہے اور محبت کی طرف سے عاشقانہ انداز میں مستانہ و ارتعیل ہوتی ہے۔ کوئی بھی ادا محبوب کو بھا جاتی ہے تو وہی ذریعہ وصل و قرب بنا دی جاتی ہے۔ اسی لئے مقررین بارگاہ کے واقعات میں بس کثرت درود کا ذکر ملتا ہے کسی خاص طریقہ کا نہیں جو جیسے چاہے اپنی محبت و عقیدت کا اظہار کرے آزادی ہے کہ کہیں تو آزادی ہونا چاہئے آخر آزادی بھی تو اللہ ہی کی ایک نعمت ہے۔ چاہے بیٹھ کر درود شریف پڑھو یا لیٹ کر چلتے پھرتے پڑھو یا کھڑے ہو کر ہاتھ باندھ کر پڑھو یا چھوڑ کر بس پڑھو۔ مقصود اہل ایمان کی زبانوں سے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام سننا ہے جو رب کو بہت اچھا لگتا ہے مطلوب غلاموں کی طرف سے آقا ﷺ کی محبت کا مظاہرہ کرانا ہے جو رب کریم کی محبت کا ذریعہ ہے ”یا ایہا الذین امنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما۔“

”اللہم صل وسلم علی سیدنا و مولانا محمد معدن الجود و الکرم و علی الہ و صحبہ اجمعین۔“

کچھ لوگوں کو کھڑے ہو کر درود شریف پڑھنے پر اعتراض ہے معلوم نہیں کیوں ممکن ہے وہ خود معذور ہوں کھڑے نہ ہو سکتے ہوں تو دوسروں کا کھڑا ہونا بھی انہیں اچھا نہ لگتا ہو گمان غالب یہ ہے کہ ایسے لوگ جہالت میں مبتلا ہوتے ہیں یا جان بوجھ کر جاہل بنتے ہیں ورنہ ہم نے تو کہیں نہیں پڑھا کہ کسی حال میں بھی کھڑا ہونا شریعت مطہرہ نے ناجائز یا حرام قرار دیا ہو۔ ہاں بعض حالتوں میں صرف مکروہ تنزیہی ضرور ہے وہ بھی اس لئے کہ خلاف سنت ہے مثلاً کھڑے ہو کر پانی پینے، کھانا کھانے کی ممانعت یا پیشاب وغیرہ کرنے کی ممانعت صرف مکروہ ہے نہ حرام ہے نہ ہی ناجائز ہے جبکہ کھڑے ہو کر درود شریف پڑھنا ہمیں تو درود شریف پڑھنے کے طریقوں میں افضل ترین طریقہ معلوم ہوتا ہے کہ اس سے ادب و احترام اور عقیدت و محبت کا زیادہ اظہار ہوتا ہے۔

در اصل بات یہ ہے کہ بہت سے مسائل کا تعلق صرف ادب و احترام سے ہے اور اس کا تعلق انسان کے اپنے جذبہ اور احساس سے ہے مثلاً تلاوت سے قبل قرآن کریم کو بوسہ دینا، قرآن کریم پر کوئی دوسری کتاب نہ رکھنا وغیرہ یا کعبہ اور روضہ مبارکہ کی طرف پیر نہ کرنا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام مبارک لینے یا سننے پر انگوٹھوں کو بوسہ دے کر آنکھوں سے لگانا، جن

مصلوٰں پر کعبہ شریف، روضہ مبارک یادگیر قابل احترام مقامات کے نقوش ہوں ان نقوش پر پیر رکھنے سے گریز کرنا، کھانا نیچے رکھا ہو تو اوپر نہ بیٹھنا اور کھڑے ہو کر صلوٰۃ و سلام پڑھنا ان تمام باتوں کا تعلق باب الآداب سے ہے جن پر عمل کو صرف مستحب اور افضل ہی قرار دیا جاسکتا ہے فرض یا سنت ہر گز نہیں۔ باادب لوگ ان پر عمل کرتے ہیں بے ادب ان کی پروا نہیں کرتے اسی لئے ان مسائل میں اختلاف بھی زیادہ ہوتا ہے مثلاً ہم نے دیکھا ہے کہ اکثر اہل عرب قرآن کریم کے ساتھ ایک عام کتاب جیسا سلوک کرتے ہیں یا کعبہ و روضہ مبارک کی طرف پیر پھیلانے میں انہیں کوئی عار نہیں ہوتی۔ باب الآداب سے متعلق جتنے احکام ہیں ان کی تلقین و تبلیغ تو کی جاسکتی ہے لیکن حکم نہیں دیا جاسکتا نہ ہی ان کے تارکین سے لڑا جھگڑا جاسکتا ہے اور نہ ہی ان کے عاملین پر بدعت، شرک اور کفر کی گولیاں چلائی جاسکتی ہیں۔

کھڑے ہو کر صلوٰۃ و سلام پڑھنے کا تعلق بھی ادب و احترام سے ہے نہ فرض ہے نہ سنت صرف باادب لوگوں کا طریقہ ہے اظہار محبت و عقیدت کا ذریعہ ہے لہذا اس کا حکم دینا اس پر عمل نہ کرنے والوں سے لڑنا جھگڑنا انہیں گمراہ کہنا یا ان پر کفر کا فتویٰ لگانا سخت حماقت اور جہالت ہے۔ اسی طرح وہ لوگ بھی نہایت احمق اور جاہل ہیں جو اس مستحب عمل کو بدعت، شرک یا کفر قرار دیتے ہیں حتیٰ کہ ان کے زیر اہتمام مساجد میں انہوں نے اس نیکی کو ممنوع قرار دے رکھا ہے اور جن مساجد میں یہ عمل ہوتا ہے ان میں وہ فتنہ و فساد پیدا کرتے ہیں قتل و غارت تک نوبت پہنچ جاتی ہے کس قدر افسوسناک یہ صورت حال ہے ہم نے سنا کہ کسی مسجد میں ایک شخص نے اقامت میں ”اشھد ان محمداً رسول اللہ“ سنا تو آنکھوں کو بو سے دے کر آنکھوں سے لگا لیا برابر بیٹھے صاحب نے فوراً کہا یہ شرک ہے۔ اس نے کہا تو کیا میں مشرک ہوں بات اتنی بڑھی کہ لوگ نماز چھوڑ کر اس فتنہ میں مبتلا ہو گئے امام صاحب نے حکم دیا اس بدعتی کو دھکے دے کر مسجد سے نکال دو اب کیا تھا نمازیوں کا رخ بجائے کعبہ کے اس مظلوم کی طرف تھا خوب مار پیٹ ہوئی اور بالآخر اسے مسجد سے نکال دیا کتنے جاہل تھے یہ لوگ ایک مستحب کام کو روکنے کے لئے کتنے ہی گناہ کر ڈالے اور تقویٰ و پرہیزگاری کا دعویٰ اپنی جگہ برقرار رہا۔

بہر حال امت میں انتشار و افتراق کا سبب صرف جہالت ہے اور اس کے ذمہ دار وہ افراد ہیں جو جاہلوں کا ساتھ دیتے ہیں جبکہ کسی طبقہ کے اہل علم بھی اسے پسند نہیں کرتے اور نہ ہی کسی نے امور مستحب کو فرض و واجب یا ناجائز و حرام لکھا ہے کہ نہ تو فرض و واجب کی کوئی دلیل پیش کی جاسکتی ہے اور نہ ہی ناجائز و حرام کی۔ ہاں ایسے امور کو ”اصل الاشیاء الاباحۃ“ کے اصول کی بناء پر صرف جائز اور مستحب ہی کہا جاسکتا ہے اور ان امور پر لڑنا جھگڑنا، قتل و غارت کرنا، فتنہ و فساد پیدا کرنا یقیناً ناجائز و حرام ہے لہذا جو لوگ خصوصاً بعد نماز جمعہ مساجد میں کھڑے ہو کر صلوٰۃ و سلام پڑھتے ہیں وہ بڑے شوق سے پڑھیں اور جو لوگ بیٹھے ہیں انہیں ہر گز اپنے ساتھ شامل کرنے یا مسجد سے نکل جانے پر مجبور نہ کریں اسی طرح اللہ کے ذکر کے اس طریقہ پر کسی مسجد میں پابندی عائد کرنا ہر گز جائز نہیں بلکہ قرآن کریم کے ارشاد کے مطابق ایسا کرنے والے ظالم ہیں ”وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسْجِدَ اللَّهِ أَنْ يُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ وَسَعَىٰ خِرابُهَا“ اور کون زیادہ ظالم ہے اس سے جو روک دے اللہ کی مسجدوں سے کہ ذکر کیا جائے ان میں اس کے نام کا اور کوشاں ہو ان کی ویرانی میں مساجد کی آبادی صرف چار فرض پڑھ لینے



سے نہیں ہوتی بلکہ وہ اس وقت بارونق اور پر بہار ہوتی ہیں جبکہ ان میں اللہ کے ذکر کے دیگر طریقوں کو بھی اختیار کیا جائے۔ درس قرآن و حدیث ہو محافل میاں دو گیارہویں ہوں دیگر مقدس ایام پر علماء کرام کی تقاریر ہوں اظہارِ محبت و عقیدت کے لئے عوام کی کشش کے لئے ان پر چراغاں اور روشنی ہو صلوٰۃ و سلام ہو کہ یہی اللہ کی مساجد کا صحیح مصرف ہے اس سے روکنے والے بڑے ہی ظالم ہیں اللہ بدایت دے، آمین۔

### الفاظ درود

یہی صورت حال درود شریف کے الفاظ اور جملوں کی ہے بعض لوگوں کا اصرار ہوتا ہے کہ ہر موقع پر صرف درود ابراہیمی ہی پڑھا جائے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صرف اسی کو پڑھنے کی تعلیم دی ہے جبکہ یہ خیال بھی بالکل لغو ہے کم علمی یا جہالت کی پیداوار ہے یا خواہ مخواہ امت مسلمہ میں افتراق پیدا کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جیسا ہم عرض کر چکے ہیں کہ درود شریف کی روح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عقیدت و محبت کا اظہار کرنا آپ کا نہایت ادب و احترام کے ساتھ ذکر مبارک کرنا ہے لہذا کوئی بھی ایسے الفاظ اور جملے استعمال کرنا جن سے یہ مقصد حاصل ہو ہرگز ہرگز قابل اعتراض قرار نہیں دیا جاسکتا کہ جس طرح درود شریف پیش کرنے کا کوئی مخصوص طریقہ نہیں اسی طرح اس کے الفاظ بھی متعین اور مخصوص نہیں رہا معاملہ درود ابراہیمی کی عظمت و فضیلت اور حدیث شریف میں اس کے مذکور ہونے کا تو اس سے نہ کبھی کسی نے انکار کیا ہے اور نہ ہی انکار کیا جاسکتا ہے۔ اسی لئے افضل ترین عبادت نماز میں اس افضل ترین درود پڑھنے ہی کی تعلیم دی جاتی ہے اور یہی موقع اس کے لئے موزوں ترین ہے کہ اس طرح اس کی حفاظت بھی یقینی ہے کہ کوئی اور درود شریف یاد ہو یا نہ ہو لیکن یہ درود ابراہیمی ضرور یاد ہوتا ہے کہ نماز کے ساتھ ہی بچوں کو یاد کرا دیا جاتا ہے نیز یہی طریقہ اس کے بکثرت پڑھے جانے کا ہے کہ دیگر درود شریف تو صرف محافل میں نمازوں کے بعد یا بطور اوراد و وظائف پڑھے جاتے ہیں گویا انہیں مخصوص لوگ ہی جانتے اور پڑھتے ہیں مثلاً آپ کتنے لوگ ایسے بتا سکتے ہیں جنہیں درود تاج یاد ہو اور وہ اسے روزانہ چند مرتبہ بھی پڑھتے ہوں لیکن درود ابراہیمی تو ہر نماز کے اختتام پر پڑھا جاتا ہے چاہے وہ فرض ہو سنت ہو یا غل نماز ہو سوچ لیجئے دن رات میں یہ کتنا پڑھا جاتا ہوگا۔

علاوہ ازیں درود ابراہیمی بھی ایک نہیں، ایک تو صرف ان لوگوں کو یاد ہے جو ساری زندگی کے لئے اپنی ماں یا دادی کی یاد کرائی ہوئی نماز پر اکتفاء کئے ہوئے ہیں اور وہ خیال کرتے ہیں کہ بس یہی سب کچھ ہے حالانکہ احادیث مبارکہ میں درود ابراہیمی کے لئے بھی متعدد الفاظ اور جملے منقول ہیں جنہیں اہل علم جانتے ہیں اور نمازوں میں پڑھتے ہیں تو بتائیے کہ صرف ایک درود ابراہیمی پر اکتفاء کرنے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے نیز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود درود ابراہیمی کے علاوہ دوسرے درود تعلیم فرمائے جس کا مقصد امت کو یہی تلقین کرنا تھا کہ کسی مخصوص درود شریف پر اکتفاء نہ کیا جائے بلکہ ہمارے دربارِ عالی میں اچھے اچھے، پیارے پیارے موتیوں جیسے چمکدار الفاظ کی لڑیاں پرو کر پیش کی جائیں۔ جن سے غلاموں کی عقیدت، محبت اور ادب و احترام کا بھرپور اظہار ہو سکے۔ اسی لئے احکامِ ربانہ ان اللہ علیہم اجمعین نے متعدد درود شریف خود مرتب فرمائے

اور ان کی تعلیم دی۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے آٹھ صحابہ کے مختلف درود شریف نقل کئے ہیں جو اپنے الفاظ اور جملوں کے اعتبار سے واقعی چمکتے موتیوں کی لڑیاں نظر آتے ہیں۔

اور چونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور صحابہ کرام کے عمل نے یہ واضح کیا کہ درود شریف کے الفاظ و جملے عشاق جو چاہیں استعمال کر سکتے ہیں لہذا تابعین، تبع تابعین اور اسلاف نے عشق و محبت کے سمندر میں خوب خوب غوطہ زنی کی اور نہایت قیمتی اور حسین موتیوں کا ایک خزانہ ہم گناہ گاروں کے لئے جمع کر دیا بیشک ہم اس بیش بہا خزانہ کے وارث ہیں ہم اگر اس سے فیض حاصل نہ کریں تو یہ ہماری کتنی بڑی محرومی اور بد نصیبی ہوگی اس موقع پر میں ایک عظیم گنجینہ درود کا تذکرہ کرنے کا شرف حاصل کرنا چاہتا ہوں جو بلاشبہ امت مسلمہ کے لئے عظیم سرمایہ ہے اور اہل علم و عمل کے لئے دنیا و آخرت کی نعمتوں کے حصول کا وسیلہ ہے اور وہ ہے۔

### دلائل الخیرات شریف

اس کے مؤلف ہیں ولی کامل قطب الاقطاب شیخ المشائخ حضرت ابو عبد اللہ محمد بن سلیمان الحسنى الجزولى السملالى الشاذلى المالکی رحمۃ اللہ علیہ ۸۰۷ھ میں لیبیا کے مشہور شہر سوس میں پیدا ہوئے۔

حسنى کہلائے کہ حضرت امام حسن بن علی رضی اللہ عنہ کی اولاد تھے۔

جزولى کہلائے کہ افریقہ کی بربر قوم کے ایک بڑے قبیلہ جزولہ سے تعلق تھا۔

سملالى کہلائے کہ قبیلہ جولہ کی شاخ سملالہ سے تعلق تھا۔

شاذلى کہلائے کہ سلسلہ شاذلیہ سے روحانی وابستگی تھی اس سلسلہ عالیہ کے مشائخ میں سے تھے۔

مالکی کہلائے کہ مسلک کا فقہ مالکیہ کے پیروکار تھے۔ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے فقہی مسائل پر عامل تھے۔

شیخ جزولى رحمۃ اللہ علیہ نے مراکش کے شہر فاس میں تعلیم حاصل کی جہاں آپ کی رہائش کا کمرہ آج تک محفوظ ہے۔ علوم ظاہری سے فارغ ہو کر شیخ محمد بن عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے علوم باطنی حاصل کئے۔ چودہ برس روحانی تربیت کے لئے خلوت میں ریاض و مجاہد کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو ولایت کا بلند مرتبہ عطا فرمایا تقریباً بارہ ہزار چھ سو پینسٹھ افراد بحیثیت مرید آپ کے دامن سے وابستہ ہوئے۔

آپ کی وفات یکم ربیع الاول ۸۷۰ھ کو نماز فجر ادا کرتے ہوئے دوسری رکعت کے پہلے سجدے میں ہوئی۔ جامع مسجد سوس کے صحن میں ہی آپ کو دفن کیا گیا۔ ستر سال بعد مراکش کے شہنشاہ نے آپ سے بے پناہ عقیدت و محبت کی بناء پر آپ کا جسد مبارک سوس سے مراکش منتقل کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس مقصد کے لئے جب آپ کی ستر سالہ پرانی قبر انور کو کھودا گیا تو جسم اطہر بالکل تروتازہ نکلا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آپ سو رہے ہیں داڑھی اور سر کے بال بنے ہوئے معلوم ہوتے تھے کہ ابھی کسی نے آپ کا خط بنایا ہے۔ حاضرین میں سے کسی نے ہمت کی اور جسم مبارک کو ہاتھ لگایا تو محسوس ہوا کہ خون بھی اسی طرح جاری ہے جیسے زندہ جسم میں ہوتا ہے۔ اس وقت لوگوں کے لئے یہ کوئی حیرت کی بات نہ تھی کہ انہیں یقین کامل تھا کہ اللہ

قادر مطلق ہے اور وہ زندگی کے صدقہ میں ان کے عشاق کے جسموں کو بھی زمین کی خرد برد اور اس کے اثرات سے محفوظ رکھتا ہے بہر حال آپ کو مراکش لے جا کر وہاں کے مشہور قبرستان ریاض العروس میں دفن کیا گیا۔ مزار مبارک کی عمارت نہایت ہی حسین و شاندار ہے جہاں ہر وقت زائرین کا ہجوم رہتا ہے جو آپ کے مرتبہ مجموعہ دلائل الخیرات شریف کی تلاوت سے محفوظ ہوتے رہتے اور آپ کے فیوض و برکات ان کی میزبانی کرتے ہیں۔ قبر انور سے کستوری کی مہک پھیلتی رہتی ہے جس کا احساس آنے والوں کو دور سے ہی ہو جاتا ہے اور وہ درود شریف کی صدائیں بلند کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ آپ کا عظیم کارنامہ امت مسلمہ کو درود شریف کا بیش بہا خزانہ یعنی دلائل الخیرات شریف عطا کرنا ہے اللہ آپ کو جزائے خیر دے اور ہم پر بھی آپ کے فیوض و برکات جاری فرمائے۔

دلائل الخیرات شریف ایک عام کتاب نہیں جو مصنف نے اپنی شہرت اور مفاد کے لئے لکھ دی ہو نہیں بلکہ مؤلف نے مدتوں خود اس کا ورد کیا اور الفاظ کو چمکتا دمکتا موتی بنا کر قرطاسِ ابیض پر جڑایا یہ ان کا عظیم احسان ہے کہ انہوں نے ہمیں اس بیش قیمت خزانہ کا وارث بنایا۔ جو متلاشیانِ حق سے راستہ کی تاریکیوں کو دور کرتا ہے جو طالبانِ عرفان کو ان کی منزل سے قریب کرتا ہے۔ عاشقانِ صادق کو وصلِ محبوب کی نعمت سے سرفراز کرتا ہے۔ جو حاجت مندوں کی حاجت روائی کا ذریعہ ہے جو دنیا و آخرت کی فلاح و بہبود کا وسیلہ ہے۔ بلند درجات تک رسائی کا زینہ ہے اس کا ورد کرنے والوں کے چہرے پر نور ہو جاتے اور دل حلاوتِ ایمان سے لبریز ہو جاتے ہیں ان کے دن یادِ مصطفیٰ ﷺ میں گزرتے ہیں اور راتیں دربارِ مجتبیٰ ﷺ میں بسر ہوتی ہیں وہ ہر قسم کی نعمتوں سے مالا مال کر دیئے جاتے ہیں۔ وہ دنیا و مافیہا سے بے نیاز ہو کر اللہ اور رسول کی یاد میں مست رہتے ہیں ہر قسم کے خوف و ڈر اور حزن و ملال سے آزاد ہو جاتے ہیں جنہیں اللہ نے اپنے خزانوں کا مالک کیا وہ انہیں اپنے خزانوں کا مختار بنا دیتے ہیں ان کے محبوب کے بھکاری ان کے در پر جھولیاں پھیلاتے اور مرادیں پاتے ہیں غرضیکہ درود شریف کی تمام برکتیں اس مجموعہ درود میں موجود ہیں خوش نصیب ہیں اور قابلِ احترام ہیں قابلِ رشک ہیں قابلِ تقلید ہیں وہ جو اس مجموعہ متبرکہ کا ورد کرتے ہیں اور بلند مراتب پاتے ہیں۔

ہم شکر ادا کرتے ہیں اور ہر عاشقِ رسول کو شکر گزار ہونا چاہئے اس ولی کامل کا جس نے دریائے رحمت کی یہ نہر ہم تک پہنچائی۔ ”فجزاه اللہ عنا جزاء الخیر“ اللہ ان پر تاقیامت اپنی انوار و تجلیات کی بارش برساتا رہے اور ہمیں اس نہر سے سیراب ہونے کی توفیق بخشے آمین۔

دلائل الخیرات شریف کا پورا نام ”دلائل الخیرات و شوارق الأنوار فی ذکر الصلوٰۃ علی النبی المختار علیہ الصلوٰۃ والسلام“ ہے اس کی تالیف کا سبب ایک نہایت ہی ایمان افروز واقعہ ہے۔

حضرت شیخ جزولی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مریدین کے ہمراہ سفر کرتے ہوئے شہر فاس کے ایک گاؤں میں پہنچے دورانِ سفر ہی میں نماز ظہر کا وقت ہو گیا۔ پانی کی تلاش میں وقت نماز تک ہوتا جا رہا تھا بالآخر ایک کنواں ملا لیکن مشکل یہ پیش آگئی کہ پانی نکالنے کے لئے ڈول، رسی کچھ نہ تھا۔ آپ پریشان کھڑے سوچ رہے تھے کہ پانی حاصل کرنے کی کیا تدبیر کی جائے کہ اچانک

ایک آٹھ یا نو سالہ بچی کی آواز سنائی دی آپ کون ہیں اور اس قدر کیوں پریشان ہیں؟ فرمایا میں شیخ جزولی ہوں سخت پریشان ہوں نماز کا وقت تنگ ہو رہا ہے سب کو وضو کرنا ہے بیٹی! ہماری مدد کرو ڈول اور رسی لا دو تا کہ ہم پانی نکال کر وضو کر لیں۔ بچی دوڑی ہوئی قریب آئی بولی آپ تو بہت بڑے شیخ اللہ کے ولی ہیں میں نے آپ کی نیکیوں کا بہت چرچا سنا ہے۔ حیرت ہے ایک معمولی ضرورت آپ پوری نہیں کر پارہے بچی کنوئیں کے قریب گئی اور اس میں تھوک دیا۔ آنا فانا کنواں چشمہ بن گیا پانی اوپر تک آ کر بہنے لگا۔ حضرت شیخ پسینہ میں شرابور ہو گئے غلام انگشت بدنداں رہ گئے جیسے تیسے سب نے اپنے آپ کو سنبھالا۔ شیخ نے بچی کو اللہ کا واسطہ دیتے ہوئے کہا تھوڑی دیر یہاں ٹھہرو ہم نماز پڑھ لیں پھر تم سے کچھ بات کرنی ہے۔ سب نے وضو کیا نماز پڑھی خوب پانی سے سیراب ہوئے (حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے تو اس پانی سے صرف ایک مرتبہ وضو کیا اور راہ حق کے مسافر تا قیامت اس سے اپنی پیاس بجھاتے رہیں گے اپنے گناہوں کو دھوتے رہیں گے اور منزل تک پہنچتے رہیں گے)۔

فارغ ہو کر حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ بچی کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا اے بیٹی! اللہ تمہیں جزائے خیر دے کہ تم نے نماز قضاء ہونے کے گناہ سے ہمیں بچا کر ہم پر بڑا احسان کیا ہے۔ میں تمہیں اللہ اور رسول کا واسطہ دیتا ہوں کہ تم مجھے یہ بتا دو کہ اس عمر میں تمہیں یہ بلند مرتبہ و مقام کس عمل سے حاصل ہوا۔ بچی شرمندہ ہو کر بولی ایسا نہ کہئے میرے پاس نہ تو کوئی مرتبہ ہے نہ مقام۔ میں تو بکریاں چرانے والی ایک دیہاتی لڑکی ہوں ہاں یہ صدقہ اس آقا ﷺ پر بکثرت درود شریف پڑھنے کا ہے جس کے دامن رحمت میں صرف انسانوں ہی کو نہیں وحشی جانوروں کو بھی پناہ نصیب ہوتی ہے میں سارا دن بکریاں چراتے ہوئے اپنے اسی آقا ﷺ پر درود شریف پڑھتی رہتی ہوں انہوں نے بھی ایک موقع پر کنوئیں میں اپنا لعاب مبارک ڈال کر اس سے اپنے غلاموں کو سیراب کیا تھا میں نے انہی کی سنت پر عمل کیا اور ان ہی کے دریائے رحمت سے آپ سب سیراب ہوئے ہیں، صلی اللہ علیہ والہ واصحابہ اجمعین۔

حضرت شیخ جزولی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی واقعہ سے متاثر ہو کر اپنے مجرب درود شریف کتابی شکل میں جمع کرنے کا فیصلہ کیا اور ”دلائل الخیرات شریف“ کی صورت میں ہمیں یہ خزانہ بخشا۔ آپ نے اس بچی کا بتایا ہوا درود شریف بھی اس کتاب کے ساتویں جز میں شامل کیا ہے اسے صلوٰۃ البیر کہا جاتا ہے مختصر لیکن بے حد مؤثر و مفید ہے ہو سکے تو آپ بھی یاد کر لیجئے:

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ صَلَوةً دَائِمَةً مَّقْبُولَةً

تَوَدَّى بِهَا غَنَا حَقَّهُ الْعَظِيمُ ○

اے اللہ ہمارے آقا حضرت محمد ﷺ اور آپ کی آل پر ایسا درود بھیج جو ہمیشہ باقی رہے اور مقبول ہو کہ ادا فرمادے تو اس کے سبب ہماری طرف سے اس کے حق عظیم کو۔

مندرجہ بالا واقعہ ان میں سے ایک ہے جنہیں واقعات دعوت کہتے ہیں جو اللہ کی قدرت کاملہ سے وقتاً فوقتاً ظہور پذیر ہوتے رہتے تاکہ انہیں دیکھنے والے، سننے اور پڑھنے والے اپنا ایمان تازہ کریں اور ان اعمال کو اختیار کریں جو ان واقعات کے وقوع پذیر ہونے کا باعث یا سبب قرار دیا گیا۔ اللہ دعوت الی الحق کے لئے جسے چاہتا ہے پسند فرما لیتا ہے چاہے وہ

بچی ہو یا بچہ، مرد ہو یا عورت، امت مسلمہ کو ایک نعمت عظمیٰ سے سرفراز فرمانا مقصود تھا جس کے لئے ایک بچی کو وسیلہ بنا دیا گیا کہ اگر یہ واقعہ شیخ جزولی کو پیش نہ آتا تو شاید ہمیں یہ عطیہ الہی نصیب نہ ہوتا ہے، فالحمد لله رب العلمین۔

دلائل الخیرات شریف کے علاوہ بہت سے مختصر اور سہل درود شریف ہیں جو ہمیں ہمارے اسلاف نے بخشے صرف درود ابراہیمی پر اکتفاء کرنا قناعت نہیں بلکہ کفران نعمت کا ارتکاب ہوگا اور بڑی ہی محرومی ہوگی۔ ہم قارئین کے استفادہ کے لئے چند درود شریف پیش کرتے ہیں ہو سکے تو ان سب کو مختلف اوقات یا کسی ایک کو کسی بھی نماز کے بعد اپنا درود بنا لیجئے اور ہمارے لئے بھی دعا کیجئے کہ اللہ ہمیں بھی اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ساری زندگی درود پیش کرتے رہنے کی توفیق بخشے۔

اللہ اپنی بے شمار رحمتیں نازل فرمائے ہمارے اسلاف علماء و مشائخ پر جو ساری زندگی سمندرِ علم میں غوطہ زنی کرتے رہے اور ہمیں علم و عرفان کے ایسے ایسے موتی بخش گئے جن سے ہمارا ایمان چمک اٹھتا اور قلب روشن و منور ہو جاتا ہے۔ لیجئے ایک موتی آپ بھی لے لیجئے۔ حضرت الشیخ محمد بن علی نازلی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب خزینۃ الاسرار شریف میں لکھتے ہیں کہ:

درود شریف کی چار ہزار قسمیں ہیں اور ایک روایت کے مطابق بارہ ہزار قسمیں ہیں اور ان میں سے ہر درود شریف امت مسلمہ کی کسی نہ کسی جماعت میں بے حد پسندیدہ ہے کیونکہ وہ آقا ﷺ اور غلاموں کے درمیان رابطہ کا ذریعہ ہے اور انہوں نے اس میں بے شمار اسرار و رموز، خواص اور منافع پائے ہیں جبکہ درود شریف کے ذریعہ حصول مقاصد اور مصائب و آلام سے نجات کا تجربہ عام ہے۔

ہمیں عمرِ نوح بھی نصیب ہو جائے تب بھی شاید ان بارہ ہزار درودوں تک ہماری رسائی نہ ہو سکے کہ یہ تو اہل اللہ ہی کا مقدر ہے ہمیں جو کچھ اپنے بزرگوں سے نصیب ہو سکا اگر قبول ہو جائے تو کافی ہے۔ بہر حال اپنے خزانہ کے چند موتی آپ کے لئے پیش ہیں۔

چند درود شریف

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهُ یُصَلُّوْنَ عَلٰی النَّبِیِّ ۖ یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا صَلُّوْا عَلَیْهِ وَ سَلِّمُوْا  
تَسْلِیْمًا ۝

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ مَّعْدِنِ الْخُودِ وَالْكَرَمِ وَعَلٰی  
اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ۔

یہی وہ درود مقدس ہے جو مجھے میرے پیر و مرشد کامل حضرت صوفی کفایت علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے بخشا۔

میرے استاد مکرم غزالی دورانِ شیخ التفسیر والحدیث حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ نے قضا کے

حاجات کے لئے درج ذیل نسخہ یمیا مرحمت فرمایا۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا

مُحَمَّدٌ قَدْ ضَاقَتْ جِلَّتِي أَدْرِكُنِي يَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْكَ وَسَلَّمَ.  
میرے والد محترم شیخ التفسیر والحديث حضرت علامہ مفتی سید مسعود علی قادری رحمۃ اللہ علیہ کا وظیفہ درج  
ذیل درود تھا۔

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ  
وَبَارِكْ وَسَلِّمْ.

چند دیگر علماء و مشائخ جو درج ذیل درود شریف کا ورد کیا کرتے تھے۔  
قطب مدینہ منورہ حضرت شیخ ضیاء الدین احمد قادری مہاجر مدینہ منورہ درجہ ذیل درود شریف بکثرت پڑھتے تھے اور  
اپنے مریدین زائرین کو اسی کے ورد کی تلقین فرماتے تھے۔

صَلَّى اللَّهُ عَلَى النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ وَالْهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَوةً وَسَلَامًا  
عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ.

ہمارے اکثر ہم عصر علماء کرام کا ورد بھی یہی درود شریف ہے۔

اب چند دیگر نہایت ہی مفید و مؤثر درود شریف ملاحظہ ہوں:

اللَّهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلَى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ صَلَوةً تَكُونُ لَكَ  
رِضَاءٌ وَلِخَقِّهِ إِذَاءُ.

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُولِكَ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ وَعَلَى  
آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ تَسْلِيمًا. بِقَدْرِ عَظَمَةِ ذَاتِكَ فِي كُلِّ وَقْتٍ وَحِينٍ.

(اس درود شریف کا ثواب ایک ہزار درود کے مساوی ہے)

اللَّهُمَّ صَلِّ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ عَدَدَ  
مَا عَلِمْتَ وَزِنَةَ مَا عَلِمْتَ وَمِلَّةَ مَا عَلِمْتَ.

.....  
اللَّهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلَى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ النَّوْرِ الدَّائِي وَالسِّرِّ السَّارِي  
فِي سَائِرِ الْأَسْمَاءِ وَالصِّفَاتِ.

.....  
اللَّهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلَى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ الْخَبِيبِ  
الْعَالِي الْقَدْرِ الْعَظِيمِ الْجَاهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ.

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّالِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ فِى كُلِّ لَمْحَةٍ وَنَفْسٍ بَعْدَ كُلِّ مَعْلُومٍ لَكَ.

اَللّٰهُمَّ صَلِّ صَلَاةً كَامِلَةً وَسَلِّمْ سَلَامًا تَامًا عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ الَّذِى تَنَحَّلُ بِهٖ الْعُقَدُ وَتَنْفَرِجُ بِهٖ الْكُرْبُ وَتُقْضٰى بِهٖ الْخَوَاصُ وَتَنَالُ بِهٖ الرُّغَايِبُ وَحُسْنِ الْخَوَاتِمِ وَيُسْتَسْقٰى الْعَمَامُ بِوَجْهِهِ الْكَرِيْمِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ فِى كُلِّ لَمْحَةٍ وَنَفْسٍ بَعْدَ كُلِّ مَعْلُومٍ لَكَ يَا اَللّٰهُ.

اسلاف کے تجربہ کے مطابق یہ درود شریف نہایت ہی مفید و موثر ہے اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ ہر قسم کے غم و اندوہ اور پریشانیوں کو دفع فرما دیتا ہے۔ دنیا و آخرت کے بلند مراتب عطا فرماتا ہے۔ رزق کی کشادگی کر دیتا ہے ہر قسم کے حوادث و مصائب سے آزاد کر دیتا ہے۔ مخلوق کے دلوں میں اس کی محبت اور عزت پیدا کر دیتا ہے۔ اس کو پڑھ کر جو دعا مانگی جائے وہ قبول ہوتی ہے۔

ہر نماز کے بعد گیارہ مرتبہ پڑھا جائے یا روزانہ اکتالیس مرتبہ یا سو مرتبہ پابندی سے پڑھا جائے اور کسی اہم ضرورت کے لئے چار ہزار، چار سو، چالیس بار پڑھا جائے۔ اللہ توفیق دے تو پابندی سے اس کا ورد کیجئے:

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ صَلَاةً تُنَجِّنَا بِهَا مِنْ جَمِيعِ الْاَحْوَالِ وَالْاَفَاتِ وَتُقْضٰى لَنَا بِهَا جَمِيعُ الْحَاجَاتِ وَتُطَهَّرُنَا بِهَا مِنْ جَمِيعِ السَّيِّئَاتِ وَتُرْفَعُنَا بِهَا عِنْدَكَ اَعْلٰى الدَّرَجَاتِ وَتُبَلِّغُنَا بِهَا اَقْصٰى الْغَايَاتِ مِنْ جَمِيعِ الْخَيْرَاتِ فِى الْحَيَاةِ وَبَعْدَ الْمَمَاتِ يَا قَاضِىَ الْحَاجَاتِ وَيَا مُجِيبَ الدَّعَوَاتِ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝

اس درود شریف کے متعلق ولی کامل شیخ صالح مویٰ الضریر رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ میں سمندر میں سفر کر رہا تھا اچانک اتنا خطرناک طوفان آیا کہ کسی کے بچنے کی بظاہر کوئی امید نہ رہی۔ لوگ بدحواس ہو گئے اسی دوران مجھ پر غنودگی طاری ہو گئی اور تقریباً میں سو گیا کہ نبی رحیم و کریم ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوا۔ آپ ﷺ نے فرمایا تم مسافروں سے کہو کہ وہ ایک ہزار مرتبہ یہ درود شریف پڑھیں۔ میں بیدار ہوا اور تمام مسافروں کو حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا عطا کردہ یہ نسخہ کیسیا بتایا اور ہم سب مل کر یہ درود شریف پڑھنے لگے۔ ابھی تین سو مرتبہ ہی پڑھا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم سے مصیبت کو دور کر دیا۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ وَعَلٰى اٰهْلِ بَيْتِهٖ۔

شیخ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ”الصواعق المحرقة“ میں لکھتے ہیں کہ اس مبارک درود کو سو مرتبہ پڑھنے سے اللہ تعالیٰ سو حاجتیں پوری فرماتا ہے۔ جن میں ستر آخرت کی اور تیس دنیا کی ہوں گی۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَيِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُولِكَ وَصَلِّ عَلٰی  
الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ۔

حضرت امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا جس مسلمان کے پاس صدقہ کرنے کے لئے کچھ نہ ہو وہ اس درود شریف کو اپنی دعا میں پڑھے تو بلاشبہ یہ طہارت قلب کا ذریعہ بنے گا اور مومن تو اس وقت تک سیر نہیں ہوتا جب تک وہ جنت میں داخل نہ ہو جائے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی رُوْحِ مُحَمَّدٍ فِی الْاَرْوَاحِ وَعَلٰی جَسَدِهِ فِی الْاَجْسَادِ وَعَلٰی  
قَبْرِہِ فِی الْقُبُوْرِ۔

امام عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا ارشاد ہے کہ جس شخص نے مجھ پر ان الفاظ سے درود پڑھا اسے خواب میں میری زیارت نصیب ہوگی اور جس نے مجھے خواب میں دیکھا وہ بروز قیامت مجھے ضرور دیکھے گا اور جس نے مجھے قیامت کے دن دیکھا میں اس کی شفاعت کروں گا۔ وہ میرے حوض سے سیراب ہوگا اور اللہ اس کے لئے جہنم کی آگ حرام کر دے گا۔

علامہ یوسف بنہانی رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ بالا حدیث شریف کو نقل کرتے ہوئے فرمایا کہ میں نے خود اس کا تجربہ کیا اور سونے سے پہلے اس کا وظیفہ کیا اور سو گیا۔ میں نے خواب میں اپنے آقا ﷺ کا نورانی چہرہ چاند کی صورت میں دیکھا مجھے آپ سے شرف کلام بھی نصیب ہوا اور پھر یہ حسین چہرہ چاند میں چھپ گیا۔ میں اللہ سے سوال کرتا ہوں کہ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے صدقہ مجھے ان بقیہ انعامات سے بھی سرفراز فرمائے جن کا حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے اس حدیث پاک میں وعدہ فرمایا ہے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَيِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ سَيِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ فِی  
الْاَوَّلٰیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ وَ فِی الْمَلَاِ الْاَعْلٰی اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ۔

امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے بتایا کہ ایک دن حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم مسجد شریف میں رونق افروز تھے کہ ایک شخص آیا اور عرض کیا ”سلام ہو تم پر اے بلند عزت والے اور وسیع کرم والے“ تو حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے اسے اپنے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے درمیان بٹھایا حاضرین کو بہت تعجب ہوا کہ یہ کون خوش نصیب ہے جسے اتنا اعزاز بخشا گیا۔ پس اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ مجھے جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بتایا کہ یہ شخص مجھ پر ایسا درود شریف پڑھتا ہے جو آج تک اس سے پہلے کسی نے نہیں پڑھا پھر آپ نے مذکورہ بالا درود شریف سنایا۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ عَدَدَ مَا فِی عِلْمِ اللّٰهِ صَلَاةً دَائِمَةً بَدَوَامَ  
مَلِكِ اللّٰهِ۔



اسے ”صلوۃ سعادتہ“ کہا جاتا بقول بعضے مشائخ کرام یہ چھ لاکھ درود شریف کے مساوی ہے ہر جمعہ کو اسے ہزار بار پڑھنے کا بے حد ثواب بیان کیا گیا ہے۔

اللَّهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلَى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ عَدَدَ كَمَالِ  
اللَّهِ وَكَمَا يَلِيْقُ بِكَمَالِهِ۔

یہ درود صوفیاء کرام میں دور دکمالیہ کے نام سے مشہور ہے جس کا ثواب چودہ ہزار کے مساوی بیان کیا جاتا ہے ہر نماز کے بعد دس مرتبہ یا سو بار پڑھا جائے۔

اللَّهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلَى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ عَدَدَ أَنْعَامِ  
اللَّهِ وَأَفْضَالِهِ۔

شیخ احمد الصادق المصری کے ارشاد کے مطابق اس درود شریف کی برکت سے دنیا و آخرت کی بے شمار نعمتوں سے نوازا جاتا ہے اسے صلوۃ الانعام کہا جاتا ہے۔

اللَّهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلَى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ طِبِّ الْقُلُوبِ وَدَوَائِهَا  
وَعَافِيَةِ الْأَبْدَانِ وَشِفَائِهَا وَنُورِ الْأَبْصَارِ وَضِيَائِهَا وَعَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِينَ۔

ہر نماز کے بعد گیارہ مرتبہ اس کو پڑھنا امراض سے نجات کا ذریعہ ہے زعفران سے لکھ کر مریض کو گیارہ دن پلایا جائے یا کسی درد کی جگہ پر دم کیا جائے انشاء اللہ شفا ہوگی۔

درج ذیل اشعار ہمارے رفیق خلوت اور سکون و سرور کا ذریعہ ہیں جنہیں ہم اکثر گنتلاتے رہتے ہیں:

مَوْلَايَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا أَبَدًا

عَلَى حَبِيْبِكَ خَيْرَ الْخَلْقِ كُلِّهِمْ

يَا أَكْرَمَ الْخَلْقِ مَالِي مِنَ الْوَدْبَةِ سِوَاكَ عِنْدَ حُلُولِ الْحَادِثِ الْعَمَمِ

اے مخلوق میں سب سے زیادہ مہربان اور کریم کرنے والے میرے لئے کون ہے۔ آپ کے سوا جس کی پناہ لوں

حادثوں اور بلاؤں کے پہنچنے کے وقت۔

وَلَنْ يَضِيقَ رَسُولَ اللَّهِ جَاهُكَ بِي إِذَا الْكَرِيمُ تَجَلَّى بِاسْمِ مُنْتَقِمِ

میری شفاعت کرنے کے وقت حضور کا مرتبہ کم نہ ہوگا جس وقت اللہ تعالیٰ اپنے اسم منتقم کے ساتھ جلوہ افروز ہوگا۔

فَإِنَّ مِنْ جُودِكَ الدُّنْيَا وَصَرْتَهَا وَمِنْ غُلُومِكَ عِلْمُ اللَّوحِ وَالْقَلَمِ

تو بیشک دنیا و آخرت آپ کی بخششوں میں سے ہے آپ کے ملوم میں سے لوح و قلم ایک علم ہے۔

مَوْلَايَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا  
عَلَى حَبِيبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمْ  
يَا نَفْسُ لَا تَقْنَطِي مِنْ زَلَّةٍ عَظُمَتْ  
اِنَّ الْكِبَارِ فِي الْغَفْرَانِ كَاللَّمَمِ

اے نفس! جسم کے بڑے گناہوں کی وجہ سے ناامید نہ ہو بخشش کے سامنے کبیرہ گناہ چھوٹے ہوتے ہیں۔

لَعَلَّ رَحْمَةً رَبِّي حِينَ يَقْسِمُهَا  
تَاتِي عَلَى حَسْبِ الْعُصِيَانِ فِي الْقَسَمِ  
امید کامل ہے کہ جب اللہ کی رحمت تقسیم ہوگی تو گناہوں کے اعتبار سے اس کی تقسیم ہوگی۔

مَوْلَايَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا  
عَلَى حَبِيبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمْ

ہم نے یہ چند درود شریف پیش کر دیئے جو اپنے الفاظ کے اعتبار سے مختصر ہیں لیکن تاثیر و افادیت کے اعتبار سے نہایت ہی مؤثر اور مفید ہیں اہل ذوق انہیں بآسانی یاد بھی کر سکتے ہیں۔ ظاہر ہے بارہ بار درود تو ایک جگہ جمع کر دینا ممکن نہیں۔ ہاں ان سب سے افضل و اعلیٰ پھولوں کا مہکتا ہوا گلدستہ درود تاج ہے جسے ہر فاتحہ کے آخر میں پڑھنے یا ہر نماز کے بعد سات مرتبہ بالخصوص نماز فجر کے بعد گیارہ مرتبہ اس کی تلاوت نہایت ہی مفید ہے۔ تقریباً وظائف کی تمام ہی کتابوں میں موجود ہے۔ اب آپ غور فرمائیے ان حسین و جمیل گلدستوں کی مہکتی سے محروم رہنا بد ذوقی نہیں تو اور کیا ہے جبکہ درود ابراہیمی و اس کا اصل اور اعلیٰ ترین مقام نماز پہلے ہی حاصل ہے۔ پس یہ اسرار کہ یہ موقع پر صرف اسی کو پڑھا جائے یقیناً ہے جو ہے۔ ہم سنت رسول کو ترک کرنا ہرگز گوارا نہیں کرتے لیکن ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ اسلاف کی سنت بھی درحقیقت سنت رسول ہے جس پر عمل سنت رسول پر عمل کا وسیلہ ہے۔ اللہ ہمیں دین و ممانعت سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

### مقامات درود

اب ہم مختصراً ان مقامات کا بھی تذکرہ کرنا چاہتے ہیں جہاں درود شریف پڑھنا نسبتاً افضل، مستحب اور بہتر ہے لیکن اس سلسلے میں بھی وہ بات ذہن میں رہے جو ہم پہلے عرض کر آئے ہیں کہ درود شریف ہی وہ عبادت ہے جس میں کوئی پابندی نہیں مقامات درود کے سلسلے میں بھی یہی صورت ہے کہ اس کے لئے کسی مخصوص مقام کا تعین نہیں چاہئے آپ کہہ میں اس ہ ورد کریں یا گلی کو چوں اور بازاروں میں پہاڑ کی چوٹی پر یا سمندر کی تہہ میں کوئی پابندی نہیں لیکن چند اوقات اور مقامات یہ ہیں جہاں درود شریف پڑھنا افضل و بہتر ہے ان میں سے چند کا ذکر یہاں کیا جاتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور عالیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا جب لوگ کسی مجلس میں بیٹھتے ہیں اور اس میں نہ تو اللہ کا ذکر کرتے ہیں اور نہ ہی اس کے نبی پر درود شریف پیش کرتے ہیں تو قیامت کے دن وہ مجلس کے لئے وبال ہوگی چاہے تو اللہ ان کو عذاب دے اور چاہے تو بخش دے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور عالیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا جب لوگ بیٹھتے ہیں اور چہ کھڑے ہوتے ہیں اور حضور عالیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود نہیں پڑھتے تو قیامت میں وہ مجلس ان کے لئے باعث عذاب ہوگی۔

وہ جنت میں داخل ہو بھی جائیں گے تو ثواب سے محرومی کے باعث انہیں حسرت و ندامت رہے گی۔

بعض روایات کے مطابق جس محفل کی ابتداء اور اختتام حمد و ثناء اور صلوٰۃ و سلام سے ہو اللہ تعالیٰ اس مجلس میں کئے گئے فیصلے اس میں بنائے گئے پروگراموں پر عمل کو سہل فرما دیتا ہے اور اہل مجلس کو کامیاب و کامران کرتا ہے۔

ان ہی احادیث کے مطابق بحمد اللہ اہل سنت و جماعت کا یہ طریقہ ہے کہ وہ اپنی ہر محفل کی ابتداء قرآن کریم کی تلاوت اور نعت رسول اللہ ﷺ سے ہی کرتے ہیں کہ نعت شریف چاہے عربی میں ہو یا فارسی میں اردو میں ہو یا کسی بھی زبان میں، درود شریف کی بہترین قسم ہے جس سے سامعین محفوظ ہوتے ہیں ان کا ایمان تازہ ہوتا ہے ان کے دل حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یاد سے بے چین ہونے لگتے ہیں۔ نیز آپ کی محبت میں اضافہ ہوتا ہے جبکہ ہر نعت شریف سے قبل درمیان میں اور آخر میں وہ درود شریف بھی پڑھے جاتے رہتے ہیں جو اسلاف نے ہمیں عطا فرمائے ہیں۔ یہ محافل چاہے سیاسی نوعیت کی ہوں یا مذہبی محافل میلاد ہوں یا اولیاء کرام کے عرس کی محفلیں ہوں یا امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے جلسے ہوں غرضیکہ ہمارا معمول ہے کہ ہم اپنی ہر قسم کی محافل کی ابتداء اور ان کا اختتام حمد و ثناء اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود شریف پیش کرنے سے کرتے ہیں۔

لیکن افسوس کہ امت میں انتشار پیدا کرنے کی کوشش کرنے والے ان محافل پر بھی شرک و بدعت کا فتویٰ لگاتے ہیں جس سے ان کا مقصد شاید دین کے کاموں میں خلل پیدا کرنا ہو یا تبلیغ دین میں رکاوٹ ڈالنا ہو لیکن باوجود سخت کوششوں کے بحمد اللہ آج تک وہ کسی ایک محفل کو بھی بند کرانے میں نہ کامیاب ہو سکے ہیں اور نہ ہی کامیاب ہو سکیں گے۔ امت مسلمہ کو ثواب سے محروم کرنے کی کوشش کرنے والے یہ لوگ کس قدر ظالم ہیں کہ اپنے وقت اور دیگر وسائل کو نیک کاموں میں صرف کرنے کی بجائے انہیں روکنے میں صرف کرتے ہیں اللہ ہی انہیں ہدایت دے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا "إِذَا سَمِعْتُمُ الْمُؤَذِّنَ فَقُولُوا مِثْلَ مَا يَقُولُ ثُمَّ صَلُّوا فَإِنَّهُ مَنْ صَلَّى عَلَى صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ بِهَا عَشْرًا" جب تم مؤذن سے اذان سنو تو اذان کے جملے دہراؤ اور پھر مجھ پر درود شریف پیش کرو کیونکہ جو مجھ پر درود شریف پڑھتا ہے اللہ اس پر دس مرتبہ اپنی رحمتیں نازل فرماتا ہے۔

اس حدیث سے واضح ہے کہ اذان کے وقت باتوں اور کاموں کو چھوڑ کر صرف مؤذن کی طرف متوجہ ہو جانا چاہئے اور جو کلمات اذان مؤذن کہے انہیں دہرانا چاہئے۔ دوسری حدیث میں ہے جب مؤذن "حی علی الصلوٰۃ" اور "حی علی الفلاح" کہے تو تم کہو "لا حول ولا قوة الا باللہ العلی العظیم" اس کے بعد درود شریف پڑھا جائے اور دعا کی جائے جو بمطابق احادیث صحیحہ اذان کے بعد کے لئے متعین ہے۔

ظاہر ہے دعا تو ہاتھ پھیلا کر ہی مانگی جاتی ہے لیکن اللہ کے بندے اس کو بھی بدعت قرار دیتے ہیں۔ اختتام دعا کا جملہ نہایت ہی اہم ہے "وَارْزُقْنَا شَفَاعَتَهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ إِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيعَادَ" اے اللہ! قیامت کے دن ہمیں اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شفاعت نصیب فرما۔ بیشک تو اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا لیکن افسوس کہ اس اہم حصہ دعا

سے بھی اہل ایمان کو محروم رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ سعودی ٹیلی ویژن سے کبھی آپ نے اذان اور اس کے بعد دعائی ہوگی اس میں یہ آخری جملہ حذف کر دیا جاتا ہے۔ کس قدر جرأت ہے کہ ایک تو کھلم کھلا مسنون طریقہ کی خلاف ورزی کی جاتی ہے۔ دوسری شفیع المذنبین ﷺ کی شفاعت کا عملی طور پر انکار کیا جاتا ہے جو قرآن و حدیث سے ثابت ہے اور جب ہم ایسا کرنے والوں پر شرعی فتویٰ لگاتے ہیں تو الٹا ہم ہی پر امت مسلمہ میں انتشار و افتراق پیدا کرنے کا الزام دھر دیا جاتا ہے۔ مکر و فریب کی انتہا ہے چور خود ہی چور چور پکار کر دوسروں کو چور بنادیتا ہے۔

خاتون جنت حضرت سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بتایا کہ ”اِذَا دَخَلَ الْمَسْجِدَ صَلَّى عَلَيَّ وَسَلِّمْ“ جب کوئی مسجد میں داخل ہو تو مجھ پر درود و سلام پڑھے پھر اس طرح دعا کرے ”اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي ذُنُوبِي وَافْتَحْ لِي أَبْوَابَ رَحْمَتِكَ“ اے اللہ! میرے گناہوں کو معاف فرما دے اور اپنی رحمت کے دروازے میرے لئے کھول دے اور ”اِذَا خَرَجَ صَلَّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَسَلِّمْ“ اور جب کوئی مسجد سے نکلے تو مجھ پر درود شریف بھیجے اور اس طرح دعا کرے ”اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي ذُنُوبِي وَافْتَحْ لِي أَبْوَابَ فَضْلِكَ“ اے اللہ! میرے گناہوں کو معاف فرما دے اور مجھ پر اپنا فضل و کرم فرما۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ دعا میں جب تک درود شریف نہ پڑھا جائے وہ قبول نہیں ہوتی زمین و آسمان کے درمیان معلق رہتی ہے۔

اسی لئے اہلسنت و جماعت کی مساجد میں آئمہ کرام اختتام دعا پر آیت درود پڑھتے ہیں اور سب مل کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار میں عاجزانہ طور پر بدیہ درود شریف پیش کرتے ہیں اس عمل سے تمام حاضرین کو اس میں شرکت کا موقع مل جاتا ہے کوئی نہیں بھولتا اور کسی کی دعا زمین و آسمان کے درمیان معلق نہیں رہتی۔ یہ عمل نہ خلاف شرع ہے اور نہ ہی اس میں کوئی خرابی نظر آتی لیکن کہنے والے اس کو بھی بدعت کہتے ہیں اگر مان لیا جائے کہ یہ بدعت ہے تو ہر بدعت ہرگز گمراہی اور ضلالت نہیں ہوتی۔ شرعاً بدعت حسنہ پر عمل کی اجازت ہے اور قیامت تک اس پر عمل کرنے والوں کے ساتھ اس کا ثواب اس بزرگ کو بھی پہنچتا رہے گا جس نے روز اول اس کو جاری کیا۔ جیسے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے جمعہ کی پہلی اذان اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے پابندی کے ساتھ باجماعت نماز تراویح کی بدعت حسنہ جاری فرمائی۔ امت بالا اتفاق اس پر عامل ہے یہ علیحدہ بات ہے کہ کوئی آٹھ رکعت تراویح پڑھے اور کوئی بیس رکعت لیکن بہر حال عمل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی جاری کردہ بدعت حسنہ پر ہی ہوتا ہے جو یقیناً باعث ثواب ہے۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ میں نماز پڑھ رہا تھا قریب ہی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ رونق افروز تھے جب میں نماز سے فارغ ہو گیا تو پہلے میں نے اللہ کی حمد و ثنا کی پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر بدیہ درود و سلام پیش کیا پھر میں اپنے لئے دعا مانگنے لگا تو اللہ کے حبیب ﷺ نے فرمایا ”سَلْ نَعْطِيَكَ مَا تَنْتَ تَجِبُ دِيَا جَانِے“ یعنی درود شریف کی برکت سے تمہاری ہر دعا قبول ہوگی۔

ظاہر ہے کہ اس نمازی نے اتنی آواز سے یہ عمل کیا تھا کہ اسے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سماعت فرمایا اور قبولیت دعا کا مشرودہ دیا۔ اسی لئے ہم اہلسنت وجماعت کا بھی یہی معمول ہے کہ نماز سے فارغ ہو کر تھوڑی دیر بیٹھتے ہیں اور آواز بلند کلمہ شریف پڑھتے ہیں اور ”الصلوة والسلام علیک یا رسول اللہ“ کے محبوب ترین الفاظ کے ساتھ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود بھیجتے ہیں جو لوگ اس سے بھی منع کرتے ہیں اور خود بھی عمل نہیں کرتے بلکہ اس عمل خیر سے اتنی نفرت کرتے ہیں کہ ذکر ہی کے دوران صف سے نکل کر اپنی نماز میں مصروف ہو جاتے ہیں یا مسجد سے ہی چلے جاتے ہیں اللہ ان پر رحم کرے وہ یہ حدیث شریف غور سے پڑھیں۔ جسے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے کہ ایک دن صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اپنے محبوب آقا ﷺ کے گرد مسجد میں بیٹھے تھے کہ ایک شخص آیا اس نے نماز پڑھی اور بس دعا کرنے لگا ”اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ وَارْحَنِيْ“ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ تم نے بڑی ہی جلد بازی سے کام لیا (پھر آپ نے اپنے غلام کو طریقہ دعا تعلیم فرمایا تاکہ ہم بھی اس پر عمل کریں آپ نے فرمایا) جب نماز پڑھ چکو تو بیٹھو اللہ کی حمد و ثناء کرو مجھ پر درود پڑھو پھر دعا مانگو۔ اتنے ہی میں ایک اور صاحب آگئے انہوں نے بھی نماز پڑھی نماز سے فارغ ہو کر وہ بیٹھے اللہ کی حمد و ثناء کی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود بھیجا اور پھر دعا کی تو آقا ﷺ نے فرمایا ”اَيُّهَا الْمُصَلِّيْ اُدْعُ تُجَبُّ“ اے نمازی! دعا کرو تیری دعا قبول ہوگی۔

ان کے علاوہ بھی متعدد احادیث ہیں جن سے نماز کے بعد آواز بلند ذکر کرنا اور درود شریف پڑھنا ثابت ہے اگر کوئی لاعلمی یا غلط فہمی کی بناء پر اس عمل خیر کے ثواب سے محروم ہو رہا ہو تو اس کے لئے یہی کچھ کافی ہے جو آپ نے پڑھ لیا اور ضد و ہٹ دھرمی کا علاج تو حکیم لقمان کے پاس بھی نہیں۔

آخر میں عشق و محبت سے پُر ایمان افروز ایک واقعہ اور ملاحظہ فرمائیے پھر ہم مجبوراً آپ کو اس پھولوں بھرے مہکتے باغیچے سے واپس خاروں بھری دنیا کی طرف لے چلتے ہیں اللہ اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود شریف پڑھنے کی برکت سے ہماری پوری دنیا کو مہکتا ہوا باغیچہ بنا دے کہ ہمیشہ ہم اس سے پھول چنتے رہیں اور اپنے آقا ﷺ کے حضور پیش کرنے کا شرف پاتے رہیں۔

حضرت ابو بکر بن محمد رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ ایک روز میں ابو بکر بن مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں بیٹھا تھا کہ حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ آن پہنچے (حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ عشق و محبت میں دیوانے اور مجذوب تھے۔ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے معصروں میں سے ہیں سلسلہ قادریہ کے بزرگوں میں شمار ہوتے ہیں۔ ہمارے شجرہ عالیہ قادریہ رزاقیہ میں بھی ان کا نام موجود ہے۔ بغداد شریف میں ہی دفن ہیں۔ قبر انور پر ہمیں حاضری کا شرف حاصل ہے) تو حضرت ابو بکر مجاہد رحمۃ اللہ علیہ (جو خود اپنے زمانہ کے عظیم ولی اور بزرگ تھے) حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھ کر کھڑے ہو گئے ان سے معافی مانگا اور دونوں آنکھوں کے درمیان ہوسہ دیا۔ راوی کہتے ہیں کہ مجھے بہت حیرت ہوئی میں نے حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے کہا حضور! یہ تو ایک دیوانہ و مست شخص ہے اور آپ بھی اس کے متعلق یہی فرماتے ہیں۔ پہلے بھی یہ آپ کے دربار میں آتے رہتے تھے آپ ان کی طرف کوئی خاص توجہ تک نہ فرماتے تھے آج آپ نے ان پر اتنی شفقت کیوں فرمائی۔ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ

نے فرمایا ”میں نے ان کے ساتھ وہی کیا ہے جو آج رات میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کرتے دیکھا تھا اور جب میں نے آقا ﷺ سے یہی سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ شبلی کا یہ معمول ہے کہ وہ ہر فرض نماز کے بعد سورہ توبہ کی آخری آیت ”لقد جاءكم رسول من انفسكم“ آخر تک پڑھتے اور پھر تین مرتبہ کہتے ہیں ”صلی اللہ علیک یا محمد“ البذا یہ ہمیں بہت محبوب اور پیارے ہیں اور اللہ کو ان کا یہ عمل بہت پسند ہے۔

اللہ اکبر غور تو فرمائیے حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کو درود شریف کا یہ موقع اور یہ طریقہ کس نے بتایا نہ حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے اس کی تعلیم دی اور نہ ہی صحابہ و اسلاف میں سے کسی سے منقول ہے اور جو آیت وہ تلاوت کر کے درود شریف پڑھتے تھے وہ بھی آیت درود نہیں اس میں صرف حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مدح و نعت ہے۔ ظاہر ہے یہ ان کا اپنا ہی طریقہ تھا ان کے عشق و محبت کی ایجاد تھی جسے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی پسند فرمایا اور اللہ رب العزت جل مجدہ کو بھی پسند آیا۔ پس معلوم ہوا کہ درود شریف کے الفاظ، وقت، طریقہ اور مقام کا تعلق صرف عشق سے ہے اور محبت سے ہے جب اور جس طرح عشق و محبت کا تقاضا ہو پیش کیا جائے چاہے کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر نماز سے پہلے یا نماز کے بعد اسلاف کے الفاظ میں یا اپنے الفاظ میں درود ابراہیمی ہو یا کوئی بھی درود ہو۔ پس خلوص ہو اظہار عشق و محبت ہو بس وہی مقبول ہے یہ تو ہے ہی خلوص و محبت کا گلدستہ اسی کی مہک دل و دماغ کو معطر کرتی ہے اللہ ہمیں بھی ایسا ہی بدیہ درود و سلام پیش کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین، و صلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد و علی الہ وصحبہ اجمعین۔

اے ایمان والو! اپنے آقا ﷺ پر بکثرت صلوٰۃ و سلام بھیجا کرو کہ یہی وہ واحد عمل ہے جو سنت الہیہ ہے کہ اللہ اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام پر بکثرت درود و سلام کے پھول نچھاور کرتا ہے اور اس کے فرشتے بھی یہی گلدستے پیش کرتے رہتے ہیں اور اللہ تم سے بھی مطالبہ کرتا ہے کہ تم بھی اس کی اطاعت و فرمانبرداری کرو اور کثرت سے درود شریف پڑھو یہی وہ واحد عمل ہے جس کے مردود و مسترد ہونے کا شائبہ تک نہیں کیا جاسکتا اور سنو کہ یہی وہ واحد عمل ہے جس کے کرنے والوں پر آقائے رحمت علیہ الصلوٰۃ و التسلیم خصوصی نظر کرم فرماتے ہیں کہ انہیں دیکھتے بھی ہیں اور پہچانتے بھی ہیں اور یہی وہ واحد عمل ہے جو خلوص نیت اور عشق و محبت سے کیا جاتا ہے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس کا جواب بھی مرحمت فرماتے ہیں اور یہی ایسا واحد عمل ہے جس کا کوئی طریقہ متعین و مخصوص نہیں پس جیسے چاہو جہاں چاہو جس وقت چاہو اور جن الفاظ کے ساتھ چاہو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود پڑھو اور ان کے دربار عالی میں مہکتے پھولوں کے گلدستے پیش کرتے رہو اور یہی وہ واحد عمل ہے جس کے ایک مرتبہ کرنے سے اللہ کی طرف سے اس کا دس مرتبہ جواب ملتا ہے یہی وہ واحد عمل ہے جو رفع درجات اور اللہ و رسول سے قرب کا ذریعہ ہے اور یہی وہ واحد عمل ہے جو کوثر سے سیرابی کا وسیلہ میزان کا ثقیلہ اور پل صراط سے سہولت گزرنے کا ذریعہ ہے۔ یہی وہ واحد عمل ہے جس سے جنت وسیع اور قریب ہوتی ہے اور جہنم تنگ اور اس کی آگ ٹھنڈی ہو جاتی ہے اور یہی وہ واحد عمل ہے جو مغفرت و بخشش کا ذریعہ اور نار جہنم سے آزادی کا مشرودہ بنتا ہے اور یہی وہ واحد عمل ہے جس سے ایمان تازہ، چہرہ پر نور اور زندگی پر امن و پرسکون ہو جاتی ہے۔ پس اپنے نبی علیہ الصلوٰۃ و التسلیم پر خوب خوب درود و سلام

بھی جو دیکھو یہی وہ واحد عمل ہے جس سے رحمت باری کے دروازے وا اور رزق کے دروازے کشادہ ہوتے ہیں اور یہی وہ واحد عمل ہے جو صدقہ و خیرات کا نعم البدل بنتا ہے اور جس سے آفات و بلیات دور ہو جاتی ہیں۔ یہی وہ واحد عمل ہے جو گھروں میں قذیل بن کر چمکتا ہے اور جس سے قبریں روشن و منور ہو جاتی ہیں۔ یہی وہ واحد عمل ہے جس سے سکرانہ موت سہل ہوتے ہیں اور فرشتوں کی صدائے ”یا تہیہا النفس المطمئنة“ سنائی دیتی ہے۔

اللہم صل وسلم وبارک علی سیدنا و مولانا محمد معدن الجود و الکرم و علی الہ و اصحابہ اجمعین۔

مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام

شمعِ بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام

شہرِ یارِ ارم، تاجدارِ حرم

عرش کی زیب و زینت پہ عرشی درود

مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام

شمعِ بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام

نقطۂ سرِ وحدت پہ یکتا درود

فتحِ یابِ نبوت پہ بے حد درود

مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام

شمعِ بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام

ماہِ لاہوتِ خلوت پہ لاکھوں درود

کنزِ ہر بے کس و نوا پہ لاکھوں درود

مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام

شمعِ بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام

مولای صل وسلم دائماً ابداً

آیت درود کے بعد نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تسلیم و ایذاء پہنچانے کو گناہ عظیم قرار دیا جا رہا ہے جس کی تفصیل

انشاء اللہ اگلے مقالہ میں آپ ملاحظہ فرمائیں گے۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِهِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِهِ وَاصْحَابِهِ اَجْمَعِیْنَ۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ



## مقالہ ۲۶

### الاحزاب: ۲۹

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ آذَوْا مُوسَىٰ فَبَرَأَ اللَّهُ مِمَّا قَالُوا وَكَانَ  
عِندَ اللَّهِ وَجِيهًا ۝

(احزاب: ۲۹)

اے ایمان والو! نہ بن جانا ان (بد بختوں) کی طرح جنہوں نے موسیٰ علیہ السلام کو ستایا پس اللہ نے انہیں بری کر دیا اس سے جو انہوں نے کہا اور وہ اللہ کے نزدیک بڑے شان والے تھے۔

قرآن کریم امم ماضیہ بالخصوص بنی اسرائیل کے حالات تو نہایت تفصیل و وضاحت کے ساتھ بیان فرماتا ہے جبکہ اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امت کو خیر الامم ہونے کا شرف بخشا ہے لہذا واضح ہے کہ ان حالات کے بیان کا مقصد بنی اسرائیل یا دیگر گزشتہ امتوں کی عظمت و فضیلت کا اظہار نہیں بلکہ یہ حالات ہمارے لئے درس عبرت ہیں تاکہ ہم ان کا بغور مطالعہ کریں اور اپنی فضیلت و رفعت کی حفاظت کریں کہ اگر ہمیں ان حالات کا علم نہ ہوتا تو شاید ہم بھی ان جیسی بدکاریوں میں مبتلا ہو کر اللہ جبار و قہار کے غیظ و غضب کے مستحق قرار پاتے اور انہی کی طرح ہمیں بھی نیست و نابود کر دیا جاتا۔ اسی لئے ان



حالات کو بیان کرتے ہوئے ہمیں بار بار دعوت عبرت دی گئی ہے۔ ارشاد ہوا ”فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِيَ الْأَبْصَارِ“ اے اہل بصیرت عبرت حاصل کرو، اہل ایمان کو اللہ نے اپنے صاحب بصیرت نبی ﷺ کے طفیل بصیرت عطا فرمائی ہے پس انہیں چاہئے کہ ان واقعات کو قصہ کہانی نہ جانیں بلکہ ان پر غور کریں اور ان سے عبرت حاصل کریں کہ اسی لئے انہیں بیان کیا گیا ہے ورنہ قرآن کریم جیسی اہم کتاب میں ان کی گنجائش نہ تھی اور نہ ہی یہ کتاب مقدس کوئی تاریخی و واقعاتی کتاب ہے پھر فرمایا گیا ”لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّأُولِيَ الْأَلْبَابِ“ اہم ماضیہ کے واقعات میں اہل عقل و خرد کے لئے عبرت ہے۔ یہ واقعات قابل عبرت ہیں لائق لذت و مسرت نہیں۔ مزید ارشاد ہوا ”إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَن يَّخْشَى“ بیشک ان واقعات میں اس کے لئے بڑی عبرت ہے جو اللہ سے ڈرتا ہے۔ خشیت الہی جزو ایمان ہے جس کا ہر مومن کے قلب میں ہونا نہایت ہی ضروری ہے کہ اس کے بغیر حصول تقویٰ ممکن ہی نہیں قرب الہی کی منزل کی یہ پہلی سیڑھی ہے۔ اسی لئے قرآن و حدیث میں اس کی بے حد تاکید کی گئی ہے اس کی ابتداء ہی عبرت سے ہوتی ہے یعنی ان اعمال سے بچا جائے جو پہلوں کی تباہی و بربادی کا باعث بنے۔

’جیہ‘

حسین و خوبصورت، تندرست و صحت مند شخص کو کہا جاتا ہے جس کے چہرے پر جاذبیت ہو اس کی طرف خود بخود نظریں اٹھیں۔ حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے لئے اللہ رب العزت جل مجدہ نے خود ارشاد فرمایا کہ ”وَكَانَ عِنْدَ اللَّهِ وَجِيهًا“ وہ اللہ احسن الخالقین کے نزدیک وجیہ تھے، حسین و خوبصورت تھے، تندرست و صحت مند تھے، ان میں جاذبیت تھی کوئی مانے یا نہ مانے لیکن اللہ کے نزدیک وہ بلاشبہ ایسے ہی تھے۔ علاوہ ازیں قرآن کریم نے ان کی مزید خوبیاں بیان کیں۔ فرمایا گیا ”إِنَّهُ كَانَ مُخْلَصًا وَكَانَ رَسُولًا نَّبِيًّا“ وہ مخلص یعنی باطنی اور قلبی اعتبار سے ہر معاملہ میں صاف ستھرے تھے اللہ نے نبوت و رسالت کا انہیں جو عظیم منصب سونپا اس کی ذمہ داریاں پوری کرنے میں بھی وہ مخلص تھے اور لوگوں کے معاملہ میں بھی ان کے ہر کام میں اخلاص ہوتا تھا۔ وہ قلب کی گہرائیوں سے چاہتے تھے کہ اپنی قوم کو اللہ کا پیغام پہنچائیں اور لوگ ان کی بات کو تسلیم کر کے دنیوی و اخروی عزت و نجات کے مستحق ہو سکیں اللہ نے انہیں اپنا رسول و نبی بنایا کہ اللہ جسے وجیہ و مخلص بناتا ہے اسی کو منصب نبوت و رسالت تفویض فرماتا ہے یعنی نبی و رسول ظاہری و باطنی اعتبار سے ہر عیب سے پاک و صاف ہوتا ہے اس کی صورت و سیرت میں کوئی ایسا عیب نہیں ہوتا جو قابل نفرت ہو اور لوگ اس کی وجہ سے اس سے بھاگیں یا نفرت کریں کیونکہ نبی کا کام تو لوگوں کو اللہ کا پیغام سنانا اور انہیں اپنے گرد جمع کر کے اللہ کا سپاہی بنانا اور اللہ کے لشکر میں شامل کرنا ہوتا ہے وہ اپنی قوم کو اللہ کے دین کی حفاظت اور نشر و اشاعت کی ذمہ داری سونپتا ہے اور ہر طرح اس ذمہ داری کو پورا کرنے کے لئے تیار کرتا ہے حتیٰ کہ وابستگان نبوت و رسالت صرف اللہ ہی کے لئے نہیں بلکہ اللہ کے رسول و نبی کی عزت و ناموس کے لئے بھی اپنی زندگیوں تک کٹا دینے پر آمادہ رہتے ہیں وہ کسی بھی طوفان کے مقابلہ پر نہ جنبش کرنے والا ایک مستحکم پہاڑ بن جاتے ہیں۔ نیز ارشاد باری تعالیٰ ہوا کہ اے موسیٰ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) ”إِنِّي اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسَالَتِي وَبِكَلَامِي“ میں

نے تمہیں اپنی رسالت اور اپنے کلام کا شرف بخش کر لوگوں پر بزرگی عطا فرمائی یعنی شرف رسالت اور شرف کلام کا مستثنیٰ یہ ہے کہ نبی و رسول امت میں مصطفیٰ ہو برگزیدہ ہو حتیٰ کہ امت کا کوئی فرد کسی بھی اعتبار سے اس کی ہمسری کا دعویٰ نہ کر سکے اس کے انسان و بشر ہونے کے باوجود کوئی مؤمن اسے اپنا جیسا انسان اور بشر نہ کہہ سکے۔ ایسا کہنا یا سمجھنا رسول کے اعلیٰ و بلند منصب کے انکار کے مترادف ہوگا اور دعویٰ ایمان کے باوجود ایمان نہ ہوگا۔

یہ تو حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا حال تھا جو بلاشبہ اللہ کے جلیل القدر نبی و رسول ہیں کلیم اللہ ہیں کہ اللہ نے انہیں بلا واسطہ شرف کلام سے نوازا۔ وجہ یہ، مخلص ہیں، مصطفیٰ ہیں لیکن بات اس وقت تک پوری نہیں ہوتی جب تک اس کا ذکر نہ ہو جو موسیٰ علیہ السلام کی یہ خوبیاں دنیا والوں کے سامنے لانے کا وسیلہ بنے ان کی قوم نے تو ان کے ہوتے ہوئے بھی ان کی عزت و ناموس کی پرواہ نہ کی بلکہ ان پر اپنے ایمان کا احسان ہی جتاتے رہے ہر موقع پر نخرے ہی دکھاتے رہے حتیٰ کہ اس نجات دہندہ نے جب ان سے دین کے دشمنوں کا مقابلہ کرنے کو کہا تو انہوں نے نہایت ہی صفائی سے دونوک جواب دیا ”فَاذْهَبْ أَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا إِنَّا هَاهُنَا قَاعِدُونَ“ تم اور تمہارا رب جا کر لڑو ہم یہاں تماشاخی بنے بیٹھے ہیں اللہ اکبر! کیسے بد نصیب تھے وہ جو اللہ و رسول کو تماشا بنا رہے تھے اور کیسے خوش نصیب تھے وہ جنہوں نے اپنے جسم چھلنی کرا لئے لیکن اپنے آقا ﷺ پر آنچ تک نہ آنے دی انہوں نے دنیا کو تماشا بنا ڈالا اور وہ بد بخت خود تماشا بن گئے اور آج تک تماشا بنے ہوئے ہیں اور قیامت تک ان کا یہی حال رہے گا کہ اللہ علیم و خیر کا اعلان ہو چکا ہے انہی کے لئے فرمایا گیا ہے ”ضَرْبَتْ عَلَيْهِمُ الذَّلَّةُ وَالْمُسْكِنَةُ وَبَاؤُ بِغَضَبٍ مِّنَ اللَّهِ“ مسلط کر دی گئی ان پر ذلت، غربت اور مستحق ہو گئے عذاب الہی کے ”ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ“ کیونکہ وہ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے رہتے تھے ”وَيَقْتُلُونَ النَّبِيَّ بِغَيْرِ الْحَقِّ“ اور انبیاء (علیہم السلام) کو بلا وجہ قتل کرتے رہتے تھے۔ ”ذَلِكَ بِمَا عَصَوْا كَانُوا يَعْتَدُونَ“ وہ نافرمان تھے اور حد سے تجاوز کر جاتے تھے خود انہوں نے اللہ کے رسولوں کو تماشا بنا یا، تھوڑے سے فرق کے ساتھ یہی بات سورہ آل عمران کی آیت ۱۱۲ میں بھی بتائی گئی ہے۔ غرضیکہ بد نصیب تھے خود ہی تماشا بن گئے اور خوش نصیبوں نے دنیا کو تماشا بنا دیا (رضی اللہ عنہم) تو جو رسول کے ہوتے ہوئے اس کی عزت و ناموس پر اپنا بال بیکانہ کرا سکے ان کی آنے والی نسلیں رسول کے لئے کیا ایثار و قربانی کر سکتی ہیں چاہے کتنے ہی رسول سے محبت و تعلق کا دعویٰ کرتے رہیں سب جھوٹے ہیں تماشا ہی بنے ہوئے ہیں۔ فلسطینی خوب ان سے کھیل رہے ہیں اور ہم خوب تماشا دیکھ رہے ہیں۔

بہر حال بات پوری نہیں ہو سکتی جب تک اس آقا ﷺ کا ذکر نہ ہو جس کا ارشاد ہے ”لَوْ كَانَ مُوسَىٰ حَيًّا لَّمَّا وَسِعَتْهُ إِلَّا اتِّبَاعِي“ اگر موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو انہیں بھی میری پیروی کرنا پڑتی اور جو زندہ ہے جب وہ دنیا میں تشریف لائے گا تو انہی کی پیروی کرے گا وہ تو ایسے وجہ ہیں کہ اللہ رب العزت جل مجدہ کو ان کی وجاہت بیان کرنے کی ضرورت پیش نہ آئی کہ خود ہی غلاموں نے اس کا اعتراف کر لیا۔ نیز اللہ جل مجدہ نے انہیں ”قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ“ کے اعلان کا حکم دیتے ہوئے خود فرمایا ”قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُبِينٌ“ ہم نے تم میں ایک نور مبعوث فرمایا جو ہماری

واضح اور روشن کتاب لے کر آیا ہے اس طرح آپ کے بشر ہونے کے باوجود آپ کے مادی و روحانی، ظاہری اور باطنی حسن کے کمال کا اظہار فرما دیا لہذا اب انہیں وجیہ کہنے کی ضرورت باقی نہ رہی کہ جو بشر ہوتے ہوئے نور ہو اس کی وجاہت کا کون انکار کر سکتا ہے اور کس کی وجاہت اس کا مقابلہ کر سکتی ہے۔ اسی لئے انہوں نے کہا ”كَانَ مَا الْقَمَرُ يَتَلَاءُ لَاءَ فِي وَجْهِهِ“ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ چاند میرے آقا ﷺ کے نورانی در کا بھکاری ہے اور غیروں کو تو اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ کہیں ”وَجْهَهُ لَيْسَ بِوَجْهِهِ كَذَّابٌ“ ان کے چہرہ انور سے ہی حق و صداقت کے آثار نمایاں ہیں نیز انہیں سخت دشمنی اور عداوت کے باوجود تسلیم کرنا پڑا کہ ان جیسا امین و صادق زمانہ نے نہ دیکھا۔ اب ان کی وجاہت کے متعلق مزید کچھ کہنے کی کیا ضرورت باقی رہی۔

انبیاء تہ کریں زانو ان کے زانوؤں کی وجاہت پہ لاکھوں سلام

غرضیکہ حضرت سیدنا موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام وجیہ تھے قرآن کریم نے ان کی وجاہت کا اعلان فرمایا اور ہر نبی ہی ظاہری و باطنی عیوب نیز قابل نفرت امراض سے پاک ہوتا ہے تاکہ امتی اس سے دور نہ بھاگیں رہا معاملہ سیدنا ایوب علیہ السلام کا کہ ان کو ایک شدید بیماری میں مبتلا ہونے کے باعث ان کے گھر والوں تک نے تنہا چھوڑ دیا تھا۔ حصول برکت و عبرت کے لئے مختصراً آپ کا بھی ذکر کرتے چلیں۔

سیدنا ایوب علیہ السلام

اللہ رب العزت جل مجدہ نے اپنے نبی حضرت ایوب علیہ السلام کو باطنی و روحانی کمال کے ساتھ ساتھ مادی و ظاہری وجاہت سے بھی خوب خوب نوازا تھا اپنے وقت کے دولت مند ترین شخص تھے بعض روایات کے مطابق پانچ سو بیلوں کی جوڑیوں، ہزاروں اونٹوں، بھیڑ اور بکریوں کے مالک تھے۔ نہایت وسیع و عریض خطہ ارض پر کھیتی باڑی کرتے تھے۔ سات جوان بیٹوں اور سات جوان بیٹیوں کے باپ تھے بیوی کنیا یا رحمت بھی نہایت ہی حسینہ و جمیلہ تھیں جو حضرت سیدنا یوسف علیہ السلام کی صاحبزادی یا پوتی تھیں خود حضرت ایوب علیہ السلام نہایت ہی تندرست و تنومند اور حسین و جمیل نوجوان تھے آپ کی قوم بھی آپ کا بڑا احترام کرتی تھی لوگ ہر وقت آپ کے گرد جمع رہتے تھے۔ غرضیکہ اللہ نے آپ میں تمام ہی خوبیاں جمع کر دی تھیں اور خوب خوب اپنے انعامات سے نوازا تھا لیکن وقت آیا کہ دینے والے نے لینے کی صفت کا بھی انہی کو مظہر بنایا ظاہر ہے جسے دیا جائے گا اسی سے تو لیا بھی جائے گا، خوب دیا اور جب لینے کا فیصلہ کیا تو خوب لیا سب کچھ لے لیا۔ روایات تو بڑی لمبی لمبی ہیں لیکن مستند باتوں کا خلاصہ پیش خدمت ہے۔ جنہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیان فرمایا اور مفسرین نے بھی قابل اعتبار قرار دیا۔

آہستہ آہستہ کھیتی باڑی ختم ہوئی جانور مرنے لگے ایک ایک کر کے سب بچے دنیا سے رخصت ہو گئے لیکن پیکر صبر و رضا کے ہاتھ سے نہ تو صبر کا دامن چھوٹا اور نہ ہی اپنے رب کریم کا شکر ادا کرنے میں کمی آئی۔ خود اپنا یہ حال ہوا کہ جسم پر دانے نمودار ہونے لگے اور دیکھتے دیکھتے پورا جسم نہ صرف پھول گیا بلکہ اس میں کیڑے بننے لگے جنہیں مارنے کی بجائے اللہ کا یہ

صابر بندہ دیکھتا اور مسکراتا تھا جب کوئی کثیر اجسم سے گر جاتا تو بڑی ہی احتیاط سے اسے اٹھا کر پھر زخم میں رکھ دیتا تھا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کوئی امانت ہے جس کی حفاظت کی جا رہی تھیں اور واقعی امانت ہی تھی کہ اللہ کی عطا کردہ ہر چیز بندے کے پاس امانت ہی ہوتی ہے چاہے اچھی ہو یا بری، آرام دہ ہو یا تکلیف دہ اور اگر بندہ اپنے رب کا عاشق ہو تب تو اس کی عطا کردہ کوئی چیز بری یا تکلیف دہ نہیں ہوتی وہ ہر چیز سے پیار کرتا اور اسے عطیۃ الہی ہی جانتا ہے اور حضرت ایوب علیہ السلام کی یہی کیفیت تھی۔ آپ کو سب نے چھوڑ دیا صرف ایک بیوی نے ساتھ دیا خود گھر سے نکل کر کوڑے کرکٹ کی ایک گندی جگہ پر جا بیٹھے کہ اب تو میں بھی کوڑا کرکٹ ہی ہوں۔ بیوی اب بھی خدمت کرتی رہیں آخر نیک تھیں شوہر کا مقام و مرتبہ جانتی تھیں اور شوہر بھی وہ جو اللہ کا نبی ہے خود انبیاء کے خاندان سے تھیں۔ اپنے باپ یا دادا یوسف علیہ السلام کی آزمائش کا واقعہ سن چکی تھیں ان کے لئے یہ کوئی نئی بات نہ تھی۔ تاہم بیوی نے کئی مرتبہ گزارش کی کہ آپ اپنے رب سے دعا کریں کہ وہ آپ کی مصیبت کو دور کر دے لیکن کبھی ہاتھ نہ اٹھائے کہ مصائب سے نجات کی دعا بھی تو بلند مرتبہ لوگوں کے اعلیٰ منصب کے خلاف ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تو حضرت جبریل علیہ السلام کی پیشکش تک کو مسترد کر دیا تھا اور فرمایا تھا ”حَسْبِيَ خَالِي عَنْ سَؤَالِي“ اس سے مانگنے کی کیا ضرورت ہے جو حال دیکھ رہا ہے شکر و صبر کا یہ اعلیٰ منصب ہے جس کی توفیق و ہمت اعلیٰ ہستیوں ہی کو بخشی جاتی ہے۔ میرے آقا ﷺ کے مصائب تو جملہ انبیاء علیہم السلام کے مصائب سے کہیں زیادہ تھے لیکن کوئی موقع ایسا نہ آ سکا جو دامن صبر ہاتھ سے چھوٹا ہو۔ اللہ ہمیں بھی صابرین کے طفیل صابرین میں سے کر دے۔

اللہ رب العزت جل مجدہ نے اپنے بندے اور جلیل القدر نبی حضرت ایوب علیہ السلام کے حال امتحان و آزمائش کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

وَأَيُّوبَ إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ أَنِّي مَسْنِي الصُّرُورَ وَأَنْتَ أَرْحَمُ الرَّحِيمِينَ ﴿٨٣﴾ فَاسْتَجَبْنَا لَهُ فَكَشَفْنَا مَا بِهِ مِنْ ضُرٍّ وَآتَيْنَاهُ أَهْلَهُ وَمِثْلَهُمْ مَعَهُمْ رَحْمَةً مِنَّا وَذِكْرًا لِلْعَابِدِينَ ﴿٨٤﴾

(انبیاء: ۸۳، ۸۴)

اور یاد کرو ایوب کو جب پکارا انہوں نے اپنے رب کو کہ مجھے پہنچی ہے سخت تکلیف اور تو ارحم الراحمین ہے تو ہم نے قبول فرمائی ہے اس کی فریاد اور دور فرمادی جو تکلیف انہیں پہنچ رہی تھی اور ہم نے عطا کئے اس کے گھر والے اسے نیز اتنے ہی اور ان کے ساتھ اپنی خاص رحمت سے اور یہ نصیحت ہے عبادت گزاروں کے لئے۔

قرآن کریم حضرت ایوب علیہ السلام کی تکلیف کو ضَرْ شَدِید مصیبت فرما رہا ہے تو واقعی اس کی شدت کا نہ جانے کیا حال ہوگا پھر بھی انتہائے صبر ملاحظہ ہو کہ دعا نہیں فرما رہے صرف اپنی شدت تکلیف کا ذکر کرتے ہوئے رب کے ارحم الراحمین ہونے کا اعتراف کر رہے ہیں۔ اب چاہتے کیا ہیں تو ”حَسْبِيَ خَالِي عَنْ سَؤَالِي“ رحم فرمانے والا خود دیکھ رہا ہے کہ بندہ قابل رحم ہے یا نہیں اب اس کی مرضی جو چاہے وہ فیصلہ فرمائے دعا کا اس سے بہترین طریقہ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔

میں بھکاری ہوں اور تم نخی ہو آگے بس ”حَسْبِيَ خَالِي عَنْ سِوَالِي“ پس اللہ نے رحم فرمایا پہلے کرم تھا اب رحم ہو رہا ہے۔ وہی زمین، وہی جانور، صحت و تندرستی، جوانی اور شباب سب کچھ مل گیا کوئی حادثاتی موت کا شکار ہو جائے تو کہا جاتا ہے اور صحیح کہا جاتا ہے کہ اس کے بدلہ کچھ دے دیا جائے گا لیکن مرنے والا واپس نہیں آسکتا لیکن جو پیدا کرنے والا اور پھر دوبارہ زندہ کرنے والا ہے یہ جملہ اس کے لئے نہیں بولا جاسکتا کہ وہ تو قادر مطلق ہے ”عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ“ اس کی شان ہے اسی کا مظہر حضرت ایوب علیہ السلام کو بنایا گیا تھا کہ سب کچھ دیا سب کچھ لے لیا اور پھر بہت کچھ دیا حتیٰ کہ جو مر چکے تھے انہیں بھی زندہ کر دیا ”وَآتَيْنَاهُ أَهْلَهُ“ پر غور کیجئے اور روایات کے مطابق بوڑھی بیوی پر بھی دوبارہ شباب اور وہی حسن و جمال آیا اور جتنے بچے مرنے کے بعد زندہ ہوئے تھے اتنے ہی مزید عطا فرمادیئے ”وَمِثْلَهُمْ مَعَهُمْ“ کا جملہ قابل غور ہے۔

جب حضرت ایوب علیہ السلام پر ان مصائب و آلام کا آغاز ہوا اس وقت آپ کی عمر شریف ستر برس کی تھی اور سات برس آپ پر مصائب کا دور رہا اور پھر ایک دن ایسا ہوا کہ اچانک جسم صاف ستھرا نظر آنے لگا، نہ خون تھا نہ پیپ اور نہ ہی کیزے اور فرشتے نے جنت کا پانی پیش کیا آپ نے غسل کیا جنت ہی کا جوز اپہنایا گیا۔ اب پہلے سے زیادہ حسین و جمیل اور نو جوان ایوب علیہ السلام ایک کونہ میں کھڑے بیوی کی آمد کا انتظار کر رہے ہیں مصیبت زدہ غم و اندوہ میں غرق بیوی اپنے بھاری بھاری قدم اٹھاتی حسب معمول آئی تو دیکھا کہ لاغر کمزور شوہر جس سے ہلا بھی نہ جاتا تھا خلاف معمول اپنی جگہ سے غائب ہے۔ ادھر ادھر نہایت پریشان ہو کر دیکھا تو ایک شخص کھڑا نظر آیا اس سے پوچھا کہ یہاں میرے شوہر ایوب علیہ السلام تشریف فرما تھے کیا تم نے دیکھا ہے وہ کہاں چلے گئے جبکہ یہ بھی تعجب ہے کہ کیسے چلے گئے چل تو سکتے نہ تھے اور ہاں اے شخص تم کون ہو؟ اس سے پہلے تو تمہیں کبھی نہ دیکھا یہاں سے تو اب کوئی گزرتا بھی نہیں۔ وہ بولے اے اللہ کی بندی میں ہی تیرا شوہر ہوں اور تو ہی میری خوش بخت بیوی ہے کیا تو نے اپنے آپ کو دیکھا ہے تجھ پر کیا حسن برس رہا ہے اور تو نے کیسا نورانی لباس زیب تن کیا ہوا ہے۔ بیوی نے کہا یہ تم نے اچھا نہیں کیا کہ رب سے مانگ ہی لیا اور جب میں نے کہا تھا کہ مانگو تو نہ مانگا تھا فرمایا نہیں، نہیں میں نے کچھ نہیں مانگا میں نے تو صرف ”ارحم الراحمین“ کہہ کر اپنے رب کی حمد و ثنا کی تھی بس اس نے اپنی رحمت کے دہانے کھول دیئے۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کو حکم دیا کہ زمین پر اپنا پیر مارو آپ نے حکم کی تعمیل کی تو زمین سے پانی کا چشمہ پھوٹا حکم ہوا اس پانی سے غسل کیجئے اور اس کو پیجئے، پیتے ہی اور غسل کرتے ہی آپ کی ساری بیماری ختم ہو گئی اور آپ نے اپنے اندر ایک قوت محسوس کی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے جنت کا لباس بھیجا وہ آپ نے زیب تن فرمایا۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ حضرت ایوب علیہ السلام کے سات بیٹے اور سات بیٹیاں تھیں جو مر گئے تھے جب اللہ تعالیٰ نے ان پر رحم فرمایا تو سب دوبارہ زندہ ہو گئے اور ان کی اہلیہ سے اتنی ہی اور اولاد پیدا ہوئی جس کے لئے قرآن کریم نے ”وَمِثْلَهُمْ مَعَهُمْ“ کا جملہ ارشاد فرمایا ہے۔

ایک روایت کے مطابق آپ اسی چشمہ کے پانی سے کھیتی باڑی کرنے لگے جو آپ کی ایڑی مارنے سے پھوٹا تھا جس میں کسی بھی دوسرے پانی سے زیادہ اگانے، بڑھانے اور قوت بخشنے کی تاثیر تھی۔

یزید بن میسرہ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کا مال و دولت اور اولاد وغیرہ سب کچھ لے لیا تو انہوں نے مزید اللہ کی یاد اور عبادت کرنا شروع کر دی اور آپ نے اپنے رب کے دربار میں عرض کی کہ مولا تیرا شکر ہے کہ تو نے مجھ سے دنیا کی ہر چیز لے لی کہ اس کی محبت میرے دل کے ایک حصہ پر چھا گئی تھی اور مجھے تیری یاد میں کمی کا شبہ ہونے لگا تھا۔ میں تیرا شکر ادا کرتا ہوں کہ اب میں بالکل فارغ ہوں اب میرے اور تیرے درمیان کوئی چیز حائل نہیں اب میری زندگی کا ہر لمحہ تیری یاد اور عبادت میں صرف ہوگا۔

بغداد شریف سے کربلا جاتے ہوئے ایک غیر آباد اور سنان علاقہ میں ایک نہایت ہی خستہ حال قبر ہے جہاں ہمیں بھی حاضری کا شرف حاصل ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہی حضرت ایوب علیہ السلام کا مرقد انور ہے یہاں ایک کنواں بھی ہے زائرین اس کے پانی سے غسل کرتے، پیتے اور بھر بھر کر اپنے ملکوں کو آب زمزم کی طرح لے جاتے ہیں سنا ہے یہ وہی چشمہ ہے جو حضرت ایوب علیہ السلام کے لئے جاری کیا گیا تھا اور آپ نے اس کے پانی سے غسل کیا اور اسے نوش فرمایا جس سے آپ صحت یاب ہوئے۔ ہم غسل تو نہ کر سکے لیکن ہم نے بھی یہ پانی خوب پیا، نہایت صاف و شفاف ٹھنڈا، میٹھا اور لذیذ ہے کچھ ہم اپنے ساتھ بھی لائے اور بعض مریضوں کو پلاتے رہے اور انہیں شفا بھی ہوئی، واللہ اعلم۔

قرآن کریم نے امم ماضیہ اور انبیاء سابقین علیہم السلام کے حالات و واقعات صرف قصہ و کہانی یا بطور تاریخی حقائق ہمیں نہیں بتائے کہ قرآن نہ تو قصہ و کہانی کی کتاب ہے اور نہ ہی تاریخ کی ان حقائق کو ہم تک پہنچانے کا واحد مقصد ان واقعات سے عبرت حاصل کرنا اور سبق لینا ہے۔ اسی لئے حضرت ایوب علیہ السلام کا حال بیان کر کے آخر میں فرمایا گیا ”وذكرى للعبدین“ کہ یہ عابدین کے لئے نصیحت ہے کہ یہی لوگ اہل بصیرت ہوتے ہیں اولوالالباب ہوتے ہیں متقی ہوتے ہیں یہی نصیحت بھی حاصل کر سکتے ہیں لہذا انہیں نصیحت حاصل کرنا چاہئے کہ دنیا کی نعمتیں قوت بازو یا حسن تدبیر سے حاصل نہیں کی جاسکتی بلکہ ”ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ“ یہ صرف اللہ کا فضل و کرم ہوتا ہے جس سے وہ جو چاہتا ہے بخش دیتا ہے۔ ”ويزيدهم من فضله وَاللَّهُ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ“ جس پر جتنا چاہتا ہے فضل فرماتا اور جسے جو چاہتا ہے خوب دیتا ہے بغیر حساب کے دیتا ہے۔ نیز یہ یقین رکھنا چاہئے کہ اپنی قدرت کاملہ سے دینے والا ہی جب چاہے لے لینے پر قادر ہے آنا فنا سب کچھ لے لیتا ہے حتیٰ کہ زندوں کو مار دیتا ہے اور چاہتا ہے تو دوبارہ زندہ بھی کر دیتا ہے۔ آج کل (اگست ۱۹۹۹ء) ترکی میں زلزلہ نے ایک کبرام مچایا ہوا ہے۔ اللہ نے ترکیوں کا کیا نہ دیا تھا خوب نوازا تھا لیکن زمین کے ایک جھٹکے کے ذریعہ سب کچھ لے لیا لیکن جو مر گئے وہ دوبارہ زندہ نہ ہوں گے کہ آج کسی کے ”انت ارحم الراحمین“ کہنے میں وہ اعتماد و یقین اور اثر نہیں جس نے حضرت ایوب علیہ الصلوٰۃ والسلام پر رحمت باری کے دہانے کھول دیئے تھے اور سبق حاصل کرنا چاہئے کہ انعامات الہیہ پر اللہ کا شکر ادا کرنا نعمتوں میں اضافہ اور ان کی حفاظت کا ذریعہ ہے اور اگر بطور

امتحان و آزمائش یہ انعامات واپس لے لئے جائیں تو بھی تقاضائے عبدیت اور کمالِ عبدیت یہی ہے کہ بندہ رب کے حضور سجدے ہی کرتا رہے اس کا شکر ہی ادا کرتا رہے نیز مصائب و آلام پر صبر کرے اور ڈٹ کر ہر طوفان کا مقابلہ کرے کچھ مانگنے کی ضرورت نہیں کہ علیم و بصیر رب کے لئے تو ”حَسْبِيَ خَالِي عَنْ سَوَالِي“ ہی کا اندازِ عبدیت کافی ہے۔ جنہوں نے یہ نصیحتیں حاصل کر لیں ”فَاسْتَحَبْنَا فَكُشِفْنَا مَا بِهِ مِنْ ضُرٍّ“ کی ضما کر کا مرجع وہی قرار پاتا ہے۔ مصائب و آلام کے گھیراؤ سے نجات کے لئے تیر بہدف عمل اللہم انت ارحم الراحمین“ کا ورد ہے، اللہم ارحمنا و اعف عنا یا ارحم الراحمین بجاہ رحمة للعلمین ﷺ۔

غرضیکہ حضرت سیدنا موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ کے جلیل القدر نبی اور رسول تھے دیگر انبیاء و رسل کی طرح وجہ تھے جس کا قرآن کریم نے اعلان فرمایا لیکن پھر بھی آپ کو ستایا گیا، پریشان کیا گیا، تکلیفیں پہنچائی گئیں جس کا ذکر آیت مذکورہ میں کیا گیا ہے اور یہ سب کچھ غیروں نے دشمنوں نے نہیں اپنوں ہی نے کیا۔ جس کی تفصیل ملاحظہ فرمائیے۔

اپنوں کی ایذا رسانی

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم بنی اسرائیل کا ہر فرد بخوبی جانتا تھا کہ اللہ رب العزت جل مجدہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وجہ بنایا ہے بہت سوں نے سنا تھا اور ان کے عمر رسیدہ لوگوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا بھی تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ظلم و ستم کے اس دور میں پیدا ہوئے تھے جب ظالم فرعون اپنی بادشاہت کی بقاء کے لئے بنی اسرائیل کے نو مولود لڑکوں کو ذبح کر دیا کرتا تھا جب حضرت موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تو ان کی ماں نے انہیں اس ظالم کے ظلم سے بچانے کی غرض سے دریا کی نظر کر دیا۔ یہ ان کی وجاہت ہی کا اعلان تھا کہ اللہ نے انہیں ظالم ہی کے گھر میں پہنچایا وہیں ان کی تربیت ہوئی اور وہیں وہ عنقوان شباب تک شاہانہ زندگی بسر کرتے رہے جبکہ اس سے پہلے ایام شیر خوارگی میں جب انہیں دودھ پلانے والیوں نے دودھ پلانا چاہا تو وہ باوجود کوشش کے کامیاب نہ ہو سکیں۔ ”وَ حَرَمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ“ اور ہم نے دودھ پلانے والیوں کا دودھ ان پر حرام کر دیا اور وہ دودھ نہ پلا سکیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن نے اپنے شیر خوار بھائی کو اس گھر میں پہنچتے دیکھ لیا تھا تو وہ بھی یہاں آ موجود ہوئیں اور جب انہوں نے یہ تماشہ دیکھا کہ ننھا بھائی کسی عورت کے پستان کو منہ نہیں لگا رہا تو فرعون کی بیوی سے ازراہ ہمدردی انہوں نے کہا ”فَقَالَتْ هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ أَهْلِ بَيْتٍ يَكْفُلُونَهُ لَكُمْ وَهُمْ لَهُ نَاصِحُونَ“ میں تمہیں ایسے گھر کا پتہ بتا سکتی ہوں جو اس بچہ کی بخوبی کفالت بھی کرے گا اور اس کی بہترین تربیت بھی۔ کیا قدرت ہے میرے رب کی کہ اس نے اپنے ہونے والے نبی کو دشمن کے گھر تک پہنچا کر پھر ماں کی گود میں پہنچا دیا تاکہ ماں کا دل مطمئن ہو سکے۔ ”فَرَدَّ ذُنْهُ إِلَىٰ أَبِيهِ سَكِي تَقَرُّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنُ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ وَلَكِنْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ“ پس ہم نے موسیٰ کو ان کی ماں کی طرف لوٹا دیا تاکہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں اور وہ غمزہ نہ ہو اور یہ بھی جان لے کہ اللہ کا وعدہ سچا ہی ہوتا ہے۔ اللہ نے ہی تو وعدہ کیا تھا سب سے اس کا یہی وعدہ ہے کہ وہ اپنے نیک بندوں کی دشمنوں سے حفاظت فرماتا کہ اس کے لئے کوئی کام دشوار نہیں۔

غرضیکہ بنی اسرائیل نے خوب دیکھا تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کس طرح دشمن کی گود میں پروان چڑھے پھر انہیں یہ واقعہ بھی معلوم تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل ہی کی حمایت میں ایک قبیلے، فرعون کی قتل کر ڈالا تھا اس وقت بھی ان میں سے کسی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مدد نہ کی تھی صرف ایک اللہ کا بندہ تھا جسے اللہ ہی نے بھیجا تھا جو دوڑا آیا اور اس نے بتایا ”وَجَاءَ رَجُلٌ مِّنْ أَقْصَى الْمَدِينَةِ يَسْعَى“ ایک آدمی شہر کے آخری گوشہ یعنی دور دراز سے دوڑا آیا ”قَالَ يَمُوسَى إِنَّ الْمَلَأَ يَأْتَمِرُونَ بِكَ“ اس نے کہا کہ اے موسیٰ فرعون کے سپاہی تمہاری تلاش میں ہیں تاکہ تمہیں قتل کر ڈالیں، ”فَاخْرُجْ إِنِّي لَكَ مِنَ النَّصِيحِينَ“ تم جلدی کرو اور یہاں سے چلے جاؤ میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں میری بات مان لو اور جب موسیٰ شہر سے جانے لگے تب بھی کسی نے انہیں نہ روکا اور ان کی حفاظت کا وعدہ نہ کیا۔ ”فَخَرَجَ مِنْهَا خَائِفًا يَتَرَقَّبُ“ اپنی گرفتاری کے خوف سے بالآخر انہیں یہ دعا کرتے ہوئے شہر چھوڑنا ہی پڑا۔ ”قَالَ رَبِّ نَجِّنِي مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ“ اے رب یہ سب ظالم ہیں مجھے ان ظالموں سے نجات عطا فرما۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام یہاں سے سیدھے مدین پہنچے جہاں بالآخر اللہ کے ایک نبی حضرت شعیب علیہ السلام نے انہیں پناہ دی کہ مصیبت زدوں کو نبی ہی کے دامن میں پناہ نصیب ہوتی ہے۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا ”قَالَ لَا تَخَفْ نَجَوْتُ مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ“ بالکل نہ ڈرو اب تمہیں ایک نبی نے پناہ دی ہے اب تمہارا کوئی ظالم کچھ نہیں بگاڑ سکتا کہ جو نبی کی پناہ پالے وہ ہر قسم کے خوف و حزن سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ نبی نے ایسی پناہ دی کہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اپنا بنا لیا اپنی ایک بیٹی کا ان سے نکاح کر دیا جو درحقیقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس احسان کا صلہ تھا جو انہوں نے اس لڑکی کی مدد کر کے کیا تھا کہ مردوں کے ہجوم میں گھس کر اس کے لئے پانی بھرا تھا کہ نبی کسی کا احسان مند نہیں ہوتا وہ تو سب پر احسان ہی کرتا ہے اور اگر اتفاق سے کوئی اس پر احسان کر بھی دے تو وہ اس کا اس سے بڑا صلہ دے دیتا تاکہ اس کے احسان کا بدلہ ہو جائے صرف پانی کے صلہ میں اپنی بیٹی دے دینا کتنا بڑا احسان تھا جس کے بدلہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مزید دس سال حضرت شعیب علیہ السلام کے ساتھ رہنا پڑا۔

انہوں نے دیکھا کہ جب موسیٰ علیہ السلام بحیثیت نبی ان میں واپس پہنچے تو انہوں نے کس طرح بلا خوف و خطر نہایت وجاہت کے ساتھ فرعون کو دعوت حق دی اس کے ربوبیت کے باطل دعوے کو واشگاف کیا اللہ وحدہ لا شریک کی وحدانیت و حقانیت پر واضح دلائل پیش کئے حتیٰ کہ فرعون کے مطالبہ پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب کے عطا کردہ معجزات بھی دکھائے جن کا مقابلہ کرنے والے ماہرین وقت جادوگروں نے بھرے دربار میں اعتراف حق کیا۔ ”فَأَلْقَى السَّحَرَةُ سُجَّدًا قَالُوا آمَنَّا بِرَبِّ هَارُونَ وَمُوسَى“ اور وہ یہ کہتے ہوئے سجدہ ریز ہو گئے کہ ہم تو ہارون و موسیٰ علیہما السلام کے رب پر ایمان لے آئے ہیں اور جب انہیں ہاتھ و پیر کاٹ دینے اور سولی چڑھا دینے کی سخت ترین سزا سنائی گئی تو انہوں نے نہایت ہی دلیری کے ساتھ واضح اعلان کیا ”قَالُوا لَنْ نُؤْتِرَكَ عَلَىٰ مَا جَاءَنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالَّذِي فَطَرَنَا“ قسم ہے پیدا کرنے والے رب کی کہ ان واضح دلائل کے بعد ہم تجھے ہرگز ہرگز نہ مانیں گے اور رہا معاملہ سزا کا تو ”فَاقْضِ مَا أَنْتَ



قاضی "تو جو چاہے کرنی کے غلام کسی سے نہیں ڈرا کرتے تو کر کیا سکتا ہے صرف اتنا ہی کہ "إِنَّمَا تَقْضِي فِي هَذِهِ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا" صرف اس دنیاوی زندگی ہی کے متعلق تو فیصلہ کر سکتا ہے کہ چاہے تو جان لے لے اور چاہے تو زندہ چھوڑ دے پس کر جو کرنا ہے یہ فیصلہ تو قیامت کے دن ہمارے رب کے حضور ہی ہونا ہے کہ کون باغی ہے جس کا ٹھکانہ جہنم ہوگا اور کون اللہ کا اطاعت شعار و فرمانبردار ہے جسے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جنت کے بلند درجات نصیب ہوں گے۔

سمندر خشک ہو گیا

نبی اپنی قوم کے لئے دنیا و آخرت میں نجات دہندہ ہوتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی اپنی قوم کو فرعون کے مظالم سے نجات دلائی اور انہیں مصر سے ہجرت کر کے ہمیشہ کے لئے اپنی قیادت میں لے کر نکلے تو فرعون اور اس کے لاؤ لشکر نے ان کا پیچھا کیا حتیٰ کہ سامنے بحر قلزم آ گیا حضرت موسیٰ علیہ السلام فرار کے کہ اللہ نے فرمایا "فَاَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ أَنْ اضْرِبْ بِعَصَاكَ الْبَحْرَ ط" پس ہم نے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حکم دیا کہ سمندر پر اپنا عصا مارو جو نبی آپ نے اللہ کے حکم کی تعمیل کی "فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيمِ ۝" پس سمندر پھٹ گیا اور پانی کا ہر حصہ بڑے پہاڑ کی طرح ہو گیا فرعون احمق نے اس کو بھی اپنی ہی حکمرانی جانا کہ ہر فرعون یہی سمجھتا ہے کہ سب کچھ اسی کے حکم سے ہو رہا ہے آج کل کے بھی احمق فرعونوں کا یہی حال ہے انہیں تو موسم کی تبدیلی اور اس کے اثرات بھی اپنے سائنسی تجربات کا نتیجہ نظر آتے ہیں۔ بہر حال جب فرعون نے سمندر میں راستہ دیکھا تو اپنے گھوڑے دوڑا دیئے بڑے فخر اور بڑے ہی تکبر کے ساتھ اور جب وہ بیچ سمندر میں پہنچا تو سمندر کے طوفان نے اس کو اپنی زد میں لے لیا کہ اللہ کا عذاب اسی طرح اچانک آتا ہے اور جب اللہ کسی کی گرفت کرتا ہے تو کوئی نجات دہندہ نہیں ہوتا۔ "إِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيدٌ" بیشک تیرے رب کی پکڑ بڑی ہی سخت ہوتی ہے اس سے نجات دلانے والا سوائے نبی کے کوئی نہیں ہوتا وہ بھی ایک وقت مقررہ تک۔ فرعون چلا رہا تھا "أَمْسَتْ بَرَبِ مُوسَىٰ وَهَارُونَ" میں موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے رب پر ایمان لایا فرمایا گیا "الَّذِينَ وَقَدْ عَصَيْتَ مِنْ قَبْلُ" اب اور اس سے پہلے بغاوت کرتا رہا تو اب تو بہت دیر ہو چکی۔

بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وجاہت کو اس موقع پر بھی دیکھا اعتراف بھی کیا اپنی نجات اور دشمن کی ہلاکت پر خوش بھی ہوئے لیکن یہ بڑے ظالم اور احمق تھے۔ مقام سیناء سے ان کا گزر ہوا جہاں بت پرست پوجا پاٹ میں مصروف تھے تو یہ بھی بول اٹھے "يٰمُوسَىٰ اجْعَلْ لَنَا إِلَهًا كَمَا لَهُمُ آلِهَةٌ" اے موسیٰ ہمارے لئے بھی ان جیسے بت بنا دو، استغفر اللہ۔ غور فرمایا آپ نے میرے آقا ﷺ کے غلاموں سے کبھی ایسی کوئی حماقت سہوا بھی سرزد نہیں ہوئی۔ خیر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں ڈانٹا غصہ میں تو بہت ہی سخت واقع ہوئے تھے۔ "قَالَ إِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُونَ" تم بڑے ہی جاہل لوگ ہو۔ ان لوگوں کے طریقہ کو اختیار کرنا چاہتے ہو جو بلاشبہ ہلاکت و تباہی کا طریقہ ہے "أَغْيَرَ اللَّهُ أَبْغِيَكُمْ إِلَهًا وَهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعَالَمِينَ" کیا میں تمہارے لئے کوئی دوسرا معبود مقرر کر دوں اللہ کے سوا جبکہ اس نے تمہیں تمام جہانوں پر فضیلت کا شرف بخشا ہے کہ تمہیں انسان اشرف المخلوقات بنایا اور بتوں کی پوجا انسانیت کی انتہائی ذلت و خواری ہے۔

اور پھر انہوں نے اس وقت بھی موسیٰ علیہ السلام کی وجاہت کو دیکھا جب یہ مقام تہ کے بیابان میں پڑے تھے نہ پینے کے لئے پانی تھا نہ کھانے کے لئے کوئی غذا تھی اور نہ ہی دور دور دھوپ سے بچنے کے لئے سایہ تھا۔ ”وَإِذْ هَمَّ مُوسَىٰ إِذَا اسْتَسْقَىٰ قَوْمَهُ“ جب قوم نے موسیٰ علیہ السلام سے پانی کا مطالبہ کیا تو ہم نے موسیٰ کو حکم دیا۔ ”إِنْ أَضْرَبَ بِعَصَاكَ الْحَجَرَ“ اپنی لاٹھی پتھر پر مارو۔ پس موسیٰ علیہ السلام نے وہی لاٹھی پتھر پر ماری جس سے سمندر کا پانی خشک ہوا تھا ”فَا انْجَبَسَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا“ تو پتھر سے بارہ چشمے بہنے لگے کہ بنی اسرائیل بارہ قبیلوں میں منقسم تھے ہر ایک کا چشمہ الگ تھا تا کہ انہیں پانی حاصل کرنے میں کوئی دشواری پیش نہ آئے اور نہ ہی لڑائی جھگڑے کا امکان رہے چونکہ وہ اس کے عادی تھے ہر وقت آپس میں لڑتے ہی رہتے تھے اور موسیٰ علیہ السلام ان کے درمیان صلح صفائی کراتے رہتے تھے جبکہ میرے آقا ﷺ کے دامن سے وابستہ غلام کبھی آپس میں نہ لڑے جس کا اعلان قرآن کریم نے بھی کیا کہ ان غلاموں کی شان تھی کہ ”رُحَمَاءَ بَيْنَهُمْ“ وہ آپس میں ایک دوسرے پر مہربان ہی رہتے تھے۔ سب ایک دوسرے کے دکھ درد بانٹتے رہتے تھے حتیٰ کہ زندگی بھر کے دشمنوں اوس و خزرج کی بھی یہی کیفیت تھی بہر حال حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کے لئے پانی کے چشمے بہا دیئے اور وہ اس سے سیراب ہونے لگے پھر ان کے لئے سایہ کا انتظام بھی کر دیا گیا ”وَوَضَّلْنَا عَلَيْهِمُ الْغَمَامَ“ کہ ان پر بادل چھایا رہتا تھا اور وہ خوب آرام کرتے رہتے تھے بھوک کا بھی انتظام ہو گیا یہ نہیں کہ وہ خود محنت و مشقت کر کے اپنے لئے کھانا پکائیں اور کھائیں، نہیں بلکہ ”وَأَنْزَلْنَا عَلَيْهِمُ الْمَنَّٰنَ وَالسَّلْوٰی“ آسمان سے ان پر من و سلویٰ نازل ہوتا اور وہ کھاتے رہتے تھے ایسا کھانا کہ جس کی دنیا کے کسی کھانے سے تشبیہ نہیں دی جاسکتی۔ گویا یہ سب مقام تہ میں نبی کے مہمان تھے اور نبی نے اللہ کے عطا کردہ خزانوں سے ان کی خوب خوب میزبانی کی جبکہ میرے آقا ﷺ آج تک اپنے غلاموں کے لئے اللہ کے خزانوں کے دہانے کھولتے اور اپنی رحمت کی برکھا برساتے ہیں:

باتھ جس سمت اٹھا غنی کر دیا      موج بحر ساحت پہ لاکھوں سلام

لیکن اب بھی موسیٰ علیہ السلام کی وجاہت نے ان کے دلوں میں گھر نہ کیا اور ان کے ایمان مضبوط نہ ہوئے چند دن یہ من و سلویٰ سے لطف اندوز ہوئے اور پھر نہ جانے ان ناشکروں کو کیا ہوا کہ کہنے لگے ”فَادْعُ لَنَا رَبُّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْبِتُ الْأَرْضُ مِنْ بَقْلِهَا وَقِثَّانِهَا وَفُومِهَا وَعَدَسُهَا وَبَصْلَهَا“ اے موسیٰ اپنے رب سے دعا کرو کہ وہ ہمارے لئے زمین سے ساگ، مکڑی، بسن اور پیاز جیسی چیزیں اگائے۔ پس اب ہم روز روز صرف من و سلویٰ کھاتے کھاتے اکتا چکے ہیں ٹیب حال تھا ان خبیثاء کا موسیٰ علیہ السلام کو ان کے اس مطالبہ پر بہت غصہ آیا آپ نے فرمایا ”أَتَسْتَبْدِلُونَ الَّذِي هُوَ أَدْنٰی بِالَّذِي هُوَ خَيْرٌ“ کیا تم اعلیٰ کے بدلے ادنیٰ کے خواستگار ہو تو اس کے لئے اللہ سے خصوصی دعا کی کیا ضرورت ہے وہ تو اللہ نے ہر انسان کے لئے مقدر کیا ہے۔ ”أَهْبِطُوا مِصْرًا فَإِنَّ لَكُمْ فَا سَأَلْتُمْ“ کسی بھی آبادی میں چلے جاؤ جو چاہتے ہو مل جائے گا۔

گو و سالہ کی پوجا

اللہ کے نبی کی وجاہت کا کمال اور معراج دیکھنے کا وقت بھی آ گیا کہ جب اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنے

قرب خاص میں اپنے کلام سے بلا واسطہ مشرف فرمانے اور اپنی کتاب تو ریت عطا فرمانے کے لئے کوہ طور پر بلایا کہ ان کے منصب کی مناسبت سے یہی ان کی معراج تھی۔ بنی اسرائیل کو اس انعام الہی پر اللہ کا شکر ادا کرنا چاہئے تھا خوش ہونا چاہئے تھا اور نہایت ہی صبر سے اپنے نبی کی واپسی اور پیغام الہی کا انتظار کرنا چاہئے تھا کہ نبی کی معراج درحقیقت امت کی معراج ہوتی ہے جس پر امت کو خوب جشن منانا اور اظہار مسرت و شادمانی کرنا چاہئے اسی لئے تو ہم ہر سال اپنے نبی کی معراج پر جتن مناتے ہیں فخر و مسرت سے اس کا ذکر اور چرچا کرتے ہیں کہ یہی سعادت مندی اور ثبوت محبت ہے۔ بنی اسرائیل کس قدر بد بخت تھے کہ انہوں نے نہ تو جشن معراج منانے کا اہتمام کیا اور نہ ہی رب کے پیغام توحید کا انتظار، بلکہ شرک میں مبتلا ہو گئے اور گوؤ سالہ کی پوجا کرنے لگے۔ واپس آ کر اللہ کے نبی نے جب قوم کا یہ حال ملاحظہ فرمایا تو ان کے غیظ و غضب کی انتہا نہ رہی انہوں نے امت کو ڈانٹا اور کہا کہ ظالموں یہ تم نے کیا کیا تم سے چند روز بھی میرا انتظار نہ ہو سکا۔ میں تو نہایت ہی ریاض و مجاہدے اور مشقت کے بعد تمہارے لئے رب کا پیغام رحمت لے کر آیا اور تم نے تو غضب ہی کر ڈالا کہ شرک میں مبتلا ہو گئے۔ اپنے بھائی ہارون پر خوب بر سے ان کی داڑھی تک پکڑ لی اور کہا کیا میں تمہیں ان ظالموں کے پاس اسی لئے چھوڑ کر گیا تھا کہ یہ جو چاہیں کریں اور تم دیکھتے رہو۔ بھائی نے بڑے ہی احترام سے عذر پیش کیا کہ اگر میں ان کے معاملہ میں مداخلت کرتا تو مجھے یقین تھا کہ یہ میری بات ہرگز نہ سنتے کہ یہ تو مجھے بہت ہی کمزور سمجھتے ہیں ممکن تھا کہ مجھے قتل ہی کر ڈالتے پس میں خاموش رہا اور بے چینی سے آپ کا انتظار کرتا رہا۔ اسی کشمکش کی حالت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ سے توریت کی الواح (تختیاں) بھی گر پڑیں جس کا آپ کو بے حد صدمہ ہوا اور آپ کو یقین ہو گیا کہ یہ ان ظالموں پر عذاب الہی کا اعلان ہے۔

پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام اس شیطان کی طرف متوجہ ہوئے جس کے کروت کا یہ نتیجہ تھا اس کا نام سامری تھا۔ آپ نے اس سے پوچھا کہ ظالم یہ تو نے کیا کیا اور کیسے کیا وہ بولا کہ غرق فرعون کے وقت حضرت جبرائیل علیہ السلام بنی اسرائیل کے ساتھ تھے اور ان کے گھوڑے کا جہاں پیر پڑتا تھا اس جگہ گھانس اگ آتی تھی میں نے سمجھ لیا کہ اس منی میں قوت حیات پیدا ہو گئی ہے۔ پس میں نے ایک مٹھی خاک اٹھا کر بحفاظت رکھ لی اور یہ حال سوائے میرے کسی نے نہ دیکھا تھا۔ اب جب آپ کو کوہ طور پر دیر ہوئی تو میں نے موقع سے فائدہ اٹھایا اور بنی اسرائیل کے زیورات جمع کر کے انہیں پگھلا دیا اور سونے سے بالکل ایسی شکل و صورت کا پتھر ا بنا دیا جس کی پہلے ہم پوجا کیا کرتے تھے وہ خاک اس میں ڈالی تو واقعی اس میں جان پڑ گئی وہ بولنے لگا اور ہم نے اس کی پوجا شروع کر دی۔ پس حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خود ہی اس کے لئے اللہ کا عذاب تجویز فرمایا اور اس سے کہا ”فَاذْهَبْ فَإِنَّ لَكَ فِي الْحَيَاةِ أَنْ تَقُولَ لَا مِسَاسَ“ ”جا، اب تو ساری زندگی لوگوں سے یہی کہتا پھرے گا کہ مجھے کوئی نہ چھوئے۔ اپنے نبی کی بات اللہ کبھی نہیں نالتا اللہ اپنے نبی کو اختیار دیتا ہے کہ جسے وہ چاہے اللہ کی رحمت کا مژدہ سنا دے اور جسے چاہیں عذاب الہی میں مبتلا کر دیں۔ پس سامری موسیٰ علیہ السلام کے تجویز کردہ عذاب میں مبتلا ہوا کہ وہ اپنا جسم کھجاتا رہتا اور لوگوں سے کہتا رہتا کہ مجھ سے دور رہنا مجھے چھو نہ لینا ورنہ تم بھی اس بیماری میں مبتلا ہو جاؤ گے حتیٰ کہ لوگ اس سے خود ہی دور بھاگنے لگے اس کے اعزاء و اقارب اور اہل و عیال تک نے اسے چھوڑ دیا اور وہ ایسے بیابان میں جا

مراجہاں اس کی لاش سڑ کر مٹی میں مل گئی جانوروں تک نے اسے نہ کھایا۔

پھر آپ نے گوسالہ کے متعلق حکم نافذ فرمایا کہ ”لَنَحْرِقَنَّهُ وَلَنَنْسِفَنَّهُ فِي الْيَمِّ نَسْفًا“ ہم اسے جلا کر رکھا کر ڈالیں گے اور راکھ سمندر کی طرف اڑا دیں گے کہ اس کا نام و نشان تک باقی نہ رہے گا پھر قوم کو خطاب کرتے ہوئے آپ نے فرمایا ”إِنَّمَا إِلَهُكُمُ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۚ وَسِعَ كُلُّ شَيْءٍ عِلْمًا“ تمہارا معبود وہی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور جس کا علم ہر چیز پر چھایا ہوا ہے وہ سب کچھ جانتا ہے۔

اب آپ نے اللہ کے حضور دعا کی مولیٰ جو بد بخت شرک میں مبتلا ہوئے مجھے ان کی سزا بتا دے تاکہ میں تیرے حکم کی تعمیل کروں اور اپنی قوم سے شرک کے جراثیم کو ہمیشہ کے لئے مٹا دوں پس اللہ تعالیٰ نے جو سزا مقرر فرمائی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کا اعلان فرمایا ”يَقُومُ إِنَّكُم ظَلَمْتُمْ أَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجَلِ“ اے لوگو تم نے گوسالہ کی پوجا کر کے اپنے اوپر بڑا ظلم کیا ہے۔ اللہ ہر قسم کا گناہ معاف فرما دیتا ہے لیکن شرک کی سزا ضرور دی جاتی ہے کیونکہ ”إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ“ شرک نہایت ہی بڑا ظلم ہے۔ پس آپ نے شرک کی سزا کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا ”فَتُوبُوا إِلَىٰ بَارِئِكُمْ“ پہلے تو اپنے رب کے دربار میں توبہ کرو تاکہ آخرت میں نجات مل سکے اور دنیاوی سزا یہ ہے۔ ”فَاقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ“ کہ اپنے اپنوں ہی کو قتل کریں یعنی جو شرک سے بچے رہے وہ مشرکین کو قتل کریں۔ چاہے باپ بیٹے کو یا بیٹا باپ کو قتل کرے۔ توبہ کے باوجود یہ سزا اس لئے کہ بعد والوں اور دیکھنے والوں کے لئے عبرت ہو اور آئندہ کوئی اپنے نبی سے بغاوت نہ کرنے پائے کوئی شرک میں مبتلا نہ ہو سکے۔ پس اللہ نے اپنے نبی کے طفیل پھر بھی اتنا کرم فرمایا کہ دن میں تاریکی چھا گئی تاکہ کوئی اپنوں کو دیکھ نہ پائے۔ قبیحین کو ایک طرف کیا گیا اور مشرکین کو ان کے سامنے دوسری طرف اور اللہ کے حکم کی تعمیل کا آغاز ہوا۔ خون کی ندیاں بہنے لگیں اور تھوڑی ہی دیر میں تیس ہزار مشرکین ہلاک کر دیئے گئے۔ اللہ اکبر کیا کیفیت ہوگی اس وقت جب بیٹا، باپ پر حملہ آور ہو رہا ہوگا۔ باپ، بیٹے پر اور بھائی، بھائی کا گلا کاٹ رہا ہوگا اور موسیٰ علیہ السلام کس قدر افسردہ و غم زدہ ہوں گے کہ قوم پر عذاب الہی کے وقت نبی کا یہ حال ہونا فطری اور یقینی امر ہے۔ بہر حال جنہوں نے اپنے اوپر ظلم کیا انہیں بھگتنا ہی تھا کہ ظلم کا انجام عذاب الہی کے سوا اور کچھ نہیں۔ جب اندھیرا چھٹا تو سب نے تلواریں روک لیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ازراہ ہمدردی قتل کرنے والوں سے کہا ”ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ“ تمہارے رب کے نزدیک یہی تمہارے لئے بہتر تھا اور تم نے بھی گناہ کیا تھا کہ اپنے بھائیوں کو شرک سے روکنے کی کوشش نہ کی تماشائی بنے دیکھتے رہے لہذا یہ قربانی تمہارے گناہوں کی تلافی ہو گئی ”فَتَابَ عَلَيْكُمْ“ اللہ نے تمہیں معاف کر دیا۔ ”إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ“ بیشک وہ بہت ہی توبہ قبول فرمانے والا رحم فرمانے والا ہے۔

اب بچے کھچے لوگوں میں سے موسیٰ علیہ السلام نے کچھ کو خصوصی تعلیم و تربیت کے لئے منتخب کیا اور انہیں ہدایت کی وہ قوم میں جا کر تبلیغ حق کریں اور دیکھیں کہ اس عبرتناک سزا کے بعد بھی ان میں کوئی تبدیلی اور خوف خدا پیدا ہوا ہے یا نہیں یہ لوگ قوم کے پاس گئے اور انہیں بتایا کہ بلاشبہ موسیٰ اللہ کے نبی ہیں انہیں کوہ طور پر اللہ نے اپنے کرم سے اپنے کلام کا شرف

بخشا ہے اور وہ جو کتاب اپنے ساتھ لائے ہیں وہ اللہ ہی کی کتاب ہے جو ہماری رشد و ہدایت کے لئے انہیں دی گئی ہے لہذا تم حق قبول کرو اور اللہ کے نبی کے احکام کی تعمیل کرو لیکن ان ظالموں کا حال تو پہلے سے بھی زیادہ ابتر و بدتر تھا انہوں نے اللہ کی دی ہوئی سزا کو العیاذ باللہ اپنے خلاف موسیٰ علیہ السلام کی سازش سمجھا وہ اپنے اعزاء و اقارب کی ہلاکت پر بے حد شیخ پا نظر آتے تھے۔ کہنے لگے کیا موسیٰ ہمیں مصر سے اسی لئے لے کر آئے تھے کہ ہم ہی سے ہماروں ہی کو قتل کرائیں یہ بڑا ظلم ہوا۔ اس سے بہتر تو ہمارے لئے فرعون تھا اس آزادی سے بہتر تو فرعون کی غلامی ہی تھی اللہ نے ان کی اسی حالت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا ”ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُكُمْ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ أَوْ أَشَدُّ قَسْوَةً“ پھر تمہارے دل پتھر سے بھی زیادہ سخت ہو گئے تو اللہ قادر مطلق نے ان کو پتھر ہی سے ڈرایا اور حکم ہوا کہ بغاوت چھوڑ دوسرے تسلیم خم کر لو تو ریت کے احکام کی تعمیل کرو ہمارے نبی کی اتباع و پیروی کرو ورنہ یہ پورا کا پورا پہاڑ تم پر گر دیا جائے گا اور تم ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نیست و نابود ہو جاؤ گے۔ ”وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمْ الطُّورَ“ اور تمہارے سر پر طور کو اونچا کیا اور کہا ”خُذُوا مَا آتَيْنَاكُمْ بِقُوَّةٍ وَاذْكُرُوا مَا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ“ جو کچھ ہم نے تمہیں دیا ہے اسے مضبوطی سے پکڑو تاکہ تم متقی ہو جاؤ۔

ان ظالموں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس وجاہت کو بھی دیکھا خوف و ڈر کے مارے وقتی طور پر انہوں نے عہد کر لیا کہ ہم اللہ کی نازل کردہ کتاب اور اس کے بھیجے ہوئے نبی پر ایمان بھی لاتے ہیں اور اس کے احکام کے مطابق زندگی بسر کرنے کا وعدہ بھی کرتے ہیں لیکن جس قوم کے دل پتھروں سے بھی زیادہ سخت ہو جائیں انہیں بد عہدی اور وعدہ خلافی کرتے دیر نہیں لگتی جب عذاب کا پہاڑ سر سے ہٹا ہے وہ پھر اپنے فسق و فجور میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور عیش و عشرت کی زندگی میں مست ہو جاتے ہیں۔ ایسا ہی ہوا کہ جو نبی کوہ طور ان کے سروں سے ہٹایا گیا ”ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ“ کا ارشاد اس پر شاہد ہے کہ پھر انہوں نے اپنی پہلی ہی جیسی بے راہ روی اختیار کر لی۔

جہاد سے انکار

سیناء جہاں بنی اسرائیل کا عارضی قیام تھا فلسطین سے قریب تھا جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ان کے باپ، دادا حضرت ابراہیم و یعقوب علیہم السلام سے وعدہ فرمایا کہ یہ علاقہ ہم تمہاری اولاد کے سپرد کریں گے وہ یہاں کے حاکم ہوں گے اور نہایت خوشحالی کی زندگی بسر کریں گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب اپنے اور قوم کے مستقل قیام کے لئے کسی مناسب جگہ کا انتخاب کرنا چاہا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں فلسطین میں داخل ہونے کا حکم دیا لیکن ہر جگہ کو آباد کرنے کے لئے اس کی جہاز یوں کو کاٹنا پڑتا ہے اور اسے ہموار کرنا پڑتا ہے۔ میرے آقا ﷺ جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ کو اور آپ کے ناماموں کو بھی نہایت محنت و مشقت سے یہ کام کرنا پڑا کہ منافقین کی قوت کو پامال کیا۔ یہودیوں کو نکالا اور ایک صاف ستھرا چماتا، دھماکا شہر بسا کر اسے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اہل محبت کا مرکز بنا دیا جہاں دن رات اللہ کی رحمت برسی ہے جہاں کی ہر چیز میں برکت ہے جہاں کا گرد و غبار تک مہلک امراض کے لئے ذریعہ شفا ہے۔ جہاں کی موت بھی دامن رحمت میں پناہ کی ضمانت ہے جہاں نور ہی نور ہے، مہک ہی مہک ہے۔

سیدھی سڑک یہ شہر شفاعت کی ہے  
مکہ نہیں جانچ جہاں خیر و شر کی  
وسعت جلالِ مکہ میں سود و ضرر کی ہے

عید میں سر کے ٹھنڈے چلے جاؤ آنکھیں بند  
ماسی بھی ہیں چھپتے یہ طیبہ ہے زاہد و  
شانِ جمالِ طیبہ جاناں ہے نفع محض

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو غلامی سے نجات دلا کر حاکم بنانا چاہا ایک باعزت و باوقار قوم بنانا چاہا اور ایک ایسی سرزمین کی طرف رہبری فرمائی جو انہی کی تھی کہ اللہ انہیں یہ علاقہ سنپ دینے کا وعدہ ان کے باپ دادا سے پہلے ہی و ماہ کا تھا۔ وہاں ہر طرف کا مشہور و پیٹ ہی مل چکا تھا بس تھوڑی محنت و مشقت سے قبضہ کرنا تھا یہ تو ان کے باپ دادا کی میراث تھی یہ سرزمین آپ سب اہل و عیال کی منتظر تھی صرف حرکت کی دیر تھی آگے بڑھنے کی دیر تھی۔ حکومت و سلطنت، وقار و عظمت اور خوشحالی و طمانیت کے لئے تو لوگوں کو نہ جانے کتنی محنت کرنا پڑتی ہے، کتنے پاؤں بیلنے پڑتے ہیں، کتنی جانیں قربان کرنا پڑتی ہیں یہاں تو کچھ نہ کرنا تھا لیکن بائیں بدبختی یہ بزدل کچھ کرنے کے لئے آمادہ نہ ہوئے اور ہوتے بھی کیسے کہ انہوں نے تو ایک مدت غلامی کی زندگی بسر کی تھی اور غلامی کا دور قوموں کی جان نکال لیتا ہے ان کی غیرت و حمیت کا خاتمہ کر دیتا ہے، بزدل بنا دیتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں اس سرزمین کی طرف پیش قدمی کا حکم دیا اور ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا کہ یہ مقدس خطہ ارض تمہارا ہی ہے پس آپ نے فرمایا ”لِیَقْوِمَ اَدْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِیْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَزِدُّوْا عَلٰی اَدْبَارِکُمْ فَتَقْلِبُوْا خِیْرٰیْنَ“ اے لوگو! اس مقدس زمین میں داخل ہو جاؤ جس کو اللہ نے تم پر فرض کر دیا ہے اور دیکھو ہرگز پشت نہ پھیرنا ورنہ تم نقصان میں رہو گے اور جب ان کے ساتھیوں نے ان کی کم ہمتی کا احساس کیا تو ان میں سے یوشع اور کالب نے ان کی ہمت افزائی کے لئے انہیں کامیاب و کامران اور غالب ہونے تک کا مشرودہ سنا دیا جو وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پہلے ہی سن چکے تھے اور اسی لئے ارض مقدس میں داخل ہونے کے لئے مضطرب تھے۔ انہوں نے کہا ”اَدْخُلُوْا عَلَیْہِمُ الْبَابَ“ فَادْخُلُوْهُ فَانْکُمُ عَلَیْہُمْ“ وَعَلٰی اَنْتُمْ مُّوْمِنٰیْنَ“ آگے بڑھو، دروازے میں داخل ہو تم ہی غالب ہو گے پس اللہ پر بھروسہ کرو اگر تم دعوتِ ایمان میں سچے ہو لیکن ان ظالموں نے اپنے پیروں پر خود ہی کلہاڑی ماری بزدلی اور کم ہمتی کی حد کر دی بغوت و نافرمانی کی انتہا کر دی۔ پہلے باہمی مشورے کے لئے جمع ہوئے محفل میں لمبی لمبی تقریریں ہوئیں اور طے پایا کہ اب ہم ہرگز اپنی جانوں کو خطرات میں نہ ڈالیں گے۔ اس سے پہلے موسیٰ ہمارے تئیں ہزار آدمیوں کو ہماری تلواروں سے قتل کرا چکے یا وہ ہمیں خون بہانے اور کرنا نہیں کہنا ہے ہی کے لئے مصر سے لے کر آئے ہیں ہم بہت قربانیاں دے چکے اب خدا اب انہیں صاف صاف جواب دے گا۔ پس وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور ”قَالُوْا یٰمُوسٰی اِنَّا لَنَدْخُلُهَا اَبَدًا مَّآدًا مُّوَا فِیْہَا فَاذْہَبْ اَنْتَ وَرَبُّکَ فَقَاتِلَا اِنَّا هُمْ اَقْعَدُوْنَ“ بولے، اے موسیٰ ہم اس سرزمین میں ہرگز داخل نہ ہوں گے جب تک موجودہ حکمران وہاں ہیں لہذا تم اور تمہارا رب جا کر ان سے جنگ کرو اور ہم یہاں بیٹھے تماشہ دیکھتے رہیں۔ اللہ اکبر جب انسان پر بدبختی مسلط ہوتی ہے تو وہ ایسے ہی فیصلے کرتا ہے کیسا بیہودہ جواب تھا کیا کسی سچے غلام سے ایسے جواب کی توقع کی جاسکتی ہے۔ سچے غلاموں کا جواب تو وہ ہوتا ہے جو میرے آقا ﷺ کو بدررواگی کے وقت

ان کے غلاموں نے دیا تھا کہ ”اے آقا! صلی اللہ علیک وسلم آپ ہرگز نہ گھبرائیں نہ پریشان ہوں کوئی فکر کی بات نہیں آپ کے غلام آپ کے ساتھ ہیں جو ہمہ وقت آپ پر اپنی جانیں نچھاور کرنے کے لئے تیار ہیں اگر آپ سمندر میں یا آگ میں کودنے کا حکم دیں تو غلام حاضر ہیں حکم کی تعمیل ہوگی حالانکہ یہ صرف تین سو تیرہ تھے بے سرو سامان سپاہی تھے لیکن بہادر تھے، سچے عاشق تھے، غلامی اور مظلومی کی زندگی بسر کرنے پر جانوں کی قربانی دینے کو ترجیح دیتے تھے۔

اللہ کے نبی کو اپنی قوم کی بدبختی اور اس بیہودہ جواب پر کتنا صدمہ ہوا ہوگا یہ تو موسیٰ علیہ السلام ہی جانیں بہر حال اللہ کی طرف سے ان کی اس محرومی کی سزا محرومی ہی کی صورت میں دی گئی، فرمایا گیا ”قَالَ فَإِنَّهَا مُحَدَّمَةٌ عَلَيْهِمْ أَرْبَعِينَ سَنَةً يَتِيَهُونَ فِي الْأَرْضِ ۚ فَلَا تَأْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ“ فرمایا اب یہ ارض مقدس ان پر چالیس سال کے لئے حرام کر دی گئی ہے یہ اسی سینا، تہ کے بیابان میں بھٹکتے رہیں گے اور اے محبوب تم ان فاسقوں کے جواب پر غمزہ نہ ہو۔

غرضیکہ اللہ کے نبی کی بات انہوں نے نہ مانی اور اسی مقام تہ میں مدتوں یہ پڑے رہے یہاں تک کہ غلامی کے ماحول میں زندگی بسر کرنے والے مر گئے ان کی اولاد جوان ہوئی جس نے آزادی کے ماحول میں آنکھ کھولی تھی اور ان میں قدرے حمیت و غیرت تھی انہیں احساس تھا کہ ان کے بڑوں نے اس سرزمین میں نہ داخل ہو کر بڑی غلطی کی تھی جس پر حکومت کرنا ان کا حق بنتا تھا جو اللہ کی طرف سے ان کا مقدر تھا لہذا اس نئی نسل نے فلسطین پر حملہ کیا اور وہ باسانی اس کے حاکم بن گئے لیکن چونکہ ذلت و مسکنت یہودیوں کا مقدر بن چکی ہے لہذا تاریخ انسانیت میں کئی مرتبہ فلسطین کی حکومت حاصل کر لینے کے باوجود انہیں کبھی وہاں سکون، امن اور اطمینان کی نعمت میسر نہ آسکی آج تک یہی حال ہے وہاں موجود یہودی اگرچہ فلسطین پر قابض ہیں لیکن پچاس سال میں ایک رات بھی وہ سکون و راحت کی نیند نہ سو سکے۔

ذبح بقرہ

قرآن کریم حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا ایک اور معجزہ بیان فرماتا ہے جو آپ کی وجاہت کا عظیم اور واضح ثبوت ہے۔ نہایت دلچسپ بھی ہے اور ایمان افروز بھی۔ ان آیات مبارکہ کا مطالعہ کیجئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَذْبَحُوا بَقَرَةً ۚ قَالُوا أَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ۖ قَالَ أَعُوذُ بِاللَّهِ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْجَاهِلِينَ ۝ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَنَا مَا هِيَ ۚ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ لَا فَارِصٌ وَلَا يَكْرٌ ۚ عَوَانٌ بَيْنَ ذَلِكَ ۚ فَافْعَلُوا مَا تُؤْمَرُونَ ۝ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَنَا مَا لَوْهَاهَا ۚ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَاءٌ فَاقِعٌ لَوْنُهَا تَسُرُّ النُّظُرِينَ ۝ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَنَا مَا هِيَ ۚ إِنَّ الْبَقَرَ تَشْبَهُ عَلَيْنَا ۚ وَإِنَّا إِن شَاءَ اللَّهُ لَمُهْتَدُونَ ۝ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ لَا ذَلُولٌ تُثِيرُ الْأَرْضَ وَلَا تَسْقِي الْحَرْثَ ۚ مُسَلَّمَةٌ لَا شِيَةَ فِيهَا ۚ قَالُوا الْآنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ ۚ فَذَبَحُوهَا وَمَا كَادُوا يَفْعَلُونَ ۝ وَإِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادْرَأْتُمْ فِيهَا ۚ وَاللَّهُ

مُخْرِجٍ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُونَ ﴿٦٧﴾ فَقُلْنَا اضْرِبُوهَ بِبَعْضِهَا كَذَلِكَ يُخَيِّ اللَّهُ الْمَوْتَى وَيُرِيكُمْ  
آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿٦٨﴾ ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُكُمْ مِّنْ بَعْدِ ذَلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ أَوْ أَشَدُّ  
قَسْوَةً وَإِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْأَنْهَارُ وَإِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ  
مِنْهُ الْمَاءُ وَإِنَّ مِنْهَا لَمَاءً يَهِيطُ مِنْ خَشْيَةِ اللَّهِ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿٦٩﴾  
(البقرہ: ۶۷ تا ۷۲)

اور یاد کرو جب کہا موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم سے کہ اللہ حکم دیتا ہے تمہیں کہ تم ذبح کرو ایک گائے  
وہ بولے کیا آپ ہمارا مذاق اڑاتے ہیں آپ نے کہا میں پناہ مانگتا ہوں اللہ سے کہ میں شامل ہو جاؤں  
جاہلوں میں وہ بولے دعا کیجئے ہمارے لئے اپنے رب سے کہ وہ ہمیں بتائے وہ گائے کیسی ہے موسیٰ نے  
کہا اللہ فرماتا ہے وہ گائے ہے جو نہ بوڑھی ہو اور نہ ہی بالکل بچی ہو درمیانی عمر کی ہو تو کرو جو تمہیں حکم دیا  
جا رہا ہے کہنے لگے دعا کرو ہمارے لئے اپنے رب سے کہ بتائے ہمیں کیسا رنگ ہو اس کا موسیٰ نے کہا  
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ایسی گائے جس کا رنگ خوب گہرا زرد ہو جو فرحت بخشے دیکھنے والوں کو کہنے لگے  
پوچھو ہمارے لئے اپنے رب سے کہ کھول کر بیان کرے ہمارے لئے کہ گائے کیسی ہو بیشک گائے مشتبہ  
ہو گئی ہے ہم پر اور اگر اللہ نے چاہا تو ہم اسے ضرور تلاش کر لیں گے۔ موسیٰ نے کہا اللہ فرماتا ہے وہ گائے  
جس سے خدمت نہ لی گئی ہو کہ بل چلائے زمین میں اور نہ پانی دے کھیتی کو بے عیب، بے داغ ہو انہوں  
نے کہا اب آپ صحیح پتہ لائے پھر انہوں نے ذبح کیا اسے اور وہ کرتے نظر نہ آتے تھے اور یاد کرو جب  
قتل کر ڈالا تھا تم نے ایک شخص کو تم ایک دوسرے پر قتل کا الزام لگانے لگے اور اللہ ظاہر کرنے والا تھا جو تم  
چھپا رہے تھے تو ہم نے فرمایا کہ مارو اس مقتول کو گائے کے کسی ٹکڑے سے یونہی زندہ کرتا ہے اللہ  
مردوں کو اور دکھاتا ہے تمہیں نشانیاں شاید تم سمجھ جاؤ پھر سخت ہو گئے تمہارے دل یہ منظر دیکھنے کے بعد  
بھی تو وہ پتھر کی طرح (سخت) ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت کئی پتھر ایسے ہیں جن سے بہہ نکلتی ہیں  
نہریں اور کئی ایسے بھی ہیں کہ جو پھٹتے ہیں تو ان سے پانی نکلنے لگتا ہے اور کئی ایسے بھی ہیں جو گر پڑتے ہیں  
اللہ کے خوف سے اور اللہ بے خبر نہیں ہے ان (کاموں) سے جو تم کرتے ہو۔

قرآن کریم کی ان آیات اور صاحب قرآن عظیم ﷺ کے ارشادات کی روشنی میں ذبح بقرہ کا مختصر واقعہ یہ ہے کہ  
بنی اسرائیل میں ایک قتل کا حادثہ ہو گیا۔ جس سے ان میں شدید اختلاف پیدا ہو گیا اور نوبت قتل و غارت تک جا پہنچی۔ ان میں  
سے کچھ لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے کہ اگر جلد ہی قاتل کا پتہ نہ چلا تو بہت ہی  
فتنہ پیدا ہوگا۔ اللہ کے نبی کو اپنی قوم کی اس افراتفری پر بے حد تشویش ہوئی اور آپ نے اللہ سے دعا کی کہ کسی طرح یہ فتنہ فرو ہو  
جائے اور اصل قاتل کا پتہ چل جائے۔ اللہ نے اپنے نبی پر کرم فرمایا ارشاد ہوا کہ ان لوگوں کو بتاؤ کہ ایک گائے ذبح کر کے اس



کے گوشت کا ایک ٹکڑا مقتول کے جسم پر ماریں مقتول زندہ ہو کر خود ہی اپنے قاتل کا پتہ بتا دے گا۔

چاہئے تو یہ تھا کہ بنی اسرائیل اپنے آقا کے عطا کردہ اس نسخہ کیمیا کو اپنے لئے رحمت جانتے اس کی قدر کرتے کہ یہ ان کو ایک بڑی مصیبت سے بچانے کا ذریعہ تھا لیکن ان ظالموں نے اپنی سرشت کے مطابق اسے ہنسی مذاق قرار دیا چونکہ وہ نبی کی وجاہت اور اس کے ارفع و اعلیٰ منصب پر یقین نہ رکھتے تھے۔ وہ تو نبی کو اپنا جیسا عام انسان جانتے تھے لہذا بولے ”اتخذنا هزوا“ کیا اس الجھن و پریشانی کے موقع پر اے موسیٰ تم ہمارا مذاق اڑا رہے ہو انہیں کیا پتہ کہ نبی اپنی قوم سے مسخرہ پن نہیں کرتا وہ تو قوم کا ہمدرد ہوتا ہے الجھنوں اور پریشانیوں سے نجات دہندہ ہوتا ہے، مشکلات کا یقینی حل بتانا اس کی ذمہ داری ہوتی ہے، مصیبت زدوں کو اس کے دامن رحمت میں پناہ نصیب ہوتی ہے پس حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواباً فرمایا ”اعوذ باللہ ان اکون من الجاهلین“ اللہ کی پناہ کہ میں جاہلوں میں سے ہوں تم جاہل ہو لہذا جہالت ہی کی باتیں کرتے ہو میں ایسا برگز نہیں کر سکتا۔

اب ان احمقوں نے گائے کے متعلق سوالات کرنا شروع کئے حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کے جوابات وحی الہی کے مطابق دیتے رہے جو آیات مندرجہ بالا میں وضاحت سے موجود ہیں۔

نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا ارشاد ہے کہ بنی اسرائیل نے ذبح بقرہ کے متعلق سوالات کر کے خود ہی اپنے لئے تنگی اور دشواری پیدا کی ورنہ اگر وہ پہلے ہی ارشاد کی تعمیل کرتے ہوئے کوئی بھی گائے ذبح کر دیتے تو مقصد حاصل ہو جاتا مگر انہوں نے متواتر بیہودہ اور غیر ضروری سوالات کر کے اپنے اوپر پابندیاں لگوائیں۔ اسی لئے قرآن کریم نے رسول مکرم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے غیر ضروری سوالات کرنے کی ممانعت فرمائی ارشاد ہوا:

أَمْ تُرِيدُونَ أَنْ تَسْأَلُوا رَسُولَكُمْ كَمَا سُئِلَ مُوسَىٰ مِنْ قَبْلُ ۚ وَمَنْ يَتَّبِعِ الْكُفْرَ  
بِالْإِيمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ ۝ (البقرہ: ۱۰۸)

کیا تم چاہتے ہو کہ پوچھو اپنے رسول سے (ایسے سوال) جیسے پوچھے گئے موسیٰ سے اس سے پہلے اور جو بدل لیتا ہے کفر کو ایمان سے وہ تو بھٹک گیا سیدھے راستہ سے۔

اہل ایمان کو یہ حکم دیا جا رہا ہے کہ اپنے آقا ﷺ سے بہت زیادہ سوالات کر کے اپنے لئے تنگی اور مشکلات پیدا نہ کرو کہ غیر ضروری سوالات کی کثرت بسا اوقات گستاخی اور ایمان سے محرومی کا باعث بن جاتی ہے۔ جیسا کہ بنی اسرائیل نے اپنے نبی سے سوالات کئے اور بالآخر وہ گمراہ ہو گئے، ذلیل و خوار ہو گئے۔ اے ایمان والو! تمہاری شان تو یہ ہے کہ ”مَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا“ کہ بس رسول تمہیں جو حکم دیں تم بلا چون و چرا اس کی تعمیل کر لیا کرو اور رسول جس کام سے تمہیں منع کر دیں بلا تا مل اس کو چھوڑ دیا کرو اسی میں تمہاری خیریت و عافیت ہے یہی طریقہ ہے جس سے تم احکام شرع کی تنگی اور سختی سے بچ سکتے ہو ورنہ تو تمہارا حال بنی اسرائیل جیسا ہی ہو جائے گا کہ وہ کثرت سوال ہی سے دشواریوں میں مبتلا کئے گئے۔

بہر حال بنی اسرائیل ذبح بقرہ کے متعلق سوالات کرتے رہے اور وحی الہی سے انہیں جواب ملتا رہا اور جب وہ حکم کی تعمیل پر آمادہ ہوئے تو مطلوبہ گائے اتنی مخصوص ہو چکی تھی کہ اسے تلاش کرنا مشکل ہو گیا۔ ان خصوصیات کی حامل ایک گائے کا کسی نہ کسی طرح پتہ چلا جو ایک بوڑھے کی تھی۔ یہ شخص نہایت متقی اور نیک تھا۔ اس کی ایک بیوی اور ایک بیٹا تھا اور ان کے لئے اس نے یہ ایک ہی گائے چھوڑی تھی۔ مرتے وقت اس شخص نے دعا کی کہ مولیٰ! تو جانتا ہے کہ میں نے اپنی بیوی اور بچے کے لئے سوائے ایک گائے کے اور کچھ نہ چھوڑا ہے، پس اس ہی میں ان کے لئے برکت عطا فرما۔ یہ گائے کھیتوں میں چرتی رہتی تھی کوئی اسے روکتا نہ تھا اس میں وہ تمام خصوصیات موجود تھیں جن کی بنی اسرائیل کو ضرورت تھی۔ پس مقتول کے ورثاء کسی نہ کسی طرح اس گائے کے مالک تک پہنچے۔ کامیاب ہو گئے اور اس سے کہا کہ ہمیں ایسی ہی گائے کی ضرورت ہے اگر تم اسے فروخت کر دو تو ہم پر تمہارا بڑا احسان بھی ہوگا اور ہم تمہیں اس کی منہ مانگی قیمت ادا کریں گے۔ نوجوان بمشکل تیار ہوا اور اپنی ماں کے مشورے سے اس نے گائے کی کھال بھر سونے کا مطالبہ کیا مجبور تھے کیا کرتے مطلوبہ قیمت پر رضا مندی ہو گئی اور انہوں نے بالآخر اللہ کے حکم کی تعمیل کی۔

آیات مذکورہ میں آخری سوال کے ساتھ ”انا ان شاء اللہ لمہتدون“ کا جملہ قابل غور ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اگر یہ ”انشاء اللہ“ نہ کہتے تو اللہ کے حکم کی ہرگز تعمیل نہیں کر پاتے اسی لئے بوسیلہ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہمیں بھی حکم الہی ہے کہ کسی کام کو کرنے سے پہلے ”انشاء اللہ“ کہنا چاہئے تو اس کام کی تکمیل اور اس میں کامیابی یقینی ہو جاتی ہے۔ غرضیکہ انہوں نے گائے ذبح کی اور حکم الہی کے مطابق اس کا ایک ٹکڑا مقتول کے جسم پر مارا تو مقتول بحکم الہی زندہ ہو کھڑا ہوا اور اس نے اپنے قتل کا پورا حال بیان کر دیا۔ ظاہر ہے اس قدر سچی اور صحیح شہادت کے بعد قاتل کے لئے اعتراف جرم کے سوا کوئی چارہ نہ رہا۔ پس قاتل کو شریعت موسوی کے مطابق سزا دی گئی اور پوری قوم پر فتنہ و فساد کے چھائے ہوئے بادل چھٹ گئے۔

یہ واقعہ بلاشبہ نہایت ہی عجیب و غریب ہے اور ہر معجزہ محیر العقول ہی ہوتا ہے جس کا مقصد نبی کی عظمت، وجاہت اور اللہ کی قدرت کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ بنی اسرائیل نے اپنی آنکھوں سے اپنی نبی کے اس معجزے کو دیکھا لیکن بد نصیبوں نے پھر بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وجاہت و عظمت کا اعتراف نہ کیا ظاہر ہے اولاد کی عزت، والدین کی تسلیم کرنے سے ہوتی ہے اور قوم کی عزت قائد و نبی کے دامن عزت سے وابستہ ہے جو تو اپنے نبی کی عزت و وجاہت پر یقین نہیں رکھتی بد نصیبی اور ذلت و خواری اس کا مقدر بنتی ہے اللہ محفوظ رکھے۔ اسی لئے یہودیوں کو ہمیشہ ہمیش کے لئے ذلیل و خوار کر دیا گیا اور وہ دنیا و آخرت میں ناکامی و نامرادی کے مستحق قرار دیئے گئے۔

نبی آخر الزماں ﷺ کے غلاموں پر اللہ رب العزہ جل مجدہ کا یہ خصوصی کرم ہے کہ ہم نے نہ صرف اپنے آقا ﷺ کے بلکہ جملہ انبیاء و رسل علیہم السلام کے مقام و منصب کو پہچانا اور ان کی عزت و وجاہت کے اقار و جزو ایمان جانا ہے نہ تو کبھی ہم نے ان کی اطاعت و فرمانبرداری سے اعراض و روگردانی کی اور نہ ہی کبھی ان کے دربار عالی میں ج

بخشی کے مرتکب ہوئے۔ ہم نے ہمیشہ ”ما اتاكم الرسول فخذوه وما نهاكم عنه فانتهوا“ کے قرآنی ارشاد کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان کے حضور سر تسلیم خم رکھا ہے اسی لئے اللہ نے ہم پر بڑا کرم فرمایا کہ اپنے عذاب کو ہم سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دور کر دیا۔ ہماری عزت و ناموس کی حفاظت فرمائی حتیٰ کہ آج اگرچہ ہم اپنے عمل و کردار کے اعتبار سے نہایت ہی کمزور ہیں لیکن پھر بھی اقوام عالم میں ہمارا ایک مقام ہے اس کمزوری کے باوجود بھی اسلام کے دشمن بحمد اللہ ہم سے مرعوب و خوف زدہ رہتے ہیں وہ بخوبی جانتے ہیں کہ مسلمان آج بھی سب سے زیادہ اپنے نبی ﷺ سے محبت رکھتا اور ان کی عزت و ناموس کے لئے جان لینے اور جان دینے پر ہمہ وقت آمادہ تیار رہتا ہے۔ بخدا اگر ہم اپنے آقا ﷺ کی عظمت و وجاہت کے معترف نہ ہوتے تو اب تک دنیا سے ہمارا نام تک مٹ چکا ہوتا۔

یہ سب تمہارا کرم ہے آقا کہ بات اب تک بنی ہوئی ہے  
ایذا رسول

اللہ کے نبی و رسول کی عظمت و وجاہت کا یہ تقاضا ہے کہ امتی سے رسول کو سہوایا قصداً کسی بھی طرح کوئی ایذا اور تکلیف نہیں پہنچنا چاہئے کہ یہ بدترین جرم ہے جو تمام اعمالِ صالحہ اور عبادات کے ضیاع اور برباد ہو جانے کا باعث بنتا ہے جس کے مرتکب بنی اسرائیل ہوئے آیت زیر گفتگو میں بنی اسرائیل کی مسلسل اپنے نبی موسیٰ علیہ السلام کو ایذا و تکلیف پہنچانے کی عادت کا تذکرہ کرتے ہوئے اللہ رب العزت جل مجدہ نے اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے غلاموں کو ہدایت فرمائی کہ تم ہرگز اس جرم کا ارتکاب نہ کرنا جس کے مرتکب تم سے پہلے بنی اسرائیل ہوتے رہے اور اس کے سبب انہیں ذلیل و خوار کر دیا گیا تم خیر الانبیاء ﷺ کی غلامی کے صدقہ خیر الامم بنائے گئے ہو اس اعزاز کی حفاظت و بقا کا ذریعہ ہمارے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی غلامی اور ان کی عزت و وجاہت کے اعتراف کے سوا اور کچھ نہیں۔

درج ذیل آیات مبارکہ پر غور فرمائیے آپ اندازہ کر سکیں گے کہ ایذا رسول اللہ کے نزدیک کیسا بدترین جرم ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِينًا ﴿٥٦﴾

(احزاب: ۵۶)

بیشک جو لوگ ایذا پہنچاتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کو انہیں اللہ اپنی رحمت سے محروم کر دیتا ہے دنیا اور آخرت میں اور اس نے تیار کر رکھا ہے ان کے لئے رسوا کن عذاب۔

وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ رَسُولَ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٥٧﴾

(توبہ: ۶۱)

اور جو لوگ تکلیف پہنچاتے ہیں اللہ کے رسول کو ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

جو قوم لعنت میں مبتلا ہو جائے اور عذابِ مہین اور عذابِ الیم کی مستحق قرار دے دی جائے دنیا و آخرت میں اس سے بدتر کوئی قوم نہیں ہو سکتی۔ باہمی انتشار و افتراق، معاشی بد حالی، بد عملی اور فتنہ و فساد، غلامی، ذلت و خواری غرضیکہ تباہی و بربادی کے جملہ اسباب اس کا مقدر بن جاتے ہیں نہ اس کا سیاسی و معاشی مقام رہتا ہے اور نہ ہی کوئی تہذیب و تمدن وہ

بھکاری بن کر جانوروں کی طرح غلامی کی زندگی بسر کرتے ہیں اور یہی حال یہودیوں کا ہے جنہوں نے نہ صرف موسیٰ علیہ السلام کو ایذا پہنچائی بلکہ وہ اپنے تمام انبیاء کے ساتھ بدسلوکی کرتے رہے یہاں تک کہ وہ اللہ کے مقدس نبیوں کو قتل کرنے سے بھی باز نہ آئے۔

کفر و شرک وہ ظلم عظیم ہیں جو سب سے زیادہ رسول کی ایذا کا سبب بنتے ہیں جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے ”وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّكَ يَضِيقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُولُونَ“ اور ہم خوب جانتے ہیں کہ آپ کا قلب مبارک تنگ ہوتا ہے (کفار کی) ان باتوں سے جو وہ کیا کرتے ہیں۔ نیز فرمایا گیا اے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام ”وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِي ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُونَ“ آپ غمزدہ نہ ہوا کریں (کفار کی ہٹ دھرمی) پر اور نہ تنگ دل ہوا کریں (کفار کی) فریب کاریوں پر کہ اللہ کے رسول ﷺ جو بلاشبہ ”رحمة للعالمین“ ہیں یہی خواہش رکھتے اور چاہتے ہیں کہ اللہ کا ہر بندہ اللہ کی بندگی کرے لہذا آپ کو کفار و مشرکین اور منافقین کی بغاوت اور بدگوئی سے شدید صدمہ ہوتا ہے اور غلاموں کی حکم عدولی، بد عملی آقا ﷺ کے لئے باعث ایذا و تکلیف ہوتی ہے جس کا قرآن کریم اعلان فرماتا ہے ”عزیز علیہ ما عنتم“ تمہاری بد عملی سے رسول کریم کے قلب مبارک پر بار ہوتا ہے انہیں تکلیف پہنچتی ہے کیونکہ وہ تو ”بالمؤمنین رؤف رحیم“ کی شان کے مالک ہیں رافت و رحمت ان کی خصوصیت ہے وہ چاہتے کہ ان کا ایک ایک غلام متقی ہو، صالح ہو، اطاعت شعار ہو پس بے نمازی، بد دیانت، بد عمل، بد کردار اور رشوت و سود کی دولت کھانے والے حرام خور رسول کو ایذا پہنچانے انہیں تکلیف پہنچانے کے بدترین جرم میں مبتلا ہوتے ہیں اور اللہ کی لعنت، عذاب مہین اور عذاب الیم کے مستحق قرار پاتے ہیں اللہ اس حکم عدولی اور بغاوت سے ہر مسلمان کو محفوظ رکھے کہ رسول کو دکھ پہنچانے والے کو کبھی سکھ اور چین کی زندگی میسر نہیں آسکتی۔

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ میرے آقا ﷺ کو کفار مکہ نے ستایا اتنے ظلم کئے کہ کوئی کسر باقی نہ رکھی۔ راہ طائف میں آپ ﷺ پر پتھروں کی اتنی بوچھاڑ کی گئی کہ جسم اطہر لبو لہان ہو گیا۔ نعلین مبارک خون سے لبریز ہو گئیں۔ غزوہ احد کے موقع پر آپ ﷺ کو شدید تکلیف سہنا پڑی حتیٰ کہ آپ ﷺ کا دندان مبارک شہید ہوا لیکن تاریخ گواہ ہے کہ آپ ﷺ نے کبھی اُف تک نہ کی بلکہ مظالم و مصائب کو برداشت کیا اور ظالموں کو دعاؤں سے نوازا۔ لہذا مبارک جنبش میں آئے تو یہی نکلا ”اللهم اهد قومی فانهم لا يعلمون“ اے اللہ میری قوم کو ہدایت دے کہ وہ مجھے جانتی نہیں میرا پیغام تو امن و سلامتی کا پیغام ہے اور یہ احمق میرے پھولوں کا جواب کانٹوں سے دیتے ہیں میں تو ان کی نجات و عافیت کا طلب گار ہوں اور یہ اپنے لئے مصائب و آلام کو دعوت دیتے ہیں لیکن جب بھی دشمن نے دین میں مداخلت کر کے آپ ﷺ کو ایذا پہنچائی تو آپ نے شدید حزن و غم کا اظہار فرمایا۔ غزوہ احزاب کے موقع پر آپ ﷺ کی ظہر، عصر اور مغرب کی نمازیں قضا ہوئیں تو آپ نے سخت افسوس کا اظہار کیا اور فرمایا ”ان ظالموں نے ہمیں نمازوں تک سے روک دیا“ گویا میرے آقا ﷺ ہمیشہ اپنی ذات پر دین کو ترجیح دیتے رہے۔ جو غلاموں کے لئے بلاشبہ قابل تقلید نمونہ ہے۔

اے ایمان والو! اُمم ماضیہ کی تاریخ کا مطالعہ کرتے رہو جس میں تمہارے لئے عبرت ہے۔ بنی اسرائیل کا حال پڑھو ان ظالموں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اپنے دیگر انبیاء و رسول عظام علیہم السلام کے ساتھ کس طرح گستاخیاں کیں۔ وہ ان مقدس قائدین کی عزت و وجاہت کا ہمیشہ انکار ہی کرتے رہے انہیں اپنے جیسا عام انسان ہی جانتے رہے۔ دیکھو تم ایسا نہ کرنا اپنے عقائد کی اصلاح کرو قرآن و حدیث کے مطابق اپنے آقا ﷺ کی عظمت و وجاہت کا اعتراف کرو۔ نبی کو اللہ کا بندہ اور اپنا آقا تسلیم کرو اور مانو کہ وہ ہر اعتبار سے تم سے ممتاز ارفع و اعلیٰ ہے تم کیا چیز ہو اللہ کے دیگر انبیاء و رسل بھی اس جیسے نہیں نہ کسی مؤمن نے اس سے مشابہت و مماثلت کا کبھی دعویٰ کیا یہ تو کفار و مشرکین اور منافقین کا طرز رہا ہے کہ وہ ”نبی کو اپنے جیسا یقین کرتے رہے“ تم مؤمن ہو اپنے آقا ﷺ کے منصب و مقام کو پہچانو اور اپنا جیسا بشر سمجھ کر انہیں تکلیف نہ پہنچاؤ اسی میں تمہاری عزت ہے، عافیت ہے، آخرت کی نجات ہے، اے اللہ تو ہمیں اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کا سچا غلام بنا اور ان کی عزت و وجاہت پر یقین کرنے کی توفیق عطا فرما آمین، بجاہ سید المرسلین ﷺ۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی خَيْرِ خَلْقِهِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔



## مقالہ ۶۷

### الاحزاب: ۷۱، ۷۲

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَاقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ۖ يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَ  
يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۗ وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا ۝

(احزاب: ۷۱، ۷۲)

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہا کرو اور ہمیشہ سچی بات کہا کرو تو اللہ تمہارے اعمال درست کر دے گا اور تمہارے گناہوں کو بھی بخش دے گا اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانتا ہے تو وہی حاصل کرتا ہے بڑی کامیابی ہے۔

اہل ایمان کو خطاب فرماتے ہوئے تقویٰ اختیار کرنے اور سچ بولنے کا حکم دیا گیا اور ان دونوں کی تاثیر بیان کرتے ہوئے بتایا جا رہا ہے کہ اس سے تمہارے اعمال درست ہو جائیں گے اور تمہارے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔ نیز بتایا کہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت و فرمانبرداری، رہبرِ فلاح ہے۔

تقویٰ کیا ہے اس کے فوائد کیا ہیں مؤمن کے لئے اس کا اختیار کرنا کس قدر ضروری اور اہم ہے اور انسان کی زندگی پر اس کے اثرات کیا مرتب ہوتے ہیں یہ تمام تفصیل ہم گزشتہ اوراق میں بیان کر چکے ہیں درج ذیل سطور میں دوسرے حکم سچائی کے متعلق چند باتیں عرض کرتے ہیں اگرچہ اس کو بھی تفصیل سے پیش کیا جا چکا ہے۔

### سچائی یا صداقت

سچائی، صداقت، خاصہ انبیاء ہے اسی لئے انبیاء کرام علیہم السلام پر بڑے بڑے الزامات عائد کئے گئے لیکن کسی بدترین دشمن نے بھی انہیں جھوٹا اور کاذب نہ کہا بالخصوص میرے آقا ﷺ کو دشمنانِ دین نے ساحر، مجنون، دیوانہ اور نہ جانے کیا کیا کہا لیکن ہر کسی نے آپ کی سچائی اور صداقت کا اعتراف پھر بھی کیا۔

اعلانِ نبوت کے پہلے ہی دن جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اہل مکہ کو جمع کر کے سوال کیا کہ اگر میں تم سے کہوں کہ اس پہاڑی کے پیچھے سے ایک بڑا لشکر تم پر حملہ آور ہونے والا ہے جو تمہیں تباہ کر دے گا، تو کیا تم میری اس بات پر یقین کرو گے تو حاضرین نے بیک آواز جواب دیا ہم ضرور یقین کریں گے کیونکہ آپ کبھی جھوٹ نہیں بولتے۔

قیصر روم نے جب ابوسفیان سے پوچھا کہ تمہارے یہاں جو مدعی نبوت پیدا ہوا ہے کیا اس نے کبھی کسی معاملہ میں جھوٹ بھی بولا ہے ابوسفیان کو یہ کہنا پڑا کہ نہیں وہ کبھی جھوٹ نہیں بولتا اسی لئے ہم سب اس کی صداقت کے معترف ہیں اور اسے صادق و امین کے نام سے پکارتے ہیں پس قیصر روم نے کہا تو وہ یقیناً اللہ کا رسول ہے کیونکہ اگر وہ اللہ کے معاملہ میں جھوٹا ہوتا تو یقیناً لوگوں کے معاملات میں بھی ضرور جھوٹ بولتا۔

ابو جہل جیسا بدترین دشمن رسول بھی کہا کرتا تھا کہ ہم محمد (ﷺ) کو جھوٹا نہیں کہتے ہاں صرف اتنا کہتے ہیں کہ وہ جو آیات ہمیں سناتے ہیں وہ اللہ کا کلام نہیں۔ جیسا کہ قرآن کریم میں بھی ہے اللہ فرماتا ہے:

قَدْ نَعْلَمُ إِنَّهُ لَيَحْزُنُكَ الَّذِي يَقُولُونَ فَإِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُونَكَ وَلَكِنَّ الظَّالِمِينَ بِآيَاتِ

(انعام: ۳۳)

اللَّهُ يَجْحَدُونَ ﴿٣٣﴾

(اے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام) ہم جانتے ہیں کہ رنجیدہ کرتی ہے آپ کو وہ بات جو یہ کہہ رہے ہیں تو

وہ نہیں جھٹلاتے آپ کو بلکہ یہ ظالم (دراصل) اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔

نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام سچائی کی تلقین و تاکید کرتے ہوئے فرماتے ہیں راوی ہیں حضرت انس رضی اللہ عنہ "مَنْ تَرَكَ الْكَذِبَ وَهُوَ بَاطِلٌ بَنَى لَهُ فِي رِبْضِ الْجَنَّةِ" جس شخص نے جھوٹ بولنا چھوڑ دیا جو کہ باطل ہے۔ اس کے لئے جنت کے کنارے پر ایک محل تعمیر کیا جائے گا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا "إِذَا كَذَبَ الْعَبْدُ تَبَاعَدَ عَنْهُ الْمَلِكُ مِثْلًا مِنْ نَحْنِ مَا جَاءَ بِهِ" جب بندہ مؤمن جھوٹ بولتا ہے تو جھوٹ کی بدبو کی وجہ سے فرشتے اس سے ایک میل دور ہو جاتے ہیں۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ”عَلَيْكُمْ بِالصَّدَقِ“ سچ بول کر دو کیونکہ ”فَإِنَّ الصَّدَقَ يَهْدِي إِلَى الْبِرِّ“ سچائی نیکی کی طرف لے جاتی ہے۔ ”وَإِنَّ الْبِرَّ يَهْدِي إِلَى الْجَنَّةِ“ اور نیکی جنت کی طرف لے جاتی ہے پھر آپ فرماتے ہیں ”وَمَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَصْدُقُ وَيَتَحَرَّى الصَّدَقَ حَتَّى يَكْتُبَ عِنْدَ اللَّهِ صِدْقًا“ اور جب بندہ سچ بولتا رہتا تو ایک دن اللہ کے یہاں اس کا نام سچوں کی فہرست میں شامل کر لیا جاتا ہے۔ جھوٹ سے بچنے کی تاکید کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں ”وَإِيَّاكُمْ وَالْكَذِبَ فَإِنَّ الْكَذِبَ يَهْدِي إِلَى الْفُجُورِ وَإِنَّ الْفُجُورَ يَهْدِي إِلَى النَّارِ“ تم جھوٹ سے بچتے رہو کیونکہ جھوٹ برائیوں کی طرف کھینچتا ہے اور برائیاں جہنم کی طرف لے جاتی ہیں۔ ”وَإِنَّ الرَّجُلَ يَكْذِبُ وَيَتَحَرَّى الْكَذِبَ حَتَّى يَكْتُبَ عِنْدَ اللَّهِ كَذِبًا“ اور آدمی جھوٹ بولتا رہتا ہے حتیٰ کہ اللہ کے یہاں وہ جھوٹوں میں شمار ہونے لگتا ہے۔

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ نصیحت خوب یاد کر لی ہے کہ آپ فرمایا کرتے تھے ”دَعْ مَا يُرِيكَ إِلَى مَا لَا يُرِيكَ“ شک والی بات پر یقینی بات کو ترجیح دو کیونکہ ”فَإِنَّ الصَّدَقَ طُمَآنِيَةٌ“ سچائی اطمینان و سکون کا ذریعہ ہے جبکہ ”إِنَّ الْكَذِبَ رَيْبَةٌ“ جھوٹ شک و شبہ اور بے اطمینانی کی کیفیت پیدا کرتا ہے۔

بہر حال سچائی اور صداقت ایک خوبی ہے، حسن ہے جس سے انسان کا چہرہ پر نور ہو جاتا اور قلب ”طُمَآنٍ“ اور پرسکون ہو جاتا ہے اسی لئے مؤمن و غیر مؤمن سب ہی سچائی کو پسند کرتے ہیں اور جھوٹ اور کذب ایک برائی ہے۔ ایسا انسان جس سے انسان کا چہرہ بد نما ہو جاتا ہے دل مضطرب اور بے چین رہتا ہے سچ بولنے والے کو اگر سچائی کی وجہ سے تکلیف بھی ہوتی ہے تو اسے راحت محسوس ہوتی ہے جبکہ جھوٹ بولنے والے کو راحت و سکون کے باوجود شرمندگی و ندامت کا سامنا کرنا پڑتا ہے وہ ہمیشہ خوفزدہ اور غمزدہ ہی رہتا ہے۔

سچائی کا سرچشمہ تقویٰ ہے اسی لئے اللہ رب العزت جل مجدہ نے تقویٰ کا حکم دیتے ہوئے ”وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا“ فرمایا قَوْلٍ سَدِيدٍ کا جملہ بھی قابل غور ہے کہ ایسی بات کہی جائے جس میں کسی بھی طرح جھوٹ کی آمیزش نہ ہو۔ سچ ہو حق ہو، صاف ستھری اور صحیح بات ہو جب بندہ مؤمن تقویٰ اور قَوْلٍ سَدِيدٍ کا عادی ہو جاتا ہے تو اس کے دیگر اعمال خود بخود سدھرتے اور ٹھیک ہوتے چلے جاتے ہیں وہ خود بخود زندگی کے ہر معاملہ میں دین اور شریعت کی پابندی کرنے لگتا ہے اور اب اس کے اعمال صالحہ اس کے ماضی کے گناہوں کو مٹا دیتے ہیں اس کی بخشش و مغفرت ہو جاتی ہے جو اس کے لئے پرسکون و پراطمینان زندگی کا باعث ہوتی ہے۔ اب دنیا کے کسی خوف سے وہ خوفزدہ نہیں ہوتا اور دنیا کا کوئی غم اسے غمزدہ نہیں کر پاتا ”لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ“ نہ انہیں کوئی خوف ہے اور نہ ہی وہ غمزدہ ہوتے ہیں ایسے ہی لوگوں کے لئے فرمایا گیا ہے ”اللَّهُمَّ اجْعَلْنَا مِنَ الصَّادِقِينَ“

اطاعت

غلام کے لئے اطاعت و فرمانبرداری ذریعہ فلاح و فوز ہے انسان اللہ کا بندہ اور رسول کا غلام ہے لہذا انہی کی بندگی



اور اطاعت شعاری کامیابی و کامرانی کا یقینی ذریعہ ہے جس کا قرآن کریم بار بار حکم دیتا ہے اس کی تفصیل آپ گزشتہ صفحات پر پڑھ چکے ہیں۔ یہاں صرف اتنا عرض کر دینا کافی سمجھتے ہیں کہ ہر نبی اپنی امت کے لئے مطاع بنا کر مبعوث فرمایا جاتا ہے اور امت کا ہر فرد پابند ہوتا ہے کہ اس کی تعلیمات اور اس کے عطا کردہ اصول زندگی کو اپنائے۔ میرے آقا ﷺ ایسے مطاع ہیں کہ اللہ رب العزت جل مجدہ نے آپ کی اطاعت و فرمانبرداری کو علی الاطلاق امت پر لازم قرار دیا اور فرمایا ”مَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا“ جو رسول تمہیں دیں وہ لے لو اور جس سے رسول تمہیں روکیں اس سے رک جاؤ وہ تمہارے لئے ایک ماڈل ہیں ان کی زندگی کے سانچے میں تم اپنی زندگی ڈھالو۔ ”لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ“ بیشک رسول مکرم کی زندگی تمہارے لئے بہترین نمونہ ہے۔ ”يُعَلِّمُكُم مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ“ جو کچھ تم نہیں جانتے وہ سب رسول تمہیں سکھاتے ہیں۔ نیز فرمایا گیا ”مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ“ جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ ہی کی اطاعت کی۔ پس نتیجہ ظاہر ہے کہ رسول ہی کی اطاعت و فرمانبرداری دنیا و آخرت کی کامیابی و کامرانی اور اخروی نجات کا یقینی ذریعہ ہے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین مادی و ظاہری وسائل کے فقدان کے باوجود زندگی کے ہر مرحلہ میں کامیاب و کامران رہے۔ تعداد کی کمی کے باوجود وہ دشمن پر غالب آتے رہے معاشی بد حالی کے باوجود وہ خوشحال رہے ہمہ وقت دشمن کی سازشوں کے باوجود وہ مطمئن اور پرسکون شب و روز بسر کرتے رہے۔ قیصر و کسریٰ کے جزار اور بہادر لشکران سے گھبراتے تھے۔ یہود، دولت مند قوم ہونے کے باوجود ان کے سامنے ذلیل و خوار تھے۔ اقوام عالم میں ان کا چرچا تھا ان کی عزت تھی، وہ بارعب اور باوقار قوم تھے، صرف اس لئے کہ وہ اپنے آقا ﷺ کے وفادار اور ان کے مطیع و فرمانبردار تھے۔

جعفر شاہ حبشہ کے دربار میں

جب بعض صحابہ نے کفار مکہ کے مظالم سے تنگ آ کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد کے مطابق حبشہ ہجرت کی تو کفار مکہ نے اپنا ایک وفد نجاشی شاہ حبشہ کے پاس بھیجا تا کہ وہ مہاجرین کو حبشہ سے نکال دینے پر نجاشی کو آمادہ کر سکے۔ یہ وفد پروگرام کے مطابق نجاشی کے دربار میں حاضر ہوا۔ اولاً اسے نہایت بیش قیمت تحائف پیش کئے پھر اپنی حاضری کا مقصد بیان کیا۔ شاہ حبشہ نے از روئے عدل و انصاف مسلمانوں کو طلب کیا تا کہ ان سے ہجرت کی وجہ اور مکہ کے حالات معلوم کئے جائیں۔ بالخصوص حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق معلومات حاصل کی جائیں مسلمانوں نے اپنا ایک وفد مرتب کیا جو حضرت جعفر ابن طیار رضی اللہ عنہ کی قیادت میں دربار نجاشی میں حاضر ہوا یہاں ہم نجاشی کے دربار میں حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی جرات مندانہ گفتگو کا خلاصہ پیش کرتے ہیں۔ جس سے انداز کیا جاسکتا ہے کہ آقا ﷺ کی اطاعت و فرمانبرداری غلاموں کو کس طرح حق گو بنادیتی ہے اور وہ ناسازگار حالات میں بھی کس طرح کامیاب و کامران اور سرخرو ہوتے ہیں۔

جب صحابہ کرام نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ دربار میں حاضر ہو کر کیا کہیں گے تو آپ نے جو جواب دیا وہ نہایت ہی قابل غور ہے فرمایا ”نَقُولُ وَاللَّهِ مَا عَلِمْنَا وَمَا أَمَرْنَا بِهِ نَبِينَا كَانْنَا فِي ذَلِكَ هُوَ كَانْنَا“ بخدا

میں دی کہوں گا جو میں جانتا ہوں اور جس کا میرے آقا ﷺ نے حکم دیا چاہے نتیجہ کچھ بھی ہو یہ ہی غلام کا شعار ہے نتیجہ کی پروا کئے بغیر اپنے آقا ﷺ کے حکم کی تعمیل کرنا پھر بادشاہ کے دربار میں حاضر ہو کر آپ نے اس کے سوالات کو بغور سنا اور جواباً جو کچھ فرمایا اس کا خلاصہ یہ ہے۔ بغور پڑھئے:

اے بادشاہ! ہم جاہل قوم تھے، بتوں کی پوجا کیا کرتے تھے، مردار کھایا کرتے تھے، بدکاریاں کیا کرتے تھے اپنے رشتہ داروں کے ساتھ، اپنے پڑوسیوں کے ساتھ بے رحمی کا سلوک کرتے تھے ہم میں سے طاقتور غریب و کمزور کو کھائے جارہا تھا ہمارا یہ ناگفتہ بہ حال تھا کہ اللہ نے ہم پر رحم فرمایا اور ہم میں ایسا رسول مبعوث فرمایا جس کے حسب نسب کو ہم جانتے ہیں جس کی صداقت، امانت اور عفت سے بھی ہم اچھی طرح واقف ہیں اس نے ہمیں ایک اللہ پر ایمان لانے کی دعوت دی کہ ہم اس کو وحدہ لا شریک نہ مانیں اور اسی کی عبادت کریں اور وہ پتھر اور بت جن کی پوجا ہم اور ہمارے آباؤ اجداد کرتے تھے ان کی بندگی کا پٹہ ہم اپنی گردن سے اتار پھینکیں۔ اس نے ہمیں حکم دیا کہ ہم ہر حال میں سچ بولیں امانت میں خیانت نہ کریں، رشتہ داروں کے ساتھ اچھا سلوک کریں، ہمسایوں کے ساتھ بھلائی کریں برے کاموں اور خوریزی سے باز رہیں اس نے ہمیں فسق و فجور، جھوٹ بولنے، یتیموں کا مال کھانے پاک دامن عورتوں پر تہمت لگانے سے منع کیا اور ہمیں حکم دیا کہ ہم صرف ایک اللہ کی عبادت کریں کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں نیز اس نے حکم دیا کہ ہم نماز پڑھیں زکوٰۃ دیں اور روزے رکھیں لہذا ہم نے اس رسول مکرم ﷺ کی تصدیق کی ہم ان پر ایمان لائے اور اللہ کے جو حکم وہ لے کر آئے تھے ہم نے ان کو اپنایا اب ہم ہر اس چیز کو حرام سمجھتے ہیں جسے انہوں نے حرام قرار دیا اور ہمارے لئے ہر وہ چیز حلال ہے جسے انہوں نے حلال قرار دیا۔ بس ہمارا یہی جرم ہے جس کی وجہ سے ہماری قوم ہم پر ظلم کر رہی ہے ہمیں اس دین سے روگرداں کرنے کے لئے طرح طرح کی اذیتیں پہنچاتی ہے۔ ان کا مقصد صرف یہ ہے کہ ہم ایک اللہ کی عبادت چھوڑ کر پھر بت پرستی کرنے لگیں پھر بدکاریوں اور برائیوں کے دلدل میں جا پڑیں پھر ناپاک چیزوں اور گندے اعمال کو اچھا سمجھنے لگیں۔ اے بادشاہ! جب ان لوگوں نے ہمارا جینا حرام کر دیا تو ہم اپنا وطن چھوڑنے اور آپ کی پناہ میں آنے پر مجبور ہوئے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ آپ کے سایہ میں ہمیں چند دن سکون کے میسر آئیں گے۔

نجاشی نے سب کچھ غور سے سنا اور کہا کہ کیا تمہیں اس کتاب کا کچھ حصہ یاد ہے جو اللہ نے آپ کے نبی پر نازل کی ہے۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے سورۃ مریم کی آیات تلاوت کرنا شروع کیں تو بادشاہ جھومنے لگا اس کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہو گئیں اور جو نبی حضرت جعفر خاموش ہوئے تو بادشاہ کی زبان پر حق گویا ہوا:

بخدا یہ کلام اور وہ کلام جو عیسیٰ علیہ السلام لے کر آئے ایک ہی شمع کی شعاعیں ہیں اور ایک ہی چشمہ کی موجیں ہیں۔

نجاشی پر حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی پر از ایمان تقریر کا جواثر ہوا اس کا اندازہ اس سے کیجئے کہ اس نے کفار مکہ کے سفیروں سے کہا آپ لوگ واپس چلے جاؤ مسلمان ہمارے مہمان ہیں انہیں ہم ہرگز ہرگز اپنے ملک سے نہیں نکال سکتے یہ اب ہماری امان میں پر امن زندگی بسر کریں گے۔

غرضیکہ قابل غور یہ بات ہے کہ ایک مظلوم بے وطن پریشان مؤمن ایک بادشاہ کے بھرے دربار میں کس طرح اپنا موقف بیان کرتا ہے اور کسی جرأت و ہمت سے اپنا کیس پیش کرتا ہے۔ نتیجتاً وہ کامیاب و کامران ہوتا ہے اور دشمن ذلیل و خوار ہوتا ہے یہ سب کچھ اس لئے کہ اسے اپنے آقا ﷺ کی تعلیمات پر مکمل اعتماد تھا۔ اطاعت و فرمانبرداری کے نشہ میں چور ہو کر اس نے وہ سب کچھ کہہ دیا جو کہنا چاہئے تھا اور جس سے وہ اپنے بارعب مخاطب کو مطمئن کر سکتا تھا، رضی اللہ عنہ۔

ایک اور ایمان افروز واقعہ ملاحظہ ہو جو مسلمان مکہ سے حبشہ ہجرت کر کے گئے تھے ان میں کچھ دوبارہ مکہ واپس آگئے انہیں کفار مکہ میں سے کسی نہ کسی نے پناہ دی اور یہ ان کے مظالم سے بچے رہے انہی میں سے ایک حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ بھی تھے جو ولید بن مغیرہ کی پناہ میں ظلم و ستم سے محفوظ آرام کے دن گزار رہے تھے لیکن یہ دیکھتے تھے کہ ان کے دوسرے بھائیوں پر کفار کے مظالم جاری ہیں ایک دن انہیں خیال آیا کہ آخر میں بھی تو اسی آقا ﷺ کا غلام ہوں جس کے یہ لوگ غلام ہیں جبکہ یہ تو نہایت صبر و استقلال سے غلامی کی سزا بھگت رہے ہیں آخر میں کیوں اپنے آقا ﷺ کے لئے ایثار و قربانی سے محروم ہوں پس آپ نے فیصلہ کیا اور ولید بن مغیرہ سے کہا میں آج سے تمہاری پناہ سے آزاد ہوتا ہوں۔ ولید نے حیرت زدہ ہو کر کہا آخر کیوں کیا تم پر کسی نے زیادتی کی ہے آپ نے فرمایا ”لَا وَلَكِنِّي أَرْضَى بِجَوَارِ اللَّهِ وَلَا أُرِيدُ أَنْ أَسْتَجِيرَ بغيره“ نہیں کسی نے کوئی زیادتی نہیں کی لیکن میں صرف اللہ کی پناہ چاہتا ہوں اس کے سوا کسی کی پناہ میں رہنا نہیں چاہتا اور آقا کا یہ غلام بھی دیگر غلاموں کے ساتھ مصائب و آلام کے سمندر میں کود پڑا۔

بہر حال صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نمونہ اطاعت و فرمانبرداری تھے اسی لئے زندگی کے ہر میدان میں کامیاب و کامران رہے اور اقوام عالم پر ان کا ایسا دبدبہ بیٹھا کہ آج تک دنیا کی طاقتور قومیں اہل ایمان سے مرعوب و خوفزدہ رہتی ہیں حالانکہ ہم آج اپنے آقا ﷺ کے باغی بدکردار و بدعمل ہیں کاش ہم بھی اپنے اسلاف کی طرح سچے غلام ہوتے تو دنیا کا نقشہ ہی کچھ اور ہوتا یقیناً ہم ہی اللہ کی اس سرزمین کے حکمران ہوتے اور چار داگ عالم میں اسلام کا پھر پراڑنا نظر آتا۔ وہ آزادی جو خلیفہ دوم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی غلامی کے طفیل ہمیں نصیب تھی آج باقی ہوتی اور دنیا میں سب سے بڑی حکومت ہماری ہی ہوتی ہم ہی سپر پاور کہلاتے۔

اے ایمان والو! اب بھی وقت ہے ”اتَّقُوا اللَّهَ“ تقویٰ اختیار کرلو ”وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا“ حق گوئی کی خوبی کو اپنا لو تمہارے مذہبی، معاشی، معاشرتی، سیاسی، حالات درست ہو جائیں گے۔ گناہوں کے داغ دھل جائیں گے، تمہارے

چہرہ بارعب اور باوقار ہو جائیں کہ تمہارے دل نور ایمان سے روشن و منور ہو جائیں گے پھر جس راہ بھی تم چلو گے فوز و فلاح تمہاری قدم بوسی کرے گی کامیابی و کامرانی تمہارا مقدر بنے گی۔  
اللہ غور و فکر اور عمل کے توفیق عطا فرمائے آمین بجاہ رحمة للعلمین۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِهِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِهِ وَاَصْحَابِهِ اَجْمَعِیْنَ۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

”سورة محمد ﷺ“

آیات نمبر	مقالہ نمبر
17۵7	68
38۵33	69

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ



## مقالہ ۶۸

### سورہ محمد (علیہ وسلم) : ۷ تا ۱۷

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَنصُرُوا اللَّهَ يَنصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ ۝ وَالَّذِينَ كَفَرُوا فَتَعْسًا لَهُمْ وَأَصْلٌ أَعْمَالُهُمْ ۝ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ كَرِهُوا مَا أُنزِلَ اللَّهُ فَاحْبَطُوا عَمَلَهُمْ ۝ أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ ۖ دَمَرَا اللَّهُ عَلَيْهِم ۖ وَلِلْكَافِرِينَ أَمْثَالُهَا ۝ ذَلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ مَوْلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَأَنَّ الْكَافِرِينَ لَا مَوْلَى لَهُمْ ۝ إِنَّ اللَّهَ يَدْخُلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۖ وَالَّذِينَ كَفَرُوا يَتَمَتَّعُونَ وَيَأْكُلُونَ كَمَا تَأْكُلُ الْأَنْعَامُ وَالنَّارُ مَشْجُومَةٌ ۝ وَكَأَيِّنْ مِنْ قَرْيَةٍ هِيَ أَشَدُّ قُوَّةً مِنْ قَرْيَتِكَ الَّتِي أَخْرَجْتِكَ ۖ أَهْلَكَ اللَّهُمَّ فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ ۝ أَفَمَنْ كَانَ عَلَىٰ بَيْتَةٍ مِنْ رَبِّهِ كَذِبٌ يُدْعَىٰ لَدَىٰ سُوءِ عَمَلٍ ۖ وَاتَّبَعُوا أَهْوَاءَهُمْ ۝ مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِي وُعدَ الْمُشْقُونَ ۖ فِيهَا أَنْهَارٌ مِنْ مَاءٍ غَيْرِ آسِنٍ ۖ وَ

أَنَّهُمْ مِّن لَّيِّنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهُ ۖ وَأَنَّهُمْ مِّنْ خَمْرٍ لَّدُنَّا لَشَرِيبِينَ ۖ وَأَنَّهُمْ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى ۖ وَلَهُمْ فِيهَا مِن كُلِّ الثَّمَرَاتِ وَمَغْفِرَةٌ مِّن رَّبِّهِمْ ۖ كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِي النَّارِ وَسُقُوا مَاءً حَمِيمًا فَقَطَّعَ أَمْعَاءَهُمْ ۖ وَمِنْهُمْ مَّن يَّسْتَمِعُ إِلَيْكَ ۖ حَتَّىٰ إِذَا خَرَجُوا مِن عُنْدِكَ قَالُوا لِلَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ أَنفَا ۚ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ طَبَعَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَاتَّبَعُوا ۖ هُوَ آءَهُمْ ۖ وَالَّذِينَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَاتَّبَعُوا تَقْوَاهُمْ ۖ

(محمد ﷺ: ۷۷-۷۸)

اے ایمان والو! اگر تم اللہ (کے دین) کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد فرمائے گا اور تمہیں ثابت قدم رکھے گا اور جنہوں نے کفر کیا اللہ کرے وہ منہ کے بل اوندھے گریں اور اللہ نے ان کے اعمال کو برباد کر دیا اس لئے کہ انہوں نے ناپسند کیا جو اللہ نے نازل فرمایا تھا پس اس نے ضائع کر دیئے ان کے اعمال تو کیا انہوں نے زمین کی سیروسیاحت نہ کی کہ خود دیکھ لیتے کہ کیسا انجام ہوا ان کا جو ان سے پہلے گزرے اللہ تعالیٰ نے ان پر تباہی نازل کر دی اور کافروں کے لئے اسی قسم کی سزائیں ہیں یہ اس لئے کہ اللہ مددگار ہے ایمان والو کا اور کفار کا کوئی مددگار نہیں بیشک اللہ داخل کرے گا ایمان والوں کو اور جنہوں نے نیک عمل کئے باغات میں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں اور جنہوں نے کفر کیا وہ عیش اڑا رہے ہیں اور کھانے میں مصروف ہیں چوپایوں کی طرح حالانکہ جہنم کی آگ ان کا ٹھکانہ ہے اور بہت سی ایسی بستیاں جو قوت و شوکت میں تمہاری اس بستی سے کہیں زیادہ تھیں جس نے آپ کو نکال دیا ہم نے ان بستیوں کے باشندوں کو ہلاک کر دیا پس کوئی ان کا مددگار نہ تھا کیا وہ شخص جس کے لئے اس کے برے کام مزین کر دیئے گئے ہیں اور وہ پیروی کرتے رہے اپنی خواہشوں کی۔ احوال اس جنت کے جس کا وعدہ متقیوں سے کیا گیا ہے۔ اس میں نہریں ہیں ایسے پانی کی جس کی بو اور مزہ نہیں بگڑتا اور نہریں ہیں دودھ کی جس کا ذائقہ نہیں بدلتا اور نہریں ہیں شراب کی جو لذیذ ہے پینے والوں کے لئے اور نہریں ہیں شہد کی جو صاف ستھرا ہے اور ان کے لئے اس میں ہر قسم کے پھل ہوں گے اور بخشش ہوگی اپنے رب کی طرف سے (سوچو) کیا یہ (لوگ) ان کی طرح ہوں گے جو ہمیشہ آگ میں رہیں گے اور انہیں کھولتا پانی پلایا جائے گا اور وہ کاٹ دے گا ان کی آنتوں کو اور ان میں کچھ ایسے ہیں جو کان لگائے رکھتے ہیں آپ کی طرف حتیٰ کہ جب نکلتے ہیں آپ کے پاس سے تو کہتے ہیں اہل علم سے (ذرا بتائیے) یہ صاحب ابھی ابھی کیا کہہ رہے تھے۔ یہی وہ (بد بخت) ہیں کہ مہر لگا دی ہے اللہ نے ان کے دلوں پر اور وہ پیروی کرتے ہیں اپنی خواہشات کی اور جو لوگ راہ ہدایت پر چلے اللہ بڑھا دیتا ہے ان کے نور ہدایت کو اور انہیں تقویٰ کی توفیق بخش دیتا ہے۔

سورہ محمد (ﷺ) کی مندرجہ بالا آیات سے متعلق ہمیں گفتگو کرنا ہے اللہ رب العزت جل مجدہ نے ان آیات مبارکہ میں اہل ایمان کو خصوصی خطاب سے نوازتے ہوئے ایسے امور کا ذکر فرمایا ہے جن کے مطالعہ کے بعد ہر مؤمن کے دل میں اللہ و رسول کی اطاعت و فرمانبرداری کا جذبہ بیدار ہو جاتا ہے۔ دین کی پابندی اور دین کی حفاظت و اشاعت کے لئے وہ بڑی سے بڑی طاقت کی پروا کئے بغیر ہمہ وقت آمادہ و تیار رہتا ہے۔ وہ یقین کرنے لگتا ہے کہ اس کا مقصد زندگی صرف اور صرف اللہ و رسول کی رضا و خوشنودی ہے۔ کفر و شرک اور بد عملی و بد کرداری کے خلاف جہاد اس کا وطیرہ بن جاتا ہے۔ آئیے ان آیات پر غور کر کے اپنا ایمان تازہ کریں۔

اللہ کی مدد

”إِنْ تَنْصُرُوا اللَّهَ يَنْصُرْكُمْ“ اللہ اہل ایمان سے وعدہ فرماتا ہے کہ وہ ان کی مدد کرے گا۔ ایک کمزور کے لئے طاقتور کی طرف سے سہارے اور مدد کی یقین دہانی سے بڑھ کر کوئی نعمت ہو سکتی ہے اگر کسی غریب کو کوئی دولت مند کچھ نہ دے صرف یہی یقین دلا دے کہ جب تمہیں ضرورت پڑے مجھ سے قرض لے سکتے ہو۔ اس غریب کے لئے یہی بہت بڑا سہارا ہوتا ہے ہم اگرچہ اپنی قوت و طاقت، دولت و ثروت اور دیگر وسائل کے گھمنڈ میں مبتلا ہو کر اپنے آپ کو نہ جانے کیا کچھ سمجھ بیٹھتے ہیں لیکن یہ حقیقت اپنی جگہ ہے کہ ہم بہت ہی کمزور و لاچار ہیں، اس حال میں ہمارے رب کا ہم پر کتنا بڑا کرم ہے کہ وہ ہماری مدد کا یقین دلا رہا ہے۔ اے ایمان والو! تم فکر مند نہ ہو پریشان نہ ہو اپنے آپ کو تنہا اور کمزور جان کر کسی کے در کے بھکاری نہ بنو، کسی سے نہ ڈرو، تم میرا کلمہ پڑھتے ہو، میرے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے غلام ہو۔ پس تم میرے ہو مجھ سے زیادہ طاقتور کوئی نہیں۔ میرے خزانہ میں کسی چیز کی کمی نہیں پس میں ہر حال میں تمہارا مددگار ہوں چاہے تم میدان جہاد میں دشمن کا مقابلہ کر رہے ہو یا میدان عمل میں ہر لمحہ نفس امارہ کی خواہشات پامال کرنے میں مصروف ہو لیکن میری مدد اس شرط پر ہو گی کہ تم بھی میری مدد کرو ”إِنْ تَنْصُرُوا اللَّهَ“ سورہ حج کی آیت ہے۔ جس میں الفاظ کے اختلاف کے ساتھ اسی وعدے کا اعلان فرمایا گیا۔ ارشاد ہوتا ہے ”وَلْيَنْصُرَنَّ اللَّهُ مَنْ يَنْصُرُهُ“ اور اللہ ضرور مدد فرمائے گا اس کی جو اس کے (دین) کی مدد کرے گا۔

غور فرمائیے ہمیں کتنا بڑا سہارا ملا ہے جس سے زیادہ مضبوط سہارا کوئی ہو ہی نہیں سکتا اس سہارے کو پانے کے لئے خواہشات نفس کی قربانی تو درکنار اگر جان بھی قربان کرنا پڑے تو کم ہے۔ اسی لئے تو ہمارے اسلاف میدان جہاد میں اپنی جانوں کی بازیاں لگاتے رہے پھر بھی ان کی جانیں ضائع نہیں ہوئیں اللہ نے ان کی مدد فرمائی کہ ان کو عزت و عظمت کا ایسا بلند مقام عطا فرمایا کہ ہمیشہ کے لئے شہید کہلائے۔ ان کو مردہ کہنے پر یا مردہ خیال کرنے پر پابندی عائد فرمادی۔

سورہ روم کی آیت مبارکہ ہے جس میں اسی مدد کا مزید یقین دلانے کے لئے ایک اور ایمان افروز انداز اختیار فرمایا گیا۔ ارشاد ہے ”وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ“ اور اہل ایمان کی مدد فرمانا ہمارے ذمہ کرم پر ہے یعنی جو اللہ کے ہو گئے اب اللہ پر ان کا حق ہے کہ وہ ان کی مدد فرمائے۔ سوچنے تو صحیح کیا کبھی بھی کسی غلام کا اپنے مالک پر کوئی حق ہوتا ہے، غلام تو



علامہ ہی رہتا ہے اس کا تو بس یہ کام ہے کہ وہ مالک کی خدمت کرتا رہے وہ کتنا بھی خدمت گزار ہو مالک پر اس کا کوئی حق نہیں بنتا یہ مالک کی مرضی پر موقوف ہے کہ اسے نوازے یا نہ نوازے لیکن یہ ہمارے آقا ﷺ کا کرم ہے کہ انہوں نے ہمیں ایک ایسے مالک حقیقی کا پتہ بتا دیا جو غلاموں کو نوازتا ہے اور خوب نوازتا ہے حتیٰ کہ اپنی نوازش کو غلاموں کا حق قرار دیتا ہے۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بتاتے ہیں کہ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ آیت مبارکہ تلاوت کرتے ہوئے فرمایا ”مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَذُبُّ عَنْ عِرْضِ أَخِيهِ إِلَّا كَانَ حَقًّا عَلَى اللَّهِ أَنْ يَرُدَّ عَنْهُ نَارَ جَهَنَّمَ يَوْمَ الْقِيَمَةِ“ جو مسلمان اپنے بھائی کی ناموس بچاتا ہے اللہ پر اس کا حق ہو جاتا ہے کہ وہ اسے قیامت کے دن جہنم کی آگ سے بچائے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس ارشاد سے ہی سمجھ لیجئے کہ اللہ کی مدد کی صرف یہی ایک صورت نہیں کہ میدان جہاد میں دشمن سے مقابلہ کے لئے فرشتوں کو نازل کیا جائے اور ہمیں فتح و کامرانی کے تاج سے نوازا دیا جائے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ مؤمن کا ہر نیک کام اسے اللہ کی مدد کا حقدار بناتا ہے اور ان نیکیوں کے صلہ میں رب کریم دنیا و آخرت کے جن انعامات سے بھی نوازتا ہے وہ درحقیقت اس کی نصرت اور مدد ہی ہوتی ہے۔

### اللہ کے دین کی مدد

یہ بات شرعاً و عقلاً واضح ہے کہ اللہ کی مدد کا مطلب اللہ کے دین کی مدد کرنا ہے یعنی اس دین کی مدد کرنا جو اللہ کو محبوب ہے پسند ہے اور جو حق ہے اور وہ اسلام ہے۔ ارشاد فرمایا گیا ”إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ“ کہ دین تو اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے۔ پس اے ایمان والو! تم مسلم ہو لہذا اسلام کی ہر طرح پاسبانی و حفاظت تمہاری ذمہ داری قرار پاتی ہے اگر اسلام کے احکام کو اسلام کے دشمن پامال کرنے کا ارادہ کریں تو اپنی ظاہری و مادی کمزوری اور دشمن کی ظاہری و مادی قوت کی پروا کئے بغیر تم اپنی ذمہ داری پوری کرنے کے لئے دشمن سے بھڑ جاؤ اور اگر تمہارا ہی نفس تمہیں احکام اسلام پامال کرنے پر آمادہ کرنے لگے تو کسی بھی نقصان کا خوف کئے بغیر ان خواہشات کو ایسا پامال کر دو کہ دل میں کسی برائی کا خیال تک باقی نہ رہے جب تم ایسا کرو گے تو ”يَنْصُرُكُمْ“ ہم تمہاری مدد کریں گے۔ جس سے ”يُثَبِّتُ أَقْدَامَكُمْ“ تمہارے قدم اتنے مضبوط ہو جائیں گے کہ بڑے سے بڑا طوفان بھی تمہیں نہ بلا سکے گا کہ اللہ جس کا مددگار ہو جائے کوئی اس کے مقابلہ پر نہیں ٹھہر سکتا۔ ارشاد ہوتا ہے ”إِنْ يَنْصُرْكُمْ اللَّهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ“ اگر اللہ نے تمہاری مدد فرمائی تو تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا اور ساتھ ہی یہ بھی سن لو ”وَإِنْ يَخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِي يَنْصُرُكُمْ مِنْ بَعْدِهِ“ اور اگر اللہ ہی تمہیں چھوڑ دے تو اس کے بعد تمہاری کون مدد کرے گا لہذا ”وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ“ اہل ایمان کو اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہئے۔

مؤمن کی مدد صرف اللہ قادر مطلق ہی کرتا ہے اس لئے کہ اولاً تو کسی میں وہ قوت و طاقت ہی نہیں کہ وہ کسی کی مدد کر کے یقیناً اس کا تحفظ کر سکے۔ ثانیاً یہ کہ کوئی غیر مؤمن کسی مؤمن کا دوست نہیں ہو سکتا۔ پس اگر وہ بظاہر مدد کا یقین بھی دلائے گا تو موقع ملنے پر ضرور وعدہ خلافی کرے گا تا کہ مؤمن ذلیل و خوار یا تباہ و برباد ہو جائے کہ اسلام کے دشمنوں کا تو مقصد ہی اسلام کے پیانیوں کی تباہی و بربادی ہے۔ ان کی نظروں میں تو ایک ایک سپاہی کھلتا ہے وہ مسلمانوں کے مددگار بن کر کب

انہیں تقویت پہنچانا یا امن و سکون کی زندگی فراہم کرنا برداشت کر سکتے ہیں۔ علاوہ ازیں سب سے بڑا دشمن تو وہ خاتم شیطان ہے جو کسی نہ کسی طرح جنت کے مستحقین کو اپنے ساتھ جہنم کا ایندھن بنانے کے لئے ہمہ وقت کوشاں رہتا ہے۔ پس کلمہ پڑھنے والوں کے لئے سوائے اس کے کوئی چارہ نہیں کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے سپاہی بنیں، مجاہد بنیں، دشمن کے مقابلہ کے لئے بروقت تیار رہیں اور ہر لمحہ شیطان لعین سے جہاد میں مصروف رہیں۔ اللہ ان کا مددگار ہوگا تو ان کے قدموں کو مضبوط کر دے گا ان پر کوئی غالب نہ ہو سکے گا کیونکہ اللہ کا وعدہ ہے ”وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ“ جو اللہ پر بھروسہ کرتا ہے اللہ اس کے لئے کافی ہو جاتا ہے، کیسے کافی ہوتا ہے، اس کو سمجھنے کے لئے بطور مثال آقائے رحمت ﷺ کا ایک ارشاد ملاحظہ ہو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بتاتے ہیں کہ میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو فرماتے سنا کہ ”لَوْ أَنَّكُمْ يَتَوَكَّلُونَ عَلَى اللَّهِ حَقَّ تَوَكُّلِهِ“ اگر تم اللہ پر ایسا بھروسہ کرو جیسا کرنا چاہئے۔ ”لَرَزَقْكُمْ كَمَا يَرْزُقُ الطَّيْرَ تَغْدُوا خِمَاسًا وَتَرُوحُ بِطَانًا“ تو وہ تمہیں اسی طرح رزق دے گا جس طرح پرندے کو دیتا ہے کہ پرندہ صبح کو بھوکا اڑتا ہے اور شام پیٹ بھر کر واپس آتا ہے۔

(ابن ماجہ)

یہ تو ایک مثال ہے جس سے یہ سمجھ لینا آسان ہے کہ بندہ جو کام بھی اللہ پر بھروسہ کر کے کرتا ہے اللہ اپنے وعدے کے مطابق اس کی مدد فرماتا ہے بایں صورت کہ وہ کام اس کے لئے آسان ہو جاتا ہے اور اس میں مطلوبہ کامیابی نصیب ہوتی ہے لیکن کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ توکل کے باوجود کام میں نہ تو آسانی معلوم ہوتی ہے اور نہ ہی کامیابی اس کی وجہ العیاذ باللہ ہرگز ہرگز یہ نہیں کہ اللہ نے ہم سے وعدہ پورا نہیں فرمایا بلکہ حقیقت میں اس کی وجہ بھی ہم پر اللہ کا کرم ہی ہے کہ جس چیز کے حصول کو ہم نے اپنے لئے اپنے ناقص علم کے مطابق بہتر و مفید جانا تھا اور ہم اس میں کامیابی کی دعائیں کر رہے تھے اللہ پر سچا توکل کر کے اس کے حاصل کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ وہ اللہ ہی نے ہمیں عطا نہ فرمائی کیونکہ وہ رب کریم ہم سے زیادہ ہمارے حال کو ہماری ضرورت کو اور ہمارے فائدہ و نقصان کو جانتا ہے ہماری مطلوبہ چیز ہمارے لئے ضروری نہ تھی یا مفید نہ تھی یا اس کے مل جانے سے ہمیں کوئی نقصان ہو سکتا تھا۔ پس رب نے ہمیں عطا نہ فرما کر ہم سے وعدہ خلافی نہیں فرمائی بلکہ ہم پر بے حد کرم فرمایا۔

اس سلسلے میں ہم اپنا ایک ذاتی واقعہ پیش کرتے ہیں کہ ہمیں ایک ملک کا دورہ کرنے کا بڑا ہی اشتیاق تھا۔ جیسے تیسے موقع باتھ آیا تمام سفری انتظامات مکمل ہو گئے۔ بس تاریخ مقررہ پر جہاز میں بیٹھنے کے لئے ہم مضطرب تھے بالآخر وہ دن بھی آ گیا اور ہم ایئر پورٹ کے لئے روانہ ہو گئے۔ کاؤنٹر پر پہنچے تو پتہ چلا کہ جہاز تو پرواز کے لئے حرکت میں آچکا اب سفر کا کوئی امکان نہیں۔ خیال فرمائیے کہ ہم پر کیا ہمتی ہوگی کیونکہ نہ جانے کس طرح تو یہ موقع ملا تھا۔ علاوہ ازیں ہماری تو عادت ہے کہ ہمیشہ وقت سے کافی پہلے ہم ایئر پورٹ پہنچ جاتے ہیں اسی لئے اس سے پہلے کبھی ایسا نہ ہوا تھا اور نہ آج تک ہمارا کوئی جہاز چھوٹا ہے لیکن اس دن واقعی کچھ عجب کیفیت تھی کہ باوجود اس کے کہ اس سفر کا ہمیں بے حد انتظار تھا لیکن طبیعت پر کچھ بارسا محسوس ہو رہا تھا اور ہر کام سست رفتاری سے ہوا تھا اسی لئے ہمیں دیر ہوئی بہر حال صبر کیا گھر واپس آ گئے ابھی کپڑے بھی تبدیل

نہیں کئے تھے کہ خبر ملی کہ جہاز حادثہ کا شکار ہو گیا۔ اب سوچنے ہماری کیا کیفیت ہوئی ہوگی، سارا جسم کانپ گیا۔ جس حال میں تھے اسی حال میں ہم اور سب گھروالے سجدہ ریز ہو گئے۔ آج تک اللہ کا شکر کرتے ہیں کہ اس نے ہمیں اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طفیل حادثاتی موت سے بچایا۔

سمجھ لیا آپ نے کہ کبھی ہماری دعا کیوں قبول نہیں ہوتی اور توکل کے باوجود ہمیں کامیابی کیوں نہیں حاصل ہوتی اسی لئے کہ اللہ ہم سے بہتر ہمارے حال کو جانتا ہے۔

### کفار کا حال

اہل ایمان پر اپنے انعام و اکرام بالخصوص ان کی مدد کرنے کا مژدہ سنانے کے بعد ہی کفار کا حال بتایا جا رہا ہے تاکہ مومنین کی مزید ہمت افزائی ہو وہ کفر و شرک سے متنفر ہو کر صرف اللہ کی مدد کے مزید طلب گار بنیں صرف اسی کے سایہ رحمت میں پناہ گزیں ہوں۔

جن لوگوں نے کفر کیا ان کا حال یہ ہے کہ ”فَتَعَسَاءَ لَهُمْ“ وہ جب بھی اسلام کے خلاف سازشیں کریں گے اور مسلمانوں کو کمزور کرنے کے پروگرام بنائیں گے اور دھم منہ ہی گرتے رہیں گے۔ ذلیل و خوار اور نامراد ہی ہوتے رہیں گے ”وَاضْلٌ أَعْمَالُهُمْ“ اللہ دنیا میں بھی ان کی تدبیر کو ناکام کرتا رہے گا اور اگر وہ کوئی نیک کام کریں گے تو آخرت میں اس کا انہیں کوئی اجر و ثواب نہ ملے گا کیونکہ اللہ تو صرف اہل ایمان ہی کا مددگار ہے اور اس کے دربار میں انہی اعمال کو شرف قبولیت حاصل ہوتا ہے جن کی بنیاد ایمان پر ہو۔ کفار کی نامرادی و ناکامی کا بنیادی سبب یہی کہ ”بِأَنَّهُمْ كَفَرُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ“ وہ اللہ کے نازل کردہ احکام سے اعراض و روگردانی کرتے رہے، لہذا ان کا مقدر صرف جہنم کی آگ ہی ہے ”النَّارُ وَعَذَابُ اللَّهِ الَّذِينَ كَفَرُوا وَبِئْسَ الْمَصِيرُ“ اللہ نے کفار سے تو صرف جہنم کی آگ کا ہی وعدہ فرمایا ہے اور جہنم بہت ہی برا ٹھکانہ ہے۔ یہ کفار کفر و شرک میں اس قدر غرق ہو چکے ہیں کہ ان میں عبرت و نصیحت حاصل کرنے کی بھی صلاحیت نہ رہی ورنہ ان کے لئے ان اقوام ماضیہ کے آثار و نشانات دیکھ لینا ہی کافی ہو جاتا جن کو اللہ ان سے پہلے تباہ و برباد کر چکا ہے جبکہ وہ مادی وسائل اور باعتبار قوت و طاقت ان سے بہت زیادہ تھے بہر حال یہ عبرت حاصل کریں یا نہ کریں تمام کافروں کا انجام ایک جیسا ہی ہوتا ہے۔

اہل ایمان کو عزت و عظمت ملنے اور کفار کی ذلت و خواری کا اصل سبب یہ ہے کہ ”بِأَنَّ اللَّهَ مَوْلَى الَّذِينَ آمَنُوا“ کہ اللہ اہل ایمان کا مددگار ہے جبکہ ”وَأَنَّ الْكَافِرِينَ لَا مَوْلَى لَهُمْ“ اور کافروں کا تو کوئی مددگار نہیں۔ ہاں ان کا اگر کوئی مددگار ہے تو وہ طاغوت شیاطین ہیں جن کی اللہ کے سامنے کوئی حیثیت نہیں وہ تو خود جہنمی ہیں ان کے ساتھ ان کی اتباع و پیروی کرنے والوں کا ٹھکانہ بھی جہنم ہوگا۔ سورہ بقرہ میں اسی حقیقت کو واضح الفاظ میں بیان کیا گیا ”اللَّهُ وَلِيُّ الَّذِينَ آمَنُوا يُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ“ اللہ ایمان والوں کا مددگار ہے انہیں اندھیروں سے نور کی طرف نکال لے جاتا ہے۔ ”وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَوْلِيَانَهُمُ الطَّاغُوتُ“ کفر کرنے والوں کے ساتھ شیطان ہیں جو ”يُخْرِجُونَهُم مِّنَ النُّورِ إِلَى الظُّلُمَاتِ“ انہیں نور سے اندھیروں کی طرف نکال لے جاتے ہیں۔ ”أُولَئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ“ یہی

لوگ دوزخی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔

قرآن کریم کی متعدد آیات میں کفار و مشرکین، یہود و نصاریٰ اور منافقین کا حال موجود ہے جن پر غور کرنے کے بعد ہمیں اللہ کا یہ پیغام ملتا ہے کہ اہل ایمان کو کسی بھی حال میں اللہ و رسول کے ان باغیوں پر نہ تو اعتماد کرنا چاہئے نہ ہی انہیں اپنا دوست بنانا چاہئے نہ اشد ضرورت کے باوجود ان سے مدد مانگنا اور ان کے در کا بھکاری بننا چاہئے کیونکہ یہ تو میں قطعاً قابل اعتبار نہیں۔ یہ کبھی بھی مسلمانوں کو خوشحال اور پھلتا پھوتا دیکھنا گوارا نہیں کر سکتے۔ مسلمانوں کو ان کی تعداد، ظاہری و مادی وسائل اور قوت و طاقت سے بھی مرعوب و خوفزدہ نہیں ہونا چاہئے کیونکہ یہ سب اس ایک قوت کے مقابلہ پر بیچ اور کالعدم ہے جو اہل اسلام کو میسر ہے اور وہ ہے ایمان کی قوت جس کے سبب انہیں ہمہ وقت اور ہر حال میں اللہ کی نصرت و حمایت حاصل ہوتی ہے۔ اللہ کا یہ فیصلہ ہے کہ جب تک اہل ایمان اطاعت شعار و فرمانبردار رہیں گے اس وقت تک وہ باعزت، بارعب اور پروقار زندگی بسر کرتے رہیں گے کوئی قوم ان پر غالب نہ آ سکے گی کوئی انہیں منتشر و متفرق کر کے بد حالی میں مبتلا نہ کر سکے گا۔

نیز قرآن کریم واضح کرتا ہے کہ دنیا میں پرسکون اور باعزت زندگی اور آخرت میں جنت اہل ایمان کا مقدر ہے جبکہ غیر مسلم اقوام کے نصیب میں یہاں ذلت و خواری کے سوا کچھ نہیں جبکہ آخرت میں ان کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ اہل ایمان اس دنیا میں ان کے ظاہری عیش و عشرت، قوت و طاقت سے ہرگز مرعوب نہ ہوں کیونکہ اولاً تو انہیں جو کچھ ملا ہے بس یہی ہے جس کے گھمنڈ میں مبتلا ہو کر وہ اس حقیقت کو بھلا بیٹھے ہیں کہ یہ دنیا تو چند روزہ ہے اس کے بعد کی زندگی دائمی ہوگی جس میں انہیں آگ کے انگاروں، خون، پیپ کے سوا کچھ میسر نہ آئے گا۔ جبکہ مؤمن تو خوب جانتا ہے کہ وہ اس دنیا میں مسافر ہے سفر کے یہ دن اچھے گزریں یا برے چند ہی تو ہیں گزر جائیں گے۔ فکر اس زندگی کی کرنا چاہئے جو ابدی ہوگی جہاں موت نہ ہوگی وہاں ہمارے لئے وہ جنت بھی ہوئی ہے جس کے حسن و جمال اور نعمتوں کی لذت کا اس دنیا میں رہتے ہوئے تصور بھی ممکن نہیں۔ یہاں کسی کو وہ کچھ میسر نہیں جو ہمیں وہاں نصیب ہوگا۔ ثانیاً جس طرح خود رو درختوں پر کچھ پھل، پھول آ جاتے ہیں اسی طرح ان باغیوں کو اللہ کی کچھ نعمتیں ملی ہوئی ہیں لیکن نہ ان پھلوں اور پھولوں کی کوئی قدر و قیمت ہوتی ہے اور نہ ہی ان نعمتوں کی کچھ حیثیت ہے حتیٰ کہ ان کی تو انسانیت کی بھی کوئی حیثیت نہیں کہ انہیں انسان ہونے کے باوجود چوپایوں سے بدتر قرار دیا گیا ہے یہ صرف جہنم کا ایندھن ہیں انہیں دنیا میں صرف اس لئے پالا جا رہا ہے کہ ان سے جہنم کی آگ خوب بھڑک سکے جس طرح یہاں آگ جلانے کے لئے درخت اگائے جاتے ہیں۔

سورہ محمد (ﷺ) کی ان آیات مبارکہ پر دوبارہ غور کیجئے تو یہی حقائق آپ کو نظر آئیں گے اور آپ باسانی اپنے مقام اور کفار کی حیثیت کو سمجھ سکیں گے۔ ارشاد ہوتا ہے:

إِنَّ اللَّهَ يُدْخِلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۖ  
الَّذِينَ كَفَرُوا يَمْشُونَ عَلَى الْأَسْنَانِ كَمَا تَأْكُلُ الْأَنْعَامُ مِنَ النَّارِ مَشْوًى لَّهُمْ ۖ وَكَأَيِّنْ  
مِنْ قَرْيَةٍ هِيَ أَشَدُّ قُوَّةً مِنْ قَرْيَتِكَ الَّتِي أَخْرَجَتْكَ ۖ أَهْلَكْنَاهُمْ فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ ۖ

أَفَمَنْ كَانَ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّنْ رَبِّهِمْ كَسَبَ شُرُوءَ غَمَلٍ وَاتَّبَعُوا ۖ أَفَلَا يَعْلَمُونَ

(محمد: ۱۲-۱۳)

بیشک اللہ داخل کرے گا ایمان والوں کو اور جنہوں نے نیک عمل کئے باغات میں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں اور جنہوں نے کفر کیا وہ عیش اڑا رہے ہیں اور کھانے میں مصروف ہیں چوپایوں کی طرح حالانکہ جہنم کی آگ ان کا ٹھکانہ ہے اور بہت سی ایسی بستیاں ہیں جو قوت و شوکت میں تمہاری اس بستی سے کہیں زیادہ تھیں جس (کے بسنے والوں) نے تمہیں نکالا ہم نے ان بستیوں کے باشندوں کو ہلاک کر دیا پس کوئی ان کا مددگار نہ تھا کیا وہ شخص جس کے پاس روشن دلائل ہیں اپنے رب کی طرف سے اس شخص کی طرح ہے جس کے لئے اس کے برے کام مزیں کر دیئے گئے ہیں اور وہ پیروی کرتے رہے اپنی خواہشوں کی۔

اے ایمان والو! قرآن کریم کے بیان کردہ حقائق کی روشنی میں تاریخ انسانیت اور خود اپنی پندرہ سو سالہ تاریخ کا مطالعہ کرو تو واقعات کی صورت میں ہر حقیقت کو اپنے سامنے محسوس کرو گے اور اپنے مقام اور غیر مسلموں کی حیثیت کو باسانی پہچان سکو گے اور سوچو گے کہ آج ہمیں اسلاف جیسی باعزت، باوقار اور پرسکون زندگی کیوں میسر نہیں۔ آخر ہم کیوں ذلیل و خوار ہیں، بد حال و کمزور ہیں، دشمن سے خوفزدہ ہیں اور اس کے در کے بھکاری بنے ہوئے ہیں۔ دوستو! یقین جانو یہ نتیجہ ہے ہماری اس بد کرداری اور بد عملی کا، جس کی راہ ہمیں ہمارے، عیاش و جاہل رہنماؤں، شہنشاہوں اور حکام نے دکھائی ہم انہی کی پالیسیوں کے احکام کی تعمیل کے سبب ذلت و خواری کے اس گڑھے میں گرے ہیں اور اب اس قعر مذلت سے نکلنے کی کوئی صورت نہیں سوائے اس کے کہ ہم ماضی کی غلطیوں پر تائب ہو کر انفرادی طور پر اپنی اصلاح کریں۔ اللہ و رسول کے احکام کی تعمیل کا آغاز کریں خود صالحیت اختیار کریں اپنے اہل خانہ کو شریعت کا پابند بنائیں اور اپنے معاشرے میں نیکیوں کو پھیلائیں یہی بڑا جہاد ہے جس کی آج ضرورت ہے۔ اگر ہم نے اس جہاد کا آغاز کر دیا تو یقین جائے اللہ اپنا وعدہ پورا فرمائے گا، ہماری مدد کرے گا۔ برائیوں، بروں اور دشمنوں کے مقابلہ پر ہمارے قدم مضبوط کر دے گا حتیٰ کہ ہم پر دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت غالب نہ ہو سکے گی ہم ہی باوقار و بارعب ہوں گے، باعزت ہوں گے، ہماری زندگی کے شب و روز پرسکون ہو جائیں گے۔ آج جن سے ہم خوفزدہ ہیں کل وہ ماضی کی طرح ہمارا نام سن کر کانپتے نظر آئیں گے۔ آج جن کے در کے ہم بھکاری بنے ہوئے ہیں کل وہ ہمارے سامنے ہاتھ پھیلائے کھڑے ہوں گے۔ آج جو ہمارا مذاق اڑاتے ہیں کل وہ خود مضحکہ بن جائیں گے اور اس چند روزہ زندگی کے بعد ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جنت میں ہم اپنے رب کریم کے مہمان ہوں گے اور وہ ہم سے اپنا وعدہ ”لَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهُیْ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدْعُوْنَ“ پورا کرے گا کہ ہماری ہر خواہش اظہار سے پہلے پوری ہو گی اور ہر چیز مانگنے سے پہلے مل جائے گی۔ ”نَزَلَا مِنْ غَفُوْدٍ رَّحِيْمٍ“ یہ میزبانی ہے بہت بخشش والے ہمیشہ رحم فرمانے والے کی طرف سے کیسا کریم مالک ہے جو غلاموں کو مہمان بنا رہا ہے اور ان کی میزبانی فرما رہا ہے۔ ہر میزبان اپنی شان کے مطابق

ہی اپنے مہمانوں کو نوازتا ہے میرے رب سے زیادہ بلند شان، وسعت و قدرت والا کون ہو سکتا ہے۔ جنت میں اس کے دستِ خوانِ کرم پر مہمانوں کی ہر خواہش پوری کی جائے گی۔ مانگنے سے پہلے انہیں دے دیا جائے گا۔ بے شمار مہمان ہوں گے سب کی علیحدہ علیحدہ بے شمار خواہشات ہوں گی اور ہر خواہش پوری ہوگی۔ ”وَفِيهَا مَا تَشْتَهِيهِ الْأَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْأَعْيُنُ“ اور وہاں ہر وہ چیز موجود ہوگی جس کی جنتیوں کے دلوں میں خواہش پیدا ہوگی اور جس سے ان کی آنکھوں کو لذت حاصل ہوگی۔

اسی جنت کے بدلے اللہ نے ہمارے جان و مال کو خرید لیا ہے ”إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنْ لَهُمُ الْجَنَّةُ“ بیشک اللہ نے مؤمنین سے ان کی جانوں اور مالوں کو جنت کے بدلے خرید لیا ہے۔ اب یہ جان و مال ہمارے پاس اللہ کی امانت ہیں جن کو ہمیں صرف اللہ ہی کی مرضی اور اجازت کے مطابق استعمال کرنے کا حق حاصل ہے تاکہ کل اللہ ہمیں اس کے بدلے جنت عطا فرمائے۔

### جنت کی خوبیاں

اللہ رب العزۃ جل مجدہ نے اہل ایمان سے جو وعدے فرمائے ہیں ان میں سے ہر مشکل کو آسان کر دینے والا ایک ایمان افروز وعدہ جنت کا بھی ہے جسے وحی الہی میں مختلف انداز اور مختلف الفاظ کے ساتھ متعدد بار دہرایا گیا ہے۔ سورہ محمد (ﷺ) کی جن آیات پر گفتگو جاری ہے ان میں اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو جنت کا مژدہ دیتے ہوئے فرماتا ہے ”إِنَّ اللَّهَ يُدْخِلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ“ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو اور جنہوں نے نیک کام کئے باغات میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ سورہ النساء میں ہے ارشاد ہوا ”وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا“ ایمان والوں اور نیک کام کرنے والوں کو ہم ان باغوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں رواں ہیں وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ ”وَعَدَ اللَّهُ حَقًّا“ یہ اللہ کا سچا وعدہ ہے۔ ”وَمَنْ أَضْدَقُ مِنَ اللَّهِ قِيلًا“ اور اللہ سے زیادہ سچ بات کرنے والا کون ہو سکتا ہے۔ سورہ حج میں ہے ”إِنَّ اللَّهَ يُدْخِلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ“ إِنَّ اللَّهَ يَفْعَلُ مَا يُؤِيدُ“ بیشک اللہ ایمان والوں اور نیکو کاروں کو ایسی جنت میں داخل فرمائے گا جس کے نیچے ندیاں بہہ رہی ہوں گی بیشک اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ سورہ مجادلہ میں ہے ”وَيُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا“ اور اللہ (اہل ایمان) کو ایسے باغات میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور وہ وہاں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

قرآن کریم کے انداز بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت کی بے شمار نعمتوں میں سب سے زیادہ اہم وہ نہریں ہیں جو اس کے نیچے بہہ رہی ہیں کیونکہ تقریباً ہر جگہ جنت کا ذکر ان نہروں ہی کے ساتھ ہے یہ نہریں جنت کے حسن و جمال اور اس کی پرکشش فضا کا بنیادی حصہ ہوں گی۔ یہ چار نہریں ہیں۔ جیسا کہ اپنی دنیا کی آنکھوں سے جنت کو ملاحظہ فرمانے والے مخبر صادق ﷺ نے ہمیں بتایا کہ جنت کا بلند ترین درجہ فردوس ہے۔ ”مِنْهَا تُفَجَّرُ أَنْهَارُ الْجَنَّةِ الْأَرْبَعَةُ“ اسی سے جنت کی چاروں نہریں نکلتی ہیں۔ جنت الفردوس کے اوپر عرش الہی ہے۔ میرے آقا ﷺ نے فرمایا ”فَإِذَا سَأَلْتُمُ اللَّهَ فَاسْأَلُوهُ

الْفِرْدَوْسَ“ جب تم اللہ سے سوال کرو تو فردوس ہی مانگو انہی چاروں نہروں کا حال زیر گفتگو آیات میں بیان ہو رہا ہے۔ جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

”مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِي وُعدَ الْمُتَّقُونَ“ جس جنت کا وعدہ متقین سے یعنی اطاعت شعار اہل ایمان سے کیا گیا ہے۔ قرآن کریم کی متعدد آیات یہ وضاحت کرتی ہیں کہ حقیقتاً جنت کے مستحق وہی مومنین ہیں جو زندگی کا ہر لمحہ، ہر لحظہ اللہ و رسول کے احکام کے مطابق بسر کرتے ہیں اور ان کے دامن پر گناہ کا کوئی معمولی داغ بھی نہ ہو۔ جبکہ آقائے رحمت ﷺ کا ارشاد ہے ”من قال لا اله الا الله فدخل الجنة“ ہر کلمہ پڑھنے والا جنت میں جائے گا یہ اس محبوب ﷺ کا ارشاد ہے جن کی خوشنودی اللہ کو مقصود ہے لہذا ہم جیسے گناہگار بھی یقین رکھتے ہیں کہ جس آقا ﷺ کا کلمہ پڑھ کر ہم نے ان کے دامن رحمت میں پناہ لی ہے وہ ضرور ہماری شفاعت فرمائیں گے کہ انہی کا وعدہ ہے۔ ”شَفَاعَتِي لَأَهْلِ الْكِتَابِ مِنْ أَهْلِ بَيْتِي“ اور رحیم و کریم رب ہمارے حق میں اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شفاعت ضرور قبول فرمائے گا اور متقین و صالحین کی معیت میں ہم بھی جنت میں داخل ہو سکیں گے بس اللہ کرے زندگی میں ہم سے کوئی ایسی حرکت سرزد نہ ہو کہ ہم بے سہاروں کے آسرا، شفیع المذنبین ﷺ کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہیں اور ان کی نظر کرم سے محروم ہو جائیں کہ قیامت کے دن جس سے وہ نظر پھیر لیں گے اسے جنت ملنا تو درکنار اس تک جنت کی ہوا بھی نہ پہنچ سکے گی۔ اللہ محفوظ رکھے۔

غرضیکہ جنت ”أَعَدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ“ ان اہل ایمان ہی کے لئے ہے جو متقین ہیں، اطاعت گزار اور اطاعت شعار ہیں۔ جنت کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس کے نیچے نہریں جاری ہیں جو اس کے حسن و جمال کا ذریعہ ہیں۔ قرآن کریم میں جہاں بھی جنت کا ذکر آیا ہے تقریباً ہر جگہ ہی اس کے نیچے نہریں جاری ہونے کا تذکرہ بھی موجود ہے۔ یہ نہریں کیسی ہوں گی اس سوال کا جواب ہمیں سورہ محمد (ﷺ) کی اس آیت سے مل رہا ہے، فرمایا گیا۔

### پانی کی نہریں

”فِيهَا أَنْهَارٌ مِنْ قَاءٍ غَيْرِ آسِنٍ“..... جنت میں ایسے پانی کی نہریں ہوں گی جس کی بو اور مزہ کبھی نہیں بگڑتا یعنی یہ نہر اگرچہ پانی کی ہوگی لیکن اس کا پانی اس دنیا کے پانی جیسا نہ ہوگا کہ دنیا کا پانی اگرچہ ہماری بنیادی ضرورت ہے۔ بے شمار فوائد سے پر ہے اللہ کی قدرت کا شاہکار ہے لیکن جنت کے پانی کے مقابلہ میں اس کی کوئی حیثیت نہیں جس کی اہم ترین خصوصیت اس کا ”غیر آسِن“ ہونا بیان کی جا رہی ہے کہ دنیا کے پانی میں کچھ عرصہ رکھنے کے بعد تغیر پیدا ہو جاتا ہے، رنگ بدل جاتا ہے، مزہ تبدیل ہو جاتا ہے، بد بو آنے لگتی ہے لیکن جنت کا پانی ہر قسم کے تغیر و تبدل سے محفوظ ہے یعنی زمزم جس کی خوبیوں اور فوائد سے ہم قدرے جنت کی اس نہر کے پانی کا اندازہ کر سکتے لیکن مقابلہ نہیں کیا جاسکتا۔

### دودھ کی نہریں

”وَأَنْهَارٌ مِنْ لَبَنٍ لَمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهُ“ اور اس جنت میں ایسے دودھ کی نہریں ہیں جس کا ذائقہ کبھی تبدیل نہیں ہوتا۔ یہ دودھ ہمارے دنیاوی دودھ سے کہیں زیادہ نفیس و اعلیٰ ہوگا جبکہ یہاں کا دودھ بھی ہمارے لئے نہایت اہم ہے کہ بچہ

ابتداء اسی سے پرورش پاتا اور اپنی بنیاد یعنی ہڈیوں کو اسی سے مضبوط و مستحکم کرتا ہے پھر ساری زندگی ہماری غذا کا اہم ترین جز ہوتا ہے۔ اللہ رب العزت جل مجدہ نے اسے اپنی قدرت کاملہ سے ہمارے لئے فراہم کیا کہ مادہ جو غذا کھاتی ہے اسی سے فضلہ اور خون کے ساتھ دودھ بھی بنتا ہے اور پھر اللہ کی قدرت سے نہایت ہی صاف و شفاف صورت میں ہمارے لئے برآمد ہوتا ہے۔ سورہ نحل میں اس کرشمہ قدرت کا تذکرہ موجود ہے، فرمایا گیا ”وَإِنَّ لَكُمْ فِي الْأَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۚ ط“ اور بیشک تمہارے لئے موشیوں میں ایک عبرت ہے۔ ”نُسْقِيكُمْ مِمَّا فِي بُطُونِهِ مِنْ بَيْنِ فَرْثٍ وَ دَمٍ لَبَنًا خَالِصًا سَائِغًا لِلشَّارِبِينَ“ ہم تمہیں پلاتے ہیں جو ان کے شکموں میں ہے۔ گوہر اور خون کے درمیان سے نکال کر خالص دودھ جو پینے والے کے لئے بہت ہی خوش ذائقہ ہے۔

اللہ اکبر، میرے رب کی کیا قدرت ہے کہ ایک ہی غذا سے حسب ضرورت تین چیزیں پیدا کی جا رہی ہیں۔ نہ گوہر ضرورت سے زیادہ ہے اور نہ ہی خون اور دودھ پھر دودھ ہمارے حسین برتن میں آیا تو ہم نے نہ تو اس میں گوہر کی بومحسوس کی اور نہ خون کی رنگت دیکھی حالانکہ یہ فرث و دم کے درمیان تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ انسان بڑا ہی غافل و بے حس ہے کہ اللہ کی جن نعمتوں کو وہ ہر دم استعمال کرتا ہے ان کی حقیقت پر اسے غور کرنے کا کبھی خیال نہیں آتا ورنہ کوئی وجہ نہیں کہ وہ دولت ایمان سے محروم رہے۔ ”وَفِي الْأَرْضِ آيَاتٌ لِلْمُوقِنِينَ وَفِي أَنْفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ“ اہل یقین کے لئے قدرت الہیہ کی نشانیاں زمین میں بھی موجود ہیں اور تمہارے وجود میں بھی کیا تمہیں نظر نہیں آتیں۔

### شراب کی نہریں

”وَأَنْهَرُ مِنْ خَمْرٍ لَذَّةٌ لِلشَّارِبِينَ“ اور شراب کی نہریں ہیں جو پینے والوں کے لئے لذیذ ہے۔ شراب تو دنیا میں بھی موجود ہے لیکن گندی ہے، نجس ہے، حرام ہے کہ اس میں لذت نہیں، ذلت ہے، خواری ہے، ہلاکت ہے، تباہی و بربادی ہے، فتنہ و فساد کی جڑ ہے، صحت و تندرستی، عقل و خرد، اخلاق و کردار، معاش و معاشرت غرضیکہ زندگی کے لئے زہر قاتل ہے۔ اللہ اپنے محبوب ﷺ کے محبوب غلاموں کے لئے ایسی مہلک چیز کو کب پسند فرما سکتا ہے۔ پس دنیا کی اسی شراب کو اہل ایمان کے لئے حرام و نجس قرار دیا گیا اور مژدہ سنایا گیا کہ ہم نے تمہارے لئے جنت میں شراب کی نہریں جاری کر رکھی ہیں۔ پس تم اس گندی شراب سے بچو اور ان چھلکتے جاموں کا انتظار کرو جو تمہیں جنت میں پیش کئے جائیں گے۔

قرآن کریم کا رخانہ قدرت میں تیار شدہ جنت کی اس شراب کی کیفیت بیان کرتا ہے۔ اس موقع پر ہم سورہ دھر کی وہ اٹھارہ آیات نقل کرتے ہیں جن میں جنتی شراب کے ساتھ جنت کی دیگر نعمتوں کا ذکر ہے۔ بغور پڑھئے، جھومئے، ایمان تازہ کیجئے اور وہ اعمال اختیار کیجئے جو ان نعمتوں کے حصول کا ذریعہ بن سکیں۔

إِنَّ الْأُبْرَارَ يَشْرَبُونَ مِنْ كَأْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُورًا ۖ عَيْنًا يَشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللَّهِ يُفَجِّرُونَهَا تَفْجِيرًا ۖ يُؤْتُونَ بِالشُّبْرِ الْأَخْضَرِ وَ يَخَافُونَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهُ مُسْتَطِيرًا ۖ وَ



يُطْعَمُونَ الطَّعَامَ عَلَى حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا ۝ إِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللَّهِ لَا نُرِيدُ مِنْكُمْ جَزَاءً وَلَا شُكْرًا ۝ إِنَّا نَخَافُ مِنْ رَبِّنَا يَوْمًا غَمًّا عَظِيمًا ۝ فَوَقَّعَهُمُ اللَّهُ شَرَّ ذَلِكَ الْيَوْمِ وَلَقَّاهُمْ نَضْرًا وَسَرُورًا ۝ وَجُزَّاهُمْ بِمَا صَبَرُوا جَنَّةً وَحَرِيرًا ۝ مُتَّكِئِينَ فِيهَا عَلَى الْأَرَائِكِ لَا يَرُونَ فِيهَا شَيْئًا وَلَا زُمِيرًا ۝ وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلُّهَا وَذُلَّتْ أَعْيُنُهُمْ تَصَافًى فِيهَا لَا يَكُونُونَ فِيهَا عَلَى شَيْءٍ ۝ وَطَافَ عَلَيْهِم بِانِّيَّةٍ مِّنْ فِضَّةٍ وَكَوَابٍ كَانَتْ قَوَارِيرًا ۝ قَوَارِيرًا مِّنْ فِضَّةٍ قَدَّرُوهَا تَقْدِيرًا ۝ وَيُسْقَوْنَ فِيهَا كَأْسًا كَانَ مِزَاجُهَا زَنْجَبِيلًا ۝ عَيْنًا فِيهَا تُسَمَّى سَلْسَبِيلًا ۝ وَيطوف عليهم ولدانٌ مُّخَدَّوْنَ ۝ إِذَا رَأَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَّنثُورًا ۝ وَإِذَا رَأَيْتَ ثَمَّ رَأَيْتَ نَعِيمًا وَمُنَاجَا كَبِيرًا ۝ عَلَيْهِمْ ثِيَابٌ سُدُوسٌ خُضَرٌ اسْتَبْرَقُ ۝ وَحُلُّوْا أَسَاوِرًا مِّنْ فِضَّةٍ وَسَقَاهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُورًا ۝ إِنَّ هَذَا كَانَ لَكُمْ جَزَاءً وَكَانَ سَعْيُكُمْ مَّشْكُورًا ۝

(الدھر: ۵-۲۲)

بیشک نیک لوگ پیس گے (شراب کے) ایسے جام جن میں کافور کا پانی ملا ہوگا۔ (کافور) ایک چشمہ ہے جس سے اللہ کے (وہ) خاص بندے پیس گے اور جہاں چاہیں گے بہا کر لے جائیں گے (ابرار وہ ہیں) جو پوری کرتے ہیں اپنی نعمتیں اور ڈرتے ہیں اس دن سے جس کا شہر ہر طرف پھیلا ہوا ہوگا اور وہ اللہ کی محبت میں کھلاتے ہیں مسکین، یتیم اور قیدی کو (اور کہتے ہیں) ہم تمہیں صرف اللہ کی رضا کے لئے کھلاتے ہیں نہ ہم تم سے کسی اجر کے خواہاں ہیں اور نہ شکریہ کے ہم ڈرتے ہیں اپنے رب سے اس دن کے لئے جو بڑا ہی ترش (اور) سخت ہے پس بچالے گا انہیں اللہ اس دن کے شر سے اور عطا فرمائے گا انہیں چہروں کی تازگی اور دلوں کا سرور اور عطا فرمائے گا انہیں صبر کے بدلے جنت اور ریشمی لباس وہ وہاں مسہریوں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے وہ نہ دیکھیں گے وہاں سورج کی تپش اور سخت ٹھنڈک اور قریب ہوں گے ان کے اس کے (درختوں کے) سایہ اور میوؤں کے گچھے جھکے ہوئے لٹک رہے ہوں گے اور گھومائے جا رہے ہوں گے ان کے سامنے چاندی کے برتن اور شیشہ کے چمکدار گلاس (اور) شیشے بھی وہ جو چاندی کی قسم کے ہوں گے ساقیوں نے انہیں پوری طرح بھرا ہوگا اور انہیں وہاں (ایسی شراب کے) جام پلائے جائیں گے جس میں زنجبیل ملی ہوگی (یہ زنجبیل) جنت کا ایک چشمہ ہے جسے سلسبیل کہا جاتا ہے اور گھومتے رہیں گے ان کے ارد گرد ایسے بچے جو ہمیشہ ایک ہی حالت پر رہیں گے جب تم انہیں دیکھو تو گمان کرو کہ یہ بکھرے ہوئے موتی ہیں اور وہاں جدھر بھی تم دیکھو گے تمہیں نعمتیں ہی نعمتیں اور وسیع مملکت ہی نظر آئے گی ان کے اوپر لباس ہوگا باریک، سبز ریشم کا (بنا ہوا) اور اطلس کا اور

انہیں پہنائے جائیں گے چاندی کے کنگن اور پائے گا انہیں ان کا رب نہایت پاکیزہ شراب (انہیں بتایا جائے گا) یہ تمہارا صلہ ہے اور (مبارک ہو) تمہاری خوششیں مقبول ہوں گی۔

جنت کی نعمت صرف اتنی ہی نہیں بلکہ اور بھی بہت ہیں جن کا قرآن کریم میں جگہ جگہ ذکر کیا گیا ہے اور مفسر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی موقع بہ موقع کچھ نعمتیں بتائیں۔ یہاں ہم جنتی شراب کا ذکر کر رہے ہیں۔ اس فہرست میں شراب کی تین قسمیں بیان کی گئیں:

### شراب کا فور

کا فور وہ نہیں جو ہم استعمال کرتے ہیں بلکہ یہ جنت کے ایک چشمہ کا نام ہے جو پانی کی طرح سفید و چمکدار ہے۔ اس کی تاثیر بھی کا فور کی طرح ٹھنڈی ہوگی اور مہک بھی کا فور جیسی ہوگی جس کی ملاوٹ سے شراب کی لذت دو بالا ہو جائے گی اور اہل جنت اسے بہت پسند کریں گے۔

### شراب زنجبیل

زنجبیل سونٹھ کہتے ہیں۔ جنت میں ایک چشمہ ہے جس کے پانی میں سونٹھ کی مہک اور ذائقہ ہے۔ اس چشمہ کا اصل نام قرآن کریم سلسبیل بتاتا ہے۔ سونٹھ کا اثر بہت ہم بھی استعمال کرتے ہیں جو نہایت لذیذ اور مفید ہوتا ہے۔ جنت میں یہی پانی شراب میں ملا کر دیا جائے گا جس سے شراب نہایت ہی لذت دار ہو جائے گی۔

### شراب طہور

یہ خالص شراب ہوگی جس میں نہ کا فور نہ مہک ہوگی اور نہ زنجبیل کا مزہ یہ اپنی دو خصوصیات کے سبب جنت کی سب سے اعلیٰ شراب ہے۔ اس کی ایک خصوصیت تو نہایت ہی پاکیزہ ہونا ہے اسی لئے اس کا نام ہی شراب طہور رکھا گیا ہے اور دوسری سب سے بڑی خصوصیت یہ کہ جنتیوں کا میزبان رحیم و کریم آقا جل مجدہ بذات خود اپنے غلام مہمانوں کو اس شراب کے جامِ رحمت پائے گا۔

حضرت یعقوب چشتی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ مقربین اور محبوبین کو اپنے عرش کے نیچے شراب طہور کے پیرے جام خود بلاوا۔ ملے پائے کا جبکہ درمیانی درجہ والوں کو فرشتے شراب پلائیں گے اور عام جنتیوں کی اس خدمت پر نام نہاد یعنی نوجوان حسین لڑکے مامور ہوں گے۔

انہی غلامان کو آیات دہر میں ولدان فرمایا گیا جن کی ایک خوبی مخلصان بیان ہوئی کہ وہ ہمیشہ ایک حالت پر رہیں گے نہ کبھی ان کے جسم میں کوئی تبدیلی آئے گی نہ رنگ و روپ میں۔ دنیا جیسا حال نہ ہوگا کہ ہمارے بچے ہمارے ہی سامنے بوڑھے ہو جاتے ہیں نہ بچپن جیسی شوخی رہتی ہے اور نہ بھولا پن، انہی ولدان کی دوسری خوبی لولوا مشوراً ہے۔ یہ اپنے چھوٹے چھوٹے قدوں، حسن و جمال، رنگ و روپ اور چمکتے دھتے چہروں کے سبب ہمہ تن موتیوں کی طرح نظر آ رہے

ہوں گے۔ غلام کا ذکر سورہ طور میں اس طرح کیا گیا ہے کہ ”يَطُوفُ عَلَيْهِمْ غِلْمَانٌ لَهُمْ كَأَنَّهُمْ لُؤْلُؤٌ مَّكَتُونٌ“ اور چکر لگاتے ہوں گے ان کے گرد ان کے غلام ایسے معلوم ہوتے ہوں گے جیسے وہ چھپے موتی ہیں۔

### شہد کی نہریں

”وَأَنْهَزَ مِنْ عَسَلٍ مُّسَمًّى“ اور جنت میں شہد کی نہریں ہیں جو صاف ستھرا ہے۔ شہد اللہ کی نعمتوں سے ایک عظیم نعمت ہے جو ہمارے لئے لذیذ غذا بھی ہے اور دوا بھی۔ میرے آقا ثانی الامراض ﷺ کا ارشاد ہے: ”مَنْ لَعِقَ الْعَسَلَ ثَلَاثَ غَدَوَاتٍ فِي كُلِّ شَهْرٍ لَمْ يُصِبْهُ عَظِيمٌ مِنَ الْبَلَاءِ“ جس نے ہر مہینہ صبح کے وقت تین دن شہد چاٹا اسے کوئی بڑی بیماری نہ ہوگی۔ نیز آپ ﷺ نے فرمایا ”عَلَيْكُمْ بِالشِّفَائِينَ الْعَسَلِ وَالْقُرْآنِ“ دو شفاؤں (دواؤں) کو اپنے لئے لازم کرلو (بلاناغہ استعمال کیا کرو) شہد اور (تلاوت)۔ قرآن مجید تحقیق کے مطابق شہد سو بیماریوں سے زیادہ کے لئے ذریعہ علاج ہے۔

اللہ رب العزۃ جل مجدہ نے ہمارے لئے ایک مکھی کو کارخانہ شہد بنادیا جو پھلوں اور پھولوں کا رس چوستی ہے یہی رس چند دن بعد شہد کی صورت میں ہمیں فراہم کرتی رہتی ہے۔ قدرت کا عجوبہ یہ ہے کہ یہ مکھی دیگر مکھیوں کی طرح کبھی گندگی پر نہیں بیٹھتی نیز اس کثرت سے ہوتی ہے کہ دنیا کے ہر ملک و شہر میں پائی جاتی ہے اور ساری دنیا اس سے فراہم کردہ شہد کو استعمال کرتی ہے۔ پر لطف بات یہ ہے کہ یہ بے حد زہریلی بھی ہوتی ہے اگر غضبناک ہو کر چند مکھیاں انسان کو چمٹ جائیں تو اس کی موت واقع ہو سکتی ہے اکثر یہ گلے پر چمکتی ہے اس کے کاٹنے سے گلے کی رگیں پھول جاتی ہیں اور سانس لینا مشکل ہو جاتا ہے۔

سورہ نحل کی یہ آیت مبارکہ ملاحظہ ہو جس میں اللہ قادر مطلق جل مجدہ نے اپنی اس عظیم مخلوق کا ذکر کرتے ہوئے اہل عقل کو کارہائے قدرت پر غور و فکر کی دعوت دی ہے ”وَأَوْحَىٰ رَبُّكَ إِلَى النَّحْلِ“ اور آپ کے رب نے شہد کی مکھی کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ ”أَنْ اتَّخِذِي مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتًا وَمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُونَ“ وہ پہاڑوں، درختوں اور لوگوں کے چھپروں (چھتوں) میں چھتے بنائے۔ ”ثُمَّ كُلِي مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ“ پھر ہر قسم کے پھلوں کا رس چوسا کرے۔ ”فَاسْلُكِي سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا“ پھر اپنے رب کی آسان کردہ راہوں پر چلتی رہا کرے (اس عمل کے بعد) ”يَخْرُجُ مِنْهُ بَطُونٌ بِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ أَلْوَانُهُ فِيهِ شِفَاءٌ لِلنَّاسِ“ اس کے پیٹ سے ایک ایسا مشروب نکلتا ہے جس کا رنگ مختلف ہوتا ہے اور جو لوگوں کے لئے شفا کا ذریعہ ہوتا ہے۔ ”إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ“ بلاشبہ اس میں (ہماری قدرت کی) نشانی ہے عقل والوں کے لئے بلاشبہ یہ قدرت کی نشانی ہے کہ مکھی رس چوستی ہے اس کو شہد میں منتقل کرتی ہے۔ ہمارے لئے شہد کا خزانہ فراہم کرنے کے لئے ایک مخصوص انداز سے نہایت محفوظ و مضبوط چھتا بناتی ہے۔ ایک ہی مخلوق سے برآمد ہونے والا یہ لعاب ایک ہی رنگ کا ہونا چاہئے تھا جیسے دودھ ہر عورت کا اور ہر جانور کا صرف سفید ہی ہوتا ہے لیکن شہد مختلف رنگ کا ہوتا ہے پھر مکھی کا یہ لعاب ہماری ایک بہترین غذا اور دوا بنتا ہے۔ کیا یہ سب باتیں قابل غور نہیں کیا ان سے ایک اللہ کا وجود ثابت نہیں ہوتا کیا اس کی واسع قدرت کا ثبوت فراہم نہیں ہوتا۔ ہاں یہ سب باتیں اہل عقل کے لئے قابل غور ہیں۔ پس جو عقلمند ہیں وہ ان پر غور

بھی کرتے ہیں اور اس کے نتائج کو قبول بھی کرتے ہیں اور جو صرف عقل کے دعویدار ہیں درحقیقت عقلمند نہیں وہ اللہ کی ان نعمتوں سے صرف فائدہ ہی حاصل کرتے رہتے ہیں۔ جانوروں کی طرح انہیں استعمال تو کرتے ہیں لیکن کبھی نہیں سوچتے کہ یہ نعمتیں انہیں کس کارخانہ سے فراہم کی جا رہی ہیں اور وہ کارخانہ کس کی قوت و طاقت سے چل رہا ہے، کون اس کا مالک ہے اور وہ اپنی ان عجیب و غریب نعمتوں کے بدلے ہم سے کیا چاہتا ہے۔

### جنت کے پھل

”وَلَهُمْ فِيهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ“ اور ان کے لئے جنت میں ہر قسم کے پھل ہوں گے۔ ان پھلوں کی بڑی خصوصیت یہ ہوگی کہ یہ بظاہر دنیا کے پھلوں کی طرح ہوں گے لیکن ان کا ذائقہ مختلف ہوگا۔ سورہ بقرہ میں اس کیفیت کا بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ”وَبَشِّرِ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ“ اور (اے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام) خوشخبری دیجئے اہل ایمان اور نیک کام کرنے والوں کو۔ ”أَنَّ لَهُمْ فِي جَنَّتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ“ کہ ان کے لئے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں۔ ”كُلَّمَا رُزِقُوا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِزْقًا“ جب انہیں جنت کے پھلوں میں کوئی پھل کھلایا جائے گا۔ ”قَالُوا هَذَا الَّذِي رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ“ (تو صورت دیکھ کر) وہ کہیں گے کہ یہ تو وہی ہے جو ہمیں پہلے (دنیا میں) کھلایا جا چکا ہے۔ ”وَأُتُوا بِهِ مُتَشَابِهًا“ حالانکہ انہیں صورتاً ملتا جلتا پھل دیا گیا ہے (جو ذائقہ میں مختلف ہے)۔

قرآن کریم میں ان جنتی پھلوں کا ذکر متعدد آیات میں مختلف انداز سے موجود ہے۔ سورہ یس شریف میں ہے ”لَهُمْ فِيهَا فَاكِهَةٌ وَلَهُمْ مَّا يَدْعُونَ“ ان کے لئے وہاں طرح طرح کے پھل ہوں گے اور انہیں ہر وہ چیز ملے گی جسے وہ طلب کریں گے۔ سورہ زخرف میں ہے ”لَكُمْ فِيهَا فَاكِهَةٌ كَثِيرَةٌ مِنْهَا تَأْكُلُونَ“ جنت میں تمہارے لئے بکثرت پھل ہوں گے جو تم چاہو گے کھاؤ گے۔ بعض ایسے پھلوں کے نام بھی بیان فرمادیے گئے جو عموماً دنیا میں پسند کئے جاتے ہیں۔ سورہ رَحْمٰن میں ہے ”فِيهِمَا فَاكِهَةٌ وَنَخْلٌ وَرُمَّانٌ“ جنت کے دو باغوں میں پھل ہوں گے اور کھجوریں اور انار ہوں گے۔ سورہ نبا میں ہے ”حَدَّاقٍ وَاعْنَابًا“ (متقین کے لئے جنت میں) باغات اور انگور ہیں۔ غرضیکہ جنت میں ایک ہی شکل و صورت لیکن مختلف مزے والے پھل جنتیوں کو فراہم کئے جائیں گے۔

### جنتیوں کی مغفرت:

”وَمَغْفِرَةٌ مِّن رَّبِّهِمْ“ اور ان کے رب کی طرف سے بخشش ہوگی کہ جو بوسیلہ شفاعت نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام جنت کے مستحق قرار پائیں گے اور اللہ رحیم و رحمن اپنے فضل و کرم سے انہیں جنت میں داخل فرمانے کا مژدہ دے گا۔ ان کی مغفرت اور بخشش کا بھی اسی وقت اعلان کر دیا جائے گا تا کہ انہیں دوبارہ اپنے حساب و کتاب کا خطرہ نہ رہے اور وہ مطمئن ہو کر جنت کی نعمتوں سے فیض حاصل کر سکیں۔ اعلان مغفرت سے پہلے جو ان پر ایک خوف طاری تھا اب وہ ختم ہو جائے گا اور ان کے دل مطمئن ہو جائیں گے کہ مؤمن کو سب سے زیادہ اپنی مغفرت اور بخشش ہی کی فکر رہتی ہے اسی لئے اہل ایمان دنیا میں ساری زندگی رب کے حضور روتے ہی رہتے ہیں اور اس سے اپنی مغفرت کی بھیک مانگتے رہتے ہیں۔ مغفرت کی فکر ہی

کے باعث وہ دنیا کی بے شمار لذتوں کو ترک کر دیتے ہیں جب ان کے لئے جنت میں داخل ہونے کا فیصلہ ہوتا اور ساتھ ہی ان کی بخشش کا اعلان کیا جائے گا تو انہیں اطمینان و سکون نصیب ہوگا اسی لئے انہیں نفس مطمئنہ کے خطاب سے نوازا جائے گا۔ ”يَا أَيُّهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً“ اسے نفس مطمئنہ واپس آ جا اپنے رب کی طرف اس حال میں کہ تو اس سے راضی ہے (اور) وہ تجھ سے راضی۔ ”فَادْخُلِي فِي عِبَادِي وَادْخُلِي جَنَّتِي“ پس شامل ہو جاؤ میرے خاص بندوں میں اور داخل ہو جاؤ میری جنت میں۔ اسی بے فکری اور اطمینان و سکون کی وضاحت کرتے ہوئے میرے آقا ﷺ نے فرمایا ”مَنْ يَدْخُلُهَا يَنْعَمُ وَلَا يَبْأَسُ“ جو جنت میں داخل ہوگا مطمئن ہوگا، غمگین نہ ہوگا۔ ”وَيَدْخُلُهَا وَلَا يَمُوتُ“ اور ہمیشہ رہے گا اور موت نہ آئے گی۔ ”وَلَا يَبْلَى ثِيَابُهُمْ وَلَا يَغْنَى ثِيَابُهُمْ“ اور نہ ہی ان کے کپڑے بوسیدہ ہوں گے اور نہ ہی جوانی فنا ہوگی۔

غور فرمایا جنت میں کیسا آرام و اطمینان ہوگا حتیٰ کہ اس نعمتوں بھری دنیا سے نہ تو کبھی نکلنے کا خوف ہوگا نہ موت کا ڈر ہوگا نہ کپڑے پرانے اور بوسیدہ ہو جانے کا ڈر ہوگا اور نہ شباب ڈھل جانے کا خطرہ ہوگا۔ بس جنتی رب کی عطا کردہ نعمتوں سے خوب خوب فیض حاصل کرتے رہیں گے۔

### جنت کی چند دوسری نعمتیں

آپ نے جنت کی نہروں اور کچھ نعمتوں کا حال پڑھا۔ انشاء اللہ ہم ”جنت و دوزخ“ کے عنوان پر جلد ہی ایک کتاب پیش کریں گے۔ یہاں اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے جنت کی چند دوسری نعمتوں کا ذکر کرتے چلیں تاکہ ہمارا یہ مضمون مزید پر لطف ہو جائے لیکن پہلے یہ سمجھ لیا جائے کہ جنت کی کسی بھی نعمت کی تشبیہ دنیا کی کسی چیز سے نہیں دی جاسکتی اسی لئے اس کی کیفیت، صورت و شکل کا صحیح اندازہ کر لینا ممکن نہیں۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا گیا سورہ سجدہ میں ہے ”فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُمْ مِّن قُرَّةِ أَعْيُنٍ“ کوئی نہیں جانتا جو (نعمتیں) چھپا کر رکھی گئی ہیں ان کے لئے جن سے ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی۔ حدیث قدسی ہے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آقا ﷺ نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ”اغْدُثْ لِعِبَادِي الصَّالِحِينَ مَا لَا عَيْنٌ رَأَتْ وَلَا أُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلَى قَلْبِ بَشَرٍ“ میں نے اپنے بندوں کے لئے کے لئے ایسی نعمتیں تیار کر رکھی ہیں جو نہ تو کسی آنکھ نے دیکھیں ہیں اور نہ کسی کان نے سنی ہیں اور نہ ہی کسی انسان کے دل میں ان کا خیال گزرا پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آیت مذکورہ تلاوت فرمائی۔

مالک جنت ﷺ نے جب چاہا نظر اٹھائی اور جنت کو دیکھا بالخصوص سفر معراج میں آپ کو اس کا تفصیلی معائنہ کرایا گیا۔ آپ نے ہم غلاموں کا اشتیاق جنت بڑھانے کے لئے اس کی بعض کیفیات بیان فرمائیں۔ راوی ہیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بتایا ”مَوْضِعُ سَوَاطِ فِي الْجَنَّةِ خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا“ جنت میں کورا رکھنے کی جگہ دنیا اور اس کی تمام چیزوں سے بہتر ہے۔ سَوَاطِ کورا رکھنے یا ایک چھوٹی سی جگہ کو کہتے ہیں۔ میرے آقا ﷺ کی مراد یہ ہے کہ جنت کا ایک معمولی چھوٹا سا ونہ بھی دنیا کی تمام نعمتوں سے بہتر ہے ورنہ جنت میں نہ کورا کرکٹ ہوگا اور نہ ہی

گندگی اور غلاظت۔ آپ فرماتے ہیں ”وَلَقَابُ قَوْسٍ أَرَادَ فِي الْجَنَّةِ خَيْرٌ مِّمَّا طَلَعَتْ عَلَيْهِ الشَّمْسُ أَوْ تَغْرُبُ“ جنت میں تمہاری کمان برابر جگہ بھی ان سب چیزوں سے بہتر ہے جن پر سورج طلوع و غروب ہوتا ہے یعنی جنت کی ایک چھوٹی سی جگہ بھی پوری دنیا سے بہتر ہے۔

قرآن کریم جنت کی وسعت و فراخی کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ سورہ آل عمران میں ہے ”وَسَاءِلُ عُرْوَا إِلَى مَغْفِرَةٍ مِنْ رَبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمُوتُ وَالْأَرْضُ أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ“ اور دوڑ و بخشش کی طرف جو تمہارے رب کی طرف سے ہے اور جنت کی طرف جس کی چوڑائی آسمانوں اور زمین جتنی ہے جو تیار کی گئی ہے پر ہیزگاروں کے لئے ہمارے سمجھانے کے لئے جنت کی چوڑائی کا یہ ایک اندازہ بیان کیا گیا ہے حقیقت تو اللہ ہی جانے کہ اس کی چوڑائی کتنی ہوگی اور جب چوڑائی کا یہ حال ہے تو لمبائی کا کیا حال ہوگا۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ”إِنَّ فِي الْجَنَّةِ مِائَةَ دَرَجَةٍ لَوْ أَنَّ الْعَالَمِينَ اجْتَمَعُوا فِي إِحْدَاهُنَّ لَوَسِعَتْهُمْ“ جنت میں سو درجے ہیں اگر سارے جہانوں کو جمع کر لیا جائے تو ان میں سے ایک میں سما جائیں گے۔

اللہ رب العزۃ جل مجدہ نے جنتیوں کے لئے پاکیزہ حسین و جمیل بیویوں کی خوشخبری دیتے ہوئے فرمایا، سورہ بقرہ میں ہے ”وَلَهُمْ فِيهَا أَزْوَاجٌ مُطَهَّرَةٌ وَهُمْ فِيهَا خَالِدُونَ“ اور جنتیوں کے لئے جنت میں پاکیزہ بیویاں ہوں گی اور وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے یعنی ایسی پاک و صاف ہوں گی کہ نہ تو انہیں جسمانی طور پر کوئی ناپاکی اور گندگی لاحق ہوگی اور نہ ہی ان کے اخلاق و کردار میں کوئی عیب و نقص ہوگا۔ سورہ طور میں ارشاد ہے ”مُتَكِنِينَ عَلَى سُرُرٍ مَصْفُوفَةٍ وَزَوَّجْنَاهُمْ بِحُورٍ عِينٍ“ جنتی (نہایت اطمینان و مسرت کے ساتھ) بچھی ہوئی مسہریوں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے اور ہم گوری گوری حسین آنکھوں والیوں سے ان کا بیاہ کر دیں گے۔ سورہ ص میں فرمایا گیا ”وَعِنْدَهُمْ قَصْرٌ اطْرَافِ اقْرَابُ“ اور ان کے پاس نیچی نگاہوں والی ایک جیسی عورتیں ہوں گی۔ ”قَصْرٌ اطْرَافِ“ یعنی ایسی با حیا و با شرم عورتیں جو اپنے خاوند کے سوا کسی کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھیں گی۔ ”اقْرَابُ“ آپس میں محبت کرنے والی یا حسن و جمال اور عمر میں یکساں عورتوں کو کہا جاتا ہے۔ دنیا کی نیک بیویاں بھی اپنے شوہروں کے ساتھ ہی جنت میں جائیں گی۔ سورہ زخرف میں فرمایا گیا ”أَدْخُلُوا الْجَنَّةَ أَنْتُمْ وَآزْوَاجُكُمْ تُحْبَرُونَ“ داخل ہو جاؤ تم اور تمہاری بیویاں جنت میں خوشی خوشی۔

سورہ رَحْمٰن میں جنتی بیویوں کی چند خوبیاں بیان کرتے ہوئے بتایا گیا ”فِيهِنَّ قَصَاصُ الطَّرَفِ لَمْ يَطْمِئِنَّ أَنْسُ قَبْلَهُمْ وَلَا جَانِحٌ“ ان میں نیچی نگاہوں والی (شرعی حوریں) ہوں گی جنہیں ان (جنتیوں) سے پہلے نہ کسی انسان نے چھوا ہو گا اور نہ ہی کسی جن نے یعنی کنواری ہوں گی۔ پھر ارشاد ہوا کہ وہ ایسی حسین و جمیل ہوں گی ”كَانَتْهُنَّ الْيَاقُوتُ وَالْمَرْجَانُ“ گویا (چمکتے دھمکتے) یاقوت اور مرجان ہیں۔ ان کی عادات و اخلاق بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ”فِيهِنَّ خَيْرُ حَسَنٍ“ ان میں اچھی سیرت والیاں اور اچھی صورت والیاں ہوں گی۔ یعنی اخلاق کے اعتبار سے بھی بے مثال ہوں گی اور ظاہری حسن و جمال میں بھی بے نظیر ہوں گی۔ یہ بیویاں آج کل کی عورتوں کی طرح اپنے حسن و جمال کی نمائش کرنے والی بے پردہ گھومنے

والی نہ ہوں گی بلکہ ”حُورٌ مَّقْصُورَاتٌ فِي الْبَيْمِ“ یہ حوریں پردہ دار خیموں میں ہوں گی۔ حور اس جنتی عورت کو کہا جاتا ہے جس کی آنکھ کی سفیدی خوب سفید ہو اور پتلی خوب سیاہ ہو عورت کی یہ خوبی اس کے حسن کو دو بالا کر دیتی ہے۔

میرے آقا ﷺ نے جنتی عورتوں کے حسن و جمال کے متعلق فرمایا ”وَلَوْ أَنَّ امْرَأَةً مِنْ نِسَاءِ أَهْلِ الْجَنَّةِ أَطْلَعَتْ إِلَى الْأَرْضِ لَا ضَاءَ ثَمَّ بَيْنَهُمَا“ اگر جنتی عورتوں میں سے کوئی عورت زمین کی طرف جھانک لے تو (جنت و زمین) دونوں کی درمیانی جگہ چمک اٹھے گی۔ ”وَلَمَّا لَثَمَا بَيْنَهُمَا رِيحًا“ اور خوشبو سے بھر جائے گی۔ ”وَلَنَصِيفُهَا عَلَى رَأْسِهَا خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا“ اور اس کے سر کا دوپٹہ دنیا اور اس کی ساری متاع سے زیادہ قیمتی ہوگا۔

حوروں کے حسن و جمال کا تو کیا کہنا وہ جنتی عورتیں بھی جنت میں داخل ہو کر نہایت ہی حسین ہو جائیں گی جو اپنے شوہروں کے ساتھ جنت میں پہنچیں گی۔ ان جنتی بیویوں کی نورانیت ان کا حسن و جمال اتنا ہوگا کہ ہماری دنیاوی آنکھیں ان کی تاب نہ لاسکیں گی لہذا اللہ رب العزۃ ہماری آنکھوں اور دیگر قوتوں میں بھی اتنا اضافہ فرمائے گا کہ ہم جنتی عورتوں اور جنت کی دوسری نعمتوں کو بلا تکلف دیکھ سکیں گے اور استعمال کر سکیں گے۔

یہ آپ پڑھ چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اپنے مہمانوں یعنی جنتیوں کی خواہش پوری کرے گا۔ ایک حدیث مبارکہ ملاحظہ فرمائیے اور اندازہ کیجئے کہ رب رحیم و کریم کس حد تک جنتیوں کی خواہش پوری فرمائے گا:

”حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بتاتے ہیں کہ ایک شخص نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سوال کیا کہ کیا جنت میں گھوڑا بھی مل سکے گا (شاید یہ صاحب گھڑسواری کے شوقین ہوں گے) آقا ﷺ نے فرمایا اگر اللہ تمہیں جنت میں داخل کر دے اور یا قوت کے سرخ گھوڑے پر سواری کی تم خواہش کرو جو جنت کی تمہیں سیر کرائے تو اللہ تمہاری یہ خواہش پوری فرمائے گا پھر ایک شخص نے سوال کیا کہ کیا وہاں اونٹ ملے گا تو نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک عام جواب عطا فرمایا ”إِنْ يُدْخِلَكَ اللَّهُ الْجَنَّةَ يَكُنْ لَكَ فِيهَا مَا اشْتَهَتْ نَفْسُكَ وَلَذَّتْ عَيْنُكَ“ اگر اللہ تمہیں جنت میں داخل کر دے تو اس میں ہر وہ چیز ہوگی جسے تمہارا دل چاہے گا اور جس سے تمہاری آنکھ کو لذت حاصل ہوگی۔ یعنی گھوڑا اور اونٹ ہی کیا اس کے علاوہ بھی جنتی جو بھی خواہش کرے گا اور جو بھی دیکھنا چاہے گا اسے دیا جائے گا اور دکھایا جائے گا۔“

آخر میں ایک طویل حدیث کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے جس میں جنت کی نعمتوں کا مزید ذکر ہے۔ راوی ہیں حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے فرمایا اللہ سے دعا کرو کہ وہ مجھے اور تمہیں جنت کے بازار میں جمع کرے۔ حضرت سعید رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیا جنت میں بھی بازار ہوگا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہاں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھے بتایا کہ اہل جنت جب جنت میں داخل ہوں گے تو انہیں ان کے اعمال کے مطابق علیحدہ علیحدہ درجات میں رکھا جائے گا پھر وہ ہر جمعہ ایک جگہ جمع ہوا کریں گے جہاں وہ

اپنے رب کا دیدار کریں گے اور اللہ کا عرش ان پر ظاہر ہوگا اور جنت کے باغوں میں سے ایک باغ میں اللہ ان پر تجلی فرمائے گا اور ان کے لئے نور، موتی، یاقوت، زبرجد، سونے اور چاندی کے منبر رکھے جائیں گے اور ان میں ادنیٰ درجہ والا مشک اور کافور کے نیلہ پر بیٹھے گا اور وہ یہ محسوس نہ کریں گے کہ کرسیوں پر بیٹھنے والے ان سے افضل ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ کیا ہم اپنے رب کو دیکھیں گے۔ آپ نے فرمایا ہاں کیا تم سورج اور چودھویں کے چاند کو دیکھنے میں شک کرتے ہو۔ میں نے عرض کیا نہیں یا رسول اللہ ﷺ۔ آپ نے فرمایا بس اسی طرح تم جنت میں اپنے رب کو دیکھنے میں شک نہ کرو گے۔ اس مجلس میں کوئی شخص باقی نہ رہے گا مگر اللہ تعالیٰ اس کے سامنے موجود ہوگا پھر ان میں سے اللہ ایک شخص سے فرمائے گا اے فلاں بن فلاں کیا تو انکار کرتا ہے کہ تو نے دنیا میں ایک دن ایسا ایسا کہا تھا اور اللہ اسے اس کی نافرمانی کے چند واقعات یاد دلائے گا۔ وہ عرض کرے گا اے رب کیا تو نے مجھے بخش نہیں دیا۔ اللہ فرمائے گا کیونکہ میری مغفرت کی وسعت سے ہی تو تو اس مقام تک پہنچا ہے۔ اسی دوران ان پر ایک بادل چھا جائے گا اور بارش ہونے لگے گی جو ایسی خوشبودار ہوگی کہ اس جیسی خوشبو کبھی کسی کو میسر نہ آئی ہوگی۔ ہم اس بازار میں آئیں گے جسے فرشتوں نے گھیرا ہوا ہوگا کہ اس جیسا بازار نہ آنکھوں نے دیکھا ہوگا اور نہ کانوں نے سنا ہوگا اور نہ کسی دل میں اس کا خیال گزرا ہوگا ہم جو چیز چاہیں گے ہمیں دے دی جائے گی۔ اس میں خرید و فروخت نہ ہوگی بلکہ اہل جنت ایک دوسرے سے ملیں گے۔ حضرت سعید رضی اللہ عنہ بتاتے ہیں کہ اس بازار میں ادنیٰ درجہ والا اعلیٰ درجہ والے سے ملے گا جبکہ کوئی جنتی ادنیٰ نہ ہوگا وہ ادنیٰ درجہ والا اعلیٰ درجہ والے کا لباس دیکھے گا تو اسے بہت پسند آئے گا ابھی اس کی بات پوری بھی نہ ہوگی کہ اس کے اوپر اس سے بھی بہترین لباس ہوگا اور یہ اس لئے کہ وہاں کسی کو غمگین نہ ہونے دیا جائے گا پھر ہم اس بازار سے اپنی قیام گاہوں کی طرف واپس ہوں گے جہاں ہماری بیویاں ہمارا انتظار کر رہی ہوں گی وہ ہمیں دیکھ کر خوش ہوں گی اور حیرت سے کہیں گی آپ کا تو حسن و جمال اور بھی زیادہ ہو گیا تو ہم کہیں گے ”إِنَّا جَالِسْنَا الْيَوْمَ رَبَّنَا الْجَبَّارَ وَيَحْقُنَا أَنْ نَنْقَلِبَ بِمِثْلِ مَا أَنْقَلَبْنَا“ آج ہم اپنے رب کے پاس بیٹھے تھے اور ہمارا یہ حق تھا کہ اسی طرح لوٹتے جس طرح لوٹے ہیں (رب کے دربار میں حاضری کے سبب ہمارے حسن و جمال کی یہ کیفیت ہے جس پر تمہیں تعجب ہو رہا ہے)۔

اے ایمان والو! ہمارے رب کریم نے دنیا میں ہمیں جن نعمتوں سے سرفراز فرمایا ہے۔ ان کا یہ حال ہے کہ ”إِنْ تَعْلَمُوا نِعْمَةَ اللَّهِ لَا تُحْصَوْهَا“ اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو یہ ناممکن ہے پھر جنت جہاں نعمتوں کے سوا کچھ نہیں وہاں کی نعمتوں کو کس طرح شمار کیا جاسکتا ہے لہذا یہ نہ پوچھو کہ جنت میں کیا کیا ملے گا ہاں یہ پوچھو اور اس کی فکر کرو کہ جنت کیسے ملے گی تو جنت عطا فرمانے کا وعدہ فرمانے والے رب ہی نے بتا دیا کہ جنت متقین کے لئے ہے۔ پس تم متقی بن جاؤ یقیناً جنتی ہو جاؤ گے یہاں اللہ کی مانو، وہاں اللہ تمہاری مانے گا یہاں خواہشات کو دباؤ وہاں ہر خواہش پوری ہوگی، یہاں قاسم جنت ﷺ کے دامن سے وابستہ رہو۔ ان کی اتباع و پیروی کرو وہاں وہ تمہارے بغیر جنت میں داخل نہ ہوں گے، اللھم



اجعلنا من الصالحين وادخلنا الجنة مع الابرار بجاه سيد الابرار ﷺ

جہنم کی ہولناکیاں

”كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِي النَّارِ وَسُقُوا مَاءً حَمِيمًا فَقَطَّعَ أَمْعَاءَ هُمْ“ (سوچو) کیا یہ لوگ ان کی طرح ہو سکتے ہیں جو ہمیشہ آگ میں رہیں گے اور انہیں کھولتا ہوا پانی پلایا جائے گا جو ان کی آنتوں کو کاٹ دے گا۔ دعوت فکر ہے کہ جن بندوں پر دنیا و آخرت میں اللہ کے خصوصی انعامات کی برسات برس رہی ہو کہ ہر حال میں خود اللہ ان کا معین و مددگار ہو اور آخرت میں نعمتوں سے بھری جنت ان کی منتظر ہو کیا وہ خوش نصیب ان بد بختوں کی طرح ہو سکتے ہیں جن کا ٹھکانہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جہنم کی آگ ہو جہاں انہیں سوائے کھولتے پانی کے کچھ نصیب نہ ہوگا لہذا اہل ایمان کو صرف اپنے اللہ پر توکل و اعتماد کرنا چاہئے۔ اللہ و رسول کے احکام کی تعمیل کرتے ہوئے زندگی بسر کرنا چاہئے تاکہ دنیا کا ہر مرحلہ ان کے لئے آسان ہو سکے اور آخرت میں وہ اللہ کے مہمان ہونے کا شرف پاسکیں۔

قرآن کریم میں جہنم کے ہولناک عذاب کو متعدد بار بیان کیا گیا تاکہ اہل ایمان اس سے اللہ کی پناہ مانگیں، اپنے گناہوں سے توبہ کرتے رہیں ہر وقت اپنی اصلاح کرتے رہیں اور اللہ و رسول کی رضا و خوشنودی کا حصول اپنا مقصد حیات بنا لیں۔ نیز کفر کرنے والوں پر اتمام حجت ہو سکے کہ کل قیامت کے دن وہ جہنم اور اس کے ہولناک عذاب کو جاننے سے انکار نہ کر سکیں کہ دنیا ہی میں وحی الہی کے ذریعہ انہیں بتایا جا چکا ہے کہ اللہ و رسول سے بغاوت کا انجام کیا ہوگا۔ سورہ توبہ ہے۔ اَلَمْ يَعْلَمُوا اَنَّهُ مَنْ يُحَادِدِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَأَنَّ لَهُ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيْهَا ذَٰلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيْمُ کیا وہ نہیں جانتے کہ جو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتا ہے۔ اس کے لئے جہنم کی آگ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ بہت ہی بڑی رسوائی ہے، ذلت و خواری جن کا مقدر بن چکی ہے وہ ظاہری وسائل، دولت کی فراوانی، حکومت و اقتدار کی قوت کو اپنے لئے ذریعہ عزت جانیں یہ ان کی بڑی ہی بھول اور غلط فہمی ہے جن کا ابدی ٹھکانہ جہنم ہے وہ کیسے عزت والے ہو سکتے ہیں وہ اس زمین پر کتنا ہی اکڑ کر چلیں کتنے ہی ظلم و ستم کریں لوگوں سے اپنی قوت و طاقت کا لوہا منوانے کی کتنی ہی کوشش کرتے رہیں لیکن وہ ذلیل و خواری رہیں گے عزت کی یہی غلط فہمی تو انہیں لے ڈوبی جب بھی انہیں دعوت حق دی گئی جھوٹی عزت ہی ان کے آڑے آئی۔ سورہ بقرہ میں ہے ”وَإِذَا قِيلَ لَهُ اتَّقِ اللَّهَ أَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْإِثْمِ فَحَسْبُهُ جَهَنَّمُ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ“ جب بھی ان سے کہا گیا کہ اللہ سے ڈرو تو گناہوں اور سرکشی کی عزت کے زعم نے انہیں مزید گناہوں پر آمادہ کیا ایسے مغرور و متکبر لوگوں کے لئے (آج) جہنم کافی ہے جو بہت ہی برا ٹھکانہ ہے۔

پس جسے واقعی عزت کی خواہش ہے وہ اپنی غلط فہمی دور کر لے جھوٹی عزت کا لبادہ اتار پھینکے خود کو عزت والا سمجھنا چھوڑ دے، عزت بخشنے والے آقا ﷺ کی غلامی کا طوق اپنی گردن میں ڈالے اللہ اور اس کے رسول کا مطیع و فرمانبردار بن جائے بڑی عزت ملے گی دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ سورہ فاطر میں ہے ”مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْعِزَّةَ فَلِلَّهِ الْعِزَّةُ جَمِيعًا“ جو عزت کا طلب گار ہو (وہ خوب جان لے) کہ ہر قسم کی عزت اللہ ہی کے لئے ہے وہ جسے چاہتا ہے عزت بخش دیتا ہے اور

جسے چاہتا ہے ذلیل و خوار کر دیتا ہے۔ ”وَتَعَزُّوْا مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ“ اسی کی شان ہے ”وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ“ اور عزت تو صرف اللہ کے لئے اور اس کے رسول کے لئے اور ایمان والوں ہی کے لئے ہے پس عزت طلب کرو اللہ کی اطاعت کر کے رسول کے غلام بن کر اور اہل ایمان کی صحبت اختیار کر کے۔

سوچنا چاہئے کہ وہ عزت والے کیسے ہو سکتے ہیں جن کا ”فَلَا نَا صِرْلَهُمْ“ کوئی مددگار نہ ہو اور جن کا ٹھکانہ جہنم کی آگ ہو جس میں انہیں پانی تک ایسا کھولتا ہوا پلایا جائے گا جس سے ان کی آنتیں کٹنے لگیں گی۔ کیا یہی انجام ہوتا ہے عزت والوں کا بواسطہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم ان جھوٹی عزت کے دعویداروں کے لئے پیغام الہی ہے۔ سورہ آل عمران میں ہے: ”قُلْ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَعْتٌ غَلِيْبُوْنَ وَتُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ“ ”وَبِئْسَ الْاِهْلَادُ“ آپ کفر کرنے والوں کو بتا دیجئے کہ تم عنقریب مغلوب کئے جاؤ گے اور ہانکے جاؤ گے جہنم کی طرف اور وہ بہت ہی برا ٹھکانہ ہے اور فرمایا گیا: ”اَفَمَنْ اَتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ كَمَنْ بَاءَ بِسَخِطِ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوَاةٍ جَهَنَّمَ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ“ تو کیا رضائے الہی کی پیروی کرنے والا اس کی طرح ہو سکتا ہے جو (اپنے کفر کے سبب) اللہ کی ناراضگی کا حق دار بن گیا ہے (جبکہ) اس کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ بہت ہی بری جگہ ہے پلٹنے کی۔

کفار کی تعریف

ایمان والوں کو چاہئے کہ وہ کفار سے ہرگز مرعوب نہ ہوں بلکہ اللہ و رسول کے ارشادات کی روشنی میں ان کی حقیقت کو پہچانیں ان کے یہ مادی و ظاہری وسائل جن پر وہ گھمنڈ کرتے ہیں ”مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ثُمَّ مَّاْوَاهُمْ جَهَنَّمَ“ یہ چند روز کے ہیں بالآخر ان کا ٹھکانہ جہنم ہے ”وَبِئْسَ الْاِهْلَادُ“ اور یہ بہت ہی بری ٹھہرنے کی جگہ ہے۔ قرآن کریم کی چند آیات نقل کی جاتی ہیں تاکہ ایسے لوگوں کو کفار کی ذلت و خواری اور بدترین انجام کا اندازہ ہو سکے جو ان کے ظاہری کروفر اور شعبدہ بازی سے متاثر ہو کر ان کی تعریفیں کرنے لگتے ہیں جبکہ انہیں شاید یہ نہیں معلوم کہ کفر ایک ایسا بدترین عقیدہ ہے جو ساری خوبیوں اور کمالات کے باوجود انسان کو جانور سے بدتر بنا دیتا ہے اور کسی بھی اعتبار سے کفر کرنے والا قابل تعریف نہیں رہتا اسی لئے کافر کی تعریف کرنا حرام ہے۔ حیرت ہے اللہ پر ایمان رکھنے والا اور اس کے فضل و کرم سے دنیا و آخرت میں عزت کا مستحق قرار دیئے جانے والا مؤمن کس طرح جہنم کے گڑھے میں ڈھکیلے جانے والے اللہ و رسول کے باغی اور اپنے دشمن کی تعریف کرتا ہے۔ ان کے ملکوں کے قصیدے پڑھتا ہے۔ اپنی آزادی پر ان کی غلامی کو ترجیح دیتا ہے، ان کی تہذیب پر فریفتہ ہوتا اور جان چھڑکتا ہے۔ یقیناً جانے اس کا سبب کفار کی خوبیاں نہیں بلکہ ہمارے ایمان کی کمزوری ہے جس کو دور کرنا ضروری ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ کمزوری بڑھتی رہے اور اللہ نہ کرے ہم دولت ایمان سے محروم ہو جائیں۔ پس ایسے مصلحین سے رابطہ قائم کیجئے جن کی صحبت و تربیت تقویت ایمان کا باعث بنے اور اللہ و رسول کے ارشادات پر غور کیجئے تاکہ کفار و مشرکین کی محبت سے دل پاک و صاف ہو سکے۔ فی الحال ان چند آیات پر غور کیجئے:

وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ  
تُوْلِهٖ مَا تُوْلٰى وَنُصِّلِهٖ جَهَنَّمَ ۖ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ۝۱۵  
(النساء: ۱۱۵)

اور جو مخالفت کرے (اللہ کے) رسول کی اس کے بعد کہ روشن ہو گئی اس کے لئے ہدایت کی راہ اور اس راہ پر چلے جو مسلمانوں کی راہ سے الگ ہے تو ہم اسے پھرنے دیں گے جدھر وہ پھرا اور (بالآخر) ہم اسے جہنم میں ڈال دیں گے اور یہ بہت ہی بری پلٹنے کی جگہ۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَظَلَمُوا لَمْ يَكُنِ اللَّهُ لِيَغْفِرْ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيقًا إِلَّا طَرِيقَ جَهَنَّمَ خَلِيدًا أَبَدًا ۖ وَكَانَ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا ﴿١٦٨﴾ (النساء: ١٦٩)

بیشک جنہوں نے کفر کیا اور ظلم کیا اللہ نہ ان کی بخشش کرے گا اور نہ ہی انہیں سیدھی راہ دکھائے گا سوائے جہنم کی راہ کے اس میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور یہ اللہ کے لئے آسان ہے۔

لَهُمْ مِنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ ۚ وَكَذَلِكَ نَجْزِي الظَّالِمِينَ ﴿٢١﴾ (اعراف: ٢١)

ان (کفار) کے لئے دوزخ (کی آگ کا) ہی بچھونا ہوگا اور ان کے اوپر (اسی کا) اوڑھنا ہوگا اور ہم اسی طرح ظالموں کو بدلہ دیتے ہیں۔

وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ ۚ لَهُمْ قُلُوبٌ لَا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ أُذُنٌ لَا يَسْمَعُونَ بِهَا ۚ أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ ﴿١٠٠﴾ (اعراف: ١٤٩)

اور بیشک ہم نے پیدا کئے جہنم کے لئے بہت سے جن اور انسان ان کے دل تو ہیں لیکن وہ ان سے (حق کو) سمجھتے نہیں ان کی آنکھیں تو ہیں لیکن وہ ان سے (دلائل حق کو) دیکھتے نہیں اور ان کے کان تو ہیں لیکن وہ ان سے (حق کی باتوں کو) سنتے نہیں وہ حیوانوں کی طرح بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں یہی لوگ تو غافل ہیں۔

(توبہ: ٢٩)

إِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيطَةٌ بِالْكَافِرِينَ ﴿١٠١﴾

بیشک جہنم گھیرے ہوئے کافروں کو۔

ان چند آیات پر غور کے بعد آخر میں اللہ کا یہ پیغام سن لیجئے:

فَاغْرُضُوا عَنْهُمْ ۖ إِنَّهُمْ رِجْسٌ وَمَا وَهُمْ جَٰ

پس تم ان سے منہ پھیر لو بیشک وہ ناپاک ہیں اور ان کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

کفار سے نفرت کرو منہ پھیر لو قلبی دوست نہ بناؤ کیونکہ یہ ظاہری و باطنی ہر اعتبار سے ناپاک ہیں، جہنمی ہیں جبکہ تم

مؤمن ہو ایمان نے تمہیں ہر اعتبار سے پاک کر رکھا ہے اور تمہیں جنت کا حقدار بنا دیا ہے۔

عذاب جہنم

قرآن کریم میں جہاں جنت اور اس کی پرکشش نعمتوں کا ذکر کیا گیا ہے وہیں جہنم اور اس کی ہولناک اور دردناک

عذاب کا بھی ذکر موجود ہے۔

هَٰذِهِ خَصْمَانِ اخْتَصَمُوا فِي رَبِّهِمْ ۚ قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِنْ نَارٍ ۖ  
يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوسِهِمُ الْحَمِيمُ ۖ يُصْهَرُ بِهِ مَا فِي بُطُونِهِمْ وَالْجُلُودُ ۖ وَلَهُمْ مَقَامِعٌ  
مِنْ حَدِيدٍ ۖ كُلَّمَا أَرَادُوا أَنْ يَخْرُجُوا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ أُعِيدُوا فِيهَا وَذُوقُوا  
عَذَابَ الْحَرِيقِ ۖ (الحج: ۱۹-۲۲)

جن لوگوں نے کفر کیا ان کے لئے تیار کر دیئے گئے ہیں کپڑے (جہنم کی) آگ کے انڈیلا جائے گا ان کے سروں پر کھولتا ہوا پانی گل جائے گا اس کھولتے پانی سے جو کچھ ان کے پیٹوں میں ہے اور ان کی کھالیں بھی گل جائیں گی اور ان (کو مارنے) کے لئے لوہے کے گرز ہوں گے جب بھی ارادہ کریں گے اس سے نکلنے کا رنج و تکلیف کے سبب اسی میں لوٹا دیئے جائیں گے اور (کہا جائے گا) جلتی ہوئی آگ کا عذاب چکھو۔

وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ ۖ لَا يُقْضَىٰ عَلَيْهِمْ فَيَمُوتُوا وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِنْ  
عَذَابِهَا ۚ كَذَٰلِكَ نَجْزِي كُلَّ كَافِرٍ ۖ وَهُمْ يُصْطَرَّخُونَ فِيهَا رَبَّنَا أَخْرِجْنَا نَعْمَلْ  
صَالِحًا غَيْرَ الَّذِي كُنَّا نَعْمَلُ ۖ أَوَلَمْ نُعَمِّرْكُم مَّا يَتَذَكَّرُ فِيهِ مَن تَذَكَّرَ وَجَاءَكُمُ  
الْذِكْرُ ۖ قَدْ قُوْنَا فَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ نَّصِيرٍ ۖ (فاطر: ۳۶، ۳۷)

اور کفر کرنے والوں کے لئے جہنم کی آگ تیار ہے (اس میں) نہ ان کی قضا آئے گی کہ مر جائیں اور نہ ہلکا کیا جائے گا ان سے دوزخ کا عذاب اسی طرح ہم ہر ناشکرے کو بدلہ دیتے ہیں وہ دوزخ کی آگ میں چبختے چلاتے ہوں گے (کہتے ہوں گے) اے ہمارے رب ہمیں یہاں سے نکال دے ہم بڑے نیک کام کریں گے ایسے نہیں جیسے ہم پہلے کرتے رہے (جواب دیا جائے گا) کیا ہم نے تمہیں اتنی لمبی عمر نہیں دی تھی جس میں نصیحت قبول کر لیتا جو نصیحت قبول کرنا چاہتا اور تشریف لے آیا تھا تمہارے پاس (اللہ کے عذاب سے) ڈرانے والا (بھی) لیکن تم نے اس کی بات نہ مانی (پس اب مزہ چکھو ظالموں کے لئے کوئی مددگار نہیں۔

أَذَلَّكَ خَيْرٌ لَّا أَمْرٌ شَجَرَةُ الزَّقُّومِ ۖ إِنَّا جَعَلْنَاهَا فِتْنَةً لِلظَّالِمِينَ ۖ إِنَّهَا شَجَرَةٌ  
تَخْرُجُ فِي أَصْلِ الْجَحِيمِ ۖ طَلْعُهَا كَأَنَّهُ رُءُوسُ الشَّيَاطِينِ ۖ فَإِنَّهُمْ لَا كُفُورَ مِنْهَا  
فَمَا لُؤُنَ مِنْهَا الْبُطُونَ ۖ ثُمَّ إِنَّ لَهُمْ عَلَيْهَا لَشَوْبًا مِنْ حِمِيمٍ ۖ (صفت: ۶۲-۶۷)

بھلا یہ (جنت کی نعمتوں کی) دعوت بہتر ہے یا زقوم کا درخت ہم نے اسے ظالموں کے لئے آزمائش بنا دیا ہے بیشک وہ ایک درخت ہے جو اگتا ہے جہنم کی تہ میں اس کے شگوفے گویا سر ہیں شیطانوں کے پس

انہیں ضرور کھانا پڑے گا اس (زقوم) سے اور بھریں گے اس سے اپنے پیٹ پھر انہیں زقوم کھانے بعد کھولتا ہوا پانی ملا کر دیا جائے گا۔

إِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّومِ ۖ طَعَامُ الْأَثِيمِ ۖ كَالْمُهْلِ ۖ يَغْفَى فِي الْبُطُونِ ۖ كَغَلَى الْحَبِيمِ ۖ خَذُوهُ فَاعْتِلُوهُ إِلَى سَوَاءِ الْجَحِيمِ ۖ ثُمَّ صُبُّوا فَوْقَ رَأْسِهِ مِنْ عَذَابِ الْحَبِيمِ ۖ ذُقْ ۖ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْكَرِيمُ ۖ إِنَّ هَذَا مَا كُنْتُمْ بِهِ تَمْتَرُونَ ۖ

(دخان: ۴۳-۵۰)

بیشک زقوم کا درخت گناہ گار کی خوراک ہوگا (وہ) پگھلے تانبے کی طرح پیٹوں میں جوش مارے گا جیسے کھولتا پانی جوش مارتا ہے (حکم ہوگا) اس (بد بخت) کو پکڑ لو پھر اسے گھیٹ کر لے جاؤ وسط جہنم میں پھر انڈیلو اس کے سر پر کھولتا پانی (اسے) عذاب دینے کے لئے لو چکھو تم بڑے معزز و مکرم (بنتے) ہو یہ وہ (عذاب) ہے جس میں تم شک کرتے تھے۔

وَأَصْحَابُ الشِّمَالِ ۖ مَا أَصْحَابُ الشِّمَالِ ۖ فِي سُومٍ وَحَبِيمٍ ۖ وَظِلٌّ مِنْ يَحْمُومٍ ۖ لَا بَارِدٌ وَلَا كَرِيمٌ ۖ إِنَّهُمْ كَانُوا قَبْلَ ذَلِكَ مُتْرَفِينَ ۖ وَكَانُوا يُصِرُّونَ عَلَى الْحَبِثِ الْعَظِيمِ ۖ وَكَانُوا يَقُولُونَ ۖ أَإِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَعِظَامًا ۖ إِنَّا لَمَبْعُوثُونَ ۖ أَوْ آبَاؤُنَا الْأَوَّلُونَ ۖ قُلْ ۖ إِنَّ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ ۖ لَمَجْمُوعُونَ ۖ إِلَىٰ مِيقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُومٍ ۖ ثُمَّ إِنَّكُمْ أَيْهَا الضَّالُّونَ الْمُكَذِّبُونَ ۖ لَا تَكُونُونَ مِنْ شَجَرٍ مِنْ زَقُّومٍ ۖ فَمَالِكُونَ مِنْهَا الْبُطُونَ ۖ فَشَرِبُونَ عَلَيْهِ مِنَ الْحَبِيمِ ۖ فَشَرِبُونَ شُرْبَ الْهَيْمِ ۖ هَذَا نُزْلُهُمْ يَوْمَ الدِّينِ ۖ

(الواقعة: ۴۱-۵۶)

اور بائیں ہاتھ والے کیسی خستہ حالت ہوگی بائیں ہاتھ والوں کی (یہ بدنصیب) جھلستی لو اور کھولتے پانی میں اور سیاہ دھوئیں کے سایہ میں ہوں گے نہ یہ ٹھنڈا ہوگا اور نہ آرام وہ بیشک یہ لوگ پہلے (دنیا میں) بڑے خوش حال تھے اور وہ اصرار کیا کرتے تھے بڑے بھاری گناہ پر اور کہا کرتے تھے کہ کیا جب ہم مرجائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں بن جائیں گے تو کیا ہم دوبارہ زندہ کئے جائیں گے (اور) کیا ہمارے پہلے باپ دادا کو بھی (زندہ کیا جائے گا یہ ناممکن ہے) آپ فرما دیجئے بیشک اگلوں کو بھی اور پچھلوں کو بھی سب کو جمع کیا جائے گا ایک مقررہ وقت پر ایک جانے ہوئے دن میں پھر تمہیں اے گمراہ ہونے والوں، اے جھٹلانے والوں، حکماً کھانا پڑے گا زقوم کے درخت سے پس تم بھرو گے اس سے اپنے پیٹوں کو پھر پینا پڑے گا اس پر کھولتا پانی اس طرح پیو گے جیسے پیاس کا مارا اونٹ پیتا ہے یہ ہوگی ان کی ضیافت قیامت کے دن۔

زَقُومٌ ایک نہایت ہی بد شکل، کڑوا اور بد بودار جہنم کا درخت ہے۔ میرے آقا ﷺ نے اس کی کیفیت کا اندازہ کرنے کے لئے بتایا ”لَوْ أَنَّ قَطْرَةً مِّنَ الزَّقُومِ قُطِرَتْ فِي دَارِ الدُّنْيَا لَافْسَدَتْ عَلَى أَهْلِ الْأَرْضِ مَعَانِشُهُمْ فَكَيْفَ بِمَنْ يَكُونُ طَعَامَهُ“ اگر زقوم کے عرق کا ایک قطرہ بھی دنیا والوں پر پڑکا دیا جائے تو ان کی زندگی برباد ہو جائے گی تو (سوچو) اس کا کیا حال ہوگا جس کا کھانا ہی یہ درخت ہوگا۔

زَقُومٌ جیسا ایک درخت زمین پر بھی ہوتا ہے جسے تھوڑا کہا جاتا ہے یہ خود رو، نہایت کڑوا اور زہریلا ہوتا ہے۔ جنگلوں اور پہاڑوں میں پایا جاتا ہے۔ اس کو جانور تک نہیں کھاتے چاہے وہ کتنے ہی بھوکے ہوں۔ جہنمیوں کو بھوک کی حالت میں یہی درخت کھلایا جائے گا۔ مزید برآں یہ کہ بطور مشروب کھولتا ہوا پانی ملے گا۔

وَإِنَّ لِلظَّالِمِينَ شَرًّا مَّاءٍ ۖ جَهَنَّمَ ۖ يَصْلَوْنَهَا فَيُشْسِ الْإِبْهَادُ ۖ هَذَا فَلْيَذُوقُوهُ  
حَبِيمٌ ۖ وَغَسَّاقٌ ۖ وَآخَرُ مِنْ شَكْلِهِ أَزْوَاجٌ ۖ هَذَا فَوْجٌ مُّقْتَحِمٌ مَّعَكُمْ ۖ لَا مَرْحَبًا  
بِهِمْ ۖ إِنَّهُمْ صَالُوا النَّارِ ۖ قَالُوا بَلْ أَنْتُمْ ۖ لَا مَرْحَبًا بِكُمْ ۖ أَنْتُمْ قَدْ مُسِّوهُ لَنَا ۖ  
فَيُشْسِ الْقَرَامُ ۖ قَالُوا إِنْ بَنَّا مَنْ قَدَّمَ لَنَا هَذَا فَرِذَّةٌ عَذَابًا ضِعْفًا فِي النَّارِ ۖ وَقَالُوا  
مَا لَنَا لَا نَرَىٰ رِجَالًا كُنَّا نَعُدُّهُمْ مِنَ الْأَشْرَارِ ۖ أَتُخَذُنَّهُمْ سِخْرِيًّا أَمْ ذُاعَتْ عَنْهُمْ  
الْأَبْصَارُ ۖ إِنَّ ذَٰلِكَ لَحَقٌّ تَخَاصُمُ أَهْلِ النَّارِ ۖ (ص: ۵۵-۶۴)

اور یقیناً سرکشوں کے لئے برا ٹھکانہ ہوگا (یعنی) جہنم وہ اس میں داخل ہوں گے تو یہ کتنا تکلیف دہ بچھونا ہے یہ کھولتا پانی اور پیپ ہے پس چاہئے کہ وہ اسے چکھیں (پئیں) اور اس کے علاوہ اسی طرح کا دوسرا عذاب ہے یہ (لو) دوسری فوج گھس رہی ہے تمہارے ساتھ انہیں کوئی خوش آمدید نہیں بیشک وہ (بھی) ضرور آگ تاپنے والے ہیں (جہنمی) کہیں گے تمہیں کوئی خوش آمدید نہ ہو تم نے ہی ہمارے لئے اس عذاب کو آگے کیا پس یہ بہت ہی برا ٹھکانہ ہے (اور کہیں گے) اے ہمارے رب جس (بد بخت) نے یہ عذاب ہمارے لئے آگے کیا ہے پس اس کا عذاب آگ میں دوگنا بڑھا دے (اور) کہیں گے ہمیں وہ لوگ (یہاں) کیوں نظر نہیں آرہے جنہیں ہم برے لوگوں میں شمار کرتے تھے (اور) ہم جن کا مذاق اڑایا کرتے تھے یا ان کی طرف سے ہماری آنکھیں پھر گئی ہیں یقیناً یہ سچ ہے کہ دوزخی آپس میں جھگڑیں گے۔

إِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا ۖ لِلظَّالِمِينَ مَأْبَأٌ ۖ ثُبُثِينَ فِيهَا أَحْقَابًا ۖ لَا يَذُوقُونَ  
فِيهَا بُرْدًا ۖ وَلَا شَرَابًا ۖ إِلَّا حَبِيمًا ۖ وَغَسَّاقًا ۖ جَزَاءً ۖ وَفَاقًا ۖ (النبا: ۲۱-۲۶)

بیشک جہنم منتظر ہے (کفار کا) (یہ) سرکشوں کا ٹھکانا ہے (وہ) اس میں سالہا سال (ہمیشہ) پڑے رہیں گے وہ نہ چکھیں گے اس میں کوئی ٹھنڈی چیز نہ پانی سوائے کھولتے پانی اور پیپ کے (یہ ہے ان کے گناہوں کی) پوری سزا۔

غَسَّاقِ نہایت گندے بدبودار مواد کو کہتے ہیں جسے پیپ کہا جاتا ہے۔ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے غَسَّاقِ کی شدید بدبو کو بیان کرتے ہوئے فرمایا ”لَوْ أَنَّ دُلُومًا مِّنْ غَسَّاقٍ يُهْرَاقُ فِي الدُّنْيَا لَآتَنَ أَهْلُ الدُّنْيَا“ اگر غَسَّاقِ کا ایک ڈول دنیا میں بہا دیا جائے تو دنیا والے سارے بدبودار ہو جائیں۔

اللہ رب العزت جل مجدہ نے جہنم کے ہولناک عذاب کو متعدد نام دیے ہیں جن میں سے چند یہ ہیں: عذاب الیم، عذاب عظیم، عذاب یوم عقیم، عذاب مقیم، عذاب الحریق، عذاب غلیظ، عذاب یوم عظیم، عذاب مہین، عذاب یوم محیط، عذاب یوم الظلہ، عذاب السُموم، عذاب السَّعیر، عذاب شدید، عذاب قریب، عذاب الاکبر، سُوءُ الْعَذَابِ، عذاب الخلد۔ یہ تمام الفاظ عذاب کی ہولناکی اور شدت کو واضح کر رہے ہیں۔

اے ایمان والو! کفار و مشرکین تو جہنم کے ہولناک عذاب کا حال پڑھتے رہتے ہیں لیکن ان کے پاس نہ تو بصارت والی آنکھیں ہیں نہ حق کو سننے والے کان اور نہ ہی حق کو سمجھنے والے دل اسی لئے وہ کوئی اثر قبول نہیں کر پاتے بلکہ اللہ کے بیان کردہ ان حقائق کا مزید انکار کرتے ہیں۔ ہاں اللہ کا شکر ہے کہ اس نے ہمارے دلوں کو نور ایمان سے منور و روشن کیا ہے اسی لئے جب ہم جنت کی نعمتوں کا حال پڑھتے ہیں تو تڑپ اٹھتے اور اس میں داخل ہونے کے لئے مضطرب ہو جاتے ہیں۔ یہ دنیا اور اس کی تمام نعمتیں ہمیں ہیچ معلوم ہونے لگتی ہیں اور جہنم کے دردناک و ہولناک عذاب پر غور کرتے ہیں تو خوف الہی سے ہمارے دل کانپنے لگتے اور جسم کا رونکلا، رونکلا کھڑا ہو جاتا ہے لیکن یہ کیفیت اسی وقت مفید ہو سکتی ہے جب ہم اپنے گناہوں سے توبہ کریں۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر زندگی بسر کریں تو ہم یقیناً جہنم کی سزا سے نجات حاصل کر سکتے ہیں کہ جہنم کا تو معمولی عذاب بھی ناقابل برداشت ہوگا۔ میرے آقا ﷺ بتاتے ہیں ”إِنَّ أَهْلَ النَّارِ عَذَابًا مِّنْ لَهُ نَعْلَانِ وَشِرَاكًا مِّنْ نَّارٍ“ جہنم کا سب سے کم عذاب اس شخص کو ہوگا جسے جہنم کی آگ کے دو جوتے اور دو تسمے پہنائے جائیں گے۔ ”يَغْلِي مِنْهُمَا دِمَاعُهُ كَمَا يَغْلِي الْمَرْجُلُ“ ان دونوں سے اس کا دماغ ہانڈی کی طرح کھولے گا۔ ”مَا يَرَى أَنَّ أَحَدًا أَشَدُّ مِنْهُ عَذَابًا وَإِنَّهُ لَأَهْوَنُهُمْ عَذَابًا۔“ وہ نہیں سوچے گا کہ اس سے بہت سخت عذاب کسی کو ہو رہا ہوگا حالانکہ اس کا عذاب سب سے ہلکا ہوگا۔ اللہ محفوظ رکھے۔

پس دوستو! ہمیں وہ تمام بد عملیاں قرآن و حدیث میں تلاش کرنا چاہیں جو مؤمن ہوتے ہوئے بھی ہمارے لئے عذاب جہنم کا سبب بن سکتی ہیں مثلاً میرے آقا ﷺ نے واضح طور پر بتایا کہ ”الرَّاشِي وَالْمُرْتَشِي كِلَاهُمَا فِي النَّارِ“ کہ رشوت دینے اور لینے والا دونوں جہنم میں ہوں گے۔ ایسی ہی اور بے شمار بد عملیاں ہیں جو آج ہماری زندگی کا حصہ بن چکی ہیں جبکہ ہم قرآن کریم کو پڑھتے بھی ہیں سنتے بھی ہیں۔ جنت کا ذکر ہو تو خوش بھی ہوتے ہیں جہنم کا ذکر ہو تو کانپنے بھی لگتے ہیں لیکن ہمارے دل اتنے سخت ہو چکے ہیں اور ہم پر بد عملی کا اتنا زنگ چڑھ چکا ہے کہ ہمیں اپنے اعمال کا جائزہ لینے اور برائیوں سے بچنے کی کبھی توفیق نہیں ہوتی۔ پس ہمیں اللہ ہی سے دعا کرنا چاہئے کہ وہ ہمارے دلوں میں اپنے کلام کا ایسا اثر پیدا فرما

دے جو اعمال کی درستگی اور گناہوں سے توبہ کا ذریعہ بن جائے۔

”وَمِنْهُمْ مَنْ يَسْتَمِعُ إِلَيْكَ“ اور ان میں کچھ ایسے ہیں جو کان لگائے رکھتے ہیں آپ کی طرف یہ ان منافقین کا حال بیان کیا جا رہا ہے جو دربار رسالت مآب ﷺ میں اہل ایمان کے ساتھ موجود ہوتے تھے اور آپ کے ارشادات بغور سنتے رہتے تھے لیکن پھر بھی مجلس سے باہر آ کر ازراہ تمسخر یا بطور اظہارِ لا پرواہی صحابہ کرام سے کہا کرتے تھے کہ ذرا بتائیے تو سہی یہ صاحب کیا کہہ رہے تھے ان کی باتیں ہماری سمجھ میں تو نہیں آئیں۔ ان کی اس لا پرواہی اور دین سے دوری کا انجام یہ ہوا کہ اللہ رب العزت جل مجدہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی اور یہ ساری زندگی خواہشات نفس کی پیروی کرتے رہے انہیں کبھی تلاش حق کی توفیق نصیب نہ ہو سکی کہ سنت الہیہ یہی رہی ہے کہ جان بوجھ کر حق سے منہ پھیرنے والوں کو وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہدایت سے محروم کر دیتا ہے اور جہنم کو ان کا ٹھکانہ بنا دیتا ہے جبکہ ان لوگوں پر اللہ کرم فرماتا ہے جو متلاشی حق ہوتے ہیں کہ ان کے لئے راہ حق پر چلنا، دین کی پابندی کرنا آسان کر دیتا ہے۔ ان کے دل و دماغ کو ایسا روشن و منور کر دیتا ہے کہ وہ تاریکیوں کو چھانٹتے ہوئے بآسانی اپنی منزل کی طرف بڑھتے رہتے ہیں نیز مکر شیطان، گناہوں اور برائیوں سے رب کریم انہیں بچاتا رہتا ہے۔ ”وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مِنْ أَمْرِهِ يُسْرًا“ جو اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے کام کو آسان کر دیتا ہے۔ سورہ انعام کی یہ آیت غور طلب ہے ”فَمَنْ يُرِدِ اللَّهُ أَنْ يَهْدِيَهُ يَشْرَحْ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ“ اور جس (خوش نصیب) کے لئے اللہ ارادہ فرماتا ہے کہ اسے ہدایت دے تو کشادہ کر دیتا ہے اس کا سینہ اسلام کے لئے۔ یعنی جب اللہ اپنے فضل و کرم سے کسی کو ہدایت دینے کا فیصلہ فرما لیتا ہے تو اس کے سینہ کو قبول حق کے لئے کشادہ کر دیتا ہے۔ دین پر عمل کا جذبہ پیدا کر دیتا ہے۔ مفسر قرآن ﷺ سے کسی نے سوال کیا ”كَيْفَ الشَّرْحُ يَا رَسُولَ اللَّهِ“ یا رسول اللہ ﷺ شرح صدر کی کیا کیفیت ہوتی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ”الْإِنَابَةُ إِلَى دَارِ الْخُلُودِ“ انسان آخرت کی طرف مائل ہو جاتا ہے ”وَالْتَّجَافِي عَنْ دَارِ الْغُرُورِ“ اس دنیا سے اس کا دل متنفر ہو جاتا ہے ”وَالِاسْتِعْدَادُ لِلْمَوْتِ قَبْلَ لِقَاءِ الْمَوْتِ“ اور موت آنے سے پہلے وہ موت کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔

اور جو لوگ خود ہی راہ ہدایت کی طرف قدم نہیں اٹھاتے بلکہ اپنی ضلالت و گمراہی ہی میں مست رہتے ہیں اور گناہوں کی دلدل سے نکلنے کی ذرا بھی کوشش نہیں کرتے ان کے لئے ارشاد ہوتا ہے۔ سورہ انعام میں ہے ”وَمَنْ يُرِدِ أَنْ يُضِلَّهُ يَجْعَلْ صَدْرَهُ ضَيِّقًا حَرَجًا كَأَنَّمَا يَصْعَدُ فِي السَّمَاءِ“ اور اللہ جسے گمراہ کر دینے کا فیصلہ فرما لیتا ہے تو اس کے سینہ کو تنگ اور بہت تنگ کر دیتا ہے (کہ وہ حق کی کوئی بات سمجھ ہی نہیں پاتا اور جب اس سے احکام دین پر عمل کرنے کو کہا جاتا ہے تو اسے اتنا بڑا کام معلوم ہوتا ہے) جیسے اس سے آسمانوں پر چڑھنے کے لئے کہہ دیا گیا ہو اور کفر و شرک تو ہے ہی بدترین غلاظت۔ پس جو بد نصیب اس غلاظت ہی میں زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں انہیں دنیا و آخرت میں صرف نجاست و ناپاکی ہی ملتی ہے۔ ارشاد ہوا سورہ انعام میں ہے ”كَذَلِكَ يَجْعَلُ اللَّهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ“ اسی طرح اللہ ان لوگوں پر ناپاکی ڈال دیتا ہے جو ایمان نہیں لاتے۔



اے ایمان والو! ان آیات پر غور کرنے کے بعد اپنی حالت کا جائزہ لو ہم پر بلاشبہ یہ اللہ کا بڑا احسان ہوا کہ اس نے ہمیں ایمان کی دولت سے سرفراز فرمایا لیکن مؤمن ہونے کے باوجود اگر ہماری حالت، ہمارے اعمال منافقین و کفار جیسے ہو جائیں تو اس سے بڑی ہماری بد نصیبی اور کیا ہو سکتی ہے۔ دنیا کی دولت اور مال و اسباب جس شخص کے پاس موجود ہو اور وہ اس سے فائدہ حاصل نہ کرتا ہو، نہ اچھا کھاتا پیتا اور پہنتا ہونہ رہنے کے لئے اس کو اچھا مکان اور سواری کے لئے اچھی گاڑی میسر ہو تو ہم اسے بڑا بد نصیب قرار دیتے ہیں تو اس شخص کو آپ کیا کہیں گے جسے اللہ نے دنیا کی ہر دولت سے بڑی دولت یعنی دولت ایمان سے نوازا ہو اور وہ پھر بھی بد عملی، بد کرداری میں مبتلا ہو۔ وہ احکام شرع کی پابندی کو فرسودہ اور پرانا طریقہ قرار دیتا ہونا صحیحین اور علماء دین کی باتیں اس کی سمجھ میں ہی نہ آتی ہو، جب اسے دین پر عمل کی دعوت دی جائے تو اس پر ایسا بوجھ ہو جیسے اسے آسمان پر چڑھنے کے لئے کہا گیا ہے وہ نئی تہذیب و تمدن کا ایسا فریفتہ ہو کہ اسے دین کی ہر بات ناقابل عمل معلوم ہوتی ہے۔ اس شخص سے زیادہ اور کون بد نصیب ہو سکتا ہے۔ یہ بد نصیب لوگ اگر واقعی مؤمن ہیں تو ان کا ایمان مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے پر ضرور ہوگا اور جو بھی بعث بعد الموت پر یقین رکھتا ہے اسے اپنے اعمال کی جزاء و سزا کی فکر کرنا ضروری ہے کہ مرنے کے بعد وہ دن ضرور آئے گا جب ایک ایک عمل کا حساب ہوگا ”فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ“ پس جس نے ذرہ برابر بھی نیکی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا ”وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ“ اور جس نے ذرہ برابر بھی برائی کی ہوگی وہ اسے بھی دیکھ لے گا۔

بلاشبہ جنت اہل ایمان کی منتظر ہے لیکن اس میں بلا سزا وہی داخل ہو سکیں گے جو متقین ہیں، صالحین ہیں، جن کے دامن دنیا میں گناہوں کے چھینٹوں تک سے پاک و صاف رہے۔ اللہ معاف کرے اگر مؤمن مجرم قرار دیا گیا اور اس کو جہنم کی معمولی سزا بھی بھگتنی پڑی تو وہاں کی معمولی سزا بھی کتنی دردناک ہوگی اس کا اندازہ دنیا کی بڑی سے بڑی سزا کو دیکھ کر بھی نہیں کیا جاسکتا۔ ہاں جو مؤمن اللہ و رسول کے ارشادات کو حق جانتا اور ان پر اسے غور و فکر کی توفیق بھی نصیب ہے وہ بآسانی اندازہ کر سکتا ہے۔

غور کیجئے سورۃ الہمزہ پر جس میں ایسے دولت مند کی سزا کا تذکرہ کیا گیا ہے جو مال و دولت کے گھمنڈ میں مبتلا ہو کر ہر شخص کو حقیر جانتا ہے، طعنہ زنی اور لوگوں کی عیب جوئی اس کی عادت بن گئی ہے۔ آج ہماری نگاہوں میں یہ جرائم، جرائم ہی نہ رہے جبکہ اس کے لئے جس سزا کا اعلان ہو رہا ہے اس سے ان کی سنگینی کا بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ”لَيَبْذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ“ ایسے شخص کو (نہایت ہی ذلت و خواری سے) حُطَمَہ میں پھینک دیا جائے گا اور یہ حُطَمَہ کیا ہے۔ ”نَارُ اللَّهِ الْمُوقَدَةُ“ وہ اللہ کی آگ ہے خوب بھڑکائی ہوئی کہ جس کا اثر صرف جسموں پر ہی نہیں رہے گا۔ ”الَّتِي تَطْلُعُ عَلَى الْأَفْنَدَةِ“ جو دلوں تک جا پہنچے گی کہ اس کی سوزش اور تپش سے دل بھن کر کباب ہو جائیں گے۔ اس آگ کی شدت کا مزید اندازہ لگاؤ کہ ”إِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُّوْصَدَةٌ“ بیشک وہ آگ ان پر بند کر دی جائے گی کہ نہ تو آگ کی تپش اور حرارت کے باہر نکلنے کا کوئی راستہ ہوگا اور نہ ہی ان مجرموں کے لئے اس دردناک عذاب سے بچنے کا کوئی راستہ ہوگا۔ ”فِي عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ“ اس

کے شعلے لمبے لمبے ستونوں کی صورت میں ہوں گے کہ نہ وہ بجھیں گے اور نہ ہی ان کے عذاب میں کمی کی کوئی صورت ہوگی، اللہ محفوظ رکھے۔

غور تو فرمائیے کس قدر سخت عذاب ہے۔ کیا یہ قابل برداشت ہوگا۔ عذاب کی اس شدت کے علاوہ مؤمن کو ہرگز یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ سزا بھگتنے کے بعد جنت میں داخل ہو کہ سزا یافتہ شخص مجرم ہی کہلاتا ہے اور ہمارے معاشرے میں ایسے شخص کی کوئی عزت باقی نہیں رہتی تو جنت کے معاشرے میں اسے کیا عزت مل سکے گی، لہذا

اے ایمان والو! ڈرو اس وقت سے جب اللہ تمہارے مسلسل اور متواتر گناہوں اور دین سے بیزاری کے سبب تمہارے دلوں کو سیل کر دے حتیٰ کہ تم میں قبول حق کی صلاحیت ہی باقی نہ رہے اور چلو توبہ و اعمال صالحہ کی اس راہ پر جو بلا سزا اور بلا داغ جنت تک پہنچا دے۔

”اے اللہ ہماری توبہ قبول فرما اور گناہوں سے ہماری حفاظت فرما، آمین بجاہ شفیع المذنبین۔“

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی خَيْرِ خَلْقِهِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ



## مقالہ ۶۹

## سورہ محمد (علیہ وسلم) : ۳۳ تا ۳۸

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَ أَطِيعُوا الرَّسُولَ وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ ۝ إِنَّ  
 الَّذِينَ كَفَرُوا أَوْ صَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ مَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ ۝  
 فَلَا تَهِنُوا وَتَدْعُوا إِلَى السَّلَامِ ۚ وَ أَنْتُمْ الْأَعْلَوْنَ ۚ وَاللَّهُ مَعَكُمْ وَلَنْ يَتَرَكَكُمْ  
 أَعْمَالَكُمْ ۝ إِنَّمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَلَهُوَ ۚ وَ إِنْ تُؤْمِنُوا وَتَتَّقُوا يُؤْتِكُمْ أَجْرَكُمْ وَ  
 لَا يَسْأَلْكُمْ أَمْوَالَكُمْ ۝ إِنْ يَسْأَلْكُمْوهَا فَيُحْفِكُمْ تَبَخَّلُوا وَ يُخْرِجْ أَصْعَانَكُمْ ۝ هَآأَنْتُمْ  
 هَؤُلَاءِ تَدْعُونَ لِنُفَقُّوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۚ فَمِنْكُمْ مَنْ يَبْخُلُ ۚ وَمَنْ يَبْخُلْ فَإِنَّمَا يَبْخُلُ  
 عَنْ نَفْسِهِ ۚ وَاللَّهُ الْغَنِيُّ ۚ وَأَنْتُمْ الْفُقَرَاءُ ۚ وَ إِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ  
 لَا يَكُونُوا أَمْثَالَكُمْ ۝

(محمد (ﷺ) : ۳۳-۳۸)

اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ تعالیٰ کی اور اطاعت کرو رسول (مکرم ﷺ) کی اور نہ ضائع کرو

اپنے اعمال کو بیشک جو لوگ خود بھی کفر کرتے رہے اور دوسروں کو بھی روکتے رہے راہ حق سے پھر وہ مر گئے کفر کی حالت میں تو اللہ انہیں ہرگز نہ بخشے گا (ایمان والو) ہمت نہ ہارو اور (کفار کو) صلح کی دعوت نہ دو اور تم ہی غالب آؤ گے اور اللہ تمہارے ساتھ ہے اور وہ تمہارے اعمال (اور کوششوں) کو ضائع نہ ہونے دے گا یہ دنیاوی زندگی تو صرف ایک کھیل اور تماشہ ہے اور اگر تم ایمان لاؤ اور پرہیزگار بن جاؤ تو وہ تمہیں تمہارا اجر عطا کرے گا اور نہ طلب کرے گا وہ تم سے تمہارے مال اگر اللہ تم سے تمہاری (سب) دولت طلب کرے اور اس پر اصرار کرے تو تم بخل کرنے لگو گے اور (یوں) وہ تمہاری ناگواریوں کو ظاہر کر دے گا ہاں تم ہی وہ لوگ ہو جنہیں دعوت دی جاتی ہے کہ (اپنے مال) خرچ کرو اللہ کی راہ میں پس تم میں سے کچھ بخل کرنے لگتے ہیں اور جو بخل کرتا ہے تو وہ اپنی ہی ذات سے بخل کرتا ہے اور اللہ تو غنی ہے اور تم اس کے محتاج ہو اور اگر تم روگردانی کرو گے تو وہ تمہاری جگہ دوسری قوم لے آئے گا پھر وہ تم جیسے نہ ہوں گے۔

اللہ رب العزت جل مجدہ اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے غلاموں پر کس قدر مہربان ہے کہ انہیں مختلف انداز سے اپنی اور اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اطاعت و فرمانبرداری کی طرف بلاتا اور دعوت حق دیتا ہے۔ نیز ان کی ہمت افزائی کے لئے ان کی نصرت و حمایت کے وعدے فرماتا ہے اور غلبہ و کامرانی کے پرست مرتدے سناتا ہے۔ کفار کی نامرادی اور ذلت و خواری کی یقین دہانی کراتا ہے تاکہ اہل ایمان کسی موقع پر بھی اپنے آپ کو بے سہارا اور کمزور نہ جانیں اور کبھی کفار کی کثرت، مادی و ظاہری طاقت سے مرعوب ہو کر ان کے سامنے نہ جھکیں۔ سورہ محمد (ﷺ) کی مندرجہ بالا آیات پر غور کیجئے۔ اپنے مقدر پر ناز کیجئے اور اپنے اعلیٰ و ارفع مقام کو پہچانئے۔

### اطاعت ذریعہ کامیابی ہے

یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ غلام کی کامیابی و کامرانی کا واحد ذریعہ مالک کی اطاعت و فرمانبرداری ہی ہے کہ ہر مالک اپنے غلام کو اسی وقت نوازتا ہے جب غلام اس کا مطیع و فرمانبردار ہوتا ہے۔ باپ، بیٹے پر اپنی ہر چیز قربان کرنے کے لئے تیار رہتا ہے لیکن اس صورت میں جبکہ بیٹا، باپ کا حکم مانے اور اپنی اطاعت سے اسے خوش رکھے اور اگر بیٹا باغی ہو جائے تو باوجود محبت کے باپ اسے عاق کر دیتا ہے۔ فوج کی کامیابی کا بنیادی سبب صرف افسر اعلیٰ، کمانڈر اور قائد کی اطاعت ہی ہے اور یہ اطاعت شعار سپاہی صرف کامیابی سے ہی سرخرو نہیں ہوتے بلکہ انہیں افسر اعلیٰ کی طرف سے انعام و اکرام سے بھی نوازا جاتا ہے کہ انہیں مختلف قسم کے تمغے دیئے جاتے ہیں۔ ان کی تنخواہوں میں اضافہ کیا جاتا ہے اور یہ دیگر بے شمار مراعات کے حقدار قرار پاتے ہیں حتیٰ کہ جانور بھی اپنے مالک کی مہربانیوں کا حقدار اسی وقت تک رہتا ہے جب تک وہ اپنے مالک کے اشاروں پر چلتا رہتا ہے۔ کتا جس کا پالنا مختلف وجوہ کی بناء پر مسلمانوں کے لئے حرام قرار دیا گیا ہے۔ غیر مسلموں میں نہایت مقبول جانور ہے صرف اور صرف اپنی وفاداری کی وجہ سے لیکن جب یہ وفادار و پسندیدہ جانور مالک کی حکم عدولی کرنے لگتا

ہے۔ مالک پر، مالک کے اہل خانہ یا مالک کے احباب پر بھونکنے لگتا ہے انہیں کاٹنے کے لئے لپکنے لگتا ہے یا شکاری کا کتا شکار میں خیانت کرنے لگتا ہے تو مالک اسے گولی مار دیتا ہے کہ جب وہ وفادار ہی نہ رہا تو کسی کام کا نہ رہا۔

مومن اللہ کا بندہ ہے جس نے اللہ ہی کے حکم سے رسول کی غلامی کا طوق اپنی گردن میں ڈالا ہے پس اللہ ہم سے مطالبہ فرماتا ہے ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ“ اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو۔ قرآن کریم میں متعدد بار دعوتِ اطاعت دی گئی ہے لیکن کسی ایک مقام پر صرف اللہ کی اطاعت کا حکم نہیں اللہ کی اطاعت کے ساتھ رسول کی اطاعت کا حکم ضرور موجود ہے۔ وجہ ظاہر ہے کہ تمام احکام شرع رسول ہی کی وساطت سے ہمیں دیئے گئے اور ان پر عمل کا طریقہ رسول ہی کی معرفت سکھایا گیا۔ پس جب تک رسول کی اطاعت نہ ہوگی اللہ کی اطاعت ممکن نہیں۔ اسی لئے وحی الہی ایک موقع پر رسول کی اطاعت کو ہی اللہ کی اطاعت قرار دیتی ہے۔ سورہ نساء میں ہے فرمایا گیا ”وَمَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ“ جس نے رسول کی اطاعت کی تو اس نے یقیناً اللہ ہی کی اطاعت کی جبکہ نہ تو صرف اللہ کی اطاعت ممکن ہے اور نہ ہی مطلوب الہی ہے۔

دین و دنیا میں کامیابی کا واحد یقینی ذریعہ اللہ و رسول کی اطاعت ہی ہے۔ سورہ النور کی آیت ہے ”وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَخْشِ اللَّهَ وَيَتَّقِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ“ جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتا ہے اور ڈرتا رہتا ہے اللہ سے اور بچتا رہتا ہے اس (کی نافرمانی) سے تو یہی لوگ کامیاب ہیں۔ اس ارشاد باری تعالیٰ کی وضاحت کرتے ہوئے صاحب قرآن رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ”جو شخص فرائض میں اللہ کی اطاعت کرتا ہے اور سنتوں میں اس کے رسول کی پیروی کرتا ہے اور ماضی میں وہ جو غلطیاں کر چکا ہے ان کی وجہ سے وہ اللہ سے ڈرتا رہتا ہے اور آنے والی زندگی میں تقویٰ اختیار کرتا ہے یہی لوگ کامیاب ہیں اور کامیاب وہ ہے جسے جہنم کی آگ سے آزادی نصیب ہوگئی اور جنت میں داخل کر دیا گیا۔ سورہ احزاب میں ہے ”وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا“ جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتا ہے تو وہی بڑی کامیابی حاصل کرتا ہے۔ سورہ آل عمران ہے ”وَاطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ“ اور اطاعت کرو اللہ کی اور رسول کی تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ یعنی بارانِ رحمت کے نزول کا سبب اللہ و رسول کی اطاعت ہی ہے۔

ان آیات کا مفہوم یہ ہے کہ اطاعت و فرمانبرداری ہی کامیابی و کامرانی یعنی عزت و آبرو اور باوقار و بارعب زندگی اور دشمن پر غلبہ کا ذریعہ ہے اور اطاعت شعار لوگوں ہی پر اللہ رحم فرماتا ہے کہ انہیں ہر قسم کے مصائب و آلام سے نجات نصیب ہوتی ہے۔ باہمی اختلافات اور قومی انتشار ختم ہو جاتا اور پرسکون زندگی میسر آتی ہے نیز آخرت میں وہ جہنم کی آگ سے آزاد کر دیئے جاتے اور جنت کے حقدار قرار پاتے ہیں۔ پس اہل ایمان و ہر حال میں اللہ اور اس کے رسول کا مطیع فرمانبردار بننا چاہئے۔

اے ایمان والو! اللہ و رسول کی اطاعت و فرمانبرداری پر ثابت قدم رہو اور ”وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ“ اور کسی حال میں بھی اپنے اعمال کو ضائع اور برباد نہ ہونے دو۔ اعمالِ صالحہ کے غیر موثر اور باطل ہونے کی تین صورتیں ہیں ایک یہ کہ مومن العیاذ باللہ مرتد ہو جائے تو حالتِ ایمان میں اس نے جو نیکیاں کی تھیں وہ سب ضائع اور برباد ہو جائیں گی کہ عملِ صالح

کانتیجہ اور اثر ایمان سے متعلق ہے کہ بغیر ایمان کے کوئی نیک کام نہ تو مقبول ہے اور نہ اس پر کوئی اجر و ثواب ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ نیکی کے ساتھ کوئی ایسا برا کام کیا جائے جو نیکی کے فائدے اور اثر کو ضائع کر دے کہ بعض نیکیاں بعض برائیوں سے برباد اور باطل ہو جاتی ہیں مثلاً جو کام ریا، و نمود کے لئے کئے جائیں ان کے متعلق قرآن کریم سورہ ہود میں وضاحت موجود ہے کہ ایسے کاموں کا دنیا میں وہ اجر تو ضرور ملے گا جس کے حصول کے لئے یہ کام کئے گئے۔ زکوٰۃ دینے والوں نے زکوٰۃ دی مگر اس لئے کہ لوگ انہیں بڑا سخی اور دولت مند کہیں، یتیم خانے، ہسپتال اور مدارس وغیرہ قائم کئے تاکہ انہیں شہرت حاصل ہو۔ رفاہ عامہ کے بہت کام کئے مگر صرف اس لئے کہ عوام ان کی عزت کریں وقت آنے پر انہیں اپنے دوٹوں سے اپنا نمائندہ منتخب کریں تو دنیا میں ان کے مقاصد ضرور پورے ہوں گے رہا معاملہ آخرت میں اجر و ثواب کا تو بتایا گیا ”أُولَئِكَ الَّذِينَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ إِلَّا النَّارُ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوا فِيهَا وَبِطُلَّ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ“ یہی وہ لوگ ہیں جن کے لئے آخرت میں سوائے آگ کے کچھ نہیں دنیا میں وہ جو کچھ کرتے رہے ضائع ہو گیا اور مٹ گیا باطل ہو گیا ریا و نمود نے ان کے اعمال کو باطل کر دیا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ریاکاروں کے متعلق فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان سے فرمائے گا ”صُمِّمْتُمْ وَصَلِّتُمْ وَتَصَدَّقْتُمْ وَجَاهَدْتُمْ وَقَرَأْتُمْ لِيُقَالَ ذَلِكَ فَقَدْ قِيلَ ذَلِكَ“ تم نے روزے رکھے اور تم نے نمازیں پڑھیں تم نے صدقہ و خیرات کیا اور تم نے جہاد کیا اور تم نے تلاوت قرآن کریم کی صرف اس لئے کہ ان اعمال کے تعلق سے تمہارا نام لیا جائے تمہاری عزت و شہرت ہو تو یہ سب تمہیں دے دیا گیا۔ پس آج تمہارے لئے کچھ نہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اس حدیث کو بیان کرتے ہوئے رونے لگے اور فرمایا کہ انہیں لوگوں سے دوزخ کی آگ بھڑکائی جائے گی۔ نیز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ”يَقُولُ اللَّهُ لَهُمْ يَوْمَ يُجَازَى الْعِبَادَ إِذْهَبُوا إِلَى الَّذِينَ كُنْتُمْ تُرَاوْنَ فِي الدُّنْيَا فَاَنْظُرُوا هَلْ تَجِدُونَ عِنْدَهُمْ جَزَاءً أَوْ خَيْرًا“ جس دن اللہ تعالیٰ بندوں کو ان کے اعمال کا بدلہ دے گا تو ریاکاروں سے فرمائے گا ان لوگوں کے پاس جاؤ جنہیں تم دنیا میں اپنے اعمال دکھاتے تھے دیکھو کیا ان کے پاس تمہارے لئے کوئی جزاء یا بھلائی ہے۔

ریا، و نمود کا سب سے زیادہ خیال انسان کو صدقہ و خیرات کے موقع پر آتا ہے وہ کبھی تو اپنی دولت خرچ کر کے لوگوں پر احسان جتاتا ہے اور کبھی ان پر طعنہ زنی کر کے انہیں تکلیف پہنچاتا ہے اور یہ خیال تک نہیں کرتا کہ وہ کس قدر بیوقوف ہے کہ اس نے اپنی دولت بھی خرچ کی اور خود ہی اپنی اس نیکی کو احسان و ایذا سے باطل کر دیا، مٹا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے خصوصی طور پر اس کی ممانعت کرتے ہوئے فرمایا سورہ بقرہ میں ہے ”لَا تُبْطِلُوا صَدَقَاتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْأَذَى“ اپنے صدقوں کو احسان جتا کر اور دکھ پہنچا کر ضائع نہ کرو۔

غرضیکہ ریا، و نمود سے اعمال صالحہ ضائع ہو جاتے ہیں باطل اور برباد ہو جاتے ہیں قیامت میں ایسے لوگوں کے لئے کوئی اجر و ثواب نہیں رہتا اور تیسری صورت اعمال صالحہ کے باطل و ضائع ہونے کی یہ ہے کہ انسان نیک کام کرے لیکن اس

میں شرعی احکام کی پابندی کا خیال نہ رکھے مثلاً نماز تو پڑھی جائے اور دیگر عبادات کی پابندی کی جائے اور ان پابندیوں کا لحاظ نہ کیا جائے جو ان کی قبولیت کا ذریعہ ہیں تو ایسے اعمال چاہے کتنے ہی خلوص سے کئے جائیں باطل و ضائع ہو جاتے ہیں۔ یہ بات بالخصوص ان لوگوں کے لئے قابل غور ہے جو شرعی احکام و مسائل پر عمل کو غیر ضروری پابندی خیال کرتے ہیں اپنے خیال اور اپنے نظریہ کے مطابق وہ شریعت سے آزاد ہو کر عبادت کرتے ہیں شاید انہیں یہ معلوم نہیں کہ اطاعت ظاہری اور صوری عبادت کا نام نہیں بلکہ اطاعت اللہ و رسول کی عائد کردہ پابندیاں اختیار کرنے کو کہتے ہیں۔ معلم کامل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عبادات کے جو طریقے تعلیم فرمائے ان پر عمل ہی کا نام اطاعت ہے۔ ایک مرتبہ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے ایک غلام کو نماز پڑھتے ملاحظہ فرمایا کہ انہوں نے نہایت تیزی سے رکوع و سجود کئے نہ قومہ کا پتہ چلا اور نہ قیام کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا ”صَلِّ فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ“ دوبارہ نماز پڑھو کہ تم نے نماز پڑھی ہی نہیں۔ غور فرمائیے نماز تو پڑھی گئی تھی لیکن اس کو محض اس لئے کالعدم قرار دیا گیا باطل قرار دیا گیا کہ نمازی نے شرعی پابندیوں کا کماحقہ لحاظ نہیں کیا تھا، پس

اے ایمان والو! اللہ و رسول کی اطاعت کرو۔ ایمان کے ساتھ، خلوص کے ساتھ اور احکام شرع کی پابندی کے ساتھ کہ اس کے بغیر تمہارا کوئی عمل قابل قبول نہیں ہو سکتا اپنے اعمال کو باطل نہ کرو کہ تم اپنا وقت بھی صرف کرو، دولت بھی صرف کرو اور آخرت میں تمہیں اس کا کوئی اجر و ثواب نہ مل سکے اس سے زیادہ خسارہ و نقصان اور کیا ہو سکتا ہے اللہ پسند نہیں فرماتا کہ اس کے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے غلام آخرت کی نعمتوں سے محروم رہیں اور جہنم کی آگ ان کا ٹھکانہ بنے۔

کفار کے اعمال

جن لوگوں نے کفر کیا اور دوسروں کو بھی اللہ کے احکام تسلیم کرنے سے روکتے رہے اور اسی حالت کفر پر انہیں موت نے آدبوچا۔ ”فَلَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ“ تو اللہ انہیں ہرگز نہ بخشے گا کہ جب ایمان ہی نہیں تو کسی بھی نیک عمل کی نہ تو کوئی حیثیت ہے اور نہ ہی اس کا کوئی اجر و ثواب ان لوگوں کا انجام بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا۔ سورہ محمد (ﷺ) ہی میں ہے ”فَكَيْفَ إِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ يَضْرِبُونَ وُجُوهَهُمْ وَأَذْبَارَهُمْ“ پس ان لوگوں کا کیا حال ہو گا جب فرشتے ان کی روحوں کو قبض کریں گے اور چوٹیں لگائیں گے ان کے چہروں اور پشتوں پر۔ ”ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ اتَّبَعُوا مَا أَسْخَطَ اللَّهَ وَكَرِهُوا رِضْوَانَهُ فَأَحْبَطَ أَعْمَالَهُمْ“ ان کا یہ انجام صرف اس لئے ہوا کہ انہوں نے وہ کام کئے جو اللہ کی ناراضگی کا باعث تھے اور اس کی خوشنودی کو ناپسند کیا اور اس نے (کفر کر کے) اپنے اعمال ضائع کر دیئے۔ سورہ مائدہ ہے ارشاد ہوا ”وَمَنْ يَكْفُرْ بِالْإِيمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَسِرِينَ“ اور جو انکار کرتا ہے ایمان کا تو ضائع ہو گیا اس کا (ہر) عمل اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں ہو گا۔

غرضیکہ کفار کتنے ہی رفاہی کام کریں کتنی ہی نیکیاں کریں سب ضائع ہیں اور وہ خسارے ہی خسارے میں ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں اور متاثر بھی ہوتے ہیں کہ غیر مسلم بڑی نیکیاں کرتے ہیں غریبوں، محتاجوں کی خوب مدد کرتے ہیں، ان کی حکومتیں غریب ممالک کی خوب مدد کرتی ہیں لیکن ہم یہ نہیں سوچ پاتے کہ ان کی تمام نیکیاں اس درخت کے سبز پتوں کی طرح ہیں جس

کی جڑیں نہیں ایسا درخت کتنے دن سرسبز و شاداب رہ سکے گا یقیناً چند دن بعد ہی یہ آگ کا ایندھن بن جائے گا۔ بلاشبہ نیکیاں درخت کے سرسبز پتوں ہی کی طرح ہیں جو اپنے درخت ہی کو نہیں بلکہ اپنی پناہ میں آنے والے جانوروں تک کو اپنے سایہ میں پناہ دیتی ہیں۔ اگر یہ درخت جزوالایعنی ایمان والا ہے تو اس کا یہ فیض، یہ حسن و جمال کبھی ختم نہیں ہوتا ورنہ یہ ضائع ہو جاتا ہے، بیکار ہو جاتا ہے۔

کفار سے صلح

مؤمن تو اس درخت کی طرح ہے جس کی جڑیں نہایت ہی مضبوط ہیں۔ اس پر کبھی پت جھڑا اور خزاں کا موسم نہیں آتا وہ سدا بہار رہتا ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ ”فَلَا تَهِنُوا“ پس ہمت نہ ہارو تم کیوں ہمت ہارتے ہو ہمت تو وہ ہارے جس کی جڑوں نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا ہو اور ہواؤں کے معمولی تھپیڑوں سے اسے خطرہ لاحق رہتا ہو۔ تمہاری جڑیں تو بہت مضبوط ہیں ہر طوفان کے مقابلہ پر بلا خوف و خطر ڈٹے رہو، کفر کی آندھی کتنی ہی زبردست چلے پروانہ کرنا اور ہرگز ہرگز اس سے مصالحت کی پیشکش کر کے اپنی کمزوری کا مظاہرہ نہ کرنا کہ ظاہری وسائل اور قوت پر گھمنڈ کرنے والوں کو صلح کی پیشکش کرنا ان کے سامنے گھٹنے نیک دینے اور اپنی کمزوری کا اعتراف کر لینے کے مترادف ہے کیونکہ طاقت و قوت والے رب کا تم سے وعدہ ہے۔ ”وَأَنْتُمْ الْأَعْلَوْنَ“ کہ تم ہی غالب ہونے والے ہو یہ طوفان گزر جائے گا اور تمہارا بال بھی بیکار نہ ہو گا نہ ڈرو۔ ”وَاللَّهُ مَعَكُمْ“ اللہ تمہارے ساتھ ہے اس کی نصرت و حمایت تمہارا مقدر بن چکی ہے جس کے ساتھ اللہ ہے اس سے زیادہ مضبوط اور طاقتور کون ہو سکتا ہے کفر کے اس طوفان کی کیا حقیقت ہے۔ پس ہمت نہ ہارو یقین رکھو کہ ”وَلَنْ يَتْرُكَكُمْ اَعْمَالُكُمْ“ کہ اللہ تمہارے اعمال کو ضائع نہ ہونے دے گا۔

اسی اصول کو اپناتے ہوئے اور اسی وعدہ الہی پر یقین کامل رکھتے ہوئے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور ہمارے اسلاف نے ظاہری وسائل اور مادی قوت نہ ہوتے ہوئے بھی ڈٹ کر دشمن کا مقابلہ کیا۔ کسی حال میں اور کبھی بھی ہمت نہ ہاری۔ انجام کار اللہ نے اپنا وعدہ پورا کیا ان کی مساعی کو ضائع نہ ہونے دیا۔ جس کا ثبوت اسلام کا وجود ہے جو ہم تک صرف اسی لئے پہنچ سکا کہ اسلاف ڈٹ کر کفر کا مقابلہ کرتے رہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو پہلی جنگ غزوہ بدر ہی میں اسلام کا نام مٹا دیا گیا ہوتا کہ یہی تو کفار کا مقصد تھا۔

اسی اصول کو پس پشت ڈال کر آج ہمارے حکام ذرا ذرا سی بات پر کفار کے سامنے گھٹنے ٹیک دیتے اور ان سے صلح کی بھیک مانگنے لگتے ہیں وہ اللہ کے تمام وعدوں کو بھول بیٹھے ہیں۔ انجام کار دشمن ہم پر دندنا رہا ہے اور ہم بلوں میں گھسے جا رہے ہیں۔ دشمن چاہتے ہوئے بھی ہم سے صلح نہیں کرتا بلکہ وہ اپنی چال بازی سے ہمیں ہی صلح میں پہل کرنے اور اس کی پیشکش کرنے پر مجبور کرتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ صلح کی پیشکش درحقیقت کمزوری کا اعتراف اور اعلان ہے جو وہ نہیں کرنا چاہتا اور ہم اس کی چال بازی کا باسانی شکار ہو کر اپنی کمزوری کا اعتراف کر لیتے ہیں۔

اگر ہم اللہ کے وعدوں پر یقین کر کے کسی حال میں بھی صلح کے فارمولے کو نہ اپناتے اور جان کی بازیاں لگاتے



ہوئے آگے بڑھتے رہتے تو پچاس سال قبل ہی کشمیر ہمارا ہوتا نہ ختم ہونے والی جنگ کب کی ختم ہو چکی ہوتی۔ اتنا خون نہ بہا ہوتا جتنا بہہ رہا ہے جبکہ ابھی روزِ اول ہی ہے نہ جانے اور کتنا خون ہے گا دوستو! اگر بغور دیکھا جائے تو سرزمین کشمیر پر پانی سے زیادہ خون کی نہریں بہہ رہی ہیں یہ صرف مکار دشمن سے صلح پسندی کا نتیجہ ہے۔ یہی حال افغانستان، فلسطین، چیچنیا اور بوسنیا کا ہو رہا ہے ہر جگہ صلح کی پیشکش نے دشمن کی نظروں میں ہمیں اتنا کمزور کر دیا ہے کہ وہ جب چاہتا ہے جہاں چاہتا ہے ہم پر حملہ آور ہو جاتا ہے یا ہمیں دہشت گرد قرار دینے لگتا ہے۔ اب تو نوبت بایں جا رسید کہ ہم سے ہی مطالبہ کیا جاتا ہے کہ ہم اپنی ہی سرزمین پر دینی جماعتوں پر پابندی لگا دیں۔ اللہ مزید ہمت دے عراق و لیبیا کو جس نے فاقوں کی زندگی گزارنا گوارا کر لی لیکن دشمن کے سامنے گھٹنے نہ ٹیکے آج تک صلح کی بھیک نہ مانگی۔ چند سال گزرے کہ ہمیں لیبیا کے دورے کا موقع ملا۔ ہم نے باوجود سخت گرانی، بے روزگاری کے وہاں کے لوگوں کو مطمئن پایا، ان کے چہروں پر ایمان کا نور دیکھا، ان سے گفتگو کے بعد ان کی بلند ہمتی اور بلند عزائم کا اندازہ کیا۔ اللہ ان کے رہنماؤں کو عمر دراز دے اور مزید ہمت دے کہ وہ اللہ کے ارشاد کے مطابق کبھی کمزوری اور اپنی پستی کا اظہار نہ کریں اور اللہ دیگر مسلم حکمرانوں کو بھی ہدایت دے کہ اپنی بد عملی سے توبہ کریں اور دشمن کے خوف سے آزاد ہوں تاکہ پوری امت مسلمہ عزت و آزادی کی زندگی بسر کر سکے۔

### دنیا کی زندگی

”إِنَّمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَلَهْوٌ“ یہ دنیا کی زندگی تو کھیل اور تماشہ ہے۔ یہاں جو کچھ ہوتا ہے بس کھیل و تماشہ کی طرح آنکھوں کے سامنے آتا ہے اور گزر جاتا ہے کوئی اسے دیکھ کر ہنستا اور خوش ہوتا ہے تو کوئی غمزدہ ہوتا اور روتا ہے نہ یہاں کی مسرت و شادمانی کو دوام ہے اور نہ ہی یہاں کا رنج و الم ہمیشہ رہتا ہے۔

قرآن کریم نے اس حقیقت کو متعدد بار دہرایا اور بیان کیا ہے تاکہ ظلوم و جھول انسان اس عارضی کیفیت کو دائمی نہ سمجھ بیٹھے اور جو زندگی ابدی ہے اسے نہ بھولادے، چند آیات ملاحظہ ہوں:

ذُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ  
وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْأَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ۚ ذَٰلِكَ مَتَاعُ الدُّنْيَا ۗ وَاللَّهُ  
عِنْدَٰكَ حُسْنُ الْمَبَٰثِ ۝ (ال عمران: ۱۴)

آراستہ کی گئی لوگوں کے لئے ان کی خواہشوں کی محبت یعنی عورتیں اور بیٹے اور خزانے جمع کئے ہوئے سونے اور چاندی کے اور نشان زدہ گھوڑے اور چوپائے اور کھیتی یہ سب کچھ سامان ہے دنیاوی زندگی کا اور اللہ ہے جس کے پاس اچھا ٹھکانہ ہے۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَٰئِقَةُ الْمَوْتِ ۚ وَإِنَّمَا تُوَفَّقُونَ أُجُورَٰكُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ ۚ فَمَن رَّحِمَ عَنِ  
النَّارِ وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ۚ وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُورِ ۝ (آل عمران: ۱۸۵)

(آل عمران: ۱۸۵)

ہر نفس چکھنے والا ہے موت کو اور پوری مل کر رہے گی تمہیں تمہاری مزدوری قیامت کے دن پس جو شخص بچا لیا گیا جہنم کی آگ سے اور داخل کر دیا گیا جنت میں تو وہ کامیاب ہو گیا اور نہیں ہے دنیا کی یہ زندگی مگر دھوکے میں ڈالنے والا ساز و سامان۔

وَمَا هَذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّا لَهْوٌ وَ لَعِبٌ ۚ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيٰوةُ ۚ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۶۳﴾

(عنکبوت: ۶۳)

اور نہیں ہے یہ زندگی مگر لہو و لعب (تماشہ اور کھیل) اور بیشک آخرت کی زندگی ہی حقیقی (دائم) زندگی ہے کاش وہ (لوگ) اس حقیقت کو جانتے۔

اِعْمُوْا اِنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَ زِيْنَةٌ وَ تَفَاخُرٌ بَيْنَكُمْ وَ تَكَاثُرٌ فِى الْاَمْوَالِ وَ الْاَوْلَادِ ۚ كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهُ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطَامًا ۚ وَ فِى الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۚ وَ مَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانٌ ۚ وَ مَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّا مَتَاعٌ الْغُرُوْرُ ﴿۶۴﴾

(حدید: ۲۰)

خوب جان لو کہ دنیاوی زندگی صرف کھیل اور تماشہ اور (سامان) آرائش ہے اور آپس میں فخر و مباہات ہے اور ایک دوسرے سے زیادہ مال و اولاد حاصل کرنا ہے اس کی مثال یہ ہے کہ بادل برسے اور اچھی لگنے لگی کسانوں کو اپنی (سرسبز و شاداب) کھیتی پھر وہ (یکایک) سوکھنے لگے تو، تو اسے دیکھے کہ اس (کسان) کا رنگ پھیکا پڑ گیا پھر وہ ریزہ ریزہ ہو جائے اور آخرت میں (دنیا پرستوں کے لئے) سخت عذاب ہوگا اور (حق پرستوں) کے لئے اللہ کی بخشش اور خوشنودی ہوگی اور نہیں ہے دنیاوی زندگی مگر صرف دھوکا۔

بے ثباتی دنیا کی مثال

وحی الہی دنیا کے بے ثباتی اور اس کے لہو و لعب ہونے کو ثابت کر رہی ہے۔ جس کو مثال سے بھی واضح کیا گیا کہ مثال انسان کی عقل نارساں کے لئے وضاحت کا ایک اہم ذریعہ ہے۔ سورہ حدید کی آیت میں مثال دے کر واضح کیا گیا کہ دنیا کی بے ثباتی ایسی ہی ہے جیسے بادل سے پانی برس کر کسان کی کھیتی کو سرسبز و شاداب کر دے وہ کسان کے لئے اس قدر پرکشش ہو جائے کہ بس وہ اسی سے اپنا دل بہلاتا رہے اپنی نظروں کو ٹھنڈا کرتا رہے اپنے مستقبل کو اسی سے وابستہ کر لے اسے اس کے ختم ہو جانے یا چھن جانے کا خطرہ تک لاحق نہ ہو اور پھر اچانک ایسا ہو کہ لہلہلاتی کھیتی سوکھنے لگے اب کسان کو خطرہ لاحق ہو وہ اس کو بچانے کے لئے تڑپے لیکن اس کے بس میں کچھ نہ ہو۔ فکر و غم سے اس کا چہرہ زرد پڑ جائے اور کھیتی دیکھتے ہی دیکھتے مرجھا جائے اور ساتھ ہی کسان کی ساری امید بھی پامال ہو جائے۔ یہ دنیا اور اس کا مال و متاع بھی کچھ ایسا ہی ہے کہ بارش کی طرح انسان پر برستا ہے اور اچانک ختم ہو جاتا ہے اور دنیا سے اپنی توقعات وابستہ کرنے والا بیوقوف انسان کف افسوس ملتا رہ جاتا

ہے۔ اس کی ساری امیدیں چکنا چور ہو کر رہ جاتی ہیں کبھی تو یہ آئی ہوئی دنیا اس سے چھین لی جاتی ہے اور کبھی دنیا ملنے کے بعد وہ اس دنیا ہی سے چل بستا ہے۔ اے کاش! وہ اس فانی دنیا سے اپنی توقعات وابستہ کرتا ہی نہیں تو دنیا سے سکون کے ساتھ تو جاتا اس کا نفس نفس مطمئنہ تو ہوتا۔

سورہ یونس میں اس سے بھی واضح ایک مثال بیان کی گئی کہ بارش ہوئی جس سے زمین سرسبز و شاداب ہو گئی ہر طرف ہریالی ہی ہریالی نظر آنے لگی۔ کسانوں کو یقین ہو گیا کہ چند روز بعد زمین کا یہ سونا ہمارا زیور بنے گا۔ دولت سے ہماری جیبیں بھاری ہو جائیں گی لیکن اچانک رات یادن میں ہم نے اپنے حکم سے ان لہلہلاتے کھیتوں کو کھلیان بنا ڈالا اور امیدیں وابستہ کرنے والا مالک کچھ نہ کر سکا۔ ”كَذَلِكَ نَقُصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ“ اسی طرح ہم وضاحت سے بیان کرتے ہیں (اپنی قدرت کی نشانیاں) غور و فکر کرنے والوں کے لئے اگر ذرا بھی غور کیا جائے تو نہایت واضح مثال ہے کہ دنیا کی یہ دولت جب آتی ہے تو بارش ہی کی طرح برستی ہے اسے کمانے والا اپنی قوت بازو پر ناز کرتا ہے اور اس گھمنڈ میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ یہ دولت میری ہے اب میں جو چاہوں گا کروں گا لیکن اچانک اس کی جیب خالی ہو جاتی ہے وہ سر پکڑنے سوچتا ہی رہ جاتا ہے کہ جو کچھ میں نے کمایا آخر وہ آنا فنا کہاں گیا کون لے گیا۔ سارے پروگرام دھڑکے دھڑکے رہ جاتے ہیں اور اگر دولت باقی رہتی ہے تو کبھی ایسا ہوتا ہے کہ پروگرام پر عمل سے پہلے انسان کی آنکھ بند ہو جاتی ہے اور مال یاروں کا ہو جاتا ہے۔

اس دنیا کی پستی و بے قدری کا اندازہ کرنے کے لئے نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس ارشاد پر غور کیجئے۔ راوی ہیں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہ ایک دن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک بکری کے مردہ بچے کے قریب سے گزرے جس کے کان کئے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا تم سے کون اس بچے کو ایک درہم میں خریدنا پسند کرتا ہے۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! ہم اسے کسی چیز کے بدلہ میں بھی لینا پسند نہیں کرتے پس آپ نے فرمایا ”وَاللّٰهُ الدُّنْيَا أَهْوَنُ عَلَيَّ اللّٰهِ مِنْ هَذَا عَلَيْكُمْ“ بخدا اللہ کے نزدیک یہ دنیا اس سے بھی زیادہ بے قیمت ہے جتنا تمہاری نظروں میں یہ بکری کا مردہ بچہ ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا بندہ میرا مال میرا مال کہتا رہتا ہے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اس کے مال میں صرف تین قسم کا مال اس کا ہے۔ ”مَا أَكَلَ فَأَفْنَى“ جو کھا کر ختم کر دیا۔ ”وَمَا لَبَسَ فَأَبْلَى“ اور جو پہن کر پرانا کر دیا۔ ”أَوْ أَعْطَى فَأَفْتَنَى“ جو اللہ کی راہ میں دے کر جمع کر دیا۔ ”وَمَا سَوَى ذَلِكَ فَهُوَ ذَاهِبٌ وَتَارِكٌ لِلنَّاسِ“ اور اس کے سوا جو کچھ ہے وہ سب لوگوں کے لئے چھوڑ کر چلا جانے والا ہے۔

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ”لَوْ كَانَتِ الدُّنْيَا عِنْدَ اللّٰهِ جَنَاحَ بَعُوضَةٍ“ اگر اللہ کی نظر میں دنیا کی قدر و قیمت مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی۔ ”مَا سَقَى كَافِرًا مِنْهَا شَرْبَةً“ تو اس میں سے کافر کو ایک گھونٹ بھی نہ پلاتا۔

اسی لئے میرے آقا ﷺ کا ارشاد ہے۔ راوی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں ”الدُّنْيَا سَجَنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّةُ الْكَافِرِ“ دنیا مسلمان کے لئے قید خانہ ہے اور کافر کے لئے جنت ہے۔

اے ایمان والو! اس بے قدر و قیمت دنیا کے پیچھے پڑنا اس کی محبت میں مبتلا ہونا تمہارے لئے ہرگز ہرگز زریع نہیں دیتا۔ اس سے تمہیں کچھ حاصل نہ ہوگا سوائے اس کے کہ تمہارے اور کافروں کے درمیان کوئی امتیاز نہ رہے گا ہاں۔ ”وَإِنْ تَوَمَّنُوا وَتَتَّقُوا يُؤْتِكُمْ أَجُورَكُمْ“ اگر تم واقعی سچے اور کامل مومن بن جاؤ اور ہر معاملہ میں اللہ سے ڈرنے لگو اس کے احکام کی بجا آوری کرنے لگو تو اللہ تمہیں تمہارے اعمال کا ضرور اجر عطا فرمائے گا کہ تمہاری دنیا بھی پرسکون ہو جائے گی تمہیں حیوۃ طیبہ نصیب ہو جائے گی اور آخرت میں بھی تمہارا مرتبہ و مقام بلند ہو جائے گا اور ”وَلَا يَسْئَلُكُمْ أَمْوَالُكُمْ“ اللہ تم سے تمہاری ساری دولت کا کبھی مطالبہ نہیں فرمائے گا کیونکہ اللہ یہ پسند نہیں فرماتا کہ اس کے مطالبہ کے بعد تم بخل کرو اور تمہاری قلبی ناگواری ثابت ہو جائے کہ دولت سے فطری طور پر انسان کو لگاؤ ہوتا ہی ہے اگر اس سے ساری دولت اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے لئے کہا جائے تو اسے ضرور ناگوار معلوم ہوگا اور وہ بخل و کنجوسی میں مبتلا ہو جائے گا۔ ہر شخص تو ابو بکر صدیق نہیں ہو سکتا کہ اپنے آقا ﷺ کے اشارے پر سارا ساز و سامان اٹھا کر لے آئے اور ان کے قدموں میں ڈھیر کر دے۔

پس اللہ تعالیٰ نے تم سے اپنی راہ میں دولت خرچ کرنے کا مطالبہ کیا ہے لیکن نہایت ہی معمولی کہ سال میں ایک مرتبہ زکوٰۃ فرض کی گئی وہ بھی نہایت معمولی، ضرورت سے زیادہ جمع شدہ مال پر صرف چالیسواں حصہ۔ اس کے علاوہ سال میں ایک مرتبہ قربانی و صدقہ فطر، دیگر صدقات مثلاً مساجد کی تعمیر، مدارس کا قیام، علماء دین کی خدمت، دینی کتابوں کی اشاعت وغیرہ یہ سب تمہاری اپنی مرضی پر موقوف ہیں۔ مزید برآں یہ بھی قابل غور ہے کہ جو کچھ تم اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہو وہ کہاں جاتا ہے۔ اس کا فائدہ کسے ہوتا ہے اگر تم سوچو تو اس سے تمہیں ہی فائدہ ہوتا ہے کہ تمہارے معمولی صدقات سے تمہارے ہی اعزاء و اقارب اور معاشرے کے دیگر ضرورت مند افراد خوش حال ہو جاتے ہیں باعزت ہو جاتے ہیں اور تم پر ان کی کوئی ذمہ داری باقی نہیں رہتی پھر یہ بھی تو سوچو کہ اللہ ان صدقات پر تمہیں اجر و ثواب بھی دیتا ہے اور جو کچھ تم خرچ کرتے ہو دنیا میں بھی وہ تمہیں اس سے زیادہ عطا فرما دیتا ہے۔ غور کرو اللہ نے ہی تمہیں جو دولت عطا فرمائی اس میں سے تم نے اسے کیا دیا۔ افسوس کہ ان معمولی صدقات کی ادائیگی میں بھی تم کنجوسی کرتے ہو تمہیں ان کا ادا کرنا بھی بار آور بوجھ لگتا ہے کہ تم زکوٰۃ مانگنے والوں کو حقیر سمجھتے ہو اپنے دروازے پر بھکاریوں کی طرح ان کی لائیں لگواتے ہو۔ ان پر احسان جتلاتے ہو تو کان کھول کر سن لو۔

بخل

”وَمَنْ يَبْخُلْ فَإِنَّمَا يَبْخُلْ عَنْ نَفْسِهِ“ جو بخل کرتا ہے حقیقت میں وہ اپنی ذات ہی کے لئے بخل کرتا ہے کہ ان تمام صدقات کا فائدہ تمہاری اپنی ذات ہی کو ہوتا ہے پھر بھی تم بخل کرتے ہو تمہیں دولت سے اتنی محبت ہوگئی کہ تم اسے اپنی ذات پر بھی خرچ نہیں کرنا چاہتے پھر آخر تم اس کا کیا کرو گے۔ سنو! اس بخل کا کیا انجام ہوگا۔ اللہ تمہیں بتاتا ہے:

وَلَا يَحْسِبَنَّ الَّذِينَ يَبْخُلُونَ بِمَا أَنشَأَ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ بَلْ هُوَ شَرٌّ

لَهُمْ ۚ سَيُطَوَّقُونَ مَا بَخُلُوا بِهِ يَوْمَ الْقِيَمَةِ ۚ وَ لِلَّهِ مِيرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَ

(آل عمران: ۱۸۰)

اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ۝

اور بخل کرنے والے ہرگز یہ خیال نہ کریں کہ وہ جو بخل کرتے ہیں اس (مال و دولت) میں جو اللہ نے انہیں اپنے فضل و کرم سے دے رکھا ہے کہ یہ بخل ان کے لئے بہتر ہے درحقیقت یہ ان کے لئے بہت ہی برا ہے طوق پہنایا جائے گا انہیں وہ مال جس میں انہوں نے بخل کیا قیامت کے دن۔

الَّذِينَ يَبْخُلُونَ وَيَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُونَ مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ عَلٰٓى مَا يَكْتُمُونَ  
(النساء: ۳۷)

جو خود بھی بخل کرتے ہیں اور لوگوں کو بھی بخل کرنے کا حکم دیتے ہیں اور اللہ نے اپنے فضل و کرم سے انہیں جو کچھ دے رکھا ہے وہ اسے چھپاتے ہیں اور تیار کر رکھا ہے ہم نے کافروں کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب۔

### نخی اور بخیل کا فرق

اللہ نے اپنے فضل و کرم سے جو کچھ دے رکھا ہے اس میں سے صدقات واجبہ تک کی ادائیگی پر ناگواری اور کنجوسی بھلائی نہیں بلکہ وبال جان ہے۔ یہ دولت قیامت کے دن طوق بنا کر گردنوں میں لٹکی بخیل کی ذلت و خواری کا اعلان کر رہی ہو گی۔ نخی اور بخیل کا فرق بتاتے ہوئے اللہ تعالیٰ جل مجدہ فرماتا ہے:

فَأَمَّا مَنْ أَعْطَىٰ وَاتَّقَىٰ ۖ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَىٰ ۖ فَسَنِيْرُهُ لِيُسْرَىٰ ۖ وَأَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنَىٰ ۖ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنَىٰ ۖ فَسَنِيْرُهُ لِيُعْسَىٰ ۖ (اللیل: ۵-۱۰)

جس نے (اللہ کی راہ) میں مال دیا اور ڈرتا رہا اور (جس نے) اچھی بات کی تصدیق کی تو ہم آسان کر دیں گے اس کے لئے آسان راستہ اور جس نے کنجوسی کی اور بے پروا بنارہا اور جھٹلایا اچھی بات کو تو ہم اس کے لئے مشکل راہ آسان کر دیں گے۔

کس قدر واضح فرق ہے نخی اور بخیل میں کہ نخی کے لئے اس کے صدقہ و خیرات کے باعث دنیا و آخرت کے تمام مراحل سہل و آسان کر دیئے جاتے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ”بادروا بِالصَّدَقَةِ فَإِنَّ الْبَلَاءَ لَا يَنْتَحِطُّهَا“ صدقہ دینے میں جلدی کرو کیونکہ بلائیں اس کی وجہ سے سبقت نہیں کرتیں یعنی صدقہ کرنے والے سے اس کی بلائیں آنے سے پہلے ہی دور ہو جاتی ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ”إِنَّ الصَّدَقَةَ لَتُطْفِئُ غَضَبَ الرَّبِّ وَتُدْفِعُ مَوْتَةَ السُّوءِ“ بیشک صدقہ اللہ کے غضب کو بجھا دیتا ہے اور دردناک موت کو دور کر دیتا ہے۔ حضرت مرثد بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے بعض صحابہ کرام سے سن کر بتایا کہ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ”إِنْ ظَلَّ الْمُؤْمِنُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ صَدَقَتَهُ“ کہ قیامت کے دن مؤمن کا سایہ اس کا صدقہ ہوگا۔

غرضیکہ صدقہ سہولت و آسانی کا ذریعہ ہے جبکہ بخل بخیل کو طرح طرح کی الجھنوں اور مشکلات میں مبتلا کرتا ہے قدم قدم پر کٹاؤں کا سامن کرنا پڑتا ہے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد

ہے ”لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ خَبٌّ وَلَا بَخِيلٌ وَلَا مَنَانٌ“ کہ جنت میں مکار، بخیل اور احسان جتانے والے داخل نہ ہوں گے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ”شَرُّ مَا فِي الرَّجُلِ شُعُّ خَالِغٍ وَجُبْنٌ خَالِغٌ“ انسان کی دو عادتیں نہایت ہی بری ہیں، انتہائی بخل اور انتہائی بزدلی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کیا میں تمہیں نہ بتا دوں کہ بدترین شخص کون ہے۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! ارشاد فرمائیے۔ پس آپ نے فرمایا ”الَّذِي يُسْئَلُ بِاللَّهِ وَلَا يُعْطَى بِهِ“ جس سے اللہ کے نام پر سوال کیا جائے اور وہ سائل کو نہ دے۔

آقا ﷺ کے چند ایسے ارشادات ملاحظہ ہوں جن میں آپ نے بخیل و بخیل کا تقابل فرمایا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بتایا کہ جب بندہ صبح کرتا ہے تو دو فرشتے نازل ہوتے ہیں۔ ”فَيَقُولُ أَخَذَهُمَا اللَّهُمَّ أَغْطِ مُنْفِقًا خَلْفًا“ تو ان میں سے ایک کہتا ہے اے اللہ اپنی راہ میں خرچ کرنے والے کو نعم البدل عطا فرما (مزید دولت سے نواز دے) ”وَيَقُولُ الْآخَرُ اللَّهُمَّ أَغْطِ مُمْسِكًا تَلْفًا“ اے اللہ بخیل کے مال کو ہلاک و برباد کر دے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ”السَّخِيُّ قَرِيبٌ مِنَ اللَّهِ قَرِيبٌ مِنَ الْجَنَّةِ قَرِيبٌ مِنَ النَّاسِ“ سخی اللہ سے قریب ہے، جنت سے قریب ہے، لوگوں سے قریب ہے (اس طرح کہ لوگ اس کی عزت کرتے اور اس سے محبت کرتے ہیں) ”بَعِيدٌ مِنَ النَّارِ“ جہنم کی آگ سے دور ہے۔ ”وَالْبَخِيلُ بَعِيدٌ مِنَ اللَّهِ بَعِيدٌ مِنَ الْجَنَّةِ بَعِيدٌ مِنَ النَّاسِ“ اور بخیل دور ہے اللہ سے، دور ہے جنت سے، دور ہے لوگوں سے (کہ وہ کسی کے کام نہیں آتا بوقت ضرورت کسی کی مدد نہیں کرتا تو لوگ بھی اس کی کوئی پروا نہیں کرتے اس کو جانتے پہچانتے تک نہیں ہیں) ”قَرِيبٌ مِنَ النَّارِ“ وہ جہنم کی آگ سے قریب ہے۔ ”وَلَجَاهِلٌ سَخِيٌّ أَحَبُّ إِلَى اللَّهِ مِنْ عَابِدٍ بَخِيلٍ“ اور اللہ کو سخی جاہل زیادہ محبوب ہے بخیل عبادت گزار سے۔ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی روایت ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ”خَصْلَتَانِ لَا يَجْتَمِعَانِ فِي مُؤْمِنٍ الْبُخْلُ وَسُوءُ الْخُلُقِ“ ایک مرد مؤمن میں دو عادتیں جمع نہیں ہوتیں کنجوسی اور بداخلاقی (یہ دونوں عادتیں مؤمن کے شایان شان نہیں)۔

اے ایمان والو! ”وَاللَّهُ الْغَنِيُّ وَأَنْتُمْ الْفُقَرَاءُ“ اور اللہ تعالیٰ تو غنی ہے (کسی کا محتاج نہیں) ہاں تم ہی اس کے محتاج ہو۔ یہ صدقات و خیرات کا اللہ تعالیٰ تم سے اس لئے مطالبہ نہیں فرماتا کہ وہ ان کا محتاج ہے۔ یہ تو حقیقت میں تمہاری احتیاج پوری کرنے اور تمہاری ہی مدد کا ایک ذریعہ ہے کہ تم اللہ کا حکم جان کر بآسانی اللہ کے نام پر اپنی دولت خرچ کر دیتے ہو۔ پس اللہ تمہاری اطاعت کے بدلہ تمہیں دنیا میں بھی اس کا صلہ عطا فرماتا ہے اور آخرت میں بھی تمہیں اس کا اجر و ثواب ملے گا۔ رہی دولت تو تم دیکھتے ہی ہو کہ وہ تمہارے ہی لوگوں کے پاس پہنچتی ہے جس سے ان کی ضروریات پوری ہوتی ہیں تو وہ تم سے محبت کرتے ہیں تمہاری عزت کرتے ہیں بوقت ضرورت تمہاری قوت و طاقت بنتے ہیں۔ وہ خوشحال ہوتے ہیں تو بھی تمہاری عزت ہی ہوتی ہے کہ تم ایک خوشحال معاشرے کی تعمیر کا ذریعہ کہلاتے ہو۔ نیز بھوکوں کی آہ و زاری اور ضرورت مندوں

کی صداؤں سے تمہیں نجات ملتی ہے اور تم پر سکون ماحول میں سانس لیتے ہو۔ سوچو کیا یہ تمام فوائد تمہارے لئے کم ہیں۔ غور کرو تمہاری دولت کا فائدہ تمہیں ہی ہوا یا اس سے اللہ کی کوئی ضرورت پوری ہوئی وہ تو ہر ضرورت سے پاک ہے۔ پس یہ تمہارے ہی مفاد میں ہے کہ تم دین کی پابندی کرتے رہو اور اپنے وسائل سے ہمتن ہو کر دین کی خدمت و اشاعت میں مصروف رہو اگر تم نے ایسا نہ کیا اپنی ذمہ داری پوری کرنے میں تساہل کیا، لا پرواہی اور سستی کی تو جو رب غنی ہے وہ قادر بھی ہے۔

”وَإِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبَدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُونُوا أَمْثَالَكُمُ“ اور اگر تم نے دین سے لا پرواہی اور روگردانی کی تو اللہ اپنے دین کی حفاظت و اشاعت کے لئے تمہاری جگہ دوسرے لوگوں کو لے آئے گا جو تمہاری طرح لا پرواہ اور غیر ذمہ دار نہ ہوں گے۔ اس موقع پر ”ضیاء القرآن“ کا ایک حاشیہ قابل غور ہے۔ حضرت پیر کرم شاہ رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ جس قوم کو اپنے دین کا علمبردار بننے کی سعادت بخشا ہے اور اصلاح عالم کا اہم اور عظیم فریضہ سونپتا ہے جب تک وہ قوم اپنے فرائض کی انجام دہی میں کوشاں رہتی ہے اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت اس کے شامل حال رہتی ہے۔ اس کی ہر تدبیر ہم آہنگ تقدیر ثابت ہوتی ہے اس کا ہر قدم منزل کی طرف اٹھتا ہے اور ہر قسم کی عزتیں اور سرفرازیاں اس پر نچھاور کی جاتی ہیں لیکن جب کوئی قوم اس نعمت کی قدر نہیں کرتی، اللہ کی راہ میں جان دینے سے کتراتے ہے اور مال خرچ کرنے میں بخل سے کام لینے لگتی ہے، اس کی قوت عمل میں کابلی اور سستی کے آثار نمایاں ہونے لگتے ہیں تو اس کو مناسب انداز سے اس کی کوتاہیوں پر متنبہ کیا جاتا ہے اگر پھر بھی وہ اپنی اصلاح نہیں کرتی تو اسے اس منصب جلیل سے ہٹا دیا جاتا ہے اور کسی دوسری قوم کو وہ منصب سنبھالنے کی عزت بخشی جاتی ہے۔ وہ نئی قوم نہ جان کی بازی لگانے میں پس و پیش کرتی ہے اور نہ مال خرچ کرنے میں دریغ کرتی ہے۔

تاریخ گواہ ہے کہ ہمیشہ ایسا ہی ہوتا آیا ہے اور قرآن حکیم کا فیصلہ ہے کہ ہمیشہ ایسا ہی ہوتا رہے گا جو قومیں بلکہ جو افراد اس منصب پر فائز ہیں انہیں اپنے اس منصب کی نازک ذمہ داریوں کا پورا پورا احساس ہونا چاہئے اور انہیں ہر لحظہ چوکنا رہنا چاہئے کہ ادائے فرض میں ان سے کوئی کوتاہی نہ ہونے پائے۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی خَيْرِ خَلْقِهِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## ”سورة الحجرات“

آیات نمبر	مقالہ نمبر
1	70
5ۛ2	71
10ۛ6	72
11	73
12	74





## مقالہ ۷۰

### سورة الحجرات: ۱

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْدِمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ  
عِقَابِهِ ۝ (الحجرات: ۱)

اے ایمان والو! آگے نہ بڑھا کرو اللہ اور اس کے رسول سے اور ڈرتے رہا کرو اللہ سے بیشک اللہ تعالیٰ  
سننے اور جاننے والا ہے

### سورة الحجرات

یہ سورۃ مبارکہ آداب رسول، اور اہل ایمان کے اعتقادات اخلاق و اعمال اور کردار کا ایک باغیچہ ہے، جس کے  
پھولوں کی مہک ایمان کو تازگی، قلب کو فرحت و سرور اور چہرے کو نور و شگفتگی بخشی ہے جبکہ اس کے کانٹے گستاخان رسول،  
بد باظنوں اور بد کرداروں کا مقدر ہیں جو انہیں خواب غفلت سے بیدار کرتے ہیں۔

بحمد اللہ ہم اپنا قلم لئے اس پر بہار گلستان میں داخل ہو رہے ہیں اللہ اپنے حبیب لبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صدقہ

ہمیں ایسا پر بہار کر دے کہ ہم اس کی مہک سے اپنا اور قارئین کا ایمان تازہ کر سکیں ان کے دلوں کو آقائے رحمت ﷺ کی محبت و عقیدت سے لبریز کر سکیں، کہ ان کے اخلاق و عادات انسانیت کے لئے نمونہ بن جائیں ان کے نورانی چہروں کی کشش دعوت حق کا ذریعہ بن جائے، ان سے یہ خاردار دنیا گل گلزار ہو جائے، وہ رسول کی غلامی پر ناز کرنے لگیں، دنیا و آخرت کی نعمتوں کے حقدار بن سکیں، اے اللہ ہمیں وہ صلاحیت و استعداد عطا فرما کہ ہم ان پھولوں کو چن کر تیرے بندوں کی نظر کر سکیں، آمین۔

آئے اے کاش غلامانِ محمد کی طرح

ہر ادا سے مری تسلیم و رضا کی خوشبو

اے ایمان والو! لَا تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ۔ اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو، ایمان کا سب سے پہلا تقاضہ اور اس کی اول ترین تعلیم ادب و احترام ہے کہ بے ادب و گستاخ غلام اپنی انتہائی اطاعت گزاری کے باوجود بھی راندہ درگاہ ہو جاتا ہے، جس کی نظیر انسان کے دنیا میں آنے سے پہلے ہی قائم کر دی گئی، کہ شیطان کی اطاعت شعاری، اس کے علم اور کمال میں کوئی شک نہیں کیا جاسکتا، لیکن اپنی ان تمام خوبیوں کے باوجود صرف ایک بے ادبی اور گستاخی نے اس کو راندہ درگاہ کر دیا، اس کے تمام اعمال اکارت و ضائع ہو گئے، رجیم و ملعون قرار پایا، ”قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَإِنَّكَ رَجِيمٌ“ اللہ نے فرمایا، (اے بے ادب) یہاں سے نکل جا، تو مردود ہے۔ ”وَإِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ إِلَى يَوْمِ الدِّينِ“ اور بلاشبہ تجھ پر قیامت تک لعنت ہے۔

شیطان میں انانیت تھی، تکبر و غرور تھا، جس نے اسے بے ادبی اور گستاخی کا مجرم بنایا، اور اس جرم کی سزا اللہ رب العزت کی طرف سے رجیم و ملعون قرار دیا جانا مقرر ہوئی، پس اللہ یہ گوارا نہیں فرماتا کہ اس کے بندے بے ادب و گستاخ بنیں، شرف انسانیت کی بقا اسی میں ہے کہ انسان اللہ کا ادب و احترام کرے کیونکہ وہ اللہ کا بندہ ہے اور رسول کا ادب و احترام کرے کیونکہ اللہ نے اسے رسول کا غلام بنایا ہے، رسول ہی تو بندگی کے طریقہ سکھاتا ہے، پس اس کے احترام کے بغیر اللہ کے احترام کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ اللہ و رسول کے احترام کے لئے پہلا حکم یہ ہے کہ کسی معاملہ میں اللہ و رسول سے آگے نہ بڑھو، یعنی اطاعت و فرمانبرداری اختیار کرو، اتباع و پیروی اختیار کرو، اپنی مرضی اور خواہش پر عمل نہ کرو۔ یہی تو بندگی ہے یہی تو غلامی ہے اور یہی ذریعہ فوز و فلاح ہے۔

تقدم کی صورتیں

تقدم یعنی اللہ و رسول سے آگے بڑھنے کی دو صورتیں ہیں جو ممنوع قرار دی گئی ہیں پہلی صورت یہ کہ اللہ و رسول کے احکام سے آگے نہ بڑھو، زندگی کے ہر معاملہ کا فیصلہ کرنے سے پہلے اللہ و رسول کے حکم پر غور کرو، نزول قرآن کے دور میں اس حکم کی صورت یہ تھی، کہ صحابہ کرام رضوان علیہم اجمعین اس بات کے پابند تھے کہ زندگی کے کسی معاملہ کا فیصلہ کرنے میں غلبت نہ کی جائے اگر اس معاملہ سے متعلق اللہ اور اس کے رسول کا حکم پہلے سے موجود ہے تو اس پر عمل کیا جائے ورنہ جو مسئلہ بھی پیش آئے اس کے حل کے لئے معلم کامل ﷺ کے دربار میں حاضر ہو کر معلوم کیا جائے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیات ظاہرہ

میں صحابہ نے اس پر عمل کیا، وہ اپنے آقا ﷺ کے دربار میں حاضر ہو کر اپنے مسائل پیش کرتے تھے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام از خود یا نزول وحی کے بعد اس مسئلہ سے متعلق جو حکم صادر فرماتے اس پر عمل کیا جاتا تھا، کبھی ایسا نہ ہوا اور نہ کسی کی مجال تھی کہ وہ تقدم کا جرم کرتا اور اپنی مرضی یا عقل کے مطابق زندگی کے کسی معمولی معاملہ میں بھی کوئی قدم اٹھا لیتا، نزول قرآن کے بعد قیامت تک کے لئے یہ حکم بایں صورت جاری ہے کہ مسلمانوں کو اپنی زندگی کے تمام معاملات میں اللہ و رسول کے احکام کی پابندی اختیار کرنا چاہئے، چاہے وہ انفرادی معاملات ہوں یا اجتماعی چاہے ان کا تعلق عبادات سے سیاست و حکومت سے یا عاقلی و تجارتی امور سے ہو، مسلمان دنیا کے کسی بھی حصہ اور گوشہ میں آباد ہوں اور وہ کسی بھی دور سے گزر رہے ہوں بہر حال وہ پابند ہیں کہ اپنی زندگی کے کسی معاملہ میں مرضی اور عقل کا عمل و دخل نہ ہونے دیں بلکہ صرف اور صرف اللہ و رسول کے احکام پر عمل اختیار کریں، کہ ان کا دین مکمل ہے ہر موقع اور ہر جگہ اور ہر دور کے لئے اس میں رہنمائی موجود ہے۔ بس ضرورت اس امر کی ہے کہ وہ اپنے دین کی تعلیم حاصل کریں حسب ضرورت اسے جانیں اور سیکھیں اور جن معاملات میں انہیں علم دین حاصل نہ ہو ان کے لئے وہ اپنے قوانین گڑھنے نہ بیٹھ جائیں اور اپنی مرضی و عقل کو دین پر مسلط کرنے کی کوشش نہ کریں بلکہ اپنی کم علمی اور جہالت کا اعتراف کرتے ہوئے اہل علم کی خدمات حاصل کریں اور ان سے مدد لیں۔ کہ یہی حکم الہی ہے فرمایا گیا، سورہ نحل ہے: ”وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ إِلَّا رَجُلًا نُوحِيَ إِلَيْهِمْ فَسَلُّوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ۔“ اور ہم نے نہیں بھیجا آپ سے پہلے (رسول بنا کر) مگر مردوں کو، ہم وحی بھیجتے ہیں ان کی طرف، پس دریافت کرو اہل علم سے اگر تم خود نہیں جانتے۔“ وحی الہی کے ذریعہ انسان کی رہبری و راہنمائی کے لئے ہر دور میں انبیاء کرام علیہم السلام کی وساطت سے علم نازل کیا جاتا رہا ہے، دور انبیاء کے لوگ بلا واسطہ انبیاء سے یہ علم حاصل کرتے اور اس پر عمل کرتے رہے، انبیاء نے اپنی امت کو اس علم کا وارث بنایا اور انہیں پابند کیا گیا کہ وہ علم کا نور پھیلاتے رہیں، رشد و ہدایت کی ذمہ داری پوری کرتے رہیں، عام امتی اس بات کے پابند ہیں کہ وہ ان اہل علم سے فیض حاصل کریں جانیں سیکھیں اور جو نہیں جانتے اس کے متعلق سوال کریں، علم کا یہ نور اسی لئے پھیل رہا ہے، یہ شمع علم اسی لئے منور ہے۔ کہ کسی دور میں بھی لوگ اپنی مرضی اور اپنی عقل سے رہنمائی حاصل کرنے پر مجبور نہ ہوں کہ عقل و خواہش کی پیروی ضلالت و گمراہی کا سبب ہوتی ہے۔

یہ اہل ذکر کون ہیں، واضح ہے وہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنی ساری زندگی حصول علم میں صرف کردی۔ ابتداء انہوں نے یہ نور علم بلا واسطہ مخزن علم و عرفان، صاحب وحی ﷺ سے حاصل کیا، جس کی ضیاء باری ہر اس مقام پر ہوتی تھی جہاں رسول رونق افروز ہوتے تھے، اور علم کے پیاسوں کو ہر جگہ ہر لمحہ سیراب ہونے اور اپنی پیاس بجھانے کے مواقع میسر آتے تھے، لیکن بالخصوص یہ شمع علم مسجد نبوی شریف کے ایک چبوترے پر روشن کی جاتی تھی جسے صُفّہ کہا جاتا ہے اور جہاں آج تک علم و عرفان کا نور برستا نظر آتا ہے۔ اس پر نور چبوترے پر دن رات صرف کر کے جن خوش نصیبوں نے علم رسول ﷺ سے اپنے قلوب کو منور کیا، ان میں حضرت ابو ہریرہ، حضرت ربیعہ، حضرت عبداللہ بن ام مکتوم، حضرت خالد بن زید، حضرت مسعود بن ربيع، حضرت بلال، حضرت براء بن مالک، حضرت اوس بن اوس رضی اللہ عنہم مشہور و معروف محدثین ہیں، حضرت علی رضی اللہ

عنه نے فرمایا، نَحْنُ أَهْلُ الذِّكْرِ۔ ہم اہل ذکر ہیں۔ ہم سے پوچھو، ہم تمہاری راہنمائی کریں گے۔

یہ شمع علم رسولؐ، بجھی نہیں نہ بجھنے کے لئے روشن ہوئی تھی، آج تک روشن ہے قیامت تک روشن رہے گی علم و عرفان کا مرکز صفہ بھی موجود ہے۔ وہ منبر موجود ہیں جن سے شمع علم کا نور پھیلتا ہے۔ اس امت پر اللہ کا عظیم احسان ہے کہ اپنے نبی کے علم کے وارثین کا سلسلہ امت میں جاری رکھا ہے جو قیامت تک جاری رہے گا، یہ وارثین علم رسولؐ نامساعد حالات کے باوجود اپنی ذمہ داری پوری کر رہے ہیں اور نور علم کو پھیلانے میں ہمہ وقت مصروف ہیں، یہی اہل ذکر ہیں، یہی اہل علم ہیں یہی امت کے مقتدائی اور رہنمائی ہیں۔ انہیں سے منبر رسولؐ آباد ہیں، انہی کے ذریعہ دین کی بقاء ہے، یہی لوگ ہیں جن سے دین سیکھا اور جانا جاسکتا ہے وہی لوگ اللہ و رسولؐ پر تقدم کے جرم سے محفوظ رہ سکتے ہیں جو ان علماء دین کو اپنا مقتدائی اور رہنمائی تسلیم کریں اور ان کی ہدایت کے مطابق دنیا و دین کے تمام معاملات میں عمل پیرا ہوں۔

ہم مجرم تقدم ہیں

افسوس کہ آج ہم تقدم کے جرم میں ایسے مبتلا ہیں کہ اس کا احساس تک مٹ گیا ہے۔ دین کو صرف عبادات تک محدود کر کے اپنی زندگی کے لئے تمام اصول یا تو خود گڑھ لئے ہیں اور یا غیروں کے اصول زندگی اپناتے ہیں جس کا نتیجہ ظاہر ہے کہ ساری زندگی اللہ و رسولؐ کی نافرمانی کرتے ہوئے نہایت بے چینی اور بے آرامی سے بسر ہوتی ہے۔ ہمارے حکام جن کا کام صرف اللہ و رسولؐ کے احکام کا نفاذ تھا ہمارے لئے احکام گڑھتے اور ہم پر اپنی مرضی اور خواہشات کو مسلط کرتے رہتے ہیں مسلم حکومت میں دستور ساز اسمبلیاں موجود ہیں جن کے ممبران ایسے لوگ ہیں جن کا علم و عمل سے دور کا بھی واسطہ نہیں جبکہ ہمارے معاشرے میں دستور ساز اسمبلیوں کا تصور تک نہیں کہ ہمارا دستور تو پہلے ہی موجود ہے ہاں صرف اس پر عمل اور اس کو نافذ کرنے کے لئے مشاورت کی اجازت ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دور حکومت امت مسلمہ کے لئے قابل فخر رہا آپ کی حکومت کے حدود آج کی تمام حکومتوں سے وسیع و عریض تھے۔ لیکن کوئی ایسی مثال نہیں ملتی کہ آپ نے کوئی دستور از خود مرتب کیا اور نافذ کیا ہو صرف مجلس شوریٰ کے مشوروں سے آپ اس ہی دستور پر عمل کراتے رہے جو اللہ رب العزت جل مجدہ نے اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والتسلیم پر انسانیت کی ہدایت و رہبری کے لئے نازل فرمایا، کیونکہ یہ اتنا مکمل ضابطہ حیات ہے کہ تعلیمات رسولؐ کے مطابق اس پر عمل کے بعد مزید کسی دستور کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔

یقین جانئے اگر ہمارے حکام اہل علم کے مشوروں پر عمل پیرا ہو کر ہم پر اللہ و رسولؐ کا دستور نافذ کریں تو ان کی اور ہماری موجودہ الجھنیں اور پریشانیاں یکسر، یقیناً ختم ہو سکتی ہیں، ذلت و خواری کے جس دلدل میں آج ہم پھنسے ہوئے ہیں اس سے بڑی نجات مل سکتی ہے۔ خوف و ہراس کے جو گہرے بادل ہم پر چھائے ہوئے ہیں وہ چھٹ سکتے ہیں، شاید حکام کا یہ خیال ہے کہ یہاں حکومتی امور میں اہل علم کا اتنی حوصلہ کرنا ان کی شان اور ان کے خلاف ہوگا، ایسا ہرگز نہیں غیروں کے درباری ہوتا ہے ان کے خلاف ہے۔ اپنے ہی سپاہیوں سے اپنی حفاظت کے لئے مدد طلب کرنا کس طرح خلاف شان ہے۔

## اجتماعی کوشش

آئیے اپنی لٹی ہوئی عزت و آبرو کو بحال کرنے کے لئے اجتماعی کوشش کریں اس طرح کہ اولاً ہم خود اجماع دین کو اپنائیں پھر اپنے حکام کو دین کی دعوت دیں اور قرآن و سنت کے مطابق حکومت کرنے پر آمادہ کریں، کہ بحیثیت مسلم ہم سب اس کے ذمہ دار ہیں اور اگر ہم اپنی اس ذمہ داری کو پورا کرنے سے قاصر رہے تو سورہ محمد (ﷺ) کی اس آیت پر پھر غور کر لیجئے جس کا مطالعہ آپ گذشتہ صفحات پر کر چکے ہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وَإِنْ تَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُونُوا أَمْثَالَكُمْ۔ ”اگر تم روگردانی کرو گے تو اللہ تمہاری جگہ دوسری قوم لے آئے گا، جو تمہاری طرح (نافرمان اور باغی) نہ ہوگی، اس تبدیلی کے ذمہ دار تم ہی ہو گے کیونکہ اللہ کا اصول ہے۔“ ذَلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ لَمْ يَكْ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً أَنْعَمَهَا عَلَى قَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا مَا بِأَنْفُسِهِمْ۔ یہ اس لئے ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم سے اپنی دی ہوئی نعمت اس وقت تک نہیں تبدیل فرماتا جب تک وہ خود ہی اپنے آپ کو نہ بدل ڈالیں، کہ اپنی لاپرواہی، بد عملی اور بد کرداری کے سبب وہ اس نعمت الہیہ کے اہل ہی نہ رہیں نا اہل اسی کے مستحق ہوتے ہیں کہ ان سے وہ تمام اعزازات چھین لئے جائیں جو انہیں دیئے گئے تھے، امت مسلمہ کے لئے یہ کتاب بڑا اعزاز ہے کہ اسے انسانیت کے لئے رہبر و راہنما اور مقتدی بنایا گیا اگر وہ خود ہی دشمنوں کے در کے بھکاری بن کر ان کے رنگ میں رنگ جائیں تو ان کے لئے اس اعزاز کو باقی رکھنے کی کوئی وجہ باقی نہیں رہتی۔ پس

اے ایمان والو! تم خوش نصیب ہو کہ تم میں تمہاری ہدایت و راہنمائی کے لئے وارثین انبیاء، علماء کرام موجود ہیں جن کے دروازے ہمہ وقت تمہارے لئے کھلے ہوئے ہیں ان کی قدر کرو، یہ تمہارے لئے اللہ کی بڑی رحمت و نعمت ہیں ان کا احترام کرو کہ یہ اللہ و رسول کے نزدیک بلند مرتبہ و بلند مقام ہیں، اپنے وقت اپنی جان اور اپنے مال سے ان کی مدد کرو، کہ یہ دین حق کے محافظ و پاسبان ہیں، ان سے فیض حاصل کرو کہ یہی تمہارے قلوب روشن و منور کر سکتے ہیں، ان سے علم حاصل کرو، کہ اسی سے تمہاری تاریک دنیا روشن ہو سکتی ہے۔

ممنوعہ تقدم کی دوسری صورت عملی ہے، ظاہر ہے جس کا ابتدائی تعلق رسول مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات مقدسہ سے ہے کہ آپ سے پہلے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو کوئی عمل کرنے اور کوئی اقدام کرنے کی ممانعت کر دی گئی، لہذا صحابہ کرام کی یہ حالت تھی کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کے ساتھ چلتے ہوتے تو کسی کی مجال نہ تھی کہ وہ آپ سے آگے چلے، جب آپ مجلس میں رونق افروز ہوتے تو کسی کی ہمت نہ تھی کہ گفتگو میں پہل کرے، جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام شریک طعام ہوتے تو کوئی آپ سے پہلے نوالہ نہ توڑ سکتا تھا، یہی عمل اور دوسرے اعمال میں تھا۔

معلم کامل ﷺ نے اسی ادب و احترام کی تعظیم ہم غلاموں کو دی اور وضاحت سے بتایا کہ اہل علم اور دیگر قابل احترام شخصیات پر تقدم نہ کرو ان سے پہلے کوئی کام نہ کرو، ایک مرتبہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے ایک صحابی حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے آگے آگے چلتے دیکھا، تو انہیں روکا اور فرمایا یہ کیا تم ایسے شخص کے آگے چل رہے ہو جو دنیا و آخرت میں تم سے بہتر ہے، دنیا میں سورج کسی ایسے شخص پر طلوع نہیں ہوا جو انبیاء کے بعد ابوبکر سے

بہتر اور افضل ہو، حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ راوی ہیں، کہ جب بنو قریظہ حضرت سعد کے فیصلہ کے مطابق اپنے قلعہ سے اتر آئے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت سعد کو بلوایا، وہ اگرچہ زیادہ دور نہ تھے لیکن اپنے گدھے پر سوار ہو کر آئے، جب مسجد کے پاس پہنچے اور آپ نے ان کو دیکھا تو حاضرین کو حکم دیا، کہ ”اپنے سردار کے لئے کھڑے ہو جاؤ۔“ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے۔ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مسجد میں ہمارے ساتھ بیٹھے گفتگو فرما رہے ہوتے تھے۔ پھر جب آپ کھڑے ہوتے تو ہم بھی کھڑے ہو جاتے تھے۔ یہاں تک کہ آپ اپنے حجرہ مبارکہ میں تشریف لے جاتے تھے۔

اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو، نہ تو اس طرح کہ اپنے لئے خود اصول زندگی گڑھو اور انہیں اللہ و رسول کے احکام سے بہتر جانو، اور نہ اس طرح کہ کسی بھی کام میں رسول ﷺ سے پہل کرو، آپ کی حیات طیبہ کے بعد تمہارے لئے یہ حکم بایں صورت جاری ہے کہ نائبین رسول ﷺ اور دیگر قابل احترام شخصیات کا ادب کیا کرو، مثلاً جب تم کسی عالم، مرشد، اپنے باپ یا کسی بھی بزرگ کے ساتھ چل رہے ہو تو خیال رکھو کہ پیچھے پیچھے ہی رہنا آگے نہ چلنا کہ یہ بے ادبی ہوگی، جب تم ان لوگوں کے ساتھ کھانے میں شامل ہو تو ان سے پہلے ہرگز کھانا شروع نہ کرنا، جب وہ گفتگو کر رہے ہوں تو ان سے پہلے گفتگو شروع نہ کر دینا، جب وہ کھڑے ہوں تو اس وقت تک تم نہ بیٹھنا جب تک وہ نہ بیٹھ جائیں یا تمہیں بیٹھنے کی اجازت نہ دیدیں۔ یا تم سے رخصت نہ ہو جائیں، اس طرح اگر تم بیٹھے یا لیٹے ہو اور کوئی بزرگ آپہنچے تو احتراماً فوراً کھڑے ہو جایا کرو، یہ تمام آداب ہیں جو مؤمن کے اخلاق کا حسن ہیں، لہذا ان کا بہت ہی زیادہ خیال رکھنا چاہئے۔ ”اتَّقُوا اللَّهَ“ اللہ سے ڈرتے رہا کرو، کہ ادب و احترام نہ چھوٹنے پائے، اگر ایسا ہو گیا تو یہ اللہ کے حکم کی نافرمانی ہوگی جو بڑا ہی جرم ہے۔ بیشک اللہ تمہاری ہر بات کو سنتا اور ہر ارادے اور عمل کو جانتا ہے۔

اے اللہ تقدیم کے جرم سے ہماری حفاظت فرما اور اپنی اطاعت، اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اتباع و پیروی کی توفیق عطا فرما۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی خَيْرِ خَلْقِهِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِهِ وَاَصْحَابِهِ اَجْمَعِينَ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ



## مقالہ ۷

### سورة الحجرات: ۲، ۵

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ  
كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَن تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنتُمْ لَا تَشْعُرُونَ ۝ إِنَّ الَّذِينَ  
يُعْضُونَ أَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ فَلَسْتُ لَهُمْ  
مَغْفِرَةً ۖ وَ أَجْرٌ عَظِيمٌ ۝ إِنَّ الَّذِينَ يُنَادُونَكَ مِنْ وَرَاءِ الْحُجُرَاتِ أَكْثَرُهُمْ لَا  
يَعْقِلُونَ ۝ وَلَوْ أَنَّهُمْ صَبَرُوا حَتَّى تَخْرُجَ إِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۖ وَاللَّهُ غَفُورٌ  
رَّحِيمٌ ۝

(الحجرات: ۲-۵)

اے ایمان والو! اپنی آوازوں کو نہ بلند کیا کرو نبی (کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی آواز سے اور نہ زور  
سے آپ کے ساتھ بات کیا کرو جس طرح زور سے تم ایک دوسرے سے باتیں کرتے ہو کہیں (اس بے  
ادبی سے) تمہارے اعمال ضائع نہ ہو جائیں اور تمہیں خبر تک نہ ہو، بیشک جو پست رکھتے ہیں اپنی

آوازوں کو اللہ کے رسول کے سامنے، یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے تقویٰ کے لئے خاص کر لیا ہے انہی کے لئے بخشش اور اجر عظیم ہے، بیشک جو لوگ آپ کو پکارتے ہیں حجروں کے باہر سے ان میں سے اکثر نا سمجھ ہیں اور اگر وہ صبر کر لیتے یہاں تک کہ آپ باہر تشریف لے آتے تو یہ ان کے لئے بہتر ہوتا اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔

ادب گاہست زیر آسماں از عرش نازک تر

نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید اینجا

ارے یہ جلوہ گم جاناں ہے کچھ ادب بھی ہے پھڑکنے والے

آداب رسول ﷺ

گزشتہ اوراق پر آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ غلاموں کو آقا ﷺ کے ادب و احترام کا کس طرح حکم دیا گیا، یہ حکم اگرچہ اللہ و رسول دونوں کے لئے مشترک تھا لیکن قول و عمل میں رسول پر تقدم کی ممانعت کے لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے مخصوص تھا، جس کے لئے اہل ایمان کو بطور خاص مخاطب کیا گیا۔ اب جن آداب رسول کی تعلیم دی جا رہی ہے ان کے لئے دوبارہ بطور تاکید خطاب کیا گیا کہ اے ایمان والو! خاص طور پر ان صورتوں میں اپنے آقا ﷺ کے احترام کا خاص خیال رکھنا کیونکہ اگر ذرا بھی لاپرواہی ہوگئی اور تم سے رسول کی گستاخی کا جرم ہو گیا تو اس کا نتیجہ نہایت ہی خطرناک ہوگا۔

تقدم کی ممانعت کے بعد دوسرا حکم دیا جا رہا ہے کہ ”لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ“ کہ اپنی آواز کو ہمارے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آواز سے اونچا نہ ہونے دینا کہ یہ دربار شاہی ہے جہاں غلاموں کو آقا ﷺ کی آواز سے بلند آواز کرنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ جب یہ آیہ مبارکہ نازل ہوئی تو حضرات صحابہ کرام پر ایک عجیب سی خوف کی کیفیت طاری رہنے لگی، یہ حضرات اگرچہ اس حکم کے نزول سے پہلے ہی اس شاہی دربار کے آداب کا کچھ کم خیال نہ رکھتے تھے لیکن اس حکم کے بعد مزید محتاط رہنے لگے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ حال تھا کہ وہ آپ ﷺ سے اس قدر آہستہ آواز میں گفتگو کیا کرتے تھے کہ بسا اوقات حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پوچھنا پڑتا کہ تم نے کیا کہا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ جنہیں بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں خاص بے تکلفی کی اجازت تھی کیونکہ آپ کو اکثر و بیشتر باریابی کا شرف حاصل رہتا تھا۔ وہ بھی مزید محتاط ہو گئے اور عرض گزار ہوئے: یا رسول اللہ ﷺ مجھے اس ذات کی قسم جس نے آپ پر یہ قرآن نازل فرمایا، ”میں تا مرگ آپ سے آہستہ آہستہ گفتگو کیا کروں گا۔“ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اپنا یہ معمول بنالیا تھا کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار میں شرف باریابی حاصل کرنے کے لئے کوئی وفد آتا تو بارگاہ میں حاضری سے پہلے اس وفد کے پاس ایک آدمی بھیج دیتے تھے جو انہیں آداب شاہی بتاتا اور اس پر عمل کی تاکید کرتا تھا۔

حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کا حال

حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ قدرتا بلند آواز تھے۔ اس آیت کو سن کر ان کی حالت تو بے حد غیر ہوگئی، انہوں



نے گھر سے نکلنا بند کر دیا۔ اپنے کمرے میں تنہا عبادت میں مصروف رہتے اور توبہ کرتے رہتے، زار و قطار روتے اور عرض کرتے: اے اللہ، تو جانتا ہے کہ میری آواز قدرے بلند ہے، تیرے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار میں ہی سب سے زیادہ اونچی آواز سے بولنے کا مجرم ہوں، لیکن میری مجبوری تھی قصد نہ تھا۔ میں نے کبھی اپنے آقا ﷺ سے گستاخی یا ان کو ایذا رسائی کا تصور بھی نہ کیا۔ اے اللہ تو میری آواز کو اتنا پست کر دے کہ میرے اعمال محفوظ ہو سکیں، جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دودن اپنے غلام کو اپنی بارگاہ میں نہ دیکھا تو دریافت فرمایا کہ تمہارا بھائی ثابت کہاں ہے؟ کیوں غیر حاضر ہے کیا بیمار ہے، یا کہیں چلا گیا ہے۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ ﷺ! اس آیت مبارکہ کے نزول کے بعد سے ثابت نے اپنے آپ کو کمرے میں بند کر لیا ہے اور وہ زار و قطار روتے رہتے ہیں، ان کے اہل خانہ تک پریشان ہیں، آقائے رحمت عالم ﷺ نے غلام کو دربار میں حاضر کئے جانے کا حکم دیا۔ جب حضرت ثابت رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے تو دریافت فرمایا تمہارا کیا حال ہے تم کیوں غائب رہے اور کیوں ہر وقت روتے رہتے ہو۔ عرض گزار ہوئے: یا رسول اللہ ﷺ! میری آواز قدرتنا اونچی ہے مجھے اندیشہ ہے کہ یہ آیہ مبارکہ میرے ہی لئے نازل ہوئی ہے جس کے مطابق میرے تمام اعمال ضائع ہو گئے۔ یا رسول اللہ ﷺ! میں اپنی اسی بد نصیبی پر اپنے رب کے حضور گریہ کناں ہوں اور توبہ کرتا رہتا ہوں۔ آقائے رحمت عالم ﷺ نے مسکراتے ہوئے غلام کو قریب بلایا، تسلی دی ان کے غم کی تلافی کے لئے مژدہ جانفزا سنایا: ”أَمَّا تَرْضَى أَنْ تَعِيشَ حَمِيدًا“ کیا تم پسند کرتے ہو کہ تم قابل تعریف زندگی بسر کرو۔ ”وَتَقْتُلَ شَهِيدًا“ اور شہید کئے جاؤ، ”وَتَدْخُلَ الْجَنَّةَ“ اور جنت میں داخل کئے جاؤ۔ حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کی تو خوشی کی انتہا نہ رہی آقا ﷺ کی اس عنایت بیکراں پر مست ہوتے ہوئے عرض کیا: ”رَضِيتُ“ یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم میں راضی ہو گیا، خوش ہو گیا۔

قاسم انعامات الہیہ ﷺ کے ارشاد کے مطابق حضرت قیس رضی اللہ عنہ کی ساری زندگی ”حمید“ پرسکون اور پر عیش بسر ہوئی وہ ہمیشہ صحت و تندرستی اور امن و امان کی نعمتوں سے مالا مال رہے۔ صحابہ کرام کی نظروں میں ان کے اعزاز و اکرام کا یہ عالم تھا کہ وہ جدھر سے گزرتے لوگ ان کے لئے احترام اٹھڑے ہو جاتے اور ایک دوسرے سے کہتے کہ دیکھو جنتی گزر رہا ہے کہ مالک جنت ﷺ انہیں و تَدْخُلَ الْجَنَّةَ کا مژدہ سنا چکے تھے اور صحابہ کرام ہر اس اعزاز پر کامل یقین رکھتے تھے جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے بخشا جاتا تھا کیونکہ ان کا ایمان تھا کہ اللہ کی نعمتیں تقسیم کرنے والے، جنت بانٹنے والے ہمارے آقا ﷺ ہی ہیں۔

لا ورب العرش، جس کو جو ملا ان سے ملا

بنتی ہے کونین میں نعمت رسول اللہ کی

حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کی شہادت

خلیفہ اول حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جھوٹے مدعی نبوت مسلمانہ کذاب کی بیخ کنی کے لئے یمامہ لشکر اسلام روانہ فرمایا۔ اس میں حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ بھی شامل ہو کر جہاد کے لئے روانہ ہوئے۔ مسلمانہ کا لشکر تعداد میں بہت زیادہ تھا اس لئے مسلمانوں کو اس کی طرف سے سخت مزاحمت کا مقابلہ کرنا پڑا اور ایک موقع ایسا بھی آیا کہ اسلامی فوج

کے نو جوان پیچھے ہٹنے پر مجبور ہو گئے۔ اس خطرناک حالت کو حضرت قیس رضی اللہ عنہ نے دیکھا تو باواز بلند اپنے لشکر کو لاکار اور فرمایا: اے مجاہدوں ہم لوگ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قیادت میں کفار سے مقابلہ کرتے تھے تو کبھی ہمارا قدم پیچھے نہ ہٹا، آج تمہیں کیا ہوا کہ تم پسپا ہو رہے ہو، بھاگنے کے لئے پر تول رہے ہو، آج تمہاری ایمانی غیرت و حمیت کیا ہوئی۔ یہ کہتے ہوئے آپ تنہا آگے بڑھے اور دشمن پر سخت بھرپور حملہ کیا، ایک بوڑھے جانباز، بہادر مجاہد کی اس پیش قدمی نے پورے لشکر اسلام میں جوش و جذبہ بیدار کر دیا اور یک دم پورا لشکر دشمن کی طرف بڑھنے لگا اور دیکھتے ہی دیکھتے دشمن کو کچل ڈالا۔ اسی مجاہدانہ حملے میں حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ نے مخبر صادق ﷺ کے ارشاد کے مطابق جام شہادت نوش فرمایا اور انہیں ان کے آقا ﷺ کا عطا کردہ اعزاز حیات جاودانی نصیب ہوا۔

### ایک کرامت

ابھی لشکر اسلام نے میدان جنگ چھوڑا بھی نہ تھا کہ ایک مجاہد نے حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کو دیکھا، آپ نے اسے بتایا کہ وقت شہادت میرے جسم پر ایک قیمتی زرہ تھی جو ایک دشمن نے اتار لی۔ اس کے خیمہ کے سامنے ایک گھوڑا گھاس چر رہا ہے اور وہ زرہ اس نے ایک بڑی ہانڈی کے نیچے چھپا رکھی ہے میرے بھائی! تم امیر لشکر حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو بتاؤ اور کہو کہ وہ ہر حال میں میری زرہ حاصل کر لیں تاکہ میرے کسی مجاہد بھائی کے کام آسکے۔ نیز مدینہ پہنچ کر امیر المؤمنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو میرا سلام پہنچانا اور پیغام دینا کہ مجھ پر جن لوگوں کا قرض ہے وہ ادا کر دیں اور میرا ایک غلام ہے اسے آزاد کر دیں۔ اس مجاہد صحابی نے اپنا خواب حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو سنایا وہ اپنی تلوار لے کر اٹھے اور اس خیمہ کی تلاشی لی تو اسی جگہ زرہ موجود تھی جہاں بتائی گئی تھی اور جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو یہ خواب سنایا گیا تو آپ نے حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کی وصیت کے مطابق آپ کا قرضہ ادا کر دیا اور ان کے غلام کو آزاد کر دیا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ یہ حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کی خصوصیت ہے جو کسی کو نصیب نہیں ہوئی کیونکہ میرے علم میں ایسا کوئی شخص نہیں جس کے دنیا سے چلے جانے کے بعد اس کی وصیت پر عمل کیا گیا ہو۔

اور تاقیامت شرعی مسئلہ بھی یہی ہے کہ وصیت اسی صورت میں نافذ العمل ہوتی ہے جب وصیت کرنے والا اپنے پورے ہوش و حواس کے ساتھ اس دنیا میں موجود ہو۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آواز سے بلند آواز کرنے کی ممانعت کے ساتھ ہی دوسرا ادب سکھایا گیا: ”وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ“ اور میرے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ اقدس میں اس طرح زور، زور سے بھی گفتگو نہ کیا کرو جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے سے کرتے ہو کہ یہ بے تکلفی شاہی دربار کی شان کے خلاف ہے۔ آقا کا اپنے دلوں میں احترام پیدا کرو، رعب پیدا کرو، غلامانہ انداز پیدا کرو، عجز و انکساری سے آہستگی سے اپنی معروضات پیش کیا کرو کہ ان کی سمع و عیون نہ ہونے پائے جو ایذا کے مترادف ہے اور جانتے ہو اللہ و رسول کو ایذا پہنچانے کا انجام کیا ہے۔ ”إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِينًا“

(احزاب: 57) بیشک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو ایذا پہنچاتے ہیں ان لوگوں پر دنیا و آخرت میں اللہ کی لعنت ہے اور ان کے لئے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

الامان والحفیظ، سوچئے جب غلام ادب واحترام سے محروم ہوا تو پوری طرح ہی بد نصیب قرار پایا، تمام نعمتوں سے محروم کر دیا گیا، اللہ کی لعنت کا مستحق ہو گیا۔ اب وہ شقاوت و بد نصیبی کے ایسے دلدل میں پھنس گیا جس سے نکالنا کسی کے بس کی بات نہیں، پس غلام کی نجات غلامی میں ہی ہے آقا کی ہمسری میں نہیں۔

۔ وہ میٹھی نگاہ والا، خدا کی رحمت ہے جلوہ فرما

غضب سے ان کے خدا بچائے جلال باری عتاب میں ہے

انجام

دونوں جرم، رفع صوت اور آقا ﷺ کی موجودگی میں باواز بلند باتیں کرنا، تقریباً ایک جیسے ہی ہیں لہذا دونوں کی سزا یا دونوں کا انجام ایک ہی ہے۔ ”أَنْ تَحْبُطَ أَعْمَالُكُمْ“ یہ کہ تمہارے اعمال ضائع اور باطل ہو جائیں نماز، روزے، حج و زکوٰۃ، تقویٰ، پرہیزگاری سب برباد ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ قبولیت اعمال کا دار و مدار صاحب شریعت ﷺ کی رضا اور خوشنودی پر ہی تو ہے اور جب تم نے انہی کے دربار میں بے ادبی اور گستاخی کی تو تم اس لائق نہ رہے کہ اللہ رب العزت تمہاری کسی نیکی کو قبول فرمائے اللہ اکبر، کتنا بھیانک انجام ہے کتنی سخت سزا ہے جب ہی تو اس کے تصور سے حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ جیسے صحابی کانپ اٹھے تھے اور دیگر صحابہ محتاط ہو گئے تھے حالانکہ ان نفوس قدسیہ سے تو رضائے الہی پر نص قطعی موجود ہے: ”رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ“ اللہ ان سے راضی ہو چکا اور یہ اللہ سے راضی ہو گئے۔ ”كَلَّا وَعَذَّ اللَّهُ الْحُسْنَى“ ہر ایک سے اللہ جنت کا وعدہ فرما چکا ہے بلاشبہ صحابہ کرام سب جنتی ہیں ان میں کوئی شک نہیں حتیٰ کہ ان کے نقش قدم پر چلنا جنت کی ضمانت ہے لیکن یہ جنتی حضرات بھی اس گستاخی کی سزا سن کر کانپتے نظر آ رہے ہیں تو پھر ہاشما کس گنتی میں ہیں۔ ہمیں تو بہت ہی زیادہ ہوش میں آنے اور احتیاط سے کام لینے کی ضرورت ہے کہ ہماری جھولیاں تو پہلے ہی خالی ہیں کہیں ذرا اونچ نیچ ہوئی تو جو کچھ بھی کیا دھرا ہے سب برباد ہو جائے گا۔ سو چو پھر آقا ﷺ کو کیا منہ دکھاؤ گے، پس:

اے پائے نظر ہوش میں آ کوئے نبی ہے آنکھوں سے بھی چلنا یہاں بے ادبی ہے

اے ایمان والو! دور نزول قرآن میں ان احکام کے اصل مخاطب اگرچہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین تھے لیکن دیگر احکام قرآن کی طرح یہ آج تک جاری ہیں اور ہمیشہ جاری رہیں گے۔ بایں صورت کہ آج بھی ہم پابند ہیں کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار میں جب شرف حاضری نصیب ہو، تو نہ تو باواز بلند صلوٰۃ و سلام عرض کریں نہ نعت خوانی کریں، نہ ہی آپس میں اونچی آوازوں سے باتیں کریں اور صرف یہی نہیں بلکہ جہاں قرآن وحدیث کی تعلیم ہو رہی ہو احکام شریعت بیان کئے جا رہے ہوں، کوئی عالم دین تقریر کر رہا ہو، ان سب صورتوں میں بھی آواز بلند کرنا یا آپس میں باتیں کرنا حرام ہے۔ نیز ان احکام کی بنیاد پر علماء نے تصریح کی ہے کہ وارثین انبیاء علماء کرام، مشائخ، پیروں اور دیگر بزرگوں کے

سامنے بھی بلند آواز کرنا یا آپس میں گفتگو کر رہا ہو تو درمیان میں بول پڑتا اور اونچی آواز سے باتیں شروع کر دینا بھی جائز نہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”وَاعْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ إِنَّ أَنْكَرَ الْأَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيرِ“ اور اپنی آواز پست رکھو، بیشک سب سے زیادہ مکروہ آواز گدھے کی ہے۔ (سورہ لقمان)

انسان اور گدھے میں کیا نسبت ہے لیکن انسان کی آواز کو گدھے کی آواز سے تشبیہ دے کر اور اس کے کراہت و دہشتناکی ظاہر کر کے انسان کو بے سُرری آواز سے باتیں کرنے کی ممانعت کی جا رہی ہے۔

یہ سب وہ معاشرتی آداب ہیں جن کی قرآن کریم نے تعلیم دی اور اسوۂ کامل ﷺ نے ان کی عملی وضاحت فرمائی۔ یہ مومن کے اخلاق کا حسن اور زیور ہیں۔ ایک شخص کتنا ہی باخلاق ہو لیکن اس کی بلند آواز اور گفتگو میں ترشی اس کے اخلاق کو بھدا بنا دینے کے لئے کافی ہوتی ہے، مخاطب کو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ شخص لڑ رہا ہے اور غصہ کر رہا ہے۔ بہر حال ہمیں ان تمام آداب کی پابندی کر کے اللہ و رسول کی خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش کرنا چاہئے۔ نرم گفتگو پر کوشش ہوتی ہے جسے لوگ بغور سنتے اور گفتگو کرنے والے کی محبت ان کے دلوں میں پیدا ہوتی ہے۔

غرضیکہ رفع صورت اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار میں اونچی آواز سے گفتگو کرنے والوں کی سزا نہایت ہی بھیاںک ہے کہ ان کے اعمال ضائع ہو جاتے ہیں مزید برآں یہ کہ ”وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ“ کہ تمہیں اپنے اس بد انجام کا پتہ تک نہ چلے گا، آخرت میں پہنچ کر معلوم ہوگا کہ ہم جو کچھ کرتے رہے وہ تو سب ضائع ہو گیا اگر یہ انجام اس طرح ہوتا کہ دنیا ہی میں پتہ چلتا تو رو دھو لیتے، تو بہ کر لیتے معافی مانگ لیتے لیکن یہ تو بڑا ہی حادثہ ہوا کہ برباد بھی ہو گئے اور پتہ تک نہ چلا، کس قدر خطرناک سزا ہے یہ اللہ محفوظ رکھے۔

امام مالک اور ہارون رشید

حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ اور خلیفہ ہارون رشید کا ایک واقعہ پڑھئے اور اندازہ لگائیے کہ حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ دربار نبوی ﷺ کے آداب کے سلسلہ میں کس قدر محتاط تھے۔

خلیفہ ہارون رشید دربار نبوی ﷺ میں جب حاضر ہوا تو روضہ مبارک پر حاضری دینے کے لئے اس نے حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ کو اپنے ہمراہ لے لیا تا کہ ان کے وسیلہ سے سرکار ﷺ کے دربار میں اس کا سلام قبول ہو سکے۔ مواجہ شریف پر حاضر ہو کر خلیفہ نے با آواز بلند صلوٰۃ و سلام عرض کرنا شروع کر دیا۔ حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ سے نہ رہا گیا، آپ نے خلیفہ کو روکا اور کہا کہ یہ شہنشاہوں کے شہنشاہ کا دربار ہے یہاں اتنی بلند آواز کرنے کی اجازت نہیں کہ اللہ رب العزت جل مجدہ کا یہی حکم ہے۔ خلیفہ حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ کی یہ بات سن کر کانپنے لگا اور تھوڑی دیر کے لئے بالکل خاموش ہو گیا کہ اب وہ نہیں سمجھ پا رہا تھا کہ کس طرح دربار رسالت مآب ﷺ میں اپنی معروضات پیش کرے۔ بالآخر کچھ دیر بعد نہایت ہی ادب و احترام سے آہستہ آہستہ سمیتے ہوئے اس نے کچھ کہنا شروع کیا، فارغ ہو کر اس نے نہایت ہی پست آواز کے ساتھ حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ اب میں دعا کعبہ کی طرف ہاتھ اٹھا کر مانگو یا دربار ہی کی طرف ہاتھ اٹھاؤں۔

حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ نے فوراً جواب مرحمت فرمایا: ”كَيْفَ تُوَلِّي عَنْهُ وَهُوَ وَسِيلَتُكَ وَوَسِيلَةُ أَبِيكَ اذْمُ“ تم ان کی طرف سے کس طرح منہ پھیر سکتے ہو جبکہ یہ تمہارا بھی وسیلہ ہیں اور تمہارے باپ آدم علیہ السلام کا بھی وسیلہ ہیں۔ نیز اللہ نے تو خود انہی کے دربار میں حاضر ہو کر جھولی پھیلانے کا حکم صادر فرمایا ہے، کیا تم نے قرآن کریم کی یہ آیت نہیں پڑھی: ”وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ“ اگر لوگ اپنی جانوں پر ظلم کر لیں تو وہ آپ کے دربار میں حاضر ہو جائیں اور کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ مکان و جہت سے پاک ہے، جس سمت بھی منہ کر کے ہاتھ پھیلاؤ گے تمہارے ہاتھ اسی کے سامنے پھیلے ہوں گے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”وَلِلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَإِنَّمَا تُوَلُّوْا فُتْمَ وَجْهِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ وَاسِعٌ عَلِيمٌ“ اور مشرق و مغرب اللہ ہی کے ہیں، پس جدھر بھی تم رخ کرو وہیں اللہ کی ذات موجود ہے، بے شک اللہ تعالیٰ فراخ رحمت والا خوب جاننے والا ہے۔ پس خلیفہ روضہ مبارک کی طرف ہاتھ اٹھائے نہایت عجز و انکساری سے دعا مانگتے رہے اور حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ پہلو میں کھڑے آئین کہتے رہے۔

### حقیقت سمت

ہم یہاں یہ بھی وضاحت کرتے چلیں کہ حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ نے خلیفہ کے سوال پر فی البدیہہ فتویٰ دیا کہ دعا کے وقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے رخ پھیر لینا حکم قرآن کے خلاف ہے، پس ہاتھ اٹھاؤ اور مانگو جو مانگنا ہے، آپ نے اپنے فتوے کی تائید میں قرآن کریم کی دو آیات بھی تلاوت کیں اس سلسلہ میں ہم پہلے تفاسیر سے چند اقتباسات پیش کرتے ہیں جو حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ کے فتوے کی وضاحت و تائید کرتے ہیں۔

صاحب تفسیر مظہری، حضرت علامہ ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

”وَلِلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ“ یعنی کل زمین ملکیت اور پیدائش کے لحاظ سے اسی کی ہے اور تمام مخلوق اس کے وجود کے مظاہر میں ہے اور اس کے نور کی تجلیات ہیں وہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے، چیزوں کو درست کرنے اور رکھنے والا ہے وہ کسی جگہ میں مقید نہیں۔ قبلہ کی طرف تو اس کا حکم محض تعبدی ہے اور تکلیف بقدر طاقت ہے۔ اگر تم فرائض میں قبلہ کی طرف توجہ پر قادر نہ ہو سکو، دشمن کی وجہ سے یا اشتباہ کی وجہ سے باوجود تحری کے غلطی ہو جائے یا نوافل میں سواری پر سے اترنے، سفر میں ہرج ہو اور چل نہ سکنے کا خطرہ ہو کیونکہ نوافل کا معاملہ فرائض سے کم ہے تو جس طرف بھی منہ پھيرو، اسی طرف اللہ کی توجہ ہوگی۔“

حضرت پیر کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر ضیاء القرآن میں رقمطراز ہیں:

”منتبشر افراد قوم بنتے ہیں جب کہ ان میں یک جہتی ہو اور یک جہتی تب پیدا ہوتی ہے جب ان کا کوئی مخصوص مرکز ہو، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ہر امت کے لئے ایک خاص قبلہ مقرر فرما دیا رفتہ رفتہ قوموں میں یہ خیال جڑ پکڑتا گیا کہ یہ سمت اپنی کسی ذاتی خصوصیت اور خوبی کے باعث قبلہ بنائی گئی ہے اس

آیت میں ان کی اس غلط فہمی کا ازالہ مقصود ہے کہ جہتیں اور سمتیں سب اللہ ہی کی ہیں مشرق ہو یا مغرب، جنوب ہو یا شمال سب اسی کی پیدا کی ہوئی ہیں اور اسی کے زیر نگیں ہیں، اگر کوئی جہت قبلہ بنائی جاتی ہے تو کسی ذاتی خصوصیت کی بناء پر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ ہی کے حکم سے قبلہ بنائی جاتی ہے، پورب اور پچھتم سے تمہیں کیا سروکار، تم اس کے حکم کے بندے ہو، نیز چونکہ مشرک قومیں سورج کی پرستش کرتی تھیں اور مشرق اس کے طلوع کی سمت ہے اس لئے خصوصی طور پر اس کے تقدس کی قائل تھیں اور بعض فرقے مشرق کو مقدس مانتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے جہت پرستی کے اس صنم کو بھی پاش پاش کر دیا اور فرمایا یہ جہت از خود کچھ بھی نہیں، ان کی حقیقت بس اتنی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں پیدا فرمایا ہے اور اسی کا حکم ان میں جاری و ساری ہے۔“

صدر الافضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی اس آئے مبارکہ پر حاشیہ قابل مطالعہ ہے وہ تحریر

فرماتے ہیں:

”صحابہ کرام رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ایک اندھیری رات سفر میں تھے۔ جہت قبلہ معلوم نہ ہو سکی ہر ایک شخص نے جس طرف اس کا دل جمانماز پڑھی۔ صبح کو سید عالم ﷺ کی خدمت میں حال عرض کیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔

مسئلہ:- اس سے معلوم ہوا کہ جہت قبلہ معلوم نہ ہو سکے تو جس طرف دل جمے کہ یہ قبلہ ہے اسی طرف منہ کر کے نماز پڑھے۔

اس آیت کے شان نزول میں دوسرا قول یہ ہے کہ یہ اس مسافر کے حق میں نازل ہوئی جو سواری پر نفل ادا کرے۔ اس کی سواری جس طرف متوجہ ہو جائے، اس کی طرف اس کی نماز درست ہے۔ بخاری و مسلم کی احادیث سے یہ ثابت ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ جب تحویل قبلہ کا حکم دیا گیا تو یہود نے مسلمانوں پر طعنہ زنی کی ان کے رد میں یہ آیت نازل ہوئی۔ بتایا گیا کہ مشرق و مغرب سب اللہ کا ہے وہ جس طرف چاہے قبلہ معین فرمائے، کسی کو اعتراض کا کیا حق (خازن)۔

ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت دعا کے حق میں وارد ہوئی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے دریافت کیا گیا کہ کس طرف منہ کر کے دعا کی جائے۔ اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت حق سے گریز و فرار میں ہے اور ”اینما تولوا“ کا خطاب ان لوگوں کو ہے جو ذکرا الہی سے روکتے اور مسجدوں کی ویرانی میں سعی کرتے ہیں، وہ دنیا کی رسوائی اور عذاب آخرت سے کہیں بھاگ نہیں سکتے کیونکہ مشرق و مغرب سب اللہ کا ہے، جہاں بھاگیں گے وہ گرفت فرمائے گا اس تقدیر پر وجہ اللہ کے

معنی خدا کا قرب و حضور ہے (فتح)۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ اگر کفار خانہ کعبہ میں نماز سے منع کریں تو تمہارے لئے تمام زمین مسجد بنادی گئی ہے، جہاں سے چاہو قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھو۔“  
اس آیت سے متعلق ایک اقتباس تفسیر معارف القرآن سے بھی ملاحظہ ہو۔ جس کے مصنف مفتی محمد شفیع صاحب ہیں، جو دیوبندی مکتب فکر کی صف اول کے علماء میں شمار کئے جاتے ہیں، وہ لکھتے ہیں:

یہود نے تبدیلی قبلہ پر اعتراض کیا تھا کہ مسلمان اس جہت سے دوسری جہت کی طرف کیوں پھر گئے۔ اس کا جواب حق تعالیٰ دیتے ہوئے فرماتے ہیں: اور اللہ ہی کی ہیں (سب جہتیں) مشرق بھی اور مغرب بھی (اور وہ اس کا مکان نہیں)۔

پس وہ مالک ہیں، جس جہت کو چاہیں قبلہ مقرر کر دیں، کیونکہ حکمت تعین قبلہ میں مثلاً عابدین کا اتفاق ہیئت اور اجتماع خاطر ہے اور یہ حکمت ہر جہت سے حاصل ہو سکتی ہے۔ جس کا حکم دے دیں وہی متعین ہو جائے گی ہاں البتہ اگر معبود کی ذات نعوذ باللہ کسی جہت خاص کے ساتھ مقید ہوتی تو ضرورت کی وجہ سے اس جہت میں قبلہ عبادت بننے کا انحصار زیبا تھا لیکن وہ ذات پاک کسی جہت کے ساتھ مقید و محدود نہیں جب یہ بات ہے، تو تم لوگ جس طرف بھی منہ کرو ادھر (ہی) اللہ تعالیٰ (کی ذات پاک) کا رخ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ (خود تمام جہات اور اشیاء کو) محیط ہیں جس طرح کا احاطہ ان کی شان کے لائق ہے، لیکن باوجود محیط و غیر محدود ہونے کے پھر بھی جہت عبادت کو متعین اس لئے فرمایا کہ وہ کامل العلم ہیں کہ ہر شئی کے مصالح کو خوب جانتے ہیں، چونکہ ان کے علم میں یہ تعین بعض مصالح سے تھی، اس لئے اس کا حکم دیا گیا..... (چند صفحات کے بعد)۔

اس لئے جب کعبہ کی طرف رخ کرنے کا حکم تھا کہ اس میں فضیلت تھی اور جب بیت المقدس کا استقبال کرنے کا حکم ہو گیا تو اس میں فضیلت ہے آپ دلیگیر نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی توجہ دونوں حالتوں میں یکساں ہے جبکہ بندہ اس کے حکم کی تعمیل کر رہا ہو۔

چند مہینوں کے لئے بیت المقدس کو قبلہ قرار دینے کا حکم دے کر عملاً اور آپ نے قولاً اس بات کو واضح کر دیا کہ کسی خاص مکان یا سمت کو قبلہ قرار دینا اس وجہ سے نہیں کہ معاذ اللہ خدا تعالیٰ اس مکان یا سمت میں ہے دوسری جگہ میں نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ ہر سمت میں یکساں توجہ کے ساتھ موجود ہے، کسی خاص سمت کو قبلہ عالم قرار دینا دوسری حکمتوں اور مصلحتوں پر مبنی ہے۔ کیونکہ جب اللہ تعالیٰ کی توجہ کسی خاص سمت یا جگہ کے ساتھ مقید نہیں تو اب عمل کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں ایک یہ کہ ہر شخص کو اختیار دے دیا جائے کہ جس طرف چاہے رخ کر کے نماز پڑھے۔ دوسرے یہ کہ سب کے لئے کوئی خاص سمت و جہت متعین کر دی جائے۔ ظاہر ہے کہ پہلی صورت میں ایک تشت و افتراق کا منظر سامنے آئے گا کہ دس آدمی نماز پڑھ رہے

ہیں اور ہر ایک کا رخ الگ الگ اور ہر ایک کا قبلہ جدا جدا ہے اور دوسری صورت میں تنظیم و اتحاد کا عملی سبق ملتا ہے۔ ان حکمتوں کی بناء پر سارے عالم کا قبلہ ایک ہی چیز کو بنانا زیادہ مناسب ہے۔ اب وہ بیت المقدس ہو یا کعبہ دونوں مقدس اور متبرک مقامات ہیں ہر قوم اور ہر زمانہ کے مناسب اللہ تعالیٰ کی طرف سے احکام دیئے جاتے ہیں۔ ایک زمانہ تک بیت المقدس کو قبلہ بنایا گیا۔ پھر آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام کی دلی خواہش کے مطابق اس حکم کو منسوخ کر کے کعبہ کو قبلہ عالم بنادیا گیا۔

ایک اقتباس تدبر قرآن کا بھی پیش نظر ہے جو امین احسن اصلاحی صاحب کے ذاتی تدبر کا نتیجہ ہے۔ موصوف کوئی عالم نہ تھے بلکہ بنیادی طور پر صحافی تھے۔ فاران کے ایڈیٹر تھے ان کا شمار غالباً اہل حدیث مکتبہ فکر کے لوگوں میں ہوتا ہے۔ جبکہ ان کی تفسیر کے مطالعہ کے بعد ہمارا خیال یہ ہے کہ ان کا کوئی مخصوص مکتبہ فکر نہ تھا۔ دینی امور میں یہ اپنی ذاتی رائے کے پیروکار تھے ایک زمانہ تک یہ مولانا مودودی کے رفیق کار اور معاون رہے۔ ان سے تفہیم القرآن کے بعض حصوں پر اختلاف رائے ہوا تو خود ہی اپنی تفسیر تدبر قرآن لکھ ڈالی۔ بہر حال موصوف جہت کعبہ سے متعلق اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

قرآن مجید نے یہاں اس سبب اختلاف و نزاع کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس کی لغویت کی طرف بھی اشارہ کر دیا کہ مشرق ہو یا مغرب، دونوں سمتیں اللہ ہی کی ہیں، ان میں جس سمت کو بھی انسان رخ کرے اگر وہ خدا کی طرف متوجہ ہے تو اس کا رخ خدا ہی کی طرف ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر اس چیز کو یہود و نصاریٰ نے سر پھٹول اور ہدم معابد و مساجد کا سبب بنایا ہے تو یہ ان کی جہالت و حماقت ہے، سمتوں اور جہتوں میں سے کسی سمت اور جہت کو بھی خدا کے ساتھ اختصاص نہیں ہے وہ بیت المقدس کو قبلہ قرار دے کر جدھر بھی رخ کرتے ہیں۔ خدا ہی کی طرف رخ کرتے ہیں، خدا کی قدرت اور اس کے علم کی وسعت ہر چیز کو محیط ہے۔

ہر جا کلیم سجدہ ہدا آستان رسد (چند صفحات کے بعد)

”قُلْ لِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ يَهْدِيْ مِنْ يَّشَاءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ“ (کہہ دو۔ مشرق و مغرب دونوں اللہ ہی کے ہیں وہ جس کو چاہتا ہے سیدھا راستہ دکھا دیتا ہے۔) یہ یہود و نصاریٰ کے مذکورہ بالا اعتراضات کا جواب ہے، کہ تمہیں اب قبلہ سے کیا واسطہ، تم تو اہل قبلہ کے بجائے مشرق و مغرب کے چکر میں پھنس گئے ہو، نصاریٰ مشرق کو اپنا قبلہ قرار دے بیٹھے ہیں اور یہود مغرب کو، حالانکہ سمتوں میں سے کسی سمت کو بھی اللہ کے ساتھ کسی خصوصیت کی کوئی وجہ نہیں، اللہ تعالیٰ تو ہر سمت میں ہے مشرق و مغرب، شمال و جنوب سب اسی کی فرمانروائی میں ہیں، اس لئے اگر خصوصیت ہو سکتی ہے تو کسی ایسے گھر ہی کو ہو سکتی ہے جس کو وہ مخصوص فرمائے، اور قبلہ قرار دے یہ خصوصیت رکھنے والا گھر حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہم السلام کا تعمیر کردہ گھر مکہ کا بیت اللہ ہے۔ وہی تمام اولاد ابراہیم کا قبلہ قرار پایا تھا



اور اسی کو قبلہ قرار دے کر بیت المقدس کی بھی تعمیر ہوئی تھی اب حقیقت کے نشانات و آثار تورات میں موجود تھے، لیکن تم نے تعصب کی وجہ سے یہ نشانات مٹا دیئے تھے، لیکن تمہاری ان مخالفانہ کوششوں کے علی الرغم اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی کے ذریعہ سے جن کو چاہا سیدھا راستہ دکھا دیا، اور اب وہ تمہارے پیدا کردہ پیچ و خم سے نکل کر ایک صراط مستقیم پر چل کھڑے ہوئے ہیں۔

ہمارا عقیدہ

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے فتویٰ اور مفسرین کی وضاحت کے مطابق ہمارا بھی ایمان و عقیدہ یہی ہے کہ اللہ رب العزت جل مجدہ نے امت مسلمہ میں اتحاد و یکجہتی کا جذبہ بیدار کرنے کے لئے بیت اللہ کو ہمارا قبلہ قرار دیا ہے۔ اس کا تعلق جہت و سمت کے تقدس سے نہیں، جہات تو سب ہی ایک جیسی ہیں اللہ کی رحمت کسی ایک سمت سے متوجہ نہیں ہوتی، بلکہ ”فَإِنَّمَا تَوَلَّوْا فِثْمَ وَجْهِ اللَّهِ“ جس طرف بھی منہ کرو رحمت باری پاؤ گے اور قبلہ کے لئے ایک مرکز کا تعین بھی صرف عبادات سے متعلق ہے دعا کے لئے نہ کسی مرکز کی طرف رخ کرنا شرط ہے اور نہ ہی آسمانوں کی طرف ہاتھ اٹھانا لازمی ہے، کہ دعا تو دل کی صدا کا نام ہے اور جس سے دعا کی جاتی ہے وہ ”عَلَيْكُمْ بِذَاتِ الصُّدُورِ“ دلوں کا حال جاننے والا ہے۔ اسی لئے یہ بھی ضروری نہیں کہ کلمات دعا زبان سے با آواز بلند یا آہستہ کہے جائیں۔ بس بندہ اپنی ضرورت کا دل میں خیال کرے اور دلوں کا حال جاننے والا مالک وحدہ لا شریک بندے کی دعا کو شرف قبول عطا فرمائے۔ فقہائے کرام نے تصریح کی ہے کہ دعا کے وقت سمت کعبہ سے افضل کسی دوسری جہت بائیں یا دائیں رخ کر لینا چاہئے ہاتھ صرف اس لئے اٹھائے جائیں کہ بندہ کی حالت دعا کا اظہار ہو اور آسمان کی طرف اس لئے بلند کئے جائیں کہ ارشاد باری تعالیٰ کے مطابق بندے کے رزق کا تعلق آسمان سے ہے۔ اسی عقیدے کی تائید مندرجہ بالا اقتباسات سے ہوتی ہے اور اس کی تصریح، روح البیان، روح المعانی، تفسیر کبیر اور تفسیر ابن کثیر وغیرہ میں موجود ہے جن کی عبارتوں کو ہم نے بخوف طوالت نقل نہیں کیا ہے۔

سعودی فتویٰ

لیکن جو کچھ آپ نے پڑھا اس کے علی الرغم سعودی فتویٰ یہ ہے: ”کہ بوقت دعا سمت کعبہ کے سوا کسی دوسری طرف رخ کرنا نہ صرف حرام قطعی ہے بلکہ شرک عظیم ہے۔“ اس سلسلہ میں براہ راست ہمیں کسی سعودی عالم سے تو گفتگو کا موقع نہیں ملا لہذا ہم نہیں جانتے کہ ان کا فتویٰ کیا ہے۔ تاہم ہم نے مدینہ منورہ میں دیکھا ہے کہ سپاہی اور دیگر مذہب زدہ سعودی، عوام و بڑی ہی حقارت کے ساتھ، بوقت دعا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے روضہ مبارک جنت البقیع کے مزارات اور دیگر متبرک مقامات کی طرف رخ کرنے سے بڑی سختی کے ساتھ روکتے اور منع کرتے رہتے ہیں۔ ان کی سخت گیری اور دیدہ دلیری سے تو یہی اندازہ ہوتا ہے کہ انہیں اپنے علماء اور حکام کی پوری طرح حمایت حاصل ہے۔

ایک مرتبہ ہم اپنے رفقاء سفر کے ہمراہ جنت البقیع کی قریب والی دیوار کے ساتھ کھڑے روضہ انور کی طرف رخ کئے نہایت احتیاط و انہماک کے ساتھ سر جھکائے دعا کر رہے تھے۔ ہم نے ہاتھ بھی نہیں اٹھائے ہوئے تھے تاکہ کوئی دیکھ نہ لے،

لیکن پھر بھی ہم نے سنا کہ کوئی چلا رہا ہے۔ ”لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ قَوْلٌ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ، لَا إِلَى قَبْرِ النَّبِيِّ۔ اللہ کے ساتھ شرک مت کرو کہ بیشک شرک بڑا ظلم ہے مسجد حرام کی طرف منہ پھيرو، نبی کی قبر کی طرف نہیں۔“ واضح رہے کہ سعودی روضہ اقدس کو قبر کہتے ہیں۔ بہر حال آواز اتنی کرخت اور حقارت آمیز تھی کہ ہمیں اس کی طرف متوجہ ہونا پڑا، اور بے حد دکھ ہوا کہ غلام اور آقا کے درمیان یہ شیطان کہاں سے آگیا، لیکن ہم خاموش کھڑے رہے، اتنی دیر میں دوبارہ وہی آواز آئی اور ہم نے اس خبیث کو بالکل اپنے قریب کھڑا پایا، اب ہم سے نہ رہا گیا لیکن آقا ﷺ کے دربار کا احترام ملحوظ رکھتے ہوئے ہم نے اپنے غصہ پر قابو رکھا اور پہلے اس شخص کو سلام کیا لیکن وہ سلام کا جواب دیئے بغیر غصہ میں لال پیلا ہوا اور اپنی بکو اس کرتا رہا۔ ہم نے اسے بمشکل ٹھنڈا کیا اور بتایا کہ ہم مؤمن ہیں، ایک اللہ پر ہمارا ایمان ہے۔ ہم بحمد اللہ شرک کا تصور بھی نہیں کر سکتے، اپنے آقا کے دربار پر ہم اللہ کے حکم کے مطابق دعا کر رہے ہیں اور بھیک مانگ رہے ہیں اور پھر ہم نے وہ تمام دلائل اس کے سامنے رکھے جو آپ پڑھ چکے ہیں۔ اس نے کوئی جواب دیئے بغیر ایک اشارہ کیا تو چند پولیس والے ہمارے قریب آدھمکے۔ اب ہم نے عافیت اسی میں جانی کہ خاموش ہو جائیں پولیس سے معافی مانگی اور خاموشی سے چل دیئے۔ اس کے بعد غالباً ہمارا چار دن قیام رہا لیکن ہم نے بہت احتیاط رکھی، کیونکہ ہمیں محسوس ہو رہا تھا کہ ہم پوری طرح پولیس کی نظروں میں مشکوک تھے اور ہماری نگرانی ہو رہی تھی۔ ہم نہیں چاہتے کہ کوئی ایسا حادثہ پیش آئے کہ ہم اپنے آقا ﷺ کے دربار کی حاضری سے محروم کر دیئے جائیں۔ اللہ کبھی ایسا نہ کرے۔ آمین

ملاحظہ فرمایا آپ نے غور فرمایا آپ نے کیسی جہالت و حماقت ہے کہ دور، دور سے جواہل ایمان، سرکار ﷺ کے دربار میں سلام عرض کرنے اور بھیک مانگنے کے لئے حاضر ہوتے ہیں۔ یہ بدنصیب انہیں مشرک قرار دیتے ہیں لیکن ان ظالموں کی عقل میں یہ بات نہیں آتی کہ ”عاشقوں کا رخ پھیرنے سے دل تو نہیں پھر جائے گا اور اصل حضوری تو دل کی حضوری ہی ہے“ قسم اللہ وحدہ لا شریک لہ کی ہمارا رخ سمت کعبہ ہوتا ہے۔ ہمارا سجدہ صرف اللہ کے لئے ہوتا ہے۔ لیکن دل آقائے رحمت ﷺ کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔

عشاق روضہ سجدہ میں سوئے حرم جھکے اللہ جانتا ہے کہ نیت کدھر کی ہے علاوہ ازیں، میرے آقا ﷺ ایسے مقام پر رونق افروز ہیں کہ نمازیوں کی بڑی تعداد آپ ﷺ ہی کی اقتداء کرتی نظر آتی ہے۔ یہ قدرتی انتظام ہے کہ چند کے علاوہ باقی نمازیوں کا رخ بھی انہی کی طرف ہوتا ہے اور قلب بھی اور اگر غیر اللہ کو سجدہ حرام نہ ہوتا تو غلاموں کے سجدے بھی آقا ہی کی طرف ہو جاتے۔ اب صورت حال یہ ہے کہ ہم بڑے آرام سے اپنے آقا ﷺ کے حضور ہاتھ پھیلائے بھیک مانگتے ہوتے ہیں اور ظالم شرطی بیچ و تاب کھاتا دیکھتا رہتا ہے۔

بخدا خدا کا یہی ہے در نہیں اور کوئی مفر مفر

جو وہاں سے ہو یہیں آ کے ہو جو یہاں نہیں تو وہاں نہیں

## تین انعام

بے ادبی اور گستاخی کا انجام بیان فرمانے کے بعد اب ان باادب غلاموں پر اپنے انعامات کا مژدہ سنایا جا رہا ہے جو آقا ﷺ کے دربار کا بے حد احترام کرتے اور یہاں نہایت ہی عاجزی و انکساری سے حاضری دیتے ہیں۔ یہ تین انعامات ہیں: جن کے حقدار وہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی ہیں جنہیں بار بار دربار شاہی میں حاضری کا شرف حاصل رہتا تھا اور ان میں قیامت تک آنے والے وہ خوش نصیب عشاق بھی ہیں جنہیں آقا ﷺ کے بظاہر پردہ فرما جانے کے بعد آپ کے روضہ اقدس پر حاضری نصیب ہوتی رہے گی، اور وہ اہل ایمان بھی شامل ہی جنہیں اگرچہ حاضری کی سعادت نصیب نہ ہو سکی لیکن وہ دل و جان سے آقا ﷺ کا احترام کرتے ہیں۔ نہایت خلوص و محبت کے ساتھ ان پر درود کے پھول برساتے رہتے ہیں اور نہایت عجز و انکساری سے محافل نعت اور محافل ذکر میں شریک ہوتے ہیں۔ نیز وارثین انبیاء حضرات علماء کرام سے بے حد ادب و احترام کا رویہ اختیار کرتے ہیں۔ اللہ رب العزت جل مجدہ اپنے محبوب کے ان غلاموں کو تین قسم کے انعامات سے نوازنے کا وعدہ فرماتا ہے۔

پہلا انعام یہ ہے کہ ”أُولَئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ۔“ یہی لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے تقویٰ و پرہیزگاری کے لئے خالص کر لیا ہے۔“ کہ اللہ کے اس فضل کے سبب ان کے دل آقا ﷺ کی محبت سے سرشار ہو گئے ہیں ان کا ہر عمل اپنے آقا ﷺ کی ادا کے مطابق ہوتا ہے۔ دین کی پابندی ان کے لئے سہل و آسان ہو گئی اور وہ اس کے عادی ہو گئے ہیں وہ ہر لحظہ ہر لمحہ خدمت دین میں ہمہ تن مصروف رہتے ہیں۔ دین و دنیاوی امور میں انہیں رب کریم کی حمایت و نصرت نصیب ہوتی ہے اور ان کے تمام کام آسان ہو جاتے ہیں۔

دوسرا انعام یہ ہے کہ ”لَهُمْ مَغْفِرَةٌ“ کہ اللہ نے اپنے حبیب الصلوٰۃ والسلام کے طفیل ان کے ماضی کے تمام گناہوں کو معاف کر دیا ہے اور مستقبل میں گناہوں سے ان کی حفاظت کا ذمہ لے لیا ہے اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مکر شیطان سے محفوظ و مامون ہو گئے ہیں۔ ”لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ“ کی ان پر چادر ڈال دی گئی ہے۔ کہ اب نہ انہیں ماضی کے اعمال کے حساب و کتاب کا ڈر ہے اور نہ ہی مستقبل میں قیامت کی ہولناکیوں سے متاثر ہونے کا کوئی غم رہا ہے۔ انہیں دنیا میں حیوۃ طیبہ کی دولت سے نوازا جا چکا ہے، اور بوقت موت انہیں ”يَا أَيُّهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً فَادْخُلِي فِي عِبَادِي وَادْخُلِي جَنَّتِي۔“ اے نفس مطمئنہ اپنے رب کی طرف اس حال میں واپس آ، کہ تو اس سے راضی ہے اور وہ تجھ سے خوش ہے اور میرے خاص بندوں کے ساتھ میری جنت میں داخل ہو جا۔ یہ مژدہ دے کر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مطمئن کر دیا جاتا ہے۔“

تیسرا انعام یہ ہے کہ ”وَأَجْرٌ عَظِيمٌ“ اور بڑا ہی اجر ہے بے ادبی و گستاخی اعمال کی بربادی کا ذریعہ ہے تو آقا ﷺ کا ادب و احترام کرنے والوں کے اعمال کا اجر و ثواب بطور انعام، کئی گناہ زیادہ کر دیا گیا ہے۔ بطور مثال آقا ﷺ کا ارشاد ملاحظہ ہو راوی ہیں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ ”لَا تَسْبُوا أَصْحَابِي فَلَوْ أَنَّ أَحَدَكُمْ أَنْفَقَ

مِثْلَ أَحَدٍ ذَهَبًا مَا بَلَغَ مُدَّ أَحَدِهِمْ وَلَا نَضِيفَهُ۔“ میرے کسی صحابی کو برا نہ کہو، کیونکہ اگر تم میں سے کوئی کوہ احد کے برابر بھی اللہ کی راہ میں سونا خرچ کرے تو ان کے ایک صاع بلکہ نصف صاع کے ثواب کو بھی نہیں پہنچ سکے گا۔“ کہ میرے ان جانثاروں کو ان کے چھوٹے اعمال کا اجر بھی اللہ اپنے فضل و کرم سے اتنا عطا فرماتا ہے کہ تمہارے بڑے سے بڑے اعمال کی بھی اس کے سامنے کوئی حیثیت نہیں۔ نیز عام غلاموں کو آقائے رحمت ﷺ کا مژدہ ہے: ”أَلَا لَكُمْ الْآجُورُ مَرَّتَيْنِ“ (یہ خوشخبری بغور سنو) کہ تمہارے لئے دو گناہ اجر ہے۔ نیز آپ نے فرمایا کہ ”أَنْتُمْ خَيْرُهَا وَأَكْرَمُهَا عَلَى اللَّهِ تَعَالَى۔ کہ تم اللہ کے نزدیک تمام امتوں سے افضل اور بہتر ہو۔“

اے ایمان والو! دیکھا تم نے کیسا کرم ہے تم پر اللہ کا کہ اس نے ہم بے نواؤں، کمینوں اور ذلیلوں کو اپنے باختیار نبی کے صدقہ میں کس قدر خوش بخت اور بلند اختر بنا دیا۔ لہذا تم اس کی غلامی سے کبھی منہ نہ موڑنا کوئی کتنا ہی چاہے کہ ان کی طرف سے تمہارا رخ پھیر دے۔ تم کسی فتوے کی پروا نہ کرنا، اسی میں تمہاری کامیابی و کامرانی اور معراج و ترقی ہے: ”قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ۔ (اے پیارے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام) آپ فرما دیجئے کہ اگر تم واقعی اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری غلامی اختیار کئے رہو اللہ کے محبوب و پیارے بھی ہو جاؤ گے اور وہ تمہارے گناہ بھی بخش دے گا۔“ پس ہرگز پروا نہ کرو کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی، ان کے عشق و محبت میں سرگرداں رہو اور نہایت ادب و احترام کے ساتھ اس کا مظاہرہ کرتے رہو۔

سرکار ہم گنواروں میں طرز ادب کہاں ہم کو تو بس تمیز یہی بھیک بھر کی ہے  
بے وقوف

”إِنَّ الَّذِينَ يُنَادُونَكَ مِنَ الْجُبُرَاتِ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ۔“ جو آپ کو دروازوں کے پیچھے سے باواز بلند پکارتے ہیں ان میں سے اکثر نا سمجھ ہیں، بڑے ہی نا سمجھ، بے عقل اور بے وقوف ہیں وہ لوگ جو آپ کے دروازے پر حاضر ہو کر بے ادبی اور گستاخی سے، یا محمد، یا محمد (ﷺ) چیخ چیخ کر پکارنے لگتے ہیں بالکل اس طرح جیسے وہ آپس میں ایک دوسرے کو آوازیں دیتے ہیں۔ یہ ان بدوؤں کا خصوصی ذکر کیا جا رہا ہے جن کا تعلق قبیلہ بنو تمیم سے تھا۔ ایک مرتبہ ان کے ستر آدمی مدینہ طیبہ حاضر ہوئے اور در رسول ﷺ پر آپ کو زور، زور سے پکارنے لگے۔ دوپہر کا وقت تھا، حضور ﷺ حسب معمول قبولہ فرما رہے تھے۔ تہذیب و تمدن سے عاری ان بادیہ نشینوں نے آوازیں لگائیں: ”يَا مُحَمَّدُ (ﷺ) أَخْرِجْ إِلَيْنَا“ اے محمد (ﷺ) باہر آئیے اور جب اللہ کے رسول ﷺ رونق افروز ہوئے تو انہوں نے اپنی شخی بگھارنا شروع کر دی اور بولے: ”يَا مُحَمَّدُ (ﷺ) إِنْ مَدَحْنَا زَيْنَ وَإِنْ شَتَمْنَا شَيْنَ وَنَحْنُ أَكْرَمُ الْعَرَبِ“ جب ہم کسی کی تعریف کرتے ہیں تو اسے مزین و آراستہ کر دیتے ہیں اور جب ہم کسی کی مذمت کرتے ہیں تو اسے ذلیل و خوار کر دیتے ہیں اور ہم تمام عربوں سے اشرف و اعلیٰ ہیں۔ آقائے رحمت ﷺ نے مسکراتے ہوئے فرمایا: ”كَذَبْتُمْ بَلْ مَدَحُ اللَّهِ زَيْنَ وَشَتْمُهُ شَيْنٌ۔ تم غلط کہتے ہو، حقیقت یہ ہے کہ اللہ کی طرف سے کسی کی مدح اس کے لئے باعث عزت و زینت ہے اور اللہ کی طرف

سے کسی کی مذمت اس کے لئے باعث ذلت و خواری ہے۔“ ”وَ أَكْرَمَ مِنْكُمْ يُوسُفُ۔ اور تم سے بہتر حضرت یوسف علیہ السلام ہیں۔“

اللہ اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار میں یہ بے ادبی اور عام لوگوں جیسا رویہ ناگوار ہوا۔ ”ہذا فرمایا“ وَلَوْ أَنَّهُمْ صَبَرُوا حَتَّىٰ تَخْرُجَ إِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ۔“ اگر وہ صبر کر لیتے، یہاں تک کہ آپ خود ہی باہر تشریف لے آتے تو یہ ان کے لئے بہتر ہوتا، یعنی ان کی بے عقلی و حماقت ظاہر نہ ہو پاتی۔

چونکہ یہ سب لوگ مشرف باسلام ہوئے شرف صحابیت سے نوازے گئے۔ معلم کامل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیم نے انہیں تہذیب سے آراستہ و مزین کیا، اور ان کی جہالت کا خاتمہ ہو گیا۔ اب یہ بد و اشرف و اعلیٰ ہو گئے، ہمارے سر کا تاج بن گئے۔ پس اللہ کریم نے ان کی قبولیت اور رفعت و بلندی کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا: ”وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔ اور اللہ بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔“ دامن مصطفیٰ ﷺ سے وابستگی کے صلہ میں ان کی مغفرت و بخشش ہو چکی ہے اب کوئی انہیں بے عقل و بے وقوف نہ کہے اور نہ سمجھے۔

اے ایمان والو! آؤ، تم بھی دامن رحمت میں پناہ لے لو، ان کی غلامی کا طوق اپنی گردن میں ڈال لو، عزت والے ہو جاؤ گے، عظمت والے بن جاؤ گے۔ بایں صورت کہ ان کے غلام بن کر ان کے پیاروں کا ادب کرو، ان کا احترام کرو اور ان کے دربار میں جب بھی حاضری کا موقع نصیب ہو۔ نہایت ہی عاجزی و انکساری سے حاضری دو، اپنے اسلاف کے نقوشہائے قدم کو پیچھاؤ اور ان کی پیروی کرو با عزت ہو جاؤ گے، خوب فیض یاب ہو گے۔

باب العلم حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تعلیم ہے کہ ”جب تم کسی عالم کی خدمت میں حاضری دو تو پہلے عالم کو پھر دیگر اہل مجلس کو سلام کرو، عالم کے سامنے نہایت ادب سے بیٹھو، ہاتھوں سے اشارے نہ کرو، آنکھیں نہ پھیرو، عالم سے حجت نہ کرو، بحث نہ کرو، سوالوں سے پریشان نہ ہو، کہ عالم اس درخت کی طرح ہے جو پھلوں سے لدا ہوا ہے اور اپنے میٹھے پھلوں کو برابر نکالتا رہتا ہے۔ (یعنی ہر قسم کے سوال کا جواب نہایت میٹھے انداز سے دیتا ہے) اور عالم کے لئے ضروری ہے کہ باوقار اور سنجیدہ ہو، ادھر ادھر بلا ضرورت نہ دیکھے، شور و غل نہ کرے، کھیل کود نہ کرے، روکھا اور بے مروت، یہودہ باتیں کرنے والا نہ ہو۔“

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما (حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چچا زاد بھائی) اپنا واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال کے وقت کم عمر تھا۔ میں نے اپنے ایک دوست سے کہا: اب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تو تشریف لے جا چکے۔ لیکن یہ ہماری خوش نصیبی ہے کہ ابھی آپ ﷺ کے صحابہ موجود ہیں۔ چلو ہم دونوں صحابہ سے علم حاصل کریں۔ میرے دوست نے میری بات نہ مانی اور لا پرواہی سے جواب دیا کہ ان بڑے بڑے عالموں کے سامنے ہماری کیا حیثیت ہو سکتی ہے۔ پس اس نے تجارت شروع کر دی خوب دولت کمائی اور میں صحابہ کی خدمت میں حاضر ہو کر خوب علم حاصل کرنے لگا۔ میں ہر اس جگہ پہنچتا جہاں مجھے کسی صحابی کی موجودگی کا پتہ چلتا۔ ایک ایک حدیث حاصل کرنے کے لئے میں نے مہینوں کا سفر کیا۔ کئی بار ایسا ہوا کہ میں کسی صحابی کے گھر دوپہر کے وقت پہنچا تو معلوم ہوا کہ وہ قیلولہ کر رہے ہیں۔ میں ساری

دوپہر سخت دھوپ میں ان کے دروازے پر بیٹھا رہتا، جب وہ باہر آتے تو مجھے دیکھ کر فرماتے، اے اللہ کے رسول کے چچا زاد بھائی، آپ ہمارے لئے قابل احترام ہیں آپ نے کیوں تکلیف فرمائی۔ ہمیں کیوں نہ بدلا لیا، ہم حاضر ہو جاتے، یا کم از کم اس دھوپ میں بیٹھ کر انتظار کی تکلیف نہ فرماتے، ہمیں خبر کر دیتے تو ہم فوراً دروازہ کھول دیتے۔ میں عرض کرتا، نہیں ادب و احترام کا تقاضا یہی ہے کہ طالب علم کو عالم کا نیاز مند اور اس کے در کا بھکاری ہی ہونا چاہئے۔ یہ کیسے ممکن تھا کہ میں اپنی پیاس بجھانے کے لئے آپ کے آرام میں نخل ہوتا یہ تو خود غرضی بھی ہوتی اور بے ادبی بھی، وہ خوش ہوتے میری اس عجز و انکساری کی قدر کرتے اور مجھے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی احادیث بڑے ہی ادب و احترام اور محبت بھرے لہجے میں سناتے اس طرح میں نے علم کے موتی جمع کئے اور جب خزانہ بھر گیا تو وہ وقت آیا کہ میرے در پر بھکاری بڑے ہی ادب و احترام سے جھولیاں پھیلائے کھڑے ہوتے اور میں ان کو شب و روز موتی تقسیم کرتا رہتا۔ مجھے اللہ نے عزت دی خوب نوازا۔ میرے دوست کو جب میری شہرت کا پتہ چلا تو وہ بھی ایک دن جھولی پھیلائے میرے در پر حاضر ہوئے اور نہایت شرمندگی کا اظہار کرتے ہوئے بولے: ”کاش میں تمہاری بات مان لیتا تو آج میں بھی تمہاری طرح باعزت زندگی بسر کرتا ہوتا، میں نے خوب دولت کمائی، لیکن نہ عزت پائی نہ تمہاری طری شہرت پائی۔ بیشک اللہ نے تمہیں خوب خوب نوازا ہے: ”ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ۔“

بہر حال علماء دین کا ادب و احترام درحقیقت رسول ہی کا ادب و احترام ہے کہ معلم کامل ﷺ نے ان حضرات کو اپنے علم کا وارث، خادم اور پاسبان بنایا ہے اپنے مقدس منبر پر کھڑے ہونے اور نورِ علم پھیلانے کا اعزاز بخشا۔ دوستو! یہ ہماری بد نصیبی ہے کہ ہم آج علماء کی حیثیت قبول کرنے اور ان کی عزت کرنے سے محروم ہیں اگر یہ اعزاز ہمیں حاصل ہوتا تو ہم بھی باعزت ہوتے اس دور میں ہم اور ہماری نسل ذلت و خواری کا شکار محض اس لئے ہے کہ نہ صرف علماء بلکہ کسی بزرگ اور بڑے کا احترام ہمارے دل میں نہیں رہا۔ اے اللہ! ہمیں دولت ادب و احترام سے نواز دے۔ آمین

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی خَيْرَ خَلْقِهِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلَىٰ اٰلِهِ وَاَصْحَابِهِ اٰجْمَعِينَ۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ



## مقالہ ۷۲

### الحجرات: ۶ تا ۱۰

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوا أَن تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْحُوا عَلَىٰ مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ ۝ وَاعْمُوا أَنَّ فِيكُمْ رَسُولَ اللَّهِ لَوْ يُطِيعُكُمْ فِي كَثِيرٍ مِّنَ الْأَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ حَبِيبٌ إِلَيْكُمْ إِلَا يُؤْمِنُ وَرِئْتَهُ فِي قُلُوبِكُمْ وَكَرَّهَ إِلَيْكُمْ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ أُولَٰئِكَ هُمُ الرُّشِدُونَ ۝ فَضَلَّاهُمُ اللَّهُ وَنِعْمَ اللَّهُ عَلَيْنُمْ حَكِيمٌ ۝ وَإِنْ طَائِفَتَيْنِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلَحُوا بَيْنَهُمَا فَإِنْ بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَىٰ فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّىٰ تَفِيءَ إِلَىٰ أَمْرِ اللَّهِ فَإِنْ فَاءَتْ فَأَصْلَحُوا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَأَقْسِطُوا ۝ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ۝ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلَحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ۝

(الحجرات: ۶-۱۰)

## خبر فاسق کی تحقیق

Marfat.com



تصدیق نہ کریں اور اس کے پیچھے نہ لگیں کہ ہماری یہ اندھی تقلید کبھی ہمارے گھر، ہمارے خاندان اور کبھی پورے معاشرے کے لئے سخت نقصان کا باعث ہو سکتی ہے۔ اس سے ہمارے درمیان دشمنیاں اور لڑائی جھگڑے پیدا ہو سکتے ہیں۔

تاریخ شاہد ہے، تجربہ بتاتا ہے کہ بسا اوقات جھوٹی خبروں اور افواہوں کے سبب ہی قوموں کے درمیان غلط فہمیاں پیدا ہوئیں اور نوبت بایں جا رسید کہ دو طاقتیں آپس میں لڑ پڑیں، قتل و غارت کا سلسلہ شروع ہو گیا، مستحکم و مضبوط ممالک تباہ و برباد ہو گئے، عوام ناکردہ گناہ کی سزا میں مبتلا ہوئے اور ناقابل تلافی نقصان اٹھانا پڑا کہ جب تیرکمان سے نکل جائے تو واپس نہیں آ سکتا اسی طرح جو نقصان ہو جائے اس پر کتنی ہی ندامت ہو، کتنا ہی پچھتاوا ہو سر تو پینا جا سکتا ہے لیکن تلافی نہیں ہو سکتی کہ یہ وہ وبال ہے جو خود ہی مول لیا تھا اور یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ ”خود کردہ راجہ علاج۔“

کیونکہ قرآن کریم ہرگز پسند نہیں فرماتا کہ اہل ایمان کسی غلط فہمی کا شکار ہو کر باہمی انتشار و افتراق میں مبتلا ہوں اور پھر انہیں پچھتاوا اور ندامت کا دکھ سہنا پڑے کہ یہ نقصان تو اس کا مقدر ہے جسے کوئی باخبر کرنے والا نہ ہو امت مسلمہ تو خوش نصیب ہے کہ اسے ہر خطرے سے پہلے ہی وحی الہی نیز منجر صادق ﷺ آگاہ کر دیتے ہیں اور یہ دونوں اس قدر یقینی ذریعے ہیں کہ تمام خبر رساں ذرائع ان کے مقابلہ پر ناکارہ اور ناقابل اعتماد ہیں۔ پس اہل ایمان کی عافیت و خیرت کے لئے ضروری ہے کہ وہ ان ذرائع سے رابطہ قائم رکھیں اور ان کی راہنمائی کو اپنی زندگی کا لائحہ عمل بنائیں۔ وہ ہر خطرے اور ہر بربادی سے یقیناً محفوظ رہیں گے۔

افواہ چونکہ ہلاکت و بربادی کا سب سے بڑا ذریعہ ہے لہذا ہدایت کی گئی کہ جب تمہیں کوئی خبر ملے تو ”فَتَبَيَّنُوا“ پہلے خوب اس کی تحقیق کرو، خبر لانے والے کے حالات تفصیل سے معلوم کرو مثلاً وہ بے نمازی تو نہیں، شرابی یا جواری تو نہیں، راشی و مرتشی تو نہیں، حرام خور یا سود خور تو نہیں، حرام کاروبار تو کرنے والا نہیں، شرعاً مردود الشہادۃ تو نہیں اسی قسم کے دیگر عیوب کی تحقیقات کرو۔ یہ خیال نہ کرنا کہ کسی کی عیب جوئی تو شرعاً ممنوع ہے کہ یہاں مقصود عیب جوئی نہیں بلکہ عیوب کے باعث ممکنہ نقصان سے خود کو یا قوم کو بچانا مقصود ہے۔ پس خوب تحقیق کر لو پھر یہ سوچو کہ خبر کی نوعیت کیا ہے بری خبر ہے یا اچھی اس کے پھیلانے اور اس پر عمل کرنے سے فائدہ ہوگا یا نقصان۔ نیز اس خبر کا اچھا یا برا اثر ذات پر ہوگا اہل خانہ یا خاندان پر ہوگا یا اس سے پوری قوم متاثر ہوگی مثلاً کسی قریبی عزیز کی موت کی خبر اس سے محبت کرنے والوں کو سخت صدمہ پہنچا سکتی ہے یا دوران جنگ کسی اہم سپاہی کی شہادت کی خبر پورے لشکر اسلام کے پیر اکھاڑ سکتی ہے یا کسی بیماری کی افواہ پورے گاؤں یا زندگی کو متاثر کر سکتی ہے یا کسی چیز کی ممکنہ گرانی کی غلط اطلاع معاشی نظام کو تہس نہس کر سکتی ہے یا دشمن کی قوت و طاقت اور اس کی کثرت تعداد کا چرچا پوری قوم کی ہمت و جرأت کے لئے زہر قاتل بن سکتا ہے۔ اسی طرح بسا اوقات اچھی خبریں، خوش خبریاں اور مرشدے بھی خوش فہمی یا غلط فہمی کا سبب بن جاتے ہیں مثلاً بچے کو اس کی صلاحیتوں اور قابلیتوں کا یقین دلانا درحقیقت اسے لا پرواہی میں مبتلا کرنا ہے۔ مریض کو اس کی قطعی صحت کا یقین دلانا اسے بد احتیاطی میں مبتلا کر دینا ہے۔ یہ اور ان جیسے کثیر مشاہدات ہماری زندگی میں شب و روز دیکھے جاتے اور پیش آتے رہتے ہیں جو اس ثبوت کے لئے کافی ہیں کہ

افواہ و اخبار کا معاملات زندگی میں بڑا اثر ہوتا ہے لہذا ہر خبر کی اشاعت اور اس پر عمل سے قبل اس کی تحقیق نہایت ہی محتاط انداز سے کر لینا ضروری ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم حکم دے رہا ہے۔

تحقیق کا یہ حکم اگرچہ اس خبر سے متعلق ہے جس کا لانے والا فاسق ہو لیکن خبر لانے والے کے کردار و عمل کی تحقیق بھی درحقیقت خبر ہی کی تحقیق ہے علاوہ اس کے کہ کسی خبر لانے والے کی صالحیت مسلم اور یقینی ہو جیسے نبی کی عطا کردہ خبریں یا دیگر اتقیا و صالحین کی لائی ہوئی خبریں بلا تحقیق قابل عمل ہوں گی چاہے ان خبروں کا تعلق دینی امور سے ہو یا دنیاوی معاملات سے ہو جبکہ نبی کی اخبار تو وحی الہی کے عین مطابق ہوتی ہیں لہذا ان میں شک و شبہ کرنا بھی کفر ہے۔

### باعث نزول

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مبارک دور میں غلط خبر پھیلنے ہی کا ایک واقعہ اس آیت مبارکہ کے نزول کا باعث بنا۔ ہوا حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کے مشرف باسلام ہونے اور ہماری ماں بن جانے کے بعد ان کے قبیلہ کا ایک وفد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جس کے رئیس حارث بن ضرار تھے۔ یہ واقعہ خود حضرت حارث رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے مجھے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا۔ میں نے اسلام قبول کر لیا اور زکوٰۃ ادا کرنے کا وعدہ کیا۔ نیز گزارش کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم میں واپس ہو کر اپنے قبیلہ کو بھی اسلام قبول کرنے کی دعوت دوں گا اور ان سے زکوٰۃ بھی جمع کروں گا۔ آپ اس ماہ کے آخر تک اپنے کسی صحابی کو ہمارے یہاں بھیج دیں تاکہ میں زکوٰۃ کا جمع کردہ سامان ان کو دے دوں۔ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وقت مقرر پر ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کو اپنا نمائندہ بنا کر زکوٰۃ کی وصولیابی کے لئے روانہ کیا۔ ولید بن عقبہ اپنے زمانہ کفر میں اس قبیلہ کے ایک شخص کو قتل کر چکے تھے۔ اب انہیں اسی قبیلہ کی طرف بھیجا جا رہا تھا، لاچار تعمیل حکم کی اور چل دیئے لیکن دوران سفر یہ خیال پریشان کرتا رہا کہ وہاں مقتول کے ورثاء مجھے دیکھیں گے ممکن ہے بے قابو ہو جائیں اور نہ چاہتے ہوئے بھی مجھے قتل کر ڈالیں۔ ولید نے بہت ہمت کی سفر جاری رکھا لیکن بالآخر جان کی محبت غالب آئی اور ہمت ہار بیٹھے راستہ ہی سے واپس لوٹ آئے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار میں آ کر عرض کی کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم) میں وہاں گیا لیکن حارث نے مجھے زکوٰۃ کا سامان دینے سے انکار کر دیا اور مجھے قتل کرنے کا ارادہ کیا میں جان بچا کر واپس آ گیا۔

یہ خبر پورے مدینہ منورہ میں آنا فانا پھیل گئی لوگ مشتعل ہو گئے۔ حارث کے قبیلہ بنو مصطلق کے خلاف جنگ کی تیاریاں شروع ہو گئیں کیونکہ افواہ کے مطابق انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دھوکا دیا۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے بغاوت کی۔ ام المؤمنین حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا بھی اس خبر پر بے حد غمزدہ تھیں کیونکہ یہ معاملہ انہی کے قبیلہ سے متعلق تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صورت حال کا جائزہ لینے کے بعد حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو مجاہدین کا ایک دستہ لے کر بنو مصطلق کے پاس جانے کا حکم دیا اور ہدایت فرمائی کہ اس وقت تک حملہ آور نہ ہونا جب تک تحقیق نہ کر لو اور صورت حال واضح نہ ہو جائے۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ اپنے سپاہیوں کو لے کر روانہ ہوئے۔ راستہ ہی میں ان کی ملاقات حارث اور ان کے

قبیلہ کے لوگوں سے ہو گئی۔ حضرت حارث رضی اللہ عنہ نے حیرت سے پوچھا کہ آپ لوگ کہاں جا رہے ہیں۔ انہوں نے تمام حالات بتائے اور پوچھا کہ کیا واقعی تم نے وعدہ خلافی کی ہے اور اسلام سے پھر گئے ہو۔ حارث نے کہا یہ عجب معاملہ ہے ہم تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نمائندے کا انتظار کرتے رہے اور اب خود آپ کی خدمت میں حاضری کے لئے جا رہے ہیں نیز انہوں نے بقسم کہا کہ ہم نے تو ولید بن عقبہ کو دیکھا تک نہیں۔ تعجب ہے کہ انہوں نے کیسے کہہ دیا کہ وہ یہاں آئے اور ہم نے حسب وعدہ زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا۔ یہ دیکھئے زکوٰۃ کا سب مال ہمارے ساتھ ہے جو ہم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار میں پیش کرنے ہی جا رہے ہیں۔ صورت حال واضح ہو جانے کے بعد یہ سب لوگ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے آپ کو تمام باتیں بتائیں۔ اللہ کے رسول ﷺ کو حضرت ولید رضی اللہ عنہ کی اس حرکت پر بے حد صدمہ ہوا۔ آپ نے انہیں طلب فرمایا اور غلط بیانی کی وجہ معلوم کی تو انہوں نے اصل بات بتائی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اس قبیلہ کے ایک شخص کا قاتل ہوں۔ مجھے خوف ہوا کہ یہ لوگ مجھے قتل نہ کر دیں اس لئے میں راستہ سے ہی واپس آ گیا۔ میں نے جو کچھ کیا وہ غلط تھا میں اپنی اس غلطی سے توبہ کرتا ہوں۔ آپ بھی مجھے معاف فرمادیں اور میرے لئے اللہ سے معافی کی دعا کر دیں۔ حضرت حارث رضی اللہ عنہ بھی بولے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم اپنے بھائی ولید سے اپنے مقتول کا خون معاف کرتے ہیں کیونکہ ان کا یہ گناہ زمانہ کفر کا تھا آپ بھی انہیں معاف فرمادیں اور اللہ سے دعا کریں کہ وہ ان کی توبہ قبول کر لے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ولید کو معاف کیا اور ان کی توبہ قبول ہونے کا مژدہ سنایا۔

تعمیل قبل حکم

یہ تھا واقعہ جو آیہ مبارکہ کے نزول کا سبب بنا جس میں اہل ایمان کو ہدایت کی گئی کہ ”فاسق کی لائی ہوئی خبر کی پہلے خوب تحقیق کر لیا کرو ایسا نہ ہو کہ“ ”أَنْ تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ“ خبر غلط ہو اور تم بلا تحقیق کسی پر حملہ آور ہو جاؤ اور اسے تکلیف پہنچا دو۔ ”فَتُصِيبُوا عَلَى مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ“ پھر ندامت و شرمندگی میں مبتلا ہونا پڑے کہ پچھتاوے کا زخم بہت ہی گھائل ہوتا ہے مشکل ہی سے بھرتا اور مندمل ہوتا ہے۔“

یہاں ایک بات غور کرنے کی ہے جو بڑی ایمان افروز ہے کہ یہ واقعہ پہلے پیش آیا اور آیت بعد میں نازل ہوئی اور جو حکم دیا گیا۔ اس پر پہلے ہی میرے آقا ﷺ عمل فرما چکے تھے کہ آپ نے مسلمانوں کو بنو مصطلق پر حملہ کرنے سے روکا اور حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو ایک دستہ کی معیت میں یہ ہدایت فرماتے ہوئے روانہ کیا کہ ”تحقیق حال کے بغیر کوئی قدم نہ اٹھانا“ اور جب حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے تحقیق کی تو بات غلط ثابت ہوئی۔ بنو مصطلق اسلام پر قائم تھے سب مل کر اپنے آقا ﷺ کے دربار میں حاضر تھے۔

یہ تعمیل قبل حکم میرے آقا ﷺ کی خصوصیت ہے جس کا ذریعہ وہ علم غیب ہے جو اللہ تعالیٰ عالم الغیب والشہادہ نے اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عطا فرمایا جو نبوت کا لازمی جز ہوتا ہے کہ اللہ جس کو مقام نبوت پر سرفراز فرماتا ہے اسے اس کی ضرورت کے مطابق ضرور علم غیب بھی عطا فرماتا ہے چونکہ میرے آقا ﷺ سید المرسلین اور خاتم النبیین ہیں۔ آپ ”كُنْتُ

نَبِيًّا وَادَمُ بَيْنَ الْمَاءِ وَالطِّينِ“ میں نبی ہو چکا تھا جبکہ آدم علیہ السلام پانی اور مٹی ہی کے درمیان تھے۔ کے ارشاد کے مطابق اپنے تمام اوصاف اور کمالات کے ساتھ مقام نبوت سے سرفراز کئے جا چکے تھے لہذا آپ کے علم غیب کی ابتداء بھی ہو چکی تھی اور چونکہ آپ خاتم الانبیاء والمرسلین ہیں لہذا آپ کا دور نبوت و رسالت بھی جاری ہے۔ اس دور کی انتہا کب اور کہاں ہے یہ اللہ کے سوا کون جاسکتا ہے ہاں نبی کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے دور کے تمام حالات و واقعات حتیٰ کہ اپنی امت کے اعمال سے بھی واقف ہو لہذا اللہ رب العزت جل مجدہ نے اپنے فضل و کرم سے آپ کو ان تمام حالات و واقعات پر آگاہ فرمایا جو آپ کی بعثت سے قبل ہو چکے اور جو قیامت کے دن وقوع پذیر ہونے والے ہیں ”فَأَوْحَىٰ إِلَيْ عَبْدِهِ مَا أَوْحَىٰ“ رب نے اپنے عبد مقدس کو جو چاہا عطا فرمایا، کے ذریعہ اللہ نے اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ”عالم ما کان و ما یكون“ ہونے کا اعلان فرمایا۔ اسی علم لا محدود کے ذریعہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ماضی کے بے شمار واقعات بیان فرمائے اور مستقبل کی بے شمار خبریں دیں جو وقوع پذیر ہو چکی ہیں، جو رہی ہیں اور قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی جب تک آپ کی تمام پیش گوئیاں وقوع پذیر نہ ہو جائیں۔ علاوہ ازیں اسی علم کے مطابق آپ نے ان چیزوں کا حال بیان فرمایا وہ واقعات بتائے جن کا تعلق ہماری اس دنیا سے نہیں ہے مثلاً قبر کا حال، بعثت بعد الموت کے حالات، جنت و دوزخ کا حال، فرشتوں کا حال، آپ کی اخبار بالغیب کا تذکرہ احادیث و سیرت کی کتابوں میں بکثرت موجود ہے اور آپ کا علم غیب واضح دلائل سے ثابت ہے:

اور کوئی غیب کیا تم سے نہاں ہو بھلا جب نہ خدا ہی چھپا تم پہ کروڑوں درود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی غیب دانی کے پس منظر میں اگر آپ ایک مرتبہ دوبارہ مندرجہ بالا واقعہ پر غور کریں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ میرے آقا ﷺ نے یہ جانتے ہوئے بھی کہ عقبہ، بنو مصطلق سے خوفزدہ ہیں۔ وہ وہاں نہیں جائیں گے اور غلط بیانی کریں گے انہی کو روانہ کیا اور وہی ہوا جو آپ جانتے تھے صرف اس لئے کہ عقبہ اس واقعہ میں شامل ہو جائیں اور جب بنو مصطلق سے ہمارے دربار میں آنا سامنا ہو تو وہ انہیں معاف کر دیں اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ان کا خوف ختم ہو جائے ورنہ جب بھی بنو مصطلق کا کوئی آدمی مدینہ طیبہ آتا تو عقبہ چھپتے پھرتے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ جانتے ہوئے بھی کہ بنو مصطلق اسلام پر قائم ہیں اور دربار میں حاضر ہونے والے ہیں۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو ایک دستہ کی ہمراہی میں ان کی طرف روانہ کیا تا کہ اہل مدینہ کا وہ جوش ختم ہو جائے جو غلط خبر کی وجہ سے پیدا ہوا تھا اور حضرت خالد رضی اللہ عنہ انہیں اپنے ہمراہ ہمارے دربار میں لے کر حاضر ہوں کیونکہ اگر بنو مصطلق بغیر اطلاع کے مدینہ میں داخل ہوتے تو یقیناً اہل مدینہ ان کا کوئی عذر سننے بغیر ان پر حملہ آور ہو جاتے اور پھر ندامت و شرمندگی کے سوا کچھ ہاتھ نہ آتا جو آقائے رحمت ﷺ کے لئے نہایت ہی رنج و الم کا سبب ہوتا۔

صحابہ سے امکان گناہ

آیت زیر گفتگو میں ”فاسق کی لائی ہوئی خبر کی تحقیق کا حکم“ ہے جبکہ مذکورہ خبر دینے والے جلیل القدر صحابی حضرت

عتبہ بن ولید رضی اللہ عنہ تھے۔ تو خیال کیا جاسکتا ہے کہ کیا صحابی بھی فاسق ہو سکتا اور کیا صحابی سے بھی گناہ سرزد ہونا ممکن ہے تو ظاہر ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد مخلوق میں سب سے اشرف و اعلیٰ ہونے کے باوجود معصوم نہیں کہ معصوم تو صرف ملائکہ اور انبیاء و رسل ہی ہوتے ہیں لیکن صحابہ کرام پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے خصوصی نسبت اور ان کے بلا واسطہ تعلق کی بناء پر یہ فضل خاص رہا کہ اللہ نے انہیں ہر قسم کے گناہ سے محفوظ رکھا اور اگر کسی سے گناہ سرزد ہو بھی گیا تو اس سے یہی ثابت کرنا مقصود تھا کہ صحابی معصوم نہیں ہوتا۔ نیز ان کے گناہ کو کسی شرعی حکم کے نزول کا وسیلہ بنایا گیا تا کہ اس پر عمل کرنے والے تاقیامت محبوب کے ان خاص غلاموں کے مرہونِ منت رہیں اور جب بھی کسی صحابی سے کوئی گناہ ہوا اسے فوراً احساس گناہ بھی ہوا اور یا تو اس نے اللہ غفور و رحیم کی اجازت سے گناہ بخشنے والے آقائے رحمت ﷺ کے دربار میں حاضر ہو کر اپنے گناہ کا اعتراف کیا، توبہ کی اور بخش دیا گیا اور یا اس نے اپنے آپ کو اپنے آقا کے حضور پیش ہونے کے لائق نہ سمجھتے ہوئے خود کو اللہ کے سپرد کیا اور اللہ کو اس کی یہ ادا بھی پسند آئی اور اس کی معافی کا واضح اعلان فرمایا۔ مثلاً حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دیگر چند صحابہ نے رمضان کی رات میں اپنی بیوی سے صحبت کر لی اور صبح ہوتے ہی اپنے آقائے رحمت کی پناہ لی، گناہ کا اعتراف کیا۔ ان کی بخشش بھی ہوئی اور ہمیشہ کے لئے امت پر یہ کرم کر دیا گیا کہ رمضان کی راتوں میں جماع کو بلا کراہت جائز قرار دے دیا۔ حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ تفصیل سے آپ پڑھ چکے ہیں۔ ان کی قبولیت توبہ کا گواہ آج تک وہ ستونِ توبہ ہے جہاں ہم گناہ گاروں کی توبہ یقیناً قبول ہوتی ہے۔ اسی قسم کے متعدد واقعات موجود ہیں۔ جن سے صحابہ کا معصوم نہ ہونا ثابت ہوتا ہے لیکن انہیں فاسق یا گناہگار بھی نہیں کہا جاسکتا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ کی قبولیت کا ہر موقع پر اعلان فرمایا۔ نیز جملہ صحابہ کرام کے لئے اعلانِ عام ہے ”رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ“ اللہ ان (صحابہ) سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے، اس اعلان کا مقتضی یہی ہے کہ کسی صحابی کی موت اس وقت تک نہیں آ سکتی جب تک وہ گناہ سے پاک و صاف نہ ہو کہ نہ تو اللہ کسی گناہ گار سے راضی ہوتا ہے اور نہ ہی کوئی بندہ۔ اللہ سے اس وقت تک راضی ہو سکتا ہے جب تک اسے رب معاف نہ کر دے۔ پس حضرت عتبہ رضی اللہ عنہ سے ضرور غلط بیانی کا گناہ سرزد ہوا جو فسق تھا لیکن جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں معاف فرمادیا تو وہ دیگر صحابہ کی طرح چمکتے تاروں میں سے ایک تار رہ ہو گئے اور اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے ”رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ“۔

رسول کی اتباع کرو

آپ پڑھ چکے ہیں کہ بنو مطلق سے متعلق جو افواہ پھیلی اس کی وجہ سے تمام صحابہ کرام نہایت مشتعل ہوئے اور مطالبہ کرنے لگے کہ اس قبیلہ پر فوراً حملہ کیا جائے لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایسا نہ ہونے دیا ان کا یہ اشتعال بنو مطلق کے دربارِ نبوی ﷺ میں حاضری تک رہا اور دن رات جنگ ہی کی تیاریاں ہوتی رہیں۔ اللہ کو اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے محبوب غلاموں کی یہ غلٹ اور ان کے واضح فیصلہ سے پہلے ہی جنگ کا مطالبہ کر دینا پسند نہ آیا۔ پس انہیں اور ان کی وساطت سے قیامت تک پیدا ہونے والے اہل ایمان کو ہدایت دی گئی کہ ہر حال میں اللہ کے رسول ﷺ کی رضا اور ان کے حکم کا خیال

رکھو ”وَاعْلَمُوا أَنَّ فِيكُمْ رَسُولُ اللَّهِ“ اور جان لو کہ اللہ کے رسول تم میں موجود ہیں۔ رسول تمہاری رہبری و راہنمائی ہی کے لئے ہے تم پر اس کی اطاعت و فرمانبرداری لازم و فرض ہے۔ اس کی اطاعت درحقیقت اللہ ہی کی اطاعت ہوتی ہے، پس تم ہر موقع پر رسول کے حکم کا انتظار کیا کرو اس کے حکم سے پہلے تمہیں کوئی فیصلہ کر لینے کا حق نہیں۔ یہ خواہش ہرگز نہ کرو کہ رسول تمہارا مطالبہ قبول کرے اور وہ تمہاری خواہشات کی پیروی کرے۔ ”لَوْ يُطِيعُكُمْ فِي كَثِيرٍ مِّنَ الْأَمْرِ لَعَنِتُمْ“ اگر رسول اکثر معاملات میں تمہاری بات ماننے لگیں تو تم ہی مشقت میں مبتلا ہو جاؤ گے، ناکامی و ناکامی تمہارا مقدور ہوگی۔

”لَعَنِتُمْ“ تم ہی مشقت میں مبتلا ہو گے، رسول کی نافرمانی یا رسول کے احکام سے پہلے کوئی فیصلہ کر لینے سے رسول کا کچھ نہیں بگڑے گا تم ہی مشقت میں مبتلا ہو گے۔ بایں صورت کہ تمہارے غلط فیصلے یا تو تمہارے جانی و مالی نقصان کا سبب ہوں گے یا کم از کم تمہیں ندامت و شرمندگی کا غم سہنا پڑے گا اور یا تم میں انتشار و افتراق کی وبا پھوٹ پڑے گی۔ جس سے تمہاری عزت پامال ہو جائے گی غیروں کی نظروں میں تمہارا وقار اور رعب جاتا رہے گا کیونکہ تمہارے فیصلے تو اندھے کی لالچی کی طرح ہوں گے جو مارتا کہیں ہے پڑتی کہیں ہے جبکہ نبی تو تمہارے دلوں کا حال جانتا ہے اسے ماضی و مستقبل کا سبب حال معلوم ہے اس کا کوئی تیر نشانہ سے نہیں ہٹ سکتا اس کا کوئی حکم تمہارے نقصان و خسارے کا باعث نہیں بن سکتا پھر رسول کا تو ہر حکم اللہ ہی کا حکم ہوتا ہے۔ ”وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ“ نبی کبھی اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتا اس کی ہر بات اللہ کی وحی ہی ہوتی ہے۔ پس اس کے کسی حکم یا فیصلے پر شک و شبہ نہیں کیا جاسکتا۔ اس کے احکام کی تعمیل میں فوری یا بدیر، تمہاری بھلائی ہی بھلائی ہے۔

اہل ایمان بے قصور ہیں

بنو مصطلق کی بدعہدی کی خبر پر صحابہ کرام کا مشتعل ہونا ایک فطری عمل تھا کیونکہ اللہ نے ہر مؤمن کے دل میں ایمان کی اتنی محبت پیدا کر دی اور اس کے قلب کو نور ایمان سے ایسا مزین و منور کر دیا کہ اب وہ کفر، فسق و فجور کی کسی بات کو برداشت نہیں کر پاتا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین تو وہ مؤمنین کاملین ہیں جنہوں نے اپنا مقصد زندگی ہی رسول کی خدمت ان کی اطاعت اور ان کی محبت بنا لیا ہے وہ ہرگز گوارا نہیں کر سکتے کہ ان کے ہوتے ہوئے کوئی رسول سے بدعہدی کرے یا کسی بھی نوع رسول کی توہین کرے پس بنو مصطلق سے متعلق خبر پر ان کا جوش میں آ جانا اور فرط محبت میں اپنے آقا ﷺ سے ان پر حملہ آور ہونے کا مطالبہ کر بیٹھنا ان کے جذبہ ایمان کا مقتضی تھا۔ اس میں ان کا کوئی قصور نہ تھا۔ یہ صحابہ کرام سے اس موقع داغ کو دھویا جا رہا ہے جو کسی بھی وقت کوئی بد عقیدہ اس واقعہ کا سہارا لے کر لگا سکتا تھا۔ ”وَلَكِنَّ اللَّهَ حَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيمَانَ وَزَيَّنَهُ فِي قُلُوبِكُمْ“ اور لیکن اللہ ہی نے (اے ایمان والو) تمہارے لئے ایمان کو محبوب کر دیا ہے اور اسے تمہارے دلوں میں آراستہ کر دیا ہے۔ ”وَكُرَّهَ إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ“ اور تمہارے لئے قابل نفرت بنا دیا ہے کفر، فسق اور نافرمانی کو۔ یہ لوگ اسلام کے بعد نہ تو کفر کی کسی بات کو برداشت کر سکتے ہیں نہ کافروں کی ریشہ دوانیاں ان کے لئے قابل برداشت ہیں اور نہ ہی یہ کسی بھی فسق و فجور میں مبتلا ہو سکتے ہیں اور نہ ہی فسق و فجور کی حرکتیں یہ برداشت کر سکتے ہیں۔

بحمد اللہ ہر مؤمن کی یہی کیفیت ہے اور ہونی چاہئے کہ وہ سب سے زیادہ محبت ایمان سے کرتا ہے اگر اس کے سامنے کوئی اللہ و رسول یا دیگر شعائر اسلام کی توہین کرے تو وہ مشتعل ہو جاتا، مرنے اور مارنے پر تیار ہو جاتا ہے لیکن یہ ہماری بد نصیبی ہے کہ آج ہم فسق و فجور میں ایسے مبتلا ہو گئے کہ ہمیں برائی، برائی ہی نہیں معلوم ہوتی۔ کاش ہم اپنی حالت پر غور کریں اور جس طرح ہمارے دلوں میں اللہ و رسول کی اور دیگر شعائر اسلام کی محبت مؤثر ہے اسی طرح ہم اپنے اعمال کی اصلاح کر کے اپنے آپ کو فسق و فجور سے پاک کر لیں تو یقیناً ہم مؤمن کامل کہلانے کے مستحق ہوں گے اور ان بے شمار انعامات سے ہمیں نوازا جائے گا جن سے ہمارے اسلاف صحابہ کرام اولیاء و علماء کو نوازا جاتا رہا ہے اور پھر ہم بھی ان لوگوں میں شمار کئے جائیں گے جن کے لئے مژدہ دیا گیا ”أُولَئِكَ هُمُ الرَّشِدُونَ“ یہ لوگ ہیں جو راہ حق پر ثابت قدم ہیں۔

فَإِنَّكُمْ رَسُولَ اللَّهِ

”وَاعْلَمُوا أَنَّ فِيكُمْ رَسُولَ اللَّهِ“ اور خوب جان لو کہ بیشک رسول تم میں موجود ہیں۔ اس ارشاد باری تعالیٰ پر ہم کچھ مزید گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی موجودگی کی دو صورتیں ہیں، ایک صورت تو ظاہری اور مادی ہے جو ظاہر ہے کہ صحابہ کرام ہی کے ساتھ خاص تھی کہ اللہ کے رسول ﷺ ہمہ وقت ان کی نظروں کے سامنے موجود رہتے تھے۔ صحابہ آپ کے دیدار سے مشرف ہوتے رہتے تھے آپ کی تعلیم سے خوب فیض یاب ہوتے تھے۔ ان کے عشق و محبت کا یہ حال تھا کہ ہر ایک کی یہ کوشش ہوتی تھی کہ اپنا زیادہ سے زیادہ وقت اپنے آقا ﷺ کے دربار میں گزارے۔ اس لئے ہر کوئی یہی چاہتا تھا کہ بس مسجد نبوی ﷺ سے قریب ترین اسے رہائش کا موقع میسر آ جائے کہ ان کے نزدیک سب سے بڑی عبادت اللہ کے محبوب ﷺ کی زیارت اور صحبت تھی وہ کسی لمحہ بھی اس سے محروم ہونا نہ چاہتے تھے کسی لمحہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جدائی ان کے لئے قابل برداشت نہ تھی۔ حضرت ربیعہ بن کعب رضی اللہ عنہ کا مشہور و مستند واقعہ ہے کہ وہ اکثر رات کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو وضو کرایا کرتے تھے۔ ایک دن غلام کی اس خدمت پر آقا کو پیارا آ گیا ارشاد فرمایا ”سَلْ تُعْطَى“ اے ربیعہ جو چاہو مانگ لو، دیا جائے گا آج ہمارا دریا ئے کرم جوش پر ہے عاشق بھی خوب ہوتے ہیں اللہ ہمیں بھی ایسا ہی عشق دے۔ حضرت ربیعہ رضی اللہ عنہ کو اپنے آقا کے اختیار کا بھی بخوبی اندازہ تھا اور ان کی وسیع ملکیت کو بھی خوب جانتے تھے وہ مانگا جو کوئی نہیں مانگ سکتا اور نہ ہی کوئی شہنشاہ و بادشاہ دے سکتا ہے یہ تورب کے خزانوں کے مالک ہی کی شان ہے کہ وہ ”جو چاہو مانگو“ کی عام دعوت دے رہے ہیں اور یہ ربیعہ جیسے عاشق ہی کا کمال ہے کہ وہ عرض کرتے ہیں: ”أَسْأَلُكَ مُرَا فَتَكَ فِي الْجَنَّةِ“ یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم، جنت میں اپنی صحبت کا شرف عطا فرما دیجئے۔ سبحان اللہ! مانگا تو کیا مانگا ذرا انتخاب نعمت پر تو غور کیجئے ذرا ذوق محبت تو دیکھئے جنت نہ مانگی کہ جسے بحالت ایمان اس دنیا میں صحبت محبوب نصیب ہو گئی وہ یقیناً جنتی تو ہو ہی گیا۔ ہاں رفاقت اسی کو نصیب ہوگی جسے آقا ﷺ منتخب فرمائیں۔ پس ربیعہ نے اسی انتخاب کی درخواست پیش کر دی تاکہ جو آنکھیں اس دنیا میں محبوب کے حسن و جمال سے روشن و منور ہیں جنت میں بے نور نہ ہونے پائیں۔

غرضیکہ ”فَإِنَّكُمْ رَسُولَ اللَّهِ“ کی ایک ظاہری و مادی صورت ہے جو وقتی تھی، عارضی تھی، ختم ہو گئی تو کیا (العیاذ

اللہ (رسول اب ہم میں موجود نہیں۔ یہ وہی سوچ سکتا ہے اور کہہ سکتا ہے جو رسول کو اپنا جیسا، عام انسان خیال کرے جبکہ حقیقت یہ ہے حق یہ ہے کہ رسول ہم میں موجود ہیں۔ ”فِيكُمْ رَسُولُ اللَّهِ“ کے ارشاد کا مقتضی بھی یہی ہے اور قرآنی جملہ ”محمد رسول اللہ“ کا مفہوم بھی یہی ہے جبکہ یہ جملہ مبارکہ کلمہ طیبہ کا جز ہے۔ پس ہم میں رسول کی موجودگی کی دوسری صورت یہ ہے کہ ”رسول ہم میں موجود ہیں“ بایں صورت کہ ہم سے پردہ کئے ہوئے ہیں لیکن اپنے دنیاوی جسم اطہر کے ساتھ اسی زمین پر رونق افروز ہیں کہ انہیں کا مستند ارشاد ہے: ”إِنَّ اللَّهَ حَرَّمَ عَلَى الْأَرْضِ أَنْ تَأْكُلَ أَجْسَادَ الْأَنْبِيَاءِ“ کہ بیشک اللہ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ نبیوں کے جسم کو کھائے۔ ”فَنَبِيُّ اللَّهِ حَيٌّ“ تو اللہ کا نبی زندہ ہے۔

ایک مومن کے لئے یہ ارشاد رسول ہرگز باعث حیرت نہیں کہ وہ اللہ کے خالق ہونے پر یقین رکھتا ہے اور اس حقیقت کو بھی تسلیم کرتا ہے کہ اپنی مخلوق میں ایک مخصوص تاثیر پیدا کرنے والا وہی ہے نیز وہ جب چاہتا ہے جس چیز کی چاہتا ہے تاثیر تبدیل فرما دیتا ہے مثلاً آگ کی تاثیر جلا دینا ہی ہے لیکن یہ حکم رب ہی تھا: ”يَنَارُ كُونِي بَرْدًا وَسَلَامًا عَلَىٰ أَسْرَهِيمَ۔“ اے آگ ٹھنڈی ہو جا اور سلامتی بن جا ابراہیم پر۔ پس ہر چیز کو خاکستر کر ڈالنے والی آگ اللہ کے خلیل کا بال جی بیکانہ کر سکی بلکہ سلامتی بن گئی، گلزار بن گئی اسی طرح جس کپڑے سے اللہ کے محبوب ہاتھ پونچھ دیں کیا مجال کہ آگ اسے جلا سکے جبکہ زمین کی تاثیر اپنے دینوں کو کھا جاتا ہی نہیں بلکہ وہ انہیں اگاتی بھی ہے اور ان کی حفاظت بھی کرتی ہے۔ پس کوئی وجہ حیرت نہیں اس حقیقت پر کہ نبی کا جسم اطہر قبر میں بطور امانت محفوظ ہے کہ زمین کو اللہ کا یہی حکم ہے کیا مجال زمین کی کہ اللہ کے حکم کے خلاف نبی کا مقدس جسم رتی برابر بھی خراب کر پائے۔

علاوہ ازیں زمین میں دفن ہونے کے بعد ہر چیز ایک ہی مدت میں نہیں گلتی اور سڑتی بلکہ ہر چیز کی نرمی اور سختی کی مناسبت سے اس پر مٹی اثر کرتی ہے مثلاً گوشت، ہڈی سے پہلے گل جاتا ہے یا لوہا، ہڈی سے بھی زیادہ عرصہ زمین میں باقی رہتا ہے اور پلاسٹک پر تو ان دونوں سے بھی زیادہ مدت کے بعد مٹی اثر کرتی ہے۔ یہی حال اور بہت سے معدنیات اور جمادات کا ہے نیز اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کے اجسام کو ایک جیسا نہیں بنایا کہ بعض جسم عوارضات مثلاً موسم وغیرہ کے اثرات جلد قبول کرتے ہیں اور بعض بہت دیر میں متاثر ہوتے ہیں جبکہ نبی کا جسم مبارک تو ہر اعتبار سے عام انسانوں سے ممتاز ہوتا ہے یہاں تک کہ اس کے فضلات میں بھی تعفن نہیں ہوتا اسی لئے تو حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا پیشاب پی لیا تھا اور معلوم ہونے پر آپ نے مژدہ دیا کہ ”اے ام ایمن اب تمہارے جسم کو جہنم کی آگ نہ جلا سکے گی“ آپ ﷺ کا پسینہ ایک بے نظیر عطر تھا جس کے استعمال کر لینے والی عورت کے بچوں تک میں وہ مہک آتی تھی۔ آپ ﷺ کا تھوک، زخموں اور بیماریوں کے لئے مداوا تھا اور جس سے کھاری پانی میٹھا ہو جاتا اور خشک کنوئیں پانی سے لبریز ہو جاتے تھے۔ ایسا ممتاز و مقدس اور مخصوص جسم جب زمین کو نصیب ہو تو کیا زمین اس کو گلا دے گی، سڑا دے گی جبکہ اس حصہ زمین کو اسی مبارک جسم کے طفیل یہ عظمت حاصل ہوئی کہ اس کے خالق نے اس کو اپنے عرش کریم سے بھی افضل و اشرف قرار دے دیا ہے۔

یقیناً زمین ایسی ناشکری اور بدنصیب نہیں ناشکرا و بدنصیب تو وہ انسان ہے جسے نبی کے صدقہ تاج شرافت ملا،



انسانیت ملی، انسانی اقدار و اخلاق کی تعلیم ملی، عبادات کے طریقے ملے، معاملات کی گتھیاں سلجھانے کے نسخے ملے حتیٰ کہ خالق و مالک رب کا پتہ ملا، اس تک رسائی کی راہیں ملیں اب وہ خود تو متقی و پرہیزگار، متبع شریعت اور صالح ہونے کا دعویٰ دار بن بیٹھا اور اپنے محسن، آقا ﷺ کو اللہ کے نبی کو (العیاذ باللہ) مردہ کہنے لگا۔ عام انسانوں کی طرح اس کے جسم کے بھی خاک ہو جانے کا یقین کرنے لگا اب اسے یا رسول اللہ ﷺ کہنے میں شرم آنے لگی جو کہتے ہیں ان پر یہ ظالم شرک کا فتویٰ لگانے لگا، آہ! دیکھئے تو سہی اس پر اللہ کی کیسی پھٹکار ہے کہ اللہ کے رسول کے روضہ مبارک پر حاضری کے باوجود یہ ادب و احترام سے ہاتھ باندھ کر صلوٰۃ و سلام تک پیش کرنے سے محروم کر دیا گیا ہے۔ بس اس کے دل و دماغ میں صرف اور صرف شرک، کفر اور بدعت کا بھوت ہے جو اس کی زبان سے اہل ایمان کو اہل عشق و محبت کو مشرک، کافر اور بدعتی کہلاتا رہتا ہے۔ اللہ محفوظ رکھے ایسی بدعتی اور محرومی سے چھوڑے ان بد نصیبوں کی باتیں۔ آئیے ہم ناز کریں اپنے مقدر پر اللہ کا شکر ادا کریں اپنے نصیب پر کہ ہم بھی ”فَإِنَّكُمْ رَسُولُ اللَّهِ“ کے مخاطب ہیں اور ہم جب ”محمد رسول اللہ“ کہتے ہیں تو اس یقین کے ساتھ کہتے ہیں کہ ہم زندہ محمد ﷺ کو اللہ کا رسول مانتے اور ان کا کلمہ پڑھتے ہیں۔ ہمارا عقیدہ ہے، ایمان ہے کہ ہمارے آقا ﷺ اپنی قبر انور میں اس دنیاوی جسم مقدس کے ساتھ زندہ ہیں۔

تو زندہ ہے واللہ تو زندہ ہے واللہ مرے چتر عالم سے چھپ جانے والے

اے ایمان والو! تم خوش بخت ہو بلند آفتاب ہو کہ ایسے زندہ نبی پر ایمان رکھتے ہو جو ہماری آرزوؤں و سنتوں اور ہمارے اعمال کو دیکھتے ہیں جب بھی ہم یا رسول اللہ ﷺ کی صدا لگاتے ہیں، جب بھی ہم نعمتیں پڑھتے ہیں اور صلوٰۃ و سلام عرض کرتے ہیں وہ بنفس نفیس سنتے دیکھتے اور ہماری طرف توجہ فرماتے ہیں۔ بس بات صرف یہ ہے کہ ہمارے پاس وہ نظر نہیں جس سے ہم ان کی زیارت کر سکیں انہیں دیکھیں جبکہ اولیاء و اتقیا، اور صلحاء نے ان کو دیکھا بھی اپنے سلام کا جواب نہ دیا، نہ کاشرف بھی حاصل کیا اور انشا، اللہ اسی دنیا میں بعد موت ہم اپنی قبر میں سے اپنے آقا ﷺ کی زیارت کریں گے اور یہ عارضی حجاب اٹھا دیا جائے گا (درود شریف کے زیر عنوان ہم اس موضوع پر طویل گفتگو کر چکے ہیں)۔

نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہم میں اس طرح بھی موجود ہیں کہ ان کا عطا کردہ کلام الہی، ان کی شریعت اور ان کی تعلیم و تربیت ہر مومن کے ضمیر میں موجود ہے۔ مساجد میں ان کے علاموں کا اثر و دام ہے ان کے منبروں پر ان کے وارثین ان کے ارشادات سناتے سنتے آتے ہیں۔ دنیا کے گوشہ گوشہ میں پانچ وقت ان کا نام پکارا جاتا ہے۔ درس قرآن و حدیث اور نعت خوانی کی محافل منعقد ہوتی ہیں، ان کی سالگرہ پر ہر طرف نوری بارش ہوتی نظر آتی ہے۔ اہل عشق و محبت ان کا وہی احترام کرتے ہیں جو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ان کی ظاہری زندگی میں کرتے تھے۔ ان کا نام مبارک سنتے ہیں تو امتیاز و محبت و عقیدت کے طور پر اپنے انگوٹھے چومتے اور آنکھوں سے لگاتے ہیں۔ ان کی موجودگی کے یقین کے ساتھ نہایت ادب و احترام سے کھڑے ہو کر ان کے حضور صلوٰۃ و سلام عرض کرتے ہیں غرضیکہ وہ زندہ ہیں کہ آج بھی ان کے احکام جاری ہیں، ان کی اتباع و پیروی پوری ہے، ان کا ادب و احترام کیا جا رہا ہے۔

تو زندہ ہے واللہ تو زندہ ہے واللہ مرے چشم عالم سے چھپ جانے والے

صلح کرادو

اسلام امن و سلامتی کا مذہب ہے جس کے لئے ضروری ہے کہ اس کے ماننے والوں کے درمیان اتفاق و اتحاد، میل و محبت ہو اسلام چاہتا ہے کہ مسلمانوں کا معاشرہ سدا بہار ہو جس کی آبیاری وہ ایک دوسرے کے لئے ایثار اور قربانی سے کریں کہ کوئی کسی پر برتری کا مظاہرہ نہ کرے کوئی کسی کو حقیر نہ جانے کوئی کسی کے حسد و عناد اور بغض و کینہ میں مبتلا نہ ہو۔ سب ایک دوسرے کے ہمدرد ہوں، ایک دوسرے کی عزت و آبرو اور جان و مال کے محافظ ہوں حتیٰ کہ مرد و عورت، بوڑھے، بچے سب ہی بے خوف و خطر زندگی بسر کریں، رات کو آرام کی نیند سوئیں اور دن میں نہایت اطمینان کے ساتھ تلاش معاش میں مصروف رہیں۔ اس دوران کوئی جھوٹ بول کر کسی کو دھوکا نہ دے کسی کا مال ہڑپ نہ کرے کسی کو ایذا نہ پہنچائے لیکن باہمی اختلاف بھی انسان کی فطرت ہے لہذا ”وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا“ اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں، تو مسلمان یہ نہ سوچیں کہ یہ ہمارا مسئلہ نہیں انہیں لڑنے دو ہمیں کیا سروکار نہ یہ خیال کریں کہ ہم کیوں بلا وجہ اپنا وقت ضائع کریں اور دوسروں کے معاملہ میں ٹانگ اڑائیں نہ یہ خوف کریں کہ اگر ہم اس جھگڑے میں پڑے تو شاید نوبت تھانہ، کچہری تک پہنچے تو ہمیں گواہیوں اور ضمانتوں کے لئے خوار ہونا پڑے گا یہ سب تو اپنے بھائیوں سے لا تعلقی کا مظاہرہ ہے لا پرواہی کا ثبوت ہے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کی خلاف ورزی ہے کہ اس صورت میں اہل ایمان پر یہ ذمہ داری عائد کی گئی ہے۔ ”فَاصْلِحُوا بَيْنَهُمَا“ ان دونوں گروہوں کے درمیان صلح کرادو، تم الگ تھلک کیسے رہ سکتے تمہارے بھائیوں کی جانیں خطرے میں ہیں تو تم تماشا کی کیسے بنے رہ سکتے ہو اگر تم نے ایسا کیا تو تمہارا پورا معاشرہ تباہ ہو جائے گا۔ آئے دن لڑائی جھگڑے ہی ہوتے رہیں گے اور نوبت یہاں تک پہنچ سکتی ہے کہ تمہارے کاروبار میں خلل واقع ہو اور تمہیں مالی خسارے اور معاشی تباہی میں مبتلا ہونا پڑے۔ جنگ کی یہ آگ تمہارے دروازوں اور تمہارے گھروں تک پہنچ سکتی ہے۔ جس کی تپش سے تمہارا دن کا سکون اور رات کا آرام تباہ و برباد ہو جائے گا پھر تم اپنی لا پرواہی پر پچھتاؤ گے لہذا اٹھو اپنے بھائیوں کے لئے کچھ ایثار کرو ابھی تھوڑی سی ہی قربانی دینے سے کام چل سکتا ہے۔ اٹھو! ان دست بگریباں ہونے والوں کے درمیان کود پڑو۔ ان کے ڈنڈے، لٹھیاں اور ہتھیار چھین لو، ان کو نہتا کر دو، ان کو سمجھاؤ، ان کی خوشامد کرو، ان کے سامنے ہاتھ جوڑو انہیں اللہ و رسول کا واسطہ دو، قرآن و حدیث کے احکام سناؤ غرضیکہ جس طرح بھی بن پڑے اس جھگڑے کو روکو اور اگر جھگڑا ختم ہونے کی صورت ہی نظر نہ آتی ہو تو اب جائزہ لو ان دونوں میں سے کون زیادتی، ظلم اور حق تلفی کا مرتکب ہو رہا ہے۔ ”فَإِنْ بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَى“ پس اگر ان دونوں میں سے ایک گروہ دوسرے پر زیادتی کر رہا ہے۔ ”فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي“ تو زیادتی کرنے والے کا تم مقابلہ شروع کر دو اب تمہاری ذمہ داری ہے کہ باغی سے، ظالم سے، طاقتور سے تم قتال کرو، جنگ کرو، مظلوم کا کمزور کا ساتھ دو غرضیکہ جس طرح بھی ممکن ہو جنگ کی اس آگ کو بجھاؤ اور ایسا ٹھنڈا کر دو کہ پھر کبھی نہ بھڑکنے پائے۔ ”فَإِنْ فَاءَتْ فَاصْلِحُوا بَيْنَهُمَا“ پھر جب باغی و ظالم گروہ باز آ جائے اور جنگ ختم ہو جائے تو بھی اسی طرح نہ چھوڑ

دینا بلکہ دونوں گروہوں کو آرام سے سمجھاؤ کہ اس جنگ نے تم سے کیا چھینا اور کیا دیا کس کا کیا فائدہ ہوا اور کیا نقصان ہوا جب انہیں اپنی غلطی کا بخوبی احساس ہو جائے تو دونوں میں صلح کرادو کیونکہ اگر بغیر صلح و صفائی تم نے انہیں چھوڑ دیا تو پھر کسی بھی وقت دوبارہ جنگ کی آگ بھڑک سکتی ہے اور صرف صلح بھی کافی نہیں۔ ”بِالْعَدْلِ وَالْأَقْسَطِ“ بلکہ صلح عدل و انصاف کے ساتھ کراؤ، یعنی وجہ اختلاف کا پتہ کرو اور اس بنیاد کو اکھنڑ پھینکو جس کی وجہ سے یہ ہنگامہ آرائی ہوئی تھی اور حقدار کو اس کا حق دلا دو کہ اس کے بغیر صلح کا باقی رہنا ممکن نہیں۔

اے ایمان والو! صلح کے ساتھ عدل و انصاف کی ذمہ داری تم پر اس لئے عائد کی گئی ہے کہ ”إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ“ بیشک اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے، پس تم بھی ”مُقْسِطِينَ“ میں شامل ہو کر قرب الہی کی اس منزل تک پہنچنے کی کوشش کرو۔ نیز اللہ نے اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو انصاف کرنے کا حکم دیا۔ فرمایا گیا سورۃ مائدہ ہے ”وَإِنْ حَكَمْتَ فَأَحْكُم بَيْنَهُم بِالْقِسْطِ“ اور اگر آپ فیصلہ کریں تو فیصلہ فرمائیے ان کے درمیان انصاف سے کیونکہ، ”إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ“ بیشک اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔ پس ہمیں بھی انصاف کرنے والوں میں شامل ہونا چاہئے۔ انصاف کی کوششوں سے گریز نہیں کرنا چاہئے بلکہ جب ایسا موقع ہاتھ آئے تو اسے غنیمت جان کر ہرگز نہ چھوڑو کیا عجب اللہ تعالیٰ ہماری اس کوشش و کاوش ہی کو اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے طفیل قبول فرمالے اور یہی ہماری نجات کا ذریعہ بن جائے کہ میرے آقا ﷺ کی عطا کردہ خوشخبری ہے۔ راوی ہیں حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ ”إِنَّ الْمُقْسِطِينَ عِنْدَ اللَّهِ عَلَى مَنَابِرٍ مِّنْ نُورٍ عَنْ يَمِينِ الرَّحْمَنِ“ بیشک انصاف کرنے والے قیامت کے دن نور کے ایسے منبروں پر رونق افروز ہوں گے جو اللہ رحمن و رحیم کے دائیں طرف بچھے ہوں گے اسی لئے تو حاکم کو بحالت غصہ فیصلہ کرنے کی ممانعت ہے۔ ارشاد ہوا، راوی ہیں حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ ”لَا يَقْضِيَنَّ حَكْمَ بَيْنِ اثْنَيْنِ وَهُوَ غَضَبَانِ“ فیصلہ کرنے والا بحالت غصہ دو آدمیوں کے درمیان فیصلہ نہ کرے کہ یہ نہایت اہم ذمہ داری ہے جسے بہت ہی غور و فکر کے بعد پورا کرنا چاہئے جبکہ غصہ شیطان کی طرف سے ہوتا ہے۔ جس سے انسان کی غور و فکر کی صلاحیت عارضی طور پر ختم ہو جاتی ہے اور وہ خود نہیں جانتا کہ اس نے کیا کہا یا کیا لکھ دیا غصہ ختم ہونے کے بعد جب اسے اپنی غلطی کا احساس ہوتا ہے تو وہ شرمندہ ہوتا اور پچھتااتا ہے۔

مسلمان بھائی بھائی ہیں:

”إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ“ تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں چاہے وہ کسی رنگ کے ہوں یا ان کا تعلق کسی نسل سے ہو وہ کسی بھی شہر یا ملک کے بسنے والے ہوں ان کی بولیاں کتنی ہی مختلف ہوں کہ وہ ایک دوسرے کی بات تک نہ سمجھ پاتے ہوں اس کے باوجود بھی وہ بھائی بھائی ہیں کہ وہ ایک ہی درخت کے پھل ہیں ان کی جڑ اور بنیاد ایک ہی ہے وہ سب ایک ہی رسی پکڑے ہوئے ہیں۔ ایک ہی اللہ کا کلمہ پڑھتے ہیں، ایک ہی رسول ﷺ کی غلامی کا طوق سب کی گردنوں میں پڑا ہوں جو ان کے بھائی بھائی ہونے کا علم اور نشان ہے۔ وہ ایک قرآن کی تلاوت کرتے ہیں، ان کی شریعت ایک ہی ہے، ان کا ضابطہ

حیات ایک ہی ہے، ان کے اصول زندگی ایک ہی ہیں۔ ان کی تہذیب ان کا تمدن ایک ہی ہے۔ ان رشتہ اخوت کی بقا اور مظاہرے کے لئے ان کا شیخ ایک ہی قبلہ کی طرف کیا گیا ہے۔ مختلف زبانوں کے باوجود سب عربی ہی میں تلاوت قرآن کرتے ہیں، عربی میں نماز پڑھتے ہیں۔ بلاشبہ وہ ایک ہیں، ان کا یہ رشتہ خوئی رشتوں سے مضبوط تر ہے اسی لئے تو اگر ان کا باپ، بیٹا، بھائی یا کوئی بھی خونی شیعہ یا مسلمان نہ ہو تو وہ نہ دنیا میں ان کا ہے نہ ہی آخرت میں جبکہ جو بظاہر غیر ہو وہ ان کا ہے۔ ”إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ“ بیشک مسلمان بھائی بھائی ہیں۔ اسی لئے تو ہمیں یہ دعا تعلیم فرمائی گئی ہے سورۃ الحشر ہے ”رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ“ اے ہمارے پروردگار ہمیں بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لے آئے اور نہ پیدا کر ہمارے دلوں میں بغض اہل ایمان کے لئے اے ہمارے رب بیشک تو رؤف ورحیم ہے۔ یہ دعا ہم اپنے تمام مسلمان بھائیوں کے لئے کرتے ہیں چاہے انہیں جانتے ہوں یا نہ جانتے ہوں۔

نبی نعمت ﷺ نے مدینہ منورہ پہنچتے ہی سب سے پہلے جس کام کو اہمیت دی وہ مہاجر و انصار کے درمیان بھائی چارہ اور رشتہ اخوت و برادری قائم کرنا تھا۔ یہ کام اتنے پہلے اور جلدی کیا گیا کہ اب تک اللہ کے گھر کی تعمیر کا آغاز بھی نہ ہوا تھا کہ اس کے بغیر تعمیر مسجد بھی ممکن نہ تھی اپنے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قائم کردہ اس رشتہ اخوت کو مہاجر و انصار دونوں نے ہی ایک نعمت غیر مرتبہ جانا اور اس کو اپنے عمل سے اتنا مضبوط مستحکم کیا کہ اس کے سامنے دیگر رشتوں کی کوئی حیثیت نہ رہی۔ انصار نے مہاجروں کو اپنے گھروں میں رکھا، اپنی جائیداد، زمین، کاروبار میں شریک کیا حتیٰ کہ جس انصار کے پاس ایک سے زیادہ بیویاں تھیں وہ اپنے بھائی کے لئے اسے طلاق دینے اور ان کے ساتھ اس کا نکاح کر دینے پر آمادہ ہو گئے کیونکہ انہیں بھائی چارہ کا یہ ماحول اپنے آقا ﷺ کے وسیلہ سے اس وقت میسر آیا تھا جب دونوں ہی کو اس کی اشد ضرورت تھی کہ مہاجر اپنا وطن چھوڑ کر اپنے اعزاء و اقارب حتیٰ کہ اپنے اہل و عیال سے بھی محروم ہو گئے تھے جبکہ انصار مشرف باسلام ہو جانے کے باعث اپنے رشتہ داروں سے الگ تھلگ ہو گئے۔ رشتہ اخوت نے دونوں ہی کو ایک پر بہار معاشرہ دیا جس میں وہ زندگی کے شب و روز نہایت سکون کے ساتھ بسر کرنے لگے اور باہمی تعاون نے انہیں مطمئن کر دیا۔

اس بھائی چارے کی اہمیت پر غور کرنے کے لئے نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چند ارشادات ملاحظہ ہوں:

حضرت نعمان ابن بشیر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ”تَرَى الْمُؤْمِنِينَ فِي تَرَاحُمِهِمْ وَتَوَادِهِمْ وَتَعَاطُفِهِمْ“ مسلمانوں کو دیکھو گے آپس میں مہربانی کرنے میں، محبت رکھنے اور شفقت کرنے میں ”كَمَثَلِ الْجَسَدِ“ ایک جسم کی طرح ہیں۔ ”إِذَا شَتَكِيَ عَضْوٌ تَدَاعَى لَهُ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالسَّهْرِ وَالْحُمَى“ جب ایک عضو تکلیف میں ہوتا ہے تو باقی تمام اعضاء بیداری اور بخار میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

اگر پیر کی چھٹکی کے ناخن میں بھی تکلیف ہو تو سر تک سارا جسم درد اور بخار میں مبتلا ہو جاتا ہے انسان تڑپنے لگتا ہے، اس کی نیند اس کا سکون برباد ہو جاتا ہے اسی طرح ایک مسلمان بھی کسی تکلیف میں مبتلا ہو کسی کے ظلم و ستم کا شکار ہو تو پوری دنیا

کے مسلمانوں میں ہيجان اور بے چینی پیدا ہونا یقینی ہے کہ جس طرح جسم کے تمام اعضاء میں خونی تعلق ہے۔ اسی طرح دنیا کے تمام مسلمانوں میں مذہبی تعلق ہے یہ مصیبت زدہ و مظلوم مسلمان چینیا کے ہوں، فلسطین و کشمیر کے ہوں، عراق، ترکی یا کسی بھی جگہ کے ہوں ان کی امداد کے لئے دنیا بھر کے مسلمان تڑپنے لگتے اور ہر ممکن طریقہ سے ان کی مدد کرتے ہیں چاہے انہیں دہشت گرد کہا جائے یا ان کا معاشی، معاشرتی اور سیاسی بائیکاٹ کیا جائے وہ کسی بھی تکلیف کی پروا کئے بغیر اپنے مسلمان بھائیوں کو مصائب و آلام سے نجات دلانے کی کوشش کرتے ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ”أَنْصُرُ أَخَاكَ ظَالِمًا أَوْ مَظْلُومًا“ اپنے مسلمان بھائی کی مدد کرو چاہے وہ ظالم ہو یا مظلوم۔ صحابہ میں سے کسی نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم مظلوم کی تو میں مدد کرتا ہوں لیکن ظالم کی مدد کیسے کروں۔ آپ نے فرمایا ”تَمْنَعُهُ مِنَ الظُّلْمِ فَذَلِكَ نَصْرُكَ يَا ه“ ظالم کو ظلم سے روک یہ اس کی مدد کرنا ہے۔

نیز آپ نے فرمایا ”الْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ لَا يَظْلِمُهُ وَلَا يُسْلِمُهُ“ مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے نہ وہ خود اپنے بھائی پر ظلم کرتا ہے اور نہ ہی وہ اسے ظالم کے سپرد کر دیتا ہے۔

آپ کا ارشاد ہے ”وَاللَّهُ فِي عَوْنِ الْعَبْدِ مَا كَانَ الْعَبْدُ فِي عَوْنِ أَخِيهِ“ اللہ اپنے بندے کی اس وقت تک مدد فرماتا رہتا ہے جب تک وہ بندہ اپنے بھائی کی مدد کرتا رہتا ہے۔

میرے آقا ﷺ فرماتے ہیں ”الْمُؤْمِنُ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضًا“ ایک مومن دوسرے مومن کے لئے دیوار کی مانند ہے جس کی ہر اینٹ دوسری اینٹ کو سہارا دیتی ہے یعنی مسلمان جب تک متحد و منظم رہتے ہیں ایک دوسرے کو اپنا بھائی یقین کرتے ہیں وہ دشمن کے مقابلہ پر ایک مضبوط دیوار کی طرح ڈٹے رہتے ہیں اور اگر وہ خود ایک دوسرے کے دشمن بن جاتے اور منتشر و متفرق ہو جاتے ہیں تو دشمن کو کچھ کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی جو وہ کرنا چاہتا تھا خود ہی مسلمانوں نے کر لیا اب دشمن صرف تماشا بن کر تماشہ دیکھتا ہے اور خوش ہوتا ہے اور ان کو بندروں کی طرح اپنی انگلیوں پر نچاتا رہتا ہے انہیں استعمال کرتا اور اپنا مقصد حاصل کرتا رہتا ہے۔

غرضیکہ معلم کامل ﷺ نے عملی اور تعلیمی دونوں طریقہ سے ہمیں ہدایت فرمائی کہ ہم آپس میں جاننا بھائیوں جیسی زندگی بسر کریں اس سے ہمیں بھی فائدہ ہوگا اور ہمارے دین و مذہب کو بھی کہ اسلام کے دشمن ہماری طرف نظر اٹھانے کی بھی جرات نہ کر سکیں گے بالکل اسی طرح جس طرح چوروڈا کو اس مال پر نظر تیک نہیں ڈالتے جس کے مالک چند بھائی ہوں اور وہ متحد ہوں منظم ہوں کہ اتحاد و اتفاق میں ایک ایسی قوت ہے جو پہاڑوں تک کو ریزہ ریزہ کر ڈالتی ہے۔

لیکن افسوس ہماری حالت پر کہ آج ہم خود تو متفق و متحد ہو، نہیں پاتے لیکن ہمارے قائدین و رہنما بھی ہمیں اتحاد کی تعلیم و تربیت نہیں دیتے بلکہ وہ تو ہمیں مزید لڑاتے ہیں ہمارے ہاتھوں میں اسلحہ تھما دیتے ہیں کبھی وہ ہم میں فرقہ واریت پیدا کرتے ہیں تو کبھی لسانی و صوبائی تعصب کی آگ ہمارے درمیان بھڑکا دیتے تو کبھی وہ ہمیں سیاسی تنظیموں اور جماعتوں سے

منسلک کر کے لڑاتے ہیں، خوب لڑاتے ہیں، لڑاؤ اور حکومت کرو کی پالیسی پر عمل کرتے ہوئے ہمیں آزاد ہونے کے باوجود بھی اپنا غلام بنا لیتے ہیں ہمارے بنیادی حق تک غصب کر لیتے ہیں وہ غیر معینہ مدت تک ہمارے حکمران بنے رہتے ہیں اور جب ہم بحالت مجبوری اپنے حق کا مطالبہ کرتے ہیں تو وہ ہم پر پولیس و فوج کی صورت میں کتے چھوڑ دیتے ہیں ہم تو پہلے ہی سے منتشر و متفرق ہیں لہذا یہ کتے ہماری ایسی چیر پھاڑ کرتے ہیں کہ ہماری آواز تو ٹکنا در کنار سانس تک نہیں نکل پاتی۔

جب ہم اپنے انتشار و افتراق کے باعث اپنوں ہی کے ظلم و ستم کا شکار بنے ہوئے ہیں تو دشمن کو ہم پر مزید مظالم کرنے کی کیا ضرورت پڑی ہے وہ تو تماشائی بنا تماشہ دیکھ رہا ہے اور جب چاہتا ہے ہمارے ظالم حکمرانوں ہی کے ذریعہ وہ ہمیں اپنے ناپاک مقاصد کے لئے استعمال کر لیتا ہے کہ ان گمراہ حکمرانوں کو اللہ و رسول کی خوشنودی سے زیادہ ان کے دشمنوں کی خوشنودی مطلوب ہے اللہ ہمیں ایسے حکمرانوں سے نجات دے اور ہماری مدد فرمائے، آمین۔

### اتحاد کا تحفظ اور بقاء

قرآن و حدیث کے ان ارشادات کے علاوہ اگر آپ تمام احکام شرع پر غور کریں تو ان میں ایک مقصد مشترک نظر آئے گا اور وہ یہ کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ ان احکام کی تعمیل کے ذریعہ مسلمانوں میں اتحاد و اتفاق کے سایہ دار درخت کو تن آور اور مزید سرسبز و شاداب دیکھنا چاہتے ہیں۔ نیز ان عبادات سے مقصود ان میں اتحاد و اتفاق کو باقی رکھنا ہے اور اس کی حفاظت کرنا ہے مثلاً نماز کے وقت سب کا قبلہ رو ہونا، طہارت و پاکیزگی کے سب کے لئے ایک جیسے احکام، بالخصوص جماعت کی پابندی، نماز جمعہ کی جامع مسجد میں اور نماز عیدین کی عید گاہوں اور میدانوں میں ادائیگی کا حکم، دنیا بھر کے مسلمانوں کے لئے صرف ماہ رمضان کے روزوں کی فرضیت اور سحری، افطار، تراویح وغیرہ کے لئے یکساں احکام۔ زکوٰۃ، صدقات، خیرات، قربانی اس لئے ہے کہ دنیا بھر کے مسلمان اپنے غریب مسلمان بھائیوں کی مدد کرتے رہیں تاکہ معاشرے میں کوئی ضرورت مند نہ رہے۔ زکوٰۃ کی مقدار اور اس سے متعلق دیگر احکام شرع سب کے لئے ایک جیسے ہیں۔ حج کی کیفیت تو سب سے ہی زیادہ اتحاد و اتفاق کا مظاہرہ کرتی ہے۔ سب سے پہلے احرام کو دیکھئے کہ ساری دنیا کے مسلمانوں کو کم از کم زندگی میں ایک مرتبہ صرف دو سفید کپڑے، یونینفارم پہنا کر انہیں متحد و منظم رہنے کی تربیت دی جا رہی ہے۔ نیز سب کے لئے اوقات، مقامات اور ارکان حج ایک ہی جیسے متعین ہیں کہ سب ہی کو مطاف میں اللہ کے گھر کے گرد سات چکر لگانے ہیں، حجر اسود کو بوسہ دینا ہے، مقام ابراہیم پر نوافل ادا کرنے ہیں، زمزم پینا ہے، منیٰ میں سعی کرنا ہے، ایک ہی مقررہ تاریخ میں منیٰ، عرفات، مزدلفہ پہنچنا ہے، رمی کرنا ہے، حلق یا قصر کرنا ہے، قربانی کرنا ہے۔ دوستو! یہ سب کیا ہے اتحاد و اتفاق کے جذبات بیدار رکھنا اس کی حفاظت کرنا اور اسے باقی رکھنا ہی تو ہے۔

اب ایک نظر معاشرتی امور پر ڈالئے تو تمام معاملات میں ہمیں ایک ہی مقصد اور ایک ہی روح نظر آئے گی کہ ”إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ“ تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں۔ لہذا انہیں ہر اعتبار سے بھائیوں جیسی زندگی بسر کرنا چاہئے انہیں چاہئے کہ بڑوں کا احترام کریں، چھوٹوں سے شفقت و محبت کا مظاہرہ کریں، آپس میں سلام مصافحہ و معانقہ کو عام کریں، ایک

دوسرے کو وقتاً فوقتاً دے دیتے رہا کریں، جب کوئی بیمار ہو تو اس کی عیادت کریں، کسی کا انتقال ہو جائے تو اس کے جنازے میں شریک ہوں، پسماندگان سے اظہار تعزیت کریں اور ہر حال میں ان کی مدد اور تعاون کرنے کی یقین دہانی کرائیں حتیٰ کہ اگر کسی بھائی کو چھینک بھی آئے تو سننے والا ”يَرْحَمُكَ اللَّهُ“ کہتے ہوئے اپنے بھائی کو دعائے صحت دے اور اس کے جواب میں چھینکنے والا ”جَزَاكَ اللَّهُ“ کہتے ہوئے اس کا شکر یہ ادا کرے جب ایک بھائی دوسرے بھائی کے سامنے آئے تو اس کی پیشانی پر مسرت و طمانیت کے آثار نمایاں ہوں۔ رنجیدہ و غمزہ نظر نہ آئے تاکہ دیکھنے والے کو اس کی تکلیف کا پتہ نہ چل سکے اور وہ رنج و ملال میں مبتلا نہ ہو اپنے گھروں میں خوشی اور مسرت کا ماحول پیدا کرنے کی کوشش کی جائے شوہر اپنی بیوی سے محبت کرے اتنا اچھا برتاؤ اور سلوک کرے کہ وہ اپنی زندگی سے ہر وقت خوش اور مطمئن نظر آئے اگر کبھی شوہر و بیوی کے درمیان جھگڑے کی نوبت آجائے تو اولاً تو اپنا معاملہ خود ہی طے کر لیں ورنہ اپنے خاندان کے بزرگوں سے فیصلہ کرالیں جو ان کے درمیان صلح و صفائی کر دیں کیونکہ بہر حال ”وَالصَّلَاحُ خَيْرٌ“ رب کریم کا ارشاد ہے جدائی اور طلاق کا تو تصور تک ذہن میں نہیں آنا چاہئے کہ یہ ”اَبْغَضُ الْمُبَاحَاتِ“ ہے اور شیطان سب سے زیادہ اسی عمل سے خوش ہوتا ہے اور اگر خدا نخواستہ طلاق تک نوبت آ ہی جائے تو ”تَسْرِيْعٌ بِاِحْسَانٍ“ کے حکم باری تعالیٰ کی پابندی کی جائے۔ مکرو فریب، دھوکا بازی، جھوٹ، چغل خوری، عیب جوئی، غیبت، رشوت، سود، جوا، شراب، زنا، بدکاری و بد معاملگی یہ سب ایسے بد بودار اور زہریلے کیڑے ہیں جو پورے معاشرے کو تباہ و برباد کر ڈالتے ہیں لہذا یہ جب بھی پیدا ہوں ان کو اُسی جگہ مسل دیا جائے تاکہ معاشرہ متاثر نہ ہونے پائے۔ صالح حکمرانوں کی اطاعت کی جائے تاکہ ملک ہر قسم کی افراتفرای سے محفوظ رہے اپنے مخالفین تک سے رواداری کا برتاؤ کرنا چاہئے تاکہ اختلاف میں شدت اور نفرت پیدا نہ ہونے پائے حسن سلوک سے متعلق تفصیلی گفتگو آپ ہماری کتاب ”اچھا برتاؤ“ میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

اے ایمان والو! ”اِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ اِخْوَةٌ“ تمام مسلمان ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ اس دینی رشتے کا تقاضا یہ ہے کہ اگر کسی وقت تمہارے بھائیوں کے درمیان کوئی اختلاف یا جھگڑا ہو جائے جو فطرتاً ہر وقت ممکن ہے تو تم تماشا نہ دیکھتے رہو بلکہ جلد سے جلد ان کے درمیان صلح و صفائی کرادو تاکہ نہ تو ان کا کوئی نقصان ہونے پائے اور نہ ہی تمہارے معمولات میں کوئی خلل واقع ہو ”فَاَصْلِحُوا بَيْنَ اَخْوَانِكُمْ“ اس ارشاد باری تعالیٰ کے ایک معنی یہ بھی بیان کئے گئے کہ تم اپنے بھائیوں کی اصلاح کر دو یعنی اگر کوئی کسی برائی میں مبتلا ہو تو جس طرح تم فوری طور پر اپنے گھر والوں اپنی اولاد اپنے خاندان کے لوگوں کو برائی سے بچانے کی کوشش کرتے ہو تاکہ وہ برائی تمہارے گھر یا خاندان میں نہ پھیلنے پائے۔ اسی طرح تمہارا پڑوسی، شہری یا ملکی بھائی اگر رشوت، جوا، سود، شراب، زنا کے مرض میں مبتلا ہو جائے یا وہ حشیش و مروانہ پینے لگے تو تم فوراً اس کا علاج کرو اس کی اصلاح کرو تاکہ یہ متعدی امراض تمہارے پورے معاشرے میں نہ پھیلنے پائیں۔ بصورت تاخیر ان سے چھٹکارا مشکل ہو جائے گا۔

”وَ اتَّقُوا اللَّهَ“ اور اللہ سے ڈرتے رہو کہ اللہ نے تم پر بھائیوں کے درمیان صلح کرانے یا ان کی اصلاح کرنے کی

جو ذمہ داری عائد کی ہے اس میں تم نے لا پرواہی سے کام لیا یا کوتاہی کی تو یہ اللہ کے حکم کی نافرمانی ہوگی جس کا انجام تمہاری تباہی و بربادی کے سوا کچھ نہیں جبکہ اللہ سے ڈرنے اور تقویٰ اختیار کرنے والوں پر اللہ رحم فرماتا ہے ”لَعَلَّكُمْ تَرْحَمُونَ“ یہ تمہارے لئے مژدہ ہے، ایک خوشخبری ہے کہ اگر تم احکامِ الہی کی تعمیل کرتے رہو گے تو رحمت الہی تم پر برسی رہے گی۔ بایں صورت کہ تمہارے درمیان اتحاد و اتفاق پروان چڑھتا رہے گا، عزت و عظمت نصیب ہوگی، تمہارے دینی و دنیوی کام آسان ہوں گے، تم خوش حال ہو جاؤ گے، تمہارے لئے معاش کے غیبی دروازے کھول دیئے جائیں گے مندرجہ ذیل چند احادیث سے اندازہ کیجئے کہ برائی کس طرح پھیلتی ہے ہم پر اس کو مٹانے کی کس قدر ذمہ داری ہے۔

یہ روایت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کی ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہمیں بتایا ہے ”بنی اسرائیل جب گناہوں میں مبتلا ہو گئے تو اولاً تو ان کے علماء نے انہیں روکا جب وہ منع کرنے سے باز نہ آئے (اور برائیاں بہت ہی عام ہو گئیں تو) علماء بھی ان کی محفلوں میں شریک ہونے لگے (جیسا کہ آج عرب کے علماء و مشائخ کا حال ہے) اور ان کے ہم نوالہ اور ہم پیالہ بن گئے پس جب انہوں نے ایسا کیا تو اللہ نے سب ہی کو ایک جیسا کر دیا اور اللہ نے ان پر داؤد و عیسیٰ علیہما السلام کی زبانی (یعنی بواسطہ زبور و انجیل) ان کو لعنت کی اور یہ لعنت ان کے گناہ اور حد سے تجاوز کر جانے پر کی گئی تھی۔ راوی کہتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تکیہ لگائے بیٹھے تھے پھر آپ سیدھے بیٹھتے ہوئے فرمانے لگے ”قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم اس وقت تک عذاب الہی سے نجات نہ پاسکو گے جب تک تم ظالموں اور فاسقوں کو گناہوں سے نہ روکو۔“

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو فرماتے سنا: ”إِنَّ النَّاسَ إِذَا رَأَوْا مُنْكَرًا فَلَمْ يُغَيِّرُوهُ يُوشِكُ أَنْ يَعُمَّهُمْ اللَّهُ بِعِقَابِهِ“ لوگ جب کسی برائی کو دیکھیں اور اس کو بدلنے (ختم کرنے) کی کوشش نہ کریں تو بہت ممکن ہے اس (لا پرواہی کی) وجہ سے اللہ سب کو عذاب میں مبتلا کر دے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ”وَمَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ“ جب تم میں سے کوئی کسی برائی کو دیکھے تو اسے چاہئے کہ ہاتھ سے مٹا دے۔ ”فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ“ اگر ہاتھ سے مٹانے کی قوت نہ ہو تو اپنی زبان سے مٹا دے۔ ”فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ“ اور اگر یہ بھی نہ کر سکے تو دل سے ہی برا جانے۔ ”وَذَلِكَ أَضْعَفُ الْإِيمَانِ“ اور یہ ایمان کا نہایت ہی ادنیٰ درجہ ہے۔

حضرت جویر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ”جو شخص کسی قوم میں رہ کر گناہوں کا مرتکب ہوا اور قوم اس کے گناہوں کو روکنے کی قدرت رکھتی ہو اور پھر نہ روکے تو اللہ ان سب پر موت سے پہلے ہی ضرور عذاب نازل فرمائے گا۔“

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ ”لَتَأْمُرُنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَلَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ“ اچھائی کا حکم کرتے رہو اور برائی سے روکتے ہو۔ ”أَوَلَيْسَ كُنَّ اللَّهُ أَنْ يَنْفَعَكُمْ عَذَابًا مِنْ عِنْدِهِ“ ورنہ قریب ہے کہ اللہ تم پر اپنا عذاب نازل فرمائے۔ ”ثُمَّ لَتَذْغُنَّهُ وَلَا يُسْتَجَابُ لَكُمْ“ پھر اس وقت تم دعا کرو گے اور



تمہاری دعا قبول نہ کی جائے گی۔

حضرت عرس ابن عمیرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا جب دنیا میں برائی کی جائے تو جو شخص موجود ہے اور وہ اس کو برا سمجھے تو وہ اس کی طرح ہے جو موجود نہیں ہے مگر جو موجود نہ ہوتے ہوئے بھی اس برائی کو پسند کرے تو وہ اس شخص کی طرح ہے جو موجود ہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ”أَفْضَلُ الْجِهَادِ مَنْ قَالَ كَلِمَةً حَقٍّ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَابِرٍ“ افضل ترین جہاد، ظالم و جابر حاکم کے سامنے کلمہ حق کہنا ہے۔

حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آقا ﷺ نے فرمایا ”الَّذِينَ النَّصِيحَةُ“ دین خیر خواہی کا نام ہے۔ پس ہم نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس کی خیر خواہی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”لِلَّهِ وَلِكِتَابِهِ وَلِرَسُولِهِ وَلِإِنَّمَا الْمُسْلِمِينَ وَعَامَّتِهِمْ“ خیر خواہی، اللہ کی اور اس کی کتاب کی اور اس کے رسول کی (اس طرح کہ دین کی پابندی اور تبلیغ و اشاعت کی جائے اور خیر خواہی مسلمانوں کے حکمرانوں کی اور عام مسلمانوں کی) اس طرح کہ حکمران اور عام مسلمان اگر کس برائی میں مبتلا ہوں تو انہیں نصیحت کی جائے ان کی اصلاح کی جائے۔

اللہ کے رسول ﷺ کے ان ارشادات کی روشنی سے ہم اپنے تاریک ماحول کا جائزہ لیں تو ہمیں اندھیرا ہی اندھیرا نظر آتا ہے کہ آج ہم نہ صرف برائیوں میں مبتلا ہیں بلکہ برائی کو برائی جانتے اور مانتے تک نہیں۔ آخر یہ مرض ہم میں اس حد تک کیسے پھیلا ظاہر ہے کہ ابتداء برائیوں کو چند ہی افراد نے اختیار کیا ہو گا جن کی طرف ہم نے توجہ نہ کی اسی وقت ہم نے انہیں نہ مٹایا۔ نتیجتاً یہ مرض پھیلتے پھیلتے کینسر کی صورت اختیار کر گیا اور اس نے ہمارے پورے معاشرے کو لپیٹ میں لے لیا حتیٰ کہ عوام، علماء، مشائخ، ناصحین، حکمران سب ہی اس کا شکار ہو گئے اور آج مختلف صورتوں میں یہ مرض ہم میں موجود ہے کہیں رشوت لینے دینے کی صورت میں تو کہیں سود خوری کی صورت میں کہیں جوئے اور شراب کا بازار گرم ہے تو کہیں زنا جیسی عام لعنت موجود ہے غرضیکہ ہمارا پورا کا پورا معاشرہ مختلف قسم کے امراض میں مبتلا ہے۔ زندگی اضطراب و بے چینی کا شکار ہے۔ ہر شخص ان امراض کے درد اور تکلیف میں تڑپ رہا ہے لیکن دور دور کوئی معالج اور ڈاکٹر نظر نہیں آتا جو ہمارا نجات دہندہ ہو کہ جن سے نجات کی توقع کی جاسکتی تھی وہ خود بیمار پڑے تڑپ رہے ہیں۔

ان امراض کو گھر گھر پھیلانے اور اس زہر کی بارش برسانے میں سب سے بڑا کردار ریڈیو، ٹی اور فحش لٹریچر کا ہے۔ کیا آپ نے ایسی کچھ فلموں کے اشتہارات نہیں دیکھے یا نہیں سنے جو فلم سازوں کے خیال کے مطابق قدرے کم فحش ہیں۔ ان اشتہارات کے ذریعہ دعوت دی جاتی ہے کہ سب گھر والے اس فلم کو ضرور دیکھیں کہ یہ فیملی فلم ہے بلا جھجک اس کو پوری فیملی ساتھ بیٹھ کر دیکھ سکتی ہے اور اس ہدایت کو قبول کرتے ہوئے سب مرد و عورت، والدین و اولاد، چھوٹے بڑے، بچے بوڑھے سب ہی خوب دیکھتے ہیں۔ چاہے کسی کو اپنی آنکھیں بند کرنا پڑیں یا منہ پھیرنا پڑے۔ بعض بوڑھے لاکھول اور استغفر اللہ بھی پڑھتے رہتے ہیں لیکن دیکھتے ضرور ہیں کیونکہ ہدایت پر عمل کرنا تو ضروری ہے نا کیسے چھوڑ دیں ہمارے اس عمل سے ہمارے

گھروں اور معاشرے میں بے غیرتی عام ہونے کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔

جب برائیاں اور بدکاریاں عام ہو جاتی ہیں تو پورے معاشرے پر اللہ اور اس کے رسول کی لعنت برسے لگتی ہے۔ آج یہ لعنت پتھروں کی صورت میں نہیں برسی بلکہ اس سے بھی زیادہ خطرناک صورت میں برسی ہے کہ ہم ملعون ہو جاتے ہیں اور ہمیں پتہ تک نہیں چلتا ہمارے درمیان چھوٹی چھوٹی باتوں پر اختلافات اور جھگڑنے ہونے لگتے ہیں جو لوٹ مار اور قتل عام کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ معاشرے میں کسی کی عزت و آبرو محفوظ نہیں رہتی۔ مرد تو درکنار ہماری ماؤں اور بہنوں تک کا گھر سے نکلنا دو بھر ہو جاتا ہے۔ باہمی نفرتیں اس حد تک بڑھ جاتی ہیں کہ ایک دوسرے کو سلام کرنا تک گوارا نہیں رہتا۔ ایک بھائی دوسرے بھائی کے غم بلکہ جنازے تک میں شریک ہونا نہیں چاہتا ہمارے پرست گھروں، محلوں، گلی، کوچوں، شہروں میں غم و اندوہ کے بادل چھائے نظر آتے ہیں۔ یہ سب کیا ہے لعنت ہی تو ہے ”أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ“ کی یہی تو صورت ہے اس سب کے باوجود ہم بھی بڑے ہی سخت جان ہیں یا بے غیرت و بے شرم ہیں کہ تڑپنا تو گوارا ہے ذلت و خواری تو پسند ہے لیکن توبہ کی توفیق نہیں ہوتی حالانکہ توبہ ایک بڑا ہی آسان سا علاج ہے ہر مرض کا مداوا ہے ہر مصیبت سے نجات کا ذریعہ ہے۔ ”فَمَنْ تَابَ مِنْ بَعْدِ ظُلْمِهِ وَأَصْلَحَ فَإِنَّ اللَّهَ يَتُوبُ عَلَيْهِ ۖ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ“ پس جس نے اپنے ظلم (گناہ) کے بعد توبہ کر لی اور اپنی اصلاح کر لی تو بیشک اللہ توبہ قبول فرماتا ہے۔ بیشک اللہ بہت بخشنے والا بہت رحم فرمانے والا ہے۔ یہ سورہ مائدہ کی آیہ مبارک 39 ہے۔ سورہ انعام کی آیت نمبر 54 میں ارشاد ہوا ”أَلَمْ يَكُنْ مِنْكُمْ مَنْ مَقُولًا أَنَدْعُو اللَّهَ وَنَعْبُدُ الْغُلُوزَ مِن بَعْدِ اللَّهِ ۚ قُلْ إِنَّمَا الْغُلُوزُ مِثْلُ الْإِنْعَامِ ۖ إِنَّمَا يُدْعَوْنَ بِزُبَانِ الْإِنْسَانِ ۖ إِنَّمَا هُمْ ذُرِّيَةُ الْإِنْعَامِ ۚ فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ“ تو تم میں جو کوئی نادانی کے باعث برائی کر بیٹھے پھر توبہ کر لے اس کے بعد اور اپنی اصلاح کر لے تو بیشک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا ہے۔

یہ صدقہ ہے آقائے رحمت ﷺ کا کہ رب رحیم و کریم نے ہمارے لئے توبہ کا دروازہ کھول رکھا ہے جو گناہوں کے دلدل سے نکلنے کا یقینی ذریعہ ہے۔ پس مایوس و ناامید ہونے کے بجائے ہمیں اپنے گناہوں سے توبہ کر کے اپنی اصلاح کرنا چاہئے تاکہ پرسکون و اطمینان بخش زندگی ہمارا نصیب بن سکے، اللہ عمل کی توفیق دے، آمین۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی خَيْرِ خَلْقِهِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِينَ۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ



## مقالہ ۷۳

### الحجرات: ۱۱

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسَىٰ أَن يَكُونُوا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَاءٌ مِّنْ نِّسَاءٍ عَسَىٰ أَن يَكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ وَلَا تَلْمِزُوا أَنفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ ط  
بُئْسَ الْإِسْمُ الْفُسُوقِ بَعْدَ الْإِيمَانِ وَمَن لَّمْ يَتُبْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿١١﴾  
(الحجرات: ۱۱)

اے ایمان والو! نہ مذاق اڑائے مردوں کی ایک جماعت دوسری جماعت کا شاید وہ ان مذاق اڑانے والوں سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں مذاق اڑایا کریں دوسری عورتوں کا شاید وہ مذاق اڑانے والیوں سے بہتر ہوں اور نہ عیب لگاؤ ایک دوسرے کو اور نہ کسی کو بُرے القاب سے بلاؤ کتنا ہی برا نام ہے مسلمان ہونے کے بعد فاسق کہلانا اور جو لوگ باز نہ آئیں گے تو وہی بے انصاف ہیں۔

آپ پڑھ چکے ہیں کہ اسلامی معاشرے کی جان اور بنیاد مسلمانوں کا ایک دوسرے کو بھائی بھائی جاننا اور آپس میں

بھائیوں جیسا سلوک کرنا ہے جس سے ان کے درمیان اتحاد و اتفاق پروان چڑھتا ہے اور وہ سب مل جل کر اپنے تمام معاملات خود ہی طے کر لیتے ہیں چاہے ان کا تعلق معاشرت سے ہو، معاش سے ہو یا سیاست و حکومت سے ہو وہ انفرادی امور ہوں یا اجتماعی ہوں کسی معاملہ میں اپنوں سے یا غیروں سے مدد مانگنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

شریعت مطہرہ کے تمام احکام میں اتحاد و اتفاق کے تحفظ اور اس کی بقاء کو ملحوظ رکھا گیا ہے نیز اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے ایسی تمام عادات و اطوار کو سختی سے ممنوع قرار دیا جن سے تمام شرعی احکام کا اصل مقصد ہی فوت ہو جائے اور امت مسلمہ اتحاد و اتفاق کی برکتوں اور فوائد سے محروم ہو جائے۔ آیت مذکورہ بالا میں ایسے ہی تین امور کا ذکر کیا جا رہا ہے اور شدت کے ساتھ ان کو حرام قرار دیا گیا ہے جو اتحاد و اتفاق کے لئے زہر قاتل ہیں اگر مسلمانوں میں یہ امراض پیدا ہو جائیں تو دین کی بنیادیں متزلزل ہو جاتی ہیں اور مسلم معاشرہ تتر بتر ہو کر رہ جاتا ہے وہ تین مہلک بیماریاں یہ ہیں: استہزاء یا تمسخر، عیب جوئی، برے القاب سے پکارنا۔

استہزاء یا تمسخر

کسی کے ظاہری حال کو دیکھ کر اس کا مذاق اڑانا، استہزاء یا تمسخر کہلاتا ہے۔ چاہے یہ استہزاء اس شخص کی موجودگی میں ہو یا عدم موجودگی میں یہ ایک ایسا مرض ہے جو دلوں کو دکھاتا اور دور کر دیتا ہے حتیٰ کہ بھائی بھائی سے متنفر ہو جاتا ہے۔ شوہر، بیوی سے نفرت کرنے لگتا ہے والدین اولاد کو چھوڑ دینے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔

یہ استہزاء چاہے کسی کے عارضی حال پر ہو مثلاً کوئی بے تکالباں پن ہے بال وغیرہ بڑھائے ہوئے ہے یا فطری اور پیدائشی عیب کا مذاق اڑایا جائے مثلاً کوئی کانا، اندھا ہے یا کسی کا رنگ سخت سیاہ ہے یا وہ ہکلا کر بات کرتا ہے۔ ان تمام ذاتی و عارضی عیوب کے باعث کسی کو حقیر جاننا یا محفل میں اس انداز سے اس کا ذکر کرنا یا نقل اتارنا کہ لوگ قہقہے لگائیں، ہنسیں اور اگر وہ شخص موجود ہے تو شرمندہ ہو یا غصہ کرے اور اگر موجود نہیں ہے اور اس کو یہ معلوم ہو کہ اس کا مذاق اڑایا گیا ہے تو اسے تکلیف ہو یا مذاق اڑانے والوں سے اس کے دل میں نفرت پیدا ہو اس قسم کی تمام صورتیں استہزاء یا تمسخر کہلاتی ہیں۔ جن کو قرآن کریم ممنوع اور حرام قرار دیتے ہوئے فرماتا ہے: ”لَا يَسْخَرُ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ“ مردوں کی ایک جماعت دوسری جماعت کا مذاق نہ اڑائے کیونکہ اس طرح ایک تو دلوں میں نفرت پیدا ہوتی ہے اور بھائی بھائی سے جدا ہو جاتا ہے۔ دوسرے یہ کسی کے ایسے حال پر بلا ضرورت توجہ کر کے اپنا قیمتی اور اہم وقت ضائع کرنا ہے جس کی اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک کوئی اہمیت اور حیثیت نہیں کہ اللہ کسی کو اس کے ظاہری حال پر نہ توجہ و ثواب دیتا ہے اور نہ ہی کوئی اپنے ظاہری حال کے سبب اللہ سے دور ہوتا یا اس کا قرب حاصل کرتا ہے: اللہ تو عَلِيمٌ، بِذَاتِ الصُّدُورِ“ دلوں کا حال جاننے والا ہے لہذا اس کے تمام احکام قلبی کیفیات پر ہی نافذ و جاری ہوتے ہیں۔ ”إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا وَاعْتَصَمُوا بِاللَّهِ وَأَخْلَصُوا دِينَهُمْ لِلَّهِ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ“ وَسَوْفَ يُؤْتِي اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ أَجْرًا عَظِيمًا“ (نساء: 146) مگر وہ لوگ جنہوں نے توبہ کی اور اپنی اصلاح کر لی اور مضبوطی سے پکڑ لیا اللہ کا (دامن رحمت) اور خالص کر لیا اپنا دین اللہ کے لئے تو یہ ہی لوگ ایمان والوں کے ساتھ ہیں اور اللہ مومنوں

کو اجر عظیم عطا فرمائے گا پس اجر عظیم ملنے کا باعث تو توبہ، اصلاح، اعتصام باللہ اور اخلاص اعمال ہے یہ مومنوں کی خوبیاں ہیں۔ ایسے ہی اہل ایمان کے لئے اجر عظیم ہے۔

استہزاء و تمسخر ظاہری حالت پر ہو سکتا ہے جبکہ ہم یہ نہیں جان پاتے اور نہیں جان سکتے کہ جس کا ہم مذاق اڑا رہے ہیں اس کا باطن کتنا حسین و جمیل، خوبصورت اور اللہ کا پسندیدہ ہے۔ ”عَسَىٰ أَنْ يَكُونُوا خَيْرًا مِنْهُمْ“ جن کا تم مذاق اڑاتے ہو ممکن ہے کہ وہ باعتبار باطن تم سے بہتر ہو۔ ان کے دل میں اخلاص ہو اللہ و رسول کی محبت سے ان کا قلب لبریز ہو۔ باطن کا حال جاننے والے آقا ﷺ کا ارشاد ہے: ”رُبَّ أَشْعَبٍ مَدْفُوعٍ بِالْأَبْوَابِ لَوْ أَقْسَمَ عَلَى اللَّهِ لَا بَرَّةَ“ بہت سے بکھرے بالوں والے، دروازوں سے دھتکارے ہوئے، (بظاہر بد حال، تمہاری نظروں میں حقیر بھکاری جانتے ہو ان کو اللہ کا کتنا قرب حاصل ہے) اگر وہ کسی کام کے لئے اللہ کی قسم کھالیں تو اللہ ان کی لاج رکھتا اور انہیں سچا کر دکھاتا ہے یعنی یہ لوگ اللہ کے پیارے اور محبوب ہوتے ہیں اللہ اس قدر ان کی ناز برداری فرماتا ہے کہ ان کی قسموں کو ضرور پورا فرماتا لوگوں سے ان کے کئے ہوئے وعدوں کو ضرور پورا فرماتا ہے۔ ان کی زبان سے نکلی ہر بات تقدیر بن جاتی ہے یہ کسی کو عزت و دولت بخش دیں تو اللہ اسے عزت والا دولت والا بنا دیتا ہے یہ کسی کو حقارت کی نظر سے دیکھ لیں تو اللہ اس کو حقیر و ذلیل کر دیتا ہے۔ ان کی ایک نظر سے لوگوں کی تقدیریں بدل جاتی ہیں ایسا انہیں اللہ کا قرب حاصل ہے۔

حضرت مصعب بن سعید رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے ”هَلْ تُنْصَرُونَ وَتُرْزَقُونَ إِلَّا بِضَعْفَانِكُمْ“ ”تمہیں اللہ کی مدد اور رزق تمہارے کمزوروں ہی کے طفیل دیا جاتا ہے“ یعنی جن کے ظاہری حال کو دیکھ کر تم انہیں کمزور، حقیر، بھکاری سمجھتے ہو اپنے دروازوں سے انہیں دھتکار دیتے ہو ان کا اپنے قریب بھی آنا تمہیں گوارا نہیں اگر وہ تمہارے نزدیک سے گزر جائیں تو تم اپنی ناک بند کر لیتے ہو لیکن تم یہ نہیں جانتے کہ دنیا میں ان کا وجود کس قدر اہم ہے یہی بد حال فقراء و مساکین ہیں جن کے صدقہ میں اللہ بوقت ضرورت تمہاری مدد فرماتا ہے اور یہی ہیں جن کی برکت سے تمہیں رزق نصیب ہوتا ہے انہی کے طفیل اللہ کی رحمتیں برسی ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ”يَدْخُلُ الْفُقَرَاءُ الْجَنَّةَ قَبْلَ الْأَغْنِيَاءِ بِخَمْسِ مِائَةِ عَامٍ نِصْفَ يَوْمٍ۔“ ”یعنی فقراء جنت میں دولت مندوں سے پانچ سو برس پہلے جائیں گے جو جنت کا آدھا دن ہوگا۔“

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ”ابْغُونِي فِي ضَعْفَانِكُمْ فَإِنَّمَا تُرْزَقُونَ أَوْ تُنْصَرُونَ بِضَعْفَانِكُمْ“ مجھے اپنے کمزوروں میں تلاش کیا کرو کیونکہ تم اپنے کمزوروں ہی کے سبب روزی دیئے جاتے یا مدد کئے جاتے ہو۔

احادیث مذکورہ سے بات مزید واضح ہو گئی کہ ہم جن لوگوں کا ان کی ظاہری بد حالی یا ظاہری عیب کے سبب مذاق اڑاتے ہیں ہمیں اللہ سے ڈرنا چاہئے اور سوچ لینا چاہئے کہ کہیں یہی اللہ کا کوئی محبوب و پیارا نہ ہو اور اس کو ہمارا حقیر جاننا

ہمارے ہی لئے حقارت کا سبب نہ بن جائے۔ اللہ کا ارشاد ہے: ”أَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ“ سوال کرنے والے کو جھڑکو نہیں، تمہارے سامنے جو ہاتھ پھیلائے کھڑا ہے بظاہر تم سے مانگ رہا ہے لیکن ممکن ہے کہ وہ تمہیں کچھ دے رہا ہو جس کو تمہاری ظاہر میں نگاہیں نہیں دیکھ رہیں اس لئے سائل کو کچھ نہ کچھ ضرور دے دو اور اگر کسی سبب نہ دے سکو تو اس کو حقیر نہ جانو۔ اللہ کا شکر ادا کرو کہ اس نے تمہیں اس قابل بنایا کہ کوئی تمہارے سامنے ہاتھ پھیلائے کھڑا ہے کیا یہ ممکن نہ تھا کہ تم اس کی جگہ ہوتے اور وہ تمہاری جگہ اور تمہارا ہاتھ اس کے سامنے پھیلا ہوتا پس اللہ کا شکر ادا کرو اور اللہ سے ڈرو، سائل کو کچھ دے دو، نہ دے سکو تو معذرت کر لو، معافی مانگ لو۔

سابقہ کرام رضی اللہ عنہم استہزاء کے جرم سے کتنا خوف کرتے تھے اس کا بھی اندازہ کرتے چلئے۔ حضرت عمر بن شریک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر میں کسی شخص کو بکری کے تھنوں سے منہ لگا کر دودھ پیتا دیکھ لوں اور مجھے خود بخود ہی ہنسی آ جائے تو میں ڈرتا ہوں کہ کہیں میں بھی ایسا ہی (غیر مہذب) نہ ہو جاؤں (کہ لوگ میرا مذاق اڑانے لگیں)۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں اگر کسی کتے کے ساتھ بھی استہزاء کروں تو مجھے ڈر لگتا ہے کہ کہیں میں کتا ہی نہ بنا دیا جاؤں۔

بہر حال استہزاء و تمسخر ایسی بدترین عادت ہے جس کے دنیاوی و اخروی دونوں ہی انجام خراب ہیں کہ ایسا شخص خود چند دن ہی میں لوگوں کی نظروں میں حقیر ہو جاتا اور اکثر اللہ اسے اسی بد حالی کا شکار کر دیتا ہے جس کا وہ تمسخر کیا کرتا تھا آخرت میں وہ ذلیل و خوار ہوگا۔ اللہ معاف کرے۔

### عورتوں کو خصوصی ہدایت

”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا“ کے خطاب میں ہر موقع پر اگرچہ عورتیں بھی شریک ہیں کہ وہ بھی تو اہل ایمان ہیں اور افراد قوم میں بھی عورتیں شامل ہیں لیکن یہاں خصوصیت کے ساتھ عورتوں کو بھی مخاطب کیا جا رہا ہے ”وَلَا يَسَاءُ مِنْ نِسَاءٍ“ اور نہ عورتیں عورتوں کا مذاق اڑائیں، کیونکہ عورتیں فطری طور پر مردوں کی بہ نسبت اس عیب میں زیادہ مبتلا ہوتی ہیں۔ ایک دوسرے کے لباس، چال، میک اپ، انداز گفتگو کا مذاق اڑانا ان کی عادت ہوتی ہے بہت کم ہی ایسا ہوتا ہے کہ کسی عورت کی نظروں سے دوسری عورت کا عیب چھپا رہے۔ عورت کی نظر صرف عیوب پر ہی پڑتی ہے انہیں کسی محفل میں دوسری عورتوں پر تنقید کرنے اور ان کا مذاق اڑانے کے سوا کوئی کام ہی نہیں ہوتا لہذا خاص طور پر انہیں ہدایت کی گئی کہ عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق نہ اڑایا کریں وجہ یہاں بھی وہی ہے کہ ”عَسَىٰ أَنْ يَكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُمْ“ کہ ممکن ہے کہ استہزاء کرنے والیوں سے وہ عورتیں بہتر ہوں جن کا یہ مذاق اڑا رہی ہیں۔

آج کل عام طور پر کسی عورت کے برقعہ اوڑھنے یا محفل میں نماز پڑھنے کا بہت مذاق اڑایا جاتا ہے جبکہ یہ دونوں باتیں عیب نہیں بلکہ خوبی ہیں۔ برقعہ عورت کے مؤمنہ و مسلمہ ہونے کی علامت ہے۔ باحیاء اور باغیرت ہونے کی دلیل ہے۔ جس سے اس کی عزت و آبرو محفوظ رہتی ہے، حسن و جمال بڑھتا ہے اور نماز عورت و مرد سب ہی پر فرض ہے ایمان کی نشانی

ہے۔ کافر و مؤمن کے درمیان امتیاز و پہچان کا ذریعہ صرف نماز ہی ہے۔ برقعہ و نماز دونوں ہی شعار اسلام میں سے ہیں اور شعار اسلام کا مذاق اڑانا انہیں حقیر جاننا کفر ہے حرام ہے۔

پس عورتوں کو خصوصی طور پر استہزاء و تمسخر کے جرم سے بچنے کی کوشش کرنا چاہئے خصوصی طور پر ان چیزوں کا مذاق اڑانے پر انہیں توبہ کرنا چاہئے جو شعار اسلام میں سے ہیں وہ اگر خود پردہ نہیں کرتیں یا خود نماز کی پابند نہیں ہیں تو انہیں اپنے حال پر شرمندہ و نادام ہونا چاہئے اور پردہ نشیں، نمازی عورتوں کو احترام و عزت کی نظر سے دیکھنا چاہئے کہ شعار اسلام کا احترام کرنا بھی علامت ایمان و تقویٰ ہے۔ ”وَمَنْ يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللَّهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ“ جو شعار اللہ (شعار اسلام) کا احترام کرتا ہے وہ یقیناً قلباً متقی و پرہیزگار ہے۔

اے ایمان والو! تم کسی کا مذاق نہ اڑاؤ کسی کو حقیر، کمزور، ذلیل نہ جانو بلکہ ہر ایک کو اپنے سے بہتر سمجھو جب تم کسی کو بظاہر کسی عیب و کمزوری میں مبتلا دیکھو تو تم اللہ کی پناہ مانگو اور اس کا شکر ادا کرو کہ اس نے تم پر کتنا کرم فرمایا کہ تمہاری حالت ایسی نہیں ہے۔ ہمارے آقا ﷺ کا نہایت ہی قابل غور ارشاد ہے آپ نے فرمایا: ”إِذَا نَظَرَ أَحَدُكُمْ إِلَى مَنْ فَضَّلَ عَلَيْهِ فِي الْمَالِ وَالْخَلْقِ“ جب تم کسی ایسے شخص کو دیکھو جو تم سے مال اور اخلاق میں زیادہ ہو۔ ”فَلْيَنْظُرْ إِلَى مَنْ هُوَ أَسْفَلَ مِنْهُ“ تو ایسے شخص کو بھی دیکھو جو تم سے کم تر ہو۔ نیز آپ نے فرمایا ”انظروا مَنْ هُوَ أَسْفَلَ مِنْكُمْ“ اے دیکھو جو تم سے کم تر ہے۔ ”وَلَا تَنْظُرُوا إِلَى مَنْ فَوْقَكُمْ“ اس پر زیادہ توجہ نہ دو جو بظاہر تم سے برتر ہے۔ ”فَهُوَ أَجْدَرُ أَنْ لَا تَزِدُّوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ“ یہ تمہارے لئے بہتر ہے تاکہ تم اللہ کی ان نعمتوں کی ناشکری میں مبتلا نہ ہو جاؤ جن سے اس نے تمہیں نوازا رکھا ہے۔

غور فرمائیے میرے آقائے رحمت ﷺ سکون و عزت کی زندگی حاصل کرنے کے لئے ہمیں کیا نفسیاتی نسخہ عطا فرما رہے ہیں کہ یہ حقیقت ہے کہ جب انسان کسی کو اچھے مکان میں پر عیش زندگی بسر کرتے دیکھتا ہے جب وہ کسی کو بھرے دسترخوان پر پر تکلف کھانے کھاتے دیکھتا ہے جب وہ کسی کو قیمتی و خوبصورت گاڑی میں سوار ہو کر اترتے دیکھتا ہے تو اس کی نظروں میں وہ تمام نعمتیں حقیر اور ہیچ ہو جاتی ہیں جن سے اللہ نے اسے نوازا ہے جبکہ وہ یہ بالکل نہیں جانتا کہ اس ظاہری کروفر پر ناز کرنے والے کا حقیقتاً کیا حال ہے۔ بس اسی موقع پر شیطان اپنا کام کرتا ہے اور اس شخص کو بھڑکاتا ہے دنیا کی حرص و ہوس میں مبتلا کر دیتا ہے اور یہ احمق برتر سے برتر ہونے کی ہوس میں دن رات دولت کمانے میں بھڑکتا ہے۔ یہ اندھی مصروفیت پہلے تو اس سے نمازیں چھڑاتی ہے پھر یہ اپنے اعزاء و احباب حتیٰ کہ معاشرے سے کتنا چلا جاتا ہے اب اس کا مقصد زندگی صرف اور صرف دولت بن جاتا ہے۔ حلال و حرام کا امتیاز ختم ہو جاتا ہے۔ شرعی احکام کی پابندی تو درکنار کسی ناصح سے توبہ کرنے کی اور دین کی پابندی کرنے کی نصیحت بھی اس کے کانوں پر ناگوار ہوتی ہے اب یہ اسہی دلدل میں پھنسا ہوتا ہے کہ ”فَلَا نَاصِرَ لَهُ“ جہاں اس کا کوئی مددگار نہیں ہوتا۔ اللہ محفوظ رکھے ایسی زندگی سے ایسی کیفیت سے بچانے کے لئے میرے آقا ﷺ نے ہمیں یہ نسخہ عنایت فرمایا کہ ”انظروا مَنْ هُوَ أَسْفَلَ مِنْكُمْ“ اے دیکھو جو تم سے کم تر ہے اللہ کی نعمتوں کی

قدر کرتے رہو گے شکر گزار بنے رہو گے اور تمہارا رب تمہیں خوب خوب اپنی نعمتوں سے مزید نوازتا رہے گا سکون بھی نصیب رہے گا اور عزت بھی تمہارا مقدر رہے گی۔

### عیب جوئی

”وَلَا تَلْمِزُوا أَنْفُسَكُمْ بِالْأَلْقَابِ“ تم اپنے آپ کو عیب نہ لگاؤ اور نہ ہی برے القاب سے پکارو۔ ایک ہی جملہ میں دونوں برائیوں یعنی عیب جوئی اور برے القاب سے پکارنے کا ذکر ہے۔ پہلے ہم عیب جوئی پر گفتگو کرتے ہیں۔

لَمَزُ یعنی کسی میں عیب نکالنا، کسی کا عیب ظاہر کرنا یا کسی کے عیب پر طعنہ زنی کرنا۔ ”وَلَا تَلْمِزُوا“ سے تینوں طرح عیب جوئی کی ممانعت کی گئی ہے اور اسے ”أَنْفُسَكُمْ“ اپنی ہی عیب جوئی قرار دے کر اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا کہ جس کی تم عیب جوئی کر رہے ہو وہ تمہارا مسلمان بھائی ہے۔ پس اس میں عیب نکالنا اور حقیقت اپنی ہی عیب جوئی ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں دوسری جگہ فرمایا گیا ”وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ“ اپنے بھائیوں کو قتل نہ کرو کہ انہیں قتل کرنا اپنے آپ ہی کو قتل کرنے کے مترادف ہے اور اکثر بظاہر بھی یہ صورت ہو ہی جاتی ہے کہ قاتل کو مقتول کے ورثاء قتل کر دیتے ہیں اسی طرح دوسروں کو ذلیل و خوار اور حقیر کرنے والا، ان پر عیب لگانے والا، طعنہ زنی کرنے والا خود ہی ان کا شکار ہو جاتا ہے۔ خود ہی لوگوں کی نظروں میں گر جاتا اور حقیر ہو جاتا ہے۔ ایک مقولہ ہے ”وَفِيكَ غُيُوبٌ وَلِلنَّاسِ أَعْيُنٌ“ تم میں بہت سے عیب ہیں اور لوگوں کے پاس آنکھیں ہیں یعنی عیب جوئی کرنے والے کو سوچنا چاہئے کہ کوئی انسان عیوب سے مبرا اور پاک نہیں جب یہ کسی کے عیب نکالے گا ان کی تشہیر کرے گا ان پر طعنہ زنی کرے گا تو یہ خود بھی نہیں بچ پائے گا لوگ اس کے ساتھ بھی یہی عمل کریں گے لہذا انسان کی عقلمندی یہی ہے اور اسی میں عافیت ہے کہ وہ لوگوں کے عیوب کو تلاش نہ کرتا پھرے بلکہ اگر کسی کا عیب اسے معلوم بھی ہو جائے تو اسے چھپانے کی کوشش کرے کہ میرے آقا ﷺ کا مشہور ارشاد ہے ”مَنْ سَتَرَ النَّاسَ سَتَرَهُ اللَّهُ فِي الْقِيَمَةِ“ جو دنیا میں لوگوں کے عیوب کی پردہ پوشی کرتا ہے اللہ قیامت کے دن اس کے گناہ پر پردہ ڈالے گا۔ نیز آپ ﷺ نے فرمایا ”مَنْ تَرَى عَوْرَةَ فَسَرَّهَا كَانَ كَمَنْ أَخْبَى مَوْءُودَةً“ جس نے کسی مسلمان کا عیب دیکھ کر اسے چھپایا تو اس کا ثواب اس شخص کے برابر ہوگا جس نے کسی زندہ دفن کی گئی لڑکی کو بچایا۔ آپ ﷺ ہی کا ارشاد ہے ”وَلَا تَبْتَغُوا عَوْرَاتِهِمْ“ اپنے مسلمان بھائیوں کے عیوب کو تلاش نہ کرو ”وَمَنْ يَتَّبِعْ عَوْرَةَ أَخِيهِ الْمُسْلِمِ“ کہ جو اپنے مسلمان بھائی کے عیب تلاش کرتا ہے۔ ”يَتَّبِعْ اللَّهُ عَوْرَتَهُ“ تو اللہ اس کے عیب ظاہر فرما دیتا ہے۔ ”وَمَنْ يَتَّبِعْ اللَّهُ عَوْرَتَهُ يَفْضَحْهُ وَلَوْ فِي جَوْفِ رَحْلِهِ“ اور اللہ جس کے عیب ظاہر کرتا ہے وہ ذلیل و خوار ہو جاتا ہے چاہے وہ اپنے گھر ہی میں کیوں نہ چھپا پڑا ہو۔

ہندوستان کے آخری مسلم تاجدار شہنشاہ ظفر کے دو شعر کہیں پڑھے تھے یا سنے تھے، اچھے ہیں۔ حقیقت سے قریب تر ہیں، پڑھئے:

نہ تھی حال کی جب ہمیں اپنے خبر رہے دیکھتے لوگوں کے عیب و ہنر



پڑی اپنی برائیوں پر جو نظر تو جہاں میں کوئی برا نہ رہا معلوم ہوتا ہے انہوں نے اپنے زمانہ قید میں یہ شعر کہے ہیں کہ انسان عیش و عشرت کے دور میں صرف دوسروں پر ہی نظریں جمائے رہتا ہے اور سوائے اپنے سب ہی اسے کمزور، حقیر اور عیب ناک نظر آتے ہیں اور جب مصیبت میں مبتلا ہوتا ہے تو آنکھیں کھلتی ہیں۔ پھر کہتا ہے کہ میں تو کچھ بھی نہیں ساری کمزوریاں اور عیوب تو خود مجھ میں ہیں ساری دنیا کے لوگ مجھ سے ہر طرح بہتر اور اچھے ہیں۔

ایک مرتبہ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بسلسلہ جہاد صحابہ کرام کو مال پیش کرنے کی ترغیب دی۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر اپنے آقا ﷺ کی بارگاہ میں چار ہزار درہم کا عطیہ پیش کیا۔ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ نے ستر کلو کھجوریں پیش کیں۔ حاضرین میں موجود منافقین جل گئے اور انہوں نے ان حضرات پر ریاکاری کا الزام لگاتے ہوئے ان کا مذاق اڑایا اور ڈھنڈور اچھینا کہ یہ لوگ اللہ کی رضا کے لئے یہ قربانی نہیں دے رہے بلکہ لوگوں پر اپنی دولت مندی اور سخاوت کا سکہ جمانے کے لئے ایسا کر رہے ہیں پھر ایک غریب صحابی حضرت ابو عقیل رضی اللہ عنہ ایک سیر کھجوریں لے کر حاضر ہوئے تو یہ منافق کہنے لگے ذرا ان کی قربانی تو دیکھو ان مٹھی بھر کھجوروں سے بھلا کتنے مجاہدین کا گزارہ ہوگا۔

منافقوں نے الزام تراشی کی، ریاکاری کا عیب لگایا، کسی غریب کی غربت کا مذاق اڑایا اللہ رب العزت جل مجدہ نے ایسی حرکتیں کرنے والوں کے لئے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اعلان فرمایا۔ سورہ توبہ ہے: ”الَّذِينَ يَلْمِزُونَ الْمُطَّوِّعِينَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ فِي الصَّدَقَاتِ وَالَّذِينَ لَا يَجِدُونَ إِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُونَ مِنْهُمْ“ جو لوگ بخوشی خیرات کرنے والے مسلمانوں پر ریاکاری کا الزام لگاتے ہیں اور یہ ان کا بھی مذاق اڑاتے ہیں جن کے پاس اپنی محنت و مشقت کی مزدوری پیش کرنے کے سوا کچھ نہیں۔ ”سَخِرَ اللَّهُ مِنْهُمْ“ اللہ انہیں ان کے اس مذاق کی سزا دے گا جو یہ ہوگی کہ ”وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ“ اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

غور فرمایا آپ نے عیب لگانے والوں اور مذاق اڑانے والوں کا بھیا نک انجام اللہ محفوظ رکھے۔

### برے القاب

کسی کی خوبیوں یا خامیوں کی بناء پر اسے کوئی نام دے دینا لقب کہلاتا ہے۔ اس اعتبار سے القاب دو قسم کے ہوتے ہیں اچھے القاب جیسے صدیق، فاروق، غنی، اسد اللہ یا ابوتراب، ابو ہریرہ، سیف اللہ وغیرہ (رضی اللہ عنہم) یا غوث الاعظم، غریب نواز، داتا گنج بخش، شکر گنج وغیرہ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔ اچھے القاب ایک اعزاز ہیں، قابل فخر ہیں، محبت و الفت میں اضافہ کا ذریعہ ہیں جو شرعی نظام کا اولین مقصد ہے اور برے القاب وہ نام ہیں جو کسی کو اس کے عیب اور برائی میں مبتلا ہونے کے سبب دیئے جائیں جیسے کسی کو گنجا، کانا، لنگڑا، جاہل، احمق، کن کٹا، راشی، مرتشی وغیرہ جیسے بیہودہ نام دے دیئے جائیں۔ یہ برے القاب دینا ہی ممنوع اور حرام ہے۔ اگر کسی میں یہ عیوب موجود بھی ہیں تب اسے ایسے نام سے اگر پکارا جائے گا تو اس کی دل آزاری ہوگی اسے صدمہ پہنچے گا وہ پکارنے والوں سے نفرت کرنے لگے گا۔ اس کے دوست و احباب اعزاء و اقرباء بھی اس

کی حمایت کریں گے اور ایک چھوٹی سی بات پھیل کر پورے معاشرے میں انتشار و افتراق اور لڑائی، جھگڑے کا باعث بن جائے گی۔ مثلاً ہم نے کبھی اخبارات میں ایک ایسا ہی واقعہ پڑھا کہ لوگ اسے نہ جانے کیوں پھکڑا کہتے تھے وہ اپنا یہ لقب سن کر نہایت سیخ پا ہو جاتا تھا۔ اس کی برادری کے لوگوں نے بہت چاہا کہ اسے اس نام سے نہ پکارا جائے لیکن کسی نے نہ سنی اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ گلی کو چوں میں بچے بھی اسے اسی نام سے پکارنے لگے اور اس بیچارے کی حالت دیوانوں جیسی ہو گئی۔ جاہل یہ تماشہ دیکھ کر تالیاں بجاتے جبکہ سنجیدہ لوگ اس پر افسوس کرتے۔ بالآخر وہی ہوا جو ہونا چاہئے تھا کہ اس کے بھائیوں نے کسی نہ کسی طرح یہ پتہ چلا لیا کہ یہ نام کس نے دیا تھا اور ایک رات اس پر حملہ آور ہو گئے اسے اور اس کے تین بھائیوں کو قتل کر ڈالا۔

بھلا غور فرمائیے شریعتِ مطہرہ کس طرح ایسی بیہودگی کی اجازت دے سکتی ہے جبکہ شریعتِ اسلامیہ کا تو مزاج ہی یہ ہے کہ مرض پھیلنے سے پہلے ہی ان جرائم کا خاتمہ کر دیا جائے جو سبب مرض بن سکتے ہیں اور فتنہ و فساد، انتشار و افتراق سے قبل ہی ان اسباب پر کنٹرول کیا جائے جو تباہی و بربادی کا باعث ہو سکتے ہیں۔

استہزاء، عیب جوئی اور برے القاب دینا انہی اسباب میں سے ہے لہذا ان کی واضح ممانعت کے ساتھ ان سے مزید متنفر کرنے کے لئے فرمایا گیا ”بَنَسِ الْإِسْمِ الْفُسُوقُ بَعْدَ الْإِيمَانِ“ کتنا برا نام ہے فاسق کہلانا ایمان کے بعد یعنی یہ عمل تمہیں فاسق بنادے گا۔ لوگ تمہیں فاسق کہا کریں گے۔ ہمارے محبوب کا غلام، بہترین امت کا ایک فرد فاسق کہلائے کس قدر باعثِ شرم ہے جس زبان سے اپنے آقا کا کلمہ پڑھو اسی سے اپنے بھائیوں کی پگڑیاں اچھا لو کس قدر باعثِ شرم ہے جس زبان سے پھول بکھرنے چاہئے تھے وہ انگارے برسائے کس قدر باعثِ شرم ہے جسے پوری دنیا میں محبت و الفت کا نور پھیلانے کے لئے پیدا کیا گیا تھا۔ وہ اپنے ہی معاشرے میں نفرت کی تاریکی پھیلائے کس قدر باعثِ شرم ہے جس کا کام غیروں کو اپنا بنانا تھا وہ اپنوں کو اپنوں ہی سے دور کرے کس قدر باعثِ شرم ہے۔ اے میرے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے غلاموں باز آ جاؤ۔ یہ حرکتیں چھوڑ دو اپنی اصلاح کر لو ”وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ“ اور جو باز نہیں آئیں گے وہی ظالم ہیں اپنے نفسوں پر ظلم کر رہے ہیں اپنے بھائیوں کی عزت و آبرو اور سکون و چین برباد کر کے خود ہی بے آبرو، ذلیل و خوار اور بے چین ہو رہے ہیں اور آخرت میں اپنے آپ کو سخت عذاب کا سزاوار بنا رہے ہیں۔

بروایت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ میرے آقا ﷺ کا ارشاد ہے ”مَلْعُونٌ مَنْ ضَارَّ مُؤْمِنًا أَوْ مَكْرَبًا“ وہ شخص ملعون ہے جس نے کسی مسلمان کو نقصان پہنچایا یا اس کے ساتھ مکر کیا۔

حضرت معاذ بن انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ”مَنْ رَمَى مُسْلِمًا يُرِيدُ شَيْنَهُ“ جس نے کسی مسلمان پر تہمت لگائی اسے بدنام (بے آبرو) کرنے کے لئے۔ ”حَسِبَهُ اللَّهُ عَلَىٰ جَسَدٍ جَهَنَّمَ حَتَّىٰ يَخْرُجَ مِمَّا قَالَ“ (قیامت کے دن اللہ اسے جہنم کے پل پر روک لے گا یہاں تک کہ وہ اپنے کہے کی ذمہ داری قبول کر لے) (پھر اسے عذابِ جہنم کی سزا ہوگی)

حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے: ”إِنَّ مِنْ أَرْبَى الرِّبُو الْإِسْطِطَالَةُ فِي عِرْضِ الْمُسْلِمِ بِغَيْرِ حَقِّ“ بدترین سود مسلمان کی عزت پر ناحق ہاتھ ڈالنا ہے (کہ سود حرام ہے کسی مسلمان بھائی کو بے آبرو کرنا اس سے بھی زیادہ برا اور حرام ہے)۔

غور فرمایا آپ نے ہمارے رؤف و رحیم آقا ﷺ کس طرح ہمیں تباہی کے گڑھے میں گرنے سے روک رہے ہیں اور آپ ﷺ کس قدر اس بات کے خواہاں ہیں کہ ہم ان عیوب سے بچیں جو مسلمانوں کی باہمی محبت کو نفرت میں تبدیل کر دیں۔ دوستی کو دشمنی میں بدل دیں۔ ان کا اتحاد پارہ پارہ کر دیں اور وہ دنیا میں بے عزت و بے آبرو ہو جائیں اور آخرت میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو منہ تک دکھانے کے قابل نہ رہیں، اللہ ہمیں ان عیوب سے محفوظ رکھے (آمین)

وَصَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَى خَيْرِ خَلْقِهِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ



## مقالہ ۷۴

### الحجرات: ۱۲

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا يَغْتَبَ بَعْضُكُم بَعْضًا أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَن يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ رَّحِيمٌ ﴿١٢﴾

(الحجرات: ۱۲)

اے ایمان والو! دور رہا کرو بکثرت بدگمانیوں سے بلاشبہ بعض بدگمانیاں گناہ ہیں اور نہ جاسوسی کیا کرو اور ایک دوسرے کی غیبت بھی نہ کیا کرو کیا پسند کرتا ہے تم میں سے کوئی شخص کہ وہ گوشت کھائے اپنے مردہ بھائی کا تم اسے تو برا سمجھتے ہو اور ڈرتے رہا کرو اللہ سے بیشک اللہ تعالیٰ بہت توبہ قبول کرنے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

سورۃ الحجرات کی آیت نمبر ۱۱ کا آپ مطالعہ کر چکے ہیں جس میں استہزاء، عیب جوئی اور برے القاب سے پکارنے کی ممانعت کی گئی ہے۔ آیت مندرجہ بالا میں بھی ایسے ہی عیوب کی ممانعت کی جا رہی ہے جو مسلمانوں کی دل آزاری ان میں

ماہمی منافرت و عداوت کا باعث بنتے ہیں اور جن سے امت مسلمہ کا اتحاد پارہ پارہ ہو جاتا ہے۔ یہاں تین عیوب کا ذکر ہے  
سُن و گمان، جاسوسی، غیبت۔

ظن کے معنی

اہل ایمان کو ہدایت کی جارہی ہے کہ ”اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ“ بکثرت ظن سے بچتے رہو اس پر مزید گفتگو سے پہلے ظن کے معنی جان لینا ضروری ہے۔

قرآن کریم میں لفظ ظن چار معنی میں استعمال ہوا ہے یقین، شک، تہمت اور وہم و گمان جیسے فرمایا گیا ”الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُمْ مُلْقُوا رَبِّهِمْ وَآنَهُمْ إِلَيْهِ رَاجِعُونَ“ جو لوگ یقین کرتے ہیں کہ وہ اپنے رب سے ملنے والے ہیں اور وہ اس کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ سورہ بقرہ کی آیت ہے۔ یہاں ظن بمعنی یقین استعمال ہوا ہے۔ سورہ النساء ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق واضح اعلان فرمایا: ”وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ“ نہ وہ انہیں قتل کر سکے اور نہ ہی سولی پر چڑھا سکے، جو اس حقیقت کے خلاف عقیدہ رکھتے ہیں۔ ”لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ“ وہ ان کے متعلق شک میں مبتلا ہیں۔ ”مَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ“ ان کے پاس اس کا کوئی علم (یقینی ثبوت) نہیں وہ تو صرف شک کی پیروی کر رہے ہیں۔ ”وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا“ انہوں نے یقیناً اسے قتل نہیں کیا۔ ”بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ“ بلکہ اللہ نے اسے اپنی طرف (زندہ ہی) اٹھالیا۔ یہاں شک و یقین کے درمیان ظن بمعنی شک ہی استعمال ہوا ہے۔ نیز ارشاد ہوا: ”وَذَلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِي ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ أَرَدْتُمْ فَأَصْبَحْتُمْ مِنَ الْخَاسِرِينَ“ یہ تمہارے اس ظن کی وجہ سے ہوا جو تم اللہ کے بارے میں کرتے تھے پس تم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو گئے۔ یہاں ظن بمعنی تہمت ہے کہ کفار یہ خیال کرتے تھے کہ اللہ ان کے بہت سے اعمال کو جانتا ہی نہیں تو وہ قیامت کے دن ان سے کس طرح اعمال کے متعلق پوچھ گچھ کرے گا گویا یہ اللہ پر تہمت لگاتے تھے۔

”اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ“ یہاں ظن بمعنی وہم و گمان ہے جس کی ممانعت کی جارہی ہے لیکن خیال رہے کہ مطلقاً ظن کی ممانعت نہیں کی جارہی بلکہ اکثر وہم و گمان کی پیروی اور اس کے مطابق فیصلہ کرنے کی عادت کی ممانعت کی جارہی ہے کیونکہ اگر انسان وہم و گمان کا عادی ہو جائے تو اس کی زندگی اجیرن ہو کر رہ جاتی ہے۔ مثلاً کوئی آپس میں باتیں کر رہا ہے بس خیال کر لیا کہ یہ میرے خلاف کوئی سازش ہو رہی ہے اور فکر میں لگ گئے کہ کیا باتیں ہو رہی تھیں دو آدمی کسی بات پر ہنس رہے ہیں اور خیال کر لیا کہ یہ میرا ہی مذاق اڑا رہے ہیں۔ غور فرمائیے اگر کسی کو وہم کی ایسی بیماری ہو جائے تو اس کی کیا کیفیت و حالت ہو جائے گی لہذا منع فرمایا گیا کہ اکثر وہم و گمان میں مبتلا نہ رہا کرو اس عادت کا ایک خراب پہلو یہ بھی ہے کہ ”إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ“ کہ بعض گمان گناہ کا باعث ہوتے ہیں اگر تم بکثرت ظن کے عادی ہو گئے تو ایسے گمان بھی کرنے لگو گے جن کا کرنا گناہ ہے۔ جو گمان باعث گناہ ہیں وہ بدگمانی کہلاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے منافق مردوں اور عورتوں کے متعلق فرمایا: ”الظَّالِمِينَ بِاللَّهِ ظَنُّ السُّوءِ“ وہ اللہ کے بارے میں برے گمان رکھتے ہیں، پس ان کا انجام یہ ہے کہ ”عَلَيْهِمْ ذَا بَرَةِ السُّوءِ“ انہی پر ہے بری گردش۔ ”وَعَصِبَ اللَّهُ عَلَيْهِمُ“ اور

اللہ تعالیٰ ان پر ناراض ہوں۔ ”وَلَعَنَهُمُ“ اور اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی رحمت سے محروم کر دیا۔ ”وَاعْدَلَهُمْ جَهَنَّمَ“ اور ان کے لئے جہنم تیار کر رکھا ہے۔ ”وَمَاءٌ ثَمَّصِيرًا“ اور وہ بہت ہی برا ٹھکانہ ہے۔ اسی سورہ فتح میں مزید ارشاد ہوا: ”وَوَظَنَّاكُمْ ظَنُّ السُّوءِ“ تم بدگمانی میں مبتلا رہے انجام کار۔ ”وَكُنْتُمْ قَوْمًا بُورًا“ تم برباد ہونے والی قوم بن گئے۔

ظنِ سوء، بدگمانی اور وہ بھی اللہ تعالیٰ سے اپنے آپ کو گردش و آلام میں مبتلا کرنے کا ذریعہ ہے اللہ کے غضب اور اس کی لعنت کو دعوت دینا ہے۔ بدگمانی کرنے والوں کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ ایسے لوگ تباہ و برباد کر دیئے جاتے ہیں۔

بہر حال ظن و گمان تو انسان کی فطرت ہے اور اسلام کا یہ اصول ہے کہ وہ فطری تقاضوں کو نہ تو پامال کرتا ہے اور نہ ہی یکسر انہیں ختم کرتا ہے بلکہ ان کے پورا کرنے کے طریقہ اور ضابطہ مقرر و متعین فرماتا ہے۔ پس آیت زیر گفتگو میں بھی اسی اصول کے مطابق کثرت ظن کی عادت سے منع فرمایا گیا تاکہ اہل ایمان بدگمانیوں میں مبتلا نہ ہونے لگیں۔

بدظنی حرام ہے

مطلقاً بدگمانی کرنا، ممنوع و حرام قرار دیا گیا۔ قرآن کریم نے متعدد مقامات پر اس کی مذمت فرمائی ہے مثلاً جب ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر منافقین نے تہمت لگائی اور اس کا ایسے انداز پر پروپیگنڈا کیا کہ بعض صحابہ تک گوگو کی کیفیت میں مبتلا ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی اس کیفیت کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا: ”لَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بِأَنفُسِهِمْ خَيْرًا“ جب تم نے یہ (افواہ) سنی تو ایسا کیوں نہ ہوا کہ مؤمن مردوں اور عورتوں نے اپنوں کے متعلق نیک گمان کیا ہوتا۔ تمہارے ایمان کا مقتضی یہ تھا کہ تم اس بیہودہ خبر کو سن کر کسی تردد میں مبتلا نہ ہوتے بلکہ تمہیں تو فوراً بلاتامل اس کی تردید کر دینا چاہئے تھی۔ ”وَقَالُوا هَذَا أَفْكٌ مُّبِينٌ“ اور (فوراً) کہتے کہ یہ تو کھلا ہوا بہتان ہے۔ تم منافقوں کے فریب میں کیوں مبتلا ہوئے تم نے اپنی ماں کے متعلق کیوں بدگمانی کی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ”إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الْحَدِيثِ“ بدگمانی سے بچو کیونکہ بدگمانی سب سے جھوٹی بات ہے۔

یہ بھی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی کی روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ”حُسْنُ الظَّنِّ مِنْ حُسْنِ الْعِبَادَةِ“ نیک گمان، عبادت کا حسن ہے۔

بدگمانی کرنے والا اور اپنی بدگمانی کے مطابق افواہیں پھیلانے والا شخص مسلم معاشرے کا بدترین مجرم ہے کہ وہ اپنی اس حرکت سے مسلمانوں کو بے آبرو کرتا پھرتا ہے۔ مثلاً وہ اپنے خیال بد کے مطابق کسی مرد و عورت کے ناجائز تعلق کی خبر پھیلاتا دیتا ہے۔ کسی کی کسی سے عداوت و دشمنی کی افواہ پھیلاتا دیتا ہے۔ کسی کے رشوت خور، سود خور یا جواری ہونے کی خبریں پھیلاتا رہتا ہے بس اس کا کام ہی بدگمانی کرنا اور اس کی تشہیر کرنا ہے۔ آپ خود سوچئے کہ یہ ایک شخص مسلمانوں کے لئے کتنی اذیت اور تکلیف کا سبب بن سکتا ہے جبکہ وہ خود بھی اپنی حرکت سے نہ صرف لوگوں میں ذلیل و خوار ہوتا ہے بلکہ لوگ اس کے جانی دشمن تک ہو جاتے ہیں اور ایک نہ ایک دن اس کی چنگاری شعلہ بن کر بھڑکنے لگتی ہے کہ باہمی قتل و غارت تک نہایت پہنچ جاتی ہے۔

اس بد عملی سے مسلمانوں کو بچانے کے لئے معلم کامل ﷺ نے کس قدر محتاط طریقہ اختیار کیا، ملاحظہ ہو۔

ام المؤمنین حضرت صفیہ بنت حبیبہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ حضور ﷺ اعتکاف میں تھے۔ میں ایک رات زیارت کے لئے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ میں نے آپ سے کچھ دیر باتیں کیں پھر میں واپسی کے لئے کھڑی ہو گئی۔ آپ ﷺ بھی مجھے رخصت کرنے کے لئے کھڑے ہو گئے میں اور آپ ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔ اسی وقت انصار کے دو آدمیوں کا گزر ہوا۔ جب انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھا تو تیز چلنے لگے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ”علیٰ رسلک انہا صفیہ بنت حبیبہ“ آہستہ چلو، میرے ساتھ یہ تمہاری ماں صفیہ بنت حبیبہ ہیں۔ ان دونوں نے کہا: سبحان اللہ یا رسول اللہ (یعنی اے اللہ کے رسول ﷺ شاید آپ ہمیں یہ اس لئے بتا رہے ہیں کہ ہم کوئی بدگمانی نہ کر لیں، یہ ہرگز ممکن نہیں) پس آپ ﷺ نے فرمایا: ”إِنَّ الشَّيْطَانَ يَجْرِي مِنَ الْإِنْسَانِ مَجْرَى الدَّمِ“ شیطان انسان کی رگوں میں خون کی طرح دوڑتا ہے۔ ”وَإِنِّي خَشِيتُ أَنْ يَقْذِفَ فِي قُلُوبِكُمْ شَرًّا“ تو مجھے خوف ہوا کہ کہیں وہ تمہارے دلوں میں کوئی برا خیال نہ ڈال دے (یعنی تم بدگمانی میں مبتلا نہ ہو جاؤ)۔

تمام صحابہ کرام اس حقیقت کو بخوبی جانتے تھے کہ اللہ کے رسول کے متعلق کسی قسم کا برا خیال، بدگمانی کرنا حرام ہے اس کے باوجود آقائے رحمت ﷺ نے اپنے عمل سے اس حقیقت کو ثابت فرمایا تا کہ تاقیامت کوئی غلام اس گناہ کی جرأت نہ کر سکے نیز آپ نے واضح فرمادیا کہ بدگمانی ایسا جرم ہے جس سے نہ صرف بچنا ضروری ہے بلکہ لوگوں کو از خود کوئی ایسا موقع فراہم نہیں کرنا چاہئے جس سے شیطان فائدہ اٹھائے اور کسی مسلمان کو اس جرم میں مبتلا کر دے اور وہ گناہگار ہو۔ اسی لئے علماء نے تصریح کی ہے کہ اہم شخصیات جن کا لوگ احترام کرتے ہیں اور ان پر لوگوں کی نظریں رہتی ہیں۔ مثلاً علماء، مشائخ، قائدین، حکام وغیرہ انہیں خصوصی طور پر محتاط رہنا چاہئے اور ہر ایسے عمل سے گریز کرنا چاہئے جو عوام کو بدگمانی میں مبتلا کرنے کا سبب بنے مثلاً نہایت شاہانہ طرز زندگی اختیار کرنا، عوام کی طرح گھومنا پھرنا اور سیر و تفریح کرنا، لوگوں کے گھروں پر بلا ضرورت بانا کہ یہ اور اس قسم کے دوسرے کام غلط فہمیوں اور بدگمانیوں کو جنم دیتے ہیں۔ عام مسلمانوں کو بھی ایسے کاموں سے بچنا چاہئے تاکہ باہمی نفرتیں اور انتشار پیدا نہ ہو۔

بدگمانی میں بدترین بدگمانی اللہ اور رسول ﷺ سے بدگمان ہونا ہے مثلاً اللہ کے متعلق یہ خیال کرنا کہ مجھ جیسے بدترین گناہگار کی وہ کیا بخشش کرے گا یا میری ساری زندگی تو غربت میں گزر گئی اب اللہ مجھے کیا فراخی رزق دے گا یا میں اتنے طویل عرصہ سے بیمار ہوں اب اللہ مجھے کیا شفا دے گا یہ اور اس قسم کے خیالات صرف بدظنی ہی نہیں بلکہ اللہ کی رحمت سے مایوسی ہے جو کفر ہے کہ قرآن کریم کا واضح ارشاد موجود ہے ”وَلَا تَأْسُؤْا مِنْ رَوْحِ اللَّهِ إِنَّهُ لَا يَأْتِئُشُ مِنْ رَوْحِ اللَّهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْكَافِرُونَ“ رحمت الہی سے مایوس نہ ہو کہ رحمت الہی سے ناامید ہونا صرف کافروں ہی کا طریقہ ہے۔ نیز ارشاد ہوا ”قُلْ يٰعِبَادِیَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ“ (اے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام آپ) فرمادیجئے کہ اے اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے میرے بندوں۔ ”لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ“ ناامید نہ ہو اللہ کی رحمت سے۔ ”إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا“

اپنے (مسلمان) بھائی کے ساتھ بدگمانی کی اس نے اپنے رب کے متعلق بدگمانی کی۔“  
حسن ظن

”إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ“ کچھ گمان گناہ ہیں جنہیں سوء ظن، بدظنی یا بدگمانی کہا جاتا ہے جن پر گفتگو کی جا چکی۔ بعض گمان گناہ قرار دیئے جانے کے بعد اکثر گمان حسن اچھے رہے جنہیں حسن ظن یا خوش گمانی کہا جاتا ہے۔ جس سے معاشرے میں خوشیوں اور مسرتوں کے پھول کھلتے ہیں لوگ ایک دوسرے سے قریب ہوتے ہیں ان میں باہمی محبت و الفت پیدا ہوتی ہے۔ اس سے دعاؤں اور عبادتوں میں بھی اثر پیدا ہوتا ہے۔ ”حُسْنُ الظَّنِّ مِنْ حُسْنِ الْعِبَادَةِ“ میرے آقا ﷺ کا ارشاد ہے۔ حُسْنِ ظن والے کی عبادت بھی حسین و خوبصورت ہو جاتی ہے کہ اللہ اسے پسند فرماتا اور قبول فرماتا ہے کیونکہ اگر عبادت گزار کا ذہن و قلب ہی بدگمانی کی نجاست میں ملوث ہو تو اس کی عبادت کیا قبول ہوگی۔

ہر مؤمن کے لئے واجب ہے کہ وہ اللہ اور رسول ﷺ کے متعلق حسن ظن رکھے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے وصال سے تین روز قبل فرمایا: ”لَا يَمُوتَنَّ أَحَدُكُمْ إِلَّا وَهُوَ يُحْسِنُ الظَّنَّ“ تم میں سے کوئی نہ مرے مگر اس حال میں کہ وہ اللہ رب العزت جل مجدہ کے متعلق اچھا گمان رکھتا ہو۔ پس مؤمن کو گمان رکھنا چاہئے کہ اللہ غفار الذنوب ہے وہ ضرور میرے گناہ بخش دے گا، میرا کام تو بہ کرتے رہنا اور گناہوں سے بچنے کی حتی الوسع کوشش کرنا ہے۔ اللہ رحیم و کریم ہے وہ ضرور میری الجھنوں اور پریشانیوں کو دور کر دے گا، میرے کام ضرور بنادے گا، میرا کام صرف اس سے دعا کرنا اور بھیک مانگتے رہنا ہے۔ اس سلسلہ میں میرے آقا ﷺ نے بتایا جو بلاشبہ حق ہے کہ تمہارے رب کریم کا ارشاد ہے: ”أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِي بِي“ کہ میں اپنے بندے کے ساتھ اس کے گمان ہی کے مطابق معاملہ کرتا ہوں یعنی اگر بندے کو میری عطاء و دین اور مغفرت کا حسن ظن ہوتا ہے تو میں اس کو اس کی ضرورت سے زیادہ عطا فرماتا ہوں اور اگر وہ میرے متعلق بدگمانیوں میں مبتلا رہتا ہے تو میری رحمت اس سے دور ہو جاتی ہے۔

اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے حسن ظن، جان ایمان اور روح ایمان ہے کہ جن کے دامن رحمت میں پناہ لی ہے۔ ان سے رحمت کا گمان نہ رکھا جائے تو پھر پناہ کہاں نصیب ہو سکے گی۔ پس ہر مؤمن کو چاہئے کہ وہ اللہ کے حبیب علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے متعلق حسن ظن رکھے۔

تم وہ کہ کرم کو نام تم سے	میں وہ کہ بدی کو عار آقا
جس کی مرضی خدا نہ ٹالے	میرا ہے وہ نامدار آقا
ہے ملک خدا پہ جس کا قبضہ	میرا ہے وہ کامگار آقا
جنہیں مرقہ میں تاحشر امتی کہہ کر پکارو گے	ہمیں بھی یاد کر لو ان میں صدقہ اپنی رحمت کا
نعمتیں بانٹتا جس سمت وہ ذیشان گیا	ساتھ ہی منشی رحمت کا قلمدان گیا
اہل عمل کو ان کے عمل کام آئیں گے	میرا کون ہے تیرے سوا آہ لے خبر



مرے گرچہ گناہ ہیں حد سے سوا مگر ان سے امید ہے تجھ سے رجا  
تو رحیم ہے ان کا کرم ہے گو اوہ کریم ہیں تیری عطا کی قسم

مزید کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں کہ اگر آپ غور فرمائیں تو حق یہ ہے کہ امام اہلسنت اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اہل ایمان کی ترجمانی کرتے ہوئے ان اشعار میں واضح کر دیا ہے کہ آقائے رحمت ﷺ سے غلاموں کو کس طرح حسن ظن رکھنا چاہئے جو ان کی رحمت میں پناہ و امان کا ذریعہ بن سکتا ہے۔

نیز عام مسلمانوں بالخصوص اہل تقویٰ، علماء و مشائخ اور صالحین سے حسن ظن رکھنا باعث برکت ہے۔ صالحیت و عافیت کے حصول کا ذریعہ ہے کہ اللہ کی نعمتیں ان نیک بندوں ہی کے طفیل نصیب ہوتی ہیں۔  
جاسوسی نہ کرو

دوسرا عیب جس سے باز رہنے کی اہل ایمان کو ہدایت کی جا رہی ہے وہ جاسوسی کرنا ہے۔ ”وَلَا تَجَسَّسُوا“ اور جاسوسی نہ کرتے رہا کرو۔ یعنی کسی کے ذاتی معاملات اور کردار کو جاننے کے درپے نہ رہو کیونکہ تمہاری یہ حرکت لوگوں کا چین و سکون برباد کر ڈالے گی اور جسے بھی تمہاری اس بری عادت کا پتہ چلے گا وہ تم سے نفرت کرے گا دوسروں کو تم سے بچتے رہنے کی تاکید کرتا رہے گا اور تم معاشرے میں تنہا رہ جاؤ گے تمہاری مدد تو درکنار کوئی تمہارے قریب آنا بھی گوارا نہ کرے گا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ میں نے نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ ارشاد خود سنا ہے: ”إِنَّكَ إِنْ اتَّبَعْتَ عَوْرَاتِ النَّاسِ أَفْسَدْتَهُمْ“ اگر تم نے لوگوں کے عیوب تلاش کئے تو تم ان کو ضائع کر دو گے۔ یعنی وہ تم سے دور ہو جائیں گے اور تم خود ذلیل و خوار ہو کر تنہا رہ جاؤ گے۔ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ”لَا تُؤْذُوا“ لوگوں کو ایذا نہ دو۔ ”وَلَا تَعْيُرُوهُمْ“ اور انہیں شرمندہ نہ کرو۔ ”وَلَا تَطْلُبُوا عَوْرَاتِهِمْ“ اور ان کی پوشیدہ باتوں کی ٹوہ نہ لگاؤ۔ ”فَإِنَّهُ مَنْ طَلَبَ عَوْرَةَ أَخِيهِ الْمُسْلِمِ طَلَبَ اللَّهُ عَوْرَتَهُ حَتَّى يَفْضَحَهُ فِي بَيْتِهِ“ کیونکہ جو شخص اپنے مسلمان کا عیب تلاش کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے عیب ظاہر کر کے اسے اس کے اپنے ہی گھر میں ذلیل و خوار کر دیتا ہے۔ عیب تو ہر شخص میں ہوتے ہیں یہ تو اللہ کا کرم ہے کہ اس نے ہمارے عیوب پر پردہ ڈالا ہوا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ اس کے بندے بھی ایک دوسرے کا پردہ فاش نہ کریں لیکن جو باز نہیں آتا اور دوسروں کو ذلیل و خوار کرنے کی گھات میں لگا رہتا ہے۔ اللہ اسے بھی دنیا و آخرت میں ذلیل کر دیتا ہے حتیٰ کہ اس کے وہ عیب تک ظاہر کر دیتا ہے جو اس نے اپنے اہل خانہ سے چھپا رکھے تھے اور اس طرح وہ اپنے گھر والوں تک کی نظروں سے گر جاتا ہے اس کی اولاد تک اس کا احترام نہیں کرتی۔

حضرت ابن منازل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ”الْمُؤْمِنُ مَنْ يَطْلُبُ مَعَافِيرَ أَخِيهِ“ مومن تو اپنے مسلمان بھائی کا عذر تلاش کرتا ہے جبکہ ”وَالْمُنَافِقُ يَطْلُبُ عَثَرَاتِ إِخْوَانِهِ“ منافق اپنے بھائیوں کی غلطیاں تلاش کرتا پھرتا ہے یعنی ایمان کی علامت لوگوں کے عذر قبول کرنا ہے جبکہ ان غلطیوں کو تلاش کرنا نفاق کی نشانی ہے۔

عوام کے لئے ہی نہیں، امیر و حاکم تک کے لئے جائز نہیں کہ وہ لوگوں کے ذاتی معاملات میں مداخلت کریں اور

ان پر جاسوس مسلط کریں تاکہ انہیں پکڑا جائے اور سزائیں دی جائیں۔ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ”إِنَّ الْأَمِيرَ إِذَا ابْتَغَى الرِّيْبَةَ فِي النَّاسِ أَفْسَدَهُمْ“ جب امیر لوگوں کے عیب تلاش کرے گا تو وہ انہیں ضائع کر دے گا یعنی امیر ہی اگر لوگوں کی جاسوسی کے لئے جال بچھا دے تو پوری قوم ضائع اور برباد ہو جائے گی۔ اولاً تو اس طرح کہ امیر کے انعام و اکرام کے لالچ میں مبتلا ہو کر ہر شخص اس کا جاسوس بننا چاہے گا اور جال کے یہ پھندے اتنے پھیل جائیں گے کہ ہر گھر میں جاسوسی ہونے لگے گی حتیٰ کہ باپ بیٹے کی، بیٹا باپ کی، شوہر بیوی کی اور بیوی شوہر کی جاسوسی کریں گی۔ ثانیاً اس طرح کہ جب ہر شخص جاسوسی کے جال میں پھنسا ہوگا تو باہمی اعتماد اٹھ جائے گا اس کی جگہ ہر شخص ایک دوسرے سے خائف نظر آئے گا نتیجتاً کوئی اپنے گھر کی چہار دیواری میں بھی اطمینان کی سانس نہ لے سکے گا۔ آزاد ہونے کے باوجود آزادی سلب ہو کر رہ جائے گی جس کا انجام افراتفری ہوگا بغاوت ہوگا جو کچھ کمیونسٹ اور سوشلسٹ نظام میں ہوتا ہے جس کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں اسلام آزادی کا علمبردار ہے وہ عوام کو شخصی غلامی کی زنجیروں سے نجات دلاتا ہے۔

جاسوسی نہیں تبلیغ

بہر حال یہ حقیقت ہے کہ امیر المؤمنین کی ذمہ داری اسلامی احکام کا نفاذ بھی ہے اور ان پر عمل کی نگرانی کرنا بھی ہے۔ جس کے لئے ہمارے دور میں غیر مسلموں کی تقلید کرتے ہوئے جاسوسی نظام کا جال پھیلایا جاتا ہے۔ محکمہ جاسوسی آج کی مسلم حکومتوں کا ایک اہم محکمہ ہوتا ہے لیکن یہ غلط ہے خلاف شرع ہے۔ خلاف شرع اقدام کے ذریعہ شریعت کی پابندی کرانے کی کوششیں نہ کامیاب ہوئی ہیں اور نہ ہی ہو سکتی ہیں۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ تبلیغی نظام جاری کیا جائے محکمہ تبلیغ قائم کیا جائے۔ علمائے دین کی خدمات حاصل کی جائیں۔ جو لوگوں کو احکام شرع اور ان کی برکتوں سے سے واقف کرائیں۔ اللہ اور اس کے رسول کا پیغام گھر گھر پہنچائیں کہ جاسوسی کا رد عمل بغاوت ہے جبکہ تبلیغ دل میں اللہ کا خوف اور اللہ کے رسول کی محبت والفت پیدا کرتی ہے حتیٰ کہ ہر شخص اپنی حکومت میں بھی احکام شرع کا پابند ہو جاتا ہے۔ وہ خلاف شرع کام کرنے کا خیال تک نہیں کر سکتا۔

جاسوسی کرنے والے اپنے عمل کے جواز کے لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا سہارا لیتے اور کہتے ہیں کہ وہ بھی تورات کو گشت کیا کرتے تھے لیکن ان کا گشت لوگوں کے عیوب جاننے کے لئے ہرگز نہ ہوتا تھا بلکہ وہ لوگوں کے دکھ درد جاننے کے لئے گشت کرتے تھے اور جو کچھ جانتے تھے اس کے مطابق وہ رعایا کی ضروریات پوری فرماتے تھے۔ آج کے حکام و امراء اپنے جاسوسوں کو کبھی یہ ہدایت نہیں کرتے کہ وہ لوگوں کی ضروریات معلوم کر کے انہیں بتائیں تاکہ انہیں پورا کیا جائے اگر ایسا ہوتا تو مسلم معاشرہ میں غربت و افلاس کب کی ختم ہو چکی ہوتی۔ آج عوام کے لئے جاسوسی نہیں بلکہ اپنے مفاد، اپنے اقتدار کی بقاء کے لئے جاسوسی کی جاتی ہے۔ اسی لئے صرف انہی لوگوں کو پریشان کیا جاتا ہے جو حکومتی پارٹی سے باہر ہوتے ہیں جبکہ حکومتی پارٹی سے متعلق لوگ جو چاہتے ہیں کرتے پھرتے ہیں۔ وہ ملک کے بینکوں کی دولت ہڑپ جائیں تو کوئی پوچھنے والا نہیں وہ ہسپتالوں، پارکوں کے لئے مخصوص زمینوں پر بنگلے بنالیں تو کوئی باز پرس کرنے والا نہیں۔ وہ عوام کی عزت و آبرو سے کھیلتے

رہیں تو کوئی جاسوسی کرنے والا نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حاکم نہیں دین کے خادم تھے۔ وہ دین کی برکتیں گھر گھر پہنچانے کے لئے گشت کیا کرتے تھے۔ اپنے آقا ﷺ کے غلاموں کی ضروریات پوری کرتے تھے۔

تبلیغی نظام رائج کیا جائے تو حکام و عوام سب کے دلوں میں خوف خدا پیدا ہوگا کوئی نہ دولت لوٹے گا، نہ زمینوں پر غاصبانہ قبضہ کرے گا، نہ کوئی طاقت ور کسی کمزور کو اپنی ہوس کا شکار نہ بنا سکے گا۔ یہی مبلغین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرح راتوں کو گشت کر کے لوگوں کی ضروریات معلوم کریں گے ان سے حکام کو آگاہ کریں گے اور یہ نگرانی بھی کریں گے کہ حکام عوام کے جن حقوق کے امین ہیں وہ حقوق عوام کو دے رہے ہیں یا نہیں پھر دیکھئے ہر طرف کیسی بہار نظر آتی ہے۔ یہی عوام جو آج حکام سے نفرت کرتے ہیں کل حکام پر اپنی جانیں نچھاور کریں گے اپنے ملک و وطن کی حفاظت کے لئے سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جائیں گے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک رات حسب معمول گشت پر تھے۔ ایک گھر سے آپ کو روشنی نظر آئی کچھ قریب ہوئے تو گانے کی آواز آئی۔ پس برائی روکنے کے جذبہ میں آپ نے دیوار پھاندی اور گھر میں داخل ہو گئے۔ دیکھا کہ ایک شخص بیٹھا ہے اس کے قریب شراب رکھی ہے اور ایک عورت گارہی ہے۔ یہ منظر دیکھ کر آپ کو مزید غصہ آیا اور چلاتے ہوئے فرمایا: ”يَا عَدُوَّ اللَّهِ“ اے اللہ کے دشمن۔ ”أَظَنَنْتَ أَنَّ اللَّهَ يَسْتُرُكَ وَأَنْتَ عَلَى مَعْصِيَتِهِ“ کیا تو نے یہ خیال کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ تیری پردہ پوشی فرمائے گا اور تو اس کی نافرمانی کرتا رہے گا۔ اس شخص نے کہا امیر المؤمنین! غصہ نہ کیجئے حرام ہے مزید غور فرمائیے۔ میں نے ضرور اللہ کی نافرمانی کی ہے لیکن آپ بھی اس کے تین حکموں کی خلاف ورزی کے مرتکب ہوئے ہیں۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا غصہ ٹھنڈا ہوا اور فرمایا کہ بتاؤ میں نے کیا گناہ کیا ہے۔ وہ بولا اللہ کا حکم ہے: ”لَا تَجَسَّسُوا“ جاسوسی نہ کیا کرو۔ جبکہ آپ نے میری جاسوسی کی ہے۔ دوسرے اللہ کا حکم ہے: ”وَاتُوا الْبُيُوتَ مِنْ أَبْوَابِهَا“ گھروں میں دروازہ سے داخل ہوا کرو۔ جبکہ آپ دیوار پھاند کر میرے گھر میں آئے ہیں۔ تیسرے اللہ کا ارشاد ہے: ”لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّى تَسْتَأْذِنُوا“ اپنے گھر کے علاوہ کسی گھر میں بغیر اجازت داخل نہ ہو جبکہ آپ جانتے ہیں کہ آپ نے میرے گھر میں داخل ہونے سے پہلے اجازت نہیں لی۔ آپ نے فرمایا میں شرمندہ ہوں۔ اللہ سے توبہ کرتا ہوں اور تم سے معافی چاہتا ہوں۔ وہ شخص بولا میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ ایسا گناہ کبھی نہ کروں گا نیز آپ کو گواہ بنا کر توبہ کرتا ہوں۔ آپ دعا فرمائیں کہ اللہ مجھے معاف کرے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے تمہیں معاف کیا اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ بھی معاف کر دے۔

### صحافی اور جاسوسی

جاسوسی حرام ہے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کی شدید مذمت فرمائی۔ اس کے باوجود دیگر جرائم کی طرح ہمارے معاشرے میں یہ بھی عام ہے بالخصوص ہمارے ایک معزز طبقہ نے جسے ہم صحافی کہتے ہیں اس گھناؤنے جرم کو اپنا ذریعہ معاش بنالیا ہے جبکہ ان کا پیشہ صحافت معزز پیشوں میں سے ایک ہے اور ان کی ذمہ داریاں نہایت ہی نازک اور اہم ہیں کہ ان

کی نوک قلم سے ان کی قوم کا مقدر وابستہ ہے کہ وہ چاہیں تو قوم پر پھول برسائیں اور چاہیں تو اس کے لئے کانٹے بچھا دیں وہ چاہیں تو قوم کی ڈوبتی ناؤ ترا دیں اور چاہیں تو پوری قوم کو کسی دلدل میں پھنسا دیں وہ چاہیں تو پوری قوم کو باکردار بنادیں اور چاہیں تو اسے بد عملی کے جہنم میں ڈھکیل دیں وہ چاہیں تو پوری قوم کو ایک دھاگے میں پرو کر متحد و منظم کر دیں اور چاہیں تو ان موتیوں کو بکھیر ڈالیں وہ چاہیں تو پوری قوم کو عزت و وقار کا تاج پہنادیں اور چاہیں تو اس کی گردن میں ذلت و خواری کا طوق لٹکا دیں۔ ان کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی تحریر و تقریر سے حکام کو رعایا کے صحیح حالات اور ضروریات سے باخبر کریں اور اپنے ہم وطنوں کو حکام اور ملک کے صحیح حالات بتاتے رہیں۔ حکام کو ان کی ذمہ داریوں کا احساس دلائیں۔ ان کی غلطیوں اور لاپرواہیوں کی نشاندہی کریں۔ انہیں قوم و ملت کی خدمت پر آمادہ کریں اور عوام کو اولی الامر کی اطاعت کا پیغام دیں وہ قوم سے جہالت دور کرنے اور اس کی ذہنی تربیت کرنے کے ذمہ دار ہیں۔ ان کا کام اپنی علمی صلاحیت میں اضافہ کے لئے زیادہ سے زیادہ مطالعہ کرنا علماء دین سے استفادہ کرنا ہے تاکہ وہ اپنے ہم وطنوں کے لئے شمع علم روشن کر سکیں اور ان کی ذہنی جلا، اور راہنمائی کی ذمہ داری نباہ سکیں۔

ہماری تاریخ میں ایسے بے شمار صحافیوں کے نام موجود ہیں جن کو آج بھی ہم سلام کرتے اور ان کے کارناموں کی قدر کرتے ہیں وہ بے باک تھے، حق گو تھے، دیانت دار تھے، ان کا سرمایہ سوائے قلم کے اور کچھ نہ تھا، ان کا لکھا ہوا ایک ایک حرف دنیا کی ہر نعمت سے زیادہ قیمتی ہوتا تھا جسے وہ قوم کی نذر کرتے تھے اور وہی قوم کا سرمایہ ہوتا تھا ان کے نوک قلم سے نور کی ضیاء پاشی ہوتی تھی جس سے لوگوں کے دل روشن و منور ہو جاتے تھے۔ ماضی قریب ہی کی تو بات ہے کہ ہندوستان کا کامیاب انقلاب جس کا اچھا انجام تقسیم ہند کی صورت میں ظاہر ہوا ان صحافیوں ہی کی قلمی کاوشوں کا نتیجہ تھا۔

آج کے اکثر صحافیوں کا کارنامہ ہے صرف سنسنی خیز خبریں پھیلانا ان کی کوشش ہوتی ہے کہ وہ اپنوں ہی کے گھروں میں گھس کر ان کے سنسنی پھیلانے والے ذاتی حالات معلوم کریں ہو سکے تو بطور ثبوت فوٹو بھی بنالیں اور ان کی عام تشہیر کر کے اپنوں کو بے عزت کریں، بے آبرو کریں، اپنوں ہی سے متنفر کریں اور لڑائیں اب ان کا سب سے بڑا کارنامہ جاسوسی رہ گیا ہے، خبریں جاسوسی ہوتی ہیں ان کے مضامین جاسوسی ہوتے ہیں، کہانیاں جاسوسی ہوتی ہیں اور جب جاسوسی میں کامیاب نہیں ہوتے تو جھوٹ کے طومار باندھتے ہیں، خبر گڑھتے ہیں، ناول اور افسانے لکھتے ہیں۔ گویا اب ان کا پیشہ ہی جاسوسی ہو گیا ہے جبکہ ان کا وطیرہ چاچلوسی اور خوشامد ہے جو اقتدار میں ہوتا ہے اس کے گرد گھومتے ہیں اس کو چھینک آجائے تو یہ بھی ان کے نزدیک ایک خبر ہوتی ہے جسے وہ اخبار کی زینت بنا دیتے ہیں شاید اس لئے کہ پوری قوم پر حکم اللہ کہے لیکن وہ قوم کا جواب سنتے نہیں اس کی خبر نہیں بناتے حکمرانوں کے سامنے ان کے قلم تسلیم خم رہتے ہیں یہ وہ لکھتے ہیں جو وہ چاہتے ہیں اب ان کا مقصد صرف دولت کمانا ہو گیا ہے جس کی تکمیل کے لئے وہ دولت مند لیڈروں کے ارد گرد منڈلاتے رہتے ہیں ان کے بدنما فوٹو اور لایعنی خبریں قوم تک پہنچاتے اور اس کا رگزاری کی بھاری رقمیں وصول کرتے ہیں۔ ظاہر ہے جب صحافی ہی دولت کے رسیا ہو گئے تو غربت و افلاس زدہ عوام کی خبریں، ان کی حق تلفیوں اور ان پر مظالم کی جی داستانیں کس طرح شائع ہو سکتی اور

کیسے حکام تک پہنچ سکتی ہیں۔ اسی لئے بے خبر حکام جتنا چاہتے ہیں عوام پر ٹیکس لگا دیتے ہیں، اشیاء کی قیمتوں میں اضافہ کر دیتے ہیں، جو چاہتے ہیں قوانین نافذ کر دیتے ہیں، انہیں کیا پتہ کہ عوام کس ضیق اور تنگی کی زندگی بسر کر رہے ہیں انہیں تو یہ بددیانت صحافی صرف ٹھیک ہے کا گرین سگنل دکھاتے ہیں۔ اسی لئے تو حکام ایٹمی تجربوں میں مصروف ہیں اور عوام غربت و افلاس، جہالت اور مہلک امراض میں مبتلا ہیں۔

سوچئے ان صحافیوں کی بدکرداری نے قوم کو تباہی کے گڑھے پر کس طرح لا کھڑا کیا ہے یہ تو چند دیانت دار صحافیوں کا دم غنیمت ہے۔ جن کی وجہ سے اب تک قوم میں زندگی کی کچھ رمت باقی ہے۔ اللہ انہیں استقلال و استقامت عطا فرمائے کہ وہ ناسازگار ترین ماحول میں اپنی ذمہ داریاں پوری کر رہے ہیں اسی طرح وہ ڈٹے رہیں اور اپنا کام کرتے رہیں۔ دعا کیجئے کہ اللہ ان کے دیگر ہم پیشہ افراد کو بھی ہدایت دے کہ ان میں بھی اپنی ذمہ داری کا احساس بیدار ہو اور وہ دیانت سے ملک و ملت کی خدمت انجام دیں۔ علماء اور صحافی یہ دونوں طبقہ اپنے منصب اور ذمہ داریوں کے اعتبار سے اس قدر اہم ہیں کہ اگر یہ اپنی ذمہ داریوں سے غافل ہو جائیں یا بدکرداری کا شکار ہو جائیں تو پوری قوم کی حالت ناگفتہ ہو جاتی ہے۔

### جاسوسی کا جواز

شریعت مطہرہ نے مخصوص صورتوں میں بعض جرائم کو جائز قرار دیا ہے مثلاً بروایت حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے: ”لَا يَحِلُّ الْكَذِبُ إِلَّا فِي ثَلَاثٍ“ تین صورتوں کے سوا کسی صورت میں جھوٹ جائز نہیں۔ ”كَذِبُ الرَّجُلِ امْرَأَتَهُ“ شوہر کا اپنی بیوی سے جھوٹ بولنا (یعنی اسے خوش کرنے اور اس کے دل میں اپنی مزید محبت پیدا کرنے کے لئے یا آپس کے کسی جھگڑے کو ختم کرنے کے لئے) ”وَالْكَذِبُ فِي الْحَرْبِ“ اور جنگ کی حالت میں جھوٹ بولنا۔ (مثلاً اپنوں کو دشمن کی تعداد و قوت غلط بتانا تاکہ ان میں مزید جوش پیدا ہو یا دشمن کو دھوکا دے کر اس پر حملہ آور ہونا یا اسی قسم کی دوسری صورتوں میں) ”وَالْكَذِبُ لِيُصْلِحَ بَيْنَ النَّاسِ“ اور لوگوں میں صلح کرانے کے لئے جھوٹ بولنا۔ آپ جانتے ہیں کہ کذب کتنا شدید جرم ہے لیکن بعض صورتوں میں جائز قرار دیا گیا۔

اسی طرح جاسوسی، جس کی حرمت اور اس کے نقصانات ابھی آپ پڑھ چکے ہیں بلاشبہ یہ شدید جرم ہے لیکن ملک و ملت کے مفاد میں بعض مخصوص صورتوں میں اس کی اجازت دی گئی ہے۔ مثلاً ایسے مجرموں کی جاسوسی جائز ہے جن کے جرائم معاشرے میں پھیلنے کا خطرہ ہو یا وہ دوسروں کی تکلیف و پریشانی کا باعث ہوں۔ مثلاً وہ لوگ جو شراب یا منشیات کا کاروبار کرتے ہیں، رشوت دینے والے اور رشوت لینے والے، جواری، سود خور، سمگلر، بچوں کو اغواء کرنے والے، عورتوں کا کاروبار کرنے والے اور اسی قسم کے تمام مجرموں کی جاسوسی نہ صرف جائز بلکہ حکام کی ذمہ داری ہے۔ اسی طرح جن لوگوں کے متعلق شبہ ہو کہ قوم میں انتشار و افتراق پیدا کرتے ہیں یا ملک کے باغی ہیں یا دشمن سے ان کا رابطہ ہے دشمن کی طاقت اس کی سازشوں وغیرہ کے متعلق معلومات حاصل کرنے کے لئے بھی جاسوسی کی اجازت ہے۔ جس کے لئے سربراہ مملکت کو اختیار حاصل ہے کہ وہ محکمہ جاسوسی قائم کرے یا کوئی دوسری صورت اختیار کرے لیکن یہ واضح رہے کہ اس جاسوسی کا اختیار حکام کو ہے

عوام کو نہیں کہ اگر عام لوگ یہ کام کریں گے تو انہیں مجرموں کی دشمنی اور دہشت گردی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اس طرح امن و امان کا مسئلہ اٹھ کھڑا ہوگا ہاں اگر حکام لا پرواہی یا بد عنوانی میں مبتلا ہوں اور نہ صرف یہ کہ وہ اپنی ذمہ داری سے گریز کرتے ہوں بلکہ وہ ان مجرموں سے خود ہی بھتے وصول کرتے ہوں تو بایں صورت عوام کو منظم ہو کر اپنے وسائل و اختیار کے مطابق برائی کو مٹانے اور مجرم کو سزا دلوانے کی ذمہ داری پوری کرنی ہوگی لیکن یہ بات ذہن نشین رہے کہ عوام کو صرف اتنا اختیار ہے کہ وہ مجرموں کے چہروں سے نقاب اٹھادیں اور حکام سے انہیں سزا دینے کا مطالبہ کریں عوام کو یہ اختیار ہرگز نہیں کہ وہ خود ہی سزا بھی نافذ کر دیں کہ یہ صورت دہشت گردی اور لاقانونیت کی ہوگی۔

### غیبت

آیت زیر گفتگو میں تیسرا حکم غیبت کی ممانعت کا ہے ”وَلَا يَغْتَبِ بَعْضُكُم بَعْضًا“ اور تم میں سے کوئی کسی کی غیبت نہ کرے یہ کس قدر مکروہ، غلیظ اور گندامل ہے اس کا اندازہ اس مثال سے کرلو۔ ”أَيُّحِبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ“ کیا تم میں سے کوئی اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانا پسند کرے گا (ہرگز نہیں) تم اسے برا ہی سمجھتے ہو۔ ذرا مثال پر غور فرمائیے تو آپ کو اندازہ ہوگا کہ غیبت کی شدت کراہت کو کس انداز سے بیان کیا جا رہا ہے کہ ایک تو انسان کسی انسان کا گوشت کھانا کب برداشت کر سکتا ہے پھر وہ بھی اپنے بھائی کا اور وہ بھی مردہ بھائی کا کس قدر گھناؤنی بات ہے اور غیبت کرنے والا گویا مردہ بھائی کا گوشت ہی کھاتا ہے۔

غیبت کے لئے اس تشبیہ پر مزید غور فرمائیے کہ جس طرح مردہ بھائی کی لاش سے گوشت نوچنا اور اسے چبانا اس بھائی کی انتہائی تذلیل ہے اسی طرح اپنے مسلمان بھائی کی غیبت کرنا اس کو انتہائی ایذا پہنچانا اور بے آبرو کرنا ہے۔ اس تذلیل اور بے آبرو کرنے ہی کے لئے تو ہندہ نے حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کے شہید ہو جانے کے بعد ان کے ناک، کان وغیرہ کاٹے اور ان کا کلیجہ نکال کر چبایا اور اسی لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دشمن تک کی لاش کو مشلہ کرنے یعنی اس کے قتل کے بعد اس کی شکل و صورت بگاڑ دینے سے منع فرمایا کہ اسلام کسی بھی طرح کسی انسان کو بے آبرو اور ذلیل کرنے کی اجازت نہیں دیتا چاہے اس کا مردہ جسم نوچ کھسٹ کر اسے ذلیل کیا جائے یا اس پر کوئی تہمت لگا کر اس کی غیبت کر کے اس کے اخلاق و کردار کو نوچا اور کھسٹا جائے۔

دو برسالت کے واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب بھی غیبت کی مذمت فرمائی اس مثال قرآنی کو پیش نظر رکھا۔ مثلاً حضرت ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ کا واقعہ کتب احادیث میں محفوظ ہے کہ انہوں نے آقائے رحمت ﷺ کے دربار میں از خود حاضر ہو کر اپنے زنا میں ملوث ہو جانے کا اعتراف کیا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے ان پر حد جاری فرمائی اور اسی دوران وہ دنیا سے رخصت ہو گئے۔ اس واقعہ کے بعد ہی نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کہیں تشریف لے جا رہے تھے اور چند صحابہ آپ ﷺ کے ہمراہ تھے آپ نے دو آدمیوں کو کہتے سنا کہ ماعز کی موت پر بڑا افسوس ہے۔ اللہ نے اس کے گناہ پر پردہ ڈال دیا تھا لیکن اس نے خود ہی اس کا اعتراف کر لیا اور پھر اسے اس طرح سنگسار کیا گیا۔ جس طرح کتے کو

کیا جاتا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خاموش رہے تھوڑی دور مزید چلنے کے بعد آپ ﷺ رک گئے جہاں ایک گدھا مرا پڑا تھا۔ آپ ﷺ نے ان دونوں حضرات کو طلب فرمایا۔ حاضر ہونے پر ان سے کہا اس مردار گدھے کا گوشت کھاؤ۔ وہ عرض گزار ہوئے یا رسول اللہ ﷺ اسے کون کھا سکتا ہے: ”فَمَا نَلْتَمَا مِنْ عَرَضٍ أَحْيَيْكُمْمَا أَشَدُّ مِنْهُ“ تم مردہ گدھا کھانے سے تو نفرت کرتے ہو لیکن تم نے اپنے بھائی کی عزت پر جو حملہ کیا وہ مردار کھانے سے بھی بدتر ہے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا ”وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ إِنَّهُ الْآنَ لَفِي أَنْهَارِ الْجَنَّةِ يَنْغَمِسُ فِيهَا“ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے وہ تو اس وقت جنت کی نہروں میں نہا رہا ہے (اور یہاں تم اس کی غیبت کر رہے ہو)۔

ایک موقع پر بعض صحابہ نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی غیبت کی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں طلب فرمایا اور فرمایا کہ تم نے ابھی گوشت کھایا ہے۔ وہ عرض کرنے لگے یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم ہمیں تو کئی دن سے گوشت میسر نہیں آیا۔ آپ ﷺ نے حکم دیا کہ تھوکو۔ انہوں نے تھوکا تو یہ دیکھ کر حیرت میں رہ گئے کہ اس میں گوشت کے ریشے موجود تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تم نے ابھی زید کا گوشت کھایا کیونکہ تم نے ان کی غیبت کی ہے۔

### غیبت کی تعریف

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ”اَتَذَرُونَ مَا الْغَيْبَةُ“ کیا تم جانتے ہو کہ غیبت کیا ہے۔ صحابہ نے عرض کیا: ”اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ“ اللہ اور اس کے رسول زیادہ جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے بتایا ”ذِكْرُكَ أَخَاكَ بِمَا يَكْرَهُ“ اپنے مسلمان بھائی کے ان عیوب کا ذکر کرنا جس کا ذکر کرنا وہ ناپسند کرتا ہو (غیبت ہے) کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم ”أَفَرَأَيْتَ فِي أَخِي مَا أَقُولُ“ اگرچہ میرے بھائی میں وہ عیب موجود ہو جس کا میں ذکر کروں (کیا یہ بھی غیبت ہے) فرمایا: ”إِنْ كَانَ فِيهِ مَا تَقُولُ فَقَدْ اغْتَبْتَهُ“ اگر تمہارے بھائی میں وہ عیب ہے تب ہی تو تم نے اس کی غیبت کی۔ ”وَإِنْ لَمْ يَكُنْ فِيهِ فَقَدْ بَهْتَهُ“ اور اگر اس میں وہ عیب نہیں تو تم نے اس پر بہتان لگایا۔

حدیث مبارکہ سے غیبت کی تعریف واضح ہو گئی کہ کسی کی عدم موجودگی میں کسی کا ایسا عیب بیان کرنا یا اس کے متعلق کوئی ایسی بات کہنا غیبت ہے۔ جسے وہ سنے تو اس کی دل آزاری ہو اور کہنے والے سے اس کے دل میں نفرت پیدا ہوا اور اگر واقعی اس میں وہ عیب موجود نہیں تو اس کا اس کی طرف منسوب کرنا بہتان ہے، تہمت ہے جو اپنی جگہ ایک بڑا گناہ ہے کہ حضرت معاذ ابن انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ”مَنْ رَمَى مُسْلِمًا بِشَيْءٍ يُرِيدُ بِهِ شَيْنًا“ جو کسی مسلمان کو بدنام و بے آبرو کرنے کے لئے اس پر کوئی تہمت لگائے تو ”حَبَسَهُ اللَّهُ عَلَى جَسْرِ جَهَنَّمَ حَتَّى يَخْرُجَ مِنْهَا قَالَ“ تو اللہ تعالیٰ اسے جہنم کے پل پر روکے رکھے گا یہاں تک کہ وہ (سزا پوری ہونے کے بعد) اپنی کہی ہوئی بات سے بری ہو کر نکلے گا یعنی کسی کی طرف کوئی ایسا عیب یا بری بات منسوب کرنا جس سے اس کا تعلق تک نہ ہو نہایت ہی برا اور گناہ کا کام ہے۔ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کے لئے رمی کا لفظ استعمال فرمایا۔ رمی کے معنی تیر پھینکنا یا پتھر مارنا اسی لئے

جَمَرَات پر سنگساری کو دمی کہا جاتا ہے۔ آقا ﷺ نے یہ لفظ استعمال فرما کر بتایا کہ بہتان درحقیقت کسی کی عزت و آبرو کو سنگسار کرنے کے مترادف ہے۔ اندازہ کر لو یہ عمل کس قدر برا ہے۔

غیبت کی تعریف کی وضاحت اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے اس واقعہ سے بھی ہوتی کہ ایک مرتبہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار میں ایک پستہ قد عورت حاضر ہوئی۔ جب وہ چلی گئی تو میں نے ازراہ تمسخر کہا کہ یہ عورت کتنی چھوٹی سی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اے عائشہ! تم نے اس کی غیبت کی ہے تم توبہ کرو اور اللہ سے معافی مانگو۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میں نے کوئی غلط بیانی تو نہیں کی وہ واقعی پستہ قد ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں اگرچہ تم نے سچی بات کہی ہے لیکن اگر وہ سن لیتی تو اسے ضرور تکلیف ہوتی کہ یہ اس کا ایک عیب ہے لہذا یہ غیبت ہوئی۔

حضرت علامہ ابن اثیر جذری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”هُوَ أَنْ تَذْكُرَ الْإِنْسَانَ فِي غَيْبَتِهِ بِسُوءٍ وَ أَنْ كَانَ فِيهِ“ غیبت یہ ہے کہ تم کسی شخص کا عیب دار ہونا اس کی عدم موجودگی میں بیان کرو اور وہ عیب اس میں ہو۔ ”فَإِذَا ذَكَرْتَهُ بِمَا لَيْسَ فِيهِ فَهُوَ الْبُهْتَانُ“ اور اگر تم اس کی طرف کوئی ایسا عیب منسوب کرو جو اس میں نہیں ہے تو یہ بہتان ہے۔ علامہ راغب اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ”وَالْغَيْبَةُ أَنْ يَذْكُرَ الْإِنْسَانُ غَيْرَهُ بِمَا فِيهِ مِنْ عَيْبٍ مِنْ غَيْرِ أَنْ أَحْوَاجَ ذِكْرَهُ“ اور غیبت یہ ہے کہ آدمی کسی کا بلا ضرورت ایسا عیب بیان کرے جو اس میں موجود ہو۔

حضرت علامہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ”الْغَيْبَةُ أَنْ تَذْكُرَ أَخَاكَ بِمَا يَكْرَهُ لَوْ بَلَغَهُ“ غیبت یہ ہے کہ تم اپنے بھائی کے متعلق کوئی ایسی بات بیان کرو کہ اگر وہ اسے سن لے تو بری لگے۔ ”سِوَاءَ ذِكْرَتِهِ بِنَقْصٍ فِي بَدَنِهِ“ چاہے اس کے جسم کا کوئی عیب ذکر کیا ہو (جیسے وہ کانا، اندھایا لنگڑا وغیرہ ہے) ”أَوْ نَسَبِهِ“ یا اس کے نسب کا (جیسے کہا کہ اس کا باپ تو جھشی، موچی، دھوبی وغیرہ تھا یا اس کی ماں تو فاحشہ، بدکار وغیرہ تھی) ”أَوْ فِي خُلُقِهِ“ یا اس کے اخلاق کا (کہ وہ شرابی، جواری یا رشوت خور ہے یا لوگوں سے قرضہ لیتا ہے اور ادا نہیں کرتا بڑا ہی متکبر یا مغرور ہے وغیرہ) ”أَوْ فِي فِعْلِهِ أَوْ فِي قَوْلِهِ“ یا اس کے افعال کا عیب یا اس کے اقوال کا عیب ”أَوْ فِي دِينِهِ“ جن کا تعلق اس کے دین سے ہو (جیسے وہ بے نمازی ہے، چور ہے، ناپاک رہتا ہے، جھوٹا ہے، لوگوں کی عیب جوئی کرتا ہے، شراب و دیگر حرام چیزوں کا کاروبار کرتا ہے۔ ”أَوْ فِي دُنْيَاهُ“ یا اس عیب کا تعلق دنیاوی امور سے ہو (جیسے وہ بہت کاہل ہے، بہت مکار ہے، بہت کھاتا ہے، ہر کسی سے لڑتا، جھگڑتا ہے)۔ ”حَتَّىٰ فِي ثَوْبِهِ أَوْ فِي دَارِهِ أَوْ فِي ذَاتِهِ“ یہاں تک کہ کسی کے کپڑوں یا گھریا سواری کی برائی کرنا بھی غیبت ہے (کپڑے خراب سلے ہوئے تھے، بہت میلے تھے یا اس کا گھر بہت خراب جگہ واقع ہے، اس کی گاڑی بہت ہی کھٹارا ہے)۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے اس ارشاد سے ہمیں نہایت ہی وضاحت سے غیبت کی تعریف معلوم ہوگئی۔ خلاصہ یہ ہے کہ ”کسی کے کسی بھی عیب اور برائی کا اس کی غیر موجودگی میں ذکر کرنا غیبت ہے، جو اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانے کے مترادف ہے۔“

غیبت کی مذمت

اگرچہ غیبت کی مذمت کے لئے قرآنی تشبیہ اور وہ احادیث مبارکہ ہی کافی ہیں۔ جو بیان کی جا چکی ہیں لیکن اس کی



مزید وضاحت کے لئے چند ارشادات نبوی ﷺ مزید نقل کئے جاتے ہیں۔

حضرت ابوسعید اور جابر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے ”الْغَيْبَةُ أَشَدُّ مِنَ الزِّنَاءِ“ غیبت زنا سے زیادہ شدید (گناہ) ہے۔ صحابہ کرام نے پوچھا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم ”كَيْفَ الْغَيْبَةُ أَشَدُّ مِنَ الزِّنَاءِ“ غیبت، زنا سے کس طرح زیادہ ہے۔ آپ نے جواب عطا فرمایا: ”إِنَّ الرَّجُلَ لَيَزْنِي فَيَتُوبُ فَيَتُوبَ اللَّهُ عَلَيْهِ“ اگر کوئی زنا کرتا ہے اور توبہ کر لیتا ہے تو اللہ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے۔ ”وَإِنَّ صَاحِبَ الْغَيْبَةِ لَا يُغْفَرُ حَتَّىٰ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُ صَاحِبُهُ“ اور غیبت کرنے والے کو نہیں بخشا جاتا جب تک وہ نہ معاف کر دے جس کی اس نے غیبت کی ہے۔

غیبت، زنا سے بھی بدتر گناہ ہے۔ حق فرمایا میرے آقا ﷺ نے اولاً اس لئے کہ یہ حق اللہ اور حق العباد دونوں کو ضائع کرنا ہے۔ حق العباد کو اس طرح کہ جس نے کسی کا عیب بیان کیا اس نے یا تو اس عیب کو ظاہر کیا جس پر اللہ نے پردہ ڈالا ہوا تھا اور یا اس عیب کو برا جانا جو اللہ کی طرف سے دیا گیا تھا مثلاً کسی کا اندھا یا لنگڑا ہونا ضرور عیب ہے لیکن اس میں بندے کا کیا قصور ہے اور دیکھنے والوں کو اس عیب کا مذاق نہیں اڑانا چاہئے بلکہ عبرت لینا چاہئے اور شکر ادا کرنا چاہئے کہ اللہ نے انہیں اندھا یا لنگڑا نہ کیا۔ ثانیاً اس لئے کہ زنا کے اثرات محدود ہیں جبکہ غیبت سے پورے معاشرے میں لڑائی جھگڑے کا امکان ہوتا ہے اور اکثر ہوتا بھی ایسا ہی ہے لوگ ایک دوسرے سے نفرت کرنے لگتے ہیں ایک دوسرے کے دشمن ہو جاتے ہیں قتل و غارت تک نوبت پہنچتی ہے۔ نیز اس لئے کہ بسا اوقات غیبت کرنے والے کو پتہ بھی نہیں چلتا کہ وہ کتنے بڑے جرم کا مرتکب ہو رہا ہے وہ اپنے تئیں خیال کرتا ہے کہ یہ حق گوئی ہے جو میری ذمہ داری ہے میں اپنی ذمہ داری کو پورا کر رہا ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ معاف کرے بڑے بڑے علماء، اتقیا تک اس جرم میں مبتلا ہو جاتے ہیں عوام کا تو کہنا ہی کیا ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ایک دن ہم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار میں حاضر تھے کہ اچانک ایک بدبو پھیلی آقا ﷺ نے فرمایا ”اَتَذَرُونَّ مَا هَذَا“ ہم نے عرض کی نہیں۔ پس آپ نے بتایا: ”قَوْمٌ مِنَ الْمُنَافِقِينَ اغْتَابُوا أُنَاسًا مِنَ الْمُسْلِمِينَ“ ابھی کچھ منافقوں نے کچھ مسلمانوں کی غیبت کی ہے۔

اللہ اکبر! خیال فرمائیے غیبت کیسا بدبودار جرم ہے کہ اس کی بدبو اہل ایمان کو محسوس بھی ہوتی ہے لیکن ہمیں محسوس نہیں ہوتی اور ہو بھی کیسے سکتی ہے کہ عام طور پر انسان کو اپنی بدبو محسوس نہیں ہوتی اپنے عیوب نظر نہیں آتے۔ ہمارے تو گھروں گلی، کوچوں اور بازاروں کی ہواؤں میں غیبت کی بدبو بھری پڑی ہے۔ جس نے ہمارے معاشرے کو ناسواں اور کمزور کر ڈالا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لوگوں کو حکم دیا کہ وہ (کسی) ایک دن روزہ رکھیں لیکن جب تک مجھ سے اجازت نہ لے لیں افطار نہ کریں۔ پس ہم نے آپ ﷺ کے حکم کی تعمیل کی۔ ایک شخص حاضر ہوا اور افطار کی اجازت چاہی آپ نے اجازت مرحمت فرمائی۔ پھر ایک صاحب نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم آپ کے گھر کی دو کنیریں روزے سے ہیں۔ اجازت دیجئے کہ وہ افطار کر لیں آپ ﷺ نے منہ پھیرتے ہوئے فرمایا: ”مَا صَامَتَا“ ان دونوں نے روزہ رکھا ہی نہیں (افطار کیسا) پھر آپ نے فرمایا: ”وَكَيْفَ صَامَ مَنْ ظَلَّ يَأْكُلُ“

لَحُومَ النَّاسِ“ ان لوگوں کا روزہ کیسے ہو سکتا ہے جو سارا دن لوگوں کا گوشت کھاتے رہے ہوں (غیبت کرتے رہے ہوں) آپ ﷺ نے فرمایا: جاؤ ان دونوں سے کہو کہ قے کریں۔ ان صاحب نے گھر آ کر اپنی دونوں بیٹیوں کو ساری بات بتائی وہ انھیں اور دونوں نے قے کی تو دونوں ہی کی قے میں جمے ہوئے خون کے لوتھڑے نکلے۔ وہ صاحب گھبرائے دوڑتے ہوئے سرکار کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دونوں کا حال بتایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”لَوْ مَاتَا أَوْ بَقِيَا فِيهِمَا لَا كَلْتُهُمَا النَّارُ“ اگر وہ دونوں مرجاتیں یا دونوں میں یہ خون باقی رہ جاتا تو دونوں کو دوزخ کی آگ کھا جاتی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ دو آدمیوں نے ظہر یا عصر کی نماز پڑھی اور وہ روزے دار بھی تھے۔ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی نماز پوری فرمائی تو ان دونوں کو طلب فرمایا اور حکم دیا ”أَعِيدُوا وَضُوءَكُمْ، وَصَلُّوْتُكُمْ وَأَقْصِيَا صَوْمَكُمْ وَأَقْصِيَا يَوْمًا آخَرَ“ اپنا وضو اور نماز دہراؤ، روزے پورے کر لو اور دوسرے دن قضا کرو۔ دونوں نے عرض کیا کیوں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ آپ ﷺ نے بتایا: ”إِغْتَبْتُمْ فَلَنَا“ تم نے فلاں کی غیبت کی تھی۔

یہ غیب داں آقا ﷺ کا کمال علم ہے کہ آپ جانتے ہیں کہ کس نے غیبت کی اور کس نے کیا کہا آپ نے تاقیامت آنے والے غلاموں کو اس فعل شنیع سے متنفر کرنے کے لئے عملی طور پر اس کی غلاظت اور گندگی کو ظاہر فرمایا لیکن یہ آپ ﷺ کا امت پر کرم ہے کہ آپ نے اپنے اس عمل کو شریعت مطہرہ کے قانون کی حیثیت نہ دی اور غیبت کرنے والوں کے لئے وضو کا، نماز کا اعادہ لازمی قرار نہیں دیا اور نہ ہی ایسے لوگوں کے لئے روزے کی قضا کا حکم صادر فرمایا۔ ورنہ سوچئے ہم جیسے لوگ کس قدر دشواری میں مبتلا ہو جاتے بالکل اسی طرح جیسے آپ ﷺ نے اپنی بعض پسندیدہ چیزوں کو واجب قرار نہ دیا مثلاً مسواک، نماز عشاء کی تاخیر سے ادائیگی، رمضان کی خصوصی نماز تراویح، آپ ﷺ کے پسندیدہ اعمال تھے لیکن امت ان کی پابندی سے آزاد رہی صرف اس لئے کہ آقائے رحمت ﷺ نے ہمیں مشقت میں مبتلا کرنا پسند نہ فرمایا تاہم فقہاء نے فرمایا کہ غیبت کے بعد دوبارہ وضو کر لینا مستحب ہے تاکہ نماز میں کراہت پیدا نہ ہو اور بحالت روزہ، غیبت، جھوٹ اور ہر قسم کے لغو و بیہودہ اعمال سے پرہیز کرنا چاہئے کہ ان سے اگرچہ روزہ ادا ہو جاتا ہے لیکن مکروہ ہوتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ میں تھے کہ ایک شخص کھڑا ہوا اور اس نے کسی کے متعلق کہا: ”مَا أَعْجَزَ أَوْ قَالَ مَا أَضْعَفُ فَلَانَا“ کہ وہ کس قدر عاجز ہے یا کہا وہ کس قدر کمزور ہے۔ پس آپ نے فرمایا: ”إِغْتَبْتُمْ صَاحِبَكُمْ وَأَكَلْتُمْ لَحْمَهَا“ تم نے اپنے ساتھی کی غیبت کی اور اس کا گوشت کھایا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بتاتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا معراج کے دوران میرا گزر ایک ایسی قوم پر سے ہوا جن کے پیتل کے ناخن تھے اور ان سے وہ اپنے چہروں اور سینوں کو کھسوٹ رہے تھے۔ میں نے پوچھا اے جبریل یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے بتایا: ”هَؤُلَاءِ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ لَحْمَ النَّاسِ وَيَقْعُونَ فِيْ أَعْرَاضِهِمْ“ یہی تو وہ لوگ ہیں جو لوگوں کا گوشت کھاتے اور ان کی عزت پامال کرتے رہتے ہیں یعنی غیبت کرتے اور انہیں بے آبرو کرتے ہیں گویا

ان کا گوشت کھاتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ”لَا تَغْتَابُوا الْمُسْلِمِينَ وَلَا تَرُدُّوا الْهَدِيَّةَ وَلَا تَضْرِبُوا الْمُسْلِمِينَ۔“ مسلمانوں کی غیبت نہ کرو ہدیہ واپس نہ کرو اور مسلمانوں کو نہ مارو۔

اس حدیث مبارکہ میں غیبت کی واضح ممانعت کے ساتھ آقا ﷺ نے مزید دو باتوں کو منع فرمایا جب تمہیں کوئی شخص دے تو اسے رد نہ کرو، نہ لوٹاؤ کیونکہ ایک دوسرے کو ہدیہ و تحائف دینے سے محبت پیدا ہوتی ہے جبکہ اسے واپس کرنے سے دینے والے کی دلازاری ہوگی اسے رنج ہوگا جو روح اسلام کے منافی ہے کہ احکام اسلام کا مقصد تو امت کے درمیان محبت پیدا کرنا ہے لہذا ایسا ہر عمل ممنوع ہے جو باعث نفرت ہو اسی لئے دوسری ممانعت یہاں مسلمانوں کو مارنے ان سے لڑائی جھگڑا کرنے کی گئی ہے۔

حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بتاتی ہیں کہ ایک دن میں نے بطور استہزاء اپنی بالشت کا اشارہ کرتے ہوئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کہہ دیا کہ بس آپ کو تو اتنی سی صفیہ ہی کافی ہے (ام المؤمنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا قد بہت چھوٹا تھا) پس آقا ﷺ نے فرمایا: ”لَقَدْ قُلْتِ كَلِمَةً لَوْ مُزِجَ بِهَا الْبَحْرُ لَمَزَجَتْهُ“ اے عائشہ تم نے ایسی بات کہہ دی کہ اگر اسے دریا میں گھول دیا جائے تو دریا رنگین ہو جائے۔

منشاء ارشاد نبوی ﷺ یہ ہے کہ تم نے غیبت کی ہے جس کا رنگ اتنا گہرا ہوتا ہے کہ پورے دریا کو رنگ سکتا ہے تو سوچو تمہارے دل کا کیا حال ہوا ہوگا۔ حدیث مبارکہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کسی کی برائی زبان سے نہیں بلکہ صرف اشارے سے کی جائے تب بھی گناہ ہے اسے آپ غیبت بلا اشارہ کہہ سکتے ہیں جیسا کہ میری ماں نے کہا تھا کہ زبان سے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو پستہ قد نہیں فرمایا بلکہ بالشت کا اشارہ کر کے ان کا عیب ظاہر کیا۔

غیبت سننا

جس طرح غیبت کرنا حرام ہے اسی طرح غیبت سننا، اس میں شریک ہونا، اس سے راضی ہونا اور اس پر خوش ہونا بھی حرام ہے۔ جس کی بنیاد نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک ارشاد ہے جو بروایت حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے ہم تک پہنچایا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ”مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ وَذَلِكَ أَضْعَفُ الْإِيمَانِ“ تم میں جو کسی برائی کو دیکھے تو اسے اپنے ہاتھ سے روک دے اور اگر ایسا نہ کر سکتا ہو تو زبان سے روکے اور اگر یہ کرنا بھی ممکن نہ ہو تو دل سے برا جانے اور یہ ایمان کا سب سے کمزور حصہ ہے۔

حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو فرماتے سنا: ”مَا مِنْ رَجُلٍ يَكُونُ فِي قَوْمٍ يَعْمَلُ بِالْمَعَاصِي يُقْدِرُونَ عَلَى أَنْ يُغَيِّرُوا عَلَيْهِ وَلَا يُغَيِّرُونَ إِلَّا أَصَابَهُمُ اللَّهُ مِنْهُ بِعِقَابٍ قَبْلَ أَنْ يَمُوتُوا“ کسی قوم کا کوئی آدمی اگر ان میں گناہ کرتا ہے اور وہ اسے گناہ سے روکنے کی طاقت کے باوجود نہ روکتے

یقیناً اللہ سارے گناہوں کو معاف کر دیتا ہے۔ ”إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ“ بلاشبہ وہی بخشنے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ ان واضح ارشادات کے باوجود بھی کسی کا اللہ کی رحمت سے مایوس ہونا اور بدگمانی میں مبتلا ہونا کس قدر بد نصیبی اور محرومی ہے۔ اللہ معاف کرے۔

اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ بدگمانی مثلاً یہ خیال کرنا کہ میں ان پر درود شریف تو پڑھتا ہوں لیکن میں اس لائق کہاں کہ وہ میرے درود پر توجہ فرمائیں۔ میں انہیں پکارتا ہوں لیکن میں اس لائق کہاں کہ وہ میری صدائیں اور میری فریاد کو پہنچیں یا میں تو اتنا گناہگار ہوں کہ شفیع المذنبین ﷺ بھی میری شفاعت نہیں فرمائیں گے۔ یہ اور اس قسم کی دوسری بدگمانیاں اس آقائے رحمت ﷺ کے لئے جس کا رحمہ للعالمین ہونا قرآن کریم سے ثابت ہے بڑی ہی ضلالت و گمراہی اور سخت گناہ ہیں۔

اسی طرح ان لوگوں کے متعلق بدظنی کرنا حرام ہے جو بظاہر نیک اور متقی ہوں عام لوگ ان کو احترام کی نظر سے دیکھتے ہوں جیسے اولیاء کرام، علماء کرام، مشائخ عظام اور دیگر صالحین۔

”إِنْ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ“ سے مراد یہی بدگمانیاں ہیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد کے مطابق یہی ”اَكْذَبُ الْحَدِيثِ“ ہے یعنی بدگمانی کا عادی شخص کتنا ہی حاجی، نمازی اور متقی کیوں نہ ہو لیکن ”كَذَّابٌ“ سب سے بڑا جھوٹا ہے جبکہ اللہ معاف کرے ہم میں سے اکثر لوگ اس گناہ کے مرتکب ہیں۔

ہمیں یہ تو نہیں معلوم کہ اللہ کے ساتھ بدگمانی کے جرم میں کتنے مسلمان مبتلا ہیں لیکن ہاں ہم یہ جانتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ بدظنی کرنے والوں کی کمی نہیں۔ علم و تقویٰ کے بہت سے دعویداروں نے اپنی اس بدظنی کا اظہار اپنی کتابوں میں بھی کیا ہے۔ تقریروں میں بھی کرتے رہتے ہیں اور اپنے ان برے خیالات کی باقاعدہ منظم صورت میں تبلیغ بھی کرتے ہیں اور علماء و مشائخ نیز صالحین سے بدگمانی تو ایک فیشن سا ہو گیا۔ لیجئے ایک لطیفہ ملاحظہ فرمائیے۔

ہم ایک مسلمان بھائی کی دوکان پر کپڑا خریدنے چلے گئے۔ سیٹھ صاحب نے سلام کا جواب دیتے ہی سوال کر ڈالا کہئے مولانا صاحب کیسے آنا ہوا۔ آپ کوئی مسجد بنا رہے ہیں یا مدرسہ کھول لیا ہے۔ ہم پہلے تو سٹ پٹا گئے کہ یہ حضرت کیا پوچھ رہے ہیں اور کیوں پوچھ رہے ہیں لیکن فوراً ہی ان کا مطلب سمجھ گئے لہذا ہم نے جواب دیا بھائی ہم مسجد یا مدرسہ کے لئے نہیں اپنے لئے کپڑا خریدنے آئے ہیں۔ اب سیٹھ صاحب کچھ مطمئن ہو کر بولے معاف کیجئے۔ میں سمجھا آپ چندہ لینے آئے ہیں۔ آئیے آئیے کپڑا دیکھئے، جتنا چاہیں خریدیے۔ او، فلاں مولانا صاحب کو کپڑا دکھا ہم نے کہا نہیں، نہیں تکلیف نہ کیجئے۔ ہم دوسری دوکان پر جا رہے ہیں۔ سلام کیا اور دوکان سے باہر آ گئے۔

فرمائیے یہ بدظنی کی انتہا نہیں تو اور کیا ہے۔ دوستو! آج کل مولویوں اور پیروں کے متعلق یہ ایک عام بدگمانی ہے کہ یہ لوگ تو صرف چندے ہی کرتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو ہدایت دے اور معاف کرے۔

بروایت ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا، نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے: ”جس شخص نے

ہوں تو اللہ ان سب پر موت سے پہلے عذاب نازل فرمائے گا۔

ان دونوں حدیثوں کے مطابق ہر مسلمان پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ منکر برائی کو ہاتھ سے روکے یا زبان سے روکے اور اگر یہ دونوں صورتیں اس کے لئے ممکن نہ ہوں تو دل سے ضرور برا جانے یعنی برائی کرنے والے سے نفرت کرے۔ جس محفل میں برائی ہوتی ہو اس میں شریک ہونے سے گریز کرے۔ ظاہر ہے غیبت کوئی معمولی قابل درگزر برائی نہیں۔ جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں غیبت کرنے والا درحقیقت اپنے بھائی کی عزت و آبرو کو پامال کرتا ہے اور جو اس غیبت میں اس طرح شریک ہو کہ کم از کم غیبت کرنے والے سے نفرت نہ کرنے لگے تو وہ بھی اس جرم میں برابر کا شریک قرار پائے گا اور ذلت و خواری اس کا بھی مقدر بنے گی۔

حضرت جابر بن عبد اللہ اور حضرت ابو طلحہ بن سہل انصاری رضی اللہ عنہم بتاتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا جس محفل میں کسی مسلمان کی بے عزتی اور آبروریزی کی جارہی ہو وہاں جو مسلمان بھی موجود ہوگا اور اپنے بھائی کی بے عزتی پر راضی ہوگا اللہ اسے اس مقام پر ذلیل و رسوا کرے گا جہاں وہ باعزت بننا چاہتا ہو اور جس جگہ کسی مسلمان کی بے عزتی اور توہین کی جارہی ہو وہاں جو مسلمان بے عزتی کئے جانے والے مسلمان کی حمایت کرے گا اللہ اس کی وہاں مدد کرے گا جہاں وہ مدد کا خواہش مند ہوگا۔

حضرت سہل بن معاذ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ”مَنْ حَمَى مُؤْمِنًا مِنْ مُنَافِقٍ بَعَثَ اللَّهُ مَلَكًا يَحْمِي لَحْمَهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ مِنْ نَارِ جَهَنَّمَ“ جس شخص نے کسی منافق کے مقابلہ میں کسی مسلمان کی حمایت کی اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ایک فرشتہ مقرر فرمائے گا جو مسلمان کی مدد کرنے والے کے گوشت کو جہنم کی آگ سے بچائے گا (یعنی جو اپنے مسلمان بھائی کا مددگار ہوگا قیامت کے دن اللہ اس کی مدد فرمائے گا)۔

نیز قرآن کریم میں ہے: ”فَلَا تَقْعُدُوا نَافِقًا يَمْشِي مَعَ الْكَاذِبِينَ“ پتہ چل جانے کے بعد ظلم کرنے والوں کے ساتھ نہ بیٹھو۔ غیبت کے ذریعہ اپنے بھائیوں کی آبروریزی کرنے والوں سے زیادہ ظالم اور کون ہو سکتا ہے لہذا ایسے لوگوں کی محفل میں شریک ہونے کی بھی ممانعت ہے۔

ان ارشادات کی روشنی میں علماء کرام نے تصریح کی ہے کہ غیبت کا سننا بھی حرام ہے۔ اہل ایمان کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ غیبت کرنے والے کو سختی سے روکیں، منع کریں۔ اگر وہ باز نہ آئے تو اسے اور اس کی باتوں کو برا جانیں اور جو کچھ وہ کہہ رہا ہے دل میں اس کے صحیح ہونے کا رتی برابر بھی خیال نہ آنے دیں اور اگر یہ غیبت کرنے والا کسی محفل میں غیبت کر رہا ہے تو اس محفل کو چھوڑ دیا جائے اور کسی مجبوری کے سبب محفل سے باہر آنا ممکن نہ ہو تو اس کی باتوں کے طرف توجہ نہ کی جائے بلکہ اللہ کا ذکر کرنا یا درود شریف وغیرہ پڑھنا شروع کر دیا جائے اور اس کی طرف پوری توجہ سے مائل ہو جانا چاہئے۔ یہ بھی واضح رہے کہ بعض محفلیں ایسی بھی ہوتی ہیں جن میں مقررین ہمارے آقا ﷺ کے صفات و کمالات کا انکار کرتے۔ صحابہ کرام پر نقائص و عیوب کا بہتان باندھتے ہیں اور وہ جو کچھ کہتے ہیں اس پر قرآن و حدیث نیز واقعات سے دلائل بھی پیش

کرتے ہیں یہی حال بعض کتابوں کا بھی ہے۔ پس ان محافل کو بھی محافل غیبت کہا جائے گا اور ایسی کتابوں کو غیبت کا پلندہ لہذا ایسی محافل میں شریک ہونا ایسے گمراہ لوگوں کی تقاریر سننا اور ایسی کتابوں کا مطالعہ کرنا بھی عام لوگوں کے لئے جائز نہیں۔ جیسا کہ آپ اللہ کا ارشاد پڑھ چکے ہیں: "فَلَا تَقْعُدُوا بَعْدَ الذِّكْرِىٰ مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ" پتہ چل جانے کے بعد ظلم کرنے والوں کے ساتھ نہ بیٹھو اور وہ شخص تو یقیناً بدترین ظالم ہے جو اللہ کے رسول ﷺ، آپ کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، آپ کی ازواج مطہرات نیز اولیاء کرام اور صالحین کے متعلق بدگوئی یا بدنویسی کا مرتکب ہو۔

غیبت میں شرکت سے متعلق فقیہ ابواللیث رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حکایت بیان کی ہے کہ ایک روز حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے ساتھیوں سے سوال کیا کہ اگر کوئی شخص سوتا ہو اور اس کے جسم کا پوشیدہ حصہ تھوڑا سا کھلا ہو تو تم اس کو ڈھانپ دو گے یا مزید کھول دو گے۔ سب نے جواب دیا یقیناً ہم اس کی ستر پوشی کریں گے کیونکہ کسی کو ننگا کر دینا اور دیکھنا تو نہایت ہی بے عزتی ہے۔ بالخصوص جبکہ وہ سوراہا ہو اور اسے اپنی حالت کا پتہ ہی نہ ہو۔ پس حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تو اگر کوئی شخص کسی کی عدم موجودگی میں اس کی غیبت کرتا ہے تو تم لوگ کیوں اس کے ساتھ شریک ہو جاتے ہو۔ اس کے ساتھ مل کر ہنستے ہو اس کی باتوں کی تائید کرتے اور ان سے لطف اندوز ہوتے ہو کیا تم اس طرح ایک سوتے ہوئے کے باقی ستر کو نہیں کھولتے جو یقیناً بے شرمی کی بات ہے تمہیں تو چاہئے کہ غیبت کرنے والے کو منع کرو اس سے نفرت کرو اور جس کی غیبت کی جارہی ہو اس کی تعریف کرو اور اس کی حمایت کر کے اس کا باقی ستر بھی ڈھانپ دو۔

عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کی محفل میں کسی شخص نے حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی غیبت کی۔ آپ نے اس کو روکا اور فرمایا تم ایک ایسے شخص کی غیبت کر رہے ہو جو فقیہ اعظم ہے جو متقی اور پرہیزگار ہے ہم جانتے ہیں کہ وہ ایک وضو سے پانچ وقت کی نمازیں پڑھا کرتے تھے اور ان کا یہ معمول پینتیس برس تک رہا۔

خالد بن ربیع کی موجودگی میں لوگوں نے کسی کی غیبت کی آپ نے انہیں منع فرمایا دوبارہ پھر ایسا ہی ہوا لیکن خالد خاموش سنتے رہے نہ منع کیا اور نہ محفل سے اٹھے جب رات کو سوئے تو خواب میں انہیں کسی نے سور کا گوشت کھلایا۔ خالد پریشان حال اٹھے، بے حد روئے اور اللہ سے توبہ کی۔

میرے آقا ﷺ کا ارشاد ہے "مَنْ ذَبَّ عَنْ عَرْضِ اخِيهِ رَدَّ اللَّهُ عَذَابَ النَّارِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ" جو کسی مسلمان کی عزت ریزی سے لوگوں کو منع کرے اللہ قیامت کے دن اس سے جہنم کی آگ کو دور کر دے گا (یعنی اس کے گناہوں کو معاف فرما دے گا)۔

نیز آپ نے فرمایا: "مَنْ نَصَرَ اخَاهُ الْمُسْلِمَ بِالْغَيْبِ نَصَرَهُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ" جس نے اپنے مسلمان بھائی کی مدد کی اس کی عدم موجودگی میں، اللہ دنیا و آخرت میں اس کی مدد فرمائے گا۔

آپ نے فرمایا: "مَنْ ذَبَّ عَنْ عَرْضِ اخِيهِ بِالْغَيْبَةِ كَانَ حَقًّا عَلَى اللَّهِ أَنْ يَغْتَفِرَ لَهُ النَّارَ" جس نے لوگوں کو غیبت کے ذریعہ اپنے بھائی کی بے عزتی کرنے سے روکا اس کا اللہ پر حق ہو جاتا ہے کہ اللہ اسے جہنم کی آگ سے

آزاد کر دے۔

اور میرے آقا ﷺ کا ارشاد ہے: ”مَنْ أَدَّلَ عِنْدَهُ وَهُوَ يَقْدِرُ أَنْ يُنْصِرَهُ فَلَمْ يُنْصِرْهُ أَدَّلَ اللَّهَ عَلَى زُؤُسِ الْأَشْهَادِ“ جس شخص کے سامنے کسی مسلمان کی ذلت ہوئی اور اس نے قدرت کے باوجود بے عزتی کرنے والے کو نہ روکا تو اللہ اسے قیامت کے دن تمام لوگوں کے سامنے ذلیل و خوار کر دے گا (چاہے وہ حاکم ہو، عالم ہو یا کتنا ہی بڑا متقی ہو)۔ حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”السَّائِكُ شَرِيكُ الْمُغْتَابِ“ خاموش بیٹھ کر غیبت سننے والا اتنا ہی گناہگار ہے جتنا غیبت کرنے والا۔

### مردوں کی غیبت

جس طرح زندوں کی غیبت حرام ہے اس سے بھی زیادہ مردوں کی غیبت کرنا ہے کیونکہ زندوں کو اگر معلوم ہو جائے کہ ان کی غیبت کی گئی ہے تو وہ اس کی مدافعت کر سکتے ہیں اور غیبت کرنے والے سے باز پرس بھی کر سکتے ہیں نیز مردے کی غیبت کر کے بلا وجہ اس کے وارثین کا دل دکھانا اور اپنی طرف سے ان کے دلوں میں نفرت پیدا کرنا ہے۔ علاوہ ازیں موت تو زندوں کے دلوں میں مرنے والے سے ہمدردی پیدا کرتی ہے۔ اسی لئے کسی کے مرنے پر اس کے دشمنوں کے دل بھی نرم ہو جاتے ہیں اور وہ اس کے جنازے میں بھی شریک ہوتے ہیں اور اس کے متعلقین سے اظہارِ افسوس بھی کرتے ہیں پس وہ شخص کس قدر سخت ہوگا کہ مرنے والے کی طرف سے اس کا دل اب بھی صاف نہ ہو اور موت بھی بغض و کینہ ختم نہ کر سکی اور وہ اب تک مردے کی غیبت میں مبتلا ہے ایسے شخص کی حالت اس کی اپنی موت کے علاوہ کون بدل سکتا ہے۔ نیز احادیث مبارکہ کے مطابق مردے دنیا والوں اور ان کے حال سے باخبر رہتے ہیں اور اس شخص کو پہچانتے ہیں جو ان سے اچھا سلوک کرنا جو ان کے لئے اچھی باتیں کرتا اور ثواب پہنچاتا رہتا ہے مردہ ایسے شخص سے خوش ہوتا اور اس کے ایصالِ ثواب سے اسے سکون میسر آتا ہے۔ اس کا عذاب قبر دور ہوتا ہے یا اس کے مراتب میں بلندی ہوتی ہے اور جب کوئی مردے کے متعلق بد گوئی کرتا ہے تو مردے کو تکلیف ہوتی ہے۔ پس کتنا برا ہے یہ شخص جو مردے کی غیبت کر کے اسے دکھ پہنچاتا ہے، مردے کو دکھ پہنچانے والا یہ شخص خود زندگی میں سکھ کیسے پاسکتا ہے اور مرنے کے بعد بھی اسے چین کیسے نصیب ہو سکتا ہے۔

مردوں کا حال جاننے والے آقا ﷺ کا ارشاد ہے: ”إِذَا مَاتَ أَحَدُكُمْ فَدَعُوهُ وَلَا تَقْعُوا فِيهِ“ جب تم میں سے کوئی مر جائے تو اسے اس کے حال پر چھوڑ دو اور برائی سے اس کے معاملہ میں مداخلت نہ کرو (اس کی غیبت نہ کرو اگر ہو سکے تو اس کے لئے ایصالِ ثواب کرو ورنہ خاموشی اختیار کرو)۔

آپ ﷺ نے فرمایا: ”لَا تَسْبُوا الْأَمْوَاتَ فَإِنَّهُمْ أَفْضُوا إِلَى مَا قَدَّمُوا“ جو لوگ مر گئے انہیں برا نہ کہو کیونکہ وہ اپنے اعمال کے حساب و کتاب کی جگہ پہنچ چکے ہیں (اب ان کا معاملہ ان کے رب سے ہے وہ بہتر جانتا ہے کہ وہ کس حال میں ہیں)۔

ارشاد ہوا: ”أَذْكُرُوا مَخَابِسَ مَوْتَانِكُمْ وَكُفُّوا عَنْ مَسَائِرِئِهِمْ“ اپنے مردوں کی اچھائیاں بیان کرو، ان

کی برائیوں سے اپنی زبان رکو (کہ اب ان کی برائیاں بیان کرنا نہایت ہی خستہ اور ذالت ہے کہ مردوں سے زندوں کو فائدہ تو ہوتا ہے، نقصان نہیں)۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ اکثر قبرستان جایا کرتے اور بہت دیر تک وہاں بیٹھے رہتے تھے۔ آپ سے کسی نے اس کی وجہ پوچھی تو آپ نے فرمایا: میں ایسے لوگوں کے پاس بیٹھنا پسند کرتا ہوں کہ جن سے مجھے فائدہ تو ہوتا ہے لیکن کوئی نقصان نہیں پہنچتا کیونکہ ان کے پاس بیٹھنے سے مجھے اپنی موت یاد آتی ہے جو ایک بڑا فائدہ ہے جبکہ وہ میری غیبت نہیں کرتے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بھی یہی حال تھا۔ آپ نے وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا اہل مقابر ہمیں آخرت یاد دلاتے ہیں اور اس طرح وہ ہمیں فائدہ پہنچاتے ہیں جبکہ وہ نہ تو ہماری شکایتیں کرتے ہیں اور نہ ہی عیب بیان کرتے ہیں۔

شریعت مطہرہ نے ممنوع قرار دیا ہے کہ کسی کے مرنے کے بعد لوگ اس کا کوئی برا حال بیان کریں جو انہوں نے دیکھا مثلاً مردے کا چہرہ سیاہ ہو جانا یا بگڑ جانا یا اس کو غسل دیتے وقت غسل کرانے والوں کو کوئی عیب نظر آئے۔ ہاں اس کی خوبیوں اور اچھائیوں کو بیان کرنا چاہئے مثلاً مرتے وقت کسی کا کلمہ پڑھنا یا درود شریف پڑھنا، کسی کا چہرہ چمکنا، کسی کے جسم سے خوشبو آنا وغیرہ۔

نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے: ”لَا تَذْكُرُوا أَمْوَاتَكُمْ إِلَّا بِخَيْرٍ فَإِنَّهُمْ إِنْ يَكُونُوا مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ نَأْتُمُوا وَإِنْ يَكُونُوا مِنْ أَهْلِ النَّارِ فَحَسْبُهُمْ مَا فِيهِ“ اپنے مردوں کو صرف اچھائی سے یاد کرو کیونکہ اگر وہ جنتی ہیں تو تم ان کے غیبت کر کے گناہ گار ہو گے اور اگر وہ جہنمی ہیں تو ان کے لئے یہی کافی ہے (تم بلا وجہ اپنی زبان کیوں گندی کرتے ہو)۔

غیبت سے توبہ اور اس کا کفارہ

ہر مسلمان پر لازم ہے کہ اگر خدا نخواستہ وہ کسی گناہ کبیرہ میں مبتلا ہو جائے تو فوراً اس سے توبہ کرے اس طرح کہ اس گناہ کو ترک کر دے اور آئندہ گناہ نہ کرنے کا عزم کرے اور اپنے گناہ پر نادم و شرمندہ ہو نیز شریعت مطہرہ نے جن گناہوں کا کفارہ مقرر کیا ہے ان کا کفارہ ادا کرے۔ غیبت اکثر فقہائے کرام کے نزدیک گناہ کبیرہ ہے کہ قرآن کریم میں اس کی واضح ممانعت موجود ہے۔ نیز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کی شدید مذمت فرمائی ہے لہذا اگر کوئی شخص اس جرم میں مبتلا ہو جائے تو اگر اس نے غیبت تنہائی میں کی ہے تو تنہا توبہ کر لے اور اگر کسی محفل میں کی ہے تو جن لوگوں کی موجودگی میں یہ جرم سرزد ہوا تھا انہی کی موجودگی میں اس پر اظہار ندامت کرے اور انہیں گواہ بنا کر توبہ کرے۔ نیز اگر اس کی خبر اس شخص تک پہنچ چکی ہے جس کی غیبت ہوئی تھی تو اس سے معافی کا خواستگار ہو کہ اس صورت میں جب تک وہ شخص معاف نہیں کرے گا اللہ بھی اس کی توبہ قبول نہیں فرمائے گا کہ حقوق العباد اس وقت تک معاف نہیں ہوتے جب تک اہل حقوق کی طرف سے معافی نہ ہو جائے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ”رَحِمَ اللَّهُ عَبْدًا كَانَ ثَلَاثِينَ لَاحِيَةً عِنْدَهُ مُظْلِمَةً فِي عَرَضٍ أَوْ مَالٍ“ اللہ اس بندے پر رحم فرمائے جس پر اس کے بھائی کی عزت یا مال کا کوئی حق تھا۔ ”فَجَاءَهُ فَاسْتَحَلَّهُ“ تو وہ حق والے کے پاس آیا اور اس سے حق معاف کرا لیا۔ ”قَبْلَ أَنْ يُؤْخَذَ وَلَيْسَ ثَمَّ دِينَارٌ“



وَلَا دِرْهَمٌ“ اس سے پہلے کہ اس کو وہاں پکڑا جاتا جہاں نہ کوئی دنیار ہوگا اور نہ درہم (کہ وہ خرچ کر کے چھوٹ سکتا، سوائے اس کے کہ) ”وَإِنْ لَّمْ تَكُنْ لَهُ حَسَنَاتٌ أُخِذْ مِنْ حَسَنَاتِهِ“ اگر اس کے پاس کوئی نیکیاں ہوں گی تو وہ حقدار کو دے دی جائیں گی۔ ”وَإِنْ لَّمْ تَكُنْ حَسَنَاتٌ حُمِلُوا عَلَيْهِ مِنْ سَيِّئَاتِهِمْ“ اور اگر نیکیاں نہ ہوں گی تو اس پر حقدار کے گناہ ڈال دیے جائیں گے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ”إِنَّ مِنْ كَفَّارَةِ الْغِيْبَةِ أَنْ تَسْتَغْفِرَ لِمَنْ اغْتَبَتْهُ“ غیبت کا کفارہ یہ ہے کہ تم طلب مغفرت کرو اس کے لئے جس کی تم نے غیبت کی ہے (اس طرح) ”تَقُولُ اللَّهُمَّ اغْفِرْ لَنَا وَلَهُ“ کہ تم کہو اے اللہ ہمیں اور اسے بخش دے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے: ”مَنْ ذَكَرَ خَطِيئَتَهُ فَوَجَلَ مِنْهَا قَلْبُهُ مُحِيَتْ عَنْهُ فِي أَمِّ الْكِتَابِ“ جو شخص اپنے گناہ کو اس طرح یاد کرے کہ (اللہ کے خوف سے) اس کا دل کاپنے لگا تو نامہ اعمال سے اس کے گناہ مٹا دیے جاتے ہیں۔ تحقیق یہی ہے کہ غیبت گناہ کبیرہ ہے اس سے گریز کرنا ہی بہتر ہے اور اگر کوئی غیبت کر ہی بیٹھے تو اسے توبہ کرنا چاہئے اور جس کی غیبت کی گئی ہے اس کو اگر خبر ہو چکی تو اس سے بھی معافی مانگنا چاہئے اور اگر خبر نہیں ہوئی تب بھی غیبت کے بدلے اس کی خوبیاں بیان کرنا چاہئے اور اگر وہ مرچکا ہے تو اس کے لئے کچھ ایصالِ ثواب کرنا اور دعائے مغفرت کرنا چاہئے۔

اے ایمان والو! آقائے رحمت ﷺ کا ارشاد سنو اور اچھی طرح غور کرو۔ بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ آپ نے فرمایا: ”إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الْحَدِيثِ“ بدگمانی سے بچو کیونکہ بدگمانی سب سے جھوٹی بات ہے۔ ”وَلَا تَحَسَّسُوا“ اور ایک دوسرے کی عیب جوئی نہ کرو۔ ”وَلَا تَجَسَّسُوا“ اور جاسوسی نہ کرو۔ ”وَلَا تَنَاجَثُوا“ اور برتری نہ جتاؤ۔ ”وَلَا تَحَاسَدُوا“ اور حسد نہ کرو۔ ”وَلَا تَبَاغَضُوا“ اور کینہ نہ رکھو۔ ”وَلَا تَدَابَرُوا“ اور پیٹھ پیچھے برائی نہ کرو۔ ”وَكُونُوا عِبَادَ اللَّهِ إِخْوَانًا“ اور اے اللہ کے بندو! بھائی بھائی ہو جاؤ۔

ان ارشادات کے مطابق ہمیں ہر ایسے عمل سے بچنا چاہئے جو مسلمان بھائیوں کی دلازاری ان کی آبروریزی اور ان کے درمیان منافرت کا باعث ہو کہ اہل ایمان کی باہمی الفت و محبت اور ان کے درمیان اتحاد و یگانگت ہی سب سے بڑی دولت ہے جو ان کی عزت کی ضامن ہے۔ اللہ عمل کی توفیق دے، آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ۔

۱۲۔ آیات ۱۲۔ احکام

سورۃ الحجرات کی ۱۲ آیات ہیں ۱۲ احکام دیئے گئے ہیں جن کی تفصیلات کا آپ نے پانچ مقالوں میں مطالعہ کیا۔ وہ احکام یہ ہیں:

- (۱) اللہ و رسول سے آگے نہ بڑھو۔
- (۲) رسول کی آواز پر اپنی آواز ادنیٰ نہ ہونے دو۔
- (۳) رسول سے اس انداز پر بات نہ کرو جیسے تم آپس میں گفتگو کرتے ہو۔

- (۴) خبر فاسق پر بلا تحقیق عمل نہ کرو۔
- (۵) مسلمانوں کے دو گروہوں کے درمیان صلح کرادیا کرو۔
- (۶) اپنے بھائیوں کی اصلاح کرتے رہو۔
- (۷) ایک دوسرے کا مذاق نہ اڑایا کرو۔
- (۸) عیب جوئی نہ کیا کرو۔
- (۹) کسی کو برے القاب سے نہ پکارا کرو۔
- (۱۰) بدگمانی نہ کیا کرو۔
- (۱۱) جاسوسی نہ کیا کرو۔
- (۱۲) غیبت نہ کیا کرو۔
- ”اے اللہ! ہمیں ان پر اور جملہ احکامِ شرع پر عمل کی توفیق نصیب فرماتا کہ ہم مؤمن کامل بن سکیں۔“
- وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی خَيْرِ خَلْقِهِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِهِ وَاصْحَابِهِ اَجْمَعِينَ۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

## ”سورة الحديد“

آیات نمبر

29۲28

مقالہ نمبر

75



## مقالہ ۷۵

### الحديد: ۲۸، ۲۹

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَأَمِنُوا بِرَسُولِهِ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَحْمَتِهِ وَيَجْعَلْ لَكُمْ نُورًا تَمْشُونَ بِهِ وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝ لَيْلًا يَعْلَمُ أَهْلُ الْكِتَابِ أَلَّا يَقْدِرُونَ عَلَى شَيْءٍ مِنْ فَضْلِ اللَّهِ وَأَنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ۝

(الحديد: ۲۸، ۲۹)

اے ایمان والو! تم ڈرتے رہا کرو اور (سچے دل سے) ایمان لے آؤ اس کے رسول پر اللہ تمہیں عطا فرمائے گا دو حصے اپنی رحمت سے اور بنادے گا تمہارے لئے ایک نور جس کی روشنی میں تم چلو گے اور بخشش دے گا تمہیں اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے تاکہ جان لیں اہل کتاب کہ ان کا کوئی قابو نہیں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم پر اور یہ کہ فضل تو اللہ تعالیٰ کے دست قدرت میں ہے نوازتا ہے اس سے جس کو چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے ہی فضل والا ہے۔

اہل ایمان کو تقویٰ اختیار کرنے اور رسول مکرم ﷺ پر کما حقہ ایمان لانے کی ہدایت کی جا رہی ہے۔ تقویٰ کیا ہے، اس کے کیا فائدے ہیں۔ گزشتہ صفحات پر آپ تفصیل سے مطالعہ کر چکے یہاں صرف اتنا عرض کرتے چلیں کہ اللہ پر صرف ایمان لانا اور اس کے وجود و صفات کو تسلیم کر لینا ہی کافی نہیں بلکہ ضروری ہے کہ مؤمن دوبارہ زندہ ہونے کے بعد اللہ کے دربار میں حاضری اور اپنے اعمال کے حساب و کتاب پر بھی یقین رکھے اور وہ دنیا ہی میں یہ کوشش کرے کہ اللہ کے دربار میں اسے سرخروئی نصیب ہو۔ اپنے اعمال پر نادم و شرمندہ اور پشیمان نہ ہونا پڑے۔ دنیا میں یہی سعی کرنا اور اس کے لئے اللہ کے احکام کی تعمیل کرنے ہی کا نام تقویٰ ہے۔

### رسول پر ایمان لاؤ

اہل ایمان ہی کو ”اٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ“ کی ہدایت کی جا رہی ہے کہ جو لوگ اللہ پر ایمان ہی نہیں رکھتے وہ رسول پر کیسے ایمان لائیں گے اور اگر کوئی احمق عملی طور پر رسول پر ایمان لے بھی آئے یعنی رسول کا احترام بھی کرتا ہو، اس کی تعلیمات کو پسند کرتا ہو اور ان پر عمل پیرا بھی ہو تو اس کا یہ ایمان اکارت اور بیکار ہے کیونکہ ایمان کے دو حصے ہیں جو ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم ہیں یعنی اللہ پر ایمان لانا اور اللہ کے رسول پر ایمان لانا۔ ان دونوں ہی کا اقرار ایمان ہے کسی ایک کا انکار اور کسی ایک کا اقرار لایعنی اور غیر مفید ہے۔

غرضیکہ رسول پر ایمان لانے کی ہدایت اہل ایمان ہی کو کی جا رہی ہے۔ جس کا مفاد یہ ہے کہ صرف محمد رسول اللہ کہہ دینا یعنی حضرت محمد ﷺ کو اللہ کا رسول تسلیم کر لینا کافی نہیں یہ تو ایمان کی ابتداء ہوئی اب تکمیل ایمان کے لئے محمد ﷺ کی ذات و صفات کو جانو اور مانو یعنی یہ جانو کہ مقام رسالت و نبوت کیا ہے اور اس مقام پر فائز ہونے کے باوجود بھی آیا رسول کو ایک عام انسان ہی کی طرح سمجھا جاسکتا ہے اور اپنا جیسا خیال کیا یا کہا جاسکتا ہے۔ نیز رسول اور امت کے درمیان کیا تعلق اور کیا نسبت ہوتی ہے۔ آیا یہ رشتہ عارضی ہے کہ رسول کے چلے جانے کے بعد ختم ہو جاتا ہے یا دائمی ہے کیا رسول سے امت کو دنیا ہی میں فیض حاصل ہوتا ہے یا یہ فیض قیامت میں بھی نصیب ہوگا۔ یہ بھی جانو کہ حضرت محمد ﷺ اور انبیاء سابقین علیہم السلام میں کیا فرق ہے۔

ان تمام سوالات کے جوابات اگرچہ گزشتہ صفحات میں مختلف مقامات پر آچکے ہیں لیکن تسلسل کے لئے مختصر ان کا اعادہ ضروری معلوم ہوتا ہے۔

### مقام نبوت و رسالت

مقام الوہیت کے بعد بلند ترین منصب و مقام نبوت و رسالت ہے جو معبود و عبد کے درمیان تعلق کا ذریعہ اور قرب الہی کا وسیلہ ہے۔ انسانیت کا سرچشمہ اور انسانی زندگی کے اصول و ضوابط کی تعلیمات کا خزینہ ہے۔ انسانی شرف و عظمت کی پناہ گاہ ہے، کفر و ضلالت کے اندھیروں سے نجات دہندہ ہے، وہ نور ہے جس سے تہذیب و تمدن کی راہیں نظر آتی ہیں، دلوں کی تاریکیاں چھشتی ہیں، اللہ اور بندوں کے درمیان کے سارے حجابات اٹھ جاتے ہیں اور قلب انسان تجلیات باری کا مرکز بن جاتا ہے۔

جاتا ہے۔ یہ علم و عمل کا وہ خزانہ ہے جس کے بیش بہا موتی انسان کو قیمتی اور اشرف و اعلیٰ بنا دیتے ہیں۔ جس سے حیوانیت و انسانیت کے درمیان امتیاز اور فرق معلوم ہوتا ہے۔ اسی لئے ہر منصب و مقام انسان کو اس کی اپنی محنت و مشقت اور کوشش سے حاصل ہو سکتا اور ہوتا ہے لیکن منصب نبوت و رسالت صرف ان نفوس قدسیہ ہی کو حاصل ہوا جنہیں اللہ تعالیٰ نے اس منصب کے لئے منتخب فرمایا جن لوگوں نے اس منصب کا ذریعہ عمر یا مال و دولت کو قرار دیا۔ انہیں جواب دیا گیا۔ سورۃ انعام ہے: ”اللَّهُ أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ“ اللہ بہتر جانتا ہے جہاں وہ رکھتا ہے اپنی رسالت کو مقام رسالت پر اسی کو فائز کیا جاتا ہے۔ جسے اللہ اس کا اہل بناتا ہے۔ یہ مقام خالصتاً وہی ہے نہ عمر سے حاصل ہوتا ہے نہ فضل سے نہ مال سے نہ دولت سے اور نہ ہی محنت و مشقت سے مقام نبوت ہی سرچشمہ فضل و کمال ہے میرے استاد غزالی دوران حضرت علامہ کاظمی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ”اگر بارگاہ نبوت سے کسی کو فیض نہ پہنچے اور آفتاب نبوت کی شعاعیں کسی کے دل کو نہ چمکائیں تو اس کو ہرگز کوئی فضل و کمال حاصل نہیں ہو سکتا نہ اس کے دل میں کوئی نور پیدا ہو سکتا ہے کیونکہ ہر فضل و کمال کا سرچشمہ صرف نبوت اور رسالت ہے۔“

تو اے ایمان والو! ”اٰمِنُوْا بِرِسُوْلِهِ“ رسول پر ایمان لاؤ اس طرح کہ مقام رسالت و نبوت کو اچھی طرح سمجھ لو تب ہی تو تم اپنے رسول کا اپنی وارفع مقام سمجھ سکو گے کہ ہر شخص کی حیثیت اس کے مقام کی حیثیت ہی سے سمجھ میں آتی ہے۔

رسول عام انسان نہیں

بلاشبہ ”اِنَّمَا اِنَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ“ فرمان الہی ہے اور رسول کی بشریت پر ہمارا ایمان ہے لیکن قرآن کریم ہی بتاتا ہے کہ حضرت محمد ﷺ اور ان سے پہلے انبیاء و رسل کو کفار و منافقین کے سوا کبھی کسی نے عام انسان نہ کہا اور نہ سمجھا اور ضلالت و گمراہی کی بنیادی وجہ رسول کو عام، اپنے جیسا انسان خیال کرنا ہی ہے جبکہ منصب نبوت پر فائز ہونے اور نعمت و جی سے سرفراز ہو جانے کے بعد کسی بھی اعتبار سے رسول ہم جیسا نہیں رہتا سوائے ایک قدر مشترک کے ”اِنَّمَا الْهُكُمُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ“ کہ صرف تمہارا اور میرا معبود ایک ہے لیکن عبدیت اور بندگی ایک جیسی نہیں۔ نیز انعامات الہیہ کے حصول میں بھی رسول کا کوئی شریک و ہمسر نہیں۔ رسول بندوں میں اللہ سے قریب تر ہے۔ جو رب سے بلا واسطہ انعامات الہیہ حاصل کرتا اور اپنے امتیوں میں تقسیم کرتا ہے جو بلا واسطہ احکام الہیہ لیتا اور بندوں کو پہنچاتا ہے جو علم الہیہ کا مخزن ہوتا ہے۔ اللہ کی عطا سے اللہ کے خزانوں کا مالک ہوتا ہے۔ جس کا مربی و معلم براہ راست اللہ وحدہ لا شریک ہوتا ہے۔ جس کی اطاعت اللہ ہی کی اطاعت ہوتی ہے۔ جس کی رضا اللہ ہی کی رضا ہوتی ہے۔ رسول کی ہر ادا پر عمل کرنا عبادت اور رضائے رب کا وسیلہ ہے۔ وحی الہی رسول کو عام انسانوں سے ممتاز کرتی ہے۔ وہ بشر ہونے کے باوجود بھی ایک عام، ہم جیسا انسان نہیں رہتا۔ رسول، بے عیب ذات اللہ کے فضل و کرم سے ہر عیب و نقص سے پاک ہوتا ہے۔ وہ اللہ کی عطا کردہ قدرت سے انسانوں کے دلوں کا حال جانتا ان کے ارادوں کا علم رکھتا ہے۔ اسی لئے رسول کی تعلیم و تربیت انسان کی فطری خواہشات کی رہبری و راہنمائی کرتی ہے اس کی اصلاح کرتی ہے۔

خدا چاہتا ہے رضائے محمد ﷺ

خدا کی رضا چاہتے ہیں دو عالم

ترا مسند ناز ہے عرش بریں ترا محرم راز ہے روح امیں تو ہی سرور دو جہاں ہے شہا ترا مثل نہیں ہے خدا کی قسم

## رسول اور امتی کا تعلق

ایمان کی تکمیل کے لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ رسول اور امتی کا کیا رشتہ ہوتا ہے۔ رسول اور امتی کے درمیان کیا تعلق ہوتا ہے۔ پس اللہ و رسول کے ارشادات اور عمل صحابہ کرام سے واضح ہے کہ رسول، امت کا حاکم، رہبر، راہنما اور مطاع ہوتا ہے۔ رسول آقا اور امتی غلام ہوتا ہے۔ رسول کے احکام کی تعمیل اور اس کی اتباع و پیروی ہر امتی کے لئے لازمی اور ضروری ہے۔ رسول سے امتی کا تعلق خونی رشتوں کے تعلق سے بہت زیادہ مضبوط اور مستحکم ہوتا ہے۔ رسول باپ ہوتا ہے لیکن کوئی اسے باپ کہہ کر نہیں پکارتا ہے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کبھی آپ ﷺ کو باپ نہ کہا۔ رسول شوہر ہوتا ہے لیکن کوئی بیوی اسے شوہر کہہ کر نہیں پکارتی، میری ماؤں میں سے کسی نے کبھی آپ ﷺ کو شوہر کہہ کر نہ پکارا۔ رسول بھائی ہوتا ہے لیکن کوئی اسے بھائی کہہ کر نہیں پکارتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کبھی آپ کو بھائی نہ کہا۔ رسول دوست ہوتا ہے لیکن کوئی اسے دوست کہہ کر نہیں پکارتا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے رفیق غار ہونے کے باوجود آپ کو کبھی دوست نہ کہا۔ رسول امت کا معلم ہوتا ہے امت کو جہالت کی تاریکیوں سے نکال کر علم کا نور بخشتا ہے۔ وہ سکھاتا ہے جو کوئی نہیں سکھا سکتا ہے۔ وہ بتاتا ہے جو کوئی نہیں بتا سکتا۔ رسول امت کا مربی ہوتا ہے۔ ایسی تربیت کرتا ہے کہ طبیعتوں کا میلان اور خواہشات کا رجحان تک تبدیل ہو جاتا ہے۔ غیر مہذب کو مہذب بنا دیتا ہے۔ غیر متمدن کو تمدن کی راہ پر گامزن کر دیتا ہے۔ رسول اپنی امت میں محبت و الفت اور یگانگت پیدا کرتا ہے۔ وہ جہالت و غربت کو دور کر دیتا ہے۔ اس کے عطا کردہ اصول زندگی اپنانے والے جسمانی و روحانی صحت و عافیت سے مالا مال ہو جاتے ہیں۔ رسول امتیوں کو شجاعت و بہادری عطا کرتا ہے کہ اس کے غلاموں کی نظروں میں مادی و ظاہری قوت و طاقت ہیج ہو جاتی ہے۔ رسول کی غلامی دنیا و آخرت کی شہنشاہی کا تاج ہے کہ اس کے غلاموں کے حضور دنیا کے سلاطین و بادشاہ کانپتے اور تھر تھراتے نظر آتے ہیں۔ رسول ہر امتی کے لئے ایسا رحیم ہوتا ہے کہ اپنے غلاموں کو دنیا و آخرت کی ہر تکلیف و مشقت سے محفوظ رکھتا ہے۔ رسول امتیوں کے اعمال اور ان کی توبہ و استغفار کی قبولیت کا وسیلہ ہوتا ہے۔ رسول اپنے رب کے سوا کسی کا محتاج نہیں ہوتا جبکہ ہر امتی دنیا و آخرت میں اس کا محتاج ہے۔ رسول کی اطاعت غلاموں کے لئے کامیابی و کامرانی کی ضمانت ہوتی ہے۔ اسی لئے رسول کا ادب و احترام جزو ایمان قرار دیا گیا ہے۔ اس کے دربار میں اونچی آواز سے بات کرنا تک حرام ہے۔ اس کے لئے ان عام الفاظ کا استعمال کرنا جو آپس میں استعمال ہوتے ہیں حرام ہیں۔ مختصر یہ کہ:

ترے خلق کو حق نے عظیم کہا تری خلق کو حق نے جمیل کیا

کوئی تجھ سا ہوا ہے نہ ہو گا شہا ترے حسن و ادا کی قسم

تو ہی بندوں پہ کرتا ہے لطف و عطا تجھی پہ بھروسا تجھی سے دعا

مجھے جلوہ پاک رسول دکھا تجھے اپنے ہی عز و علا کی قسم

رسول سے رشتہ دائمی ہے

رسول سے امت کا رشتہ دائمی ہے اس وقت تک ختم نہیں ہوتا جب تک امتی کے گلے میں رسول کی غلامی کا طوق لٹکا

رہتا ہے۔ یہی طوقِ غلامی دنیا میں امتی کے لئے ذریعہ عزت ہے اور آخرت میں وسیلہ نجات ہے۔ رسول کے دنیا سے پردہ فرما جانے کے بعد بھی یہ رشتہ باقی رہتا اور امت پر رسول کی نظر کرم اور اس کا فیض جاری رہتا ہے۔ رب محمد ﷺ ہی کا حکم ہے کہ جب غلام کسی گناہ کا مرتکب ہو جائے یا کسی ظلم کا شکار ہو۔ اپنے رحمت والے آقا کے دربار میں حاضر ہو جائے۔ بوساطت رسول تو بہ واستغفار کرے جو نہی اس پر رسول کا فیض جاری ہوگا اس پر ان کی نظر کرم ہوگی۔ اس مجرم پر اللہ کی رحمت برسنے لگے گی۔ گناہ گار محبوب و مقرب ہو جائے گا۔ مضطرب مطمئن ہو جائے گا۔ رسول اپنے غلاموں کے اعمال کو ملاحظہ فرماتا ہے۔ ان کے درود و سلام کو مسموع فرماتا ہے، چاہے وہ دربار میں حاضر ہو کر پیش کئے جائیں یا دنیا کے کسی بھی گوشہ سے پیش ہو رہے ہوں۔ رسول حاضرین دربار کے سلام کا جواب بھی عطا فرماتے ہیں ان سے مصافحہ بھی کرتے ہیں خوش نصیب اور مقربین بارگاہ اسے سنتے اور محسوس کرتے ہیں۔ رسول کو اپنے غلاموں کے اعمالِ صالحہ سے خوشی ہوتی ہے جبکہ ان کی برائیوں سے تکلیف پہنچتی ہے۔۔۔

رسول ﷺ کا یہ فیض یہ تعلق اور یہ رشتہ صرف دنیا ہی میں نہیں بلکہ ہمارے مرجانے کے بعد بھی جاری رہتا ہے کہ رسول و امتی کے درمیان حائل حجابات اٹھا دیئے جائیں گے۔ آقا ﷺ کے نور سے غلام کی تاریک قبر روشن و منور ہو جائے گی۔ نکیرین کے سوالات کا جواب سہل و آسان ہو جائے گا۔ اسی لئے تو سوال اشارۃً قریب ہذا الرجل کہہ کر کیا جاتا ہے کہ اب آقا و غلام میں کوئی ظاہری بعد بھی باقی نہیں رہتا، صَلَّى اللَّهُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ وَسَلِّمْ عَلَيْكَ يَا حَبِيبَ اللَّهِ۔

یا الہی بھول جاؤں نزع کی تکلیف کو شادی دیدار حسن مصطفیٰ کا ساتھ ہو  
یا الہی گور تیرہ کی جب آئے سخت رات ان کے پیارے منہ کی صبح جانفزا کا ساتھ ہو

رسول و امتی کے درمیان مضبوط دھاگے کی ڈور میں بندھے غلام حشر کے دن بھی اپنے آقا کے ساتھ ساتھ ہوں گے۔ جب سورج اپنی پوری تمازت و حرارت کے ساتھ سوانیزے پر ہوگا، پیاس سے زبانیں باہر لٹک رہی ہوں گی، اعزاء و اقرباء میں سے کوئی مدد نہ کر پائے گا تو رسول ہی ایک ایک غلام کو بلا بلا کر اپنے حوض کوثر سے ایسا سیراب کریں گے کہ ”لَا يَظْمَأُ بَعْدَهُ أَبَدًا“ اس کے بعد کبھی کوئی پیاسا نہ ہوگا اور جب میزان پر اعمال تو لے جا رہے ہوں گے اور ہر ایک کا دل خوف سے کانپ رہا ہوگا تو رسول ہی نگرانی کرتے نظر آئیں گے جب انتظار شفاعت تڑپا رہا ہوگا اور کوئی شفاعت کرنے کو تیار نہ ہوگا تو رسول ہی کے لب ہائے شفاعت حرکت میں آئیں گے۔ جب تلوار سے تیز تر اور باریک تر پل صراطِ ود دیکھ کر ہر ایک کانپ رہا ہوگا تو رسول ہی کی ڈھارس کام آئے گی نہ

یا الہی جب پڑے محشر میں شورِ دار و گیر  
یا الہی جب زبانیں باہر آئیں پیاس سے  
یا الہی سرد مہری پر ہو جب خورشید حشر  
یا الہی گرمی محشر سے بھڑکیں بدن

امن دینے والے پیارے پیشوا کا ساتھ ہو  
صاحبِ کوثر شہِ جود و عطا کا ساتھ ہو  
سید بے سایہ کے ظلِ لوا کا ساتھ ہو  
دامنِ محبوب کی ٹھنڈی ہوا کا ساتھ ہو



یا الہی نامعہ اعمال جب کھلنے لگیں  
 یا الہی جب ہمیں آنکھیں حسابِ جرم میں  
 یا الہی جب حسابِ خندہ بیجا رلائے  
 یا الہی رنگِ لائیں جب میری بے باکیاں  
 یا الہی جب چلوں تاریک راہِ پلِ صراط  
 یا الہی جب سرِ شمشیر پر چلنا پڑے

عیب پوشِ خلقِ ستارِ خطا کا ساتھ ہو  
 ان تبسم ریز ہونٹوں کی دعا کا ساتھ ہو  
 چشمِ گریانِ شفیعِ مرتجی کا ساتھ ہو  
 ان کی نیچی نیچی نظروں کی حیا کا ساتھ ہو  
 آفتابِ ہاشمی نورِ الہدیٰ کا ساتھ ہو  
 رَبِّ سَلِّمْ کہنے والے غمزدہ کا ساتھ ہو

رضا پل سے اب وجد کرتے گزریے کہ ہے رَبِّ سَلِّمْ صدائے محمد ﷺ  
 انبیاء سابقین اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام

جملہ انبیاء و رسل پر ہمارا ایمان ہے کہ ان کی عظمت کا اعتراف ہمارے ایمان کا جز ہے لیکن یہ جاننا اور یقین کرنا ضروری ہے کہ سید الانبیاء والمرسلین، حضرت محمد ﷺ ہیں وہی اول بھی ہیں اور آخر بھی، خلقت میں سب سے پہلے اور بعثت میں سب سے آخر ہیں۔ ان کا خاتم النبیین، رحمۃ اللعلمین ہونا قرآن کریم سے واضح ہے۔ انبیاء سابقین علیہم السلام کی نبوت مخصوص زمانہ اور صرف اپنی امت کے لئے تھی جبکہ ہمارے آقا ﷺ تمام انبیاء و رسل اور بنی نوع انسان کے لئے رسول ہیں۔ ”وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ“ صرف انہی کا منصب عالی ہے جس کو جو کچھ ملا ہے اور جو کچھ ملتا ہے انہی کے وسیلہ جلیلہ سے ملتا ہے۔ وجہ خلقت زمین و آسمان آپ ہی کی ذات ہے، اظہارِ ربوبیت آپ ہی کے لئے ہوا، نبی آخر الزماں ﷺ کی بعثت کے بعد تمام انبیاء و رسل کے علم سرنگوں ہو گئے۔ اب متلاشیانِ نجات کے لئے ان ہی کا دامنِ رحمت پناہ گاہ ہے، اب کسی نبی و رسول سے وابستگی قابلِ قبول نہیں صرف انہی کی غلامی و طوقِ جہنم سے آزادی کا ضامن ہے، اب سوائے ان کے دین کے تمام ادیان باطل ہیں، اب سوائے قرآن کے کوئی کتاب باقی نہیں، اب سوائے ان کی شریعت کے کوئی شریعت قابلِ عمل نہیں، اب سوائے ان کے چرپے کے کسی کا چرچا نہیں:۔

تو بے خورشید رسالت پیارے چھپ گئے تیری ضیاء میں تارے

انبیاء اور ہیں سب مہ پارے تجھ سے ہی نور لیا کرتے ہیں

انہی کو بو مایہِ سمن ہے انہی کا جلوہ چمن چمن ہے

انہی سے گلشنِ مہک رہے ہیں انہی کا رنگِ گلاب میں ہے

اے ایمان والو! رسولِ معظم ﷺ پر ”ایمان لاؤ“ جیسے ایمان لانے کا حق ہے۔ ”مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ“ تو

سبھی کہہ لیتے ہیں لیکن محمد (ﷺ) کی حقیقت جانو۔ رسول کے اعلیٰ منصب و مقام کو پہچانو تب تمہارا ایمان کامل ہوگا پھر ”مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ“ کہنے کا لطف آئے گا پھر اس کی برکتوں سے تم مالا مال کئے جاؤ گے۔ کلمہ تو منافق بھی پڑھتے تھے لیکن

بے سمجھے پڑھتے تھے۔ پس ان کا مقام ان کا ٹھکانہ درک اسفل ہی رہا تم اپنے آقا ﷺ کی خوبیوں کو پہچانو ان کے اختیارات کو جانو، ان سے تعلق اور ان کی محبت کا حق ادا کرو پھر تمہارے لئے ”کفَلین“ دو حصے ہیں: ”نور“ ہے، ”مغفرت“ ہے۔

کَفَلین

جو رسول پر ایمان لائے، ان کے صفات و کمالات کو بخوبی پہچان کر، وہ آقا ﷺ کے غلام بنا، نہیں دیئے گئے بلکہ انہوں نے اپنی مرضی اور خوشی سے ان کی غلامی کا طوق اپنی گردنوں میں لٹکایا اور اسے تاج شاہی جانا۔ اس پر انہوں نے فخر و ناز کیا، دنیا کی ہر دولت سے بیش قیمت اور دنیا کی ہر عزت سے بالاتر یقین کیا وہ اللہ کے محبوب ہو گئے اور محبوبین و مقربین کو ان کے کسی عمل پر ایک اجر ایک حصہ نہیں دیا جاتا۔ وہ تو مستحق ہوتے ہیں کَفَلین کے، ڈبل حصے کے دو گئے اجر کے، یہ چاہیں اہل کتاب ہوں کہ کسی سابقہ نبی کی غلامی کے بعد انہوں نے سید الانبیاء ﷺ کی غلامی قبول کی ہو یا کفار و مشرکین ہوں کہ بت پرستی سے آزاد ہو کر یہ ہمارے محبوب ﷺ کے دامن رحمت سے وابستہ ہوئے ہوں۔ کَفَلین ان سب کا حق ہے کیونکہ ”كَلَّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنٰی“ ہر ایک سے اللہ نے بھلائی کا وعدہ کیا ہوا ہے انہی کے لئے خوشخبری ہے کہ ”أُولَئِكَ يُؤْتُونَ أَجْرَهُمْ مَرَّتَيْنِ“ یہی لوگ ہیں جنہیں ان کا اجر دو مرتبہ دیا جائے گا اور یہ ہم سے اسی کے تو طلب گار ہیں کہ ہر وقت کہتے ہیں ہاتھ پھیلا کر کہتے ہیں ”رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ“ اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں بھی بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرما اور ہمیں جہنم کے عذاب سے بچا۔ پس ہم نے ان کی دعا قبول کی کیونکہ انہوں نے ہمارے رسول کے دامن سے وابستگی اختیار کی ہوئی ہے۔ وہ ہمارے رسول ﷺ کو ایسے ہی مانتے ہیں جیسے ماننے کا حق ہے۔

صاحب روح البیان رحمۃ اللہ علیہ، حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی ایک روایت بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے ”ثَلَاثَةٌ يُؤْتُونَ أَجْرَهُمْ مَرَّتَيْنِ“ تین خوش نصیب ہیں جنہیں اللہ دو مرتبہ ان کا اجر عطا فرمائے گا، ایک وہ جس کے پاس کوئی باندی ہو وہ اس کو بہترین تعلیم دے اور اس کی بہترین تربیت کرے پھر اس کو آزاد کر کے اس سے نکاح کرے، دوسرے وہ اہل کتاب جو ایمان لائے اپنے نبی پر پھر انہوں نے زمانہ پایا نبی آخر الزمان ﷺ کا تو ان پر بھی ایمان لائے۔ پس ان کے لئے دونوں پر ایمان لانے کا اجر ہے، تیسرے وہ غلام جو اللہ کا حق ادا کرتا ہے (دین کا پابند ہے) اور اپنے آقا کی خدمت کرتا ہے۔ اسی لئے بعض غلاموں کو آزادی ملنے پر خوش ہونے کے بجائے روتے دیکھا گیا کہ اب ان کے لئے صرف شریعت کی پابندی ہی کا اجر رہ گیا۔ خدمت آقا کے ثواب سے محروم ہو گئے۔

اللہ رب العزّة جل مجدہ نے بطشیل سید الانبیاء ﷺ ان کے غلاموں کو خیر امم قرار دیا اور ان کے اعمال پر انہیں گونا گوں اجر و ثواب عطا فرمانے کا وعدہ کیا۔ جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشادات سے ثابت و واضح ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا گزشتہ امتوں کے مقابلہ میں تمہاری مدت نماز عصر سے غروب آفتاب تک کی مدت جتنی ہے (یعنی تمہاری عمریں بہت کم ہیں لیکن) تمہاری اور یہود و نصاریٰ کی مثال

ایسی ہے جیسے کسی مزدور کو کام پر لگایا گیا۔ پس اس سے کہا گیا کہ کون ایک قیراط کے بدلے میرا کام دوپہر تک کرتا ہے۔ پس یہود نے ایک قیراط کے بدلے دوپہر سے نماز عصر تک کام کیا پھر کہا گیا کون میرا کام نماز عصر سے غروب آفتاب تک دو قیراط پر کرتا ہے۔ ”فَإِنَّتُمْ الَّذِينَ تَعْمَلُونَ مِنْ صَلَوةِ الْعَصْرِ إِلَى مَغْرِبِ الشَّمْسِ“ پس نماز عصر سے غروب آفتاب تک کام کرنے والے وہ تم ہو۔ ”إِلَّا لَكُمْ الْأَجْرُ مَرَّتَيْنِ“ آگاہ ہو جاؤ تمہارے لئے دو گنا اجر ہے۔ پس یہود و نصاریٰ ناراض ہوئے اور کہنے لگے ہم نے کام زیادہ کیا اور مزدوری تھوڑی ملی۔ اللہ نے فرمایا کیا میں نے تمہارے حق سے کچھ کم کیا ہے۔ عرض کیا نہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”فَإِنَّهُ فَضْلِي أُعْطِيَهِ مَنْ شِئْتُ“ تو یہ میرا فضل ہے جسے چاہوں میں عطا کر دوں۔

نور

وہ نبی ﷺ جس کی شان بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا: ”قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُبِينٌ“ بیشک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور آگیا اور واضح کتاب آگئی۔ اس نبی ﷺ کی غلامی کرنے والوں سے بھی نور کا وعدہ کیا جا رہا ہے۔ جس نبی ﷺ کے نورانی چہرے کی ضیاء آفتاب و مہتاب کی چمک کو ماند کر دیتی ہیں۔ اسی نبی ﷺ کے غلاموں کے چہرے بھی نورانی ہوتے ہیں۔

اگر آپ میرے آقا ﷺ کی نورانیت سے اپنے قلب کو منور کرنا چاہیں تو عاشق صادق امام اہلسنت اعلیٰ حضرت نور اللہ مرقدہ کا قصیدہ نور پڑھئے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

یہ کتاب کن میں آیا طرفہ آئے نور کا  
غیر قائل کچھ نہ سمجھا کوئی معنی نور کا  
تیری نسل پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا  
تو ہے عین نور تیرا سب گھرا نا نور کا  
قبر انور کہے یا قصر معلیٰ نور کا  
چرخِ اطلس یا کوئی سادہ سا قبہ نور کا  
اور اسی نور سے فیض یاب میرے آقا حضور غوث الاعظم الشیخ عبدالقادر جیلانی اپنی نورانیت کی کیفیت کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

نَظَرْتُ إِلَى بِلَادِ اللَّهِ جَمْعًا  
كَخَزَائِفَةٍ عَلَى حُكْمِ اتِّصَالِ  
میں اللہ کے تمام ملکوں کو دانہ رائی کے برابر  
اللہ کے حکم سے متواتر دیکھتا رہتا ہوں  
غرضیکہ نورانی آقا ﷺ کی غلامی اہل ایمان کے چہروں کو روشن و منور کر دیتی ہے اور یہ جب حشر کے دن اپنی قبروں سے انھیں گے تو ان کی عجب شان ہوگی۔ سورۃ الحدید میں ہے: ”يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ يَسْعَى نُورُهُمْ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَبِأَيْمَانِهِمْ“ جس دن آپ مؤمن مردوں اور مؤمن عورتوں کو دیکھیں گے کہ صوفشانی کر رہا ہوگا ان کا نور ان کے آگے بھی اور ان کی دائیں جانب بھی اور انہیں جنتی ہونے کا مژدہ سنایا جا رہا ہوگا۔ ”بُشِّرْكُمْ الْيَوْمَ جَنَّتَ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا“ تمہیں آج ان باغوں کا مژدہ ہو جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں (اب) تم ہمیشہ ان میں رہو گے۔ ”ذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ“ یہی وہ عظیم الشان کامیابی ہے، جس کے لئے ”آمِنُوا بِرَسُولِهِ“ کی خصوصی ہدایت

دی گئی کہ جب تک رسول کی معرفت حاصل نہیں ہوتی۔ ایمان ہونے کے باوجود نور ایمان کی ضوفشانی نہیں ہوتی۔ چہرے پر وہ چمک نہیں آتی جو کمال ایمان کی علامت اور نشانی ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بد عمل لوگوں اور فاسق و فاجر لوگوں میں علماء و مشائخ علیحدہ ہی چمکتے نظر آتے ہیں۔ ان کے چہرے نورانی اور پرکشش ہوتے ہیں۔ اہل محبت کے دل خود بخود ان کی طرف کھینچتے ہیں جبکہ کینہ و عناد رکھنے والوں پر ان کا ایسا رعب طاری ہوتا ہے کہ زبانیں گونگ ہو جاتی ہیں۔ اسی لئے ہمارا تجربہ ہے کہ علماء کی شان میں دن رات بدگوئی کرنے والے جب ان کے سامنے آتے ہیں تو ان کی نظریں جھکی ہوتی ہیں۔ وہ دل میں علماء سے نفرت کے باوجود ان کی دست بوسی کرتے ہیں۔ ہاتھ باندھے بڑے ادب و احترام سے کھڑے ہوتے ہیں۔ یہ آقا ﷺ کی اتباع و پیروی کا نور ہے جو غلاموں کے چہروں کو پر نور پرکشش اور بارعب بنا دیتا ہے اور یہی نور قیامت کے دن بھی غلامی کی پہچان ہوگا۔

حضرت ابو درداء اور حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا قیامت کے دن سب سے پہلے سجدہ کرنے کی اجازت مجھے دی جائے گی اور سب سے پہلے مجھے ہی سجدے سے سر اٹھانے کا اذن ہوگا۔ میں آگے پیچھے، دائیں بائیں دیکھوں گا اور ساری امتوں میں سے اپنی امت کو پہچان لوں گا۔ عرض کیا گیا اے اللہ کے نبی ﷺ امتوں کے اتنے بڑے ہجوم میں آپ اپنے غلاموں کو کس طرح پہچان لیں گے۔ فرمایا: ”أَعْرِفُهُمْ مُحَجَّلُونَ مِنْ أَثَرِ الْوُضُوءِ وَلَا يَكُونُ لِأَحَدٍ مِنَ الْأُمَّمِ لغيرِهِمْ“ میں انہیں پہچانوں گا کیونکہ ان کے اعضاء وضو چمک رہے ہوں گے کہ یہ چمک کسی دوسری امت کو نصیب نہ ہوگی۔ ”وَأَعْرِفُهُمْ يَعْطُونَ كُتُبَهُمْ بِأَيْمَانِهِمْ“ اور میں انہیں پہچانوں گا کہ ان کے نامہ اعمال ان کے دائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے۔ ”وَأَعْرِفُهُمْ بِنُورِهِمْ يَسْعَى بَيْنَ أَيْدِيهِمْ“ اور میں انہیں اس نور سے پہچانوں گا جو ان کے سامنے ضوفشانی کر رہا ہوگا۔

اے ایمان والو! اعضاء وضو چمکاؤ کہ بھنگا نہ نمازوں کی پابندی کرو اور اپنے آقا ﷺ کی اداؤں، سنتوں کو اپناؤ تاکہ تم پر نور کی برکات سے کہ یہی ذریعہ ہے قیامت کے دن آقا ﷺ کے دامن رحمت میں پناہ حاصل کرنے کا۔ جس دن ان کے سوا کوئی پناہ دینے والا نہ ہوگا۔ سب کی پکار نفسی، نفسی ہوگی۔ جبکہ ہمارے آقا ﷺ کی صدا اُمتی، اُمتی ہوگی۔ اے اللہ ہمیں دنیا و آخرت میں وہ نور نصیب فرما جو ہمارے کمال ایمان کی علامت بنے اور روز قیامت آقا ﷺ کے دامن رحمت میں پناہ کا ذریعہ بنے۔

اور فرمائیں ہو اس پہ تقاضا کیا ہے  
کیا لیتے ہو حساب اس پر تمہارا کیا ہے  
اپنے بندے کو مصیبت سے بچایا کیا ہے

پھر مجھے دامن اقدس میں چھپالیں سرور  
بندہ آزاد شدہ ہے یہ ہمارے در کا  
صدقے اس رحم کے اس سایہ دامن پہ ثار

مغفرت

مغفرت و بخشش اللہ کی وہ نعمت ہے جس کو طلب کرنے اور حاصل کرنے کی دعوت قرآن کریم میں متعدد بار طرح،

طرح کے انداز سے دی گئی اور جس کا وسیلہ صرف رسول کی اتباع و پیروی کو قرار دیا گیا۔ سورہ آل عمران میں ہے۔ ارشاد ہوا: ”قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي“ اے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام آپ ہی فرمادیجئے کہ اگر اللہ سے واقعی محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو یعنی میری غلامی کا طوق اپنی گردن میں ڈال لو کہ اگر تم میرے سچے غلام بن جاؤ گے تو ”يُحِبُّكُمْ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ“ اللہ تمہیں اپنا محبوب بنا لے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا اور اللہ بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔

تاریخ شاہد ہے کہ جو بھی آقائے رحمت ﷺ کے دامن میں پناہ گزین ہوا، ان کا غلام بنا، اللہ کا محبوب ہو گیا، مغفور ہو گیا۔ کسی کو ”رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ“ کا مژدہ سنایا گیا تو کسی کو ”لَا خَوْفَ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ“ کی پرطمینان ضمانت دی گئی۔ گناہگاروں اور بدکاریوں میں مبتلا ہو جانے والوں تک کو مغفرت و بخشش کی یقین دہانی کرائی گئی۔ ”قُلْ يِعَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَى أَنْفُسِهِمْ“ پیارے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام آپ ہی اپنے غلاموں کو یہ مژدہ دیجئے کہ اپنے اوپر ظلم کرنے والوں۔ ”لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ“ اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو تم پر مغفرت و بخشش کا بادل منڈلا رہا ہے، ہاتھ اٹھاؤ گناہوں پر نادم ہو جاؤ، توبہ کرلو، آنکھوں سے آنسو بہاؤ پھر دیکھو یہ بادل تم پر کیسا برستا ہے۔ ”إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا“ بیشک اللہ سارے گناہ بخش دیتا ہے۔ ”إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ“ بلاشبہ وہ بہت بخشنے والا، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ اے گناہگاروں مایوس نہ ہو بس تم صرف اتنا کرلو۔ ”وَأَنِيبُوا إِلَى رَبِّكُمْ“ اپنے رب کی طرف لوٹ آؤ، بغاوت چھوڑ دو سچے دل سے توبہ کرلو اور آئندہ کے لئے ”وَأَسْلِمُوا لَهُ“ اس کے احکام کی تعمیل کا مصمم عزم کرلو اور دیکھو دروازہ رحمت کھٹکھٹانے میں ٹال مٹول اور دیر نہ کرو، جلدی کرو۔ ”مَنْ قَبِلَ أَنْ يَأْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُونَ“ اس سے پہلے کہ تمہاری بد عملیاں تم پر نزول عذاب کا ذریعہ بن جائیں اور پھر کوئی تمہارا مددگار نہ ہو۔

رب غفور ورحیم ہے: ”نَبِيٌّ عَبْدِي أَيُّوُّنَا الْغَفُورُ الرَّحِيمُ“ میرے بندوں کو بتادو کہ میں بیشک بہت بخشنے

والا، بے حد رحم فرمانے والا ہوں۔ پس

اے ایمان والو! اسی رب سے ڈرتے رہو اور اسی کے محبوب کے دامن رحمت میں پناہ لئے رہو۔ مغفرت و رحمت کی برکات تم پر برستی رہے گی اور جو میرے محبوب نبی آخر الزمان ﷺ سے دور رہ کر نجات یافتہ ہونے کے زعم باطل میں مبتلا ہیں انہیں پتہ چل جائے گا کہ فضل و کرم کا مالک حقیقی صرف اللہ ہی ہے۔ ”يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ“ وہ جسے چاہتا ہے اپنے فضل و کرم سے نوازتا ہے۔ یہود و نصاریٰ بڑے ہی محروم و بد نصیب ہیں کہ سید الانبیاء ﷺ کی تشریف آوری کے بعد بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے گن گاتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کلمہ پڑھتے ہیں اور وہ بھی ان کی تعلیمات کے برعکس کہ حضرت عزیز علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا قرار دیتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہتے ہیں اور اس عقیدے کے باوجود بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سولی پر چڑھائے جانے کے قائل ہیں۔ گویا اللہ (العیاذ باللہ) اپنے بیٹے کو بھی دشمنوں سے نہ بچا سکا۔ کس قدر فضل و کرم ہے اللہ کا اہل ایمان پر کہ وہ خیر الانبیاء ﷺ کے غلام بن کر خیر امت قرار پائے۔ ”ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ“

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

## ”سورة المجادلہ“

آیات نمبر	مقالہ نمبر
10۲۹	76
11	77
13۲ 12	78

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ



## مقالہ ۷۶

### المجادلہ: ۹، ۱۰

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَةِ  
الرُّسُولِ وَتَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ۝  
التَّجَوَّىٰ مِنَ الشَّيْطَانِ لِيَحْزُنَ الَّذِينَ آمَنُوا وَلَيْسَ بِضَايِرٍ لَهُمْ شَيْئًا إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ ۖ وَ  
عَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ۝

(المجادلہ: ۹، ۱۰)

اے ایمان والو! جب تم خفیہ مشورہ کرو تو مت خفیہ مشورہ کرو گناہ اور زیادتی اور رسول کی نافرمانی سے متعلق بلکہ نیکی اور تقویٰ کے بارے میں مشورہ کیا کرو اور اس اللہ سے ڈرتے رہو جس کی بارگاہ میں تمہیں جمع کیا جائے گا (کفار کی) سرگوشیاں تو شیطان کی طرف سے ہیں تاکہ وہ غمزہ کر دے ایمان والوں کو حالانکہ وہ انہیں کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکتا اللہ کے حکم کے بغیر اور اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہئے اہل ایمان کو۔

اسلام ایسے تمام امور کو ممنوع قرار دیتا ہے جو انسانوں کے درمیان باہمی انتشار و اختلاف اور منافرت کا باعث ہو سکتے ہیں مثلاً ظن و گمان پر کوئی رائے قائم کر لینا، کسی کی غیبت کرنا، کسی کا مذاق اڑانا، کسی پر الزام تراشی کرنا حتیٰ کہ کسی کا کوئی ایسا نام رکھ دینا جو اسے ناگوار ہو۔ یہ اور ان جیسی تمام باتیں جن لوگوں میں عام ہو جائیں انہیں کبھی سکون و اطمینان کی زندگی میسر نہیں آسکتی۔ اسی قسم کی ایک بری عادت نجوی ہے۔ جس سے متعلق آیت مذکورہ میں اہل ایمان کو خصوصی خطاب کے ساتھ حکم دیا جا رہا ہے۔ آئیے ان آیات پر غور کریں جن میں نجوی کا ذکر ہے۔

### نجوی

نجوی کے لغوی معنی کسی چیز کو خالص کر لینا اور علیحدہ یا منفرد کر لینا ہے۔ کسی مجلس میں دو آدمیوں کا اس طرح گفتگو کرنا کہ دوسرے لوگ ان کی بات نہ سنیں نجوی کہلاتا ہے۔ جسے خفیہ مشورہ بھی کہا جاسکتا ہے یا سرگوشی کرنا کہتے ہیں۔ اگرچہ مطلقاً یہ جائز ہے لیکن بعض صورتوں میں ممنوع ہے۔

نجوی اگر دوسروں کو تکلیف پہنچانے اور ذاتی اغراض کی تکمیل کے لئے ہو تو اس کے لئے قرآن کریم کا ارشاد ہے۔ سورہ النساء میں ہے: ”لَا خَيْرَ فِي كَثِيرٍ مِّنْ نَّجْوَاهُمْ“ ان کی اکثر سرگوشیوں میں کوئی بھلائی نہیں (کیونکہ وہ نیکیوں کے لئے نہیں)۔ ”إِلَّا مَن أَمَرَ بِصَدَقَةٍ أَوْ مَعْرُوفٍ أَوْ إِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ“ ہاں جس خفیہ مشورے کا مقصد صدقہ و خیرات یا لوگوں کی بھلائی کے پروگرام بنانا ہو یا عوام میں موجود کسی اختلاف کو دور کرانے کی تدبیر تلاش کرنی ہوں۔ ایسا نجوی نہایت ہی بابرکت ہوتا ہے۔ شریعت نہ صرف اس کی اجازت دیتی ہے بلکہ قرآن کریم اس پر اجر عظیم کا مژدہ سناتا ہے۔ ”وَمَن يَفْعَلْ ذَلِكَ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا“ جو اللہ کی رضا کے لئے یہ کام کرے گا تو ہم اسے اجر عظیم عطا فرمائیں گے۔

کبھی نجوی کا مقصد محض لوگوں میں بدگمانیاں پیدا کرنا نہیں ذہنی انتشار میں مبتلا کرنا یا خوف و ہراس پھیلانا ہوتا ہے۔ جیسا کہ منافقین و مشرکین یہود و نصاریٰ کیا کرتے تھے کہ جب بھی وہ کسی مسلمان کو آتا دیکھتے یا مسلمانوں کی محفلوں میں شریک ہوتے تو آپس میں سرگوشیاں کرنے لگتے تاکہ مسلمان ذہنی انتشار میں مبتلا ہوں اور انہیں یہ وہم ہو کہ یہ لوگ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام، اسلام یا مسلمانوں کے خلاف کوئی سازش کر رہے ہیں۔ مسلمانوں کو اپنے دشمنوں کی اس حرکت سے بے حد رنج و الم ہوتا تھا اور ان کے ذہنوں میں طرح طرح کے خیالات آتے رہتے تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے منافقین و یہود کو ایسا کرنے سے منع بھی فرمایا لیکن وہ کہاں باز آنے والے تھے۔ سورہ مجادلہ کی آیت نمبر ۷، ۸ میں اسی کیفیت کو بیان کیا ہے۔ فرمایا گیا:

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۖ مَا يَكُونُ مِنْ نَّجْوَى ثَلَاثَةٍ إِلَّا هُوَ سَامِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ إِلَّا هُوَ سَامِعُهُمْ وَلَا أَكْثَرٍ إِلَّا هُوَ مَعَهُمْ  
أَيُّنَ مَا كَانُوا ۚ ثُمَّ يَنْتَبِهُهُمْ بِمَا عَمِلُوا يَوْمَ الْقِيَمَةِ ۚ إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝

(مجادلہ: ۷)

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ یقیناً اللہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے نہیں ہوتی کوئی سرگوشی



تین آدمیوں میں مگر وہ (اللہ) ان کا چوتھا ہوتا ہے اور نہ پانچ میں مگر وہ (اللہ) ان کا چھٹا ہوتا ہے اور نہ اس سے کم میں اور نہ زیادہ میں مگر وہ ان کے ساتھ ہوتا ہے جہاں کہیں بھی وہ ہوں پھر وہ انہیں بتائے گا جو وہ کرتے رہے قیامت کے دن بیشک اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔

کیا سرگوشیاں کرنے والے اس حقیقت کو نہیں تسلیم کرتے کہ وہ اللہ سے کوئی چیز نہیں چھپا سکتے کہ وہ زمین و آسمان کی ہر چیز کا جاننے والا ہے۔ پس اگر کوئی تین آدمی سرگوشی کرتے ہیں تو انہیں یقین رکھنا چاہئے کہ وہاں چوتھا اللہ ہے اور اگر پانچ آدمی سرگوشی کر رہے ہیں تو چھٹا سننے والا اللہ ہے۔ اسی طرح خفیہ باتیں کرنے والے کم ہوں یا زیادہ اور کہیں بھی ہوں۔ اللہ موجود ہے ان کی باتوں اور سازشوں کو جانتا ہے اور ایک دن انہیں اپنے خفیہ ارادوں کا پتہ بھی چلے گا اور انجام بھی معلوم ہوگا۔ یہ دن قیامت کا دن ہوگا۔ اس حقیقت کے باوجود بھی یہود و منافقین اپنی حرکتوں سے باز نہیں آئے۔ ”أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ نُهُوا عَنِ النَّجْوَىٰ“ ان لوگوں کو دیکھو جنہیں سرگوشیوں سے منع کیا گیا۔ ”ثُمَّ يَعُودُونَ لِمَا نُهَوْا عَنْهُ“ پھر بھی وہ باز نہیں آتے۔ ”وَيَسْتَجُونَ بِالْأَلْثَمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَغْصِبِ الرَّسُولِ“ اور وہ سرگوشیاں کرتے ہیں۔ گناہ، ظلم اور رسول کی نافرمانی کے بارے میں اور یہ اس قدر گستاخ ہیں۔ ”وَإِذَا جَاءَ وَكَ حَيَّوْكَ بِمَا لَمْ يُحَيِّكَ بِهِ اللَّهُ“ کہ جب (اے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام) یہ آپ کے دربار میں حاضر ہوتے ہیں تو اللہ کے مقررہ کردہ طریقہ کے مطابق آپ کو سلام تک عرض نہیں کرتے۔

یہودیوں کی گستاخی کا یہ حال تھا کہ جب وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار عالی میں حاضر ہوتے تھے تو معروف اور شرعی طریقہ کے مطابق سلام تک نہ کرتے تھے بلکہ ”السَّامُ عَلَيْكَ“ کہتے تھے، ”السَّامُ“ کے معنی ہیں موت جبکہ السلام کے معنی ہیں سلامتی و عافیت اور وہ یہ لفظ اس طرح بولا کرتے تھے کہ عام طور پر سننے والوں کو اس کا اندازہ بھی نہ ہو پاتا تھا۔ ایک مرتبہ چند یہودی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے ”السَّامُ عَلَيْكَ يَا أَبَا الْقَاسِمِ“ کہا آپ ﷺ نے حسب معمول فرمایا ”وَعَلَيْكُمْ“ یعنی جو تم میرے لئے کہتے ہو وہی تمہارے لئے ہے۔ یہاں ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی موجود تھیں۔ آپ سے نہ رہا گیا اور فرمایا: ”السَّامُ عَلَيْكُمْ وَلَعَنَكُمُ اللَّهُ وَغَضَبَ عَلَيْكُمْ“ موت تمہیں آئے تم پر اللہ کی لعنت اور اللہ کا غضب ہو۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ”مهلاً يا غَائِشَةُ، عَلَيْكَ بِالرَّفْقِ، وَإِيَّاكَ وَالْعَنْفَ وَالْفَحْشَ“ اے عائشہ چھوڑو، نرمی سے پیش آؤ اور بدکلامی نہ کرو۔ ام المؤمنین نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے غور نہیں فرمایا کہ ان لوگوں نے کیا کہا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا میں نے سنا اور جواب میں کہا ”وَعَلَيْكُمْ“ جب ایک لفظ سے ہی مقصد پورا ہو گیا تو بدکلامی کی کیا ضرورت ہے۔

بہر حال یہودی گستاخ ہی نہ تھے بلکہ اپنی گستاخیوں پر اتنے جری تھے ”وَيَقُولُونَ فِيْٓ أَنْفُسِهِمْ“ کہ آپس میں کہا کرتے تھے کہ اگر یہ سچے رسول ہیں۔ ”لَوْلَا يُعَذِّبُنَا اللَّهُ بِمَا نَقُولُ“ تو ہماری اتنی گستاخیوں کے باوجود اللہ ہم پر عذاب نازل کیوں نہیں فرماتا۔ اللہ فرماتا ہے: ”حَسْبُكُم جَهَنَّمُ ۖ يَصْلُونَهَا ۖ فَيَنْسِفُ الْمَصِيرُ“ انہیں جہنم کافی ہے وہ اس میں داخل ہوں گے اور وہ بہت ہی برا ٹھکانہ ہے (اس سے بڑا عذاب اور کیا ہو سکتا ہے۔)

رسول کی گستاخی ایسا بدترین جرم ہے جس کے لئے اس دنیا میں کوئی سزا کافی نہیں ہو سکتی۔ ان مجرموں کا ٹھکانہ جہنم ہی ہو سکتا ہے۔ جو بدترین ٹھکانہ ہے اللہ ہر مومن کو اس جرم سے محفوظ رکھے۔

نبوی سے متعلق حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ”إِذَا كُنْتُمْ ثَلَاثَةً“ جب کسی جگہ تین آدمی جمع ہوں۔ ”فَلَا يَتَنَا جَارٌ جُلَانِ دُونَ الْآخِرِ“ تو دو آدمی تیسرے سے علیحدہ ہو کر سرگوشی نہ کریں۔ ”حَتَّى يَخْتَلِطُوا بِالنَّاسِ“ جب تک کچھ اور لوگ جمع نہ ہو جائیں۔ ”فَإِنَّ ذَلِكَ يُخْزِيهِ“ کیونکہ اس سے اس (تیسرے) کی دل شکنی ہوگی۔

آقائے رحمت ﷺ کے اس ارشاد سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ آپ کو مسلمانوں کا باہمی میل و محبت کس قدر مطلوب ہے کہ آپ کوئی ایسا معمولی سا بھی عمل پسند نہیں فرماتے جس سے مسلمان بھائی کی دل شکنی یا دل آزاری کا امکان ہو۔ سرگوشی کی یہ صورت کہ تین افراد ایک ساتھ ہوں اور ایک کو چھوڑ کر دو آپس میں سرگوشی کرنے لگیں، ممنوع قرار دی گئی۔ صرف اس لئے کہ اس سے تیسرے بھائی کی دل آزاری کا امکان ہے۔ بایں صورت کہ وہ خیال کر سکتا ہے کہ ان دونوں نے مجھے اپنا نہ سمجھایا اسے بدگمانی ہو سکتی ہے کہ یہ دونوں میرے خلاف کوئی سازش کر رہے ہیں۔ گویا ایک معمولی سی سرگوشی اس مسلمان بھائی کو دو ساتھیوں سے، دو دوستوں سے، یا دو عزیزوں سے بہت دور کر سکتی ہیں۔ پس اس نبوی یا اس جیسے نبوی کو ممنوع قرار دیا گیا۔ اسی قسم کے نبوی کو قرآن کریم، ائمہ، عدوان اور معصیت الرسول قرار دیتا ہے اور اہل ایمان کو خصوصی طور پر خطاب کرتے ہوئے اس سے منع فرماتا ہے۔ ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَنَاجَيْتُمْ“ اے ایمان والو! جب تم سرگوشی کرو تو خیال رکھنا کہ ”فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَةِ الرَّسُولِ“ ائمہ، عدوان اور رسول کی نافرمانی کے لئے سرگوشی نہ کرو۔

نبوی بالاثم، یعنی وہ تمام خفیہ مشورے اور سرگوشیاں جو ذاتی طور پر خود گناہ کرنے کے لئے کئے جائیں یا معاشرے میں گناہوں اور برائیوں کو پھیلانے اور عام کرنے کے لئے کئے جائیں۔ یہاں یہ ملحوظ رہے کہ خود گناہ کرنے سے بدتر گناہ، معاشرے میں گناہ اور برائیوں کا پھیلانا ہے مثلاً اپنی محفل میں مسلم یا غیر مسلم مہمانوں کے لئے شراب کا انتظام کرنا یا شراب کا کاروبار کرنا یہی حال تمام ممنوعات اور برائیوں کا ہے۔

نبوی بالعدوان یعنی کسی پر ظلم کرنے کی تدابیر کے لئے خفیہ مشورہ اور سرگوشی کرنا اس میں چوری، ڈاکہ، کسی کا مال غصب کرنا، کسی کو دھوکا دینا وغیرہ سب ہی شامل ہیں۔

معصیت رسول کے لئے خفیہ مشورے کرنا یا سرگوشی کرنا یعنی حضور نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے احکام سے بغاوت کرنے کے لئے یا ایسے قوانین مرتب کرنے کے لئے جو آپ کے احکام کے خلاف ہوں مشورے کرنا بھی حرام قرار دیا گیا ہے۔ جس کو خصوصیت سے بیان کیا گیا کیونکہ دین اطاعت رسول ہی کا نام ہے اور اگر مومن زندگی کے کسی شعبہ میں بھی رسول سے بغاوت کا مرتکب ہو جائے تو اس کی دینداری کا دعویٰ محض دعویٰ ہی ہو کر رہ جاتا ہے۔

اے ایمان والو! تم یہود و نصاریٰ، منافقین اور فساق و فجار کی طرح گناہ، ظلم اور اپنے آپ کا نافرمانی کے

لئے کبھی مشورے نہ کرنا تمہارے لئے تو ایسی محافل میں بھی شریک ہونا جائز نہیں جہاں بدکاریوں اور برائیوں کے منصوبے بنائے جا رہے ہوں۔ بحیثیت مومن تمہاری ذمہ داری امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے۔ لہذا ایسی ذمہ داری کو پورا کرنے پر غور کرتے رہا کرو۔ ”وَتَنَا جَوَابًا بِالْبِرِّ وَالتَّقْوَى“ نیکی اور تقویٰ کے متعلق مشورے کیا کرو آپس میں جب مل کر بیٹھو اپنے گھریلو حالات کی اصلاح پر غور کرو۔ اپنے پڑوس، اپنے شہر اور اپنے ملک میں نیکیاں پھیلانے اور لوگوں کو نیک بنانے کی تدابیر پر غور کرو۔ اپنے معاشرے سے برائیوں کو مٹانے اور اسے پرسکون بنانے کے منصوبے بنایا کرو۔ تمہیں اس اللہ رب العزت جل مجدہ سے ہر لمحہ ڈرتے رہنا چاہئے۔ جس کے دربار میں ایک دن ضرور حاضر ہونا ہے۔ پس اس چند روزہ زندگی میں کوشش کرو کہ تم رب ذوالجلال والا کرام کے دربار میں مجرموں کی طرح نہیں بلکہ محبوبین، مقربین اور صالحین کی طرح حاضر ہو۔

اے ایمان والو! جو لوگ تمہارے خلاف سازشیں کرتے ہیں تمہیں اور تمہارے دین کو نقصان پہنچانے کے منصوبے تیار کرتے رہتے ہیں تم ان کی پرواہ ہرگز نہ کرو۔ ان سے ہرگز خوفزدہ نہ ہو ان کا نجویٰ تو شیطانی نجویٰ ہے۔ محض اس لئے کہ وہ تمہیں رنج و الم میں مبتلا رکھیں اس کے علاوہ کوئی مقصد نہیں۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ ”لَيْسَ بِضَارِهِمْ شَيْئًا إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ“ کہ اذن الہی کے بغیر اہل ایمان کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ ”وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ“ تو اہل ایمان کو صرف اللہ ہی پر توکل اور بھروسہ کرنا چاہئے۔

قرآن کریم کے اس ارشاد کے مطابق اگر ہم اپنے ماحول پر غور کریں تو ہم اس حقیقت کو موجود پائیں گے کہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشوں اور منصوبہ بندیوں کے لئے دشمنوں نے کتنے ادارے قائم کئے ہوئے ہیں اور کیسی کیسی نئی تدابیر اختیار کر رکھی ہیں۔ جن کا مقصد سوائے اس کے کچھ نہیں کہ ”لِيَحْزُنَ الَّذِينَ آمَنُوا“ کہ وہ صرف اہل ایمان کو حزن و ملال میں مبتلا رکھنا چاہتے ہیں تاکہ وہ خوفزدہ رہیں اور اپنے دینی و مذہبی وقار کو داؤ پر لگا کر مکار دشمن کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑے رہیں اور ایسا ہی ہو رہا ہے کیونکہ ہم مومن ہونے کے باوجود اس حقیقت کو بھول گئے کہ ”لَيْسَ بِضَارِهِمْ شَيْئًا إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ“ کہ اللہ کے اذن کے بغیر کوئی ہمارا بال بھی بیکا نہیں کر سکتا۔ اور اگر ہم اللہ کے حکم کے مطابق اللہ پر توکل کرتے ہوئے اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرتے رہیں تو اللہ کسی کو ہم پر غالب آنے، ہمارا نقصان کرنے کی اجازت نہیں دے سکتا کیونکہ اس کا وعدہ ہے۔ ”وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ“ جو اللہ پر بھروسہ کر لیتا ہے اللہ اس کے لئے کافی ہو جاتا ہے۔

”تَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ“ کے فوائد، اہل ایمان کے لئے نصرت الہی، اہل ایمان کے لئے فتح و کامرانی وغیرہ پر تفصیلی گفتگو گزشتہ اوراق پر ہو چکی ہے جس کا اعادہ کئے بغیر بس اتنا عرض کر دینا کافی ہوگا کہ قرآن کریم کے احکام حالات کے ساتھ بدلتے نہیں بلکہ ان کی تعمیل حالات کو بدل دیتی ہے۔ پس آج ہم جن حالات میں مبتلا ہیں وہ احکام الہی سے روگردانی اور اغراض کے سبب پیدا ہوئے ہیں اور ان سے نجات کا واحد ذریعہ حقائق کو تسلیم کر لینا ہے اللہ و رسول کے عطا کردہ نظام کو اختیار کر لینا ہے۔ اللہ ہمیں کمال ایمان عطا فرمائے، آمین۔

وَصَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَى خَيْرِ خَلْقِهِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ۔



## مقالہ ۷۷

### المجادلہ: ۱۱

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قِيلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوا فِي الْمَجَالِسِ فَافْسَحُوا يَفْسَحِ اللَّهُ لَكُمْ ۚ وَإِذَا قِيلَ انشُرُوا فَانْشُرُوا يَرْفَعِ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ ۚ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ ۚ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ۝

(المجادلہ: ۱۱)

اے ایمان والو! جب تمہیں کہا جائے کہ (آنے والوں کے لئے) جگہ کشادہ کر دو مجلس میں تو کشادہ کر دیا کرو اللہ تمہاری لئے کشادگی فرمائے گا اور جب کہا جائے کہ اٹھ کھڑے ہو تو اٹھ کھڑے ہو اور اللہ تعالیٰ ان کے جو تم میں سے ایمان لائے ہیں اور جن کو علم دیا گیا ہے درجات بلند فرما دے گا اور اللہ تعالیٰ جو تم کرتے ہو اس سے خوب آگاہ ہے۔

ہر مجلس و محفل کے کچھ آداب، قواعد و ضوابط ہوا کرتے ہیں جن کا ملحوظ رکھنا اور ان کی پابندی کرنا اہل مجلس اور شرکاء محفل کے مہذب ہونے کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ اسلام وہ دین متین ہے جو ضابطہ اخلاق و آداب کو نہایت اہمیت دیا ہے اور

اپنے ماننے والوں کو ایسی مہذب ترین قوم بنانا چاہتا ہے کہ وہ انسانیت کے لئے تہذیب و تمدن کا نمونہ بن سکیں۔ لوگ انہیں دیکھ کر اپنے آپ کو سدھاریں۔ ان کے عمل سے ان کے مذہب کی عظمت و حقانیت کو تسلیم کیا جاسکے کہ مسلمان کی تو شان ہی یہ ہے کہ وہ اپنے قول و عمل سے ممتاز نظر آئے اور دیکھنے والے اس کے سامنے اپنی نظریں جھکا لیں۔ اس کے ایسے گرویدہ ہو جائیں کہ اس جیسا بننا اپنے لئے ایک اعزاز سمجھنے لگیں۔

### آدابِ مجلس

مجلس کے آداب کی اہمیت کا اندازہ کرنے کے لئے یہی کافی ہے کہ اللہ رب العزت جل مجدہ نے اہل ایمان کو خصوصی خطاب سے نواز کر آدابِ مجلس کا حکم دیا۔ آیت زیر گفتگو میں اس عنوان سے متعلق دو حکم دیئے گئے ہیں: تَفْسُحْ یعنی جگہ کشادہ کرو اور نَشُوزْ یعنی اٹھ کھڑا ہونا۔

اے ایمان والو! ”إِذَا قِيلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوا فِي الْمَجَالِسِ فَافْسَحُوا“ جب تم سے مجلس میں جگہ کشادہ کرنے کے لئے کہا جائے تو کہنے والے کی بات مانو اور جگہ کشادہ کر دو۔ اللہ اپنے فضل و کرم سے احکام کی تعمیل کرنے والوں کو ضرور اجر عطا فرماتا ہے۔ لہذا تم اس حکم کی تعمیل پر بھی مستحق اجر ہو گے اور اجر یہ ملے گا کہ ”يَفْسَحِ اللَّهُ لَكُمْ“ کہ اللہ تمہارے لئے کشادگی فرمادے گا۔

ارشاد باری تعالیٰ کا مفہوم یہ ہے کہ جب کسی محفل یا مجلس میں شرکاء کی کثرت ہو اور منتظمین، حاضرین سے دوسروں کو جگہ دینے کی اپیل کریں تو انہیں چاہئے کہ وہ اپنی جگہ سے ہٹیں ایک دوسرے سے قریب ہوں اور اپنے بھائیوں کے لئے جگہ کریں کیونکہ یہ اسلامی اخوت، بھائی چارے کا تقاضا ہے کہ جو لوگ آرام سے بیٹھے ہیں وہ تکلیف میں کھڑے ہونے والوں کو بھی اپنے آرام میں شریک کریں چاہے انہیں اس ایثار کے لئے خود قدرے تکلیف اٹھانا پڑے۔

یہ حکم ان لوگوں کے لئے نہایت ہی قابل غور ہے جو مجلسوں میں یا مسجدوں میں نہایت آرام سے پھیل کر یاد یوار سے ٹیک لگا کر بیٹھنے کے عادی ہوتے ہیں وہ اپنے بھائیوں کو کھڑا دیکھتے ہیں یا جگہ تلاش کرتا دیکھتے ہیں۔ منتظمین کی بار بار اپیل بھی سنتے ہیں لیکن اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہیں ہوتے۔ منتظمین کتنا ہی چیختے رہیں لوگ ان کو پھلانگ، پھلانگ کر جگہ تلاش کرتے رہیں انہیں قطعاً احساس نہیں ہوتا۔ ایسے لوگوں کو سوچنا چاہئے کہ وہ اگر کسی جلسہ میں یا مسجد میں اللہ و رسول کے نام پر حاضر ہوئے ہیں تو آدابِ مجلس کی تعلیم بھی اللہ و رسول نے ہی دی ہے۔ اس پر عمل کرنا تمام حاضرین مجلس کی ذمہ داری ہے۔

تَفْسُحْ، مجلس میں دوسروں کے لئے جگہ کرنا بظاہر ایک معمولی عمل معلوم ہوتا ہے لیکن اس حکم کی تعمیل کرنے والوں کے لئے قرآن کریم جس اجر کا اعلان فرما رہا ہے۔ اس سے آپ اس کی اہمیت کا اندازہ بخوبی کر سکتے ہیں۔ ”يَفْسَحِ اللَّهُ لَكُمْ“ کہ تم اللہ کے بندوں کے لئے کشادگی کرو گے تو اللہ تمہارے لئے کشادگی کرے گا۔

اللہ اکبر، ہمارے پاس کشادگی کرنے کے لئے ہے ہی کیا جو ہم کشادگی کریں گے۔ تھوڑی سی جگہ تھی جو ہم نے اللہ کے کسی بندے کو یا اپنے کسی بھائی کو دے دی۔ کریم کو ہمارا یہ معمولی سا عمل ایسا بھایا کہ اس نے ہم سے کشادگی کا وعدہ فرمایا۔

یہ کشادگی کیا ہوگی، کیسے ہوگی، اس کا اندازہ تو جب لگایا جاسکتا ہے جب وعدہ فرمانے والے کے خزانوں کا اندازہ ہو۔ جو ہمارے بس میں نہیں۔ پس ہمیں چاہئے کہ ہم رب کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے اپنے بھائیوں کے لئے کشادگی کریں اور اس سے ہر قسم کی کشادگی کی بھیک مانگیں۔ وہ دنیا میں بھی ہم پر کشادگی فرمائے گا اور آخرت میں بھی۔ ”يَفْسَحُ اللَّهُ لَكُمْ“ کا وعدہ عام ہے تو اس کو عام ہی جانئے جان، مال، اولاد، علم، عمل، عزت، شہرت غرضیکہ ہر چیز میں کشادگی کی امید رکھئے کہ جیسی امید ہو گی ویسا ہی کرم ہوگا۔ بس اتنا یاد رکھئے کہ یہ وعدہ وہ کر رہا ہے جس کی شان ہے ”تَرْزُقُ مَنْ تَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ“۔

اے ایمان والو! ”وَإِذَا قِيلَ انشُزُوا فَانْشُزُوا“ اور جب کہا جائے کہ اٹھ کھڑے ہو تو اٹھ کھڑے ہو اور یعنی جب منتظمین کی طرف سے حاضرین کو کھڑے ہونے کو کہا جائے تو انہیں ان کی بات ماننا چاہئے اور کھڑا ہو جانا چاہئے۔ بایں صورت کہ منتظمین کچھ خاص لوگوں کو آگے بلانا ضروری سمجھیں اور آگے بیٹھے لوگوں کو پیچھے جانے کے لئے کہیں یا کسی معزز شخصیت کی آمد پر لوگوں سے احترام و استقبال کے لئے کھڑے ہونے کو کہا جائے یا محفل کے اختتام پر صلوٰۃ و سلام پیش کرنے کے لئے کھڑے ہونے کو کہا جائے یا کوئی بھی صورت ہو۔ بہر حال شرکاء محفل کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ آداب محفل کو ملحوظ رکھتے ہوئے نشوز یعنی کھڑے ہونے کی ہدایت پر عمل کریں۔ اس صورت میں کسی کو اپنی مرضی پر عمل کی اجازت نہیں کیونکہ نظم و نسق کا تقاضا یہی ہے کہ ایک محفل کے شرکاء جو کام کر رہے ہیں سب اس میں شریک ہوں۔ اللہ و رسول کی نظر میں وہ شخص مجرم قرار پائے گا اور عام لوگ ایسے شخص کو غیر مہذب اور بدتمیز کہیں گے جو محفل میں شریک بھی ہو اور سب سے علیحدہ اپنی مرضی کے مطابق عمل کرے کہ سب بیٹھے ہوں اور اسے بیٹھنے کے لئے جگہ دیں اور وہ کھڑا ہی رہے یا سب کھڑے ہوں اور وہ بیٹھا رہے جسے من مانی کرنی ہو اس کا کسی محفل میں شریک نہ ہونا ہی بہتر ہے تاکہ وہ لوگوں میں افتراق کا باعث نہ بنے۔

بعض لوگ یہ حرکت خصوصیت کے ساتھ اس وقت کرتے ہیں جب کسی عالم یا بزرگ کی آمد پر یا صلوٰۃ و سلام کے وقت شرکاء مجلس کھڑے ہوتے ہیں۔ یہ بیٹھے ہی رہتے ہیں اور جب ان سے کہا جائے کہ آپ بھی احتراماً اٹھ کھڑے ہوں تو وہ نہایت ڈھٹائی سے مسلمانوں کے اس مستحب و جائز عمل کو بدعت اور شرک قرار دینے لگتے ہیں اور ذرا سی دیر میں محفل کا سارا مزہ لڑائی جھگڑے کی نظر ہو جاتا ہے۔ اللہ ہدایت دے ایسے لوگوں کو کاش وہ سمجھ لیں کہ شرک و بدعت کسے کہتے ہیں یا کم از کم ان کو اتنی ہی عقل آجائے کہ وہ ایسی محفلوں میں شریک ہی نہ ہوں جہاں ان کے بقول شرک و بدعت کا عمل ہو رہا ہو تاکہ وہ مسلمانوں میں انتشار و افتراق پیدا کرنے اور ان کے درمیان لڑائی جھگڑے کا سبب نہ بنیں۔

اطاعتِ امیر

اگر ہم آیت مبارکہ پر مزید غور کریں تو اس سے ہمیں یہ ہدایت بھی مل رہی ہے کہ مجلس کے نظم و نسق کے لئے ضروری ہے کہ داعی مجلس کو امیر یا قائد تسلیم کیا جائے اور اس کی اطاعت کی جائے کہ وہ جب تَفْسُخ یا نَشُوز کا حکم دے تو اس کی تعمیل کی جائے۔ علاوہ ازیں محفل کی ضرورت کے مطابق منتظم محفل کے ہر حکم کی تعمیل آداب محفل ہی میں شامل ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اسلام اللہ و رسول ﷺ کی اطاعت و فرمانبرداری کے علاوہ اطاعتِ امیر کا حکم اسی لئے دیتا ہے

تاکہ امت مسلمہ زندگی کے ہر شعبہ میں نظم و نسق کی پابند رہے۔ ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اطِيعُوا اللَّهَ وَاطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ“ اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور حاکموں کی جو تم میں سے ہوں۔

یہ اولی الامر صرف وہ حکام نہیں جو انسان کے گڑھے ہوئے قوانین کے مطابق عوام پر مسلط ہوتے ہیں ان کی بھی اطاعت کی جائے لیکن صرف اس صورت میں جب یہ خود اللہ و رسول کے احکام کے پابند ہوں اور ان کا کوئی حکم قرآن و سنت کے خلاف نہ ہو۔ بصورت دیگر یہ اس لائق نہیں کہ عوام ان کو اپنا حاکم بھی تسلیم کریں کہ مسلمانوں کو اطاعت کا عادی تو بنایا جاتا ہے لیکن اس کا بنیادی اصول یہ ہے کہ ”لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِي مَعْصِيَةِ اللَّهِ“ جو احکام اللہ کے حکم کے خلاف ہوں وہ ہرگز قابل تسلیم نہیں ہوتے۔

اولی الامر ہر وہ شخص ہے جس پر کسی دوسرے کی کوئی ذمہ داری عائد ہو وہ پابند ہے کہ شریعت کے مطابق حکم دے اور ہر شخص پابند ہے کہ اس کے احکام کو تسلیم کرے۔ اس میں علماء، مشائخ، آئمہ، اساتذہ، والدین، شوہر سب ہی شامل ہیں۔ سب اولی الامر ہیں اور ان کی اطاعت لازمی قرار دی گئی ہے۔ ظاہر ہے جس قوم کے افراد، مذہبی، سیاسی، معاشی و معاشرتی امور میں انفرادی و اجتماعی طور پر اطاعت کے پابند ہوں گے وہ نظم و نسق کے اتنے عادی ہو جائیں گے کہ ان کی زندگی کے کسی شعبہ میں بد نظمی کا تصور تک نہیں کیا جاسکے گا اور اہل ایمان کی یہی کیفیت ہوتی ہے اور اسی سے مسلمانوں کا معاشرہ پرسکون اور پر لطف ہوتا ہے۔

بہر حال مجلس کے منتظم کے احکام کی تعمیل، آداب مجلس کا ایک حصہ ہے۔ جس کے بغیر مجلس کا نظم و نسق باقی نہیں رہ سکتا۔ پس جب امیر مجلس حاضرین کو تَفَسُّح کا حکم دے تو اس پر عمل کیا جائے اور جب نَشُوز کا حکم دے تو اس پر عمل کیا جائے اور جن لوگوں کو امیر مجلس کے احکام سے اختلاف ہو یا امیر مجلس پر اعتماد ہی نہ ہو۔ ان کے لئے مناسب ہے کہ وہ اس مجلس سے دور ہی رہیں تاکہ ان کی وجہ سے مسلمانوں میں اختلاف پیدا نہ ہونے پائے۔

اے ایمان والو! احکام شرع کی پابندی کر کے کمال ایمان حاصل کرو کہ جن لوگوں کا ایمان کامل ہوتا ہے اللہ ان کو رفعت و بلندی عطا فرماتا ہے۔ ”يَرْفَعُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ“ اس طرح کہ اللہ و رسول کی نظروں میں انہیں خاص مقام حاصل ہوتا ہے۔ ان کے چہرے ایسے نورانی اور پرکشش ہو جاتے ہیں کہ ہر شخص ان کا احترام کرتا ہے۔ ان کو مجلسوں میں خصوصی مقام دیا جاتا ہے۔ لوگ ان کے ہاتھ پیر چومنے لگتے ہیں۔ ان کے مطیع و فرمانبردار ہو جاتے ہیں اور جن لوگوں کو کمال ایمان کے ساتھ علم دین کی نعمت میسر ہوتی ہے۔ ان کا تو کہنا ہی کیا۔ ”وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ ذَرَجَاتٍ“ ان کے لئے درجے ہی درجے ہیں۔ پس ایسے لوگوں کا حق ہے کہ انہیں مجالس میں نمایاں مقام دیا جائے اور ان کے احترام کا خصوصی خیال رکھا جائے۔ جیسا کہ بحمد اللہ ہمارے معاشرے میں ہوتا بھی ہے۔

قرآن کریم کے اس ارشاد کے مطابق ہی ہمارے اسلاف کو رفعتیں اور بلندیاں نصیب ہوئیں۔ جس پر تاریخ گواہ ہے ان کے نورانی چہروں سے متاثر ہو کر بے شمار فساق و فجار نے توبہ کی۔ ان کی درد بھری آواز میں اللہ و رسول کے احکام سن کر

بے شمار کفار مشرف باسلام ہوئے۔ ان کے دربار میں امراء و حکام، شہنشاہ و سلاطین سر تسلیم خم کئے نظر آتے ہیں۔ ظالم و جابر ان کے سامنے کانپتے نظر آتے ہیں اور آج بھی جوان کے دامن سے وابستہ ہیں، جوان کے غلام ہیں انہیں جو رفعتیں اور بلندیاں نصیب ہیں ان کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ بے دینی و بد عملی کے اس اندوہناک دور میں بھی علماء و مشائخ اور صالحین کی عزت و عظمت، وعدہ الہی کی حقانیت کا ثبوت ہے وہ لوگ بڑے ہی خوش نصیب ہیں جو اللہ کے اس ارشاد کے مطابق صالحین کا احترام کرتے اور ان کے بلند درجات کو تسلیم کرتے ہیں۔

اے ایمان والو! نیک لوگوں کے دامن سے وابستہ ہوتا کہ تم بھی نیک بن جاؤ۔ بلند مرتبہ لوگوں کے ساتھ رہو تاکہ تم بھی بلند مرتبہ ہو جاؤ۔ اہل علم کی صحبت اختیار کرو تاکہ تمہارے دل بھی نورِ علم سے روشن ہو جائیں۔ اہل عمل کے ساتھ رہا کرو تاکہ تمہیں بھی صالحیت نصیب ہو جائے۔ اولی الامر کی اطاعت کرو گے تو اولی الامر بن جاؤ گے۔ دوسروں کا احترام کرو گے تو محترم ہو جاؤ گے، اللہ توفیق عمل دے۔

### دیگر آدابِ مجلس

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بتایا کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ”لَا يُقِيمُ الرَّجُلُ الرَّجُلَ مِنَ مَجْلِسِهِ ثُمَّ يَجْلِسُ فِيهِ“ تم میں سے کوئی کسی کو اٹھا کر اس کی جگہ نہ بیٹھے۔ ”وَلَكِنْ تَفْسَحُوا وَتَوَسَّعُوا“ ہاں جگہ نکال دو اور جگہ دے دو (تاکہ تمہارا کوئی بھائی کھڑا نہ رہے)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ”مَنْ قَامَ مِنْ مَجْلِسِهِ ثُمَّ رَجَعَ إِلَيْهِ فَهُوَ أَحَقُّ بِهِ“ جب کوئی شخص اپنی جگہ چھوڑ کر کسی ضرورت کے لئے چلا جائے اور پھر واپس آئے تو وہی اس جگہ کا زیادہ مستحق ہے۔

آج کل لوگ اپنی جگہ کی حفاظت کے لئے اپنا رومال وغیرہ رکھ کر جاتے ہیں پھر بھی واپسی پر ان کی جگہ پر کوئی دوسرا قبضہ کر لیتا ہے اور قبضہ کرنے والا اپنی اس حرکت کو اپنا حق قرار دیتا ہے اور نوبت لڑائی تک پہنچ جاتی ہے۔ کاش ہم اپنے آقا معلم کامل ﷺ کے ارشادات کو جانیں اور ان پر عمل کریں تو ایسے بی شمار اختلافات خود بخود ختم ہو جائیں جو صرف ہماری جہالت کے سبب پیدا ہوتے ہیں۔

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ جب ہم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار میں حاضر ہوتے تھے تو ”جَلَسَ أَحَدُنَا حَيْثُ يَنْتَهِي“ تو ہم میں سے ہر ایک جہاں جگہ پاتا بیٹھ جاتا تھا یعنی نہ تو ہٹا اور نہ بچو کا شور ہوتا تھا نہ کوئی اپنے مرتبہ و منصب کے مظاہرے کے لئے گردنیں پھلانگتا آگے پہنچنے کی کوشش کرتا تھا۔ ہاں اگر کسی کو کوئی خاص اہمیت یا ضرورت ہوتی تھی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خود ہی اسے اپنے قریب پہنچنے کا شرف بخشتے تھے۔ جیسا کہ خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم کو اور بعض دیگر صحابہ کرام کو اکثر یہ اعزاز حاصل ہوا کرتا تھا۔ جس کا مقصد دیگر صحابہ کرام پر ان کی فضیلت کو ظاہر کرنا ہونا تھا نیز اس طرح ان حضرات سے بوقت ضرورت آپ کو مشورہ کرنے میں بھی سہولت ہوتی تھی۔



حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ”مَنْ تَخَطَّى رِقَابَ النَّاسِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ اتَّخَذَ جَسْرًا إِلَىٰ جَهَنَّمَ“ جس نے جمعہ کے دن لوگوں کی گردنوں کو پھلانگادہ جہنمیوں کے لئے پل بنا دیا گیا۔ محدثین کرام نے صراحت کی ہے کہ جمعہ کے دن گردنیں پھلانگنے والے کے لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ وعید صرف اس خصوصیت کی بناء پر ہے کہ کثرت اثر دہام کے باعث اکثر لوگ جمعہ ہی کی نماز کے لئے گردنیں پھلانگ کر اگلی صفوں میں پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں حالانکہ یہ عمل ہر نماز اور ہر مجلس کے لئے مذموم اور برا ہے۔ بعد میں آنے والوں کو گردنیں پھلانگنے سے بچنے کے لئے انتظار کرنا چاہئے کہ لوگ خود ہی آگے بڑھ جائیں اور ان کے لئے جگہ ہو جائے اور مسجد میں یا کسی بھی مجلس میں پہلے پہنچ جانے والوں کو بیٹھتے وقت ہی یہ خیال کرنا چاہئے کہ ان کے بعد آنے والوں کو پریشانی نہ ہو۔ مسجدوں میں تو اگلی صفوں کو پہلے پر کرنا چاہئے ویسے بھی اگلی صف میں بیٹھنے یا کھڑے ہونے کا ثواب زیادہ ہے اور عام محفلوں میں اس طرح بیٹھنا چاہئے کہ یا تو آگے بیٹھا جائے اور یا بعد میں آنے والوں کے لئے راستہ چھوڑا جائے تاکہ انہیں تکلیف بھی نہ ہو اور وہ گردنیں پھلانگنے کے گناہ کے بھی مرتکب نہ ہوں۔ قابل غور ہے کہ معلم کامل ﷺ کو ہم غلاموں کی بہترین تربیت کا کس قدر احساس ہے۔ ﷺ

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ”لَا يَحِلُّ لِرَجُلٍ بَانٍ يُفَرِّقُ بَيْنَ اثْنَيْنِ إِلَّا بِإِذْنِهِمَا“ کسی کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ دو آدمیوں کے درمیان ان کی اجازت کے بغیر گھس کر بیٹھ جائے۔ اکثر دیکھا جاتا ہے کہ صفوں میں یا دیگر مجالس میں دو بھائی، دو عزیز یا دو دوست مل کر بیٹھے ہوتے ہیں۔ اس میں کوئی مضائقہ نہیں اللہ کو اپنے بندوں کی یہ محبت پسند ہے۔ اسی لئے معلم کامل ﷺ نے ان دونوں کے درمیان عارضی اور وقتی تفریق کی ممانعت فرمائی۔ بایں صورت کہ کوئی ان کے درمیان گھس کر بیٹھ جائے۔ ہاں اگر درمیان میں جگہ خالی ہو تو ان دونوں سے اجازت لے لی جائے۔

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لائے ”وَأَصْحَابُهُ جُلُوسٌ“ اور صحابہ کرام بیٹھے ہوئے تھے۔ ”فَقَالَ مَا لِي أَرَاكُمْ عَزِيزِينَ“ کیا بات ہے۔ میں تمہیں علیحدہ علیحدہ بیٹھا دیکھ رہا ہوں یعنی یہ بھی مجلس کے آداب میں سے ہے کہ حاضرین قریب قریب بیٹھیں۔ ایک تو اس لئے کہ دوسرے لوگوں کو جگہ مل سکے۔ دوسرے اس لئے کہ مجلس میں سب ایک دوسرے سے محبت کرنے والے ایک دوسرے کے شناسا نظر آئیں کہ ایسی ہی محبت کرنے والی جماعت پر اللہ کی رحمت برتی ہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بتاتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ”خَيْرُ الْمَجَالِسِ أَوْسَعُهَا“ بہترین مجلس وہ ہے جو کشادہ و فراخ جگہ میں منعقد کی جائے یعنی مجلس منعقد کرنے والوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ حتیٰ الوسع اپنے مہمانوں کے آرام کا خیال رکھیں اور جتنے لوگوں کو مدعو کیا گیا ہے ان کا لحاظ رکھتے ہوئے جگہ کا بھی انتظام کریں یا جگہ کی وسعت کے مطابق لوگوں کو مدعو کریں تاکہ بد نظمی اور بد انتظامی کا مظاہرہ نہ ہو اور منتظمین کو بھی پریشانی نہ ہو۔

مجلس سے متعلق معلم کامل ﷺ کی اس تعلیم سے ہم ایک طرف تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیم و تربیت کے کمال کا اندازہ کر سکتے ہیں اور دوسری طرف ہم ناز کر سکتے ہیں اس حقیقت پر کہ بحمد اللہ ہم ایک ایسے دین کامل کے ماننے والے ہیں جو ہماری زندگی کا مکمل ضابطہ و نظام ہے جسے اپنا کر ہم یقیناً دیگر اقوام کے لئے انسانیت کا بہترین نمونہ پیش کر سکتے ہیں اور خود با عزت و پرسکون زندگی بسر کر سکتے ہیں۔ اللہ عمل کی توفیق دے، آمین

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی خَيْرِ خَلْقِهِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِهِ وَاَصْحَابِهِ اَجْمَعِينَ۔



## مقالہ ۷۸

### المجادلہ: ۱۲، ۱۳

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُولَ فَقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوِكُمْ صَدَقَةً ۚ  
 ذَٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَأَظْهَرُ ۚ فَإِنْ لَمْ تَجِدُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ عَا شَفَقْتُمْ أَنْ  
 تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوِكُمْ صَدَقْتُمْ ۚ فَإِذْ لَمْ تَفْعَلُوا وَتَابَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ فَأَقِيمُوا  
 الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَاطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ ۚ وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ۝

(المجادلہ: ۱۲، ۱۳)

اے ایمان والو! جب تنہائی میں بات کرنا چاہو رسول سے تو صدقہ پیش کیا کرو سرگوشی سے چپے ہر  
 تمہارے لئے بہتر ہے اور دلوں کو پاک کرنے والا ہے اور اگر تم (استطاعت) نہ پاؤ تو پیشاب اللہ بخشنے  
 والا، رحم فرمانے والا ہے کیا تم (اس حکم سے) ڈر گئے کہ تمہیں سرگوشی سے پہلے صدقہ دینا پابست نہیں  
 جب تم ایسا نہ کر سکتے تو اللہ نے تم پر نظر کرم فرمائی پس تم نماز ادا کیا کرو اور زکوٰۃ دیا کرو اور نماز پوری کر لی

کرد اللہ اور اس کے رسول کی اور اللہ جاننے والا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔

اللہ کے رسول ﷺ کی مجلس میں بسا اوقات ایسا ہوتا تھا کہ لوگ اپنی خفیہ باتیں آپ سے علیحدگی میں عرض کرنا چاہتے تھے۔ جس کے لئے وہ آپ ﷺ سے اجازت چاہتے اور آپ ازراہ کرم ان کو اجازت مرحمت فرماتے تو لوگ آپ ﷺ سے قریب ہو کر سرگوشی کے انداز میں باتیں کرتے لیکن یہ صورت حاضرین محفل پر بارگزرتی تھی۔ اس صورت حال کو مزید منافقین کی حرکت نے بگاڑ دیا تھا کہ وہ جان بوجھ کر صرف لوگوں کو تنگ کرنے کی غرض سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سرگوشی کی اجازت لیتے اور کافی، کافی دیر تک باتیں کرتے رہتے تھے۔ حاضرین محفل، سرکار ﷺ کی گفتگو سننے کے لئے بے چین ہوتے رہتے تھے۔ مجلس کا دورانیہ طویل ہو جاتا تھا لیکن پھر بھی لوگوں کو اپنی معروضات پیش کرنے کا موقع نہ ملتا تھا۔ خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طبع مبارک پر یہ کیفیت بارہوتی تھی لیکن آپ اپنے اخلاق کریمانہ کے باعث کسی کسی بات سننے سے انکار نہ فرماتے تھے۔

یہ صورت حال بآسانی یوں بھی ختم ہو سکتی تھی کہ وحی الہی کے ذریعہ اسے ممنوع قرار دے دیا جاتا یا خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ممانعت کا اعلان فرمادیتے لیکن اس طرح منافقین اور اسلام کے دشمنوں کو اعتراض کا موقع فراہم ہوتا اور پیکر اخلاق ﷺ کے خلق حسن کو داغدار کیا جاسکتا تھا۔ لہذا اللہ رب العزت جل مجدہ نے حکیمانہ انداز اختیار کرتے ہوئے اہل ایمان کو خصوصی طور پر حکم دیا: ”إِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُولَ فَقَدِمُوا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوَاكُمْ صَدَقَةٌ“ کہ اگر تم (ہمارے) رسول سے (خصوصی وقت لو اور) سرگوشی کرنا چاہو تو پہلے کچھ صدقہ پیش کر دو۔ ”ذَلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَأَطْهَرُ“ یہ تمہارے لئے بہتر ہے کہ اس طرح تمہیں خصوصی گفتگو کا موقع بھی مل جائے گا اور صدقہ کا ثواب بھی ہوگا اور یہ طریقہ دلوں کو پاک کرنے والا بھی ہے کہ اس سے پتہ چل جائے گا کہ کون مخلص ہے اور کون منافق ہے۔ ”فَإِنْ لَّمْ تَجِدُوا“ اگر کوئی صدقہ پیش کرنے کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو کوئی مضائقہ نہیں۔ ”فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ“ تو اللہ بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔

یہ حکم نازل ہوتے ہی منافقین نے تو طے کر لیا کہ وہ صدقہ دینے کی بجائے سرگوشی کا سلسلہ ہی ختم کر دیں گے اور اہل ایمان میں سے ابھی کسی کو ضرورت ہی پیش نہ آئی تھی۔ ہاں کچھ غریب صحابہ کو یہ خیال ضرور ہوا کہ اس حکم کی وجہ سے ہمیں تو کبھی اپنے آقا ﷺ سے تنہائی میں گفتگو کا موقع ہی میسر نہ آ سکے گا۔ اسی کیفیت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا: ”ءَ أَشْفَقْتُمْ أَنْ تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوَاكُمْ صَدَقَتٌ“ کیا تنہائی میں بات کرنے سے پہلے صدقہ پیش کرنے سے تم گھبرا گئے اور اس ارشاد کے فوراً بعد ہی اللہ کریم نے اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے غلاموں کی گھبراہٹ کو دور فرماتے ہوئے اس حکم کو منسوخ فرمادیا۔ فرمایا گیا: ”فَإِذَا لَمْ تَفْعَلُوا“ پس جب تم ایسا نہ کر سکو۔ ”وَتَابَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ“ تو اللہ نے تم پر نظر کرم فرمائی یعنی سرگوشی سے قبل صدقہ پیش کرنے کا حکم منسوخ فرمادیا۔ اب تم حسب معمول ”فَاقِيمُوا الصَّلَاةَ“ نماز ادا کرو۔ ”وَاتُوا الزَّكَاةَ“ اور زکوٰۃ ادا کیا کرو۔ ”وَاطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ“ اور (ہر معاملہ میں) اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرتے رہو اور یقین رکھو کہ ”وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ“ اللہ تمہارے کاموں کو جانتا ہے۔

صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ

نجوی سے پہلے صدقہ پیش کرنے کا حکم نازل ہوا اور منسوخ ہو گیا کسی صحابی کو اس حکم پر عمل کا موقع نہ مل سکا سوائے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کہ یہ حکم نازل ہوتے ہی آپ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں ایک دینار پیش کیا اور آپ ﷺ سے سرگوشی کا شرف حاصل کیا لیکن یہ خفیہ گفتگو کسی ذاتی عنوان پر نہ تھی بلکہ آپ نے نہایت اہم دس سوالات کئے اور ان کے جوابات حاصل کئے۔ حضرت صدر الافاضل مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ نے بحوالہ تفسیر مدارک اور خازن ان سوالات و جوابات کو بیان فرمایا ہے۔ آپ بھی استفادہ کیجئے۔

عرض کیا:	فرمایا:
وفا کیا ہے؟	توحید اور توحید کی شہادت دینا
فساد کیا ہے؟	کفر و شرک
حق کیا ہے؟	اسلام، قرآن اور ولایت، جب تجھے ملے
حیلہ (تدبیر) کیا ہے؟	ترک حیلہ (تدبیر چھوڑ دینا)
مجھ پر کیا لازم ہے؟	اللہ اور رسول کی اطاعت
اللہ سے کیسے دعا مانگوں؟	صدق و یقین کے ساتھ
کیا مانگوں؟	عافیت، ایک روایت میں عاقبت کا لفظ ہے
اپنی نجات کے لئے کیا کروں؟	حلال کھا اور سچ بول
سرور کیا ہے؟	جنت
راحت کیا ہے؟	اللہ کا دیدار۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنی اس انفرادیت و خصوصیت پر ناز تھا۔ وہ فرمایا کرتے تھے کہ قرآن کریم میں ایک آیت ایسی ہے جس پر میرے سوا کسی نے عمل نہیں کیا، نہ مجھ سے پہلے کسی نے عمل کیا اور نہ میرے بعد کوئی عمل کرے گا (کیونکہ اس کا حکم منسوخ ہو گیا)

بہر حال تقدیم صدقہ کے حکم میں جو مصلحت تھی وہ پوری ہو گئی کہ لوگوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بلا ضرورت سرگوشی کا سلسلہ ختم کر دیا۔

مسئلہ نسخ پر ایک نظر

یہاں ایک حکم منسوخ کا ذکر آیا ہے تو ہم چاہتے ہیں کہ مسئلہ نسخ پر بھی ایک نظر ڈالتے چلیں کہ اب تک اس کتاب میں ہم اس عنوان پر گفتگو نہیں کر سکے۔ اللہ جل مجدہ کا ارشاد ہے:

مَا نُنسخُ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِنْهَا أَوْ مِثْلَهَا أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿١٠٦﴾

(البقرہ: ۱۰۶)

جو آیت ہم منسوخ کر دیتے ہیں یا فراموش کر دیتے ہیں تو لاتے ہیں (دوسری) اس سے بہتر یا اس جیسی کیا تجھے علم نہیں کہ اللہ سب کچھ کر سکتا ہے۔

نسخ کے معنی ہیں زائل کرنا، باطل کرنا۔ تمام مفسرین امت کا اتفاق ہے کہ آیت مذکورہ میں نسخ سے مراد کسی حکم کا زائل کرنا ہے یعنی منسوخ کرنا۔ اسی لئے کتاب و سنت کی اصطلاح میں نسخ ایک حکم کے بجائے کوئی دوسرا حکم جاری کرنے کو کہا جاتا ہے۔ چاہے دوسرا حکم پہلے حکم کی نسبت آسان ہو یا دشوار چونکہ مسئلہ نسخ قرآن کریم سے ثابت ہے اور بعض احکام شرع کا بعض احکام سے منسوخ ہونا بھی قرآن کریم میں موجود ہے۔ لہذا اس کی کوئی تاویل کرنا یا اس کا انکار کرنا غیر ضروری اور کھلی گمراہی ہے۔ اس لئے سوائے معتزلہ کے کسی نے اس کا انکار نہیں کیا یا وہ لوگ انکار کرتے ہیں جو علوم قرآن سے نا بلند ہونے کے باوجود فہم قرآن کا دعویٰ کرتے ہیں اور اسلام کے وکیل بننے کے شوق میں اپنی جہالت کے سبب دشمنان اسلام کی بیساکھیاں بن جاتے ہیں۔ جبکہ مسئلہ نہ الجھا ہوا ہے نہ پیچیدہ ہو صرف سمجھنا شرط ہے۔ قرآن کریم نسخ کا بیان جس انداز سے کر رہا ہے اگر اسی پر غور کر لیا جائے تو اس کے انکار یا اس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

اولاً نسخ اور نسیھا کے الفاظ سے واضح کر دیا گیا کہ کسی آیت کو منسوخ کر دینے یا بھلا دینے کا اختیار صرف اسی مالک حقیقی کو ہے جو تمہیں احکام دیتا ہے۔ پس وہی اپنی عطا کردہ شریعت کو یا اس کے کسی حکم کو جب مناسب جانتا ہے زائل کر دیتا ہے چونکہ وہ تمہارے ارتقائی مرحلوں اور فطری تقاضوں سے واقف ہے۔ لہذا اس کے مطابق وہ تمہیں احکام دیتا رہتا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کی شریعت میں بھائی سے بہن کا نکاح حلال تھا جو نوح علیہ السلام کی شریعت سے منسوخ ہو گیا۔ حضرت نوح علیہ السلام کی شریعت میں سب چوپائے حلال تھے لیکن دین موسویٰ میں ان میں سے بہت سے حرام کر دیئے گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کے احکام سخت تھے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت سے منسوخ ہو گئے کہ شریعت عیسویٰ آسان ترین شریعت تھی اور نبی آخر الزماں ﷺ کی بعثت کے بعد تمام ادیان سابقہ کو منسوخ قرار دے کر بنی نوع انسان کو اس دین متین پر عمل کی دعوت دی گئی جو دین کامل ہے، جو دین فطرت ہے۔ اب چونکہ سلسلہ وحی و نبوت ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا۔ لہذا سلسلہ نسخ بھی ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا گیا۔ ”الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ“ کا اعلان اس حاکم حقیقی نے فرمایا ہے جو خوب جانتا ہے کہ اب جو احکام انسان کو دیئے جا چکے ہیں وہ اس کے لئے قیامت تک کے لئے کافی ہیں۔ اس کی فطرت کے عین مطابق ہیں۔ ہمیشہ ہمیشہ اس کی ضرورت کو پورا کرتے رہیں گے۔ پس اب دروازہ نبوت کے ساتھ، دروازہ نسخ بھی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بند ہو چکا لیکن بہر حال نزول وحی کے دور میں اس کے وقوع سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ علماء کرام نے اس کی معرفت اور اس کی تفصیلات کا جاننا اہل علم کے لئے لازمی قرار دیا ہے۔ مثلاً امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

مَعْرِفَةُ هَذَا الْبَابِ أَكِيدَةُ وَفَائِدَتُهُ عَظِيمَةٌ

باب نسخ کی معرفت نہایت ہی ضروری ہے اور اس کا فائدہ بہت ہے۔

وَلَا يُنْكِرُهُ إِلَّا الْجَهْلَةُ الْأَغْيَاءُ

اور بیوقوف جاہلوں کے علاوہ اس کا کوئی انکار نہیں کر سکتا۔

اسی مقام پر امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ بھی بیان فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ وہ مسجد میں تشریف لائے تو کوئی آدمی وعظ کہہ رہا تھا۔ آپ نے لوگوں سے پوچھا یہ کیا ہو رہا ہے۔ لوگوں نے بتایا یہ صاحب وعظ ونصیحت کر رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا نہیں یہ کوئی وعظ ونصیحت نہیں کر رہا بلکہ یہ بتانا چاہتا ہے کہ میں فلاں بن فلاں ہوں۔ مجھے پہچانو (یعنی لوگوں سے عزت و شہرت حاصل کرنے کے لئے یہ وعظ کر رہا ہے) پھر آپ نے اس شخص کو بلوایا اور پوچھا کیا تم قرآن و حدیث کے نسخ و منسوخ احکام کو پہچانتے ہو۔ اس نے کہا نہیں، میں نہیں جانتا۔ پس آپ نے اس کو ڈانٹتے ہوئے فرمایا ہماری مسجد سے نکل جاؤ آئندہ کبھی یہاں وعظ نہ کہنا۔

اس واقعہ سے علم نسخ کی اہمیت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ نیز یہ بھی جانا جاسکتا ہے کہ وعظ و تبلیغ ہر ایرے غیرے اور نتھو خیرے کا کام نہیں۔ اس منصب کا اہل صرف وہی ہو سکتا ہے جو علوم قرآن و حدیث پر پوری طرح عبور رکھتا ہو حتیٰ کہ نسخ و منسوخ کے احکام سے بھی واقف ہو کہ ایسا ہی شخص خود بھی گمراہی سے محفوظ رہ سکتا ہے اور دوسروں کو بھی گمراہی سے بچا سکتا ہے۔

نسخ کی حقیقت

سلاطین و حکام کے جاری کردہ احکام میں تبدیلی اور عمل نسخ تو ہوتا ہی رہتا ہے۔ جس کی وجہ یا تو یہ ہوتی ہے کہ کوئی حکم جاری کرنے کے بعد اس کے نقصانات اور مضرتوں کا اندازہ ہو تو اس کو منسوخ کر کے دوسرا حکم جاری کرنا پڑا یا یہ کہ حالات کی مناسبت سے ایک حکم جاری کیا گیا تھا اور حالات بدل جانے کے بعد اس کی جگہ دوسرا حکم لانا پڑا یا جاری کردہ حکم کو محکومین یعنی عوام نے مسترد کر دیا تو مجبوراً حاکم کو اپنے حکم میں تبدیلی کرنا پڑی۔ ظاہر ہے یہ تمام وجوہ نسخ انسانی احکام میں ہو سکتی ہیں کیونکہ انسان کا علم ناقص ہے لہذا اس کے حکم میں بھی کوئی نہ کوئی نقص نکل آتا ہے جسے دور کرنے کے لئے اسے عمل نسخ اختیار کرنا پڑتا ہے لیکن خالق انسان اللہ علیم وخبیر اس سے پاک ہے وہ تو روز اول ہی سے جانتا ہے کہ اپنے بندوں کے لئے جو حکم نازل فرما رہا ہے وہ ان کے موجودہ حالات اور موجودہ ضرورت کے مطابق ہو۔ جب حالات تبدیل ہوں گے تو ان کے لئے حکم میں بھی تبدیلی کر دی جائے گی جیسے شریعت آدم علیہ السلام میں بہن بھائی کے نکاح کا حکم اس وقت کے حالات کے اعتبار سے تھا پھر جب حالات بدلے انسانوں کا کنبہ وسیع ہو گیا تو ضرورت نہ رہی کہ بہن سے بھائی کا نکاح ہو۔ لہذا پہلا حکم منسوخ کر دیا گیا اور وضاحت کر دی گئی کہ کس کا نکاح کس سے ہو سکتا ہے اور کس سے نہیں ہو سکتا۔

نسخ کی اس حقیقت کو مزید ایک مثال سے واضح کیا جاسکتا ہے کہ مثلاً ڈاکٹر اپنے مریض کے لئے ایک دوا تجویز کرتا ہے لیکن دو دن بعد ہی وہ اس دوا کو بدل کر دوسری دوا دیتا ہے۔ آپ اس کے فیصلہ کو بغیر کسی اعتراض یا ڈاکٹر کی فنی مہارت پر شک کئے بغیر نہ صرف قبول کرتے ہیں بلکہ اس تبدیلی کو مریض کی صحت کے لئے بہتر جانتے ہیں کیونکہ آپ کو یہ حقیقت تسلیم ہے کہ

ڈاکٹر نے پہلی دو امریض کی اس وقت کی حالت کے مطابق دی تھی اور جو نبی مریض کے مرض میں تبدیلی آئی تو ڈاکٹر نے دوا بھی تبدیل کر دی۔ اللہ جو نہ صرف انسان کا طبیب حقیقی ہے بلکہ خالق بھی وہی ہے خوب جانتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دور کے لئے انسان کو کیسے احکام دینا ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دور میں ان احکام کو منسوخ کر کے اس وقت کی ضرورت کے مطابق شریعت نازل فرمائی ہے اور وہی جانتا ہے کہ جب سلسلہ نبوت اپنی انتہا اور کمال کو پہنچا تو انسان بھی ارتقاء کی اس منزل پر آ چکا ہے کہ اب اس کو وہ احکام دیئے جاسکتے ہیں جن میں کسی تبدیلی اور نسخ کے عمل کی ضرورت باقی نہ رہے۔ وہ شریعت مکمل ہو، دائمی ہو، ہر دور اور مقام کے لئے قابل عمل ہو اور انسان کی فلاح و بہبود کی ضامن ہو۔ میرے آقا ﷺ کا ارشاد ہے ”لَمْ تَكُنْ نَبْوَةٌ قَطُّ إِلَّا تَنَّا سَخَتْ“ یعنی کبھی کوئی نبوت نہ آئی جس نے سابقہ احکام میں تناخ اور رد و بدل نہ کیا ہو حتیٰ کہ نبوت آخر الزمان ﷺ کا دور آیا جس نے سابقہ احکام کو منسوخ کیا اور خیر امت کے لئے مکمل نظام حیات فراہم کر کے اعلان فرمایا ”الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَاتَّمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا“ آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر پوری فرمادی اور تمہارے لئے بطور نظام حیات اسلام کو پسند فرمایا۔

### نسخ کی صورت

دوران وحی احکام شرع میں نسخ کا عمل جاری رہا جو یا تو بایں صورت ہوا کہ کسی پہلے حکم کی جگہ دوسرے حکم نے لے لی اور یا اس طرح کہ پہلے حکم میں جزوی تبدیلی کر دی گئی۔ کبھی یہ نسخ صرف احکام کا ہوا کہ آیات منسوخہ قرآن کریم کا جز رہیں۔ ان کی تلاوت باقی رہی لیکن ان کے احکام منسوخ ہو گئے اور کبھی ایسا بھی ہوا کہ حکم بھی منسوخ ہو گیا اور اس سے متعلق آیت کو بھی صاحب وحی ﷺ کے ذہن سے نکال لیا گیا یا فراموش کر دیا گیا اور ایسا بھی کیا گیا کہ آیت مبارکہ کو تو فراموش کر دیا گیا لیکن اس کا حکم باقی رہا ان صورتوں کی وضاحت کے لئے چند احکام منسوخہ ملاحظہ ہوں۔

ابتدائے اسلام میں وارثوں کے لئے وصیت کرنا مستحب تھا پھر اسے فرض قرار دے دیا گیا لیکن آیت میراث کے نزول کے بعد یہ حکم بھی منسوخ ہو گیا اور اب دائمی قانون یہ باقی رہا کہ صاحب مال کو اپنی دولت کے صرف ایک تہائی حصہ میں وصیت کا حق ہے۔ اس سے زیادہ پر وصیت کا کوئی اثر نہ ہوگا بلکہ تمام وارثین کو قرآن کریم کے مقرر کردہ حصص خود بخود منتقل ہو جائیں گے ان میں کمی، زیادتی کا کسی کو اختیار نہیں۔

ابتداءً روزے کے احکام ہمارے لئے وہی تھے جو ہم سے پہلی امتوں کے لئے تھے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ”كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ“ کہ روزے تم پر اسی طرح فرض کئے گئے ہیں جیسے تم سے پہلے لوگوں پر فرض تھے۔ جس کی صورت یہ تھی کہ بعد افطار وقت عشاء سے پہلے کھانا پینا اور جماع کرنا جائز تھا لیکن وقت عشاء شروع ہوتے ہی یہ اعمال ممنوع ہو جاتے تھے گو یا روزہ وقت عشاء ہی سے شروع ہو جاتا تھا۔ مزید برآں اگر کوئی شخص افطار کے بعد سو کر عشاء کا وقت شروع ہونے سے قبل جاگ بھی گیا تو بھی اس کا روزہ شروع ہو جاتا تھا لیکن کچھ عرصہ بعد اللہ تعالیٰ نے ”كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ“ کا ارشاد منسوخ فرمادیا اور ہمارے لئے روزے کی موجودہ صورت دائمی ہو گئی۔



ابتداءً ”أَشْهُرُ حُرْمٍ“ حرمت والے مہینوں میں قتال کرنا ممنوع تھا لیکن پھر حکم دیا گیا ”فَاغْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ“ کہ مشرکین و کفار کے ساتھ حسب ضرورت بلا قید زمان و مکان جہاد کرو۔

میں آیتوں کے احکام منسوخ ہونے پر علماء کا اتفاق ہے جن میں سے چند کا ہم نے ذکر کیا۔ یہ آیات منسوخہ قرآن کریم میں موجود ہیں جن کی تلاوت دوران نماز اور بیرون نماز ہوتی ہے اور ان کی تلاوت کا اجر و ثواب یقیناً وہی ہے جو قرآن کریم کا ہے کہ قرآن کریم کے نزول کا مقصد صرف احکام شروع کا نزول ہی نہیں بلکہ بندوں کو کلام الہی کی تلاوت کا شرف بخشا اور اس پر اجر و ثواب مرحمت فرمانا بھی ہے۔

### نسیان کی صورت

تفسیر عزیزی اور بعض دیگر مفسرین نے ایسی آیات کو بھی جمع فرمایا ہے جو حکماً اور تلاوتاً منسوخ ہیں یا صرف تلاوتاً منسوخ ہیں۔ گویا اللہ عظیم و خیر نے اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ان آیات کو عارضی طور پر نازل فرمایا تھا اور جب ان کے نزول کا مقصد پورا ہو گیا تو انہیں اپنی حکمت کے مطابق فراموش کر دیا گیا اور وہ اس قرآن کریم کا حصہ نہ رہیں جس کی حفاظت کا اللہ رب العزت جل مجدہ نے اپنے فضل و کرم سے خود ذمہ لیا ہے کہ ان کو نازل ہی فراموش کر دینے کے لئے کیا گیا تھا۔ ”مَا نَسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنسِهَا“ یعنی نسخ بھی ہماری حکمت ہے اور کسی آیت کو فراموش کر دینا بھی ہماری حکمت ہے۔ اس سے نہ تو وعدہ الہی ”إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ“ پر کوئی شک کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی وہ وعدہ الہی بے اثر ہوتا ہے جو اللہ نے اپنے محبوب ﷺ سے کیا کہ ”سَنَقْرَنَكَ فَلَا تَنْسَى“ ہم خود آپ کو پڑھائیں گے۔ پس آپ اسے نہ بھولیں گے۔ ”إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ“ مگر جو اللہ چاہے۔ پس صاحب وحی ﷺ وحی الہی کا ایک حرف بھی نہ بھولے سوا اس کے جو خود اللہ ہی نے بھولا دیا۔ پس نسخ کی یہ صورت کہ بعض آیات کا حکم بھی منسوخ ہو گیا اور ان آیات کی تلاوت بھی منسوخ ہو گئی یا تلاوت آیات تو منسوخ ہوئی لیکن حکم باقی رہا۔ اللہ کی حکمت و مصلحت کے عین مطابق ہے اور اہل علم، اہل ایمان کے لئے قطعاً نہ تو الجھن و پریشانی کا سبب ہے اور نہ ہی کسی قسم کے شک و شبہ کا باعث۔

### ذرائع نسخ

عمل نسخ کا ذریعہ ایک تو یہ ہے کہ آیت قرآن کے حکم و آیت قرآنی ہی سے منسوخ کیا گیا۔ جیسا کہ ہم ابھی عرض کر چکے۔ دوسرے حدیث کا نسخ حدیث سے بھی واقع ہوا جیسے احناف کے نزدیک، امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنے یا رفع یدین کرنے کی احادیث ان حدیثوں سے منسوخ قرار پائیں جن میں اس عمل کی ممانعت موجود ہے کہ ابتداءً امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنے کی اجازت تھی پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود ہی اس کو ممنوع قرار دے دیا۔ ارشاد ہوا: ”لَا قِرَاءَةَ مَعَ الْإِمَامِ فِي شَيْءٍ“ امام کے ساتھ کسی بھی نماز میں قراءت جائز نہیں خواہ وہ نماز جہری ہو یا سری ہو۔ نیز فرمایا: ”مَنْ صَلَّى خَلْفَ الْإِمَامِ فَإِنَّ قِرَاءَةَ الْإِمَامِ لَهُ قِرَاءَةٌ“ جس نے امام کے پیچھے نماز پڑھی تو امام کی قراءت مقتدی ہی کی قراءت

ہے۔ اسی طرح رفع یدین جو ابتداء جائز تھا لیکن کچھ عرصہ بعد اس کو ممنوع قرار دے دیا گیا۔ تیسرے کسی آیت کا نسخہ حدیث سے بھی ہوا مثلاً قرآن کریم کے ارشاد ”أَحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَاءَ ذَلِكَ“ سے ثابت تھا کہ ماں، بہن وغیرہ چند عورتوں کے سوا تمام عورتیں حلال ہیں لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا: ”لَا تُنْكِحُ الْمَرْأَةَ عَلَى عَمَّتِهَا وَلَا عَلَى خَالَاتِهَا“ اس ارشاد کے مطابق پھوپھی، بھتیجی اور خالہ، بھانجی کو نکاح میں جمع نہیں کیا جاسکتا۔ اس قسم کی دیگر احادیث مبارکہ بھی ملتی ہیں۔ جن سے قرآنی احکام کی تخصیص و توضیح ہوتی ہے۔ چوتھے حدیث کا نسخہ قرآن سے بھی کیا گیا مثلاً حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد ہی کے مطابق مدینہ پہنچنے کے بعد کعبہ کی جگہ بیت المقدس، اہل ایمان کا قبلہ قرار پایا تھا لیکن چند دن بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رضا کا لحاظ فرماتے ہوئے دوبارہ ہمیشہ کے لئے کعبہ کو قبلہ مقرر فرمایا۔ ”قَوْلٍ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ“۔

### آیات ناسخ و منسوخ

مختصر ا یہ بھی بتا دینا مناسب ہو گا کہ قرآن کریم کی کتنی سورتوں میں آیات ناسخ و منسوخ موجود ہیں۔ اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے صرف سورتوں کی تعداد پیش کی جا رہی ہے۔

قرآن کریم میں پینتالیس سورتیں تو ایسی ہیں جن میں نہ کوئی آیت ناسخ ہے اور نہ منسوخ۔ چالیس سورتوں میں صرف آیات منسوخہ ہیں، ناسخہ کوئی نہیں۔ چھ سورتوں میں صرف آیات ناسخہ ہیں۔ پچیس سورتوں میں آیات ناسخہ و منسوخہ دونوں ہیں۔ بحمد اللہ نسخ کے متعلق ہم نے جو کچھ لکھا وہ اگرچہ مختصر ہے لیکن ایک اہم قرآنی حقیقت کو سمجھنے کے لئے کافی ہے۔ نیز ان شکوک و شبہات سے بچنے کے لئے بھی کافی ہے جو اس عنوان سے متعلق جاہلوں کی طرف سے پیدا کئے جاتے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ قرآن کریم کو اپنے تخیلات کے مطابق سمجھنے کی کوشش کرنا بڑی گمراہی ہے۔ جیسے کہ بعض لوگوں سے آپ سنتے ہوں گے کہ ”میرے خیال سے قرآن کریم کی اس آیت کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہو سکتا“ یہ میرے خیال والا خیال ہی حماقت اور گمراہی ہے اور یہ اظہار خیال بھی وہی حضرات کرتے ہیں جنہیں کبھی قرآن کریم میں فکر و تدبر کا خیال نہیں آتا۔ اللہ تعالیٰ ایسی گمراہی سے محفوظ رکھے اور قرآن کریم کو صاحب قرآن ﷺ کی تعلیمات کی روشنی میں سمجھنے کی توفیق بخشے۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی خَيْرِ خَلْقِهِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

## ”سورة الحشر“

آیات نمبر

18 تا 19

مقالہ نمبر

79

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ



## مقالہ ۷۹

### الحشر: ۱۸، ۱۹

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَيْرِ اللَّهِ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ۝ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَسُوا اللَّهَ فَأَنْسَاهُمْ أَنْفُسَهُمْ أُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ۝

(الحشر: ۱۸، ۱۹)

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہا کرو اور ہر شخص کو دیکھنا چاہئے کہ اس نے کیا آگے بھیجا ہے کل کے لئے اور ڈرتے رہا کرو اللہ سے بیشک اللہ خوب جانتا ہے جو تم کرتے ہو اور نہ ہو جانا ان کی طرح جنہوں نے بھلا دیا اللہ کو پس اللہ نے ان کو خود فراموش کر دیا یہی نافرمان لوگ ہیں۔

یہ صدقہ ہے آقائے نعمت ﷺ کا کہ آپ کا رب کریم آپ کے غلاموں کو غفلت اور ناعاقبت اندیشی سے بچنے کی مختلف انداز پر بار بار دعوت دیتا ہے اور وہ طرز زندگی اپنانے کی ہدایت فرماتا ہے جس سے دنیا میں عزت و عظمت حاصل رہے اور آخرت میں نجات و سرخرو کی مقدر ہو۔ آقا کا غلام پر اس سے بڑا کرم اور کیا ہو سکتا ہے کہ وہ غلام کو ایسے کاموں کی

ہدایت کرتا رہے جو اس پر آقا کے انعام و اکرام کا ذریعہ بنیں۔ گویا اس طرح مالک خود ہی غلام کو اپنی رحمت کے خزانوں کا پتہ بتا رہا ہے۔ بس غلام کو اس خزانے کی طرف بڑھنا اور اپنی جھولی بھر لینا ہی باقی رہ جاتا ہے۔ آیت مذکورہ میں رحمت کے خزانوں تک پہنچنے کے درج ذیل ذرائع بیان کئے جا رہے ہیں۔

تقویٰ، فکرِ غد، اللہ کے خیر ہونے کا یقین، یادِ الہی سے کسی لمحہ غافل نہ ہونا۔

## اتَّقُوا اللَّهَ

اللہ سے ڈرتے رہو۔ تقویٰ ایک ایسا عنوان ہے جس پر کتنا ہی لکھا جائے کتنا ہی بیان کیا جائے کم ہی معلوم ہوتا ہے کیونکہ درحقیقت یہ تمام اعمال کی اصل، روح اور جان ہے۔ انسان کے قلب میں ابتداءً تقویٰ ہی کی کرن چمکتی ہے جو ایمان کی شعاع بنتی ہے پھر انسان اس قابل ہوتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو تاریکی سے نکالے اعمالِ حسنہ کو تلاش کرے اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ایک روشن و منور تارہ بن جائے۔

گزشتہ اوراق پر ہم اس اہم عنوان پر کافی لکھ چکے ہیں۔ یہاں صرف اتنا بتا دینا کافی ہوگا کہ قرآن کریم میں ”اتَّقُوا اللَّهَ“ کا جملہ دس بیس مرتبہ نہیں بلکہ پچپن مرتبہ ملتا ہے۔ گویا اللہ رب العزت جل مجدہ نے پچپن مرتبہ اہل ایمان کو تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس کے علاوہ دوسرے صیغوں سے بھی متعدد بار اس کی تاکید کی گئی ہے۔ اس کے فوائد کو بیان کیا گیا ہے حتیٰ کہ یہ بھی فرما دیا کہ ”إِنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ“ بیشک اللہ متقین کے ساتھ ہے۔ ”إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ“ بیشک اللہ متقین کو پسند فرماتا ہے۔ اہل خرد کے لئے تقویٰ کا یہی انجام کیا کم ہے کہ مالک حقیقی کی رحمت و محبت کا مژدہ نصیب ہو جائے۔ اللہ کی معیت و محبت سے بڑھ کر کامیابی و کامرانی کی ضمانت اور کیا ہو سکتی ہے۔ اس قدر تاکید کے باوجود بھی اگر ہم دولتِ تقویٰ سے محروم رہیں تو یہ یقیناً ہماری بد نصیبی ہے۔

## فکرِ غد

”وَلَتَنْظُرُنَّ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ“ اور ہر کسی کو دیکھتے رہنا چاہئے کہ اس نے کل کے لئے آگے کیا بھیجا ہے۔ غد آنے والی کل کو کہتے ہیں۔ یہاں اس سے مراد قیامت ہے۔ قیامت کو غد فرما کر یہ بتانا مقصود ہے کہ قیامت کا آنا اتنا ہی یقینی ہے جتنا ہر دن کے بعد آئندہ دن کا سورج طلوع ہونا یعنی کل کا آنا یقینی ہے۔ اس کل کے آنے کا کوئی کتنا ہی انکار کرتا رہے اس کا آنا اٹل ہے، یقینی ہے۔ اسی طرح منکرین قیامت کے انکار سے اہل ایمان کو اس کے واقع ہونے میں ذرا بھی شک و شبہ نہیں کرنا چاہئے کہ وہ غد کی طرح آئے گی اور ضرور آئے گی۔ جس طرح آنے والی کل کا منکر دیوانہ و پاگل کہلائے گا۔ اسی طرح قیامت کا انکار بھی دیوانگی و پاگل پن کے سوا کچھ نہیں نیز قیامت اتنی قریب ہے جتنا ہر دن سے آنے والا دن قریب ہوتا ہے۔ تقاضہ ایمان یہ ہے کہ ہر مومن اس یقینی اور قریبی آنے والے دن کی فکر کرتا اور سوچتا رہے کہ اس نے اس غد کے لئے کیا جمع کیا ہے۔

فکرِ غد، انسان کی فطرت ہے ہر شخص اپنے آنے والے دن کو موجودہ دن سے بہتر بنانا چاہتا ہے۔ ہر شخص کی یہی

کوشش ہوتی ہے کہ اس کا مستقبل اس کے ماضی و حال سے بہتر ہو اور ایسے ہی شخص کو عقلمند کہا اور سمجھا جاتا ہے۔ جس کی نظر حال سے زیادہ مستقبل پر ہو۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ کوئی یقین کے ساتھ یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اسے مستقبل کا کل تو درکنار مستقبل کا لمحہ بھی نصیب ہو گا یا نہیں اور مستقبل کی بہتری کے وہ جو خواب دیکھتا ہے اس کی تعبیر پاسکے گا یا نہیں یا مستقبل کے لئے اس نے جو کچھ جمع کر رکھا ہے اس کا وہ فائدہ حاصل کر پائے گا یا نہیں۔ نیز مستقبل کی فکر میں پریشان یہ انسان کیوں نہیں سوچتا کہ اس کی فکر اور ساری تدبیریں رائیگاں اور بیکار ہیں اگر اس کا بھروسہ اور اعتماد اللہ پر نہ ہو۔ نیز وہ اس دنیا کی کل کے لئے آخر کیوں اتنا حریص ہے جبکہ یہ کل بھی آج کی طرح عارضی ہوگی، چند گھنٹوں کی ہوگی۔ پس عقل کا تقاضا یہ ہے، ایمان کا مقتضی یہ ہے کہ مؤمن کو اس کل کی فکر کرنا چاہئے جس کے بعد کوئی کل نہ ہوگی۔ جس کا آنا یقینی ہے جو قریب ہی ہے۔

اے ایمان والو! یہ دنیا جس کی کل کی تمہیں بہت فکر رہتی ہے۔ اس کی محبت میں مبتلا ہو جانا ہی تمام برائیوں کی جڑ ہے۔ جیسا کہ ہمارے آقا ﷺ نے فرمایا۔ راوی ہیں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ ”حُبُّ الدُّنْيَا رَأْسُ كُلِّ خَطِيئَةٍ“ دنیا کی محبت ہر برائی کی جڑ ہے۔ نیز آپ نے فرمایا۔ راوی ہیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ”الدُّنْيَا سَجَنُ الْمُؤْمِنِ وَحَنَةُ الْكَافِرِ“ دنیا مؤمن کا قید خانہ ہے اور کافر کی جنت ہے۔ پس اس دنیا کی کل کی فکر میں تم جتنے زیادہ مبتلا ہو گے اتنے ہی اس کی دلدل میں پھنستے چلے جاؤ گے۔ یہ تو تمہارے لئے قید خانہ ہے۔ قید خانہ کی کل کو کتنا ہی بہتر بنانے کی کوشش کرو، ربو گے قیدی ہی۔ لہذا چھوڑ داس فکر کو اور سوچو اس کل کے متعلق جس کے بعد کوئی کل نہیں ہوگی۔

سوچو، تم نے اس کل کے لئے کیا جمع کیا ہے؟

سوچو، وہ کل تمہارے لئے کس طرح زیادہ سے زیادہ آرام دہ ہو سکتی ہے۔

سوچو، تمہیں اس کل کا دائمی عیش و آرام کیسے نصیب ہو سکتا ہے۔

سوچو، اس جیل سے جب تم آزاد ہو گے تو تمہارا ٹھکانہ کہاں ہوگا۔

سوچو، کیا یہ جیل خانہ ہی تمہارا مقصد زندگی اور تمہاری منزل ہے۔

سوچو، آج تم جو کچھ کر رہے ہو کل اس کے متعلق تم سے سوال کیا جائے گا۔

سوچو، دنیا کی یہ چمک دمک کب تک تمہاری آنکھوں کو خیرہ کرتی رہے گی۔

سوچو، تمہاری دولت کے ڈھیر کیا ایک دن دوسروں کے نہیں ہو جائیں گے۔

سوچو، تمہارے پاس کوئی ایسا ذخیرہ بھی ہے جو ہمیشہ ہمیش کے لئے تمہارا ہو۔

سوچو، دنیا کی آزادی تمہارے کام آئے گی یا اللہ کی بندگی۔

سوچو، تم نے ایمان لاکر کیا اللہ سے جنت کے بدلے اپنی جان و مال کا سودا نہیں کیا۔

سوچو، اطاعت و فرمانبرداری ذخیرہ کل ہے یا غفلت و کوتاہی کا کام آئے گی۔

سوچو، اگر تم اللہ کو حاکم حقیقی اور مالک حقیقی جانتے ہو تو دن رات میں اس کے کتنے احکام پر عمل کرتے ہو۔

سوچو، اگر رسول مكرم ﷺ سے تمہیں سچی محبت ہے تو تم ان کی تعلیم و تربیت و کتنا اپنائے ہوئے ہو۔  
سوچو، اگر تم صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، اولیاء کرام رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کا احترام کرتے ہو تو کتنا ان کے  
نقش قدم پر چلتے ہو۔

سوچو، تم اور تمہارے اہل خانہ شریعت کے کتنے پابند ہیں۔

سوچو، چوبیس گھنٹے میں کتنا وقت تم دین سیکھنے یا دین کی خدمت کرنے پر صرف کرتے ہو۔

سوچو، اپنی کمائی کا کتنا حصہ تم دین کے لئے نکالتے ہو۔

وَلتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ

ہر ایک کو سوچنا چاہئے کہ اس نے کل کے لئے کیا جمع کیا ہے۔

سوچنے کی یہ جتنی باتیں ہم نے عرض کیں یہ تو چند ہیں جو صرف اس لئے پیش کی گئیں کہ کاش ان کے سوچنے سے  
سوچ کا رخ بدل جائے اور ذہن مستقل وہ سوچنے لگیں جو مومن کے ذہن کو سوچنا چاہئے کہ صحیح سوچ ہی ان اعمال کا ذریعہ  
ہے جو کل کام آسکتے ہیں۔ اس کل، جس میں انسان اپنے ہر عمل کو اپنی آنکھوں سے دیکھے گا۔ ”فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا  
يَرَهُ“ جس نے ذرہ برابر بھی نیکی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ جب یہ آیت مبارکہ نازل  
ہو تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ خدمت اقدس میں حاضر تھے اور کچھ کھا رہے تھے۔ آیت مبارکہ سن کر کھانا چھوڑ دیا اور  
حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں عرض گزار ہوئے۔ یا رسول اللہ ﷺ! کیا اس دن ہم اپنے تمام نیک و بد اعمال کو  
دیکھیں گے تو آپ ﷺ نے جواب دیا: ”مَا رَأَيْتُ مِمَّا تُكْرَهُ فَهُوَ مَثَاقِيلُ ذَرِّ الشَّرِّ“ اس دنیا میں جو بھی تمہیں  
نکالینے پہنچتی ہیں یہ تمہاری غلطیوں کا نتیجہ ہے۔ ”وَيُذْخِرُ لَكُمْ مَثَاقِيلَ ذَرِّ الْخَيْرِ حَتَّى تُعْطَوْهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ“ اور تمہاری  
نیکیاں محفوظ رکھی جائیں گی اور قیامت کے دن تمہارے حوالے کر دی جائیں گی۔

اے کاش ہم اپنے حال پر غور کرنے کے عادی ہو جائیں اور کل کے لئے کچھ ذخیرہ کرنے اور پہلے سے بھیج دینے  
میں کامیاب ہو جائیں تو یہ ہماری بڑی ہی کامیابی و کامرانی ہوگی۔ پس اے ایمان والو! ”وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا  
الزَّكَاةَ“ نماز کی پابندی کیا کرو زکوٰۃ ادا کرتے رہا کرو۔ ”وَمَا تُقَدِّمُوا لِأَنْفُسِكُمْ مِنْ خَيْرٍ“ (نماز و زکوٰۃ کے  
علاوہ) جو بھی (چھوٹی بڑی) نیکیاں تم اپنے لئے آگے بھیجو گے۔ ”تَجِدُوهُ عِنْدَ اللَّهِ“ ان کا ثمر تم اللہ کے یہاں ضرور  
پاؤ گے ہر نیکی کا اجر و ثواب کل تمہیں دیا جائے گا۔ ”وَمَا تُقَدِّمُوا لِأَنْفُسِكُمْ مِنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِنْدَ اللَّهِ“ اور تم جو  
کچھ (نیکی بھی) اپنے لئے آگے بھیجو گے اسے اللہ کے پاس (کل) موجود پاؤ گے۔ ”هُوَ خَيْرٌ وَأَعْظَمُ أَجْرًا“ یہی بہتر  
ہے اور اس کا اجر بہت بڑا ہوگا کہ دینے والا اپنی شان رفیع کے مطابق ہی عطا فرمائے گا جو بہت بلند و اعلیٰ ہے بغیر حساب  
عطا فرماتا ہے اس کے خزانوں میں کسی چیز کی کمی نہیں۔ ”إِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ“ بیشک اللہ نیکی کرنے  
والوں کا اجر ضائع نہیں فرماتا۔

اللہ خیر ہے

”إِنَّ اللَّهَ خَيْرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ“ بیشک اللہ خوب جانتا ہے جو تم کرتے ہو۔ بعینہ یہ جملہ مبارکہ قرآن کریم میں چونتیس مرتبہ موجود ہے۔ جو یہ جان لینے کے لئے کافی ہے۔ اللہ ذوالجلال والا کرام کے خیر ہونے کا یقین کرنا ہر مومن کے لئے کس قدر اہم اور ضروری ہے کہ بار بار یہ یاد دہانی کرائی گئی ہے کہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ کو اس کی خبر ہے یہ تو بات صرف اعمال کی ہے جبکہ وہ تو ”عَلَيْهِمْ بِذَاتِ الصُّدُورِ“ ہے یعنی دلوں کے حالات و خیالات کو بھی جانتا ہے اور صرف جانتا ہی نہیں بلکہ وہ اللہ سمیع، سننے والا۔ بصیر، دیکھنے والا بھی ہے اور کل ہر کسی کو اسی خیر کے دربار میں حاضر ہونا ہے جس کا ذریعہ موت ہے جس سے کسی کا بچنا ممکن نہیں۔ ”قُلْ إِنَّ الْمَوْتَ الَّذِي تَفِرُّونَ مِنْهُ فَإِنَّهُ مُلْقِيكُمْ“ آپ بتا دیجئے بیشک وہ موت جس سے تم بھاگتے ہو ضرور آ کر رہے گی۔ ”ثُمَّ تُرَدُّونَ إِلَىٰ عَالِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ“ پھر تمہیں لوٹایا جائے گا (حاضر کیا جائے گا) اس کی طرف جو ہر پوشیدہ و ظاہر کو جاننے والا ہے۔ ”فَيُنِزِّلُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ“ تو وہ تمہیں خبر کرے گا ان اعمال کی جو تم کیا کرتے تھے۔

اللہ کے خیر ہونے پر جس شخص کو کامل یقین ہو اس سے اللہ کی بندگی اور اس کی اطاعت و فرمانبرداری میں کوتاہی و سستی کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا جیسے کہ وہ ملازم اپنے کام میں کبھی سستی نہیں کرتا جو جانتا ہے کہ اس کا مالک یا اس کا حاکم اس کی نگرانی کر رہا ہے اور اسے دیکھ رہا ہے۔ اس صورت میں اسے خوف ہوتا ہے کہ اس کی تھوڑی سی سستی یا لاپرواہی اس کے مستقبل کی تباہی و بربادی کا سبب بن سکتی ہے کہ اسے ملازمت سے بھی نکالا جاسکتا ہے یا کوئی سزا بھی دی جاسکتی ہے۔ لہذا وہ اپنے کام میں مستعد رہتا ہے اور مزید محنت و مشقت کا مظاہرہ کرتا ہے اس لالچ میں کہ اس کے کام کو دیکھنے والا حاکم شاید اس سے خوش ہو کر اس کی تنخواہ میں اضافہ کر دے یا اسے کسی اعزاز سے نواز دے اور ہوتا بھی ایسا ہی ہے۔ محنت و مشقت کرنے والا ملازم، مالک و حکام کی نظر میں محبوب ہوتا ہے اور خصوصی اعزاز و اکرام کا حقدار قرار پاتا ہے۔

یہی کیفیت ان اللہ کے بندوں کی ہوتی ہے جنہیں ان ذمہ داریوں کا احساس ہوتا ہے جو مالک حقیقی کی طرف سے انہیں سونپی گئی ہیں نیز انہیں یقین کامل ہوتا ہے کہ وہ مالک حقیقی ان کے ایک ایک عمل کو دیکھ رہا ہے اور ان کے ہر لمحہ سے باخبر اور آگاہ ہے۔ سورۃ السجدہ کی ان آیات پر غور کیجئے۔ کیسے پیارے انداز میں ان پیاروں کا ذکر فرمایا جا رہا ہے۔

إِنَّمَا يُؤْمِنُ بِآيَاتِنَا الَّذِينَ إِذَا ذُكِرُوا بِهَا خَرُّوا سُجَّدًا وَسَبَّحُوا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ ﴿١٥﴾

(السجدہ: ۱۵)

صرف وہی لوگ ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں جنہیں جب ہماری آیتوں سے نصیحت کی جاتی ہے تو گر پڑتے ہیں سجدہ کرتے ہوئے اور پاکی بیان کرتے ہیں اپنے رب کی حمد کرتے ہوئے اور وہ غرور و تکبر نہیں کرتے۔

یعنی صرف دعویٰ ایمان ہی نہیں ہے بلکہ بحیثیت مومن ان پر جو ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں انہیں جاننے کے لئے وہ



آیات ربانی کو بغور سنتے ہیں اور پھر اظہارِ اطاعت و فرمانبرداری کے لئے سرسجود ہو جاتے ہیں۔ مالکِ حقیقی کی تسبیح و تحمید میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ باغیوں اور سرکشوں کی طرح تکبر و غرور نہیں کرتے۔ زندگی کے ہر معاملہ میں اللہ اور اس کے رسول کے احکام کے پابند ہو جاتے ہیں اور مالکِ حقیقی سے خوف اور اس کے رحم و کرم کے لالچ میں ان کی یہ حالت ہوتی ہے کہ:

تَتَجَافَى جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَطَمَعًا وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ ۝

دور رہتے ہیں ان کے پہلو اپنے بستروں سے پکارتے ہیں اپنے رب کو ڈرتے ہوئے اور امید رکھتے ہوئے اور ان نعمتوں سے جو ہم نے انہیں دی ہیں خرچ کرتے رہتے ہیں۔

رات کی تاریکی میں جب دنیا کے چند روزہ عیش و آرام میں مست لوگ گہری اور میٹھی نیند کے مزے لوٹتے ہوتے ہیں تو اللہ کو علیم و خبیر یقین کرنے والے مومنین کا ملین اپنے رب کریم کے دربار میں حاضر ہوتے ہیں۔ نماز تہجد ادا کرتے ہیں۔ زندگی کا ہر لمحہ اطاعت شعاری و فرمانبرداری میں گزارنے کے باوجود ان پر مالک کا خوف طاری رہتا ہے۔ وہ اس کے فضل و کرم کے امیدوار رہتے ہیں اور اس کی رضا و خوشنودی کے حصول کے لئے اسی کی عطا کردہ دولت اور دیگر نعمتوں سے صرف خود ہی فائدہ نہیں اٹھاتے بلکہ دوسرے ضرورت مندوں کی ضروریات بھی پوری کرتے ہیں۔

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُمْ مِّن قُرَّةِ أَعْيُنٍ ۚ جَزَاءُ مِّمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝

تو کوئی شخص نہیں جانتا جو (نعمتیں) چھپا کر رکھی ہیں ان کے لئے جن سے آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی یہ صلہ ہے ان اعمال کا جو وہ کیا کرتے تھے۔

اہل ایمان بحالت خوف و طمع اپنا کام کرتے رہتے ہیں، محنت و مشقت کرتے ہیں۔ بس انہیں یہ یقین ہوتا ہے کہ صلہ ملے گا، بدلہ ضرور ملے گا، کیا ملے گا اس کا انہیں پتہ نہیں تو ہم انہیں مژدہ سناتے ہیں کہ ہم نے ان کے لئے ایسی ایسی نعمتیں چھپا رکھی ہیں جن کا وہ تصور بھی نہیں کر سکتے۔ بس جب وہ انہیں پائیں گے تو ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں گی، وہ خوش ہو جائیں گے۔

مخبر صادق ﷺ کا ارشاد ہے۔ راوی ہیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ”يَقُولُ اللَّهُ تَعَالَى اَعَدَدْتُ لِعِبَادِي الصَّالِحِينَ“ میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے ایسی نعمتیں تیار کر رکھی ہیں۔ ”مَا لَا عَيْنٌ رَأَتْ وَلَا أَذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلَى قَلْبِ بَشَرٍ“ جن کو آج تک کسی آنکھ نے نہیں دیکھا، کسی کان نے نہیں سنا اور نہ کوئی انسان اپنے دل میں ان کا تصور کر سکتا ہے۔

اے ایمان والو! ”إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ“ ایک ایسی حقیقت ہے کہ اگر واقعی تم نے اس کو تسلیم کر لیا ہے تو تم کبھی عبادات میں غفلت و سستی کے مرتکب نہیں ہو سکتے۔ کبھی معاملات میں اللہ و رسول کے احکام سے روگردانی نہیں کر سکتے۔ کبھی اپنی دینی و دنیوی ذمہ داریاں پوری کرنے میں لاپرواہی کا شکار نہیں ہو سکتے۔ لہذا اپنے ایمان کے کمال کے لئے

اس حقیقت پر ایسا ہی یقین رکھو جیسا تم ان چیزوں پر یقین رکھتے ہو جنہیں اپنی ظاہری آنکھوں سے دیکھتے ہو اور ”وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَسُوا اللَّهَ“ ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے اللہ کو بھلا دیا۔

اللہ کو بھلا دینا

کسی کا اپنے محسن کو بھول جانا ہر شخص کے نزدیک نہایت ہی معیوب اور برا سمجھا جاتا ہے اور ایک معمولی سا احسان کرنے والا اپنا یہ حق سمجھنے لگتا ہے کہ اس کے احسان کے بدلے کم از کم ہمیشہ اس کو یاد کیا جاتا رہے لیکن یہی انسان محسن حقیقی اللہ وحدہ لا شریک کے معاملہ میں اس قدر ظالم ہے کہ ہر لمحہ اس کے احسانات اور انعامات کے باوجود کبھی اسے یاد نہیں کرتا۔ ان احسان فراموشوں کے متعلق فرمایا گیا: ”اِسْتَحْوِذْ عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ فَاَنْسَهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ“ شیطان نے ان پر تسلط جما لیا ہے۔ پس اس ہی نے انہیں محسن حقیقی کی یاد سے غافل کر دیا ہے کہ یہ دن رات اللہ کی دی ہوئی نعمتوں میں مست تو رہتے ہیں لیکن شیطان انہیں کبھی یہ خیال تک نہیں آنے دیتا کہ ان نعمتوں کا عطا فرمانے والا کون ہے اور ہم پر اس کا کیا حق بنتا ہے۔ اللہ فرماتا ہے: ”اُولٰٓئِكَ جِزْبُ الشَّيْطٰنِ“ یہ لوگ شیطان کا ٹولہ ہیں۔ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ احسان فراموشی کے باوجود بڑی اچھی اور کامیاب زندگی بسر کر رہے ہیں نہیں یہ ان کی خام خیالی اور خود فہمی ہے۔ ”اَلَا اِنَّ جِزْبَ الشَّيْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ“ شیطان کا ٹولہ ہی یقیناً نقصان اٹھانے والا ہے۔ دولت، عزت، شہرت کے نشہ میں مست اللہ کو بھلا دینے والے خسران و نقصان میں ہیں۔ ”وَمَنْ يَتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرٰنًا مُّبِيْنًا“ اور جو شخص اللہ کو چھوڑ کر شیطان کو اپنا دوست بنا لے تو وہ کھلے نقصان میں مبتلا ہو گیا۔ یہ ظالم شیطان اللہ کے بندوں کو اپنے ٹولے میں شامل کرنے کے لئے پہلا کام یہی کرتا ہے کہ ان کے دل و دماغ سے اللہ کا خیال تک نکال دیتا ہے اور خود ان کا ان داتا بن کر انہیں اپنے جھوٹے وعدوں اور کبھی پوری نہ ہونے والی امیدوں سے بہلاتا رہتا ہے۔ پس یہی اس کا کام ہے ”يَعِدُّهُمْ وَيُمْنِيْهِمْ“ ان سے (جھوٹے) وعدے کرتا ہے اور انہیں (غلط) امیدیں دلاتا ہے۔ ”وَمَا يَعِدُّهُمْ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا“ اور نہیں وعدہ کرتا ان سے شیطان مگر فریب کا شیطان کے جن وعدوں نے ان لوگوں کو اللہ فراموش بنا دیا۔ ان کی کوئی حقیقت نہیں صرف فریب ہی فریب ہے، مکر ہی مکر ہے۔

خدا فراموشی کی سزا

اللہ کو بھول جانا ہی کفر، شرک، نفاق، بد عقیدگی اور بد عملی کا باعث اور سبب ہوتا ہے۔ ان امراض میں مبتلا شخص کی عقل پر ایسا پردہ پڑ جاتا ہے کہ وہ کسی لمحہ بھی یہ نہیں سوچ پاتا کہ اسے وجود بخشے والا اور اس کے وجود کو باقی رکھنے والا پھر اسے معدوم، ختم کر دینے والا کون ہے اور اس کا کیا حق ہے نیز میں اس کا حق ادا کر رہا ہوں یا نہیں۔ ایسے بدترین جرم کی سزا یقیناً سخت ترین ہی ہونا چاہئے۔ قرآن کریم متعدد مقامات پر مختلف انداز میں اس سزا کو بیان کرتا ہے تاکہ اللہ و رسول پر ایمان رکھنے والے اور قرآن کو اپنا نظام حیات تسلیم کرنے والے اس جرم سے دور رہیں۔ فرمایا گیا: ”فَاَنْسَهُمْ اَنْفُسَهُمْ“ پس اللہ نے ان کو خود فراموش بنا دیا یعنی اللہ کو بھول جانے کی یہ سزا دی جاتی ہے کہ وہ اپنے آپ ہی کو بھول جاتا ہے۔ ”خدا فراموش

خود فراموش ہو جاتا ہے۔ خود فراموش اس شخص کو کہا جاتا ہے۔ جو دیوانہ و پاگل ہو جائے اسے اپنے تن، من، دھن کی خبر نہ رہے۔ اسے اپنے عمل کے انجام کا احساس نہ رہے اسے اپنی منزل کا پتہ نہ رہے۔

تاریخی واقعات و حقائق پر ذہن دوڑائیے تو آپ پر یہ حقیقت مزید واضح ہو جائے گی کہ ”خدا فراموش خود فراموش“ ہو جاتا ہے یعنی اسے اپنی حقیقت، حیثیت اور قوت و طاقت تک کا اندازہ نہیں رہتا۔ بس ایک اندھے کی طرح بڑھتا چلا جاتا ہے وہ بھی بغیر لائحہ کے اپنے خیال میں وہ اپنی منزل کی طرف چلتا ہے لیکن انجام کار ایسا نکراتا ہے کہ چور چور ہو جاتا ہے، نیست و نابود ہو جاتا ہے۔ پڑھے فرعون، نمرود، قارون و ہامان کے حالات جنہیں قرآن کریم نے اسی لئے بیان کیا کہ ان سے عبرت حاصل کی جائے پھر مطالعہ کیجئے اپنی تاریخ کے خدا فراموشوں کی زندگی کا مثلاً ابو جہل، ابولہب، یزید وغیرہ وغیرہ کے حالات اور پھر نظر ڈالئے اپنے ماحول پر، اپنے ملک، اپنے شہر، اپنے محلہ اور اپنے گھر کے خدا فراموشوں کو دیکھئے کیسے خود فراموش ہو گئے ہیں۔ دیکھئے:

ان حکام کو جو نشہ اقتدار میں مست، عوام کا خون چوس رہے ہیں، ملک کی جڑوں کو کھوکھلا کر رہے ہیں انہیں نہ تو یہ احساس ہے کہ ایک حاکم کی حیثیت سے ان کی کیا ذمہ داریاں ہیں نہ انہیں یہ یاد ہے کہ عوام سے ووٹوں کی بھیک مانگتے وقت انہوں نے کیا وعدے کئے تھے اور نہ ہی انہیں یہ خیال کہ بہر حال ایک نہ ایک دن اقتدار کی یہ کرسی کسی دوسرے کو منتقل ہونا ہے پھر ان کا کیا انجام ہوگا۔

دیکھئے، ان رشوت خوروں کو جن کی عیاشی نے انہیں بھکاری بنا رکھا ہے۔ وہ اپنی باعزت کرسی پر بیٹھے صبح سے شام تک لوگوں سے بھیک مانگتے رہتے ہیں اور پھر بھی خود کو معزز سمجھتے ہیں۔ باوقار یونیفارم میں لوگوں کو لوٹتے رہتے ہیں اور پھر بھی قانون کے محافظ کہلاتے ہیں۔

دیکھئے، ان غنڈوں اور لٹیروں کو جو اپنے سرداروں کے اشاروں پر ناپتے ہیں۔ ان کی نظروں میں کسی کی جان، مال، عزت، آبرو کسی چیز کی کوئی حیثیت نہیں نہ انہیں افراد کی ایذا رسانی کی پروا اور نہ ہی قومی وقار کو پامال کرنے پر افسوس۔ دیکھئے، ان سود خوروں کو جو صرف اپنی شان و شوکت بڑھانے اور اپنی دولت مندی کے مظاہرے کے لئے سودی کاروبار کرتے ہیں۔ خود بھی حرام خور ہیں اور اپنی نسل کو بھی حرام خوری میں مبتلا کئے ہوئے ہیں۔

دیکھئے، اس جواری کو جو اپنی ساری دولت، اپنی بیوی کے کان کے بندے تک ہار بیٹھا اور اب اسے کوئی ایک وقت کی روٹی کھلانے والا نہیں۔ کم بخت خود بھی خوار ہوا اور اپنے بیوی بچوں کو بھی ذلیل کرا بیٹھا۔

دیکھئے، اس شرابی کو جو اپنے ہی گھر کے دروازے پر کھڑا اپنے گھر کا پتہ پوچھ رہا ہے۔ دیکھئے، ان گھروں میں آفات و بلیات، امراض اور بے برکتی و جن میں کبھی نہ تو قرآن کریم کی تلاوت ہوتی ہے اور نہ ہی سجدہ کیا جاتا ہے، مصائب و آفات کے باوجود بھی انہیں کبھی اللہ کا نام لینے کا خیال نہیں آتا۔

اللہ محفوظ رکھے اسے بھلانے کی یہ سزا سخت ترین ہے کہ انسان خود فراموش ہو جاتا ہے، ذلیل ہوتا ہے، خوار ہوتا

ہے، دنیا بھی برباد ہو جاتی ہے اور آخرت میں بھی ذلت و خواری اس کا مقدر ہوگی۔

اس سنگین جرم کی ایک اور سزا بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا: ”نَسُوا اللَّهَ فَنَسِيَهُمْ“ انہوں نے بھلا دیا اللہ کو تو اللہ نے بھی انہیں بھلا دیا یعنی اللہ بھی ان لوگوں کو بھلا دیتا ہے جو اللہ کو بھلا دیتے ہیں اور جسے اللہ ہی نے بھلا دیا وہ یقیناً برباد ہو گیا۔ پس:

اے ایمان والو! ”لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَسُوا اللَّهَ“ ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے اللہ کو بھلا دیا اور ان کا انجام یہ ہوا: ”فَأَنسَاهُمْ أَنفُسَهُمْ“ کہ اللہ نے ان کو خود فراموش بنا دیا کہ انہیں اپنی حقیقت و حیثیت ہی کا پتہ نہ رہا۔ ان کی زندگی کا کوئی مقصد نہ رہا۔ یہ بھٹکتے پھرتے اور ذلیل و خوار ہوتے رہتے ہیں۔ یہ ذلت کو عزت، نامرادی کو کامیابی سمجھتے ہیں۔ ہم اپنے پیارے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پیارے غلاموں کو اس حال میں دیکھنا پسند نہیں فرماتے۔ ان کی شان تو یہ ہونا چاہئے کہ وہ با عزت ہوں، باوقار ہوں، با رعب ہوں۔ انہیں اپنے دیکھیں تو ان کا احترام کریں، غیر دیکھیں تو کانپنے لگیں۔ ان کے درمیان میل محبت ہو۔ ان کی زندگی کے شب و روز پر امن اور پرسکون ہوں۔ یہ اپنی دینی اور دنیاوی ذمہ داریاں باسانی پوری کرتے ہوں۔ یہ سب کچھ جب ہی نصیب ہوتا ہے اور انہی کو نصیب ہوتا ہے جو ہر حال میں اللہ اور اس کے رسول کے احکام کی پابندی کرتے ہیں اور پیکر اطاعت و فرمانبرداری بن کر وہ عملی ثبوت دیتے ہیں کہ وہ اپنے مالک حقیقی کو یاد رکھتے ہیں اور جو اللہ کو یاد رکھتے ہیں اللہ بھی انہیں یاد رکھتا ہے۔ ”فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ“ اس کا اعلان ہے اور یہی لوگ صالحین، متقین، محسنین، صادقین اور مقربین کہلاتے ہیں جن سے اللہ محبت فرماتا ہے، اللہم اجعلنا منهم۔

وَصَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَى خَيْرِ خَلْقِهِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

## ”سورة المحتجۃ“

آیات نمبر	مقالہ نمبر
9۴1	80
11۴10	81
13	82

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ



## مقالہ ۸۰

### المستحسنة: ۹۳۱

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ تُلْقُونَ إِلَيْهِم بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوا بِهَا جَاءَكُمْ مِنَ الْحَقِّ يُخْرِجُونَ الرَّسُولَ وَإِيَّاكُمْ أَنْ تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ رَبِّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِي سَبِيلِي وَابْتِغَاءَ مَرْضَاتِي تُسِرُّونَ إِلَيْهِم بِالْمَوَدَّةِ وَأَنَا أَعْلَمُ بِمَا أَخْفَيْتُمْ وَمَا أَعْلَنْتُمْ وَمَنْ يَفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ ۝ إِنْ يَتَّقُوا اللَّهَ يَكُونُوا لَكُمْ أَعْدَاءً وَيَبْسُطُوا إِلَيْكُمْ أَيْدِيَهُمْ وَأَلْسِنَتَهُم بِالسُّوءِ وَوَدُّوا نَوْكَارُكُمْ ۝ لَنْ تَنفَعَكُمْ أَرْحَامُهُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ يُفْصَلُ بَيْنَكُمْ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۝ قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ وَالَّذِينَ مَعَهُ إِذْ قَالُوا الْقَوْمِ هُمْ إِنَّا بُرَاءُ مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ أَبَدًا حَتَّى تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَحَدَهُ

إِلَّا قَوْلَ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ لَا تُغْفِرْ لَكَ وَمَا أَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ رَبَّنَا  
عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَإِلَيْكَ أَنبَأُوا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ ﴿١﴾ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِلَّذِينَ كَفَرُوا وَار  
اغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿٢﴾ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيهِمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ  
كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَمَنْ يَتَوَلَّ فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ﴿٣﴾ عَسَى اللَّهُ  
أَنْ يَجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِينَ ظَلَمْتُمْ مَوَدَّةً وَاللَّهُ قَدِيرٌ وَاللَّهُ غَفُورٌ  
رَحِيمٌ ﴿٤﴾ لَا يَنْهٰكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُمْ مِنْ دِيَارِهِمْ  
أَنْ تَبُرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ﴿٥﴾ إِنَّمَا يَنْهٰكُمُ  
اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ قَاتَلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَأَخْرَجُوكُمْ مِنْ دِيَارِهِمْ وَظَهَرُوا عَلَيْهِمْ إِخْرَاجَكُمْ  
أَنْ تَوَلَّوْهُمْ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿٦﴾

(الممتحنة: ٩٥-١٠١)

اے ایمان والو! نہ بناؤ میرے دشمنوں کو اور اپنے دشمنوں کو (جگری) دوست، تم تو ان سے اظہارِ محبت کرتے ہو حالانکہ وہ انکار کرتے ہیں حق کا جو تمہارے پاس آیا ہے انہوں نے نکالا ہے رسول کو اور تمہیں بھی (مکہ سے) محض اس لئے کہ تم ایمان لائے ہو اللہ پر جو تمہارا رب ہے اگر تم جہاد کے لئے نکلے ہو میری راہ میں میری رضا جوئی کے لئے (تو انہیں دوست نہ بناؤ تم بڑی رازداری سے ان کی طرف پیغامِ محبت بھیجتے ہو حالانکہ میں جانتا ہوں جو تم نے چھپا رکھا ہے اور جو تم نے ظاہر کیا اور تم میں سے جو ایسا کرے گا تو وہ بھٹک گیا راہِ راست سے اگر وہ تم پر قابو پالیں تو وہ تمہارے دشمن ہوں گے اور بڑھائیں گے تمہاری طرف اپنے ہاتھ اور اپنی زبانیں برائی کے ساتھ اور وہ تو چاہتے ہیں کہ تم کافر بن جاؤ نہ نفع پہنچائیں گے تمہیں تمہارے رشتہ دار اور نہ تمہاری اولاد قیامت کے دن اللہ تعالیٰ جدائی ڈال دے گا تمہارے درمیان (اس دن) اور اللہ جو تم کر رہے ہو خوب دیکھنے والا ہے بیشک تمہارے لئے بہترین نمونہ ہے ابراہیم علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں (کی زندگی میں) جب انہوں نے کہہ دیا اپنی قوم سے کہ ہم تم سے بیزار ہیں اور ان معبودوں سے جن کی تم پوجا کرتے ہو اللہ کے سوا ہم تمہارا انکار کرتے ہیں اور ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ کے لئے عداوت اور بغض پیدا ہو گیا ہے یہاں تک کہ تم ایمان لاؤ ایک اللہ پر مگر ابراہیم (علیہ السلام) کا اپنے باپ سے یہ کہنا (مستثنیٰ ہے) کہ میں ضرور مغفرت طلب کروں گا تمہارے لئے اور میں مالک نہیں ہوں تمہارے لئے اللہ کے سامنے کسی نفع کا اے ہمارے رب ہم نے تجھ پر ہی بھروسہ کیا ہے اور تیری ہی طرف رجوع کیا اور تیری ہی طرف ہمیں پلٹ کر آنا ہے اے ہمارے رب ہمیں کافروں کے لئے فتنہ نہ بنا دے اور ہمیں بخش دے اے ہمارے رب بیشک تو ہی عزت والا اور حکمت والا ہے بیشک تمہارے لئے ان میں خوبصورت نمونہ ہے اس کے لئے جو اللہ اور

روز قیامت کا امیدوار ہے اور جو روگردانی کرے (اس سے) تو بیشک اللہ ہی بے نیاز سب خوبیوں والا ہے یقیناً اللہ پیدا فرمادے گا تمہارے درمیان اور ان کے درمیان جن سے تم دشمنی رکھتے ہو محبت اور اللہ تعالیٰ بڑی قدرت والا ہے اور اللہ تعالیٰ بہت ہی بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے اللہ تمہیں منع نہیں کرتا کہ جن لوگوں نے تم سے دین کے معاملہ میں جنگ نہیں کی اور نہ انہوں نے تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا کہ تم ان پر احسان کرو اور ان کے ساتھ انصاف کرو بیشک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے اللہ تمہیں روکتا ہے صرف ان لوگوں سے جنہوں نے تم سے دین کے معاملہ میں جنگ کی اور انہوں نے تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا اور مدد کی تمہارے نکالنے میں کہ تم انہیں دوست بناؤ اور جو انہیں دوست بناتے ہیں تو وہی (اپنے آپ پر) ظلم کرتے ہیں۔

### بنیادی ہدایت

سورۃ الممتحنہ کی یہ نو آیات ہیں جن میں اہل ایمان کو مخاطب کرتے ہوئے بنیادی ہدایت یہ دی جا رہی ہے کہ ”دشمنان اسلام سے چاہے کتنا ہی نقصان پہنچنے کا خطرہ کیوں نہ ہو کسی حال میں بھی اہل ایمان کے لئے ان کو دوست بنانا جائز نہیں کہ وہ بظاہر دوست ہوتے ہوئے بھی اسلام اور مسلمانوں کے ہی خواہ نہیں ہو سکتے۔“

یہ ممانعت اگرچہ قرآن کریم میں متعدد بار آچکی ہے لیکن یہاں اس کا انداز بیان قدرے مختلف ہے کہ ارشاد ہو رہا ہے: ”لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ“ میرے اور اپنے دشمن کو ولی نہ بناؤ۔ جبکہ دیگر مقامات پر اسی حکم کو اس طرح دیا گیا: ”لَا تَتَّخِذُوا الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ“ کافروں کو ولی نہ بناؤ۔ ظاہر ہے کہ انداز بیان کی یہ تبدیلی لایعنی اور بیکار نہیں کہ قرآن کریم کا ہر جملہ ذومعنی اور پُر از حکمت ہے۔ پس اگر آپ غور کریں تو ”عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ“ کا جملہ اپنے مفہوم کے اعتبار سے مزید وسیع ہے یعنی صرف کفار کو اولیاء بنانے ہی کی ممانعت نہیں بلکہ جو بھی اللہ کا اور تمہارا دشمن ہو اس کو ولی نہ بناؤ کہ کفار کے علاوہ بھی کچھ لوگ ہیں جو تمہارے ہی لبادے میں ہیں لیکن حقیقت میں یہ لوگ بھی اس لائق نہیں کہ تم ان پر اعتماد اور بھروسہ کر کے انہیں اپنا ہم درد جانو اور راز داں بناؤ۔ یہ وہ ہیں جو تمہاری ہی طرح کلمہ پڑھتے ہیں، تمہاری طرح نمازیں پڑھتے ہیں، تمہاری ہی طرح مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن اسلام کے بنیادی احکام میں سے کسی ایک کے بھی منکر ہیں تو یہ تمہارے نہ رہے بلکہ اللہ کے بھی دشمن ہو گئے اور تمہارے بھی۔ یہ تو کفار سے بھی بدتر ہیں مارا آستیں ہیں ان سے بچتے رہنا یہ مرتد ہیں، واجب القتل ہیں ان سے کسی کا تعلق جائز نہیں کہ اللہ انہی سب سے اپنی عداوت اور دشمنی کا واضح اعلان فرما چکا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِلَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَرُسُلِهِ وَجِبْرِيلَ وَمِيكَلَ فَإِنَّ اللَّهَ عَدُوٌّ لِلْكَافِرِينَ

(البقرہ: ۹۸)

جو کوئی دشمن ہو اللہ کا اور اس کے فرشتوں کا اور اس کے رسولوں کا اور جبریل و میکائیل (علیہما السلام) کا تو



اللہ بھی دشمن ہے (ان) کافروں کا

اور یہی کفار جو اللہ کے دشمن ہیں اور اللہ ان کا دشمن ہے، تمہارے بھی دشمن ہیں۔ ارشاد ہوا:

(النساء: ۱۰۱)

إِنَّ الْكُفْرَيْنَ كَانُوا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِينًا

بے شک کافر تو تمہارے کھلے دشمن ہیں۔

منافقین و مرتدین کے لئے خصوصی اعلان فرمایا گیا اور ان سے بچتے رہنے کی تاکید کی گئی۔ ارشاد ہوتا ہے:

(المنافقون: ۴)

هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرُوهُمْ ۚ قَاتِلْهُمْ اللَّهُ ۖ أَفَلَا يُؤْفَكُونَ

یہی حقیقی دشمن ہیں پس ان سے ہوشیار رہو ہلاک کرے انہیں اللہ کیسے مارے مارے پھرتے ہیں۔

انہی دشمنوں کے خلاف جنگی تیاریوں کا حکم دیتے ہوئے اس کا مفاد بتایا گیا:

تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ وَآخَرِينَ مِنْ دُونِهِمْ ۚ لَا تَعْلَمُونَهُمُ اللَّهُ يَعْلَمُهُمْ ۚ

(انفال: ۶۰)

تاکہ تم خوفزدہ کر دو اپنی جنگی تیاریوں سے اللہ کے دشمن کو اور اپنے دشمن کو اور دوسرے لوگوں کو ان کھلے

دشمنوں کے علاوہ۔ تم نہیں جانتے ہو انہیں اللہ انہیں جانتا ہے۔

اہل ایمان کو طاقتور دشمن کے خوف سے مطمئن کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ مؤمنین کو اپنی مدد اور ان پر غلبہ کا یقین

دلاتے ہوئے فرماتا ہے:

وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِأَعْدَائِكُمْ ۚ وَكَفَى بِاللَّهِ وَلِيًّا ۚ وَكَفَى بِاللَّهِ نَصِيرًا ۝ (النساء: ۴۵)

اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے تمہارے دشمنوں کو اور اللہ کافی ہے (تمہاری) حمایت کے لئے اور کافی ہے

(تمہاری) مدد کے لئے۔

تم تو اپنے دشمن کے ظاہری کروفر اور قوت طاقت ہی کو جانتے اور اسی سے مرعوب ہو جاتے ہو جبکہ اللہ اچھی طرح

ان کی حیثیت و حقیقت سے واقف ہے۔ تمہیں ان کے سامنے جھکنے، بھیک مانگنے یا ان پر اعتماد کرنے کی ضرورت نہیں کہ تمہارا تو

ولی اور ناصر و مددگار وہ اللہ ہے جو بڑا ہی قوت و طاقت والا اور ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے اور وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ تاریخ

شاہد ہے کہ ہمیشہ ولی و ناصر اللہ جل جلالہ و عم نوالہ نے دشمن کے مقابلہ پر تمہاری مدد کی ہے۔ تاریخ اسلام کا مطالعہ کرنے والے

اس حقیقت کو بلا تامل تسلیم کرتے ہیں۔ ارشاد ہوا:

(الصف: ۱۴)

فَإِيْدْنَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَىٰ عَدُوِّهِمْ فَاصْبِرُوا ۚ هَٰؤُلَاءِ

پھر ہم نے مدد کی دشمنوں کے مقابلہ میں ایمان والوں کی بالآخر وہی غالب رہے۔

اگر قرآن کریم کی ان آیات کا پورے ایمان و ایقان کے ساتھ مطالعہ کر لیا جائے تو کوئی وجہ باقی نہیں رہتی کہ مؤمن کسی

بھی طرح اپنے آپ کو کمزور سمجھ کر دشمن کے در کا بھاری بنے۔ اسی لئے ماضی میں کوئی ایسی نظیر نہیں ملتی کہ مسلم حکام یا عوام نے کسی

بھی مرحلہ پر دشمن کا تعاون حاصل کرنے کی ضرورت محسوس کی ہو۔ انہوں نے ہمیشہ دشمن کو دشمن ہی جانا اور صرف اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ارشادات پر عمل کرتے ہوئے خود ہی اپنے معاملات کو سدھارا اور اپنی ضروریات کو پورا کیا۔ نتیجتاً وہ ہمیشہ باعزت و باوقار رہے جبکہ دشمن اپنی ظاہری قوت و طاقت کے باوجود ان کے سامنے جھکا ہی رہا لیکن آج کے شہنشاہ و حکام نے پوری امت مسلمہ کو دشمن کی نظروں میں ذلیل و خوار بنا رکھا ہے۔ وہ اپنی اصلاح کرنے اور اپنے اندر ایمانی قوت پیدا کرنے کے بجائے صرف دشمن پر اعتماد کرتے اور اپنی روزمرہ کی ضروریات پوری کرنے کے لئے بھی اس کا سہارا لیتے ہیں پھر بھی ان کی پیشانی پر بل نہیں آتا۔ بڑے بڑے لمبے لمبے دعوے کرتے نہیں تھکتے، کبھی اپنی مکاری پر شرمندہ نہیں ہوتے، ان کا ضمیر تک مرچکا ہے، کبھی انہیں اپنے کئے پر پچھتاوا نہیں ہوتا اللہ ان کو ہدایت دے اور امت مسلمہ کو ان سے نجات عطا فرمائے، آمین۔

اے ایمان والو! پس تم اللہ کے دشمن اور اپنے دشمن سے دور رہو اس کو اپنا راز دار نہ بناؤ۔ اس پر اعتماد و بھروسہ ہرگز نہ کرو۔ اللہ کی اس واضح ہدایت کے باوجود تمہیں کیا ہوا کہ تم دشمن سے اظہار محبت کرتے ہو۔ ”تَلْقَوْنَ إِلَيْهِ بِالْمَوَدَّةِ“ دشمن کو محبت و دوستی کا پیغام پہنچانے کی کوشش کرتے ہو جبکہ تم یہ بھی خوب اچھی طرح جانتے ہو کہ اللہ و رسول اور تمہارے کھلے دشمن نے مکی زندگی کے ایام میں تمہارے آقا ﷺ کو کس طرح ستایا اور پریشان کیا، ان پر کیسے کیسے ظلم ڈھائے۔ شعب ابی طالب میں انہیں محصور رکھا، عرصہ دراز تک ان کا ہر طرح بائیکاٹ کیا، بچوں کے بلبلانے اور بھوکوں کے تڑپنے تک کا ان پر کوئی اثر نہ ہوا۔ اللہ کے گھر میں انہیں سجدہ کرنے کی اجازت نہ تھی حتیٰ کہ اللہ کے دشمنوں نے تمہارے دشمنوں نے اللہ کے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ کا گھر، اپنا وطن عزیز چھوڑ دینے پر مجبور کر دیا اور پھر انہیں مدینہ منورہ میں بھی سکون کا سانس نہ لینے دیا۔ بار بار ان پر حملہ آور ہوتے رہے، منہ کی کھاتے رہے پھر بھی باز نہ آئے۔ وہ یہ سب کچھ تم سے کسی ذاتی عناد کی بناء پر نہ کرتے تھے بلکہ اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ ”أَنْ تُوْمِنُوا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ“ کہ تم اپنے رب اللہ پر ایمان لائے۔ تمہارے مؤمن ہو جانے کے باعث ہی وہ تمہارے دشمن ہوئے ہیں جبکہ تم اللہ کے محبوب و پسندیدہ ہو گئے ہو۔ پس تمہاری ذمہ داری ہے کہ تم اپنے ایمان کے تحفظ کے لئے ان سے باخبر رہو، ان کی ہر سازش کا مقابلہ کرتے رہو، انہیں کمزور و بے ضرر جانو کہ وہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے کیونکہ تمہارا ولی و مددگار تو اللہ ہے۔ پس تم اللہ کے سپاہی بن کر دشمن کو کچلنے اور اس کے جہاد کرنے کی تیاری میں مصروف رہو اور جب جہاد کے لئے نکل پڑو تو دشمن سے صلح اور مصالحت کی راہیں تلاش نہ کرو ورنہ وہ تم پر غالب ہونے کے خواب دیکھنے لگیں گے اور اچھی طرح جان لو کہ اللہ تمہارے ظاہر و باطن کو بخوبی جانتا ہے۔ پس تم اپنے ظاہر کو ایسا سنوارو کہ تم پر دشمن کی نظر نہ جم سکے اور باطن کی اصلاح کا خیال رکھو تا کہ تمہاری ایمانی قوت و طاقت میں فرق نہ آنے پائے اور اگر تم نے اس ہدایت پر عمل نہ کیا تو یاد رکھو کہ تم گمراہ ہو جاؤ گے، اپنی حقیقی منزل سے دور ہو جاؤ گے، عزت و شہرت سے محروم ہو جاؤ گے اور واقعی دشمن تم پر غالب آجائے گا اور اگر ایسا ہوا تو دشمن خوب تمہارا مذاق اڑائے گا، خوب تمہیں ذلیل و خوار کرے گا۔ ”وَيَسْطُوْا اِلَيْكُمْ اَيْدِيْهِمْ“ اور وہ تمہاری طرف اپنے ہاتھ بڑھائیں گے، تم پر ظلم و ستم ڈھائیں گے، جسمانی اذیت پہنچائیں گے۔ ”وَالْيَسْتَبْشِرُوْا بِالسُّوْءِ“ اور اپنی زبانیں برائی کے ساتھ کہ تمہیں غلاموں کی طرح حکم دیا کریں گے اور جب تم سے ان

کے احکام کی تعمیل میں کچھ بھی کوتاہی ہوگی تو وہ تمہیں گالیاں دیا کریں گے تاکہ تم مصائب و آلام اور ذلت و خواری سے تنگ آ کر اپنا دین چھوڑ بیٹھو اور یہی تو ان کا مقصد ہے اور خوب یاد رکھو کہ تمہارے اہل و عیال اور اعزاء و اقارب جو دشمن کے قبضہ میں ہیں اور جن کی محبت کے سبب تم دشمن سے نرم برتاؤ کا خیال کرتے ہو، اس کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھانا چاہتے ہو، وہ اعزاء و اقارب وہ اہل و عیال قیامت کے دن ہرگز تمہارے کام نہ آئیں گے۔ ”يَفْصِلُ بَيْنَكُمْ“ کہ اس دن تو اللہ تعالیٰ تمہارے اور ان کے درمیان ایسی دوری کر دے گا کہ نہ تم ان کی مدد کر سکو گے اور نہ ہی وہ تمہارے مددگار بن سکیں گے۔ اس چند روزہ زندگی کے لئے تم کیوں اللہ و رسول کے احکام کو پس پشت ڈال کر اپنے آپ کو ذلیل و خوار کرتے اور اپنی عزت و آبرو کا دشمن سے سودا کرتے ہو تمہاری عزت اسی میں ہے، عافیت اسی میں ہے کہ تم اللہ کی ہدایت پر عمل کرو اور ہاں اگر تم نے لوگوں کی نظروں سے چھپ کر دشمن سے کوئی سبب باز کر بھی لی، کوئی غیر شرعی معاہدہ کر بھی لیا تو خوب جان لو کہ تمہاری اس حرکت کو اگرچہ کوئی نہیں دیکھ پایا لیکن جو کچھ تم کرتے ہو اللہ سب جانتا اور سب کی خبر رکھتا ہے۔

اے ایمان والو! ماضی کی تاریخ کا مطالعہ کرو اور پہنچو ہمارے خلیل و نبی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دور تک اور دیکھو ہمارے خلیل نے کس طرح ہماری رضا کے لئے اپنے اہل و عیال کی قربانی دی، ان کے ساتھیوں نے کس طرح ہماری اطاعت و فرمانبرداری کا حق ادا کیا اور تمہارے لئے ”اسوۂ حسنہ“ بہترین نمونہ قائم کیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تاریخ ہم تمہیں اس لئے یاد دلار ہے ہیں کہ ان کی زندگی کا یہ مخصوص حصہ نہایت ہی اہم تھا۔

پس آئیے، اس موقع پر ہم بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اسوۂ حسنہ سے متعلق چند سطور پیش کر دیں کہ اگرچہ جملہ انبیاء و مرسلین کی عزت اور ان کا احترام ہمارے ایمان کا جز ہے لیکن اللہ کے خلیل علیہ السلام سے ہمارا خصوصی تعلق ہے کہ آپ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جد امجد ہیں، ہمارے آقا ﷺ آپ ہی کی نسل مبارک سے ہیں، اسی لئے شریعت مطہرہ نے ان کی اور ان کے اہل و عیال کی بہت سی اداؤں کو ہمارے لئے قابل عمل بنایا ہے۔ قربانی آپ کی ہی یادگار ہے، حج کے اکثر و بیشتر اعمال، آپ ہی کی اداؤں کے مطابق ادا کئے جاتے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام

انہی آیات میں ارشاد ہے: ”قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ وَالَّذِينَ مَعَهُ“ تحقیق تمہارے لئے ابراہیم علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کی زندگی میں بہترین نمونہ موجود ہے۔ کہ تم غور کرو انہوں نے محض ہماری رضا و خوشنودی کے لئے کس طرح اپنی قوم سے برأت و علیحدگی کا اظہار کیا اور اعلان کیا: ”إِذْ قَالُوا لِقَوْمِهِمْ“ ”یاد کرو جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا: ”إِنَّا بَرَاءٌ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ“ ہم تم سے بیزار ہیں اور ان معبودوں سے جن کی تم اللہ کے سوا پوجا کرتے ہو۔ ”كُفِّرْنَا بَكُمْ“ ہم تمہارا انکار کرتے ہیں تمہیں چھوڑتے ہیں۔ ”وَبَدَأْنَا بَيْنَكُمْ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ أَبَدًا“ اور ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ کے لئے دشمنی پیدا ہو چکی ہے کیونکہ تم اللہ کے اور ہمارے دشمن ہو اب تم سے ہمارا کوئی تعلق نہیں۔۔۔ اب تو اسی صورت میں رابطہ ہو سکتا ہے۔ ”حَتَّى تَوَمَّنُوا بِاللَّهِ وَخَذَهُ“ کہ تم ایک اللہ پر ایمان

لے آؤ۔ ساری دشمنیاں ختم ہو جائیں گی، سب بھائی بھائی ایک ہو جائیں گے کہ انسانوں کے رشتہ کا تعلق خون سے بعد میں ہے پہلے یہ تعلق اللہ کے تعلق سے بنتا ہے جو اس کا ہے وہی سب اہل ایمان کا ہے جو اس کا نہیں اس سے کسی ایمان والے کا کوئی رشتہ کوئی تعلق نہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اسی خصوصیت کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا گیا:

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ لِأَبْنَيْهِ وَقَوْمِهِ إِنَّنِي بَرَاءٌ مِّمَّا تَعْبُدُونَ ﴿٢٦﴾ (زخرف: ۲۶)

اور (یاد کرو) جب ابراہیم علیہ السلام نے کہا اپنے باپ اور اپنی قوم سے میں بیزار ہوں ان سے جن کی تم عبادت کرتے ہو۔

پھر آپ نے چاند، سورج کو غروب ہوتا ہوا دیکھ کر فرمایا:

لِقَوْمٍ رَافِقِيَّ بَرِّئَ مِمَّا تُشْرِكُونَ ﴿٢٧﴾ (انعام: ۷۸)

اے میری قوم میں ان چیزوں سے بیزار ہوں جنہیں تم شریک ٹھہراتے ہو۔

یہی حکم اللہ تعالیٰ نے دیگر انبیاء علیہم السلام بالخصوص حضور نبی مکرم علی الصلوٰۃ والسلام کو دیا۔ ارشاد ہوا:

فَإِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ إِنِّي بَرِّئٌ مِّمَّا تَعْمَلُونَ ﴿٢٨﴾ (الشعراء: ۲۱۶)

(حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام) اگر وہ آپ کی نافرمانی کریں تو آپ فرما دیجئے میں ان کاموں سے بیزار ہوں جو تم کرتے ہو۔

کیونکہ اللہ رب العالمین نے ان کفار و مشرکین سے لاتعلقی اور برأت کا خود بھی اعلان فرمایا۔ ارشاد ہوتا ہے:

أَنَّ اللَّهَ بَرِّئٌ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ وَرَسُولُهُ ﴿٢٩﴾ (توبہ: ۳)

اللہ بری ہے مشرکوں سے اور اس کا رسول بھی۔

یہ اعلان عام ہے کہ مشرکین سے اللہ تعالیٰ کا کوئی تعلق و واسطہ نہیں۔ پس جب اللہ کا خلیل، اللہ کا محبوب اور خود اللہ وحدہ لا شریک لہ مشرکین و کفار اور دیگر دشمنان اسلام سے بیزار ہیں تو اہل ایمان کو ہرگز زیب نہیں دیتا کہ وہ اللہ کے اور اپنے دشمنوں کو اپنا راز دار بنائیں، ان سے نرمی کا برتاؤ کریں، ان کے در پر کا سہ لیس کریں، بالخصوص حالت جنگ میں تو ایسا کوئی اقدام نہایت ہی مضر اور خطرناک ہو سکتا ہے جبکہ کافروں کا یہ حال ہے کہ وہ اپنے مفاد کے لئے مسلمانوں سے بظاہر دوستی کا ہاتھ بھی بڑھاتے ہیں ان کی مدد کا بھی وعدہ کرتے ہیں اور جب اپنا کام نکال لیتے ہیں تو انہی کے مقابلہ پر سینہ سپر ہو کر آ جاتے ہیں۔ پس:

اے ایمان والو! ”لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ“

مختصر حالات زندگی

یہاں حضرت سیدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حالات زندگی پر بھی مختصر نظر ڈالتے چلیں تاکہ آپ کی خصوصیات

کا مزید اندازہ ہو سکے۔ جن کی بناء پر انہیں اور ان کے ساتھیوں کو اس امت کا نمونہ قرار دیا گیا۔ جس کے لئے اللہ کے حبیب نبی آخر الزماں ﷺ کی زندگی بہترین ”اسوہ“ بہترین نمونہ ہے۔

اللہ کے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ولادت، کوفہ و بصرہ کے درمیان واقع شہر ”بابل“ میں ہوئی۔ جو آج کل عراق کی حدود مملکت میں ہے، یہ نمرود کا دور تھا، یہاں کے سب لوگ مشرک اور بت پرست تھے، مشرکانہ عقائد کے متعفن ماحول اور ایک جابر و ظالم حکمران کے دور میں اللہ نے اپنے خلیل علیہ السلام کو پیدا فرمایا۔

اعلان نبوت کے بعد آپ نے اپنے مشن کا آغاز اپنی قوم کے عقائد باطلہ کے رد کے ساتھ نہایت ہی فطانت اور ذہانت سے فرمایا کہ جب آپ نے تاروں، چاند اور سورج کو غروب ہوتے دیکھا تو فرمایا کہ یہ ڈوبنے والے میرے یا کسی کے معبود کیسے ہو سکتے ہیں اور پھر اسی وقت پہلی مرتبہ آپ نے قوم کے مشرکانہ عقائد سے بیزاری کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

قَالَ يَقَوْمِ إِنِّي بَرِيءٌ مِّمَّا تُشْرِكُونَ۔

آپ نے فرمایا، اے میری قوم میں بری ہوں ان چیزوں سے جنہیں تم اللہ کا شریک ٹھہراتے ہو۔ میں تو صرف اس اللہ پر ایمان رکھتا ہوں جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا اس کے علاوہ ہر عقیدہ باطل اور جھوٹا ہے۔ اور جب پہلی مرتبہ نمرود کے دربار میں جانے کا آپ کو موقع ملا تو اس کے سوالات کے آپ نے ایسے مسکت جواب دیئے ”قَبِهُتِ الَّذِي كَفَرَ“ کہ کافر مبہوت و پریشان ہو کر رہ گیا۔

حضرت خلیل علیہ السلام نے اپنی قوم کو ہر چند عقائد باطلہ سے تائب ہو کر حق قبول کرنے کی دعوت دی لیکن ان ظالموں کے کانوں پر جوں تک نہ رہی۔ پس ایک موقع ہاتھ آیا تو آپ نے نہایت حکمت کے ساتھ ان کے عقائد کی قلعی کھولی۔ ہوا یوں کہ جب ساری قوم آبادی سے باہر جشن منانے چلی گئی اور آپ معذرت کر کے یہاں تنہا رہ گئے تو آپ ان کے بڑے بت کدے میں پہنچے اور سب سے بڑے بت کو ایک کلباڑے سے ریزہ ریزہ کر ڈالا، واپس آ کر لوگوں نے جب اپنے معبود کا یہ حال زار دیکھا تو چلا اٹھے کہ یہ ضرور ابراہیم ہی کا کام ہے۔ لہذا آپ کی شاہی دربار میں طلبی ہوئی اور پوچھا گیا ”أَنْتَ فَعَلْتَ هَذَا بِالْهَيْتَانِ يَا بَرَاهِيمُ“ اے ابراہیم کیا تو نے ہمارے معبودوں کی یہ درگت بنائی ہے۔ آپ نے جواباً ارشاد فرمایا: اے عقل کے اندھو! کیا تم نے نہ دیکھا کہ بڑے بت نے مٹھائی کے سارے تھالوں پر قبضہ کیا ہوا ہے اور کلباڑا اسی کے ہاتھ میں ہے جس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ یہ ظلم اسی نے ڈھایا ہے۔ یہ سن کر سب کی زبانیں کنگ ہو گئیں سب کے سر ٹک گئے اور شرمندگی کی کیفیت میں ڈوبے، بولے اے ابراہیم ”لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هَؤُلَاءِ يَنْطِقُونَ“ تم تو بخوبی جانتے ہو کہ یہ بیچارے بول نہیں سکتے تو ہم ان سے ان کا حال کس طرح پوچھ سکتے ہیں۔

اب کیا تھا وہی کیا گیا جو ظالموں کا سب سے بڑا اور آخری حربہ ہوتا ہے۔ اللہ کے خلیل علیہ السلام کو رسیوں سے جکڑ دیا گیا، ایسی آگ جلانی گئی جس کی تاریخ میں کوئی نظیر نہ تھی ادھر ابراہیم کو اس آگ کے بھڑکتے ہوئے شعلوں کی نذر کیا جا رہا تھا اور ادھر قدرت کا فیصلہ جاری ہو رہا تھا۔ ”يَنَارُ كُونِي بَرْدًا وَسَلَامًا عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ“ اے آگ ہمارے خلیل کی آمد ہے

سلامتی کے ساتھ ٹھنڈی ہو کر انہیں اپنے آغوش میں لے لے۔ میرے خلیل کا بال بیکانہ ہونے پائے ورنہ تو ہمیشہ کے لئے حرارت اور جلانے کی قوت سے محروم ہو جائے گی۔ اپنے خالق کے حکم کی تعمیل کے سوا آگ کے لئے کوئی چارہ نہ تھا۔ پس گلزار بن گئی اور وہاں پہنچ کر اللہ کا خلیل اپنے رب کی یاد میں بڑے ہی سکون و اطمینان کے ساتھ محو ہو گیا اور دشمن کی یہ تدبیر بھی کارآمد نہ ہو سکی اب اللہ کے دشمنوں سے اللہ کے نبی کی ایک طویل جنگ کا سلسلہ جاری ہو گیا۔ ہمہ وقت آپ ظلم و ستم کا شکار رہنے لگے کوئی اذیت ایسی نہ تھی جو آپ کو نہ دی جاتی ہو۔ اسی دوران حضرت سارہ رضی اللہ عنہا سے آپ کی شادی ہو گئی اور آپ نے اللہ کی اجازت سے اپنی قوم اور وطن کو خیر باد کہہ کر ہجرت کا فیصلہ فرمایا۔

حیران ہوتے ہوئے آپ مصر پہنچے تو یہاں بھی آزمائش میں مبتلا ہونا پڑا کہ یہاں کے ایک فرعون بادشاہ کو جب حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کے حسن و جمال کی خبر ملی تو اس نے انہیں طلب کیا اور بد نیتی کے ساتھ ان کو ہاتھ لگانا چاہا لیکن اللہ نے یہاں بھی اپنے خلیل کی عزت و آبرو کی حفاظت فرمائی کہ فرعون کا وہ ہاتھ ہی شل ہو گیا جس سے وہ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو چھونا چاہتا تھا۔ بلبل کر آپ ہی سے درخواست دعا کرنے لگا۔ آپ نے اپنے رب سے دعا کی: ”اللَّهُمَّ اِنْ كَانَ صَادِقًا فَاطْلُقْ يَدَهُ“ اے اللہ اگر تو سچا ہے تو اس کا ہاتھ ٹھیک کر دے، ہاتھ ٹھیک ہو گیا۔ اس نے بطور شکرانہ خوش ہو کر اپنی کنیز حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کو ہدینا پیش کیا۔ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا نے انہیں آزاد کر کے اپنے شوہر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پیش کیا اور ان سے نکاح کی درخواست کی۔ ابھی حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کے کوئی اولاد نہ تھی جبکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بیٹا عطا فرمایا۔ جن کا نام ”اسماعیل“ رکھا گیا۔ انہی کی نسل پاک میں ہمارے آقا نبی آخر الزماں سید الانبیاء والمرسلین ﷺ تشریف لائے۔ حضرت اسماعیل کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو بھی بیٹا عطا فرمایا۔ جن کا نام ”اسحاق“ رکھا گیا انہی کی نسل پاک میں بنی اسرائیل کے ہزاروں انبیاء ورسل پیدا ہوئے۔

اب اگرچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر شریف ایک سو بیس برس کی ہو چکی تھی لیکن ابتلاء و آزمائش کا دور اب تک ختم نہ ہوا تھا۔ اسی پیرانہ سالی میں آپ کو اللہ کی طرف سے حکم ملا کہ اپنی زوجہ ہاجرہ اور ننھے اسماعیل کو وادی ”غیر ذی ذرع“ میں تنہا چھوڑ دو، یہاں آبادی تو درکنار کسی چڑیا کی آواز تک سنائی نہ دیتی تھی۔ چند دن بعد جب ساتھ لایا ہوا کھانا پانی ختم ہو گیا تو نوبت بایں جا رسید کہ ماں کی چھاتیوں میں بچے کے لئے دودھ کا ایک قطرہ تک نہ رہا، بچے نے رونا اور بلبلانا شروع کیا تو دیوانہ وار صفا اور مردہ کے درمیان دوڑنے لگیں کہ شاید کہیں پانی نظر نہ آئے۔ انہیں تو پانی نہ ملا لیکن رحمۃ للعالمین ﷺ کے ہونے والے جد امجد کی ایڑیوں کی رگڑ سے قیامت تک کے لئے ”ماء زمزم“، ”آب شفا“، ”آب برکت“ کا چشمہ جاری ہو گیا۔ اسی نے ”وادی غیر ذی ذرع“ کو ایک مقدس شہر میں تبدیل کر دیا۔ اسی کے کنارے اللہ نے باپ بیٹے کو ایسا گھر تعمیر کرنے کا حکم دیا جو اس زمین پر ”اول بیت“ کہلائے جو قیامت تک پیدا ہونے والے انسانوں کے لئے جائے امن بنے، جو اہل ایمان کے مضطرب دلوں کو سکون بخشے، جہاں مرادیں پوری ہوں اور خالی جھولیاں بھری جائیں جہاں ایک سجدے کا ثواب

ایک لاکھ کے برابر ہو اور جس کی قسم ارشاد فرماتے ہوئے اللہ یہ واضح کر دے کہ اس گھر کی ساری عظمتیں، برکتیں اور اس کا تقدس صرف اس لئے ہے کہ یہ میرے محبوب بنی آخر الزماں علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کا مولد جائے پیدائش ہے۔ ”لَا أُقْسِمُ بِهَذَا الْبَلَدِ وَأَنْتَ حِلٌّ بِهَذَا الْبَلَدِ“ میں قسم کھاتا ہوں اس شہر کی کہ یہ آپ کا محل ہے، آپ یہاں رونق افروز ہیں۔

یہی دور ہے جب بوڑھے ابراہیم کو نو جوان اکلوتے کو اللہ کی راہ میں ذبح کر کے قیامت تک آنے والے اہل ایمان کے لئے ”خِلْتُ“ سچی دوستی اور خلوص کا بہترین نمونہ قائم کرنے کا حکم دیا جاتا ہے اور جب باپ بیٹے اس عظیم امتحان میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو انہیں ”ذبح عظیم“ کا فدیہ دیا جاتا ہے۔ بایں صورت کہ ہمیشہ سال میں ایک مرتبہ ان کی اس ادا کو تازہ کیا جاتا رہے اور حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام ہمیشہ یاد کئے جاتے رہیں۔ ”إِنَّا كَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ۔“ اس مختصر تحریر کے مطالعہ سے بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اللہ رب العزت جل مجدہ نے اپنے خلیل علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کی انہی خوبیوں کو ہمارے لئے ”اسوۂ حسنہ“ قرار دیا اور ہم سے مطالبہ کیا کہ ہر حال میں ہم اللہ اور اس رسول ﷺ کی رضا کے خواہاں رہیں اور اس مقصد کے حصول کے لئے کسی بڑی سے بڑی قربانی سے بھی دریغ نہ کریں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد گرامی

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کی زندگی ہمارے لئے اسوۂ حسنہ قرار دی گئی لیکن ان کا ایک عمل اس سے مستثنیٰ ہے کہ انہوں نے اپنے والد کے لئے استغفار کیا: ”إِلَّا قَوْلَ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ لَا تُغْفِرَنَّ لَكَ“ مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے باپ سے یہ کہنا کہ میں تمہارے لئے استغفار کروں گا۔

اس موقع پر یہ وضاحت ضروری ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کون تھے جن کے لئے آپ نے وعدہ استغفار فرمایا کیونکہ اگر ان کا باپ ”آزر“ ہی تھا۔ جیسا کہ قرآن کریم کے ظاہری الفاظ سے معلوم ہوتا ہے تو ایک نبی کا کافر باپ کے لئے استغفار کرنا کس طرح موزوں ہوگا۔ علاوہ ازیں یہ اس حقیقت کے بھی خلاف ہوگا کہ کسی نبی یا رسول کے آباء و اجداد میں، کسی شخص کا بت پرست، مشرک یا کافر ہونا ممکن ہی نہیں۔ پس ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ اس مسئلہ کی قدرے وضاحت کر دی جائے تاکہ اللہ کے خلیل علیہ السلام کا پاک دامن۔ بت پرستی کے داغ سے محفوظ رہے۔

حضرت علامہ آلوسی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر روح البیان میں اس مسئلہ پر خاصی تفصیلی گفتگو کرتے ہوئے بتایا ہے کہ علماء اہل سنت کی اکثریت اس امر پر متفق ہے کہ آزر، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد نہ تھے کیونکہ انہی کی نسل سے ہمارے آقا ﷺ ہیں جبکہ آپ ﷺ کے آباء و اجداد میں کوئی کافر یا مشرک نہ تھا۔ جیسا کہ آپ ﷺ کا واضح ارشاد ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ”لَمْ أَزَلْ أَنْقُلْ مِنْ أَصْلَابِ الطَّاهِرِينَ إِلَى أَرْحَامِ الطَّاهِرَاتِ وَالْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ“ میں ابتداء سے آخر تک پاک لوگوں کی پشتوں سے پاک خواتین کے رحموں میں منتقل ہوتا چلا آیا ہوں اور مشرک نجس ہیں۔ اللہ نے جن کے اہل بیت تک کی طہارت و پاکیزگی کا اعلان فرمایا ہوں ان کا دامن کس طرح شرک کی نجاست سے ملوث ہو سکتا ہے۔ پس علماء کا اتفاق ہے کہ آزر، حضرت ابراہیم علیہ السلام کا باپ نہیں چچا تھا کہ اہل عرب اکثر چچا کے لئے ”أَب“ کا لفظ

استعمال کرتے ہیں۔ جیسا کہ قرآن کریم میں بھی حضرت اسماعیل علیہ السلام کو حضرت یعقوب علیہ السلام کا باپ کہا گیا۔ جبکہ یہ واضح ہے کہ وہ ان کے چچا تھے باپ نہیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی ایک موقع پر اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے لئے ”اب“ کا لفظ استعمال کرتے ہوئے فرمایا: ”رُدُّوْا عَلَیَّ اَبِیْ۔“

حضرت علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت علامہ صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر علماء اہلسنت نے بھی یہی صراحت کی ہے۔ پس حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے جس باپ سے وعدہ استغفار فرمایا وہ آزر تھا لیکن وہ حقیقی باپ نہیں بلکہ چچا تھا جس سے اس امید پر وعدہ فرمایا کہ شاید وہ ایمان قبول کر کے بت پرستی سے تائب ہو جائے کہ ہر شخص کے تائب ہونے اور مؤمن ہو جانے ہی کی امید رکھنا چاہئے، چاہے حالات کتنے ہی اس کے برعکس ہوں۔ پس حضرت ابراہیم علیہ السلام پر یہ الزام کہ انہوں نے اپنے باپ یا چچا کے لئے وعدہ استغفار کیا یہ جانتے ہوئے کہ وہ حالت شرک ہی میں مریں گے، کسی طرح ثابت نہیں ہوتا یہ ایک غلط فہمی ہے جو توہین رسالت و نبوت کے عادی لوگوں کی طرف سے پیدا کی گئی ہے۔ اہلسنت کو اس سے اپنے اسلاف کی تقلید و اتباع کرتے ہوئے بچنا چاہئے۔

قرآن کریم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی متعدد دعائیں نقل فرماتا ہے تاکہ ہم بھی یہ اور ان جیسی دعا کیا کریں۔ یہاں بھی ایک دعا بتائی جا رہی ہے۔ ”رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِلَّذِينَ كَفَرُوا وَاعْفِرْ لَنَا رَبَّنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَلِيمُ“ اے ہمارے رب ہمیں کافروں کے لئے فتنہ نہ بنا اور ہمیں بخش دے اے ہمارے رب بیشک تو ہی عزت والا اور حکمت والا ہے۔ کیسی اہم دعا ہے کہ کفار کے غالب ہو جانے کے سبب، مولا! ہمیں فتنہ سے محفوظ رکھنا اور اس سلسلہ میں ہم سے جو غلطی ہو جائے اسے معاف کر دینا یہ بھی حقیقتاً کافروں سے بیزاری اور لا تعلقی کا اعلان ہے، پس

اے ایمان والو! تم بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح کافروں سے ایسے ہی بیزار اور لا تعلق ہو جاؤ کہ تمہاری دعاؤں میں بھی اس کا اظہار ہونے لگے کہ اللہ کے اور اپنے دشمنوں سے بیزاری اور لا تعلقی ہی ایمان کی روح اور جان ہے۔ اسی سے ایمان کی قوت پیدا ہوتی ہے اور اسی کیفیت کے پیدا ہو جانے کے بعد اللہ تمہارا ناصر و مددگار ہوتا ہے۔

تاریخ شاہد ہے کہ قرآن کریم کے اولین مخاطبین حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اور ان کے بعد اسلاف کرام نے کفار و مشرکین کے ساتھ سخت برتاؤ کیا۔ جس کا خود قرآن کریم نے اعلان فرمایا: ”اَشِدَّاءُ عَلٰی الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ“ کہ محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ یہ کفار پر نہایت ہی سخت ہیں جبکہ آپس میں ایک دوسرے کے لئے نہایت مہربانی اور محبت کا رویہ اختیار کرتے ہیں۔ اس سختی کے باوجود ایمانی تقاضہ کے مطابق صحابہ کی بھی یہی خواہش رہتی تھی اور آج تک ہر مؤمن یہی چاہتا ہے کہ کفار ایمان قبول کر لیں جہنمی جنتی ہو جائیں جو دور ہیں وہ حقیقت میں قریب ہو جائیں نفرتیں محبتوں میں بدل جائیں اور ایک اللہ کے بندے ایک اللہ پر ایمان لا کر ایک ہو جائیں۔ قرآن کریم ان جذبات کا احترام کرتا ہے اور یقین دلاتا ہے: ”عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ عَادَيْتُمْ مِنْهُمْ مَّوَدَّةً“ یقیناً اللہ تمہارے اور ان کے درمیان (کل) دوستی پیدا فرمادے گا، جن سے (آج) تم دشمنی رکھتے ہو۔



اگر یہ نہیں تو کل ان کی نسلیں ایمان قبول کر کے ضرور تمہاری نسلوں سے قریب ہو جائیں گی اور ایسا ہی ہوا کہ فتح مکہ کے بعد نور ایمان نے کفر کی تاریکی کو چھانٹا اور عداوت و دشمنی مَوَدَّة و محبت میں تبدیل ہوئی جو دور تھے وہ قریب ہوئے اور آج تک یہ سلسلہ جاری ہے کہ کل جو دشمن تھے وہ آج دوست ہیں اور جو آج کافر ہیں وہ کل مومن ہوں گے۔

اے ایمان والو! تم ہماری ہدایات پر سختی سے عمل پیرا رہو۔ یہ ہم ہی جانتے ہیں کہ کب کے کس سے دور ہونا ہے اور کے کس سے قریب ہونا ہے کب آج کا دشمن، دوست اور آج کا دوست دشمن ہو جائے گا کہ ہم ہی ”مُقَلِّبُ الْقُلُوبِ“ ہیں اپنی حکمت کے مطابق ہم لوگوں کے دلوں کا حال بدل کرتے ہیں۔

مشرکین و کفار سے قطعی بیزاری اور لا تعلقی کی ہدایت کے باوجود ایسے کفار سے حسن سلوک جاری رکھنے اور ان کے معاملات میں انصاف اختیار کرنے کی اجازت دی جا رہی ہے جو نہ تو اہل ایمان کے دینی معاملات پر اثر انداز ہونے کی کوشش کرتے ہیں اور نہ ہی ان پر ظلم و ستم ڈھا کر انہیں ترک وطن پر مجبور کرتے ہیں فرمایا گیا ”أَنْ تَبْرُوهُمْ وَتُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ“ تم ان پر احسان کرو اور ان کے ساتھ انصاف کرو کہ وہ کفر کے باوجود تمہارے دشمنوں کے زمرے میں نہیں آتے اور اسلام کسی سے دشمنی کی اور نفرت و بیزاری کی بلا وجہ اجازت نہیں دیتا۔ ”إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ“ بیشک اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔

اسلام کی یہ وہ بے نظیر تعلیم ہے جو کوئی دین و مذہب نہیں دیتا کہ جن سے کوئی دینی تعلق نہیں ان کے ساتھ بھی حسن سلوک اور انصاف کی ہدایت کی جا رہی ہے کہ اسلام فتنہ و فساد پیدا نہیں کرنا چاہتا۔ دشمنی اور عداوت کی نمونہ نہیں کرتا۔ اسلام تو محبت کا، امن کا مذہب ہے۔ بیزاری اور لا تعلقی کا سبب تو کفار کی اپنی دشمنی اور سازش بنی۔ اگر وہ مسلمانوں سے دشمنی نہ کریں اور اسلام کے خلاف سازش نہ کریں تو اسلام انہیں بھی جینے کا حق دیتا ہے۔ اسلام کے دامن امن میں ان کے لئے بھی پناہ ہے۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ایک بیوی ”قتیلہ“ تھی۔ جسے آپ نے اس کے کفر کی وجہ سے طلاق دے دی تھی۔ اسی کے بطن سے آپ کی ایک صاحبزادی ”حضرت اسماء رضی اللہ عنہا“ تھیں۔ ہجرت کے بعد قتیلہ اپنی بیٹی کے لئے کچھ تحائف لے کر مدینہ منورہ آئی۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے اس کے تحائف قبول نہ کئے اور اسے اپنے گھر کے اندر تک نہ آنے دیا پھر اس واقعہ کا ذکر انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کیا۔ آپ نے فرمایا: ”اسماء تم نے ٹھیک نہیں کیا وہ تمہاری ماں ہے اس نے تمہیں کوئی تکلیف نہیں پہنچائی اسے گھر بلاؤ اس کے تحائف قبول کرو اس کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ۔“ اسلام کی اس ہدایت کی مصلحت یہی ہے کہ اہل ایمان کے حسن سلوک سے متاثر ہو کر کفار ایمان لائیں اور دوری قرب میں تبدیل ہوں فرمیں ختم ہوں کفر و شرک کا اندھیرا چھٹ جائے۔

حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کا واقعہ

ان آیات سے متعلق حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کا ایک اہم واقعہ ہے۔ اس کا بھی مطالعہ کرتے چلے جس سے معلومات میں یقیناً اضافہ ہوگا۔ یہ واقعہ حضرت صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے حاشیہ قرآن میں لکھا ہے:

بنو ہاشم کے خاندان کی ایک باندی ”سارہ“ مدینہ منورہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار میں حاضر ہوئیں، اس وقت آپ فتح مکہ کی خاموش تیاری کر رہے تھے اور آپ ﷺ نے مسلمانوں کو سختی سے ہدایت فرمائی تھی کہ یہ راز اہل مکہ پر فاش نہیں ہونا چاہئے۔ ”سارہ“ دربار میں حاضر ہوئی تو آپ ﷺ نے پوچھا: کیا تو مسلمان ہو کر آئی ہے۔ اس نے انکار کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا ہجرت کر کے آئی ہے۔ کہا نہیں۔ فرمایا: پھر یہاں آنے کا کیا مقصد ہے۔ اس نے عرض کی: محتاجی سے تنگ ہو کر آئی ہوں کچھ امداد کی درخواست ہے۔ آپ ﷺ کے ارشاد پر صحابہ نے اس کی مدد کی اور کہا اب تو چلی جا۔ حضرت حاطب بن بلتعہ رضی اللہ عنہ اس سے ملے اس کو دس دینار دیئے اور چادر دی اور کہا یہ میرے اہل خانہ کو پہنچا دینا اور ایک خط دیا اور کہا یہ اہل مکہ کے لئے ہے۔ خط کا مضمون یہ تھا:

”کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تم پر حملہ کی تیاری میں مصروف ہیں لہذا تم اپنے بچاؤ کی تدبیر کرو۔“

سارہ خط لے کر ابھی روانہ ہی ہوئی تھی کہ غیب داں آقا ﷺ کو علم ہو گیا۔ آپ ﷺ نے چند صحابہ و جن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے طلب فرمایا اور ارشاد فرمایا: کہ ”مقام روضہ خاخ“ پر تمہیں ایک مسافر عورت (سارہ) ملے گی جو اہل مکہ کے لئے حاطب کا خط لے کر جا رہی ہے تم اس کا تعاقب کرو۔ اس سے وہ خط لے لو اور ارا انکار کرے اور کسی طرح بھی خط نہ دے تو اس کو قتل کر دو۔ یہ حضرات روانہ ہوئے اور اس عورت کو ٹھیک اسی مقام پر پایا جہاں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بتایا تھا۔ اس سے خط طلب کیا لیکن اس نے سختی سے انکار کی اور کہا کہ میں تو خط کے متعلق کچھ جانتی ہی نہیں مجبوراً صحابہ واپس ہونے لگے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پلٹ کر پھر اس عورت کو روکا اور فرمایا میرے آقا ﷺ کی خبر خلاف واقعہ نہیں ہو سکتی، لہذا تو خط نکال ورنہ میں تیری گردن اڑا دوں گا اور آپ نے اپنی تلوار تان لی، مجبوراً عورت کو وہ خط دینا پڑا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار میں یہ خط پیش ہوا۔ آپ ﷺ نے اسے ملاحظہ فرمایا تو سخت افسوس ہوا۔ حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کو طلب کیا گیا ابھی گفتگو کا آغاز ہی ہوا تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ عرض گزار ہوئے: ”یا رسول اللہ ﷺ! مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس منافق کی گردن اڑا دوں“ آپ ﷺ نے فرمایا: روم کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ نے اسی لئے تو اہل بدر کے حق میں فرمایا ہے۔ ”کہ تم جو چاہو کرو میں نے تمہیں بخش دیا ہے“ (حضرت حاطب بھی بدری تھے) حضرت عمر رضی اللہ عنہ خاموش ہو گئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: اسے حاطب کیا یہ تمہارا ہی خط ہے۔ انہوں نے اقرار کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تم نے ایک اہم راز دشمن پر افشا کرنے کا جرم کیوں کیا۔ عرض گزار ہوئے۔ یا رسول اللہ ﷺ میں بہت شرمندہ ہوں۔ آپ میرے لئے جو سزا بھی تجویز فرمائیں آپ اختیار ہے اور مجھے قبول ہے لیکن میں اللہ کی قسم ہاتھ ہوں کہ ایمان کے بعد میں نے کبھی کفر نہیں کیا اور نہ ہی کفار کو پسند کیا اور نہ ہی کبھی آپ سے کوئی خیانت کی اللہ گواہ ہے کہ جب سے میں نے مکہ چھوڑا ہے کبھی مجھے اہل مکہ کی محبت کا خیال تک نہ آیا لیکن یا رسول اللہ ﷺ! واقعہ یہ ہے کہ میں قریش کے ساتھ رہتا تھا لیکن آپ جانتے ہیں کہ میں ان کے خاندان سے نہیں ہوں۔ میرے ساتھ جو دوسرے مہاجرین ہیں مکہ مکرمہ میں ان کے رشتہ دار ہیں جو ان کے اہل خانہ کی نگرانی کرتے ہیں، ان کا ہر طرح تعاون کرتے ہیں، میرا وہاں کوئی نہیں۔ لہذا مجھے اپنے گھر والوں

کی فکر ہوئی اور میں نے چاہا کہ میں اہل مکہ پر کچھ احسان کر دوں تاکہ وہ میرے اہل خانہ کا خیال رکھیں اور پھر ان پر حملہ ہو تو وہ میرے گھر والوں کو کوئی تکلیف نہ دیں جبکہ مجھے یقین ہے کہ عنقریب اہل مکہ پر اللہ کا عذاب نازل ہونے والا ہے۔ میرا یہ خط تو کیا ساری دنیا ان کی مدد کرے لیکن انہیں کوئی نہ بچا سکے گا اور ایک دن مکہ ضرور فتح ہوگا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کا یہ عذر قبول فرمایا اور انہیں معاف کر دیا جبکہ اللہ پہلے ہی انہیں معاف فرما چکا ہے کہ وہ بدری ہیں۔

سورۃ الممتحنہ کی ان آیات میں جو اشکال تھے۔ الحمد للہ وہ ہماری اس تحریر سے دور ہو گئے اور حق واضح ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں عقائد حقہ پر ثابت قدم رکھے، آمین۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی خَيْرِ خَلْقِهِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِهِ وَاَصْحَابِهِ اَجْمَعِينَ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ



## مقالہ ۸۱

### المستحٰنہ: ۱۰ تا ۱۱

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا جَاءَكُمْ الْمُؤْمِنَاتُ مُهَجِرَاتٍ فَامْتَحِنُوهُنَّ ۚ اللَّهُ أَعْلَمُ  
بِإِيمَانِهِنَّ ۚ فَإِنْ عَلِمْتُمُوهُنَّ مُؤْمِنَاتٍ فَلَا تَرْجِعُوهُنَّ إِلَى الْكُفَّارِ ۚ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَ  
لَهُمْ يَحِلُّونَ لَهُنَّ ۚ وَاتَّوهُم مَّا أَنْفَقُوا ۚ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ أَنْ تَنْكِحُوهُنَّ إِذَا  
اتَّيَسَّرُوهُنَّ أَجُورَهُنَّ ۚ وَلَا تُمْسِكُوا بِعِصَمِ الْكُوفِرِ وَسْئَلُوا مَّا أَنْفَقْتُمْ وَلَيْسَ لَكُم مَّا  
أَنْفَقُوا ۚ ذَلِكُمْ حُكْمُ اللَّهِ ۚ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ ۚ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝ وَإِنْ فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِّنْ  
أَرْوَاحِكُمْ إِلَى الْكُفَّارِ فَعاقِبْتُمْ فَاتُوا الَّذِينَ ذَهَبَتْ أَرْوَاحُهُمْ مِّثْلَ مَّا أَنْفَقُوا ۚ  
وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي أَنْتُمْ بِهِ مُؤْمِنُونَ ۝

(المستحٰنہ: ۱۰، ۱۱)

”اے ایمان والو! جب آجائیں تمہارے پاس مؤمن عورتیں ہجرت کر کے تو ان کی جانچ پڑتال کر لو  
اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے ان کے ایمان کو پس اگر تمہیں معلوم ہو جائے کہ وہ مؤمن ہیں تو انہیں کفار کی

طرف مت واپس کرو نہ وہ حلال ہیں کفار کے لئے اور نہ وہ کفار حلال ہیں مؤمنات کے لئے اور نہ دو کفار کو جو مہر انہوں نے خرچ کئے اور کوئی حرج نہیں تم پر کہ تم ان عورتوں سے نکاح کر لو جب تم انہیں ان کے مہر ادا کر دو اور تم بھی نہ رو کے رکھو کافر عورتوں کو (اپنے نکاح میں) اور مانگ لو جو تم نے (ان پر) خرچ کیا اور کفار بھی مانگ لیں جو انہوں نے خرچ کیا یہ اللہ کا فیصلہ ہے وہ تمہارے درمیان فیصلہ فرماتا ہے اور اللہ (سب کچھ) جاننے والا بڑا دانہ ہے اور اگر بھاگ جائے کوئی عورت تمہاری بیویوں میں سے کفار کی طرف پھر تمہاری باری آئے (کہ کوئی کافر تمہارے قبضہ میں آجائے) تو جن کی بیویاں ان کے قبضہ سے نکل گئیں تو انہیں دید و جتنا انہوں نے خرچ کیا ہے اور ڈرتے رہا کرو اللہ سے جس پر تم ایمان لائے ہو۔“

آیات مذکورہ کا تعلق صلح حدیبیہ کے بعد پیش آنے والے حالات سے ہے کہ کفار نے اس صلح کو اپنی فتح و کامیابی جانا اور مکہ میں بقیہ مسلمانوں کو مزید تنگ اور پریشان کرنے لگے۔ نتیجتاً یہ مظلوم مسلمان مرد و عورت کسی نہ کسی طرح ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچنے لگے تاکہ بے سہاروں کو سہارا دینے والے آقائے رحمت ﷺ کی پناہ میں آرام و سکون سے زندگی بسر کر سکیں لیکن مختار شریعت ﷺ کی شرعی پابندی اس معاملہ میں حائل ہوئی اور وحی الہی کے مطابق مؤمن عورتوں کو تو پناہ مل سکی لیکن مؤمن مرد وقت اور عارضی طور پر دریائے رحمت سے سیراب نہ ہو سکے اور انہیں آقا کے فیصلہ کے مطابق دشمنوں کے چنگل میں واپس ہونا پڑا۔ وضاحت آگے آتی ہے لیکن ہم چاہتے ہیں کہ پہلے واقعہ صلح حدیبیہ عرض کریں تاکہ اس شرف سے بھی ہم محروم نہ رہیں کیونکہ غالباً گزشتہ اوراق میں کسی جگہ بھی یہ واقعہ تفصیلاً پیش کرنے کا موقع نہ مل سکا نیز یہ واقعہ پڑھ لینے کے بعد آپ آیات کی تشریح باسانی سمجھ سکیں گے۔

صلح حدیبیہ

حدیبیہ، مکہ مکرمہ سے ملحق ایک گاؤں کا نام ہے جس کا کچھ حصہ حرم مکہ میں اور کچھ اس سے باہر ہے۔ ۶ھ کا واقعہ ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے عمرے کے لئے روانگی کا اعلان فرمایا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین تو کافی دن سے یہ خوشخبری سننے کے لئے مضطرب تھے۔ لہذا مدینہ منورہ اور اس کے گرد و نواح کے غلام نہایت ذوق و شوق کے ساتھ اس سفر میں شرکت کے لئے اپنے آقا ﷺ کے گرد جمع ہو گئے۔ تقریباً پندرہ سو افراد کا یہ قافلہ اللہ کے گھر کی طرف، اللہ کی تسبیح و تحمید کرتا روانہ ہوا۔ ان کے ہمراہ قربانی کے ستر اونٹ تھے۔ جن کے گلے میں قلا دے پہنا دیئے گئے تاکہ پہچان ہو سکے کہ یہ جانور قربانی کے ہیں۔ قافلہ کے پاس سوائے ایک، ایک تلوار کے کوئی اسلحہ نہ تھا۔ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مدینہ منورہ سے سات میل باہر مقام ذوالخلفہ پر پہنچے تو آپ نے احرام باندھا اور اپنی اونٹنی ”قصوی“ کا منہ کعبہ کی طرف کر کے اس پر سوار ہوئے عمرے کی نیت کی اور آواز بلند تلبیہ کہا۔ صحابہ کرام نے بھی آپ کی اتباع کی۔

قریش کو جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تشریف آوری کی خبر ہوئی تو مکہ کی گلی کو چوں میں ایک کھرام مچ گیا۔ سب

ایک دوسرے کو پکار پکار کر کہتے ”اپنی حفاظت کر لو کہ محمد بن عبد اللہ (ﷺ) مکہ پر حملہ اور ہمیں تہس نہس کرنے کے لئے آ رہے ہیں“ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مکہ کے اس حال کی اطلاع ملی تو آپ کو حیرت ہوئی کہ یہاں تو حملہ کا کسی کو خیال تک نہ تھا۔ آپ ﷺ نے بطور احتیاط مکہ میں داخل ہونے کے لئے ایک غیر معروف راستہ اختیار فرمایا تا کہ اہل مکہ کا کوئی لشکر مقابلے کے لئے نکلا ہو تو اس سے تصادم نہ ہو۔ جب قافلہ مقام حدیبیہ پر پہنچا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اونٹنی ”قصویٰ“ بیٹھ گئی لوگوں نے خیال کیا کہ تھکاوٹ کی وجہ سے ایسا ہوا ہے لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

”إِنَّمَا حَبَسَهَا حَابِسُ الْفِيلِ عَنْ مَكَّةَ“

اسے اسی ذات نے روکا ہے جس نے ہاتھیوں کو مکہ جانے سے روکا تھا۔

### حدیبیہ میں قیام

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سب کو حدیبیہ میں قیام کا حکم دیا۔ یہاں قیام کے دوران سب سے زیادہ تکلیف پانی کی رہی جس کو رحمت عالم ﷺ ہجرانہ طور پر دور فرماتے رہے۔

ایک مرتبہ غلاموں نے پانی کی تکلیف کا اظہار کیا تو آپ ﷺ نے اپنا ایک تیر، اپنے ایک غلام کو عطا فرمایا اور حکم دیا کہ کسی خشک کنوئیں میں اتر کر اس کو گاڑ دو حکم کی تعمیل ہوتے ہی کنواں پانی سے لبریز ہو گیا، ﷺ۔

ایک موقع پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام وضو فرما رہے تھے کہ چند صحابہ عرض گزار ہوئے یا رسول اللہ ﷺ! اس پانی کے سوا اور پانی نہیں کہ ضرورت پوری کی جاسکے۔ آپ ﷺ نے اپنی انگلیوں پر پانی بہایا تو چشمہ جاری ہو گیا۔ خوب بہا کہ پندرہ سو افراد نے اپنی ضرورت پوری کی، اونٹوں کو پانی پلایا برتن بھر کر رکھ لئے اور کئی دن تک خوب سیراب ہوتے رہے کہ جہاں میرے آقا ﷺ کی رحمت برے وہاں کون پیا ساراہ سکتا ہے۔

### مذاکرات کا آغاز

اہل مکہ کی تشویش ہر آن بڑھ رہی تھی۔ خوف و ہراس نے ان کی نیند تک غائب کر دی تھی۔ بالآخر انہوں نے از خود حالات کا جائزہ لینے کے لئے اپنے نمائندوں کو بھیجنا شروع کیا۔ یہاں جو آتا وہ حال دیکھ کر حیرت زدہ رہ جاتا اور واپس ہو کر یہی مشورہ دیتا کہ ”ان لوگوں سے خوف زدہ ہونے کی ہرگز ضرورت نہیں، وہ ہم پر حملہ کا قطعاً ارادہ نہیں رکھتے، نہ ان کے پاس ہتھیار ہیں اور نہ ہی دیگر سامان جنگ، قربانی کے اونٹ، قنادے پہنے ان کی چراگاہ میں چر رہے ہیں۔ لہذا انہیں عمرے کی اجازت دینا چاہئے اور اللہ کے گھر کے زائرین کو زیارت سے نہیں روکنا چاہئے لیکن قریش ان صحیح مشورہ دینے والوں کی کُنتلو سن کر کچھ غور کرنے کی بجائے مزید برا فروختہ ہوتے اور کعبۃ اللہ کے مسافروں پر حملہ کرنے کا ہی فیصلہ سناتے۔“

عروہ بن مسعود ثقفی سے قریش نے کہا کہ آپ جائیں اور مسلمانوں کو کسی نہ کسی طرح واپس چلے جانے پر آمادہ کریں۔ عروہ ایک معمر نہایت تجربہ کار شخص تھا۔ قریش اور دیگر قبائل عرب اس کا احترام کرتے اور اس پر اعتماد کیا کرتے تھے۔ اس نے قریش کو جواب دیا کہ تم میرے ساتھ بھی ایسا ہی کرو گے جیسا پہلے نمائندوں کے ساتھ کرتے آ رہے ہو۔ لیکن قریش

نے بے حد اصرار کیا، لہذا عروہ جانے پر تیار ہو گیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار میں حاضر ہو کر اس نے طویل گفتگو کی، دوران گفتگو عرب کے دستور کے مطابق وہ میرے آقا ﷺ کی مقدس داڑھی کو بار بار ہاتھ لگاتا تھا۔ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے اسے کئی مرتبہ منع کیا۔ جب وہ باز نہ آیا تو آپ نے سخت لہجہ میں اس سے کہا: ”اگر اب تو نے یہ حرکت کی تو تیری یہ انگلیاں کاٹ دوں گا۔“ دوران گفتگو اس نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کہا کہ ”تمہاری قوم جس نے تمہیں اہل مکہ پر حملہ کرنے کے لئے یہاں روکا ہوا ہے، وقت پڑنے پر سب بھاگ کھڑے ہوں گے۔“ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سنا تو گرجتے ہوئے بولے: ”اولات کا غلیظ چھیچڑا چاٹنے والے، ہم اپنے آقا ﷺ کو چھوڑ کر ہرگز ہرگز بھاگنے والے نہیں عروہ نے یہ سنا تو حیرت زدہ رہ گیا۔“ عروہ کو صحابہ کرام کی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے محبت و اطاعت شعاری اور اتباع پیروی نے بے حد متاثر کیا۔ اس نے واپس آ کر اہل مکہ کے سامنے اپنے جن تاثرات کا اظہار کیا وہ سیرت و احادیث کی کتابوں میں وضاحت کے ساتھ محفوظ ہیں۔ جن کا خلاصہ یہ ہے:

”اے اہل قریش تم جانتے ہو کہ میں بارہا، قیصر و کسریٰ اور دیگر بادشاہوں کے درباروں میں جا چکا ہوں لیکن جاں نثاری و جاں بازی اور عقیدت و محبت کی جو کیفیت میں نے محمد بن عبد اللہ (ﷺ) کے غلاموں میں پائی ہے مجھے اس کی نظیر کہیں نظر نہ آئی وہاں تو یہ حال ہے کہ اگر محمد بن عبد اللہ (ﷺ) تھوکتے ہیں تو ان کے غلام اسے ہاتھوں پر لے کر اپنے چہروں پر مل لیتے ہیں اور جب وہ وضو کرتے ہیں تو یہ عشاق پانی کا ایک قطرہ زمین پر گرنے نہیں دیتے بلکہ اسے ذریعہ شفا جان کر پی لیتے ہیں اپنے چہروں، سینوں اور جسم پر ملتے ہیں جب وہ کسی کام کا اشارہ کرتے ہیں تو سب دوڑتے ہیں تاکہ ان کے حکم کی تعمیل کا شرف حاصل کر سکیں۔ محمد بن عبد اللہ (ﷺ) کھڑے ہوتے ہیں تو سب کھڑے ہو جاتے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ وہ اپنے آقا (ﷺ) کے اشارہ ابرو پر جان کی بازی لگا دینے کے منتظر رہتے ہیں، لہذا تمہارا یہ خیال خام اور لغو ہے کہ ایسے غلام اپنے آقا کو برے وقت میں چھوڑ کر بھاگ نکلیں گے۔ پس میری رائے ہے کہ تم انہیں اللہ کے گھر کی زیارت سے روکنے کی غلطی ہرگز نہ کرو۔ اس کا انجام بہت ہی برا ہوگا بلکہ انہیں خوش دلی سے اجازت دو۔ ان کا استقبال کرو، کعبۃ اللہ کے خدام کی حیثیت سے اپنی ذمہ داری پوری کرو اور اللہ کے مہمانوں کی خاطر مدارت کرو۔ تمہارے اس احسان کا وہ تمہیں کسی نہ کسی وقت پورا پورا بدلہ دیں گے کہ وہ دوسروں پر احسان کرنے والے لوگ ہیں۔“

لیکن کفار مکہ کے دل مسلمانوں کی عداوت و نفرت سے اس قدر بھرے ہوئے تھے کہ وہ صلح و آتش کی کوئی بات کسی سے سننا گوارا ہی نہیں کرتے تھے۔ ان کے دلوں میں دشمنی کی جو چنگاریاں سلگ رہی تھیں انہیں وہ کسی نہ کسی طرح جنگ کے بھڑکتے شعلوں میں تبدیل کر دینا چاہتے تھے چاہے وہ انہیں ہی خاکستر کر ڈالے۔ لہذا انہوں نے اپنے معتمد و محترم شخص عروہ کی بھی کسی بات پر دھیان نہ دیا اور اہل ایمان کو خوفزدہ کرنے اور جنگ پر آمادہ کرنے کے لئے مزید حرکتیں کرنے لگے۔ کبھی

ان پر پتھراؤ کر دیتے تو کبھی ان کی چراگاہ میں گھس کر اونٹوں کو بھگاتے اور دوڑاتے تھے۔ اس دوران صحابہ کرام نے متعدد کفار کو گرفتار بھی کیا لیکن حضور ﷺ نے سب کی رہائی کا حکم دیا کہ آپ کسی بھی نوعیت کفار کو جنگ کا موقع فراہم نہیں کرنا چاہتے تھے جبکہ غلام ہر طرح کی قربانی کے لئے تیار و آمادہ تھے۔

سفیر اسلام کی روانگی

مصلحتاً حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے نمائندے اور سفیر کو مکہ بھیجنے کا فیصلہ فرمایا۔ جس کے لئے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو نامزد کیا گیا کیونکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اہل مکہ پر بہت احسانات تھے۔ ان کا قبیلہ بھی وہاں آباد تھا لہذا یہ توقع تھی کہ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بات پر غور کریں نیز انہیں کوئی تکلیف بھی نہ پہنچا سکیں گے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جب مکہ میں داخل ہوئے تو لوگ ان کے گرد جمع ہو گئے آپ نے انہیں نہایت وضاحت اور دلائل کے ساتھ بتایا کہ ہم اور ہمارے آقا ﷺ صرف اور صرف اللہ کے گھر کی زیارت کے لئے آئے ہیں جنگ کا کوئی وہم و گمان تک نہیں لہذا ہمیں ہمارا کام کرنے دیا جائے۔ ہم چند دن یہاں رہ کر واپس ہو جائیں گے لیکن عقل کے اندھوں نے آپ کی بھی کسی بات پر غور نہ کیا۔ بس اتنا کہا کہ ”عثمان اگر چاہو تو تم عمرہ کر لو ہماری طرف سے اجازت ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بر ملا جواب دیا ایسا جواب جو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اہل ایمان کے دلوں کو اپنے آقا ﷺ کی محبت و الفت سے لبریز کر دینے کے لئے کافی ہے۔ آپ نے فرمایا:

”مَا كُنْتُ لِأَفْعَلَ حَتَّى يَطُوفَ بِهِ رَسُولُ اللَّهِ“

میں اس وقت تک طواف کعبہ نہیں کروں گا جب تک میرے محبوب اللہ کے رسول ﷺ نہیں کریں گے۔

اللہ اکبر، کیسا عجیب جواب ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حالت احرام میں، حرم میں موجود ہیں۔ یہ بھی جانتے ہیں کہ مکہ میں داخل ہونے والے ہر مومن پر اللہ کے گھر کا طواف لازم ہے، اب کوئی رکاوٹ بھی باقی نہیں پھر بھی انکار فرما رہے ہیں کیوں؟ اس لئے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ یہ بھی تو جانتے ہیں کہ ایمان، روح ایمان، جان ایمان، مغز ایمان آقا کی غلامی ہے ان سے عشق و محبت ہے۔ جس کا تقاضا یہی ہے کہ مومن یہ یقین رکھے کہ کوئی عبادت رسول کی اطاعت و پیروی کے بغیر قابل قبول نہیں بلکہ مردود ہے۔ اگر میرے آقا ﷺ کو اللہ کے گھر میں حاضری کا موقع حاصل نہیں تو میری حاضری کس کے وسیلہ سے قبول ہوگی۔ جب محبوب رب ﷺ کی قیادت ہی نہیں تو رب کعبہ کی طرف سے اجابت کیوں کر ہوگی۔

ادھر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین آپس میں باتیں کرنے لگے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ قابل رشک ہیں۔ انہیں خوب موقع ہاتھ آیا وہ تو روزانہ ہی اللہ کے گھر کا طواف کر رہے ہوں گے خوب خوب لطف اندوز ہو رہے ہوں گے۔ آقا ﷺ نے غلاموں کی غلط فہمی کو دور کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

”مَا أَظْنُّهُ طَافَ بِالْبَيْتِ وَنَحْنُ مَحْضُورُونَ“

میرا خیال ہے کہ عثمان کعبہ کا طواف نہیں کر سکتے جبکہ ہمیں اللہ کے گھر میں داخل ہونے سے روک دیا



کیا ہے۔

سبحان اللہ! کیا اعتماد ہے آقا کو اپنے غلام پر جو قابل رشک بھی ہے اور غلام کی عظمت و رفعت کو سمجھنے کے لئے کافی نہیں ہے۔ جو آقا ﷺ کی نظروں میں اس قدر قابل اعتماد ہے وہ امت کی نظروں میں کیوں کر قابل احترام نہ ہو۔

بیعت رضوان

بیعت رضوان یعنی وہ بیعت جس کے کرنے والوں سے اللہ راضی ہو گیا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مطمئن و خوش ہو گئے۔ اسی کو بیعت شجرہ بھی کہا جاتا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ایک درخت کے نیچے رونق افروز ہو کر یہ بیعت لی۔ قرآن کریم، سورۃ الشّح میں اس بیعت کا ذکر موجود ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ  
فَأَنزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا ۝ وَمَغَانِمَ كَثِيرَةً يَأْخُذُونَهَا وَكَانَ  
اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ۝ (الشّح: ١٨، ١٩)

یقیناً راضی ہو گیا اللہ تعالیٰ ان مؤمنوں سے جب وہ بیعت کر رہے تھے آپ کی۔ درخت کے نیچے پس جان لیا اس نے جو کچھ ان کے دلوں میں تھا۔ پس اتارا اس نے اطمینان کو ان پر اور بطور ایمان انہیں قریبی فتح بخشی اور (عطا کیس) بہت سی نعمتیں بھی جن کو وہ (عنقریب) حاصل کریں گے اور اللہ سب سے زبردست بڑا دانہ ہے۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے متعلق یہ افواہ پھیلی کہ انہیں کفار مکہ نے شہید کر دیا ہے۔ نیز انہیں غیر متوقع تاخیر ہو گئی تھی۔ صحابہ کرام میں اضطراب پیدا ہوا اور وہ مکہ پر حملہ کرنے کی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے درخواست کرنے لگے۔ آپ نے ان کو مطمئن کرنے کی غرض سے فرمایا: ”اگر عثمان کو اہل مکہ نے شہید کر دیا تو ان کا بدلہ لئے بغیر ہم یہاں سے نہ جائیں گے۔“ آپ ﷺ نے تمام صحابہ کو حکم دیا کہ ”آؤ بیعت کرو“ علیٰ اَنْ لَا يَفِرُوا“ اس بات پر کہ حالات کتنے ہی سنگین کیوں نہ ہوں، دشمن کا دباؤ کتنا ہی سخت ہو جائے۔ سرکٹا دیں گے جان دے دیں گے لیکن بھاگیں گے نہیں۔ اب کیا تھا غلاموں کی قطاریں بن گئیں، جان کی بازی لگانے کا عہد کرنے کے لئے سب ایک دوسرے پر بازی لے جانا چاہتے تھے۔ سب سے پہلے حضرت سنان ابن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیعت کی اور عرض کی ”يَا رَسُولَ اللَّهِ أَبَايُنْكَ عَلَى مَا فِي نَفْسِكَ“ جو آپ کے جب میں ہے میں اسی پر بیعت کرتا ہوں۔ (یہ جذبہ ایثار و قربانی کی اعلیٰ ترین مثال ہے کہ غلام یہ جانتا ہی نہیں چاہتا کہ مجھے کس بات پر سرکٹنا ہے بلکہ وہ اپنی جان بلا شرط اپنے آقا کے سپرد کر رہا ہے کہ آپ جب چاہیں اور جس کام کے لئے چاہیں مجھے قربان کر دیں) حضور ﷺ کو سنان کا یہ جملہ بے حد پسند آیا اور آپ نے تمام غلاموں سے اسی شرط پر بیعت لی۔ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ نے ابتداء، درمیان اور آخر میں تین مرتبہ بیعت کی۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے لئے اعزاز

جب صحابہ کرام کی بیعت کا سلسلہ ختم ہو گیا تو آقا ﷺ نے اپنے اس غلام کو یاد فرمایا جو پہلے ہی اللہ و رسول کے حکم کی تعمیل میں دشمنوں کے زرنہ میں گھرا ہوا تھا۔ آپ ﷺ نے اپنا دایاں ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ پر رکھتے ہوئے فرمایا:

”اللَّهُمَّ هَذِهِ عَنْ عُثْمَانَ فَإِنَّهُ فِي حَاجَتِكَ وَحَاجَةِ رَسُولِكَ.“

اے اللہ، یہ بیعت عثمان کی طرف سے ہے جو تیرے اور تیرے رسول کے حکم کی تعمیل میں گیا ہوا ہے۔ صحابہ کرام کو یہ دیکھ کر بہت تعجب ہوا کہ ہم سے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام شہادت عثمان کے انتقام کے لئے بیعت لے رہے ہیں اور خود عثمان کی طرف سے بیعت کر رہے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ عثمان کی شہادت کی خبر غلط ہے۔ یہ بیعت صرف ہمیں مطمئن کرنے اور کفار مکہ کو مرعوب کرنے اور یہ پیغام پہنچانے کے لئے کی گئی ہے کہ ہم اپنے قائد و آقا ﷺ کو چھوڑ کر کبھی نہیں بھاگ سکتے۔ ان کے حکم پر سرکٹنا ہی ہمارا حاصل زندگی ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حدیبیہ میں یہ دوسری مرتبہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر اپنے کلی اعتماد کا اظہار فرمایا۔ ایک اس وقت جب صحابہ کو خیال ہوا کہ عثمان تو کعبہ کا خواب طواف کر رہے ہوں گے اور دوسرے اس موقع پر یہ تو انتہائے اعتماد ہے کہ عثمان کی طرف سے خود ہی ان کا سرکٹانے کی بیعت لے لی۔ عزیزو! اس سے بڑھ کر ایک غلام کے لئے اور کیا اعزاز ہو سکتا ہے کہ آقا اس سے پوچھے بغیر اس کے سر کا سودا کر دے اور وہ اس پر راضی ہو۔ صحابہ کرام میں یہ شرف صرف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو نصیب ہوا۔

صلح حدیبیہ

جب بیعت شجرہ کی خبر اہل مکہ کو پہنچی تو ان کے دل لرز اٹھے۔ اب انہیں یقین ہی ہو گیا کہ مسلمان مکہ پر حملہ کئے بغیر واپس نہ جائیں گے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بعافیت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہیں دیکھ کر مسلمانوں کو بے حد خوشی اور مسرت ہوئی۔ انہوں نے اہل مکہ کے خوف و ہراس اور بدحواسی کا حال سنایا تو مسلمانوں کی ہمت اور زیادہ ہوئی اور اب وہ صرف جنگ کے لئے آمادہ نظر آنے لگے لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ ابھی ہمیں قریش کے آئندہ اقدام کا انتظار کرنا ہے۔ جنگ یا صلح کا فیصلہ انہی کی پیش رفت کے مطابق ہوگا۔

ادھر کفار مکہ اب سنجیدگی سے حالات پر غور کرنے اور مسئلہ کا حل تلاش کرنے کے لئے جمع ہوئے اور طویل مذاکرات کے بعد فیصلہ ہوا کہ سہیل بن عمرو کو محمد بن عبداللہ (ﷺ) سے گفتگو کے لئے بھیجا جائے تاکہ وہ صلح کا کوئی راستہ نکالیں۔ سہیل قریش کی ہدایات اور شرائط صلح لے کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جب آپ ﷺ نے سہیل کو آتے دیکھا تو فرمایا ”قَدْ سَهِّلَ امْرُؤُكُمْ“ اب تمہارا کام آسان ہو گیا (یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نمائندے کے نام کی مناسبت سے نیک فال لی) سہیل نے حاضر دربار ہو کر صلح کی پیش کش کی۔ جس پر طویل گفتگو ہوئی۔ دوران گفتگو کبھی کبھی سہیل کی آواز بلند ہو جاتی تھی۔ عباد بن بشر نے اس کو ڈانٹتے ہوئے فرمایا: آواز اونچی کر کے بات نہ کر کہ یہ ہمارے

آقا ﷺ کے دربار کے آداب کے خلاف ہے۔ اب سہیل سہم گیا اور دھیمی آواز سے گفتگو کرنے لگا۔ شرائط صلح طے ہو جانے کے بعد معاہدہ لکھنے کا اعزاز حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بخشا گیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ”علی، لکھو“ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ“ سہیل تڑپا۔ کہنے لگا ہم نہیں جانتے رحمٰن کیا ہے (العیاذ باللہ) علی وہ لکھو جو ہم لکھا کرتے ہیں یعنی ”بِاسْمِکَ اللّٰهُمَّ“ مسلمانوں کو سہیل کی یہ بات نہایت ہی بری معلوم ہوئی لیکن پیغمبر امن و سلامتی ﷺ نے غلاموں کو خاموش کیا اور فرمایا: علی وہی لکھ دو جو سہیل کہتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اس کے آگے لکھو ”هَذَا مَا اضْطَلَحَ عَلَيْهِ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ“ یہ وہ ہے جس پر محمد رسول اللہ ﷺ نے صلح کی۔ سہیل ”رَسُولُ اللّٰهِ“ کے لفظ پر بھی بھڑکا۔ اور کہنے لگا اگر آپ کو ہم اللہ کا رسول ہی تسلیم کرتے تو پھر جھگڑا کیا رہتا اب تو مسلمانوں کی برافروختگی انتہا کو پہنچ گئی۔ وہ سراپا احتجاج بن گئے کچھ نے صلح سے انکار کیا تو کچھ مکہ پر حملہ کرنے اور سہیل کو قتل کر دینے پر آمادہ نظر آنے لگے۔ شیطان لعین نے غلامان مصطفیٰ کے درمیان بھی اختلاف پیدا کر دیا حتیٰ کہ وہ آپس ہی میں تلخ کلامی پر اتر آئے۔ سہیل اس منظر کو دیکھ کر پیکر حیرت بنا ہوا تھا۔ وہ اپنے ساتھی سے کہنے لگا: ”مَا رَأَيْتُ قَوْمًا أَحْوَضَ لِدِينِهِمْ مِنْ هَؤُلَاءِ“ میں نے کسی قوم کو اپنے دین میں ان لوگوں سے زیادہ محتاط نہ دیکھا۔ بالآخر آقائے رحمت ﷺ نے غلاموں کو تسلی دی صبر و استقامت کی تلقین کی اور فرمایا: ”علی، اَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ فَاسْكُتْ“ علی میں محمد بن عبد اللہ (ﷺ) ہوں لہذا تم یہی لکھ دو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حکم کی تعمیل کی۔ معاہدے کی جو شرائط طے ہوئیں وہ بحمد اللہ احادیث کی کتابوں میں ہو بہو محفوظ ہیں۔ جن کا خلاصہ درج ذیل کیا جاتا ہے:

”اے اللہ تیرے نام سے، یہ وہ معاہدہ ہے جس پر محمد بن عبد اللہ (ﷺ) اور سہیل بن عمرو نے صلح کی انہوں نے اس بات پر صلح کی ہے کہ دس سال تک فریقین میں جنگ نہ ہوگی لوگ امن سے رہیں گے اور کوئی کسی پر دست درازی نہ کرے گا، کوئی چوری اور خیانت کا مرتکب نہ ہوگا۔ ہم ایک دوسرے کے راز افشا نہیں کریں گے اور جس قبیلہ کی مرضی ہو وہ محمد (ﷺ) کے ساتھ معاہدہ کرے اور جس کی مرضی ہو وہ قریش کے ساتھ معاہدہ کرے، مکہ والوں میں سے جو شخص اپنے ولی کی اجازت کے بغیر محمد (ﷺ) کے پاس پہنچے گا تو اسے واپس کر دیا جائے گا اور اگر آپ کے صحابہ میں سے کوئی شخص قریش کے پاس پہنچے گا تو وہ اسے واپس نہ کریں گے اور محمد (ﷺ) اس سال اپنے صحابہ سمیت واپس چلے جائیں گے اور آئندہ سال اپنے صحابہ سمیت عمرہ ادا کرنے آئیں گے اور مکہ میں تین روز قیام کریں گے اور تلواریں کے سوا ان کے پاس کوئی ہتھیار نہ ہوگا اور تلواریں بھی نیاموں میں بند ہوں گی۔“

معاہدہ قابل غور ہے جسے کفار اپنی کامیابی و کامرانی اور مسلمانوں پر غلبہ کا وثیقہ سمجھ کر فخر کر رہے تھے جبکہ نتائج سے بے خبر عشاق افسردہ و غمزدہ تھے اور ان کے آقا ﷺ کے چہرہ مبارک پر طمانیت کے آثار نمایاں تھے۔ اہل ایمان کو افسوس اس بات پر تھا کہ ان کے ہوتے ہوئے ان کے آقا ﷺ کو ایک ایسا معاہدہ قبول کرنا پڑا جس کے شرائط میں بظاہر کافروں کی بالادستی نظر آرہی تھی جبکہ غلاموں کے لئے یہ بات ناقابل برداشت تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تو اس قدر رنجیدہ خاطر تھے کہ

ایک کونہ میں خاموش بیٹھے آنسو بہا رہے تھے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ان کی طرف متوجہ ہوئے تو وہ جذبات پر قابو نہ رکھ سکے اور بولے ”اَلَيْسَ هَذَا نَبِيُّ اللَّهِ حَقًّا“ اے ابو بکر، کیا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ کے سچے نبی نہیں، اسی کے ساتھ انہوں نے اپنے صدمہ کا اظہار کرتے ہوئے ایک طویل گفتگو کر ڈالی۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ان کو سمجھایا اور جذبات پر قابو پانے کی تاکید کرتے ہوئے فرمایا: ”اَيُّهَا الرَّجُلُ اِنَّهُ رَسُوْلُ اللَّهِ وَلَيْسَ يَعْصِي رَبَّهُ وَهُوَ نَاصِرُهُ“ اے شخص، بیشک وہ اللہ کے رسول ہیں۔ وہ اپنے رب کی نافرمانی نہیں کر سکتے اور وہی ان کا مددگار ہے۔ آپ نے مزید فرمایا: ”حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دامن سے آخر دم تک وابستہ رہو اللہ کی قسم وہ حق پر ہیں اور وہ اللہ کے سچے رسول ہیں۔“ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی گفتگو سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ہوش آیا اور اپنی غلط سوچ پر نادم و شرمندہ ہوئے انہیں ساری زندگی اپنی اس غلطی کا احساس رہا جس کے لئے وہ ہمیشہ بکثرت نوافل پڑھتے، صدقہ و خیرات کرتے، غلاموں کو آزاد کرتے اور اللہ سے معافی کے طلبگار رہتے تھے جبکہ اللہ رب العزت جل مجدہ نے تو اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ کی معافی کا عام اعلان قرآن کریم کے ذریعہ پہلے ہی کر دیا ہے، ”رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ۔“

### معاہدے کی پابندی

معاہد کے دوران ہی اہل ایمان پر افسردگی کے بادل چھانے لگے تھے کہ اسی دوران ایک دل ہلا دینے والا واقعہ پیش آیا جس نے ان کے جذبات کو مزید بھڑکا دیا۔ ہوا یہ کہ سہیل بن عمرو کا بیٹا ابو جندل مسلمان تھا۔ مکہ میں قید و بند کی صعوبتیں جھیل رہا تھا وہ کسی نہ کسی طرح زنجیروں میں جکڑا۔ حدیبیہ پہنچنے میں کامیاب ہو گیا جو نہی اس پر صحابہ کی نظر پڑی وہ دوڑے آئے اس کو گلے لگایا اور زنجیریں کھولیں۔ آقا ﷺ کے دربار میں حاضر کیا۔ ابو جندل نے پناہ کی بھیک مانگی ظالم باپ نے اسے دیکھا تو بھڑک اٹھا بولا اے محمد (ﷺ) معاہدہ ہو چکا ہے۔ جس کی رو سے آپ ہمارے کسی شخص کو اپنی پناہ میں نہیں لے سکتے۔ لہذا ابو جندل کو مکہ واپس جانا ہوگا۔ اگر ایسا نہ ہوا تو میں یہ معاہدہ اسی وقت ختم کرتا ہوں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس احمق کو بہت سمجھایا کہ ابھی تو معاہدہ پورا نہیں ہوا ہے۔ اس پر دستخط بھی نہیں ہوئے ہیں تو اس پر عمل کی ابتداء کیسے ہو سکتی ہے لیکن سہیل نے ایک نہ سنی اور اپنی بات پر اصرار کرتا رہا۔ بالآخر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ابو جندل کو سمجھایا اور فرمایا: ”اے ابو جندل، صبر کرو اور اس کے اجر کی اللہ سے امید رکھو یقیناً اللہ تعالیٰ تمہارے اور تمہارے مظلوم ساتھیوں کے لئے نجات کا راستہ بنانے ہی والا ہے۔ ہم نے قوم کے ساتھ صلح کی اور ان کے ساتھ عہد و پیمان کیا۔ اب ہم عہد شکنی نہیں کر سکتے۔“ غلام نے اپنے آقا ﷺ کے حکم کی تعمیل کی اور واپس چلے گئے۔

### حدیبیہ سے واپسی

جیسے تیسے معاہدے کی تکلیف دہ الجھنوں کا خاتمہ ہوا۔ اب اللہ کے رسول ﷺ نے مدینہ منورہ واپسی کا ارادہ کرتے ہوئے احرام کھول دینے اور حلق و قربانی کی ذمہ داری پوری کرنے کا اعلان فرمایا لیکن صحابہ کرام میں سے کسی نے جہنم تک نہ کی۔ گویا انہوں نے کچھ سنا ہی نہیں اس کا سبب نافرمانی و حکم عدولی یا احتجاج کا خیال ہرگز نہیں ہو سکتا بلکہ ان وفا شعار اور

اطاعت گزار غلاموں کی یہ کیفیت محض غم و اندوہ کے باعث تھی جس نے انہیں اتنا نڈھال کر دیا کہ آقا ﷺ کے حکم کی تعمیل تک کا احساس نہ رہا تھا۔ حضور مایہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنے غلاموں کی اس کیفیت پر افسوس جی ہوا اور رحم بھی آیا۔ آپ ﷺ اپنے حرم شریف میں تشریف لے گئے اور ہماری ماں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو سب حال بتایا۔ نملکسار زوجہ محترمہ نے مشورہ دیا کہ آپ کسی سے کچھ کہے بغیر احرام کھول دیجئے، تر بانی کیجئے اور حلق کرا لیجئے۔ بنی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایسا ہی کیا جو نبی غلاموں نے آقا کو معمول کے مطابق لباس پہنے دیکھا۔ سب دوڑے، احرام کھولا اور آقا ﷺ کی اتباع میں دوسرے کام انجام دیئے۔

قربانی سے فارغ ہو کر آقا ﷺ نے حلق کرایا۔ غلام آپ ﷺ کے گرد جمع ہو گئے۔ آپ ﷺ کے مقدس بالوں کو زمین پر گرنے سے پہلے ہی اپنے ہاتھوں میں لیتے اور آپس میں تقسیم کرتے رہے۔ قیام حدیبیہ میں یہ مسرت و خوشی کا پہلا موقع تھا کہ ایک عظیم دولت ان کو میسر آرہی تھی۔ جس کو جتنے زیادہ بال ملتے وہ اتنا ہی زیادہ خوش نظر آتا اور دوسرے بھائی اس کو گلے لگاتے اور مبارکباد دیتے۔ غلاموں کی یہ کیفیت دیکھ کر آقا ﷺ کی تمام کلفت دور ہو گئی۔ آپ ﷺ کے چہرہ مبارک پر بھی مسرت و خوشی کے آثار نظر آنے لگے۔ حضرت ام عمارہ رضی اللہ عنہا کو سب سے زیادہ بال میسر آئے تھے جنہیں آپ نہایت حفاظت سے رکھتی تھیں اور جب کسی کے بیمار ہونے کا آپ کو پتہ چلتا تھا تو آپ اسے بالوں کا دھون پلا دیا کرتی تھیں۔ مریض فوراً شفا یاب ہو جاتا تھا۔

مرثدہ فتح

کھچاؤ اور تناؤ کے انیس یا بیس دن گزرنے کے بعد اللہ کے رسول ﷺ نے حدیبیہ سے واپسی کا حکم دیا۔ صحابہ افسردہ و غم زدہ یہاں سے رخصت ہوئے۔ رب کریم کو اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے محبوب غلاموں پر رحم آیا۔ ابھی تھوڑی ہی مسافت طے ہوئی تھی کہ مقام ”صُخْنَان“ پر سورۃ فتح نازل ہوئی۔ جس کی پہلی ہی آیت مبارکہ مرثدہ فتح تھی: ”إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا“ (بیشک ہم نے تمہیں واضح فتح عطا فرمادی) جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ ارشاد باری تعالیٰ غلاموں کو سنایا تو ان کی خوشی و مسرت کی انتہا نہ رہی آنے والے حالات نے ثابت کر دیا کہ جس صلح کو اہل ایمان کے لئے ناکامی اور مغلوبیت کا سبب سمجھا جا رہا تھا وہی حقیقت میں ان کے لئے فتح مبین ثابت ہوئی۔

نتائج صلح

جس صلح نے صحابہ کرام کو رنجیدہ و غم زدہ اور نڈھال کر دیا تھا، چند دن بعد وہ اپنے نتائج و اثرات کے اعتبار سے اللہ رب العزۃ جل مجدہ کے ارشاد کے مطابق ”فتح مبین“ ثابت ہوئی۔ جس کا خلاصہ یہ ہے۔

معاہدہ کر کے قریش نے مسلمانوں کو ایک آزاد قوم اور مدینہ منورہ کو ایک آزاد اسلامی حکومت تسلیم کر لیا تھا۔ قریش کی وجہ سے مسلمانوں کی اس سیاسی حیثیت کو دیگر قبائل عرب کو بھی تسلیم کرنا پڑا۔ مکہ اور مدینہ کے درمیان اس صلح سے پہلے کفار کی طرف سے لوٹ مار، چوری و ڈکیتی اور قتل و غارت کا عام سلسلہ رہتا تھا۔ اب جنگ کی سی یہ کیفیت ختم ہو گئی۔ راستے پر امن ہو

گئے اور مسلمان بلا خوف و خطر قباکل عرب سے رابطے کرنے لگے اس طرح تبلیغ اسلام کا دائرہ وسیع ہوا اور اس اہم کام میں سہولت پیدا ہوئی۔ تاریخ سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس معاہدہ سے فارغ ہونے کے بعد بنی قیسر و کسریٰ، شاہ مصر، حارث بن ابی شمر، شہنشاہ ایران اور دیگر قباکل کے سرداروں کو پیغام ارسال فرمائے اور انہیں دعوت اسلام دی۔ نیز یہودی سرکوبی فرمائی کہ خیبر اور یہودیوں کے دوسرے قلعے فتح ہوئے۔ اگر غور کیا جائے تو گزشتہ انیس سال کے مقابلے، صلح کے بعد دو سال میں بہت زیادہ کام ہوا۔ اسی صلح سے متاثر ہو کر قباکل کثرت سے مدینہ منورہ آئے اور مشرف باسلام ہوئے۔ اندازہ کیجئے کہ حدیبیہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے غلاموں کی تعداد صرف چودہ سو کے قریب تھی۔ جبکہ دو سال بعد ہی فتح مکہ کا واقعہ پیش آیا تو لشکر اسلام میں دس ہزار سپاہی نظر آتے ہیں۔

اس معاہدے کی دوسری اہم شق جو صحابہ کرام پر نہایت بارگزر رہی تھی کہ ”اگر مکہ سے بھاگ کر کوئی مسلمان یا کافر مدینہ منورہ پہنچے گا تو اسے واپس کرنا ہوگا جبکہ مدینہ سے آنے والے کسی شخص کو کفار مکہ واپس نہیں کریں گے اس کے بھی نہایت اچھے نتائج برآمد ہوئے کہ مکہ میں مقیم مسلمانوں میں مزید استقلال پیدا ہوا۔ وہ نہایت عبرت و استقامت کے ساتھ ظلم و ستم کا مقابلہ کرتے رہے اور جو مسلمان مدینہ پہنچتے وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہدایات کے مطابق مکہ آکر مزید ہمت کے ساتھ خدمت دین انجام دیتے اور جو کفار مکہ سے بھاگ کر مدینہ پہنچتے، صحابہ کرام ان کی خاطر و مدارت کرتے جس سے متاثر ہو کر ان کی آتش غیظ و غضب مدہم پڑ جاتی اور وہ ان مکہ کے سامنے مسلمانوں کے حسن اخلاق کے سن کاتے رہتے اور مکہ کے مظلوم مسلمانوں کے کسی نہ کسی طرح معاون و مددگار بن جاتے تھے۔ جبکہ تاریخ گواہ ہے کہ مدینہ سے کوئی مسلمان فرار ہو کر کفار کی پناہ حاصل کرنے مکہ نہیں پہنچا جس سے دنیا نے اندازہ کر لیا کہ یہ لوگ اپنے آقا ﷺ کے دامن میں اتنے مطمئن ہیں اور اس قدر پر سکون زندگی بسر کر رہے ہیں کہ انہیں کسی کی پناہ لینے کا خیال تک نہیں آتا۔

صلح حدیبیہ کا یہ محققہ حال پیش کیا گیا جس کے مطالعہ کے بعد ہمارے لئے آیات زیر بحث کو سمجھنا بہت آسان ہوگا۔ پس ہوا یہ کہ اس معاہدے کے دوران ہی کچھ مسلمان عورتیں بھی اپنے کافر شوہروں کے مظالم سے تنگ آکر مکہ سے بھی گئیں اور آقا کے رحم و کرم سے پناہ کی طلب کار ہوئیں کفار کے خیال میں از روئے معاہدہ مسلمانوں کے لئے ان عورتوں کو بھی واپس کر دینا ضروری تھا۔ ابتدا انہوں نے ان کی واپسی کا مطالبہ کیا مثلاً عقبہ ابن معیط کی بیٹی حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا مدینہ پہنچیں۔ عقبہ مسلمانوں کا بدترین دشمن تھا اور اس نے اپنی بیٹی کی زندگی اجیرن بنا رکھی تھی۔ اسی طرح سہیلہ بنت الحارث اور امیمہ بنت بشر اپنے کافر شوہروں کے مظالم سے تنگ آکر دربارِ رحمت میں پناہ گزین ہوئیں، اس طرح یہ سارے بارگاہی ہو گئے۔ بنی رحمت ﷺ کو ان عورتوں کے حال پر بے حد رحم آیا اور چاہا کہ ان کو پناہ دے دی جائے لیکن معاہدے کی خلاف ورزی بھی آپ کو گوارہ نہ تھی۔ پس اللہ رب العزت جل مجدہ نے اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خواہش کے مطابق حکم فرمایا:

”اے ایمان والو! جب آجائیں تمہارے پاس مومن عورتیں ہجرت کر کے تو تم ان کی جانچ پڑتال کرو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے ان کے ایمان کو پس اگر تمہیں معلوم ہو جائے کہ وہ مومن ہیں تو انہیں کفار کی

طرف مت واپس کرو۔“

اس ارشاد کے مطابق ان مظلوم عورتوں کو اپنے آقا ﷺ کے دامن رحمت میں پناہ نصیب ہونے لگی۔

ارشاد باری تعالیٰ میں یہ ہدایت قابل غور ہے کہ ہجرت کر کے آنے والی عورتوں کے مؤمن ہونے اور بوجہ ایمان ترک وطن کرنے پر اطمینان حاصل کر لیا جائے کہ اگر ان عورتوں نے مکہ صرف مال و دولت کے حصول، عیش و عشرت کی زندگی یا کسی کی محبت و الفت کے سبب چھوڑا ہے تو نہ تو ان کی ہجرت قابل قبول ہے اور نہ ہی یہ دامن رحمت میں پناہ لینے کے قابل ہیں۔ ایسی عورتوں کو فوراً ان کے ورثاء کے سپرد کر دیا جائے گا۔ ہاں جن کا ترک وطن صرف اور صرف اسلام کے سبب ہو، اللہ اور رسول کی رضا کے لئے ہو، انہیں پناہ نصیب ہوگی کہ مدینہ منورہ صرف مظلومین کے لئے پناہ گاہ ہے۔ باغیوں اور بھگوڑوں کے لئے نہیں۔

اس ارشاد باری تعالیٰ کے مطابق حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ترک وطن کر کے آنے والی عورتوں سے باقاعدہ اس طرح حلف لیا کرتے تھے: ”بِاللّٰهِ الَّذِیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ مَا خَرَجْتُ مِنْ بُغْضِ زَوْجِیْ“ اس اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، میں اپنے شوہر سے بغض و عداوت کے سبب اپنے وطن سے نہیں نکلی۔ ”بِاللّٰهِ مَا خَرَجْتُ رَغْبَةً عَنِ الْاَرْضِ“ اللہ کی قسم میں صرف اس زمین کی پسندیدگی کے سبب یہاں نہیں آئی۔ ”بِاللّٰهِ مَا خَرَجْتُ اِلْتِمَاسَ الدُّنْیَا“ اللہ کی قسم میں دنیا کی تلاش میں یہاں نہیں آئی۔ ”بِاللّٰهِ مَا خَرَجْتُ اِلَّا حُبًّا لِلّٰهِ وَرَسُولِهِ“ اللہ کی قسم میں نے صرف اللہ اور اس کے رسول سے محبت کے سبب اپنا وطن چھوڑا ہے۔ اس حلف کے بعد اللہ کے رسول ﷺ مظلومہ کو اپنے دامن رحمت میں پناہ دینے کا اعلان فرما دیا کرتے تھے۔

یہاں ہم اس غلط فہمی کا ازالہ کر دینا بھی ضروری سمجھتے ہیں ”کہ ان مکی عورتوں کو پناہ دینا بہر حال معاہدے کی خلاف ورزی تھی“ نہیں ایسا نہیں کیونکہ یہ تو اللہ کی طرف سے استثناء تھا اور اجازت تھی جس کے بعد کسی معاہدے کی پابندی لازمی نہیں رہتی اور اس حقیقت کو کفار مکہ نے بھی تسلیم کیا کہ مسلمان وحی الہی کے بعد ہمارے کسی مطالبہ پر غور نہیں کر سکتے۔ اسی لئے انہوں نے ان مہاجرات کو تو چھوڑ دیا لیکن معاہدہ نہ توڑا۔ کفار کے اس عمل کے بعد اہل ایمان کا کسی غلط فہمی میں مبتلا ہونا حیرت کے سوا کچھ نہیں۔ علاوہ ازیں صحیح بخاری کی ایک روایت سے عجیب انکشاف ہوتا ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے شرائط معاہدہ کو بیان کرتے ہوئے اس شق کے یہ الفاظ نقل فرمائے ہیں جو سہیل ابن عمرو نے لکھوائے تھے ”عَلٰی اَنْ لَا یَاْتِیْکَ مِنْ رَجُلٍ وَاِنْ کَانَ عَلٰی دِیْنِکَ اِلَّا رَدُّ دُنَّتْ عَلَیْنَا“ اگر ہم میں سے کوئی مرد آپ کے پاس آئے خواہ وہ مسلمان ہی کیوں نہ ہو، آپ اسے ہماری طرف واپس کر دیں گے۔ اس عبارت میں ”رَجُلٌ“ (مرد) کا لفظ موجود ہے۔ گویا رب کریم نے بوقت معاہدہ صنف نازک یعنی عورتوں کو کفار کے پنجہ سے نجات دلانے کا دروازہ کھلا رکھا تھا جس کا سہیل کو احساس تک نہ ہو سکا۔ پس جب مظلوم عورتوں کے مدینہ منورہ آنے کا سلسلہ شروع ہوا اور کفار نے ان کی واپسی کا مطالبہ کیا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے معاہدہ نکلا کر پڑھوایا۔ اس میں ”رَجُلٌ“ کا لفظ سن کر آپ نے اللہ کا شکر ادا کیا اور ان عورتوں کو پناہ دینے کا اعلان فرما دیا۔

اسی عمل رسول ہی کی تائید کے لئے وحی باری تعالیٰ کا نزول ہوا جس کے بعد کسی کے لئے شک و شبہ کی کوئی گنجائش باقی نہ رہی اور کفار کے لئے اپنے ہی معاہدہ میں یہ لفظ ”رَجُلٌ“ سن کر کف افسوس ملنے اور حیرت کے سوا کوئی چارہ نہ رہا۔

کفار و مؤمنین کے درمیان ازدواج

”لَا هُنَّ حَالٌّ لِّبِهِمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ لَهُنَّ“

نہ وہ حلال ہیں کافروں کے لئے اور نہ وہ کفار حلال ہیں مؤمنات کے لئے۔

یہ حکم بالکل واضح ہے اور دیگر احکام شرع کی طرح ہر دور، ہر جگہ اور ہر زمانہ کے مسلمانوں کے لئے ہے۔ ”مسلمان عورتیں کافروں کے لئے حلال نہیں اور کافر مرد مسلمان عورتوں کے لئے حلال نہیں“ یہ حکم بھی ہے، اسلامی شریعت کا قانون بھی ہے اور مؤمنات مہاجرات کو کفار کے سپرد نہ کرنے کی وجہ بھی کہ جب یہ عورتیں کفار کے لئے حلال نہیں تو انہیں کس طرح کفار کو واپس کیا جاسکتا ہے۔

اس حکم الہی کے نزول سے پہلے مسلمانوں اور کافروں کے درمیان رشتہ ازدواج قائم تھا لیکن اس قانون کے بعد یہ رشتہ ہمیشہ ہمیش کے لئے منقطع ہو گیا۔ یہی حکم مرتدین کا بھی ہے کہ نہ تو مسلمان مرد کے لئے کسی مرتدہ سے نکاح جائز ہے اور نہ مسلمان عورت کے لئے کسی مرتد سے اگر وقت نکاح دونوں مسلمان تھے اور پھر کسی وقت ان دونوں میں کوئی ایک مرتد ہو گیا تو نکاح از خود فاسد ہو جائے گا۔ اس رشتہ کو ختم کرنے کے لئے طلاق کی شرط باقی نہ رہی۔

مسلمانوں اور کافروں کے درمیان رشتہ ازدواج کی ممانعت کی وجہ واضح ہے کہ مسلمان ایک علیحدہ قوم ہیں۔ ان کے لئے ایک علیحدہ ضابطہ حیات ہے جو ان کا اپنا وضع کردہ نہیں بلکہ آفاقی ہے منجانب اللہ ہے۔ ان کے تمام رشتوں اور تعلقات کی بنیاد یہی نظام حیات ہے۔ اگر کوئی غیر اس نظام کو قبول کر لیتا ہے تو وہ اپنا ہے اور جو اپنا اس سے فرار اختیار کرتا ہے۔ اس کا انکار کرتا ہے تو وہ غیر ہے بالکل اسی طرح جیسے کسی ملک کے قانون کو قبول کرنے والے اسی ملک کے ہیں۔ چاہے ان کے درمیان رنگ و نسل، زبان وغیرہ کافر کیوں نہ ہو لیکن جو شخص اس ملک کے قانون کی پابندی سے انکار کرتا ہے وہ باغی کہلاتا ہے۔ وہ ملک کے لئے خطرناک قرار دے دیا جاتا ہے اس کے ہر عمل پر نظر رکھی جاتی ہے حتیٰ کہ اگر ضرورت ہوتی ہے تو اسے ملک کی سرحدوں سے باہر ڈھکیل دیا جاتا اور ہمیشہ کے لئے ملک میں اس کا داخلہ بند کر دیا جاتا ہے تو اگر اسلام رشتہ ازدواج جیسے اہم رشتہ پر پابندی عائد کرتا ہے اور اپنوں کو باغیوں کے ساتھ زندگی بسر کرنے سے منع کرتا ہے تو کیا بے جا کرتا ہے۔

آج بھی ایسے لوگ موجود ہیں جو کفار و مرتدین کے ساتھ رشتہ ازدواج قائم کئے ہوئے ہیں لیکن ان کے گھروں میں ہر وقت آگ اور پانی کی جنگ ہوتی رہتی ہے جو مسلمان ہے وہ نماز پڑھتا ہے، قرآن کریم کی تلاوت کرتا ہے، جو کافر ہے وہ بتوں کی پوجا کرتا ہے، بھجن گاتا اور گیتا پڑھتا ہے اور اولاد، اماں، ابا کا منہ دیکھتی رہتی ہے۔ بچے سوچتے ہی رہتے ہیں کہ وہ کیا کریں، باپ کا راستہ اختیار کریں یا ماں کا یا درکھئے اور اچھی طرح یاد رکھئے کہ جو مسلمان مرد یا عورت اس رشتہ میں منسلک ہے اگر وہ اللہ کے واضح حکم کا انکار کرتا ہے تو مرتد ہے اور اگر حکم شرع کا اقرار کرتے ہوئے اس رشتہ کو باقی رکھے ہوئے ہے تو وہ



زنا کا مرتکب ہو رہا ہے۔ اگر ایسا مجرم اسلامی حکومت میں پایا جاتا تو اسے مرتد ہونے کی صورت میں قتل کر دیا جاتا اور زانی ہونے کی صورت میں اس پر شرعی حد جاری کی جاتی اسی لئے حکومت اسلامیہ یا مسلم ممالک اور مسلم معاشرے میں ایسے لوگوں کا وجود نہیں۔ ہاں یہ لوگ غیر مسلم ممالک کی غیر مہذب سوسائٹی میں موجود ہیں، لہذا یہاں کے مسلمانوں کو ان سے ہر قسم کا رشتہ اور تعلق منقطع کر لینا فرض ہے ورنہ وہ بھی گناہ میں شامل ہوں گے اور گنہگار ہوں گے۔

علاوہ ازیں قرآن کریم نے کفار کو ولی اور رازدار بنانے کی سختی سے ممانعت فرمائی ہے۔ جیسا کہ آپ گزشتہ اوراق میں پڑھ چکے ہیں جبکہ شوہر و بیوی سے زیادہ ایک دوسرے کا رازدار کون ہو سکتا ہے۔ پس کسی غیر مسلم سے رشتہ ازدواج قائم کرنا، اللہ کے اس واضح حکم کی بھی نافرمانی ہے، اسلام تو غیر مسلموں سے دوستی بڑھانے، ان کے گھروں میں آنے جانے پر پابندی اسی لئے عائد کرتا ہے کہ دوستی کے یہ تعلقات کہیں رشتہ داری میں تبدیل نہ ہو جائیں۔

بہر حال اللہ تعالیٰ نے ان مومنات کو پناہ دینے کی اجازت مرحمت فرمائی جو اپنے کافر شوہروں کے ظلم و ستم کا محض اپنے دین کے سبب شکار ہو رہی ہوں لیکن اسلام عدل و انصاف کا دین ہے۔ اس نے اپنے معیار عدل کو اس موقع پر بھی برقرار رکھا اور مظلوم عورتوں کو پناہ دینے والے مسلمانوں کو حکم دیا۔ ”وَآتُوهُمْ مَّا أَنْفَقُوا“ اور کفار کو مہر کی وہ رقم ادا کر دو جو وہ خرچ کر چکے ہیں یعنی عورتوں کو ادا کر چکے ہیں۔ اس رقم کی ادائیگی حکومت اسلامیہ کی ذمہ داری ہے جو بیت المال سے ادا کی جائے گی اور اگر بیت المال سے ادائیگی ممکن نہ ہو تو مسلمان چندہ کر کے رقم جمع کریں اور ادا کر دیں کہ یہ مظلوم کی مدد ہے جو مسلمانوں کی ذمہ داری ہے چاہے اس ذمہ داری کو مسلمان حکام پورا کریں یا خود عوام کو پورا کرنا پڑے۔

### ایک اہم اجازت

ایسی عورتوں کو پناہ دینے کے بعد صرف ان کی کفالت کرنا ہی کافی نہیں بلکہ ان کو باعزت زندگی ملنا ان کا حق ہے۔ نیز ان کے فطری تقاضوں کی تکمیل ضروری ہے ورنہ معاشرے میں گناہ و بدکاری پھیل جانے کا خطرہ پیدا ہو سکتا ہے، لہذا اہل ایمان کو اجازت دی گئی کہ ”جن عورتوں کو تم نے اپنی پناہ میں لے لیا ان سے باقاعدہ مہر مقرر کے تم نکاح کر سکتے ہو“ اب یہ پناہ مکمل پناہ ہوگی کہ شیطان کے وسوسوں تک سے پناہ مل جائے گی اور معاشرے میں کسی قسم کی برائی پھیلنے کا خطرہ نہیں رہے گا۔ مہر کی ادائیگی کا ذکر اس لئے کیا گیا کہ ان عورتوں کی مجبوری کے باعث ان سے باندیوں والا طریقہ اختیار نہ کیا جائے یہ آزاد، باعزت عورتیں ہیں۔ لہذا ان سے نکاح انہی قواعد کے مطابق کیا جائے گا جو آزاد عورتوں کے لئے شریعت مطہرہ نے مقرر فرمائے ہیں اور یہ بھی خیال نہ کیا جائے کہ پہلے حکم کے مطابق ان کے مہر ادا کئے جا چکے ہیں اب دوبارہ ادائیگی کی کیا ضرورت ہے جبکہ پہلے مہر تو ان کے کفار شوہروں کو دیئے گئے جو وہ دے چکے تھے گویا ان کا قرض تھا جو ادا کیا گیا۔ اب ان سے جو نکاح کرنا چاہتا ہے وہ ان کا مطلوبہ مہر ادا کر کے ہی نکاح کر سکتا ہے۔

یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ کفر و ارتداد کی صورت میں رشتہ ازدواج قائم ہی نہیں ہوتا یا منقطع ہو جاتا ہے یعنی اگر کسی مسلمان مرد نے کافر یا مرتد عورت سے نکاح کیا یا کسی مسلمان عورت نے کافر یا مرتد مرد سے نکاح کیا تو یہ نکاح ہوا ہی نہیں

یا بوقت نکاح مرد و عورت دونوں مسلمان تھے لیکن پھر کسی وقت ان دونوں میں سے کوئی ایک مرتد ہو گیا مثلاً مرزائی ہو گیا تو نکاح فاسد ہو گیا۔ دونوں صورتوں میں عورت آزاد ہے جس مسلمان سے چاہے نکاح کر سکتی ہے۔

”وَلَا تُمْسِكُوا بِعَصَمِ الْكُوفِرِ“

اور تم اپنے نکاح میں کافر عورتوں کو روکے نہ رکھو۔

جیسا کہ ہم بتا چکے ہیں کہ ان آیات کے نزول سے پہلے مسلمانوں کے لئے کافر عورتوں سے نکاح جائز تھا یا کچھ لوگ ایسے تھے جو مسلمان ہو گئے تھے لیکن ان کی بیویوں نے اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ ان کے لئے خصوصی طور پر ہدایت کی جا رہی ہے کہ اب ہمیشہ کے لئے یہ سلسلہ ختم ہو چکا لہذا جن کے گھروں میں کافر عورتیں موجود ہیں۔ وہ ان سے لافعلی کا اعلان کر دیں۔ اس حکم کی تعمیل کرتے ہوئے صحابہ کرام نے ان کافر عورتوں کو جو سابق میں ان کی بیویاں کہلاتی تھیں ہمیشہ کے لئے چھوڑ دیا اور ان کے ورثاء کو ان سے اپنی لافعلی کی خبر دیدی، مثلاً حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی دو کافرہ بیویاں مکہ میں تھیں۔ آپ نے انہیں خبر دی کہ یا تو مسلمان ہو کر مدینہ آنے کی کوشش کرو اور اگر اسلام قبول نہیں تو میرا تم سے کوئی تعلق نہیں۔ انہوں نے اسلام قبول نہ کیا لہذا آپ نے ان سے تعلق ختم کر لیا۔

جس طرح مسلمانوں کو یہ ہدایت کی گئی کہ وہ جن عورتوں کو پناہ دیں، ان کے مہر کی رقم کفار کو ادا کر دیں اسی طرح انہیں یہ بھی اجازت دی گئی کہ جب وہ کافر عورتوں کو آزاد کر دیں تو مہر کی جو رقم وہ ادا کر چکے ہیں۔ اس کی واپسی کا وہ بھی مطالبہ کریں اور اگر کفار یہ رقم ادا کرنے پر آمادہ نہ ہوں تو اس رقم سے لی جائے گی جو کفار کو ان عورتوں کے مہروں کی ادا کرنا ہے جنہیں مسلمانوں نے پناہ دی ہے یا مسلمانوں کا کافروں پر یہ قرضہ باقی رہے گا جس کو موقع ملنے پر وہ وصول کریں گے۔

”وَإِنْ فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِّنْ أَزْوَاجِكُمُ إِلَى الْكُفَّارِ“

اور اگر بھاگ جائے تم سے کوئی عورت تمہاری بیویوں میں سے کفار کی طرف۔

یہ بھی تو ممکن ہے کہ کسی مسلمان کی مسلمان عورت ایسی آوارہ اور عیاش ہو کہ وہ اسے چھوڑ کر کسی کافر کے پاس چلی جائے۔ پس قرآن کریم نے ایسی صورت کے لئے بھی قانون عطا فرمایا کہ کفار سے اس عورت کے مہر کی ادائیگی کا مطالبہ کیا جائے گا اور اگر کوئی کافرہ عورت مسلمانوں کے قبضہ میں آجائے تو وہ اس کے ذریعہ اپنی رقم کا حساب چکا لیں گے۔

تاریخ صحابہ میں صرف ایک واقعہ ایسا پیش آیا کہ حضرت عیاض بن غنم قریشی رضی اللہ عنہ کی بیوی ام الحکم بنت ابی سفیان مرتد ہو کر مدینہ سے مکہ چلی گئیں لیکن فتح مکہ سے قبل ہی اللہ نے انہیں ہدایت دی اور انہوں نے تائب ہو کر اسلام قبول کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ کے لئے یہ قانون عطا فرمادیا تاکہ جب بھی کوئی ایسا واقعہ پیش آئے تو اہل ایمان کو قانون شریعت میں کسی کمی کا احساس نہ ہونے پائے کہ الحمد للہ ہمارا نظام شریعت نہایت مکمل ہے۔ پس

اے ایمان والو! تم فخر کرو اور اللہ کا شکر ادا کرو کہ اس نے تمہیں اپنے محبوب نبی آخر الزمان ﷺ کی غلامی کا شرف بخشا۔ جن کے وسیلہ جلیلہ سے تمہیں ایسی کامل و مکمل شریعت نصیب ہوئی جس کی زمانہ بھر میں تمہیں نظیر نہیں مل سکتی، لہذا

تمہیں ہرگز ہرگز زیب نہیں دیتا کہ تم اپنی زندگی بسر کرنے کے لئے غیروں کے قوانین زندگی کو اپناؤ جو آفاقی نہیں بلکہ ان کے اپنے گڑھے ہوئے ہیں جو انہیں خود با عزت نہ بنا سکے تو تمہیں ان کو اپنا کر کیسے عزت میسر آ سکے گی۔ ذرا اپنے نظام حیات پر غور کرو اس کی خوبیوں کو سمجھنے کی کوشش کرو تو تم اس میں اپنے لئے رحمت و راحت اور عزت و عظمت، سکون و طمانیت کے سوا کچھ نہ پاؤ گے کہ تمہارا دین، دین امن ہے، دین عدل ہے۔ ”إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ“ یہ اللہ کا پسندیدہ دین ہے۔ ”أَفَغَيْرَ دِينِ اللَّهِ يَبْتَغُونَ“ کیا تم اللہ کے دین کے سوا کوئی اور دین تلاش کرتے ہوئے تو تم اچھی طرح جان لو کہ ”وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَسِرِينَ“ جو اسلام کے سوا کوئی دوسرا دین تلاش کرے گا (اختیار کرے گا) تو وہ اس سے ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور وہ شخص قیامت کے روز خسارے اور نقصان میں رہے گا۔ ہائے، ہائے، وائے وائے کرتا ہوگا لیکن اس کی سنوائی نہ ہوگی، پس

اے ایمان والو! ”وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي أَنْتُمْ بِهِ مُؤْمِنُونَ“ اس اللہ سے ڈرتے رہو جس پر تم ایمان لائے ہو کہ ایمان کا مقتضی یہی ہے اللہ عمل کی توفیق عطا فرمائے، آمین بجاہِ رحمۃ للعالمین۔

وَصَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَى خَيْرِ خَلْقِهِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ



## مقالہ ۸۲

### الممتحنہ: ۱۳

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ قَدْ يَيسُوْا مِنَ الْآخِرَةِ كَمَا  
يَيسُ الْكُفَّارُ مِنَ أَصْحَابِ الْقُبُورِ ①

(الممتحنہ: ۱۳)

اے ایمان والو! نہ دوست بناؤ ان لوگوں کو جن پر اللہ نے غضب فرمایا ہے یہ آخرت (کے ثواب) سے مایوس ہو گئے ہیں جیسے وہ کفار مایوس ہو چکے ہیں جو قبروں میں ہیں۔

آیت مبارکہ میں اہل ایمان کو خصوصی طور پر اس قوم سے دوستی کی ممانعت کی جا رہی ہے جس پر اللہ کا غیظ و غضب نازل ہو چکا ہے جبکہ کفار سے دوستی مطلقاً حرام ہے۔ جس کی تفصیل آپ گزشتہ اوراق پر کئی جگہ پڑھ چکے ہیں اور یہ بھی بتایا جا چکا ہے کہ دوستی سے مراد عام تعلقات نہیں یعنی کاروباری یا تجارتی تعلقات کی ممانعت نہیں ہے نہ ہی بوقت ضرورت ان کی امداد کرنے اور ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کی ممانعت ہے۔ ممانعت ولی یعنی اپنا رازدار دوست بنانے کی ہے کیونکہ اس قسم کی دوستی کی بنیاد اعتماد ہوتا ہے جبکہ کوئی کافر قابل اعتماد نہیں وہ موقع ملنے پر مسلمان کو نقصان پہنچانے سے ہرگز نہیں چوک سکتا جیسا

کہ ہم تفصیل سے بیان کر چکے ہیں۔

اب ہم عرض کرنا چاہتے ہیں کہ جس قوم پر اللہ کا غضب نازل ہو چکا ہے اور جس سے دوستی کی یہاں خصوصی ممانعت کی گئی وہ کوئی قوم ہے تو قرآن و حدیث کی روشنی میں علماء کرام نے صراحت کی ہے کہ قوم مغضوب علیہم، یہودی ہیں۔ ملاحظہ ہو اللہ رب العزت جل مجدہ کا ارشاد:

وَضَرَبْتُ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةَ وَالْمَسْكَنَةَ وَبَاءُ عُوِيْبُ غَضَبٍ مِّنَ اللَّهِ ۖ

(البقرہ: ۶۱)

اور مسلط کر دی گئی ان پر ذلت اور غربت اور مستحق ہو گئے وہ اللہ کے غضب کے

فَبَاءُ عُوِيْبُ غَضَبٍ عَلَىٰ غَضَبٍ ۖ

(البقرہ: ۹۰)

پس وہ مستحق ہو گئے مسلسل غضب کے۔

ضَرَبْتُ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةَ أَيْنَ مَا تَشَقُّقُوا إِلَّا بِحَبْلِ مِّنَ اللَّهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَاءُ عُوِيْبُ

(ال عمران: ۱۱۲)

بِغَضَبٍ مِّنَ اللَّهِ وَضَرَبْتُ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةَ ۖ

مسلط کر دی گئی ہے ان پر ذلت جہاں کہیں یہ پائے گئے سو اس کے کہ اللہ کے عہد سے یا لوگوں کے عہد سے (کہیں پناہ مل جائے) اور یہ مستحق ہو گئے ہیں غضب الہی کے اور مسلط کر دی گئی ہے ان پر محتاجی۔

مَنْ لَعَنَهُ اللَّهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمْ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوتَ ۖ

(المائدہ: ۶۰)

أُولَٰئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَأَضَلُّ سَبِيلًا ۖ

وہ لوگ (برے ہیں) جن پر لعنت کی اللہ نے اور غضب فرمایا ان پر اور بنایا ان میں سے بعض کو بندر اور بعض کو سورا اور (وہ برے ہیں) جنہوں نے پوجا کی شیطان کی وہی لوگ بدترین ہیں بلحاظ درجہ کے اور دوسروں سے زیادہ بھٹکنے والے ہیں راہ راست سے۔

إِنَّ الَّذِينَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَذِلَّةٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۖ

(اعراف: ۱۵۲)

كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُفْتَرِينَ ۖ

بیشک جنہوں نے بنالیا بچھڑے کو معبود جلد ہی پہنچے گا انہیں غضب ان کے رب کی طرف سے اور رسوائی دنیا کی زندگی میں اور اسی طرح ہم سزا دیتے ہیں بہتان باندھنے والوں کو۔

ان آیات مقدسہ پر غور کیجئے اور اندازہ لگائیے کہ کس قدر رشود و مد کے ساتھ یہودیوں پر لعنت، غیظ و غضب اور ذلت و مسکنت کا اعلان کیا جا رہا ہے تاکہ اہل ایمان کے دلوں میں ان کی ظاہری سچ دھج اور عارضی وقتی حکومت و طاقت دیکھ کر ان کے باعزت اور دولت مند ہونے کا شائبہ تک نہ آنے پائے بلکہ وہ اللہ کے ارشاد کے مطابق ان کی ذلت و خواری پر یقین رکھیں اور انہیں کسی بھی صورت قابل اعتناء اور قابل توجہ نہ جانیں۔

اے ایمان والو! "وَلَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ" جس قوم پر اللہ کا غضب ہے اسے اپنا دوست نہ

بناؤ۔ وہ تو ملعون و مغضوب ہیں کہ کبھی انہیں بندر تو کبھی خنزیر بنایا گیا وہ تو شیطان کے پیجاری ہیں، وہ بدترین و گمراہ قوم ہیں جبکہ تم تو میرے محبوب سید الانبیاء ﷺ کے غلام ہو۔ جس کی غلامی نے تمہیں ”خیر امت“ ہونے کا شرف بخشا تمہارے سر پر تو ان کی سر پرستی کا وہ تاج ہے جو دنیا کے کسی شہنشاہ بادشاہ کو بھی میسر نہیں۔ تمہارے رب نے تمہیں دنیا و آخرت کی کامیابی و کامرانی کا مژدہ دیا تمہارے دامن سے عزت و عظمت اور فلاح دارین کو وابستہ کیا۔ اس نے ہر حال میں تمہارا حامی و ناصر ہونے کا تم سے وعدہ فرمایا ہے تو تم ایک بدترین و مغضوب قوم سے کیوں مرعوب ہوتے ہو۔ اطمینان رکھو یہ تمہارا کبھی کچھ نہ بگاڑ سکیں گے۔ بس ہم یہ پسند فرماتے ہیں کہ تم ہر وقت حتیٰ کہ اپنی نمازوں میں بھی دعا کرتے رہا کرو۔

إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۚ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ ۝

(اے ہمارے رب) ہمیں ہدایت عطا فرما سیدھے راستے کی ان کے راستے کی جن کو تو نے انعامات سے نوازا ہے ان کے راستے کی نہیں جن پر تیرا غضب ہو اور نہ ہی گمراہوں کے راستے کی۔

یہودی کی ذلت کے اسباب

بنی اسرائیل جو حضرت یعقوب علیہ السلام کے ایک بیٹے کی اولاد ہیں۔ جس کا نام ”یہودا“ تھا۔ اسی نسبت سے یہودی کہلاتے ہیں جب کہ آج کل کے یہودی بھی بنی اسرائیل ہی کی اولاد ہیں۔ انسانی تاریخ میں اس سے زیادہ باغی و سرکش قوم نظر نہیں آتی۔ اس لئے قرآن کریم میں بھی سب سے زیادہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم بنی اسرائیل کا ذکر پانچ سو چودہ مقامات پر موجود ہے۔ اس کثرت ذکر کی وجہ اس قوم کی عزت و رفعت نہیں بلکہ وہ بد عملی و بغاوت ہے جس کے سبب اللہ تعالیٰ نے ان کو کبھی بندر بنایا تو کبھی سوراور کبھی ان پر جوؤں کا تو کبھی مینڈکوں کا عذاب نازل فرمایا۔ اسی پے درپے غضب الہی کے باعث یہ نمونہ ہجرت و بصیرت بن گئے اور ہمیشہ کے لئے ان کا تذکرہ قرآن کریم میں محفوظ کر دیا گیا تاکہ قیامت تک قرآن کریم پر ایمان رکھنے والے ان سے عبرت حاصل کرتے رہیں۔

یہودیوں کی بدکرداری اور بغاوت کا اندازہ مختصر اس سے کیا جاتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وسیلہ سے انہیں اس ظلم و باغی فرعون سے نجات دی۔ جس نے ایک عرصہ دراز سے انہیں غلامی کی زنجیروں میں جکڑ رکھا تھا اور ظلم و ستم کا کوئی ایسا طریقہ نہ تھا جو ان پر نہ آزمایا جاتا ہوں حتیٰ کہ اس نے اپنی سلطنت کو بچانے کی غرض سے ایک مدت تک بنی اسرائیل کی اولاد زینہ کا قتل عام کیا لیکن جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو نجات دلائی، مصر سے نکالا اور ان کا پیچھا کرنے والے ظالم فرعون اور اس کے لشکر کو غرق کر دیا گیا تو انہوں نے اللہ کا شکر ادا کرنے اور اپنے نبی کی اطاعت قبول کرنے کے بجائے ناشکری کی اور طرح طرح سے اپنے نبی کو ستایا اور پریشان کیا۔ انہوں نے غرق فرعون کا حال اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ اس پر تو انہوں نے اظہار شکر نہ کیا بلکہ تھوڑی ہی دور پہنچ کر جب انہوں نے ”سینا“ کے بت کدے میں بتوں کی پوجا ہوتے دیکھی تو ”قَالُوا يَمُوسَى اجْعَلْ لَنَا إِلَهًا كَمَا لَهُمُ آلِهَةٌ“ کہنے لگے اے موسیٰ جیسے ان لوگوں کے

معبود بت ہیں ایسے ہی ہمارے لئے معبود بت بنادے۔

فرعون کی غرقابی اور اس سے نجات کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو لے کر مقام ”تیبہ“ پہنچے۔ یہ ایک بیابان جنگل تھا، جہاں دور دور سبزہ اور پانی کا نام و نشان تک نہ تھا۔ اس میدان میں قیام کے دوران اس ناشکری قوم نے جس طرح اپنے نجات دہندہ اور اللہ کے نبی کو ستایا اور پریشان کیا۔ اس سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ تنہا حضرت موسیٰ علیہ السلام میزبان تھے اور پوری قوم ان کی مہمان وہ بھی اس طرح کہ ہر مہمان یہی سمجھتا تھا کہ اس نے اپنے میزبان کی دعوت قبول کر کے اس پر بڑا ہی احسان کیا ہے۔ لہذا جس کا جو جی چاہتا وہ مطالبہ کر بیٹھتا۔ ذرا پانی کی تکلیف ہوئی چیخ اٹھے اور جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی سفارش کے سبب، ان کے بارہ قبیلوں کے لئے پتھر سے بارہ چشمے جاری کر دیئے تو کیا مجال کہ اس پانی سے سیراب ہوتے ہوئے ان بد نصیبوں کی زبان پر ایک لفظ بھی شکر الہی کا آیا ہو یا ان کے دل میں نبی کی محبت کا جذبہ پیدا ہوا ہو۔ پھر جب انہیں یہاں کھانا پکانے میں دشواریاں ہوئیں تو نبی ہی کی دعا سے اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے غیب سے کھانے پینے کا انتظام فرما دیا اور ”مَنْ و سَلَوٰی“ نازل ہونے لگا۔ دھوپ کی تمازت اور گرمی کی شدت سے بچانے کے لئے رب کریم نے ان پر بادلوں کا سایہ کیا۔ جس سے ہر وقت ان کو راحت و سکون میسر رہتا تھا حتیٰ کہ ان کا کوئی قافلہ اس میدان سے باہر سیر و تفریح کے لئے بھی نکلتا تو بادل اس پر سایہ فلگن ہوتا تھا۔

ان انعامات الہیہ کی ان بد بختوں نے اس طرح قدر کی چند دن بعد ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے کہ ہم یہ آسمانی کھانا، کھاتے کھاتے اب اکتا گئے۔ ”فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْبِتُ الْاَرْضُ مِنْ بَقْلِهَا وَقِثَّانِهَا وَفُومِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا“ اے موسیٰ اپنے رب سے دعا کرو کہ وہ زمین سے ہمارے لئے ساگ، لکڑی، لہسن، مسور اور پیاز جیسی چیزیں اگادے۔ اللہ کے نبی علیہ السلام نے انہیں سمجھاتے ہوئے فرمایا: ”اَتَسْتَبْدِلُونَ الَّذِي هُوَ اَدْنٰی بِالَّذِي هُوَ خَيْرٌ“ کیا تم بہتر اور عمدہ چیز کے بدلے گھٹیا چیزیں چاہتے ہو تو جاؤ۔ ”اِهْبِطُوا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَأَلْتُمْ“ شہر چلے جاؤ، تمہاری سب مطلوبہ اشیاء وہاں مل جائیں گے۔

حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام بحکم الہی طور پر تورات لینے گئے۔ ادھر ان بد بختوں نے گائے کے پھڑے کی پوجا شروع کر دی۔ انجام کار ان پر عذاب الہی نازل ہوا کہ انہیں خود ہی اپنے اعزاء و اقارب کو اپنے ہاتھوں سے قتل کرنا پڑا۔ باپ کو بیٹے نے، بھائی کو بھائی نے قتل کیا۔ اس طرح تین ہزار مجرم جنہوں نے پھڑے کی پوجا کی تھی، چند گھنٹوں میں قتل کر دیئے گئے۔ بالآخر نبی ہی کو ان پر رحم آیا اور اس نے ہی اپنے رب رحیم و کریم سے ان کی جان بخشی کی دعا کی۔ اللہ نے اپنے نبی کی دعا کو قبول فرمایا۔ قتل کا عمل رک گیا اور پھر ایک مرتبہ ان کی خطاؤں کو معاف کر کے انہیں نبی کی اطاعت و فرمانبرداری کا موقع فراہم کیا گیا۔

پھر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو بتایا کہ اللہ نے طور پر مجھے تمہارے لئے کتاب ”تورات“ عطا فرمائی ہے جو تمہاری زندگی کے لئے ایک نظام ہے اب تمہیں اسی کے احکام کے مطابق زندگی بسر کرنا ہے۔ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ یہ

لوگ اللہ کی کتاب کو دیکھ کر خوش ہوتے اللہ کی اس نعمت کے حصول پر جشن مناتے، اپنے نبی کا شکریہ ادا کرتے اور اس کتاب کا علم حاصل کر کے اس کے احکام کے مطابق زندگی بسر کرنے کا عہد کر لیتے لیکن ہائے شومی قسمت شدید سابقہ سزاؤں کے باوجود ان کی سرشت میں ذرہ بھر تبدیلی نہ آئی اور انہوں نے اپنے نبی سے کج بخشی شروع کر دی حتیٰ کہ کہنے لگے: ”لَنْ نُؤْمِنَ لَكَ حَتَّىٰ نَرَى اللَّهَ جَهْرَةً“ اے موسیٰ ہم اس وقت تک تمہاری بات پر یقین نہیں کر سکتے جب تک اللہ کو کھلم کھلا، بے حجاب نہ دیکھ لیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں نرمی و سختی سے سمجھانے کی ہر چند کوشش کی اور بہت چاہا کہ یہ اس جاہلانہ مطالبہ سے دستبردار ہو جائیں لیکن ان احمقوں نے ایک نہ سنی۔ بالآخر آپ نے اتمام حجت کے طور پر ان میں سے ستر افراد کو چنا جو معمر بھی تھے اور انہیں عقلمند بھی سمجھا جاتا تھا۔ ان لوگوں کو لے کر آپ کو وہ طوّر پر دوبارہ شریف لائے اور اللہ کے دربار میں دعا کی کہ مولیٰ تو ان لوگوں کی موجودگی میں مجھ سے اس طرح کلام فرما کہ یہ لوگ بھی تیرے کلام کو سن سکیں، دعا قبول ہوئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایک نور نے گھیر لیا۔ رب بمکلام ہوا انہوں نے بھی غائبانہ آواز سنی اور جب نور کی چادر اٹھ گئی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے پوچھا کہ کیا تم نے رب کا کلام سن لیا انہوں نے اقرار کرتے ہوئے پھر اپنا مطالبہ دہرایا کہ آواز تو ہم نے سن لی لیکن ہم اس وقت تک ایمان نہیں لائیں گے جب تک رب کو بلا حجاب نہ دیکھ لیں۔ اس احمقانہ اصرار پر اللہ کا عذاب نازل ہوا۔ ایک ہیبت ناک چمک، کڑک اور زلزلہ آیا اور یہ ستر کے ستر جل کر خاک ہو گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام پھر سجدہ ریز ہو کر عرض گزار ہوئے: مولیٰ تو اس قوم کا حال مجھ سے زیادہ جاننے والا ہے۔ اب یہ ظالم مجھے قاتل کہیں گے اور الزام لگائیں گے کہ تم ہمارے سرداروں کو قتل کرنے ہی کے لئے اوپر لے گئے تھے۔ پس اے اللہ تو اپنے عذاب کو روک لے اور ان ظالموں کو دوبارہ اپنی قدرت سے زندہ فرما دے۔ اللہ اپنے نبی کی دعا کو کبھی رد نہیں فرماتا۔ پس عذاب کو روک دیا گیا اور انہیں دوبارہ زندہ کر دیا گیا اور جب وہ زندہ ہو رہے تھے تو ایک دوسرے کے زندہ ہونے کو اپنی آنکھوں سے دیکھ بھی رہے تھے۔

بنی اسرائیل پر کوہ طور

ان سرداروں نے قدرت الہی کا یہ کرشمہ دیکھا اور واپس آ کر قوم کو سارا حال بتایا لیکن ان ظالموں نے اب بھی سرکشی اور بغاوت سے توبہ نہ کی اور تورات کو کتاب الہی ماننے پر آمادہ نہ ہوئے۔ انجام کار پھر ان پر اللہ کا عذاب نازل ہوا کہ اسی کوہ طور کو سائبان کی طرح ان کے سروں پر لاکھڑا کیا۔ اب خوف کے مارے ان کی حالت بری ہوئی اور لگے واویلا کرنے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پکار پکار کر کہنے لگے اب ہم حق قبول کرتے ہیں آپ کو اللہ کا رسول اور تورات کو اللہ کی کتاب تسلیم کرتے ہیں۔ نبی کو پھر ایک مرتبہ ان کی حالت پر رحم آیا اور دعا کی۔ اللہ نے پہاڑ کو ہٹا دیا لیکن ظالم چند ہی دن بعد پھر اپنی سرشت پر آ گئے۔ ”ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُكُمْ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ أَوْ أَشَدَّ قَسْوَةً“ پھر تمہارے دل پتھر کی طرح یا اس سے بھی زیادہ سخت ہو گئے۔

بنی اسرائیل اب تک سینا کے جس میدان میں مقیم تھے۔ یہ فلسطین سے قریب تھا اللہ نے جس کا مالک بنانے کا وعدہ ان کے آباء و اجداد، حضرت ابراہیم، اسحاق اور یعقوب علیہم السلام سے کیا تھا۔ لہذا بوسیلہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ نے



بنی اسرائیل کو حکم دیا کہ تم اس بستی میں داخل ہو نہ وہاں کے ظالم و جابر حکمرانوں کو نکالو تا کہ اللہ اپنے وعدے کو پورا کرے۔ یہ حکم سننے ہی ان بزدلوں کی ہوا خراب ہو گئی اور پھر انہوں نے اپنے نبی کی تعمیل سے انکار کیا، صرف انکار ہی نہیں بلکہ گستاخی بھی کی اور کہنے لگے: ”فَاذْهَبْ أَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا إِنَّا هَاهُنَا قَاعِدُونَ“ (اے موسیٰ) تم اور تمہارا رب دونوں جاؤ۔ ہم تو یہیں بیٹھے ہیں (یعنی تماشہ دیکھیں گے) پس ان پر اللہ کا سخت ترین عذاب نازل ہوا کہ یہ اس ارض مقدس سے محروم کر دیئے گئے اور اسی مقام تہ میں چالیس برس تک ذلت و خواری کی زندگی بسر کرتے رہے کہ نبی کی گستاخی غضب الہی کا ہی سبب ہوتی ہے۔

واقعہ ذبح بقرہ

یہ واقعہ ہم لکھ چکے ہیں لیکن تسلسل کے لئے اس کا مختصر اعادہ ضروری ہے۔ ہوا یہ کہ بنی اسرائیل کے کسی شخص کو انہی میں سے کسی نے قتل کر دیا۔ مقتول کے ورثاء نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ قاتل کا پتہ چلایا جائے اور اسے قتل کیا جائے۔ آپ نے بمطابق وحی الہی ان سے کہا ایک گائے ذبح کرو اور اس کے گوشت کا ٹکڑا مقتول کے جسم سے ملو، مقتول زندہ ہو کر خود ہی اپنے قاتل کا نام و پتہ بتا دے گا۔ انہوں نے اپنی فطرت خبیثہ کے مطابق اولا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بات کو مسخرہ پن قرار دیا۔ لیکن جب آپ نے فرمایا: ”أَعُوذُ بِاللَّهِ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْجَاهِلِينَ“ میں جاہلوں میں ہونے سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں یعنی احکام الہیہ میں مذاق اور تمسخر جہالت ہے اور نبی کا جاہل ہونا ممکن نہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس یقین دہانی کے بعد بھی انہوں نے آپ کی فرمانبرداری اختیار نہ کی بلکہ گائے کے متعلق بار بار سوالات کر کے اپنے لئے دشواری پیدا کرتے رہے اور انجام کار انہیں ایک ایسی مہنگی ترین گائے خریدنا پڑی جس کے بدلہ انہیں گائے کی کھال بھر کر بطور قیمت سونا دینا پڑا۔

### حضرت موسیٰ علیہ السلام اور قارون

قارون، بنی اسرائیل ہی کا ایک بہت دولت مند شخص تھا۔ جس نے لالچی کتوں کو اپنے گرد جمع کر رکھا تھا اس کی قوت و دان بدن بڑھ رہی تھی حتیٰ کہ اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ کی ٹھانی۔ یہ آپ کا مذاق اڑاتا رہتا اور قوم کو آپ کے خلاف بھڑکاتا رہتا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور کچھ دوسرے ارباب بصیرت نے اس کو بہت سمجھایا۔ لیکن اس پر دولت و ثروت کا ایسا نشہ طاری تھا کہ یہ ہر کسی کو ذلیل و خوار کرتا رہتا اور کسی کی بات پر دھیان نہ دیتا تھا۔ جب اس کا تکبر و غرور عروج پر پہنچ گیا تو غیرت باری تعالیٰ حرکت میں آئی۔ ”فَخَسَفْنَا بِهِ وَبِإِذْنِهِ الْأَرْضَ“ پس ہم نے قارون اور اس کے سرمایہ کدہ کو زمین کے اندر دھنسا دیا کہ قادر مطلق جس کو جتنا چاہتا عطا فرماتا ہے۔ جب کہ شکر گزاروں پر اس کی رحمت کی بارش زیادہ ہی ہوتی رہتی ہے اور ناشکروں، تکبر و غرور کرنے والوں، احسان فراموشوں کو تباہ و برباد کر دینے ان کو زمین میں دھنسا دینے اور ان کا نام و نشان تک مٹا دینے میں اس مالک الملک کو دیر نہیں لگتی۔

اے ایمان والو! حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ساری زندگی اپنی قوم بنی اسرائیل کی طرف سے ایذا و تکالیف جھیلنے گزری ”لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ آذَوْا مُوسَى“ تم ان بد بختوں کی طرح نہ ہونا جنہوں نے ہمارے نبی موسیٰ علیہ

اسلام کو تکالیف پہنچائیں، ستایا اور پریشان کیا۔ ”قَبْرَاهُ اللَّهُ مِمَّا قَالُوا“ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو قوم کی الزام تراشیوں سے بری فرمادیا، ان کی عزت و آبرو کی حفاظت فرمائی۔ کیونکہ ”وَكَانَ عِنْدَ اللَّهِ وَجْهًا“ وہ اللہ کے نزدیک صاحب وجاہت، صاحب عزت تھے۔

بہر حال حضرت موسیٰ علیہ السلام تو دنیا سے تشریف لے گئے۔ قرآن کریم نے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ان کے بلند مقام کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا: ”يُمُوسَىٰ إِنِّي اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسَالَاتِي وَبِكَلَامِي“ اے موسیٰ میں نے تمہیں لوگوں پر بزرگی عطا فرمائی ہے اور تمہیں چن لیا ہے اپنی رسالت دے کر اور ہم کلامی کا شرف بخش کر اور یہ شرف سید الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کے غلاموں کو نصیب ہے کہ وہ جملہ انبیاء و رسل اور حضرت موسیٰ علیہم السلام کی عزت و آبرو کے محافظ اور ان کے بلند مراتب کے مبلغ ہیں، الحمد للہ علی احسانہ۔

### یہودیوں کی ذلت

اللہ تعالیٰ ظالم نہیں جو کسی قوم کے ساتھ نا انصافی اور ظلم کرے بلکہ بندوں کے اعمال و کردار کی بے راہ روی ہی انہیں اللہ کے غیظ و غضب کا مستحق بناتی ہے۔ جیسا کہ آپ نے گزشتہ اوراق کے مطالعہ سے اندازہ کر لیا کہ یہودیوں کی ذلت و خواری کا سبب ان کی سرکشی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نافرمانی ہوئی۔

حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد بھی ان ظالموں کو ہوش نہ آیا۔ تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ ان کی نافرمانیوں اور بغاوتوں میں اضافہ ہی ہوتا رہا اور آج تک ان کا یہی حال ہے۔ قرآن کریم ان کی انتہائی سرکشی ہی کو ان پر دائمی ذلت و خواری مسلط کئے جانے کا سبب قرار دیتا ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِآيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيْنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۚ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا  
وَكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿٦١﴾

(بقرہ: ۶۱)

(یہ عذاب الہی ان پر) اس لئے تھا کہ وہ انکار کرتے رہتے تھے اللہ کی آیتوں کا اور قتل کرتے تھے انبیاء کو

ناحق (اور یہ سب کچھ) اس لئے تھا کہ وہ نافرمان تھے اور حد سے بڑھ جایا کرتے تھے۔

انبیاء کرام علیہم السلام اللہ کے محبوب و برگزیدہ بندے ہوتے ہیں جن کی بعثت امت کے لئے رحمت الہی اور فضل الہی کا وسیلہ ہوتی ہے انہی کے ذریعہ اللہ بندوں کو اپنے احکامات و پیغامات سے نوازتا ہے۔ یہ اللہ اور بندوں کے درمیان لین دین کا وسیلہ ہوتے ہیں کہ جو کچھ بندوں کو ملتا ہے انہی کے ذریعہ ملتا ہے۔ پس بندوں پر ان کی اطاعت و فرمانبرداری اور ان کے احکام بلکہ ان کی اداؤں کو اپنانا اور ان پر عمل کرنا واجب قرار دیا گیا۔ جبکہ ان کی محبت اور ان کا احترام باعث نجات ہے۔ قوم کی عزت و آبرو انہی سے وابستہ ہے۔ یہ قوم کے وہ محسن ہیں جو ہر آڑے وقت میں قوم کا سہارا بنتے اور ان کی ڈوبتی کشتی کو ترا تے ہیں، یہی ہیں جو عذاب الہی سے نجات دلاتے ہیں، یہی ہیں جو مصائب و آلام میں کام آتے ہیں، یہی ہیں جن کے ہاتھوں رحمت باری تقسیم ہوتی ہے، بھکاریوں کی جھولیاں بھرتی ہیں۔ پس وہ بڑا ہی بدنصیب و نامراد ہے جو ان سے بغاوت

کرے، ان کی حکم عدولی کرے، ان کو ستائے، پریشان کرے، حتیٰ کہ ظالم ان کا قاتل بن جائے۔ پس ایسے ہی بد نصیبوں پر اللہ کی لعنت ہوتی ہے اور یہی لوگ عذاب الہی کے مستحق قرار پاتے ہیں۔ ذلت و مسکنت دائمی ان کا مقدر بنتی ہے۔ پس اے ایمان والو! ”لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ“ ان لوگوں کو دوست نہ بناؤ جو عذاب الہی اور غضب الہی کے مستحق قرار پائے ہیں کہ تمہارا رحیم و کریم رب تمہیں ان کے قریب بھی دیکھنا پسند نہیں فرماتا کہ کہیں تم بھی ان کے ساتھ عذاب کا شکار نہ ہو جاؤ۔ لہذا تم ان سے دور اپنے آقائے رحمت ﷺ کے دامن میں پناہ لئے رہو جو دامن رحمت ہے، دامن عزت و فرحت ہے، دامن سکون و طمانیت ہے۔ اس دامن میں تمہارے لئے سب کچھ ہے تو تمہیں غیروں کو دوست بنانے، ان کی عزت کرنے، اپنے دلوں میں ان کو جگہ دینے یا ان کے در کا بھکاری بننے کی کیا ضرورت ہے۔ کس چیز کی کمی ہے میرے کریم آقا ﷺ کے خزانہ میں جو میں دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلاؤں۔ یہاں تو یہ حال ہے کہ

میرے کریم سے گر قطرہ کسی نے مانگا دریا بہا دیئے ہیں دُر بے بہا دیئے ہیں (ﷺ)

کون دیتا ہے دینے کو منہ چاہئے دینے والا ہے سچا ہمارا نبی (ﷺ)

غرضیکہ یہودیوں میں ازل سے بغاوت و نافرمانی کا خبیث عنصر پایا جاتا ہے۔ انہوں نے ہر دور میں انبیاء کرام علیہم السلام کی نافرمانی ہی نہ کی بلکہ ان کو ستایا، پریشان کیا اور بے شمار انبیاء کے خون سے یہ اپنے ہاتھ رنگتے رہے۔ انعامات الہیہ کی ان پر بارش ہوتی رہی لیکن یہ ظالم ہمیشہ ناشکری اور بغاوت کرتے رہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام نے ہر چند انہیں ضلالت و گمراہی سے بچانے کی کوشش کی۔ اللہ کے احکام پر عمل کی دعوت دی لیکن ان کی سرشت میں صرف اور صرف انکار تھا، بغاوت تھی۔ پس انہوں نے ہزاروں انبیاء میں سے کسی کی نہ سنی۔ سرکشی ہی کرتے رہے، بغاوت میں مبتلا رہے۔ انجام کار ذیل ہوئے خوار ہوئے اور آج تک ان کا یہی حال ہے۔ وہ لوگ جاہل ہی کہلائیں گے جو یہود کی سودی دولت کے سبب انہیں دولت مند کہنے لگیں یا ان کی عارضی حکومت کے باعث انہیں باوقار اور حاکم سمجھنے لگیں اور یہ بھول جائیں کہ جو قوم اپنے دشمن عیسائیوں کے در کی بھکاری ہے، ان کی محتاج ہے، ان کے اشاروں پر ناچتی ہے، وہ کیسے باعزت ہو سکتی ہے، کیسے خوشحال اور حاکم ہو سکتی ہے۔ ہم اس کی قوت و طاقت کو کیسے تسلیم کر لیں جو درحقیقت کمزور ترین ہے۔ دوسروں کے سہارے زندگی بسر کر رہے ہیں، جن کے لئے اللہ رب العزت جل مجدہ کا واضح اعلان ہے کہ

”ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَاؤُوا غَضَبَ مِنَ اللَّهِ“

اور مسلط کر دی گئی ہے ان پر ذلت اور غربت اور مستحق ہو گئے وہ اللہ کے غضب کے

اے ایمان والو! ”لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ“ اس قوم کو دوست نہ بناؤ جس پر اللہ نے غضب فرمایا ہے اور وہ دنیا کے ظاہری و عارضی عیش و عشرت میں ایسے کھو چکے ہیں کہ ”قَدْ يَنْسُوا مِنَ الْآخِرَةِ“ آخرت سے مایوس و ناامید ہو چکے ہیں کبھی خیال تک نہیں آتا کہ انہیں ایک اللہ کے دربار میں حاضر ہو کر اپنے اعمال کا حساب بھی دینا ہے۔ وہ تو اس قدر اور ایسے ناامید ہو چکے ہیں۔ ”كَمَا يَنْسَى الْكُفَّارُ مِنْ أَصْحَابِ الْقُبُورِ“ جیسے وہ کفار مایوس ہو چکے ہیں، جو

قبروں میں ہیں کہ وہ کفر پر مرے اب ان کے عمل کا سلسلہ منقطع ہو چکا، توبہ کا دروازہ ان کے لئے بند ہو چکا ہے۔ اب ان کے لئے سوائے مایوسی کے کیا چارہ، یہ ظالم یہودی ان مردہ کفار ہی کی طرح ہو گئے ہیں حالانکہ یہ تو ابھی زندہ ہیں۔ ان کے لئے توبہ کا موقع موجود ہے لیکن یہ احمق، مردہ کافروں کی طرح بالکل ہی مایوس و ناامید ہو چکے ہیں۔

غرضیکہ آیت مبارکہ میں اہل ایمان کو خصوصی خطاب کرتے ہوئے یہود کو دوست نہ بنانے یعنی ان سے لا تعلق رہنے اور دور رہنے کی واضح ہدایت کی گئی ہے۔ جس کی وجہ واضح ہے کہ یہود ایک مکار، ذلیل و خوار قوم ہے۔ جبکہ اہل ایمان اپنے آقا ﷺ کے طفیل ایک بہترین با عزت اور با وقار قوم ہیں جو اپنے بلند مقام و مرتبہ کی حفاظت صرف اسی طرح کر سکتے ہیں کہ غیروں کے در کے بھکاری بننے سے گریز کریں اور ذیلیوں سے دور رہیں۔ یا اللہ! نبی معظم ﷺ کے وسیلہ جلیلہ سے تو ہی ہماری عزت و ناموس کی حفاظت فرما۔

إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۝ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ ۝ آمين

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی حَبْرِ خَلْقِهِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِهِ وَاَصْحَابِهِ اَجْمَعِينَ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

## ”سورة الصف“

آیات نمبر	مقالہ نمبر
3۲2	83
13۲ 10	84
14	85

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ



## مقالہ ۸۳

### الصّٰف: ۲، ۳

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ ۚ كَبِيرَ مَقْتًا عِنْدَ اللَّهِ أَنْ تَقُولُوا  
مَا لَا تَفْعَلُونَ ۚ

(الصّٰف: ۲، ۳)

اے ایمان والو! تم کیوں ایسی بات کہتے ہو جو کرتے نہیں بڑی ہی ناراضگی کا سبب ہے اللہ کے نزدیک  
کہ تم ایسی بات کہو جو کرتے نہیں ہو۔

اہل ایمان کو قول و فعل کے تضاد سے بچنے کی خصوصی ہدایت کرتے ہوئے فرمایا جا رہا ہے کہ یہ ایسا بدترین عمل ہے جو  
اللہ کو نہایت ہی ناپسندیدہ اور ناگوار ہے کیونکہ ایمان ایسا نور ہے جو قلبِ مؤمن کو روشن و منور کر دیتا ہے اور اس کی زبان پر  
صرف حق اور سچ بات ہی آتی ہے چاہے وہ کتنی ہی تلخ اور سننے والوں کے لئے کتنی ہی ناگوار کیوں نہ ہو۔ پس متانت سے ایمان  
میں ہے کہ مؤمن حق گو ہو، صاف گو ہو، جو کہے وہ کرے اور جو کرے وہی کہے، جو اپنے لئے پسند کرے اسی کی دوسروں کو دعوت  
دے اور جس کی دعوت دے اس پر خود عمل کرے۔ میرے آقا ﷺ کا ارشاد ہے۔ راوی ہیں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ:

تَجِدُونَ شَرَّ النَّاسِ يَوْمَ الْحَيْمَةِ ذَا الْوُحْبَيْنِ الَّذِي يَأْتِي هَذَا لَاءٌ بوجهٍ وَهَذَا لَاءٌ بوجهٍ  
تم قیامت کے دن سب سے برا آدمی وہ ہے جو ایک کے منہ پر کچھ کہتا ہے اور دوسرے کے  
منہ پر کچھ۔  
(بخاری شریف)

مومن نہ دو منہ والا ہوتا ہے اور نہ ہی وہ قیامت کے دن بدترین ہو سکتا ہے۔ وہ تو حق بات کہتا ہے، سچ بولتا ہے  
چاہے کسی کو پسند آئے یا نہ آئے۔

### قول و فعل کا تضاد

قول و فعل کا یہ تضاد اہل ایمان کی عادت نہیں اس میں تو یہودی مبتلا رہے ہیں اور آج تک ان میں یہ کینسر موجود  
موجود ہے صرف عام لوگ ہی نہیں بلکہ علماء یہود تک اس مرض کا شکار رہے ہیں۔ قرآن کریم ان کی اس عادت کو بیان کرتے  
ہوئے فرماتا ہے:

أَتَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ أَنْفُسَكُمْ وَأَنْتُمْ تَتْلُونَ الْكِتَابَ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿٢٢﴾  
(بقرہ: ۲۲)

کیا تم دوسرے لوگوں کو نیکی کا حکم کرتے ہو اور اپنے آپ کو بھلا دیتے ہو حالانکہ تم کتاب پڑھتے ہو کیا تم  
(اتنا بھی) نہیں سمجھتے۔

یہ ماہرین تورات علماء کا حال تھا جو نہایت فصاحت و بلاغت کے ساتھ خلق پھاڑ پھاڑ کر اپنی قوم کو تورات کے احکام  
سناتے اور انہیں اس پر عمل کی دعوت دیتے تھے اور اپنے آپ کو ایسے بھلائے ہوئے تھے جیسے یہ احکام صرف عوام ہی کے لئے  
نازل ہوئے ہوں اور ان کو مستثنیٰ قرار دے دیا گیا ہو۔ اگر اس مہلک مرض میں مبتلا نہ ہوتے تو تورات ہی کے حکم کے مطابق  
سب سے پہلے یہی نبی آخر الزماں ﷺ کے دامن رحمت میں پناہ گزین نظر آتے۔

علماء یہودی کی یہ دورخی پالیسی قصہ پارینہ نہیں بلکہ آج بھی یہ اسی پالیسی میں مبتلا ہیں جب ہی تو وہ اپنے سب سے  
بڑے دشمن عیسائیوں کو دوست بنائے ہوئے ہیں اور ان ہی کے سہارے زندہ ہیں حالانکہ انہی کا یہ دعویٰ ہے کہ انہوں نے  
(بزعم خود) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کیا تھا۔ پُر لطف بات یہ ہے کہ یہودی آج تک اپنے اس دعوے سے دستبردار نہیں  
ہوئے ہیں پھر بھی عجیب بات ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہنے والے، ان کے امتی ہونے کا دعویٰ رکھنے والے،  
اپنے نبی کے قاتلوں کے معاون و مددگار بنے ہوئے ہیں جبکہ ان دونوں ہی کو مسلمانوں کا سہارا لینا اور ان کی طرف مائل ہونا  
چاہئے تھا کہ صرف مسلمان ہی ہیں جو حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی عزت و ناموس کے محافظ ہیں اور مسلمان ہی ہیں جو  
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل اور ان کے ابن اللہ ہونے کو مسترد کرتے اور انہیں اللہ کا بندہ اور نبی تسلیم کرتے ہیں اور یہ یقین  
رکھتے ہیں کہ وہ آسمان پر زندہ ہیں اور قیامت سے قبل دنیا میں تشریف لائیں گے۔

غرضیکہ یہودی اور عیسائیوں کی دشمنی ازلی ہے اس کے باوجود بھی وہ آج ایک دوسرے کے دوست اور اہل اسلام

کے دشمن ہیں لیکن ہمارے لئے یہ کوئی حیرت کی بات نہیں کہ مخبر صادق ﷺ تو پہلے ہی اس حقیقت کو آشکارا فرما چکے ہیں۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: ”الْكُفْرُ مِلَّةٌ وَاحِدَةٌ“ کفر ملت واحدہ ہے۔ کفار آپس میں کتنا ہی لڑیں مریں، ایک دوسرے سے نفرت کریں لیکن مسلمانوں کے کبھی دوست نہیں بن سکتے۔ وہ مسلمانوں کو اپنا دشمن ہی گردانتے ہیں۔ ان کے مقابلہ پر وہ آپس میں ایک دوسرے کو پسند کرتے رہیں گے اور ان کے خلاف گٹھ جوڑ کرتے رہیں گے۔ یہ تو آج احمق مسلمان ہیں جو حقیقت جانتے ہوئے بھی اپنے ان دشمنوں سے نرم برتاؤ کرتے انہیں اپنا دوست بناتے اور اپنی ضروریات پوری کرنے کے لئے ان کے سامنے جھوٹیاں پھیلاتے ہیں، اللہ انہیں عقل دے۔

بہر حال بروٹیکلی کی دعوت دیتے ہوئے اپنے آپ کو بھلا دینا اہل ایمان کی نہیں اہل یہود کی عادت ہے۔ مسلمانوں کو اس فتنہ شنیع سے جس تاکید کے ساتھ روکا گیا ہے اس کا اندازہ آقا ﷺ کے اس ارشاد سے کیجئے۔ راوی ہیں حضرت انس رضی اللہ عنہ کہ حضور نبیہ الصلوٰۃ والسلام نے معراج کا واقعہ بیان کرتے ہوئے بتایا کہ شب معراج ایک ایسی قوم پر میرا گزر ہوا۔ جن کے ہونٹ آگ کی قینچیوں سے کاٹے جارہے تھے۔ میں نے جبریل سے ان کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے بتایا ”هَؤُلَاءِ الْخُطَبَاءُ مِنْ أَهْلِ الدُّنْيَا“ یہ دنیا کے وہ خطیب ہیں۔ ”يَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَيَنْسَوْنَ أَنْفُسَهُمْ“ جو لوگوں کو تو نیکی کا حکم دیا کرتے تھے اور اپنے آپ کو بھلائے رکھتے تھے۔ ”وَهُمْ يَتْلُونَ الْكِتَابَ“ حالانکہ وہ اللہ کی کتاب پڑھا کرتے تھے۔

اگر آج ہم اپنی حالت پر غور کریں تو شاید اسی کیفیت میں ہم بھی مبتلا ہیں کہ ہمارے دور میں اگرچہ ذرائع ابلاغ کی کمی نہیں، وسائل کی کمی نہیں، جو کام ماضی میں برسوں میں ہوتا تھا آج وہ منٹوں میں ہوتا ہے۔ ہمیں پیغام رسانی کے تیز ترین ذرائع حاصل ہیں اور ہم ان سے استفادہ بھی کرتے ہیں، بڑی محنت کرتے ہیں خوب تبلیغ کرتے ہیں، لمبی لمبی تقریریں کرتے ہیں، میدان تحریر میں بھی ہم کسی سے کم نہیں۔ اس کے باوجود نتائج پر غور کیجئے تو صفر ہی نظر آئے گا۔ آخر ایسا کیوں ہے کیا ہماری بات پر قوم دھیان نہیں دیتی یا ہم میں کوئی کمی ہے تو ہمیں تسلیم کر لینا چاہئے کہ ہم علماء یہود کی طرح ”يَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ أَنْفُسَكُمْ“ کے مرض میں مبتلا ہیں۔ جس کا اندازہ ہم اپنے قول و فعل کے تضاد سے بخوبی کر سکتے ہیں۔ پس ہمارا رب ہم ہی سے سوال کرتا ہے کہ

اے ایمان والو! ”لَمْ تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ“ تم ایسی بات کیوں کہتے ہو جو تم کرتے نہیں۔ آخر تمہیں کیا ہوا ایسا تو نہیں کہ تم اپنے رب کے متبع و ہمیں ہونے میں شک کرنے کے ہو۔ اگر ایسا نہیں اور یقیناً ایسا نہیں تو پھر تم اپنی حالت کو سدھارو اور اچھی طرح جان لو کہ ”كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللَّهِ أَنْ تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ“ اللہ کے نزدیک یہ منہ نہایت ہی ناپسندیدہ ہے کہ تم جو کرتے نہیں وہ کہو۔ مومن کو تو چاہئے کہ وہ اپنے آپ ﷺ کے نقش قدم و اپنانے جو اہل ایمان کے لئے ”سورۃ حسہ“ میں کہ آپ ﷺ کے قول و فعل میں بھی تضاد نہ ہو جو فرمایا وہی کرنا چاہئے۔ قرآن کریم کے احکامات۔ تو ان پر خوب عمل کر کے دیکھو۔ اب ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے آپ ﷺ کے اخلاق و عادات سے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے ایک ہی جملہ میں جواب دینے فرمایا ”کان حنفہ لیسوا“ آپ نے ان اعمال و عادات سے جو



قرآن کریم میں موجود ہیں، یعنی یہ پوچھنے کی بات ہی نہیں جو احکام الہی آپ نے سنائے انہی کو اپنے عمل سے دکھایا تاکہ ہمارے لئے ان پر عمل آسان ہو جائے اور ہم قول و فعل کے تضاد سے محفوظ رہیں۔

میرے آقا ﷺ جب غریبوں اور مسکینوں کی امداد و اعانت کا حکم دیتے ہیں تو خود بھوکے رہ کر اس پر عمل فرماتے ہیں، اللہ کی عبادت کی تاکید فرماتے ہیں تو خود ساری رات نوافل میں گزارتے ہیں حتیٰ کہ پائے مبارک سوج جاتے ہیں، سخاوت کی تلقین کرتے ہیں تو خود دریائے سخاوت نظر آتے ہیں، دشمنوں اور قاتلوں کو معاف کر دینے کی تعلیم دیتے ہیں تو ”لَا تُزَيِّبْ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ“ فرما کر اس پر عمل کر دکھاتے ہیں۔ ہندہ جیسی بدترین دشمن بھی اس اعلان کا فائدہ حاصل کر لیتی ہے۔ عورتوں کے متعلق ”عَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ“ کا حکم الہی سناتے ہیں تو خود اپنی ازواج مطہرات کے ساتھ ایسا اچھا برتاؤ کرتے ہیں کہ تنگی و تنگدستی کی زندگی کے باوجود میری کوئی ماں آپ ﷺ سے علیحدگی اختیار کرنے پر آمادہ نہیں ہوتی۔ عدل و انصاف کا درس دیتے ہیں تو اپنوں تک سے غیروں کا حق دلاتے ہیں، توکل کی تلقین فرماتے ہیں تو خطرناک ترین موقع پر بھی ”لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا“ فرما کر رفیق غار کو اس طرح مطمئن کر دیتے ہیں جیسے خوف و خطر کی کوئی بات ہی نہیں۔ صبر و شکر کی تلقین فرماتے ہیں تو پتھر برسائے جانے اور جسم اطہر سے خون بہنے کی حالت میں بھی ”اللَّهُمَّ اهْدِ قَوْمِي فَإِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ“ فرماتے ہیں اور فتح خیبر و مکہ کے موقع پر بھی اپنے رب کے حضور سر جھکائے نظر آتے ہیں۔ ایثار کی تلقین فرماتے ہیں تو ضرورت مندوں کی جھولیاں بھرتے نظر آتے ہیں لیکن اپنی جگر گوشہ کی گھریلو کاموں میں محنت و مشقت کو خاطر تک میں نہیں لاتے، مہمان نوازی کا درس دیتے ہیں اپنوں ہی کی نہیں غیروں کی بھی، خود بہ نفس نفیس خاطر و مدارت کرتے نظر آ رہے ہیں گھر میں جو کچھ ہوتا مہمانوں کی نذر ہو جاتا اور اہل خانہ بھوکے سوتے ہیں، سادگی اختیار کرنے کا حکم دیتے ہیں تو اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر سے محض اس لئے واپس ہو جاتے ہیں کہ انہوں نے اپنے حجرے کی دیواروں پر پردے ڈال لئے تھے۔ خود شہنشاہِ دو عالم کا بستر کمبل کا کبھی چمڑے کا جس میں کھجور کے درخت کی چھال بھری ہوتی تھی اور کبھی معمولی کپڑے کا ہوتا تھا جسے دوہرا کر کے بچھا دیا جاتا تھا۔ مساوات کا درس دیا جاتا ہے تو خود آپ کے دربار میں محض رنگ و نسل و امارت و غربت کی بنیاد پر کسی کو کسی پر فوقیت نہیں دی جاتی۔ حضرت ابو بکر و عمر، سلمان و صہیب اور بلال (رضی اللہ عنہم) سب ہی بھائی بھائی نظر آتے ہیں، ایک اعلیٰ خاندان قبیلہ مخزوم کی ایک عورت چوری کے جرم میں گرفتار ہوتی، آپ ﷺ سے اس کی سزا معاف کر دینے کی سفارش کی جاتی ہے تو جواب ملتا ہے کہ ”خدا کی قسم محمد (ﷺ) کی بیٹی فاطمہ بھی اس جرم کی مرتکب ہوتی تو اس کے بھی ہاتھ کاٹ دیئے جاتے“ آپ ﷺ نے تواضع اور انکساری کی تعلیم دی تو اس پر عمل کرتے ہوئے آپ ہمیں بوقت ضرورت اپنے گھر کا کام کاج خود کرتے نظر آتے ہیں، اپنے کپڑوں میں پیوند خود لگاتے، ضرورت پڑتی تو گھر کی صفائی ستھرائی خود کر لیتے، اپنے کپڑے دھو لیتے، بازار سے سودا سلف خرید کر لے آتے، اپنا کام خود ہی کرتے، اپنی جوتی خود گانٹھ لیتے، غلاموں اور مسکینوں کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے، غریب سے غریب شخص کی بیماری کی خبر ملتی تو عیادت کے لئے تشریف لے جاتے، اپنے لئے متکبرانہ اور شاہانہ الفاظ پسند نہ فرماتے، بیواؤں اور بے سہارا عورتوں کا بوجھ اٹھا کر ان کے گھر تک پہنچا آتے اور ہر

طرح ان کی مدد کرتے، اپنے خادموں پر کبھی ناراض نہ ہوتے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ گواہی دیتے ہیں کہ میرے آقا ﷺ نے کبھی مجھ سے ترش لہجہ میں بات نہ کی اور نہ ہی کبھی مجھے کسی کام کرنے کے لئے مجبور کیا، ﷺ

یہ ہیں میرے وہ آقا ﷺ جن کو ہمارے لئے ”اسوۂ حسنہ“ قرار دیا گیا۔ انہی کے غلاموں کو خطاب کرتے ہوئے رب کریم فرماتا ہے: ”لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ“ جو تم کرتے نہیں وہ کہتے کیوں ہو۔ تم تو ایسے آقا کے غلام بنائے گئے ہو جس کے قول و فعل میں تضاد نہ تھا تو تمہیں کیا ہوا تم قول و فعل کے تضاد میں کیوں مبتلا ہو گئے۔ اے میرے محبوب کے غلاموں مجھے تمہارا یہ عمل سخت ناپسند ہے اپنے آقا ﷺ کے نقش قدم پر چلو اور ان کی ہدایات پر عمل کرو۔ آپ فرماتے ہیں۔

راوی ہیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ”تَجِدُونَ شَرَّ النَّاسِ يَوْمَ الْقِيَمَةِ ذَا الْوَجْهَيْنِ الَّذِي يَأْتِي هَوْلَاءَ بَوَجْهِ وَهَوْلَاءَ بَوَجْهِ“ تم قیامت میں سب سے برا دو منہ والے کو دیکھو گے جو (دنیا میں) ایک منہ پر کچھ کہتا ہے اور دوسرے منہ پر کچھ۔

حضرت عمار رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ”مَنْ كَانَ ذَا وَجْهَيْنِ فِي الدُّنْيَا كَانَ لَهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ لِسَانَانِ مِنْ نَارٍ“ جو دنیا میں دو منہ والا ہو تو قیامت کے دن اس کی آگ کی دو زبانیں ہوں گی۔ (مشکوٰۃ شریف)

حضرت سفیان بن اسید حضرمی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ”كَبُرَتْ خِيَانَةٌ أَنْ تُحَدِّثَ أَخَاكَ حَدِيثًا هَوَّلَكَ بِهِ مُصَدِّقٌ وَأَنْتَ كَاذِبٌ“ یہ بڑی خیانت ہے کہ تم اپنے بھائی سے کوئی بات کہو تو وہ تمہیں سچا جانتا ہو اور تم جھوٹ بول رہے ہو۔ (ابوداؤد شریف)

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو فرماتے سنا کہ: ”يُوتَى بِالرَّجُلِ يَوْمَ الْقِيَمَةِ فَيُلْقَى فِي النَّارِ فَتَذَلُّقُ أَقْتَابُ بَطْنِهِ فَيَذُورُ بِهَا كَمَا يَذُورُ الْجَمَارُ فِي الرَّحَاءِ فَيَجْتَمِعُ إِلَيْهِ أَهْلُ النَّارِ فَيَقُولُونَ يَا فُلَانُ مَا لَكَ أَلَمْ تَكُنْ تَأْمُرُ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَى عَنِ الْمُنْكَرِ فَيَقُولُ بَلَى كُنْتُ أَمُرُ بِالْمَعْرُوفِ وَلَا أَتِيهِ وَأَنْهَى بِالْمُنْكَرِ وَأَتِيهِ“ قیامت کے دن ایک شخص کو لا کر آگ میں ڈالا جائے گا تو اس کی آنتیں پیٹ سے باہر نکل پڑیں گی وہ انہیں لٹکائے ایسے گھومتا پھرے گا جیسے گدھا چکی کے گرد گھومتا ہے، جہنمی اس کے گرد جمع ہو کر پوچھیں گے اے فلاں شخص یہ تیرا کیا حال ہے کیا تو دنیا میں نیکیوں کا حکم نہیں کرتا تھا اور برائیوں سے منع نہ کرتا تھا وہ کہے گا ہاں میں نیکیوں کا حکم کرتا تھا لیکن ان پر خود عمل نہ کرتا تھا اور برائیوں سے روکتا تھا لیکن خود برائیاں کرتا تھا۔ (مسلم شریف)

بہر حال ایمان کا مقتضی یہی ہے کہ مؤمن کے قول و فعل میں تضاد نہ ہو جو لوگ اس تضاد کا شکار ہوتے ہیں انہیں اس سے ذلت و خواری کے سوا کچھ نصیب نہیں ہوتا۔ وہ جب تنہا ہوتے ہیں تو ان کا ضمیر انہیں ملامت کرتا ہے اور وہ خود کو ایک عجب سے اضطراب اور بے چینی میں مبتلا پاتے ہیں جس سے وہ کتنا ہی بچنا چاہیں لیکن نجات نہیں پاتے۔ اللہ محفوظ رکھے، آمین

وَصَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَى خَيْرِ خَلْقِهِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ



## مقالہ ۸۴

### الصف: ۱۰ تا ۱۳

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ تِجَارَةٍ تُشْجِيكُمْ مِنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ ۝ تُوْمِنُونَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ ۚ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۚ وَ يُدْخِلْكُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ وَ مَسْكِنٍ طَيِّبَةٍ فِي جَنَّاتٍ عَدْنٍ ۚ ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۝ وَأُخْرَىٰ تُحِبُّونَهَا ۚ نَصْرٌ مِنَ اللَّهِ وَفَتْحٌ قَرِيبٌ ۚ وَبَشِيرٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ ۝

(الصف: ۱۰ تا ۱۳)

اے ایمان والو! کیا میں تمہیں آگاہ کر دوں ایسی تجارت جو بچالے تمہیں دردناک عذاب سے (وہ تجارت یہ ہے کہ) تم ایمان لاؤ اللہ اور اس رسول پر اور جہاد کرو اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم (حقیقت کو) جانتے ہو اللہ بخش دے گا تمہارے لئے تمہارے گناہوں کو اور داخل کرے گا تمہیں باغات میں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں اور پاکیزہ

مکانوں میں جو سدا بہار باغوں میں ہیں یہی بڑی کامیابی ہے اور ایک اور چیز جو تمہیں بڑی پسند ہے (یعنی) اللہ کی طرف سے مدد اور فتح جو قریب ہی ہے اور (اے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام) مومنوں کو یہ خوشخبری سنا دیجئے۔

آیت بالا میں اہل ایمان پر خصوصی کرم فرمایا جا رہا ہے کہ انہیں ایسی تجارت کا طریقہ تعلیم کیا جا رہا ہے جو حقیقتاً ان کے لئے ہر اعتبار سے مفید اور بہتر ہی بہتر ہے۔ جس میں خسارے اور نقصان کا قطعاً کوئی امکان ہی نہیں اور وہ ہے اللہ و رسول پر ایمان لانا اللہ کی راہ میں جان و مال سے جہاد کرنا اس کے بدلہ میں اللہ وعدہ فرماتا ہے اور اس کا وعدہ حق ہی ہوتا ہے، سچ ہی ہوتا ہے۔ وہ اہل ایمان سے وعدہ فرماتا ہے کہ وہ اپنے فضل و کرم سے ان کے گناہوں کو بخش دے گا انہیں جنت میں بہترین مقام عطا فرمائے گا اور دنیا میں ہر طرح ان کا حامی و ناصر اور مددگار ہوگا۔ آئیے، آیت مذکورہ سے متعلق چند امور پر غور کریں:

### تجارت

تجارت پر معاش کا دار و مدار ہے جو نظام عالم کی بنیاد ہے اس دنیا کی سچ دھج اور رونق کا ذریعہ یہ تجارت ہی ہے۔ بڑا ہی کرم ہوا رب کریم کا کہ اس نے نہ صرف تجارت کو جائز قرار دیا بلکہ اسے اپنی سنت اور اپنے انبیاء و رسل کی سنت بنا کر مقدس ترین پیشہ قرار دیا۔ خود رب نے اہل ایمان سے ایک تجارت کی۔ ارشاد ہوا:

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ۚ (التوبہ: ۱۱۱)

بیشک اللہ نے اہل ایمان سے ان کی جانیں اور ان کے اموال اس عوض میں خرید لئے ہیں کہ ان کے لئے جنت ہے۔

حضرات انبیاء کرام و رسل عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو انسانیت کے لئے ہادی و رہبر اور معلم بنا کر مبعوث فرمایا تو ان کا ذریعہ معاش بھی تجارت ہی کو بتایا گیا تاکہ امتی اس ذریعہ کو اپنا کر اپنی روزی بھی کمائیں اور سنت انبیاء پر عمل کر کے مستحق اجر و ثواب بھی قرار پائیں۔

چونکہ انبیاء سابقین علیہم السلام مخصوص اوقات اور مخصوص اقوام کے لئے مبعوث ہوئے تھے، لہذا ان کے حالات زندگی کی حفاظت کا منجانب اللہ کوئی اہتمام نہیں کیا گیا۔ پس یقین کے ساتھ یہ بتانا بھی مشکل ہے کہ کون، نبی کیا تجارت کیا کرتے تھے تاہم یہ طے ہے کہ سب ہی انبیاء کرام علیہم السلام خود کفیل تھے وہ اپنے فرائض نبوت پورے کرتے رہے اور قوم سے کبھی کسی اجر و اجرت کے طلب گار نہ ہوئے۔ جیسا کہ قرآن کریم سے واضح ہے۔ فرمایا گیا:

وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ ۚ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ (الشعراء: ۱۰۹)

”اور میں تم سے اس (تبلیغ) پر کوئی اجر نہیں طلب کرتا میرا اجر تو رب العالمین کے ذمہ ہے۔“

صرف سورۃ الشعراء میں پانچ مقام پر یہ آئے مبارکہ موجود ہے۔ آیت نمبر ۱۰۹، حضرت نوح علیہ السلام کا قول ہے۔

آیت نمبر ۱۲، حضرت ہود علیہ السلام کا قول ہے۔ آیت نمبر ۱۳۵، حضرت صالح علیہ السلام کا قول ہے۔ آیت نمبر ۱۶۴، حضرت لوط علیہ السلام کا اور آیت نمبر ۱۸۰، حضرت شعیب علیہ السلام کا قول ہے۔ ان آیات کے علاوہ متعدد مقامات پر متعدد انبیاء کرام علیہم السلام کے اقوال مختلف الفاظ میں مذکور ہیں۔ جن سب کا مفہوم یہی ہے کہ ”ہم تم سے تبلیغ پر کسی اجرت کے طب گار نہیں، ہاں اللہ اپنے فضل و کرم سے ہمیں ضرور اجر عطا فرمائے گا۔“

انبیاء سابقین علیہم السلام سے متعلق قرآن کریم کے بیان کردہ حالات کے علاوہ جو تفصیلات ملتی ہیں ان کا ماخذ غیر مسلسل اور منقطع تاریخ کے سوا کچھ نہیں جبکہ صرف نبی آخر الزماں ﷺ کی حیات طیبہ ہی ہے جس سے متعلق ہر بات باوثوق قابل اعتماد اور یقینی ذرائع سے ہمارے پاس محفوظ ہے کہ آپ کی ”رسالت عامہ“ اور آپ کے ”أُسوة حسنہ“ ہونے کا یہی مقتضی تھا۔ پس ہم یقین کے ساتھ بتا سکتے ہیں کہ سید الانبیاء ﷺ نے بھی کسب معاش کے لئے اولاد بکریاں چرائیں اور پھر پیشہ تجارت اختیار فرمایا۔

بکریاں چرانا

حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے انتقال کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے چچا ابوطالب کی کفالت میں آئے جو کثیر العیال بھی تھے اور قلیل المال بھی، چچا کی تنگی و تنگدستی آقائے رحمت ﷺ کے لئے طبعاً ناقابل برداشت تھی۔ لہذا آپ نے نو سال کی عمر میں ہی عرب کے دستور کے مطابق بکریاں چرانا شروع کر دیں تاکہ اپنے چچا کا کچھ معاشی تعاون کر سکیں۔ بروایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیان فرمایا:

مَا بَعَثَ اللَّهُ نَبِيًّا إِلَّا رَاعِيَ غَنَمٍ وَقَالَ لَهُ أَصْحَابُهُ وَأَنْتَ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ وَأَنَا رَاعِيُهَا لِأَهْلِ مَكَّةَ بِالْقَرَارِيطِ.

اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کو مبعوث نہیں فرمایا مگر اس نے بکریاں چرائی ہیں۔ صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! کیا آپ نے بھی فرمایا: میں بھی قراریط کے عوض اہل مکہ کی بکریاں چرایا کرتا تھا۔ (قراریط، قیراط کی جمع ہے جو ایک عربی سکہ ہے)

اس موقع پر ہم یہ وضاحت ضروری سمجھتے ہیں کہ ”بکریاں چرانا“ نہ تو کوئی عیب ہے اور نہ ہی کوئی گھٹیا اور معمولی پیشہ بلکہ یہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی سنت ہے۔ جیسا کہ حدیث میں موجود ہے: حضرات انبیاء کرام کو بلاشبہ یہ ذمہ داری اللہ ہی کی طرف سے سونپی جاتی رہی تاکہ اعلان نبوت سے قبل ہی ان کے کامیاب ہادی ہونے کا مظاہرہ ہو سکے کہ جو شخص بکریوں کے گلہ کی حفاظت کر سکتا ہے وہ یقیناً ہر اعتبار سے اپنی قوم کا محافظ بھی ہو سکتا ہے۔ پس میرے آقا ﷺ کو بھی یہ ذمہ داری سونپی گئی کہ آپ کو تو پوری انسانیت کی رہبری اور رہنمائی کا فریضہ انجام دینا تھا۔ پس درحقیقت اعلان نبوت سے پہلے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ عمل آپ کی قائدانہ صلاحیت کا مظاہرہ تھا، مجبوری یا بے کسی نہ تھی۔ اسی لئے آپ ﷺ نے صحابہ کرام کے سامنے متعدد مواقع پر بلا جھجک بیان فرمایا جس کا اہل ایمان کو بھی بڑا فائدہ حاصل ہوا کہ ان کے لئے بکریاں پالنا

اور انہیں چرانا معیوب نہ رہا بلکہ آقا ﷺ کی سنت ہونے کے سبب ذریعہ اجازت اب بن گیا۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے اسلاف میں سے اکثر نے اس پیشہ کو اختیار کیا یا کم از کم سنت پر عمل کی نیت سے بکریاں پالیں اور انہیں چرایا۔ ہم نے اپنے اکثر اساتذہ کو بھی اس سنت پر عمل کرتے دیکھا۔

### آغاز تجارت

لیکن بکریاں چرانا ہمارے آقا ﷺ کا کوئی مستقل ذریعہ معاش نہ تھا بلکہ ایک وقتی مشغلہ کے طور پر آپ ﷺ نے اسے اختیار فرمالیا تھا اور آپ تجارت کا کوئی موقع ہاتھ آنے کے منتظر تھے۔ لہذا جب حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ نے شام کی طرف سفر تجارت کا ارادہ کیا تو آپ ﷺ نے بھی ساتھ جانے کا اصرار کیا تا کہ آپ ﷺ تجارت کا تجربہ بھی حاصل کر سکیں اور اپنے چچا کا عملی تعاون بھی کر سکیں۔ اس وقت آپ ﷺ کی عمر شریف بارہ برس کی تھی۔ اسی سفر کے دوران مقام ”بُصْرَى“ پر ”بَحِيرَى“ راہب کا مشہور واقعہ پیش آیا کہ

اس عیسائی راہب نے اس قافلہ کو سخت دھوپ میں اپنے گرجا کی طرف آتے دیکھا تو وہ یہ دیکھ کر حیرت زدہ رہ گیا کہ قافلہ کے ایک نوجوان پر بادل کا ایک ٹکڑا سایہ کئے ہوئے ہے۔ راہب نے اپنی علمی بصیرت سے پہچان لیا کہ یقیناً یہ نوجوان مستقبل کی کوئی اہم شخصیت ہے۔ اس نے فوراً ہی اپنی کتابوں کا مطالعہ کرنا شروع کیا تو اسے پتہ چلا کہ انبیاء سابقین علیہم السلام، بالخصوص حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جس نبی آخر الزماں کی تشریف آوری کی خبر دی ہے اس کی علامات میں سے ایک علامت یہ بھی ہوگی کہ اس پر بادل سایہ فگن رہے گا۔ اس نے دیگر علامات جاننے کے لئے پورے قافلہ کو اپنے گرجا میں دعوت دی اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے تنہائی میں گفتگو کرنے لگا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اپنے ہر سوال کا جواب سن کر اسے آپ کے نبی آخر الزماں ہونے پر یقین ہوتا رہا اور پھر فرط جذبات میں اس نے پشت مبارک سے آپ ﷺ کا کرتہ اٹھایا اور اس مہربوت کو دیکھا، جس کا نقشہ اس کی کتابوں میں موجود تھا۔ مہر کو چوما اور حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہو کر پوچھنے لگا: ”مَا هَذَا الْغُلَامُ مِنْكَ“ اس بچے کا تم سے کیا رشتہ ہے۔ یہ تمہارا بیٹا تو ہو نہیں سکتا کیونکہ ”وَمَا نَسْعَىٰ لِهَذَا الْغُلَامِ أَنْ يَكُونَ أَبَوْهُ حَيًّا“ اس بچے کا باپ زندہ نہیں ہونا چاہئے۔ ابوطالب نے حیرت زدہ ہو کر جواب دیا: ہاں تم ٹھیک کہتے ہو، یہ میرا بھتیجا ہے اور اس کے باپ ”مَاتَ وَأُمُّهُ حَبْلَى“ کا انتقال اسی وقت ہو گیا تھا جب یہ اپنی ماں کے پیٹ میں تھا۔ پس بَحِيرَى چلا اٹھا:

هَذَا سَيِّدُ الْعَالَمِينَ هَذَا رَسُولُ رَبِّ الْعَالَمِينَ هَذَا يَنْعَثُهُ اللَّهُ رَحْمَةً لِلْعَالَمِينَ۔

یہ سارے جہانوں کے سردار ہیں، یہ رب العالمین کے رسول ہیں، یہی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ رحمۃ

للعالمین بنا کر مبعوث فرمائے گا۔

اور پھر اس نے ابوطالب سے کہا: ”اس بچے کو شام لے کر برگز نہ بانا بلکہ جلد ہی تم مکہ واپس چلے جاؤ کہ اگر میری طرح اسے یہودیوں نے پہچان لیا تو وہ اسے نقصان پہنچانے کی کوشش ضرور کریں گے“ (کیونکہ یہودی تو ہمیشہ انبیاء کے دشمن رہے ہیں)

لیکن حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ اپنا سفر تجارت پورا کرنے پر مجبور تھے۔ لہذا وہ شام آگئے اور دوران سفر انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پوری طرح حفاظت کی اور وقت سے پہلے ہی مکہ آگئے۔

بہر حال یہ میرے آقا ﷺ کا پہلا سفر تجارت تھا۔ جس کے بعد آپ ﷺ نے اسی پیشہ کو اپنے کسب معاش کا ذریعہ بنایا اور ایک کامیاب تاجر بن جانے کی حیثیت سے آپ ﷺ تاجر برادری میں پہچانے جانے لگے۔ امانت، دیانت اور پاکبازی میں آپ ﷺ کو خصوصی شہرت حاصل ہوئی، حتیٰ کہ آپ ﷺ کا ذکر مکہ کی ایک کامیاب و متمول ترین خاتون حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے حلقہ میں ہوا جن کا مال تجارت، تجارت قریش کی نسبت سب سے زیادہ ہوتا تھا چونکہ وہ خود ایک بیوہ اور طاہرہ خاتون تھیں لہذا عملی طور پر تجارت نہ کر سکتی تھیں۔ ملازمین یا شراکت داروں سے اپنا کام کرایا کرتی تھیں، وہ دیانت دار افراد کی تلاش میں رہتی تھیں، محمد بن عبد اللہ (ﷺ) کی خوبیاں سن کر انہوں نے آپ کو اپنا شریک کار بنانے کا فیصلہ کیا۔ جسے حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ نے بخوشی قبول کیا اور آپ ﷺ کو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیج دیا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کو نہایت احترام کی نظروں سے دیکھا اور اپنا شریک تجارت بنانے کی پیشکش کرتے ہوئے کہا کہ اگر آپ میری درخواست قبول کر لیں تو جو منافع میں دوسروں کو دیتی ہوں اس سے دو گنا آپ کو پیش کر دوں گی کیونکہ آپ جیسے دیانت دار اور محنتی شخص کی ہی مجھے ضرورت ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کی پیشکش قبول فرمائی اور اپنی نگرانی میں آپ ﷺ مال تجارت لے کر شام روانہ ہوئے۔ واپس آ کر جب آپ ﷺ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو حساب دیا تو یہ دیکھ کر ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ اس سے پہلے انہیں کبھی اتنا منافع نہ ہوا تھا۔

اسی سفر میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت کے لئے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اپنے خاص غلام میسرہ کو مقرر کیا تھا۔ جس نے سفر سے واپس آ کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عفت و دیانت، امانت، حسن اخلاق و کردار لوگوں سے گفتگو کا انداز اور آپ کے حسن معاملہ سے متعلق تفصیلی حالات اپنی مالکہ کو سنائے اور وہ حیرت انگیز باتیں بھی بتائیں جو میسرہ نے اس سے پہلے نہ کہیں سنی تھیں اور نہ دیکھی تھیں۔ ان تفصیلات ہی کو سن کر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے دل میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شریک حیات بننے کا خیال پیدا ہوا اور بالآخر وقت آنے پر مکہ کی یہ دولت مند ترین عفت مآب خاتون امت مسلمہ کی پہلی ماں بن گئیں رضی اللہ عنہا۔

غرضیکہ تجارت ایک مقدس ترین پیشہ ہے جو خود کفالت کے علاوہ ملک و ملت کی خدمت کا ذریعہ ہے۔ جس سے قوم کو خوشحالی اور آسودگی میسر آتی ہے، ملکی استحکام حاصل ہوتا ہے، معاشرہ پر امن و پرسکون ہوتا ہے، برائیوں اور بدکاریوں سے نجات میسر آتی ہے، تہذیب و تمدن کی فضا نصیب ہوتی، نہ صرف دنیا بلکہ آخرت بھی سدھر جاتی ہے لیکن اہل ایمان کو یہ تجارت جب رس آتی ہے جب اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے بتائے اصول تجارت کو اپنایا جائے اور شرعی احکام کی پابندی کی جائے۔ ایسے ہی تجارت کرنے والوں کے لئے آقائے رحمت ﷺ مژدہ دیتے ہیں۔ راوی ہیں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ:

التَّاجِرُ الصَّدُوقُ الْأَمِينُ مَعَ النَّبِيِّ وَالصَّدِيقَيْنِ وَالشُّهَدَاءِ

سچا اور امانت دار تاجر (بحیثیت خادم) انبیاء صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا۔ (ترمذی شریف)

### الصَّدُوقُ الْأَمِينُ

آقائے رحمت ﷺ کے ارشاد کے مطابق تاجر برادری کے لئے یہ ایک عظیم اعزاز ہے کہ ”الصَّدُوقُ الْأَمِينُ“ تاجر قیامت کے دن انبیاء و صدیقین اور شہداء کے خدام میں سے ہوگا کیونکہ صبح سے شام تک تجارت کے دوران صدق و امانت کی پابندی سہل و آسان نہیں اور جو اس پابندی کا عادی ہو گیا وہ بڑا ہی متقی، پرہیزگار اور صالح ہو گیا۔ پس وہ جنت میں اعلیٰ مقام کا مستحق قرار دیا گیا۔

بلاشبہ وہ شخص بڑا ہی کامیاب و کامران ہے جو اپنے کسب معاش میں صدق و امانت کو اختیار کرے کہ یہ کوئی معمولی عمل نہیں بلکہ تمام حقوق العباد اور حقوق اللہ کی ادائیگی کا ذریعہ ہے۔ اسی سے حلال و حرام میں امتیاز ہوتا ہے، اسی سے معاملات میں حسن پیدا ہوتا ہے، معاشرے میں ہر دلعزیزی کا مقام حاصل ہوتا ہے، غرباء و مساکین کی خدمت کا موقع حاصل ہوتا ہے، عوام کی ضروریات پوری کرنے کا احساس پیدا ہوتا ہے۔ ہوا و ہوس، طمع، حرص، مکر و فریب جیسے مہلک امراض سے نجات ملتی ہے۔ غرضیکہ سکون ہی سکون، خوشیاں ہی خوشیاں مقدر بنتی ہیں اور بعد مرگ کی پروا بھی نہیں کہ مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد کے مطابق انبیاء و صدیقین اور شہداء کی غلامی نصیب ہوتی ہے۔

اے ایمان والو! تجارت کرو لیکن ”التَّاجِرُ الصَّدُوقُ الْأَمِينُ“ بنو جس کا ذریعہ یا بنیاد سورۃ النساء کی وہ آیات مبارکہ ہیں جن کی تفصیل اس کتاب کی جلد اول میں گزر چکی ہے یہاں ہم صرف ان آیات کا اعادہ کرتے ہیں۔ تفصیل مطلوب ہو تو جلد اول مقالہ ۲۱ کا مطالعہ کر لیجئے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ ۚ وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا ۝ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ عُدُوًّا ظَلَمًا فَنُصِيبْهُ نَارًا ۖ وَكَانَ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا ۝

(النساء: ۲۹، ۳۰)

اے ایمان والو، نہ کھاؤ اپنے مال آپس میں ناجائز طریقہ سے مگر یہ کہ تجارت ہو تمہاری باہمی رضامندی سے اور نہ ہلاک کرو اپنے آپ کو بیشک اللہ تمہارے ساتھ بڑی مہربانی کرنے والا ہے اور جو شخص ایسا کرے گا سرکشی اور ظلم سے تو ڈال دیں گے ہم اسے آگ میں اور یہ اللہ پر بالکل آسان ہے۔ ان آیات میں تجارت کے وہ بنیادی اصول بتائے گئے جن کو اپنانے والا تاجر کامیاب و کامران ہو سکتا ہے اور ”التَّاجِرُ الصَّدُوقُ الْأَمِينُ“ کا اعزاز پاسکتا ہے۔ مزید ملاحظہ ہوں، سورۃ النور کی آیات جن میں کامیاب تاجروں کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ ارشاد ہوا:

رَجُلًا لَا تُلْهِيمُهُمْ تِجَارَةً وَلَا بَيْعًا عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ



يَخَافُونَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ ۚ لِيَجْزِيَ اللَّهُ أَحْسَنَ مَا عَمِلُوا  
وَيَزِيدَهُمْ مِنْ فَضْلِهِ ۗ وَاللَّهُ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ (النور: ۳۷، ۳۸)

وہ لوگ جنہیں غافل نہیں کرتی تجارت اور نہ خرید و فروخت یا دالہی سے اور نماز قائم کرنے سے اور زکوٰۃ دینے سے وہ ڈرتے رہتے ہیں اس دن سے گھبرا جائیں گے جس میں دل اور آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی تاکہ جزاء دے انہیں اللہ ان کے بہترین اعمال کی اور اس سے بھی زیادہ عطا فرمائے انہیں اپنے فضل سے اور اللہ جسے چاہتا ہے بے حساب رزق عطا فرماتا ہے۔

یہ ایسے اہل ایمان کا تذکرہ ہو رہا ہے جن پر تجارت یا دولت کا نشہ نہیں چڑھ جاتا، ان کی مصروفیت انہیں اللہ کے ذکر سے غافل نہیں ہونے دیتی، کسی حال میں ان کی کوئی نماز چھوٹے نہیں پاتی، وہ پابندی سے زکوٰۃ ادا کرتے ہیں پھر بھی ان کے دل اللہ کے دربار میں حاضر ہونے کے خوف سے کانپتے رہتے ہیں۔ ان کی یہ کیفیت اس امید پر ہے کہ اللہ انہیں ان کے اعمال کی بہترین جزاء دے اور ان پر فضل مزید فرمائے کیونکہ اللہ جسے چاہتا ہے بغیر حساب دیتا ہے۔

### تجارت کے بنیادی اصول

درحقیقت یہی تجارت کے بنیادی اصول ہیں جنہیں اپنا کر اہل ایمان تاجر پیشہ تجارت کے تقدس کو بھی برقرار رکھ سکتے ہیں اور اس میدان میں کامیاب ہو کر ”التَّاجِرُ الصَّدُوقُ الْأَمِينُ“ کہلانے کے لائق ہو سکتے ہیں ان بنیادی اصول تجارت کی تفصیل یہ ہے کہ

ایک مومن تاجر اپنی تمام تر مصروفیات کے باوجود اللہ کے ذکر سے غافل نہ ہونے پائے یعنی اس کا ہر عمل اور ادا احکام شرع کے عین مطابق رہے، اس کی دولت سود سے پاک ہو وہ اپنی محنت کی حلال کمائی کو مکرو فریب، جھوٹ اور دھوکہ دہی سے حرام نہ بنائے اپنی بدزبانی اور بد معاملگی سے لوگوں کا دل نہ دکھائے، بددیانتی اور حق تلفی سے کس کو تکلیف نہ پہنچائے، لوگوں کی مطلوبہ اشیاء کو جمع کر کے اور مصنوعی قلت سامان پیدا کر کے ملک و ملت کو نقصان نہ پہنچائے جسے فقہی اصطلاح میں احتکار کہا جاتا ہے جو حرام ہے۔

اس اصول کی مزید وضاحت کے لئے معلم کامل ﷺ کے چند ارشاد ملاحظہ ہوں:

حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو فرماتے سنا:

مَنْ بَاعَ غَيْبًا لَمْ يُنْبِئْهُ لَمْ يَزَلْ فِي مَقْبِطِ اللَّهِ أَوْ لَمْ تَزَلِ الْمَلِكَةُ تَلْعَنُهُ.

جس نے کوئی عیب دار چیز عیب بتائے بغیر فروخت کی وہ ہمیشہ اللہ کے غضب میں رہے گا یا اس پر فرشتے ہمیشہ لعنت کرتے رہیں گے۔ (ابن ماجہ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام غلہ کے ایک ڈھیر کے پاس سے گزرے۔ آپ ﷺ نے اس میں اپنا دست مبارک داخل فرمایا تو مبارک انگلیوں میں تری محسوس ہوئی۔ آپ ﷺ نے دریافت

فرمایا: غلہ گیلا کیوں ہے؟ تاجر بولا: حضور ﷺ بارش کا چھینٹا پڑ گیا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا تم نے گیلا غلہ اوپر کیوں نہ کر دیا تاکہ خریدار اسے دیکھ لیتا پھر فرمایا: ”مَنْ غَشَّ فَلَيْسَ مِنِّي“ جو ملاوٹ کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔  
حضرت عمر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

الْجَالِبُ مَرْزُوقٌ وَالْمُخْتَكِرُ مَلْعُونٌ۔

(باہر سے) غلہ لانے والا روزی دیا جائے گا اور روکنے والا لعنتی ہے۔ (ابن ماجہ)

یعنی جو تاجر بیرون ملک یا بیرون شہر سے غلہ لا کر فروخت کرے اور اپنے ہم وطنوں یا شہریوں کی ضرورت پوری کرے اللہ اس کی روزی میں برکت دے گا لیکن جو ظالم اشیاء ضرورت اس نیت سے جمع کرے کہ جب لوگوں کی طلب بڑھے گی تو وہ زیادہ قیمت وصول کر کے دولت کمائے گا ایسے تاجر کو برکت نصیب ہونا تو درکنار اس پر تو اللہ کی لعنت ہوتی رہتی ہے۔

اشیاء ضرورت پر کنٹرول

ہمارے دور کے خود ساختہ ناکام تجارتی اصولوں میں سے ایک ”کنٹرول“ بھی ہے کہ کسی چیز کی قلت پیدا ہونے کے باعث اس چیز کی قیمت مقرر کر دی جاتی ہے جسے لوگ اپنی ضرورت کے مطابق نہیں بلکہ انتظامیہ کی مقررہ مقدار ہی کے مطابق حاصل کر سکتے ہیں چاہے ضرورت پوری ہو یا نہ ہو جس کا ظاہر ہے نتیجہ یہی ہوتا ہے کہ وہ چیز عام بازار میں مزید گراں ہو جاتی ہے، اس کی طلب بڑھ جاتی ہے، چھپا کر چوری سے بکتی رہتی ہے چونکہ یہ اصول یعنی کنٹرول خلاف شرع ہے لہذا ناکام ہے، بلا مقصد ہے، عوام کی پریشانی میں اضافے کا باعث ہے۔ میرے آقا ﷺ نے اس سے منع فرمایا۔ راوی ہیں حضرت انس رضی اللہ عنہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دور میں ایک مرتبہ اشیاء کی قیمتوں میں اضافہ ہونے لگا تو بعض لوگوں نے مشورۃً عرض کیا یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم ”سَعَرْلَنَا“ آپ حکماً بھاؤ مقرر فرما دیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمُسَعِّرُ الْقَابِضُ الْبَاسِطُ الرَّزَّاقُ“ بیشک اللہ ہی بھاؤ مقرر فرمانے والا ہے، وہی تنگی و فراخی فرمانے والا ہے، وہی روزی عطا فرمانے والا ہے۔ پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں اپنے رب سے اس طرح ملنا چاہتا ہوں کہ تم میں سے کوئی مجھ سے خونی یا مالی نا انصافی کا مطالبہ نہ کر سکے۔ (ترمذی)

حضور نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ ارشاد ہمارے ان کارندوں کے لئے خصوصی طور پر قابل غور ہے جو خود ہی اشیاء ضرورت کی قلت پیدا کرتے ہیں اور پھر کنٹرول کے ذریعہ اس کی طلب میں اضافہ کرتے ہیں تاکہ عوام تڑپیں اور یہ ظالم انہیں خوب لوٹیں۔ یہی ہیں وہ تاجر جو تاجر برادری پر کلنک کا ٹیکہ ہیں اور پیشہ تجارت کی بدنامی و خواری کا سبب ہیں۔

اختیکار کا وبال

اختیکار یعنی اس مقصد سے غلہ، چینی وغیرہ مارکیٹ سے خرید کر چھپالینا اور جمع کر لینا کہ مارکیٹ میں اس چیز کی کمی واقع ہو تو پھر من مانی قیمت پر اسے فروخت کر کے دولت کمائی جائے اور لوگوں کی ضرورت سے خوب فائدہ حاصل کیا جائے۔ یہ استحصال بھی ہے، ظلم بھی ہے اور عوام کے ساتھ دھوکہ بھی، اس کی اجازت تو دنیا کا کوئی بھی قانون نہیں دیتا تو شریعت مطہرہ

کس طرح اسے جائز قرار دے سکتی ہے۔ یہ صرف ممنوع ہی نہیں بلکہ نہایت ہی وبال اور بلاء و مصیبت کا باعث ہے۔  
اس سلسلہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چند ارشادات پر غور کیجئے:-  
حضرت معمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:  
مَنْ اُخْتَكِرَ فَهُوَ خَاطِئٌ۔

جس نے ذخیرہ اندوزی کی وہ گناہگار ہے۔ (مسلم شریف)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

مَنْ اُخْتَكِرَ عَلَى الْمُسْلِمِينَ طَعَامُهُمْ ضَرْبُهُ اللَّهُ بِالْجَذَامِ وَالْإِفْلَاسِ۔

جو مسلمان پر روزی تنگ کرے (اختکار کرے) اللہ اسے کوڑھ اور مفلسی میں مارے۔ (ابن ماجہ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

مَنْ اُخْتَكِرَ طَعَامًا أَرْبَعِينَ يَوْمًا يُرِيدُ بِهِ الْغَلَاءَ فَقَدْ بَرِئَ مِنَ اللَّهِ وَبَرِئَ اللَّهُ مِنْهُ۔

جس نے چالیس دن غلہ روکے رکھا مہنگا ہونے کے انتظار میں تو وہ اللہ سے دور ہو گیا اور اللہ اس سے

بیزار ہو گیا۔ (مشکوٰۃ شریف)

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

بِئْسَ الْعَبْدُ الْمُخْتَكِرُ إِنْ أَرْخَصَ اللَّهُ الْأَسْعَارَ حَزَنَ وَإِنْ أَغْلَاهَا فَرِحَ۔

اختکار کرنے والا بہت ہی برا ہے کہ اگر اللہ بھاؤ سستا کر دے تو رنجیدہ ہو اور اگر مہنگے کر دے تو خوش ہو۔

(بیہقی)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

مَنْ اُخْتَكِرَ طَعَامًا أَرْبَعِينَ يَوْمًا ثُمَّ تَصَدَّقَ بِهِ لَمْ يَكُنْ لَهُ كَفَّارَةٌ۔

جس نے اختکار کیا اور پھر سارا غلہ خیرات کر دیا تب بھی اس کے لئے کفارہ نہ ہوگا۔ (مشکوٰۃ)

اے مسلمان تاجرو! غور کرو! مخبر صادق ﷺ کے ارشادات حقہ پر کس قدر بھیا تک انجام بتا رہے ہیں آقائے  
رحمت ﷺ محتکر کا، ذخیرہ اندوزی کرنے والے کا کہ اس شخص نے یہ جرم محض چند پیسوں کے لالچ میں کیا لیکن اس نے یہ  
نہ سوچا کہ وہ اپنے ہی بھائیوں پر کتنا بڑا ظلم کر رہا ہے، وہ بھوکوں مر رہے ہیں اور یہ ان کی اشیاء ضرورت پر سانپ بنا بیٹھا ہے، قوم  
کے بچے بلک رہے ہیں آہ و بکا کر رہے ہیں اور اس ظالم کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی، پورا ملک معاشی بد حالی کا شکار ہوا جا  
رہا ہے اور یہ بد بخت ذرا بھی احساس نہیں کر رہا، دولت کے لالچ نے اس کو اندھا اور بہرا کر دیا ہے نہ اس میں اللہ و رسول کا ڈر رہا،  
نہ ایمانی غیرت، نہ ملک و ملت کی محبت۔ کیا سوچا ہے اس نے یہی ناکہ: بگڑانی مزید بڑھے گی اور لوگوں کی طلب میں مزید  
اضافہ ہوگا تو یہ اپنا ذخیرہ مارکیٹ میں لائے گا اور خوب خوب دولت نیٹے گا پاش یہ اس کے برعکس بھی سوچتا کہ اگر گرائی ختم

ہوگئی، چیزوں کے بھاؤ گر گئے تو اس کے ذخیرے کا کیا حشر ہوگا پھر کون پوچھے گا اس کی جمع کردہ اشیاء کو پھر تو جو قوم کی بد حالی پر ناچ رہا تھا آج قوم نہ صرف اس کا مذاق اڑائے گی بلکہ اس پر لعنت کرے گی، خوب خوش ہوگی اور ایسا ہونا ہی تھا کہ آقا ﷺ نے اسے ”ملعون“ قرار دے ہی دیا ہے۔ یہ اب بھی ملعون ہے اور اگر اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتا تب بھی ملعون ہی رہتا۔ اس کے اس جرم نے اللہ سے اسے دور کر دیا تو اللہ نے بھی اس کو چھوڑ دیا۔ اس کی رسی ڈھیلی کر دی اب یہ لوگوں کا تماشا ہی بنا رہے گا اب تو اس کا صدقہ و خیرات بھی اسے فائدہ نہ پہنچا سکے گا، چاہے یہ اپنا ذخیرہ پورا کا پورا خیرات کر دے اب لوگ اسے فیاض نہیں بلکہ مجبور اور مجرم ہی کہیں گے۔ دونوں ہاتھوں سے اس کی دولت بھی لوٹیں گے اور بجائے شکر گزار ہونے کے خوب مذاق بنائیں گے۔ صدقہ ایک پائی کا ہو یا ہزاروں کا گناہوں کو مٹاتا ہے، بلاؤں کو دور کرتا ہے لیکن محتکر ایسا مجرم ہے کہ اس کے صدقہ کا اسے نہ دنیا میں فائدہ ہوگا نہ آخرت میں بلکہ ”ضَرَبَ اللَّهُ بِالْجُزَامِ وَالْإِفْلَاسِ“ یہ کوڑھی ہو کر مفلسی اور غربت کی حالت میں تڑپ تڑپ کر مرے گا اور آخرت میں اس کا کیا انجام ہوگا یہ تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ وہی علیم و خیر ہے۔

دوستو! دیکھا آپ نے دولت کی مارنے سے کیسے مارا یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ یہ شخص اپنے یاد دنیا والوں کے گڑھے تجارت کے اصول اپنا کر تجارت کر رہا تھا جس سے اس کا مقصد صرف دولت کمانا تھا۔ اس نے تجارت کے لئے عطا کردہ پہلا ہی اصول فراموش کر دیا تھا یعنی یہ دولت کے نشہ میں مست ہو کر یا دولت کے لالچ میں مبتلا ہو کر اللہ کو بھلا بیٹھا اسے خیال نہ رہا رزق دینے والا، میری حرکتوں کو دیکھ رہا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ میری بد عملی رزاق حقیقی کے غیض و غضب کا سبب بن جائے اور صرف میری تدبیریں ہی الٹی نہ ہو جائیں بلکہ اصل پونجی سے بھی مجھے ہاتھ دھونا پڑیں اور ایسا ہی ہوا۔ اللہ محفوظ رکھے۔ تجارت کا دوسرا شرعی اصول ”إِقَامُ الصَّلَاةِ“ ہے یعنی نماز کی پابندی کرنا کیونکہ نماز وسیلہ قرب الہی ہے۔ قُوَّةُ یحییٰ رسول ہے، وطیرۃ انبیاء و مرسلین ہے، طریقہ اولیاء و صالحین ہے، نمازیوں پر اللہ کی رحمت برسی ہے، انعامات و احسانات کی برکھا برسی ہے، نماز مُنْکِرَات و فحشاء سے روکتی ہے، نماز متقی بناتی ہے، نماز سے سکون میسر آتا ہے۔ نماز مسلمانوں کے درمیان محبت و الفت پیدا کرتی ہے، نماز پابندی وقت اور مساوت بین المسلمین کا درس دیتی ہے، نماز سے گھروں کی آفات و بلیات دور ہوتی ہیں، بیماریوں سے نجات ملتی ہے، نمازی کا چہرہ نورانی ہو جاتا ہے، نماز قبر کی تاریکی دور کرتی ہے، نماز ہی قیامت کے دن مومن کی پہچان ہے۔ نماز ہی مسلم و کافر کے درمیان ذریعہ امتیاز ہے۔

وَإِنْ أَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتَوْهُ ط وَهُوَ الَّذِي إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ۝

اور یہ کہ پابندی سے نماز ادا کرو اور اسی سے ڈرو اور وہی ہے جس کی طرف تم جمع کئے جاؤ گے۔

(القرآن)

وَمَنْ تَرَكَ الصَّلَاةَ مُتَعَمِّدًا فَقَدْ كَفَرَ۔

(الحديث)

اور جس نے قصداً نماز چھوڑی بیشک اس نے کافروں جیسا کام کیا۔

پس اے تاجر و! تم کتنے ہی خرید و فروخت میں مصروف ہو کتنے ہی گا ہک یا سوداگر تمہارے ارد گرد جمع ہوں، کتنا ہی

تمہیں مالی نقصان کا اندیشہ ہو، نماز سے ہرگز غافل نہ ہو جو نبی مؤذن کی آواز تمہارے کانوں میں پڑے جو نبی تم ”حَيَّ عَلَى الصَّلٰوٰہ“ کی صدا سنو اللہ کے حکم ”فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ“ پر عمل کرو اور نماز کی طرف دوڑو، قریبی مسجد کی طرف جاؤ یا جہاں ہو مصلیٰ بچھاؤ اور رزق دینے والے رب کے حضور حاضر ہو جاؤ۔ مطمئن رہو کوئی نقصان نہ ہوگا بڑے فائدے میں رہو گے بغیر حساب رزق دینے والا رزاق حقیقی خوب خوب رزق دے گا۔ ایسی راہ سے دے گا کہ تمہارے وہم و گمان میں بھی نہ ہوگا اور ہاں سنو نماز عصر کا وقت خصوصی طور پر بڑی مصروفیت کا ہوتا ہے حساب و کتاب کرنے کا وقت ہوتا ہے، دن بھر کی آمدنی گننے کا وقت ہوتا ہے، رب کریم کا یہ ارشاد خوب یاد رکھو:

حَافِظُوا عَلَى الصَّلٰوٰةِ وَالصَّلٰوٰةِ الْوُسْطٰی۔

(القرآن)

سب نمازوں کی پابندی کرو بالخصوص نماز عصر کی۔

اگر تم نے ایسا کیا تو اللہ بڑی قدرت والا ہے۔ اس کے خزانہ میں نہ کبھی کمی ہوئی نہ کمی ہوگی اور نہ ہی ہو سکتی ہے۔ وہ تمہیں مالا مال کر دے گا، خوب دے گا، آسانی سے دے گا، اس کی شان ہے۔ ”تَرْزُقُ مَنْ تَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ“ خوب دیتا ہے بغیر حساب کے دیتا ہے۔ وہ تمہاری کمائی میں برکت بھی دے گا، سکون بھی اور روزی کمانے کے لئے، تمہارے بازاروں، گلی کوچوں اور شہروں میں امن بھی میسر آئے گا۔ تمہارے چہرے پر نور ہو جائیں گے، پرکشش ہو جائیں گے، پس نمازوں کی پابندی کرتے رہو۔

تیسرا شرعی اصول تجارت ہے: ”إِبْتِئَاءُ الزَّكٰوٰةِ“ پابندی سے زکوٰۃ ادا کرتے رہنا۔ زکوٰۃ جو مال کا میل کچیل ہے، کوئی چیز بھی ایک جگہ رکھی رہے، اس کی جھاڑ پھونک نہ کی جائے۔ اس کا میل کچیل دور نہ کیا جائے تو اس پر زنگ آ جاتا ہے۔ وہ چیز بد نما نظر آنے لگتی ہے، آنکھوں کو بھدی لگنے لگتی ہے، مال پر میل کچیل جم جائے تو اللہ کو برا لگنے لگتا ہے۔ اس کے مال کو اللہ ناقدرا جانتا ہے اور ناقدروں پر اس کی نعمتوں کی بارش بند ہو جاتی ہے۔ جو کچھ مل چکا ہے بسا اوقات وہ بھی چھین لیا جاتا ہے۔ پس ناقد رے نہ بنو، اللہ کی دی ہوئی دولت کو صاف و ستھرا کرتے رہو یہی اس کی قدر ہوگی۔ اس کا میل کچیل دور کرتے رہا کرو، زکوٰۃ دیا کرو اور دیکھو یہ میل کچیل کچھ زیادہ نہیں ہوتا صرف مال کا چالیسواں حصہ۔ یہ پھونک کراڑا نہیں دیا جاتا دھو کر بہا نہیں دیا جاتا۔ یہ چالیسواں حصہ تمہارے لئے میل کچیل قرار دیا گیا ہے لیکن تمہارے ہی معاشرے کے پسماندہ افراد کے لئے یہ تم پر حق ہے تم کسی کی حق تلفی نہ کرنا کہ جب تم کسی کا حق مارو گے تو سب کے حقوق کی حفاظت کرنے والا تمہیں محروم کر دے گا۔ پس حق ادا کرو کہ تم پر تمہارے اہل خانہ کے علاوہ اعزاء و اقارب، پڑوسیوں، غرباء و مساکین اور یتیموں کے بھی حقوق ہیں، دین کا بھی حق ہے۔ مدارس قائم کرنا، مساجد بنانا، رفاہی و سماجی اداروں کی تعمیر اور اس سے متعلق افراد کی امداد، دین کی اشاعت یہ سب تمہاری ہی ذمہ داری ہے۔ تم یہ ذمہ داری محسوس نہ کرو گے تو کون یہ سب کام کرے گا؟ کون دین کی بقاء کے لئے تڑپے گا؟ کون بیواؤں، یتیموں اور غریبوں کے دکھ درد بانٹے گا؟ کون معاشرے سے جہالت و غربت کی لعنت کا خاتمہ کرے گا؟ پس زکوٰۃ ادا کرو ہر سال پابندی سے ادا کیا کرو۔ تمہاری انفرادی دولت قومی خزانہ بنتی ہے، تمہاری حکومت اسی سے

مال مال ہو جاتی ہے، تمہارا ملک معاشی اعتبار سے مستحکم ہو جاتا ہے پھر نہ تو کسی دوسرے ملک کی وصولیابی کی ضرورت پیش آتی ہی اور نہ ہی ملکی و قومی ضروریات کے لئے نیروں کے درکار ہوگا۔ لیکن اس سے قرٹ لے کر اپنی سیاسی و مذہبی آزادی کا سودا کرنے کی ضرورت باقی رہتی ہے تو زکوٰۃ ادا کرتے رہو اور ہاں دیکھو زکوٰۃ کے مصارف تو شریعت مطہرہ نے متعین کر دیئے ہیں۔ اپنی مرضی سے ان کو صرف نہیں کیا جاسکتا لہذا زکوٰۃ کے مخصوص مصارف کے لئے ضروریات کے لئے ہمیں صدقہ و خیرات کی تلقین و تاکید کی گئی ہے۔ ہمارے آقا ﷺ کا مشرودہ ہے۔ آپ فرماتے ہیں ”الْصَّدَقَةُ زَكَاةُ الْبَلَاءِ“ صدقہ آفات و بابت دور کرنے کا ذریعہ ہے۔ پس زکوٰۃ کے علاوہ خوب صدقہ کیا کرو تا کہ دوسروں کی ضرورت پوری ہو اور تمہیں آفات سے نجات ملے، بلائیں دور ہوں، بیماریاں دور ہوں۔ دیکھو صدقہ انشورنس ہے، تمہارے جسم و جان اور مال و دولت کا انشورنس جو دولت تم انشورنس کمپنی کو دیتے ہو وہ اللہ کے نام پر صدقہ کر کے اپنا انشورنس کرا لو۔ انشورنس تو شاید صرف تمہارے نقصان کی تلافی کرتا ہے لیکن نقصان سے تو نہیں بچا جاسکتا، دکھ درد اور صدمہ سے تو نہیں بچا جاسکتا جبکہ اللہ سے کرایا ہوا انشورنس، دوستو! یقیناً رخصتسان ہی نہیں ہونے دیتا۔ دکھ درد قریب نہیں آنے دیتا، خوشیاں ہی خوشیاں برساتا ہے، سکون و اطمینان کی زندگی مہیا کرتا ہے، امن و امان بخشتا ہے۔ جسے قرآن کریم ”حیوة طیبہ“ کا نام دیتا ہے، پس زکوٰۃ ادا کر کے، صدقہ و خیرات بانٹ کر وہ انشورنس کراؤ جس میں ماہانہ یا سالانہ ادائیگی کی پابندی نہ ہو کوئی مخصوص رقم نہ دینا پڑے، جتنا چاہو اور جب چاہو صدقہ و خیرات کر دو اپنی استطاعت اور سہولت کے مطابق۔ پس ایمان داری کا خیال رکھنا کہ اگر دس دینے کے قابل ہو تو ایک نہ دینا ورنہ دینے والا تمہیں ایک دینے کے لائق بھی نہ رکھے گا۔ دینے والوں کی صف سے نکال کر کہیں مانگنے والوں کی لائن میں نہ بٹھا دیئے جاؤ، اللہ محفوظ رکھے۔

رب کریم کا خصوصی کرم تو ملاحظہ ہو کہ ہمیں زکوٰۃ و صدقات کا حکم دیا گیا۔ اس کے فوائد و اثرات بھی ہمیں ہی بتائے گئے اور پھر اسے قرض قرار دیا گیا کہ جو کچھ تم اللہ کی راہ میں اس کی رضا و خوشنودی کے لئے خرچ کرتے ہو وہ درحقیقت تم اپنے مالک کو قرض دیتے ہو، جس کو وہ گونا گوں بڑھاکر تمہیں دنیا میں بھی واپس فرما دیتا ہے اور رہی بات آخرت کی تو یہ اس کے فضل و کرم پر موقوف ہے جس کو جتنا چاہے واپس کر دے۔

وَأَقْرِضُوا اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا وَمَا تُقَدِّمُوا لِأَنْفُسِكُمْ مِنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِنْدَ اللَّهِ هُوَ

خَيْرًا وَأَعْظَمَ أَجْرًا وَاسْتَغْفِرُ لِلَّذِينَ تَابُوا وَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ○ (مزل: ۲۰)

اور اللہ کو قرض حسنہ دیتے رہا کرو اور جو نیکی تم اپنے لئے آگے بھیجو گے تو اسے اللہ کے پاس موجود پاؤ گے یہی بہتر ہے اور (اس کا) اجر بہت بڑا ہوگا اور مغفرت طلب کیا کرو اللہ سے بیشک اللہ بخشنے والا رحم فرماتے والا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ”مَنْ آتَا اللَّهَ مَالًا وَلَمْ يُوَدِّ كَوْنَهُ يَسْتَبِشْ“ اس نے مال دیا اور اس نے اس کی زکوٰۃ ادا نہ کی ”مَثَلُ لَهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ شَجَاعَا أَقْرَعُ لَهُ زَيْنَتَانِ“ (تو وہ

(مال) قیامت کے دن ایسے گنجے سانپ کی صورت میں لایا جائے گا جس کی آنکھوں پر دو سیاہ نقطے ہوں گے۔ ”ثُمَّ يَأْخُذُ بِلَهْزِمَتَيْهِ يَعْنِي بِلَهْزِمَتَيْهِ“ پھر وہ (صاحب مال کی) دونوں باجھیں پکڑ کر کہے گا: ”أَنَا مَالُكَ أَنَا كَنْزُكَ“ میں تیرا مال ہوں، میں ترا خزانہ ہوں پھر آقا ﷺ نے درج ذیل آیت مبارکہ تلاوت فرمائی:

وَلَا يَحْسِبَنَّ الَّذِينَ يَبْخُلُونَ بِمَا أَنْتَهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ هُوَ خَيْرٌ لَّهُمْ ۚ بَلْ هُوَ شَرٌّ  
لَّهُمْ ۚ سَيُطَوَّقُونَ مَا بَخُلُوا بِهِ يَوْمَ الْقِيَمَةِ ۚ وَاللَّهُ مِيرَاثُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَاللَّهُ  
بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ (آل عمران: ۱۸۰)

اور ہرگز گمان نہ کریں جو بخل کرتے ہیں اس (مال) میں جو دے رکھا ہے انہیں اللہ نے اپنے فضل و کرم سے کہ (بخل) بہتر ہے ان کے لئے بلکہ یہ ان کے لئے بہت برا ہے طوق پہنایا جائے گا انہیں وہ مال جس میں انہوں نے بخل کیا قیامت کے دن اور اللہ کے لئے ہی ہے میراث آسمانوں اور زمین کی اور جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اس سے خبردار ہے۔ (بخاری شریف)

چوتھا شرعی اصول تجارت یہ ہے کہ تاجر دولت کی فراوانی و کثرت کے باوجود بد اخلاق، بد زبان اور گھمنڈی نہ ہونہ اپنے گاہکوں سے ترش روئی کا مظاہرہ کرے اور نہ ہی اپنے ملازمین اور شرکاء کار سے بد سلوکی اختیار کرے کہ متکبر و مغرور شخص سے سب ہی نفرت کرتے ہیں اور دور بھاگتے ہیں۔ کوئی ایسے شخص سے معمولی سا بھی معاملہ کرنے پر آمادہ نہیں ہوتا، لہذا بد خو تاجر کبھی کاروبار میں کامیاب نہیں ہو سکتا کہ تاجر کے لئے تو وسیع تعلقات اور کثیر لوگوں سے میل جول ضروری ہے۔ پس اس کی کیفیت یہ ہونا چاہئے کہ اس کا دل قیامت کے دن اللہ کے حضور حاضر ہونے کے خوف سے دھڑکتا ہو اور نظریں جھکی رہتی ہوں اس کی یہ حالت اسے نرم مزاج بنائے گی، خوش اخلاق بنائے گی۔ اب وہ جس سے گفتگو کرے گا وہ اس پر اعتماد سے کرے گا کہ اس کی زبان سے بصورت الفاظ پھول جھڑتے محسوس ہوں گے۔ لوگ اس کے گرد جمع ہوں گے، ملازمین مزید محنت و مشقت سے اس کا کام کریں گے، شراکت دار اس کے مزید تعاون پر آمادہ نظر آئیں گے۔ ہر طرف اس کی خوش خلقی کا چرچا ہوگا، ہر کوئی اس کا تعاون کرنا پسند کرے گا ”قُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا“ لوگوں سے اچھی گفتگو کرو۔ اس ارشاد باری تعالیٰ کا مفاد و اثر یہی تو ہے کہ اچھی گفتگو کی تاثیر سے تو دشمن بھی اپنے بن جاتے ہیں۔

درج ذیل ارشادات باری تعالیٰ پر غور کیجئے اور خلق حسن کی تاثیر کا اندازہ لگائیے۔ فرمایا گیا:

وَأَحْسِنُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ① (البقرہ: ۱۹۵)

اور احسان کرتے رہو بیشک اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔

لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا مِنْهُمْ وَاتَّقُوا أَجْرٌ عَظِيمٌ ② (آل عمران: ۱۷۲)

ان کے لئے جنہوں نے احسان کیا اور تقویٰ اختیار کیا بڑا اجر ہے۔

إِنْ أَحْسَنْتُمْ أَحْسَنْتُمْ لِأَنْفُسِكُمْ ۖ وَإِنْ أَسَأْتُمْ فَلَهَا ③ (بنی اسرائیل: ۷)

اگر تم اچھے کام کرو گے تو ان کا فائدہ تمہیں ہی ہوگا اور اگر تم برائی کرو گے تو اس کی سزا بھی تمہارے ہی نفس کو ملے گی۔

اور فرمایا میرے آقا ﷺ نے راوی ہیں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما:

إِنَّ مِنْ أَحَبِّكُمْ إِلَيَّ أَحْسَنَكُمْ أَخْلَاقًا.

مجھے تم میں سے وہ شخص سب سے زیادہ محبوب ہے جس کا اخلاق سب سے زیادہ اچھا ہو۔ (موطا)

راوی ہیں حضرت حارثہ بن وہب رضی اللہ عنہ

لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ الْجَوَّاطُ وَلَا الْجَعَزَرِيُّ.

جنت میں بدخلق، بدخوا اور سخت گو شخص داخل نہ ہوگا۔ (بخاری شریف)

راوی ہیں حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ

إِنَّ أَثْقَلَ شَيْءٍ يُوضَعُ فِي مِيزَانِ الْمُؤْمِنِ يَوْمَ الْقِيَمَةِ خُلُقٌ حَسَنٌ وَإِنَّ اللَّهَ يَبْغِضُ الْفَاحِشَ الْبَغِيَّ.

وزنی ترین چیز جو قیامت کے دن مؤمن کی ترازو میں رکھی جائے گی حسن خلق ہے اور بیشک اللہ ناپسند فرماتا ہے فحش اور بیہودہ گو کو۔ (ترمذی شریف)

اور اب یاد کر لیجئے میرے آقا ﷺ کی عطا کردہ ان دعاؤں کو، راوی ہیں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما:

اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ زَوَالِ نِعْمَتِكَ وَتَحَوُّلِ عَافِيَتِكَ وَفُجَاءَةِ نَقْمَتِكَ وَجَمِيعِ سَخَطِكَ.

اے اللہ میں تیرے ذریعہ پناہ مانگتا ہوں تیری نعمت کے زوال سے اور عافیت کے ختم ہو جانے سے اور تیرے ناگہانی عذاب سے اور تیرے غصہ سے۔ (مسلم شریف)

راوی ہیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

اللَّهُمَّ أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْفَقْرِ وَالْقِلَّةِ وَالذِّلَّةِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ أَنْ أَظْلِمَ أَوْ أُظْلِمَ.

اے اللہ میں تیرے ذریعہ پناہ مانگتا ہوں افلاس سے نیکیوں یا مال کی کمی سے اور ذلت سے اور پناہ مانگتا ہوں اس سے کہ کسی پر ظلم کروں یا کوئی مجھ پر ظلم کرے۔ (ابوداؤد شریف)

راوی ہیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

اللَّهُمَّ أَعُوذُ بِكَ مِنَ الشَّقَاقِ وَالنِّفَاقِ وَسُوءِ الْخُلُقِ.

اے اللہ میں تیرے ذریعہ پناہ مانگتا ہوں انتشار و افتراق نفاق اور برے اخلاق سے۔ (نسائی شریف)

تاجر بھائیو! مصروفیت کے باوجود اللہ کا ذکر کرتے رہا کرو، نماز پابندی سے ادا کیا کرو، زکوٰۃ، صدقات و خیرات



میں کمی نہ کرو اور قیامت کے دن اللہ کے دربار میں حاضری سے ڈرتے رہو کہ جو کچھ ہم یہاں کرتے ہیں اللہ کے دربار میں حاضر ہو کر ہمیں اس کا حساب دینا ہو گا اس دن پتہ چلے گا کہ ہم ساری زندگی کیا کرتے رہے۔ ”فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ط وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ“ جس نے ذرہ برابر بھی (اچھا) کام کیا وہ اسے دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ برابر (برا) کام کیا وہ اسے دیکھ لے گا۔ پس تم اعمال صالحہ کرتے رہو، ریاء نمود کے لئے نہیں دکھاوے کے لئے نہیں بلکہ صرف اور صرف اللہ کی رضا کے لئے تاکہ وہ تمہیں اپنے مزید انعامات سے نوازے، تمہارے کاموں کو سہل و آسان کر دے تمہاری روزی میں برکت دے۔ ”وَاللَّهُ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ“ اور اللہ جسے چاہتا ہے بغیر حساب کے عطا فرماتا ہے۔

اے ایمان والو! اللہ تمہیں تجارت کی دعوت دیتا ہے وہ تجارت جو تمہیں دردناک عذاب سے محفوظ رکھے اور وہ تجارت یہ ہے کہ ”تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ“ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ۔ اس طرح کہ تجارتی و معاشی امور اور زندگی کے تمام شعبوں میں اللہ و رسول کے احکام کی پابندی کرو۔ ”وَتُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ“ اور اپنے مال و جان سے اللہ کی راہ میں جہاد کرتے رہو۔ کہ جب اللہ کے دین پر عمل یا اس کی حفاظت و اشاعت کے لئے تمہارے مال و دولت کی ضرورت پیش آئے تو تم اپنے اسلاف کی طرح بلا دروغی اپنی دولت صرف کرو، چاہے وہ زکوٰۃ ہو یا صدقات و خیرات کی شکل میں ہو اور اگر ایسا موقع پیش آجائے کہ دین کو تمہاری جانوں کی ضرورت ہو تو اس وقت بھی پیٹھ نہ پھیرنا، منہ نہ موڑنا، بہانے تلاش نہ کرنا، دشمن کے خوف سے پیچھے نہ ہٹنا بلکہ مادی و ظاہری وسائل کی پرواہ کئے بغیر سینہ تانے پوری ایمانی قوت کے ساتھ دشمن کے مقابلہ کے لئے میدان میں اتر پڑنا۔ مجاہدین بدر و احد اور حنین کی طرح شہداء کر بلا کی طرح۔ دیکھو تمہارا اسی میں بھلا ہے یہی تمہاری بڑی کامیابی و کامرانی ہے ”ذَلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ“ یہی تمہارے لئے بہتر ہے۔ ”إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ“ اگر تم یقین ساتھ جان لو۔ اگر تم نے یہ طریقہ تجارت اپنایا تو اس دنیائے فانی کی بے شمار نعمتوں کے علاوہ تمہیں اخروی انعامات سے بھی نوازا جائے گا۔ ”يَغْفِرُ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ“ تمہارے گناہ بخش دیئے جائیں گے اور تم رب کے حضور سرخرو حاضر ہو گے۔ ”وَيُذْخِلْكُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ“ رب کریم تمہیں ایسے باغات میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی۔ ”وَمَسْكِنٍ طَيِّبَةٍ فِي جَنَّاتٍ عَدْنٍ“ اور تمہیں ایسے پاکیزہ حسین و جمیل محل عطا ہوں گے جو سدا بہار باغات میں ہوں گے۔ ”ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ“ یہی تو بڑی کامیابی ہے۔ کہ یہ انعامات الہیہ لازول ہیں، دائمی ہیں۔ ”خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا“ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہیں۔ دنیا میں چاہے کتنی ہی نعمتیں مل جائیں، حسین و جمیل بیوی، بچے، مال و دولت کے ڈھیر، شاندار گاڑیاں، خوبصورت و وسیع محلات، کچھ مل جائے چند روزہ ہے، فانی ہے، چھن جاتے ہیں یا بندہ چھوڑ کر چل دیتا ہے۔ پس تقاضائے عقل و ایمان یہی ہے کہ دنیائے فانی میں جو کچھ نصیب ہو جائے اس پر بندہ شکر ادا کرتا رہے اور آخرت کی نعمتوں کی فکر کرتا اور ان کی بھیک مانگتا رہے۔

اے ایمان والو! اگر تمہارا ایمان کامل ہے تم نے اللہ وحدہ لا شریک لہ پر پوری طرح بھروسہ اور توکل کر لیا ہے تو تمہیں ایک عظیم نعمت سے مزید نوازا جائے گا، جس کے تم محتاج بھی ہو اور وہ نعمت تمہیں بے حد محبوب ہے پسند ہے۔

”وَأُخْرَى تُحِبُّونَهَا“ ایک اور چیز جو تمہیں بہت پسند ہے اور وہ ”نَصْرٌ مِّنَ اللَّهِ وَفَتْحٌ قَرِيبٌ“ اللہ کی طرف سے مدد اور قریبی فتح و کامرانی ہے۔ تم ہر حال میں مدد الہی کے محتاج رہتے ہو کہ اس کی مدد کے بغیر تم کوئی کام نہیں کر سکتے، کوئی حرکت نہیں کر سکتے۔ پس تم نصرت الہیہ کے محتاج ہو اور اسی لئے وہ تمہیں محبوب و پسند بھی ہے پھر تم ہر کام اسی امید پر کرتے ہو کہ جلد از جلد اس میں کامیابی ہو اور اس کا نفع بخش نتیجہ سامنے آئے۔ پس ہم تم سے وعدہ فرماتے ہیں کہ ہم ہر حال میں تمہاری مدد بھی کریں گے اور فتح قریب سے بھی تمہیں نوازیں گے۔

”وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ“ اور اے پیارے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام آپ ہی ہمارے انعامات کی اہل ایمان کو خوشخبری سنا دیجئے کہ آپ کا کام ہی مؤمنین کو خوشخبریاں دینا ہے۔ ہم نے آپ کو ”مُبَشِّرٌ“ ہی بنا کر مبعوث فرمایا ہے۔ نیز ہمارا اصول یہی ہے کہ ہم اپنے پیغامات اپنے بندوں کو رسولوں ہی کی معرفت پہنچاتے ہیں اور اپنے بندوں کو ہر نعمت آپ ہی کے وسیلہ جلیلہ سے عطا فرماتے ہیں۔ اسی لئے تو ہم نے آپ کو اپنے خزانوں کی کنجیاں بخش دی ہیں کہ آپ اپنی مرضی سے جسے جو چاہیں قیامت تک عطا فرماتے رہیں حتیٰ کہ قیامت میں آپ کو اختیار ہو گا کہ جسے چاہیں اپنے حوض سے سیراب کر دیں، جس کی چاہیں سفارش فرمائیں، جس کے اعمال کا پلہ چاہیں وزنی کر دیں اور جسے چاہیں اپنے دامن رحمت میں پناہ دے دیں کہ ہم آپ سے وعدہ فرما چکے ہیں ”وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَى“ آپ کا رب آپ کو اتنا عطا فرمائے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔

خدا کی رضا چاہتے ہیں دو عالم خدا چاہتا ہے رضائے محمد ﷺ  
عجب کیا اگر رحم فرمالے ہم پر خدائے محمد برائے محمد ﷺ

وَصَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَى خَيْرِ خَلْقِهِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ



## مقالہ ۸۵

### الصّف: ۱۴

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا أَنْصَارَ اللَّهِ كَمَا قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِحَوَارِيِّينَ مَنْ أَنْصَارِي إِلَى اللَّهِ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ نَحْنُ أَنْصَارُ اللَّهِ قَامَنْتُ طَائِفَةً مِّنْ بَنِي إِسْرَآئِيلَ وَكَفَرْتُ طَائِفَةٌ فَأَيَّدْنَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَىٰ عَدُوِّهِمْ فَأَصْبَحُوا ظَاهِرِينَ ﴿١٤﴾

(الصّف: ۱۴)

اے ایمان والو! اللہ کے (دین کے) مددگار بن جاؤ جس طرح کہا تھا عیسیٰ ابن مریم نے اپنے حواریوں سے کون ہے میرا مددگار اللہ کی بلا نے میں حواریوں نے جواب دیا ہم اللہ کے (دین کے) مددگار ہیں پس ایمان لے آیا ایک گروہ بنی اسرائیل سے اور کفر کیا دوسرے گروہ نے پھر ہم نے مدد کی جو ایمان لائے دشمنوں کے مقابلہ میں بالآخر وہی غالب رہے۔

اہل ایمان کو اللہ کا مددگار بننے کی ہدایت کی جا رہی ہے ظاہر ہے اللہ وحدہ لا شریک لہ خود سب کا حامی و ناصر ہے،

سب اس کے محتاج ہیں، وہ بلاشبہ کسی کا محتاج نہیں۔ پس اس کا مددگار وہ ہے جو اس کے دین کی مدد کرے یعنی دین کی تبلیغ و اشاعت اور حفاظت کے لئے دین کا خادم بنے۔ اس مقصد کے لئے خدام دین، علماء و مشائخ کا تعاون کرے، اپنی دولت صرف کرے، اپنا وقت صرف کرے حتیٰ کہ دین کو جان کی ضرورت پیش آئے تو اپنے رہنماؤں کے اشارے پر اپنی جان کی بازی لگا دینے سے بھی دریغ نہ کرے۔ جس کی نظیر صحابہ کرام اور ان کے بعد اسلاف قائم کرتے آ رہے ہیں کہ انہی کے ایثار و قربانی نے ہمیں دین کا وارث بنایا اور یہ کوئی نئی بات نہیں بلکہ ہم سے پہلے بھی حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اپنے غلاموں سے دین کی خدمت لیتے رہے، خصوصاً حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے حواریوں کو اس بڑی ذمہ داری کی دعوت دی جیسا کہ آیت زیر گفتگو میں مذکور ہے۔

اللہ کی مدد

جیسا کہ ہم عرض کر چکے ہیں کہ اللہ ہماری مدد کا محتاج نہیں ہاں اس نے اپنے فضل و کرم سے ہمیں اپنے دین کی مدد اور خدمت کرنے کا اعزاز بخشا ہے جو ہمارے ہی مفاد میں ہے کہ دین کی بقاء ہی سے ہماری بقاء ہے، دین کے غلبہ ہی سے ہمارا غلبہ ہے، دین ہی کی عزت میں ہماری عزت ہے۔ ”إِنْ تَنْصُرُوا اللَّهَ يَنْصُرْكُمْ“ فرمان الہی ہے اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا یعنی اگر تم اللہ کے دین کے مددگار بنو گے تو اللہ تمہارے دینی و دنیوی امور میں مدد کرے گا۔ اس طرح کہ تم اللہ کے سوا کسی اور کے محتاج نہ رہو گے اور یہی تو بڑی عزت ہے کہ انسان کسی کا محتاج نہ رہے اللہ اور اس کے رسول کی غلامی کے سوا، اس کی گردن میں کسی کا طوق نہ لٹک رہا ہو وہ کسی کے در کا بھکاری نہ ہو دوسرے اس کے در پہ جھولیاں پھیلانے کھڑے ہوں۔

تاریخ پر نظر رکھنے والے اچھی طرح جانتے ہیں کہ جس دور میں بھی انسان اپنے دین سے لا پرواہ و اذلیل و خوار ہو کر رہ گیا، مصائب و آلام کا شکار ہوا اور جب اس نے دین کی غلامی اختیار کر لی، اللہ اس کا مددگار بن گیا۔ بھکاریوں کو بھیک دینے والا بنا دیا، غلاموں کو آقا کر دیا، چرہ ہا ہے حاکم بنا دیئے گئے، کمزور طاقت ور ہو گئے، مظلوم نجات دہندہ ہو گئے، جاہل معلم بن گئے۔ بھولے بسرے بام شہرت پر پہنچ گئے، بے سہارا دوسروں کو سہارا دینے کے قابل ہو گئے۔ ناقابل ذکر تاریخ کا حصہ بن گئے، جو خود تماشہ بنے ہوئے تھے وہ دوسروں کو تماشہ بنانے لگے، غیر مہذب، تہذیب و تمدن کا نمونہ بن گئے، مغلوب و مظلوم غالب ہو کر ظلم سے نجات دلانے لگے، جو کچھ نہ تھے وہ سب کچھ بن گئے۔ شہنشاہوں اور بادشاہوں کے دربار میں ان کا ذکر اور چرچا ہونے لگا، قیصر و کسریٰ کے دل ان سے لرزنے لگے، اسلحہ و ہتھیار اور مادی وسائل پر بھروسہ کرنے والی فوج پر ان کا خوف طاری ہو گیا، دشمن ان سے کترانے لگے اور وہ دشمنوں کی آنکھوں سے آنکھیں ملانے کے لائق ہو گئے۔ دوستو! یہ تلوار کا زور نہ تھا، مادی وسائل کا سہارا نہ تھا، کثرت تعداد کی قوت نہ تھی بلکہ یہ سب کچھ انہیں خدمت دین اور اللہ و رسول کی غلامی کے صلہ میں نصیب ہوا وہ سب کچھ ہونے کے باوجود بھی دین کے خادم رہے، وہ ہمیشہ اپنا سب کچھ دین پر قربان کرتے رہے، وہ دشمنوں پر ہمیشہ سخت رہے، آپس میں میل و محبت کی زندگی بسر کرتے رہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ“ کافروں پر سخت اور آپس میں مہربان ہونا ان کی شان رہی۔

غرضیکہ خدمت دین اور بقائے دین ہی اہل ایمان کی بقاء و عزت کا ذریعہ ہے جس سے اللہ و رسول سے وابستگی اور تعلق کا ثبوت فراہم ہوتا ہے اور یہی وابستگی وسیلہ عزت بنتی ہے۔

الَّذِينَ يَتَّخِذُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ أَبِيتُوا عَنْهُمْ  
الْعِزَّةَ فَإِنَّ الْعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا ۝

(النساء: ۱۳۹)

وہ جو کافروں کو دوست بناتے ہیں مسلمانوں کو چھوڑ کر کیا وہ ان کے پاس عزت تلاش کرتے ہیں تو وہ (سن لیں) عزت تو اللہ ہی کے لئے ہے سب کی سب۔

مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْعِزَّةَ فَلِلَّهِ الْعِزَّةُ جَمِيعًا ۝

(فاطر: ۱۰)

جو عزت کا طلب گار ہو (وہ جان لے) کہ ہر قسم کی عزت اللہ ہی کے لئے ہے۔

وَاللَّهُ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَلَكِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَا يَعْلَمُونَ ۝

(منافقون: ۸)

اور ساری عزت صرف اللہ کے لئے اس کے رسول کے لئے اور اہل ایمان کے لئے ہے مگر منافقوں کو (اس حقیقت کا) علم ہی نہیں۔

اے ایمان والو! ہر کوئی عزت کا طلب گار رہتا ہے، ہر ایک کو اپنی عزت پیاری ہوتی ہے، جن کے پاس عزت نہیں بھی ہوتی وہ کہتے ہیں کہ ہم جان دے دیں گے لیکن اپنی عزت پر آج نہ آنے دیں گے تم تو مؤمن ہو تمہاری عزت کا تو اعلان قرآن کریم کر رہا ہے۔ تمہیں تو قرآن نے ”خیر امت“ کہا ہے پھر تم آج بے عزت کیوں ہو، ذلیل و خوار کیوں ہو رہے ہو، آج تو ہر دور سے زیادہ تمہارے پاس مادی وسائل موجود ہیں، جاہ و مال کی بھی کمی نہیں، تمہارے جسموں پر رزق برق لباس بھی نظر آتا ہے، تم شاندار محلوں کے مالک بھی ہو، ساز و سامان کی بھی کمی نہیں، بہترین گاڑیاں تمہاری سواریاں ہیں۔ پھر کیا ہو تمہاری عزت کہاں گئی، تم ذلیل و خوار کیوں ہو رہے ہو، غیروں کے در پر لائن لگائے کیوں کھڑے ہو، کیوں کمزور نظر آتے ہو، کیوں مغلوب ہو، کیوں بے وقار اور بے رعب ہو، کیا ہو تمہیں، کس نے ڈاکہ ڈالا تمہاری عزت و آبرو پر کبھی سوچا تم نے؟ ہم بتاتے ہیں اور ہماری بات ماننے کے قابل ہے، مان لو اسی میں تمہاری عافیت ہے۔ دیکھو عزت کا تعلق دین کی غلامی سے ہے اور تم دین سے دور ہو گئے، دین کے خادم نہ رہے اگر تم اللہ کے دین کے معاون و مددگار رہتے تو اللہ تمہارا معاون و مددگار ہوتا، وہ تمہاری عزت و آبرو کی حفاظت فرماتا، کسی کی مجال نہ ہوتی کہ وہ تمہاری طرف نظر اٹھا کر دیکھ پاتا۔ اب بھی وقت ہے تو بہ کر لو بد عملی، بد کرداری سے، رشوت خوری، شراب نوشی، ایذا رسانی اور ان جیسی تمام برائیوں سے تائب ہو جاؤ اللہ کی دعوت کو قبول کر لو، قرآن کی پکار پر لبیک کہو۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا أَنْصَارَ اللَّهِ.

اے ایمان والو! اللہ کے (دین کے) مددگار بن جاؤ۔

ایسے ہی ”کَمَا قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيِّينَ مَنْ أَنْصَارِي إِلَى اللَّهِ“ جیسے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ

والسلام نے اپنے حواریوں سے کہا تھا کہ کون ہے اللہ کے لئے میرا مددگار تو حواری بر ملا بلیک کہتے آگے بڑھے ”نَحْنُ أَنْصَارُ اللَّهِ“ ہم ہیں اللہ کے (دین کے) مددگار ہمارے محبوب نبی آخر الزماں ﷺ بھی تمہیں پکارتے ہیں، ان کے بعد ان کے ناصین، تمہیں یہی دعوت دے رہے ہیں، مؤذنین کی میناروں سے یہی آوازیں آرہی ہیں، خطباء ممبروں سے یہی تلقین کر رہے ہیں اور تمہارے اسلاف اسی دعوت پر بلیک کرتے رہے، کیوں نہیں تم بھی اس دعوت حق کو قبول کر کے ”انصاری“ بن جاتے تاکہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے تمہاری بھی عزت و آبرو محفوظ ہو جائے اور دنیا ہی میں تمہیں بھی آخرت کی نجات کا پروانہ مل جائے، اللہ توفیق دے اور وہی ہمارا حامی و ناصر ہو۔

### حواری

”الْحَوَارِيُّونَ“ حَوَارِيُّونَ جمع ہے حَوَارِی کی جو حواری سے مشتق ہے، حواری سفیدی کو کہتے ہیں۔ عربی میں حواری دھوبی کو کہتے ہیں کیونکہ وہ کپڑوں کو اجلا اور صاف کرتا ہے، اسی کے قریب المخرج، خُور ہے جو جنتی عورتوں کو کہا جاتا ہے کیونکہ وہ گوری چٹی اور حسین و جمیل ہوں گی۔

حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ابتدائی شاگرد دھوبی تھے، لہذا ان کے تخلصین کو ”حواری“ کہا جانے لگا۔ جبکہ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے غلاموں اور جانشینوں کو ”صحابی“ کہا جاتا ہے۔ حضرت عیسیٰ السلام کے کل بارہ حواری تھے جن پر انہیں اعتماد تھا اور انہوں نے ان کو اپنی مدد کے لئے پکارتا تھا۔ میرے آقا ﷺ کے صحابہ حجۃ الوداع کے موقع پر ایک لاکھ چالیس ہزار تھے جو انبیاء سابقین کی کل تعداد بنتی ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ کرام کی یہ خصوصیت رہی کہ آپ کو انہیں کبھی حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرح ”مَنْ أَنْصَارِي إِلَى اللَّهِ“ کہہ کر نہ پکارنا پڑا کیونکہ وہ تو آپ ﷺ کے اشارہ ابرو پر اپنی گردنیں کٹاتے اور اپنی جان و مال سے دین کی خدمت کرتے رہے۔

قرآن کریم میں کل پانچ مقامات پر حواریوں کا ذکر کیا گیا۔ ملاحظہ ہوں درج ذیل آیات مبارکہ:

فَلَمَّا أَحَسَّ عِيسَىٰ مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ أَنْصَارِي إِلَى اللَّهِ ۚ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ نَحْنُ

أَنْصَارُ اللَّهِ ۖ آمَنَّا بِاللَّهِ ۖ وَأَشْهَدُ بِأَنَّكَ مُسْلِمُونَ ﴿۵۲﴾ (آل عمران: ۵۲)

پھر جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان سے کفر محسوس کیا تو آپ نے کہا کون ہیں میرے مددگار اللہ کی راہ میں کہا حواریوں نے کہ ہم مدد کرنے والے ہیں اللہ (کے دین) کی ہم ایمان لائے ہیں اللہ پر اور (اے نبی) آپ گواہ ہو جائیں کہ ہم مسلمان ہیں۔

وَإِذْ أَوْحَيْتُ إِلَى الْحَوَارِيِّينَ أَنْ آمِنُوا بِي وَبِرَسُولِي ۖ قَالُوا آمَنَّا وَأَشْهَدُ بِأَنَّكَ

مُسْلِمُونَ ﴿۱۱۱﴾ (مائدہ: ۱۱۱)

اور جب میں نے حواریوں کے دل میں ڈالا کہ ایمان لاؤ مجھ پر اور میرے رسول پر انہوں نے کہا ہم ایمان لائے اور (اے اللہ) تو گواہ رہ کہ ہم مسلمان ہیں۔

إِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ لِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيعُ رَبُّكَ أَنْ يُنْزِلَ عَلَيْنَا مَائِدَةً  
مِّنَ السَّمَاءِ ۖ قَالَ اتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ كُنتُمْ مِّمَّنْ آمَنُوا ۝ (مائدہ: ۱۱۲)

جب حواریوں نے کہا تھا اے عیسیٰ بن مریم کیا تیرا رب یہ کر سکتا ہے کہ ہم پر ایک خوان آسمان سے اتارے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا اللہ سے ڈرو اگر تم مسلمان ہو۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا أَصْنَاءَ اللَّهِ كَمَا قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيِّينَ مَنْ  
أَنْصَارِي إِلَى اللَّهِ ۚ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ نَحْنُ أَنْصَارُ اللَّهِ (الصف: ۱۴)

اے ایمان والو! اللہ کے (دین کے) مددگار بن جاؤ جس طرح کہا تھا عیسیٰ بن مریم نے اپنے حواریوں سے کون ہے میرا مددگار اللہ کی طرف بلائے میں کہا حواریوں نے ہم ہیں اللہ کے (دین کے) مددگار۔

سورہ مائدہ کی آیت نمبر ۱۱۲، ہم نے اوپر لکھی۔ اس میں غور کیجئے کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مخصوص و مقرب ساتھی، حواری اپنے نبی سے کس قسم کا مطالبہ کر رہے ہیں اور اللہ قادر مطلق کے لئے ”هَلْ يَسْتَطِيعُ“ کا جملہ استعمال کر رہے ہیں۔ ظاہر ہے اس کے جواب میں نبی کو یہی کہنا تھا کہ ”اگر تم مؤمن ہو تو اللہ سے ڈرو“ کہ اللہ کیلئے تمہارا یہ جملہ استعمال کرنا صحیح نہیں۔ تاہم نبی نے دعا کر دی اور آسمان سے مائدہ نازل ہونے لگا۔ جسے یہ چند دن سے زیادہ برداشت نہ کر پائے اور پھر اپنی اوقات پر آ کر وہی دال، لہسن اور پیاز مانگنے لگے لیکن سیرت صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا آپ مطالعہ کیجئے تو آپ کو اندازِ غلامی اور کمالِ ایمان کا اندازہ ہوگا کہ اول تو ان حضرات نے بصورتِ مطالبہ کبھی کچھ طلب ہی نہ کیا اور اگر اشد ضرورت پیش آنے پر کچھ مانگا بھی تو غلامانہ طریقہ پر اشارتاً نہایت ادب و احترام کے ساتھ مانگا۔

بہر حال حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب حواریوں کو اللہ کے دین کی مدد کے لئے پکارا تو وہ اس پر آمادہ تو ہو گئے لیکن چند ہی دن بعد ان کے درمیان اپنے نبی ہی کی شخصیت پر اختلاف ہو گیا اور لڑنے جھگڑنے لگے ”فَامْنَتْ طَائِفَةٌ مِّنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَكَفَرْتُ طَائِفَةٌ“ تو بنی اسرائیل کا ایک گروہ ایمان لایا اور دوسرے گروہ نے انکار کر دیا۔ اس اختلاف کی تفصیل بروایت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کچھ اس طرح ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھالیا گیا تو عیسائیوں میں تین فرقے ہو گئے۔ ایک فرقہ نے کہا کہ وہ خود خدا ہی تھے آسمان پر چلے گئے، دوسرے فرقہ نے کہا وہ خود تو خدا نہیں تھے خدا کے بیٹے تھے، اللہ نے ان کو اٹھالیا اور دشمنوں پر فوقیت دی، تیسرے فرقہ نے وہ بات کہی جو سچ اور حق ہے کہ وہ خدا تھے نہ خدا کے بیٹے بلکہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو دشمنوں پر فوقیت بخشی اور دشمن سے حفاظت اور رفعت درجات کے لئے آسمان پر اٹھالیا۔ یہی لوگ صحیح مؤمن تھے انہی کے عقائد کی تائید و حمایت نبی آخر الزماں ﷺ کی وساطت سے قرآن کریم کرتا ہے۔ ان تینوں فرقوں نے اپنے اپنے عقائد کی تبلیغ و اشاعت کی اور بنی اسرائیل تین گروہوں میں تقسیم ہو گئے اور باہمی نزاع و اختلاف میں مبتلا ہو گئے۔ موجودہ عیسائیوں میں بھی یہ گروہ موجود ہیں بلکہ وقت کے ساتھ ساتھ فرقہ بندی میں اضافہ ہوتا گیا اور آج بھی سب باہم دست بگریباں رہتے اور لڑتے مارتے رہتے ہیں۔

کیا مذہب باعث انتشار ہے؟

ہر مذہب اور ہر دین میں فرقہ بندی اور گروہ بندی موجود ہے۔ اس حقیقت کا کوئی انکار نہیں کر سکتا ہمارے علم کے مطابق موجودہ عیسائیوں میں بائیس سے زیادہ فرقے ہیں جبکہ مسلمانوں میں بھی نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد کے مطابق بہتر فرقے پائے جاتے ہیں۔ بے دینوں اور دھریوں کی طرف سے بڑے زور و شور کے ساتھ یہ سوال اٹھایا جاتا ہے کہ کیا مذہب انسانوں میں انتشار و اختلاف کا باعث ہے اور اگر ایسا ہے تو مذہب کو اختیار کرنے کا کیا فائدہ۔ یہ سوال حقیقت میں مذہب کے خلاف ایک گھناؤنی سازش اور اہل مذہب کو گمراہ کرنے کی نہایت خطرناک لیکن قطعاً ناکام کوشش ہے۔ ہم اس سوال کے سلسلہ میں چند باتیں عرض کرنا چاہیں گے۔

اولاً، یہ کہ جن لوگوں کی طرف سے یہ سوال اٹھایا جاتا ہے وہ خود ایک گروہ بنے ہوئے ہیں اور اس قسم کے سوالات سے وہ لوگوں میں مزید انتشار و افتراق پیدا کرنے کے سوا انسانیت کی کوئی خدمت کرتے معلوم نہیں ہوتے یعنی ان کا اپنا وجود گروہ بندی اور فرقہ بندی کا باعث ہے۔

ثانیاً، اگر یہ تسلیم کر بھی لیا جائے کہ مذہب باعث انتشار ہے تو اس سے مذہب اور اہل مذہب کی حیثیت و اہمیت گھٹتی نہیں بلکہ اس میں اضافہ ہی ہوتا ہے کیونکہ محبوب کی جتنی زیادہ اہمیت ہوتی ہے اتنی ہی اس کی طرف نظریں اٹھتی ہیں، اتنی ہی اس کے متعلق باتیں کی جاتی ہیں۔ ہر شخص اپنی بساط کے مطابق اس کی تعبیر و تعریف کرتا ہے کوئی صحیح تو کوئی غلط اور ہر ایک محبوب کی محبت و الفت کے سبب اپنے نظریہ میں اتنا پختہ ہوتا ہے اور اس قدر مستحکم دلائل سے اس کو ثابت کرتا ہے کہ اس کے لئے کسی دوسرے نظریہ کو حق تسلیم کرنا تو درکنار وہ اسے سننا بھی گوارا نہیں کرتا۔ وہ یقین رکھتا ہے کہ اس کے علاوہ کوئی سچا عاشق نہیں صرف وہی اپنے محبوب کا قدرداں ہے، وہی اس کے حسن و جمال کی حقیقت کو جانتا اور سمجھتا ہے اور صرف وہی حق پر ہے۔ مذہب ایک محبوب ہے اور وہ بھی غیر مرئی محبوب جس کی تعبیر و تعریف بے حد مشکل اور دشوار ترین ہے۔ اس کے باوجود یہ مذہب کا کمال حسن ہے کہ اس کی طرف ہر نظر اٹھتی ہے اور اس کے دیکھے بغیر ہر کوئی اس سے متعلق اپنا نظریہ قائم کرتا اور اپنی محبت اور اپنے عشق کا اظہار کرتا ہے۔ وہ لوگوں کو اپنے نظریہ کا حامی و ہمنوا بنانے کے لئے اپنا سب کچھ قربان کر دینے پر آمادہ رہتا ہے۔ وہ اپنے مخالفین کو برداشت کرنے کے لئے ایک لمحہ بھی تیار نہیں ہوتا، حتیٰ کہ وہ ان سے لڑتا ہے جھگڑتا ہے اور جس طرح بھی ممکن ہوتا ہے وہ اپنے نظریہ کی حفاظت و اشاعت کرتا ہے۔ اگر غور کیا جائے تو مذہب صرف اپنے ماننے والوں ہی کو متاثر نہیں کرتا بلکہ اس کے حسن و جمال کی جھلک منکرین تک کو متاثر کرتی ہے جس سے ان کی نظریں چندھیا جاتی ہیں اور وہ بیہودہ گوئی میں مبتلا ہو جاتے اور مذہب کے خلاف ہرزہ سرائی کرنے لگتے ہیں۔ گویا یہ تسلیم کرنا ہوگا منکرین معاندین بھی ایک مذہبی فرقہ ہیں چاہے وہ فرقہ اعداء و حاسدین ہی سہی لیکن مذہب سے بہر حال ان کا کچھ نہ کچھ تعلق بنتا ضرور ہے۔ پس خود انہی کو یہ سوچنا ہوگا کہ مذہب کے خلاف سازش کر کے اور طرح طرح کے اعتراضات گھڑ کے اور ان کی تبلیغ و اشاعت پر اپنا وقت اور اپنی دولت صرف کر کے وہ مذہب سے لا تعلق ہو سکیں گے یا ان کا مزید تعلق ہوگا، قطع نظر اس کے کہ یہ منفی تعلق کہلائے گا یا



مثبت۔ غرضیکہ محبوب کا حسن و جمال عشاق کی کثرت کا سبب ہوتا ہے اور کثرت میں انتشار و افتراق فطری عمل ہے۔ ہاں حق پر صرف وہی ہوتا ہے جو عقل سلیم اور ذوق صحیح کے ساتھ قائد و رہبر کا مطیع ہو اور اس کے دامن سے وابستہ ہو۔

تیسرے، غور فرمائیے کہ یہ کائنات جو کرشمہ قدرت ہے اس کے حسن و جمال کا دار و مدار ہی اختلاف پر ہے۔ رنگ و بو کا اختلاف، مزوں کا اختلاف، بولیوں کا اختلاف، مزاجوں کا اختلاف، موسموں کا اختلاف، آگ و پانی کا اختلاف، تہذیب و تمدن کا اختلاف، حسن و جمال کا اختلاف، چال ڈھال کا اختلاف، پھولوں پھلوں کا اختلاف غرضیکہ ہر چیز میں اختلاف موجود ہے کوئی ہے جو اس فطری و قدرتی اختلاف پر اعتراض کرے تو پھر کیوں مذہبی اختلاف پر اعتراض جڑا جاتا ہے۔ کوئی ہے جو اس اختلاف سے نجات دلائے تو پھر مذہبی اختلاف سے تنگ ہونے اور نجات حاصل کرنے کی باتیں کیوں کی جاتی ہیں۔ صرف اور صرف اسی لئے کہ مزید انتشار و افتراق پیدا کیا جائے، عشاق کو لڑایا جائے انہیں ان کے محبوب سے متنفر اور دور کیا جائے لیکن نہ آج تک ایسا ہو سکا اور نہ کبھی ہو سکے گا بلکہ جتنی مخالفت بڑھتی گئی جتنی سازشوں میں اضافہ ہوتا گیا اتنی ہی حرارتِ عشق زیادہ ہوتی رہی اتنی ہی محبت میں اضافہ ہوتا گیا۔

ہمارے خیال سے موجودہ دور مذہب کے خلاف سازشوں کا خطرناک ترین دور ہے کہ اکثر ذرائع ابلاغ عامہ دشمن کے پاس ہیں جس کے ذریعہ مختلف انداز سے مذہب کی مخالفت کی جا رہی ہے اور اہل مذہب کو متنفر کیا جا رہا ہے لیکن ہم سب دیکھ رہے ہیں کہ ان کی تمام کوششوں کے برعکس بحمد اللہ مذہب سے عوام کے تعلق میں اضافہ ہی ہو رہا ہے، مذہب کو اپنانے اور اس پر عمل کرنے والے بڑھتے ہی جا رہے ہیں۔ صرف آج سے دس سال قبل جہاں اللہ کا نام لیوا کوئی نہ تھا آج وہاں مذہب کی بہار نظر آ رہی ہے۔ سب سے زیادہ قابل تعریف مسلمان ہیں جو اپنے اختلافات کے باوجود اپنی معاشی بد حالی کے باوجود خدمت و اشاعتِ دین میں مصروف ہیں۔ ہمیں مغربی دنیا کے ان ممالک کا دورہ کرنے کا موقع ملا ہے جن میں مسلمانوں کی آمد آمد کا دور چل رہا ہے وہ ابھی وہاں سیٹ بھی نہ ہو پائے ہیں، رہائش و روزگار کے مسائل کا شکار ہیں لیکن تمام پریشانیوں کے باوجود وہ مساجد و مدارس کے قیام کا کام بھی کر رہے ہیں، مذہبی تہوار بھی مناتے ہیں، علماء دین کی میزبانی بھی کرتے ہیں، تبلیغی جلسوں کا اہتمام بھی کرتے ہیں، لٹریچر کی اشاعت پر بھی توجہ دیتے ہیں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ محبوب سے عشق و محبت اور مضبوط تعلق ہی سکون و طمانیت کا ذریعہ ہے۔ اسی سے عزت و عظمت متعلق ہے وہ جانتے ہیں کہ ہم کہیں بھی ہوں اپنے دین کے سفیر ہیں اور اس منصب کی مناسبت سے ہم دین کی حفاظت اور تبلیغ و اشاعت کے ذمہ دار ہیں چاہے اس میں کتنی ہی دشواریاں اور مشکلات پیش آئیں۔ کتنا ہی ایثار اور کتنی ہی قربانیاں کرنی پڑیں، کام میں رکاوٹیں ضرور ہیں لیکن اتنی نہیں جتنی ہمارے اسلاف کے لئے تھیں۔ منزل دور ضرور ہے لیکن اتنی نہیں کہ اس کی طرف پرواز کی ہمت ہی نہ کی جاسکے۔

مانا کہ راہ دراز ہے اور مشکلیں ہزار عزم صمیم و ہمت عالی ہے ہم سفر  
(حیرت سیفائی)

مسکراتا ہی رہے کاش امیدوں کا چمن ناامیدی کا سفر دل کو بہت کھلتا ہے  
(ذاکر)

بحمد اللہ ہم سید الانبیاء ﷺ کے ماننے والے اور ان کے غلام ہیں۔ ہمارے آقا ﷺ نے جملہ انبیاء کرام علیہم السلام پر ہمیں ایمان لانے، ان کا ادب و احترام کرنے کی تعلیم دی بالخصوص حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام جو اللہ رب العزت جل مجدہ کی قدرت کاملہ کا عظیم نمونہ ہیں۔ ان کے متعلق قرآن کریم نے واضح اعلان فرمایا:

إِذْ قَالَ اللَّهُ لِيَعْقِبَىٰ إِنِّي مُتَوَقِّيكَ وَرَافِعُكَ إِلَىٰ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا  
وَجَاعِلُ الَّذِينَ اتَّبَعُوكَ فَوْقَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَمَةِ ثُمَّ إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ  
فَأَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيمَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ﴿٥٥﴾  
(آل عمران: ٥٥)

یاد کرو جب اللہ نے فرمایا اے عیسیٰ میں تمہیں پوری عمر تک پہنچاؤں گا اور اٹھانے والا ہوں تمہیں اپنی طرف اور پاک کرنے والا ہوں تمہیں ان لوگوں (کی تمہتوں) سے جنہوں نے (تیرا) انکار کیا اور قیامت تک غالب کرنے والا ہوں کافروں پر ان لوگوں کو جنہوں نے تیری پیروی کی پھر میری طرف تمہیں لوٹ کر آنا ہے پس (اس وقت) میں فیصلہ کروں گا تمہارے درمیان (ان امور کا) جن میں تم اختلاف کرتے رہتے تھے۔

وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَىٰ ابْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللَّهِ وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ  
لَكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ۚ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ ۚ مَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا  
اتِّبَاءَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا ۚ بَلْ رَافَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ﴿٥٦﴾  
(النساء: ١٥٧، ١٥٨)

اور ان کے اس قول سے کہ ہم نے قتل کر دیا مسیح عیسیٰ بن مریم کو جو اللہ کا رسول ہے حالانکہ نہ انہوں نے قتل کیا اور نہ ہی وہ اسے سولی چڑھا سکے بلکہ ان کے لئے (حقیقت) مشتبہ ہو گئی اور جنہوں نے ان کے بارے میں اختلاف کیا وہ یقیناً شک و شبہ میں ہیں ان کے پاس اس معاملے کا کوئی یقینی علم نہیں وہ تو صرف گمان کی پیروی کرتے ہیں اور انہوں نے اسے یقیناً قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے اسے اپنی طرف اٹھا لیا اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے متعلق عقائد

آیات مذکورہ میں غور کا شرف حاصل کیجئے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے متعلق جو عقائد قائم کئے گئے اور جن کی بناء پر بنی اسرائیل فرقہ بندی، انتشار و افتراق کا شکار ہوئے اور آج تک ہیں اللہ تعالیٰ نے ان تمام عقائد کو یکسر مسترد کرتے ہوئے بلا علم، غیر یقینی اور محض ظن و گمان پر مبنی قرار دیا اور ان کے متعلق عقائد حقہ بیان فرمائے تاکہ نبی آخر

الزماں ﷺ کے غلام بد عقیدگی میں مبتلا نہ ہوں اور ایک جلیل القدر رسول کی عزت و ناموس کے تحفظ کا انہیں شرف حاصل ہو سکے چونکہ یہ عقائد نہایت ہی اہم اور بنیادی ہیں لہذا ہم انہیں بیان کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔

۱۔ عیسائیوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق زمانہ قدیم سے آج تک اختلاف چلا آ رہا ہے کوئی یوسف نجار کو ان کا باپ قرار دے کر حضرت مریم علیہا السلام پر تہمت کا مجرم ہے تو کوئی انہیں اللہ کا بیٹا خیال کر کے کفر میں مبتلا ہے۔ قرآن کریم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اسم مبارک پچیس مقامات پر مذکور ہے، جن میں سے سولہ مقام پر انہیں ”عیسیٰ ابن مریم“ کہا گیا تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کوئی باپ نہ تھا بلکہ وہ توالد و تناسل کے عام طریقہ کے برعکس اللہ کی قدرت سے بغیر باپ کے پیدا کئے گئے اور ان کی ماں مریم تھیں، اس طرح وہ قدرت قادر مطلق اللہ وحدہ لا شریک لہ کا ایک عظیم نمونہ بنائے گئے تھے بالکل حضرت آدم علیہ السلام کی طرح۔ ارشاد فرمایا گیا:

إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِنْدَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ ۖ خَلَقَهُ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ﴿٥٩﴾

(ال عمران: ۵۹)

بے شک عیسیٰ کی مثال اللہ تعالیٰ کے نزدیک آدم جیسی ہے اسے مٹی سے بنایا پھر فرمایا ہو جا تو وہ ہو گیا۔ یعنی ایک مومن جو یہ مانتا ہے کہ اللہ بڑی قدرت والا ہے اس کے لئے یہ ماننا کوئی مشکل نہیں کہ اللہ نے اپنی قدرت کاملہ سے جس طرح حضرت آدم علیہ السلام کو بغیر ماں باپ کے پیدا فرمادیا اسی طرح رب قدیر نے اپنی قدرت کاملہ سے اپنے نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا فرمادیا۔

حضرت مریم علیہا السلام وہ واحد عورت ہیں جن کا قرآن کریم میں وضاحت کے ساتھ ذکر کیا گیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا حال بیان کرتے ہوئے یہاں تک بتا دیا گیا کہ جب حضرت مریم علیہا السلام اپنے بیٹے کو لے کر گھر آئیں تو لوگ جمع ہو گئے اور انہیں متہم کرنے لگے، اپنی ماں کی پاکیزگی اور طہارت کو ایک نوزائیدہ بچے نے بیان کرتے ہوئے اپنی حیثیت اور اپنے بلند مقام کا اعلان کیا فرمایا گیا:

فَأَشَارَتْ إِلَيْهِ ۖ قَالُوا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا ﴿٦٠﴾ قَالَ إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ ۖ آتَانِيَ الْكِتَابَ وَجَعَلَنِي نَبِيًّا ۖ وَجَعَلَنِي مُبَارَكًا أَيْنَ مَا كُنْتُ ۖ وَأَوْصَانِي بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ مَا دُمْتُ حَيًّا ۖ وَبَرًّا بِوَالِدَتِي ۖ وَلَمْ يَجْعَلْنِي جَبَّارًا شَقِيًّا ﴿٦١﴾ وَالسَّلَامُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُ وَيَوْمَ أَمُوتُ وَيَوْمَ أُبْعَثُ حَيًّا ۖ ذَٰلِكَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ ۖ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِي فِيهِ يَمْتَرُونَ ﴿٦٢﴾ مَا كَانَ لِلَّهِ أَنْ يَتَّخِذَ مِنْ دُونِ سُبْحَنَهُ إِذَا قَضَىٰ أَمْرًا ۖ فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ﴿٦٣﴾

(مریم: ۵۹-۶۳)

اے ہارون کی بہن (مریم) نہ تو تیرا باپ برا آدمی تھا اور نہ یہ تیری ماں بد چلن تھی، پس اشارہ کیا مریم نے بچے کی طرف (کہ اس سے حقیقت معلوم کر لو) لوگ کہنے لگے ہم اس سے کیسے پوچھیں جو گہوارہ

میں (کسن) بچہ ہے۔ وہ بچہ خود ہی بول پڑا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں اس نے مجھے کتاب عطا فرمائی ہے اور اس نے مجھے نبی بنایا ہے اور اسی نے مجھے بابرکت کیا ہے جہاں کہیں بھی میں ہوں اور اسی نے مجھے حکم دیا ہے نماز ادا کرنے کا اور زکوٰۃ دینے کا جب تک میں زندہ رہوں اور مجھے خدمت گزار بنایا ہے اپنی والدہ کا اور اس نے مجھے جابر نہیں بنایا اور نہ ہی بد بخت کیا اور مجھ پر سلامتی ہو جس روز میں پیدا ہوا اور جس دن مجھے زندہ کر کے اٹھایا جائے گا یہ ہے (حقیقت) عیسیٰ ابن مریم (کی) (اور یہ ہے وہ سچی بات جس میں لوگ جھگڑ رہے ہیں اللہ کو یہ زیبا نہیں کہ وہ کسی کو اپنا بیٹا بنائے وہ تو پاک ہے وہ جب فیصلہ فرما لیتا ہے کسی کام کا تو بس اتنا حکم دیتا ہے اس کے لئے کہ ہو جا تو وہ کام ہو جاتا ہے۔

ان آیات مبارکہ میں مزید وضاحت کر دی گئی کہ اللہ نے اپنے اس جلیل القدر نبی کو اپنی قدرت کا نمونہ بنایا جس کا اس بچہ نے بچپن ہی میں خود اعلان فرمایا۔

۲۔ آیات بالا میں یہ عقیدہ بھی وضاحت سے بیان کر دیا گیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہ تو اللہ کے بیٹے ہیں اور نہ ہی اس کے ساجھی یا شریک بلکہ وہ دیگر انسانوں کی طرح صرف اللہ کے بندے ہیں، جس نے انہیں رسالت کا عظیم منصب عطا فرما کر اپنی کتاب، معجزات اور دیگر ایسے کمالات سے نوازا جو نبوت کا خاصہ ہیں اور اسی لئے وہ عام انسانوں سے ممتاز اور بلند مرتبہ قرار پائے کہ نبوت اور اس کے خواص انسان کو عام انسانوں سے ممتاز کر ہی دیتے ہیں۔

بہر حال حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے ہیں، بیٹے یا شریک نہیں کہ اللہ وحدہ لا شریک لہ ہے اور وہ پاک ہے اس سے کہ کوئی اس کا بیٹا یا شریک ہو، یہی بنیادی تعلیم ہے۔ جس کے لئے اس نے انبیاء و رسل کا سلسلہ جاری کیا اور اپنی کتابیں نازل فرمائیں۔ اللہ کی آخری کتاب قرآن کریم نے اس عقیدہ حقہ کی تعلیم دی اور ”إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ“ بیشک شرک بڑا ہی ظلم ہے۔ فرما کر شرک کی مذمت کر دی گئی نیز اسے گناہ عظیم، ضلالت بعیدہ اور جنت سے دائمی محرومی کا سبب قرار دیا۔ نیز غَفَّارُ الذُّنُوبِ رب ہر گناہ معاف کر دینے کا بار بار اعلان فرماتا ہے لیکن یہ بھی واضح کرتا ہے کہ صرف ایک گناہ ہے جو ہر گز معاف نہیں کیا جاسکتا۔ ارشاد ہوا: ”إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ“ بیشک اللہ ہر کسی کو معاف فرما دیتا ہے سوائے اس کے کہ اس کے ساتھ شریک ٹھہرایا جائے۔ ”لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ سُبْحَانَهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ“ سوائے اس کے کوئی عبادت کے لائق نہیں پاک ہے اس سے جسے وہ شریک ٹھہراتے ہیں۔ ”سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى عَمَّا يُشْرِكُونَ“ اللہ پاک اور بلند ہے اس سے جسے وہ اس کا شریک قرار دیتے ہیں۔ پس حضرت عیسیٰ علیہ السلام یا کوئی نبی اللہ کا ساجھی و شریک نہیں ہو سکتا چاہے وہ کتنا ہی باکمال کیوں نہ ہو۔

قرآن کریم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا متعدد مقامات پر تعارف کراتا ہے ان میں سب سے واضح تعارف سورہ مائدہ کی آخری آیات سے کرایا گیا ہے۔ جس کی ابتداء آیت نمبر ۱۰۹ سے ہوتی ہے، آیت نمبر ۱۱۶ میں اس اہم سوال کا ذکر ہے جو رب ذوالجلال اپنے اس جلیل القدر نبی سے کرے گا۔ ”عَأَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُونِي وَأُقَمِّي إِلَهُيْنَ مِنْ دُونِ اللَّهِ“ کیا تم

نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو دو معبود بنا لو اللہ کے سوا۔ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام جواباً عرض گزار ہوں گے۔ ”قَالَ سُبْحَنَكَ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أَقُولَ مَا لَيْسَ لِي بِحَقِّ“ تو ہر شریک سے پاک ہے میری کیا مجال تھا کہ میں ایسی بات کہتا جس کا مجھے کوئی حق نہ تھا۔ ”إِنْ كُنْتُ قُلْتُهُ فَقَدْ عَلِمْتَهُ“ اگر میں نے ایسی کوئی بات کہی ہوتی تو تو اسے ضرور جان لیتا کہ تو میرے دل کی بات جانتا ہے جبکہ میں نہیں جانتا جو تیرے علم میں ہے۔ ”إِنَّكَ أَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ“ بیشک تو ہی خوب جاننے والا ہے تمام غیبوں کا۔ پھر آپ عرض کرتے ہیں کہ میں نے تو ان سے صرف وہی کہا تھا جس کا تو نے مجھے حکم دیا تھا۔ ”أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ“ کہ ایک اللہ کی عبادت کرو جو میرا بھی پروردگار ہے اور تمہارا بھی، اور میں اس وقت تک ان پر گواہ رہا جب تک میں ان میں رہا اور جب تو نے مجھے اٹھا لیا تو تو ہی ان کا نگران تھا۔ وَأَنْتَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ اور تو ہر چیز کا مشاہدہ کرنے والا ہے (اب تیری مرضی ہے ان کے ساتھ جیسا چاہے معاملہ کرے) اگر انہیں تو عذاب میں مبتلا کرے تو وہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو انہیں بخش دے بلاشبہ تو ہی سب پر غالب ہے اور بڑا دانا ہے۔

غرضیکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ابن اللہ یا اللہ کا شریک و ساجھی بنانا، شرک عظیم ہے جو صرف قرآن کریم ہی کی تعلیمات کے خلاف نہیں بلکہ خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیم اور مرضی کے بھی خلاف ہے۔ اب غور کریں اور فیصلہ کریں وہ ظالم جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے امتی اور عاشق ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور پھر انہیں اللہ کا بیٹے کہتے اور اللہ کا شریک ٹھہراتے ہیں اور ان کی ماں کو بھی العیاذ باللہ اس میں شریک کرتے ہیں۔ قرآن کریم ان ظالموں کو دعوت ہدایت دیتا ہے۔

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ وَلَا تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ ۚ إِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُولُ اللَّهِ وَكَلِمَتُهُ أَلْقَاهَا إِلَى مَرْيَمَ وَرُوحٌ مِنْهُ ۖ فَآمِنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ ۚ وَلَا تَقُولُوا ثَلَاثَةٌ ۚ إِنَّهُمْ خَيْرٌ ۚ إِنَّمَا اللَّهُ إِلَهٌ وَاحِدٌ ۖ سُبْحَانَهُ أَنْ يَكُونَ لَهُ وَلَدٌ ۚ لَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ وَكَفَى بِاللَّهِ وَكِيلًا ۝

(النساء: ۱۷۱)

اے اہل کتاب اپنے دین میں حد سے تجاوز نہ کرو اور اللہ کے متعلق صرف سچی بات ہی کہو (جو یہ ہے کہ) بے شک مسیح عیسیٰ بن مریم تو صرف اللہ کے رسول ہیں اور اس کا کلمہ ہیں جسے اللہ نے مریم کی طرف پہنچایا تھا اور ایک روح تھی اس کی طرف سے پس ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسولوں پر اور نہ کہوتین (خدا ہیں) باز آ جاؤ (اپنے عقیدہ باطل سے) یہ بہتر ہے تمہارے لئے بیشک اللہ تو ایک ہی معبود ہے پاک ہے وہ اس سے کہ اس کا کوئی بیٹا ہو اسی کا (سب ہے) جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ ہی کافی ہے کارساز۔

۳۔ قرآن کریم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت اور ان کے سولی پر چڑھا دینے سے متعلق باطل و بیہودہ اور صرف ظنی عقائد و خیالات کی نہایت ہی شدت کے ساتھ تردید کر رہا ہے اور واضح اعلان فرماتا ہے: ”وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ“ اور

انہوں نے اسے قتل نہ کیا اور نہ ہی انہوں نے اسے سولی پر چڑھایا۔ اتنا ارشاد کافی تھا کہ حقیقت واضح ہو گئی لیکن صرف اس پر اکتفا نہیں کیا گیا کیونکہ معاملہ نہایت ہی نازک ہے۔ نبی کی عزت اور اللہ کی قدرت کا مسئلہ ہے۔ لہذا ارشاد ہوا ”وَلَكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ“ لیکن ان پر حقیقت حال مشتبہ ہو گئی۔ اصل حقیقت کو وہ سمجھ ہی نہ سکے۔ مزید فرمایا جا رہا ہے: ”وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا لَفِي شَكٍّ مِنْهُ“ اور بیشک جن لوگوں نے ان کے بارے میں اختلاف کیا وہ شک و شبہ میں مبتلا ہو گئے ہیں ان کے پاس اپنے دعویٰ کا نہ کوئی ثبوت ہے نہ دلیل بلکہ ”مَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ“ وہ بلا علم ظن و گمان میں مبتلا ہیں۔ ”وَمَا يَتَّبِعُ أَكْثَرُهُمْ إِلَّا الظَّنَّ“ دوسرے مقام پر ارشاد ہے اور ان کے اکثر صرف گمان کی اتباع کرتے ہیں۔ جبکہ ”إِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا“ حق کے مقابلہ پر گمان سے کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا جبکہ گمان کرنے والوں کا انجام نہایت ہی بھیاں تک ہو گا۔ فرمایا گیا: ”الظَّانِّينَ بِاللَّهِ ظَنَّ السَّوْءِ ط“ جو اللہ کے بارے میں برے گمان رکھتے ہیں۔ ان کا انجام یہ ہے کہ ”عَلَيْهِمْ ذَاتَرَةُ السَّوْءِ“ انہی پر بری گردش ہے۔ ”وَعَصَبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ“ اور ان پر اللہ کا غضب ہوا ہے یعنی وہ ان بد نصیبوں میں شامل ہیں جنہیں ”مَغْضُوبٌ عَلَيْهِمْ“ کہا گیا، ”وَلَعَنَهُمْ“ اور اللہ نے ان پر لعنت کی ہے۔ ”وَأَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ“ اور تیار کر رکھا ہے ان کے لئے جہنم کا عذاب۔ ”وَسَاءَ ثَمَصِيرًا“ اور وہ بہت ہی بُرا ٹھکانہ ہے۔ اس کے علاوہ بھی قرآن کریم نے متعدد مقامات پر ظن و گمان کو لا یعنی اور غیر مفید قرار دیتے ہوئے اس میں مبتلا لوگوں کی شدید مذمت کی ہے۔

”وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا“ اور انہوں نے اسے یقیناً قتل نہ کیا۔ شبہ، شک اور ظن کے بعد یقین کا لفظ استعمال فرما کر مزید تاکید کی جا رہی ہے۔ ہمارے نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہیں، اس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔ یہی عقیدہ حقہ ہے اس کے علاوہ دعوے باطل، بلا علم و دلیل ہیں۔ ان کا دار و مدار صرف اشتباہ پر شک اور ظن و گمان پر ہے جس کی کوئی اہمیت و حیثیت نہیں۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کیا ہوا یہ بھی نہایت آسان جملے سے واضح کیا گیا۔ ”بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ“ بلکہ اللہ قادر مطلق نہیں انہیں اپنی طرف اٹھالیا۔ قبل موت اور قبل سولی، زمین پر چلتا پھرتا اٹھالیا کہ جو اللہ حضرت آدم علیہ السلام کو بغیر ماں باپ کے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا کرنے پر قادر ہے۔ اس کے لئے کچھ دشوار و مشکل نہیں پس اس نے اپنی قدرت کاملہ کے اس نمونہ کو اپنی قدرت سے اوپر اٹھالیا تا کہ اس نمونہ قدرت کو قتل کر دینے اور سولی پر چڑھا دینے کے بعد کوئی اللہ کی قدرت پر غالب آ جانے کا دعویٰ نہ کر سکے۔ نیز اللہ اپنے نبی و رسول کی جان، عزت و آبرو کا اپنے فضل و کرم سے خود ہی محافظ ہوتا ہے۔ پس اس نے اپنے نبی کی حفاظت فرمائی۔ جیسے اس نے سید الانبیاء نبی آخر الزماں ﷺ کی حفاظت فرمائی۔ جبکہ آپ ﷺ کو زہر بھی دیا گیا، آپ ﷺ پر جادو بھی کیا گیا، میدان طائف میں آپ ﷺ پر پتھر اڑا بھی ہوا۔ غزوہ احد میں تو آپ ﷺ کی شہادت تک کی افواہ پھیلی اور شدید جسمانی اذیت ہوئی، دشمن نے آپ ﷺ کو تنہا پا کر آپ پر وار بھی کئے لیکن یہ آپ ﷺ پر اللہ ہی کا فضل و کرم تھا کہ خطرناک سے خطرناک ترین موقع پر آپ ﷺ دشمن کے شر سے محفوظ رہے۔ ”وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ“ اور اللہ لوگوں کے شر سے آپ کی حفاظت فرمائے گا، اپنے محبوب ﷺ سے رب کریم کا وعدہ ہے سو اس نے ہر حال میں آپ ﷺ کی حفاظت فرمائی اور اپنا وعدہ پورا کیا۔

غرضیکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق قرآن کریم نے نہایت ہی وضاحت کے ساتھ بتا دیا کہ وہ نہ تو ابن اللہ ہیں نہ وہ اور ان کی ماں اللہ کی شریک و ساجھی ہیں، عقیدہٴ تثلیث قطعاً باطل و بیہودہ ہے۔ نیز بتا کید واضح کیا گیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اب تک موت نہیں آئی ہے نہ ہی انہیں پھانسی دی جاسکی ہے۔ بلا شک و شبہ یقیناً وہ زندہ ہیں، اللہ نے اپنی قدرت کاملہ سے انہیں آسمان کی طرف اٹھالیا ہے۔ مخبر صادق ﷺ کے ارشاد کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام قیام قیامت سے کچھ ہی پہلے تشریف لائیں گے۔ ان کا نزول دمشق کی جامع ملک بن مروان کے ایک مینارہ پر ہوگا، یہ مخصوص مینارہ جامع مسجد میں موجود ہے، جسے زائرین دیکھتے ہیں۔ اسی جامع مسجد میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خالہ زاد بھائی، اللہ کے نبی حضرت یحییٰ علیہ السلام کا مزار مبارک بھی موجود ہے۔ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہوگا وہ وقت عصر یا مغرب کا ہوگا، مسجد میں موجود لوگ ان کے نزول کا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے اور سبحان اللہ، اللہ اکبر کے نعرے بلند کر کے اللہ کی قدرت کا اعتراف کریں گے۔ بعض لوگ یہ منظر دیکھ کر بیہوش ہو جائیں گے، یہیں حضرت امام مہدی علیہ السلام بھی موجود ہوں گے۔ نماز کے لئے صفیں کھڑی ہو جائیں گی، امام مہدی حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے عرض کریں گے یا نبی اللہ اب امامت آپ فرمائیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے: مہدی میں اب اللہ کا نبی نہیں میری نبوت کا دور ختم ہو گیا۔ میں وہ واحد نبی ہوں جسے سید الانبیاء، نبی آخر الزماں ﷺ کے امتی ہونے کا شرف حاصل ہوا ہے۔ پس امامت آپ فرمائیں تاکہ عوام میرے متعلق غلط فہمی میں مبتلا نہ ہونے پائیں۔ امام مہدی امامت کریں گے، نماز کے بعد امام مہدی، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اس وقت کے تمام حالات بتائیں گے۔ آپ امام مہدی کے ساتھ اعلاء کلمۃ الحق کریں گے۔ یہ دجال کا دور ہوگا جو اپنی قوت و طاقت اور شعبہ بازی سے لوگوں کو گمراہ کر رہا ہوگا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسے قتل کریں گے۔ مخبر صادق ﷺ فرماتے ہیں: ”اِذْ بَعَثَ اللَّهُ الْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ فَيَنْزِلُ عِنْدَ الْمَنَارَةِ الْبَيْضَاءِ شَرْقِيَّ دِمَشْقَ“ جب اللہ تعالیٰ حضرت مسیح ابن مریم کو بھیجے گا تو وہ ایک سفید مینارے پر نازل ہوں گے جو مشرقی دمشق میں ہے۔ ”بَيْنَ مَهْرُؤَ ذَتَيْنِ“ وہ دوزخ فرانی کپڑے پہنے ہوں گے۔ ”وَاضِعًا كَفِّهِ عَلَى أَجْنِحَةِ مَلَكَيْنِ“ دو فرشتوں کے پروں پر ہاتھ رکھے ہوں گے۔ ”اِذْ طَاطَارَ اسَةُ قَطْرِ“ وَاِذَا رَفَعَهُ تَحَدَّرَ مِنْهُ مِثْلُ جُمَانٍ كَاللُّوْلُؤِ“ ان کا سر جھکا ہوگا جس سے پانی کے قطرات ٹپک رہے ہوں گے اور جب وہ اپنا سر اٹھائیں گے تو موتیوں کی طرح قطرے ٹپکنے لگیں گے۔ ”فَلَا يَجُلُ لِكَافِرٍ يَجِدُ مِنْ رِيحِ نَفْسِهِ اِلَا مَاتَ“ جس کافر تک ان کے سانس کی خوشبو پہنچے گی وہ مر جائے گا۔ ”وَنَفْسُهُ يَنْتَهِي حَيْثُ يَنْتَهِي طَرْفُهُ“ اور ان کی سانس ان کی حد نظر تک پہنچے گی۔ ”فَيَطْلُبُهُ حَتَّى يُدْرِكَهُ بِنَابٍ لَدَا“ پھر آپ دجال کو تلاش کریں گے تو وہ باب لُد کے قریب ملے گا، پس آپ اسے قتل کر دیں گے۔ (لُد بیت المقدس کے قریب واقع ایک بستی کا نام ہے۔)

یہ طویل حدیث ہے جس کے راوی حضرت نواس بن سمان رضی اللہ عنہ ہیں۔ اسی حدیث شریف میں یا جوج و ماجوج کے خروج کا بھی ذکر ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی کی بددعا سے ان کی گردنوں میں ایک ایسا کیڑا پیدا ہوگا جس سے وہ سب ایک ساتھ مر جائیں گے۔ ان کی لاشوں سے زمین کا چپہ چپہ بھرا پڑا ہوگا کہیں پیر رکھنے کی جگہ نہ ہوگی، فضا بدبو سے بھری

ہوگی، اللہ کے نبی دعا کریں گے پس اللہ ایسے پرندوں کو بھیجے گا جو ان لاشوں کو اٹھا کر جہاں اللہ چاہے گا پھینک دے گا۔ ان کی کمانیں، نیزے اور ترکش اتنے ہوں گے کہ مسلمان سات سال تک ان کو بطور ایندھن استعمال کریں گے پھر اللہ تعالیٰ آسمان سے بارش نازل فرمائے گا جو زمین کو دھو کر شیشے کی مانند چمک دار کر دے گی، ہر طرف سبزہ زار ہوگا، پھل اور سبزیاں ہوں گی، جانوروں کے دودھ میں برکت ہوں گی وہ تروتازہ ہو جائیں گے (وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ) نیز آپ صلیبیں توڑیں اور خزیروں کا خاتمہ کر دیں گے۔

غرضیکہ اس حدیث پر غور کرنے سے اللہ کی قدرت کاملہ کا اندازہ ہوتا ہے نیز پتہ چلتا ہے کہ اللہ کے نبی کا مقام کس قدر بلند و بالا ہے۔ اس کے وسیلہ ہی سے دنیا کی مصیبتیں مٹتی اور ان سے نجات نصیب ہوتی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بلاشبہ اس امت کے نجات دہندہ ہیں۔ اسی لئے سید الانبیاء ﷺ سے قریب تر ہیں۔ زمانہ کے اعتبار سے بھی کہ آپ انبیاء سابقین میں آخری نبی ہیں اور اس اعتبار سے بھی کہ آپ نے واضح طور پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تشریف آوری کا اعلان فرمایا اور اپنی قوم کو آپ پر ایمان لانے کی تاکید فرمائی۔ نیز آپ ﷺ نے بتایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نزول کے بعد نکاح کریں گے ان کی اولاد ہوگی اور پینتالیس سال یہاں قیام فرما کر وفات پائیں گے۔ ”فَيُدفنُ مَعِيَ فِي قَبْرِى“ وہ میرے ساتھ ہی میرے روضہ میں دفن کئے جائیں گے۔ ”فَأَقُومُ أَنَا وَعِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ فِي قَبْرِ وَاحِدٍ بَيْنَ ابْنِ بَكْرٍ وَعُمَرَ“ پس میں اور عیسیٰ ابن مریم دونوں ایک ہی قبر سے ابوبکر اور عمر کے درمیان اٹھیں گے۔

یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ اب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے روضہ انور میں تین قبریں ہیں جبکہ ایک قبر کی خالی جگہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے مخصوص ہے۔ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو اسی جگہ دفن کرنے کی اجازت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مانگی گئی تو آپ نے اجازت دے دی مگر بنی امیہ نے انہیں وہاں دفن نہ ہونے دیا پھر لوگوں نے حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کو یہاں دفن کرنا چاہا لیکن نہ کر سکے پھر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے لوگوں نے پوچھا کہ آپ کو یہاں دفن کیا جائے تو آپ نے منع فرمایا جو جگہ اللہ کے نبی کے لئے محفوظ ہے اللہ نے اسے خالی رکھا ہے تاکہ اللہ کی مرضی پوری ہو اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی کو دفن کیا جائے اور مخبر صادق ﷺ کا ارشاد حق اور سچ ثابت ہو سکے۔

خلاصہ

بہر حال قرآن وحدیث کی روشنی میں ہم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے متعلق عقائد کو بیان کر دیا جو نہایت ہی واضح ہیں اور چونکہ ان کا دار و مدار اللہ و رسول کے ارشادات پر ہے، لہذا ان میں نہ تو کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش ہے نہ ہی یہ ظن و گمان پر موقوف ہیں، پس یقینی ہیں۔ ان کے علاوہ ہر عقیدہ باطل ہے، مسترد ہے، مردود ہے، ناقابل توجہ ہے، اللہ تعالیٰ اس سے محفوظ رکھے آمین۔

اس وضاحت کے باوجود بھی جو لوگ بدعقیدگی میں مبتلا ہیں، اللہ کے زندہ نبی کو مردہ قرار دیتے ہیں، کشمیر میں کسی جگہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قبر بتاتے ہیں جبکہ ان کی خود بھی اتنی ہمت نہیں کہ وہاں جا کر کسی کشمیری سے اس قبر کا پتہ معلوم کر سکیں



کہ وہ اس کا جواب صرف بندوق کی گولی ہی سے دے گا۔ یا اللہ کے نبی کو سولی یافتہ کہتے اور محض ظنی دعویٰ کرتے ہیں کہ سولی کے بعد اللہ نے انہیں آسمانوں کی طرف اٹھالیا۔ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ العیاذ باللہ جب اللہ اپنے نبی کی جان ہی نہ بچا۔ کا تو پھر لاش کو آسمان پر اٹھانے کی کیا ضرورت باقی رہی۔ اسی طرح جس نبی نے اپنے اعلان نبوت سے پہلے اپنی بندگی کا اعلان کیا اور قیامت میں بھی وہ اپنی اور اپنی ماں کی براءت کا اظہار کریں گے پھر ان کے متعلق اللہ کا بیٹا ہونے یا اس کا شریک سا جھمی ہونے کا عقیدہ رکھنا وہ بھی بلا دلیل حماقت نہیں تو اور کیا ہے۔ ایسے لوگوں کی جہالت و حماقت اور بد نصیبی پر سوائے ماتم کے اور کچھ نہیں کیا جاسکتا یا پھر دعا کیجئے کہ اللہ جو ہدایت دینے والا ہے اپنے نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے صدقہ میں انہیں ہدایت عطا فرمادے۔

ہم اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اس نے ہمیں ہدایت نصیب فرمائی نیز ایسے نبی کا غلام بنایا جس نے ہمیں انبیاء سابقین علیہم السلام کی عزت و ناموس کے تحفظ کی تعلیم دی اور اللہ نے اس معلم کامل ﷺ کے وسیلہ جلیلہ سے اس تعلیم پر ہمیں عمل کی توفیق بخشی کہ ہم نے جملہ انبیاء کرام بالخصوص حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مقام و مراتب کو کما حقہ جانا پہچانا، والحمد للہ رب العلمین۔

”فَإِيْدُنَا الَّذِينَ آمَنُوا فَاصْبِرُوا ظَاهِرِينَ“ ہم نے اہل ایمان کی مدد کی کہ بالآخر وہی دشمنوں پر غالب رہے۔ یہ ارشاد اس جماعت اور گروہ کے متعلق ہے جس نے کما حقہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مرتبہ و مقام کو پہچانا اور ان پر ایمان لائے اور بحمد اللہ اپنے آقا ﷺ کی وساطت سے ہم ان ہی اہل ایمان میں سے ہیں۔ پس تاریخ شاہد ہے کہ ہر دور میں اللہ رب العزت جل مجدہ نے یہود و نصاریٰ مرتدین اور دیگر کفار پر ہمیں غالب رکھا اور ان کے شر و فساد سے محفوظ رکھا اے اللہ آئندہ بھی تو ہی ہمارا حامی و ناصر ہونا۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی خَيْرِ خَلْقِهِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِهِ وَاَصْحَابِهِ اٰجْمَعِيْنَ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

## ”سورة الجمعة“

آیات نمبر

11۲9

مقالہ نمبر

86

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ



## مقالہ ۸۶

### الجمعة: ۹ تا ۱۱

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا  
الْبَيْعَ ۚ ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝ فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا فِي  
الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللَّهِ وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝ وَإِذَا أَرَأَوْا  
تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا انفَضُّوا إِلَيْهَا وَتَرَكُوكَ قَائِمًا ۚ قُلْ مَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ مِنَ اللَّهْوِ وَمِنْ  
التِّجَارَةِ ۚ وَاللَّهُ خَيْرُ الرَّازِقِينَ ۝

(الجمعة: ۹ تا ۱۱)

اے ایمان والو! جب (تمہیں) بلایا جائے نماز کی طرف جمعہ کے دن تو دوڑ کر جاؤ اللہ کے ذکر کی طرف اور (فورا) چھوڑ دو خرید و فروخت یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو پھر جب پوری ہو چکے نماز تو پھیل جاؤ زمین میں اور تلاش کرو اللہ کے فضل سے اور اللہ کی یاد کرتے رہو کثرت سے تاکہ تم فلاح پاؤ اور (بعض لوگوں نے) جب دیکھا کسی تجارت یا تماشہ کو تو بکھر گئے اس کی طرف اور آپ کو کھڑا چھوڑ دیا

فرمادیتے ہیں کہ جو نعمتیں اللہ کے پاس ہیں وہ کہیں بہتر ہیں کہو اور تجارت سے اور اللہ تعالیٰ بہترین رزق دینے والا ہے۔

سورۃ الجمعہ کی آیات مذکورہ کی تشریح و مفہوم عرض کرنے سے قبل ضروری ہے کہ جمعہ کی فضیلت اور نماز جمعہ کی اہمیت

بیان کی جائے۔

### فضیلت جمعہ

”جمعہ“ یعنی اجتماع کا دن، زمانہ جاہلیت میں اس دن کو ”عروبہ“ کہا جاتا تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت سے پانچ سو ساٹھ برس پہلے کعب بن لوی نے اس دن کا نام جمعہ رکھا کہ اس زمانہ میں قریش ایک جگہ جمع ہوتے تھے اور کعب خطبہ دیا کرتے تھے جس میں اکثر وہ سابقہ آسمانی کتابوں کی روشنی میں نبی آخر الزماں کی آمد اور ان کی خوبیوں کا حال بیان کیا کرتے تھے۔ خصوصاً یہ ثابت کرتے تھے کہ اس عظیم انسان کی ولادت بنو اسماعیل کے قبیلہ قریش ہی میں ہوگی۔ وہ لوگوں کو نصیحت کرتے تھے کہ اپنی نسل کو وصیت کرتے رہنا کہ تم میں سے جو بھی اس نبی کا دور پائے وہ اس پر ایمان لائے۔

بہر حال ”عروبہ“ کے لئے لفظ جمعہ کا اہتمام زمانہ جاہلیت ہی میں ہو چکا تھا لیکن یہ لفظ عام عرب میں مشہور نہ تھا۔ صرف قریش کے درمیان ہی اس کا استعمال تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت اور نزول قرآن کے بعد اس کو اتنی شہرت حاصل ہوئی کہ عروبہ کا لفظ تقریباً لغت عرب سے ختم ہو گیا اور اسے جمعہ ہی کہا جانے لگا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بتایا: ”خَيْرُ يَوْمٍ طَلَعَتْ عَلَيْهِ الشَّمْسُ يَوْمُ الْجُمُعَةِ“ بہترین دن جس پر سورج طلوع ہوا جمعہ کا ہے۔ ”فِيهِ خُلِقَ آدَمُ“ اسی دن حضرت آدم علیہ السلام پیدا کئے گئے۔ ”وَفِيهِ أُدْخِلَ الْجَنَّةَ“ اور اسی دن جنت میں داخل کئے گئے۔ ”وَفِيهِ أُخْرِجَ مِنْهَا“ اور اسی دن جنت سے نکالے گئے۔ ”وَلَا تَقُومُ السَّاعَةُ إِلَّا فِي يَوْمِ الْجُمُعَةِ“ اور قیامت جمعہ ہی کے دن آئے گی۔ (مسلم شریف)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ہی بیان کیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ”إِنَّ فِي الْجُمُعَةِ لَسَاعَةً لَا يُوَافِقُهَا عَبْدٌ مُسْلِمٌ يَسْأَلُ اللَّهَ فِيهَا خَيْرًا إِلَّا أَعْطَاهُ إِيَّاهُ“ بیشک جمعہ کے دن ایک وقت ایسا ہے کہ اگر مسلمان اس میں دعائے خیر کرے تو اللہ اسے ضرور عطا فرماتا ہے۔

حضرت ابو بردہ ابن ابی موسیٰ نے بتایا کہ میرے باپ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جمعہ کی مخصوص ساعت کے متعلق فرماتے سنا: ”هِيَ مَا بَيْنَ أَنْ يَجْلِسَ الْإِمَامُ إِلَى أَنْ تُقْضَى الصَّلَاةُ“ جمعہ کی مخصوص ساعت امام کے (منبر پر) بیٹھنے کے وقت سے نماز ختم ہونے تک ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ”الْتَمِسُوا السَّاعَةَ الَّتِي تُرْجَى فِي يَوْمِ الْجُمُعَةِ بَعْدَ الْعَصْرِ إِلَى غَيْبِ الشَّمْسِ“ جمعہ کے دن قبولیت دعا والی ساعت کو عصر سے غروب آفتاب تک تلاش کرو۔ (ترمذی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پوچھا گیا: ”لَا تَشَى شَيْءٌ سُمِّيَ يَوْمُ الْجُمُعَةِ“ کہ اس دن کا نام جمعہ کیوں رکھا گیا تو آپ نے فرمایا: ”لَإِنَّ فِيهَا طُبِعَتْ طِينَةُ أَبِيكَ آدَمَ“ کیونکہ اسی دن آدم علیہ السلام کی مٹی خمیر کی گئی۔ ”وَفِيهَا الصَّعْقَةُ وَالْبُعْثَةُ“ اور اسی دن صور پھونکا جائے گا اور دوبارہ اٹھایا جائے گا۔ ”وَفِيهَا الْبُطْشَةُ“ اور اسی دن سخت پکڑ ہوگی۔ ”وَفِي الْخِرِثْلِثِ سَاعَاتٍ مِنْهَا سَاعَةٌ مِّنْ دَعَا اللَّهُ فِيهَا السُّحُوبُ لَهُ“ اور اسی دن کی آخری تین ساعتوں میں سے ایک ساعت ایسی ہے جس میں دعا قبول کی جاتی ہے۔ (احمد)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے: ”اَكْثَرُ وَالصَّلَاةُ عَلَى يَوْمِ الْجُمُعَةِ“ جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے درود پڑھو۔ ”فَإِنَّهُ مَشْهُودٌ يَشْهَدُ الْمَلَائِكَةُ“ کیونکہ یہ یوم مشہود ہے اس دن فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔ ”وَإِنْ أَحَدًا لَّمْ يُصَلِّ عَلَى إِلَّا غُرِضَتْ عَلَى صَلَوَتِهِ حَتَّى يَفْرُغَ مِنْهَا“ اور بیشک مجھ پر کوئی درود نہیں پڑھتا مگر اس کا درود مجھ پر پیش ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ اس سے فارغ ہو جائے۔ اس موقع پر راوی نے آپ سے پوچھا: ”وَبَعْدَ الْمَوْتِ“ اور آپ کی موت کے بعد بھی (ایسا ہی ہوتا ہے)، ”قَالَ إِنَّ اللَّهَ حَرَّمَ عَلَى الْأَرْضِ أَنْ تَأْكُلَ أَجْسَادَ الْأَنْبِيَاءِ“ آپ نے فرمایا بیشک اللہ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ اللہ کے نبیوں کے جسم کو کھائے۔ ”فَنَبِيُّ اللَّهِ حَتَّى يُرْزَقَ“ پس اللہ کے نبی زندہ ہیں انہیں رزق دیا جاتا ہے۔ (ابن ماجہ)

حضرت اوس ابن اوس رضی اللہ عنہ بتاتے ہیں کہ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ”إِنَّ مِنْ أَفْضَلِ أَيَّامِكُمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ“ تمہارے دنوں میں سب سے بہتر دن جمعہ کا ہے۔ ”فِيهِ خُلِقَ آدَمُ وَفِيهِ قُبِضَ“ اسی دن آدم علیہ السلام پیدا کئے گئے اور اسی دن انہیں موت آئی۔ ”وَفِيهِ النَّفْخَةُ وَفِيهِ الصَّعْقَةُ“ اسی دن صور پھونکا جائے گا اور یہی بلاکت کا دن ہو گا۔ ”فَاكْثِرُوا عَلَى مِنَ الصَّلَاةِ فِيهِ“ پس اس دن مجھ پر بکثرت درود پڑھا کرو۔ ”فَإِنَّ صَلَوَاتَكُمْ مَعْرُوضَةٌ عَلَيَّ“ کیونکہ تمہارا درود مجھے پیش کیا جاتا ہے۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ”وَكَيْفَ تُعْرَضُ صَلَوَاتُنَا وَقَدْ أَرَمْتَ“ آپ پر درود کس طرح پیش کیا جائے گا جبکہ آپ کی ہڈیاں گل چکی ہوں گی۔ ”قَالَ إِنَّ اللَّهَ حَرَّمَ عَلَى الْأَرْضِ أَجْسَادَ الْأَنْبِيَاءِ“ آپ نے فرمایا: بیشک اللہ نے زمین پر نبیوں کے جسموں کو حرام کر دیا ہے۔ (ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ)

ابولبابہ بن عبدالمند ر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بتایا: ”إِنَّ يَوْمَ الْجُمُعَةِ سَيِّدُ الْأَيَّامِ وَأَعْظَمُهَا عِنْدَ اللَّهِ“ بیشک جمعہ کا دن سید الايام ہے اور اللہ کے نزدیک عظمت والا ہے۔ ”وَهُوَ أَعْظَمُ عِنْدَ اللَّهِ مِنْ يَوْمِ الْأَضْحَى وَيَوْمِ الْفِطْرِ“ وہ اللہ کے نزدیک یوم الاضحیٰ اور یوم الفطر سے زیادہ عظمت والا ہے۔ ”فِيهِ خُمْسُ حَلَالٍ“ اس میں پانچ اہم باتیں ہیں۔ ”خُلِقَ اللَّهُ فِيهِ آدَمَ“ اللہ نے اس دن آدم کو پیدا فرمایا۔ ”وَاهْبَطَ اللَّهُ فِيهِ آدَمَ إِلَى الْأَرْضِ“ اور اسی دن اللہ نے آدم کو وفات دی۔ ”وَفِيهِ سَاعَةٌ لَا يَسْأَلُ الْعَبْدُ فِيهَا شَيْئًا إِلَّا أَعْطَاهُ مَا لَمْ يَسْأَلْ حَرَامًا“ اور اسی میں ایک ساعت ہے جس میں بندہ اللہ سے جو چیز بھی مانگتا ہے وہ اسے دیتا ہے جبکہ وہ کسی حرام چیز کا سوال نہ کرے۔ ”وَفِيهِ تَقُومُ السَّاعَةُ“ اور اسی دن قیامت

آئے گی۔ ”مَا مِنْ مَلَكٍ مُّقَرَّبٍ وَلَا سَمَاءٍ وَلَا أَرْضٍ وَلَا رِيَّاحٍ وَلَا جَبَالٍ وَلَا بَحْرٍ إِلَّا هُوَ مُشْفِقٌ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ“ نہیں ہے کوئی مقرب فرشتہ، نہ آسمان، نہ زمین اور نہ ہوا اور نہ پہاڑ اور نہ سمندر مگر وہ جمعہ کے دن سے لرزتے ہیں۔ (ابن ماجہ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ ایک طویل حدیث میں یہ بھی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ”وَمَا ذَابَّةٌ إِلَّا وَهِيَ مُصِیْحَةٌ يَوْمَ الْجُمُعَةِ مِنْ حِينَ تُصْبِحُ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ شَفَقًا مِنَ السَّاعَةِ إِلَّا الْجِنُّ وَالْإِنْسُ“ اور کوئی جاندار ایسا نہیں جو قیامت قائم ہونے کے خوف سے لرزتے ہوئے جمعہ کے دن کا منتظر نہ ہو طلوع آفتاب تک سوائے جن اور انسان کے۔

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ”مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَمُوتُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ أَوْ لَيْلَةِ الْجُمُعَةِ إِلَّا وَقَاهُ اللَّهُ فِتْنَةَ الْقَبْرِ“ جو مسلمان بھی جمعہ کے دن یا جمعہ کی رات میں مرتا ہے اللہ اسے فتنہ قبر سے محفوظ فرما دیتا ہے۔ (ترمذی)

### فضائل جمعہ پر ایک نظر

حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشادات کثیرہ میں سے یہاں ہم نے چند احادیث مبارکہ قلمبند کیں جن سے معلوم ہوا کہ:-

جمعہ سید الايام ہے، ہفتہ کے سات دنوں میں سب سے افضل ہے۔ اسی دن حضرت آدم علیہ السلام پیدا کئے گئے۔ اسی دن وہ جنت میں داخل کئے گئے۔ اسی دن زمین پر اتارے گئے اور اسی دن ان کی وفات ہوئی۔ ایک روایت کے مطابق اسی دن زمین و آسمان اور تمام کائنات کی تخلیق مکمل ہوئی، اسی دن قیامت آئے گی، اس دن میں ایک ایسی ساعت ہے جس میں اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے بندوں کی ہر دعا قبول فرماتا ہے۔ جمعہ کے دن یا رات میں جسے موت آجائے اللہ اسے اپنے فضل و کرم سے فتنہ قبر سے محفوظ رکھتا ہے۔ اسی دن بکثرت فرشتے دنیا میں آتے ہیں اور اللہ کے نیک بندوں کے اعمال دیکھتے اور اللہ کے دربار میں حاضر ہو کر ان کے گواہ بنتے ہیں۔

جمعہ کے دن کی ایک عظمت یہ معلوم ہوئی کہ ”اس کے چوبیس گھنٹوں میں ایک وقت دعا کی قبولیت کا ہے“ ہمارا عقیدہ و ایمان ہے کہ مخبر صادق ﷺ نے ہمیں جو کچھ بتایا وہی حق ہے، سچ ہے۔ یہ آپ کا کرم خاص ہے کہ آپ نے ہم گنہگاروں کی دعاؤں کی قبولیت کے لئے کچھ مخصوص اوقات، راتوں اور دنوں اور بعض خاص مقامات کا پتہ دیا لیکن ان میں سے اکثر کو مبہم رکھا۔ مثلاً شب قدر جس کا رمضان المبارک میں ہونا تو یقینی ہے کہ قرآن کریم سے ثابت ہے اور اس مقدس شب کا رمضان المبارک کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں ہونا یقینی ہے کہ آقائے رحمت ﷺ نے بتایا لیکن ان پانچ راتوں میں سے کسی ایک کا تعین کر لینا صرف ظنی ہے۔ اسے علماء کرام کا صرف تخمینہ اور اندازہ ہی کہا جاسکتا ہے اس کے سوا کچھ

نہیں۔ یہ ابہام اس لئے نہیں کہ بتانے والے آقا ﷺ کو بھی متعینہ وقت کا علم نہ تھا۔ یہ بات علم و عقل دونوں کے خلاف ہے ایسا ہرگز نہیں۔ یہ عقیدہ باطل اور محض وہم و گمان ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ابہام کسی چیز کی اہمیت زیادہ کرنے اور اس کی کشش میں اضافہ کا باعث بنتا ہے۔ مثلاً جب آپ کسی کو کوئی تحفہ دیتے ہیں تو آپ اسے اس طرح لپیٹتے اور پیک کرتے ہیں کہ جب تک لینے والا خود اس کو نہ کھولے اس وقت تک نہ تو لینے والے کو پتہ چل سکے اور نہ ہی دیگر حاضرین کو جو نہی آپ یہ تحفہ محفل میں لے کر پہنچتے ہیں ہر ایک کی نظر اس کی طرف اٹھتی ہے اور لینے والا بھی اس کو کھولنے کے لئے بے چین ہو جاتا ہے لیکن اگر یہ ابہام نہ ہوتا تو یہ کشش ہرگز نہ ہوتی۔ میرے آقا ﷺ نے جن چیزوں میں ابہام رکھا صرف ان کی کشش میں ہی اضافہ نہ ہوا بلکہ اس ابہام کے باوجود اسے تلاش کرنے والوں کا اجر و ثواب بھی بڑھا۔ اگر یہ بتا دیا جاتا کہ رمضان المبارک کی ستائیسویں شب ہی شب قدر ہے تو غلاموں میں اس کو پانے کے لئے کوئی اضطراب نہ رہتا۔ بس وہ اس شب عبادت کرتے اور ہزاروں راتوں کی عبادت کا ثواب پالیتے لیکن اس شب کو پانچ راتوں میں مبہم کر کے غلاموں پر رحمت الہی برسنے کا سبب بنا دیا کہ اسے جو ان پانچ راتوں میں خصوصی عبادت کرتے ہیں انہیں ایک شب قدر نہیں بلکہ پانچ شب قدر کا اجر و ثواب ملتا ہے۔ اسی لئے ساعت جمعہ مبہم ہے۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس ساعت کے متعلق چالیس اقوال بیان کئے ہیں تاہم دو قول قابل ترجیح ہیں۔ ایک یہ کہ یہ ساعت خطیب کے منبر پر بیٹھنے سے نماز ادا کرنے تک کے درمیان ہے۔ جیسا کہ حضرت ابو بردہ ابن موی رضی اللہ عنہ کی روایت میں آپ پڑھ چکے ہیں اور دوسرا یہ کہ یہ ساعت جمعہ کی آخری گھڑی ہے یعنی عصر و مغرب کے درمیان کا کوئی حصہ۔ جیسا کہ آپ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں پڑھا اور اکثر علماء نے اسی وقت کو ترجیح دی ہے جو مقربین بارگاہ الہی ہیں وہ جمعہ کا سارا دن ہی اس ساعت کو پانے کے لئے ذکر و عبادت اور دعا میں گزار دیتے ہیں۔ ہم جیسے گنہگاروں کو کم از کم عصر و مغرب کے درمیان ہی بھیک مانگنے کی کوشش کرنا چاہئے۔

مخبر صادق ﷺ کے ارشاد کے مطابق ”قیامت بھی جمعہ ہی کے دن آئے گی“ یہاں بھی ابہام رکھا گیا سال اور مہینہ نہ بتایا گیا جبکہ قیامت سے پہلے رونما ہونے والے واقعات تک بیان کر دیئے گئے، صرف تاریخ نہیں بتائی۔ آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اگر یہاں ابہام نہ رکھا جاتا اور تاریخ کا بھی تعین کر دیا جاتا تو ہمارا کیا حال ہوتا۔ یہ نظام عالم کی سادہ برہم ہو جاتا۔ اس کا تھوڑا سا اندازہ اس مریض کی حالت دیکھ کر کیا جاسکتا ہے جو کسی مہلک بیماری میں مبتلا ہو اور ڈاکٹر محض اپنے ظنی علم کی بنیاد پر اسے یا اس کے رشتہ داروں کو یہ بتا دے کہ چند ہفتوں یا چند مہینوں میں اس کی موت واقع ہو جائے گی۔ ایک فرد کی موت کی تاریخ کا پتہ چل جائے وہ بھی صرف ظن و گمان کی بنیاد پر تو وہ، اس کا پورا خاندان، اس کا حلقہ احباب سب مضطرب ہو جاتے ہیں۔ ان کی زندگی ناہموار ہو جاتی ہے، ان پر قنوطیت اور مایوسی طاری ہو جاتی ہے تو اگر قیامت کی مقررہ تاریخ کا اعلان کر دیا جاتا تو کیا بنتا۔ تاہم آقا ﷺ نے قیامت کا دن بتا کر ہم غلاموں پر بڑا کرم کیا کہ اس طرح آپ نے ہمیں توبہ و استغفار کا وہ موقع فراہم کر دیا جو موت سے پہلے نصیب ہو جانا، اہل ایمان ہی کا مقدر ہے۔ پس ہمیں جمعہ کے دن خصوصیت کے ساتھ توبہ و استغفار اور بکثرت ذکر و عبادت میں گزارنا چاہئے۔

میرے آقا ﷺ نے جمعہ کے مقدس دن کے لئے ایک نہایت مؤثر عمل بھی بتا دیا کہ اس دن غلام آقا کو بکثرت یاد کیا کریں یعنی ان پر درود کے پھول برسایا کریں۔ یوں تو اس دن کے لئے احادیث مبارکہ میں دیگر اعمال کا ذکر بھی موجود ہے لیکن بہر حال ان میں افضل ترین عمل نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود بھیجنا ہے۔ جو نفلی عبادات میں اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب و پسندیدہ عبادت ہے۔ اس عنوان پر ہم تفصیلی گفتگو مقالہ نمبر ۶۵ زیر عنوان ”درود شریف“ کر چکے ہیں۔ اہل ذوق کے لئے اس کا مطالعہ نہایت مفید ہوگا۔

### نماز جمعہ کی اہمیت

نماز جمعہ کی اہمیت کے لئے یہی کافی ہے کہ اس کا ذکر اور اس کی پابندی کرنے کا واضح حکم قرآن کریم میں موجود ہے۔ علاوہ ازیں معلم کامل ﷺ نے نہایت تاکید کے ساتھ اس کی پابندی کی تعلیم دی اور اس سے لاپرواہی کرنے والوں کو سخت وعید سنائی۔ آقا ﷺ کے چند ارشادات ملاحظہ ہوں:

حضرت ابن عمر اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما دونوں فرماتے ہیں کہ ہم نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے منبر شریف پر رونق افروز ہو کر فرماتے سنا: ”لَيَنْتَهِيَنَّ أَقْوَامٌ عَنْ وَدْعِهِمُ الْجُمُعَاتِ“ ”لوگ نماز جمعہ چھوڑنے سے باز رہیں۔“ ”أُولَئِكَ يَخْتَمِنُ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ ثُمَّ لِيَكُونَنَّ مِنَ الْغَافِلِينَ“ ”ورنہ اللہ ان کے دلوں پر مہر کر دے گا، پھر وہ ضرور غافلوں میں سے ہو جائیں گے۔“

حضرت ابوالجعد ضمیری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ”مَنْ تَرَكَ ثَلَاثَ جُمُعٍ تَهَاوَنًا بِهَا طَبَعَ اللَّهُ عَلَى قَلْبِهِ“ جس نے (متواتر) تین جمعہ محض سستی (لاپرواہی، بلا عذر) کی بناء پر چھوڑ دیئے اللہ اس کے دل پر مہر لگا دے گا۔ (ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ”مَنْ تَرَكَ الْجُمُعَةَ بِغَيْرِ ضَرُورَةٍ كُتِبَ مُنَافِقًا فِي كِتَابٍ لَا يُمْحَى وَلَا يُبَدَّلُ“ جو شخص بلا ضرورت و مجبوری جمعہ ترک کر دے۔ وہ ایسی کتاب میں منافقوں میں لکھ دیا جاتا ہے جو نہ مٹائی جاسکتی ہے نہ اس میں کوئی تبدیلی کی جاسکتی ہے (یعنی وہ ہمیشہ کے لئے اللہ کے نزدیک منافقوں کی فہرست میں شامل کر دیا جاتا ہے۔)

### تاریکین جمعہ کا انجام

غور فرمایا آپ نے کہ مخبر صادق ﷺ بلا عذر شرعی بغیر کسی مجبوری کے محض لاپرواہی اور سستی کے جمعہ کی نماز چھوڑ دینے والوں کا کیا بھیا تک انجام بیان فرما رہے ہیں کہ جس نے متواتر تین جمعہ چھوڑ دیئے اللہ اس کے دل پر مہر لگا دیتا ہے کہ انہوں نے کھلم کھلا اللہ کے حکم کی تعمیل سے لاپرواہی کی، سستی کی۔ پس یہ فسق و فجور میں مبتلا ہو گئے یہ لوگ نہایت ہی سرکش ہیں: ”كَذَلِكَ نَطْبَعُ عَلَى قُلُوبِ الْمُعْتَدِينَ“ ہم اسی طرح سرکشوں کے دلوں پر مہر لگا دیتے ہیں۔ اللہ محفوظ رکھے جس کے دل پر یہ مہر لگ جاتی ہے یعنی اللہ کی رحمت اس سے منہ پھیر لیتی ہے اس کو جانوروں جیسی زندگی بسر کرنے کے لئے چھوڑ دیا جاتا



ہے۔ ایسے شخص کے دل میں پھر کبھی دین کی طرف مائل ہونے کی امنگ پیدا نہیں ہوتی حتیٰ کہ وہ رہا کرتا ہے۔ یہ بھی محروم کر دیا جاتا ہے اور ان لوگوں کا تو مزید بدتر انجام ہے جو کبھی نماز جمعہ پڑھتے ہی نہیں کہ انہیں ہمیشہ کے لئے منافقوں کی فہرست میں شامل کر دیا جاتا ہے، چاہے انہیں شرعاً منافق کہہ کر نہ بلایا جاسکے لیکن بہر حال اللہ کے یہاں ان کا انجام منافقوں ہی کے ساتھ بتایا گیا۔

افسوس ہمارے معاشرے میں ایسے لوگوں کی کمی نہیں مدتیں گزر جاتی ہیں ان ظالموں کا اللہ کے دہانے میں سر نہیں جھکتا۔ ان میں بہت سے تو ایسے بد نصیب ہیں جو نماز عید الفطر اور عید الاضحیٰ سے بھی محروم رہتے ہیں کہ یہ ان کے سونے کا وقت ہوتا ہے پھر ایسے لوگ اس قدر بے شرم اور بے حیا ہوتے ہیں کہ اپنی مرضی اور اپنی سہولت کے مطابق عید مناتے، زرق برق لباس پہنے، تحفے تحائف لینے دینے میں پیش پیش نظر آتے ہیں کہ یہ عید کو بس ایک تہوار کے سوا کچھ نہیں سمجھتے اللہ اس بد عملی اور کج فہمی سے محفوظ رکھے، آمین۔

نماز جمعہ کے لئے تاخیر سے آنا

میرے آقا ﷺ نے نماز جمعہ کے لئے تاخیر سے آنے کو بھی سخت محرومی اور بد نصیبی قرار دیا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ”إِذَا كَانَ يَوْمُ الْجُمُعَةِ“ جب جمعہ کا دن آتا ہے۔ ”كَانَ عَلَى كُلِّ بَابٍ مِّنْ أَبْوَابِ الْمَسْجِدِ مَلَكٌ“ تو مسجد کے دروازوں سے ہر دروازے پر فرشتہ مقرر ہوتا ہے، جو ”يَكْتُبُونَ الْأَوَّلَ فَلَاوَّلَ“ (مسجد میں داخل ہونے والوں کو) لکھتے رہتے ہیں ترتیب وار۔ ”فَإِذَا جَلَسَ الْإِمَامُ طَوَّأَ الصُّحُفَ“ پس جب امام (خطبہ کے لئے منبر پر) بیٹھتا ہے تو وہ اپنی فائلوں کو بند کر دیتے ہیں۔ ”وَجَاءَ وَاسْتَمِعُوا الذِّكْرَ“ اور خطبہ سننے لگتے ہیں (یعنی جو لوگ خطیب کے منبر پر بیٹھ جانے کے بعد دوڑتے، ہانپتے مسجد میں داخل ہوتے ہیں، وہ محروم رہتے ہیں کہ ان کے نام اس مبارک فہرست میں شامل نہیں ہو پاتے)۔ ”وَمَثَلُ الْمُهْجَرِ كَمَثَلِ الَّذِي يُهْدَى الْبُذْنَةُ“ اور جلدی آنے والا اس شخص کی طرح ہے جو اللہ کی راہ میں ایک اونٹ صدقہ کرتا ہے۔ ”ثُمَّ كَالَّذِي يُهْدَى بَقَرَةٌ“ اس کے بعد آنے والا اس شخص کی طرح ہے جو گائے صدقہ کرتا ہے۔ ”ثُمَّ كَالَّذِي يُهْدَى الْكَبْشُ“ اس کے بعد آنے والا اس کی طرح ہے جس نے مینڈھا صدقہ کیا۔ ”ثُمَّ كَالَّذِي يُهْدَى الدُّجَاجَةُ“ پھر اس کی طرح ہے جس نے مرغی صدقہ کی۔ ”ثُمَّ كَالَّذِي يُهْدَى الْبَيْضَةُ“ پھر اس کے بھی بعد آنے والا اس شخص کی طرح ہے جس نے اللہ کی راہ میں انڈا صدقہ کیا۔ (مسلم)

حدیث مبارکہ پر غور فرمائیے اور نماز جمعہ کی اہمیت کا اندازہ کیجئے کہ اس کو ادا کرنے والوں کی فہرست مرتب کرنے کے لئے فرشتے نازل ہوتے ہیں، وہ مساجد کے دروازوں پر کھڑے ہو کر ہمارے نام لکھتے رہتے ہیں اور پھر ہمارے ساتھ نماز میں شریک ہوتے ہیں وہ ہماری آمد کا اس وقت تک انتظار کرتے ہیں جب تک امام خطبہ کے لئے منبر پر نہ بیٹھ جائے۔ اب یہ ہماری بد نصیبی ہے کہ ہم اتنی دیر سے آئیں کہ ملائکہ اپنے کاغذات اور قلم اٹھا چکیں اور ہم نمازیوں کی اس فہرست میں نہ آسکیں۔

جیسا کہ آج کل عام رواج ہو گیا ہے کہ جب امام خطبہ ختم کرنے کے قریب ہوتا ہے تو لوگ دوڑتے ہوئے آتے نظر آتے ہیں ان میں سے بھی کچھ تکبیر تحریمہ کے ثواب سے محروم رہتے ہیں۔ کاش ہم اپنے آپ کو اس محرومی سے بچانے کی کوشش کریں۔ جو لوگ وقت پر آتے ہیں ان کی بھی ایک ترتیب ہے وہ بھی ایک دوسرے سے افضل ہیں کہ جو اپنے وقت کی جتنی قربانی کرتا ہے اتنا ہی ثواب پاتا ہے کسی کے لئے ایک اونٹ کی قربانی کے ثواب کا مرثدہ ہے تو کسی کو گائے کی قربانی کا ثواب ملتا ہے، کسی کے لئے مینڈھے کا ثواب ہے تو کوئی صرف مرغی اور کوئی انڈا صدقہ کرنے کا ثواب پائے گا۔ یہ ثواب ان لوگوں کا بیان کیا گیا ہے جو امام کے منبر پر آنے سے پہلے آچکے ہوں اور جو اس کے بھی بعد آئے ان کا حال تو اوپر بیان ہو ہی چکا کہ وہ محرومین میں ہیں کیونکہ اب تو فرشتے اعمال نامے بند کر چکے ہیں، پس جو چاہے محروم رہے اور جو چاہے جتنا چاہے ثواب حاصل کر لے۔ ہماری نصیحت تو یہی ہوگی کہ مسجد میں کم از کم اذان اول کے وقت پہنچ جایا کیجئے اور اذان ثانی تک نوافل پڑھا کیجئے، تلاوت کیا کیجئے، درود شریف پڑھا کیجئے اور اگر تقریر ہو رہی ہو تو دین کی باتیں سیکھئے کہ تمام نفعی عبادتوں سے افضل دین سکھنا ہے۔

### خطبہ جمعہ

خطبہ جمعہ، نماز جمعہ کی شرط ہے۔ جس طرح دو گانہ جمعہ فرض ہے اسی طرح خطبہ بھی فرض ہے کہ جمعہ نماز ظہر کی جگہ پڑھا جاتا ہے۔ ظہر کی چار رکعتیں فرض ہیں جبکہ جمعہ کی دو رکعتیں ہیں اور دو رکعتوں کی جگہ خطبہ ہے کیونکہ خطبہ نماز ہی کی طرح فرض ہے اس لئے خطبہ کے آداب بھی تقریباً نماز جیسے ہی ہیں کہ دوران خطبہ کھانا پینا، بات چیت کرنا حرام ہے۔ دو زانو بیٹھنے کا حکم دیا گیا ہے بلا ضرورت ادھر ادھر دیکھنا مکروہ قرار دیا گیا۔ آنے والوں کے لئے سلام کرنا اور سننے والوں کے لئے جواب دینا ممنوع۔

خطبہ جمعہ کی اہمیت و احکام سے متعلق شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چند ارشادات ملاحظہ ہوں:

حضرت سمر بن جندب رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ”أُحْضِرُوا الذِّكْرَ وَادْنُوا مِنَ الْإِمَامِ“ خطبہ کے لئے حاضر ہو اور امام کے قریب بیٹھو (یعنی پہلی یا اگلی صفوں میں بیٹھنے کی کوشش کرو)۔ ”فَإِنَّ الرَّجُلَ لَا يَزَالُ يَتْبَعُهُ حَتَّى يُوْخَّرَ فِي الْجَنَّةِ وَإِنْ دَخَلَهَا“ کہ انسان دور ہوتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ جنت میں داخل ہونے کے باوجود بلند مراتب سے محروم رہتا ہے۔ (ابوداؤد)

اکڑوں بیٹھنا، لا پرواہی اور بے توجہی کی نشست ہے جبکہ دوران خطبہ پوری طرح امام کی طرف توجہ ہونا چاہئے، چاہے خطبہ عربی میں ہونے کے سبب سمجھ میں نہ آئے کہ سمجھنا یا نہ سمجھنا ضروری نہیں بلکہ اللہ و رسول کے حکم کی تعمیل مقصود ہے۔ جس طرح ہم نماز پڑھتے ہیں لیکن اس میں جو کچھ پڑھتے ہیں اسے ہم میں سے اکثر نہیں سمجھتے لیکن حکم شرع کی تعمیل کرتے ہوئے پوری توجہ سے پڑھتے اور سنتے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ”مَنْ اغْتَسَلَ ثُمَّ أَتَى

الْجُمُعَةَ فَصَلَّى مَا قَدَرَلَهُ“ جو غسل کر کے نماز جمعہ کے لئے آیا اور (وقت کی گنجائش کے مطابق) جو مقدار ہو نماز پڑھے (تحیۃ المسجد، چار رکعت سنت قبل جمعہ یا مزید نوافل)۔ ”ثُمَّ انْصَتَّ حَتَّى يَفْرُغَ مِنْ خُطْبَتِهِ“ پھر (امام منبر پر بیٹھا تو یہ) خاموش رہا حتیٰ کہ امام خطبہ سے فارغ ہو گیا۔ ”ثُمَّ يُصَلِّي مَعَهُ“ پھر وہ امام کے ساتھ نماز ادا کرے۔ ”غُفِرَ لَهُ مَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجُمُعَةِ الْآخَرَى وَفُضِّلَ ثَلَاثَةٌ“ تو اس جمعہ سے دوسرے جمعہ کے درمیان اور تین دن زیادہ کے اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔ (مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ”اِذَا قُلْتَ لِصَاحِبِكَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ انْصَتَّ وَالْإِمَامُ يَخْطُبُ فَقَدْ لَغَوْتَ“ جب تم نے دوران خطبہ اپنے ساتھی سے کہا ”خاموش ہو جاؤ“ تو تم نے لغوات کی۔ (بخاری، مسلم)

یہ حدیث مبارکہ انتہائی تاکید ہے دوران خطبہ خاموش رہنے کی کہ خود کلام کرنا تو درکنہ کسی کو کلام کرنے سے روکنا بھی ممنوع ہے کہ جو نبی امام خطبہ کے لئے منبر کی طرف آئے کلام و طعام حرام ہو جاتا ہے یہاں تک کہ اگر کوئی سنتیں پڑھ رہا ہے تو اسے چاہئے کہ دو ہی رکعتوں پر سلام پھیر دے اسی طرح کوئی دوسرا ذکر یا وظیفہ کرنا بھی جائز نہیں۔ جب امام دوران خطبہ آیت درود پڑھے تو یہ خاموشی کے ساتھ درود شریف پڑھے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک اور ارشاد ہے جو اس سے بھی واضح ہے۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں: ”اِذَا خَرَجَ الْإِمَامُ فَلَا صَلَوةَ وَلَا كَلَامَ“ جب امام خطبہ کے لئے آجائے تو پھر نہ نماز جائز ہے اور نہ کلام جائز ہے یہ حکم سب کے لئے ہے ان کے لئے بھی جو خطبہ سن رہے ہیں اور ان کے لئے بھی جن تک خطبہ کی آواز نہیں پہنچ رہی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں: ”مَنْ تَكَلَّمَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَالْإِمَامُ يَخْطُبُ فَهُوَ كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا“ جس نے جمعہ کے دن دوران خطبہ کلام کیا وہ اس کدھے کی طرح ہے جس پر کتابیں لدھی ہوئی ہوں۔ ”وَالَّذِي يَقُولُ لَهُ انْصَتَّ لَيْسَ لَهُ الْجُمُعَةُ“ اور جس نے اس سے کہا ”خاموش ہو جاؤ“ اس کے لئے نماز جمعہ کا کوئی ثواب نہیں۔ (مشکوٰۃ)

یہ ارشاد دوران خطبہ کلام ممنوع ہونے کی مزید تاکید کرتا ہے یہاں کلام کرنے والے کی مثال کدھے سے دی جا رہی ہے کہ اگر کدھے پر کتابیں لادھ دی جائیں تو وہ عالم نہیں بن سکتا اسی طرح یہ شخص جس نے خطبہ امام کے دوران اپرواہی کا مظاہرہ کیا اور خطبہ پر غور نہ کیا کدھے کی طرح ہے۔ نیز اس نے جمعہ کے لئے آنے میں محنت و مشقت تو کی لیکن یہ کدھے کی طرح کوئی فائدہ حاصل نہ کرے گا اور وہ شخص بھی خسارے میں رہا جس نے باتیں کرنے والے و روکنے کے لئے کہا ”خاموش ہو جاؤ“ کہ یہ خطبہ کے ثواب سے محروم رہے گا۔

غرضیکہ خطبہ جمعہ، نماز جمعہ کی ایک شرط ہے، فرض ہے۔ اسی لئے شریعت مطہرہ نے اس کے خصوصی آداب کا تعین کیا ہے۔ یہ عام تقریروں کی طرح کوئی تقریر نہیں جبکہ تقریر کے دوران بھی گفتگو کرنا یا کسی دوسرے علم سے اپرواہی کا مظاہرہ کرنا

خلاف ادب ہے۔ خطبہ جمعہ کی تقریر سے بہت زیادہ ہے، لہذا اس کے مخصوص آداب کی پابندی جملہ حاضرین کے لئے ضروری ہے۔ ان آداب کے تعین میں بے شمار حکمتیں ہیں جن میں ایک ظاہری حکمت یہ ہے کہ اس طرح اجتماع جمعہ، اہل ایمان کے انتہائی نظم و ضبط، باادب اور باوقار ہونے کا ثبوت فراہم کرتا ہے بلاشبہ وہ لوگ نہایت ہی خسارے میں ہیں اور قابل افسوس ہیں جو مسجد میں ایسے وقت داخل ہوتے ہیں کہ صرف دو گانہ جمعہ ہی ادا کر پاتے ہیں اور اسی کے ایک حصہ یعنی خطبہ کی وہ پروا بھی نہیں کرتے۔ جیسا کہ ہم اوپر بھی عرض کر چکے ہیں کہ ان لوگوں کو اپنی حالت پر غور کرنا چاہئے اور اللہ و رسول کے احکام کی عملی بغاوت سے باز آنا چاہئے، مؤمن کے ایمان کا مقتضی یہی ہے کہ احکام شریعت پر اسی طرح عمل کیا جائے جیسے عمل کا حق ہے۔

### نماز جمعہ کا اہتمام

یوں تو ہمیں ہر نماز کے اہتمام کا حکم دیا گیا ہے کہ نماز کے لئے وضوء وغیرہ کرنا درحقیقت اس کے اہتمام ہی کا ایک طریقہ ہے لیکن نماز جمعہ کے لئے خصوصی اہتمام کا حکم اس کی اہمیت کو ظاہر کرتا ہے کہ جب سید الايام اور افضل الايام قرار دیا گیا تو اس کی مخصوص عبادت بھی نہایت اہم قرار پائی اور اس کے اہتمام کے لئے خصوصی ہدایات دی گئیں۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ”إِذَا أَرَادَ أَحَدُكُمْ أَنْ يَأْتِيَ الْجُمُعَةَ فَلْيَغْتَسِلْ“ جب تم میں سے کوئی شخص نماز جمعہ کے لئے جانا چاہے تو غسل کرے۔ (مسلم)

حضرت عبید بن سبا (تابعی) رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جمعوں میں سے ایک جمعہ فرمایا: ”يَا مَعْشَرَ الْمُسْلِمِينَ إِنَّ هَذَا يَوْمٌ جَعَلَهُ اللَّهُ عِيدًا“ بیشک اللہ نے اس دن (جمعہ) کو عید بنایا ہے۔ ”فَاغْتَسِلُوا وَمَنْ كَانَ عِنْدَهُ طَيِّبٌ فَلَا يَضُرُّهُ أَنْ يَمَسَّهُ مِنْهُ وَعَلَيْكُمْ بِالسَّوَاكِ“ پس (اس دن) غسل کرو اور جس کے پاس خوشبو ہو تو کوئی حرج نہیں کہ وہ لگائے اور مسواک ضرور کیا کرو۔ (ابن ماجہ)

حضرت عبداللہ ابن سلام رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ”مَا عَلَى أَحَدِكُمْ أَنْ وَجَدَ أَنْ يَتَّخِذَ ثَوْبَيْنِ لِيَوْمِ الْجُمُعَةِ سِوَى ثَوْبَيْنِ مِهْنَتِهِ“ تم میں سے کسی کے لئے کوئی حرج نہیں کہ وہ جمعہ کے لئے دو کپڑے بنا لے ان دو کپڑوں کے علاوہ جو وہ ہر وقت کام کاج میں استعمال کرتا ہے۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ)

ان احادیث مبارکہ سے جمعہ کے دن غسل کرنا، مسواک کرنا، خوشبو لگانا، حسب استطاعت بہتر کپڑے پہننا ثابت ہوا۔ ان امور کے علاوہ بال بنوانا، بالوں میں تیل لگانا، سرمہ لگانا بھی جمعہ کے مستحبات میں سے ہے۔ یہ سب احکام اس لئے ہیں کہ لوگ یوم جمعہ اور نماز جمعہ کو خاص اہمیت دیں اور انہیں ہفتہ کے باقی دنوں کی طرح نہ جانیں۔ اسی لئے علماء کرام نے فرمایا کہ نماز جمعہ سے قبل تمام کاروبار بند رکھنا چاہئے تاکہ لوگ شریعت مطہرہ کے مطابق نماز جمعہ کا اہتمام کر سکیں اور یہ ظاہر ہو سکے کہ یہ دن مسلمانوں کی ہفتہ وار عید کا دن ہے۔ دیگر دنوں کا سردار اور ان سے افضل ہے اور اگر عوام کی سہولت و آسانی کے لئے ہفتہ کے کسی دن کو یوم تعطیل قرار دیا جائے تو مسلم حکام کے لئے یہی مناسب ہے کہ وہ جمعہ کو عام تعطیل کا قانون نافذ کریں۔ سنیچر یا اتوار کی تعطیل ہرگز مناسب نہیں کہ یہ یہودیوں اور عیسائیوں سے مشابہت ہے، جس کی ممانعت کے لئے آقا ﷺ کا

واضح ارشاد موجود ہے کہ ”مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ“ جب کوئی غیر قوم جیسا عمل اختیار کرے تو وہ انہی میں سے ہے۔ پس مسلمانوں کو ہر ایسے عمل سے بچنا چاہئے جو کسی دوسری قوم کا شعار اور مخصوص علامت ہو۔

اہتمام جمعہ کے خصوصی احکام میں ایک مصلحت یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ اسلام اپنے ماننے والوں سے جس طہارت، صفائی اور پاکیزگی کا خواہاں ہے اس کے لئے ایک نظم قائم ہو جائے جو مسلمانوں کو اس کا عادی بنا دے۔ بمطابق روایت حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ ”الطَّهْرُ شَطْرُ الْإِيمَانِ“ پاکیزگی نصف ایمان ہے۔ کہ اکثر اعمال کا دار و مدار طہارت پر ہے حتیٰ کہ بغیر طہارت کے قرآن کریم بھی چھونا جائز نہیں۔ پس جمعہ کے دن جسم اور کپڑوں کی پاکیزگی کا خصوصی اہتمام اہل ایمان کو ہر قوت پاک و صاف رہنے کا عادی بنا کر شریعت کے ایک مقصد کو پورا کرتا ہے۔ پس اس دن نماز جمعہ کی نیت سے بال بنوانا، ناخن تراشنا، بغلوں اور ناف کے نیچے کے بال صاف کرنا، اچھے اور بہتر کپڑے پہننا، تیل اور خوشبو استعمال کرنا اور اس اہتمام کے ساتھ جمعہ کے لئے جانا یہ سب سنتیں اور مستحبات ہیں کہ ان میں سے کوئی یا سب کام نہ کئے گئے تو کوئی گناہ نہیں جبکہ لا پرواہی اور سستی کی بناء پر نہ چھوڑے گئے ہوں۔ یہ کرم ہے میرے آقا ﷺ کہ ان کاموں کو فرض و واجب قرار نہ دیا کہ دین آسان ہے اور آپ نے تمام احکام میں دین کی آسانی کو ملحوظ رکھا بلکہ لوگوں کو دشواری میں مبتلا کرنے کی سخت ممانعت فرمائی۔ ان کاموں پر اگرچہ ہر مسلمان کو عمل کرنا چاہئے لیکن بالخصوص آئمہ و خطباء کو ان کی پابندی کرنا چاہئے کہ جب وہ منبر رسول پر رونق افروز ہوتے ہیں تو عوام کی نظریں اور پوری توجہ انہی کی طرف ہوتی ہے۔ پس خصوصیت کے ساتھ ان کا لباس، جبہ و عمامہ نہایت ہی پرکشش ہونا چاہئے کہ سامعین ان کی گفتگو غور سے سنیں کہ خوش لباسی زبان میں اثر پیدا کرتی ہے اور وعظ و نصیحت کو قابل عمل بناتی ہے، آئمہ و خطباء کو اس کا لحاظ کرنا ضروری ہے۔ نماز جمعہ کے تفصیلی احکام و مسائل کے لئے ”بہار شریعت“ کا مطالعہ کیجئے یا اپنے علماء سے رابطہ کر کے معلومات حاصل کیجئے ہم اسی پر اکتفاء کرتے ہیں اور اب اس آیہ مبارکہ کی طرف رجوع کرتے ہیں جس پر نفلتو کرنا مقصود ہے۔

آیت جمعہ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ - اے ایمان والو! جب نماز جمعہ کے لئے پکارا جائے۔ ظاہر ہے اس پکار سے مراد اذان ہے کہ جب تم اذان جمعہ سنو، سننے سے مراد ہر ایک کا کانوں سے سننا ہی نہیں کہ یہ تمام لوگوں کے لئے ممکن نہیں۔ بالخصوص غیر مسلم ممالک میں تو اذان سننے کے لئے کان ترس جاتے ہیں، دل تڑپتا ہی رہتا ہے، ہم ہی صرف ٹیلی ویژن پر سعودیہ کا چینل لگا کر کعبہ شریف کی اذان سن لیتے اور اپنے دل کو تسلی دے لیتے ہیں، لہذا سننے سے مراد اذان کا وقت لیا جاسکتا ہے جس کے لئے گھڑی دیکھی جاتی رہے اور ہو سکے تو اتنے پہلے مسجد پہنچ جائیے کہ وہاں اذان سن بھی لیجئے۔

آپ کو معلوم ہے کہ نماز جمعہ کے لئے دو اذانیں ہوتی ہیں، ایک خطبہ سے کچھ پہلے اور دوسری خطبہ کے وقت جب امام صاحب منبر پر تشریف فرما ہوتے ہیں۔ یہ دوسری اذان حقیقت میں پہلی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دور میں نبی ایک اذان ہوتی تھی۔ حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے زمانہ خلافت میں بھی یہی عمل جاری رہا پھر حضرت عثمان غنی

رضی اللہ عنہ نے جب ایک دن منبر سے دیکھا کہ خطبہ شروع ہو چکا ہے اور لوگ اب تک دوڑے آرہے ہیں جو حکم قرآن کے خلاف ہے۔ پس آپ نے مؤذن کو حکم دیا کہ خطبہ سے پہلے ایک اذان کا اضافہ کر دیا جائے تاکہ لوگ بروقت مسجد پہنچ سکیں۔ آپ کا یہ عمل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عین مطابق تھا کہ انہوں نے باجماعت پورے رمضان تراویح پڑھنے کا حکم دیا اور ”نِعْمَةُ الْبِدْعَةِ هَذِهِ“ فرما کر آپ نے خود ہی اس کے اچھی بدعت ہونے کا اعلان فرمایا۔ اس دن سے آج تک تراویح بھی جاری ہے اور خطبہ کی اذان اول بھی نہ ہی اس وقت موجود اجلہ و صحابہ میں سے کسی نے ان دونوں حضرات کی جاری کردہ بدعت حسنہ پر اعتراض کیا اور نہ ہی آج کسی عالم و فاضل کو اعتراض کی ہمت ہوئی کیونکہ سب جانتے ہیں اور مانتے ہیں کہ دینی امور میں بدعات حسنہ جاری کرنے کی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود اجازت مرحمت فرمائی۔ بدعتیوں اور سنت پر عمل کرنے کے دعویداروں سب ہی کی مساجد میں تراویح بھی پڑھی جاتی ہے اور اذان اول بھی ہوتی ہے کسی کو اس پر اعتراض نہیں۔ ہاں جو بدعات حسنا آئمہ و اولیاء اور صالحین نے جاری کیں نہ جانے کس دلیل سے وہ انہیں ضلالت و گمراہی کہتے اور ان پر عمل کرنے والوں کو صرف بدعتی نہیں بلکہ مشرک تک کہہ ڈالتے ہیں۔ میلاد النبی ﷺ، فاتحہ، صلوٰۃ و سلام سب ہی ان ظالموں کے نزدیک ضلالت و گمراہی اور شرک ہے۔ مزید یہ کہ مساجد کی زیب و زینت ان میں بہترین قالین، مخملی مصلیٰ، حسین قد ملیں، شاندار منبر ان کے نزدیک نہ بدعت ہیں اور نہ ان کا استعمال ضلالت و گمراہی ہے کیسا یہ ظلم ہے جو ہم کریں وہ برا اور یہ جو کچھ بھی کریں وہ اچھا ہی اچھا، اللہ ان ظالموں پر رحم فرمائے اور انہیں ہدایت دے۔

بہر حال جس اذان کے بعد جمعہ کے لئے آنے کا حکم دیا جا رہا ہے وہ دو ربی نبوی ﷺ کی دوسری اذان خطبہ تو یقیناً ہے لیکن علماء نے تصریح فرمائی ہے کہ یہ حکم اذان اول ہی کیلئے ہے کیونکہ اجماع بھی نص شرعی ہے جسے اللہ و رسول کا حکم سمجھا جائے اور جیسا کہ ہم عرض کر چکے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے اس حکم پر کسی صحابی نے اعتراض نہ کیا سب ہی نے متفقہ طور پر اس کو حسن قرار دیا اور عمل کیا۔

”قَاسِعُوا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ“ اے ایمان والو! جب تم نماز جمعہ کی اذان سنو تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو۔ یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ یہ اس سعی کا حکم نہیں جو عام طور پر سمجھی جاتی ہے کہ اذان سنتے ہی ایسے دوڑو کہ ہانپتے، کانپتے مسجد میں داخل ہو۔ نہیں یہ دوڑنا مراد نہیں کیونکہ اس قسم کا دوڑنا ممنوع ہے، خلاف شرع ہے، مؤمن کی شان اور وقار کو مجروح کرتا ہے۔ میرے آقا ﷺ کا ارشاد ہے: ”إِذَا ثَوَّبَ بِالصَّلَاةِ فَلَا تَأْتُوهَا وَأَنْتُمْ تَسْعَوْنَ“ جب نماز کی اقامت کہی جائے تو تم دوڑتے ہوئے نہ آؤ۔ ”وَلَكِنْ آتُوهَا وَعَلَيْكُمْ السَّكِينَةُ وَالْوَقَارُ“ لیکن سکون اور وقار کے ساتھ آؤ۔ ”فَصَلُّوا وَفَاتِكُمْ ائْتُمُوا“ تو نماز پڑھو اور جو رکعتیں رہ جائیں انہیں پورا کرلو۔ آقا ﷺ کا یہ ارشاد ہر نماز کے لئے عام ہے جس میں نماز جمعہ و عیدین بھی شامل ہے اور یہ ظاہر ہے کہ صاحب قرآن و شریعت کا کوئی فرمان خلاف قرآن نہیں ہو سکتا بلکہ آپ مراد الہی بیان فرماتے ہیں جس کا واحد اور یقینی ذریعہ صرف آپ ہی کی زبان حق ترجمان ہے۔ جس کا اعلان قرآن کریم ہی فرماتا ہے۔ ارشاد ہوا: ”وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ“ وہ اپنی خواہش سے کچھ نہیں فرماتے ان کا ہر ارشاد وحی الہی

ہی ہوتا ہے۔ پس فاسعوا سے مراد دوڑنا بھاگنا نہیں بلکہ جلدی جلدی اپنی مصروفیات ختم کر کے تیزی سے مسجد کی طرف جانا ہے، اس طرح کہ سکون و وقار قائم رہے، سانس نہ پھولے اور اطمینان سے خطبہ و نماز ادا ہو سکے اور ہاں راستہ میں کسی سے کاروباری یا کسی دوسرے قسم کی گفتگو نہ کی جائے۔ اگر کوئی مریض مل جائے تو اس کی مزاج پرسی میں یا کوئی بھٹکا ہوا مسافر مل جائے تو اسے راستہ بتا دینے میں کوئی مضائقہ نہیں لیکن جمعہ کے لئے تاخیر نہ ہونے پائے۔

”إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ“ کا جملہ بھی قابل غور ہے۔ ”إِلَى الصَّلَاةِ“ نہیں فرمایا گیا کیونکہ حکم صرف نماز کے لئے نہیں بلکہ اللہ کے ذکر کے لئے ہے جس میں خطبہ و نماز دونوں شامل ہیں۔ جیسا کہ ہم عرض کر چکے ہیں کہ خطبہ جمعہ، نماز جمعہ کا ایک حصہ ہے اور نماز ہی کی طرح فرض ہے۔ لہذا مسجد میں خطبہ شروع ہونے سے پہلے داخل ہونا چاہئے تاکہ سنتوں وغیرہ سے فارغ ہو کر اطمینان کے ساتھ خطبہ بھی سنا جاسکے اور اللہ کے حکم پر پوری طرح عمل ہو سکے۔ صرف نماز میں شامل ہو جانا حکم الہی کی تکمیل نہیں ہے اسی لئے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا عمل تھا۔ جیسا کہ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ نے بتایا: ”مَا كُنَّا نَقِيلُ وَلَا نَتَغَذَّى إِلَّا بَعْدَ الْجُمُعَةِ“ ہم نہ تو دوپہر کو آرام کرتے تھے اور نہ ہی دوپہر کا کھانا کھاتے تھے مگر نماز جمعہ کے بعد کہ کہیں ان کاموں کے سبب نماز جمعہ میں تاخیر نہ ہو جائے۔ کس قدر احتیاط فرماتے تھے صحابہ کرام، اللہ و رسول کے احکام کی تعمیل کے لئے۔

”وَذُرُوا الْبَيْعَ“ اور بیع چھوڑ دو۔ بیع کے معنی اگرچہ صرف بیچنا ہیں لیکن یہ لفظ خرید و فروخت دونوں ہی کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ یہاں قرآن کریم نے اس کو مزید وسیع مفہوم میں استعمال فرمایا ہے اور اس سے مراد تمام کاروبار ہے کیونکہ اصل بیع و شراء ہی ہے یعنی تمام کاروبار کا دار و مدار تجارت پر ہی ہے چاہے اس کا تعلق زراعت، صنعت و حرفت سے یا ملازمت سے ہو سب کا سرچشمہ تجارت ہی ہے۔ پس ہدایت کی جارہی ہے کہ جو نبی اذان جمعہ سنی جائے یا اس کا وقت ہو جائے تو تمام کاروبار بند کر دیا جائے کہ اذان جمعہ سے قبل کاروبار کرنا حرام ہے اور حرام میں کبھی برکت نہیں ہو سکتی۔ جمعہ کے دن اذان سے پہلے کا وقت تو صرف نماز جمعہ کی تیاری اور اہتمام کے لئے ہے اور جو وقت باقی رہے اس میں اللہ کی عبادت اور اس کا ذکر کرنا چاہئے لیکن افسوس کہ ہم اسی وقت نہ جانے کیا کیا کام نکال لیتے ہیں حتیٰ کہ کھیل کود اور تماشوں کا اہتمام اسی وقت کیا جاتا ہے۔ نتیجتاً مسجد دیر سے پہنچنا اور اتنی دیر سے کہ خطبہ سننے کا موقع بھی بمشکل ہی مل پاتا ہے عام ہو گیا ہے جبکہ اتنی تاخیر کرنا سخت گناہ ہے۔ جیسا کہ ہم بتا چکے ہیں۔

”ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ“ تمہارے لئے یہی بہتر ہے کہ اگر تم جان لو۔ اگر تم اس حقیقت کو جان لو اور مان لو کہ تم سے زیادہ تمہاری بھلائی کا خواہاں تمہارا رب کریم ہے۔ وہی جانتا ہے کہ تمہارے لئے کیا خیر ہے اور کیا شر، بے وقت کاروبار میں مصروف رہنا ہرگز خیر نہیں ہو سکتا کہ یہ تو اللہ سے بغاوت کے مترادف ہوگا اور بغاوت و سرکشی شر ہے جو ذریعہ خیر نہیں بن سکتی، پس

اے ایمان والو! تمہیں ہدایت کی جاتی ہے کہ شر سے بچو اور خیر کو اختیار کرو۔ اذان جمعہ سے قبل نماز جمعہ کا اہتمام

کرو۔ ہفتہ وار عید مناؤ اس کے ملنے پر اللہ رب العزت جل مجدہ کا شکر ادا کرو دو گانہ شکرانہ پڑھو، قرآن کریم کی تلاوت کرو اور اپنے آقا ﷺ کے حضور ہدیہ درود پیش کرو بکثرت درود پڑھو کہ دربار عالی لگا ہوا ہے، فرشتے آئے ہوئے ہیں، غلاموں کی درود خوانی پر وہ رشک بھی کر رہے ہیں اور ان کے درود کو ان کے آقا ﷺ کے دربار میں پیش بھی کر رہے ہیں۔ بڑا ہی مقدر والا ہو گا وہ غلام جس کے درود کی مہک، آقا کو اس کی طرف متوجہ کر دے۔ پس خوب درود پڑھو، خوب اس کی برکتیں لوٹو کہ درود وہ دعا ہے جس کے بعد کسی دعا کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی سب کچھ اسی کے وسیلہ سے نصیب ہو جاتا ہے۔

”فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ“ جب نماز پوری ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ۔ نماز سے فارغ ہو کر جب مسلمانوں کے جتنے مساجد سے نکلتے گلی کو چوں میں پھیلتے ہیں تو اللہ کی رحمت ان پر بادل کی طرح سایہ فگن ہوتی ہے، ان کے چہروں پر نور جھلکتا ہوتا ہے، چہرے پر ایسی کشش ہوتی ہے اپنے دیکھتے ہیں تو مسکراتے ہیں سبحان اللہ وما شاء اللہ کہتے ہیں اور غیر دیکھتے ہیں تو ان کا دل کا اپنے لگتا ہے اللہ کے سپاہیوں اور اللہ کی فوج کا رعب ان کے لئے ناقابل برداشت ہو جاتا ہے وہ ڈرنے لگتے ہیں۔ پس اے ایمان والو اب تم فارغ ہو چکے، خطبہ و نماز کی برکتیں حاصل کر چکے اب تم زمین میں پھیل سکتے ہو لیکن ہاں ابھی ایک سنت اور باقی ہے مسجد میں اللہ کے حضور ہی ذرا ”رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ“ کا مظاہرہ تو کرو کہ اللہ اپنے محبوب کے غلاموں کو باہم ملتے جلتے دیکھتا ہے تو خوش ہوتا ہے اور انعامات کی برکھا برساتا ہے۔ پس نماز سے فارغ ہوتے ہی ایک دوسرے کو مبارکباد دو، مصافحہ کرو، معافہ کرو، اظہار مسرت و شکر کرو اس پر کہ اللہ نے تمہیں ہفتہ وار عید نصیب فرمائی اگر تم شکر ادا کرو گے تو وہ تمہیں بار بار یہ سیدُ الايام عطا فرمائے گا۔

ہم نے بہت دنیا گھومی لیکن ساؤتھ افریقہ میں جمعہ کے دن جو منظر نظر آیا وہ کہیں نہ پایا۔ نماز فجر کے بعد ہی مساجد میں نمازی آپس میں ایک دوسرے کو مبارکباد دینے لگتے ہیں، فون پر سلام کے بعد مبارکباد کی آواز آتی ہے۔ اکثر مسلمان جمعہ کی نماز تک اپنی دکانیں بند رکھتے ہیں، اذان اول سے پہلے ہی مساجد تقریباً بھر جاتی ہیں، خطیب صاحب نظر آتے ہیں تو کوئی آنکھ ان کی طرف اٹھے بغیر نہیں رہ سکتی کہ بہترین لباس، عبا، و عمامہ پہنے پورے مجمع کو مہکاتے محراب کی طرف نہایت ہی باوقار اور بارعب انداز سے جلوہ افروز ہوتے ہیں۔ واقعی معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کا مذہبی رہنما ایک مؤمن کامل، اللہ و رسول کا پیغام سنانے آ رہا ہے۔ ہاتھ میں عصا لے کر منبر رسول پر رونق افروز ہوتے ہیں تو نظر ان کے نورانی چہرے پر جمی کی جمی رہ جاتی ہے۔ ایک سناٹا سا طاری ہوتا ہے، خطیب کی آواز کے سوا کوئی آواز سنائی نہیں دے سکتی۔ خطبہ سے پہلے اردو یا انگریزی میں نہایت ایمان افروز تقریر ہوتی ہے، نماز کے بعد لوگ کھڑے ہو کر آقا ﷺ کے حضور نذرانہ صلوٰۃ و سلام پیش کرتے ہیں۔ خوب جھوم جھوم کر، نہایت ہی عقیدت و محبت اور احترام کے ساتھ۔ اسی دوران لوگوں کو عطر پیش کیا جاتا رہتا ہے نہایت ہی روحانی منظر ہوتا ہے لیکن چند منٹ کے لئے، پھر لوگ ایک دوسرے کو مبارکباد دیتے، گلے ملتے ہیں، امام صاحب تک جوم کے سبب پہنچنا خاصا مشکل ہوتا ہے لوگ انتظار کرتے ہیں اور معافہ کر کے ہی جاتے ہیں۔ اس عمل میں تقریباً ایک گھنٹہ صرف ہوتا ہے ظاہر ہے جو لوگ ملازمت کرتے ہیں اور وہ بھی غیر مسلموں کی تو وہ اتنی دیر نہیں ٹھہر پاتے۔ اکثر تاجر ہی اس موقع پر موجود



ہوتے ہیں پھر یہی لوگ ایک دوسرے کو اپنے گھر کھانے کے لئے دعوت دیتے ہیں جہاں عورتیں پہلے ہی سے شاندار کھانے سجا چکی ہوتی ہیں۔ جمعہ کی خصوصی ڈش ایک قسم کی بریانی اور اس کے ساتھ کالی مسور ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ بھی کئی کھانے ہوتے ہیں غرضیکہ نہایت پر تکلف دعوت رہتی ہے۔ اس پروگرام سے فارغ ہو کر دکانیں کھولی جاتی ہیں، دکانوں پر اور دفاتر وغیرہ میں اس وقت بھی کام کم ہوتا ہے۔ خطیب صاحب کے خطبہ اور تقریر پر گفتگو زیادہ ہوتی ہے گویا خطبہ اتنا مؤثر ہوتا ہے کہ لوگوں کے لئے عنوان گفتگو بن جاتا ہے۔ بہر حال یہ لوگ ایک غیر مسلم ملک میں رہنے کے باوجود اپنے مذہبی پروگراموں میں بے حد دلچسپی رکھتے ہیں اور بالخصوص جمعہ کو عید ہی کی طرح مناتے ہیں جیسا کہ منانا چاہئے۔

”وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللَّهِ“ اور اللہ کا فضل تلاش کرو۔ اب تمہیں اجازت دی جاتی ہے کہ اپنا کاروبار شروع کر دو اور تلاش معاش میں مصروف ہو جاؤ۔ ”وَادْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ“ اللہ کا ذکر کثرت سے کرتے رہو تا کہ تم کامیابی حاصل کر سکو۔ یہ نہ بھولو کہ ابھی تم اللہ کا ذکر کر کے آئے ہو خطبہ و نماز کی برکتیں لوٹ کر آئے ہو۔ رحمت کا بادل اب تک تم پر سایہ فگن ہے، اب تم کاروبار بھی کرو اور ہمارا ذکر بھی کرو، کاروبار میں مصروف ہو کر ہمیں نہ بھول جانا، ذکر کرو گے تو رحمت کا بادل تم پر برکت کی برکھا بن کر برسے گا، یہی تو تمہاری کامیابی و کامرانی ہوگی۔

حضرت عراق بن مالک رضی اللہ عنہ نماز جمعہ سے فارغ ہو کر مسجد کے دروازے پر رکتے اور اس طرح دعا کیا کرتے تھے: ”اللَّهُمَّ اجِبْ دَعْوَتَكَ“ اے اللہ میں نے تیرے حکم کی اطاعت کی۔ ”وَصَلَّيْتُ فَرِيضَتَكَ“ اور میں نے تیرا فرض ادا کیا۔ ”وَأَنْتَ تَشْرُثُ كَمَا أَمَرْتَنِي“ اور تیرے حکم کے مطابق اب میں باہر جا رہا ہوں۔ ”فَارْزُقْنِي مِنْ فَضْلِكَ“ تو تو ہی مجھے اپنے فضل و کرم سے رزق عطا فرما۔ ”وَأَنْتَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ“ کہ تو ہی سب سے بہتر رزق عطا فرمانے والا ہے۔ (ماخوذ از ابن کثیر)

اسی لئے علماء کرام نے لکھا ہے کہ نماز جمعہ کے بعد اللہ کا ذکر کرتے ہوئے جب کاروبار کیا جاتا ہے تو اس میں اللہ اپنے فضل سے بے حد برکت فرماتا ہے اور کاموں کو سہل و آسان فرمادیتا ہے۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ اکثر دیکھا اور سنا گیا ہے کہ نماز جمعہ کے بعد عام طور پر وہ الجھنیں اور رکاوٹیں پیش نہیں آتیں جن سے اکثر واسطہ پڑتا ہی رہتا ہے ویسے تو ہر حال اور ہر وقت ہی ذکر اللہ باعث برکت و رحمت ہی ہے جس سے لمحہ بھر کے لئے بھی غافل ہونا مؤمن کی شان کے خلاف ہے۔

”وَإِذَا مَرَأَةٌ اتَّجَارَةً أَوْ لَهْوًا انْفَضُّوا إِلَيْهَا وَتَرَكُوكَ قَائِمًا“ اور کچھ لوگوں نے کسی نفع بخش تجارت یا کھیل تماشے کو دیکھا تو آپ کو کھڑا چھوڑ کر اس کس طرف چلے گئے۔ یہاں اشارنا اس واقعہ کو بیان کیا جا رہا ہے جو حقیقتاً نماز جمعہ سے متعلق مذکورہ بالا ہدایت کے نزول کا باعث بنا تھا یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مدینہ طیبہ آمد کے ابتدائی دنوں ہی کی بات ہے کہ اب تک صحابہ کرام کو احکام شرع سے پوری طرح واقفیت نہ ہوئی تھی۔ گویا ان کی تعلیم و تربیت کا یہ ابتدائی دور تھا۔ اس لئے بعض اوقات وہ خود ہی کوئی فیصلہ کر لیا کرتے تھے اور جب اللہ یا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے انہیں ان کی غلطی سے باخبر کیا جاتا تھا تو وہ اس پر فوراً ہی نادم و شرمندہ ہو جایا کرتے تھے اور اسی کے ساتھ ان کی معذرت قبول ہو جانے اور غلطی معاف

کر دیئے جانے کا بھی اعلان کر دیا جاتا تھا۔ جیسا کہ تفصیل کے ساتھ ہم پہلے بھی بیان کر آئے ہیں۔ خیر اب یہ ہوا اللہ کے رسول ﷺ منبر شریف پر جلوہ افروز تھے خطبہ جاری تھا، صحابہ حاضر تھے اور بغور سرکار ﷺ کے ارشادات سننے میں مصروف تھے کہ اچانک باہر سے دف بجنے کی آواز سنائی دی۔ اس زمانہ میں شام وغیرہ کے تجارتی قافلہ سامان ضرورت فروخت کرنے کے لئے مدینہ منورہ آیا کرتے تھے۔ ان قافلوں کی بہت اہمیت تھی کہ لوگوں کو اشیاء ضرورت بآسانی مہیا ہو جاتی تھی اور ان کا اپنا بھی کچھ سامان قافلہ والے خرید لیتے تھے۔ ان قافلوں میں دحیہ بن خلف کا قافلہ کافی سامان لے کر آتا اور نسبتاً سستے داموں سامان فروخت کیا کرتا تھا۔ واضح رہے کہ دحیہ بن خلف نے کچھ مدت بعد اسلام قبول کیا تھا۔ بہر حال پتہ چلا کہ دحیہ بن خلف کا قافلہ آیا ہے یہ سال مدینہ منورہ میں قحط کا سال تھا۔ لوگ کھانے پینے کی اشیاء کے لئے مضطرب تھے۔ کم علم تھے، قافلہ کی طرف دوڑے اور اپنے کاروبار میں مصروف ہو گئے۔ ادھر اللہ کے رسول ﷺ خطبہ دیتے رہے۔ ایک روایت کے مطابق آپ ﷺ کے سامنے صرف بارہ افراد رہ گئے باقی سب چلے گئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو غلاموں کے اس عمل سے خاصی تکلیف ہوئی۔ ہاں یہ بھی خیال رہے کہ اس وقت تک خطبہ جمعہ، عیدین کی طرح نماز جمعہ کے بعد ہوا کرتا تھا۔ لہذا جانے والوں نے یہ بھی خیال کیا کہ نماز سے تو اب فراغت ہو چکی ہے کیوں نہ اب کچھ کاروبار کر لیا جائے جو اس وقت بہت ضروری ہے۔ اسی واقعہ کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نماز جمعہ سے پہلے خطبہ دینے لگے۔

غرضیکہ صحابہ کرام کا یہ عمل اللہ کو بھی پسند نہ آیا اور اسے بیان کرتے ہوئے فرمایا: ”قُلْ مَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ مِّنَ الْتَّهْوَوِ مِنَ التَّجَارَةِ“ اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے غلاموں کو بتا دیجئے کہ اللہ کے پاس جو کچھ ہے وہ تماشہ و تجارت سے بہتر ہے۔ کہ تم جسے خیر سمجھتے ہو ضروری نہیں کہ وہ تمہارے لئے بہتر ہو کہ حقیقت حال تو جاننے والا اللہ ہی ہے۔ پس خیر وہی ہے جو اللہ کے نزدیک خیر ہے۔ لہذا دنیا اور اس کے ساز و سامان کی کشش میں مبتلا نہ ہو۔ معلم کامل ﷺ کے پراز حکمت ارشادات پر غور اور عمل کرو۔ تمہیں ضرور خیر نصیب ہوگی اور تم ضرور کامیاب و کامران ہو کر رزق تو اللہ ہی دیتا ہے وہی بہترین رزق دینے والا ہے۔ اس کی شان ہے ”وَتَرْزُقْ مِّنْ تَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ“ اور جسے چاہتا ہے بغیر حساب کے رزق دیتا ہے خوب دیتا ہے۔ دحیہ کے قافلہ سے خریداری کر کے تم اتنا فائدہ حاصل نہ کر سکو گے جتنا اللہ کے فضل و کرم سے تمہیں نصیب ہو جائے گا۔

اے ایمان والو! پس یاد رکھو اور خوب سمجھ لو کہ:

وَاللَّهُ خَيْرُ الرَّزَاقِينَ اور اللہ ہی بہترین رزق دینے والا ہے۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِهِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِهِ وَاَصْحَابِهِ اَجْمَعِينَ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

## ”سورة المنافقون“

آیات نمبر

11۲9

مقالہ نمبر

87

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ



## مقالہ ۸۷

### المنافقون: ۹ تا ۱۱

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُلْهِكُمْ أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ ۚ وَمَنْ يَفْعَلْ  
 ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْخٰسِرُونَ ۝ وَأَنْفِقُوا مِنْ مَّا رَزَقْنَاكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ أَحَدَكُمُ  
 الْمَوْتُ فَيَقُولَ رَبِّ لَوْ لَا أَخَّرْتَنِي إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيبٍ فَأَصَّدَّقَ ۚ وَ أَلَنْ مِنْ  
 الصَّٰلِحِينَ ۝ وَلَنْ يُؤَخَّرَ اللَّهُ نَفْسًا إِذَا جَاءَ أَجَلُهَا ۚ وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ۝  
 (المنافقون: ۹ تا ۱۱)

اے ایمان والو! تمہیں غافل نہ کر دیں تمہارے اموال اور نہ تمہاری اولاد اللہ کے ذکر سے اور جنہوں  
 نے ایسا کیا تو وہی لوگ گھاسٹے میں ہوں گے اور خرچ کر لو اس رزق سے جو ہم نے تم کو دیا اس سے پہلے  
 کہ آجائے تم میں سے کسی کے پاس موت تو وہ یہ کہنے لگے اے میرے رب تو نے مجھے کیوں مہلت نہ  
 دی تھوڑی مدت کے لئے تاکہ میں صدقہ (و خیرات) کر لیتا اور نیکو میں شامل ہو جاتا اور اللہ مہلت نہیں

دیا کرتا کسی شخص کو جب آجائے اس کی موت کا وقت اور اللہ خوب جانتا ہے جو تم کیا کرتے ہو۔

بحمد اللہ سورۃ المنافقون کی آیت نمبر ۹ تا ۱۱ پر گفتگو کا آغاز ہو رہا ہے۔ اولاً ضروری ہے کہ نفاق اور منافق کے معنی جان لئے جائیں۔ ”نفاق“ کے معنی ہیں ”سُرنگ“ وہ بھی دومنہ والی سرنگ جو لومڑی اپنے رہنے کے لئے بناتی ہے سمجھایا جاتا ہے کہ ایک دروازے والا گھر زیادہ محفوظ ہوتا ہے جبکہ لومڑی یہ سکھاتی ہے کہ گھر کے دو دروازے ہونے چاہئے، ایک آگے اور ایک پیچھے کہ دشمن ایک دروازے سے حملہ آور ہو تو گھر والا دوسرے دروازے سے غائب ہو سکے۔ بہر حال لومڑی اپنے گھر کے دو دروازے رکھتی ہے ایک کو نافقاء اور دوسرے کو قاصعاء کہا جاتا ہے۔ اسی مناسبت سے اس شخص کو منافق کہا جاتا ہے جو اپنے عمل میں دو رخی اختیار کرتا ہے اور سب سے دوستی کا اظہار کرتا ہے اور سب ہی کی ہمدردیاں حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے جبکہ حقیقتاً وہ دنیا و آخرت دونوں ہی میں ناکام و نامراد رہتا ہے۔ اس تمہید کی روشنی میں منافقین کا حال بغور پڑھئے اور ساتھ ہی اپنا تجزیہ بھی کرتے چلئے۔

### منافقین کا حال

آپ جانتے ہیں کہ سورۃ البقرہ قرآن کریم کی دوسری سورت ہے جس کا آغاز اہل ایمان کے حال سے ہو رہا ہے جس کے بعد صرف دو آیتوں میں کفار کا حال بتایا گیا جبکہ اسی کے بعد تیرہ آیات میں منافقین کا تفصیلی حال بیان کیا جا رہا ہے۔ گویا قرآن کریم منافقوں کو بدترین اور خطرناک ترین گروہ قرار دے رہا ہے اور اہل ایمان کو تفصیل کے ساتھ ان کا حال بتا رہا ہے تاکہ سادہ لوح مسلمان ان کے مکر و فریب سے بچ سکیں۔ ان آیات کے مطالعہ سے پہلے یہ جان لینا ضروری ہے کہ منافقین کے دور کا آغاز اہل ایمان کی مدنی زندگی سے ہوتا ہے جب یہ دیکھا جانے لگا کہ اسلام تیزی سے ترقی پذیر ہے اور جلد ہی یہ ایک قوت بن کر ابھرنے والا ہے۔ اس کی حقانیت پر غور کے بعد خوش نصیبوں نے اس کی غلامی اختیار کی ضد اور ہٹ دھرمی میں مبتلا بد نصیبوں نے اس کا انکار کیا اور کفر میں مبتلا ہوئے جبکہ مکاروں اور چال بازوں نے اس کے فوائد حاصل کرنے کے لئے نفاق کی راہ لی یہ صرف لالچ ہی تھا جس نے منافقین کا بدترین گروہ پیدا کیا۔ یہی وجہ ہے قبل ہجرت مکی زندگی میں اس گروہ کا نام و نشان تک نہیں ملتا کیونکہ اس وقت تو اسلام کے خلاف سازشوں اور فتنوں کا جال بچھا ہوا تھا۔ مسلمان کفار کے سخت زرخے میں تھے اور ان کے ظلم و ستم کا شکار بنے ہوئے تھے اس حال میں کون اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کر کے مصیبت میں ڈالتا۔ لہذا جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مدینہ تشریف لائے اور آپ کا نور چمکنا شروع ہوا تو موقع پرست اور خود غرض گروہ نے اپنی ہمدردیاں اسلام اور اہل اسلام سے ظاہر کرنا شروع کیں اور اسلام کا لبادہ اوڑھ کر اسلام کو نقصان پہنچانے کا پروگرام بنایا۔ اسی وقت سے آج تک حاسدین اسی راہ پر ہیں اور طرح طرح سے اسلام کو نقصان پہنچانے کی کوشش میں سرگرداں رہتے ہیں۔ بہر حال منافقین کے اس گروہ کی ابتداء مدینہ سے ہوئی اور یہ مارِ آستین کے مثل اسلام کے لئے ایک خطرناک ترین گروہ بنا اسی لئے قرآن کریم نے متعدد مقامات پر ان کا ذکر کیا اور ان کی گھناؤنی سازشوں سے اہل ایمان کو باخبر کیا۔ آئیے دیگر آیات قرآنیہ سے پہلے سورۃ البقرہ کی آیات کا اختصار کے ساتھ مطالعہ کرتے ہیں۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَقُولُ آمَنَّا بِاللَّهِ وَبِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِينَ

اور کچھ لوگ جو کہتے ہیں ہم ایمان لائے اللہ پر اور روز قیامت پر حالانکہ وہ مؤمن نہیں۔

چونکہ اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان لانا، عقائد حقہ کی بنیاد ہے لہذا یہاں ان دونوں ہی کا ذکر کیا جا رہا ہے اور بتایا جا رہا ہے کہ کچھ لوگوں یعنی منافقین کا یہ دعویٰ صرف زبانی ہے جبکہ ایمان کے لئے اقرار باللسان، زبانی اقرار کے ساتھ دل کی تصدیق بھی ضروری ہے۔ پس دلوں کا حال جاننے والا اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دلوں کا راز بتا رہا ہے کہ یہ کچھ لوگ بہت ہی مکار ہیں، جھوٹے ہیں، صرف زبان سے اللہ اور روز قیامت پر ایمان کے دعویدار ہیں جو قابل قبول نہیں۔ لہذا ان شاطروں کے فریب سے مسلمان بچتے رہیں۔ یہ اہل ایمان کے نہ تو ساتھی ہیں اور نہ ہی ان سے ہمدردی رکھتے ہیں بلکہ صرف انہیں دھوکہ دے کر اپنے فوائد حاصل کرنا چاہتے کہ وقت آنے پر مسلمان انہیں اپنا جانیں اور ان کی عزت و آبرو جان و مال سب کی حفاظت کریں جبکہ حقیقت یہ ہے کہ:

يُخٰدِعُونَ اللّٰهَ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَمَا يَخْدَعُونَ اِلَّا اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ ﴿٦١﴾

فریب دینا چاہتے ہیں اللہ کو اور ایمان والوں کو جبکہ نہیں فریب دے رہے مگر اپنے آپ کو (اور اس حقیقت کو) سمجھتے نہیں۔

اللہ سے دھوکہ کرنا ممکن نہیں۔ پس یہ اس دھوکے کا ذکر ہے جو منافقین اللہ کے رسول ﷺ سے کیا کرتے تھے کہ جس طرح رسول کی اطاعت اللہ ہی کی اطاعت ہے اور رسول کی نافرمانی اللہ ہی کی نافرمانی ہے اسی طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ دھوکا درحقیقت اللہ سے دھوکا کرنا ہے۔

ہمارے آقا ﷺ کو منافقین کی دھوکہ دہی سے جتنی تکلیف پہنچی اتنی کفار کی جنگوں سے نہ پہنچی کہ کفار سامنے آ کر جنگ کیا کرتے تھے جبکہ منافقین چھپ کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور اہل ایمان کو نقصان پہنچاتے تھے اسی لئے طبقہ منافقین کو کفار سے زیادہ خطرناک طبقہ قرار دیا گیا ہے۔

یہاں یہ بات واضح رہے کہ دھوکہ دہی منافقین کی عادت ہے اہل ایمان کی نہیں۔ اہل ایمان تو پیکر صدق و صفا ہوتے ہیں ان سے تو دھوکہ کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا جبکہ میرے آقا ﷺ کے ارشاد کے مطابق منافقین کا حال یہ ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ”آيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ“ منافق کی تین نشانیاں ہیں۔ ”وَإِنْ صَامَ وَصَلَّى وَزَعَمَ أَنَّهُ مُسْلِمٌ“ اگرچہ وہ مسلمان ہونے کا دعویدار ہو، روزہ بھی رکھے اور نماز بھی پڑھے (پھر بھی ایسا شخص منافق ہی ہے جس میں یہ تین عیوب ہوں)۔ ”إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ“ جب بات کرے تو جھوٹ بولے۔ ”وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ“ اور جب وعدہ کرے تو اس کی خلاف ورزی کرے۔ ”وَإِذَا نُتِمَ خَانَ“ اور جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت کرے۔ (مسلم شریف)

اصل بات یہ ہے کہ ایک جرثومہ بہت سے جراثیم کو جنم دیتا ہے اسی طرح ایک برائی یا عیب بہت سی برائیوں یا عیبوں

کو جنم دیتی ہے۔ قرآن کریم نے منافقین کا وہ عیب بیان کیا جو تمام عیوب کی جڑ ہے کہ وہ اللہ کو اور ایمان والوں کو دھوکا دیتے ہیں۔ بس اس دھوکہ دہی کی کوشش میں انہیں ہر وہ کام کرنا پڑتا ہے جس سے وہ کامیاب ہو سکیں۔ جھوٹ بولتے ہیں، وعدہ خلافی کرتے ہیں، امانت میں خیانت کرتے ہیں، ایذا رسانی کا طریقہ اختیار کرتے ہیں۔ نتیجتاً وہ برائیوں کا ایسا پلندہ بن جاتے ہیں جن سے اللہ بھی نفرت کرتا ہے، اللہ کا رسول بھی اور مسلمان بھی۔ غور تو کیجئے ان کی دھوکہ دہی کی عادت نے ان کو کیسا ذلیل و خوار کر دیا۔ اللہ ہمیں ایسے تمام عیوب سے بچائے جو صرف منافقین کی علامت ہیں۔ منافقین کی اس حالت کا سبب یہ ہے کہ:

فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ ۖ فَزَادَهُمُ اللَّهُ مَرَضًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۚ لِّمَا كَانُوا يَكْذِبُونَ

ان کے دلوں میں بیماری ہے پھر بڑھادی اللہ نے ان کی بیماری اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے کیونکہ وہ جھوٹ بولا کرتے تھے۔

جس طرح انسان کا جسم بیمار ہوتا ہے اسی طرح اس کی روح کو بھی امراض لاحق ہوتے ہیں۔ روحانی امراض کفر و شرک یا حسد و عناد ہے جس کے باعث بغض و کینہ جیسی مہلک بیماریاں پیدا ہوتی ہیں پھر جس طرح علاج نہ کرنے یا ڈاکٹر کی ہدایات پر عمل نہ کرنے کے باعث جسمانی امراض بڑھتے رہتے ہیں اور ایک مرحلہ پر پہنچ کر مریض لا علاج ہو جاتا ہے اسی طرح اگر روحانی امراض کا علاج نہ کیا جائے اور معالج کی ہدایات پر عمل نہ کیا جائے تو ایک مقررہ وقت کے بعد انسان کی روح میں کسی ہدایت کے قبول کرنے کی صلاحیت نہیں رہتی جیسا کہ قرآن کریم فرماتا ہے: ”خَتَمَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَعَلَىٰ سَمْعِهِمْ“ وَعَلَىٰ أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ مہر لگا دی ہے اللہ نے ان (کفار) کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے۔ یعنی بعض کافروں کا کفر و شرک اس انتہاء کو پہنچ چکا ہے کہ ان میں قبول حق کی استعداد و صلاحیت ہی نہیں رہی۔ لہذا انہیں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے راہ ہدایت سے محروم کر دیا گیا۔ اب صرف یہ جہنم کا ایندھن ہی رہ گئے ہیں۔ یہی حال منافقین کا ہوا کہ ان ظالموں کو دھوکہ دہی اور دیگر امراض سے بچنے کی ہر چند ہدایت کی گئی لیکن یہ اسلام اور مسلمانوں کی ترقی دیکھ کر دن بدن زیادہ ہی حسد میں مبتلا ہوتے رہے۔ اسلام کے خلاف ان کی سازشیں بڑھتی ہی رہیں۔ پس ان کا روحانی مرض بڑھا، خوب بڑھا اور وہ دردناک عذاب کے مستحق قرار دے دیئے گئے ان کے مرض کی انتہا یہ ہوئی کہ یہ اپنے کرتوتوں، اپنی بد عملیوں ہی کو صلاحیت قرار دینے لگے۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ قَالُوا إِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُونَ ۖ أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ

الْمُفْسِدُونَ وَلَكِنْ لَا يَشْعُرُونَ

اور جب انہیں کہا جائے فساد مت پھیلاؤ زمین میں تو کہتے ہیں ہم ہی تو سنوارنے والے ہیں ہوشیار! وہی فساد ہی ہیں لیکن سمجھتے نہیں۔

یہ منافق مسلمانوں کو آپس میں لڑانے، ان میں انتشار پیدا کرنے میں مصروف رہتے ہیں، برائیاں کرنا اور برائیوں کو پھیلانا ان کا شیوہ ہے اور جب داعی حق انہیں ان بد کاریوں سے روکتا ہے تو یہ اپنے عیوب پر غور کرنے کی بجائے اپنے آپ

کو مصلح اور رہبر قرار دیتے ہیں۔ پس اللہ واضح اعلان فرماتا ہے کہ یہ لوگ مفسد ہیں انہیں ہوش ہی نہیں کہ وہ کیا کر رہے ہیں کہ ان کا شعور و احساس ختم ہو چکا۔ یہ اس قدر روحانی امراض میں مبتلا ہو چکے ہیں اور ان کے امراض اتنے بڑھ چکے کہ اب لا علاج ہو گئے ہیں۔ پس اہل ایمان کو چاہئے کہ وہ ان سے اپنے آپ کو دور رکھیں اور ان کی دھوکہ دہی میں مبتلا نہ ہوں اور سنو ان احمقوں کا حال یہ ہے کہ:

وَإِذْ قِيلَ لَهُمُ امْكُثُوا كَمَا آمَنَ النَّاسُ قَالُوا أَنُؤْمِنُ مِنْ كَمَا آمَنَ السُّفَهَاءُ ۗ أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَاءُ وَ  
لَكِنْ لَا يَعْلَمُونَ

اور جب انہیں کہا جائے کہ ایمان لاؤ جیسے ایمان لائے (اور) لوگ تو کہتے ہیں کیا ہم ایمان لائیں جس طرح بیوقوف ایمان لائے خبردار بیشک وہی احمق ہیں مگر وہ جانتے نہیں۔

انسان کی فطرت ہے کہ وہ اپنے عیبوں اور برائیوں کو نہ صرف یہ کہ وہ تسلیم نہیں کرتا بلکہ ان ہی کو اپنا کمال جانتا ہے چور کب اپنے آپ کو چور کہے گا، بہرہ کب تسلیم کرے گا کہ وہ بہرا ہے، اندھا جب بھی کسی سے ٹکراتا ہے تو یہی کہتا ہے کہ کیا تمہیں نظر نہیں آتا اسی طرح احمق و بیوقوف اپنے سے زیادہ کسی کو عقلمند سمجھ کر تسلیم نہیں کر سکتا۔ یہی حال منافقین کا تھا کہ جب انہیں فتنہ و فساد سے منع کیا گیا تو انہوں نے مصلح اور رہبر ہونے کا دعویٰ کیا اور جب انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی گئی تو انہوں نے یہ شرف حاصل کرنے والوں کو بیوقوف کہا۔ آج بھی آپ ایسے بہت سے لوگ پائیں گے جو صرف اپنے آپ ہی کو عقلمند کہتے ہیں اور دوسروں کو احمق۔ کیا دولت کے نشہ میں بدکاروں اور بدکرداروں سے آپ نے نہیں سنا کہ دین کی پابندی کرنے والوں پر وہ کیسے تیر برساتے اور انہیں احمق سمجھتے ہیں، بے ایمان تاجر ایک دیانتدار تاجر کو ہمیشہ بیوقوف ہی کہتا ہے رشوت خور، حلال روزی پر گزارہ کرنے والوں کو ہمیشہ یہی نصیحت کرتا ہے کہ بھائی زمانہ کے ساتھ چلو، میری طرح مزے کرو گے ورنہ بیوی بچوں کا پیٹ بھی نہیں پال سکتے۔ یہی حال ہر بے دین کا ہوتا ہے کہ وہ دینداروں کو حقیر و ذلیل اور احمق ہی جانتے ہیں لیکن حقیقت وہی ہے جس کا اللہ اعلان فرماتا ہے: ”اَلَا اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَاۗءُ وَلٰكِنْ لَا يَعْلَمُوْنَ“ بیوقوف تو یہی ہیں لیکن جانتے نہیں مانتے نہیں۔ پس اہل ایمان اہل تقویٰ کو دیندار اور صالحین کو ان احمقوں کی باتوں سے دل برداشتہ نہیں ہونا چاہئے۔ دنیا انہیں جتنا بیوقوف کہے انہیں اتنی ہی اللہ و رسول کی اطاعت و فرمانبرداری کرنا چاہئے کہ احمق تو وہ ہے جسے خود اس کا خالق احمق کہہ رہا ہے انہیں حال پر شرمندہ ہونا اور رونا چاہئے جبکہ نیکوکاروں کے لئے اس سے بڑی نعمت اور مسرت کیا ہو سکتی ہے کہ ان کے رب کریم نے ان کی عقل و دانش پر مہر تصدیق ثبت فرمادنی۔

وَإِذْ يَقُولُ الَّذِينَ آمَنُوا أَقَالُوا آمَنَّا وَإِذَا خَلَوْا إِلَىٰ شَيَاطِينِهِمْ قَالُوا إِنَّمَا مَعَكُمْ إِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزَؤُونَ ۝ اللَّهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ

اور جب ملتے ہیں ایمان والوں سے تو کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے ہیں اور جب اکیلے ہوتے اپنے شیطانوں کے پاس تو کہتے ہیں ہم تمہارے ساتھ ہیں ہم تو صرف (ان کا) مذاق اڑا رہے تھے اللہ سزا



دے رہا ہے انہیں اس مذاق کی اور ڈھیل دیتا ہے انہیں تاکہ اپنی سرکش میں بھٹکتے رہیں۔

ان کی دھوکہ دہی اور حماقت کا مزید حال یہ ہے کہ جب یہ اہل ایمان کے پاس آتے اور مسلمانوں سے ملتے ہیں تو انہیں اپنے ایمان اور مسلمان ہونے کا یقین دلاتے ہیں تاکہ مسلمانوں کی ہمدردیاں حاصل کر سکیں اور ان کے حلقوں میں بیٹھ کر ان کے راز معلوم کریں اور ان کے خلاف مزید سازشیں کریں اور جب یہ اپنے شیطان ساتھیوں میں پہنچتے ہیں تو انہیں مطمئن کرنے اور خوش رکھنے کے لئے ان سے کہتے ہیں کہ ہم تم تو ایک ہیں۔ مسلمانوں کے پاس تو ہم صرف مسخر اپن کرنے کے لئے چلے جاتے ہیں۔ اللہ اہل ایمان کو خبر دیتا ہے کہ انہیں مسلمانوں کا مذاق بنانے کی سزا مل رہی ہے۔ جلد ہی ایک دن آنے والا ہے کہ یہ خود لوگوں کے لئے مذاق بنا دیئے جائیں گے۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرُوا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى ۖ فَمَا رَبِّحَتْ تِجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے خرید لی گمراہی ہدایت کے بدلے مگر نفع بخش نہ ہوئی ان کی تجارت اور وہ صحیح راہ نہ جانتے تھے۔

ان ظالموں نے کفر کو پسند کیا اسے اختیار کیا اور حق کو چھوڑا دوزخی پالیسی اختیار کی، رحمن و شیطان دونوں کو خوش کرنا چاہا لیکن وہ کہیں کے نہ رہے۔ مسلمانوں سے بھی فائدہ حاصل نہ کر سکے اور کافروں میں بھی انہیں عزت نہ مل سکی اور آخرت میں ان کا انجام کافروں سے بھی بدتر ہوگا۔ فرمایا گیا:

إِنَّ السُّفٰقِيْنَ فِي الدَّرٰكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّٰرِ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا ۝۱۰

بیشک منافق سب سے نچلے طبقہ میں ہوں گے دوزخ (کے طبقوں) سے اور ہرگز نہ پائے گا تو ان کا کوئی مددگار۔

منافقین کی اس حالت کی واضح وجہ ظاہر ہے کہ ان کا نفاق ہے جس کا سبب دولت و عزت کی حرص اور عیش و آرام پسندی کے سوا کچھ نہیں۔ درحقیقت منافقین کا وجود ہی ہوا و ہوس کی بنیاد پر عمل میں آیا کہ ہجرت سے چند سال قبل مقام بعاث پر اوس و خزرج کے درمیان ایک ہولناک جنگ نے تمام اہل مدینہ کو ہلا کر رکھ دیا اور وہ اپنے آپ کو منظم کرنے اور اپنا ایک قائد منتخب کرنے پر مجبور ہو گئے اور بڑی ہی تگ و دو کے بعد بالآخر عبداللہ بن ابی کو انہوں نے منتخب کیا اور طے پایا کہ ایک عظیم الشان تقریب میں عبداللہ کی تاج پوشی ہوگی اور باقاعدہ اس کی بادشاہت کا اعلان کیا جائے گا۔ تقریب کی تیاریاں شروع ہوئیں، عبداللہ کے لئے سنار کے پاس شاہی تاج تیار ہو رہا تھا کہ اسی دوران مدینہ پر اللہ کے نور کی شعاعیں پڑنے لگیں۔ تبلیغ اسلام کا آغاز ہوا حتیٰ کہ نبی آخر الزمان ﷺ کی آمد آمد کی خبریں گشت کرنے لگیں اور لوگ رسم تاج پوشی کے اہتمام کی بجائے اپنے آقا ﷺ کے استقبال کی تیاریوں میں مصروف ہو گئے۔ جب یہ صورت حال عبداللہ بن ابی کو معلوم ہوئی تو وہ شپٹا گیا۔ آقا ﷺ کی تشریف آوری کے بعد اوس و خزرج کے تقریباً تمام لوگ مشرف باسلام ہو گئے۔ جس کے بعد عبداللہ کے لئے

بھی اسلام قبول کر لینے کے سوا کوئی چارہ کار نہ رہا یہ مسلمان تو ہو گیا لیکن اس کا دل حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام، اہل ایمان اور اسلام کے خلاف بغض و عناد سے بھرا ہوا تھا۔ یہ ہمہ وقت حسد کی آگ میں تڑپتا رہتا اور اسلام کے خلاف کوئی نہ کوئی سازش تیار کرنے میں مصروف رہتا تھا۔ اس منافق اول کے ارد گرد اس کے چیلوں کا ہجوم رہتا تھا۔ یہی وہ لوگ ہیں جو مسلمانوں میں آکر اپنے اسلام کا ڈنکا بجاتے تھے اور جب اپنے شیطانوں میں پہنچتے تو کہتے: ”إِنَّا مَعَكُمْ إِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِؤْنَ“ ہم تو تمہارے ساتھ ہیں اور مسلمانوں سے تو ہم مسخرہ پن کر رہے تھے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں قرآن کریم منافق کہتا ہے اور اللہ رب العزت نے ان کا حال اپنے محبوب ﷺ کو بتایا تا کہ آپ ان کی سازشوں پر نظر رکھیں۔

منافقین اسلام اور مسلمانوں کے لئے کس قدر خطرناک ہیں۔ اس کا اندازہ اس بات سے کیا جاسکتا ہے کہ قرآن کریم نے متعدد مقامات پر ان کا حال بیان فرمایا نیز پوری سورۃ المنافقون ان کی سازشوں کو بیان کرنے کے لئے نازل کی گئی۔ جس کے آخر میں اہل ایمان کو خصوصی خطاب سے نوازا گیا اور تاکید کی گئی کہ تم منافقین کی طرح غافل نہ ہو جانا بلکہ اپنے ایمان کو تازہ رکھنا اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت و فرمانبرداری کرتے رہنا۔ لیجئے ان آیات کا بغور مطالعہ کیجئے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُلْهِكُمْ أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَمَنْ يَفْعَلْ  
ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ

اے ایمان والو! تمہیں غافل نہ کر دیں تمہارے اموال اور نہ تمہاری اولاد اللہ کے ذکر سے اور جنہوں نے ایسا کیا تو وہی لوگ گھائے میں ہوں گے۔

رب کریم جل جلالہ ہرگز پسند نہیں فرماتا کہ اس کے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے غلام نفاق جیسے مہلک مرض میں مبتلا ہو کر دنیا و آخرت میں ذلیل و خوار ہوں۔ پس وہ نہایت ہی پیارے انداز میں اہل ایمان کو ہدایت فرما رہا ہے کہ تم منافقین کی طرح اموال کی حرص اور اولاد کی محبت میں مبتلا ہو کر اپنے رب کے ذکر سے کبھی غافل نہ ہونا کیونکہ یہی دو چیزیں ہیں جو انسان کو بہت جلد راہ ہدایت سے دور کر دیتی اور اسے اپنا گرویدہ بنا کر اللہ و رسول کا باغی و نافرمان بنا دیتی ہیں۔ وہ اتنا خود غرض ہو جاتا ہے کہ اسے اپنے مفاد کے سوا کچھ نظر نہیں آتا، وہ اتنا مغرور و متکبر ہو جاتا ہے کہ اس کی نظروں میں سب حقیر و خوار ہو جاتے ہیں، وہ اتنا گھمنڈی ہو جاتا ہے کہ سب کو احمق اور بیوقوف سمجھنے لگتا ہے کبھی اسے خیال تک نہیں آتا کہ وہ خسارے اور نقصان کی راہ پر چل رہا ہے یا ترقی کی منزل کی طرف بڑھ رہا ہے۔

اموال و اولاد

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ مال و اولاد دونوں اللہ کی نعمتیں ہیں، دونوں ہی دنیا و آخرت کی کامیابی کا ذریعہ ہیں، دونوں ہی اللہ و رسول سے قرب کا وسیلہ بھی ہیں۔ دونوں کے حصول کے لئے انبیاء و مرسلین اور اولیاء و صالحین قرآن کریم کے سکھائے ہوئے طریقہ کے مطابق دعائیں کرتے رہے۔ اسی لئے شریعت مطہرہ نے محنت و مشقت کے ساتھ حصول دولت کی کوئی حد مقرر نہیں کی نہ ہی اس کے خرچ کرنے پر کوئی پابندی عائد کی کہ یہ تو اللہ کا فضل ہے جس کو حاصل کرنا

عبادت اور خرچ کرنا باعث اجر و ثواب ہے جبکہ اس کی کمی یعنی غربت بے شمار فتنوں کا باعث بنتی ہے۔ اسی لئے معاشرے سے غربت کا خاتمہ اہل ثروت کی اہم ذمہ داری قرار دی گئی ہے۔ دولت ہی سے بعض ایسے امور انجام پاتے ہیں جو صدقہ جاریہ بن جاتے ہیں۔

اسی طرح اولاد کے حصول کے لئے تاکید نکاح کا حکم دیا گیا اور بعد نکاح جنسی عمل کو بھی باعث اجر و ثواب قرار دیا گیا شوہر و بیوی کے حقوق کا تعین کیا گیا اور دونوں کو ایک دوسرے کے حقوق کی ادائیگی کی تاکید کی گئی۔ اہل و عیال پر جو کچھ خرچ کیا جاتا ہے وہ صرف دنیاوی عمل نہیں بلکہ وہ صدقہ ہے جو تمام اقسام کے دیگر صدقات سے افضل و اعلیٰ اور باعتبار اجر و ثواب سب سے زیادہ ہے۔ غربت و تنگدستی کی بناء پر قتل اولاد (برتھ کنٹرول) حرام قرار دیا گیا۔ صاحب شریعت ﷺ نے بکثرت اولاد پیدا کرنے کا حکم دیا تاکہ روز قیامت آپ اپنی امت کی کثرت پر فخر فرمائیں۔ اولاد، والدین کی مغفرت و بخشش کا ذریعہ بنتی اور صدقہ جاریہ ہو جاتی ہے۔

لیکن یہ اس دولت کی بات ہے جو شرعی احکام کی پابندی کرتے ہوئے کمائی جائے اور اس اولاد کی بات ہے جس کی اللہ و رسول کے ارشادات کے مطابق پرورش کی جائے اور تربیت دی جائے جسے صرف انسان نہیں بلکہ مسلمان اور مؤمن کامل بنایا جائے۔ ایسی دولت و اولاد کی کثرت باعث برکت و نجات ہے جسے اللہ کی یہ نعمت حاصل ہو گئی وہ شخص بڑا ہی خوش نصیب ہے وہ کبھی اللہ کی یاد سے غافل نہیں ہو سکتا۔ اس میں کبھی منافقوں جیسی عادات و اطوار پیدا نہیں ہو سکتے۔ ایسا شخص تو معاشرے کا محسن ہے اللہ اس پر دنیا و آخرت میں ضرور کرم فرمائے گا۔

وہ دولت جو خلاف شرع ذرائع سے حاصل کی جائے مثلاً رشوت، جھوٹ، فریب اور مکاری کی کمائی اور اس سے غرور و تکبر پیدا ہو اور وہ اولاد جس کی صحیح تربیت نہ کی جائے، دینی تعلیم نہ دی جائے، دیندار نہ بنایا جائے صرف جانوروں کی طرح پال پوس کر بڑا کر دیا جائے اور اسی پر گھمنڈ ہو یہی اموال و اولاد ہے جسے قرآن کریم خسارہ و نقصان قرار دیتا ہے۔ ملاحظہ ہو چند آیات مبارکہ:

وَمَا أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ بِآتِنِي تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفَىٰ إِلَّا مَنَٰمِنٌ وَمَنٌ صَّالِحٌ

(سبا: ۳)

فَأُولَٰئِكَ لَهُمْ جَزَاءُ الضَّعِيفِ بِمَا عَمِلُوا وَهُمْ فِي الْغُرُفَاتِ آمِنُونَ

(یادرکھو) نہ تمہارے مال اور نہ ہی تمہاری اولاد ایسی چیزیں ہیں جو تمہیں ہمارا قرب بخش دیں مگر جو ایمان لایا اور نیک عمل کرتا رہا (اسے ہی ہمارا قرب نصیب ہوگا) پس یہی لوگ ہیں جن کے لئے دو گنا

بدلہ ہے ان کے اعمال کا اور وہ بالا خانوں میں امن و امان سے رہیں گے۔

إِعْلَمُوا أَنَّمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَلَهُمْ زِينَةٌ وَتَفَاخُرٌ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْأَمْوَالِ وَ

(حدید: ۲۰)

الْأَوْلَادِ

خوب جان لو کہ دنیاوی زندگی محض کھیل تماشا اور (سامان) آرائش ہے اور آپس میں (نسل و نسب پر)

اترانا اور ایک دوسرے سے زیادہ مال اور اولاد حاصل کرنا ہے۔

لَنْ تَنفَعَكُمْ أَرْحَامُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ يُفْصَلُ بَيْنَكُمْ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ  
(الممتحنہ: ۳)

نہ نفع پہنچائیں گے تمہیں تمہارے رشتہ دار اور نہ تمہاری اولاد روز قیامت اللہ تعالیٰ جدائی کر دے گا تمہارے درمیان اور اللہ جو تم کر رہے ہو خوب دیکھنے والا ہے۔

یہی اموال و اولاد ہیں جو حریص انسان کو ذکر الہی، عبادت الہی اور اطاعت الہی سے غافل کر دیتے ہیں جو نفاق کا سبب بنتا ہے۔ اللہ اہل ایمان کو ہدایت فرماتا ہے کہ مال و اولاد کی کثرت کے باوجود بھی تم کبھی ہماری یاد سے غافل نہ ہونا ورنہ یہ نعمت تمہارے لئے مصیبت بن جائے گی جو نہایت ہی خسارے اور نقصان کا سودا رہے گا اور نفع والا سودا یہ ہے کہ:

وَأَنْفِقُوا مِنْ مَّا رَزَقْنَاكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَّ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ

اور خرچ کر لو اس رزق سے جو ہم نے تمہیں دیا اس سے پہلے کہ آجائے تم میں سے کسی کے پاس موت۔

دولت خرچ کرنے سے کم نہیں ہوتی بلکہ بڑھتی ہے، زیادہ ہوتی ہے۔ بروایت حضرت اسماء رضی اللہ عنہا میرے آقا ﷺ کا ارشاد ہے: ”أَنْفِقْ وَلَا تُحْصِ“ بغیر گئے خرچ کرو۔ ”فِيْحْصِي اللّٰهُ عَلَيْكَ“ اللہ تمہیں بے حساب دے گا۔ ”وَلَا تُوعِیْ فَبُوعِی اللّٰهُ عَلَيْكَ“ اور (دولت) مت روکو ورنہ اللہ تم پر روک دے گا۔ ”ارْضَحْیْ مَا اسْتَطَعْتَ“ جس قدر ہو سکے خیرات کرو۔ اور بروایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ آپ نے فرمایا: ”قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی اَنْفِقْ يَا بَنَیْ اٰدَمَ اَنْفِقْ عَلَيْكَ“ اللہ کا ارشاد ہے: اے ابن آدم خرچ کر تجھ پر خرچ کیا جائے گا۔ روایت ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ”اَلَا اُخْبِرُكُمْ بِشَرِّ النَّاسِ مَنْزِلًا“ کیا میں تمہیں لوگوں میں سے بدترین شخص کا پتہ بتاؤں۔ ”قِيلَ نَعَمْ“ عرض کیا گیا۔ ”جی“ قَالَ الَّذِیْ یُسْنَلُ بِاللّٰهِ وَلَا یُعْطٰی بِهِ“ فرمایا: وہ شخص (بدترین ہے) جس سے اللہ کے نام پر کچھ مانگا جائے اور وہ سائل کو نہ دے۔ نیز حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے: ”السَّخِیُّ قَرِیْبٌ مِنَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ مِنَ الْجَنَّةِ قَرِیْبٌ مِنَ النَّاسِ بَعِیْدٌ مِنَ النَّارِ“ نخی اللہ سے قریب ہوتا ہے، جنت سے قریب ہوتا ہے، لوگوں سے قریب ہوتا ہے، جہنم سے دور ہوتا ہے۔ ”وَالْبَخِیْلُ بَعِیْدٌ مِنَ اللّٰهِ، بَعِیْدٌ مِنَ الْجَنَّةِ، بَعِیْدٌ مِنَ النَّاسِ، قَرِیْبٌ مِنَ النَّارِ“ اور کنجوس اللہ سے دور ہے، جنت سے دور ہے، لوگوں سے دور ہے اور جہنم سے قریب ہے۔ ”وَلِجَاهِلٍ سَخِیٌّ اَحَبُّ اِلٰی اللّٰهِ مِنْ عَابِدٍ بَخِیْلٍ“ اور جاہل نخی اللہ کو کنجوس عبادت گزار سے زیادہ محبوب و پیارا ہے۔

پس تمہیں ہدایت کی جارہی ہے کہ اللہ کی دی ہوئی دولت کو خوب خرچ کرو، جتنی خرچ کرو گے اتنی ہی زیادہ ملے گی، بے حساب خرچ کرو، بے حساب پاؤ گے، اللہ خوش ہوگا، اللہ کا رسول خوش ہوگا۔ لوگ مرتے ہی تمہیں جنتی کہیں گے، لوگ تمہاری عزت کریں گے، جہنم کی آگ سے تم دور رہو گے، بڑا ہی اچھا سودا ہے یہ خوب خرچ کرو پچھتاوے کے وقت سے پہلے

خرچ کر لو کہیں ایسا نہ ہو کہ موت آجائے، نزع کی کیفیت ہو۔ کاش مجھے کچھ موقع مل جائے تو میں خوب خرچ کروں، صدقہ و خیرات کروں، نیکیاں کروں اور صالحین میں شامل ہو جاؤں، اب واویلا بیکار ہے، اب پچھتانا فضول ہے، اب تو توبہ کا دروازہ بھی بند ہو چکا۔ کیا تمہیں قرآن کریم نے نہیں بتایا کہ جب فرعون غرق ہونے لگا تو اسے اپنی اوقات کا پتہ چلا اب وہ چلایا: ”أَمِنْتُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا الَّذِي آمَنْتُ بِهِ بَنُو إِسْرَآءِيلَ وَأَنَا مِنَ الْمُسْلِمِينَ“ میں ایمان لایا کہ کوئی معبود نہیں سوائے اس کے جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے تھے اور (میں اعلان کرتا ہوں کہ) میں مسلمان ہوں لیکن اب وقت گزر چکا تھا۔ پس صاف صاف جواب ملا: ”الْثَنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِينَ“ کیا اب اور اس سے پہلے تو (ساری زندگی) نافرمانی کرتا اور فساد پھیلاتا رہا۔

دوستو! ہمارا رب بڑا ہی رحیم و کریم ہے کہ ہمیں پہلے ہی سے آگاہ کر رہا ہے کہ اگر تم نے موت کے وقت آرزو کی کہ صدقہ و خیرات اور نیکیوں کے لئے کچھ مہلت مل جائے تو یہ آرزو پوری نہ ہو سکے گی کہ ہمارا قانون پہلے ہی نافذ ہو چکا ہے کہ ”لَنْ يُؤَخِّرَ اللَّهُ نَفْسًا إِذَا جَاءَ أَجَلُهَا“ کہ اللہ کسی کو مہلت نہیں دیتا جب اس کی موت کا وقت آجائے اور ہم نے تمہیں اپنا یہ اصول بھی بتا دیا ہے کہ ”لَا تَبْدِيلَ لِكَلِمَاتِ اللَّهِ“ کہ اللہ کے فیصلے بدلا نہیں کرتے۔ پس جس کی موت کا وقت آچکا اسے مہلت کے لئے واویلا کرنا بیکار ہے جو کچھ کرنا ہے اس وقت مقررہ سے پہلے کر لو ضرور اجر ملے گا۔

وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ اور اللہ تمہارے تمام کاموں کو خوب جانتا ہے۔

وَصَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَى خَيْرِ خَلْقِهِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

## ”سورة التغابن“

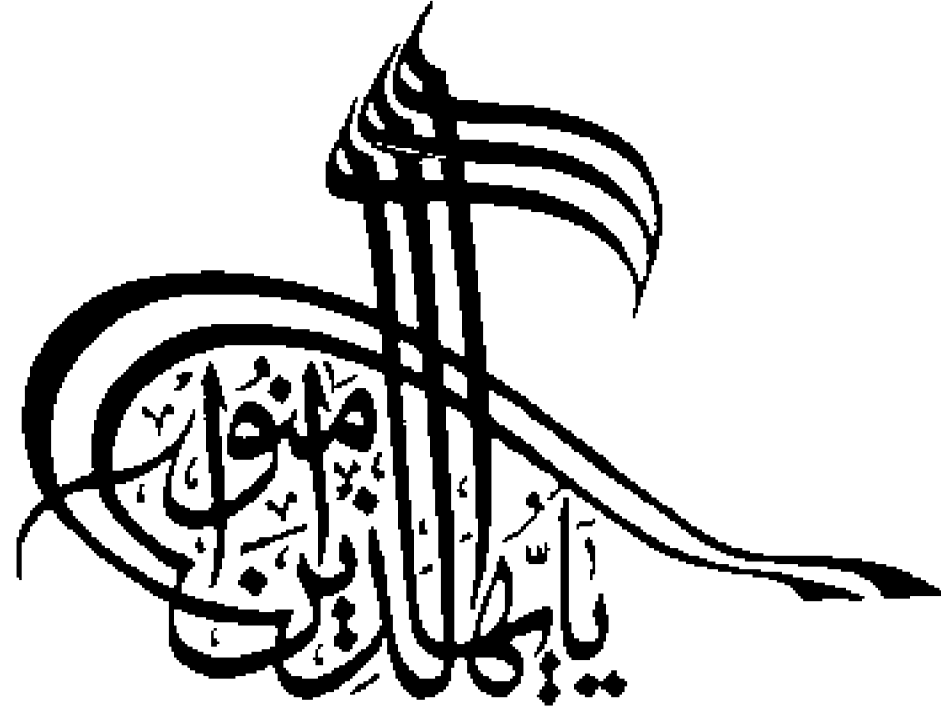
آیات نمبر

14 تا 18

مقالہ نمبر

88

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ



## مقالہ ۸۸

### التغابن: ۱۲ تا ۱۸

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ مِنْ أَرْوَاحِكُمْ وَأَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَكُمْ فَاحْذَرُوهُمْ ۚ وَإِنْ تَعَفَّوْا وَتَصَفَّحُوا وَتَغْفِرُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝ إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۚ وَاللَّهُ عِنْدَهُ أَجْرٌ عَظِيمٌ ۝ فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوا وَأَطِيعُوا وَأَنْفِقُوا خَيْرًا لِأَنْفُسِكُمْ ۚ وَمَنْ يُوقِ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝ إِنْ تُقْرِضُوا اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضْعِفْهُ لَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۚ وَاللَّهُ شَكُورٌ حَلِيمٌ ۝ عَلِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ①

(التغابن: ۱۲ تا ۱۸)

اے ایمان والو! تمہاری کچھ بیویاں اور تمہارے بچے تمہارے دشمن ہیں پس ان سے ہوشیار رہو اور اگر تم عفو و درگزر سے کام لو اور بخش دو تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے بے شک تمہارے مال اور تمہاری اولاد بڑی آزمائش ہیں اور اللہ ہی ہے جس کے پاس اجر عظیم ہے پس ڈرتے رہو اللہ سے جتنی تمہاری

استطاعت ہے اور اللہ (کا حکم) سنو اور اسے مانو اور خرچ کرو (اس کی راہ میں) یہ بہتر ہے تمہارے لئے اور جنہیں بچا لیا گیا ان کے نفس کے بخل سے تو یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں اگر تم اللہ تعالیٰ کو قرض حسن دو تو وہ اسے کئی گناہ کر دے گا اور تمہیں بخش دے گا اور اللہ تعالیٰ بڑا قدر داں (اور) بہت حلم والا ہے ہر نہاں اور عیاں کا جاننے والا ہے سب پر غالب بڑا دانا ہے۔

سورہ تغابن کی ان آیات مبارکہ میں اہل ایمان کو بیوی اور بچوں کی عداوت سے باخبر کیا جا رہا ہے لیکن اس کے باوجود ان کے ساتھ تسامح اور درگزر کرنے کی ہدایت کی جا رہی ہے۔ نیز بتایا جا رہا ہے کہ اموال و اولاد درحقیقت ایک آزمائش ہیں جس میں کامیابی کے لئے تمہیں حتیٰ الوسع کوشش کرنا چاہئے اور زندگی کے ہر مرحلہ میں اللہ و رسول کی بات سننا اور ماننا چاہئے۔ نیز اپنی دولت اللہ کی راہ میں خرچ کرتے رہا کرو کہ تمہاری بھلائی اسی میں ہے اور یہی کامیابی و کامرانی کا ذریعہ ہے جو کچھ تم اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہو وہ اللہ کے لئے قرض حسن ہے، جو دولت میں اضافہ اور گناہوں کی بخشش کا ذریعہ ہے کہ اللہ اپنے بندوں کے اعمال کی قدر کرتا ہے اس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے وہ ظاہر و باطن کا جاننے والا ہے بڑی ہی قوت والا حکمت والا ہے۔

### بیوی بچوں کی دشمنی

قرآن کریم بتا رہا ہے کہ ہمارے بیوی بچے بھی ہمارے دشمن ہو سکتے ہیں لہذا ”فَاخْذُوا مِنْهُمْ“ ان سے ہوشیاد ہو۔ حیرت ہے کیا کسی کی بیوی بھی دشمن ہو سکتی ہے، کیا اولاد بھی دشمن ہو سکتی ہے جو اپنا ہی خون ہے کیسے دشمن ہو سکتے ہیں یہ سب حیرت کی بات ہے۔ اللہ خبر دے رہا ہے جو بلاشبہ حق اور سچ ہے۔ آئیے سوچیں یہ دشمنی کس طرح ہوتی ہے لیکن یہ بات عام نہیں یعنی ہر بیوی اور ہر اولاد دشمن نہیں ہوتی۔ اسی لئے ”مِنْ أَزْوَاجِكُمْ وَأَوْلَادِكُمْ“ فرمایا گیا یعنی بعض عورتیں اپنے شوہروں کی اور بعض اولاد اپنے والدین کی دشمن ہوتی ہیں۔

عداوت کی ایک صورت یہ ہے کہ مرد نیک ہو، متقی ہو اور بیوی آزاد خیال، بے دین اور بے نمازی ہو اور اولاد بھی اپنی ماں کے نقش قدم پر چلتی ہو۔ یہ سب مل کر اپنے سر پرست کی نیکیوں کی مخالفت کرتے ہوں اور اس کا کوئی حکم ماننے کے لئے تیار نہ ہوں۔ مرد، بیوی اور بیٹی سے پردہ کرنے اور برقعہ اوڑھ کر باہر جانے کو کہتا ہے اور یہ عریانی و فحاشی میں مگن رہتے ہیں۔ مرد نماز کی پابندی کرانا چاہتا ہو اور یہ کبھی سجدہ کرنے پر آمادہ نہ ہوں۔ ظاہر ہے یہ صورت حال گھر کو میدان کارزار بنائے ہوئے ہوگی، مرد تنہا پریشان ہوگا، سب گھر والے مل کر اس سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتے ہوں گے۔ ایسے شخص کی عزت و آبرو کو ہر وقت خطرہ ہی خطرہ رہتا ہے۔

عداوت کی دوسری صورت یہ ہے کہ مرد غریب ہو بمشکل تمام بیوی، بچوں کا پیٹ پالتا ہو اور بیوی بچے محلہ کے خوشحال لوگوں کو دیکھ کر اس غریب سے طرح طرح کے مطالبہ کرتے رہتے ہوں، عیش اور عیاشی چاہتے ہوں اسے رشوت، مکر و فریب اور دیگر حرام ذرائع سے دولت کمانے پر آمادہ کرتے ہوں اور یہ گھر کے ان شیطانوں سے برسر پیکار ہو اور اس کا اپنا شیطان بھی



اسے گا ہے بگا ہے اہل خانہ کے مطالبات پورے کرنے پر آمادہ کرتا ہو اور سب مل کر اس کے ایمان کو تباہ کر دینا چاہتے ہوں ان سب سے بڑھ کر اور کون دشمن ہو سکتا ہے۔

عداوت کی تیسری صورت یہ ہے کہ مرد دولت مند ہو لیکن نیک ہو، اہل خانہ کی تمام ضروریات نہایت اچھی طرح فراخی سے پوری کرتا ہو صرف انہیں عیاشی اور اللہ و رسول کی نافرمانی سے روکتا ہو وہ ان سے شریعت کی پابندی کا مطالبہ کرتا ہو لیکن بیوی بچے اس کی یہ بات ماننے کے لئے تیار نہ ہو اور یہ بغاوت اس انتہا کو پہنچ چکی ہو کہ گھر والے بدنصیب اپنے سر پرست اور اپنے محسن کی جان کے دشمن ہو گئے ہوں وہ اس کی موت کے آرزو مند ہوں۔

دوستو! اہل و عیال کی دشمنی صرف لفظی نہیں بلکہ حقیقت میں اس کا وجود ہے۔ آپ نے بھی ایسے گھروں کو دیکھا ہے اور ہمارے حلقہ احباب میں بھی ایسے لوگ موجود ہیں جو اپنے اہل خانہ کی جان و ایمان دشمنی سے تنگ ہیں اور وہ اپنے ہی گھر میں، اپنے ہی بیوی بچوں کے ساتھ لرزتے اور کانپتے زندگی بسر کر رہے ہیں وہ کہتے ہیں کہ چاہے ہماری جان چلی جائے لیکن دعا کیجئے کہ ہمارا ایمان محفوظ رہے۔

واقعی یہ زندگی بڑی ہی اجیرن ہے۔ غربت و دولت دونوں ہی وبال جان ہیں لیکن اس حال میں ایمان کی حفاظت اور دین کی پابندی بڑا جہاد ہے، ایسا شخص بڑے ہی اجر و ثواب کا مستحق ہے۔ مزید برآں اس صورت میں کہ وہ اللہ کے اس ارشاد کی پابندی کرے۔ ”وَإِنْ تَعَفُّواْ وَتَصْفَحُواْ وَتَغْفِرُواْ“ کہ یہ واضح ہو جانے کے باوجود کہ تمہارے گھر والے تمہارے دشمن ہیں تم کوئی ایسا اقدام نہ کرنا جس سے گھر ہی ٹوٹ جائے، بیوی بچے بکھر جائیں نہیں ایسا نہ کرنا بلکہ صبر کرو، برداشت کرو، ان کی غلطیوں کو معاف کرو، ان سے درگزر کرتے رہو اور بخشتے رہو کیونکہ ”فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ“ بیشک اللہ بخشنے والا ہے، رحم فرمانے والا ہے۔

یہ ارشاد قابل غور ہے جن لوگوں نے ایک شخص کی زندگی دو بھر کر دی ہے اسے ہدایت دی جا رہی ہے کہ انہیں معاف کر دو ان سے درگزر کرو اس لئے کہ درحقیقت اسلام ہی وہ دین ہے جو ہر معاملہ کو کسی نہ کسی طرح سدھارنا اور بنانا چاہتا ہے، بگاڑ اور فتنہ و فساد اسلام کے مزاج کے خلاف ہے۔ سوچئے اگر گھر کا سربراہ گھر والوں سے تنگ آ کر انہیں گھر سے نکال باہر کر دے تو موجودہ فساد سے کہیں زیادہ فساد پھا ہوگا۔ بیوی ممکن ہے برائی اور بدکاری میں مبتلا ہو جائے بچے والدین کی تربیت سے محروم ہو جائیں گے اور ایک ان جانی راہ پر چل پڑیں گے جو انہیں معاشرے کا ناسور بھی بنا سکتی ہے۔ ادھر مرد اگر اپنا گھر دوبارہ آباد کرے گا تو کیسے یقین کیا جاسکتا ہے کہ نئی عورت پہلی بیوی سے بہتر ثابت ہو ممکن ہے وہ اس سے بھی بدتر ہو۔ پس عافیت اسی میں ہے کہ انہی بگڑے ہوئے بیوی بچوں کو سدھارا جائے تدبیر اور تدبیر سے کام لیا جائے اللہ سے دعا کی جائے کیا عجب کہ یہی راحت و سکون کا ذریعہ بن جائیں۔

اموال و اولاد فتنہ ہیں

”إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ“ بیشک تمہارے مال اور تمہاری اولاد بڑی آزمائش ہیں۔ یہ بڑا ہی کرم ہے

رب کا کہ اس نے اپنی عطا کردہ نعمتوں کی حقیقت ہم پر واضح کر دی اور بتا دیا کہ یہ نعمتیں تمہاری آزمائش کے لئے تمہیں دی گئی ہیں کیونکہ یہ بڑی پیاری نعمتیں ہیں، دل کو لبھانے والی، پیار و محبت کا مرکز، عزت، شہرت اور راحت و سکون کا ذریعہ اسی لئے تو ہر کوئی ان نعمتوں کو پسند کرتا ہے ان کے پانے کی آرزو کرتا ہے، ان کے حصول کے لئے تگ و دو کرتا ہے۔ دنیا کی اس چہل پہل کی بنیاد اموال و اولاد کی محبت ہی تو ہے۔ دولت کی قدر کسی غریب سے پوچھو اور اولاد کی قدر اس سے معلوم کرو جو اس نعمت سے محروم ہو۔ یہ عظیم نعمت جسے بھی دی گئی ہے وہ سن لے کہ ”یہ فتنہ ہے، آزمائش ہے“ اب دیکھنا ہے کہ کون اس آزمائش میں کامیاب ہوتا ہے اور کون ناکام۔

میرے آقا ﷺ نے اولاد کے بارے میں ارشاد فرمایا: ”مَبْخَلَةٌ مَّجْبَنَةٌ“ کنجوسی اور کمزوری کا ذریعہ اولاد ہی ہے۔ نیز آپ نے بتایا کہ قیامت کے دن ایک شخص کو لوگ دیکھ کر کہیں گے: ”اَكْلَ عِيَالُهُ حَسَنَاتِهِ“ اس شخص کی نیکیوں کو اس کے اہل و عیال کھا گئے۔ بعض بزرگوں کا قول ہے ”اَلْعِيَالُ سُوسُ الطَّاعَاتِ“ بیوی بچے انسان کی نیکیوں کے لئے گھن ہیں، جس طرح گھن غلہ کو کھا جاتا ہے اسی طرح اہل و عیال انسان کی نیکیوں کو کھا جاتے ہیں۔

بہر حال اموال و اولاد آزمائش ہیں کہ جنہیں اللہ نے ان نعمتوں سے محروم رکھا، ان کی بھی آزمائش ہے کہ وہ اللہ کی عطا کردہ ان بے شمار نعمتوں پر اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں یا نہیں جو انہیں نصیب ہیں یا اس محرومی کی وجہ سے وہ مایوس و ناامید ہو کر اللہ و رسول کی اطاعت سے ہی منہ پھیر لیتے ہیں اور یہ ان لوگوں کے لئے بھی آزمائش ہیں جنہیں اللہ نے ان نعمتوں سے نوازا، خوب دولت دی، اچھی حسین و جمیل اور صحت مند اولاد دی۔ پس جس شخص نے مال و اولاد سے متعلق احکام شرعیہ کی پابندی کی اور ان ذمہ داریوں کو نبھایا جو ایک دولت مند اور صاحب اولاد پر عائد کی گئی ہیں تو وہ یقیناً اس آزمائش میں کامیاب ہو گیا اور جو ایسا نہ کر سکا وہ ناکام و نامراد رہا۔

یہ تجزیہ بڑا ہی طویل ہو گا کہ اموال و اولاد سے متعلق احکام شرع کیا ہیں اور جن لوگوں کو اللہ نے ان نعمتوں سے نوازا ہے ان کی ذمہ داریاں کیا ہیں جنہیں پورا کر کے وہ اس امتحان میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔ اس سلسلہ میں ہم چند باتیں عرض کرتے ہیں جو انشاء المولیٰ نہایت مفید ہوگی۔

مال کے متعلق بنیادی شرعی حکم یہ ہے کہ وہ حلال ہو اور حلال ذرائع سے حاصل کیا گیا ہو، محنت و مشقت اور دیانت و ایمان داری سے کمائی ہوئی دولت ہو نہ تو اس کے حصول میں کسی کو دھوکا دیا گیا نہ ہی اسے ظلم و ستم سے چھینا گیا ہو نہ یہ سود، رشوت کی دولت ہو نہ شراب اور دیگر حرام چیزوں کی تجارت کے ذریعہ اسے کمایا گیا ہو۔ بروایت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ میرے آقا ﷺ کا واضح ارشاد ہے: ”لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ جَسَدٌ غُذِيَ بِالْحَرَامِ“ وہ جسم جنت میں داخل نہ ہو سکے گا جسے حرام کھلایا گیا ہو۔ پس حرام کی دولت کسی بھی طرح اس آزمائش میں کامیابی کا ذریعہ نہیں بن سکتی صرف مال حلال ہی کامیابی کا ذریعہ ہو سکتا ہے۔ نیز ضروری ہے کہ مالداران ذمہ داریوں کو بھی پورا کرے جو شریعت مطہرہ نے اہل دولت پر عائد کی ہیں یعنی دولت کمائی جائے لیکن اس سے ایسی محبت نہ ہو کہ اپنی اور اپنے اہل خانہ کی بنیادی ضروریات کو بھی پورا نہ کیا جاسکے۔ زکوٰۃ و

صدقات، خیرات اور دوسرے حق داروں کے حق ادا نہ کئے جاسکیں تو یہ دولت لعنت ہے، وبال جان ہے اور اس کا مالک آزمائش و امتحان میں ناکام و نامراد ہے۔ مختصر یہ ہے کہ حلال مال اللہ و رسول کے احکام کے مطابق خوب کمایا جائے اور خوب خرچ کیا جائے تو اس کا مالک امتحان میں کامیاب و کامران قرار پائے گا۔

اسی طرح اولاد بلاشبہ اللہ کی نعمت ہے لیکن صاحب اولاد ہوتے ہی انسان ایک بڑی آزمائش میں مبتلا ہو جاتا ہے اور اس پر ایک بہت بڑی ذمہ داری آپڑتی ہے۔ اولاد کی پیدائش پر خوشی اور اللہ کا شکر بڑا ہی اچھا عمل ہے لیکن اگر والدین کو اس نئی ذمہ داری کا احساس ہو جائے تو ان کی خوشی تفکرات میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ اس آزمائش میں کامیاب وہی عقلمند ہو سکتا ہے جو اولاد کی پیدائش کے ساتھ ہی اپنی زندگی کو بدل دینے اور اپنی اصلاح کر لینے کا فیصلہ کر لے کیونکہ اب تک وہ اپنی مرضی کی زندگی میں مست تھا لیکن اب وہ اپنی اولاد کے لئے ایک ماڈل ایک نمونہ ہے۔ اس کی اولاد اس کی ایک ایک حرکت کو دیکھے اور والدین ہی کی عادت و اطوار کو اپنائے گی۔ پس اگر والدین ہی لاپرواہی کی زندگی بسر کرتے ہیں، والدین ہی غیر مہذب اور غیر متمدن ہیں، والدین ہی بے دین ہیں تو اولاد خود بخود ماں باپ ہی کی طرح ہوگی مثلاً اگر ماں کو گالیاں بکنے کی عادت ہے تو بچوں میں بھی گالیاں بکنے کی عادت ضرور آئے گی، باپ اگر سگریٹ پیتا ہے تو ضرور بچے بھی اس عادت میں مبتلا ہوں گے، لہذا ضروری ہے کہ والدین اولاد کے پیدا ہوتے ہی اپنی اصلاح کر لیں کہ جب والدین نمازی ہوں گے، والدین قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہوں گے، والدین بڑوں کا احترام کرتے ہوں گے تو یہ تمام خوبیاں بچے خود بخود اپنالیں گے۔ یاد رکھئے بچوں کی تربیت کا ذریعہ صرف تعلیم نہیں بلکہ ان کی تربیت عملی صورت دیکھ کر ہوتی ہے۔ والدین اچھے ہو جائیں تو اولاد خود بخود اچھی ہو جاتی ہے۔ پس جن والدین نے اپنی اولاد کی اچھی تعلیم و تربیت پر توجہ دی اور انہیں ایک اچھا مسلمان بنادیا۔ وہ اس آزمائش میں بلاشبہ کامیاب ہو گئے۔

غرضیکہ اموال و اولاد ”فتنہ“ ہیں آزمائش ہیں۔ اس آزمائش میں وہی کامیاب ہوتا ہے جو احکام شرع کے مطابق ان نعمتوں کو استعمال کرتا ہے اور جو اس آزمائش میں کامیاب رہا اسی کے لئے مژدہ رب ہے۔ ”وَاللّٰهُ عِنْدَهُ اجْرٌ عَظِيمٌ“ کہ اللہ کے پاس اجر عظیم ہے۔ ایسے شخص کو دنیا میں بھی بدلہ ملے گا، بایں صورت کہ اس کی زندگی پر سکون ہوگی، معاشرے میں اسے عزت ملے گی، ہر شخص اسے احترام کی نظروں سے دیکھے گا اور آخرت کے اجر کا تو کوئی اندازہ ہی نہیں کیا جاسکتا۔ بندہ جتنا مخلص ہوگا رب اس پر اتنا ہی مہربان ہوگا ہم تو صرف اتنا جانتے ہیں کہ ”إِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ“ بیشک اللہ نیکوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔

اے ایمان والو! ”فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ“ جتنا ہو سکے اللہ سے ڈرتے رہو۔ رب کا اپنے بندوں پر بڑا ہی کرم ہے کہ وہ استطاعت سے زیادہ کسی پر بوجھ نہیں ڈالتا۔ ”لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا“ اللہ صرف وسعت ہی کے مطابق اطاعت کا حکم دیتا ہے اور وہ یہ بھی خوب جانتا ہے کہ اس کے بندوں کی استطاعت کتنی ہے، لہذا اس کے تمام احکام استطاعت کے عین مطابق ہیں کوئی بندہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ پانچ وقت کی نمازیں یا ایک ماہ کے روزے میری استطاعت کے

مطابق نہیں۔ ایسا ہرگز نہیں ان احکام کی پابندی کرنا ہی ہے ہاں نفلی عبادات میں تمہیں اپنی استطاعت کے تعین کا اختیار ہے۔ حج فرض کے بعد جو جتنے چاہے اپنی استطاعت کے مطابق حج یا عمرے کرے، زکوٰۃ اور صدقات واجبات کے بعد جو جتنی چاہے اپنی استطاعت کے مطابق خیرات کرتا رہے۔ اسی طرح تقویٰ بھی تمہیں استطاعت کے مطابق ہی اختیار کرنے و ہدایت کی جاتی ہے کہ جتنا اللہ کا قرب چاہتے ہو اتنا ہی تقویٰ کی اختیار کرتے رہو، حق تقویٰ یہی ہے۔

اے ایمان والو! ”وَاسْمَعُوا“ اللہ و رسول کے کام بغور سنو۔ ”وَاطِيعُوا“ اللہ و رسول کے احکام کی اطاعت و فرمانبرداری کرو۔ ”وَأَنْفِقُوا“ اور اللہ کی دی ہوئی دولت اللہ کی راہ میں خرچ کرتے رہو۔ واضح رہے کہ ہر نعمت اللہ ہی کی دی ہوئی اور وہ دولت ہی کے مترادف ہے، پیسہ دولت ہے، اولاد دولت ہے، وقت دولت ہے، علم دولت ہے، عقل دولت ہے، وہ تمام چیزیں جو ہمیں حاصل ہیں دولت ہیں اللہ کی دی ہوئی ہیں اور اللہ و رسول کے احکام کے مطابق انہیں استعمال کرنا ان سے فائدہ حاصل کرنا ہی انہیں اللہ کی راہ میں خرچ کرنا ہے۔

”خَيْرًا لِّأَنْفُسِكُمْ“ اللہ کے احکام کو سننا، ماننا اور اللہ کی راہ میں دولت خرچ کرنا ہی تمہارے لئے بہتر ہے، تمہاری بھلائی بغاوت میں ہرگز نہیں، خیر و بھلائی کا ذریعہ اطاعت ہے۔ دنیاوی قانون کے مطابق بھی خیر و بھلائی کا ذریعہ فرمانبرداری ہی ہے۔ وہی لوگ اپنے حکام کی رضا پاتے ہیں جو ان کے احکام کی پابندی کرتے اور ان کی فرمانبرداری کرتے ہیں لیکن اللہ و رسول کے مطیع و فرمانبردار بندے صرف دنیا ہی میں رفعت و بلندی نہیں پاتے بلکہ اس دار فانی سے جانے کے بعد بھی دنیا والے ان کی عزت کرتے ہیں ان کی یاد سے اپنے دلوں کو شاد و آباد رکھتے ہیں۔ نیز ان کی آخرت ان کی اس دنیا سے بہتر اور بہت ہی اعلیٰ ہوتی ہے یہی تودہ ”حَيَوٰة طَيِّبَةً“ جس کا اللہ رب العزت جل مجدہ نے اہل ایمان مردوں اور عورتوں سے وعدہ فرمایا ہے، ارشاد ہوا:

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِنْ ذَكَرٍ أَوْ اُنْثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةًۭ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ  
اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٩٤﴾

جو بھی نیک کام کرے مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ مؤمن ہو تو ہم اسے عطا کریں گے ایک پاکیزہ زندگی اور ہم ضرور دیں گے انہیں ان کا اجر ان کے اچھے کاموں کے بدلے جو وہ کیا کرتے تھے۔

نیز ارشاد ہوا:

مَنْ عَمِلَ سَيِّئَةً فَلَا يُجْزَىٰ اِلَّا مِثْلَهَاۤ وَ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثَىٰ وَهُوَ  
مُؤْمِنٌ فَلَا يَكُوْنُ فِيْهَا غَوْلٌۭ ۚ لَّيْسَ فِيْهَا مِنْ يُّزَادُ فِيْهَا بَعْضٌۭ حِسَابٍ ﴿٩٥﴾ (المومن: ٩٥)

جو برے کام کرتا ہے اسے سزا دی جائے گی اسی قدر اور جو نیک کام کرتا ہے خواہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ مؤمن ہو تو وہ داخل ہوں گے جنت میں رزق دیا جائے گا انہیں وہاں بغیر حساب۔

غور تو فرمائیے کیسا کرم ہے رب کریم کا کہ برائی کی سزا برائی کے مطابق دی جائے گی جو عین انصاف ہے اور نیکی

کے اجر و ثواب کا کوئی حساب نہیں۔ ”حیوة طیہ“ ملے گی، جنت ملے گی بغیر حساب رزق ملے گا۔ پس ”خَيْرَ الْآنْفُسِ كُمْ“ تمہارے لئے بہتر یہی ہے کہ نیک بنو، متقی بنو دنیا بھی سدھر جائے گی اور آخرت بھی سنور جائے گی اور ہاں جسے اللہ نے اپنے فضل و کرم سے ”شُخ“ بخل اور کنجوسی سے بچا لیا وہ بڑا ہی خوش نصیب ہے کہ بخل تباہی و بربادی کی طرف لے جاتا ہے۔ فرمایا مخبر صادق علیہ السلام نے، روایت ہے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی ”إِيَّاكُمْ وَالظُّلْمَ فَإِنَّ الظُّلْمَ ظُلُمَاتٌ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَاتَّقُوا الشُّخَّ فَإِنَّ الشُّخَّ أَهْلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ“ ظلم سے بچو (ظلم نہ کرو) کہ ظلم قیامت کے دن گہری تاریکی اور اندھیرا بنے گا اور شُخ (بخل) سے بچو۔ کیونکہ تم سے پہلی قوموں کو کنجوسی ہی نے ہلاک کر دیا اور یہ بھی میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ”إِيَّاكُمْ وَالشُّخَّ فَإِنَّهُ أَهْلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ أَمَرَهُمْ بِالظُّلْمِ فَظَلَمُوا وَأَمَرَهُمْ بِالْفُجُورِ فَفَجَرُوا وَأَمَرَهُمْ بِالْقَطِيعَةِ فَقَطَعُوا“ بخل سے اپنے آپ کو بچاؤ کیونکہ اس نے تم سے پہلے لوگوں کو ہلاک کر دیا کیونکہ بخل نے ہی انہیں ظلم کرنے پر آمادہ کیا تو وہ ظلم کرنے لگے اور بخل نے ہی انہیں فسق و فجور کی طرف مائل کیا تو وہ برائیوں اور بدکاریوں میں مبتلا ہو گئے اور بخل نے ہی انہیں قطع رحمی پر مجبور کیا تو انہوں نے سب سے تعلقات منقطع کر لئے۔ آپ ہی کا ارشاد ہے: ”بَرِيءٌ مِنَ الشُّخِّ مَنْ أَدَّى الزَّكَاةَ وَقَرَى الضَّيْفَ وَأَعْطَى فِي النَّائِبَةِ“ بخل سے وہ شخص نجات پالیتا ہے جو زکوٰۃ ادا کرتا ہے اور مہمان کی میزبانی کرتا ہے اور کسی کی ناگہانی مصیبت میں مدد کرتا ہے۔

پس بخل بڑی ہی لعنت ہے، ہلاکت و تباہی کا سبب ہے۔ ظلم و ستم، فسق و فجور اور اعزاء و اقرباء سے تعلقات منقطع کرا دینے کا باعث ہے۔ ”وَمَنْ يُوقِ شُخَّ نَفْسِهِ“ جس کے نفس کو بخل سے بچایا گیا۔ ”فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ“ تو وہی کامیاب و کامران ہے جس کو زکوٰۃ ادا کرنے کی توفیق نصیب ہوگی۔ جو مہمانوں کی نہایت فراخ دالی سے خاطر و مدارات کرنے کا عادی ہو گیا جو کسی کی مصیبت کو دیکھ کر رڑپنے لگا اور اپنی دولت سے مصیبت زدگان کی مدد کرنے لگا وہ کنجوسی کی لعنت سے بچ گیا، وہ ہلاکت و تباہی سے بچ گیا۔ اللہ اس کے مال کا محافظ و نگراں ہو گیا، دولت میں برکت اور راحت و طمانیت اس کا مقدر بن گئی، لوگوں میں اس کی عزت ہونے لگی، اللہ و رسول کا اسے قرب حاصل ہو گیا۔ ”فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ“۔

اللہ کو قرض دو

”إِنْ تَقْرَضُوا اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا“ اگر تم اللہ کو قرض حسدوں گے تو ”يُضْعِفُهُ لَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ“ تو وہ اسے کئی گنا کر دے گا اور تمہیں بخش دے گا۔

مَنْ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضْعِفُهُ لَهُ أَضْعَافًا كَثِيرَةً وَاللَّهُ يَقْبِضُ وَيَبْصُطُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٢٢٥﴾

(البقرہ: ۲۲۵)

کون ہے جو اللہ کو قرض حسد دے تو بڑھا دے اللہ اس قرض کو اس کے لئے کئی گنا اور اللہ تعالیٰ تنگ کرتا ہے (رزق کو) اور فراخ کرتا ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔

مَنْ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضْعِفُهُ لَهُ وَلَهُ أَجْرٌ كَرِيمٌ ﴿١١﴾ (الحمدید: ۱۱)

کون ہے جو اللہ کو قرضِ حسنہ دے اور اللہ کئی گناہ بڑھا دے گا اس کے مال کو اس کے لئے اور اسے شاندار اجر بھی ملے گا۔

إِنَّ الْمُسَدِّقِينَ وَالْمُصَدِّقَاتِ وَأَقْرَضُوا اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا يُضَعَّفَ لَهُمْ وَلَهُمْ أَجْرٌ  
كَرِيمٌ ۝ (الحمدید: ۱۸)

بے شک صدقہ دینے والے اور صدقہ دینے والیاں اور اللہ تعالیٰ کو قرضِ حسنہ جنہوں نے دیا کئی گنا بڑھا دیا جائے ان کے لئے (ان کا مال) اور انہیں بڑا اجر ملے گا۔

وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَأَقْرِضُوا اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا  
اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور اللہ کو قرضِ حسنہ دیتے رہا کرو۔

ان آیات مبارکہ کا بغور مطالعہ کیجئے۔ آپ سے قرضِ حسنہ مانگا جا رہا ہے قرضِ حسنہ کیا ہے۔ ”مَا قَصِدَ بِهِ وَجْهُ اللَّهِ تَعَالَى خَالِصًا مِّنَ الْمَالِ الطَّيِّبِ“ پاک مال صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے خرچ کرنا۔ یہ قرضِ حسن بار بار مختلف انداز سے مانگا جا رہا ہے اور کون مانگنے والا، وہی ہے جو سب کچھ دیتا ہے اور جس کا سب کچھ ہے جسے چاہتا ہے دیتا اور جب چاہتا ہے لے لیتا ہے نہ اسے دینے سے کوئی روک سکتا ہے اور نہ لینے سے روک سکتا ہے۔ ”تَرْزُقُ مَنْ تَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ“ جسے چاہتا ہے بغیر حساب دیتا ہے۔ اس کی شان ہے اور جب چاہتا ہے لے لیتا ہے کیونکہ وہ ”عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ“ ہر چیز پر قادر ہے۔ جی، اللہ رب العزت جل مجدہ ہم سے قرضِ حسن مانگ رہا ہے کیوں کیا العیاذ باللہ وہ ہمیں دے کر خود محتاج ہو گیا، جواب ہم سے مانگ رہا ہے نہیں نہیں، توبہ توبہ، ایسا وہم و گمان بھی نہ کرنا یہ کفر ہے۔ ارے یہ تو اس کا کرم ہے کہ مانگ رہا ہے اس لئے کہ ہمارے مال میں مزید برکت و فراخی ہو اور اس لئے کہ قیامت کے دن ہمیں دس سے سات گنا بلکہ اس سے بھی زیادہ عطا فرمائے۔ یہ حقیقتاً قرض نہیں بلکہ تمہیں مزید نوازنے کا بہانہ ہے اور تمہاری آزمائش بھی ہے وہ دیکھنا چاہتا ہے کہ تم اس کے عطا کردہ مال کی محبت میں ایسے مست تو نہیں ہو گئے کہ دینے والے ہی کو فراموش کر بیٹھے اس کے مطالبہ پر سب کچھ پیش کر دینا ہی تمہاری کامیابی و کامرانی کی علامت ہوگی۔ پس دو خوب دو اور اس سے زیادہ لو دنیا میں بھی اور قیامت میں بھی۔

ویسے تو قرآن کریم اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی تاکید و تلقین متعدد مقامات پر کرتا ہے لیکن یہاں ایک نئے اور نہایت پرکشش انداز سے ترغیب دی جا رہی ہے۔ انسان کی فطرت ہے کہ کوئی غریب اگر اس سے سوال کرے تو وہ اتنا خوش ہو کر نہیں دیتا لیکن جب اس کا کوئی بڑا یا کوئی دولت مند اس سے مانگے تو وہ دیتا بھی ہے، خوش بھی ہوتا ہے اور اسے اپنے لئے بڑا اعزاز جانتا ہے، وہ فخر کرتا ہے کہ میں اس قابل ہوں کہ مجھ سے ایک دولت مند نے سوال کیا۔ اللہ اکبر، محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے غلاموں کے لئے اس سے زیادہ مسرت اور فخر کا موقع اور کون سا ہو سکتا ہے کہ ان کا رب ان سے قرضِ حسن مانگ رہا ہے۔ جب صحابہ کرام نے اپنے رب کریم کے اس مطالبہ کو سنا تو وہ جھوم اٹھے اور پہلے سے زیادہ اللہ کی رضا کے لئے صدقہ و خیرات کرنے لگے۔ ایک واقعہ ملاحظہ ہو بڑا ہی ایمان افروز ہے۔

حضرت ابوالدحداح رضی اللہ عنہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوئے یا رسول اللہ ﷺ کیا ہمارا رب ہم سے قرض مانگ رہا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ہاں عرض کرنے لگے یا رسول اللہ ﷺ، اپنا ہاتھ عنایت فرمائیے۔ انہوں نے آقا ﷺ کا دست مبارک پکڑا اور گزارش کی میں آپ کو گواہ بنا کر اپنا باغ اللہ کو قرض دیتا ہوں (اس باغ میں کھجور کے چھ سو درخت تھے، بڑا ہی پر بہار اور قیمتی باغ تھا، وہ خود اپنے اہل خانہ کے ساتھ اسی میں قیام پذیر تھے) حضرت ابوالدحداح رضی اللہ عنہ یہ کرنے کے بعد باغ کی طرف آئے اور باہر کھڑے ہو کر (اندر نہیں گئے کہ یہ تو اب اللہ کو قرض دیا چکا تھا) اپنی بیوی کو آواز دی اور فرمایا: ”اَخْرِجِي قَدْ اَقْرَضْتُهُ رَبِّي عَزَّوَجَلَّ“ باہر آ جاؤ میں نے یہ باغ اللہ عزوجل کو قرض دے دیا (ذرا سنئے، نیک بخت بیوی کیا جواب دیتی ہے کہنے لگی) ”رَبِّحْ بِنِعْمِكَ يَا اَبَا الدُّحْدَاحِ“ اے ابوالدحداح تم نے بڑے ہی نفع والا سودا کر لیا اور جس قدر جلد ممکن ہو سکا بچوں اور دیگر ضروری سامان کے ساتھ باہر آ گئیں (آج کی بیوی نہ جانے شوہر کو کیا کیا کہہ ڈالتی۔)

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا کہ قرض حسن کے لئے مندرجہ ذیل شرطیں ہیں:

جو مال اللہ کی راہ میں خرچ کیا جائے وہ حلال ہو، اعلیٰ اور عمدہ چیز اللہ کی راہ میں دی جائے ایسی چیز ہو جس کی خود بھی ضرورت ہو پوشیدہ طور پر دیا جائے، دے کر احسان نہ جتایا جائے اور تکلیف نہ پہنچائی جائے۔ مقصد صرف اللہ کی رضا ہو کوئی دوسرا فائدہ مقصود نہ ہو جتنا بھی خرچ کرے کم جانے۔

اے ایمان والو!

اپنے دل میں دولت کی محبت پیدا نہ ہونے دو۔ ان آیات مقدسہ پر غور کرنے کے بعد اللہ کی رضا کے لئے مزید خرچ کرو، خوب خرچ کرو، حضرت ابوالدحداح رضی اللہ عنہ کی سنت پر عمل کرنے کی کوشش کرو کہ یہ بڑے ہی نفع والا سودا ہے۔ یاد رکھو اس کا نفع صرف آخرت میں ہی نہ ملے گا بلکہ دنیا میں بھی تمہارے مال میں برکت ہوگی اللہ تم پر مال کے دروازے ایسے کھول دے گا کہ تمہیں پتہ بھی نہ چلے گا۔ بس تم اللہ کو ایسے قرض دیتے رہو کہ کسی اور کو تو کیا خود تمہارے دوسرے ہاتھ تک کو پتہ نہ چلے کہ تم نے کیا دیا۔ اگر تم نے ایسا کیا تو سن لو: ”وَاللّٰهُ شَكُوْرٌ حَلِيْمٌ“ اللہ اپنے بندوں کے نیک اعمال کی بڑی قدر فرماتا ہے، دنیا و آخرت میں اس کا خوب صلہ اور اجر دیتا ہے اور اگر ان سے کوئی کوتاہی ہو جائے تو وہ بہت حلیم بھی ہے درگزر فرما دیتا ہے اور ہاں یہ یاد رکھو کہ اس سے کچھ چھپانے کی کوشش ہرگز ہرگز نہ کرنا کیونکہ اس کی شان ہے۔

عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ

ہر باطن اور ظاہر کو جاننے والا سب پر غالب بڑی حکمت والا ہے۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی خَيْرِ خَلْقِهِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِهِ وَاَصْحَابِهِ اَجْمَعِيْنَ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

## ”سورة التحريم“

آیات نمبر	مقالہ نمبر
6	89
8	90





## مقالہ ۸۹

### التحریم: ۶

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اقْوُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلَائِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ ﴿٦﴾

(التحریم: ۶)

اے ایمان والو! تم بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو اس آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے اس پر ایسے فرشتے مقرر ہیں جو بڑے تند خوشت مزاج ہیں نافرمانی نہیں کرتے اللہ کی جس کا اس نے انہیں حکم دیا اور وہ کرتے ہیں جو انہیں حکم دیا جاتا ہے۔

اسلام، اپنے ماننے والوں کو ایک باوقار پر سکون اور پر امن معاشرہ فراہم کرنا چاہتا ہے۔ پس وہ غربت کے خاتمہ کے لئے زکوٰۃ، صدقہ و خیرات کا حکم دیتا ہے۔ جہالت ختم کرنے کے لئے علم حاصل کرنے اور علم کو عام کرنے کی تاکید کرتا ہے اور افراد کی اصلاح کے لئے ہر فرد کو اپنے اہل و عیال کی صحیح تربیت کی ہدایت کرتا ہے۔ جس سے معاشرے سے غربت،

جہالت ختم ہوگی اور افراد کی اصلاح ہوگی وہ ایک خوبصورت اور حسین معاشرہ ہوگا جس میں بسنے والا ہر شخص سکون کا سانس لے سکے گا اور بے خوف و مطمئن ہو کر زندگی کے دن بسر کر سکے گا۔ یہ معاشرہ ایک گھر کی طرح ہو جاتا ہے جس کے ہر فرد کی عزت و آبرو محفوظ ہوتی ہے اور جان و مال کو کسی قسم کا خطر لاحق نہیں ہوتا۔ ایسے معاشرے میں بسنے والا ہر شخص دوسروں کی نظروں میں باوقار اور باعزت ہوتا ہے۔ اس معاشرے میں تہذیب و تمدن ہوتا ہے، خوشحالی ہوتی ہے۔ آیت زیر گفتگو میں معاشرے کے لئے اچھے افراد فراہم کرنے کی ہدایت کی جا رہی ہے جس کی وضاحت کے لئے ہم اپنی ہی ایک کتاب ”اچھا برتاؤ“ کا ایک مضمون یہاں نقل کر رہے ہیں جو نہایت ہی مفصل اور مفید ہے۔ عنوان ہے:

### ”اولاد کے ساتھ اچھا برتاؤ“

اسلام، اولاد کو والدین کی اطاعت و فرمانبرداری اور خدمت کا تاکید کے ساتھ حکم دیتا ہے تو والدین کو بھی ان کی تعلیم و تربیت پر پوری توجہ ان کی ضروریات کا حسب استطاعت خیال رکھنے اور ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کی ہدایت کرتا ہے۔ والدین کو اپنی اولاد سے عموماً یہ شکایت رہتی ہے کہ وہ ان کی بات نہیں مانتی، ان کے حقوق ادا نہیں کرتی، کیا اس کی وجہ صرف اولاد کی بے راہ روی ہے یا اس میں والدین کا بھی کچھ قصور ہے۔ ہمارے خیال سے والدین کو صرف شکوہ نہیں کرنا چاہئے بلکہ انہیں یہ جائزہ بھی لینا چاہئے کہ انہوں نے اولاد کے حقوق پوری طرح ادا کئے یا نہیں۔ تو آئیے قرآن و حدیث کی روشنی میں اولاد کے حقوق اور ان کے ساتھ برتاؤ کا مطالعہ کریں اور فیصلہ کریں کہ قصور کس کا ہے، مجرم کون ہے؟

اچھے برتاؤ کی ابتداء

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا  
مَلَائِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ ①  
(التحریم: ۶)

اے ایمان والو! تم بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو اس آگ سے جس کا ایندھن لوگ اور پتھر ہوں گے اس پر ایسے فرشتے مقرر ہوں گے جو بڑے تند خو، سخت مزاج ہیں اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے اس کام میں جس کا اس نے حکم دیا اور وہی کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے۔

قرآن کریم کے اس ارشاد کا مفہوم یہ ہے کہ ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے کہ وہ خود کو اور اپنے اہل و عیال کو جہنم کی آگ سے بچانے کی کوشش کرتا رہے کہ جہنم کی آگ بڑی ہی سخت ہے۔ دنیا کی آگ سے بہت زیادہ کہ دنیا کی آگ تو لکڑیوں سے ہی جلتی ہے لیکن جہنم کی آگ کافروں اور پتھروں سے جلائی جائے گی اور اس پر ایسے فرشتے مقرر کئے جائیں گے جو نہ کسی پر رحم کریں گے نہ ہی کسی کی رعایت کریں گے بلکہ صرف اللہ کے حکم کے پابند ہوں گے۔

ہر مسلمان جہنم کی آگ سے ڈرتا بھی ہے، پناہ بھی مانگتا ہے اور اس سے بچنے کے لئے حتیٰ الوسع نیکیاں بھی کرتا ہے

لیکن مسلمان کی ذمہ داری صرف اتنی ہی نہیں بلکہ اس پر یہ ذمہ داری بھی ہے کہ وہ اپنے اہل و عیال کو بھی جہنم کی آگ سے بچانے کی کوشش کرے لیکن کیسے؟ یہی سوال حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے معلم کامل ﷺ سے کیا اور ہمیں اس کا جواب فراہم کر دیا۔ آپ نے عرض کیا: ”يَا رَسُولَ اللَّهِ نَقَى أَنْفُسَنَا فَكَيْفَ لَنَا بِأَهْلِينَا“ اے اللہ کے رسول ﷺ ہم خود کو تو جہنم کی آگ سے بچاتے ہیں لیکن اپنے اہل و عیال کو کس طرح بچائیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: ”نَهَوْهُمْ عَنْ مَا نَهَى اللَّهُ وَتَأْمُرُوهُمْ بِمَا أَمَرَ اللَّهُ“ جن باتوں سے اللہ نے تمہیں روکا ہے تم اپنے اہل و عیال کو ان سے روکو اور جن کاموں کا اللہ نے تمہیں حکم دیا ہے تم اپنے اہل و عیال کو ان کا حکم دو۔ (روح المعانی)

یعنی جس طرح تم خود دین و شریعت کی پابندی کرتے ہو اسی طرح اپنے بیوی بچوں سے بھی کراؤ۔ تم نے جو دین کا علم حاصل کیا ہے ہو سکے تو اس سے زیادہ بیوی، بچوں کو سکھاؤ ورنہ کم از کم وہی سکھاؤ جو تم جانتے ہو۔ جب تم نماز پڑھو تو اپنے بیوی بچوں کو بھی نماز پڑھنے کا حکم دو جب تم قرآن کریم کی تلاوت کرو تو اہل و عیال کو بھی تلاوت کا حکم دیا کرو، جب تم مسجد جاؤ تو اپنے بیٹوں کو بھی ساتھ لو، گویا بچوں کے ساتھ اچھے برتاؤ کی ابتداء یہ ہے کہ انہیں دین سکھایا جائے اور شریعت کی پابندی کا عادی بنایا جائے۔

والدین نمونہ بنیں

اولاد کی تربیت کی ابتداء والدین ہی سے ہوتی ہے، لہذا ضروری ہے کہ مرد و عورت شادی کے بعد اپنی ان تمام خامیوں اور کمزوریوں کو ختم کرنے کی کوشش کریں جو شادی سے پہلے ان میں تھیں کیونکہ اب وہ تنہا نہیں بلکہ اب ان سے نسل جاری ہوگی جس کے لئے انہیں مثال اور نمونہ بننا ہوگا کہ بچے آنکھ کھولتا ہے تو اس کی نظر ماں کی ایک ایک حرکت پر ہوتی ہے اور ہوش سنبھالتا ہے تو وہ باپ کے کردار کو دیکھتا ہے اور جو کچھ اسے اپنے ماں باپ میں نظر آتا ہے غیر شعوری طور پر اسے اختیار کرتا جاتا ہے۔ والدین کی زبان بولتا ہے، انہی کے اٹھنے بیٹھنے کا انداز اختیار کرتا ہے، والدین ہی کی طرح وہ کھاتا پیتا ہے، گویا ماں کا باپ کا ہر علم اس کی ابتدائی تربیت ہوتی ہے جو اس قدر مؤثر اور گہری ہوتی ہے کہ بچے کو بڑے ہونے کے بعد اس انداز زندگی سے ہٹانا تقریباً ناممکن ہوتا ہے جو وہ اپنے والدین سے سیکھ چکا ہے حتیٰ کہ بچہ دین بھی وہی اختیار کر لیتا ہے جو اس کے والدین کا ہوتا ہے۔ نبی مرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے، راوی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں:

”مَنْ مَوْلُودٍ إِلَّا يُؤَلَّدُ عَلَى الْفِطْرَةِ“ ہر بچہ اپنی فطرت (اسلام) پر پیدا ہوتا ہے۔ ”فَابَوَاهُ يَهُودًا أَوْ نَصْرَانًا أَوْ مَجَسَّانًا“ پس اس کے ماں باپ اسے یہودی بنادیتے ہیں یا نصرانی یا مجوسی بنادیتے ہیں۔ ”كَمَا تَنْجُ الْبَهِيمَةَ بِهَيْمَةٍ جَمْعَاءَ هَلْ تُحْسِنُونَ فِيهَا مِنْ جَدْعَاءَ“ جیسے ایک چوپایہ پورا بچہ جنتا ہے کیا تم اس میں کوئی کمی دیکھتے ہو۔ ”ثُمَّ يَقُولُ فِطْرَةَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ ذَلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ“ پھر آپ نے ارشاد فرمایا: یہ اللہ کی فطرت ہے جس پر اس نے پیدا فرمایا اور اللہ کی فطرت قابل تبدیلی نہیں یہ دین درست ہے۔ (بخاری شریف)

یعنی بچے میں فطری استعداد و صلاحیت اسلام ہی قبول کرنے کی ہوتی ہے لیکن والدین کا عمل اس پر اس طرح طاری

ہو جاتا ہے اور اس کی حقیقی استعداد کو چھپا لیتا ہے جس طرح بادل سورج کی روشنی کو چھپا دیتا ہے۔ گویا جہاں حدیث مبارکہ سے یہ معلوم ہوا کہ بچہ والدین کا دین اختیار کرتا ہے وہاں یہ بھی پتہ چلا کہ والدین کا عمل بچہ کی فطرت پر اس قدر اثر انداز ہوتا ہے کہ فطرت باقی رہنے کے باوجود وہ فطری عمل اختیار نہیں کر پاتا بلکہ ماں باپ کا غیر فطری عمل اس سے صادر ہوتا رہتا ہے اور اسے اس کا شعور تک نہیں ہوتا یعنی غلط طریقہ اختیار کرنے کا احساس تک نہیں ہو پاتا پھر جب اس کو حق کی دعوت دی جاتی ہے اور اسے فطرت کی طرف بلایا جاتا ہے تو کبھی اس کا یہ بادل چھٹ جاتا ہے اور اصل فطرت چمک اٹھتی ہے یعنی وہ مسلمان ہو جاتا ہے اور کبھی یہ سیاہ بادل اتنا موٹا ہوتا ہے کہ فطرت کی شعاع کو باہر نہیں آنے دیتا۔ حتیٰ کہ انسان اپنے ماں باپ کے دیئے ہوئے کفر پر ہی مر جاتا ہے۔ یہی حال بچہ کا ہر معاملہ میں ہوتا ہے کہ اگر اس کے والدین غلط راہ پر ہوتے ہیں تو وہ اسی راہ پر چل پڑتا ہے اور بڑے ہونے کے بعد بہت ہی دشواری سے وہ اس راہ کو چھوڑتا ہے۔ بہر حال جس فطرت پر بچہ پیدا ہوتا ہے ”لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ“ کے مطابق اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی ہاں اسے ڈھانپ دیا جاتا ہے اور یہ جرم بچے کے ماں باپ کرتے ہیں۔

اسی طرح ماں باپ مسلمان ہوں لیکن نام کے، ان کے طور طریقے، کھانا پینا، زبان، لباس سب کچھ یہودیوں، مسیحائیوں، مجوسیوں جیسا ہو تو ظاہر ہے بچہ بھی وہی اطوار اختیار کرے گا اور مسلمان ہونے کے باوجود دین پر عمل کی صلاحیتوں پر والدین کی بد عملی کے بادل چھا جائیں گے۔ جیسا کہ آپ دیکھتے ہیں جن گھروں پر مغربی تہذیب کے بادل چھائے ہوتے ہیں ان میں پروان چڑھنے والے بچے دین سے بالکل بے بہرہ ہوتے ہیں لیکن جب ماں باپ بوڑھے ہو جاتے ہیں اور اپنی جوانی کی بد تہذیبی کو چھوڑ کر اسلامی تہذیب اختیار کرتے ہیں تو انہیں بچوں کی تربیت کا خیال آتا ہے اور بچوں کی وہی حرکتیں بری معلوم ہونے لگتی ہیں جو بچوں نے انہی سے سیکھی تھیں اب وہ بچے سے کہتے ہیں نماز پڑھو، روزہ رکھو، قرآن کریم کی تعلیم حاصل کرو، لباس پورا پہنو لیکن اب جوان بچوں کو بوڑھے ماں باپ کی یہ باتیں بری معلوم ہوتی ہیں اور وہ ان پر عمل کے لئے کسی طرح آمادہ نہیں ہوتے۔ بس والدین اولاد کی نافرمانی اور سرکشی کا شکوہ کرنے لگتے ہیں حالانکہ حق یہ ہے کہ بچوں کا قصور بالکل نہیں انہوں نے تو جب آنکھ کھولی تو اپنے باپ اپنی ماں دونوں ہی کو بد تہذیبی کے دلدل میں ڈوبا پایا تھا، ناچتا، گاتا، کھڑے ہو کر پیشاب کرتا، کلبوں اور ہونلوں کی سوسائٹی میں ہی بیٹھا دیکھا تھا کبھی وضو کرتے نہ دیکھا، کبھی اللہ کے دربار میں سر جھکاتے یا منسلے پر بیٹھا نہ دیکھا، کبھی قرآن کریم کی تلاوت کرتے نہ دیکھا، کبھی کسی عالم دین سے ملتے جلتے نہ دیکھا۔ پس جو دیکھا وہی ذہن میں رچ بس گیا وہ حقیقت معلوم ہونے لگی، وہی اصلیت نظر آئی اب یہ ماں، یہ باپ بڑھاپے سے مجبور ہو کر اپنی موت اپنے سامنے کھڑی دیکھ کر بدل گئے تو بچے کیا کریں۔ جب ان کا بڑھاپا آئے گا جب انہیں اپنی موت نظر آنے لگے گی تو یہ بھی بدل جائیں گے اور ماں باپ اسی آرزو میں مرجائیں گے کہ کاش ہماری اولاد ہمارے سامنے سدھر جائے لیکن یہ تو جب ہوتا جب ماں باپ شادی کے بعد ہی پہلا بچہ پیدا ہونے سے پہلے اپنے آپ کو بدل چکے ہوتے اور بچوں کے لئے ان کی زندگی ایک اچھا ماڈل، اچھا نمونہ ہوتی اب تو دیر ہو گئی، بہت دیر شکوہ اور واہیل بیکار ہے۔

جو مسلمان ایک عرصہ سے یورپ، امریکہ اور افریقہ میں آباد ہیں۔ آج ان کی یہی کیفیت ہے ان کے بچے مادری

زبان بھول چکے ہیں اس لئے کہ ماں باپ خود انگلش یا کوئی دوسری مقامی زبان بولتے رہے۔ نوجوان نہایت بیہودہ عریاں لباس پہنتے ہیں، والدین یا بڑوں کے ادب و احترام کا کوئی تصور تک نہ رہا دین سے نہ صرف دور بلکہ متنفر ہیں، آوارگی ان کی تہذیب ہے والدین اب شکوہ کرتے ہیں کہ نئی نسل بگڑ گئی، برباد ہو گئی لیکن ایسا کیوں ہوا صرف اس لئے کہ والدین کو اپنی جوانی کے دور میں اولاد کی تربیت اور خود کو ان کے لئے بطور اچھا نمونہ پیش کرنے کا کبھی خیال نہ آیا۔ اب جو برے عادات و اطوار اولاد کے ذہنوں میں نقش ہو چکے ہیں ان کو کوئی مبلغ، کوئی عالم یا کوئی لٹریچر بآسانی نہیں مٹا سکتا۔ حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ احیاء العلوم میں لکھتے ہیں: ”إِنَّ الصَّبِيَّ بِجَوْهَرِهِ خُلِقَ قَابِلًا لِلْخَيْرِ وَالشَّرِّ وَإِنَّمَا أَبَوَاهُ يَمِيلَانِ بِهِ إِلَى أَحَدِ الْجَانِبَيْنِ“ بیشک بچے میں فطرتاً اچھائی اور برائی قبول کرنے کی صلاحیت موجود ہوتی ہے اور اس کے والدین اسے جس طرف چاہتے ہیں مائل کر دیتے ہیں۔

غرضیکہ ماں باپ ہی اولاد کے لئے نمونہ ہیں، بچوں کا کردار والدین کے کردار پر موقوف ہے۔ اگر والدین نے اپنی بد کرداری سے اولاد کو بد کردار بنادیا تو نہ تو وہ دنیا میں اس سے وہ فوائد حاصل کر سکتے ہیں جن کی توقع ہر ماں اور ہر باپ کو اولاد سے بجا طور پر ہوتی ہے اور نہ ہی آخرت میں وہ اپنے اس جرم سے بری الذمہ ہو سکتے ہیں کہ میرے آقا ﷺ کا فرمان ہے: ”كُلُّكُمْ رَاعِيٌّ وَمَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ“ تم میں سے ہر ایک راعی ہے (حاکم) اور قیامت کے دن رعیت کے متعلق اس سے سوال کیا جائے گا یعنی جس طرح قیامت کے دن ایک حاکم بادشاہ سے رعایا کی تکالیف یا اس کے برائیوں میں مبتلا ہونے کے متعلق سوال کیا جائے گا۔ اسی طرح ہر شخص سے اس کے اہل و عیال کے متعلق پوچھا جائے گا کہ تم نے ان کی اچھی تربیت کر کے انہیں اچھا مسلمان اور معاشرے کا بہترین فرد کیوں نہ بنایا۔ پس دنیا کے سکون اور آخرت کی نجات کے لئے ضروری ہے کہ والدین اولاد کے ساتھ اچھا برتاؤ کریں یعنی ان کی تربیت دینی تعلیم کے مطابق کریں جس کے لئے انہیں خود دین پر عمل کر کے اپنے آپ کو اچھا نمونہ بنانا ہوگا۔

اولاد کے لئے بہترین تحفہ

اللہ نے والدین کے دل میں اولاد کی محبت و دیعت کی ہے۔ والدین اولاد کو ہر اعتبار سے آسودہ اور خوشحال دیکھنا چاہتے ہیں اپنی زندگی میں بھی ان کے لئے دنیا کی ہر نعمت فراہم کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور ان کی خواہش ہوتی ہے کہ اتنا کچھ جمع کر کے چھوڑ جائیں کہ ان کے مرنے کے بعد بھی اولاد بہتر سے بہتر زندگی بسر کر سکے لیکن میرے آقا ﷺ اولاد کے لئے بہترین تحفہ کس چیز کو قرار دیتے ہیں۔ بروایت حضرت ایوب بن موسیٰ رضی اللہ عنہ آپ نے فرمایا: ”مَا نُحِلُّ وَالِدٌ وَلَدَهُ مِنْ نُحْلٍ أَفْضَلُ مِنْ أَدَبٍ حَسَنٍ“ کسی باپ نے اپنے بیٹے کو اچھا ادب سکھانے سے بہتر کوئی تحفہ نہ دیا اور یہ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ”لَا يُؤَدَّبُ الرَّجُلُ وَلَدَهُ خَيْرَ لَهُ مِنْ أَنْ يَنْصَدَّقَ بِصَاعٍ“ آدمی کا اپنے بیٹے کو ادب سکھانا ایک صاع خیرات کرنے سے بہتر ہے یعنی بہترین تربیت ہی اولاد کے لئے سب سے اچھا تحفہ ہے اتنا اچھا کہ اللہ و رسول کے نزدیک صدقہ و خیرات سے بھی زیادہ پسندیدہ ہے۔

نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ان دونوں ارشادات پر غور کیجئے۔ آج ہم اولاد کو مکان، دوکان، دولت کیا کچھ دینا نہیں چاہتے۔ اچھا کھلاتے ہیں، اچھا پہناتے ہیں دنیا کی اعلیٰ ترین تعلیم دلانے کی کوشش کرتے ہیں لیکن بچوں کی اچھی تربیت اور دین کی تعلیم دلانے پر ہماری کتنی توجہ ہے۔ اس کا اندازہ بچوں کے طرز زندگی سے ہی کیا جاسکتا ہے ان کا حال یہ ہے کہ نہ کھانے کا ڈھنگ، نہ پینے کا، نہ سلام و کلام کا طریقہ، نہ والدین اور بڑوں کا احترام، نہ حیاء و شرم، نہ لباس پہننے کی تمیز، کالج اور یونیورسٹیاں تو ہمارے بچوں سے بھرے ہوئے ہیں۔ دنیا کی تعلیم پر ہم بڑی بڑی رقمیں خوشی سے خرچ کر دیتے ہیں لیکن تعلیم قرآن کے مدرسے ویران ہیں، دینی تعلیم پر چند پیسے خرچ کرنا بھی بار ہوتا ہے۔ جب ہماری اپنی حالت یہ ہے تو پھر اولاد کی بربادی کا شکوہ کس سے؟ ہم نے خود اپنی ذمہ داری پوری نہ کی خود اولاد کے ساتھ اچھا برتاؤ نہ کیا۔ اللہ اور رسول کے احکام کے مطابق ان کی پرورش نہ کی، ہماری یہ لاپرواہی درحقیقت ایک ایسا جرم ہے جس کا خمیازہ ہمیں دنیا میں بھی بھگتنا ہوگا اور جس کا جواب اللہ کے دربار میں بھی دینا ہوگا۔ پس جو چاہتا ہے کہ دنیا میں اس کی اولاد اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک بنے اور آخرت کے لئے بہترین ذخیرہ ہوا سے چاہئے کہ وہ اپنی اولاد کو وہ تحفہ دے۔ جو اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک بہترین تحفہ ہے یعنی اچھی تربیت جس کا ذریعہ دینی تعلیم اور شرعی احکام کی پابندی ہے جس نے اولاد کو یہ تحفہ دے دیا۔ اس نے درحقیقت اپنے بڑھاپے کے آرام اور قبر میں سکون کی نیند کا انتظام کر لیا کہ اچھی اولاد ہی بوڑھے والدین کی خدمت کرتی ہے انہیں اپنے لئے اللہ کی رحمت کا وسیلہ یقین کرتی ہے اور اچھی اولاد ہی والدین کے مرجانے کے بعد ان کے لئے ایصالِ ثواب، صدقہ و خیرات اور تلاوت قرآن وغیرہ کرتی رہتی ہے جو مرحوم ماں باپ کے لئے قبر میں سکون و راحت کا ذریعہ بنتا ہے جس سے تاریک قبر روشن و منور ہوتی ہے، یہی اولاد ہے جسے والدین کے لئے صدقہ جاریہ کہا گیا ہے۔

### بچے پر دودھ کا اثر

بچہ کو دودھ پلانا، ماں کی اولین ذمہ داری ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَالْوَالِدَتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يُنْتَظَرَ  
عَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ<sup>ط</sup> (البقرہ: ۲۳۳)

اور مائیں اپنی اولاد کو پورے دو سال دودھ پلائیں یہ اس کے لئے ہے جو دودھ کی مدت پوری کرنا

چاہے اور جس کا بچہ ہے اس کے ذمہ مناسب طور پر ماں کا کھانا اور لباس ہے۔

دودھ پلانے کے متعلق شرعی احکام میں یہ بات طے شدہ ہے کہ انسان کا بچہ انسان ہی کے دودھ سے پرورش پائے

جو اس کے لئے خالق کی پیدا کی ہوئی فطری غذا ہے۔ قرآن وحدیث میں اس کی تین صورتیں بیان کی گئی ہیں:

اول:- یہ کہ ماں بچے کو دودھ پلائے۔

دوم:- یہ کہ ماں کو دودھ پلانے کے دوران طلاق ہو جائے تو اس تفریق کا اثر بچے پر نہ ہونا چاہئے، لہذا ماں ہی دودھ پلائے

اور بچے کا باپ مطلقہ کے تمام اخراجات کا ذمہ دار ہے۔

سوم :- یہ کہ ماں یا مطلقہ ماں کسی وجہ سے دودھ نہ پلائے تو کسی عورت کی خدمات حاصل کی جائیں اور اس کی اجرت ادا کی جائے۔ ان تین صورتوں کے علاوہ کوئی چوتھی صورت نہیں کہیں یہ ذکر نہیں کہ بچے کو کسی بھی صورت میں جانور کے دودھ سے پالا جائے نہ ہی اس کی کوئی نظیر ماضی میں ملتی ہے۔ عرب میں عام رواج تھا کہ شہری عورتیں اپنے بچوں کو دودھ پلانے کے لئے دیہاتی عورتوں کے سپرد کر دیا کرتی تھیں تاکہ بچے کی صحت پر دیہات کی کھلی فضا کا اچھا اثر ہو۔ نیز دیہات کی زبان، شہری زبان سے زیادہ خالص اور صاف ستھری ہوتی ہے، بچہ ابتداء ہی سے اس خالص فصیح زبان کا عادی بنے۔ اسی رواج کے مطابق حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے سپرد کر دیا گیا تھا۔

آئیے، اس سے بھی پہلے اور بہت پہلے کے زمانہ پر نظر ڈالئے تو غور کیجئے۔ قرآن کریم کے بیان کردہ واقعہ پر کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام دریا میں بہتے ہوئے فرعون کے گھر میں داخل ہوئے تو سب سے پہلے ان کے لئے دودھ پلانے والی عورت کی تلاش کی گئی حتیٰ کہ قدرت نے اپنی حکمت کے مطابق ان کی ماں ہی کو وہاں پہنچا دیا اور آپ نے دودھ پینا شروع کر دیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ کسی دور میں یہ طریقہ متصور اور متعارف ہی نہ تھا کہ بچے کو جانور کے دودھ سے بھی پالا جاسکتا ہے۔ دوسری بہت سی ایجادوں کی طرح یہ ہمارے ہی دور کی ایجاد ہے۔ جس نے فیشن یا بیماری کی صورت اختیار کر لی اور اکثر عورتیں اس میں مبتلا ہو گئیں اور بچوں کی نافرمانی کی صورت میں اس کا درد بھی سہہ رہی ہیں۔

اس غیر فطری عمل ہی کا نتیجہ ہے کہ ایک طرف تو بچوں کو دودھ نہ پلانے والی مائیں طرح طرح کے امراض میں مبتلا ہوتی ہیں مثلاً جدید طبی تحقیق کے مطابق پستان کا کینسر اکثر ایسی ہی عورتوں کو ہوتا ہے جو بچوں کو دودھ نہیں پلاتیں۔ علاوہ ازیں ماں کی عام صحت اور پستان کی خوبصورتی پر بھی اس کا اثر برا ہوتا ہے۔ دوسری طرف بچوں کو بھی وہ قوت و طاقت حاصل نہیں ہو پاتی جو عورت کے دودھ سے ملتی ہے جو بچے کو جانور کے دودھ سے پالے جاتے ہیں۔ ان کی عقلی صلاحیتیں کم ہوتی ہیں، حافظہ کمزور رہتا ہے، جسمانی بالخصوص جنسی طاقت میں بھی کمزوری رہتی ہے اور عادات و اطوار پر بھی اثر ہوتا ہے کہ ایسے بچے بالعموم بے حسی اور خود غرضی کا شکار ہوتے ہیں۔ محبت و شفقت کا جذبہ ان میں بہت ہی کم ہوتا ہے۔ الغرض ان تمام خوبیوں سے محروم رہتے ہیں جو قدرت کی طرف سے ان کے لئے تیار کردہ غذا میں پائی جاتی ہیں کہ کون ہے جو خالق سے بہتر غذا مخلوق کے لئے فراہم کر سکے۔

بہر حال سب سے بہتر یہی ہے کہ ماں ہی خود اپنے بچے کو دودھ پلائے تاکہ جو محبت و شفقت بچے کے لئے ماں کے دل میں ہے۔ وہ اس کے خون جگر کے ذریعہ بچے کے دل میں منتقل ہو اور بڑا ہو کر یہ بچہ ماں کو وہ محبت و عزت دے جس کی وہ واقعی حق دار ہے اور ایک نیک ماں کی تمام خوبیوں کا وہ امین بنے۔

### اولاد کی خدمت

والدین کی سب سے بڑی ذمہ داری اولاد کی خدمت کرنا ہے صرف دولت سے ہی نہیں بلکہ وقت سے بھی اور ہاتھ پیر سے بھی، باپ سے زیادہ ماں پر یہ حق ہے کہ وہ بچوں کو پورا پورا وقت دے اور پوری پوری توجہ دے۔ اسی لئے اسلام نے

ماں پر گھر کے کاموں کے علاوہ کوئی ذمہ داری عائد نہیں کی کہ بچوں کی صحت و تندرستی کا خیال اور ان کی اچھی تربیت اتنا بڑا کام ہے جس کے بعد ماں کو فرصت ہی نہیں مل سکتی کہ کوئی دوسرا کام کرے۔ پس جو ماں خود کو اولاد کے لئے وقف کر دیتی ہے اور اس کی پوری طرح خدمت کرتی ہے۔ آقائے کائنات ﷺ اس کو مرثدہ دیتے ہیں۔ راوی ہیں حضرت عوف ابن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ”أَنَا وَامْرَأَةُ سَفْعَاءِ الْخَذَائِنِ كَهَاتَيْنِ يَوْمَ الْقِيَمَةِ“ میں اور سیاہ رخسار والی عورت قیامت کے دن ایسے ہوں گے (اپنی دونوں انگلیاں ملاتے ہوئے بتایا کہ وہ عورت قیامت کے دن مجھ سے قریب تر ہوگی)۔ ”امْرَأَةٌ أَمَتْ مِنْ زَوْجِهَا ذَاتُ مَنْصَبٍ وَ جَمَالٍ“ وہ جاہ و جمال والی عورت جس کا شوہر فوت ہو گیا۔ ”وَحَبَسَتْ نَفْسَهَا عَلَى يَتَامَاهَا حَتَّى بَاتُوا أَوْ مَاتُوا“ اس نے اپنے نفس کو یتیم بچوں کے لئے روک رکھا (دوسرا نکاح نہیں کیا) حتیٰ کہ وہ بچے (بڑے ہو کر) جدا ہو گئے یا مر گئے۔

بلاشبہ اولاد کے لئے والدین کا مرتبہ و مقام بہت ہی عظیم اور بلند ہے۔ اللہ نے اپنی عبادت کے بعد سب سے بڑی نیکی والدین کے ساتھ حسن سلوک کو قرار دیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے باپ کی رضا کو اللہ کی رضا کا وسیلہ قرار دیا۔ ماں کے قدموں تلے جنت کی خبر دی۔ بڑا مرتبہ ہے والدین کا اسی لئے والدین اولاد کے لئے جو تکالیف برداشت کرتے ہیں وہ کوئی کسی کے لئے نہیں کر سکتا، لہذا اولاد پر سب سے بڑا حق والدین ہی کا قرار پاتا ہے اور والدین اولاد سے اپنی حقوق کی ادائیگی کا مطالبہ بھی کرتے ہیں اور نیک اولاد یہ حق ادا بھی کرتی ہے لیکن والدین پر بھی اولاد کا حق ہے کہ وہ اللہ و رسول کے ارشادات کے مطابق اولاد کی پرورش کریں اور اس کی پوری خدمت کریں جو والدین یہ حق ادا کرتے ہیں اللہ کی طرف سے ان کے بھی حق کی حفاظت کی جاتی ہے کہ اللہ ان کی اولاد کو نیک اور مطیع و فرمانبردار بنا دیتا ہے لیکن جو والدین اولاد کی حق تلفی کرتے ہیں، اولاد بھی ان کی حق تلفی کرتی ہے کہ وہ ان سے باغی ہو جاتی ہے نافرمان ہو جاتی ہے۔

وہ باپ کس طرح اپنی اولاد سے اپنے حق کی ادائیگی کی توقع کرتا ہے جس نے کبھی اپنے بچے کو گود میں نہ اٹھایا، کبھی اس کو پیار نہ کیا، کبھی اس کے لئے اپنی نیند قربان نہ کی، کبھی اس کی وجہ سے اپنے عیش میں خلل نہ آنے دیا، کبھی باپ کو وقت نہ ملا کہ وہ بچوں کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاتا، ان کی دلجوئی کے لئے، ان کے ساتھ کھیلتا۔ بس اس نے بچوں کے لئے نوکر فراہم کر دیئے تھے جو ان کی خدمت کرتے اور ساری ضروریات پوری کرتے رہتے تھے۔ ظاہر ہے بچے بڑے ہو کر باپ سے زیادہ نوکر ہی کی عزت کریں گے باپ کے لئے نہ ان کی نظروں میں عزت ہوگی نہ دل میں محبت اور نہ وہ اس کی اطاعت و فرمانبرداری کریں گے۔

ماں جسے فخر ہوتا ہے اپنی اس عظمت پر کہ اس کے قدموں تلے جنت ہے اور اسی حوالے سے وہ اولاد سے اپنے حق کا مطالبہ کرتی رہتی ہے اور جب اولاد اس کا حق ادا کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتی تو وہ اولاد کو نافرمان، جہنمی اور نہ جانے کیا کہتی ہے لیکن کاش اس مقدس ماں نے یہ بھی غور کیا ہوتا کہ اس نے خود اپنے حق کی حفاظت کی ہے یا نہیں یعنی اس نے اولاد کے لئے کتنی تکالیف برداشت کیں اور اس کا کتنا حق ادا کیا۔ جس ماں نے بچے کو اپنا دودھ نہ پلایا، کبھی اپنے ہاتھوں سے اسے



غسل نہ دیا، کبھی اس کے کپڑے نہ دھوئے، کبھی وقت پر کھانا نہ دیا۔ بس بچہ پیدا کیا جو ایک فطری عمل تھا۔ اس کے بعد اس نے کبھی بچہ کی طرف توجہ تک نہ کی بس ملازمہ کے سپرد کر دیا۔ بچہ نے ملازمہ کی گود میں ہوش سنبھالا اس سے دودھ مانگا، اسی سے کھانا مانگا، اسی کو ہمہ وقت اپنی خدمت کرتے دیکھا، بچے نے جب ماں کو تلاش کیا تو دوکان پر سودا بیچتے دیکھا یا دفتر میں ملازمت کرتے پایا، گھر میں دیکھا تو میک اپ کرتے یا ٹی وی کے سامنے دیکھا۔ غرضیکہ ماں کے کسی عمل نے بچے کے شعور میں ماں کی عظمت و محبت پیدا نہ کی اب ماں کیسے چاہتی ہے کہ اولاد اس کی خدمت کرے اور اس کے قدموں تلے جنت تلاش کرے۔ ہاں یہ بچہ ضرور ایسا کرتا اگر ماں نے اس کا حق ادا کیا ہوتا اگر اس نے ماں کو اپنی خدمت کرتے دیکھا ہوتا یا اس نے ماں کو نماز پڑھتے دیکھا ہوتا، قرآن کریم کی تلاوت کرتے دیکھا ہوتا اگر ماں نے اس کو نماز سکھائی ہوتی، قرآن کریم کی تعلیم دی ہوتی، دین کی تعلیم دی ہوتی۔

یاد رکھئے جو والدین اولاد پر خوب دولت خرچ کرتے اور بچوں کو دولت ہی کے سہارے پالتے ہیں ذاتی طور پر نہ بچوں کے لئے محنت کرتے ہیں نہ انہیں وقت دیتے ہیں۔ ان کی اولاد کو بھی صرف ان کی دولت ہی سے دلچسپی ہوتی ہے۔ ان کی ذات سے نہیں وہ ماں باپ کی دولت تو خوب اڑاتے ہیں لیکن اطاعت و فرمانبرداری یا ان کی خدمت کا انہیں احساس تک نہیں ہوتا۔ پس والدین اگر چاہتے ہیں کہ اولاد ان کی خدمت کرے تو انہیں اولاد کی خدمت کرنا چاہئے۔

### اولاد کے تین حقوق

نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خصوصیت کے ساتھ والدین پر اولاد کے تین حقوق کا تذکرہ فرمایا ہے جو اولاد کی اچھی تربیت اور اسے نیک بنانے کے لئے بنیادی حیثیت رکھتے ہیں اگر والدین ان تینوں حقوق کا لحاظ رکھیں تو انشاء اللہ اولاد کبھی باغی اور نافرمان نہ ہوگی۔ یہ روایت ہے حضرت ابوسعید اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما کی کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ”مَنْ وُلِدَ لَهُ فَلْيُحَسِّنْ اسْمَهُ وَادْبَهُ“ جس کے یہاں اولاد ہو تو وہ اس کا اچھا نام رکھے اور اسے اچھا ادب سکھائے۔ ”فَإِذَا بَلَغَ فَلْيُزَوِّجْهُ“ اور جب بالغ ہو جائے تو اس کا نکاح کر دے۔ ”فَإِنْ بَلَغَ وَلَمْ يُزَوِّجْهُ فَاصَابَ إِثْمًا“ اگر بالغ ہونے کے بعد اس کا نکاح نہ کیا۔ پس اگر اس نے گناہ کر لیا ”فَإِنَّمَا إِثْمُهُ عَلَى أَبِيهِ“ تو اس کا گناہ اس کے باپ پر ہوگا۔

میرے آقا ﷺ نے والدین پر اولاد کی تین ذمہ داریاں یہ بتائیں: اچھا نام رکھنا، ادب سکھانا، بالغ ہونے کے بعد نکاح کر دینا۔ ان تینوں باتوں کا ذمہ دار باپ کو ٹھہرایا گیا ہے کیونکہ گھر کا نگران اعلیٰ اصل میں تو باپ ہی ہے کہ گھر میں جو کام بھی شریعت کے خلاف ہوتا ہے۔ اس کا جواب دہ باپ ہی ہوگا جبکہ بد عملی کرنے والا بھی گناہ گار ہوگا حتیٰ کہ باپ کی یہ ذمہ داری بھی ہے کہ وہ اپنی بیوی کی نگرانی کرے کہ وہ بحیثیت ماں اپنی اولاد کا حق ادا کر رہی ہے یا نہیں، آئیے اب ان تینوں ذمہ داریوں پر قدرے تفصیلی نظر ڈالیں۔

اچھا نام، اچھا نام رکھنے کا حکم درحقیقت انسان کی نفسیات سے متعلق ہے کہ نفسیاتی طور پر ہر شخص کی عادات و اطوار اور اس کے کردار پر نام کا اثر پڑتا ہے۔ نیز برے ناموں سے گھر میں بے برکتی اور اچھے ناموں سے برکت ہوتی ہے۔ نبی مکرم

علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ طریقہ مبارک تھا کہ ”كَانَ يُغَيِّرُ الْإِسْمَ الْقَبِيحَ“ آپ برے نام کو بدل دیتے تھے کوئی اچھا نام رکھ دیتے۔ مسلمانوں کو اپنے بچوں کے نام ایسے رکھنا چاہئیں جن سے ان کے مسلمان ہونے کا پتہ چلے، اللہ کی بندگی کا اظہار ہو یا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے امتی غلام اور عاشق ہونے کا پتہ چلے یا بزرگوں، ولیوں اور اللہ کے نیک بندوں سے نسبت اور تعلق ظاہر ہو۔ بروایت حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ”إِنَّ أَحَبَّ أَسْمَائِكُمْ إِلَى اللَّهِ عَبْدُ اللَّهِ وَعَبْدُ الرَّحْمَنِ“ تمہارے ناموں میں سے عبد اللہ اور عبد الرحمن اللہ کو سب سے زیادہ پسند ہیں۔ (مسلم شریف)

عبد اللہ، عبد الرحمن یا اسی قسم کے دوسرے نام ہیں مثلاً عبد الرحیم، عبد المنان، عبد التواب، عبد الباسط، عبد الرزاق وغیرہ کہ ان ناموں سے بچوں کو شروع سے ہی احساس ہوتا رہتا ہے کہ وہ اللہ کا بندہ ہے اور صرف اللہ ہی اس کا معبود ہے۔ نیز میرے آقا ﷺ کا ارشاد ہے: ”تَسْمَةُ الْأَنْبِيَاءِ“ انبیاء کے ناموں پر اپنے نام رکھا کرو (ابوداؤد) جیسے محمد ابراہیم، محمد ایوب، محمد یعقوب، محمد زکریا وغیرہ کہ ان ناموں سے برکت بھی حاصل ہوتی ہے اور یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ یہ شخص اللہ کے تمام نبیوں پر ایمان رکھتا اور ان کا احترام کرتا ہے۔ ”محمد“ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اسمِ برامی نام کے ساتھ ملانا بڑا ہی باعث برکت ہے کہ خود آپ ﷺ نے اس کی اجازت دی اور فرمایا: ”سَمُّوا بِاسْمِي“ میرے نام پر نام رکھو۔ نیز بروایت حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ آپ کا ارشاد ہے: ”مَنْ وَلِدَ لَهُ مَوْلُودَ فِسْمَاهُ مُحَمَّدًا حَبْلًا لِي وَتَبْرًا بِاسْمِي كَانَ هُوَ وَمَوْلُودُهُ فِي الْجَنَّةِ“ جس کے یہاں لڑکا پیدا ہوا اور اس نے اس کا نام محمد رکھا مجھ سے محبت کی وجہ سے اور برکت حاصل کرنے کے لئے تو وہ اور اس کا بیٹا دونوں جنت میں ہوں گے۔

غلام محمد، غلام نبی، غلام مصطفیٰ، عبد النبی، عبد المصطفیٰ، محمد مصطفیٰ، احمد رضا وغیرہ کیسے پیارے نام ہیں جن سے برکت بھی حاصل ہوتی ہے اور بچے کے شعور میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی غلامی کا احساس بھی پیدا ہوتا ہے نیز آپ ﷺ سے محبت اور قلبی تعلق پیدا ہوتا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اسی سلسلہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بیان کردہ ایک واقعہ روایت کیا کہ آپ نے فرمایا: ”قیامت کے دن دو آدمی اللہ کے دربار میں حاضر کئے جائیں گے اللہ تعالیٰ انہیں جنت میں داخل کرنے کا حکم دے گا وہ خوش ہو کر عرض کریں گے الہی! ہم کس عمل کی وجہ سے جنت میں جانے کے قابل ہوئے ہم نے تو کوئی ایسا نیک کام نہیں کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تم دونوں جنت میں داخل ہو جاؤ۔“ فَأَنَّى الْيَتُ عَلَى نَفْسِي أَنْ لَا يَدْخُلَ النَّارَ مَنْ كَانَ اسْمُهُ أَحْمَدَ وَلَا مُحَمَّدَ“ کیونکہ میں اپنی قسم فرما چکا ہوں کہ جہنم میں کوئی ایسا شخص داخل نہ ہوگا جس کا نام احمد ہو اور نہ ہی وہ جس کا نام محمد ہو۔ نبیط ابن شریح رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ ”لَا أُعَذِّبُ أَحَدًا تُسَمَّى بِاسْمِكَ فِي النَّارِ“ جس کا نام آپ کے نام پر ہوگا اسے میں جہنم کے عذاب میں مبتلا نہ کروں گا۔“

غور فرمائیے بچے کا نام احمد یا محمد رکھنا یا نام کے ساتھ احمد یا محمد ملانا جہنم سے آزادی کی سند ہے اور یقیناً دنیا میں بھی

اس کی برکتیں نصیب ہوں گی۔ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”مَا كَانَ فِي أَهْلِ بَيْتِ إِسْمَ مُحَمَّدٍ إِلَّا كَثُرَتْ فِيهِ بَرَكَتُهُ“ جن گھر والوں میں کوئی محمد نام والا ہوتا ہے اس گھر کی برکت بڑھ جاتی ہے۔ اور حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ”مَنْ أَرَادَ أَنْ يَكُونَ حَمَلٌ زَوْجَتِهِ ذَكَرًا“ جو چاہے کہ اس کی بیوی کے حمل میں لڑکا ہو۔ ”فَلْيَضَعْ يَدَهُ عَلَى بَطْنِهَا“ تو وہ بیوی کے پیٹ پر ہاتھ رکھے۔ ”وَيَقُلْ إِنْ كَانَ ذَكَرًا فَقَدْ سَمَّيْتَهُ مُحَمَّدًا“ اور کہے کہ اگر لڑکا ہو گا تو میں نے اس کا نام محمد رکھا۔ ”فَإِنَّهُ يَكُونُ ذَكَرًا“ پس لڑکا ہی پیدا ہوگا۔ (زرقانی) اسی طرح لڑکیوں کے نام بھی متقی عورتوں کے ناموں پر رکھنے چاہئیں جیسے خدیجہ، فاطمہ، عائشہ، زینب، رقیہ، ام کلثوم، طیبہ، طاہرہ، نفیسہ، جمیلہ، ریحانہ، ماریہ، مریم وغیرہ۔

ادب سکھانا، ماں باپ کی دوسری ذمہ داری بچوں کو ادب سکھانا ہے یعنی بچے کو شریعت کے مطابق رہنے، سہنے اور زندگی بسر کرنے کا ڈھنگ سکھانا کہ بچہ بڑا ہو کر مسلم معاشرے کا ایک اچھا فرد نظر آئے یہی ادب تہذیب کہلاتا ہے۔ ہر مذہب اور قوم کی اپنی اپنی تہذیب ہوتی ہے اور اسی سے افراد کی پہچان ہوتی ہے۔ اسلامی تہذیب سے بہتر کوئی تہذیب نہیں جس سے مزین مسلمان ایک چمکدار ہیرا نظر آتا ہے۔ نیز اس تہذیب کا دائرہ اتنا وسیع ہے کہ زندگی کے ہر عمل کو اس سے آراستہ کیا جاسکتا ہے۔ اسلامی ادب یا تہذیب میں بڑوں کی عزت اور چھوٹوں پر شفقت کی تعلیم دی جاتی ہے۔ ظلم و جبر، غصب، مکر، فریب، جھوٹ، نفرت، بغض، عناد، کینہ، ایذا، ورسائی، وعدہ خلافی، وقت ضائع کرنا، لہو و لعب، کام میں سستی کرنا، زبان پر قابو نہ رکھنا یہ سب بیماریاں ہیں، ایسی بیماریاں جن میں مبتلا افراد ہی گھروں کی بربادی، معاشرے کی بد حالی اور قوم کی تباہی کا سبب بنتے ہیں۔ اسلامی ادب ایسی تمام بیماریوں سے نجات کی ضمانت دیتا ہے کہ اگر والدین اولاد کو اسلامی ادب کی تعلیم دیں تو ان میں کبھی ان بیماریوں کے جراثیم پیدا نہیں ہو سکتے۔

مغرب کی جس تہذیب کو آج ہم نے ترقی یافتہ دور کی ضرورت یا ترقی یافتہ ہونے کی علامت یا فیشن سمجھ رکھا ہے وہ اسلامی تہذیب کے بالکل برعکس ہے اس میں نہ عزت و شفقت ہے، نہ محبت و الفت، نہ اپنوں غیروں کا فرق، نہ ایثار و قربانی کا تصور، نہ کسی کے دکھ درد کا احساس، وہاں نہ دیانت و امانت نظر آتی ہے نہ ظاہری و باطنی پاکیزگی، حلال و حرام کے امتیاز کے بغیر دولت کمانا، نفس کی خواہش پوری کرنا، کھانا پینا اور کلبوں میں ناچنا ان کی زندگی کے اہم مقاصد ہیں۔ مسلمان اس تہذیب کو اپنا کر کبھی پرسکون زندگی بسر نہیں کر پاتا کہ اس کے لئے یہ ایسا ہی ہے جیسے کسی انسان کو جانوروں کے گلہ میں چھوڑ دیا جائے ورنہ ہے جو جانوروں کے ساتھ رہ کر چند لمحہ بھی خوش رہے گا۔

اسلامی ادب یا اسلامی تہذیب کا زیور دین کی تعلیم سے حاصل ہوتا ہے، دینی معلومات سے حاصل ہوتا ہے۔ اس سلسلہ میں پہلی ذمہ داری ماں کی ہے کہ ماں کی گود درحقیقت بچے کا پہلا بہترین اسکول ہے۔ جس کی تعلیم کے اثرات بچہ پر ساری زندگی رہتے ہیں۔ جن اسلاف کو ہم احترام کی نظروں سے دیکھتے ہیں اگر آپ ان کے حالات پر غور کریں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ان کی عظمت اور رفعت کا بنیادی سبب ماں کی تعلیم ہی ہے۔ پس ہر ماں کو چاہئے کہ وہ ابتداء ہی سے بچے کے لئے

دینی ماحول فراہم کرے نیز بچے کے ہوش سنبھالنے سے پہلے اس کو دین سکھانے کا آغاز کر دے مثلاً جب بچہ بولنے کی کوشش کر رہا ہو تو اس کے سامنے اللہ، اللہ کہا جائے تاکہ اس کی زبان پر پہلا لفظ یہی آئے پھر بچہ کو کلمہ سکھایا جائے، بچے کو سنانے کے لئے درود شریف یا حمد و نعت کے بول سنائے جائیں، سونے کے لئے ماں بچے کو لٹائے تو اسے روزانہ تھوڑی تھوڑی نماز یاد کرائے، جوں جوں بچہ بڑھتا جائے ماں اس کی تعلیم میں اضافہ کرتی جائے۔ بچہ کو کھانا کھانے، پانی پینے کے آداب سکھانا، سونے سے پہلے گھر میں سب کو سلام کرنے، سو کر اٹھے تو سب کو سلام کرنے کی تاکید کرنا، صاف ستھرا رہنے، وضو کرنے کا طریقہ سکھانا یہ سب ماں ہی کی ذمہ داریاں ہیں۔ جب بچہ سکول جانے لگے تو ساتھ ہی بچے کو قرآن کریم کی تعلیم دینا یا کم از کم سکول ہی کی طرح بچہ کو پابندی سے مدرسہ بھیجنا ماں ہی کا کام ہے اور یہ سب کام سات سال کی عمر میں بچے کو ختم کر دینے چاہئیں کہ اس عمر کے بعد باپ کی ذمہ داریوں کا آغاز ہوتا ہے۔ بروایت حضرت عمر بن شعیب رضی اللہ عنہ، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ”مُرُوا أَبْنَاءَكُمْ بِالصَّلَاةِ وَهُمْ أَبْنَاءُ سَبْعِ سِنِينَ“ اپنے بچوں کو نماز کا حکم کرو جب وہ سات سال کے ہو جائیں۔ ”وَاصْرِبُوهُمْ عَلَيْهَا وَهُمْ أَبْنَاءُ عَشْرِ سِنِينَ“ اور جب وہ دس سال کے ہو جائیں تو انہیں (نماز نہ پڑھنے پر) مارو۔ ”وَفَرِّقُوا بَيْنَهُمْ فِي الْمَضَاجِعِ“ اور ان کے بستر علیحدہ کر دو۔ اس ارشاد پر آپ جتنا غور کریں گے اتنے ہی اس کے فوائد آپ کو معلوم ہوں گے۔

سات سال کی عمر بچوں کے ہوش و حواس پورے ہونے کی ابتدائی عمر ہے۔ اس عمر سے نماز کی پابندی کرانے کا حکم اس لئے دیا جا رہا ہے کہ شروع سے ہی بچہ کے ذہن میں یہ بات سما جائے کہ اسے شریعت کی پابندی کرنا ہے۔ دس سال کی عمر سے بچہ میں سرکشی، بغاوت اور نافرمانی کے جراثیم پیدا ہوتے ہیں۔ جس کی پہلی علامت یہ ہے کہ وہ دین کی پابندی سے گریز کرنے لگتا ہے۔ لہذا اس عمر میں مارنے کی اجازت دی گئی تاکہ اسے نماز اور دین کی پابندی کا احساس ہو کہ یہ اس قدر اہم ہے کہ جو باپ آج تک مجھ سے صرف محبت ہی کرتا تھا آج میں اسی سے پٹ رہا ہوں۔ نیز احکام دین کی پابندی کا ذریعہ نماز کو قرار دیا گیا کیونکہ بچے کو نماز کا عادی بنادینا ہی درحقیقت دین کے اکثر احکام پر عمل کا ذریعہ بنتا ہے کہ جب بچہ نماز پڑھے گا تو اسے پاک و صاف رہنے کے طریقوں، وضو اور غسل کے طریقوں کی بھی تعلیم دی جائے گی۔ قرآن کریم پڑھنا سکھایا جائے گا، جب وہ نماز کے لئے مسجد جائے گا تو لوگوں سے بات کرنے، ملنے جلنے کا بھی ڈھنگ سیکھے گا۔ نیز اسے ساری زندگی احساس رہے گا کہ میں مسلمان ہوں اور مسلمان کا قدم کلبوں کی طرف نہیں بلکہ مسجد کی طرف بڑھتا ہے۔ الغرض نماز دین کا بنیادی اہم رکن ہے جس کی پابندی دین کے بیشتر احکام کی پابندی اور تعلیم کا ذریعہ بن جاتی ہے، اسی لئے نماز کی پابندی کرانے کی غرض سے اگر بچے کو مارنا بھی پڑے تو میرے آقا ﷺ ایسا کرنے کی بھی اجازت دے رہے ہیں کہ باپ کا بچہ کو مارنا اس پر ظلم نہیں بلکہ رحمت ہے کہ باپ کی مار اولاد کی زندگی کو سدھارنے اور سنوارنے کا ذریعہ ہے۔ حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت لقمان علیہ السلام کا ایک مقولہ لکھا ہے: ”ضَرْبُ الْوَالِدِ لِلْوَلَدِ كَمَطَرِ السَّمَاءِ لِلزَّرْعِ“ بچہ کے لئے باپ کی مار ایسی ہے جیسے کھیتی کے لئے آسمان کی بارش، جس طرح بارش سے مرجھائی ہوئی کھیتی سرسبز و شاداب ہو جاتی ہے اسی طرح بچوں

کو باپ کی مار ہمیشہ کے لئے سرسبز و شاداب کر دیتی ہے اور ان کی زندگی کی کھیتی کو ہرا بھرا بنا دیتی ہے۔

غرضیکہ باپ کی ذمہ داریوں کا آغاز یہاں سے ہوتا ہے کہ وہ اولاد کو نماز کا پابند بنائے لیکن ظاہر ہے کہ یہ ذمہ داری وہی باپ پوری کر سکتا ہے جو خود نماز کا پابند ہو اور جس کے ذہن میں دنیا سے زیادہ دین کی اہمیت ہو۔ آج کل ہم مسجدوں میں عمر رسیدہ افراد کی اکثریت دیکھتے ہیں اور جب کسی سے کہتے ہیں کہ آپ اپنے بچوں کو بھی نماز کے لئے لایا کریں تو جواب ملتا ہے کہ بچوں کو سکول کا کام بہت ہوتا ہے۔ گویا باپ ہی کے ذہن میں نماز سے زیادہ سکول کی اہمیت ہے تو ایسا باپ درحقیقت خود ہی اولاد کے دین سے دوری کا سبب ہے اور وہ کبھی اولاد سے سکھ نہیں پاسکتا، اولاد سے چین اور سکھ وہی لوگ حاصل کرتے ہیں جو اسے اسلامی ادب، اسلامی تہذیب سے آشنا کرتے ہیں کہ میرے آقا ﷺ کا ارشاد ہے: ”مَنْ آذَبَ ابْنَهُ صَغِيرًا قُرَّتْ عَيْنُهُ كَبِيرًا“ جس نے بچہ کو بچپن ہی میں ادب سکھایا اس کی آنکھ ٹھنڈی کر دی گئی بڑے ہونے پر یعنی وہی اولاد دل کا قرار اور آنکھوں کی ٹھنڈک بنتی ہے، جسے والدین بچپن ہی میں ادب سکھا دیتے ہیں اور جو والدین خود ہی اپنی ذمہ داری پوری نہیں کرتے انہیں اولاد کی نافرمانی اور سرکشی کے شکوے کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔

باپ کو چاہئے کہ وہ جس طرح بچوں کی دنیاوی تعلیم کا بہتر سے بہتر انتظام کرنا چاہتا ہے اسی طرح وہ ان کی دینی تعلیم کا بھی انتظام کرے اور اتنی مذہبی تعلیم دلا دے کہ ایک مسلمان کی حیثیت سے زندگی میں شریعت کے جن مسئلوں کی ضرورت پیش آتی ہے اس کا بچہ بڑے ہونے کے بعد ان میں غلطی نہ کرے۔ نیز وہ بڑوں، چھوٹوں، اپنوں اور غیروں کے حقوق پوری طرح جانے اور پہچانے لیکن جس باپ کی یہ حالت ہو کہ وہ بچے کو ڈاکٹر، انجینئر، وکیل وغیرہ بنانے اور دنیا کی اعلیٰ تعلیم دلانے کے لئے تو سب کچھ کر سکتا ہے لیکن دین کی تعلیم دلانے کے لئے وہ چند پیسے بھی خرچ کرنا گوارا نہ کرتا ہو اچھا سکول ہو چاہے فیس کتنی ہی ہو کسی طرح فیس کی ادائیگی کا انتظام کر ہی لیا جائے گا لیکن مدرسہ کے لئے دس بیس روپیہ بھی خرچ کرنا بارہوں بلکہ اگر مفت تعلیم کا انتظام ہو تب بھی بچہ کو پابندی سے مدرسہ سے نہ بھیجا جاسکے تو ایسے والدین کو یقین کر لینا چاہئے کہ ان کا بچہ ان کی آرزو کے مطابق شاید دنیا کی اعلیٰ تعلیم تو حاصل کر لے گا لیکن وہ انہیں بڑھاپے میں برداشت نہ کر سکے گا وہ دنیا کے علم سے دنیا کمانے میں لگے گا اس کے پاس والدین کی خدمت کے لئے نہ وقت ہو گا نہ اسے اس کا احساس ہو گا کہ ان بوڑھے ماں باپ کی خدمت بھی میری ذمہ داری ہے حتیٰ کہ ماں باپ کا جنازہ بھی دوسرے ہی پڑھیں گے صاحبزادے دور کھڑے دیکھ رہے ہوں گے یہ فرضی باتیں نہیں یہ ہوتا ہے آنکھوں نے دیکھا ہے ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ ماں کا یا باپ کا جنازہ بیٹا خود پڑھاتا کہ یہی شرعی حکم ہے لیکن افسوس کہ آج اکثر والدین اس خوش نصیبی سے محروم ہیں اور یہ قصور ان کا اپنا ہی ہے۔ آج تو گھر میں فاتحہ تک نہیں ہو پاتی جب تک مسجد کے امام صاحب ہاتھ نہ لگیں اس کے باوجود آپ کہتے ہیں کہ یہ ترقی اور علم کا دور ہے نہیں حقیقتاً یہ جہالت کا بدترین دور ہے اسی جہالت سے بچانے کے لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ تاکید فرمایا کرتے تھے: ”اَذْبُوا أَوْلَادَكُمْ وَعَلِّمُوهُمْ“ لوگوں! اپنی اولاد کی اچھی تربیت کرو اور انہیں علم سکھاؤ۔

اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس نصیحت پر عمل کرتے ہوئے والدین اپنی ذمہ داری پوری کرتے تو علماء سے یہ کہنے

کی ضرورت نہ پڑتی کہ لوگوں کو وضو کے، تیمم کے اور غسل کے مسائل بتائیے، نماز کے فرائض اور سنتیں بیان کیجئے۔ ہم سوچتے ہیں کہ یہ لوگ نو مسلم تو نہیں جنہیں علماء نہایت ہی ابتدائی مسائل بتائیں وہ مسائل جو ہمارے والدین نے ہمیں دس برس کی عمر ہونے سے پہلے ہی سکھا دیئے تھے۔ آج والدین اولاد کو کیا دیتے ہیں، اولاد کے لئے تو ان کا سب سے بڑا تحفہ دین کی تعلیم ہے جس سے اولاد محروم رہی اور بڑے ہونے کے بعد وہ والدین کی نافرمان، سرکش اور آوارہ ہو گئی، یہ گلی کوچوں میں پھرنے والے بچے، یہ بدکاریوں میں مبتلا نوجوان چلتا پھرتا ثبوت ہیں اپنے والدین کی لاپرواہی کا کاش انہیں والدین نے شریعت کے مطابق پالا پوسا ہوتا۔

نکاح کرنا، والدین کی تیسری اور آخری ذمہ داری یہ ہے کہ لڑکی یا لڑکا جو نہی بالغ ہو تو ان کے نکاح کی فکر کریں اور جس قدر جلد ممکن ہو اس ذمہ داری سے بھی سبکدوش ہو جائیں تاکہ نوجوان بچوں کو کسی قسم کی برائی میں مبتلا ہونے کا موقع ہاتھ نہ آنے پائے، اگر وہ کسی گناہ میں مبتلا ہو گئے تو یہ بھی والدین کی لاپرواہی کا نتیجہ قرار پائے گا اور وہ گناہ گار بھی ہوں گے۔ اسی لئے اسلام نے عمل نکاح کو بہت آسان رکھا کہ نہ عمر کی قید رکھی اور نہ ہی جہیز اور لین دین کو لازمی قرار دیا حتیٰ کہ مہر بھی شوہر کی استطاعت کے مطابق مقرر کرنے کا حکم دیا گیا۔ موجودہ رسم و رواج جنہوں نے اس آسان عمل کو دشوار اور ایک بڑا بار بنا دیا ہے ہمارے اپنے پیدا کردہ ہیں۔ شریعت مطہرہ کا ان سے کوئی تعلق نہیں ان رسوم کا جو اثر معاشرے اور والدین پر ہو رہا ہے وہ سب ہی جانتے اور مانتے ہیں اور ان سے پریشان بھی ہیں لیکن کوئی چھوڑنے پر آمادہ نہیں۔

بچہ جب بالغ ہو جائے تو اس کے لئے جوڑا تلاش کرنا اور شادی کے ضروری انتظامات کرنا والدین کی ذمہ داری ہے۔ مغربی تہذیب اور اس پر فریفتہ افراد قابل نفرت ہیں جو اپنی لڑکیوں کو بنا سنوار کر کلبوں میں بھیجتے اور بازاروں اور گلیوں میں پھراتے ہیں کہ وہ خود اپنے لئے لڑکا تلاش کریں اور اپنے لڑکوں سے کہتے ہیں کہ لڑکیوں سے دوستی کرو اور جو پسند ہو اس کو بیوی بنا لو۔ یہ تہذیب نہ صرف کسی ایک خاندان کی بربادی کا ذریعہ ہے بلکہ مسلمانوں کے پورے معاشرے کو تباہ کر دیتی ہے۔ اسلام بچوں کی شادی کرنا والدین کی ذمہ داری قرار دیتا ہے کہ وہ بچوں کے لئے اپنے خاندانی معیار اور اپنی تہذیب کے مطابق جوڑا تلاش کریں۔ نیز اسلام تاکید کرتا ہے کہ لڑکے یا لڑکی کی شادی کو نام و نمود یا دولت حاصل کرنے کا ذریعہ نہ بنایا جائے بلکہ مذہب کی حفاظت اور بچوں سے جاری ہونے والی نسل میں اسلام کی بقاء کا خیال رکھا جائے۔

والدین جب لڑکے کے لئے لڑکی تلاش کریں تو خاندان، حسن و جمال اور دولت سے زیادہ وہ لڑکی کی دینداری دیکھیں کہ اس لڑکی کو کچھ عرصہ بعد ماں بننا ہے اگر وہ بے دین ہوگی تو اس کی اولاد بھی بے دین ہی رہے گی اور اس طرح یہ نسل تباہ ہو جائے گی۔ اسی طرح جب لڑکی کے لئے لڑکا تلاش کیا جائے تو اس کی دینی تعلیم، مذہب سے لگاؤ اور اس سے پابندی کا اندازہ لگایا جائے۔ نیز اس کے اچھے اخلاق و عادات پر بھی نظر رکھی جائے چاہے وہ لڑکی سے تعلیم دولت وغیرہ میں کم ہی کیوں نہ ہو کہ ایسا ہی لڑکا کامیاب شوہر بن سکتا ہے، لڑکی کو سکون و آرام کی زندگی مہیا کر سکتا ہے اور شریعت کے مطابق بیوی کے حقوق ادا کر سکتا ہے۔

اسلام یہ بھی چاہتا ہے کہ والدین بچوں کی شادی میں اتنی تاخیر نہ کریں کہ وہ اپنی جنسی تسکین کے لئے بدکاریوں اور برائیوں میں مبتلا ہو جائیں یا جو کام والدین کا ہے اس کو مجبوراً وہ خود کر لیں اور پھر ماں باپ روئیں کہ بیٹی یا بیٹے نے ان کی مرضی کے خلاف اپنا گھر بسا لیا جیسا کہ اکثر غیر مسلم ممالک میں آباد مسلمانوں کے ساتھ ہوتا ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ یہ ہوتا ہے کہ لڑکا کسی غیر مسلم لڑکی کو اور لڑکی کسی غیر مسلم لڑکے کو پسند کر لیتے ہیں اور والدین کی عزت و آبرو کو پامال کر دیتے ہیں۔ نیز ایسا رشتہ اکثر ناکام ہی رہتا ہے اور بے شمار خرابیوں کا سبب بنتا ہے۔ پس غیر مسلم تہذیب سے اولاد کو بچانے کے لئے ضروری ہے کہ مسلمان جلد از جلد اپنے بچوں کے لئے جوڑے تلاش کریں۔ شادی میں تاخیر کی وجہ لڑکی کی تعلیم مکمل ہو جانے کا انتظار یا لڑکے کے خود کفیل ہو جانے کا انتظار کرنا یعنی ہے اور خود اپنے ہی لئے الجھنیں اور پریشانیاں پیدا کرنا ہیں۔ رزق دینے والا اللہ ہے، جو جوڑا بننے کے بعد حسب ضرورت رزق کا دروازہ کھول دیتا ہے اور اس کے حصول کے اسباب پیدا فرما دیتا ہے۔ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ ”اولاد مرد کے مقدر سے اور دولت عورت کے مقدر سے وابستہ ہے“ پس جب دونوں کا جوڑا بنے گا تو جس کے مقدر میں جو ہے وہ ضرور حاصل ہوگا۔

اسلام یہ بھی چاہتا ہے کہ شادی کی ذمہ داری نہایت سادگی سے پوری کی جائے کہ شادی نام و نمود کا ذریعہ نہیں بلکہ ایک بڑی ذمہ داری پوری کرنا ہے۔ قرض، ادھار کر کے لڑکی کے جہیز کا انتظام کرنا یا لڑکے کے ولیمہ پر صرف دکھانے کے لئے ہزاروں لوگوں کو مدعو کرنا خلاف شرع بھی ہے اور حماقت بھی۔ اسی طرح لڑکی والوں سے جہیز طلب کرنا یا اس کی امید بھی کرنا نہایت ہی رکیک حرکت ہے۔ اس سے زیادہ ذلیل حرکت یہ کہ جو لڑکی جہیز نہ لائے اس پر ہر وقت طعنہ زنی کی جاتی رہے اپنی حسب حیثیت اس خوشی کے موقع پر والدین اپنی مرضی سے جو کچھ کر سکتے ہیں وہ کریں شریعت مطہرہ نے شادی کو نہایت سادہ مذہبی عمل قرار دیا ہے لیکن جاہلانہ رسم و رواج نے اس کو پورے معاشرے پر ایسا بوجھ بنا دیا ہے کہ کثیر اخراجات کی سکت نہ رکھنے والے یا تو اپنے بچوں کی یہ ذمہ داری پوری ہی نہیں کر پاتے اور یا ایک ہی بچے کی شادی کر کے تباہ حال ہو جاتے ہیں۔

غرضیکہ جو والدین شریعت کے مطابق اپنی اولاد کی شادی کر کے اپنی ذمہ داری پوری کرتے ہیں اور اچھی بہو یا اچھا داماد حاصل کر لیتے ہیں وہ بڑے ہی خوش نصیب ہیں ان کی اولاد، ان کے لئے ہمیشہ سکون کا ذریعہ ہوتی ہے اور ان کے کام آتی ہے، بڑھاپے میں ان کی خدمت کی ذمہ داری پوری کرتی ہے۔

بیٹا یا بیٹی

اولاد کی اگر صحیح تربیت کی جائے تو وہ بیٹا ہو یا بیٹی اللہ کی نعمت ہے، آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کا سرور ہے اور اگر تربیت میں کمی رہ جائے تو اللہ کا عذاب ہے، باعث تنگ و عار ہے، عزت و آبرو کے لئے خطرہ ہے نہ جانے کیوں انسان بیٹوں کی آرزو کرتا ہے لیکن مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ وہ بیٹوں کی پیدائش پر تو خوش ہو اور بیٹی کی پیدائش اس کے لئے رنج و غم کا باعث بنے۔ یہ تو کافروں کا طریقہ ہے جسے بیان کرتے ہوئے قرآن کریم فرماتا ہے:

وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُم بِالْأُنثَىٰ فَهُوَ كَافٍ ۚ وَمِنْ وَجْهِ مُمُتَةٍ ۚ وَهُوَ كَظِيمٌ ۚ يَتَوَلَّوْنَ الْفَوَاحِشَ مِنْ النَّفْوِ

مِنْ سُوءِ مَا بُشِّرَ بِهِ ۖ أَيُّسِرُّهُ عَلَى هُوْنٍ أَمْ يَدُسُّهُ فِي التُّرَابِ ۗ أَلَا سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ ﴿٥٩﴾

(النحل: ۵۸، ۵۹)

”اور جب اطلاع دی جاتی ہے ان (کافروں) میں سے کسی کو بٹی (پیدا ہونے) کی تو (غم سے) اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے اور وہ (رنج و الم سے) چھپتا پھرتا ہے لوگوں (کی نظروں) سے اس بری خبر کے باعث جو اسے دی گئی (اب یہ سوچتا ہے کہ) کیا وہ اس بچی کو اپنے پاس رکھے ذلت کے ساتھ یا اسے مٹی میں گاڑ دے، آہ وہ فیصلہ کتنا برا ہے جو وہ کرتے ہیں۔“

یہ کفار کی عادت تھی کہ جب بٹی کی پیدائش کی خبر انہیں ملتی تو گھر میں صف ماتم بچھ جاتی اور باپ کا چہرہ غم و اندوہ سے سیاہ ہو جاتا تھا۔ وہ بٹی کی پیدائش کو باعث ننگ و عار سمجھتا تھا اور شرمندگی کے سبب لوگوں سے چھپتا پھرتا تھا اور سوچنے لگتا تھا کہ اس لڑکی کی پرورش کروں یا اسے زندہ درگور کر دوں۔ عرب کے مشہور قبائل مضرب، خزاعہ اور بنو تمیم تو لڑکیوں کو زندہ دفن ہی کر دیتے تھے ان کا یہ دستور تھا کہ جب بچی چھ سال کی ہو جاتی تو اس کے لئے جنگل میں ایک گہرا گڑھا کھودا جاتا تھا بچی کو بنا سنوار کر وہاں لے جاتے اور دھوکے سے اس کو گڑھے میں دھکا دے کر دفن کر دیتے تھے۔

اسلام دین رحمت ہے جو ہر مخلوق سے محبت اور اس پر رحم کی تعلیم دیتا ہے۔ صف نازک جو نسل انسانی کی بقاء کا ذریعہ ہے۔ اسلام کی رحمت سے کس طرح محروم رہ سکتی ہے۔ دنیا نے عورت کو یا تو عیش و عشرت کا ذریعہ بنایا یا اسے زندہ درگور کیا لیکن اسلام نے اسے بلند مرتبہ عطا فرمایا اور مردوں کی طرح اس کے وجود کو بھی معزز و محترم قرار دیا۔ داعی اسلام نبی رحمت ﷺ جو خود چار بیٹوں کے باپ ہیں۔ ارشاد فرماتے ہیں، روایت ہے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی ”مَنْ كَانَ لَهُ بِنْتُ“ جس کی ایک بچی ہوئی، ”فَادَّبَهَا فَاخْسَنَ اَدَبَهَا“ اس نے اس کی خوب اچھی تربیت کی، ”وَعَلَّمَهَا فَاخْسَنَ تَعْلِيمَهَا“ اور خوب اچھی تعلیم دلائی، ”وَأَسْبَغَ عَلَيْهَا مِنْ نِعَمِ اللَّهِ الَّتِي أَسْبَغَ عَلَيْهِ“ اور اللہ کی عطا کردہ نعمتوں کو اس پر خوب خرچ کیا، ”كَانَتْ لَهُ سِتْرًا مِنَ النَّارِ“ تو وہ بچی اس کے لئے جہنم کی آگ سے پردہ بن جائے گی (ترمذی شریف) یہ ہے اللہ کی نعمت جو ذخیرہ آخرت بنتی ہے، ماں باپ کے لئے جہنم کی آگ سے نجات کا ذریعہ بنتی ہے کیا اس کی پیدائش پر غم کرنا چاہئے۔ حق تو یہ ہے کہ بیٹے کی پیدائش سے زیادہ بٹی کی پیدائش پر خوش ہونا چاہئے کہ صرف اولاد ہی نہیں آئی بلکہ وہ نعمت ہاتھ لگی جو جہنم کی آگ سے آزادی کا مژدہ ہے۔ اسی مضمون کی ایک حدیث ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں کہ ”میرے پاس ایک عورت آئی جس کے ساتھ اس کی دو بیٹیاں بھی تھیں، اس نے مجھ سے کچھ کھانے کے لئے مانگا اس وقت میرے پاس ایک کھجور کے سوا کچھ نہ تھا۔ پس میں نے وہی اس کو دے دی۔ اس نے وہ کھجور دونوں بیٹیوں کو کھلا دی اور خود نہ کھائی، جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لائے تو میں نے آپ ﷺ کو اس عورت کی بیٹیوں سے محبت بتائی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”مَنْ ابْتَلَى مِنْ هَذِهِ الْبَنَاتِ بَشًى فَاخْسَنَ إِلَيْهِنَّ كُنَّ لَهُ سِتْرًا مِنَ النَّارِ“ جو ان لڑکوں کی وجہ سے آزمایا گیا اور اس نے ان کے ساتھ بھلائی کی تو وہ لڑکیاں اس کے لئے جہنم کی آگ سے پردہ بن جائیں گی (بخاری شریف) حق فرمایا، میرے آقا ﷺ نے



واقعی بیٹیاں ایک آزمائش ہوتی ہیں کہ والدین کو بیٹوں سے بڑا سہارا ہوتا ہے اور وہ ان سے بڑی امیدیں وابستہ کئے ہوتے ہیں، ان کو وہ اپنے ہی لئے پالتے ہیں لیکن بیٹیاں تو ماں باپ کے پاس کسی دوسرے کی امانت ہوتی ہیں۔ ان کو وہ کسی کو سپرد کر دینے کے لئے پالتے ہیں گویا بیٹوں کی پرورش میں غرض ہے، لالچ ہے اور بیٹیوں کی پرورش بے غرض ہے، بے طمع ہے۔ پس جو کام بغیر غرض اور لالچ کے کیا جائے وہی زیادہ باعث برکت اور باعث ثواب ہوتا ہے، لہذا بیٹیوں کی پرورش کا صلہ جہنم سے آزادی مقرر کیا گیا مزید ملاحظہ ہوں میرے آقا ﷺ کے چند ارشادات:

بروایت حضرت انس رضی اللہ عنہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے: ”مَنْ عَالَى جَارِيتَيْنِ حَتَّى تَبْلُغَا“ جو دو بیٹیوں کی پرورش کرے یہاں تک کہ وہ جوان ہو جائیں، ”جَاءَ يَوْمَ الْقِيَمَةِ أَنَا وَهَوَ هَكَذَا“ وہ قیامت کے دن حاضر ہوگا کہ وہ اور میں اس طرح ہوں گے (یہ فرماتے ہوئے آپ ﷺ نے) ”وَضَمَّ أَصَابِعَهُ“ اپنی دو انگلیوں کو ملایا یعنی اس اشارے سے بتا دیا کہ دو بیٹیوں کی پرورش کرنے والا جنت میں میرے بہت ہی قریب ہوگا۔ (مسلم شریف)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بتاتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ”مَنْ كَانَتْ لَهُ أُنْثَى فَلَمْ يَأْذُهَا وَلَمْ يُهْنِهَا وَلَمْ يُؤْثِرْ وَلَدَهُ عَلَيْهَا يَعْنِي الذُّكُورَ أَدْخَلَهُ اللَّهُ الْجَنَّةَ“ جس کی بیٹی ہو اور وہ اسے زندہ دفن نہ کرے اور نہ اسے حقیر جانے اور نہ اپنے بیٹے پر اس کو ترجیح دے تو اللہ اسے جنت میں داخل فرمائے گا۔ (ابوداؤد شریف)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ”لَا يَكُونُ لِأَحَدِكُمْ ثَلَاثُ بَنَاتٍ أَوْ ثَلَاثُ أَخَوَاتٍ فَيُحْسِنَ إِلَيْهِنَّ إِلَّا دَخَلَ الْجَنَّةَ“ جس نے تین بیٹیوں یا تین بہنوں کو پالا اور ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا تو اس کے لئے جنت ہے۔ (ترمذی شریف)

ان ارشادات پر غور کرنے کے بعد فیصلہ کیجئے کہ کیا کوئی وجہ ہے کہ بیٹی کی پیدائش پر افسوس کیا جائے اولاد چاہے نرینہ ہو یا مؤنث سب اللہ کی نعمت ہے اور اس کی امانت ہے۔ والدین کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اللہ کی اس امانت کی نگہداشت اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کے مطابق کریں تاکہ اگر بیٹا ہے تو ان کے کام آئے اور اگر بیٹی ہے تو وقت آنے پر وہ ایک کامیاب بیوی بنے، اپنے شوہر کا حق پہچانے اور اسے ادا کرے اور ایک اچھی ماں بنے، اپنی اولاد کی اچھی تربیت کرے اور اس کو بہترین انسان بنائے کیا بیٹی سے یہ کم فائدہ ہے کہ وہ دوسرے خاندان میں پہنچ کر اپنی خوبیوں سے اپنے ماں باپ کا نام روشن کرے اور ان کی عزت کا سبب بنے۔ بیٹی اگر کسی گھر میں محبت و الفت کے چراغ روشن کرتی ہے تو یہ والدین ہی کی نیک نامی کا باعث ہوتا ہے کہ انہی کی حسن تربیت نے اسے اس قابل بنایا۔ پس بیٹی کی پیدائش پر افسردہ ہونے کے بجائے اس کی تعلیم و تربیت پر والدین کو زیادہ توجہ دینا چاہئے۔

محبت و شفقت

محبت و شفقت، اولاد کے ساتھ اچھے برتاؤ کا اہم ترین ذریعہ ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس کو انسان ہی نہیں بلکہ ہر جاندار کی فطرت میں ودیعت کیا ہے کہ ہم جانوروں کو بھی دیکھتے ہیں کہ وہ اپنے بچوں سے کس قدر محبت کرتے ہیں اور ان

سے کتنا پیار رکھتے ہیں، انسان تو اشرف المخلوقات ہے۔ وہ رحیم، اللہ کا بندہ اور ہر برہم قدم پر رحم کا محتاج ہے، اس کا دل رحم و محبت سے کس طرح عاری ہو سکتا ہے اللہ اس پر رحم کی بارش کرتا ہے جس کا دل دوسروں کے لئے رحم و محبت سے بھرا ہوا ہو۔ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام جنہیں رحیم رب نے تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر مبعوث فرمایا۔ فرماتے ہیں، راوی حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ "لَا يَرْحَمُ اللَّهُ مَنْ لَا يَرْحَمُ النَّاسَ" اللہ اس پر رحم نہیں فرماتا جو لوگوں پر رحم نہ کرے (بخاری) حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: "الرَّاحِمُونَ يَرْحَمُهُمُ الرَّحْمَنُ" رحم کرنے والوں پر رحم فرماتا ہے۔ "إِرْحَمُوا مَنْ فِي الْأَرْضِ يَرْحَمْكُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ" لہذا تم زمین والوں پر رحم کرو آسمان والی تم پر رحم فرمائے گا۔ (ترمذی شریف) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے: "لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ يَرْحَمْ صَغِيرَنَا وَلَمْ يُوقِرْ كَبِيرَنَا" وہ شخص ہم میں سے نہیں جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور ہمارے بڑوں کی عزت نہ کرے۔ "وَلَمْ يَأْمُرْ بِالْمَعْرُوفِ وَلَمْ يَنْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ" اور نیک کاموں کا حکم نہ دے اور برے کاموں سے نہ روکے۔ (ترمذی شریف)

رحم کے اظہار کی ابتداء محبت و شفقت سے ہوتی ہے کہ جب آپ کسی پر رحم کرتے ہیں تو اس کے ساتھ محبت و شفقت سے پیش آتے ہیں جس کا باعث یا تو آپ کے محبوب کا حسن و جمال ہوتا ہے یا اس کی کمزوری بچہ چاہے کیسا ہی ہو، حسین بھی ہوتا ہے اور کمزور بھی وہ سب سے ہمارے کا محتاج اور متلاشی ہوتا ہے۔ اسی لئے جب اسے کوئی تکلیف ہوتی ہے یا اسے کوئی ڈراتا دھمکاتا ہے تو وہ کسی بڑے کی طرف روتا ہوا دوڑتا ہے اور پناہ لیتا ہے۔ پس وہ سب سے زیادہ مستحق ہے رحم کا، محبت کا اور شفقت کا اسی لئے ہر وہ دل جس میں محبت و شفقت کا مادہ ہوتا ہے بچوں کی طرف مائل ہوتا ہے۔ جیسا کہ حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بچوں کو پیار کر رہے تھے اسی دوران ایک دیہاتی آگیا اور حیرت سے کہنے لگا: "اتَقَبِّلُونِ الصَّبِيَّانَ وَمَا نَقَبِلُهُمْ" کیا آپ بچوں کو بوسہ دیتے ہیں ہم تو انہیں کبھی بوسہ نہیں دیتے۔ پس حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جواب دیا: "أَوْ أَمْلِكُ لَكَ إِنْ نَزَعَ اللَّهُ مِنْ قَلْبِكَ الرَّحْمَةَ" میں کیا کروں کہ اللہ نے تمہارے دل سے شفقت نکال دی ہے۔ (بخاری شریف) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب فصل کا کوئی پھل پکتا تو لوگ پہلے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں پیش کرتے تھے (حصول برکت کے لئے) آپ ﷺ اس پر دعا فرماتے تھے اور اس وقت جو بچے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے ان میں سب سے چھوٹے کو پہلے کھلاتے تھے یعنی بچوں کو کوئی چیز کھلانا یا دینا برکت حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔

حضرت عبد اللہ بن شداد رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام تسلیم نماز پڑھا رہے تھے۔ آپ ﷺ نے سجدہ کیا تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ آپ کی گردن پر آ بیٹھے، آپ ﷺ نے سجدہ لمبا کر، یہاں تک کہ وہ اتر گئے۔ لوگ متحیر ہوئے کہ اتنا لمبا سجدہ کیوں کیا گیا۔ نماز سے فارغ ہو کر آپ ﷺ نے فرمایا: کوئی خاص بات نہیں، میرا بیٹا حسین میری گردن پر سوار ہو گیا تھا۔ پس میں نے سجدہ طویل کر دیا تاکہ اس کی خوشی پوری ہو جائے (نماز میں بچے کے

سامنے آجانے سے یا گردن پر بیٹھ جانے سے نماز میں کوئی خرابی واقع نہیں ہوتی۔)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو پیار کر رہے تھے۔ اس وقت اقرع بن حابس آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے وہ کہنے لگے یا رسول اللہ ﷺ میرے دس بچے ہیں لیکن میں نے کبھی کسی کو پیار نہ کیا۔ آپ ﷺ نے ان کی طرف نظر اٹھا کر حیرت سے دیکھا اور فرمایا: ”مَنْ لَا يُرَحِّمُ لَا يُرَحِّمُ“ جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔

حضرت عبداللہ بن مبارک (تابعی) کی خدمت میں حاضر ہو کر ایک شخص نے اپنے بچے کی شکایت کی اور اس کی طرف سے سخت رنج و ملال کا اظہار کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیا تم نے بچے کے لئے بددعا کر دی۔ عرض کیا: جی ہاں، فرمایا تم نے خود ہی اپنے بچے کو برباد کر دیا (کہ باپ کی بددعا ضرور قبول ہو جاتی ہے) پھر فرمایا: بچوں کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرنا چاہئے۔ شاید ہی کوئی ماں باپ ایسے ہوں جن کے دل میں اولاد کی محبت اور اس پر مہربانی کا جذبہ نہ ہو لیکن یہ ضرور ہوتا ہے کہ یا تو والدین محبت کا تقاضا پورا نہیں کرتے اور یا محبت کا طریقہ غلط اختیار کرتے ہیں۔ محبت کا تقاضا پورا نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ والدین کو بچوں سے محبت کی وجہ سے جو طرز عمل اختیار کرنا چاہئے وہ اس میں لا پرواہی کرتے ہیں مثلاً بچوں کو زیادہ سے زیادہ وقت دینا، خود ان کی خدمت کرنا اور محبت کا غلط طریقہ اختیار کرنا یہ ہے کہ بچوں کی ہر ضد پور کرنا مثلاً جو چیز بھی وہ مانگیں انہیں دی جائے، چاہے اس سے انہیں نقصان ہی کیوں نہ ہو، جو حرکت وہ کریں کرنے دی جائے چاہے وہ اس کے اخلاق و عادات کو بگاڑ ہی کیوں نہ دے۔ پس محبت و شفقت بچوں کا حق ہے لیکن اس میں اعتدال ہونا چاہئے کہ نہ تو بچوں کی حق تلفی ہو اور نہ وہ ان کے لئے مضر ہو اور نقصان دہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بچوں پر بے حد محبت و شفقت کے باوجود انہیں مارنے کا بھی حکم دیا۔ جبکہ وہ دس سال کے ہونے کے بعد بھی نماز کی پابندی نہ کریں گویا میرے آقا ﷺ نے تعلیم دی کہ بچوں پر ضرور مہربانی کی جائے لیکن اس طرح کہ ان کی تربیت میں کمی نہ آئے حتیٰ کہ اگر تربیت کے لئے مارنا بھی پڑے تو مارنا چاہئے۔ اس سلسلہ میں سب سے زیادہ ماں کو محتاط ہونا چاہئے کہ ماں کا دل اولاد کی محبت سے لبریز ہوتا ہے اور وہ اپنی محبت سے مجبور ہو کر بچوں کی غلط ضد پوری کرتی ہے، ان کی بری عادتوں کی پردہ پوشی کرتی ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ماں بچوں کی غلط روی کا باپ کو پتہ تک نہیں ہونے دیتی تا کہ وہ باپ کی سختی اور سزا سے بچے رہیں۔ ماں کی محبت کا یہ اندازہ اولاد کے لئے زہر قاتل ہے ایسی ماں اولاد کی محبت کا حق ادا نہیں کرتی بلکہ اسے تباہی کے گڑھے میں ڈھکیلتی ہے کہ غلطیوں پر بچوں کو فوری تنبیہ اور سزا ہی درحقیقت ان کے ساتھ ”اچھا برتاؤ“ ہے اور ان کی محبت کا حق ادا کرنے کا بہترین طریقہ ہے۔

اولاد پر خرچ کرنا

اولاد پر دولت خرچ کرنا یعنی ان کی ضروریات پوری کرنا بھی والدین کی ذمہ داری ہے اس طرح کہ ماں باپ اپنی استطاعت کے مطابق بچوں پر فراخی کریں، ان کی رہائش کے لئے اچھا مکان فراہم کریں، اچھے لباس اور کھانے کے لئے اچھی غذا کا انتظام کریں، تعلیم کے اخراجات پورے کریں کہ اس عمل سے بھی اولاد کے دل میں والدین کے لئے محبت پیدا ہوتی ہے۔

ان کی نظروں میں والدین کے لئے احترام پیدا ہوتا ہے جس سے وہ اخلاقاً والدین کی فرمانبرداری کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ جو والدین استطاعت کے باوجود بچوں پر تنگی کرتے ہیں ان کے بچے جوان ہوتے ہی ان کی موت کا انتظار کرنے لگتے ہیں تاکہ دوست ہاتھ آئے اور اس کو وہ اپنی مرضی سے خرچ کر سکیں۔ حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ”إِذَا نَفَقَ الْمُسْلِمُ نَفَقَةً عَلَى أَهْلِهِ وَهُوَ يَحْتَسِبُهَا كَانَتْ لَهُ صَدَقَةٌ“ جب مسلمان اپنے اہل و عیال پر خرچ کرتا اور اجر کی امید کرتا ہے تو یہ اس کے لئے صدقہ ہو جاتا ہے یعنی جو کچھ بھی اہل و عیال پر خرچ کیا جاتا ہے اللہ کی طرف سے اس پر اجر اور برکت کا ملنا اسی طرح یقینی ہو جاتا ہے جس طرح دیگر صدقات و خیرات کا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پوچھا گیا: ”أَيُّ الصَّدَقَةِ أَفْضَلُ“ کونسا صدقہ افضل ہے۔ پس آپ ﷺ نے فرمایا: ”جَهْدُ الْمُقِلِّ وَابْتِدَاءُ بَمَنْ تَعُولُ“ غریب کا محنت کی کمائی سے صدقہ کرنا اور صدقہ اس سے شروع کرو جس کی تمہارے ذمہ کفالت ہو یعنی اپنے اہل و عیال کی ضروریات پہلے پوری کرو پھر دوسروں پر صدقہ کرو۔ (بخاری شریف)

میرے آقا ﷺ اہل و عیال پر اخراجات کو افضل و بہترین صدقہ قرار دے رہے ہیں یعنی اس مد میں جو کچھ خرچ کیا جاتا ہے اس پر اجر و ثواب بھی محفوظ ہوتا ہے اور دنیا میں بھی وہ برکات نصیب ہوتی ہیں جن کا صدقہ کرنے والوں سے وعدہ کیا گیا ہے مثلاً رزق میں برکت ہونا، آفات و بلیات کا دور ہونا، زندگی کے نشیب و فراز میں سہولت اور آسانی میسر آنا۔ لہذا اولاد پر خوب خرچ کرنا چاہئے اور خوش ہو کر خرچ کرنا چاہئے لیکن دو باتوں کا خیال ضروری ہے ایک یہ کہ بچہ کے ایسے مطالبہ کو ہرگز پورا نہ کیا جائے جو وہ کسی کی حرص میں کر رہا ہو اور باپ کی استطاعت سے باہر ہو کیونکہ اکثر بچے خاندان یا پڑوسیوں کے یہاں کوئی چیز دیکھ کر اس کا مطالبہ کرنے لگتے ہیں اور والدین قرض و ادھار سے ان کی خواہش پوری کر دیتے ہیں۔ اس طرح آپ نے بچے کو تو وقتی طور پر خوش کر دیا لیکن خود زیر بار ہو گئے اور بچہ کو بھی حرص کی مہلک عادت میں مبتلا کر دیا جو ساری زندگی اس پر اثر انداز رہے گی۔ بہتر یہ ہے کہ بچے کو بتایا جائے کہ تمہارے جس دوست یا عزیز کے پاس یہ چیز ہے وہ اس لئے ہے کہ اس کے باپ کی آمدنی تمہارے باپ سے زیادہ ہے۔ لہذا ہم تمہاری اس خواہش کو بالکل پورا نہیں کر سکتے اس طرح آپ نے بچے کو قناعت اور آمدنی کے مطابق زندگی بسر کرنے کا سبق دیں گے جو اس کے لئے نہایت مفید ہوگا۔ دوسرے یہ خیال رکھنا چاہئے کہ بچوں کے اخراجات کے لئے حرام کی دولت مثلاً سود، رشوت وغیرہ حاصل نہ کی جائے کہ جس بچے کے خون میں حرام کی آمیزش ہوگی اس کے عادات و اطوار کبھی اچھے نہیں ہو سکتے۔ امانت، دیانت، صداقت، جذبہ اطاعت و خدمت اور ان جیسی خوبیوں سے وہ محروم ہی رہے گا اور حرام سے پرورش پانے والا ہمیشہ حرام ہی کی دولت حاصل کرنے کی فکر میں لگا رہے گا۔ اللہ حرام کی دولت سے محفوظ رکھے کہ یہ پوری نسل کو تباہ کر دیتی ہے۔ نیز حرام کی دولت کما کر اولاد کو عیش کرانے والے اولاد ہی کی نظروں میں حقیر و خوار ہو جاتے اور اولاد کی بغاوت و نافرمانی کا شکار بنتے ہیں۔

خلاصہ

بلاشبہ والدین کا اولاد پر بہت حق ہے جس کا ادا کرنا اولاد کی دنیاوی و اخروی فلاح و بہبود کا ذریعہ ہے لیکن والدین

پر بھی اولاد کے کچھ حقوق ہیں جن کو ادا کر کے ہی والدین اولاد سے اپنے حقوق حاصل کر سکتے ہیں۔ والدین چاہتے ہیں کہ ان کی اولاد ان کا نام روشن کرے، ان کی عزت و شہرت کا ذریعہ بنے تو ضروری ہے کہ بچے کی پیدائش کے روز اول ہی سے ماں باپ اس کی صحیح تربیت کریں جو خود اپنی اصلاح کے بغیر ممکن نہیں کہ بچہ ماں کے اور باپ کے عمل سے بہ نسبت ان کے قول کے زیادہ متاثر ہوتا ہے اور وہی طرز زندگی اختیار کرتا ہے جو والدین کا ہوتا ہے۔ والدین چاہتے ہیں کہ ان کی اولاد معاشرے کا اچھا حصہ بنے تو ضروری ہے کہ وہ اولاد کو دینی تعلیم دیں، مذہب سے لگاؤ پیدا کریں کہ کوئی خوبی اور اچھائی مذہبی تعلیم کے بغیر پیدا نہیں ہو سکتی۔ والدین چاہتے ہیں کہ اولاد ان کی خدمت کرے تو ضروری ہے کہ والدین اولاد کو ملازمین کے سپرد کر دینے کی بجائے خود ان کی ساری ذمہ داری سنبھالیں، خود اپنے ہاتھ پیر سے ان کی خدمت کریں اور ان پر وقت صرف کریں۔ دنیا کے دوسرے کاموں کی طرح اولاد کی خدمت کو بھی ایک اہم کام جانیں۔ والدین چاہتے ہیں کہ بچوں کے دلوں میں ان کی محبت پیدا ہو تو ضروری ہے کہ وہ بچوں کے ساتھ شفقت اور محبت کا برتاؤ کریں تاکہ ان کے دلوں میں والدین کی محبت پیدا ہو سکے۔ والدین اولاد کے لئے نمونہ ہیں اگر وہ اپنی گھریلو اور معاشرتی زندگی میں اچھائیوں اور خوبیوں سے آراستہ ہیں تو ان کی اولاد بھی انہی اقدار کو اپنائے گی اور اگر والدین ہی بدخلق اور بداطوار ہیں تو اولاد ان سے زیادہ بری راہ اختیار کرے گی۔ پس والدین کو چاہئے کہ وہ اپنے ہر عمل اور اپنی ہر عادت میں محتاط رہیں اور ہر وقت یہ خیال رکھیں کہ کوئی انہیں دیکھ رہا ہے اور شعوری یا غیر شعوری طور پر ان کا اثر قبول کر رہا ہے اور وہ ان کی اولاد ہے۔

اولاد کے ساتھ والدین کا سب سے اچھا برتاؤ یہ ہے کہ وہ اسے حلال رزق مہیا کریں کہ حرام رزق خون میں سرایت کر کے بدکرداری کے جراثیم پیدا کرتا ہے اور ہمیشہ کے لئے انسان کو بدکردار بنادیتا ہے۔ ایسے شخص کے لئے گناہ کرنا، جھوٹ بولنا، دوسروں کو ستانا، فریب اور دھوکا کرنا، ہوا و ہوس اور حرص میں مبتلا ہو جانا قابل ملامت عمل نہیں رہتے جبکہ حلال رزق سے پرورش پانے والا شخص اگر کسی برائی میں مبتلا ہو بھی جاتا ہے تو وہ بہت جلد پشیمان اور شرمندہ بھی ہو جاتا ہے اور برائیوں کے دلدل سے اپنے آپ کو بچا لیتا ہے۔ اے اللہ ہمیں توفیق عطا فرما کہ تیری عطا کردہ نعمت اولاد کی ہم پوری طرح پرورش کر سکیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا

مَنْبِكُمْ غُلَاظُ شِدَادٍ لَا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ ۝

اے ایمان والو! تم بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو اس آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے اس پر ایسے فرشتے مقرر ہیں جو بڑے تند خو، سخت مزاج ہیں وہ اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے جس کا اس نے انہیں حکم دیا اور وہی کرتے ہیں جو انہیں حکم دیا جاتا ہے۔

وَصَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَى خَيْرِ خَلْقِهِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ



## مقالہ ۹۰

### التحریم: ۸

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا تَوْبُوا إِلَى اللَّهِ تَوْبَةً نَّصُوحًا عَلَىٰ رَبِّكُمْ أَنَّ يَكْفِرَ عَنْكُمْ  
 سَيِّئَاتِكُمْ وَيُدْخِلَكُم جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ يَوْمَ لَا يُخْزِي اللَّهُ النَّبِيَّ وَ  
 الَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ نُورُهُمْ يَسْعَىٰ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَبِأَيْمَانِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَتْمِمْ لَنَا  
 نُورَنَا وَاعْفُ رَلَنَا إِنَّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ① (التحریم: ۸)

اے ایمان والو! توبہ کرو اللہ کے حضور سچے دل سے امید ہے تمہارا رب دور کر دے کا تم سے تمہاری  
 برائیاں اور تمہیں داخل کرے گا ایسے باغات میں جن میں نہریں بہہ رہی ہوں گی اس روز رسوا نہ کرے  
 گا اللہ (اپنے) نبی کو اور ان لوگوں کو جو آپ کے ساتھ ایمان لائے (اس روز) ان کا نور ایمان دور نہ ہو  
 گا ان کے آگے اور ان کے دائیں جانب وہ عرض کریں گے اے ہمارے رب ہمیں فرما دے ہمارے  
 لئے ہمارا نور اور ہمیں بخش دے بیشک تو ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔

سورہ تحریم کی یہ آیت نمبر ۸ ہماری کتاب کے عنوان کی آخری آیت ہے یعنی اس کے بعد قرآن کریم میں کوئی آیت نہیں جس میں اہل ایمان کو ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا“ کے دنواز خطاب مئے نوازا گیا ہو۔ گویا یہ مقالہ اس کتاب کا آخری مقالہ ہے۔ اختتام کتاب پر ہمیں ”تَوْبُوا إِلَى اللَّهِ تَوْبَةً نَّصُوحًا“ کا پیغام ربانی نصیب ہوا ہے۔ ”سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا“ پس ہم نے سنا اور قبول کیا اور ہم اے اللہ! اپنے گناہوں، کوتاہیوں اور لاپرواہیوں پر تادم ہیں تو دلوں کا حال جاننے والا ہے ہم صدق دل سے توبہ کرتے ہیں ”إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ“ تو ہی توبہ قبول فرمانے رحم کرنے والا ہے۔ پس تو ہماری توبہ کو اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صدقہ قبول فرما اور ہم پر رحم فرما کہ ہم اپنے عزم کے مطابق آئندہ گناہوں اور برائیوں سے بچتے رہیں۔ اے اللہ! ہم نے توبہ کی تو اپنا وعدہ پورا فرما کہ ہمارے نامہ اعمال سے ہمارے گناہوں کو مٹا دے اور اے اللہ! تیرے دین کی تبلیغ و اشاعت کے لئے جو کچھ ہم نے کہا لکھا اور کیا اسے قبول فرما۔ آمین بجاہ رحمة للعلمین۔

آیت زیر گفتگو میں اہل ایمان کو ہدایت کی جا رہی ہے کہ وہ توبہ کرتے رہا کریں اور توبہ وہ جو نصوص ہو۔ نیز توبہ کرنے والوں سے وعدہ کیا جا رہا ہے ان کی برائیوں کو مٹا دینے کا، انہیں جنت میں بھیجنے کا اور انہیں خوشخبری دی جا رہی ہے قیامت کے دن نور کامل کی۔ ان امور پر ہی گفتگو کرنا ہے ممکن ہے ان میں کچھ باتیں گزشتہ اوراق پر لکھی جا چکی ہوں اور یہاں مضمون کی مناسبت سے ان کا اعادہ ہو جائے لیکن یہ اعادہ مفید ہوگا۔

توبہ

توبہ کے معنی ہیں: رجوع الی اللہ، اللہ کی طرف لوٹنا، بغاوت و نافرمانی کی زندگی، بدکاریوں اور بد عملی سے تادم و شرمندہ ہو کر اللہ کی طرف رجوع کرنا، اظہارِ ندامت کرنا اور آئندہ گناہوں کی زندگی سے بچنے کا وعدہ کرنا توبہ کہلاتا ہے۔ اللہ تواب ہے وہ پسند فرماتا ہے کہ اہل ایمان اس سے توبہ کرتے رہیں۔ ”وَتَوْبُوا إِلَى اللَّهِ جَمِيعًا آيَةُ الْمُؤْمِنِينَ“ اے ایمان والو! اللہ کی طرف رجوع کرتے رہو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ۔ پس توبہ رب کو مطلوب و پسند ہے جس کا فائدہ توبہ کرنے والے ہی کے لئے ہے یعنی کامیابی و کامرانی دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی جو توبہ کرتے ہیں وہ اللہ کے محبوب و مقرب ہو جاتے ہیں۔ ”إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ“ بیشک اللہ توبہ کرنے والوں سے محبت فرماتا ہے۔ گویا توبہ صرف گناہگاروں کے لئے نہیں بلکہ ہر مومن کے لئے ہے، عوام کے لئے بھی، خواص کے لئے بھی، اولیاء و صالحین کے لئے بھی اور انبیاء و مرسلین کے لئے بھی، ہر ایک کو اس کے مقام کے مطابق توبہ کا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ ہم توبہ کریں تو گناہ دھلتے ہیں، اولیاء و صلحاء توبہ کریں تو مراتب قرب میں اضافہ ہوتا ہے، انبیاء و مرسلین توبہ کریں تو امت کے گناہگاروں کی بخشش ہوتی ہے بہر حال توبہ اللہ کو پسند ہے اور وہ توبہ کرنے والوں کو ان کے حیثیت اور ان کے مرتبہ کے مطابق توبہ کا اجر عطا فرماتا ہے حتیٰ کہ جن کے صدقہ میں سب کی توبہ قبول ہوتی ہے۔ تائب اول حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ بھی انہی کے صدقہ میں قبول ہوئی تھی انہیں بھی حکم ملا۔ ”وَاسْتَغْفِرْ لِدُنْيِكَ“ اور استغفار کرتے رہئے۔ یہ حکم اس پیارے کے لئے ہے جو معصوم ہے جس سے گناہ کے ارتکاب کا امکان تک نہیں۔ پس یہ حکم ان کے منصب کے مطابق اس حکمت پر مبنی ہے کہ محبوب کا استغفار ان کے

رب کو بے حد پسند ہے۔ نیز آقا کا استغفار غلاموں کی توبہ قبول ہونے کا وسیلہ ہوگا اور ہر غلام کے لئے استغفار آقا کی سنت بن جائے گا۔ پس معصوم نبی نے اپنے رب کے حکم کی تعمیل کی اور خوب تعمیل کی۔ جیسا کہ خود آقا ﷺ نے بتایا۔ روایت ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ”إِنِّي لَأَسْتَغْفِرُ اللَّهَ وَأَتُوبُ إِلَيْهِ فِي الْيَوْمِ أَكْثَرَ مِنْ سَبْعِينَ مَرَّةً“ بیشک میں اللہ تعالیٰ سے استغفار اور توبہ کرتا ہوں دن میں ستر مرتبہ سے زیادہ۔ (بخاری شریف)

پس جب ہمارے آقا ﷺ اس کثرت سے توبہ واستغفار کرتے رہے تو ان کی سنت پر عمل کرتے ہوئے ہمیں بھی بکثرت توبہ واستغفار کرتے رہنا چاہئے اور یہ یقین کرنا چاہئے کہ اللہ رحیم و کریم ہم گناہگاروں کی توبہ ہمارے آقا ﷺ کے صدقہ قبول فرمائے گا۔ نیز آقا ﷺ قیامت کے دن خود ہماری شفاعت فرما کر ہمیں بخشوا لیں گے کہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے۔ راوی ہیں حضرت انس رضی اللہ عنہ ”شَفَاعَتِي لِأَهْلِ الْكُتَابِ مِنْ أُمَّتِي“ میری شفاعت میری امت میں گناہ کبیرہ کرنے والوں کے لئے ہوگی۔ (ترمذی، ابوداؤد)

توبہ کا فائدہ صرف گناہوں کی بخشش ہی نہیں بلکہ بکثرت توبہ واستغفار کرنے والوں سے ”مَتَاعًا حَسَنًا“ کا وعدہ کیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: ”وَإِنْ اسْتَغْفِرُوا رَبُّكُمْ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ يُمَتِّعْكُمْ مَتَاعًا حَسَنًا إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى“ اور یہ کہ مغفرت طلب کرتے رہو اپنے رب سے پھر اس کی طرف رجوع کرو وہ تمہیں بھرپور زندگی کی راحتیں عطا فرمائے گا، مقررہ وقت (مرنے) تک۔ یہ سورہ ہود کی تیسری آیت ہے پھر سورہ ہود ہی کی آیت نمبر ۵۲ ہے۔ فرمایا گیا: ”يَقَوْمِ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُمْ مِدْرَارًا وَيَزِدْكُمْ قُوَّةً إِلَىٰ قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِينَ“ اے میری قوم اپنے رب سے طلب مغفرت کرتے رہو پھر اسی کی طرف رجوع کرو وہ تم پر آسمان سے موسلا دھار بارش برسائے گا اور تمہاری قوت پہلی قوت سے زیادہ کر دے گا اور منہ نہ موڑ و جرم کرتے ہوئے۔ سورہ نوح کی آیات نمبر ۱۰ تا ۱۳ ہیں۔ فرمایا گیا: ”فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ إِنَّهُ كَانَ غَفَّارًا يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُمْ مِدْرَارًا وَيُمْدِدْكُمْ بِأَمْوَالٍ وَبَنِينَ وَيَجْعَلْ لَكُمْ جَنَّاتٍ وَيَجْعَلْ لَكُمْ أَنْهَارًا“ پس میں نے کہا اپنے رب سے معافی مانگو بیشک وہ بہت بخشنے والا ہے وہ تم پر آسمان سے موسلا دھار بارش برسائے گا اور تمہاری مدد فرمائے گا مال و اولاد سے اور تمہارے لئے باغات بنادے گا اور تمہارے لئے نہریں بنادے گا۔

ان آیات مبارکہ پر غور فرمائیے تو آپ کو اندازہ ہوگا کہ توبہ واستغفار صرف گناہوں کی بخشش ہی کا ذریعہ نہیں بلکہ اس کے فوائد کا دنیا میں بھی وعدہ کیا جا رہا ہے کہ جو لوگ ہر حال میں اللہ کی طرف رجوع کرتے اور توبہ کرتے رہتے ہیں ان کے لئے ”مَتَاعًا حَسَنًا“ کا وعدہ فرمایا گیا۔ ”مَتَاعًا حَسَنًا“ اچھی پونجی اس لفظ میں دنیا کی ساری نعمتیں، راحت و سکون سب ہی شامل ہے۔ اسی کی تفصیل دیگر آیات میں کی گئی ہے کہ توبہ واستغفار کرنے والوں کے لئے آسمان سے بوقت ضرورت پانی برستا رہتا ہے جس سے ان کی کھیتیاں ہری بھری، ان کے جانور فرہہ ہوتے ہیں اور دیگر بے شمار ضروریات پوری ہوتی ہیں۔ ان کی معاشی حالت بہتر سے بہتر ہو جاتی ہے، ان کی قوت و طاقت پہلے سے بہت زیادہ ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان پر مزید کرم فرماتا



ہے کہ انہیں دولت سے نوازتا ہے، اولاد عطا فرماتا ہے، ان کے باغات ہرے بھرے سودمند ہو جاتے ہیں اور ان کی نہریں پانی سے بھری ہوتی ہیں۔ یہی چیزیں ہیں جن کی کمی معاشرے کو غربت میں مبتلا کر دیتی ہے اور لوگ طرح طرح کی بیماریوں، پریشانیوں اور الجھنوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں ان میں جہالت بڑھ جاتی ہے، جرائم عام ہو جاتے ہیں غرضیکہ وہ ذلیل و خوار، کمزور اور بے وقار ہو جاتے ہیں جبکہ توبہ کرنے والوں پر اللہ کا خصوصی فضل ہوتا ہے اور وہ تباہ حال زندگی سے محفوظ رہتے ہیں۔ اسی لئے میرے آقا ﷺ بکثرت استغفار کرتے رہے تاکہ ہم بھی آپ کی اتباع و پیروی کرتے ہوئے استغفار کیا کریں اور اپنی زندگی کو اجیرن بننے سے بچاسکیں۔ گویا آج جن مصائب و آلام میں ہم گرفتار ہیں، تنگی و پریشانی کے شب و روز بسر کر رہے ہیں اس کی اصل وجہ یہی ہے کہ دن رات ہم گناہوں میں تو مبتلا رہتے ہیں لیکن کسی لمحہ بھی ہمیں اپنے گناہوں سے توبہ کرنے اور توباب و رحیم رب کے دربار میں حاضر ہو کر نادم و شرمندہ ہونے کا خیال تک نہیں آتا۔ پریشانیوں سے نجات کے لئے نہ جانے ہم کیا کیا کرتے رہتے ہیں لیکن زندگی کی گتھی کو جتنا سلجھانا چاہتے ہیں وہ اتنی ہی الجھتی جاتی ہے کیونکہ ہم اسے سلجھانے کا طریقہ ہی غلط اختیار کئے ہوئے ہیں جبکہ قرآن ہمیں نہایت آسان اور سادہ سا طریقہ بتاتا ہے کہ ”تُوبُوا إِلَى اللَّهِ“ اللہ کے دربار میں حاضر ہو جاؤ، توبہ کرو سب کچھ مل جائے گا ہمارے اسلاف اور بزرگوں کا بھی یہی طریقہ تھا۔ اسی لئے ان کی زندگی بے خوف و خطر اور رنج و الم سے محفوظ تھی۔ دنیا و آخرت کی ساری راحتیں انہیں میسر تھیں۔ رب کریم کا وعدہ ہے: ”إِنْ تَكُونُوا صَالِحِينَ فَإِنَّهُ كَانَ لِلْأَوَّابِينَ غَفُورًا“ اگر تم نیک بن جاؤ گے تو بے شک اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کے لئے بہت بخشنے والا ہے کبھی نہ سوچنا کہ نہ جانے ہماری توبہ قبول ہوگی یا نہیں۔ بس ہمارا کام تو صدق دل سے توبہ کرنا رب کے دربار میں رونا ہے اپنے گناہوں پر نادم و شرمندہ ہونا ہے، قبول کرنا اس کا فضل و کرم ہے ہم اپنا کام کریں وہ ضرور اپنا وعدہ پورا فرمائے گا۔ نیز کبھی مایوس نہ ہونا کہ اتنے گناہ کیسے بخشے جاسکتے ہیں نہیں ہرگز ایسا نہ سوچنا رب نے ہمیں اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وساطت سے مژدہ دیا ہے، خوشخبری دی ہے۔ ”قُلْ يَعِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ“ اے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام آپ فرمادیجئے اے میرے بندو! جنہوں نے اپنے نفسوں پر زیادتیاں کی ہیں اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو جاؤ۔ ”إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا“ إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ“ بیشک اللہ سارے گناہوں کو بخش دیتا ہے بلاشبہ وہ بہت ہی بخشنے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ یہی وہ آیہ مبارکہ ہے جسے نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بے حد پسند فرمایا اور اس کے متعلق ارشاد ہوا: ”مَا أَحَبُّ أَنْ لِيَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا بِهَذِهِ الْآيَةِ“ اس آیہ مبارکہ کے عوض مجھے دنیا اور ما فیہا کی دولت بھی دے دی جائے۔ تب بھی میں اس سودے کو پسند نہ کروں گا۔

اور اگر آپ اس آیہ مبارکہ کے شان نزول پر غور کریں تو آپ کو اس کی اہمیت کا مزید اندازہ ہوگا۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں چند مشرک حاضر ہوئے جنہوں نے سابقہ زندگی میں بکثرت قتل کئے تھے اور بکثرت زنا کا ارتکاب کیا تھا۔ یہ لوگ عرض گزار ہوئے کہ آپ جو فرماتے ہیں اور جس چیز کی دعوت دیتے ہیں وہ ہمیں بہت پسند ہے اور ہم اسے قبول کرنا چاہتے ہیں لیکن ہم تو اتنے گناہ کر چکے ہیں جن کی بخشش کی ہمیں کوئی

امید نظر نہیں آتی کیا آپ ہمیں بتا سکتے ہیں کہ ان گناہوں کا کوئی کفارہ ہو سکتا ہے یعنی اگر ہمارے گناہ معاف ہونے کی صورت ہو تب تو ہم اسلام قبول کریں اور اگر اسلام قبول کرنے کے بعد بھی ہمیں اپنے گناہوں کی سزا بھگتنے کے لئے جہنم میں جانا پڑے تو اپنے آباء و اجداد کا دین چھوڑنے کی ہمیں کیا ضرورت ہے۔ پس آیہ مبارکہ نازل ہوئی اور قیامت تک کے لئے گناہوں میں ملوث اور اپنی جانوں پر ظلم و ستم کرنے والوں کو مژدہ بخشش سنا دیا گیا۔ غور فرمائیے جب مشرکین کے لئے اسلام قبول کر لینے کے بعد مژدہ مغفرت ہے تو ہم جو آقا ﷺ کے غلام ہیں اس خوشخبری کے تو زیادہ حقدار ہیں۔ پس گناہ کتنے ہی ہوں مایوس نہ ہونا چاہئے کہ مایوسی کفر ہے۔ اہل ایمان کا شیوہ نہیں۔ دیکھئے حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی اپنے بیٹیوں کو حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کا سراغ لگانے کی ہدایت کرتے ہوئے یہی بتایا تھا کہ ”لَا تَأْيِسُوا مِنْ رَوْحِ اللَّهِ“ مایوس نہ ہو جاؤ اللہ کی رحمت سے ناامیدی تمہیں زیب نہیں دیتی تم مؤمن ہو نبی کی اولاد ہو۔ ”إِنَّهُ لَا يَأْيِسُ مِنْ رَوْحِ اللَّهِ إِلَّا الْقَوْمَ الْكَافِرُونَ“ رحمت الہی سے مایوس صرف کافر ہی ہوا کرتے ہیں۔ پس اہل ایمان کا کام صرف توبہ کرتے رہنا ہے اور جو توبہ کرتے ہیں ان کے لئے آقائے رحمت ﷺ کا مژدہ ہے۔ راوی ہیں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما ”التَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَا ذَنْبَ لَهُ“ گناہ سے توبہ کر لینے والا ایسا پاک و صاف ہو جاتا ہے جیسے اس نے کوئی گناہ کیا ہی نہ تھا۔ اسی لئے تو شرعی حکم ہے کہ جو اپنے گناہوں سے علی الاعلان توبہ کر چکا اب اسے گناہ کا طعنہ دینا جائز نہیں یعنی شرابی یا چور کو توبہ کے بعد شرابی یا چور کہنا جائز نہیں۔

### گناہوں کی سیاہی

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بتاتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ”إِنَّ الْمُؤْمِنَ إِذَا أَذْنِبَ كَانَتْ نُكْتَةً سَوْدَاءَ فِي قَلْبِهِ“ مؤمن جب گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ نقطہ پڑ جاتا ہے۔ ”فَإِنْ تَابَ وَاسْتَغْفَرَ خُفِّلَ قَلْبُهُ“ پھر جب وہ توبہ و استغفار کرتا ہے تو اس کے دل کو صاف کر دیا جاتا ہے۔ ”وَإِنْ زَادَ زَادَتْ حَتَّى تَعْلُو قَلْبَهُ“ اور اگر وہ گناہ کرتا ہی رہتا ہے تو وہ نقطہ بڑھتا رہتا ہے حتیٰ کہ پورے دل پر چھا جاتا ہے (یعنی اس کا پورا دل سیاہ ہو جاتا ہے، فرمایا) ”فَذَلِكُمُ الرِّثَانُ الَّذِي ذَكَرَ اللَّهُ تَعَالَى“ پس یہی ہے وہ زنگ جس کا اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا۔ ”كَلَّا بَلْ رَانَ عَلَى قُلُوبِهِمْ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ“ ان کے دلوں پر ان کے گناہوں کا زنگ لگ گیا ہے (ترمذی، ابن ماجہ) جیسے زنگ لوہے کو کھاتا کر مٹی بنا دیتا ہے اور اس کی ساری سختی و قوت کو ختم کر دیتا ہے ایسے ہی گناہ مؤمن کے دل کی قوت و طاقت کا خاتمہ کر دیتا ہے اور وہ بے حس، بے غیرت اور ذلیل و خوار ہو کر زندگی کے دن گزارتا رہتا ہے۔ اللہ محفوظ رکھے لیکن بات وہی ہے کہ اگر اس حال میں بھی بندہ مایوس و ناامید نہ ہو اور اسے توفیق توبہ نصیب ہو جائے تو وہ بڑا ہی مقدر والا ہے کہ رب بڑا ہی مہربان ہے اس کے لئے گناہوں کی سیاہی دور کر دینا اور نیکیوں کے نور سے دلوں کو روشن و منور کر دینا ہرگز دشوار نہیں۔ اس کا ارشاد ہے: ”إِلَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَأُولَئِكَ يُبَدِّلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ ط“ وہ جس نے توبہ کی اور ایمان لے آیا اور نیک عمل کئے تو یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ ان کی برائیوں کو نیکیوں سے بدل دے گا۔

میرے آقا ﷺ نے مجھ جیسے روسیہ گناہ گار کے لئے ایک نہایت ہی ہمت افزاء خبر سنائی۔ راوی ہیں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ ”يُؤْتِي بِالرَّجُلِ يَوْمَ الْقِيَمَةِ“ قیامت کے دن اللہ کے دربار میں ایک شخص کو پیش کیا جائے گا۔ ”فَيَقَالَ أَغْرَضُوا صَغَائِرَ ذُنُوبِهِ“ تو کہا جائے گا کہ اس کے صغیرہ گناہ پیش کرو۔ ”فَتُعَرَضُ عَلَيْهِ صَغَائِرُهَا“ تو اس کے سامنے اس کے چھوٹے گناہ پیش کئے جائیں گے۔ ”وَتُخْبَأُ كِبَائِرُهَا“ اور کبیرہ گناہوں کو مخفی رکھا جائے گا۔ ”فَيَقَالَ أَعْمَلْتَ كَذَا وَكَذَا“ پھر اس سے پوچھا جائے گا کیا تو نے ایسا ایسا کیا تھا۔ ”وَهُوَ يَقْرَأُ وَلَيْسَ يُنْكِرُ وَهُوَ مُشْفِقٌ مِنَ الْكِبَائِرِ“ وہ اقرار کرتا رہے گا اور کسی گناہ کا انکار نہ کرے گا جبکہ وہ تو خوفزدہ ہوگا اپنے بڑے گناہوں سے۔ ”فَيَقَالَ أَعْطُوهُ مَكَانَ كُلِّ سَيِّئَةٍ حَسَنَةً“ تو حکم دیا جائے گا کہ اس کی ہر برائی کے بدلے نیکی کا اجر دے دو۔ ”فَيَقُولُ إِنَّ لِي ذُنُوبًا لَا أَرَاهَا هَهُنَا“ تو وہ کہے گا میرے تو اور بھی بہت گناہ تھے جنہیں میں یہاں نہیں دیکھ رہا ہوں (تاکہ مجھے ان کے بدلے بھی نیکیاں ملتیں) راوی نے بتایا کہ اس ارشاد کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مسکرائے یہاں تک کہ آپ کے دندان مبارک ظاہر ہو گئے۔ یہ ہے ”يُبَدِّلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ“ کی تفسیر کہ توبہ کرنے والوں کی برائیوں کو قیامت کے دن اس طرح نیکیوں میں بدل دیا جائے گا۔

### تَوْبَةُ نَصُوحًا

”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا تَوْبُوا إِلَى اللَّهِ تَوْبَةً نَّصُوحًا“ اے ایمان والو! اللہ کے حضور توبہ کرو سچے دل سے۔ اس خصوصی خطاب کے ساتھ اہل ایمان سے صرف توبہ کا مطالبہ نہیں بلکہ توبہ نصوح کرنے کا مطالبہ کیا جا رہا ہے۔ پس ہمیں معلوم کرنا ہوگا کہ توبہ نصوح کیا ہے۔ نصوح کے معنی ہیں خالص کرنا یا پھٹے کپڑے کو سینا اور جوڑ لگانا۔ ان دنوں معنی کو پیش نظر رکھتے ہوئے ”توبہ نصوح“ ایسی توبہ کو کہا جائے گا جس میں ریاء و نمود نہ ہو صرف اللہ و رسول کی رضا و خوشنودی مقصود ہو۔ نیز اس توبہ کے ساتھ آئندہ اعمال صالحہ اور احکام شرع کی پابندی کا عزم مصمم ہوتا کہ گناہوں نے تقویٰ و پرہیزگاری کے جس لباس کو تار تار کر ڈالا تھا اب وہی لیا جائے اور اس میں جوڑ لگا دیئے جائیں۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ توبہ نصوح یہ ہے کہ بندہ اپنے گزشتہ عمل پر نادم و شرمندہ ہو اور اس کی طرف دوبارہ نہ لوٹنے کا پختہ ارادہ اور عزم رکھتا ہو۔ حضرت حلبی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ توبہ نصوح یہ ہے کہ بندہ زبان سے استغفار کرے اور دل میں نادم ہو اور اپنے اعضاء کو آئندہ گناہ سے روکے رہے۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ توبہ نصوح وہ ہے جس میں تین باتیں موجود ہوں: (۱) بندہ گناہ کو ترک کر دے، (۲) جو گناہ کر چکا ہے اس پر دل میں نادم اور شرمندہ ہو، (۳) پختہ عزم کرے کہ پھر کبھی گناہ نہ کرے گا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کسی دیہاتی کو کہتے سنا: ”اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ إِلَيْكَ“ یا اللہ میں تجھ سے مغفرت چاہتا اور تیرے حضور توبہ کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: اے اعرابی، یہ تو جھوٹوں کی توبہ ہے اس نے عرض کی تو مجھے بتائیے کہ سچوں کی توبہ کیا ہے۔ آپ نے بتایا جس توبہ میں چھ چیزیں پائی جائیں وہ سچوں کی توبہ ہے: (۱) جو گناہ پہلے ہو چکے

ہیں ان پر ندامت و شرمندگی، (۲) جو فرض ادا نہیں ہوئے ان کی قضا، (۳) کسی کا حق غصب کیا ہے تو اسے لوٹاؤ، (۴) جس سے لڑائی جھگڑا کیا ہے تو اس سے معافی مانگو، (۵) پختہ عزم کرو کہ آئندہ گناہ نہ کروں گا، (۶) جس طرح تو نے اپنے نفس کو بدکاریوں سے موٹا کیا اسی طرح اب اللہ کی اطاعت میں اسے محنت و مشقت میں ڈالو (یعنی زیادہ سے زیادہ عبادت الہی کرو، خوب محنت کرو، کم سوؤ، زیادہ سے زیادہ وقت اللہ کی عبادت میں گزارو) روزے رکھو، اللہ توفیق دے تو حج فرض کے بعد بار بار حج کرو، عمرے کرو۔

اور اب سنئے آقائے شریعت ﷺ کا ارشاد حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ عرض کرتے ہیں: ”يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا التَّوْبَةُ النَّصُوحُ“ اللہ کے رسول ﷺ ”توبہ نصوح“ کیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”أَنْ يُنْدِمَ الْعَبْدُ عَلَى الَّذِي أَصَابَ“ کہ بندہ کئے ہوئے گناہ پر نادم ہو۔ ”فَيَعْتَذِرُ إِلَى اللَّهِ تَعَالَى“ پھر اللہ کے حضور عذر کرے (توبہ کرے)۔ ”ثُمَّ لَا يَعُودُ إِلَيْهِ كَمَا لَا يَعُودُ اللَّبَنُ إِلَى الضَّرْعِ“ پھر (عزم کرے کہ) کہ وہ دوبارہ گناہ کی طرف نہ لوٹے گا جیسے دودھ دوبارہ کھیری میں نہیں لوٹ سکتا۔ یعنی بندہ کا یہ عزم اتنا پختہ ہو کہ گناہ کی طرف لوٹنے کا امکان ہی باقی نہ رہے۔ یہ ہے توبہ نصوح۔

ان ارشادات کی روشنی میں ”توبہ نصوح“ کا مفہوم سمجھ لینے کے بعد یہ واضح ہو گیا کہ اللہ رب العزت جل مجدہ ہم سے ایسی توبہ کا مطالبہ فرما رہا ہے جس میں ماضی کے گناہوں پر ندامت ہو، افسوس ہو صرف اس لئے کہ یہ گناہ اللہ کی ناراضگی کا سبب بنا اور توبہ کے دوران رب سے وعدہ ہو پورے عزم کے ساتھ، پختہ ارادے کے ساتھ کہ اب مجھ سے کوئی گناہ ہرگز سرزد نہ ہونے پائے گا پھر احکام شرع کی پابندی اور اعمال حسنہ کی ادائیگی میں اتنی محنت ہو مشقت ہو کہ گناہوں کی عیاشی کا کفارہ ہو جائے۔ محض اس لئے کہ گناہوں کے سبب جو نفس امارہ فریبہ اور موٹا ہو چکا ہے اسے اتنا کمزور کر دیا جائے کہ وہ ساری زندگی کبھی گناہ پر نہ اکسا پائے۔ جب بندہ یہ توبہ نصوح کر لیتا ہے تو ثواب و رحیم رب کی رحمتوں کا نزول ہونے لگتا ہے۔ سیئات، حسنات میں تبدیل ہو جاتی ہیں، دل پر لگا ہوا گناہوں کا دھبہ مٹ جاتا ہے، قلب تجلیات باری کا مرکز بننے لگتا ہے جس کا اثر مؤمن کے چہرے پر صاف نظر آتا ہے کہ وہ پرکشش ہو جاتا ہے، ایمان کے نور سے چمکنے لگتا ہے جو اسے دیکھتا ہے دیکھتا ہی رہ جاتا ہے اس توبہ نصوح کا اثر مؤمن کی زندگی کو بھی بدل دیتا ہے اب اس کی زندگی نہایت پرسکون ہو جاتی ہے وہ باعزت و باوقار ہو جاتا ہے۔ ”لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ“ کے مصداق اب اسے نہ تو مستقبل کے خطرات کا خوف رہتا ہے اور نہ ماضی کے صدمات کا غم رہتا ہے۔ توبہ نصوح کے بعد مؤمن کی صرف اپنی ہی زندگی نہیں سدھرتی بلکہ اسے رب کے دربار میں وہ مقام نصیب ہو جاتا ہے کہ اسے ”مستجاب الدعوات“ بنا دیا جاتا ہے۔ اب وہ اپنے لئے کم دوسروں کے لئے زیادہ مانگتا ہے اور جو مانگتا ہے پاتا ہے۔ اس کی زندگی یا موت کے بعد جو بھی اس سے وابستہ ہوتا، رشتہ عقیدت و محبت قائم کر لیتا ہے وہ اس کا فیض پاتا ہے۔

اے ایمان والو! ذرا غور کرو، اللہ سوچو آج ہماری حالت کیا ہے۔ کردار کے اعتبار سے ہماری اکثریت بدترین اعمال میں مبتلا ہے، ہمارا مقدس معاشرہ گناہوں اور بدکاریوں کی دلدل بن چکا ہے۔ معاشی اعتبار سے سود، رشوت اور مکر و فریب کی

دولت نے ہمیں ایسا غیر معتدل بنا دیا ہے کہ کوئی خوب کچھڑے اڑا رہا ہے۔ حرام کی دولت میں مست ہے تو کوئی نان شبینہ کو بھی محتاج ہے جب کہ اجتماعی طور پر پوری قوم ہی غربت و افلاس میں مبتلا ہیں۔ اس غربت نے ہمیں اپنے ہی دشمنوں کے در کا بھٹکاری بنا دیا ہے۔ نتیجتاً نہ صرف ہمارا قومی وقار مجروح ہو رہا ہے بلکہ ایمان کو بھی خطرہ لاحق ہے اور سیاسی اعتبار سے ہم کہاں ہیں۔ اس کا اندازہ ان حالات سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ جو ۱۱ ستمبر ۲۰۰۱ء کے بعد سے شروع ہوئے کہ دین و مذہب کی حفاظت کے لئے مسلمانوں کی مساعی کو دہشت گردی کا نام دے کر دشمن نے بڑی ہی مکاری سے پوری امت مسلمہ کو اپنا حامی بنا لیا ہے۔ دہشت گردی کوئی کرتا ہے، الزام مسلمانوں پر لگادیا جاتا ہے، مسلمانوں کو مسلمانوں ہی کی زمین سے ان ہی کے تعاون سے خوب مرہ ایجا رہا ہے۔ غرضیکہ دہشت گردی کا ایسا پروپیگنڈا کیا گیا کہ ہر مسلمان دہشت گرد قرار دے دیا گیا ہے اور امت مسلمہ کی زندگی اجیرن بنا دی گئی ہے۔ مسلمانوں کو اتنا ذلیل و خوار کر دیا گیا ہے کہ وہ منہ دکھانے کے لائق نہیں رہے۔

دوستو! یقیناً جانو یہ صرف اور صرف ہماری بد عملی اور بد کرداری کا نتیجہ ہے اور اس کا علاج نہ معاشی ہے نہ سیاسی صرف اور صرف شرعی ہے کہ اللہ کی دعوت کو ہم قبول کر لیں اور توبہ نصوحاً کا عمل اختیار کریں پھر دیکھئے کیسے ہمارا مقدر چمکتا ہے، کیسے ہمارے حالات بدلتے ہیں خود بخود ظاہر ہو جائے گا کہ دہشت گرد کون ہے؟ ہم یا دہشت گردی کا پروپیگنڈا کرنے اور ڈھونگ رچانے والے یا اللہ واسطہ تیرے رسول معظم ﷺ کا ہمیں توبہ کی توفیق نصیب فرما، آمین۔

### قیامت کا تعارف

قیامت کا دن کیسا ہوگا، قیامت کے دن کیا ہوگا۔ ان سوالات کے جوابات ہی قیامت کا تعارف ہیں جن کو قرآن کریم میں متعدد بار بیان کیا گیا ہے اور نہایت ہی وضاحت سے قیامت کا تعارف کرا دیا گیا ہے۔ جس پر غور و فکر کے بعد اہل ایمان کو قیامت کا دن ہر وقت اپنے سامنے نظر آتا ہے۔ آیت زیر گفتگو میں ایک نہایت ایمان افروز انداز سے قیامت کا تعارف کرایا جا رہا ہے۔ ”يَوْمَ لَا يُخْزِي اللَّهُ النَّبِيَّ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ“ (قیامت کا دن وہ ہے) جس دن اللہ اپنے نبی ﷺ اور ان کے اہل ایمان غلاموں کو رسوا نہ کرے گا۔ ”نُورُهُمْ يَسْعَىٰ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَبِأَيْمَانِهِمْ“ ان کا نور ایمان ان کے آگے اور دائیں جانب دوڑتا ہوگا۔ ”يَقُولُونَ رَبَّنَا اَتِمِّمْ لَنَا نُورَنَا وَاعْفِرْ لَنَا“ وہ دعا کر رہے ہوں گے اے ہمارے رب ہمارے لئے ہمارے نور کو مکمل فرما دے اور ہمارے گناہوں کو معاف فرما دے۔ ”إِنَّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ“ بیشک تو ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔

یہاں جس نور کا ذکر ہے وہ تو عام مؤمنین کے لئے ہے جبکہ میرے آقا ﷺ کا مقام و مرتبہ تو اس دن اتنا رفیع اور بلند و بالا ہوگا کہ انبیاء و مرسلین بھی اس پر رشک کرتے نظر آئیں گے یہ آپ کے لئے ”وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ“ اور آپ کا رب آپ کو اتنا دے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے وعدہ الہی کے ایفاء کا دن ہوگا کہ آپ ایک طویل ترین سجدے میں اپنے رب کریم سے مژدہ سنیں گے۔ ”سَلِّ تَعْطَىٰ“ پیارے جو چاہو مانگو دیا جائے گا پھر محبوب لواء حمد لئے اپنے رب کے حضور حاضر ہوں گے اور ”عَسَىٰ أَنْ يَتَّعَبَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّخْمُودًا“ تمہارا رب تمہیں مقام محمود پر رونق افروز

فرمائے گا اس وعدے کے پورا ہونے کا یہی دن تو ہوگا کہ اہل محشر سید الانبیاء المرسلین ﷺ کو مقام محمود پر رونق افروز دیکھ کر حیرت زدہ رہ جائیں گے اور غلاموں کی تو خوشی کی انتہاء نہ رہے گی کہ مجھ جیسا گناہگار بھی ان کی شفاعت کے توسط سے مغفرت و بخشش کی سند حاصل کرے گا:۔

یہ سماں دیکھ کے محشر میں اٹھے شور کہ واہ چشم بد دور ہو کیا شان ہے رتبہ کیا ہے

اب آئی شفاعت کی ساعت اب آئی ذرا چین لے میرے گھبرانے والے میدان حشر میں اہل ایمان کی بھی شان نزالی ہوگی اور کیوں نہ ہو کہ وہ نزالی شان والے آقا کے غلام جو ہیں۔ ان کے آگے اور ان کے دائیں ان کا نور ایمان چمک رہا ہوگا جو جان ایمان ﷺ کے نور کی ایک ضیاء ہوگی جب کہ وہ جنہوں نے صاحب نور ﷺ کے نور کو اس دنیا میں نہ پہچانا تھا، حشر میں بھی تاریکی میں ٹھوکریں کھا رہے ہوں گے اور جنہوں نے یہاں اس نور تمام ﷺ کو دھوکا دینے کی کوششیں کیں وہاں اس دھوکے کا بدلہ پارہے ہوں گے کہ منافقین کو بھی نور دیا جائے گا اور وہ جو نبی اس نور میں پل صراط کی طرف بڑھیں گے ان کا یہ نور چھین لیا جائے گا۔ ”إِنَّ الْمُنَافِقِينَ يُخَادِعُونَ اللَّهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ“ بیشک منافق اللہ کو دھوکا دینا چاہتے ہیں اور اللہ (ایک دن) انہیں دھوکے کا بدلہ دے گا۔ یہی دن ہے ان کے دھوکے کے بدلہ کا کہ نور ملے گا اور بوقت ضرورت چھین لیا جائے گا اور یہ پل صراط سے کٹ کٹ کر جہنم کے نچلے طبقہ میں جا پہنچیں گے۔ ”إِنَّ الْمُنَافِقِينَ فِي الدَّرَكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ“ بیشک منافق جہنم کے سب سے نچلے طبقہ میں ہوں گے۔ ”وَلَنْ تَجْعَلَهُمْ نَصِيرًا“ اور ان کا کوئی مددگار بھی نہ ہوگا جبکہ نور والے آقا ﷺ کے غلاموں کا نور ان کے آگے اور دائیں چمک رہا ہوگا اور وہ اس کی روشنی میں پل صراط عبور کرتے ہوئے جنت کی طرف بڑھ رہے ہوں گے اور دعا کر رہے ہوں گے۔ ”رَبَّنَا أَتْمِمْ لَنَا نُورَنَا وَاغْفِرْ لَنَا“ اے ہمارے رب ہمارے نور کو مکمل فرما دے اور ہمیں بخش دے کہ جس طرح منافقین کا نور بجھ گیا۔ مولا ہمارے ساتھ ایسا نہ ہو اور ہم تیری بخشش سے جنت میں داخل ہو جائیں۔ ”إِنَّكَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ“ مولیٰ بیشک تو ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔

سورۃ الحدید کی آیت نمبر ۱۲ ہے۔ اسی نور کا ذکر کیا جا رہا ہے: ”يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ يَسْعَىٰ نُورُهُمْ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَبِأَيْمَانِهِمْ“ جس دن آپ مومن مردوں اور مومن عورتوں کو دیکھیں گے کہ ان کا نور ان کے آگے اور ان کے دائیں دوڑتا ہوگا۔ ”بُشْرًا لَّكُمْ الْيَوْمَ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا“ (مومنو) تمہیں آج ان باغوں کی خوشخبری ہو جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی تم ہمیشہ وہاں رہو گے۔ ”ذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ“ یہی وہ عظیم کامیابی ہے دنیا میں نہ جانے کس کس چیز کے حصول کو کامیابی قرار دیا جاتا ہے۔ کوئی دولت کے ڈھیر جمع کر لینے والے کو کامیاب کہتا ہے کوئی صاحب اولاد کو تو کوئی عزت و شہرت کے کمال کو کامیابی قرار دیتا ہے۔ دوستو! یہ عارضی اور فانی کامیابیاں ہیں، دائمی کامیابی تو قیامت کی کامیابی ہے کہ اس دن نور نصیب ہو جائے اور اس کی روشنی میں منزل مل جائے۔

آگے اور دائیں نور ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ صرف ان سمتوں ہی میں نور ہوگا۔ میرے آقا ﷺ کے ارشاد کے مطابق یہ نور ہر شخص کے ایمان کی قوت اور اعمال حسنة کی کثرت کے مطابق ہوگا۔ اس دنیا میں مؤمن جتنی قوت ایمان کا مظاہرہ کرے گا اور جتنے اعمال حسنة کرے گا قیامت کے دن اتنا ہی اس کا نور پھیلا ہوگا لیکن اس نور سے فیض صرف اہل ایمان ہی پارہے ہوں گے کہ کفار و منافقین کو اس نور کی ضیاء پاشیوں کا کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ ان کے لئے اندھیرا ہی اندھیرا ہوگا اور اس ہی میں وہ ٹھوکریں کھا رہے ہوں گے بالکل اندھے کی طرح جسے سورج کی روشنی سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ یہ منکرین دنیا میں اندھے رہے تو قیامت میں بھی اندھے ہی ہوں گے۔ ”وَمَنْ كَانَ فِي هَذِهِ أَعْمَى فَهُوَ فِي الْآخِرَةِ أَعْمَى وَأَضَلُّ سَبِيلًا“ اور جو شخص اس دنیا میں اندھا بنا رہا وہ آخرت میں بھی اندھا ہوگا اور بڑا گم کردہ راہ ہوگا۔ دنیا میں جو اندھا بنتا ہے نور اسلام سے آنکھیں پھیر لیتا ہے قیامت میں وہ واقعی اندھا کر دیا جائے گا کہ اہل ایمان کے نور سے قیامت کی تاریکیاں ختم ہو جانے کے باوجود ان اندھوں کو کوئی فائدہ نہ ہوگا۔

اور اس دن جب اہل ایمان ربِّ سلیم کی صداؤں اور اپنے نور کی ضیاءوں میں جھومتے جنت کی طرف بڑھ رہے ہوں گے تو منافقین کا کیا حال ہوگا۔ ملاحظہ ہو سورۃ الحدید کی یہ آیت مبارکہ ”يَوْمَ يَقُولُ الْمُنْفِقُونَ وَالْمُنَافِقَاتُ لِلَّذِينَ آمَنُوا انظُرُونَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُورِكُمْ“ اس روز منافق مرد اور منافق عورتیں ایمان والوں سے کہیں گے ہمارا بھی انتظار کرو ہم بھی تمہارے نور سے روشنی حاصل کر لیں۔ ”قِيلَ اذْجِعُوا وَرَاءَكُمْ فَالْتَمِسُوا نُورًا“ انہیں جواب دیا جائے گا پیچھے لوٹ جاؤ اور وہاں نور تلاش کرو۔ ”فَضْرَبَ بَيْنَهُمْ بِسُورٍ لَهُ بَابٌ“ پس ان کے اور اہل ایمان کے درمیان ایک دیوار کھڑی کر دی جائے گی جس کا ایک دروازہ ہوگا۔ ”بَاطِنُهُ فِيهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهُ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ“ اس کے باطن میں رحمت اور اس کے ظاہر کی جانب عذاب ہوگا اس دیوار کا اندرونی حصہ جنت کی طرف ہوگا جس پر اللہ کی رحمت کے آثار نمایاں ہوں گے جبکہ اس کا ظاہری حصہ جہنم کی طرف ہوگا جو جہنم کی گرمی سے تپ رہا ہوگا۔ اب ان کی حالت یہ ہوگی کہ ”يَنَادُونَهُمْ أَلَمْ نَكُنْ مَعَكُمْ“ کہ یہ اہل ایمان کو پکاریں گے کیا دنیا میں ہم تمہارے ساتھ نہ تھے۔ ”قَالُوا بَلَىٰ وَلَكِنْ كُنْتُمْ أَنْفُسُكُمْ“ اہل ایمان جواب دیں گے اور لیکن تم نے تو خود ہی اپنے آپ کو فتنوں میں ڈال دیا۔ ”وَتَرَبَّصْتُمْ وَارْتَبْتُكُمْ وَالْآمَانِيُّ“ اور تم (ہماری تباہی کا) انتظار کرتے رہے اور شک میں مبتلا رہے اور تمہیں جھوٹی امیدوں نے دھوکے میں ڈال دیا۔ ”حتیٰ جَاءَ أَمْرُ اللَّهِ وَغَرَّكُمْ بِاللَّهِ الْغُرُورُ“ یہاں تک کہ اللہ کا فرمان آ گیا اور تمہیں اللہ کے بارے میں شیطان نے دھوکہ دیا۔ ”فَالْيَوْمَ لَا يُؤْخَذُ مِنْكُمْ فِدْيَةٌ وَلَا مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا“ تو آج نہ تم سے کوئی فدیہ قبول کیا جائے گا اور نہ کافروں سے۔ ”مَا وَكُمُ النَّارُ“ تم (سب کا) ٹھکانہ جہنم کی آگ ہے۔ ”هِيَ مَوْلَاكُمْ“ وہی تمہاری رفیق ہے۔ ”وَبِئْسَ الْمَصِيرُ“ اور بہت ہی برا ٹھکانہ ہے۔

دیکھا آپ نے ان منافقین و کفار کا حال وقت گزر گیا تو اب داویلا کرنے اور چلانے کا کیا فائدہ۔ آج اگر انہیں اہل ایمان اپنا نور دکھا بھی دیں تب بھی یہ اندھے راستہ نہ پاسکیں گے کہ اندھا راستہ دکھانے سے منزل نہیں پاتا۔ اس کے لئے

تو ہاتھ تھا مناسوری ہے اور یہ ایسے ہٹ دھرم، ضدی اندھے ہیں کہ رہبران کی طرف اپنا ہاتھ بڑھاتا رہا اور یہ ظالم انکار کرتے رہے۔ آج انہوں نے رہبری کو تسلیم کر لیا ہوتا تو قیامت کے دن پچھتاوانہ ہوتا۔

جو ترے در سے یار پھرتے ہیں در بدریوں ہی خوار پھرتے ہیں  
آہ کل عیش تو کئے ہم نے آج وہ بے قرار پھرتے ہیں  
اے ایمان والو! وعدہ الہی حق ہے کہ قیامت کے دن وہ ہمیں رسوانہ کرے گا لیکن اسی کے ساتھ قرآن کریم نے ہمیں قیامت کے دن منافقین کی ذلت و خواری کا حال بھی بتا دیا ہے اور مخبر صادق ﷺ نے منافقین کی علامات اور عادات و اطوار کو بھی بیان کر دیا ہے۔ پس ہم صرف وعدہ الہی پر ہی خوش نہ ہوں وہ تو بلاشبہ حق ہے لیکن ہماری یہ ذمہ داری بھی ہے کہ اپنے اخلاق و کردار، عادات و اطوار کا بھی جائز لیتے رہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ ہمارے اندر ظاہری یا باطنی طور پر منافقین کی عادات سرایت کر چکی ہوں اور ہم اسی خوش فہمی میں رہیں کہ قیامت کے دن ہمیں اللہ رسوانہ کرے گا۔ ہمیں ہر وقت اپنے اعمال پر نظر رکھنا ہوگی اور اپنی خرابیوں کو دور کرتے رہنے کی کوشش کرنا ہوگی۔ نیز اللہ کی ہدایت کے مطابق ہم گناہوں سے توبہ کرتے رہیں پھر دعا کریں اور امید رکھیں کہ اللہ اپنے محبوب صاحب نور ﷺ کے وسیلہ جلیلہ سے ہمیں وہ نور عطا فرمائے جس کا اس نے وعدہ فرمایا ہے۔

یار کھئے اعمال صالحہ ہی وہ پونجی ہیں جو دنیا کی زندگی کو بھی پر سکون بنا دیتے ہیں اور ان کا اثر آنکھ بند ہوتے ہی اور زیادہ قوی اور طاقتور ہو جاتا ہے۔ جب تاریک قبر میں مؤمن کو اپنے ایمان کی، نماز کی، تلاوت قرآن وغیرہ کی روشنی نصیب ہوتی ہے کہ اس تاریکی کو دور کرنے کی قوت کسی اور روشنی میں نہیں سوائے اعمال صالحہ کے اور پھر یہی اعمال صالحہ ہیں جو قیامت کے دن وعدہ الہی کے ایفاء کا ذریعہ بنتے ہیں لیکن اعمال صالحہ کی قبولیت اور ذریعہ نور بننے کے لئے ضروری ہے کہ مؤمن کا صاحب نور ﷺ سے مضبوط رشتہ محققت و محبت ہو جو اہل محبت و عقیدت اولیاء کرام سے نسبت و تعلق قائم کرنے سے ہی نصیب ہوتا ہے:

یا الہی جب چلوں تاریک راہ پل صراط پر آفتاب ہاشمی نور الہدیٰ کا ساتھ ہو  
یا الہی جب سر شمشیر پر چلنا پڑے رب سلیم کہنے والے غمزدہ کا ساتھ ہو

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اٰجْمَعِيْنَ



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

## الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

کہ

”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا“ کی پہلی جلد آپ کی خدمت میں پیش ہو چکی امید ہے کہ آپ کو ہماری یہ کوشش پسند آئی ہو گی اور آپ نے ہمارے علم و عمر میں اضافہ کی دعا کی ہوگی۔ اس جلد میں آپ کو کہیں کہیں ہماری کم علمی کا بھی احساس ہوا ہوگا۔ ہمیں یقین ہے کہ آپ نے اس کو درگزر کر دیا ہوگا۔ لیجئے اب دوسری جلد پیش خدمت ہے۔ اس سے لطف اندوز ہو جائیے اور ہمیں اپنی رائے سے مطلع کیجئے۔

ہمیں خوشی ہے کہ ہمارے کسی مخلص نے جلد اول کے ص ۱۱۹ پر موجود ایک عبارت کی طرف ہماری توجہ مبذول کرائی۔ یہ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کے ایک ارشاد کا ترجمہ ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مبارک قدموں پر ہماری رات عبادت کرنے کے باعث ورم دیکھتے ہوئے بعض صحابہ نے عرض کیا۔ ”لِمَ تَصْنَعُ هَذَا وَقَدْ غُفِرَ لَكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ“ یا رسول اللہ ﷺ! آپ عبادت میں اس قدر مشقت کیوں فرماتے ہیں جبکہ اللہ نے آپ کے اگلے پچھلے گناہ معاف فرمادیئے ہیں۔ یہی ترجمہ عام مترجمین نے کیا ہے ہم نے بھی اسی طرح کر دیا۔ بس اس وقت خیال نہ آیا کہ یہاں ہم وہ اشارہ کر دیتے جو اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن کریم، سورۃ الفتح کی آیت کا ترجمہ کرتے ہوئے کیا ہے۔ ”لِيُغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ“ تاکہ اللہ تمہارے سب سے گناہ بخشے تمہارے اگلوں کے اور تمہارے پچھلوں کے۔ جبکہ اسی آیت کریمہ کا ترجمہ میرے استاد محترم حضرت علامہ کاظمی رحمۃ اللہ علیہ اس طرح کرتے ہیں ”تاکہ اللہ آپ کے لئے معاف فرمادے آپ کے اگلے اور پچھلے (بظاہر) خلاف اولیٰ سب کام“ اور حضرت پیر کرم شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا: ”تاکہ دور فرمادے آپ کے لئے اللہ تعالیٰ جو الزام آپ پر (ہجرت سے) پہلے لگائے گئے اور جو (ہجرت کے) بعد لگائے گئے۔“ حضرت پیر صاحب نے وہ دیگر تراجم بھی لکھے جو مفسرین نے اس آیت مبارکہ کے کئے ہیں۔

ان تمام ترجموں سے بہر حال یہ واضح ہے کہ الفاظ میں اختلاف کے باوجود عقیدہ سب کا ایک ہی ہے کہ جملہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام بالخصوص میرے آقا ﷺ ہر قسم کے گناہ سے پاک، معصوم ہیں کسی نبی سے گناہ کا تصور بھی ناممکن ہے۔ اس قسم کا خیال بھی گمراہی اور ضلالت ہے، اللہ محفوظ رکھے۔ بحمد اللہ یہی ہمارا عقیدہ اور ایمان ہے جو ہماری نجات کا وسیلہ

اور بخشش کا واحد ذریعہ ہے۔ اللہ اسی پر زندہ رہے اور اسی پر موت آئے کہ یہی حق ہے قرآن و حدیث سے ثابت و واضح ہے۔ ہم شکر گزار ہیں ان جملہ احباب کے جنہوں نے جلد اول کی اشاعت میں ہمارا تعاون کیا۔ ان میں بطور خصوصی قابل ذکر ہیں حضرت علامہ مولانا محمد حسن صاحب حقانی، حضرت علامہ مولانا جمیل احمد صاحب نعیمی، جناب شاہ شمیم الحق اور عزیزم جناب عاقل شفیق صاحب نیز برادر عزیز سید طارق علی قادری ساعدہ الباری، اللہ تعالیٰ ان حضرات کی اس خدمت و اشاعت دین کو بوسیلہ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام قبول فرمائے اور خدمت دین کی مزید توفیق وافر فرمائے، آمین۔

خدم الغم والدین صاحب دہ

فقیر سید سعادت علی القادری

۱۴ شعبان المعظم ۱۴۲۲ھ مطابق ۱۳ اکتوبر ۲۰۰۱ء

مزچہ، شنبہ، وقت سحر، دوران قیام، مسند، بالینڈ

حضرت ضیاء الامت پیر محمد کرم شاہ لائبریری کی  
یادگار تصانیف

ترجمہ  
القرآن مجید  
مجالس القرآن

قرآن پاک کا ابتدائی و بہت قیمتی ترجمہ ہے  
مختلف امتیازات قرآن کا سن کر آج

جلد ۵

ترجمہ ضیاء القرآن

قرآن مجید کا بہترین و سب سے  
پر دل سے لیتا کتاب ہے

ترجمہ ضیاء القرآن  
نستعلیق کا بہترین و سب سے

مجالس القرآن  
قرآن مجید کا بہترین و سب سے  
پر دل سے لیتا کتاب ہے

ترجمہ ضیاء القرآن  
جلد ۶  
قرآن مجید کا بہترین و سب سے  
پر دل سے لیتا کتاب ہے

ترجمہ ضیاء القرآن

مشائخ بلسلہ عالیہ حنفیہ نظامیہ اور دیگر سلاسل  
سے مسمولات اور وارد و وظائف کا مجموعہ

فون:

- 7221953-7220479 محکمہ بخش روڈ لاہور
- 7238010 جسر
- 7225085-7247350 ا. ا. اکرم مارکیٹ ۵۰۰۰ لاہور
- 2210212-2212011 ۱۳ انفال سٹریٹ ۵۰۰۰ لاہور
- 2630411

ترجمہ ضیاء القرآن

خوبصورت نعتیہ قصیدہ کی پرسوز  
اور دل آویز شرح

ترجمہ ضیاء القرآن



